بسم اللہ الرحمن الرحیم

فتاویٰ شامی مترجم

مسمیٰ رد المحتار

محمد امین بن عمر الشہیر بابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ

زیر اہتمام

ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور - کراچی - پاکستان

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	فتاویٰ شامی مترجم (جلد دوم)
مصنف	محمد امین بن عمر الشہیر با بن عابدین رحمۃ اللہ علیہ
مترجمین	علامہ ملک محمد بوستان، علامہ سید محمد اقبال شاہ، علامہ محمد انور مگھالوی
	من علماء دار العلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف
زیر اہتمام	ادارہ ضیاء المصنفین، بھیرہ شریف
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ
	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
تاریخ اشاعت	ستمبر 2017ء
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	FQ28

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔فون:۔ 37221953 فیکس:۔ 042-37238010

9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون: 37247350۔فیکس 042-37225085

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔ 021-32212011-32630411۔فیکس:۔ 021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Website:- www.ziaulquran.com

فہرست مضامین

کتاب الصلاۃ

نماز کے احکام 13

صلاۃ کی لغوی اور شرعی تعریف 13

نماز کا شرعی حکم 14

بچوں سے متعلقہ نماز کے احکام 15

وہ افعال جن کے ساتھ کافر مسلمان ہو جاتا ہے 18

نماز میں نیابت درست نہیں 22

نماز کی فرضیت کا سبب 23

نماز فجر سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے ادا فرمائی 27

وجوب کے اعتبار سے سب سے پہلی نماز 27

بعثت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے مطابق عبادت کرتے تھے 28

نماز فجر کا وقت 29

فجر صادق اور فجر کاذب میں فرق 29

نماز ظہر کا وقت 30

سایۂ اصلی کی تعریف 31

ظل زوال کی تعریف 32

نماز عصر کا وقت 33

اگر سورج غروب ہونے کے بعد لوٹ آئے 33

صلاۃ وسطی 34

نماز مغرب کا وقت 34

نماز عشا کا وقت 35

عشا کے وقت کو نہ پانے والا جیسے اہل بلغار 36

سورج کا مغرب سے طلوع ہونا 42

نماز فجر کا مستحب وقت 44

نماز ظہر کا مستحب وقت 45

نماز جمعہ کا اصلی اور مستحب وقت 46

نماز عصر کا مستحب وقت 47

نماز عشا کا مستحب وقت 47

نماز وتر کا مستحب وقت 50

نماز مغرب میں تاخیر کا حکم 52

(نماز کی صحت کے لیے) وقت کے دخول کا علم ہونا شرط ہے 53

مشروع خطبات 57

جماعت کا تکرار اور مخالف کی اقتدا 58

سنت فجر کے احکام 59

کائنا ما کان کا اعراب 71

وہ مقامات جہاں نماز مکروہ ہے 72

کفار کی عبادت گاہ میں نماز مکروہ ہے 73

باغات کے اندر اور غصب کی زمین میں مسجد بنانا 75

ایک وقت میں دو نمازوں کو جمع کرنے کا حکم 77

جمع الصلاتین کے بارے میں شیخ محی الدین ابن عربی کا نظریہ 78

باب الاذان	80
اذان کے احکام	80
اذان کا لغوی معنی	80
اذان کی شرعی تعریف	80
اذان کا ابتدائی سبب	81
اذان کی بقا کا سبب	82
اذان کا حکم	82
وہ جگہیں جہاں نماز کے علاوہ بھی اذان دینا مستحب ہے	84
حدیث پاک الاذان جزم پر کلام	86
اذان میں ترجیع کا حکم	87
جس نے سب سے پہلے اذان کے لیے مینار بنائے	90
تثویب کے احکام	94
اذان الجوق	96
موذن جو اپنی اذان میں ثواب کی نیت نہ کرنے والا ہو	100
جنبی اور محدث کی اذان اور اقامت کا حکم	101
مسافر کے لیے اذان اور اقامت کا حکم	105
مسجد میں جماعت کے تکرار کی کراہت	107
اذان کے جواب کا حکم	108
وہ لوگ جن پر اذان کا جواب نہیں	109
کیا نبی کریم ﷺ نے خود اذان دی تھی؟	119
باب شروط الصلاۃ	120
نماز کی شرائط کے احکام	120
نماز کی شرائط	122
شرم گاہ کا ڈھانپنا	125
عورت کی آواز کا حکم	131
امرد لڑکے کے چہرے کو دیکھنا	133
نیت کی بحث	149
حضور قلب اور خشوع	154
ادا کی نیت سے قضا اور قضا کی نیت سے ادا نماز صحیح ہے	165
وہ شخص جو کئی سالوں سے ظہر کی نماز وقت سے پہلے پڑھتا چلا آ رہا ہے کی قضا کا حکم	165
جب اشارہ اور تسمیہ جمع ہو جائیں	173
مسجد نبوی میں جو اضافہ کیا گیا کیا وہ مسجد نبوی کا حکم رکھتی ہے	174
استقبال قبلہ کی بحث	175
بستیوں اور شہروں میں قبلہ کی علامت	180
صحراؤں اور سمندروں میں قبلہ کی علامت	181
کرامات اولیاء ثابت ہیں	184
قبلہ میں تحری کے مسائل	186
جب کسی مسئلہ میں تین اقوال ذکر کیے جائیں تو ارجح پہلا یا تیسرا قول ہوتا ہے نہ کہ درمیانہ	191
نیت کے فرعی مسائل	194
باب صفة الصلاۃ	203
نماز پڑھنے کے احکام	203
صفت کا لغوی و عرفی معنیٰ	203
نماز کے فرائض	204
رکن اصلی اور رکن زائد کی بحث	214

کیا امر تعبدی افضل ہے یا وہ امر جس کا معنی سمجھا گیا ہو 216
عبارات کے اطلاق سے ان کا قصد یہ ہوتا ہے کہ کوئی ان کے علم کا دعویٰ نہ کرے مگر وہ شخص جو بار بار ان کی بارگاہ میں حاضری دے 222
نماز کے فرائض کی ادائیگی کی شرائط 224
تکبیر تحریمہ کی شرائط 224
نمازیوں کے لیے شرائط 228
نماز کے واجبات 233
مکروہ تحریمی صغیرہ گناہوں سے ہے اس کے ساتھ عدالت ساقط نہیں ہوتی مگر ہمیشہ اس کا ارتکاب کرتے رہنے سے 234
ہر نماز جو کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی گئی ہو اس کا اعادہ واجب ہے 234
نفل کی ہر دو رکعت ایک نماز ہے 239
کبھی مفرد اسم اشارہ سے تثنیہ اسم کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے 248
جب روایت درایت کے موافق ہو تو درایت سے عدول نہیں ہونا چاہیے 249
امام کی متابعت کی تحقیق 261
متابعت کی اقسام 262
المجتهد فيه سے مراد 263
نماز کی سنتوں کا بیان 267
علما کا قول کہ اساءت، کراہت سے کم درجہ ہے 268
تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو بلند کرنے کا حکم 269
تکبیر تحریمہ سے متعلق دیگر احکام 270
نماز کے آداب 276
جمائی کو روکنے کا مجرب طریقہ 278
فصل 281
نماز شروع کرنے کے احکام 281
نماز کی کیفیت 281
افتتاح کی تکبیر کے احکام 281
اللہ اکبر کے دو ہمزوں میں سے کسی ایک میں مد کرنے کا حکم 282
الاذان جزم کا مطلب 285
گونگے اور امی کے حق میں نیت تحریمہ کے قائم مقام ہے 286
کانوں کی لو اور کندھوں تک ہاتھ اٹھانے سے متعلق روایات میں تطبیق 288
فارسیہ کی پانچ لغات ہیں 290
فارسی میں اذان کا حکم 293
فارسی میں قراءت کا حکم یا تورات اور انجیل کی قراءت کا حکم 293
شاذ قراءت کا حکم 294
متواتر اور قراءت شاذ کا بیان 295
نماز میں تہجی کا حکم 295
ہاتھ باندھنے کا طریقہ 297
ثنا کے احکام 301
نماز میں تعوذ کے احکام 302
بسم اللہ کے احکام 304

"فتویٰ" کا لفظ "مختار" کے لفظ سے مؤکد اور زیادہ بلیغ ہے 305
سورۂ فاتحہ اور دوسری سورت کے درمیان بسم اللہ پڑھنا اچھا ہے 306
بسملہ کے قرآن کا جز ہونے میں آئمہ کا اختلاف 306
بِسْمِ اللهِ کے منکر کا حکم 308
آمین کے احکام 309
رکوع کا طریقہ 313
رکوع میں تسبیح کا حکم 314
آنے والے کے لیے رکوع کو لمبا کرنا 315
ارکان میں امام کی اتباع کے لزوم میں مبنی مسائل 317
تسمیع کے احکام 319
سجدہ کا طریقہ اور احکام 321
کورِعمامہ پر سجدہ کا حکم 326
آستین وغیرہ پر سجدہ کا حکم 328
نماز کے دوران مردوں اور عورتوں کے افعال میں فرق 335
قومہ اور جلسہ میں ذکر کا حکم 337
بِلَااعْتِمَادٍ کے بارے میں احناف اور شوافع کا موقف 339
وہ سات مقامات جہاں ہاتھوں کو بلند کرنا سنت ہے 340
تشہد کے وقت انگلیوں کو بند کرنے اور رفع سبابہ کے احکام 345
تشہد ابن مسعود کا حکم 347
قعدہ اولیٰ میں تشہد پر زیادتی کی صورت میں سجدۂ سہو کا وجوب 349
فرضوں کی آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کا حکم 350
ابتداءً نبی کریم ﷺ پر ترحم کے جواز میں 355
درود پاک میں سیدنا کا لفظ لانے کا حکم 355
کما صلیت علی ابراھیم میں تشبیہ پر کلام 356
نبی کریم ﷺ پر اپنی ذات پر درود پڑھنا واجب نہیں 359
آپ ﷺ پر درود پڑھنے کا وجوب جب بھی آپ ﷺ کا ذکر کیا جائے 359
کیا صلاۃ کا نفع صلاۃ پڑھنے والے کی طرف لوٹتا ہے یا اس کی طرف جس پر صلاۃ پڑھی گئی ہے 361
فرع: سلام، نبی کریم ﷺ پر درود کے قائم مقام ہو جائے گا 361
وہ مقامات جن میں نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنا مستحب ہے 365
وہ مقامات جن میں نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنا مکروہ ہے 365
کیا نبی کریم ﷺ پر درود، رد کیا جاتا ہے یا نہیں 367
حرام دعا کے بارے میں 371
وعید کے خلف کے بارے میں، کافر کے لئے اور تمام مومنین کے لئے مغفرت کی دعا کا حکم 372
سلام کے احکام 377
تکبیر تحریمہ کی فضیلت پانے کا وقت 380
سلام کے مسنون الفاظ 380
سلام کی نیت 381

ملائکہ پر بشر کی تفضیل کے بارے میں 383

کیا حفظہ فرشتے تبدیل ہوتے ہیں 384

کیا وہ فرشتے انسان سے کبھی جدا ہوتے ہیں 385

وہ امور جو فرشتے لکھتے ہیں 387

مکتوب کی اقسام 387

کیا کافر کے اعمال لکھے جاتے ہیں؟ 388

فرضوں کے بعد سنتوں کی تاخیر کا حکم 390

اگر نماز کے بعد تسبیح میں وارد تعداد پر زیادتی کر دی 391

امام کے لیے اپنی جگہ پر نفل کی ادائیگی مکروہ ہے 392

فصل فی القراءۃ 395

قراءت کے احکام 395

جہر اور سر پر کلام 400

اس بات کی تحقیق کہ اگر رکوع میں یاد آئے کہ اس نے قراءت نہیں کی تھی تو وہ لوٹ آئے تو فرض قراءت واقع ہوگی اور قراءت کے فرض واجب اور سنت ہونے کے معنی میں 403

آیت کی تعریف 405

سنت کبھی سنت عین ہوتی ہے اور کبھی سنت کفایہ ہوتی ہے 407

طوال مفصل 410

تمام نمازوں میں پہلی رکعت کو دوسری سے لمبا کرنے کے احکام 414

امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کا حکم 419

نماز سے باہر قراءت کے بارے میں فرعی مسائل 422

قرآن کا سننا فرض کفایہ ہے 423

باب الامامة 427

امامت کے احکام 427

امامت کبریٰ کی شرائط 428

فاسق کی تقلید کا حکم 429

بچے کا اور جبر کی وجہ سے والی بننے والے کا حکم 430

امام اور مقتدی کی شرائط 432

امامت کا ثبوت 435

امام کی حکمت اور افضلیت 435

جماعت کا شرعی حکم 436

نماز تراویح، وتر اور نوافل میں جماعت کا شرعی حکم 437

مسجد میں جماعت کا تکرار 438

جماعت کے لیے کم از کم درکار افراد 439

جنوں کی امامت کا حکم 440

جماعت کو حقیر سمجھتے ہوئے اس کا تارک مردود الشہادہ ہوگا 441

عذر کے سبب ترک جماعت کا حکم 442

جماعت فوت ہونے کی صورت میں دوسری مساجد میں طلب جماعت کا حکم 443

وہ اعذار جن کے سبب جماعت میں شمولیت ضروری نہیں 444

امامت کے استحقاق کی شرائط 448

کسی امر میں مزاحم لوگوں کے درمیان ترجیح کے اسباب 452

غلام، بدو، فاسق، اعشی اور بدعتی کی امامت کا حکم 455

بدعت کی پانچ اقسام 457

رسول اللہ ﷺ اور شیخین کے گستاخ کا حکم 458
سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت کے منکر کا حکم 459
خوبصورت لڑکے کی امامت 460
امام "شافعی" وغیرہ کے پیروکار کی اقتدا کا مطلب 462
جب شافعی، حنفی سے پہلے نماز پڑھے تو کیا شافعی کے ساتھ نماز پڑھنا افضل ہے یا نہیں؟ 464
نماز کو قراءت اور اذکار کے ساتھ سنت کی مقدار سے زائد پڑھ کر طویل کرنے کا حکم 465
عورتوں کی جماعت کے احکام 467
مقتدی کا اکثر قدم امام سے آگے ہو تو نماز کا حکم 471
کیا اساءت کراہت سے کم ہے یا اس سے زیادہ ہے 472
امام کا مقتدیوں کے درمیان کھڑے ہونے کا حکم 473
امام کا محراب میں کھڑا ہونا سنت ہے 474
امام کے محراب کے علاوہ کھڑے ہونے کی کراہت 475
پہلی صف کی فضیلت 475
قرب کے ایثار کا جواز 476
پہلی صف پر کلام 477
نماز جنازہ میں آخری صف میں کھڑا ہونا افضل ہے 477
صفوں میں خالی جگہ پر کرنے کے لیے گردنیں پھلانگنا جائز ہے 479
ممکنہ صفوں کی تعداد اور احکام 481
محاذہ کے احکام 482
امرد کے برابر کھڑا ہونے کے احکام 492
عورت، خنثیٰ اور نابالغ کی اقتدا کے احکام 492
کیا واجب کفایہ صرف لڑکے کے ادا کرنے سے ساقط ہو جاتا ہے 493
معذور کی اقتدا کے احکام 495
گونگے اور امی کی اقتدا کے احکام 497
متنفل کے پیچھے مفترض کی اقتدا کا حکم 498
مسافر کا وقت کے بعد مقیم کی اقتدا کا حکم 502
توتلے کی اقتدا کا حکم 504
جب توتلا پن تھوڑا ہو 506
وہ چیزیں جو اقتدا سے مانع ہیں 509
وہ لوگ جن کی اقتدا صحیح ہے 516
حاجت کے وقت مبلغ کا اپنی آواز بلند کرنے کا جواز 518
اصح قول کی نسبت صحیح قول کو لینا بہتر ہے 528
فرع 528
مقتدی کی اقسام اور احکام 528
اگر مقتدی رکوع یا سجود یا دونوں کو امام کے ساتھ ادا کرے یا امام سے پہلے یا امام کے بعد ادا کرے 530
باب الاستخلاف 541
نیابت کے احکام 541
بنا کی شرائط 541
فرع 541
نیابت کے عدم جواز کی صورتیں 553
المسائل الاثنی عشریہ (بارہ مسائل) 558
مدرک کو نائب بنانا اولیٰ ہے 567
پہیلی: وہ کون سا نمازی ہے جس پر فرض کی چار رکعات میں قراءت فرض ہے؟ 568
پہیلی: وہ کون سا نمازی ہے جس پر سلام لازم نہیں؟ 570

باب مایفسد الصلوۃ وما یکرہ فیہا	576
مفسدات نماز کے احکام	576
سہو اور نسیان میں فرق کا بیان	578
وہ مقامات جہاں سلام کہنا مکروہ ہے	582
بوڑھی عورت سے مصافحہ کرنا جب شہوت سے امن ہو	583
وہ مقامات جہاں سلام کا جواب دینا واجب نہیں	585
اہل کتاب کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا	601
عمل کثیر میں ائمہ کے اقوال	602
سلے ہوئے کپڑے پر نماز کا حکم	605
نماز میں چلنے کا بیان	608
قاری کے غلط پڑھنے کے مسائل	615
تعلی جد ربنا بغیر الف کے پڑھنا نماز کو فاسد نہیں کرتا	620
سترہ کے احکام	629
نماز کے مکروہات	633
مکروہ تحریمی اور مکروہ تنزیہی	633
خشوع کا مفہوم	638
جب حکم سنت اور بدعت میں متردد ہو تو سنت کا ترک اولی ہے	641
کسی آدمی کا دوسرے آدمی کی طرف جب کہ وہ نماز پڑھ رہا ہو منہ کرنا	645
جمائی کے احکام	647
امام کا محراب میں کھڑے ہونے کے احکام	649
ایسا کپڑا جس میں ذی روح کی تصاویر ہوں پہننے کا حکم	654
آلہ تسبیح پر کلام	662
سنت، مستحب، مکروہ اور خلاف اولی کا بیان	667
وہ صورتیں جن میں نماز کو توڑنا جائز ہے	669
نماز کے توابع میں سے مکروہ چیزوں کا بیان	672
مسجد کے احکام	674
مسجد میں راستہ بنانے کا حکم	675
جوتے اور موزے پہن کر نماز پڑھنے کا حکم	676
فناء مسجد کا حکم	678
مسجد کی تزئین و آرائش اور لاباس کا بیان	679
مطلب فی افضل المساجد	681
محلے کی مسجد جامع مسجد سے افضل ہے	682
مسجد میں بھیک مانگنے اور گم شدہ چیز کے بارے میں سوال کرنے کا حکم	683
شعر کہنے کا حکم	683
بلند آواز سے ذکر کرنا	685
مسجد میں درخت لگانے کا حکم	686
مسجد میں کھانے، سونے اور ناپسندیدہ بو والی چیز کھا کر آنے کا حکم	686
مباح چیزوں کا بیان	689
باب الوتر والنوافل	691
وتر اور نوافل کے احکام	691
فرض علمی، فرض عملی اور واجب	691
زر، سنتوں یا اجماع کا منکر	693
نماز وتر کی قضا کا حکم	695

نماز وتر میں سورۃ الاعلی، سورۃ الکافرون اور سورۃ الاخلاص کی تلاوت سنت ہے	696
دعائے قنوت کا حکم اور مسائل	698
کسی شافعی امام کی اقتدا	701
فرائض اور واجبات میں امام کی متابعت کا حکم	707
مصیبت واقع ہونے کی صورت میں دعا	709
وہ پانچ امور جن میں امام کی پیروی کی جائے گی	710
وہ چار امور جن میں امام کی پیروی نہیں کی جائے گی	711
وہ آٹھ امور جو مطلقاً کیے جائیں گے	712
سنتوں اور نوافل کے بارے میں اقوال	713
فرائض سے پہلے اور بعد میں سنتوں کے مشروع ہونے کی حکمت	714
صلاۃ الاوابین	715
فجر، ظہر اور مغرب کی سنتوں کی تاکید	717
سنتوں کی مشروعیت کے منکر کا حکم	719
فجر کی سنتوں کی قضا کا حکم	720
ثمان کا لفظ	720
رات اور دن میں ایک سلام کے ساتھ افضل رکعات	721
نفل کی دو رکعات مکمل نماز ہو یہ عام نہیں	723
رکوع، سجود اور قیام کی افضلیت میں ائمہ کے اقوال	724
تحیۃ المسجد کے نوافل	726
فرض نماز میں مشغولیت تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہو جائے گی	727
سنت کو مسنون محل سے مؤخر کرنے کا شرعی حکم	729
فجر کی سنتوں کے بعد پہلو کے بل لیٹنا	731
نذر سے نہی کی حدیث	733
غفلت کا اندیشہ نہ ہو تو نفل نماز گھر میں پڑھنا افضل ہے	734
وضو کی سنتیں	735
چاشت کی سنتیں	735
نماز چاشت کا وقت	736
نماز چاشت کی رکعات	736
سفر پر جانے اور اس سے واپس آنے کی دو رکعات	738
رات کی نماز	739
رات کی نماز کے لیے افضل وقت	741
عیدین، نصف شعبان، ذی الحجہ کا پہلا عشرہ اور رمضان کی راتوں کو زندہ کرنا	742
رغائب کی نماز	743
استخارہ کی دو رکعات	743
تتمیم	744
نماز تسبیح	745
نماز حاجت	747
نفل شروع کرنے سے قضا لازم ہو جائے گی	750
وہ سات قسم کے نوافل جو شروع کرنے والے پر لازم ہو جاتے ہیں	754
سولہ مسائل	757
خلاصۂ کلام	758
قیام پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر نوافل پڑھنے کا جواز	765
رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک	766

رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت 767
کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی فضیلت 767
چوپائے پر نماز 770
چوپائے پر فرائض اور واجبات کی ادائیگی کا حکم 773
وہ اعذار جن کے پائے جانے کی صورت میں سواری پر فرائض وغیرہ کی ادائیگی جائز ہے 775
غیر کی اعانت سے قادر کا حکم 775
نماز تراویح 781
نماز تراویح کا شرعی حکم 782
نماز تراویح کا وقت 783
نماز تراویح کو با جماعت ادا کرنا سنت کفایہ ہے 785
نماز تراویح میں رکعات کی تعداد 786
نماز تراویح میں ختم قرآن سنت ہے 789
بیٹھ کر نماز تراویح پڑھنا مکروہ ہے 791
امام کے ساتھ وتروں کی ادائیگی کا مسئلہ 792
تداعی کے طریقہ پر نفل اور نماز رغائب میں اقتدا کا مکروہ ہونا 793

علماء دیوبند کے علوم کا پاسبان
دینی و علمی کتابوں کا عظیم مرکز ٹیلیگرام چینل
حنفی کتب خانہ محمد معاذ خان
درس نظامی کیلئے ایک مفید ترین
ٹیلیگرام چینل

كِتَابُ الصَّلَاةِ

شُرُوعٌ فِي الْمَقْصُودِ بَعْدَ بَيَانِ الْوَسِيلَةِ، وَلَمْ تَخْلُ عَنْهَا شَرِيعَةُ مُرْسَلٍ وَلَمَّا صَارَتْ قُرْبَةً بِوَاسِطَةِ الْكَعْبَةِ كَانَتْ دُونَ الْإِيمَانِ لَا مِنْهُ، بَلْ مِنْ فُرُوعِهِ، وَهِيَ لُغَةً الدُّعَاءُ،

نماز کے احکام

وسیلہ کے بیان کے بعد مقصود میں شروع ہو رہے ہیں اور نماز سے کسی مرسل کی شریعت خالی نہیں تھی۔ جب یہ کعبہ کے واسطہ سے قربت ہوئی تو یہ ایمان سے کم درجہ ہوئی۔ یہ ایمان سے نہیں بلکہ اس کی فروع سے ہے۔ صلاۃ کا لغوی معنی دعا ہے۔

3113۔ (قولہ: شُرُوعٌ) یہ طہارت سے اس کو مؤخر کرنے کا بیان ہے۔ اور طہارت میں دوسری چیزوں پر اس کی تقدیم کی وجہ گزر چکی ہے۔

3114۔ (قولہ: وَلَمْ تَخْلُ عَنْهَا شَرِيعَةُ مُرْسَلٍ) یعنی اصل صلاۃ سے کسی مرسل کی شریعت خالی نہیں تھی۔ بعض علماء نے فرمایا: صبح، آدم علیہ السلام کی نماز تھی، ظہر داؤد علیہ السلام کی نماز تھی، عصر سلیمان علیہ السلام کی نماز تھی، مغرب یعقوب علیہ السلام کی نماز تھی، عشاء یونس علیہ السلام کی نماز تھی۔ اس امت میں یہ ساری جمع کی گئی ہیں۔ بعض نے اس کے علاوہ کہا ہے۔

3115۔ (قولہ: بِوَاسِطَةِ الْكَعْبَةِ) یعنی اس کی طرف منہ کرنے کے واسطہ سے۔ دیکھو اس شرط کو کیوں خاص کیا حالانکہ نماز قربت نہیں بنتی مگر تمام شرائط کے اجتماع کے ساتھ۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ مراد یہ ہے کہ یہ قربت ہوئی کعبہ کی تعظیم کے واسطہ سے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کی تعظیم کے لیے کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا۔ کعبہ کی تعظیم کے واسطہ سے اس میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے۔ ہمارے شیخ نے یہ فائدہ ذکر کیا ہے۔ اللہ ان کی حفاظت فرمائے۔

3116۔ (قولہ: دُونَ الْإِيمَانِ) کیونکہ بغیر کسی واسطہ کے قربت ہے۔

3117۔ (قولہ: لَا مِنْهُ، بَلْ مِنْ فُرُوعِهِ) فعل کے اعتبار سے ایمان سے کم ہے۔ رہا اس کے حکم کے اعتبار سے تو وہ فرض ہونا ہے۔ نماز ایمان سے ہے کیونکہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے اس کی تصدیق کے متعلق سے ہے "طحطاوی"۔ الشارح نے اس کے اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے جو کہتا ہے کہ اعمال، ایمان سے ہیں جیسے امام بخاری وغیرہ۔

صلاۃ کی لغوی اور شرعی تعریف

3118۔ (قولہ: وَهِيَ لُغَةً الدُّعَاءُ) یعنی صلاۃ کی حقیقت دعا ہے یہی جمہور علماء کا نظریہ ہے۔ اس پر "جوہری" وغیرہ نے جزم کیا ہے۔ کیونکہ ارکان مخصوصہ کے ساتھ ورود سے پہلے عربوں کے کلام میں یہ لفظ مستعمل تھا۔ بعض علماء نے فرمایا: صلوۃ کا حقیقی معنی تحریک الصلوین ہے سرین کو حرکت دینا۔ الصلوین لام کے سکون کے ساتھ ہے اس سے مراد وہ دوا بھری

فَنُقِلَتْ شَرْعًا إِلَى الْأَفْعَالِ الْمَعْلُومَةِ وَهُوَ الظَّاهِرُ، لِوُجُودِهَا بِدُونِ الدُّعَاءِ فِي الْأُمِّيِّ وَالْأَخْرَسِ (هِيَ فَرْضُ عَيْنٍ عَلَى كُلِّ مُكَلَّفٍ) بِالْإِجْمَاعِ فُرِضَتْ فِي الْإِسْرَاءِ لَيْلَةَ السَّبْتِ سَابِعَ عَشَرَ رَمَضَانَ قَبْلَ الْهِجْرَةِ بِسَنَةٍ وَنِصْفٍ، وَكَانَتْ قَبْلَهُ صَلَاتَيْنِ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا شُمُنِّيٌّ

پھر شرعاً افعال معلومہ کی طرف منتقل کی گئی ہے۔یہی ظاہر ہے۔کیونکہ امی ان پڑھ اور گونگے میں دعا کے بغیر پائی جاتی ہے۔ نماز ہر عاقل پر فرض عین ہے بالاجماع۔نماز معراج میں ہفتہ کی رات سترہ رمضان میں فرض ہوئی ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے۔اس سے پہلے دو نمازیں تھیں ایک سورج کے طلوع سے پہلے اور ایک غروب سے پہلے۔

ہوئی ہڈیاں ہیں جو رانوں کے اوپر والے حصہ میں ہوتی ہیں جب کہ اوپر سرین ہوتی ہے۔ارکان مخصوصہ میں مجاز لغوی ہے کیونکہ نمازی رکوع وسجود میں اپنی سرین کو حرکت دیتا ہے۔دعا میں مرتبہ ثانیہ میں استعارہ تصریحیہ ہے داعی کو اس کے خشوع و خضوع میں رکوع کرنے اور سجدہ کرنے والے کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے۔اس کی مکمل بحث ''النہر'' میں ہے۔

3119۔(قولہ: فَنُقِلَتْ الخ) علماء اصول کا ان الفاظ میں اختلاف ہے جو شرعی معانی پر دلالت کرتے ہیں جیسے نماز اور روزہ۔کیا یہ اپنے معانی لغویہ سے حقائق شرعیہ کی طرف منقول ہیں یعنی اس طرح کہ معنی اصلی کی رعایت باقی نہ ہو یا اصلی معنی باقی ہوتا ہے اور اس میں کچھ قیود شرعیہ کا اضافہ کیا جاتا ہے؟ بعض نے پہلا قول کیا ہے اور ''الغایہ'' میں پہلے قول کی تائید کی ہے یہ علت بیان کرتے ہوئے کہ نماز بغیر دعا کے امی میں پائی جاتی ہے۔اور بعض نے دوسرا قول کیا ہے یعنی دعا پر باقی ارکان مخصوصہ کا اضافہ کیا گیا ہے۔جز کا اطلاق کل پر کیا گیا ہے جیسا کہ ''النہر'' میں ہے۔

3120۔(قولہ: هُوَ الظَّاهِرُ) ضمیر ''نقلت'' سے جو نقل کا مفہوم ہے اس کے لیے ہے۔اور (لوجودھا) کا قول ظہور کی علت ہے ''حلبی''۔اور ''البحر'' میں اس کی یہ علت بیان فرمائی ہے کہ دعا شرعاً صلاۃ کی حقیقت سے نہیں ہے یعنی اس بنا پر کہ یہ قراءت کے خلاف ہے۔''النہر'' میں فرمایا: یہ ممنوع ہے۔

میں کہتا ہوں: اس میں نظر ہے کیونکہ صلاۃ کی حقیقت سے آیت کی قراءت ہے اگرچہ وہ دعا نہ ہو۔(تامل)

نماز کا شرعی حکم

3121۔(قولہ: هِيَ) یعنی صلاۃ کاملہ اور وہ پانچ فرض نمازیں ہیں۔

3122۔(قولہ: عَلَى كُلِّ مُكَلَّفٍ) یعنی مکلف کی ذات پر فرض ہیں۔اسی وجہ سے اس کو فرض کیا گیا ہے بخلاف فرض کفایہ کے۔فرض کفایہ تمام مکلفین پر کفایۃ واجب ہوتا ہے یعنی اگر بعض بھی اس فرض کو ادا کر دیں تو باقی تمام کی طرف سے کافی ہوتا ہے ورنہ تمام گنہگار ہوتے ہیں۔پھر مکلف وہ مسلمان بالغ، عاقل فرد ہے اگرچہ وہ عورت ہو یا غلام ہو۔

3123۔(قولہ: بِالْإِجْمَاعِ) یعنی کتاب وسنت سے ثابت ہے۔

3124۔(قولہ: فُرِضَتْ فِي الْإِسْرَاءِ) اس کو شیخ اسماعیل نے ''الاحکام شرح درر الحکام'' میں نقل کیا ہے۔پھر فرمایا:

(وَإِنْ وَجَبَ ضَرْبُ ابْنِ عَشْرٍ عَلَيْهَا بِيَدٍ لَا بِخَشَبَةٍ) لِحَدِيثِ (مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعٍ، وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرٍ)

نماز نہ پڑھنے پر دس سال کے بچے کو ہاتھ سے مارنا واجب ہے لکڑی سے نہیں۔ کیونکہ حدیث شریف ہے اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو جب کہ وہ سات سال کے ہوں اور انہیں مارو جب کہ وہ دس سال کے ہوں۔

''الشیخ محمد بکری'' نے جو''الروضہ الزہراء'' میں ذکر کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ علماء کا اختلاف ہے کہ اسراء کس سن میں واقع ہوئی اس اتفاق کے بعد کہ بعثت کے بعد ہوئی۔ ایک جماعت نے اس پر جزم کیا ہے کہ ہجرت سے ایک سال پہلے معراج ہوئی۔ ''ابن حزم'' نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ بعض نے فرمایا: پانچ سال پہلے ہوئی۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ معراج کس مہینے میں ہوئی۔ ''ابن الاثیر'' اور ''النووی'' نے اپنے ''فتاوی'' میں جزم کیا ہے کہ یہ ربیع الاول میں ہوئی۔ ''النووی'' نے فرمایا: ستائیسویں کی رات ہوئی۔ بعض نے کہا: ربیع الآخر میں ہوئی۔ بعض نے کہا رجب میں ہوئی۔ ''النووی'' نے ''الروضہ'' میں ''الرافعی'' کی تبع میں اس پر جزم کیا ہے۔ بعض نے کہا: شوال میں ہوئی۔ حافظ ''عبدالغنی المقدسی'' نے اپنی سیرت میں اس پر جزم کیا ہے کہ یہ رجب کی ستائیسویں کی رات تھی۔ اہل الامصار کا اس پر عمل ہے۔

بچوں سے متعلقہ نماز کے احکام

3125۔ (قولہ: وَإِنْ وَجَبَ) یہ (کل مکلف) کے مفہوم پر مبالغہ ہے گویا فرمایا: غیر مکلف پر فرض نہیں اگرچہ ولی پر دس سال کے بچے کو مارنا واجب ہے۔ یہ اس لیے ہے تاکہ نماز کا عادی بن جائے نہ اس لیے کہ اس پر نماز فرض ہے۔ یہ ''حلبی'' نے فائدہ ذکر کیا ہے۔ حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ سات سال کے بچے کو نماز کا حکم دینا واجب ہے جیسے مارنا واجب ہے (نماز نہ پڑھنے پر) ظاہر یہ بھی ہے کہ وجوب بمعنی اصطلاحی ہے فرض کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ حدیث ظنی ہے۔ (فافہم)

3126۔ (قولہ: بِيَدٍ) یعنی تین طمانچوں سے زیادہ نہ مارے۔ اور اسی طرح استاد کے لیے تین ضربوں سے زیادہ مارنا جائز نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرداس المعلم کو فرمایا تین ضربوں سے زیادہ مارنے سے اجتناب کر، جب تو تین ضربوں سے زیادہ مارے گا تو اللہ تعالیٰ تجھ سے بدلہ لے گا (اسماعیل عن احکام الصغار للاوستروشنی) اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ نماز کے علاوہ میں بھی چھڑی سے نہ مارے۔

3127۔ (قولہ: لَا بِخَشَبَةٍ) یعنی لاٹھی کے ساتھ (بید) کے قول کا مقتضا یہ ہے کہ الخشبة سے مراد لکڑی اور کوڑے سے اعم چیز لی جائے۔

3128۔ (قولہ: لِحَدِيثِ) ضرب مطلق پر استدلال ہے۔ اور رہا لکڑی کے ساتھ نہ ہونا تو لکڑی کے ساتھ مارنا مکلف کی جنایت میں وارد ہے ''ح''۔ مکمل حدیث ہے: ان کے درمیان بستروں میں جدائی کر دو۔ اس حدیث کو ابوداؤد، الترمذی نے روایت کیا ہے اور اس کے لفظ میں بچے کو نماز سکھاؤ (جب کہ وہ) سات سال کا ہو اور اسے نماز نہ پڑھنے پر مارو (1) جب

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب متی یؤمر الغلام بالصلوۃ، جلد 1 صفحہ 201، حدیث نمبر 418

قُلْت وَالصَّوْمُ كَالصَّلَاةِ عَلَى الصَّحِيحِ كَمَا فِي صَوْمِ الْقُهُسْتَانِيِّ مَعْزِيًّا لِلزَّاهِدِيِّ وَفِي حَظْرِ الِاخْتِيَارِ أَنَّهُ يُؤْمَرُ بِالصَّوْمِ وَالصَّلَاةِ وَيُنْهَى عَنْ شُرْبِ الْخَمْرِ لِيَأْلَفَ الْخَيْرَ وَيَتْرُكَ الشَّرَّ (وَيُكَفَّرُ جَاحِدُهَا) لِثُبُوتِهَا بِدَلِيلٍ قَطْعِيٍّ (وَتَارِكُهَا عَمْدًا مَجَانَةً) أَيْ تَكَاسُلًا فَاسِقٌ (يُحْبَسُ حَتَّى يُصَلِّيَ) لِأَنَّهُ يُحْبَسُ لِحَقِّ الْعَبْدِ فَحَقُّ الْحَقِّ أَحَقُّ، وَقِيلَ يُضْرَبُ حَتَّى يَسِيلَ مِنْهُ الدَّمُ

میں کہتا ہوں: صحیح قول پر روزہ نماز کی طرح ہے جیسا کہ ''القہستانی'' کے باب الصوم میں ''زاہدی'' کی طرف نسبت کرتے ہوئے ذکر ہے۔ ''الاختیار'' کے باب الحظر میں ہے: بچے کو روزے اور نماز کا حکم دیا جائے گا اور شراب پینے سے منع کیا جائے گا تاکہ وہ خیر سے محبت کرے اور شر کو چھوڑ دے۔ اور نماز کے انکاری کو کافر کہا جائے گا کیونکہ نماز کا ثبوت دلیل قطعی سے ہے اور نماز کا جان بوجھ کر سستی کرتے ہوئے ترک کرنے والا فاسق ہے۔ اور (بے نماز کو) قید کیا جائے گا حتی کہ نماز پڑھنے لگے۔ کیونکہ بندے کے حق کی وجہ سے قید کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا حق زیادہ مستحق ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اسے مارا جائے گا حتی کہ اس سے خون بہنے لگے۔

کہ وہ دس سال کا ہو۔ فرمایا: حسن صحیح ہے، ''ابن خزیمہ''، ''حاکم'' اور ''البیہقی'' نے اس کو صحیح کہا ہے۔ ''اسماعیل''۔

ظاہر یہ ہے کہ سات سال اور دس سال مکمل ہونے کے بعد واجب ہے آٹھویں سال کے شروع میں اور گیارہویں سال کے شروع میں یہ حکم اور تضریب ہو جیسا کہ پرورش کی مدت میں فرمایا ہے۔

3129۔(قوله: قُلْت الخ) ان دونوں نقلوں سے مراد یہ ہے کہ بچے کو مناسب ہے کہ تمام مامورات کا حکم دینا چاہیے اور تمام منہیات سے منع کرنا چاہیے۔ ''حلبی''۔

میں کہتا ہوں: احکام الصغار میں تصریح ہے کہ بچے کو غسل کا حکم دیا جائے گا جب وہ جماع کرے۔ بے وضو نماز پڑھے تو اعادہ کا حکم دیا جائے نہ کہ روزہ اگر وہ توڑ دے کیونکہ اس پر مشقت ہے۔

3130۔(قوله: مَجَانَةً) تخفیف کے ساتھ۔ ''المغرب'' میں ہے: الماجن وہ ہوتا ہے جو اس کی پروا نہیں کرتا کہ جو اس نے کیا اور جو اسے کہا گیا۔ اس کا مصدر المجون ہے اور المجانۃ اس سے اسم ہے اور اس کا فعل باب طلب سے ہے۔

3131۔(قوله: أَيْ تَكَاسُلًا) مراد تفسیر ہے۔ ''حلبی''۔

3132۔(قوله: فَحَقُّ الْحَقِّ أَحَقُّ) یہ نہیں کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کا حق مسامحت پر مبنی ہے۔ کیونکہ ارکان اسلام میں سے کسی چیز میں تسامح نہیں۔ ''اسماعیل''۔

3133۔(قوله: وَقِيلَ يُضْرَبُ) اس کے قائل امام المحبوبی ہے ''حلبی'' عن ''المنح''۔

''الحلبہ'' کا ظاہر یہ ہے کہ یہی مذہب ہے...... انہوں نے فرمایا: ہمارے اصحاب کی ایک جماعت نے کہا جن میں ''الزہری'' ہے: اسے قتل نہیں کیا جائے گا...... بلکہ اسے تعزیر لگائی جائے گی اور اسے قید کیا جائے گا حتی کہ وہ مر جائے یا وہ

وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ يُقْتَلُ بِصَلَاةٍ وَاحِدَةٍ حَدًّا، وَقِيلَ كُفْرًا (وَيُحْكَمُ بِإِسْلَامِ فَاعِلِهَا) بِشُرُوطٍ أَرْبَعَةٍ أَنْ يُصَلِّيَ فِي الْوَقْتِ (مَعَ جَمَاعَةٍ) مُؤْتَمًّا

اور امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک نماز چھوڑنے کی وجہ سے اسے حداً قتل کیا جائے گا۔ اور بعض نے فرمایا: کفراً قتل کیا جائے گا۔ اور نماز پڑھنے والے کے اسلام کا حکم لگایا جائے گا چار شروط کے ساتھ: وقت میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھے۔ اقتدا کرتے ہوئے،

توبہ کرے۔

3134۔ (قوله: وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ يُقْتَلُ) اسی طرح امام مالک اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ ایک روایت امام احمد سے یہ ہے...... یہی ان کے اکثر اصحاب کے نزدیک مختار ہے...... کہ اسے کفراً قتل کیا جائے گا۔ ''الحلبہ'' میں اس کی تفصیل ہے۔

3135۔ (قوله: وَيُحْكَمُ بِإِسْلَامِ فَاعِلِهَا) یعنی کافر جب جماعت کے ساتھ نماز پڑھے گا تو ہمارے نزدیک اس کے اسلام کا حکم لگایا جائے گا امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ جماعت اس امت کے ساتھ خاص ہے بخلاف تنہا نماز پڑھنے کے۔ کیونکہ منفرد نماز پڑھنا تمام امتوں میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہماری نماز جیسی نماز پڑھی ہمارے قبلہ کی طرف منہ کیا تو وہ ہم میں سے ہے (1)۔ فقہاء نے فرمایا: اس سے مراد ہیئت مخصوص پر جماعت کے ساتھ ہماری نماز ہے۔ ''درر''۔

یہ طویل حدیث کا ایک ٹکڑا ہے جسے ''بخاری'' وغیرہ نے نقل کیا ہے مگر انہوں نے فھو المسلم کے الفاظ ذکر کیے ہیں۔ ''اسماعیل''۔

3136۔ (قوله: بِشُرُوطٍ أَرْبَعَةٍ) امام ''طرسوی'' نے ''انفع الوسائل'' میں مقید کیا ہے کہ نماز مسجد میں ہو، اس بنا پر شروط پانچ ہوں گی۔ لیکن ''شرح درر البحار'' میں فرمایا: (فی مسجد اوغیرہ) مسجد میں یا مسجد کے علاوہ میں۔

3137۔ (قوله: فِي الْوَقْتِ) یہ مومنین کی کامل نماز ہے۔

اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ اگر اس نماز سے ایک رکعت پالے تو کافی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ نماز وقت میں نہیں ہے اگرچہ وہ نماز ادا ہے یہ غیر کامل ہے۔ (فی الوقت) سے مراد ادائیگی مراد نہیں ہے بلکہ اس سے اخص ہے۔ (فافہم)

3138۔ (قوله: مُؤْتَمًّا) یہ مع جماعت کی قید ہے۔ اگر امام ہو تو اس سے احتراز ہے۔ امام ''طحطاوی'' نے فرمایا: کیونکہ اقتدا مومنین کے طریقہ کی اتباع پر دلالت کرتی ہے بخلاف اس کے اگر وہ امام ہو۔ کیونکہ انفراد کی نیت کا احتمال ہے۔ پس وہ جماعت نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ احتمال تو مقتدی میں بھی موجود ہے۔ پس یہ کہنا بہتر ہے کہ امام متبوع ہوتا ہے تابع نہیں ہوتا اور مقتدی

1۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوۃ، باب فضل استقبال القبلہ، جلد 1، صفحہ 228، حدیث نمبر 378

مُتَبِعًا وَكَذَا لَوْ أَذَّنَ فِي الْوَقْتِ
مکمل کرتے ہوئے اور اسی طرح اگر وقت میں اذان دی

اپنے امام کے تابع ہوتا ہے اس کے احکام کو لازم پکڑتا ہے اور شارح نے جس کے ساتھ مقید کیا ہے وہ آنے والی نظم سے ماخوذ ہے ''المجمع'' اور ''درر البحار'' کی تبع میں اور ''عقد الفرائد'' میں اس مفہوم کی تصریح ہے فرمایا: امام ہو کر نماز پڑھی تو اس کے اسلام کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ شیخ ''اسماعیل'' نے اس کو نقل کیا ہے۔

3139۔(قولہ: مُتَبِعًا) اگر امام کے پیچھے نماز پڑھی اور تکبیر کہی پھر نماز کو توڑ دیا تو وہ اسلام نہ ہوگا۔ ''شرح الوہبانیہ'' عن ''المنتقی''۔

وہ افعال جن کے ساتھ کافر مسلمان ہو جاتا ہے

3140۔(قولہ: وَكَذَا لَوْ أَذَّنَ فِي الْوَقْتِ) جب نماز کا مسئلہ ذکر فرمایا تو ان افعال کو مکمل کرنے کا ارادہ فرمایا جن کے ساتھ کافر مسلمان ہو جاتا ہے۔ پس انہوں نے ذکر کیا ہے کہ ان میں سے وقت میں اذان ہے کیونکہ یہ ہمارے دین کے خصائص سے ہے اور ہماری شرع کا شعار ہے۔ اسی وجہ سے ''البحر'' کی تبع میں ''المنح'' میں مسجد میں اذان دینے کے ساتھ مقید کیا ہے۔ پس اس پر اسلام کا حکم نہیں لگایا جائے گا اذان کے ضمن میں شہادتین ادا کرنے کی وجہ سے تاکہ یہ قول کے ساتھ اسلام سے ہو۔ کیونکہ اس وقت کوئی فرق نہیں کہ وہ وقت میں ہو یا وقت سے باہر ہو بلکہ وہ بالفعل اسلام سے ہے۔ اسی وجہ سے ''ابن الشحنہ'' نے تصریح کی ہے کہ وقت میں اذان کے ساتھ اس کے اسلام کا حکم لگایا جائے گا۔ اگر وہ عیسوی ہو تو وہ ہمارے نبی کی رسالت کو عرب کے ساتھ خاص کرتا ہے۔ کیونکہ کافر جس کے ساتھ مسلمان ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں: ایک قول اور دوسرا فعل۔ پس قول جیسے شہادتین کے کلمے کی اس میں ہمارے ائمہ نے تفصیل بیان کی ہے۔ کیونکہ یہ محل اشتباہ اور محل احتمال ہے عیسوی اور غیر عیسوی کے درمیان۔ پس علماء نے فرمایا: عیسوی میں شہادتین کے ساتھ اپنے دین سے براءت ضروری ہے کیونکہ وہ اعتقاد رکھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف عورتوں کی طرف مبعوث کیے گئے ہیں۔ پس احتمال ہے کہ اس نے اس کا ارادہ کیا ہو بخلاف غیر عیسوی کے اس میں براءت کی ضرورت نہیں۔

رہا فعل تو ان کا کلام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس میں عیسوی اور غیر عیسوی میں کوئی فرق نہیں جیسا کہ امام ''الطرسوسی'' نے اس کو ثابت کیا ہے بخلاف اس کے جو ''ابن وہبان'' نے سمجھا ہے۔ پھر ''ابن الشحنہ'' نے کہا: وقت کے بغیر اذان وہ عیسوی سے اسلام نہ ہوگا کیونکہ وہ اقوال سے ہے پس اس وقت اس کا اپنے دین سے براءت کرنا ضروری ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح غیر عیسوی سے اسلام نہ ہوگا کیونکہ اس سے پہلے ''الغایہ'' وغیرہا سے یہ نقل کیا ہے کہ کافر اگر غیر وقت میں اذان دے گا تو وہ مسلمان نہ ہوگا کیونکہ وہ استہزاء کرنے والا ہے۔

اس سے حاصل ہوا کہ اذان وقت میں بالفعل اسلام سے ہے اس میں کافروں کے درمیان فرق نہیں۔ اور غیر وقت میں اذان

أَوْ سَجَدَ لِلتِّلَاوَةِ أَوْ زَكَّى السَّائِمَةَ صَارَ مُسْلِمًا، لَا لَوْ صَلَّى فِي غَيْرِ الْوَقْتِ أَوْ مُنْفَرِدًا أَوْ إمَامًا، أَوْ أَفْسَدَهَا أَوْ فَعَلَ بَقِيَّةَ الْعِبَادَاتِ ؛ لِأَنَّهَا لَا تَخْتَصُّ بِشَرِيعَتِنَا

یا سجدہ تلاوت کیا یا چرنے والے جانوروں کی زکوٰۃ دی تو مسلمان ہو گیا نہ وہ جو غیر وقت میں یا تنہا یا امام ہو کر نماز پڑھے یا نماز کو فاسد کردے یا بقیہ عبادات ادا کرے۔ کیونکہ یہ عبادات ہماری شریعت کے ساتھ مختص نہیں۔

بالقول اسلام سے ہے۔ لیکن جب استہزاء کا احتمال ہے تو کافر مسلمان نہ ہوگا باوجود اس کے اگر وہ عیسوی ہوگا۔ وہ زیادہ کرے گا کہ اس کی شرط مفقود ہے اور وہ اپنے دین سے براءت ہے فافهم و اغتنم هذا التحرير۔ سمجھو اور اس تحریر کو غنیمت سمجھو۔

اب یہ باقی ہے کہ وقت میں اذان میں مداومت شرط ہے یا ایک مرتبہ کافی ہے اس پر آگے کلام (مقولہ 3150 میں) آئے گی۔

3141۔ (قولہ: أَوْ سَجَدَ لِلتِّلَاوَةِ) یعنی آیت سجدہ کے سماع کے وقت "بزازیہ"۔ یعنی یہ ہمارے خصائص سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق خبر دی کہ اذا قرئ علیهم القرآن لا یسجدون جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ سجدہ نہیں کرتے۔

3142۔ (قولہ: أَوْ زَكَّى السَّائِمَةَ) "الطرسوسی" نے "نظم الفرائد" میں اونٹوں کی زکوٰۃ کے ساتھ اس کو مقید کیا ہے۔ "ابن وہبان" نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اس کے لیے کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ "الخانیہ" میں فرمایا: اگر کافر روزہ رکھے یا حج کرے یا زکوٰۃ دے تو "ظاہر الروایہ" میں اس کے اسلام کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ "ابن الشحنہ" اور صاحب "النہر" نے اس کو ثابت کیا ہے پس معلوم ہوا کہ الشارح نے جو ذکر کیا ہے وہ ظاہر الروایہ کے خلاف بھی ہے۔

3143۔ (قولہ: لَا لَوْ صَلَّى) یہ لف ونشر مرتب کے طریق پر نماز میں سابقہ قیود سے احتراز ہے۔

3144۔ (قولہ: مُنْفَرِدًا) تنہا نماز پڑھنا ہماری شریعت کے اختصاص سے نہیں ہے۔ "ابن الشحنہ عن المنتقی"۔ اور "الذخیرہ" میں ہے: یہ امام "ابو حنیفہ" رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اور ہمارے مشائخ میں سے جنہوں نے اختلاف کی نفی کی ہے انہوں نے "امام صاحب" رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو اس پر محمول کیا ہے کہ جب بغیر اذان اور اقامت کے اکیلے نماز پڑھے تو بالاتفاق اس کے اسلام کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ اور "صاحبین" رحمہما اللہ کے قول کو اس پر محمول کیا ہے جب وہ اکیلے نماز پڑھے اور اذان واقامت کو ادا کرے تو بالاتفاق اس کے اسلام کا حکم لگایا جائے گا کیونکہ یہ ہماری شریعت کے ساتھ مختص ہے۔

میں کہتا ہوں: لیکن اس توثیق میں نظر ہے۔ کیونکہ "ابن الشحنہ" نے یہ صاحب "الکافی" سے نقل کیا ہے کہ عبادت کا وجود اکمل وجوہ پر ہونا ضروری ہے تاکہ اس شریعت کے ساتھ اختصاص ظاہر ہو اور یہ معلوم ہے کہ انفراد نقصان ہے۔

3145۔ (قولہ: أَوْ إمَامًا) ہم نے اس کی وجہ (مقولہ 3138 میں) پہلے بیان کی ہے۔

3146۔ (قولہ: أَوْ فَعَلَ بَقِيَّةَ الْعِبَادَاتِ) "البحر" میں باب التیمم میں فرمایا: اصل یہ ہے کہ کافر جب عبادت کا فعل

وَنَظَمَهَا صَاحِبُ النَّهْرِ فَقَالَ

وَكَافِرٌ فِي الْوَقْتِ صَلَّى بِاقْتِدَا　　مُتَمِّمًا صَلَاتَهُ لَا مُفْسِدَا

صاحب ''النہر'' نے ان مسائل کو نظم کیا ہے اور فرمایا:
وقت میں کافر مقتدی بن کر نماز پڑھے اپنی نماز کو مکمل کرتے ہوئے نہ توڑتے ہوئے،

کرے اگر وہ تمام ادیان میں موجود ہو تو اس کے ساتھ مسلمان نہ ہوگا جیسے تنہا نماز پڑھنا، روزہ رکھنا اور حج کرنا جو کامل نہ ہو اور صدقہ کرنا۔ اور جب ایسا فعل کرے جو ہماری شریعت کے ساتھ مختص ہو اگر وہ وسائل سے ہو جیسے تیمم تو اسی طرح ہے (یعنی مسلمان نہ ہوگا) اگر وہ فعل مقاصد یا شعائر میں سے ہے جیسے جماعت کے ساتھ نماز کامل، حج، مسجد میں اذان، قراءت قرآن تو اس کے ساتھ مسلمان ہو جائے گا اس کی طرف ''المحیط'' وغیرہ میں اشارہ کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ''الخانیہ'' میں ذکر ہے کہ حج کے ساتھ ظاہر روایت میں اسلام کا حکم نہیں لگایا جائے گا جیسا کہ پہلے (مقولہ 3142 میں) گزر چکا ہے۔ پھر ذکر کیا ہے کہ روایت کیا گیا ہے کہ اگر وہ اس طریقہ پر کرے جس پر مسلمان کرتے ہیں تو مسلمان ہوگا اگر تلبیہ کہا اور مناسک ادا نہ کیے یا مناسک ادا کیے اور تلبیہ نہ کہا تو مسلمان نہ ہوگا۔

پس معلوم ہوا کہ یہ روایت غیر ظاہر الروایہ ہے۔ اور ''الوہبانیہ'' میں اس کے ضعف کی طرف اشارہ ہے اور آنے والی نظم کا اطلاق اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ گویا اس کی وجہ یہ ہے کہ حج ہمارے علاوہ دوسروں کی شریعت میں موجود ہے حتیٰ کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ بھی حج کرتے تھے۔ لیکن کبھی کہا جاتا ہے کہ اس خاص کیفیت پر حج ہماری شریعت کے علاوہ میں نہیں پایا جاتا تھا۔ پس نماز کی مثل ہو گیا جب اس میں سابقہ چاروں شرائط پائی جائیں گی۔ کیونکہ علی وجہ الکمال ہماری شریعت کے خواص سے ہے۔ پس حج کامل اسی طرح ہے مگر ان کے درمیان کیا فرق ہے؟

ظاہر یہ ہے کہ ظاہر الروایہ اور دوسری روایت کے درمیان منافات نہیں ہے جب دوسری روایت کو ظاہر روایت سے مراد کے بیان کے لیے تفسیر بنایا گیا ہے اور وہ حج غیر کامل ہے (فتامل)۔ اور الشیخ ''قاسم'' کے ''فتاویٰ'' میں ''خلاصہ'' ''النوازل ابی اللیث'' کے حوالہ سے ہے فرمایا: اور اسی طرح اگر اسے قرآن سیکھتے ہوئے یا قرآن پڑھتے ہوئے دیکھا تو اس کے ساتھ مسلمان نہ ہوگا۔

میں کہتا ہوں: یہ اس سے اظہر ہے جو ''البحر'' میں ذکر کیا ہے۔ کیونکہ علماء نے فرمایا: کافر کو قرآن کے سیکھنے سے منع نہیں کیا جائے گا شاید ہدایت پائے۔ (فافہم)

3147۔ (قولہ: وَنَظَمَهَا صَاحِبُ النَّهْرِ) یعنی قضاء الفوائت کے باب سے تھوڑا پہلے۔

3148۔ (قولہ: صَلَّى بِاقْتِدَا) یعنی مقتدی بن کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھے۔

وَأَذَّنَ أَيْضًا مُعْلِنًا أَوْ زَكَّى   سَوَائِمًا كَأَنْ سَجَدْ، تَزَكَّى
یا اعلانیہ وقت میں اذان دے، یا باہر چرنے والے جانوروں کی زکوٰۃ، جیسے سجدہ کرنا طہارت کی حالت میں

3149۔(قولہ: وَأَذَّنَ أَيْضًا)ضرورت کے لیے ہمزہ کے اسقاط کے ساتھ۔''حلبی''۔

پھر میں نے اس بیت کے علاوہ ''النہر'' میں دیکھا اس کی عبارت یہ ہے:

او بالاذان معلنا فيه اتى   او قد سجد عند سماع ما اتى

یا اذان کے ساتھ جس کو بلند آواز سے کہے، یا قرآن سننے کے وقت سجدہ کرے۔

دوسرے اتی کا معنی ہے اللہ تعالیٰ سے وارد ہے۔ یہ بہت عمدہ ہے۔ کیونکہ اس میں اذان کے وقت میں ہونے کی شرط ہے کیونکہ (فیہ) کی ضمیر پہلے بیت میں وقت مذکور کی طرف لوٹ رہی ہے اس میں سجدہ تلاوت مراد ہے۔ اور زکوٰۃ کے مسئلہ کا اسقاط ہے۔ کیونکہ تو نے جان لیا ہے کہ یہ ظاہر الروایہ کے خلاف ہے۔ صاحب ''النہر'' نے ''الطرسوسی'' پر اس کے ذکر میں اعتراض کیا ہے۔ اور فرمایا: میں نے ان کے سوا کسی کے پاس نہیں دیکھا بلکہ ''الخانیہ'' میں مذکور ہے کہ ظاہر الروایہ میں زکوٰۃ کی وجہ سے اس کے اسلام کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

3150۔(قولہ: مُعْلِنًا)اس سے مراد یہ ہے کہ اس کو اذان سنائے جس کی شہادت اس کے اسلام کے بارے میں صحیح ہونہ کہ وہ صومعہ یا چھت پر اذان دے تا کہ خلق کثیر اسے سنے۔ اسی وجہ سے اگر وہ سفر میں ہو تو صحیح ہے جیسا کہ سیر ''البزازیہ'' میں ہے۔ کیونکہ فرمایا: اگر لوگ ذمی پر گواہی دیں کہ وہ اذان دیتا ہے اور تکبیر کہتا ہے تو وہ مسلمان ہوگا خواہ وہ سفر میں ہو یا حضر میں ہو۔ اگر لوگ کہیں ہم نے اس کو مسجد میں اذان دیتے ہوئے سنا تو نہیں یہاں تک کہ وہ یہ کہیں کہ یہ مؤذن ہے۔ کیونکہ یہ اس کی عادت ہوگی پس وہ مسلمان ہوگا۔ اس قول کو ''شرح الوہبانیہ'' میں امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

پھر اس کا ظاہر یہ ہے کہ یہ مفید ہے کہ اس کے لیے عادت ہونا ضروری ہے۔ لیکن ''البحر'' کے باب الاذان میں فرمایا: مناسب ہے کہ یہ العیسویہ میں ہو۔ رہے دوسرے کافر تو وہ نفس اذان سے مسلمان ہونا چاہیے۔

میں کہتا ہوں: لیکن تو نے جان لیا ہے کہ افعال کے ساتھ اسلام اس میں کفار کے درمیان فرق نہیں بخلاف اس کے جو ''ابن وہبان'' نے سمجھا۔ یا تو اس کو وقت میں اذان کو اسلام ہونے کے لیے قید بنایا جائے یا یہ صرف امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہو۔(تامل وراجع)

3151۔(قولہ: كَأَنْ سَجَدْ)ضرورت کی وجہ سے دال کے سکون کے ساتھ ہے یا وقف کی نیت سے وصل کے لیے ہے۔ ان مصدریہ ہے یعنی اس کے سجدہ کرنے کی طرح مراد سجدہ تلاوت ہے۔''حلبی''۔

3152۔(قولہ: تَزَكَّى)وزن کی تکمیل کے لیے ہے۔ یہ سجد کی ضمیر سے حال ہے یعنی جیسے اس کا سجدہ تلاوت کرنا کفر کی ناپاکی سے پاک ہو کر۔''حلبی''۔

فَمُسْلِمٌ لَا بِالصَّلَاةِ مُنْفَرِدٌ وَلَا الزَّكَاةِ وَالصِّيَامِ الْحَجَّ زِدْ

(وَهِيَ عِبَادَةٌ بَدَنِيَّةٌ مَحْضَةٌ، فَلَا نِيَابَةَ فِيهَا أَصْلًا) أَيْ لَا بِالنَّفْسِ كَمَا صَحَّتْ فِي الْحَجِّ وَلَا بِالْمَالِ

تو وہ مسلمان ہے نہ کہ تنہا نماز سے نہ زکوٰۃ اور روزے سے حج کو زیادہ کر۔

نماز یہ خاص بدنی عبادت ہے اس میں نیابت بالکل نہیں ہے نہ نفس کے ساتھ جیسے حج میں نیابت نفس کے ساتھ صحیح ہے اور نہ مال کے ساتھ

3153۔(قولہ: فَمُسْلِمٌ) یہ (کافر) کی خبر ہے ''حلبی''۔ اور اس پر فا زیادہ کی گئی ہے۔ کیونکہ مبتدا نکرہ واقع ہوا ہے جس کی فعل کے ساتھ صفت بیان کی گئی ہے۔ اس سے عموم کا ارادہ کیا گیا ہے کیونکہ مراد کوئی کافر ہے خواہ وہ عیسوی ہو یا دوسرا ہو جیسا کہ ہم نے اس کا ثبوت پہلے (مقولہ 3140 میں) پیش کیا ہے۔ یہ ان جگہوں میں سے ہے جن میں خبر میں فا کی زیادتی جائز ہے جیسے تیرا قول ہے: رجل یسألنی فلہ درھم جو شخص مجھ سے سوال کرے گا اس کے لیے درہم ہے۔ (فافہم)

3154۔(قولہ: مُنْفَرِدٌ) لغت ربیعہ پر سکون کے ساتھ ہے ''ح'' اور صلاۃ کی قیود کے بقیہ احترازات سے سکوت کیا ہے۔

3155۔(قولہ: وَلَا الزَّكَاةِ) یعنی باہر چرنے والے جانوروں کی زکوٰۃ دینا۔ اور دوسرے بیت کا اس طریقہ پر پڑھنا جو ہم نے ''النہر'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ الزکاۃ سے مراد اس کی تمام انواع ہیں جیسا کہ ظاہر الروایہ کے حوالہ سے ''الخانیہ'' کے اطلاق کا مقتضا ہے۔

3156۔(قولہ: الْحَجَّ) زِدْ کے قول کا مفعول مقدم ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کا بیان (مقولہ 3146 میں) گزر چکا ہے۔

3157۔(قولہ: بَدَنِيَّةٌ مَحْضَةٌ) بخلاف زکوٰۃ کے وہ خالص مالی عبادت ہے اور بخلاف حج کے۔ کیونکہ حج بدنی اور مالی دونوں سے مرکب ہے کیونکہ اس میں بدن کا عمل بھی ہے اور مال کا خرچ کرنا بھی ہے۔

نماز میں نیابت درست نہیں

3158۔(قولہ: فَلَا نِيَابَةَ فِيهَا أَصْلًا) بدنی عبادت سے مقصود بدن کو تھکانا اور پھر نفس امارہ کو برائی سے روکنا ہے اور یہ نائب کے فعل سے حاصل نہیں ہوتا بخلاف مالی عبادت کے اس میں مطلقاً نیابت جاری ہوتی ہے یعنی حالت اختیار اور حالت اضطرار میں۔ کیونکہ فقیر کو غنی کرنے اور مال کو کم کرنے سے نائب کے فعل کے ساتھ مقصود حاصل ہو جاتا ہے بخلاف عبادت مرکبہ کے۔ اس میں حالت عجز میں نیابت جاری ہوتی ہے مال کو کم کرنے کے ساتھ مشقت کے معنی کو دیکھتے ہوئے۔ نہ کہ حالت اختیار میں بدن کو تھکانے کی طرف دیکھتے ہوئے جیسا کہ باب الحج عن الغیر میں فقہاء نے اس کو ثابت کیا ہے۔

3159۔(قولہ: أَيْ لَا بِالنَّفْسِ) یہ اصلاً کے قول سے مستفاد نفی کی تعمیم کا بیان ہے۔

3160۔(قولہ: فِي الْحَجِّ) یہ صحت کے قول کے متعلق ہے اسی طرح (فی الصوم) کا قول ہے۔

كَمَا صَحَّتْ فِي الصَّوْمِ بِالْفِدْيَةِ لِلْفَانِي ؛ لِأَنَّهَا إِنَّمَا تَجُوزُ بِإِذْنِ الشَّرْعِ وَلَمْ يُوجَدْ (سَبَبُهَا) تَرَادُفُ النِّعَمِ ثُمَّ الْخِطَابُ ثُمَّ الْوَقْتُ

جیسے روزے میں شیخ فانی کے لیے فدیہ کے ساتھ نیابت صحیح ہے۔ کیونکہ نیابت اذن شرع کے ساتھ جائز ہوتی ہے اور نماز میں فدیہ کے ساتھ شرع کا اذن نہیں پایا جاتا۔ اور نماز کا سبب نعمتوں کا پے در پے ہونا ہے پھر اللہ تعالیٰ کا خطاب ہے پھر وقت ہے

3161۔(قولہ: بِالْفِدْيَةِ) صحت میں مستتر ضمیر کے متعلق ہے۔ کیونکہ وہ اس نیابت کی طرف راجع ہے جو مصدر ہے یعنی جیسے فدیہ کے ساتھ نیابت صحیح ہے اور اس پر بالنفس کے قول کا متن میں مذکور نیابۃ کے قول سے تعلق پر دلالت کرتا ہے۔

جان لو کہ شیخ فانی کے لیے روزے میں فدیہ کی صحت موت تک اس کے ہمیشہ عاجز ہونے کے ساتھ مشروط ہے اگر اس سے پہلے وہ قادر ہو جائے تو قضا کرے جیسا کہ کتاب الصوم میں آئے گا۔''ح''۔

3162۔(قولہ: لِأَنَّهَا) یعنی فدیہ اور لم یوجد کا قول یعنی نماز میں فدیہ کے ساتھ شرع کا اذن نہیں پایا جاتا۔ یہ نماز میں مال کے ساتھ نیابت جاری نہ ہونے کی تعلیل ہے۔ اس میں نماز اور روزے کے درمیان فرق کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک خالص بدنی عبادت ہے۔ شیخ فانی کے لیے فدیہ کے ساتھ روزے میں فدیہ ہم نے نص کی اتباع کرنے کی وجہ سے خلاف قیاس اسے ثابت کیا ہے۔ اسی وجہ سے اصولیوں سے اس کا نام قضا بمثل غیر معقول رکھتے ہیں۔ کیونکہ معقول کسی چیز کی قضا اس کی مثل سے ہوتی ہے اور ہم نے نماز میں اس کو ثابت نہیں کیا کیونکہ نص موجود نہیں ہے۔

اگر تو کہے کہ تم نے نماز سے عاجز شخص کے فدیہ کی وصیت کرنے کے وقت نماز میں فدیہ قبول کیا ہے اور اس میں نص کے نہ ہونے کے باوجود مال کے ساتھ نیابت کو جاری کیا ہے، روزے پر قیاس کے ساتھ یہ ہونا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ جو قیاس کے خلاف ہو اس پر غیر کو قیاس نہیں کیا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: روزے میں فدیہ کا ثبوت احتمال رکھتا ہے کہ یہ عجز کے ساتھ معلل ہو یہ بھی احتمال رکھتا ہے کہ عجز کے ساتھ معلل نہ ہو، پس عجز کے ساتھ تعلیل کے اعتبار سے اس پر نماز کا قیاس صحیح ہے۔ کیونکہ دونوں میں علت موجود ہے اور عجز سے معلل نہ ہونے کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے جب علت میں شک حاصل ہو گیا تو ہم نے نماز میں احتیاطاً فدیہ کے وجوب کا قول کیا۔ کیونکہ اگر تو اس کو کفایت نہیں کرے گا تو یہ ایسی نیکی ہو گی جو برائی کو مٹانے والی ہو گی۔ پس وجوب کا قول احوط ہے اسی وجہ سے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، ان شاء اللہ۔

اگر یہ بطریق القیاس ہوتا تو مشیت کے ساتھ معلق نہ کرتے جس طرح دوسرے قیاس کے ساتھ ثابت احکام میں ہوتا ہے۔ یہ اس کا خلاصہ ہے جس کی ہم نے شارح کی شرح ''المنار'' کے حواشی میں وضاحت کی ہے۔

نماز کی فرضیت کا سبب

3163۔(قولہ: سَبَبُهَا تَرَادُفُ النِّعَمِ) یعنی نماز کا سبب حقیقی بندے پر پے در پے نعمتوں کا ہونا ہے۔ کیونکہ منعم کا

أَيْ (الْجُزْءُ) (الْأَوَّلُ) مِنْهُ إنْ (اتَّصَلَ بِهِ الْأَدَاءُ وَإِلَّا فَمَا) أَيْ جُزْءٌ مِنْ الْوَقْتِ (يَتَّصِلُ بِهِ) الْأَدَاءُ (وَإِلَّا) يَتَّصِلُ الْأَدَاءُ بِجُزْءٍ (فَالسَّبَبُ) هُوَ (الْجُزْءُ الْأَخِيرُ) وَلَوْ نَاقِصًا، حَتَّى تَجِبَ عَلَى مَجْنُونٍ وَمُغْمًى عَلَيْهِ أَفَاقَا،

یعنی وقت سے پہلا جز اگر اس سے ادا متصل ہوئی ورنہ وقت کے جس جز سے ادا متصل ہوئی اگر کسی جز سے ادا متصل نہ ہوئی تو سبب آخری جز ہوگا اگر چہ ناقص ہو حتیٰ کہ مجنون اور بیہوش پر نماز واجب ہے جب وہ افاقہ میں آئیں

شکر شرعاً اور عقلاً واجب ہے جب نعمتیں وقت میں واقع ہوتی ہیں تو وقت کو اللہ کے بنانے سے اور اس کے خطاب کی وجہ سے سبب بنایا گیا ہے۔ کیونکہ اس نے وقت کو وجوب کا سبب بنایا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ (الاسراء: 78) پس وقت سبب متاخر ہے۔ اس مسئلہ کی تحقیق ''مطولات اصولیہ'' میں ہے۔

3164۔ (قولہ: أَيْ الْجُزْءُ الْأَوَّلُ الخ) کیونکہ اگر سبب تمام وقت ہو تو سبب پر مسبب کا تقدم لازم آئے گا یا وقت کے بعد ادائیگی کا وجوب لازم آئے گا۔ پس بعض وقت متعین ہوا۔ وہ بعض وقت پہلا وقت متعین کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس پر عدم وجوب لازم آئے گا جو آخر وقت میں نماز کا اہل ہوگا اتنے وقت میں کہ وہ نماز کی وسعت رکھتا ہوگا اور یہ آخر وقت متعین کرنا جائز ہے کیونکہ پھر اول وقت میں ادائیگی صحیح نہ ہونا لازم آئے گا۔ کیونکہ سبب پر تقدم ممتنع ہے۔ پس وہ جز سبب ہونا متعین ہو گیا جس کے ساتھ ادائیگی متصل ہو گی اور شروع کرنا جس کے ساتھ ملا ہوگا۔ کیونکہ سبب میں اصل مسبب کے ساتھ اتصال ہے جیسا کہ ''ابن نجیم'' کی ''شرح المنار'' میں ہے۔

3165۔ (قولہ: وَإِلَّا فَمَا أَيْ جُزْءٌ مِنْ الْوَقْتِ يَتَّصِلُ بِهِ) (ما) یہاں عامہ ہے آخری جز کو بھی شامل ہے۔ پس اسکے بعد (والا فالجزء الاخیر) تکرار ہے۔ اور اسی طرح (سببھا جزء اول اتصل بہ الاداء) کا قول بھی ہے۔ مختصر یہ کہنا ہے سببھا جزء اتصل بہ الاداء من الوقت والا فجملتہ ''حلبی''۔ اور ان سے پہلے یہ ''ابن نجیم'' نے ''شرح المنار'' میں ذکر کیا ہے۔

3166۔ (قولہ: هُوَ الْجُزْءُ الْأَخِيرُ) اس سے مراد وہ وقت ہے جس میں ہمارے نزدیک صرف تکبیر تحریمہ کہہ سکے۔ اور امام ''زفر'' کے نزدیک جس میں ادا ممکن ہو۔ اور تمام کا اجماع ہے کہ تاخیر کا خیار اس وقت تک ہے کہ ساری نماز ادا کر سکے حتیٰ کہ اگر اس سے بھی نماز کو مؤخر کیا تو گنہگار ہوگا۔ ''ابن نجیم''۔

3167۔ (قولہ: وَلَوْ نَاقِصًا) یعنی جب آخر وقت کے ساتھ ادا متصل ہو گی تو وہ وقت سبب ہوگا اگر چہ ناقص ہوگا جیسے سورج کے زرد ہونے کا وقت، اس میں عصر کی ادائیگی صحیح ہے۔ کیونکہ جب اس میں ادائیگی متصل ہوئی تو وہ سبب ہو گیا اور اس میں ادائیگی کا حکم دیا گیا۔ پس اس کی ادائیگی اس طرح ہوئی جیسے واجب ہوتی بخلاف گزشتہ کل کی عصر کے جیسا کہ آگے (مقولہ 3288 میں) آئے گا۔

3168۔ (قولہ: حَتَّى تَجِبُ) رفع کے ساتھ کیونکہ یہ (فالسبب ھو الجزء الاخیر) کے قول پر تفریع ہے۔

3169۔ (قولہ: أَفَاقَا) یعنی آخر وقت میں افاقہ میں آئیں اگر چہ اتنی مقدار ہو جو صرف تکبیر تحریمہ کی وسعت رکھتا ہو

وَحَائِضٍ وَنُفَسَاءَ طَهُرَتَا وَصَبِيٍّ بَلَغَ، وَمُرْتَدٍّ أَسْلَمَ وَإِنْ صَلَّيَا فِي أَوَّلِ الْوَقْتِ (وَبَعْدَ خُرُوجِهِ يُقَاضُ)
حیض اور نفاس والی پر نماز واجب ہے جو اس وقت پاک ہوئیں اور بچے جو اس وقت میں بالغ ہو گیا مرتد پر جو مسلمان ہو گیا اگر چہ یہ دونوں اول وقت میں نماز پڑھ چکے ہوں اور وقت کے نکلنے کے بعد

یہ ہمارے علماء ثلاثہ کے نزدیک ہے۔ امام ''زفر'' کا نظریہ اس کے خلاف ہے جیسا کہ ''شرح التحریر لابن امیر حاج'' میں ہے یعنی مجنون اور مغمی علیہ پر قضا واجب ہے۔ کیونکہ وہ وضو کے محتاج ہیں کیونکہ جنون اور اغماء وضو کو توڑ دیتے ہیں اور وقت میں اتنی وسعت نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر ان لوگوں کو افاقہ ہو اور وقت میں اتنی وسعت ہو کہ تحریمہ سے زیادہ کہہ سکتا ہے تو ان پر بدرجہ اولیٰ نماز واجب ہو گی۔ اور اگر اتنا وقت باقی نہیں ہے کہ جس میں تحریمہ کہہ سکتا ہو تو ان پر نماز واجب نہ ہو گی جیسا کہ حیض میں (مقولہ 2672 میں) گزر چکا ہے جب دس دن کے بعد حیض ختم ہو۔ ''حلبی'' نے کہا: یہ اس وقت ہے جب جنون اور اغماء پانچ نمازوں سے زائد ہو ورنہ ان پر اس وقت کی نماز واجب ہو گی اگر چہ اتنا وقت باقی نہ ہو جو تحریمہ کی وسعت رکھتا ہو بلکہ اس سے پہلے والی نمازیں بھی ادا کرنا واجب ہو گا جیسا کہ آگے آئے گا۔

3170۔ (قولہ: طَهُرَتَا) یعنی اگر وقت کی اتنی مقدار باقی ہو جو تحریمہ کہنے کی وسعت رکھتا ہو جب حیض کا انقطاع دس دنوں پر ہو اور نفاس کا انقطاع چالیس دنوں پر ہو۔ اگر دس اور چالیس دنوں سے پہلے خون ختم ہوئے اور باقی وقت غسل کی مقدار ہے اس کے لوازمات کے ساتھ جیسے پانی بھرنا، کپڑے اتارنا، لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہونا، تکبیر تحریمہ کہنا پس ان دونوں پر قضا لازم ہے ورنہ نہیں۔ ''شرح التحریر''۔

3171۔ (قولہ: وَصَبِيٍّ بَلَغَ) یعنی اس کے بلوغ اور آخر وقت کے درمیان اتنی مقدار ہے جس میں وہ تحریمہ کہہ سکتا ہے یا اس سے زیادہ ہے۔ جیسا کہ الحائض کے بارے میں فقہاء کے کلام سے مفہوم ہے جو دس دنوں کے بعد پاک ہوئی۔ ''حلبی''۔

3172۔ (قولہ: وَمُرْتَدٍّ أَسْلَمَ) جب اس کے اسلام اور آخر وقت کے درمیان اتنی وسعت ہو کہ تحریمہ کہہ سکتا ہو جس طرح حائض مذکورہ کے بارے تھا اور کافر اصلی کا حکم، مرتد کا حکم ہے۔ اس کو ذکر کے ساتھ خاص کیا تا کہ (ان صلیا اول الوقت) کا قول صحیح ہو۔ اور مرتد میں اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اول وقت میں مسلمان تھا اس نے فرض نماز پڑھی پھر مرتد ہوا پھر آخر وقت میں مسلمان ہوا۔ ''حلبی''۔

3173۔ (قولہ: وَإِنْ صَلَّيَا فِي أَوَّلِ الْوَقْتِ) یعنی اول وقت میں ان کی نماز ان سے مطالبہ کو ساقط نہیں کرتی جب کہ یہ حالت ہو۔ رہا بچہ کیونکہ اس کی نماز نفل تھی۔ رہا مرتد تو چونکہ ارتداد کی وجہ سے اس کی نماز ختم ہو گئی تھی ''حلبی''۔ ''البحر'' میں ''الخلاصہ'' کے حوالہ سے ہے: بچہ جس نے عشاء کی نماز پڑھی پھر اسے احتلام ہوا اور وہ بیدار نہ ہوحتیٰ کہ فجر طلوع ہو چکی تھی تو اس پر اعادہ نہیں ہے یہی مختار ہے۔ اگر فجر طلوع ہونے سے پہلے بیدار ہوا تو بالاجماع عشاء کی نماز کی قضا اس پر لازم ہے۔ یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے انہوں نے امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا تو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جواب دیا جو ہم نے کہا ہے۔

3174۔ (قولہ: بَعْدَ خُرُوجِهِ) یعنی بغیر نماز کے وقت نکل گیا۔

السَّبَبُ (إِلَى جُمْلَتِهِ) لِيَثْبُتَ الْوَاجِبُ بِصِفَةِ الْكَمَالِ وَإِنَّهُ الْأَصْلُ حَتَّى يَلْزَمَهُمُ الْقَضَاءُ فِي كَامِلٍ هُوَ الصَّحِيحُ (وَقْتُ) صَلَاةِ (الْفَجْرِ) قَدَّمَهُ لِأَنَّهُ لَا خِلَافَ فِي طَرَفَيْهِ،

سبب تمام وقت کی طرف منسوب ہوگا تا کہ واجب صفت کمال کے ساتھ ثابت ہو یہ اصل ہے حتیٰ کہ کامل وقت میں ان پر قضا لازم ہوگی یہی صحیح ہے۔ فجر کی نماز کا وقت۔ مصنف نے فجر کی نماز کو مقدم کیا کیونکہ اس کی دونوں طرفوں میں اختلاف نہیں۔

3175۔ (قولہ: لِيَثْبُتَ الْوَاجِبُ الخ) کیونکہ اگر تمام وقت کی طرف منسوب نہ ہو اور ہم سببیت کے لیے اخیر جز کو متعین کریں تو بعض صورتوں میں واجب کا ثبوت صفت نقص کے ساتھ لازم آئے گا جیسا کہ عصر کے وقت میں ہے۔

3176۔ (قولہ: وَإِنَّهُ الْأَصْلُ) واؤ حال کے لیے ہے اور ان کا ہمزہ مکسورہ ہے۔''حلبی''۔ ضمیر صفت کمال کے ساتھ واجب کے ثبوت کی طرف لوٹ رہی ہے جو جملہ وقت سبب ہونے پر مترتب ہے۔

3177۔ (قولہ: حَتَّى يَلْزَمَهُمْ) یعنی مجنون اور جو بعد میں مذکور ہیں اور انکے علاوہ جن سے وقت نکل گیا اور نماز پڑھی۔

3178۔ (قولہ: هُوَ الصَّحِيحُ) اس کا مقابل وہ ہے جو کہا گیا ہے کہ مجنون وغیرہ کو اگر افاقہ ہو پاک ہو یا مسلمان ہو ناقص وقت میں تو ناقص وقت بھی ان کے حق میں سبب ہوگا۔ کیونکہ سبب کو جملہ وقت کی طرف منسوب کرنا مشکل ہے کیونکہ وقت کے تمام اجزاء میں وجوب کی اہلیت ہی نہیں ہے۔ پس ان کے لیے دوسرے ناقص وقت میں قضا جائز ہے۔ کیونکہ اسی طرح واجب ہوا۔ صحیح یہ ہے کہ جائز نہیں کیونکہ ذات وقت میں نقصان نہیں بلکہ اس وقت میں ادائیگی میں نقصان ہے۔ کیونکہ اس میں سورج پرستوں سے تشبیہ ہے جیسا کہ التحریر میں اس کو ثابت کیا ہے۔ اس کی مکمل بحث آئندہ (مقولہ 3285 میں) آئے گی۔

3179۔ (قولہ: لِأَنَّهُ لَا خِلَافَ فِي طَرَفَيْهِ) یعنی آنے والی طرفوں میں۔''الحلبۃ'' میں فرمایا: ہاں فجر طلوع ہونے یا صبح روشن ہونے کے وقت میں مشائخ کا اختلاف ہے جیسا کہ ''شرح الزاہدی'' میں ''المحیط'' کے حوالہ سے ہے۔ اور ''خزانۃ الفتاوی'' میں ''الکافی'' پر شرح ''السرخسی'' کے حوالہ سے ہے کہ پہلا قول احوط ہے اور دوسرے قول میں وسعت ہے۔

''البحر'' میں فرمایا: ظاہر اخیر ہے کیونکہ فقہاء نے اس کے ساتھ فجر صادق کی تعریف کی ہے جیسا کہ آگے (مقولہ 3188 میں) آئے گا۔ اور ''النہر'' میں اس کو رد کیا ہے کہ ظاہر پہلا قول ہے۔ کیونکہ حدیث جبریل (1) جو اس باب کی اصل ہے ثم صلی بی الفجر یعنی پہلے دن میں مجھے نماز پڑھائی، جب فجر طلوع ہوئی اور روزے دار پر طعام حرام ہوا۔

اس کی مثل ''الشرنبلالیہ'' میں ہے۔ اور زیادہ کیا ہے کہ تعریف اس کے منافی نہیں۔ کیونکہ اس کی شان سے انتشار ہے۔ پس فجر کے انتشار پر موقوف نہیں کہ وہ اس کی ایک جانب گزرنے کے بعد ہو حدیث کے لفظ کی دلیل کی وجہ سے۔''حلبی'' نے کہا: میں گمان کرتا ہوں کہ استطارۃ اور انتشار کا ایک معنی ہے جیسا کہ شارح کا آنے والا کلام مفید ہے پس وہ دو قول ہیں تین نہیں۔ اور جو ثابت ہے اس سے معلوم ہوا کہ مراد یہ ہے کہ فجر کے آغاز میں کوئی اختلاف نہیں اور وہ فجر ثانی کے طلوع ہونے کی اصل ہے۔

1۔ سنن ترمذی، کتاب الصلوٰۃ، باب ماجاء فی مواقیت الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 128، حدیث نمبر 138

سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب فی المواقیت، جلد 1، صفحہ 168، حدیث نمبر 332

وَأَوَّلُ مَنْ صَلَّاهُ آدَمُ وَأَوَّلُ الْخَمْسِ وُجُوبًا، وَقَدَّمَ مُحَمَّدٌ الظُّهْرَ؛ لِأَنَّهُ أَوَّلُهَا ظُهُورًا وَبَيَانًا، وَلَا يَخْفَى تَوَقُّفُ وُجُوبِ الْأَدَاءِ عَلَى الْعِلْمِ بِالْكَيْفِيَّةِ فَلِذَا لَمْ يَقْضِ نَبِيُّنَا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْفَجْرَ صَبِيحَةَ لَيْلَةِ الْإِسْرَاءِ

سب سے پہلے یہ نماز آدم علیہ السلام نے پڑھی۔ وجوب کے اعتبار سے پانچوں نمازوں میں سے پہلی نماز ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ظہر کی نماز کو مقدم کیا ہے کیونکہ ظہور اور بیان کے اعتبار سے ظہر اول ہے۔ اور یہ مخفی نہیں کہ ادائیگی کے وجوب کا توقف کیفیت کے معلوم ہونے پر ہے۔ اسی وجہ سے لیلۃ الاسراء کی صبح ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی قضا نہیں فرمائی۔

اختلاف طلوع سے مراد میں ہے۔ رہا اس کے آخر میں عدم اختلاف اس کی وجہ وہ جس کی ''الطحاوی'' اور ''ابن المنذر'' نے تصریح کی ہے کہ اس پر مسلمان کا اتفاق ہے ''الحلبہ'' میں فرمایا: شافعی علما میں سے ''الاصطخری'' سے جو مروی ہے اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا کہ جب فجر روشن ہو جاتی ہے تو فجر کا وقت نکل جاتا ہے اور اس کے بعد سورج کے طلوع ہونے تک نماز قضا ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ''القہستانی'' کا قول مندفع ہوا کہ طرفین میں اختلاف کی نفی عدم تتبع کی وجہ سے ہے۔

نماز فجر سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے ادا فرمائی

3180۔ (قولہ: وَأَوَّلُ مَنْ صَلَّاهُ آدَمُ) یعنی جب آدم علیہ السلام کو جنت سے اتارا گیا اور ان پر رات تاریک ہوئی اور اس سے پہلے انہوں نے رات نہیں دیکھی تھی تو وہ خوفزدہ ہوئے پھر جب فجر پھوٹی تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے دو رکعت نماز پڑھی۔ اسی وجہ سے ذکر میں اس کو مقدم کیا۔ ''عنایہ''۔

وجوب کے اعتبار سے سب سے پہلی نماز

3181۔ (قولہ: أَوَّلُ الْخَمْسِ وُجُوبًا) ''الرحمتی'' نے فرمایا: ظاہر یہ ہے کہ وجوب کے اعتبار سے پہلی نماز عشاء ہے کیونکہ وجوب آخر وقت کے ساتھ ہوتا ہے اور اسراء رات کو تھا۔

3182۔ (قولہ: لِأَنَّهُ أَوَّلُهَا ظُهُورًا) پانچوں نمازوں میں سے پہلی اس بنا پر کہ جبریل کی امامت اسراء کی صبح ظہر کے وقت میں تھی اور جبریل کی امامت صبح کی نماز کی دوسری صبح میں تھی۔ اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں۔ مشہور ظہر سے آغاز ہے جیسا کہ ''ابوالسعود'' میں ہے۔

3183۔ (قولہ: لَا يَخْفَى الخ) یہ مقدر سوال کا جواب ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ صبح جب وجوب کے اعتبار سے پانچوں میں سے پہلی تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسراء کی صبح، رات کو وجوب کے باوجود کیوں ترک فرمائی؟

جواب کا بیان یہ ہے: اگرچہ صبح کی نماز واجب تھی کیفیت کے علم سے پہلے ادائیگی واجب نہ تھی۔ کیونکہ مجمل کے ساتھ خطاب بیان سے پہلے حال میں حق کے اعتقاد کے ساتھ ابتلا کو مفید ہوتا ہے۔ عمل بیان کے بعد واجب ہوتا ہے جیسا کہ اصولیوں نے ذکر کیا ہے۔ پس وجوب سے ادائیگی کا وجوب لازم نہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ معذور پر روزہ، بغیر ادائیگی کے وجوب کے، واجب ہوتا ہے۔

ثُمَّ هَلْ كَانَ قَبْلَ الْبَعْثَةِ مُتَعَبِّدًا بِشَرْعِ أَحَدٍ؟ الْمُخْتَارُ عِنْدَنَا لَا، بَلْ كَانَ يَعْمَلُ بِمَا ظَهَرَ لَهُ مِنَ الْكَشْفِ الصَّادِقِ مِنْ شَرِيعَةِ إِبْرَاهِيمَ وَغَيْرِهِ

کیا بعثت سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی نبی کی شرع کے ساتھ عبادت کرتے تھے؟ ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ نہیں۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کشف صادق کے ذریعے ابراہیم علیہ السلام کی شریعت سے جو معلوم ہوا تھا اس کے مطابق عمل کرتے تھے۔

رہا یہ جواب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوئے ہوئے تھے اور سونے والے پر وجوب نہیں ہے۔ "النہر" میں ہے۔ یہ مردود ہے۔ کیونکہ اس بات پر اجماع ہے کہ معذور پر سونے وغیرہ کی وجہ سے قضا لازم ہوتی ہے۔

فرع: اول وقت میں سونے والے کا بیدار ہونا واجب نہیں اور واجب ہے جب وقت تنگ ہو۔ یہ "البیری" نے "شرح الاشباہ میں البدیع"...... جو اصول کی کتب سے ہے...... کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ اور فرمایا: ہم نے کتب الفروع میں اس کو نہیں دیکھا پس اسے غنیمت سمجھ۔

میں کہتا ہوں: لیکن اس میں نظر ہے۔ کیونکہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ بالاتفاق سونے والے پر ادائیگی واجب نہیں۔ پس اس پر بیدار ہونا کیسے واجب ہوگا...... مسلم نے "قصۃ التعریس" میں "ابوقتادہ" سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سونے میں کوتاہی نہیں ہے کوتاہی تو نماز کو مؤخر کرنے میں ہے حتیٰ کہ دوسری نماز کا وقت داخل ہو جائے (1)۔

نسخہ کی اصل میں انتباہ کی جگہ التنبیہ ہے۔ اور ہم (مقولہ 18143 میں) الایمان کے باب میں ذکر کریں گے کہ اگر کوئی قسم اٹھائے کہ وہ کبھی نماز کو مؤخر نہیں کرے گا پھر وہ سو گیا اور اس کی نماز قضا ہوگئی۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ حانث نہیں ہوگا۔ "الباقانی" نے اس کی تائید کی ہے۔ لیکن "البزازیہ" میں ہے: صحیح یہ ہے کہ اگر وہ وقت کے داخل ہونے سے پہلے سویا تھا اور وقت گزرنے کے بعد بیدار ہوا تو حانث نہیں ہوگا اگر وہ وقت داخل ہونے کے بعد سویا تو حانث ہوگا...... یہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وقت سے پہلے سونے کی وجہ سے وہ تاخیر کرنے والا نہ ہوگا اس بنا پر وہ گنہگار نہ ہوگا بخلاف اس کے جب وقت داخل ہونے کے بعد سوئے۔ "البیری" میں جو ہے اسے اس پر محمول کرنا ممکن ہے۔

3184۔ (قولہ: مُتَعَبِّدًا) با کے کسرہ کے ساتھ۔ "القاموس" میں ہے تعبد: تَنَسَّكَ (عبات کرنا)۔ "حلبی"۔

"شرح التحریر" میں اس قول کا ظاہر ہے: ای: مکلفاً لام کے فتحہ کے ساتھ۔ لیکن اظہر پہلا قول ہے۔ کیونکہ فتحہ کے ساتھ امر کا تقاضا کرتا ہے۔ اور کلام بعثت سے پہلے وقت کے بارے میں ہو رہی ہے۔ (تامل)

بعثت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے مطابق عبادت کرتے تھے

3185۔ (قولہ: الْمُخْتَارُ عِنْدَنَا لَا) "التقریر الاکمل" میں اس کو ہمارے محققین اصحاب کی طرف منسوب کیا ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسالت سے پہلے مقام نبوت میں تھے کبھی کسی نبی کی امت میں نہ تھے۔ اور "النہر" میں اس قول کو جمہور کی طرف منسوب کیا ہے۔ المحقق "ابن الہمام" نے "التحریر" میں یہ اختیار کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے مطابق عبادت

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب من نام عن الصلوۃ او نسیھا، جلد 1، صفحہ 185، حدیث نمبر 373

وَصَحَّ تَعَبُّدُهُ فِي حِرَاءٍ بَحْرٌ (مِنْ) أَوَّلِ (طُلُوعِ الْفَجْرِ الثَّانِي) وَهُوَ الْبَيَاضُ الْمُنْتَشِرُ الْمُسْتَطِيرُ لَا الْمُسْتَطِيلُ
اور غار حرا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عبادت کرنا صحیح ہے۔ فجر کے وقت فجر ثانی ہونے کے آغاز سے جو عرضاً پھیلنے والی سفیدی ہے نہ کہ طولاً پھیلنے والے سفیدی ہے۔

کرتے تھے جو ثابت تھا کہ یہ شرع ہے یعنی نہ کسی خاص شریعت پر۔ اور آپ اپنی قوم سے نہیں تھے۔ ہم نے اس کی مکمل بحث کتاب الطہارۃ کے آغاز میں (مقولہ 688 میں) پیش کی ہے۔

3186۔ (قولہ: وَصَحَّ تَعَبُّدُهُ فِي حِرَاءٍ) حا مہملہ کے کسرہ اور را کی تخفیف کے ساتھ منصرف اور غیر منصرف استعمال ہوتا ہے۔ اس میں فتحہ اور قصر حکایت کیا گیا ہے۔ اسی طرح قبا کا حکم ہے بعض نے اس قول کے ساتھ نظم کیا ہے۔

حرا وقبا ذكّر و انثهما معًا و مُدّ او اقصُر واصرِفَنْ وامنع الصرفا

حرا اور قبا ان کو مذکر اور مونث بنا اور مد کے ساتھ اور قصر کے ساتھ۔ منصرف کر اور غیر منصرف کر۔

حرا یہ ایک پہاڑ ہے اس کے اور مکہ مکرمہ کے درمیان تین میل کا فاصلہ ہے۔ ''المواہب اللدنیہ'' میں فرمایا: ابن اسحاق وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال غار حرا کی طرف ایک مہینہ نکل جاتے تھے اس میں عبادت کرتے تھے۔ فرمایا: اور میرے نزدیک یہ عبادت کئی انواع پر مشتمل تھی لوگوں سے جدا ہونا، اللہ تعالیٰ کی طرف منقطع ہونا، غور وفکر کرنا۔ اور بعض علماء سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت غار حرا میں غور وفکر تھی۔ (ملخصاً)

نماز فجر کا وقت

3187۔ (قولہ: مِنْ أَوَّلِ طُلُوعِ) ''اول'' کا لفظ زیادہ کیا اس کو پسند کرتے ہوئے۔ جس پر حدیث دلالت کر رہی ہے جیسا کہ ہم نے (مقولہ 3179 میں) پہلے پیش کی ہے۔

فجر صادق اور فجر کاذب میں فرق

3188۔ (قولہ: وَهُوَ الْبَيَاضُ الخ) کیونکہ ''مسلم'' اور ''ترمذی'' کی حدیث ہے یہ الفاظ ''ترمذی'' کے ہیں: تمہیں حضرت بلال کی اذان اور طولاً پھیلنے والی فجر سحری کھانے سے نہ روکے بلکہ عرضاً پھیلنے والی فجر (1)۔ پس معتبر فجر صادق ہے یہ وہ فجر ہے جو افق میں پھیلتی ہے یعنی جو آسمان کی اطراف میں جس کی روشنی منتشر ہوتی ہے نہ کہ فجر کاذب۔ یہ وہ فجر ہے جو طولاً آسمان میں بھیڑیے کی دم کی طرح ظاہر ہوتی ہے پھر اس کے بعد تاریکی ہو جاتی ہے۔

فائدہ

العلامہ مرحوم شیخ خلیل الکاملی نے شیخ مشایخنا علامہ محقق علی آفندی الداغستانی کے ''رسالۃ الاسطرلاب'' پر اپنے حاشیہ میں ذکر کیا ہے کہ دونوں فجروں کے درمیان...... اور اسی طرح شفق احمر اور شفق ابیض کے درمیان تفاوت تین درج کا ہے۔

1۔ سنن ترمذی، کتاب الصوم، باب ما جاء فی بیان فجر الصادق، جلد 1 صفحہ 408، حدیث نمبر 640

(إِلَى) قُبَيْلِ (طُلُوعِ ذُكَاءَ) بِالضَّمِّ غَيْرُ مُنْصَرِفٍ اسْمُ الشَّمْسِ (وَوَقْتُ الظُّهْرِ مِنْ زَوَالِهِ) أَيْ مَيْلِ ذُكَاءَ عَنْ كَبِدِ السَّمَاءِ (إِلَى بُلُوغِ الظِّلِّ مِثْلَيْهِ) وَعَنْهُ مِثْلَهُ، وَهُوَ قَوْلُهُمَا وَزُفَرَ وَالْأَئِمَّةِ الثَّلَاثَةِ قَالَ الْإِمَامُ الطَّحَاوِيُّ وَبِهِ نَأْخُذُ وَفِي غُرَرِ الْأَذْكَارِ وَهُوَ الْمَأْخُوذُ بِهِ وَفِي الْبُرْهَانِ وَهُوَ الْأَظْهَرُ لِبَيَانِ جِبْرِيلَ

سورج کے طلوع ہونے سے تھوڑا پہلے تک۔ ذکاء ذال کے ضمہ کے ساتھ یہ غیر منصرف ہے، سورج کا نام ہے۔ ظہر کا وقت سورج کے زوال سے یعنی آسمان کے وسط سے سورج کے میل ہونے سے لے کر ہر چیز کا سایہ دو مثل ہونے تک ہے۔ اور امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مثل کی روایت بھی ہے۔ یہی ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے۔ امام ''طحطاوی'' نے فرمایا: ہم اسی کو لیتے ہیں۔ اور ''غرر الاذکار'' میں ہے: یہی اخذ کیا گیا ہے۔ اور ''البرہان'' میں ہے: جبرئیل کے بیان کی وجہ سے یہی اظہر ہے۔

3189۔ (قولہ: إِلَى قُبَيْلِ) اسی طرح ''النہر'' میں بھی اس کو داخل کیا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ غایت کے دخول پر مبنی ہے لیکن اس کا عدم ہے۔ کیونکہ یہ لمبائی کی غایت ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے پس اس کی حاجت نہیں۔ ''اسماعیل''۔

نماز ظہر کا وقت

3190۔ (قولہ: بِالضَّمِّ) یعنی اور مد کے ساتھ جیسا کہ ''القاموس'' کے حوالہ سے گزر چکا ہے۔ ''حلبی''۔

3191۔ (قولہ: مِنْ زَوَالِهِ) بہتر من زوالها ہے۔ ''طحطاوی''۔

3192۔ (قولہ: عَنْ كَبِدِ السَّمَاءِ) یعنی آسمان کے وسط سے اسکے مطابق جو ہمارے لیے ظاہر ہوتا ہے۔ ''طحطاوی''۔

3193۔ (قولہ: إِلَى بُلُوغِ الظِّلِّ مِثْلَيْهِ) یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے ظاہر الروایہ ہے ''نہایہ''۔ یہی صحیح ہے ''بدائع''، ''محیط''، ''ینابیع''۔ یہی مختار ہے ''غیاثیہ''۔ امام ''محبوبی'' نے اس کو پسند کیا ہے۔ ''النسفی'' اور صدر الشریعہ نے اس پر اعتماد کیا ہے ''تصحیح قاسم''۔ اصحاب المتون نے اس کو اختیار کیا ہے الشارحین نے اس کو پسند کیا ہے پس طحاوی کا قول کہ ہم ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کو لیتے ہیں یہ مذہب پر دلالت نہیں کرتا۔ اور جو ''الفیض'' میں ہے: عصر اور عشاء میں ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے، یہ صرف عشاء میں مسلم ہے، اس پر جو اس میں ہے اس کی مکمل بحث ''البحر'' میں ہے۔

3194۔ (قولہ: وَعَنْهُ) یعنی امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے ''حلبی''۔ اور ان سے ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ مثل کے ساتھ ظہر کا وقت نکل جاتا ہے اور عصر کا وقت داخل نہیں ہوتا مگر دو مثل کے ساتھ۔ ''الزیلعی'' وغیرہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ پس اس روایت کی بنا پر ایک مثل اور دو مثل کے درمیان کا وقت مہمل ہے۔

3195۔ (قولہ: مِثْلَهُ) بلوغ مقدر کے ساتھ منصوب ہے۔ تقدیر اس طرح ہے: وعن الامام الی بلوغ الظل مثلہ۔ یعنی امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ سایہ کے ایک مثل پہنچنے تک ہے۔

وَهُوَ نَصٌّ فِي الْبَابِ وَفِي الْفَيْضِ وَعَلَيْهِ عَمَلُ النَّاسِ الْيَوْمَ وَبِهِ يُفْتَى (سِوَى فَيْئٍ) يَكُونُ لِلْأَشْيَاءِ قُبَيْلَ (الزَّوَالِ)

اور باب میں یہی حدیث نص ہے۔ اور ''الفیض'' میں فرمایا: آج اس پر لوگوں کا عمل ہے اور اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ سایہ اصلی کے سوا جو ہر چیز کا زوال سے تھوڑا پہلے ہوتا ہے

3196۔(قولہ: وَهُوَ نَصٌّ فِي الْبَابِ) اس میں ہے کہ دلائل برابر ہیں۔ اور امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا ضعف ظاہر نہیں ہوا بلکہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل قوی ہیں جیسا کہ ''مطولات'' اور ''شرح المنیہ'' کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ ''البحر'' میں فرمایا: ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو چھوڑ کر ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کی طرف یا ان میں سے کسی ایک کے قول کی طرف عدول نہیں کیا جائے گا مگر دلیل کے ضعف یا اس کے خلاف تعامل کی ضرورت کی وجہ سے جیسے مزارعت۔ اگرچہ مشائخ نے تصریح کی ہے کہ فتویٰ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر ہے جیسا کہ یہاں ہے۔

3197۔(قولہ: وَعَلَيْهِ عَمَلُ النَّاسِ الْيَوْمَ) یعنی اکثر شہروں میں آج اس پر عمل ہے۔ احسن وہ ہے جو ''شیخ الاسلام'' کے حوالہ سے ''السراج'' میں ہے کہ احتیاط یہ ہے کہ ظہر کو ایک مثل تک موخر نہ کیا جائے اور عصر کی نماز نہ پڑھے حتیٰ کہ سایہ دو مثل تک پہنچ جائے تاکہ دونوں نمازوں کو بالاجماع اپنے اپنے وقتوں میں ادا کرنے والا ہو جائے۔ اور دیکھو کیا جب دو مثل تک عصر کو مؤخر کرنے سے جماعت کا فوت ہونا لازم آئے تو اولیٰ تاخیر ہے یا نہیں۔

ظاہر پہلا قول ہے بلکہ اس کے لیے لازم ہے جو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی ترجیح کا اعتقاد رکھتا ہے (تامل) پھر میں نے ''شرح المنیہ'' کے آخر میں بعض فتاویٰ سے منقول دیکھا کہ اگر اس کے محلہ کا امام عشاء کی نماز شفق ابیض کے غیب ہونے سے پہلے پڑھائے تو شفق ابیض کے غیب ہونے سے پہلے اکیلے نماز پڑھنا افضل ہے۔

سایۂ اصلی کی تعریف

3198۔(قولہ: سِوَى فَيْئٍ) فیئ بروزن شیء ہے۔ یہ وہ سایہ ہے جو زوال کے بعد ہوتا ہے۔ اس کو فیئ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ مغرب کی جہت سے مشرق کی طرف لوٹتا ہے اور جو زوال سے پہلے ہوتا ہے اسے ظل کہا جاتا ہے اور اس کے بعد والے کو بھی ظل کہا جاتا ہے۔ زوال سے پہلے جو سایہ ہوتا ہے اسے فیئ اصلی نہیں کہا جاتا۔ ''سراج''، ''نہر''۔

3199۔(قولہ: يَكُونُ لِلْأَشْيَاءِ قُبَيْلَ الزَّوَالِ) اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ فیئ کی زوال کی طرف اضافت ادنیٰ ملابست کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ زوال کے وقت اس کے حصول کی وجہ سے اس کی اضافت تسامح شمار نہیں کی جائے گی۔ ''درر''۔ یعنی ''شرح المجمع'' کا قول اس کے خلاف ہے کہ یہ تسامح ہے۔ ''النہر'' میں اس کی متابعت کی۔ کیونکہ تسامح...... جیسا کہ بعض محققین نے فرمایا...... غیر موضوع میں لفظ کا استعمال کرنا ہے نہ کہ علاقہ کی وجہ سے۔ یہ اضافت نسبت میں مجاز ہے کیونکہ فیئ حقیقۃً اشیاء کے لیے منسوب کیا جاتا ہے جیسے شاخص وغیرہ نہ کہ زوال کے لیے۔

وَيَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الزَّمَانِ وَالْمَكَانِ، وَلَوْ لَمْ يَجِدْ مَا يُغْرِزُ اُعْتُبِرَ بِقَامَتِهِ وَهِيَ سِتَّةُ أَقْدَامٍ وَنِصْفٌ بِقَدَمِهِ مِنْ طَرَفِ إِبْهَامِهِ

یہ زمان اور مکان کے مختلف ہونے کے ساتھ مختلف ہوتا ہے۔ اور اگر ایسی چیز نہ پائے جس کو گاڑے تو اپنی قامت کا اعتبار کرے اور آدمی کی قامت ساڑھے چھ قدم ہوتا ہے انگوٹھے کی طرف سے اس کے اپنے قدم کے ساتھ۔

میں کہتا ہوں: لیکن اعتراض وارد ہوتا ہے کہ ظل کو فئی نہیں کہا جاتا مگر زوال کے بعد جیسا کہ تو نے جان لیا ہے۔ اس کے ساتھ ''الزیلعی'' نے فئی الزوال کے ساتھ تعبیر پر اعتراض کیا ہے یعنی ظل سے مجاز لغوی ہے۔ الزوال کی طرف اس کی اسناد مجاز عقلی ہے جیسا کہ تو نے جان لیا نہ کہ مجاز لغوی ہے اور نہ تسامح ہے۔ کیونکہ اس میں لفظ کا غیر ما وضع لہ میں استعمال نہیں ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ یہ ''القہستانی'' کا مراد ہے۔ کیونکہ کلام میں دو مجاز بنائے ہیں۔ (فافہم)

3200۔ (قولہ: وَيَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الزَّمَانِ وَالْمَكَانِ) یعنی طول، قصر اور بالکلیہ انعدام کے اعتبار سے جیسا کہ اس نے واضح کیا ہے۔ ''حلبی''۔

ظل زوال کی تعریف

3201۔ (قولہ: وَلَوْ لَمْ يَجِدْ مَا يُغْرِزُ) اس کی طرف اشارہ ہے کہ اگر وہ ایک لکڑی پائے جو زمین میں زوال سے پہلے گاڑھے اور سائے کا انتظار کرے جب تک لکڑی کی طرف لوٹنے والا ہو جب وہ زیادہ ہونے لگے تو اس سائے کو محفوظ کر لے جو اس زیادتی سے پہلے تھا تو وہ ظل الزوال ہے ''حلبی''۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آدمی قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو جب تک سورج اس کے بائیں ابرو پر ہو پس سورج زائل نہیں ہوا اگر دائیں ابرو پر ہو جائے تو وہ زائل ہو گیا۔ اس قول کو ''المفتاح'' میں ''الایضاح'' کی طرف منسوب کیا ہے یہ کہتے ہوئے کہ ''مبسوط'' سے لکڑی گاڑھنے کے متعلق جو گزرا ہے اس سے یہ آسان ہے۔ ''اسماعیل''۔

3202۔ (قولہ: اعْتُبِرَ بِقَامَتِهِ) یعنی اس طرح کہ برابر زمین میں ننگے سر اور ننگے پاؤں سورج یا ظل کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو اور زوال کے سایہ کی حفاظت کرے جیسا کہ پہلے (سابقہ مقولہ میں) گزر چکا ہے پھر وقت کے آخر میں کھڑا ہو اور اسے حکم دے جو اسے علامت بتائے اس کے سایہ کی انتہا پر، جب سایہ قامت کے طول کو دو مرتبہ یا ایک مرتبہ تک پہنچ جائے سوائے ظل الزوال کے تو ظہر کا وقت نکل گیا اور عصر کا وقت داخل ہو گیا اور اگر اسے کوئی علامت نہ بتائے تو اپنے قدم کے ساتھ ساڑھے چھ قدم پیمائش کرے۔ بعض نے کہا: سات قدم پیمائش کرے۔

3203۔ (قولہ: مِنْ طَرَفِ إِبْهَامِهِ) یہ لقدمہ سے حال ہے۔ اس کے ساتھ دونوں قولوں کو جمع کرنے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ کہا جاتا ہے کہ ہر انسان کی قامت اس کے قدم کے ساتھ ساڑھے چھ قدم ہوتی ہے۔ امام ''الطحاوی'' نے فرمایا: اکثر مشائخ نے سات قدم کہا ہے۔ الزاہدی نے فرمایا: ان دونوں کو جمع کرنا اس طرح ممکن ہے کہ پنڈلی کی سمت سے

(وَوَقْتُ الْعَصْرِ مِنْهُ إِلَى) قُبَيْلِ (الْغُرُوبِ) فَلَوْ غَرَبَتْ ثُمَّ عَادَتْ هَلْ يَعُودُ الْوَقْتُ؟ الظَّاهِرُ، نَعَمْ

اور عصر کا وقت دو مثل سایہ ہونے سے لے کر غروب شمس سے تھوڑا پہلے تک ہے۔ پس اگر سورج غروب ہوا پھر طلوع ہوا کیا وقت لوٹے گا؟ ظاہر یہ ہے کہ ہاں۔

سات اقدام کا اعتبار کیا جائے اور انگوٹھے کی طرف سے ساڑھے چھ قدم کا اعتبار کیا جائے گا۔ ''البقالی'' نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ''حلبہ''۔

میں کہتا ہوں: اس کا بیان یہ ہے کہ جب کھڑا ہونے والا بائیں پاؤں پر کھڑا ہو پھر دائیں پاؤں پر منتقل ہو اور اس کی ایڑی بائیں پاؤں کے انگوٹھے کی طرف کے پاس رکھے پھر اس طرح بائیں پاؤں پر منتقل ہو اور اسی طرح چھ مرتبہ ہے۔ اگر پنڈلی کی سمت کی طرف کے اعتبار سے شروع کرے یعنی بائیں پاؤں کی ایڑی کی طرف سے جس پر پہلے کھڑا ہوا تھا یہ سات قدم تھے اگر اپنے انگوٹھے کی طرف کے اعتبار سے آغاز کرے تو ساڑھے چھ قدم تھے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ مطلوب قامت کے ارتفاع کے طول کو لینا ہے اور قامت کے ارتفاع کا مبدأ چہرے کی جہت سے نصف قدم کے پاس ہے اور گدی کی جہت سے ایڑی کی طرف کے پاس ہے۔ جس نے پہلے قول کو ملاحظہ کیا اس نے اس نصف قدم کا اعتبار کیا جس پر کھڑا تھا اور ساڑھے چھ قدم کے ساتھ قامت کو مقدر کیا۔ اور جس نے دوسرے قول کو دیکھا اس نے مذکورہ قدم کے مکمل قدم کا اعتبار کیا اور سات قدم کو مقدر کیا۔ تمام سے مراد ایک ہے یہ وہ ہے جو ہم نے ثابت کیا۔ یہ موافق ہے اس کے جو میں نے بعض کتب المیقات میں دیکھا تھا۔

حاصل یہ ہے کہ اگر اس قدم کے تمام کا حساب لگایا جس پر کھڑا تھا تو سات قدم ہوں گے۔ اگر نصف کا حساب لگایا تو ساڑھے چھ قدم ہوں گے۔ (فافہم)

نماز عصر کا وقت

3204۔ (قولہ: مِنْهُ) یعنی متن کی روایت پر ہر چیز کا سایہ دو مثل تک پہنچ جانے سے لے کر۔

اگر سورج غروب ہونے کے بعد لوٹ آئے

3205۔ (قولہ: الظَّاهِرُ نَعَمْ) اس میں صاحب ''النہر'' کی بحث ہے۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا: شوافع نے ذکر کیا ہے کہ وقت لوٹ آئے گا۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں سو گئے تھے حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے سامنے ذکر کیا کہ عصر کی نماز فوت ہو گئی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے اللہ! علی تیری اطاعت اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا اس کے لیے سورج کو لوٹا دے پس سورج لوٹ آیا حتیٰ کہ عصر کی نماز ادا کی (1)۔ یہ واقعہ خیبر میں پیش آیا۔ ''الطحاوی'' اور قاضی عیاض نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور محدثین کی ایک جماعت نے

1۔ مشکل الآثار، امام احمد بن محمد بن سلامہ، جلد 3، صفحہ 92/94، حدیث نمبر 1067/1068

وَهِيَ الْوُسْطَى عَلَى الْمَذْهَبِ (وَ) وَقْتُ (الْمَغْرِبِ مِنْهُ إِلَى) غُرُوبِ (الشَّفَقِ وَهُوَ الْحُمْرَةُ) عِنْدَهُمَا، وَبِهِ قَالَتْ الثَّلَاثَةُ وَإِلَيْهِ رَجَعَ الْإِمَامُ كَمَا فِي شُرُوحِ الْمَجْمَعِ وَغَيْرِهَا، فَكَانَ هُوَ الْمَذْهَبَ

مذہب کے مطابق یہ صلاۃ وسطیٰ ہے۔اور مغرب کا وقت سورج کے غروب ہونے سے لے کر شفق کے غروب ہونے تک ہے اور شفق سے مراد سرخی ہے۔''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک اور یہی ائمہ ثلاثہ کا قول ہے اور امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی طرف رجوع کیا ہے جیسا کہ ''المجمع'' وغیرہا کی شروع میں ہے یہی مذہب ہے۔

اس کو نقل کیا ہے ان میں سے ''طبرانی'' ہیں جنہوں نے حسن سند کے ساتھ نقل کی ہے۔اور جنہوں نے اس کو موضوع بنایا جیسے ''ابن جوزی'' انہوں نے غلطی کی ہے اور ہمارے قواعد اس کا انکار نہیں کرتے۔

''حلبی'' نے کہا: گویا یہ مردہ کی مثال ہے جس کو اللہ تعالیٰ زندہ کرتا ہے تو اپنے مال میں سے ورثاء کے ہاتھوں میں جو پائے گا اسے لے لے گا پھر اس کے لیے زندہ لوگوں کا حکم دیا جائے گا۔دیکھ کیا یہ اس کو بھی شامل ہے جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا جو قیامت کی بڑی نشانیوں میں سے ہے؟

''الطحطاوی'' نے فرمایا: ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم اسے نہیں دیا جائے گا کیونکہ یہ حکم اس وقت ثابت ہوگا جب وہ غروب ہونے کے وقت لوٹا دیا جائے گا۔جیسا کہ حدیث کا واقعہ ہے۔رہا مغرب سے اس کا طلوع ہونا تو یہ مکمل رات گزرنے کے بعد ہوگا۔

میں کہتا ہوں: شیخ اسماعیل نے اس کا رد کیا ہے جو شوافع کی تبع میں ''النہر'' میں بحث کی ہے کہ شفق کے غیب ہونے کے بعد نماز عصر قضا ہوگئی اور سورج کا لوٹنا اسے ادا نہیں بنائے گا۔اور حدیث میں جو وارد ہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خصوصیت ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول دلالت کرتا ہے کہ یہ تیری اور تیرے رسول کی طاعت میں تھا۔

میں کہتا ہوں: پہلے قول پر اس شخص کے روزے کا بطلان لازم آتا ہے جس نے اس کو لوٹنے سے پہلے افطار کیا تھا اور مغرب کی نماز کا بطلان لازم آتا ہے اگر ہم سورج کے لوٹنے کے ساتھ وقت کا لوٹنا تسلیم کرلیں۔واللہ تعالیٰ اعلم

صلاۃ وسطیٰ

3206۔(قولہ: وَهِيَ الْوُسْطَى عَلَى الْمَذْهَبِ) یعنی ہمارے آئمہ ثلاثہ سے منقول کے مطابق امام ''ترمذی'' وغیرہ نے فرمایا: یہ صحابہ کرام وغیرہم میں سے اکثر علما کا قول ہے۔نماز عصر کو وسطیٰ اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ رات کی دو نمازوں اور دن کی دو نمازوں کے درمیان ہے احادیث صحیحہ سے اس قول پر استدلال ''الحلبہ'' کے آغاز میں شرح و بسط سے موجود ہے۔ ''حلبی'' نے کہا: ''الوہبانیہ'' اور اس کی شرح میں مذکور تیس اقوال میں سے ایک قول ہے۔

نماز مغرب کا وقت

3207۔(قولہ: وَإِلَيْهِ رَجَعَ الْإِمَامُ) یعنی امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے قول کی طرف رجوع کیا ہے اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہ روایت ہے۔اور ''المجمع'' میں تصریح کی ہے کہ اس پر فتویٰ ہے۔''الفتح'' میں المحقق نے

(وَ) وَقْتُ (الْعِشَاءِ وَالْوِتْرِ مِنْهُ إِلَى الصُّبْحِ، وَ) لٰكِنْ (لَا) يَصِحُّ أَنْ (يُقَدِّمَ عَلَيْهَا الْوِتْرَ إِلَّا نَاسِيًا
اور عشاء اور وتر غروب شفق سے لے کر صبح تک ہے لیکن عشاء کی نماز پر وتر کو مقدم کرنا صحیح نہیں مگر بھول کر۔

اس کو رد کیا ہے کہ اس کی نہ روایت تائید کرتی ہے اور نہ درایت تائید کرتی ہے۔ ان کے شاگرد علامہ قاسم نے ''تصحیح القدوری'' میں فرمایا: ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا رجوع ثابت نہیں ہے۔ کیونکہ تمام علماء نے ائمہ ثلاثہ کے دور سے لے کر آج تک دو قول حکایت کیے ہیں اور عام صحابہ کے عمل کا دعویٰ، منقول کے خلاف ہے۔ ''الاختیار'' میں فرمایا: الشفق سے مراد سفیدی ہے۔ یہ سیدنا ابوبکر صدیق، معاذ بن جبل اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کا مذہب ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کو عبدالرزاق نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور عمر بن عبدالعزیز سے روایت کیا ہے۔ اور ''بیہقی'' نے شفق احمر کو روایت نہیں کیا مگر ابن عمر رضی اللہ عنہما سے۔ اور اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔ جب اخبار اور آثار متعارض ہو گئے تو شک کے ساتھ مغرب کا وقت نہیں نکلے گا جیسا کہ ''الہدایہ'' وغیرہا میں ہے۔ العلامہ قاسم نے فرمایا: ثابت ہوا کہ امام کا قول اصح ہے۔ اور اسی پر صاحب ''البحر'' چلے ہیں اس قول کی تائید کرتے ہوئے جو ہم نے ان سے نقل کرتے ہوئے پہلے (مقولہ 3196 میں) پیش کیا ہے کہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے عدول نہیں کیا جائے گا مگر دلیل کے ضعف یا اس کے خلاف تعامل کی ضرورت کی وجہ سے جیسے مزارعت۔ لیکن آج لوگوں کا تعامل تمام شہروں میں ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے قول پر ہے۔ ''النہر'' میں ''النقایہ''، ''الوقایہ''، ''الدرر''، ''الاصلاح''، ''درر البحار''، ''الامداد''، ''المواہب'' اور اس کی ''شرح البرہان'' وغیرہم کی تبع میں اس کی تائید کی ہے۔ جنہوں نے تصریح کی ہے کہ اس پر فتویٰ ہے۔ اور ''السراج'' میں ہے: ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کا قول زیادہ وسعت والا ہے اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول زیادہ احتیاط والا ہے۔

نوٹ: ہم نے ابھی (مقولہ 3188 میں) پیش کیا ہے کہ دو شفقوں کے درمیان اسی طرح دو فجروں (کاذب وصادق) کے درمیان تین درج کا وقت ہوتا ہے اس کو یاد رکھنا چاہیے۔

نماز عشا کا وقت

3208۔ (قولہ: مِنْهُ) یعنی غروب شفق سے، اس میں اختلاف پر۔ ''بحر''۔

3209۔ (قولہ: وَلٰكِنْ الخ) یہ مقدر سوال کا جواب ہے جس کی تقدیر یہ ہے کہ وتر کے وقت کے داخل ہونے کے بعد اس کو عشاء پر مقدم کرنا کیوں جائز نہیں تو اس کا جواب دیا کہ ترتیب کی وجہ سے جائز نہیں نہ اس لیے کہ وقت داخل ہوا اور یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے قول پر کیونکہ یہ عشاء کے تابع ہیں۔

اختلاف اس صورت میں ظاہر ہو گا کہ اگر بھول کر عشاء پر وتر کو مقدم کیا یا اسے یاد آیا کہ اس نے صرف عشاء کی نماز بغیر وضو کے پڑھی تھی تو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وتر کا اعادہ نہ کرے اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک وتر کا اعادہ کرے، ''نہر''۔

اور تیسرے مسقط سے تعرض نہیں کیا اور وہ فوت شدہ نمازوں کا چھ ہو جانا ہے پس رجوع کرنا چاہیے، ''رحمتی''۔

(لِوُجُوبِ التَّرْتِيبِ) لِأَنَّهُمَا فَرْضَانِ عِنْدَ الْإِمَامِ (وَفَاقِدُ وَقْتِهِمَا) كَبُلْغَارَ، فَإِنَّ فِيهَا يَطْلُعُ الْفَجْرُ قَبْلَ غُرُوبِ الشَّفَقِ فِي أَرْبَعِينِيَّةِ الشِّتَاءِ

کیونکہ ترتیب واجب ہے۔ عشاء اور وتر امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں فرض ہیں اور ان دونوں کے وقت نہ پانے والا جیسے بلغار کا شہر ہے کیونکہ اس میں شفق غروب ہونے سے پہلے فجر طلوع ہو جاتی ہے سردیوں کے چالیس دنوں میں

3210۔ (قولہ: لِوُجُوبِ التَّرْتِيبِ) یعنی ترتیب کے لزوم کی وجہ سے وتر فرض عملی ہے۔

3211۔ (قولہ: لِأَنَّهُمَا فَرْضَانِ عِنْدَ الْإِمَامِ) لیکن عشاء فرض قطعی ہے اور وتر فرض عملی ہے۔ یہ متن میں مذکور دونوں حکموں کی تعلیل ہے۔

پہلا شفق کے غیب ہونے اور فجر کے درمیان دونوں کے لیے ایک وقت ہونا۔

دوسرا اگر عشاء کی نماز سے پہلے وتر پڑھے اگر بھول کر پڑھے تو ترتیب ساقط ہو جائے گی۔ اور اگر جان بوجھ کر پڑھے تو وہ باطل ہوں گے لیکن ان کا ابطال موقوف ہوگا اس پر جس کی تفصیل قضاء الفوائت کے باب میں آئے گی، ''حلبی''۔

عشاء کے وقت کو نہ پانے والا جیسے اہل بلغار

3212۔ (قولہ: كَبُلْغَارَ) باموحدہ کے ضمہ کے ساتھ پھر لام کے سکون کے ساتھ اور غین معجمہ اور را کے درمیان الف۔ لیکن ''القاموس'' میں بغیر الف کے ضبط کیا ہے اور فرمایا: عام لوگ بلغار کہتے ہیں۔ یہ الصقالیہ کا شہر ہے شمال میں واقع ہے انتہائی سرد علاقہ ہے۔

3213۔ (قولہ: فَإِنَّ فِيهَا يَطْلُعُ الْفَجْرُ قَبْلَ غُرُوبِ الشَّفَقِ) اس کا مقتضا یہ ہے کہ عشا اور وتر کا وقت مفقود ہوتا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ فجر کا وقت بھی مفقود ہوتا ہے کیونکہ صبح کے وقت کی ابتدا طلوع فجر ہے اور طلوع فجر پہلے تاریکی کا تقاضا کرتی ہے اور شفق کے ہوتے ہوئے تاریکی نہیں ہوتی۔ یہ ''حلبی'' نے ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: مشائخ مذہب کے درمیان اختلاف منقول صرف عشا اور وتر کے وجوب میں ہے اور ہم نے کسی ایک کو نہیں دیکھا کہ اس صورت میں فجر کی قضا سے تعرض کیا ہو فقہا کے کلام میں واقع اس کو فجر کا نام دینا ہے۔ کیونکہ فقہا کے نزدیک فجر اس سفیدی کا نام ہے جو افق میں پھیلتی ہے۔ یہی صحیح حدیث کے موافق ہے جیسا کہ پہلے تاریکی کی قید کے بغیر (مقولہ 3179 میں) گزر چکا ہے۔ اس لیے ہم یہاں تاریکی کا نہ ہونا تسلیم نہیں کرتے۔ پھر میں نے ''طحطاوی'' کی عبارت دیکھی انہوں نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔

3214۔ (قولہ: فِي أَرْبَعِينِيَّةِ الشِّتَاءِ) درست اربعینیۃ الصیف ہے جیسا کہ ''الباقانی'' میں ہے۔ اور ''البحر'' وغیرہ کی عبارت یہ ہے: (فی اقصر لیالی السنۃ) سال کی چھوٹی راتوں میں۔ اس کی مکمل بحث ''حلبی'' میں ہے۔ اور ''النہر'' کا قول (فی اقصر ایام السنۃ) سبقت قلم ہے۔ یہی وہ ہے جس کو الشارح نے ذکر کیا ہے۔

(مُكَلَّفٌ بِهِمَا فَيُقَدِّرُ لَهُمَا)
وہ ان دونوں نمازوں کا مکلف ہے۔ پس ان کے لیے وقت مقدر کرے گا

3215۔ (قولہ: فَيُقَدِّرُ لَهُمَا) یہ صرف متن کے نسخوں میں موجود ہے۔ ''المنح'' سے ساقط ہے اور میں نے نہیں دیکھا جو سوائے ''الفیض'' کے اس کی طرف سبقت لے گیا ہو۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا: اگر وہ ایسے شہر میں ہوں جس میں شفق کے غیب ہونے سے پہلے فجر طلوع ہوتی ہو تو ان پر عشاء کی نماز واجب نہیں کیونکہ سبب نہیں پایا جاتا۔ اور بعض علماء نے کہا: واجب ہے اور وقت مقدر کیا جائے گا۔

تقدیر کے معنی میں کلام باقی ہے وہ چیز جو ''الفیض'' کی عبارت سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ عشا کی قضا واجب ہوتی ہے مقدر کیا جائے گا کہ وقت یعنی وجوب کا سبب پایا گیا جیسے ایام دجال میں اس کے وجود کو مقدر کیا جائے گا اس کے مطابق جو آگے (مقولہ 3219 میں) آئے گا۔ کیونکہ بغیر سبب کے واجب نہیں ہوتی پس (ویقدر الوقت) کا قول اس قول کا جواب ہوگا جو پہلے قول میں ہے کہ سبب نہ پائے جانے کی وجہ سے واجب نہیں ہوتی۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ ہم حقیقۃً سبب کے وجود کے لزوم کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس کی تقدیر کافی ہے جیسے دجال کے ایام میں ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ تقدیر مذکور سے مراد وہ ہو جو شوافع نے کہا ہے کہ ان کے حق میں عشا کا وقت، ان کے قریبی شہروں میں شفق کے غائب ہونے کی تقدیر کے ساتھ ہوگا۔ پہلا معنی اظہر ہے جیسا کہ ''الفتح'' کے آنے والے کلام سے (مقولہ 3219 میں) تیرے لیے ظاہر ہوگا۔ کیونکہ اس مسئلہ کو دجال کے ایام کے مسئلہ کے ساتھ لاحق کیا ہے اور کیونکہ اس مسئلہ میں انہوں نے ہمارے تینوں مشائخ کا اختلاف نقل کیا ہے۔ اور ''البقالی''، ''الحلوانی'' اور ''البرہان الکبیر'' میں ''البقالی'' نے عدم وجوب کا فتویٰ دیا اور ''الحلوانی'' قضا کے وجوب کا فتویٰ دیتے تھے۔ پھر انہوں نے ''البقالی'' کی موافقت کی جب ''الحلوانی'' نے اس کی طرف اس شخص کو بھیجا جو ان سے اس شخص کے بارے میں پوچھے جس نے پانچ نمازوں میں سے کسی ایک نماز کو ساقط کر دیا کیا اس پر کفر کا فتویٰ لگایا جائے گا تو انہوں نے سائل کا جواب اس طرح دیا کہ جس کے دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں کٹے ہوئے ہوں تو اس کے وضو کے فرائض کتنے ہوں گے؟ تو اس نے کہا تین کیونکہ محل فوت ہو گیا ہے، پس اسی طرح نماز ہے ''الحلوانی'' کو یہ بات پہنچی تو اس جواب کی تحسین کی اور ''البقالی'' کے قول عدم وجوب کی طرف رجوع کر لیا۔ رہے ''البرہان الکبیر'' تو انہوں نے وجوب کا قول کیا لیکن ''الظہیریہ'' وغیرہا میں ہے: صحیح قول کے مطابق قضا کی نیت نہ کرے۔ کیونکہ اس کا وقت مفقود ہے۔ ''الزیلعی'' نے اس پر اس طرح اعتراض کیا ہے کہ بغیر سبب کے وجوب غیر معقول ہے، نیز جب قضا کی نیت نہیں کرے گا تو ضرورۃً ادا ہوگی اور وہ یعنی ادا وقت کا فرض ہے اور یہ کسی نے بھی نہیں کہا۔ کیونکہ فجر کے طلوع ہونے کے بعد عشا کا وقت باقی نہیں رہتا یہ بالا جماع ہے۔

اور نیز تمام شہر جن میں فجر طلوع ہوتی ہے جونہی سورج غروب ہوتا ہے جیسا کہ ''الزیلعی'' وغیرہ میں ہے پس فجر سے پہلے اتنا وقت ہی نہیں ہوتا جس میں ادا ممکن ہوتی ہے۔

وَلَا يَنْوِي الْقَضَاءَ لِفَقْدِ وَقْتِ الْأَدَاءِ بِهِ أَفْتَى الْبُرْهَانُ الْكَبِيرُ وَاخْتَارَهُ الْكَمَالُ، وَتَبِعَهُ ابْنُ الشِّحْنَةِ فِي أَلْغَازِهِ فَصَحَّحَهُ، فَزَعَمَ الْمُصَنِّفُ أَنَّهُ الْمَذْهَبُ (وَقِيلَ لَا) يُكَلَّفُ بِهِمَا لِعَدَمِ سَبَبِهِمَا، وَبِهِ جَزَمَ فِي الْكَنْزِ وَالدُّرَرِ وَالْمُلْتَقَى وَبِهِ أَفْتَى الْبَقَّالِيُّ،

اور قضا کی نیت نہیں کرے گا۔ کیونکہ ادا کا وقت نہیں پایا۔ ''البرہان الکبیر'' نے اس کا فتویٰ دیا ہے اور ''الکمال'' نے اس کو پسند کیا ہے، ''ابن الشحنہ'' نے ''الغاز'' میں ''الکمال'' کی متابعت کی ہے اور اس کو صحیح کہا ہے۔ پس مصنف نے گمان کیا کہ یہی مذہب ہے۔ بعض فقہا نے فرمایا: ان کے سبب کے نہ پائے جانے کی وجہ سے ان کا مکلف نہ ہوگا۔ ''الکنز''، ''الدرر'' اور ''الملتقی'' میں اس پر جزم کیا ہے۔ اس کے ساتھ ''البقالی'' نے فتویٰ دیا۔

جب تو نے یہ جان لیا تو تیرے لیے ظاہر ہو گیا کہ جنہوں نے وجوب کا قول کیا وہ قضا کے طریقہ پر کہتا ہے نہ کہ ادا کے طریقہ پر۔ اگر ان کے قریبی شہروں کا اعتبار ہوتا تو لازم آتا ہے کہ وہ وقت جس کا ہم نے ان کے لیے اعتبار کیا ہے وہ وقت عشاء کے لیے حقیقۃً وقت ہو اس حیثیت سے کہ اس میں عشا ادا ہو حالانکہ ہمارے نزدیک وجوب کے قائلین نے تصریح کی ہے کہ وہ قضا ہے اور ادائیگی کا وقت مفقود ہے۔ نیز اگر فرض کیا جائے کہ ان کی فجر اس تقدیر کے ساتھ طلوع ہوتی ہے جس تقدیر میں ان کے قریبی شہروں میں شفق غائب ہوتا ہے تو ان کے حق میں عشاء اور صبح کے دونوں وقتوں کا اتحاد لازم آئے گا یا صبح طلوع فجر کے ساتھ داخل نہ ہوگی اگر ہم کہیں کہ صرف عشا کا وقت ہے اور عشا کا دن کی نماز ہونا لازم آئے گا اور اس کے وقت داخل نہ ہوگا مگر فجر کے طلوع ہونے کے بعد اور یہ اس بات تک پہنچائے گا کہ صبح کا وقت ان کے سورج کے طلوع ہونے کے بعد داخل ہوگا۔ اور یہ تمام صورتیں غیر معقول ہیں۔ پس تقدیر کے معنی میں جو ہم نے کہا وہ متعین ہو گیا جب تک اس کے خلاف نقل صریح نہ پائی جائے۔ رہا شوافع کا مذہب تو وہ ہمارے مذہب پر غالب نہیں۔ پھر میں نے ''الحلبہ'' میں دیکھا انہوں نے وہی ذکر کیا ہے جو شوافع نے ذکر کیا ہے۔ پھر اس پر اس طرح اعتراض کیا کہ حدیث دجال کا ظاہر خاص اس شہر میں تقدیر کو مفید ہے۔ کیونکہ وقت ''قطر'' کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوتا ہے۔ یہ ہمارے قول کا مؤید ہے۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ (فافہم)

3216۔ (قولہ: وَلَا يَنْوِي الْقَضَاءَ) تو نے جان لیا ہے جو ''الزیلعی'' نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ قضا کی نیت نہ ہونے سے ضرورۃً ادا ہونا لازم آئے گا۔ پس ''البرہان الکبیر'' کے کلام کو وجوب قضا پر محمول کرنا متعین ہو گیا جیسا کہ ''الحلوانی'' نے کہا ہے۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ نہ ادا ہو نہ قضا ہو اس سے کوئی مانع نہیں جیسا کہ بعض نے اس کو قضا اور ادا کا نام دیا ہے جس کا بعض وقت میں ادا ہو۔ لیکن ''المحیط'' وغیرہ سے منقول ہے کہ نماز بعض وقت میں واقع ہو اور بعض وقت سے خارج ہو۔ جو وقت میں واقع ہوگی اسے ادا کہا جائے گا اور جو وقت سے باہر واقع ہوگی اس کو قضا کہا جائے گا ہر چیز کا اعتبار کرتے ہوئے اس کے زمانہ کے ساتھ۔ فافہم

3217۔ (قولہ: فَزَعَمَ الْمُصَنِّفُ الخ) یعنی جس پر انہوں نے جزم کیا اور اس کے مقابل کو قیل سے تعبیر کیا۔ اسی وجہ

وَوَافَقَهُ الْحَلْوَانِيُّ وَالْمَرْغِينَانِيُّ وَرَجَّحَهُ الشُّرُنْبُلَالِيُّ وَالْحَلَبِيُّ، وَأَوْسَعَا الْمَقَالَ وَمَنَعَا مَا ذَكَرَهُ الْكَمَالُ
اور ''الحلوانی'' اور ''المرغینانی'' نے ان کی موافقت کی۔ اور ''الشرنبلالی'' اور ''حلبی'' نے اس کو ترجیح دی اور وسیع گفتگو کی ہے۔ اور ''الکمال'' نے جو ذکر کیا ہے اس کا انکار کیا ہے......

سے ''الامداد'' میں وہم کی طرف منسوب کیا ہے۔

3218۔ (قولہ: وَأَوْسَعَا الْمَقَالَ) یعنی ''شرنبلالی'' اور ''البرہان الحلبی'' میں سے ہر ایک نے۔ لیکن ''الشرنبلالی'' نے ''البرہان الحلبی'' کی کلام مکمل نقل کی ہے اسی وجہ سے وسعت کو اس کی طرف منسوب کیا ہے۔

3219۔ (قولہ: وَمَنَعَا مَا ذَكَرَهُ الْكَمَالُ) رہا وہ جو ''کمال'' نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے جن کے ہاں عشا کا وقت نہیں پایا جاتا ان پر ''البقالی'' نے عدم وجوب کا فتویٰ دیا۔ کیونکہ سبب نہیں ہے جیسا کہ وضو سے ہاتھوں کا دھونا ساقط ہوتا ہے جب دونوں ہاتھ کہنیوں سے کٹے ہوئے ہوں۔ محل فرض کے نہ ہونے اور سبب جعلی کے نہ ہونے کے درمیان فرق کے ثبوت میں غور وفکر کرنے والا شک نہیں کرتا۔ سبب جعلی جو خفی وجوب پر علامت ہوتا ہے نفس امر میں ثابت ہوتا ہے اور جو کسی شے کے متعدد معرفات کے جواز میں غور وفکر کرتا ہے وہ شک نہیں کرتا۔ پس وقت کے انتفا سے معرف کا انتفا ہوتا ہے۔ اور کسی شے پر دلیل کا انتفا، شے کے انتفا کو مستلزم نہیں کیونکہ دوسری دلیل کے جواز کی وجہ سے، تحقیق یہ پائی گئی ہے اور وہ یہ ہے جس پر اسرا کی اخبار متفق ہیں کہ پہلے الله تعالیٰ نے پچاس نمازوں کا حکم دیا۔ اس کے بعد پانچ نمازیں الله تعالیٰ کی طرف سے فرض ہوئیں۔ پھر شرعاً تمام اہل آفاق کے لیے پانچ نمازوں پر معاملہ مستقر ہوا۔ کسی قطر میں تفصیل نہیں۔ اور جو روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر کیا ہم نے کہا اس کا زمین میں ٹھہرنا کتنا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چالیس دن، ایک دن سال کی طرح ہوگا ایک دن مہینہ کی طرح ہوگا اور ایک دن جمعہ کی طرح ہوگا اور باقی ایام تمہارے ایام کی طرح ہوں گے، ہم نے عرض کی یا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وہ دن جو سال کی طرح ہوگا کیا اس میں ایک دن کی نماز ہمارے لیے کفایت کرے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں اس کے لیے اندازہ لگاؤ(1)۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ پس تین سو سے زیادہ مرتبہ عصر کی نماز واجب کی ہر چیز کا سایہ ایک مثل یا دو مثل ہونے سے پہلے۔ اور اس پر قیاس کرو...... پس ہم نے فائدہ حاصل کیا کہ حقیقت میں واجب عموم پر پانچ نمازیں ہیں مگر ان اوقات کے وجود کے وقت ان اوقات پر تقسیم کرنا ہے اور ان اوقات کے عدم کے ساتھ وجوب ساقط نہیں ہوتا جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ نمازوں کو الله تعالیٰ نے بندوں پر فرض فرمایا ہے(2)۔

رہا وہ جو ''البرہان الحلبی'' نے ''شرح المنیہ'' میں ذکر کیا ہے وہ یہ قول ہے: جواب یہ کہنا ہے جیسا کہ اس پر معاملہ قرار پذیر ہو گیا کہ نمازیں پانچ ہیں پس اسی طرح معاملہ قرار پذیر ہو گیا ہے کہ وجوب کے لیے اسباب اور شروط ہیں ان کے بغیر وجوب

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب ذکر الدجال و صفتہ و ما معہ، جلد 3، صفحہ 748، حدیث نمبر 5278

سنن ترمذی، کتاب الفتن، باب ما جاء فی فتنۃ الدجال، جلد 2، صفحہ 163، حدیث نمبر 2166

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب فی من لم یوتر، جلد 1، صفحہ 519، حدیث نمبر 1210

....

نہیں پایا جاتا اور تیرا قول شرعاً عاماً الخ اگر تو نے یہ ارادہ کیا ہے کہ یہ ہر اس شخص پر عام ہے جس کے حق میں وجوب کی شروط اور اس کے اسباب پائے گئے ہیں تو ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور جن کا ذکر کیا گیا ہے ان کے حق میں ان میں بعض کے نہ پائے جانے کی وجہ سے تجھے مفید نہیں اگر تو نے یہ ارادہ کیا ہے کہ یہ مکلفین کے افراد میں سے ہر فرد کے لیے ایام کے افراد میں سے ہر فرد میں مطلقاً عام ہے تو یہ ظاہر البطلان ہے۔ کیونکہ حیض والی عورت اگر سورج کے طلوع ہونے کے بعد پاک ہو تو اس پر دن میں واجب نہ ہوگا مگر چار نمازیں۔

اور ظہر کے وقت کے نکلنے کے بعد اس دن اس پر صرف تین نمازیں واجب ہوں گی اور اسی طرح ...... اور یہ کسی نے نہیں کہا کہ جب دن کے بعض یا اکثر حصہ میں پاک ہوئی تو اس پر اس دن اور رات کی تمام نمازیں واجب ہوں گی۔ اس لیے کہ نمازیں ہر مکلف پر پانچ فرض ہیں۔ اگر تو کہے: حائض کے حق میں وجوب کا تخلف اس کی شرط کے مفقود ہونے کی وجہ سے ہے اور وہ حیض سے طہارت ہے۔ ہم تجھے کہیں گے: اسی طرح ان کے حق میں وجوب کا تخلف اس کی شرط اور سبب کے مفقود ہونے کی وجہ سے ہے اور وہ وقت ہے اور اس سے زیادہ ظاہر یہ ہے کہ کافر جب ایک وقت کے فوت ہونے کے بعد یا دن کا اکثر حصہ فوت ہونے کے بعد مسلمان ہو حالانکہ عدم شرط ...... وہ اس کے حق میں اسلام ہے ...... اس کی تقصیر کی وجہ سے اس کی طرف مضاف ہے بخلاف ان لوگوں کے۔ کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ اس پر اس دن کی تمام نمازیں واجب ہیں۔ کیونکہ ہر روز ہر مکلف پر پانچ نمازیں فرض ہیں۔ اور حدیث دجال میں جو ہے اس پر قیاس صحیح نہیں۔ کیونکہ وضع اسباب میں قیاس کا کوئی دخل نہیں۔ اور اگر تسلیم کیا جائے تو بھی یہ اس میں ہوتا ہے جو خلاف قیاس پر نہ ہو، حدیث خلاف قیاس پر وارد ہوئی ہے۔ ''شیخ اکمل الدین'' نے ''شرح المشارق'' میں قاضی عیاض سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: یہ حکم اس زمانہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اسے ہمارے لیے صاحب الشرع نے مشروع کیا ہے۔ اگر ہم اپنے اجتہاد کے سپرد کیے جاتے تو اس میں نماز اوقات معروفہ کے وقت ہوتی اور ہم پانچ نمازوں پر اکتفا کرتے۔

اور اگر قیاس تسلیم کیا جائے تو مساوات ضروری ہے اور مساوات نہیں ہے۔ کیونکہ جس مسئلہ میں ہم گفتگو کر رہے ہیں اس میں کوئی زمانہ نہیں پایا جاتا جس میں عشا کے لیے کوئی وقت خاص مقدر کیا جائے۔ اور حدیث سے مستفاد یہ ہے کہ ہر نماز کے لیے ایک ایسا وقت خاص مقرر کیا جائے جو دوسری نماز کے لیے وقت نہ ہو بلکہ مابعد نماز کا وقت داخل نہ ہو اس پہلی نماز کے لیے مقرر وقت کے گزرنے سے پہلے۔ اور جب اس کا وقت گزر جائے تو وہ قضا ہو جائے جیسے دوسرے ایام میں ہوتا ہے گویا زوال اور سائے کا ایک مثل یا دو مثل ہونا، سورج کا غروب ہونا شفق کا غیب ہونا اور فجر کا طلوع ہونا حکم شرع کی تقدیر سے اس زمانہ کے اجزاء میں موجود ہے۔ لیکن یہاں ایسا نہیں کیونکہ موجود زمانہ بالا جماع یا تو ان کے حق میں مغرب کا وقت ہوگا یا فجر کا وقت ہوگا پس قیاس کیسے صحیح ہے۔ ہم نے جو ذکر کیا اس سے معلوم ہوا کہ جس کے ہاتھ کہنیوں سمیت اور پاؤں ٹخنوں سمیت کٹے ہوئے ہوں اور اس مسئلہ کے درمیان فرق نہیں ہے جیسا کہ اس کو ''البقالی'' نے ذکر کیا ہے۔ اسی وجہ سے ''الامام الحلوانی'' نے اس کو

....

تسلیم کیا ہے اور اس کی طرف رجوع کیا ہے اس سے انصاف کرتے ہوئے حالانکہ وہ اس میں خصم تھے۔ یہ اس لیے ہے کیونکہ شرط نہ ہونے کی وجہ سے وہاں دھونا ساقط ہو گیا۔ کیونکہ محال (محل کی جمع) شروط ہیں پس اسی طرح نماز ساقط ہوئی۔ کیونکہ نماز کی شرط نہیں پائی گئی بلکہ اس کا سبب بھی نہیں پایا گیا۔ اور جس طرح وہاں دلیل قائم نہیں ہوئی کہ کہنی سے اوپر بغل تک اور ٹخنے سے اوپر والے حصہ کو قدم کی مقدار دھونے کے وجوب میں خلیفہ نہیں بنایا گیا۔ اسی طرح کوئی دلیل موجود نہیں کہ مغرب کے وقت سے یا فجر کے وقت سے یا ان دونوں سے کسی جز کو عشا کے وقت خلیفہ بنایا جائے۔ اور اسی طرح بالا جماع مکلفین پر پانچ نمازیں ہیں۔ اسی طرح مکلفین پر وضو کے فرائض ہیں بالا جماع وہ چار سے کم نہیں۔ لیکن ان تمام میں وجوب کی شرائط اور وجوب کے تمام اسباب کا وجود ضروری ہے۔ منصف کو غور و فکر کرنا چاہیے اللہ سبحانہ توفیق دینے والا ہے۔ یہ ''البرہان الحلبی'' کا کلام ہے۔

اس پر ''فاضل محشی'' نے تنقید کی اور طویل کلام کے ساتھ محقق کی مدد کی ہے۔ اس کی جملہ کلام میں سے یہ ہے کہ جو ہم نے کہا وہ قیاس کے باب سے نہیں ہے بلکہ دلالۃ الحاق کے باب سے ہے۔ اور ''البرہان الحلبی'' کا قول: جس مسئلہ میں ہم ہیں اس میں کوئی زمانہ نہیں پایا جاتا جس میں عشاء کے لیے وقت خاص مقدر کیا جائے ممنوع ہے۔ اور یہ اس لیے ہے کیونکہ جو مقدر کرتا ہے وہ ہر نماز کے لیے ایک وقت مقرر کرتا ہے جو اس کے ساتھ خاص ہوتا ہے اس میں اس نماز کے علاوہ کوئی نماز شریک نہیں ہوتی۔

میں کہتا ہوں: مخفی نہیں کہ ہمارے نزدیک وجوب کے قائلین نے اس نماز کے لیے کوئی خاص وقت مقرر نہیں کیا اس حیثیت سے کہ اس میں اس کا فعل ادا ہے اور اس سے خارج قضا ہے جیسا کہ وہ ایام دجال میں ہوگا۔ کیونکہ ''حلوانی'' نے اس کے وجوب کے ساتھ قضا کہا ہے اور ''البرہان الکبیر'' نے کہا: قضا کی نیت نہ کرے۔ کیونکہ ادا کا وقت معدوم ہے۔ ''الفتح'' میں اس کے ساتھ تصریح کی ہے۔ پس عدم مساوات کے ساتھ دلالۃ الحاق کہاں ہے۔ اگر بطریق الحاق یا بطریق قیاس اس نماز کے لیے خاص وقت مقرر کرے جس میں وہ نماز ادا ہوتی تو وہ اس کو فجر کے بعد اس کے فعل کے ایجاب کے لیے موجود مقدر کرتے۔ اور تقدیر کا وہ معنی نہیں جو شوافع نے کہا ہے جیسا کہ تو نے جان لیا ہے ورنہ اس میں ادا ہونا لازم آتا اور تو ''الزیلعی'' کا قول جان چکا ہے کہ یہ کسی نے بھی نہیں کہا ہے یعنی اس کے ادا ہونے کا قول کسی نے نہیں کیا ہے۔ کیونکہ فجر کے بعد عشاء کا وقت باقی نہیں ہوتا۔

''المحقق الکمال بن الہمام'' کی طرف سے عمدہ جواب یہ ہے کہ انہوں نے حدیث دجال ذکر نہیں کی تا کہ اس پر ہمارے مسئلہ کو قیاس کیا جائے یا دلالۃ اس کے ساتھ لاحق کیا جائے۔ انہوں نے اس کو پانچ نمازوں کے فرض ہونے پر دلیل کے طور پر ذکر کی ہے اگر چہ بطور فرض عام سبب نہ پایا گیا ہو۔ کیونکہ ''وما روی'' کا قول ''ما تواطات علیہ اخبار الاسراء'' کے قول پر معطوف ہے۔ اور حیض اور کافر پر فرض نہ ہونے سے جو اعتراض وارد کیا ہے اس کا جواب اس سے دیا گیا ہے جو محشی نے دیا ہے کہ عموم سے ان دونوں کو نکالنے کے لیے نص وارد ہے۔

جو ''المحقق'' نے ذکر کیا ہے ان کے دونوں شاگردوں علامتان محققان ''ابن امیر حاج'' اور الشیخ ''قاسم'' نے اس کو

قُلْتُ وَلَا يُسَاعِدُهُ حَدِيثُ الدَّجَّالِ؛ لِأَنَّهُ وَإِنْ وَجَبَ أَكْثَرُ مِنْ ثَلٰثِ مِائَةِ ظُهْرٍ
میں کہتا ہوں: حدیث الدجال اس کی معاونت نہیں کرتی کیونکہ......اگرچہ تین سو ظہر سے زیادہ واجب ہے

ثابت کیا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ یہ دونوں قول صحیح ہیں۔ وجوب کا قول اس سے مؤید ہے کہ یہ ایک مجتہد امام نے کہا ہے اور وہ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ ہیں جیسا کہ ''الحلبہ'' نے ''المتولی'' کے حوالہ سے ان سے نقل کیا ہے۔

3220۔ (قولہ: وَلَا يُسَاعِدُهُ) ضمیر کا مرجع وہ ہے جو ''الکمال'' نے ذکر کیا ہے۔ ''حلبی''۔

3221۔ (قولہ: حَدِيثُ الدَّجَّالِ) یہ وہ ہے جس کو ہم نے (مقولہ 3219 میں) ''الکمال'' کے کلام میں پہلے پیش کیا ہے۔ ''الاسنوی'' نے کہا: یہ دن اس سے مستثنیٰ ہے جو اوقات میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے لیے آنے والے دو دن قیاس کیے جائیں گے۔ ''الرملی'' نے ''شرح المنہاج'' میں فرمایا: یہ اس صورت میں جاری ہوگا اگر سورج ایک قوم کے پاس ایک مدت ٹھہر جائے۔ ''حلبی''۔

''امداد الفتاح'' میں فرمایا: میں کہتا ہوں: اسی طرح تمام مدتوں کے لیے مقدر کیا جائے گا جیسے روزہ، زکوٰۃ، حج، عدت، بیع اور بیع سلم، اجارہ کی مدتیں۔ اور دن کی ابتدا کو دیکھا جائے گا اور چاروں موسموں میں سے ہر فصل کو مقدر کیا جائے گا اس کے مطابق جو ہر دن کی کمی اور زیادتی میں سے ہوگا۔ اسی طرح کتب شافعیہ میں ہے۔ ہم اس کی مثل کہتے ہیں۔ کیونکہ تقدیر کی اصل بالاجماع نمازوں میں اس کے ساتھ کی گئی ہے۔

سورج کا مغرب سے طلوع ہونا

مرفوع حدیث میں وارد ہے کہ سورج جب مغرب سے طلوع ہوگا تو وہ آسمان کے وسط تک چلے گا پھر لوٹ آئے گا پھر اس کے بعد اپنی عادت کی طرح مشرق سے طلوع ہوگا۔ ''الرملی الشافعی'' نے ''شرح المنہاج'' میں فرمایا: اس سے معلوم ہوا کہ سورج کے رجوع کے ساتھ ظہر کا وقت داخل ہوگا کیونکہ وہ بمنزلہ زوال ہوگا۔ اور عصر کا وقت داخل ہوگا جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہوگا اور مغرب کا وقت اس کے غروب ہونے کے ساتھ داخل ہوگا۔

اس حدیث میں ہے: اس کے مغرب سے طلوع ہونے کی رات تین راتوں کی مقدار لمبی ہوگی لیکن لوگوں پر اس کے مبہم ہونے کی وجہ سے معلوم نہ ہوگی مگر اس کے گزرنے کے بعد۔ پس اس وقت گزشتہ کا قیاس پانچوں نمازوں کی قضا کرنا لازم ہے۔ کیونکہ دو راتیں زائد ہیں پس ایک دن اور ایک رات کو مقدر کیا جائے گا اور ان میں پانچوں نمازوں کا واجب ہونا مقدر کیا جائے گا۔

3222۔ (قولہ: وَإِنْ وَجَبَ) عدم مساعدت کی علت ہے۔ ''حلبی''۔

3223۔ (قولہ: أَكْثَرُ مِنْ ثَلٰثِ مِائَةِ ظُهْرٍ الخ) اس میں ہے کہ ایک دن ایک سال کا ہوگا پس جو زوال سے پہلے ہو

مَثَلًا قَبْلَ الزَّوَالِ لَيْسَ كَمَسْأَلَتِنَا؛ لِأَنَّ الْمَفْقُودَ فِيهِ الْعَلَامَةُ لَا الزَّمَانُ، وَأَمَّا فِيهَا فَقَدْ فُقِدَ الْأَمْرَانِ
زوال سے پہلے...... یہ ہمارے مسئلہ کی طرح نہیں ہے کیونکہ اس میں مفقود علامت ہے نہ کہ زمانہ اور ہمارے مسئلہ میں یہ دونوں امر مفقود ہیں۔

گا جیسے نصف سال، تو اس میں ظہر اس عدد کے ساتھ مکرر نہ ہوگی۔ پس مناسب ''الکمال'' کی تعبیر ہے جو ان کے اس قول سے (مقولہ 3219 میں) گزر چکی ہے کہ تین سو عصر سے زیادہ واجب ہو ہر چیز کا سایہ ایک مثل یا دو مثل ہونے سے پہلے۔ لیکن دو مثل میں ظاہر ہے۔ کیونکہ یہ دن کے 5/6 کے قریب ہے بخلاف ایک مثل کے۔ ''اظہر'' ان کا قول ''الشرنبلالیہ'' میں ہے: اگرچہ تین سو سے زیادہ عشا فجر کے طلوع ہونے سے پہلے واجب ہے۔

3224۔ (قولہ: مَثَلًا) یعنی صبح، عصر، مغرب، عشا اور وتر اسی طرح۔ ''حلبی''۔

3225۔ (قولہ: فِيهِ) یعنی حدیث دجال میں۔

3226۔ (قولہ: وَأَمَّا فِيهَا) یعنی ہمارے مسئلہ میں اور بعض نسخوں میں (فیہما) یعنی وتر اور عشا میں۔

3227۔ (قولہ: فَقَدْ فُقِدَ الْأَمْرَانِ) یعنی علامت۔ یہ فجر سے پہلے شفق کا غائب ہونا ہے۔ اور معلم زمانہ یہ وہ ہے جس میں نماز ضرورۃً ادا واقع ہوتی ہے۔ کیونکہ فجر سے پہلے موجود زمانہ وہ مغرب کا زمانہ ہے اور اس کے بعد یہ صبح کا زمانہ ہے۔ پس عشا کے ساتھ خاص زمانہ نہیں پایا جاتا۔ اس سے مراد اصل زمانہ کا مفقود ہونا نہیں جیسا کہ مخفی نہیں۔ ہاں جب ہم یہاں تقدیر کا قول کرتے ہیں تو زمانہ تقدیراً موجود ہوتا ہے جیسے دجال کے دن میں ہے۔ پس ''المحقق'' کے قول پر اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

تتمہ

میں نے کسی عالم کی تحریر نہیں دیکھی جس نے ان کے روزے کے حکم سے تعرض کیا ہو اس صورت میں جب ان کے پاس فجر طلوع ہو جاتی ہے جونہی سورج غائب ہوتا ہے یا اس کے بعد زمانہ ہوتا ہے جس میں روزے دار اتنی خوراک کھانے پر قدرت نہیں رکھتا جو اس کی بنیاد کو قائم رکھ سکے ان پر پے در پے روزے کے وجوب کا قول کرنا ممکن نہیں۔ کیونکہ یہ ہلاکت تک پہنچائے گا۔ اگر ہم روزے کے وجوب کا کہیں تو تقدیر کا قول لازم ہوگا۔ کیا ان کی رات ان کے قریب شہروں کے ساتھ مقدر کی جائے گی جیسا کہ شوافع نے کہا، یا ان کے لیے اتنا وقت مقدر کیا جائے گا جو ان کے کھانے، پینے کی وسعت رکھتا ہو، یا صرف ان پر قضا واجب ہوگی، نہ کہ ادا؟ ہر ایک کا احتمال ہے۔ پس غور کرنا چاہیے۔ اور یہاں اصلاً عدم وجوب کا قول ممکن نہیں جیسے عشاء کی نماز اس کے قائل کے نزدیک۔ کیونکہ اس کے قائل کے نزدیک اس میں وجوب کے نہ ہونے کی علت، عدم سبب ہے اور روزے میں سبب پایا جاتا ہے اور وہ مہینہ کے جز کا موجود ہونا ہے اور ہر دن فجر کا طلوع ہے۔ یہ میرے لیے ظاہر ہوا۔ اللہ اعلم

(وَالْمُسْتَحَبُّ) لِلرَّجُلِ (الِابْتِدَاءُ) فِي الْفَجْرِ (بِإِسْفَارٍ وَالْخَتْمُ بِهِ) هُوَ الْمُخْتَارُ بِحَيْثُ يُرَتِّلُ أَرْبَعِينَ آيَةً ثُمَّ يُعِيدُهُ بِطَهَارَةٍ لَوْ فَسَدَ وَقِيلَ يُؤَخِّرُ الْفَجْرَ جِدًّا؛ لِأَنَّ الْفَسَادَ مَوْهُومٌ (إلَّا لِحَاجٍّ بِمُزْدَلِفَةَ) فَالتَّغْلِيسُ أَفْضَلُ كَمَرْأَةٍ مُطْلَقًا وَفِي غَيْرِ الْفَجْرِ

مرد کے لیے مستحب ہے کہ اسفار میں فجر کا آغاز کرے اور اسفار میں ختم کرے یہی مختار ہے اس حیثیت سے کہ آہستہ آہستہ چالیس آیتیں پڑھے پھر طہارت کے ساتھ اعادہ کر سکے اگر نماز فاسد ہو جائے۔ بعض علما نے فرمایا: فجر کی نماز میں بہت زیادہ تاخیر کرے کیونکہ فساد موہوم ہے۔ مگر حاجی مزدلفہ میں ہو تو اس کے لیے اندھیرے میں پڑھنا افضل ہے جیسے عورت کے لیے مطلقاً اندھیرے میں پڑھنا افضل ہے۔ اور فجر کے علاوہ نمازوں میں

نماز فجر کا مستحب وقت

3228۔ (قولہ: لِلرَّجُلِ) اس کا محترز آگے آئے گا۔

3229۔ (قولہ: فِي الْفَجْرِ) یعنی فرض کی نماز اور سنت کی نماز میں دو قول ہیں جیسا کہ شارح کے کلام سے آئے گا۔ ''طحطاوی''

3230۔ (قولہ: بِإِسْفَارٍ) یعنی نور کے ظہور اور تاریکی کے انکشاف کے وقت میں اس کو یہ نام دیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ اشیاء سے انکشاف کرتا ہے۔ ائمہ ثلاثہ کا نظریہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسفروا بالفجر فانہ اعظم للاجر (1) فجر کو روشن کر کے پڑھو کیونکہ اجر اس میں زیادہ ہے۔ اس حدیث کو ''ترمذی'' نے روایت کیا ہے اور اس کو حسن کہا ہے اور ''الطحاوی'' نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کسی چیز پر جمع نہیں ہوئے جتنا کہ فجر کو روشن کر کے پڑھنے پر جمع ہوئے (2)۔ مکمل بحث ''شرح المنیہ'' وغیرہا میں ہے۔

3231۔ (قولہ: أَرْبَعِينَ آيَةً) یعنی چالیس سے ساٹھ تک آیات تلاوت کرے۔

3232۔ (قولہ: ثُمَّ يُعِيدُهُ بِطَهَارَةٍ) یعنی فجر کا اعادہ کرے۔ یعنی فجر کی نماز، مذکورہ قراءت کی ترتیل کے ساتھ۔ اور طہارت کا اعادہ کرے اگر اس کے فساد کے ساتھ فاسد ہو جائے یا اس کا فساد، طہارت کے عدم کے ساتھ بھول کر ظاہر ہو۔

حاصل یہ ہے کہ اسفار (روشنی) کی حد یہ ہے کہ طہارت کا اعادہ ممکن ہو اگرچہ حدث اکبر کی وجہ سے ہو جیسا کہ ''النہر'' اور ''القہستانی'' میں ہے اور سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلی حالت پر نماز کا اعادہ ممکن ہو۔

3233۔ (قولہ: وَقِيلَ يُؤَخِّرُ جِدًّا) ''البحر'' میں فرمایا: یہ ''الکتاب'' یعنی ''الکنز'' کے اطلاق کا ظاہر ہے۔ لیکن اتنا مؤخر نہ کرے کہ سورج کے طلوع ہونے کا شک واقع ہو۔ لیکن ''القہستانی'' میں ہے: اصح پہلا قول ہے۔

3234۔ (قولہ: مُطْلَقًا) اگرچہ مزدلفہ کے علاوہ کسی جگہ میں ہو۔ کیونکہ ان کے حال کی بنا ستر (پردہ) پر ہے اور وہ

1۔ سنن ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی الاسفار فی الفجر، جلد 1، صفحہ 131، حدیث نمبر 142

2۔ شرح معانی الآثار، کتاب الصلاۃ، باب الوقت للذی یصلی فیہ الفجر اوقت ہو،

الْأَفْضَلُ لَهَا انْتِظَارُ فَرَاغِ الْجَمَاعَةِ (وَتَأْخِيرُ ظُهْرِ الصَّيْفِ) بِحَيْثُ يَمْشِي فِي الظِّلِّ (مُطْلَقًا) كَذَا فِي الْمَجْمَعِ وَغَيْرِهِ أَيْ بِلَا اشْتِرَاطِ شِدَّةِ حَرٍّ وَحَرَارَةِ بَلَدٍ وَقَصْدِ جَمَاعَةٍ، وَمَا فِي الْجَوْهَرَةِ وَغَيْرِهَا مِنْ اشْتِرَاطِ ذَلِكَ مَنْظُورٌ فِيهِ

عورت کے لیے جماعت سے فراغت کا انتظار افضل ہے۔ اور گرمیوں میں ظہر کی اتنی تاخیر کرنا کہ وہ مطلقاً سائے میں چلے اسی طرح ''المجمع'' وغیرہ میں ہے یعنی گرمی کی شدت اور شہر کی حرارت اور جماعت کے قصد کے بغیر۔ اور ''جوہرہ'' وغیرہا میں ان شرائط میں سے جو مذکور ہے اس میں نظر ہے۔

تاریکی میں اتم ہے۔

نماز ظہر کا مستحب وقت

3235۔ (قولہ: وَتَأْخِيرُ ظُهْرِ الصَّيْفِ) آئندہ ذکر ہوگا کہ اسکے ساتھ موسم خریف لاحق ہے اور ہم (مقولہ 3263 میں) وہ ذکر کریں گے جو اس کے مخالف ہے۔

3236۔ (قولہ: بِحَيْثُ يَمْشِي فِي الظِّلِّ) ''البحر''، ''النہر'' وغیرہما کی عبارت یہ ہے کہ اس کی حد یہ ہے کہ ایک مثل سے پہلے نماز پڑھنا۔ یہ بہتر ہے۔ کیونکہ مصر کی دیواروں کی کا سایہ مثلی جلدی پیدا ہو جاتا ہے، ان کی بلندی کی وجہ سے۔ ''حلبی''۔

اور کہا جاتا ہے کہ سایہ میں چلنا اس مستحب وقت کے آغاز کا بیان ہے۔ اور جو ''البحر'' وغیرہ میں ہے وہ ان کی منتہا کا بیان ہے۔ اور ''طحطاوی'' میں ''الحموی'' سے انہوں نے ''الخزانہ'' سے روایت کیا ہے کہ ظہر میں مکروہ وقت یہ ہے کہ اختلاف کی حد میں داخل ہو جائے اور جب اسے مؤخر کرے حتیٰ کہ ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو جائے تو وہ حد اختلاف میں داخل ہو گیا۔

3237۔ (قولہ: أَيْ بِلَا اشْتِرَاطِ) اطلاق کی تفسیر ہے۔ ''شرح المجمع'' میں ''ابن ملک'' کی عبارت یہ ہے: خواہ وہ ظہر کی نماز اکیلے پڑھے یا جماعت کے ساتھ پڑھے۔ کیونکہ ''بخاری'' کی روایت ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سردی سخت ہوتی تو نماز جلدی پڑھتے اور جب گرمی سخت ہوتی تو نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھتے (1)۔ اور مراد ظہر کی نماز ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے گرمی کی شدت جہنم کی گرمی سے ہے جب گرمی سخت ہو تو نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھو (2)۔ ''متفق علیہ''۔ اس میں کوئی تفصیل نہیں ہے۔ اس کی مکمل بحث ''الزیلعی'' وغیرہ میں ہے۔

3238۔ (قولہ: وَمَا فِي الْجَوْهَرَةِ وَغَيْرِهَا) جیسے ''السراج''۔ ان دونوں میں فرمایا: ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھنا تین شرائط کے ساتھ ہے: مسجد جماعت میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا، وہ گرم علاقہ میں ہو، گرمی کی شدت میں ہو۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر گھر میں نماز پڑھے تو اسے پہلے پڑھ لے اگر جماعت کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھے تو مؤخر کرے۔

3239۔ (قولہ: مَنْظُورٌ فِيهِ) اس میں نظر ہے۔ انہوں نے صاحب ''البحر'' کی متابعت کی ہے اطلاق پر اعتماد

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعہ، باب اذا اشتد الحر یوم الجمعۃ، جلد 1، صفحہ 416، حدیث نمبر 855

2۔ صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلوۃ، باب الظہر عند الزوال، جلد 1، صفحہ 280، حدیث نمبر 502

(وَجُمُعَةٍ كَظُهْرٍ أَصْلًا وَاسْتِحْبَابًا) فِي الزَّمَانَيْنِ؛
اور جمعہ اصلاً اور استحباب میں ظہر کی طرح ہے دونوں زمانوں میں

کرتے ہوئے۔ اس پر محشی نے یہ وارد کیا ہے کہ اگر وہ ایسی جگہ ہو جس میں جماعت اول وقت میں قائم ہوتی ہو، کیونکہ اگر ہم کہیں اس کے لیے تاخیر مستحب ہے تو اس جماعت کا ترک لازم آئے گا جس کے ترک پر مشہور قول پر سزا دی جائے گی، مستحب کی وجہ سے۔ اور قواعد اس کا انکار کرتے ہیں۔ اور اس کے لیے نصف رات سے زائد تک عشا کو موخر کرنے کی کراہت دلالت کرتی ہے۔ اور انہوں نے اس کی علت تقلیل جماعت بیان کی ہے۔ اور ہمارے مسئلہ میں مناسب ہے کہ تاخیر حرام ہو اس حیثیت سے کہ جماعت کا فوت ہونا ثابت ہو۔ بعض علماء نے اس کی مثل ''شرح نظم الکنز الشیخ موسیٰ الطرابلسی'' سے نقل کیا ہے۔ فرمایا: اس بنا پر کہ صاحب ''البحر'' نے پہلے تصریح کی ہے کہ اگر وہ نماز میں درہم کی مقدار نجاست کے ساتھ شروع ہوا اور اسے جماعت کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو نماز جاری رکھے حالانکہ اس نجاست کا دور کرنا مسنون یا واجب ہے اور اس کی وجہ سے جماعت ترک نہیں کی گئی۔

میں کہتا ہوں ''البحر'' کا قول کہ کوئی فرق نہیں کہ وہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھے یا نہیں، اس کا معنی ہے: اس کے لیے تاخیر کرنا مستحب ہے خواہ وہ جماعت کے ساتھ یا اکیلے نماز پڑھنے کا ارادہ کرے اسے جہاں جماعت میسر نہ ہو۔ اس میں ایسی بات نہیں جو تقاضا کرے کہ وہ نماز کو موخر کرے اگرچہ جماعت کا فوت ہونا لازم آئے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ پس ''الجوہرہ'' اور ''السراج'' کے کلام میں تنظیر (نظر ہونا) اپنے محل میں ہے۔ کیونکہ جو شرائط انہوں نے ذکر کی ہیں یہ شوافع کا مذہب ہے انہوں نے ان شرائط کی اپنی کتاب میں تصریح کی ہے۔ ہاں ''ہدایہ'' کے شارحین وغیرہم نے باب التیمم میں ذکر کیا ہے کہ اول وقت میں نماز ادا کرنا افضل ہے مگر جب تاخیر اپنے ضمن میں ایسی فضیلت لیے ہوئے ہو جو اس کے بغیر حاصل نہ ہو سکے جیسے کثرت جماعت کی فضیلت۔ اسی وجہ سے عورتوں کے لیے بہتر ہے کہ وہ اول وقت میں نماز پڑھیں۔ کیونکہ وہ جماعت کی طرف نہیں نکلتی ہیں۔ اسی طرح ''شمس الائمہ'' اور ''فخر الاسلام'' کی اپنی اپنی ''مبسوط'' میں ہے۔

اس سے متبادر یہ ہے کہ جب جماعت کے ساتھ نماز کا قصد نہ ہو تو اس کے لیے تاخیر مستحب نہیں۔ کیونکہ اس میں فضیلت نہیں ہے۔ لیکن صاحب ''غایۃ البیان'' نے ان پر اعتراض کیا ہے کہ ہمارے ائمہ نے بغیر جماعت کی شرط کے بعض نمازوں میں تاخیر کے استحباب کی تصریح کی ہے۔ اور جو انہوں نے تیمم میں ذکر کیا ہے وہ مفہوم ہے اور صریح مفہوم پر مقدم ہوتا ہے۔ وہاں (مقولہ 2201 میں) ہم نے اس پر کلام پیش کی ہے۔

نماز جمعہ کا اصلی اور مستحب وقت

3240_(قولہ: أَصْلًا) یعنی جواز کے وقت کی اصل کی جہت سے اور اس کے آخر میں جو اختلاف واقع ہوا ہے اس کی جہت سے۔

3241_(قولہ: وَاسْتِحْبَابًا فِي الزَّمَانَيْنِ) یعنی سردیوں اور گرمیوں میں۔ ''حلبی''۔

لِأَنَّهَا خَلَفُهُ (وَ) تَأْخِيرُ (عَصْرٍ) صَيْفًا وَشِتَاءً تَوْسِعَةً لِلنَّوَافِلِ (مَا لَمْ يَتَغَيَّرْ ذُكَاءُ) بِأَنْ لَا تَحَارَ الْعَيْنُ فِيهَا فِي الْأَصَحِّ (وَ) تَأْخِيرُ (عِشَاءٍ

اور عصر کو گرمیوں اور سردیوں میں مؤخر کرنا مستحب ہے، نوافل کی توسیع کے لیے جب تک سورج اتنا متغیر نہ ہو کہ اس میں آنکھیں نہ چندھیائیں اصح قول میں۔ اور عشاء کی نماز کو

لیکن ''الاشباہ'' میں جزم کیا ہے کہ احکام کے فن سے ہے کہ اس کے لیے ابراد سنت نہیں۔ ''قاری الہدایہ'' کی ''جامع الفتاویٰ'' میں ہے: بعض نے فرمایا: یہ مشروع ہے۔ کیونکہ یہ ظہر کے وقت میں ادا کیا جاتا ہے اور جمعہ ظہر کے قائم مقام ہے۔ جمہور علما نے کہا: مشروع نہیں۔ کیونکہ جمعہ ایک کثیر مجمع کے ساتھ قائم کیا جاتا ہے پس اس کی تاخیر حرج تک پہنچائے گی اور ظہر اس طرح نہیں ہے اور خلیفہ کی اصل سے موافقت ہر اعتبار سے شرط نہیں۔

3242۔ (قولہ: لِأَنَّهَا خَلَفُهُ) تو نے اس کا جواب جان لیا کہ دوسرا قول جو مشہور ہے یہ ایک مستقل فرض ہے جو ظہر سے زیادہ مؤکد ہے۔

نماز عصر کا مستحب وقت

3243۔ (قولہ: تَوْسِعَةً لِلنَّوَافِلِ) کیونکہ عصر کے بعد نوافل مکروہ ہے۔ امام ''الطحاوی'' نے عصر کی نماز کے بارے تاخیر اور تعجیل میں مرویات ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ان آثار میں سے جن کی تصحیح کی گئی ہے ان میں ہم نے نہیں پایا مگر وہ جو عصر کی نماز کی تاخیر پر دلالت کرتا ہے اور ان میں سے ہم نے نہیں پایا جو تعجیل پر دلالت کرتے ہیں مگر دوسری روایات ان کے معارض بھی ہیں۔ پس ہم نے تاخیر کو مستحب قرار دیا۔ اگر ہم غور و فکر کو چھوڑ دیتے تو تمام نمازوں میں جلدی کرنا افضل ہوتا۔ لیکن متواتر اخبار جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے ان کی اتباع کرنا اولیٰ ہے اور صحابہ کرام سے جو مروی ہے وہ بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔ پھر ان روایات کو ذکر کیا۔ اس کی تمام بحث ''الحلبہ'' میں ہے۔

3244۔ (قولہ: فِي الْأَصَحِّ) ''الہدایہ'' وغیرہ میں اس کو صحیح کہا ہے۔ اور ''الظہیریہ'' میں ہے: اگر سورج کی طرف دیکھنا متواتر ممکن ہو تو اس کا مطلب ہے سورج متغیر ہو چکا ہے اس پر فتویٰ ہے۔ اور ''النصاب'' وغیرہ میں ہے: ہم اس کو لیتے ہیں یہی ائمہ ثلاثہ کا قول ہے اور مشائخ بلخ وغیرہم کا قول ہے۔ اسی طرح ''فتاویٰ صوفیہ'' میں ہے۔ اور ''فتاویٰ صوفیہ'' میں ہے: چاہیے یہ کہ تاخیر اتنی زیادہ نہ ہو کہ مسبوق کے لیے فوت شدہ کو قضا کرنا ممکن نہ ہو۔

بعض علما نے فرمایا: سورج کے تغیر کی حد یہ ہے کہ غروب میں سے نیزہ سے کم باقی ہو۔ بعض نے کہا: اس کی شعاع دیواروں پر متغیر ہو جیسے کہ ''الجوہرہ'' میں ہے۔ ''ابن عبدالرزاق''

نماز عشا کا مستحب وقت

3245۔ (قولہ: وَتَأْخِيرُ عِشَاءٍ) اس کو مطلق بیان کیا ہے ''ہدایہ'' میں جو ہے اس کا ظاہر جماعت کے فوت نہ ہونے کی

إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ) قَيَّدَهُ فِي الْخَانِيَّةِ وَغَيْرِهَا بِالشِّتَاءِ، أَمَّا الصَّيْفُ فَيُنْدَبُ تَعْجِيلُهَا (فَإِنْ أَخَّرَهَا إِلَى مَا زَادَ عَلَى النِّصْفِ) كُرِهَ لِتَقْلِيلِ الْجَمَاعَةِ، أَمَّا إِلَيْهِ فَمُبَاحٌ

تہائی رات تک مؤخر کرنا مستحب ہے "الخانیہ" وغیرہا میں اس کو سردیوں کے ساتھ مقید کیا ہے۔ اور رہا گرمیوں میں تو اس میں جلدی کرنا مستحب ہے اگر نصف رات سے زائد تک عشاء کو مؤخر کیا تو جماعت کی تقلیل کی وجہ سے مکروہ ہے۔ رہا نصف رات تک تو مباح ہے۔

تقیید ہے اور مصنف کے کلام سے بادل کے دن کے مسئلہ میں لیا جاتا ہے۔ "شرنبلالیہ"۔

3246۔ (قولہ: إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ) اسی طرح "الکنز" اور مختار، "الخلاصہ" وغیرہا میں ہے۔ اور "القدوری" کی عبارت (الی ما قبل ثلث اللیل) ہے۔ یہ دونوں روایتیں...... جیسا کہ "الشرنبلالیہ" میں ہے "البرہان" سے مروی ہے۔ پس جو "البحر" میں ہے اس کے ساتھ توفیق کی حاجت نہیں اور نہ اس کے ساتھ جو "الدرر" میں ہے۔

3247۔ (قولہ: قَيَّدَهُ فِي الْخَانِيَّةِ) "الہدایہ" میں ہے: بعض علما نے فرمایا: گرمیوں میں جلدی کرے تا کہ جماعت کم نہ ہو۔

3248۔ (قولہ: كُرِهَ) یعنی مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ متن میں اس کی تقیید (مقولہ 32558 میں) آئے گی یا مکروہ تنزیہی ہے۔ یہی اظہر قول ہے جیسا کہ ہم یہ "الحلبہ" کے حوالہ سے (مقولہ 32558 میں) ذکر کریں گے۔

3249۔ (قولہ: لِتَقْلِيلِ الْجَمَاعَةِ) یہ اس بات کو مفید ہے کہ گھر میں نماز پڑھنے والا اس کو مؤخر کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس کے حق میں جماعت نہیں ہے (تامل) "رملی" یعنی اگر وہ مؤخر کرے تو مکروہ نہیں۔

3250۔ (قولہ: أَمَّا إِلَيْهِ فَمُبَاحٌ) نصف رات تک عشا کو مؤخر کرنا مباح ہے۔ کیونکہ ندب کی دلیل اور وہ ممنوع قصے کہانیاں ختم کرنا ہے...... اور کراہت کی دلیل اور وہ جماعت کی قلت ہے...... آپس میں متعارض ہونے کی وجہ سے مباح ہے۔ پس اباحت ثابت ہوئی جیسا کہ "الہدایہ" وغیرہا میں اس کا ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: لیکن "الحلبۃ" میں "خزانۃ الاکمل" کے حوالہ سے نصف رات تک موخر کرنا مستحب نقل کیا ہے۔ اور فرمایا: یہ احادیث صحیحہ کی وجہ سے از روئے دلیل اوجہ ہے اور ان احادیث کا ذکر کیا اور فرمایا اکثر صحابہ کرام اور تابعین وغیرہم میں سے اہل علم نے اس کو پسند کیا ہے۔ جیسا کہ "ترمذی" نے اس کو ذکر کیا ہے (1)۔

تنبیہ

ہم نے عشا میں تاخیر کے استحباب کی علت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ قصے کہانیاں ختم کرنا ہے جو ممنوع ہے اور وہ نماز کے

1۔ سنن ترمذی، کتاب الصلوٰۃ، باب ماجاء من الرخصۃ فی السمر بعد العشاء، جلد 1، صفحہ 136، حدیث نمبر 154

ایضاً، سنن ترمذی، کتاب الصلوٰۃ، باب ماجاء فی تاخیر صلاۃ العشاء الآخرۃ، جلد 1، صفحہ 137۔

(وَ) أَخَّرَ (الْعَصْرَ إِلَى اصْفِرَارِ ذُكَاءَ) فَلَوْ شَرَعَ فِيهِ قَبْلَ التَّغَيُّرِ فَمَدَّهُ إِلَيْهِ لَا يُكْرَهُ

اور عصر کو سورج کے زرد ہونے تک مؤخر کیا۔ اگر عصر میں تغیر سے پہلے شروع ہوا پھر اس کو تغیر تک لمبا کیا تو مکروہ نہیں۔

بعد کلام کرنا ہے۔ ''البرہان'' میں فرمایا: عشا سے پہلے سونا اور اس کے بعد باتیں کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں چیزوں سے منع کیا ہے مگر خیر کی باتیں کرنا جائز ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نماز کے بعد قصے کہانیاں نہیں ہیں۔ یعنی عشاء کے بعد قصے کہانیاں جائز نہیں مگر دو آدمیوں میں سے ایک کے لیے جائز ہے: نماز پڑھنے والا یا مسافر۔ اور ایک روایت میں ہے: یا شادی۔

امام الطحاوی نے فرمایا: عشا سے پہلے سونا اس کے لیے مکروہ ہے جسے عشاء کے وقت یا جماعت کے فوت ہونے کا خوف ہو۔ اور جس نے کسی کو جگانے کے لیے کہا ہے تو اس کے لیے سونا مباح ہے۔

''الزیلعی'' نے کہا: عشا کے بعد باتیں کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ لغو یا صبح کی نماز کے فوت ہونے تک یا رات کے قیام کے فوت ہونے تک پہنچاتا ہے جو رات کو قیام کا عادی ہے۔ اور جب کسی اہم حاجت کے لیے ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح قرآن کی تلاوت، ذکر، حکایات الصالحین، فقہ اور مہمان کے ساتھ باتیں کرنا جائز ہے۔

اس میں مفہوم یہ ہے کہ صحیفہ کا اختتام عبادت کے ساتھ ہو جیسا کہ اس کی ابتدا عبادت سے کی گئی تھی تاکہ درمیان والی لغزشیں مٹادی جائیں اسی وجہ سے فجر کی نماز سے پہلے کلام مکروہ ہے۔ مکمل بحث ''الامداد'' میں ہے۔ ''الزیلعی'' کے کلام سے اخذ کیا جاتا ہے کہ اگر کسی حاجت کے لیے کلام کرنا ہو تو مکروہ نہیں اگرچہ صبح کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔ کیونکہ نیند میں کوتاہی نہیں ہے۔ کوتاہی اس پر ہے جس نے نماز کو اپنے وقت سے نکال دیا جیسا کہ ''مسلم'' کی حدیث مین ہے (1)۔ ہاں اگر اسے صبح کے فوت ہونے کا غالب گمان ہو تو حلال نہیں کیونکہ یہ کوتاہی ہوگی۔ (تامل)

3251۔ (قولہ: وَ أَخَّرَ الْعَصْرَ) فعل شرط پر عطف ہے۔ اصفرار ذکاء سے مراد سابق معنی کے اعتبار سے اس کا تغیر ہے۔

3252۔ (قولہ: فِيهِ) یعنی عصر کی نماز میں۔

3253۔ (قولہ: لَا يُكْرَهُ) کیونکہ نماز پر متوجہ ہونے کے ساتھ کراہت سے احتراز مشکل ہے۔ پس اس کو معاف کیا گیا ہے۔ ''بحر''۔

3254۔ (قولہ: إِلَى اشْتِبَاكِ النُّجُومِ) یہی اصح قول ہے۔ ایک روایت میں ہے: مکروہ نہیں جب تک شفق غیب نہ ہو ''بحر'' یعنی شفق احمر۔ کیونکہ یہ وہ وقت ہے جو مختلف فیہ ہے پس شک میں واقع ہوگا۔ ''الحلبہ'' میں کلام کے بعد ہے: ظاہر یہ ہے کہ سنت مغرب کی نماز فوراً ادا کرنا ہے اور ستاروں کی کثرت تک مباح ہے پس بلا عذر مکروہ ہے۔

میں کہتا ہوں: یعنی مکروہ تحریمی ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ مباح سے مراد وہ ہے جو ممنوع نہیں پس یہ کراہت تنزیہی کے منافی نہیں اس کی مکمل بحث قریب ہی (مقولہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب قضاء الصلاۃ الفائتۃ، جلد 1، صفحہ 679، حدیث نمبر 1149، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

(وَ) أَخَّرَ (الْمَغْرِبَ إِلَى اشْتِبَاكِ النُّجُومِ) أَيْ كَثْرَتِهَا (كُرِهَ) أَيْ التَّأْخِيرُ لَا الْفِعْلُ لِأَنَّهُ مَأْمُورٌ بِهِ (تَحْرِيمًا) إِلَّا بِعُذْرٍ كَسَفَرٍ، وَكَوْنِهِ عَلَى أَكْلٍ (وَ) تَأْخِيرُ (الْوِتْرِ إِلَى آخِرِ اللَّيْلِ

اور مغرب کو ستاروں کی کثرت تک مؤخر کیا تو تاخیر مکروہ ہے فعل نہیں۔ کیونکہ اس کا حکم دیا گیا ہے۔ مکروہ تحریمی ہے مگر عذر کی وجہ سے جیسے سفر میں ہونا اور کھانے پر ہونا۔ وتر کو رات کے آخر تک مؤخر کرنا مستحب ہے

3266 میں) آئے گی۔

3255۔(قولہ: أَيْ كَثْرَتِهَا) ''الحلبۃ'' میں فرمایا: اشتباکھا: چھوٹے، بڑے ستارے ظاہر ہو جائیں حتیٰ کہ ان سے کوئی چیز مخفی نہیں پس یہ کثرت اور بعض کا بعض سے ملنا ہے۔

3256۔(قولہ: كُرِهَ) اس سے قبل تینوں مسائل کی طرف راجع ہے۔

3257۔(قولہ: أَيْ التَّأْخِيرُ لَا الْفِعْلُ) اس میں کلام ہے جو آئندہ (مقولہ 3288 میں) آئے گی۔

3258۔(قولہ: تَحْرِيمًا) اسی طرح ''البحر'' میں ''القنیہ'' کے حوالہ سے ہے۔ لیکن ''الحلبہ'' میں ہے: ''امام الطحاوی'' کا کلام اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ عشا کی تاخیر میں کراہت تنزیہی ہے۔ یہی قول اظہر ہے۔

3259۔(قولہ: إِلَّا بِعُذْرٍ) اس کا ظاہر بھی تینوں مسائل کی طرف رجوع ہے۔ لیکن ''الامداد'' میں اصفرار تک عصر کی تاخیر ''المعراج'' کے حوالہ سے ذکر کی ہے کہ مرض اور سفر کی وجہ سے تاخیر مباح نہیں اس کی مثل ''الحلبہ'' میں ہے۔

''الامداد'' وغیرہ میں مغرب میں استثنا کے ذکر پر اکتفا کیا ہے۔ اور اس کی عبارت یہ ہے ''مگر عذر کی وجہ سے جیسے سفر، مرض، دسترخوان کا حاضر ہونا یا بادل کا ہونا۔

میں کہتا ہوں: عشا کی تاخیر میں عدم کراہت اس شخص کے لیے ہونی چاہیے جو حاجیوں کے قافلہ میں ہو۔ پھر مسافر اور مریض کے لیے مغرب کو مؤخر کرنا ہے فعلاً مغرب اور عشاء کو جمع کرنے کے لیے جیسا کہ ''الحلبہ'' وغیرہا میں ہے: یعنی مغرب کو آخر وقت میں اور عشا کو اول وقت میں ادا کرے۔ یہ اس کا محمل ہے جو سفر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمع کرنے کے متعلق مروی ہے۔ جیسا کہ آگے (مقولہ 3365 میں) آئے گا۔

3260۔(قولہ: وَكَوْنِهِ عَلَى أَكْلٍ) یعنی کھانے کی موجودگی جس کی طرف نفس مائل ہو اس کے ہوتے ہوئے نماز کی کراہت کی وجہ سے۔ کیونکہ حدیث میں ہے: جب نماز کھڑی ہو جائے اور شام کا کھانا آ جائے تو پہلے کھانا کھاؤ(1)۔ اس حدیث کو ''بخاری'' اور ''مسلم'' نے روایت کیا ہے۔

نماز وتر کا مستحب وقت

3261۔(قولہ: وَتَأْخِيرُ الْوِتْرِ الخ) وتر میں تاخیر کرنا مستحب ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جسے اندیشہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب کراھۃ الصلوۃ بحضرۃ الطعام الخ، جلد 1، صفحہ 573، حدیث نمبر 916

سنن ترمذی، کتاب الصلوۃ، باب ماجاء اذاحضر العشاء واقیمت الصلوۃ، جلد 1، صفحہ 234، حدیث نمبر 321

لِوَاثِقٍ بِالِانْتِبَاهِ وَإِلَّا فَقَبْلَ النَّوْمِ، فَإِنْ فَاقَ وَصَلَّى نَوَافِلَ وَالْحَالُ أَنَّهُ صَلَّى الْوِتْرَ أَوَّلَ اللَّيْلِ فَاتَهُ الْأَفْضَلُ (وَالْمُسْتَحَبُّ تَعْجِيلُ ظُهْرِ شِتَاءٍ) يُلْحَقُ بِهِ الرَّبِيعُ، وَبِالصَّيْفِ الْخَرِيفُ (وَ) تَعْجِيلُ (عَصْرٍ وَعِشَاءٍ يَوْمَ غَيْمٍ)،

اس شخص کے لیے جسے بیدار ہونے کا یقین ہو ورنہ سونے سے پہلے پڑھ لے۔ پس اگر کوئی رات کو بیدار ہوا اور نوافل پڑھے دراں حالیکہ وہ وتر (عشاء کے ساتھ) رات کے آغاز میں پڑھ چکا تھا تو اس سے افضلیت فوت ہوگئی۔ اور سردیوں کی ظہر کو جلدی پڑھنا مستحب ہے۔ اس کے ساتھ موسم ربیع کی ظہر کو لاحق کیا جائے گا۔ اور گرمیوں کے ساتھ خریف کو لاحق کیا جائے گا۔ اور بادل والے دن عصر اور عشا کو جلدی پڑھنا مستحب ہے۔

ہو کہ وہ رات کے آخر میں نہیں اٹھے گا تو وہ رات کے آغاز میں وتر پڑھ لے اور جسے اٹھنے کی امید ہو تو رات کے آخر میں وتر پڑھے۔ کیونکہ رات کے آخر کی نماز مشہودہ (اس کی گواہی دی گئی) ہے(1) اور یہ افضل ہے۔ اس حدیث کو ''مسلم''، ''ترمذی'' وغیرہما نے روایت کیا ہے اس کی مکمل بحث ''الحلبہ'' میں ہے۔ اور ''صحیحین'' میں ہے: اپنی آخری نماز وتر بناؤ(2)۔ اور ماقبل کی دلیل کی وجہ سے امر استحباب کے لیے ہے۔ ''بحر''۔

3262۔ (قولہ: فَإِنْ فَاقَ الخ) یعنی جب نیند سے پہلے وتر پڑھے پھر بیدار ہو جو اس کی تقدیر میں لکھا ہو نوافل پڑھے، اس میں کوئی کراہت نہیں بلکہ مستحب ہے اور وتر کا اعادہ نہ کرے۔ لیکن ''صحیحین'' کی حدیث سے مستفاد افضلیت فوت ہو جائے گی۔ ''امداد''۔

اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ جسے بیدار ہونے کا وثوق نہ ہو تو اس کے حق میں تعجیل افضل ہے جیسا کہ ''الخانیہ'' میں ہے۔ پھر جب جلدی وتر پڑھنے کے بعد بیدار ہو کر نفل پڑھے تو اس سے افضلیت فوت نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں سابق حدیث میں افضلیت سے مراد وہ ہے جو وتر کے ساتھ نماز ختم کرنے پر مرتب ہوتی ہے اور وہ فوت ہوگئی ہے۔ اور جو افضلیت اسے حاصل ہوتی ہے وہ تاخیر پر فوت ہونے کے خوف کے وقت جلدی پڑھنے کی افضلیت ہے۔ فافہم، تامل

3263۔ (قولہ: يُلْحَقُ بِهِ الرَّبِيعُ الخ) یہ ''البحر'' میں بحث کرتے ہوئے ذکر کیا ہے اور فرمایا: میں نے یہ نہیں دیکھا۔ اور ''الامداد'' میں ''مجمع الروایات'' میں جو مذکور ہے اس کی وجہ سے اس پر تنقید کی ہے۔

''الامداد'' میں ہے: ''ربیع'' اور ''خریف'' میں اسی طرح ہے۔ ظہر میں جلدی کی جائے گی جب سورج ڈھل جائے گا۔ اور ''البحر'' کی بحث منقول کے مخالف ہے۔

3264۔ (قولہ: يَوْمِ غَيْمٍ) تاکہ عصر کی نماز سورج کے تغیر کے وقت میں واقع نہ ہو اور بارش اور کیچڑ کے احتمال کی وجہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین، باب من خاف ان لا یقوم من آخر اللیل فلیوتر اولہ، جلد 1، صفحہ 740، حدیث نمبر 1305

2۔ صحیح بخاری، کتاب الوتر، لیجعل آخر صلوتہ وترا، جلد 1، صفحہ 454، حدیث نمبر 943

صحیح مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین، باب صلوۃ اللیل مثنی مثنی، جلد 1، صفحہ 737، حدیث نمبر 1295

وَ) تَعْجِيلُ (مَغْرِبٍ مُطْلَقًا) وَتَأْخِيرُهُ قَدْرَ رَكْعَتَيْنِ يُكْرَهُ تَنْزِيهًا (وَتَأْخِيرُ غَيْرِهِمَا فِيهِ)
اور مغرب کو مطلقاً جلدی پڑھنا مستحب ہے۔ اور دو رکعتوں کی مقدار اس میں تاخیر مکروہ تنزیہی ہے۔ اور ان دونوں نمازوں کے علاوہ بادل والے دن میں تاخیر کرنا مستحب ہے۔

سے عشاء کی جماعت میں کمی نہ ہو۔ ''الحسن'' نے ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ تمام اوقات میں تاخیر مستحب ہے۔ ''الاتقانی'' نے اس کو اختیار کیا ہے۔ اور ''شرح المجمع'' اور ''درر البحار'' اور ''الضیاء'' میں ہے: یہ احوط ہے۔ کیونکہ وقت کے بعد ادائیگی کا جواز ہے وقت سے پہلے نہیں۔ یعنی اس کی تعجیل میں احتمال ہے کہ وقت سے پہلے واقع ہو جائے۔ کبھی اس طرح جواب دیا جاتا ہے کہ تعجیل سے مراد وقت کے داخل ہونے کے علم کے بعد ان دونوں نمازوں میں تھوڑی تاخیر کرنا ہے۔ اسی وجہ سے ''الحلبہ'' میں فرمایا: بادل والے دن ان دونوں نمازوں کو ان کے مستحب وقت پر مقدم کرنا مستحب ہے۔ (تامل)

3265۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی سردیوں اور گرمیوں میں۔ اطلاق سے مراد بادل والا دن اور بغیر بادل والا دن نہیں ہے اگرچہ عبارت یہ وہم دیتی ہے کیونکہ یہ غیر منصوص علیہ ہے۔ ''طحطاوی''۔

نماز مغرب میں تاخیر کا حکم

3266۔ (قولہ: یُکْرَہُ تَنْزِیهًا) یہ فائدہ ذکر کیا کہ تعجیل سے مراد یہ ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان بغیر جلسہ یا سکتہ کے علی الاختلاف، فاصلہ نہ کرے۔ اور ''القنیہ'' میں جو تھوڑی تاخیر کی استثنا ہے وہ دو رکعتوں سے کم پر محمول ہے۔ اور قلیل پر زائد ستاروں کے کثرت سے روشن ہونے تک مکروہ تنزیہی ہے اور اس کے بعد تحریمی ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ''شرح المنیہ'' میں ہے: وہ چیز جس کا اخبار تقاضا کرتی ہیں وہ ستاروں کے ظہور تک تاخیر کی کراہت ہے اور اس سے پہلے والے وقت سے خاموشی اختیار کی گئی ہے۔ پس وہ اباحت پر ہے اگرچہ مستحب تعجیل ہے۔ اس جیسا قول ہم نے پہلے ''الحلبہ'' کے حوالہ سے (مقولہ 3254 میں) پیش کیا ہے۔

اور جو ''النہر'' میں ہے کہ جو ''الحلبہ'' میں ہے وہ اصح کے اختلاف پر مبنی ہے یعنی ''المجتبیٰ'' میں جو مذکور ہے اس قول کیساتھ کہ ایک روایت میں مغرب کی تاخیر مکروہ ہے اور دوسری روایت میں ہے مکروہ نہیں ہے جب تک شفق غائب نہ ہو۔ اصح پہلا قول ہے۔ مگر عذر کی وجہ سے تاخیر مکروہ نہیں ہے۔ اس میں نظر ہے۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ اصح سے مراد ستاروں کے ظہور تک تاخیر ہے یا شفق کے غائب ہونے تک تاخیر ہے۔ پس یہ منافی نہیں کہ مستحب کے ترک کی وجہ سے اس سے مکروہ تنزیہی ہے اور وہ تعجیل ہے۔ (تامل)

3267۔ (قولہ: وَتَأْخِیرُ غَیْرِهِمَا فِیهِ) یعنی بادل والے دن میں فجر کو باقی ایام کی طرح مؤخر کرے اور ظہر اور مغرب کو اتنا مؤخر کرے کہ مکروہ وقت کے آنے سے پہلے وقت کے بعد ان کا وقوع یقینی ہو جائے جیسا کہ ''الامداد'' میں ہے اور ''البحر'' میں ہے۔ رہی فجر کی نماز تو اس میں جماعت کی کثرت ہونی چاہیے اور رہی دوسری نمازیں تو وقت سے پہلے وقوع کی مخالفت کی وجہ سے۔

هٰذَا فِي دِيَارٍ يَكْثُرُ شِتَاؤُهَا وَيَقِلُّ رِعَايَةُ أَوْقَاتِهَا، أَمَّا فِي دِيَارِنَا فَيُرَاعَى الْحُكْمُ الْأَوَّلُ وَحُكْمُ الْأَذَانِ كَالصَّلَاةِ تَعْجِيلًا وَتَأْخِيرًا
یہ ان شہروں میں ہے جن کی سردی کثیر ہوتی ہے اور سورج کے اوقات کی رعایت کم رکھی جاتی ہے۔ رہا ہمارے شہروں میں تو پہلے حکم کی رعایت رکھی جائے گی۔ اور اذان کا حکم تعجیل و تاخیر میں نماز کی طرح ہے۔

3268۔ (قولہ: هٰذَا) یعنی جو بادل والے دن میں تعجیل اور تاخیر ذکر کی گئی ہے۔

3269۔ (قولہ: وَيَقِلُّ رِعَايَةُ أَوْقَاتِهَا) سورج کے عدم ظہور کی وجہ سے یا فلکیہ گھڑیوں میں توقیت نہ ہونے کی وجہ سے وغیرہ۔ ''طحطاوی''۔

3270۔ (قولہ: فَيُرَاعَى الْحُكْمُ الْأَوَّلُ) پہلے حکم کی رعایت رکھی جائے گی یہ مطلقاً عصر کی تاخیر ہے اور رات کی تہائی تک عشا کی تاخیر ہے اور سردیوں کی ظہر کی تعجیل ہے۔ ''ابو السعود'' نے کہا: یہ بحث ''عینی'' کی ہے صاحب ''النہر'' نے اس کو ثابت رکھا ہے۔ ''طحطاوی''۔

(نماز کی صحت کے لیے) وقت کے دخول کا علم ہونا شرط ہے

تتمہ: نماز کی صحت کے لیے وقت کا داخل ہونا شرط ہے اور وقت کے دخول کا اعتقاد شرط ہے جیسا کہ ''نور الایضاح'' وغیرہ میں ہے۔ اگر عبادت کے وقت کے دخول میں شک ہو پھر وہ عبادت کرے، پھر ظاہر ہو کہ اس نے وقت کے اندر عبادت کی تھی تو جائز نہیں جیسا کہ ''الاشباہ'' میں نیت کی بحث میں ہے۔ اور اس میں ایک شخص کا آگاہ کرنا کافی ہے اگر وہ عادل ہو ورنہ تحری کرے اور ظن غالب پر بنا کرے۔ کیونکہ ہمارے ائمہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ دیانات میں ایک عادل کا قول قبول کیا جائے گا جیسا کہ قبلہ کی جہت کی خبر طہارت اور نجاست کی خبر، حلت و حرمت کی خبر حتیٰ کہ اگر ثقہ آدمی نے اسے خبر دی اگرچہ وہ غلام یا لونڈی یا محدود فی القذف ہو پانی کی نجاست کے متعلق یا کھانے کی حلت کے متعلق تو اس کی خبر قبول کی جائے گی اور اگر وہ فاسق ہو یا مستور ہو اس کے صدق یا کذب میں اپنی رائے سے فیصلہ کرے اور اس پر عمل کرے۔ کیونکہ غالب رائے یقین کے قائم مقام ہے بخلاف ذمی کی خبر کے۔ کیونکہ اس کی خبر قبول نہیں کی جاتی۔ اور اسی طرح بچہ اور معتوہ جو عقل رکھتے ہوں ان کا حکم ہے اصح قول میں۔

مخفی نہیں کہ وقت کے داخل ہونے کے متعلق اخبار، عبادات سے ہیں پس اس میں یہ تفصیل جاری ہو گی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ پھر میں نے ''معین الحکام'' کے حوالہ سے کتاب ''القول لمن'' میں دیکھا جس کی عبارت یہ ہے کہ مؤذن کا وقت کے دخول کی خبر دینا کافی ہے جب وہ بالغ، عاقل ہو اور اوقات کو جاننے والا ہو مسلمان، مذکر ہو اور اس کے قول پر اعتماد کیا جاتا ہو۔

اور ''القہستانی'' کے صیام میں ہے: رہا افطار تو یہ ایک شخص کے قول کے ساتھ جائز نہیں بلکہ دو کے ساتھ جائز ہے۔ جواب کا ظاہر یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں جب وہ عادل ہو جس کی وہ تصدیق کرے۔ الخ

3271۔ (قولہ: وَحُكْمُ الْأَذَانِ كَالصَّلَاةِ) کیونکہ اذان نماز کے لیے سنت ہے پس اس کی تابع ہو گی۔

(وَ کُرِہَ) تَحْرِیمًا، وَکُلُّ مَا لَا یَجُوزُ مَکْرُوہٌ (صَلَاۃٌ) مُطْلَقًا (وَلَوْ) قَضَاءً أَوْ وَاجِبَۃً أَوْ نَافِلَۃً أَوْ (عَلَی جِنَازَۃٍ وَسَجْدَۃُ تِلَاوَۃٍ وَسَھْوٍ) لَا شُکْرٍ قُنْیَۃٌ

اور مطلقاً نماز مکروہ ہے اور ہر وہ جو جائز نہیں مکروہ ہے اگر چہ قضا نماز ہو یا واجب ہو یا نفل ہو یا جنازہ ہو یا سجدہ تلاوت ہو یا سجدہ سہو ہو۔ نہ کہ سجدہ شکر ''قنیہ''۔

3272۔ (قولہ: وَ کُرِہَ الخ) اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ بعض نمازیں ان اوقات میں منعقد نہیں ہوتیں اس کو کراہت سے تعبیر کرنا مناسب نہیں۔ اور ''الفتح'' کی تبع میں ''شرح المنیہ'' میں اس کے دو جواب ہیں۔ فرمایا: یہاں کراہت کا استعمال لغوی معنی کے اعتبار سے ہے پس یہ عدم جواز وغیرہ کو شامل ہے جن کا مطلوب عدم ہے، یا عرفی معنی کے اعتبار سے ہے مراد کراہت تحریمی ہے۔ کیونکہ یہ معلوم و معروف ہے کہ نہی جو ظنی الثبوت ہو اپنے مقتضا سے نہ پھیری گئی ہو تو وہ کراہت تحریمی کا فائدہ دیتی ہے اور اگر قطعی الثبوت ہو تو تحریم کا فائدہ دیتی ہے یہ رتبہ میں فرض کے مقابلہ میں ہوتی ہے اور کراہت تحریمی واجب کے رتبہ میں ہوتی ہے اور کراہت تنزیہی، مندوب کے رتبہ میں ہوتی ہے۔ اور یہاں وارد نہی پہلی نہی سے ہے۔ پس اس سے کراہت تحریمی ثابت ہوگی۔ یہ اگر وقت میں کمی کی وجہ سے ہو تو صحت کے مانع ہوتی ہے اس میں جس کا سبب کامل ہو ورنہ یہ اساءت کے ساتھ صحت کا فائدہ دیتی ہے۔

الشارح نے دونوں جوابوں کی طرف اشارہ کیا ہے اور ان میں سے دوسرے کو پہلے پر مقدم کیا ہے۔

3273۔ (قولہ: مُطْلَقًا) مابعد کے ساتھ اس کی تفسیر بیان کی۔

3274۔ (قولہ: عَلَی جِنَازَۃٍ) یعنی جب اس وقت میں جنازہ آجائے۔ اسی طرح ان کا قول: سجدہ تلاوت ہے یعنی جب اس وقت میں تلاوت کی جائے ورنہ کراہت نہیں ہے جیسا کہ الشارح ذکر کریں گے۔

3275۔ (قولہ: وَسَجْدَۃُ تِلَاوَۃٍ) یہ اس جار مجرور پر معطوف ہونے کی وجہ سے مجرور ہے جو کان مقدرہ کی خبر ہے۔ بہتر اس کا صلاۃ پر عطف ہونے کی وجہ سے مرفوع ہونا ہے جو نائب فاعل ہے (کرہ) کا تاکہ یہ نماز کے مقابل ہو جائے۔ کیونکہ سجدہ تلاوت حقیقۃً نماز نہیں ہے۔ (فافہم)

3276۔ (قولہ: وَسَھْوٍ) حتیٰ کہ اگر صبح کی نماز میں بھول گیا یا عصر کے بعد قضا نماز میں بھول گیا پھر سورج طلوع ہو گیا یا سلام کے بعد سورج سرخ ہو گیا تو اس سے سہو کا سجدہ ساقط ہو گیا۔ کیونکہ یہ اس نقصان کو پورا کرنے کے لیے ہوتا ہے جو نماز میں پیدا ہوتا ہے پس یہ قضا کے قائم مقام ہوا اور یہ کامل واجب ہوا پس یہ ناقص وقت میں ادا نہ ہوگا۔ ''حلبہ''۔

3277۔ (قولہ: لَا شُکْرٍ قُنْیَۃٌ) یہ غیر محل میں مذکور ہے اس کا ذکر (وسجدۃ تلاوۃ) کے بعد ہونا مناسب تھا۔ کیونکہ ''القنیہ'' کی عبارت اس طرح ہے کہ مکروہ ہے نماز کے بعد سجدہ شکر ادا کرنا اس وقت میں جس میں نفل مکروہ ہیں اور دوسرے اوقات میں مکروہ نہیں ''النہر'' میں ہے: سجدہ شکر سابقہ نعمت کے لیے ہوتا ہے۔ یہ صحیح ہونا چاہیے فقہاء کے اس قول سے۔ کیونکہ وہ کامل واجب ہوا اور یہ واجب نہیں ہوا۔

(مَعَ شُرُوقٍ) إِلَّا الْعَوَامَّ فَلَا يُمْنَعُونَ مِنْ فِعْلِهَا؛ لِأَنَّهُمْ يَتْرُكُونَهَا، وَالْأَدَاءُ الْجَائِزُ عِنْدَ الْبَعْضِ أَوْلَى مِنْ التَّرْكِ أَصْلًا كَمَا فِي الْقُنْيَةِ وَغَيْرِهَا (وَاسْتِوَاءٍ)

سورج کے طلوع ہونے کے ساتھ سوائے عوام کے انہیں نماز سے منع نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ نماز ترک کردیں گے۔ اور بعض کے نزدیک جائز ادا ترک سے اولیٰ ہے جیسا کہ ''القنیہ'' وغیرہا میں ہے اور سورج کے استواء کے وقت

''النہر'' کے کلام سے ''القنیہ'' کے کلام کے ساتھ یہ حاصل ہوا کہ سجدہ شکر کراہت کے ساتھ صحیح ہے یعنی یہ نافلہ کے حکم میں ہے۔ پھر ''النہر'' میں ''المعراج'' کے حوالہ سے فرمایا: رہا وہ جو نماز کے بعد سجدہ کیا جاتا ہے بالا جماع مکروہ ہے۔ کیونکہ عوام الناس اسے واجب یا سنت اعتقاد کرتے ہیں یعنی ہر جائز کام جو اس اعتقاد تک پہنچادے وہ مکروہ ہے۔

3278۔ (قولہ: مَعَ شُرُوقٍ) جب تک اس میں آنکھ نہیں چندھیائی یہ شروق کے حکم میں ہے جیسا کہ الغروب کے بارے میں گزر چکا ہے کہ یہی اصح ہے جیسا کہ ''البحر'' میں ہے۔ ''حلبی''۔

میں کہتا ہوں: اس کی تصحیح ہونی چاہیے جو فقہاء نے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی ''الاصل'' سے نقل کیا ہے کہ جب سورج نیزہ کے برابر بلند نہ ہو وہ طلوع کے حکم میں ہے۔ کیونکہ اصحاب المتون عید کی نماز میں اسی قول پر چلے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے عید کا پہلا وقت ارتفاع سے بنایا ہے۔ یہ اس بات کا فائدہ دے رہی ہے کہ مستثنیٰ منع ہے نہ کہ عدم صحت کا حکم یہ ہمارے نزدیک ہے۔ اور مستثنیٰ منقطع ہے اور ضمیر نماز کے لیے ہے اور اس سے مراد صبح کی نماز ہے۔

3280۔ (قولہ: عِنْدَ الْبَعْضِ) یعنی بعض مجتہدین کے نزدیک جیسے امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ۔

3281۔ (قولہ: كَمَا فِي الْقُنْيَةِ وَغَيْرِهَا) ''صاحب المصفی'' نے امام ''حمید الدین'' کی طرف منسوب کیا ہے انہوں نے اپنے شیخ امام ''المحبوبی'' سے روایت کیا ہے اور اس کو شمس الائمہ ''الحلوانی'' کی طرف منسوب کیا ہے اور ''القنیہ'' میں اس کو ''الحلوانی'' اور ''النسفی'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ پس ساقط ہو گیا جو کہا گیا ہے کہ صاحب ''القنیہ'' نے معتزلہ کے مذہب پر اس کی بنیاد رکھی ہے عام آدمی کو اختیار ہے جس مذہب سے جو پسند کرے اختیار کرے۔ ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ حق ایک ہے اور رخصتوں کو تلاش کرنا فسق ہے۔

3282۔ (قولہ: وَاسْتِوَاءٍ) یہ تعبیر، زوال کے وقت کی تعبیر سے اولیٰ ہے۔ کیونکہ زوال کے وقت میں نماز بالا جماع مکروہ نہیں ہے۔ ''بحر'' عن ''الحلبہ''۔ یعنی زوال کے ساتھ ظہر کا وقت داخل ہو جاتا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ مصنف ''البرجندی'' کی ''نقایہ'' کی شرح میں ہے: ''فقہاء'' کی عبارات میں واقع ہوا ہے کہ مکروہ وقت دن کے نصف کا وقت ہے سورج کے زوال تک۔ اور یہ مخفی نہیں کہ زوال کا وقت بغیر کسی فاصلہ کے نصف النہار کے بعد ہے۔ زمانہ کی اس مقدار میں نماز کی ادائیگی ممکن نہیں۔ شاید مراد یہ ہو کہ نماز جائز نہیں جب نماز کا کوئی جز اس وقت میں ادا ہو۔ یا النہار سے مراد شرعی نہار ہے اور وہ صبح طلوع ہونے سے لے کر سورج غروب ہونے تک کا وقت ہے۔ اس بنا پر نصف النہار زوال سے اتنا پہلے واقع ہوگا جس کا شمار کیا جاتا ہے۔ ''اسماعیل، نوح، حموی''۔

إِلَّا نَفْلَ يَوْمِ الْجُمُعَةِ عَلَى قَوْلِ الثَّانِي الْمُصَحَّحِ الْمُعْتَمَدِ، كَذَا فِي الْأَشْبَاهِ وَنَقَلَ الْحَلَبِيُّ عَنِ الْحَاوِي
مگر جو جمعہ کے دن نفل پڑھے امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے تصحیح شدہ معتمد قول پر اسی طرح ''اشباہ'' میں ہے ''الحلبی'' نے ''الحاوی'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے

''القنیہ'' میں ہے: زوال کے وقت کراہت کے وقت میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: نصف النہار سے زوال تک ہے۔ کیونکہ ابو سعید کی روایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف النہار کے وقت نماز سے منع فرمایا(1) حتیٰ کہ سورج ڈھل جائے۔ ''رکن الدین الصباغی'' نے فرمایا: یہ کتنا عمدہ ہے اس میں جو نماز سے نہی ہے۔ اس میں نماز کے تصور کا اعتماد کیا گیا ہے۔

''القہستانی'' میں انتصاف النہار سے مراد عرف ہے۔ اس قول کو ماوراء ''النہر'' کے علماء کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور نہار شرعی کے انتصاف سے مراد زوال تک ضحوۃ کبریٰ ہے اس کو ائمہ خوارزم کی طرف منسوب کیا ہے۔

2383۔ (قولہ: إِلَّا نَفْلَ يَوْمِ الْجُمُعَةِ) کیونکہ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے: نصف النہار کے وقت نماز سے منع فرمایا حتیٰ کہ سورج ڈھل جائے سوائے جمعہ کے دن کے۔ الحافظ ''ابن حجر'' نے فرمایا: اس کی سند میں انقطاع ہے۔ ''البیہقی'' نے اس کے ضعیف شواہد ذکر کیے ہیں جب وہ سب مل گئے تو قوی ہو گئی۔

2384۔ (قولہ: الْمُصَحَّحِ الْمُعْتَمَدِ) اعتراض کی گیا ہے کہ متون اور شروح اس کے خلاف پر ہیں۔

3285۔ (قولہ: وَنَقَلَ الْحَلَبِيُّ) یعنی صاحب ''الحلبۃ'' العلامہ المحقق ابن امیر حاج عن ''الحاوی'' یعنی ''الحاوی القدسی''۔ جیسا کہ میں نے اس میں دیکھا ہے۔ لیکن ''شرح الہدایۃ'' نے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تائید کی ہے اور مذکورہ حدیث کا استواء کے وقت نماز سے نہی کی احادیث سے جواب دیا ہے۔ یہ احادیث حرام کرنے والی ہیں۔ اور ''الفتح'' میں مطلق کو مقید پر محمول کرنے کے ساتھ جواب دیا ہے۔ اس کا ظاہر امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دینا ہے۔ اور ''الحلبۃ'' میں اس کی موافقت کی ہے جیسا کہ ''البحر'' میں ہے۔ لیکن ''شرح المنیہ'' اور ''الامداد'' میں اس پر اعتماد نہیں کیا گیا۔ اس بناء پر یہ ان مواقع سے نہیں ہے جن میں مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے جیسا کہ کتب الاصول سے معلوم ہے۔

نیز نہی کی حدیث صحیح ہے جس کو مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے(2) پس اس کی صحت کی وجہ سے اور اس پر عمل کرنے پر ائمہ کے اتفاق کی وجہ سے اور اس کے ممنوع ہونے کی وجہ سے اسے مقدم کیا جائے گا اور اسی وجہ سے ہمارے علماء نے وضو کی سنت، تحیۃ المسجد، طواف کی رکعتوں وغیرہ سے اس وقت میں منع فرمایا ہے۔ کیونکہ منع کرنے والی دلیل، مبیح دلیل پر مقدم ہوتی ہے۔

1۔ سنن کبریٰ للبیہقی، ذکر البیان ان ھذہ النہی مخصوص ببعض الخ، جلد 2، صفحہ 404

2۔ صحیح مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین، باب الاوقات التی نہی عن الصلوۃ فیہا، جلد 1، صفحہ 791، حدیث نمبر 1423

سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، باب الدفن عند طلوع الشمس وعند غروبہا، جلد 2، صفحہ 490، حدیث نمبر 2777

أَنَّ عَلَيْهِ الْفَتْوَى (وَغُرُوبٍ، إلَّا عَصْرَ يَوْمِهِ) فَلَا يُكْرَهُ فِعْلُهُ
کہ اس پر فتویٰ ہے۔ اور سورج کے غروب ہونے کے وقت مگر اس دن کی عصر کی نماز، پس اس کا پڑھنا مکروہ نہیں۔

تنبیہ

جو ہم نے ثابت کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے نزدیک نفل پڑھنا اس وقت منع ہے اگر چہ میرا یہ خیال نہیں ہے۔ پس حرم مکہ میں شوافع نے اوقات مکروہہ میں نماز کی اباحت سے صحیح حدیث سے استدلال کرتے ہوئے جو ذکر کیا ہے کہ (اے بنی عبد مناف اس گھر کو طواف کرنے سے کسی کو نہ روکو جس وقت چاہے رات یا دن کو نماز پڑھے (1)) یہ ہمارے نزدیک اوقات غیر مکروہہ کے ساتھ مقید ہے۔ کیونکہ تو نے جان لیا ہے کہ ہمارے علماء نے اوقات مکروہہ میں طواف کی دو رکعتوں سے منع کیا ہے اگر چہ نفس طواف کو ان اوقات مکروہہ میں جائز قرار دیا ہے۔ امام مالک کا نظریہ اس کے خلاف ہے جیسا کہ ''شرح اللباب'' میں اس کی تصریح ہے۔ واللہ اعلم

پھر میں نے یہ مسئلہ اپنے علما کے نزدیک دیکھا۔ ''الضیاء'' میں فرمایا: ہمارے اصحاب نے فرمایا: ان اوقات میں نماز مکہ وغیر ہا میں ممنوع ہے۔ اور میں نے ''البدائع'' میں دیکھا کہ مکہ کی استثنا کے ساتھ جو نہی وارد ہے وہ شاذ ہے۔ مشہور حدیث کے معارضہ میں اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور اسی طرح جمعہ کے دن کی استثنا کی روایت غریب ہے۔ پس اس کے ساتھ مشہور حدیث کی تخصیص جائز نہیں۔ للہ الحمد

3286۔ (قولہ: وَغُرُوبٍ) اس سے تغیر کا ارادہ فرمایا جیسا کہ ''الخانیہ'' میں تصریح ہے۔ فرمایا: سورج کے سرخ ہونے سے لے کر سورج کے غائب ہونے تک۔ ''بحر'' و''قہستانی''۔

3287۔ (قولہ: إلَّا عَصْرَ يَوْمِهِ) اس کے ساتھ مقید کیا کیونکہ گزشتہ کل کی عصر تغیر شمس کے وقت جائز نہیں۔ کیونکہ اس کے ذمہ میں وہ کامل ثابت ہے۔ کیونکہ اس میں سببیت کی نسبت تمام وقت کی طرف ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

3288۔ (قولہ: فَلَا يُكْرَهُ فِعْلُهُ) کیونکہ کسی چیز کا حکم ہونے کے ساتھ اس کے لیے کراہت ثابت کرنا درست نہیں ہوتا۔ بعض علما نے فرمایا: ادائیگی بھی مکروہ ہے۔ ''کافی النسفی''۔

حاصل یہ ہے کہ علماء کا اختلاف ہے کہ کراہت صرف تاخیر میں ہے ادائیگی میں نہیں یا تاخیر اور ادائیگی دونوں میں کراہت ہے۔ بعض نے پہلا قول کیا ہے۔ اور ''المحیط'' اور ''الایضاح'' میں اس کو ہمارے مشائخ کی طرف منسوب کیا ہے اور بعض نے دوسرا قول کیا ہے۔ اس پر ''شرح الطحاوی''، ''التحفہ''، ''البدائع'' اور ''الحاوی'' وغیر ہا اس میں چلے ہیں کہ یہی مذہب ہے اختلاف حکایت کیے بغیر۔ اور ''مسلم'' وغیرہ کی حدیث کی وجہ سے یہی اوجہ ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: یہ منافق کی نماز ہے وہ بیٹھا رہتا ہے سورج کو تاڑتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب وہ شیطان

1۔ سنن ترمذی، کتاب المناسك، باب ما جاء فی الصلاۃ بعد العصر و بعد الصبح لمن یطوف، جلد 1، صفحہ 483، حدیث نمبر 795

لِأَدَائِهِ كَمَا وَجَبَ بِخِلَافِ الْفَجْرِ، وَالْأَحَادِيثُ تَعَارَضَتْ فَتَسَاقَطَتْ كَمَا بَسَطَهُ صَدْرُ الشَّرِيعَةِ
کیونکہ ادائیگی اسی طرح ہورہی ہے جس طرح واجب ہوئی تھی بخلاف فجر کی نماز کے۔ احادیث متعارض ہوئیں تو ان کا اعتبار نہ رہا جیسا کہ ''صدر الشریعہ'' نے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

کے دونوں سینگوں کے درمیان ہوجاتا ہے تو اٹھتا ہے چار چونچیں مارتا ہے اس میں اللہ کا ذکر نہیں کرتا مگر تھوڑا (1)۔ ''حلبہ'' ۔ ''البحر'' میں اس کی متابعت کی ہے۔

یہ مخفی نہیں کہ شارح کا کلام پہلے قول پر چلا ہے نہ کہ دوسرے پر۔ فافہم۔ ''القنیہ'' میں فرمایا: قراءت کی سنت پوری کرے کیونکہ کراہت تاخیر میں ہے وقت میں نہیں۔

3289۔ (قولہ: لِأَدَائِهِ كَمَا وَجَبَ) کیونکہ سبب وہ جز ہوتا ہے جس کے ساتھ ادا متصل ہوتی ہے اور وہ یہاں ناقص ہے۔ پس ناقص واجب ہوئی تو اسی طرح ادا ہوئی۔ رہی کل کی عصر تو وہ کامل واجب ہے۔ کیونکہ اس میں سبب تمام وقت ہے اس حیثیت سے کہ اس میں سے کسی جز میں ادا حاصل نہ ہوئی۔ لیکن صحیح وہ ہے جس پر محققین کا نظریہ ہے کہ فی نفسہ اس جز میں کمی نہیں بلکہ اس میں ادا میں کمی ہے۔ کیونکہ اس میں سورج کے پجاریوں سے تشبہ ہے۔ اور جب اس میں ادا واجب تھی تو اس نقصان کو اٹھایا۔ رہی یہ صورت جب اس میں ادا نہ کرے حال یہ ہے کہ اس وقت میں اصلاً نقص نہیں ہے کامل واجب ہے۔ اسی وجہ سے صحیح قضا کا وجوب ہے کامل میں اس پر جو بالغ ہو یا مسلمان ہو ناقص وقت میں اور اس میں نماز ادا نہ کی ہو جیسا کہ (مقولہ 3178 میں) گزر چکا ہے۔

حاصل یہ ہے..... جیسا کہ ''الفتح'' میں ہے..... کہ وقت کے نقصان کا معنی اس کا نقصان ہے جو اس کے ساتھ متصل ہے۔ یعنی ان ارکان کا فعل جو کفار سے تشبیہ کو مستلزم ہیں۔ پس وقت میں کوئی نقصان نہیں بلکہ وہ دوسرے اوقات کی طرح ہے۔ نقص ان ارکان میں ہے۔ پس ان ارکان کے ساتھ وہ ادا نہ ہوا جو کامل واجب تھا۔

یہ اس قول کا مؤید ہے کہ کراہت تاخیر اور ادا میں اسکے خلاف ہے جس پر شارح چلے۔ اور جو ''النہر'' میں بعض طلبہ کے لیے بحثاً ذکر کیا ہے۔ ''شرح المنیہ'' وغیرہ میں جواب کے ساتھ مذکور ہے۔ اور ہم نے ''البحر'' پر جو تعلیق لکھی ہے اس میں وضاحت کی ہے۔

3290۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْفَجْرِ الخ) کیونکہ اس دن کی فجر سورج کے طلوع کے وقت ادا نہیں کی جاتی۔ کیونکہ فجر کا تمام وقت کامل ہے پس فجر کی نماز کامل واجب ہوئی پس سورج کے طلوع کے ساتھ نماز باطل ہو جائے گی وہ فساد کا وقت ہے۔ ''البحر'' میں فرمایا: اگر یہ کہا جائے کہ ایک جماعت نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے عصر کی ایک رکعت کو پالیا سورج کے غروب ہونے سے پہلے تو اس نے عصر کو پالیا (2) اور جس نے سورج کے طلوع ہونے سے

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب التبکیر بالعصر، جلد 1، صفحہ 632، حدیث نمبر 1037

2۔ صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلوۃ، باب من ادرک من الفجر رکعۃ، جلد 1، صفحہ 296، حدیث نمبر 545

صحیح مسلم، کتاب المساجد، من ادرک رکعۃ من الصلوۃ الخ، جلد 1، صفحہ 610، صفحہ 1006

(وَيَنْعَقِدُ نَفْلٌ بِشُرُوعٍ فِيهَا) بِكَرَاهَةِ التَّحْرِيمِ
ان اوقات مکروہ میں نوافل شروع کرنے کے ساتھ، کراہت تحریمی کے ساتھ منعقد ہو جاتے ہیں۔

پہلے صبح کی ایک رکعت پالی تو اس نے صبح کو پالیا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ جب اس کے درمیان اور اوقات ثلاثہ میں نماز سے نہی کے درمیان تعارض واقع ہوا تو ہم نے قیاس کی طرف رجوع کیا جیسا کہ تعارض کا حکم ہے ہم نے عصر کی نماز میں اس حدیث کے حکم کو ترجیح دی اور فجر کی نماز میں نہی کے حکم کو ترجیح دی۔ اسی طرح ''شرح النقایہ'' میں ہے۔ نیز ''امام الطحاوی'' نے فرمایا: نصوص ناہیہ کی وجہ سے یہ حدیث منسوخ ہے اور انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ عصر کی نماز فجر کی نماز کی طرح باطل ہوگی ورنہ بعض حدیث پر عمل اور بعض حدیث کا ترک لازم آئے گا صرف ہمارے اس قول سے کہ فجر میں کامل پر ناقص طاری ہوا بخلاف آج کی عصر کے۔ حالانکہ نقص عصر کی نماز سے ابتداءً متصل ہوا اور فجر کی نماز سے بقاءً متصل ہوا پس ان دونوں میں ابطال ہوگا۔

''البرہان'' میں اس طرح جواب دیا ہے کہ یہ وقت عصر کے وجوب کا سبب ہے حتیٰ کہ جو اس وقت میں مسلمان ہو یا جو اس وقت میں بالغ ہو اس پر واجب ہوتا ہے اور اس وقت کا وجوب کے لیے سبب ہونا محال ہے اور اس میں ادا صحیح نہ ہوگی۔ مکمل بحث ''حاشیہ نوح'' میں ہے۔

3291۔ (قولہ: وَيَنْعَقِدُ نَفْلٌ الخ) جب (د کرہ) کا قول حقیقۃً مکروہ اور ممنوع کو شامل تھا تو اس جملہ کے ساتھ جو مجمل تھا اس کا بیان لائے۔

جان لو کہ جس کو نماز کہا جاتا ہے...... اگر توسعاً ہو خواہ وہ فرض ہو یا واجب ہو یا نفل ہو۔ پہلے کی دو قسمیں ہیں: عملی اور قطعی ہے۔ عملی وتر ہے۔ اور قطعی فرض کفایہ اور فرض ہے۔ پس فرض کفایہ نماز جنازہ ہے اور فرض عین پانچوں نمازیں، جمعہ اور فرض سجدہ ہے۔

اور واجب یا تو بعینہ ہوگا۔ یہ وہ ہوتا ہے جس کا وجوب بندے کے اپنے فعل پر یا اس کے غیر کے فعل پر موقوف ہوگا وہ جو اس کی اپنی ذات پر موقوف ہوتا ہے۔ پہلا وتر ہے اس کو واجب کہا جاتا ہے جیسے اس کو فرض عملی کہا جاتا ہے اور عیدین کی نمازیں اور سجدہ تلاوت اور دوسرا واجب سجدہ سہو، طواف کی دو رکعتیں، ان نوافل کی قضا جس کو فاسد کر دیا اور نذر مانی ہوئی نماز۔ اور نفل سنت موکدہ اور سنت غیر موکدہ ہے۔

جان لو کہ اوقات مکروہہ کی دو قسمیں ہیں۔

پہلا: سورج کے طلوع ہونے کا وقت، استوا کا وقت، غروب کا وقت۔

دوسرا: جو فجر اور سورج کے طلوع کے درمیان ہے، جو عصر کی نماز سے اصفرار شمس تک ہے۔

پہلی قسم جو ہم نے (اس مقولہ میں) نمازیں ذکر کی ہیں ان میں سے کوئی بھی منعقد نہیں ہوئی جب ان کو ان اوقات میں شروع کرے۔ اور باطل ہو جاتی ہیں جب ان پر یہ وقت طاری ہو مگر نماز جنازہ جو اس وقت میں آ جائے۔ اور وہ سجدہ تلاوت جس کی آیت اس وقت میں تلاوت کی گئی ہو اور آج کے عصر کی نماز، نفل اور نذر جو ان اوقات کے ساتھ مقید ہو اور اس کی قضا جس کو ان اوقات میں شروع کیا ہو پھر اس کو فاسد کر دیا ہو۔ پس یہ چھ چیزیں منعقد ہوں گی۔ ان میں سے پہلی بلا کراہت،

(لَا) يَنْعَقِدُ (الْفَرْضُ) وَمَا هُوَ مُلْحَقٌ بِهِ كَوَاجِبٍ لِعَيْنِهِ كَوِتْرٍ (وَسَجْدَةِ تِلَاوَةٍ، وَصَلَاةِ جِنَازَةٍ
فرض اور اس کے ساتھ جو ملحق ہے جیسے واجب لعینہ جیسے وتر، سجدہ تلاوت نماز جنازہ،

دوسری کراہت تنزیہی کے ساتھ، تیسری تحریمہ کے ساتھ۔ اسی طرح باقی ہیں۔ لیکن ان کو توڑنا واجب ہے اور غیر مکروہ وقت میں قضا کرنی ہوگی۔

دوسری قسم: ان اوقات میں وہ تمام نمازیں بغیر کراہت کے منعقد ہوتی ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے مگر نفل اور واجب لغیرہ منعقد نہیں ہوتے۔ کیونکہ یہ کراہت کے ساتھ منعقد ہوتا ہے۔ پس توڑنا واجب ہے اور غیر مکروہ وقت میں قضا بھی واجب ہے ''حلبی''۔ بعض تغیر کے ساتھ)

3292۔ (قولہ: لَا يَنْعَقِدُ الْفَرْضُ) یہ اشارہ ہے اس کی طرف جو نواقض وضو میں سے ''الخانیہ'' میں ہے جہاں انہوں نے فرمایا: اگر سورج کے طلوع یا غروب کے وقت، آج کی عصر کے سوا کسی فریضہ میں شروع ہوا تو وہ نماز میں داخل نہ ہوگا اور قہقہہ کے ساتھ اس کی طہارت نہیں ٹوٹے گی بخلاف اس کے اگر وہ نفل میں شروع ہو۔

3293۔ (قولہ: كَوَاجِبٍ) ''القہستانی'' کی عبارت ہے: جیسے فوت شدہ فرائض اور واجبات۔

پس فوت شدہ کے ساتھ مقید کیا اس سے احتراز کرتے ہوئے جو ان اوقات میں واجب ہوا جیسے تلاوت اور جنازہ۔

اب یہ باقی ہے کہ اگر نماز عید میں شروع ہوا کیا وہ نفل کے اعتبار سے نماز میں داخل ہوگا یا اصلاً نماز منعقد ہی نہ ہوگی؟ ظاہر پہلا قول ہے، اس کی اپنے باب میں (مقولہ 7006 میں) تصریح کریں گے کیونکہ عید کا وقت سورج کا نیزہ کی مقدار بلند ہونا ہے اور وقت سے پہلے واجب ہی نہیں ہوتی تو یہ نفل ہوں گے۔ (تامل)

3294۔ (قولہ: لِعَيْنِهِ) یہ قید غیر صحیح ہے۔ کیونکہ یہ تقاضا کرتی ہے کہ واجب لغیرہ ان اوقات میں منعقد ہوتا ہے۔ یہ اس طرح نہیں ہے جیسا کہ ''البحر''، ''القہستانی'' اور ''النہر'' میں اس کی تصریح کی ہے بخلاف اس کے جو ''نور الایضاح'' میں ہے۔ یہ ''الحلبی'' نے فائدہ ذکر کیا ہے۔

3295۔ (قولہ: وَسَجْدَةِ تِلَاوَةٍ) یہ (وتر) پر معطوف ہے جو شارح کی عبارت میں ہے۔ اس کی اصل متن کی عبارت میں رفع ہے (الفرض) پر معطوف ہونے کی وجہ سے۔ الشارح نے ''الخزائن'' میں فرمایا: سجدہ سہو، سجدہ تلاوت کی طرح ہے، پس وہ اسے ترک کرے گا اگر مکروہ وقت داخل ہو جائے گا۔ ہم نے (مقولہ 3176 میں) پہلے یہ بیان کیا ہے۔

3296۔ (قولہ: صَلَاةِ جِنَازَةٍ) اس وقت میں یہ نماز کراہت کے ساتھ صحیح ہے جیسا کہ ''البحر'' میں ''الاسبیجابی'' کے حوالہ سے ہے۔ ''النہر'' میں اس کو ثابت کیا ہے۔ ''حلبی''۔

میں کہتا ہوں: لیکن جس پر مصنف چلے ہیں وہ اس کے موافق ہے جو ہم نے ''حلبی'' کے حوالہ سے (مقولہ 3291 میں) ضابطہ میں بیان کیا ہے اور اس تعلیل کے موافق ہے جو آگے آرہی ہے۔ یہی ''الکنز''، ''الملتقی'' اور ''الزیلعی'' کا ظاہر ہے ''الوافی''، ''شرح المجمع'' اور ''النقایہ'' وغیرہا میں اس کی تصریح ہے۔

تُلِيتْ) الْآيَةُ (فِي كَامِلٍ وَحَضَرَتْ) الْجِنَازَةُ (قَبْلُ) لِوُجُوبِهِ كَامِلًا فَلَا يَتَأَدَّى نَاقِصًا، فَلَوْ وَجَبَتَا فِيهَا لَمْ يُكْرَهْ فِعْلُهُمَا أَيْ تَحْرِيمًا وَفِي التُّحْفَةِ الْأَفْضَلُ أَنْ لَا تُؤَخَّرَ الْجِنَازَةُ (وَصَحَّ) مَعَ الْكَرَاهَةِ (تَطَوُّعٌ بَدَأَ بِهِ فِيهَا وَنَذْرٌ أَدَّاهُ فِيهَا)

وہ آیت سجدہ جو کامل وقت میں تلاوت کی گئی اور جنازہ اس وقت سے پہلے موجود تھا کیونکہ اس کا وجوب کامل تھا۔ پس ناقص ادا نہ ہوگا اگر ان اوقات میں یہ دونوں واجب ہوں تو ان دونوں کا فعل مکروہ نہیں ہے یعنی تحریمی نہیں ہے۔ اور ''التحفہ'' میں ہے: نماز جنازہ کو موخر نہ کرنا افضل ہے۔ اور کراہت کے ساتھ صحیح ہیں وہ نفل جو ان اوقات میں شروع کیے اور وہ نذر مانی ہوئی نماز جو ان اوقات میں ادا کی

3297۔ (قولہ: فَلَوْ وَجَبَتَا فِيهَا) یعنی ان اوقات میں آیت سجدہ تلاوت کی گئی یا ان اوقات میں جنازہ آ گیا۔

3298۔ (قولہ: أَيْ تَحْرِيمًا) کراہت تنزیہی کے ثبوت کا فائدہ دیا۔

3299۔ (قولہ: فِي التُّحْفَةِ) یہ (تحریمًا) کے قول کے مفہوم پر استدراک ہے۔ کیونکہ جب جنازہ میں عدم تاخیر افضل ہے تو اصلاً کراہت نہ ہوئی۔ اور جو ''التحفہ'' میں ہے اس کو ''البحر''، ''النہر''، ''الفتح'' اور ''المعراج'' میں ثابت کیا ہے کیونکہ حدیث شریف ہے تین چیزیں موخر نہیں کی جائیں گی ان میں ایک جنازہ ہے جب وہ آ جائے (1)۔ ''شرح المنیہ'' میں فرمایا: اس کے درمیان اور سجدہ تلاوت کے درمیان فرق ظاہر ہے۔ کیونکہ اس میں تعجیل مطلقاً مطلوب ہے مگر کسی مانع کی وجہ سے۔ اور مباح وقت میں جنازہ کا حاضر ہونا مکروہ وقت میں اس کی نماز پڑھنے سے مانع ہے بخلاف اس کے کہ وہ مکروہ وقت میں حاضر ہو اور بخلاف سجدہ تلاوت کے۔ کیونکہ اس میں تعجیل مطلقاً مستحب نہیں ہے بلکہ صرف مباح وقت میں مستحب ہے پس سجدہ تلاوت میں کراہت تنزیہی ثابت ہوئی نہ کہ نماز جنازہ میں۔

3300۔ (قولہ: وَصَحَّ تَطَوُّعٌ بَدَأَ بِهِ فِيهَا) یہ (ينعقد نفل بشروع فيها) کے قول سے خالص تکرار ہے ''حلبی''۔ اور کبھی اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان اوقات میں ان کی ادائیگی صحیح ہے اور اس کے ساتھ کراہت کے ساتھ عہدہ برآ ہو جائے گا۔ اور جو انعقاد کی اصل اور ان میں شروع ہونے کے لیے بیان (مقولہ 3391 میں) گزر چکا ہے اس حیثیت سے کہ اگر قہقہہ لگایا ہو تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا بخلاف فرض کے جیسا کہ ہم نے ''الخانیہ'' کے حوالہ سے (مقولہ 3292 میں) پیش کیا ہے۔ (تامل)

3301۔ (قولہ: وَقَدْ نَذَرَهُ فِيهَا) یعنی حال یہ ہے کہ اس نے ان اوقات میں ان کو پڑھنے کی نذر مانی تھی یعنی ان تینوں اوقات میں سے کسی ایک وقت میں پڑھنے کی نذر مانی تھی۔ رہا یہ کہ اگر اس نے مطلق نذر مانی تھی تو ان اوقات میں ادا کرنا صحیح نہیں ہے۔

1۔ سنن ترمذی، کتاب الصلوۃ، باب ماجاء فی الوقت الاول من الفضل، جلد 1، صفحہ 139، حدیث نمبر 156

وَقَدْ نَذَرَهُ فِيهَا (وَقَضَاءُ تَطَوُّعٍ بَدَأَ بِهِ فِيهَا فَأَفْسَدَهُ لِوُجُوبِهِ نَاقِصًا) ثُمَّ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ وُجُوبُ الْقَطْعِ وَالْقَضَاءِ فِي كَامِلٍ كَمَا فِي الْبَحْرِ وَفِيهِ عَنْ الْبُغْيَةِ الصَّلَاةُ فِيهَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ مِنْ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَكَأَنَّهُ لِأَنَّهَا مِنْ أَرْكَانِ الصَّلَاةِ، فَالْأَوْلَى تَرْكُ مَا كَانَ رُكْنًا لَهَا (وَكُرِهَ نَفْلٌ) قَصْدًا

اوران اوقات میں اس کی نذر مانی تھی اوران نفلوں کی قضا جن کوان اوقات میں شروع کیا پھر فاسد کر دیا ان کا وجوب ناقص ہے۔اور ظاہر روایت میں ان کا قطع کرنا اور کامل وقت میں قضا کرنا واجب ہے جیسا کہ''البحر'' میں ہے۔ اور ''البحر'' میں ''البغیہ'' کے حوالہ سے ہے کہ ان اوقات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا قرآن کی قراءت سے افضل ہے۔شاید یہ اس لیے ہے کہ قرآن کی قراءت نماز کے ارکان میں سے ہے پس اس کا ترک کرنا اولیٰ ہے جو نماز کا رکن ہے۔اور نفل مکروہ ہے قصداً

3302۔(قولہ: لِوُجُوبِهِ) یعنی جو تین مسائل میں سے ذکر کیا ہے۔

3303۔(قولہ: كَمَا فِي الْبَحْرِ) اور یہ بھی فرمایا: اور''الزیلعی'' کا قول''دوسرے اوقات میں پڑھنا افضل ہے''۔ ضعیف ہے۔

3304۔(قولہ: عَنْ الْبُغْيَةِ) با کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ ہے مطلوب چیز۔ یہاں کتاب کا نام ہے جو''القنیہ'' کا اختصار ہے۔یہ''البحر'' میں باب شروط الصلوٰۃ میں ذکر کیا ہے۔''حلبی''۔

3305۔(قولہ: الصَّلَاةُ فِيهَا) یعنی ان تینوں اوقات میں اور نماز کی طرح ہے دعا اور تسبیح جیسا کہ''البحر'' میں''البغیہ'' کے حوالہ سے ہے۔

3306۔(قولہ: وَكَأَنَّهُ الخ) یہ''البحر'' کے کلام سے ہے۔

3307۔(قولہ: فَالْأَوْلَى) یعنی افضل ہے تا کہ یہ''البغیہ'' کے کلام کے موافق ہو جائے۔کیونکہ اس کا مفاد یہ ہے کہ اصلاً کراہت نہیں ہے کیونکہ افضل کے ترک میں کراہت نہیں ہوتی۔

3308۔(قولہ: وَكُرِهَ نَفْلٌ) اوقات مکروہہ کی دونوں قسموں میں سے دوسری قسم میں شروع ہو رہے ہیں اور جو نمازیں ان میں مکروہ نہیں اور یہاں کراہت تحریمۃ بھی ہے۔اسی کے ساتھ''الحلبہ'' میں تصریح کی ہے۔اسی لیے الخانیہ اور ''الخلاصہ'' میں عدم جواز سے تعبیر کیا ہے اور مراد عدم حل ہے نہ کہ عدم صحت ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔

3309۔(قولہ: قَصْدًا) اس سے احتراز کیا ہے کہ اگر کوئی رات کے آخر میں نفل پڑھے جب ایک رکعت نماز پڑھ لے تو فجر طلوع ہو جائے، پس افضل نماز کو مکمل کرنا ہے کیونکہ یہ فجر کے بعد نفل میں وقوع بغیر قصد کے ہے اصح قول پر فجر کی سنت کے قائم مقام نہ ہوں گے۔

3310۔(قولہ: وَلَوْ تَحِيَّةَ الْمَسْجِدِ) اسکے ساتھ اشارہ کیا ہے کہ جس کا سبب ہو یا سبب نہ ہو کوئی فرق نہیں جیسا کہ

وَلَوْ تَحِيَّةَ الْمَسْجِدِ (وَكُلَّ مَا كَانَ وَاجِبًا) لَا لِعَيْنِهِ بَلْ (لِغَيْرِهِ) وَهُوَ مَا يَتَوَقَّفُ وُجُوبُهُ عَلَى فِعْلِهِ (كَمَنْذُوْرٍ وَرَكْعَتَى طَوَافٍ) وَ سَجْدَتَى سَهْوٍ

اگر چہ تحیۃ المسجد ہو اور ہر وہ نماز جو واجب ہو واجب لعینہ نہیں بلکہ واجب لغیرہ ہو یہ وہ ہوتا ہے جس کا وجوب بندے کے فعل پر موقوف ہوتا ہے جیسے نذر مانی ہوئی نماز، طواف کی دو رکعتیں اور سہو کے دو سجدے

''البحر'' میں ہے امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ اس کے خلاف ہے اس میں جس کا سبب ہو جیسے سنن مؤکدہ اور تحیۃ المسجد، ''طحطاوی''۔

3311۔ (قولہ: وَكُلَّ مَا كَانَ وَاجِبًا) یعنی جو نفل کے ساتھ ملحق ہو اس طرح کہ نفل ہونے کے بعد کسی عارض کی وجہ سے اس کا ثبوت ثابت ہو۔

3312۔ (قولہ: عَلَى فِعْلِهِ) یعنی بندے کے فعل پر بہتر اسم ظاہر کا ذکر کرنا ہے۔ مثلاً نذر مانے ہوئے نفل نذر پر موقوف ہوتے ہیں اور طواف کی دو رکعتیں طواف پر موقوف ہوتی ہیں اور سہو کے دونوں سجدے اس واجب کے ترک پر موقوف ہوتے ہیں جو اس کی طرف سے ہوتا ہے۔ ''طحطاوی''۔

اور اس پر سجود التلاوۃ کے ساتھ اعتراض وارد ہوتا ہے کیونکہ اس کا وجوب تلاوت پر موقوف ہوتا ہے۔ ''الفتح'' میں اس کا یہ جواب دیا کہ تحقیق میں اس کا وجوب سماع سے متعلق ہے استماع اور تلاوت سے نہیں اور یہ مکلف کا فعل نہیں بلکہ اس میں خلقی وصف ہے بخلاف نذر، طواف اور شروع کے کیونکہ یہ اس کا فعل ہے اگر یہ نہ ہوتا تو نماز نفل ہوتی۔

''شرح المنیہ'' میں ہے: لیکن صحیح یہ ہے کہ وجوب کا سبب تالی کے حق میں تلاوت ہے سماع نہیں ہے ورنہ اس کی تلاوت کی وجہ سے بہرے آدمی پر وجوب کا نہ ہونا لازم آئے گا اسی طرح ''البحر'' میں ہے۔

کبھی یہ جواب دیا جاتا ہے کہ اگر چہ یہ اس کے فعل سے ہے لیکن اس کی اصل نفل نہیں ہے۔ کیونکہ سجدہ کے ساتھ تنفل غیر مشروع ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے واجب کرنے کے ساتھ واجب تھا بندے کے التزام کی وجہ سے نہیں اس کی مکمل بحث ''شرح المنیہ'' میں ہے۔

3313۔ (قولہ: وَرَكْعَتَى طَوَافٍ) اس کا ظاہر یہ ہے کہ اگر طواف اس مکروہ وقت میں ہو۔ میں نے صراحۃً یہ نہیں دیکھا۔ اس پر وہ دلالت کرتا ہے جو امام الطحاوی نے ''شرح معانی الآثار'' میں حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے عصر کے بعد یا صبح کی نماز کے بعد طواف کیا اور طواف کی دو رکعتیں ادا نہ کیں ان سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبح کی نماز کے بعد نماز سے منع فرمایا حتیٰ کہ سورج طلوع ہو جائے (1) اور عصر کے بعد نماز سے منع فرمایا حتیٰ کہ سورج غروب ہو جائے۔ پھر میں نے اس کی تصریح ''الحلبہ'' اور ''شرح اللباب'' میں دیکھی۔

3124۔ (قولہ: وَ سَجْدَتَى سَهْوٍ) میں کہتا ہوں: اس میں صاحب ''المجتبیٰ'' کی متابعت کی ہے اور میرے لیے اس کا معنی ظاہر نہیں ہوا۔ کیا یہ اپنے اطلاق پر ہے یا بعض نمازوں کے ساتھ مقید ہے؟ کیونکہ سجدہ سہو کی کراہت کی کوئی وجہ نہیں ہے

1۔ صحیح مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین و قصرھا، باب الاوقات المکروھۃ، جلد 1، صفحہ 799، حدیث نمبر 416

(وَالَّذِیْ شَرَعَ فِیْهِ) فِیْ وَقْتٍ مُسْتَحَبٍّ اَوْ مَکْرُوْهٍ (ثُمَّ اَفْسَدَهٗ وَ) لَوْ سُنَّةَ الْفَجْرِ (بَعْدَ صَلَاةِ فَجْرٍ وَ) صَلَاةِ (عَصْرٍ) وَلَوْ الْمَجْمُوْعَةَ بِعَرَفَةَ (لَا) یَکْرَهُ قَضَاءُ فَائِتَةٍ وَ) لَوْ وِتْرًا اَوْ (سَجْدَةِ تَلَاوَةٍ وَ صَلَاةِ جَنَازَةٍ وَ کَذَا)

اور وہ جس میں شروع ہوا مستحب یا مکروہ وقت میں پھر اسے توڑ دیا اگر چہ فجر کی سنت ہو فجر اور عصر کی نماز کے بعد اگر چہ وہ عرفات میں اکٹھی نمازیں ہوں فوت شدہ نماز اگر وتر ہو یا سجدہ تلاوت اور نماز جنازہ اور اسی طرح

اس صورت میں کہ اگر کوئی فجر یا عصر کی نماز پڑھے اور ان میں بھول جائے اور اسی طرح اگر ان دونوں نمازوں کے بعد فوت شدہ نماز قضا کی اور اس میں بھول گیا۔ کیونکہ جب اس کے لیے اس نماز کو ادا کرنا حلال ہے تو اس کے لیے اس میں جو سجدہ سہو واجب ہے وہ کیسے حلال نہ ہوگا شاید ان اوقات کی دوسری نوع، پہلی نوع کے ساتھ مشتبہ ہوگئی ہے۔

کیونکہ نوع اول میں سجدہ سہو کا ذکر صحیح ہے اس کے ذکر کے خلاف پہلے گزر چکا ہے مگر یہ کہا جائے کہ یہ بعض نمازوں کے ساتھ مقید ہے اور یہ وہ ہے جو اس نوع میں مکروہ ہیں جیسے نفل اور واجب لغیرہ۔ پس جس طرح ان کا فعل مکروہ ہے اسی طرح ان میں سجدہ سہو بھی مکروہ ہے۔ پھر میں نے ''الرحمتی'' کو دیکھا انہوں نے جزم کیا ہے کہ یہ سہو ہے۔ (فتامل وراجع)

3315_(قولہ: وَ لَوْ سُنَّةَ الْفَجْرِ) یعنی جو ان میں شروع ہوا پھر انہیں توڑ دیا اگر وہ فجر کی سنت ہو تو اصح قول پر یہ جائز نہیں اور حیلوں میں سے جو بیان کیا گیا ہے وہ مردود ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔

3216_(قولہ: بَعْدَ صَلَاةِ فَجْرٍ وَ صَلَاةِ عَصْرٍ) یہ وَکُرِہَ کے متعلق ہے یعنی نفل مکروہ ہیں فجر اور عصر کے بعد، یعنی طلوع سے تھوڑا پہلے تک۔ اور سابق قول کے قرینہ سے تغیر تک۔ سابق قول سے مراد (لا ینعقد الفرض الخ) ہے۔ اسی وجہ سے یہاں ''الزیلعی'' نے کہا: مابعد العصر سے مراد سورج کے تغیر سے پہلے کا وقت ہے۔ رہا اس کے بعد تو اس میں بھی قضا جائز نہیں اگر چہ عصر کی نماز پڑھنے سے پہلے ہو۔

3317_(قولہ: وَلَوْ الْمَجْمُوْعَةَ بِعَرَفَةَ) اس کو ''المعراج'' میں ''المجتبیٰ'' کی طرف منسوب کیا ہے اور ''القنیہ'' میں ''مجد الائمہ الترجمانی'' اور ''ظہیر الدین المرغینانی'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ ''الحلبہ'' میں اس کو بطور بحث ذکر کیا ہے اور فرمایا: میں نے صراحۃً یہ نہیں دیکھا۔ ''البحر'' میں اس کی متابعت کی ہے۔

3318_(قولہ: وَلَوْ وِتْرًا) کیونکہ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر واجب ہیں۔ اس کے فوت ہونے کے ساتھ جواز فوت ہو جاتا ہے یہ فرض عملی کا معنی ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے قول پر سنت ہے جو دوسری سنتوں کے مخالف ہے۔ اسی وجہ سے ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے کہا: بیٹھ کر صحیح نہیں ہوتے۔ اسی وجہ سے ''القنیہ'' میں فرمایا: فجر کے بعد بالاجماع وتر کی قضا کی جائے گی بخلاف دوسری سنن کے۔

3319_(قولہ: اَوْ سَجْدَةِ تَلَاوَةٍ) کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ایجاب کے ساتھ واجب ہوتا ہے بندے کے فعل کے ساتھ نہیں جیسا کہ تو نے اس کو جان لیا پس یہ نفل کے معنی میں نہیں۔

الْحُكْمُ مِنْ كَرَاهَةِ نَفْلٍ وَ وَاجِبٍ لِغَيْرِهِ لَا فَرْضٍ وَ وَاجِبٍ لِعَيْنِهِ (بَعْدَ طُلُوعِ فَجْرٍ سِوَى سُنَّتِهِ لِشُغْلِ الْوَقْتِ بِهِ تَقْدِيرًا حَتَّى لَوْ نَوَى تَطَوُّعًا كَانَ سُنَّةَ الْفَجْرِ بِلَا تَعْيِينٍ (وَقَبْلَ) صَلَاةِ (مَغْرِبٍ)

نفل کی کراہت۔ اور واجب لغیرہ کی کراہت کا حکم ہے۔ فرض اور واجب لعینہ کا نہیں فجر کے طلوع ہونے کے بعد سوائے فجر کی سنتوں کے۔ کیونکہ اس کے ساتھ وقت تقدیراً مشغول ہے حتیٰ کہ اگر نفل کی نیت کی تو وہ بلا تعیین فجر کی سنت ہوگی۔ اور مغرب کی نماز سے پہلے

3320۔ (قولہ: لِشُغْلِ الْوَقْتِ بِهِ) یعنی فجر کی نماز کے ساتھ مشغول ہونے کی وجہ سے۔ عبارت میں استخدام ہے ''طحطاوی''۔ یعنی فجر سے مراد زمانہ ہے نماز نہیں۔

پھر یہ (و کرہ) کے قول کی علت ہے۔ اس میں اس اعتراض کا جواب ہے جو وارد کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول کی وجہ سے کہ عصر کے بعد نماز نہیں حتیٰ کہ سورج غروب ہو جائے (1) اور فجر کے بعد نماز نہیں حتیٰ کہ سورج طلوع ہو جائے۔ اس حدیث کو شیخین نے روایت کیا ہے۔ یہ نفل وغیرہ کو شامل ہے۔

اور اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں نہی وقت میں نقصان کے لیے نہیں بلکہ اس لیے کہ وقت، فرض کے ساتھ مشغول کی طرح ہو جائے۔ پس نفل اور جو ان کے ساتھ لاحق ہیں جائز نہیں، جن کا وجوب کسی عارض کی وجہ سے ثابت ہے اس کے بعد کہ پہلے وہ نفل تھے۔ سوائے فرائض کے اور جو ان کے معنی میں ہیں۔ بخلاف اوقات ثلاثہ کی نہی کے۔ کیونکہ وہ وقت میں ایک معنی کے لیے ہے۔ وہ اس کا شیطان کی طرف منسوب ہونا ہے۔ پس فرائض و نوافل میں مؤثر ہوگی۔ اس کی مکمل بحث ''شروح الہدایہ'' میں ہے۔

3321۔ (قولہ: حَتَّى لَوْ نَوَى الخ) جو تعلیل میں سے ذکر کیا تھا اس پر تفریع ہے جب مقصود تقدیراً وقت کا فرض کے ساتھ مشغول ہونا ہے اور اس کی سنتیں فرض کے تابع ہیں جب اس نے نفل پڑھے تو اس کے نفل سنت کی طرف پھر جائیں گے تاکہ منہی عنہ کو ادا کرنے والا نہ ہو۔ (تامل)

3322۔ (قولہ: بِلَا تَعْيِينٍ) کیونکہ صحیح معتمد سنن مؤکدہ میں تعیین کی شرط نہیں ہے یہ نفل کی نیت سے اور مطلق نیت کے ساتھ صحیح ہوتی ہیں۔ پس اگر رات کے بقا کے گمان سے دو رکعتیں تہجد کی پڑھیں پھر ظاہر ہوا کہ یہ دونوں فجر کے بعد ہوئی ہیں تو صحیح قول پر سنت کی طرف سے ہوں گی۔ پس کراہت کی وجہ سے اس کے بعد انہیں ادا نہیں کرے گا۔ ''اشباہ''۔

3323۔ (قولہ: وَقَبْلَ صَلَاةِ مَغْرِبٍ) اس پر اکثر اہل علم کا نظریہ ہے۔ ان میں سے ہمارے اصحاب، امام مالک اور ایک وجہ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے۔ کیونکہ صحیحین میں ثابت ہے جو اس بات کو مفید ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورج کے غروب ہونے کے بعد اپنے اصحاب کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھتے تھے (2) نیز حضرت ابن عمر کا قول ہے: میں نے رسول اللہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین و قصرھا، باب اوقات التی نہی عن الصلوۃ فیھا، جلد 1، صفحہ 790، حدیث نمبر 1418

2۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب بیان ان اول وقت المغرب عند غروب الشمس، جلد 1، صفحہ 640، حدیث نمبر 1056

لِكَرَاهَةِ تَاخِيْرِهِ اِلَّا يَسِيْرًا (وَعِنْدَ خُرُوْجِ اِمَامٍ) مِنَ الْحُجْرَةِ
اسکی تاخیر کی کراہت کی وجہ سے مگر تھوڑی سی تاخیر میں کراہت نہیں اور یہ سب چیزیں مکروہ ہیں امام کے حجرہ سے نکلنے کے وقت

صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کسی کو مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے نہیں دیکھا۔ اس حدیث کو "ابوداؤد" نے روایت کیا ہے اور اس سے خاموش رہے ہیں۔ اور اس حدیث کو "المنذری" نے اپنی "مختصر" میں روایت کیا ہے کہ "ابراہیم النخعی" سے مغرب سے پہلے نماز کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: انہوں نے اس سے منع کیا۔ اور فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما مغرب سے پہلے نوافل نہیں پڑھتے تھے (1)۔ قاضی "ابوبکر بن العربی" نے فرمایا: اس کے متعلق صحابہ کرام کا اختلاف ہے ان کے بعد کسی نے یہ نفل نہیں پڑھے۔ پس یہ اس کے معارض ہے جو صحابہ کرام کے فعل سے مروی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان نوافل کا حکم دینا مروی ہے۔ کیونکہ جب مرفوع حدیث کی وجہ سے عمل کے ترک پر لوگوں کا اتفاق ہو گیا تو اس کے ساتھ عمل جائز نہیں۔ کیونکہ یہ اس کے ضعف کی دلیل ہے جیسا کہ اپنے مقام پر یہ معروف ہے۔ اگر یہ صحابہ میں مشہور ہوتے تو حضرت ابن عمر پر مخفی نہ ہوتے یا اس کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ مغرب کی نماز کی تعجیل کے امر سے پہلے تھا۔ اس کی مکمل بحث دونوں "شرح المنية" وغیرہما میں ہے۔

3324۔ (قولہ: لِكَرَاهَةِ تَاخِيْرِهِ) بہتر تاخیر ہے یعنی نماز کی تاخیر کی کراہت کی وجہ سے اور (الا یسیرا) کا قول یہ فائدہ دیتا ہے کہ دو رکعت سے کم جلسہ کی مقدار تاخیر جائز ہے۔ اور ہم نے (مقولہ 3266 میں) پہلے پیش کیا ہے کہ اس پر زائد تاخیر مکروہ تنزیہی ہے جب تک ستارے کثیر نہ ہو جائیں۔ "الفتح" میں یہ ذکر کیا ہے...... اور "الحلبہ" میں اور "البحر" میں اس کو ثابت کیا ہے...... کہ دو رکعت نماز میں جب تخفیف کی جائے تو یسیر (تھوڑے) پر زائد نہ ہوگا پس ان دو رکعتوں کا پڑھنا مباح ہوگا۔ باب الوتر والنوافل میں "الفتح" میں اس کی تحقیق میں طویل بحث کی ہے۔

نوٹ: فوت شدہ نماز، نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت اس وقت میں بلا کراہت جائز ہے۔ پہلے مغرب کی نماز پڑھی جائے گی پھر نماز جنازہ پڑھی جائے گی پھر سنتیں ادا کی جائیں گی۔ شاید یہ افضلیت کے بیان کے لیے ہے۔ اور "الحلبہ" میں ہے: جمعہ کی سنن سے جنازہ کی نماز کی تاخیر پر فتویٰ ہے۔ اس بنا پر مغرب کی سنت سے اس کو مؤخر کیا جائے گا کیونکہ یہ زیادہ مؤکد ہے۔ "بحر"۔

"الحاوی القدسی" میں نذر مانی ہوئی نماز اور جس کو توڑ دیا اس کی قضا اور صاحب ترتیب کے علاوہ کے لیے فوت شدہ کی قضا کی تصریح ہے۔ یہ عمدہ قید ہے۔

طواف کی دو رکعتیں باقی رہ گئیں۔ پس یہ مکروہ ہیں جیسا کہ "الحلبہ" وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔ اور المصنف کے کلام سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے۔ کیونکہ (وقیل صلاۃ المغرب) کا قول بعد طلوع فجر کے قول پر معطوف ہے۔ پس دوسرے میں وہ تمام مکروہ ہیں جو پہلے میں مکروہ ہیں۔ ہاں "شرح اللباب" میں تصریح کی ہے کہ اگر عصر کی نماز کے بعد طواف کرے تو مغرب کی سنتوں سے پہلے دو رکعت نماز پڑھے جیسے جنازہ۔

3325۔ (قولہ: وَعِنْدَ خُرُوْجِ اِمَامٍ) کیونکہ "بخاری" و "مسلم" وغیرہما کی حدیث ہے: جب تو اپنے ساتھی کو کہے گا

1۔ کتاب الآثار، مایعاد من الصلوۃ وما یکرہ منہا، جلد 1، صفحہ 374، حدیث نمبر 145

اَوْ قِيَامِهٖ لِلصُّعُوْدِ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ حُجْرَةٌ لِخُطْبَةٍ) مَا وَ سَيَجِيْئُ اَنَّهَا عَشْرٌ (اِلٰى تَمَامِ صَلَاتِهٖ بِخِلَافِ فَائِتَةٍ) فَاِنَّهَا لَا تُكْرَهُ وَ قَيَّدَهَا الْمُصَنِّفُ فِي الْجُمُعَةِ
یا منبر پر چڑھنے کیلئے قیام کے وقت اگر اس کا حجرہ نہ ہو کسی خطبہ کے لیے۔ یہ آگے آئے گا کہ خطبات دس ہیں۔ اسکی نماز کے مکمل ہونے تک بخلاف فوت شدہ نماز کے کیونکہ فوت شدہ نماز اس وقت مکروہ نہیں، المصنف نے باب جمعہ میں اس کو مقید کیا ہے

خاموش ہو جا جب کہ امام خطبہ دے رہا ہو تو تو نے لغو بات کی (1)۔ جب امر بالمعروف سے منع کیا حالانکہ وہ فرض ہے تو نفل کے بارے میں تیرا کیا گمان ہے۔ یہ اہل علم میں سے جمہور کا قول ہے جیسا کہ ''ابن بطال'' نے یہ کہا ہے۔ ان میں سے ہمارے اصحاب اور امام مالک ہیں۔ ''ابن ابی شیبہ'' نے حضرت عمر، عثمان، علی، ابن عباس وغیرہم رضی اللہ عنہم تابعین سے یہ ذکر کیا ہے۔ پس جو روایت کیا گیا ہے وہ تحریم سے پہلے جواز پر دلالت کرتا ہے۔ پس یہ ''منع'' کی ادلہ کے معارض نہیں اور تمام دلائل ''المنیہ'' کی دونوں شروح وغیرہما میں ہیں۔ پھر یہ ماقبل پر معطوف ہے۔ پس اس میں وہ مکروہ ہے جو اس میں مکروہ ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔

3326۔ (قولہ: لِخُطْبَةٍ مَا) خطبہ کی تعمیم کے لیے ما کو لائے اور یہ اس صورت کو شامل ہے جب خطبہ سے پہلے ہو اور بعد میں ہو خواہ خطیب خطبہ سے رکا ہوا ہو یا نہیں۔ ''بحر''۔

مشروع خطبات

3327۔ (قولہ: وَ سَيَجِيْئُ اَنَّهَا عَشْرٌ) باب العیدین میں (مقولہ 7039 میں) ہے یہ جمعہ، فطر، اضحیٰ کا خطبہ ہے اور تین خطبے حج کے ہیں۔ ختم قرآن کا خطبہ ہے، نکاح، استسقا اور کسوف کا خطبہ ہے۔ مراد تمام مشروع خطبات کی تعداد ہے ورنہ کسوف کا خطبہ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کا خطبہ ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز کسوف میں تفصیل کی کراہت نہیں ہے۔ کیونکہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی مشروعیت نہیں ہے۔ ''الحلبہ'' میں اس کی تصریح ہے۔ اسی طرح استسقاء کا خطبہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کا مذہب ہے۔ اس میں بھی اسی طرح کہا جائے گا۔ کبھی ''القہستانی'' میں جو مذکور ہے اس کے ساتھ جواب دیا جاتا ہے جہاں انہوں نے امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے کسوف کے خطبہ کی مشروعیت کی روایت نقل کی ہے۔ شاید جنہوں نے اس کا ذکر کیا جیسے ''الخانیہ'' وغیرہ، وہ اس روایت کی طرف مائل ہوئے۔ پس ہمارے نزدیک خطبات کا دس ہونا صحیح ہے اور مخفی نہیں کہ (خروج امام من الحجرۃ و قیامہ للصلوٰۃ) قید ہے اس صورت کی جو اس کے مناسب ہے اور وہ نکاح اور ختم قرآن کے خطبہ کے علاوہ ہے۔

اور تمام میں کراہت کی علت اس میں واجب استماع کا فوت کرنا ہے جیسا کہ ''المجتبیٰ'' میں اس کی تصریح کی ہے۔

3328۔ (قولہ: قَيَّدَهَا) یعنی فوت شدہ کو مقید کیا جو خطبہ کی حالت میں مکروہ نہیں ہے۔ ''طحطاوی''۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، باب الانصات یوم الجمعۃ والامام یخطب، جلد 1، صفحہ 428، حدیث نمبر 8082

بِوَاجِبَةِ التَّرْتِيبِ وَإِلَّا فَيُكْرَهُ وَبِهِ يَحْصُلُ التَّوْفِيقُ بَيْنَ كَلَامَيِ النِّهَايَةِ وَ الصَّدْرِ (وَكَذَا يُكْرَهُ تَطَوُّعٌ عِنْدَ إِقَامَةِ صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ) أَيْ إِقَامَةِ إِمَامِ مَذْهَبِهِ

ترتیب کے وجوب کے ساتھ ورنہ مکروہ ہے پس اس سے ''النہایہ'' اور ''الصدر'' کے کلاموں میں توفیق حاصل ہوتی ہے۔ اور اسی طرح فرض نماز کی اقامت کے وقت نفل مکروہ ہیں۔ یعنی اپنے مذہب کے امام کی اقامت کے وقت۔

3329۔ (قولہ: بَيْنَ كَلَامَيِ النِّهَايَةِ وَ الصَّدْرِ) کیونکہ ''صدر الشریعہ'' نے فرمایا: فوت شدہ مکروہ ہے۔ اور صاحب ''النہایہ'' نے فرمایا: مکروہ نہیں ہے جیسا کہ ''شرح المصنف'' میں ہے، ''حلبی''۔

3330۔ (قولہ: عِنْدَ إِقَامَةِ صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ) اس کو مطلق بیان کیا ہے حالانکہ ''الخانیہ'' اور ''الخلاصہ'' میں اس کو جمعہ کے دن کے ساتھ مقید کیا ہے۔ اور ''الفتح'' وغیرہ شراح نے اس کو ثابت کیا ہے۔ اور ''شرح المنیہ'' میں ان کی متابعت کی ہے۔ اور فرمایا: رہا غیر جمعہ میں تو اقامت شروع ہونے کے ساتھ مکروہ نہیں جب تک امام نماز میں شروع نہ ہو۔ اور وہ جان لے کہ وہ اسے پہلی رکعت میں پالے گا اور وہ بلا حائل صف سے ملا ہوا نہ ہو۔ فرق یہ ہے کہ جمعہ میں کثرت اجتماع ہوتا ہے۔ صف سے مخالطت کے بغیر غالباً یہ ممکن نہیں ہوتا۔ ملخصاً مزید باب ادراک الفریضہ میں (مقولہ 5994 میں) آئے گا۔

3331۔ (قولہ: أَيْ إِقَامَةِ إِمَامِ مَذْهَبِهِ) الشارح نے ''الخزائن'' کے حاشیہ میں فرمایا: اس پر مولانا منلا علی شیخ القراء بالمسجد الحرام نے لباب المناسک پر اپنی شرح میں اس پر نص قائم کی ہے۔

جماعت کا تکرار اور مخالف کی اقتدا

یہ اس پر مبنی ہے کہ ایک مسجد میں جماعت کا تکرار مکروہ نہیں۔ اور باب اذان میں اور اسی طرح باب الامامہ میں اس کے مخالف ذکر کریں گے۔ علما کی ایک جماعت نے حرمین شریفین وغیرہما میں جوائمہ اور جماعت کی تعداد سے کیا جاتا ہے اس کی کراہت میں رسائل لکھے ہیں۔ اور تصریح کی ہے کہ پہلے امام کے ساتھ نماز افضل ہے۔ ان علما میں سے ایک ''صاحب المنسک'' ہیں جو العلامہ ''الشیخ السندی'' رحمۃ اللہ علیہ سے مشہور ہیں اور وہ ''ابن الہمام'' المحقق کے شاگرد رشید ہیں۔ ان سے ''الخیر الرملی'' نے باب الامامۃ میں نقل کیا ہے کہ ہمارے بعض مشائخ نے 551ھ میں اس کا انکار کیا۔ ان میں ''شریف الغزنوی'' بھی ہیں۔ اور بعض مالکی علما نے 550ھ میں مذاہب اربعہ پر اس کے منع کا فتویٰ دیا تھا۔ اور علماء المذہب کی ایک جماعت سے بھی اس کا انکار نقل کیا ہے۔ لیکن علامہ الشیخ ''البیری'' شارح ''الاشباہ'' نے ایک رسالہ مرتب کیا جس کا نام ''الاقوال المرضیۃ'' رکھا۔ اس میں تکرار جماعت کا جواز اور مخالف کی اقتدا کی کراہت کو ثابت کیا ہے۔ کیونکہ...... اگر وہ اختلاف کی جگہ کی رعایت بھی کرے...... وہ ترک نہیں کرے گا اسے جس کے ترک سے اس کے مذہب کا مکروہ لازم آتا ہے جیسے بسم اللہ اور آمین جہراً کہنا رفع یدین کرنا، استراحت کا جلسہ اور پہلے قعدہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا اور دوسرے سلام کو اس کا سنت سمجھنا وغیرہ جن میں ہمارے نزدیک اعادہ واجب ہوتا ہے یا مستحب ہوتا ہے۔ اور اسی طرح علامہ شیخ ''علی القاری'' نے

لِحَدِيثِ (إذَا أُقِيمَتْ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إلَّا الْمَكْتُوبَةُ) (إلَّا سُنَّةَ فَجْرٍ إنْ لَمْ يَخَفْ فَوْتَ جَمَاعَتِهَا) وَلَوْ بِإِدْرَاكِ تَشَهُّدِهَا، فَإِنْ خَافَ تَرَكَهَا أَصْلًا، وَمَا ذُكِرَ مِنْ الْحِيَلِ مَرْدُودٌ،

کیونکہ حدیث شریف ہے: جب نماز کی اقامت کہی جائے تو سوائے فرض نماز کے کوئی نماز نہیں (1) سوائے فجر کی سنتوں کے اگر اس کی جماعت فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو اگرچہ فرض کے تشہد کو پانے کے ساتھ ہو۔ اگر اسے جماعت کے فوت ہونے کا خوف ہو تو سنتوں کو بالکل ترک کر دے۔ اور سنتوں کے بارے میں جو حیلے مذکور ہیں وہ مردود ہیں۔

رسالہ لکھا ہے جس کا نام ''الاهتداء بالاقتداء'' رکھا ہے اس میں جواز ثابت کیا ہے۔ لیکن اس میں مخالف کی اقتدا کی کراہت کی نفی کی ہے جب وہ شروط اور ارکان میں صرف رعایت رکھے۔ اس پر مکمل بحث ان شاء اللہ (مقولہ 4766 میں) باب الامامہ میں آئے گی۔

3332۔ (قولہ: لِحَدِيثِ) اس کو ''مسلم'' وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ امام ''الطحطاوی'' نے فرمایا: اس کے عموم سے فوت شدہ جس کی ترتیب واجب ہے وہ مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ وہ اقامت کے باوجود پڑھی جاتی ہے۔

سنت فجر کے احکام

3333۔ (قولہ: إلَّا سُنَّةَ فَجْرٍ) کیونکہ ''الطحاوی'' وغیرہ نے حضرت ''ابن مسعود'' سے روایت کیا ہے کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے اور نماز کی تکبیر ہوگئی انہوں نے ستون کی طرف رخ کر کے مسجد میں فجر کی دو سنتیں ادا فرمائیں۔ اور یہ حضرات حذیفہ، ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں ہوا۔ اس کی مثل حضرات عمر، ابو الدردا، ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اسی طرح الحافظ ''الطحاوی'' نے ''شرح الآثار'' میں اس کی سند بیان کی ہے اور اس کی مثل الحسن، مسروق اور الشعبی سے مروی ہے۔ ''شرح المنیہ''۔

3334۔ (قولہ: وَلَوْ بِإِدْرَاكِ تَشَهُّدِهَا) ''البحر'' کی تبع میں جس پر ''المصنف'' اور ''الشرنبلالی'' نے اعتماد کیا ہے اس پر اس میں شارح چلے ہیں۔ لیکن ''النہر'' میں اس کو ضعیف کہا ہے اور ظاہر المذہب کو پسند کیا ہے کہ وہ سنت ادا نہ کرے مگر جب اسے ایک رکعت پانے کا علم ہو۔ مزید باب ادراک الفریضہ میں آئے گا۔ ''حلبی''۔

میں کہتا ہوں: ہم (مقولہ 5983 میں) وہاں ''ابن الہمام'' وغیرہ سے مصنف نے روایت کر کے جس پر اعتماد کیا ہے اس کی تقویت کو ذکر کریں گے۔

3335۔ (قولہ: تَرَكَهَا أَصْلًا) یعنی سنتوں کو نہ طلوع سے پہلے اور نہ طلوع کے بعد قضا کرے۔ کیونکہ سنتیں قضا نہیں کی جاتیں مگر فرض کے ساتھ جب فرض فوت ہو جائیں اور اسی دن زوال سے پہلے قضا کیے جائیں۔ ''حلبی''۔

3336۔ (قولہ: وَمَا ذُكِرَ مِنْ الْحِيَلِ) وہ یہ حیلے ہیں کہ سنتوں کو شروع کرے پھر اسے طلوع سے پہلے توڑ دے یا انہیں شروع کرے پھر انہیں توڑے بغیر فرض میں شروع ہو جائے پھر انہیں طلوع سے پہلے قضا کرے، اس کا رد دو طرح سے ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب صلوۃ المسافرین و قصرھا، باب کراھۃ الشروع فی نافلۃ بعد شروع المؤذن، جلد 1، صفحہ 705، حدیث نمبر 1210،
سنن نسائی، کتاب الصلوۃ، باب ما یکرہ من الصلوۃ الخ، جلد 1، صفحہ 328، حدیث نمبر 855

وَكَذَا يُكْرَهُ غَيْرُ الْمَكْتُوبَةِ عِنْدَ ضِيقِ الْوَقْتِ (وَقَبْلَ صَلَاةِ الْعِيدَيْنِ مُطْلَقًا، وَبَعْدَهَا بِمَسْجِدٍ لَا بِبَيْتٍ) فِي الْأَصَحِّ (وَبَيْنَ صَلَاتَيِ الْجَمْعِ بِعَرَفَةَ وَمُزْدَلِفَةَ) وَكَذَا بَعْدَهُمَا كَمَا مَرَّ (وَعِنْدَ مُدَافَعَةِ الْأَخْبَثَيْنِ) أَوْ أَحَدِهِمَا أَوْ الرِّيحِ

اور اسی طرح وقت کے تنگ ہونے کے وقت، عیدین کی نماز سے پہلے مطلقاً اور عیدین کی نماز کے بعد مسجد میں نہ کہ گھر میں۔ اصح قول میں۔ اور عرفہ اور مزدلفہ میں دو نمازوں کو جمع کرنے کے درمیان۔ اور اسی طرح ان کے بعد جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور بول و براز کو روکنے کے وقت، یا ان میں سے کسی ایک کو روکنے کے وقت، یا ہوا کے روکنے کے وقت

پہلا یہ کہ توڑنے کے لیے شروع کرنے کا معاملہ شرعاً قبیح ہے اور ان میں سے ہر صورت میں نماز کو توڑنا ہے۔

دوسرا یہ کہ اس میں فجر کے وقت میں واجب لغیرہ کا فعل ہے اور وہ مکروہ ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ''حلبی''۔

3337۔(قولہ: وَكَذَا يُكْرَهُ غَيْرُ الْمَكْتُوبَةِ) اس میں (ال) عہدی ہے یعنی وقتی فرض۔ پس کراہت، نفل، واجب اور فوت شدہ کو شامل ہے اگرچہ اس کے اور وقتی کے درمیان ترتیب ہو۔ اسی طرح الوقت میں (ال) عہد کے لیے ہے یعنی وہ وقت معہود جو کامل ہے اور وہ مستحب وقت ہے۔ کیونکہ باب قضاء الفوائت میں (مقولہ 6053 میں) آئے گا کہ مستحب وقت کی تنگی کے ساتھ ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔ اگر شارح یہ کہتے: اسی طرح غیر وقتی نماز مستحب وقت کے تنگ ہونے کے وقت مکروہ ہے تو بہتر ہوتا۔ یہ فائدہ ''الحلبی'' نے ذکر کیا ہے۔

نوٹ: میں نے ''الخزائن'' کے حاشیہ میں شارح کے خط سے دیکھا کہ اگر وقت میں وسعت گمان کرتے ہوئے نفل شروع کیے پھر ظاہر ہوا کہ اگر اس نے دو رکعت مکمل کیں تو فرض فوت ہو جائیں گے تو وہ نہ توڑے جیسا کہ اگر نفل شروع کرے پھر خطیب نکل آئے۔ اسی طرح ''شرح المنیہ'' کے آخر میں ہے۔

3338۔(قولہ: مُطْلَقًا) خواہ مسجد میں ہو یا گھر میں ہو اس کے مقابل میں تفصیل کے قرینہ کے ساتھ۔ ''حلبی''۔

3339۔(قولہ: فِي الْأَصَحِّ) یہ اس کا رد ہے جو یہ کہتا ہے: گھر میں مکروہ نہیں خواہ عید سے پہلے ہو یا عید کے بعد ہو۔ اور اس کا رد ہے جو کہتا ہے کہ اس کے بعد مطلقاً مکروہ نہیں خواہ مسجد میں ہو یا گھر میں ہو۔ ''حلبی''۔

3340۔(قولہ: وَبَيْنَ صَلَاتَيِ الْجَمْعِ) عرفہ میں ظہر اور عصر کو تقدیماً جمع کرنا اور مزدلفہ میں مغرب اور عشا کو تاخیراً جمع کرنا ہے۔

3341۔(قولہ: وَكَذَا بَعْدَهُمَا) تثنیہ کی ضمیر کا مرجع دونوں نمازوں کو جمع کرنا ہے جو عرفہ میں ہیں نہ کہ مزدلفہ کی دو نمازوں کو جمع کرنا ہے اگرچہ شارح کا کلام مزدلفہ میں دونوں نمازوں کو جمع کرنے کے بعد نفل کی عدم کراہت کا وہم دلاتا ہے۔ اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ (ولو المجموعة بعرفة) کے تحت جو قول گزرا ہے اس سے یہی مراد ہے۔ پس اگر (و مزدلفة) کے قول پر و كذا بعدهما كما مر کو مقدم کرتے تو اس ابہام سے عبارت سلامت ہوتی۔ اور اگر اس کو اصلاً ساقط کر دیتے تو تکرار سے سلامت رہتے۔ ''حلبی''۔ ''الرحمتی'' نے جو ذکر کیا ہے وہ ہمارے نزدیک مزدلفہ میں مغرب وعشاء کی نمازوں کے

(وَوَقْتَ حُضُورِ طَعَامٍ تَاقَتْ نَفْسُهُ إِلَيْهِ، وَ) كَذَا كُلُّ (مَا يَشْغَلُ بَالَهُ عَنْ أَفْعَالِهَا وَيُخِلُّ بِخُشُوعِهَا) كَائِنًا مَا كَانَ فَهَذِهِ نَيِّفٌ وَثَلَاثُونَ وَقْتًا

اور کھانا حاضر ہونے کے وقت جس کی طرف نفس اشتیاق کر رہا ہو۔ اور اسی طرح ہر وہ چیز جس کے ہوتے ہوئے دل نماز سے غافل ہو اور خشوع میں مخل ہو خواہ کوئی چیز بھی ہو نوافل پڑھنا مکروہ ہے۔ اور یہ تیس سے زائد اوقات ہیں۔

بعد نفل پڑھنے کی کراہت میں اختلاف کے ثبوت کو مفید ہے۔ لیکن ''شرح اللباب'' میں جس پر جزم کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ مغرب اور عشاء کے بعد مغرب اور عشاء کی سنتیں پڑھے اور وتر پڑھے۔ اور فرمایا: جیسا کہ اس کی مولانا ''عبدالرحمٰن'' جامی نے اپنی ''منسک'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ (تامل)

3342۔ (قولہ: تَاقَتْ نَفْسُهُ إِلَيْهِ) یعنی نفس اشتیاق کرے۔ ''حلبی'' عن ''القاموس''۔

اس سے یہ سمجھا کہ جب کھانے کی طرف اشتیاق نہ ہو تو کوئی کراہت نہیں اور یہی ظاہر ہے۔ ''طحطاوی''۔

3343۔ (قولہ: مَا يَشْغَلُ بَالَهُ) غین معجمہ کے فتحہ کے ساتھ۔ البال سے مراد دل ہے۔ یہ خاص پر عام کا عطف ہے کیونکہ مدافعۃ الاخبثین اور حضور طعام میں یہ شامل ہے ان دونوں پر نص قائم فرمائی۔ کیونکہ احادیث میں ان کی خصوصیت کے ساتھ تنصیص ہے۔ یہ ''الحلبہ'' میں فائدہ ذکر کیا ہے۔ (فافہم)

3344۔ (قولہ: وَيُخِلُّ بِخُشُوعِهَا) یہ ملزوم پر عطف لازم ہے۔ (فافہم)

امام ''طحطاوی'' نے فرمایا: خشوع کا محل دل ہے اور وہ اہل اللہ کے نزدیک فرض ہے۔ اور حدیث میں وارد ہے کہ انسان کے لیے نماز میں سے نہیں ہے مگر اتنی مقدار جتنا کہ وہ اس میں حاضر تھا کبھی اس کے لیے اس کا دسواں حصہ ہوتا ہے اور کبھی اس سے کم یا زیادہ۔

کائنا ما کان کا اعراب

3345۔ (قولہ: كَائِنًا مَا كَانَ) اس ترکیب میں کئی اعراب ہیں جن کو میں نے اپنے رسالہ ''الفوائد العجیبۃ فی اعراب الکلمات الغریبۃ'' میں ذکر کیا ہے۔ اظہر اعراب یہ ہے کہ کائناً، کان ناقصہ کا مصدر ہے۔ یہ حال ہے اور اس میں ضمیر الشاغل کی طرف لوٹ رہی ہے وہ اس کا اسم ہے اور ما اس کی خبر ہے یہ نکرہ موصوفہ ہے اس کی صفت کان تامہ ہے۔ یعنی اس حال میں کہ شاغل ایک شے ہو جو وجود کی صفت سے متصف ہو۔ مطلب یہ ہے کہ مشغول کرنے والی چیز پر کراہت کو معلق کرنا ہے جو بھی پائی جائے یہ وجود کی قید پر زائد قید پر کراہت معلق نہیں۔

3346۔ (قولہ: فَهَذِهِ نَيِّفٌ وَثَلَاثُونَ وَقْتًا) النیف نون کے فتحہ اور یا مشددہ کے کسرہ کے ساتھ ہے کبھی یا کی تخفیف کے ساتھ ہوتا ہے اور اس کے آخر میں فا ہے۔ جو ایک عقد سے دوسری عقد تک زائد اکائیاں ہوتی ہیں اس پر بولا جاتا ہے۔ جس طرح ''القاموس'' میں ہے۔ یہاں ظاہر صورت میں تینتیس اوقات مراد ہیں اور وہ یہ ہیں: شروق، استواء، غروب،

كَذَا تُكْرَهُ فِي أَمَاكِنَ كَفَوْقِ كَعْبَةٍ
اسی طرح کئی مقامات میں نماز مکروہ ہے جیسے کعبہ کے اوپر،

فجر یا عصر کے بعد، فجر کی نماز سے پہلے، یا مغرب سے پہلے، دس خطبوں کے وقت، فرضی نماز کی اقامت کے وقت، نماز کے وقت کی تنگی کے وقت، عید الفطر کی نماز سے پہلے، مسجد میں عید الفطر کے بعد، عید الاضحیٰ سے پہلے، مسجد میں عید الاضحیٰ کے بعد، عرفہ میں دونوں نمازوں کے جمع کرنے کے درمیان، اور ان نمازوں کے بعد، مزدلفہ میں جمع کے درمیان، بول و براز کی مدافعت کے وقت، یا ان میں سے کسی ایک کی مدافعت کے وقت، ہوا کی مدافعت کے وقت، ایسے کھانے کے وقت جس کا نفس مشتاق ہو، ہر اس چیز کے موجود ہونے کے وقت جس سے دل مشغول ہو، عشاء کی ادائیگی کے لیے نصف رات کے بعد، اس کے علاوہ نہیں اور ستاروں کی کثرت کے وقت مغرب کی ادائیگی کے لیے۔

جان لو کہ ہم نے پہلے (مقولہ 3320 میں) بیان کیا ہے پہلے تین اوقات میں نہی وقت کے اعتبار سے ہے۔ اسی وجہ سے فرض اور نفل میں مؤثر ہے اور باقی اوقات میں کسی دوسرے اعتبار سے ہے اسی وجہ سے وہ نوافل میں مؤثر ہے۔ فرائض اور جو اس کے ہم معنی ہیں ان میں مؤثر نہیں۔ ''العنایہ'' وغیرہا میں اس کی تصریح کی ہے۔ لیکن باقی اوقات میں نوافل میں نہی کا موثر ہونا اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب وقت کی نماز کے خصوص کے ساتھ تعلق نہ ہو جیسا کہ آخری دو صورتوں میں ہے۔ کیونکہ ان میں مکروہ صرف وقتی نماز ہے اس کے علاوہ نہیں۔ کیونکہ عشاء کی نماز کو نصف رات تک موخر کرنے میں جماعت کی تقلیل ہے اور مغرب کی تاخیر ستاروں کی کثرت تک میں یہود سے تشبہ ہے جیسا کہ فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے۔ یہ ان دونوں نمازوں کے ساتھ خاص ہے اور ہم نے پہلے (مقولہ 3288 میں) پیش کیا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ فی نفسہ وقت میں کراہت نہیں ہے اور زیادہ مناسب۔۔۔۔ جیسا کہ اس کو ''الحلبہ'' کی تبع میں ''البحر'' میں ثابت کیا ہے۔۔۔۔ تاخیر اور ادا میں سے ہر ایک میں کراہت کا ہونا ہے صرف تاخیر میں نہیں۔ (فافہم)

وہ مقامات جہاں نماز مکروہ ہے

3347۔ (قولہ: كَذَا تُكْرَهُ الخ) جب زمانے میں کراہت ذکر کی تو استطراداً مکان میں کراہت کا ذکر کیا ورنہ اس کا محل مکروہات الصلوٰۃ ہے۔

3348۔ (قولہ: كَفَوْقِ كَعْبَةٍ) کیونکہ کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنے میں مامور تعظیم کا ترک لازم آتا ہے اور (وفی طریق) کا قول چونکہ اس میں لوگوں کو گزرنے سے روکنا ہے اور ایسی چیز کے ساتھ مشغول ہونا ہے جو اس کے لیے نہیں ہے نیز یہ گزرنے کے لیے عام لوگوں کا حق ہے اور اس وجہ سے کہ ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سات مقامات پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا(1) کوڑا کرکٹ جمع ہونے کی جگہ میں، جہاں قصاب جانور ذبح کرتے ہیں، مقبرہ

1۔ سنن ترمذی، کتاب الصلوۃ، باب ماجاء فی کراھیۃ مایصلی الیہ، جلد 1، صفحہ 232، حدیث نمبر 316

سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، باب المواضع التی تکرہ فیھا الصلوۃ، جلد 1، صفحہ 246، حدیث نمبر 737

وَفِي طَرِيقٍ وَمَزْبَلَةٍ وَمَجْزَرَةٍ وَمَقْبَرَةٍ وَمُغْتَسَلٍ وَحَمَّامٍ
راستہ میں، کوڑا کرکٹ جمع ہونے کی جگہ میں، ذبح خانہ، قبرستان میں، غسل خانہ میں، حمام میں،

میں اور راستہ میں اور حمام میں اور اونٹوں کے باڑے میں اور بیت اللہ کی چھت کے اوپر۔

معاطن الابل سے مراد اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ یہ معطن کی جمع ہے اسم مکان ہے۔ المزبلة میم اور با کے فتحہ کے ساتھ اور با کے ضمہ کے ساتھ کوڑا کرکٹ جمع کرنے کی جگہ۔ المجزرة میم اور زا کے فتحہ کے ساتھ اور زا ضمہ کے ساتھ۔ موضوع الجزارة یعنی قصاب کا فعل۔ ''امداد''۔

3349۔(قوله: وَمَقْبَرَةٍ) با کی تینوں حرکتوں کے ساتھ۔ اور اس کی علت میں اختلاف ہے بعض نے فرمایا: اس لیے کہ قبرستان میں مردوں کی ہڈیاں اور ان کی پیپ ہوتی ہے اور وہ نجس ہے۔ اور اس میں نظر ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا: بتوں کی عبادت کی اصل صالحین کی قبور کو مساجد بنانا ہے۔ بعض نے فرمایا: یہود کے ساتھ تشبہ ہے۔ ''الخانیہ'' میں اس پر چلے ہیں۔ اور مقبرہ میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں جب اس میں نماز کے لیے جگہ بنائی گئی ہو اور اس میں قبر اور نجاست نہ ہو جیسا کہ ''الخانیہ'' میں ہے اور اس کا قبلہ قبر کی طرف نہ ہو۔ ''حلبہ''۔

3350۔(قوله: وَمُغْتَسَلٍ) یعنی گھر میں غسل کرنے کی جگہ۔ (تامل)

3351۔(قوله: وَحَمَّامٍ) دو معانی کے لیے۔ ایک یہ کہ غسلات کے گرنے کی جگہ ہے دوسرا یہ کہ یہ شیاطین کا گھر ہے، پہلے قول کی بنا پر جب اس سے کوئی جگہ دھودے تو مکروہ نہیں ہوگا اور دوسرے قول کی بنا پر مکروہ ہوگا۔ حدیث کے اطلاق کی وجہ سے یہی اولیٰ ہے مگر وقت کے فوت ہونے کا خوف ہو تو مکروہ نہ ہوگی۔ ''امداد''۔

لیکن ''الفیض'' میں ہے: مفتی بہ عدم الکراہت ہے۔

رہی حمام سے باہر نماز یعنی غسل کرنے والوں کی بیٹھنے کی جگہ میں تو ''الخانیہ'' میں ہے: اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور ''الحلبہ'' میں ہے: دوسرا معنی کے عتبار سے حمام سے باہر بھی کراہت متفرع ہوتی ہے۔ اور ''الخانیہ'' میں ہے: اگر حمام کو چھوڑ دیا گیا۔ بعض علماء نے فرمایا: پھر بھی جو کچھ اس میں ہوتا ہے اس کی وجہ سے کراہت کی بقا کا احتمال ہے اور اس کے زوال کا بھی احتمال ہے۔ کیونکہ شیطان اس جگہ کو پسند کرتا ہے جس میں شرمگاہ ننگی ہو وغیرہ۔ پہلا قول اشبہ ہے اگر اس تک پانی نہ پہنچا ہو اور استعمال نہ کیا گیا ہو تو عدم کراہت اشبہ ہے۔ کیونکہ یہ الحمیم سے مشتق ہے اور وہ گرم پانی ہے اور وہ اس میں نہیں پایا گیا۔ اس بنا پر اگر کسی نے حمام کی ہیئت میں رہنے کے لیے گھر بنایا تو اس میں نماز مکروہ نہ ہوگی۔

کفار کی عبادت گاہ میں نماز مکروہ ہے

اس تعلیل سے کہ یہ شیطان کا محل ہے کفار کی عبادت گاہوں میں نماز کی کراہت اخذ کی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ شیاطین کی پناہ گاہ ہیں جیسا کہ شوافع نے اس کی تصریح کی ہے۔ اور جو علماء نے ذکر کیا ہے اس سے ہمارے نزدیک اخذ کیا جاتا ہے۔ پس ''البحر''

وَبَطْنِ وَادٍ وَمَعَاطِنِ إِبِلٍ وَغَنَمٍ
وادی کے بطن میں اونٹوں اور بکریوں کے باڑے میں

میں کتاب الدعویٰ میں ''کنز'' کے قول ولا یحلفون فی عباداتھم کے قول کے تحت ہے: ''التاتر خانیہ'' میں ہے: مسلمان کے لیے بیعہ اور کنیسہ میں دخول مکروہ ہے۔ یہ اس لیے مکروہ ہے کیونکہ یہ شیاطین کے جمع ہونے کی جگہیں ہیں اس حیثیت سے نہیں کہ اس کے لیے دخول کا حق نہیں ہے۔ ''البحر'' میں فرمایا: ظاہر یہ ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ فقہاء کے اطلاق سے مکروہ تحریمی ہی مراد ہوتا ہے۔ میں نے اس مسلمان کو تعزیر لگانے کا حکم دیا جو یہود کے ساتھ ہمیشہ کنیسہ میں جاتا ہے۔

جب دخول حرام ہے تو نماز بدرجہ اولیٰ حرام ہوگی۔ اس سے اس کی جہالت ظاہر ہوگی جو نماز کی خاطر ان میں داخل ہوتا ہے۔

3352۔ (قولہ: وَبَطْنِ وَادٍ) زمین کی پست جگہ۔ کیونکہ اکثر طور پر وہ جگہ نجاست پر مشتمل ہوتی ہے سیلاب اس کی طرف نجاست اٹھالاتے ہیں یا اس میں نجاست پھینکی جاتی ہے۔

3353۔ (قولہ: وَمَعَاطِنِ إِبِلٍ وَغَنَمٍ) اسی طرح ''الاحکام'' میں ہے جو الشیخ اسماعیل کی ہے ''الخزانۃ السمر قندیۃ'' کے حوالہ سے۔ پھر ''الملتقط'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ بکریوں کے باڑے میں مکروہ نہیں جب وہ نجاست سے دور ہو اور ''الحلیۃ'' میں ہے: فرمایا: بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھو اور اونٹوں کے باڑوں میں نماز نہ پڑھو (1)۔ اس حدیث کو ''ترمذی'' نے روایت کیا ہے اور فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ''ابوداؤد'' نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اونٹوں کے باڑے میں نماز نہ پڑھو کیونکہ وہ شیاطین سے ہیں (2) اور بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: ان میں نماز پڑھو کیونکہ یہ برکت سے پیدا کی گئی ہیں (3) اس حدیث کو مسلم نے ذکر کیا ہے۔ (مختصراً)

معاطن الابل۔ اونٹوں کا وطن۔ پھر پانی کے اردگرد جو مبرک ہوتا ہے اس پر غالب ہو گیا۔ اور بہتر اطلاق ہے جیسا کہ حدیث کا ظاہر ہے۔ اور مرابض الغنم سے مراد ان کے رات گزارنے کی جگہ ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ اونٹوں کا شیاطین سے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس صفت پر پیدا کیے گئے ہیں، جو فتور اور ایذا میں ان کے مشابہ ہے پس نمازی محفوظ نہیں ہوتا ان کے بدکنے سے اور اس سے کہ وہ اس کی نماز توڑ دیں جیسا کہ بعض شوافع نے کہا ہے یعنی اس کا دل مشغول رہے گا خصوصاً سجدہ کی حالت میں۔ اس وجہ سے بکریاں جدا ہو گئیں اس تعلیل سے ظاہر ہوا کہ اونٹوں کے پاک باڑہ میں کوئی کراہت نہیں جب اونٹ موجود نہ ہوں۔

نوٹ: بعض نے اس تعلیل پر اعتراض کیا ہے کہ یہ شیاطین سے پیدا کیے گئے ہیں اس حدیث سے جو ثابت ہے کہ نبی کریم

1۔ سنن ترمذی، کتاب ابواب الصلوۃ، باب ماجاء فی الصلوۃ مرابض الغنم، جلد 1، صفحہ 233، حدیث نمبر 3176

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب النھی عن الصلوۃ فی مبارك الابل، جلد 1، صفحہ 201، حدیث نمبر 416

3۔ صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب الوضوء من لحوم الابل، جلد 1، صفحہ 409، حدیث نمبر 589

وَبَقَرٍ زَادَ فِي الْكَافِي وَمَرَابِطِ دَوَابَّ وَإِصْطَبْلٍ وَطَاحُونٍ وَكَنِيفٍ وَسُطُوحِهَا وَمَسِيلِ وَادٍ وَأَرْضٍ مَغْصُوبَةٍ أَوْ لِلْغَيْرِ لَوْ مَزْرُوعَةٍ أَوْ مَكْرُوبَةٍ وَصَحْرَاءَ

اور گائے کے باڑے میں۔ اور ''الکافی'' میں یہ زائد ذکر کیا ہے جانوروں کے باندھنے کی جگہ میں، اصطبل میں، چکی کے پاس، لیٹرین اور اس کی چھت پر، وادی میں پانی کی گزرگاہ میں، غصب شدہ زمین میں یا غیر کی زمین میں جو کاشت کی گئی ہو یا جس میں کھیتی باڑی کی گئی ہو اور صحرا میں

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نفلی نماز اونٹ کے اوپر پڑھتے تھے (1) اور بعض نے ایک اونٹ اور بہت سے اونٹوں میں فرق کیا ہے نفرت اور بھاگنے کی طبیعت کی وجہ سے جو دل کی تشویش تک پہنچانے والی ہے بخلاف اونٹ پر نماز کے۔ ''شبراملسی علی شرح المنهاج للرملی''

3354۔ (قولہ: وَبَقَرٍ) میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ احناف میں سے کسی نے اس کا ذکر کیا ہو بعض شوافع نے ذکر کیا ہے کہ گائے، بکری کی طرح ہے بعض نے اس قول کی مخالفت کی ہے۔

3355۔ (قولہ: وَمَرَابِطِ دَوَابَّ الخ) یہ سات چیزیں ''الحاوی القدسی'' میں ہیں۔

3356۔ (قولہ: وَإِصْطَبْلٍ) گھوڑوں کی جگہ۔ اس کا عطف ماقبل پر ہے یہ عام پر خاص کے عطف سے ہے۔ ''طحطاوی''۔

3357۔ (قولہ: طَاحُونٍ) شاید اس کی وجہ اس کی آواز کے ساتھ دل کا مشغول ہونا ہے۔ (تامل)

3358۔ (قولہ: وَسُطُوحِهَا) ضمیر کا مرجع مذکورہ چار چیزیں ہونے کا احتمال ہے یا صرف کنیف اس کا مرجع ہے اور اس کو مؤنث ذکر کیا اس بقعہ کے اعتبار سے جو قضائے حاجت کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی چھت کا حکم نیچے والی بعض جہات کی طرح کا ہے جیسے مسجد کی چھت۔

3359۔ (قولہ: وَمَسِيلِ وَادٍ) وبطن وادٍ کا قول اس سے مستغنی کرتا ہے کیونکہ پانی کی گزرگاہ غالباً وادی کے بطن میں ہوتی ہے۔ ''طحطاوی''۔

باغات کے اندر اور غصب کی زمین میں مسجد بنانا

3360۔ (قولہ: وَأَرْضٍ مَغْصُوبَةٍ أَوْ لِلْغَيْرِ) او للغیر کے قول کی حاجت نہیں۔ کیونکہ غصب اس کو مستلزم ہے مگر یہ کہ بغیر اجازت نماز مراد لی جائے اگرچہ غاصب نہ ہو۔ یہ ''ابو السعود'' نے فائدہ ظاہر کیا ہے۔ ''طحطاوی''۔

''الحاوی القدسی'' کی عبارت ہے: مغصوبہ زمین، اگر مسلمان اور کافر کی زمین کے درمیان مجبور ہو جائے تو وہ مسلمان کی زمین میں نماز پڑھے جب وہ کاشت شدہ نہ ہو پس اگر اس پر کھیتی ہو یا کافر کی ہو تو راستہ میں نماز پڑھے۔ یعنی کیونکہ راستہ میں اس کا حق ہے جیسا کہ ''مختارات النوازل'' میں ہے۔ اور اس میں ہے: غیر کی زمین میں مکروہ ہے اگر وہ مزروعہ ہو یا کھیتی باڑی

1۔ صحیح مسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین، باب جواز صلاۃ النافلۃ علی الدابۃ فی السفر حیث توجهت، جلد 1 صفحہ 696، حدیث نمبر 1180

بِلَا سُتْرَةٍ لِمَارٍّ وَيُكْرَهُ النَّوْمُ قَبْلَ الْعِشَاءِ وَالْكَلَامُ الْمُبَاحُ بَعْدَهَا وَبَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ إِلَى أَدَائِهِ، ثُمَّ لَا بَأْسَ بِمَشْيِهِ لِحَاجَتِهِ، وَقِيلَ يُكْرَهُ إِلَى طُلُوعِ ذُكَاءَ، وَقِيلَ إِلَى ارْتِفَاعِهَا فَيْضٌ (وَلَا جَمْعَ بَيْنَ فَرْضَيْنِ فِي وَقْتٍ بِعُذْرِ سَفَرٍ وَمَطَرٍ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ،

گزرنے والے کے لیے سترہ کے بغیر۔ عشا کی نماز سے پہلے سونا مکروہ ہے اور اس کے بعد مباح کلام کرنا مکروہ ہے۔ اور فجر کے بعد نماز کی ادائیگی تک کلام کرنا مکروہ ہے پھر اپنی حاجت کے لیے جانے میں کوئی حرج نہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: سورج کے طلوع ہونے سے پہلے چلا جانا مکروہ ہے۔ اور بعض نے کہا: سورج کے بلند ہونے سے پہلے چلا جانا مکروہ ہے۔ ''فیض''۔ سفر اور بارش کے عذر کی وجہ سے ایک وقت میں دو فرضوں کو جمع کرنا جائز نہیں بخلاف امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے۔ اور امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے

کی گئی ہو مگر جب ان کے درمیان دوستی ہو یا وہ دیکھے کہ اس کا ساتھی ناپسند نہیں کرے گا تو کوئی حرج نہیں۔

نوٹ: سیدی ''عبدالغنی'' نے اپنے والد الشیخ ''اسماعیل'' کی ''الحکام'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ غیر کی زمین میں اترنا اگر اس کے لیے چار دیواری ہو یا کوئی حائل ہو جو اندر داخل ہونے سے مانع ہو تو جائز نہیں ورنہ نہیں۔ اس میں معتبر عرف ہے۔

فرمایا: یعنی لوگ رضا اور عدم رضا کو جانتے ہیں۔ پس دمشق میں موسم ربیع میں وادی کے باغات میں داخل ہونا جائز نہیں مگر مالکوں کی اجازت سے وہ عوام دیواریں توڑ دیتے ہیں اور باڑیں پھاڑ دیتے ہیں یہ منکر حرام امر ہے۔ پھر فرمایا: ''الحلبی'' کی ''شرح المنیہ'' میں ہے: کسی نے غصب شدہ زمین میں مسجد بنائی تو اس میں نماز میں کوئی حرج نہیں۔ اور الواقعات میں ہے: شہر کی دیوار پر مسجد بنائی تو اس میں نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔ کیونکہ یہ عوام کا حق ہے پس وہ اللہ کے لیے خالص نہیں تھی جیسے وہ مسجد جو مغصوبہ زمین میں بنائی گئی ہو۔

پھر فرمایا: دمشق میں سلمانیہ مدرسہ المرجہ کی زمین میں بنایا گیا ہے جو سلطان نور الدین الشہید نے مسافروں پر اہل دمشق کی عوام کی موجودگی میں وقف کی تھی اور وقف شہرت کے ساتھ ثابت ہوتا ہے۔ پس یہ مدرسہ کی بنا میں زمین کے اس واقف کی شرط کی مخالفت کی گئی جو الشارع کی نص کی طرح ہے پس اس میں ایک قول میں نماز مکروہ تحریمی ہے اور دوسرے قول میں غیر صحیح ہے جیسا کہ اس کو ''جامع الفتاویٰ'' میں نقل کیا ہے۔ اور اسی طرح اس کا پانی مملوک نہر سے ماخوذ ہے اور اس قبیل سے ''الجامع الاموی'' میں یمانیین کا حجرہ ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ

3361۔ (قولہ: فَلَا سُتْرَةَ لِمَارٍّ) یعنی ایسا پردہ جو گزرنے والے کو نماز سے چھپاتا ہے۔ ان شاء اللہ باب ما یفسد الصلوٰۃ و ما یکرہ میں اس پر کلام آئے گی۔ ''حلبی''۔

3362۔ (قولہ: وَيُكْرَهُ النَّوْمُ الخ) اس پر کلام (مقولہ 3250 میں) میں گزر چکی ہے۔

3363۔ (قولہ: إِلَى ارْتِفَاعِهَا) یعنی ایک یا دو نیزوں کی مقدار۔

وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى الْجَمْعِ فِعْلًا لَا وَقْتًا
جو روایت کیا ہے وہ فعلاً جمع پر محمول ہے وقتاً جمع پر محمول نہیں۔

ایک وقت میں دو نمازوں کو جمع کرنے کا حکم

3364۔(قولہ: وَمَا رَوَاهُ) یعنی ان احادیث میں سے جو تاخیر پر دلالت کرتی ہیں جیسے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب جلدی چلنا ہوتا تو ظہر کی نماز کو عصر کے وقت تک مؤخر کرتے (1) پس دونوں نمازوں کو جمع کرتے اور مغرب کو موخر کرتے حتیٰ کہ مغرب اور عشا کو جمع کرتے۔ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل مروی ہے۔ اور وہ احادیث جو تقدیم پر دلالت کرتی ہیں ان میں تصریح نہیں ہے سوائے ابو الطفیل عن معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ تبوک میں تھے جب سورج ڈھلنے سے پہلے چلتے تو ظہر کو عصر تک مؤخر کرتے اور دونوں نمازوں کو اکٹھا پڑھتے اور جب سورج ڈھلنے کے بعد چلتے تو ظہر اور عصر اکٹھی پڑھتے (2) پھر چلتے اور جب مغرب سے پہلے چلتے تو مغرب کو مؤخر کرتے حتیٰ کہ عشاء کے ساتھ مغرب کو پڑھتے اور جب مغرب کے بعد چلتے تو عشا کو جلدی پڑھتے اور عشا کو مغرب کے ساتھ پڑھتے۔

3365۔(قولہ: مَحْمُولٌ الخ) یعنی جو امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے جو تاخیر پر دلالت کرتا ہے وہ فعلاً جمع پر محمول ہے وقتاً جمع پر نہیں۔ یعنی پہلی نماز کا فعل اس کے آخری وقت میں تھا اور دوسری نماز کا فعل اس کے اول وقت میں تھا اور پہلی نماز کے وقت کے نکلنے کی راوی کی تصریح تجوز یعنی قرب خروج پر محمول ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ (البقرہ:234) یعنی جب اپنی مدت کو پہنچنے کے قریب ہو جائیں، یا اس پر محمول ہے کہ اس نے ایسا گمان کیا۔

اس تاویل پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحت کے ساتھ مروی ہے کہ وہ شفق کے آخر میں اترے اور مغرب کی نماز پڑھی۔ پھر عشا کی نماز پڑھی جب کہ شفق چھپ چکا تھا۔ پھر فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب جلدی چلنا ہوتا تو ایسا کرتے تھے (3) اور ایک روایت میں ہے: پھر انتظار کیا حتیٰ کہ شفق غائب ہو گیا اور عشا کی نماز پڑھی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نیند میں کوتاہی نہیں، کوتاہی بیداری میں ہے (4)، یہ کہ تو ایک نماز کو دوسری نماز کے وقت تک مؤخر کرے۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ یہ آپ نے فرمایا جب کہ آپ سفر میں تھے۔ اور مسلم نے بھی حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر اور عصر، مغرب اور عشا کو مدینہ طیبہ میں بغیر خوف اور بغیر بارش کے جمع فرمایا (5) تا کہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین، باب جواز الجمع بین الصلواتین فی السفر، جلد 1، صفحہ 700، حدیث نمبر 1195

سنن نسائی، کتاب المواقیت، باب الوقت الذی یجمع فیہ المسافر بین المغرب والعشاء، جلد 1، صفحہ 235، حدیث نمبر 590

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب الجمع بین صلواتین، جلد 1، صفحہ 441، حدیث نمبر 1031

3۔ سنن نسائی، کتاب المواقیت، باب الوقت الذی یجمع فیہ المسافرین المغرب والعشاء، جلد 1، صفحہ 236، حدیث نمبر 591

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب من نام عن الصلوۃ او نسیہا، جلد 1، صفحہ 185، حدیث نمبر 3731

5۔ صحیح مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین، باب الجمع بین صلواتین فی الحضر، جلد 1، صفحہ 703، حدیث نمبر 1201

(فَإِنْ جَمَعَ فَسَدَ لَوْ قَدَّمَ) الْفَرْضَ عَلَى وَقْتِهِ (وَحَرُمَ لَوْ عَكَسَ) أَيْ أَخَّرَهُ عَنْهُ (وَإِنْ صَحَّ) بِطَرِيقِ الْقَضَاءِ (إِلَّا لِحَاجٍّ بِعَرَفَةَ وَمُزْدَلِفَةَ) كَمَا سَيَجِيءُ

پس اگر دونوں فرضوں کو جمع کرے گا تو فاسد ہو جائیں گے۔ اگر فرض کو اپنے وقت سے مقدم کرے گا اور حرام ہو گا اگر اس کے برعکس کرے گا یعنی اسے اپنے وقت سے مؤخر کرے گا اگر چہ بطریق قضا صحیح ہو گا۔ مگر حاجی کے لیے عرفہ اور مزدلفہ میں جمع کرنا جائز ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔

امت حرج میں مبتلا نہ ہو ایک روایت میں ہے۔ (ولا سفر) بغیر سفر کے۔ اور امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ بلا عذر جمع کرنے کا نظریہ نہیں رکھتے پس جو اس حدیث کا جواب ان کا ہو گا وہی ہمارا جواب ہو گا۔

رہی ابوالطفیل کی حدیث جو تقدیم پر دلالت کرتی ہے تو امام ترمذی نے اس کے بارے فرمایا: وہ غریب ہے۔ اور الحاکم نے فرمایا: وہ موضوع ہے۔ ابوداؤد نے فرمایا: وقت کی تقدیم میں کوئی حدیث نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس پر انکار کیا جو ایک وقت میں جمع کرنے کو کہتا ہے۔ اور ''صحیحین'' میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: قسم ہے اس ذات کی جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نماز نہیں پڑھی مگر اپنے وقت پر سوائے دو نمازوں کے ظہر اور عصر کو عرفہ میں جمع کیا اور مغرب اور عشاء کو مزدلفہ میں جمع کیا (1)۔ اس میں تعین وقت کے بارے میں آیات و اخبار میں سے وارد نصوص کافی ہیں۔ اس کی تمام بحث ''المطولات'' میں ہے جیسے ''الزیلعی'' اور ''شرح المنیہ''۔

جمع الصلاتین کے بارے میں شیخ محی الدین ابن عربی کا نظریہ

اور سلطان العارفین سیدی محی الدین نے فرمایا (اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے نفع بخشے): میرا نظریہ یہ ہے کہ عرفہ اور مزدلفہ کے علاوہ کسی جگہ نمازوں کو جمع کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اوقات صلاۃ بلا اختلاف ثابت ہیں اور نماز کو اپنے وقت سے نکالنا جائز نہیں مگر اس نص کے ساتھ جو غیر محتمل ہو۔ کیونکہ کسی ثابت امر سے محتمل امر کے ساتھ نکلنا مناسب نہیں۔ یہ کوئی نہیں کہتا جس نے علم کی خوشبو سونگھی ہو ہر حدیث جو اس کے متعلق وارد ہے وہ محتمل ہے اس میں کلام کی گئی ہے، اس احتمال کے ساتھ کہ وہ صحیح ہے لیکن وہ نص نہیں ہے اسی طرح سیدی محی الدین سے سیدی عبدالوہاب الشعرانی نے اپنی کتاب ''الکبریت الاحمر فی بیان علوم الشیخ الاکبر'' میں نقل کیا ہے۔

3366۔ (قولہ: فَإِنْ جَمَعَ الخ) یہ اس کی تفصیل ہے جس کو پہلے (ولا جمع) کے قول کے ساتھ مجمل ذکر کیا تھا جس پر فساد یا صرف حرمت کا صدق آتا ہے۔ ''طحطاوی''۔

3367۔ (قولہ: إِلَّا لِحَاجٍّ) یہ ولا جمع کے قول سے استثنا ہے۔

3368۔ (قولہ: بِعَرَفَةَ) احرام اور سلطان یا اس کے نائب دونوں نمازوں میں جماعت کی شرط کے ساتھ۔ اور مزدلفہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب استحباب زیادۃ الصبح بالمزدلفہ، جلد 2، صفحہ 217، حدیث نمبر 2320

وَلَا بَأْسَ بِالتَّقْلِيدِ عِنْدَ الضَّرُورَةِ لَكِنْ بِشَرْطِ أَنْ يَلْتَزِمَ جَمِيعَ مَا يُوجِبُهُ ذَلِكَ الْإِمَامُ لِمَا قَدَّمْنَا أَنَّ الْحُكْمَ الْمُلَفَّقَ بَاطِلٌ بِالْإِجْمَاعِ واللہ اعلم

اور ضرورت کے وقت تقلید میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ ان تمام احکام کو لازم پکڑے جو اس نے ثابت کیے ہیں۔ کیونکہ ہم نے پہلے پیش کیا ہے کہ جو حکم دو مذہب سے ملفق ہے وہ بالاجماع باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

میں جمع کرنے میں یہ تمام شرائط نہیں ہیں۔ ''طحطاوی''۔

میں کہتا ہوں: اس میں ایک قول پر احرام کی شرط ہے۔

3369۔ (قولہ: عِنْدَ الضَّرُورَةِ) اس کا ظاہر یہ ہے کہ ضرورت نہ ہونے کے وقت جائز نہیں۔ یہ دو قولوں میں سے ایک قول ہے۔ اور مختار اس کا مطلقاً جواز ہے اگر چہ وقوع کے بعد ہو جیسا کہ ہم نے خطبہ میں پہلے پیش کیا ہے ''طحطاوی''۔

نیز ضرورت کے وقت تقلید کی حاجت نہیں جیسا کہ بعض علماء نے سنداً فرمایا جو ''المضمرات'' میں ہے: مسافر کو جب چوروں اور ڈاکوؤں کا خوف ہو اور قافلہ والے اس کا انتظار نہ کرتے ہوں تو اس کے لیے نماز کو مؤخر کرنا جائز ہے۔ کیونکہ یہ عذر ہے۔ اور اگر اس عذر کے ساتھ اشارہ سے پڑھے جب وہ چل رہا ہو تو جائز ہے۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے ضرورت سے مراد وہ صورت لی ہے جس میں مشقت کی صورت ہو۔ (تامل)

3370۔ (قولہ: لَكِنْ بِشَرْطِ) امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے جمع تقدیم کے لیے تین شروط رکھی ہیں: پہلی نماز کو مقدم کرنا، اس نماز سے فارغ ہونے سے پہلے جمع کی نیت کرنا، دونوں نمازوں کے درمیان اتنا فاصلہ نہ کرنا جو عرفاً فاصلہ شمار کیا جاتا ہو۔ اور جمع تاخیر میں سوائے پہلی نماز کے وقت کے خروج سے پہلے جمع کی نیت کرنے کے کوئی شرط نہیں۔ ''نہر''۔ نیز نماز میں فاتحہ پڑھنا شرط ہے اگر چہ مقتدی بھی ہو۔ اور اپنی فرج کو چھونے یا اجنبی عورت کو چھونے کی وجہ سے وضو کا اعادہ کرنا اور اس کے علاوہ شروط اور اس فعل کے متعلقہ ارکان شرط ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بَابُ الْأَذَانِ

(هُوَ لُغَةً الْإِعْلَامُ وَشَرْعًا إِعْلَامٌ مَخْصُوصٌ) لَمْ يَقُلْ بِدُخُولِ الْوَقْتِ لِيَعُمَّ الْفَائِتَةَ وَبَيْنَ يَدَيِ الْخَطِيبِ

اذان کے احکام

اذان کا لغوی معنی آگاہ کرنا ہے اور اس کا شرعی معنی مخصوص آگاہی ہے۔ دخول وقت کا ذکر نہیں کیا تا کہ فوت شدہ اور خطیب کے سامنے کی اذان کو شامل ہو جائے،

جب وقت سبب تھا جیسا کہ (مقولہ 3163 میں) گزر چکا ہے تو اسے مقدم کیا اور اذان کو اس کے بعد ذکر کیا۔ کیونکہ یہ وقت کے دخول کی آگاہی ہے۔

اذان کا لغوی معنی

3371۔ (قولہ: هُوَ لُغَةً: الْإِعْلَامُ) ''القاموس'' میں کہا: آذنه الامر وبه یعنی اسے آگاہ کیا واذن تاذینا زیادہ آگاہ کیا۔ پس اذان اسم مصدر ہے۔ کیونکہ یہاں ماضی اذن مضاعف ہے اور اس کا مصدر تاذین ہے۔ ''حلبی''۔

اذان کی شرعی تعریف

3372۔ (قولہ: وَشَرْعًا إِعْلَامٌ مَخْصُوصٌ) یعنی نماز کے متعلق آگاہ کرنا ہے۔ ''الدرر'' میں فرمایا: اس کا اطلاق مخصوص الفاظ پر ہوتا ہے یعنی جن الفاظ کے ساتھ اعلام (آگاہی) حاصل ہونا ہے یہ مسبب کے اسم کا اطلاق سبب پر کیا گیا ہے۔ ''اسماعیل'' الفاظ مخصوصہ کے ساتھ اس کی تعریف نہیں کی۔ کیونکہ مراد نماز کے بارے آگاہ کرنا ہے اگر اس کے ساتھ تعریف کرتے تو بچے کے لیے دی جانے والی اذان بھی داخل ہو جاتی اور اس جیسی دوسری چیزوں کے لیے دی جانے والی اذان بھی داخل ہو جاتی جیسا کہ (مقولہ 3386 میں) آگے آئے گا۔

3373۔ (قولہ: لِيَعُمَّ الْفَائِتَةَ) یعنی اذان، فوت شدہ نماز کی اذان کو شامل ہو جائے اور خطیب کے سامنے والی اذان کو شامل ہو جائے۔ اور گرمیوں کی ظہر کے آخر میں جو اذان دی جاتی ہے اس کو شامل ہو جائے۔ یہ ''حلبی'' نے فائدہ ذکر کیا ہے یعنی کیونکہ وقت کے متعلق علم تو اس سے پہلے ہو چکا ہوتا ہے، کہنے والے کے لیے یہ کہنا جائز ہے کہ اگر دوسرے علماء کی طرح وقت کی تصریح کر دیتے تو مذکور اعتراض وارد ہی نہ ہوتا۔ کیونکہ اذان کی مشروعیت میں اصل وقت کے داخل ہونے پر آگاہ کرنا ہے جیسا کہ (مقولہ 3473 میں) آئندہ کلام سے معلوم ہوگا۔ پس تعریف اس بنا پر ہے جو اس میں اصل ہے ورنہ لازم آئے گا کہ اگر اپنے لیے اذان دے یا ایسی مخصوص جماعت کے لیے اذان دے جنہوں نے نماز کا ارادہ کیا ہے حالانکہ وہ وقت کے داخل ہونے کے متعلق جانتے ہیں تو اس کو شرعاً اذان نہ کہا جائے۔ کیونکہ یہاں اصلاً اعلام نہیں ہے حالانکہ یہ مشروع ہے۔ (فتدبر)

(عَلَى وَجْهٍ مَخْصُوصٍ بالفاظٍ كَذَلِكَ) أَیْ مَخْصُوصَةٍ (سَبَبُهُ إِبْتِدَاءً أَذَانُ جِبْرِيلَ) لَيْلَةَ الْإِسْرَاءِ وَإِقَامَتُهُ حِينَ إِمَامَتِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، ثُمَّ رُؤْيَا عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ أَذَانَ الْمَلَكِ النَّازِلِ مِنَ السَّمَاءِ فِي السَّنَةِ الْأُولَى مِنَ الْهِجْرَةِ

مخصوص طریقہ پر اسی طرح مخصوص الفاظ کے ساتھ۔ اذان کا سبب ابتداءً جبریل کی اذان کے ہے اور اقامت ہے، شب معراج میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (انبیاء کرام) کی امامت کرائی تھی۔ پھر اس کا سبب حضرت عبداللہ بن زید کا خواب میں فرشتے کی اذان کو دیکھنا ہے جو ہجرت کے پہلے سال آسمان سے اترا تھا

3374۔ (قوله: عَلَى وَجْهٍ مَخْصُوصٍ) یعنی آہستہ آہستہ اذان دینا، حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح پر گھومنا اور ادھر ادھر متوجہ ہونا لحن اور ترجیع کا نہ ہونا وغیرہ احکام جو آگے آرہے ہیں۔

3375۔ (قوله: بِأَلْفَاظٍ كَذَلِكَ) یہ اس طرف اشارہ ہے کہ فارسی میں اذان صحیح نہیں ہے اگرچہ معلوم بھی ہو کہ یہ اذان ہے یہی قول اظہر ہے اور اصح ہے جیسا کہ ''السراج'' میں ہے۔

اذان کا ابتدائی سبب

3376۔ (قوله: أَذَانِ جِبْرِيلَ الخ) حاشیۃ ''الشبر املسی'' جو ''الرملی'' کی شرح ''المنہاج'' پر ہے اس میں ''ابن حجر'' کی ''شرح بخاری'' کے حوالہ سے ہے کہ ایسی احادیث وارد ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اذان ہجرت سے پہلے مکہ میں شروع ہوئی تھی۔ ان میں سے ''طبرانی'' کی حدیث ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سیر کرائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف اذان وحی کی (1)، پس آپ اس کے ساتھ اترے اور وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو سکھائی۔ اور ''دارقطنی'' کی ''الافراد'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جبریل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذان کے متعلق کہا جب نماز فرض کی گئی۔ اور ''بزار'' وغیرہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذان سکھانے کا ارادہ کیا تو جبریل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک جانور لائے جس کو براق کہا جاتا ہے پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر سوار ہوئے اور کہا اللہ اکبر، اللہ اکبر الخ۔ پھر فرشتے نے آپ کو ہاتھ سے پکڑا اور آسمان والوں کا ارادہ کیا۔ حق یہ ہے کہ ان احادیث میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے۔ اور ''فتح القدیر'' میں ''البزار'' کی حدیث ذکر کی پھر فرمایا: یہ حدیث غریب ہے، صحیح خبر کے معارض ہے کہ اذان کا آغاز مدینہ طیبہ میں ہوا تھا جیسا کہ ''مسلم'' میں ہے: مسلمان جب مدینہ طیبہ آئے تو وہ جمع ہوتے تھے اور نماز کے لیے وقت مقرر کرتے تھے، نماز کے لیے کوئی منادی نہیں کرتا تھا تو صحابہ کرام نے اس کے متعلق کلام کی بعض نے کہا ہم ایک جھنڈا لگائیں (2)۔ (الحدیث)

3377۔ (قوله: ثُمَّ رُؤْيَا عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ الخ) یہ پورا واقعہ ''حلبی'' نے ''السراج'' کے حوالہ سے ذکر کیا ہے اور

1۔ مجمع الزوائد، بدء الاذان، جلد 2، صفحہ 87، حدیث نمبر 185

2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، بدء الاذان، جلد 1، صفحہ 426، حدیث نمبر 618

وَهَلْ هُوَ جِبْرِيلُ؟ قِيلَ وَقِيلَ (وَ) سَبَبُهُ (بَقَاءُ دُخُولُ الْوَقْتِ وَهُوَ سُنَّةٌ) لِلرِّجَالِ فِي مَكَانٍ عَالٍ (مُؤَكَّدَةٌ)

کیا وہ جبریل فرشتہ تھا؟ بعض نے کہا جبریل تھا بعض نے کہا کوئی اور فرشتہ تھا۔ اور اذان کا سبب از روئے بقا وقت کا دخول ہے...... اذان بلند جگہ میں مردوں کے لیے سنت مؤکدہ ہے۔

''الفتح'' میں اس کی اسانید کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس قصہ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس رات اس طرح کا خواب دیکھا جو حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے دیکھا تھا۔

خواب کے ساتھ اس کے اثبات میں یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ غیر نبی کے خواب پر کوئی حکم شرعی مرتب نہیں ہوتا تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس کے لیے وحی کے اتصال کا احتمال ہے۔ ''حاشیہ المنہاج'' میں الحافظ ''ابن حجر'' کے حوالہ سے ہے کہ اس کی تائید وہ روایت کرتی ہے جو ''عبدالرزاق'' اور ''ابوداؤد'' نے ''مراسیل'' میں روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اذان کو دیکھا تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کرنے کے لیے آئے (1)، تو انہوں نے پایا کہ وحی اس کے متعلق آچکی ہے۔ پس حضرت بلال کی اذان نے انہیں متعجب کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کہا اذان کے ساتھ وحی تجھ سے سبقت لے گئی ہے۔ پھر ''ابن حجر'' نے فرمایا: حدیث کی صحت کی تقدیر پر کہ جبریل نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذان سکھانے کا ارادہ کیا تو وہ براق لائے الخ۔ پس ممکن ہے کہ یہ اذان اس لیے سکھائی ہو تا کہ اس جگہ میں اس کو ادا کریں۔ اس کی مشروعیت زمین والوں کے لیے لازم نہیں۔ ''حلبی'' نے جواب دیا ہے: انہوں نے اس کو اس نماز کی خصوصیات سے گمان کیا ہے۔ یہ پہلے جواب کے قریب ہے۔

اذان کی بقا کا سبب

3378۔ (قولہ: وَ سَبَبُهُ بَقَاءَ) بقاءً تمیز ہے اس کو مضاف ہونے سے پھیرا گیا ہے یعنی اذان کی بقا کا سبب اور اس کے استمرار کا سبب ''طحطاوی''۔ یعنی جس کے تجدد کے وقت اذان کا طلب کرنا متجدد ہوتا ہے۔

اذان کا حکم

3379۔ (قولہ: لِلرِّجَالِ) رہی عورتیں تو ان کے لیے اذان مکروہ ہے اور اسی طرح اقامت بھی ان کے لیے مکروہ ہے کیونکہ حضرت انس اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے عورتوں کے لیے ان دونوں کی کراہت روایت کی گئی ہے (2) نیز عورتوں کی حالت کی بنا پردے پر ہے اور ان کا آواز بلند کرنا حرام ہے۔ ''امداد''۔

پھر ظاہر یہ ہے کہ بچے کے لیے سنت ہے جب وہ نماز کا ارادہ کرے جیسے بالغ کے لیے سنت ہے اگر چہ دوسروں کے لیے بچے کی اذان کی کراہت میں کلام ہے جیسا کہ (مقولہ 3451 میں) آگے آئے گا۔ (فافہم)

3380۔ (قولہ: فِي مَكَانٍ عَالٍ) ''القنیہ'' میں ہے: اذان بلند جگہ میں سنت ہے اور اقامت زمین پر سنت ہے۔ اور

1۔ مصنف عبدالرزاق، کتاب الصلوۃ، بدء الاذان، جلد 1 صفحہ 456، حدیث نمبر 1775

2۔ سنن الکبریٰ للبیہقی، لیس علی النساء اذان ولا اقامۃ، جلد 1 صفحہ 408

هِيَ كَالْوَاجِبِ فِي لُحُوقِ الْإِثْمِ (لِلْفَرَائِضِ) الْخَمْسِ (فِي وَقْتِهَا
یہ (چھوڑنے کی وجہ سے) گناہ ہونے میں واجب کی طرح ہے۔ اور پانچوں فرائض کے لیے ان کے وقت میں (سنت مؤکدہ ہے)

مغرب کی اذان میں مشائخ کا اختلاف ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ مغرب میں بھی بلند مکان ہونا سنت ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔ اور ''السراج'' میں ہے: مؤذن کو ایسی جگہ اذان دینی چاہیے جو پڑوسیوں کے لیے زیادہ سننے کا باعث ہو اور اپنی آواز کو بلند کرے اور اپنے نفس کو زیادہ تکلیف میں نہ ڈالے کیونکہ یہ اسے تکلیف دے گا۔ ''بحر''۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ یہ محلہ کے مؤذن میں ہے۔ رہا اپنے لیے اذان دینا یا حاضرین کے لیے اذان دینا تو اس کے لیے مکان کا بلند ہونا سنت نہیں۔ کیونکہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ (تامل)

3381۔ (قولہ: هِيَ كَالْوَاجِبِ) بلکہ بعض نے اس پر امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی وجہ سے اس پر واجب کے اسم کا اطلاق کیا ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر شہر کے لوگ اذان کے ترک پر جمع ہو جائیں تو میں اس پر ان سے قتال کروں گا اور اگر ایک شخص اس کو ترک کرے گا تو میں اسے ماروں گا اور اسے قید کر دوں گا۔ اکثر مشائخ کا نظریہ پہلا ہے۔ اور اس پر قتال اس لیے ہے کیونکہ دین کی نشانیوں اور علامات میں سے ہے اور اس کے ترک میں ظاہر استخفاف ہے۔ ''المعراج'' وغیرہ میں ہے: دونوں قول قریب قریب ہیں کیونکہ سنت مؤکدہ ترک کی وجہ سے گناہ کے لاحق ہونے میں واجب کے حکم میں ہے اگرچہ تشکیک کے ساتھ کہا جاتا ہے۔ ''نہر''۔

''الفتح'' میں وجوب پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ ایک مرتبہ بھی ترک نہ کرنا وجوب کی دلیل ہے۔ فرمایا: اس کا کفایہ ہونا ظاہر نہیں ہوتا ورنہ اس کے ترک پر اہل شہر کے اجتماع کی وجہ سے اہل شہر گناہگار نہ ہوتے جب دوسرے شہر والے اس کو قائم کرتے۔ اور ''البحر'' میں سنت کفایہ ہونے پر تائید ہے ہر اہل شہر کی نسبت سے۔ یعنی جب ایک شہر میں اذان دی جائے گی تو اس شہر والوں سے جنگ ساقط ہو جائے گی۔ فرمایا: اگر یہ اس معنی کے ساتھ کفایہ نہ ہوتی تو ہر ایک کے حق میں سنت ہوتی حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ محلہ کی اذان ہمیں کفایت کرتی ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔

''النہر'' میں فرمایا: میں ایک شہر کا حکم نہیں دیکھتا جب اس کی اطراف وسیع ہوں جیسے مصر۔ ظاہر یہ ہے کہ ہر محلہ کے لوگ اذان سنیں اگر دوسرے محلہ سے ہو تو ان سے اذان ساقط ہو جائے گی۔ نہ کہ اس صورت میں جب وہ اذان نہ سنیں۔

3382۔ (قولہ: لِلْفَرَائِضِ الْخَمْسِ) اس میں جمعہ بھی داخل ہے ''البحر''۔ اور یہ حالت سفر و حضر، انفراد و جماعت کو شامل ہے۔ ''مواہب الرحمٰن'' اور ''نور الایضاح'' میں ہے: اگرچہ منفرد ہو، نماز ادا ہو یا قضا ہو، سفر ہو یا حضر ہو۔ لیکن شہر میں اپنے گھر میں نماز پڑھنے والے کے لیے اس کو ترک کرنا مکروہ نہیں۔ کیونکہ محلہ کی اذان اسے کفایت کرتی ہے جیسا کہ آگے

1۔ سنن ترمذی، ابواب الصلوٰۃ، باب ماجاء فی الرجل ینسی الصلوۃ، جلد 1، صفحہ 143، حدیث نمبر 163

وَلَوْ قَضَاءً) لِأَنَّهُ سُنَّةٌ لِلصَّلَاةِ حَتَّى يُبْرَدُ بِهِ لَا لِلْوَقْتِ (لَا) يُسَنُّ (لِغَيْرِهَا)
اگرچہ وہ نماز قضاء ہو۔ کیونکہ اذان نماز کے لیے سنت ہے۔ حتیٰ کہ (اسے گرمیوں میں نماز کی طرح) ٹھنڈے وقت میں دیا جاتا ہے۔ وقت کے لیے سنت نہیں۔ ان پانچوں نمازوں کے علاوہ نمازوں کے لیے سنت نہیں

آئے گا۔ ''الامداد'' میں ہے: گھر میں نماز پڑھنے والے کے لیے اذان دینا مستحب ہے اس کی مکمل بحث (مقولہ 3481 میں) آگے آئے گی۔ اور جمعہ کے دن شہر میں معذور کے لیے ظہر کی اذان دینا مستثنیٰ ہے۔ اور مسجد میں فوت شدہ کی قضا کے لیے اذان دینا بھی مستثنیٰ ہے جیسا کہ آگے ذکر کریں گے۔

3383۔ (قولہ: وَلَوْ قَضَاءً) ''الدرر'' میں فرمایا: کیونکہ یہ قضا کا وقت ہے اگرچہ ادا کا وقت فوت ہو گیا۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اس نماز کو پڑھے جب اسے یاد آئے وہی وقت اس کا وقت ہے (1) یعنی اس کی قضا کا وقت ہے۔ یہ اس وقت ہے جب مسجد میں اسے قضا نہ کرے جیسا کہ آگے آئے گا۔

3384۔ (قولہ: لِأَنَّهُ) قضا کے شمول کے لیے یہ علت ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اس کے وقت سے مراد اس کے فعل کا وقت ہے۔ ''القہستانی'' نے اس کی تصریح کی ہے۔ لیکن ''التاتر خانیہ'' میں ہے: مناسب ہے کہ اول وقت میں اذان دی جائے اور تکبیر اور اذان کے درمیان اتنا فاصلہ ہو کہ متوضی وضو سے فارغ ہو جائے اور سنتیں وغیرہ پڑھنے والا ان سے فارغ ہو جائے اور معتصر قضائے حاجت سے فارغ ہو جائے۔

ظاہر یہ ہے کہ اس سے مستحب وقت کے آغاز کا ارادہ کیا ہے کیونکہ قریب ہی (آئندہ مقولہ میں) یہی آئے گا۔

3385۔ (قولہ: حَتَّى يُبْرَدَ بِهِ) مجہول کا صیغہ ہے۔ اس سے زیادہ شامل گزشتہ قول ہے جو الاوقات میں گزرا ہے کہ اذان کا حکم نماز کی طرح ہے تعجیل اور تاخیر کے اعتبار سے۔

''نوح آفندی'' نے کہا: ''المجتبیٰ'' میں ''المجرد'' کے حوالہ سے ہے: امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: فجر کی اذان فجر کے طلوع ہونے کے بعد دے اور سردیوں میں ظہر کی اذان سورج ڈھلنے کے وقت دے اور گرمیوں میں ٹھنڈی کرے اور عصر میں تاخیر کرے جب تک سورج کے تغیر کا خوف نہ ہو اور عشاء کی اذان میں سفیدی جانے کے بعد تھوڑی تاخیر کرے۔ ''القہستانی'' نے اس کے بعد کہا: شاید مراد استحباب کا بیان ہے ورنہ جواز کا وقت تو تمام وقت ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان موالاۃ (پے در پے ہونا) لازم نہیں ہے بلکہ یہ افضل ہے اگر اول وقت میں اذان دی اور آخر وقت میں نماز پڑھی تو وہ سنت کو ادا کرنے والا ہو گا۔ (تامل)

وہ جگہیں جہاں نماز کے علاوہ بھی اذان دینا مستحب ہے

3386۔ (قولہ: لَا يُسَنُّ لِغَيْرِهَا) یعنی نمازوں کے علاوہ۔ ورنہ بچے کے لیے اذان دینا مستحب ہے۔ اور ''الخیر الرملی'' کے حاشیہ ''البحر'' میں ہے: میں نے کتب شافعیہ میں دیکھا نماز کے علاوہ اذان سنت ہے جیسا کہ بچے کے کان میں اذان دینا اور

كَعِيدٍ (فَيُعَادُ أَذَانٌ وَقَعَ) بَعْضُهُ (قَبْلَهُ) كَالْإِقَامَةِ خِلَافًا لِلثَّانِي فِي الْفَجْرِ

جیسے عید کی نماز۔ پس اذان کا اعادہ کیا جائے گا اس کا بعض اس کے وقت سے پہلے واقع ہو جیسے اقامت کا حکم ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا فجر کی اذان میں اختلاف ہے

پریشان، مرگی والے، غصے والے کے لیے اذان، اور انسان یا چوپایہ جس کے اخلاق اچھے نہ ہوں اس کے لیے اذان، لشکر کی بھیڑ کے وقت اذان، جلنے کے وقت اذان، بعض علماء نے فرمایا: میت کو قبر میں اتارنے کے وقت اذان، اس پر قیاس کرتے ہوئے کہ دنیا میں آیا تھا تو اذان دی گئی ہے۔ لیکن ''ابن حجر'' نے ''شرح العباب'' میں اس کا رد کیا ہے۔ اور جنوں کی سرکشی کے وقت کیونکہ اس میں خبر صحیح وارد ہے۔ میں کہتا ہوں: اس میں ہمارے نزدیک کوئی بعید نہیں ہے۔ کیونکہ جس میں خبر صحیح ہو اس کی کوئی معارض بھی نہ ہو تو وہ مجتہد کا مذہب ہے اگرچہ اس پر نص قائم نہ کی ہو۔ کیونکہ ہم نے (مقولہ 460 میں) خطبہ میں ''ابن عبدالبر'' اور عارف ''شعرانی'' کے حوالہ سے ائمہ اربعہ میں سے ہر ایک سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: جب حدیث صحیح ہو تو وہ میرا مذہب ہے۔ کیونکہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کے ساتھ عمل جائز ہوتا ہے جیسا کہ کتاب الطہارت کے آغاز میں گزر چکا ہے۔

''ابن حجر'' نے ''التحفہ'' میں یہ زائد کیا ہے کہ مسافر کے پیچھے اذان اور اقامت۔

''المدنی'' نے فرمایا: میں کہتا ہوں: ''شرعۃ الاسلام'' میں زائد ہے: اس کے لیے اذان دینا جو خالی زمین میں راستہ بھول گیا ہو۔ ''المنلا علی'' نے ''شرح المشکاۃ'' میں فرمایا: علما فرماتے ہیں: پریشان شخص دوسرے کو کہے کہ اس کے کان میں اذان دے، یہ اس کے لیے سنت ہے۔ کیونکہ اذان اس کی پریشانی کو زائل کر دے گی۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ''ملا علی القاری'' نے اس میں وارد حدیث نقل کی ہیں پس ادھر رجوع کرو۔

3387۔ (قولہ: كَعِيدٍ) یعنی وتر، جنازہ، کسوف، استسقا، تراویح، سنن موکدہ۔ کیونکہ یہ تمام فرائض کے تابع ہیں وتر اگرچہ واجب ہیں امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لیکن یہ عشا کے وقت میں ادا کیے جاتے ہیں پس عشاء کی اذان پر اکتفا کیا گیا نہ کہ اذان دونوں کے لیے ہے صحیح قول پر۔ جیسا کہ ''الزیلعی'' نے اس کو ذکر کیا ہے۔ ''بحر''، فافہم

لیکن تعلیل میں قصور ہے۔ کیونکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اذان سنت نہیں ہے اس کے لیے جو فرائض کے تابع نہیں جیسے عید وغیرہ پس مناسب یہ تعلیل ہے سنت میں اس کا ورود نہیں ہے۔

3388۔ (قولہ: وَقَعَ بَعْضُهُ) اسی طرح تمام اذان پہلے ہو جائے تو بدرجہ اولیٰ اس کا اعادہ کیا جائے گا۔ اگر بعض کا ذکر نہ کرے تو اس کے خروج کا وہم ہوتا ہے پس اس کے ذکر کے ساتھ تعمیم کا ارادہ کیا نہ کہ تخصیص کا۔

3389۔ (قولہ: كَالْإِقَامَةِ) یعنی اقامت کا اعادہ کیا جاتا ہے جب وقت سے پہلے واقع ہو۔ اور رہا وقت کے بعد اقامت کہنا تو اس کا اعادہ نہیں کہا جائے گا جب تک فاصلہ لمبا نہ ہو یا کوئی قطع کرنے والا عمل پایا جائے جیسے کھانا کھانا۔ فروع میں اس کا ذکر آئے گا۔

3390۔ (قولہ: خِلَافًا لِلثَّانِي) یہ صرف اذان کی طرف راجع ہے۔ کیونکہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نصف رات کے

(بِتَرْبِيعِ تَكْبِيرِ فِي ابْتِدَائِهِ) وَعَنْ الثَّانِي اثْنَتَيْنِ وَبِفَتْحِ رَاءِ أَكْبَرَ وَالْعَوَامُ يَضُمُّونَهَا رَوْضَةٌ، لَكِنَّ فِي الطُّلْبَةِ مَعْنَى قَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (الْأَذَانُ جَزْمٌ) أَيْ مَقْطُوعُ الْمَدِّ، فَلَا تَقُولُ آللهُ أَكْبَرُ: لِأَنَّهُ اسْتِفْهَامٌ وَإِنَّهُ لَحْنٌ شَرْعِيٌّ، أَوْ مَقْطُوعُ حَرَكَةِ الْآخِرِ لِلْوَقْفِ، فَلَا يَقِفُ بِالرَّفْعِ: لِأَنَّهُ لَحْنٌ لُغَوِيٌّ فَتَاوَى الصُّوفِيَّةِ مِنْ الْبَابِ السَّادِسِ وَالثَّلَاثِينَ

ابتدا میں چار مرتبہ اللہ اکبر کہنے کے ساتھ۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے دو مرتبہ کہنے کی روایت ہے۔ اور اکبر کی راء کے فتح کے ساتھ جب کہ عوام اس کو ضمہ دیتے ہیں ''روضہ'' لیکن ''الطلبہ'' میں ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول (الاذن جزم) کا معنی ہے مد کے بغیر تو اللہ اکبر نہیں کہے گا۔ کیونکہ یہ استفہام ہے اور یہ شرعی غلطی ہے۔ یا اس کا معنی ہے آخری حرکت کو وقف کے لیے ختم کرنا پس رفع کے ساتھ توقف نہ کرے کیونکہ یہ لغوی غلطی ہے۔ یہ ''فتاویٰ صوفیہ'' کے چھتیسویں باب سے ہے۔

بعد فجر کی اذان کو فجر سے پہلے جائز قرار دیتے ہیں۔ ''حلبی''۔

3391۔ (قولہ: وَعَنْ الثَّانِي اثْنَتَيْنِ) یعنی امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ابتدا میں بھی دو مرتبہ اللہ اکبر کہے جیسے بقیہ کلمات ہیں۔ پس ان کے نزدیک اذان کے تیرہ کلمات ہیں۔ یہی ایک روایت امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام الحسن سے ہے۔ ''قہستانی'' عن ''الزاہدی''۔ امام مالک سے بھی یہ منقول ہے۔

3392۔ (قولہ: وَبِفَتْحِ رَاءِ أَكْبَرَ الی قولہ وَلَا تَرْجِيعَ) منقول ہے کہ یہ شارح کے خط کے ساتھ پہلے نسخہ کے حاشیہ پر ملحق ہے اور ''مجموعۃ الحفید الہروی'' میں ہے اس کی نص یہ ہے:

فائدہ: روضۃ العلماء میں ہے: ''ابن الانباری'' نے کہا: عوام الناس اکبر میں را کو ضمہ دیتے ہیں۔ اور ''المبرد'' کہتے تھے: اذان اپنے مقاطیع میں موقوف سنی گئی ہے۔ اور اکبر میں اصل را کا سکون ہے پھر اسم جلالت کی الف کی حرکت کی طرف پھیر دی گئی ہے جیسے الٓمّٓ ۝ اللّٰہُ (آل عمران) میں ہے۔ اور ''المغنی'' میں ہے را کی حرکت فتحہ ہے اگر وقف کی نیت سے ملائے۔ پھر کہا گیا ہے یہ دو ساکنوں کی حرکت ہے اسے کسرہ نہیں دیا گیا اللہ کی تفخیم (عظمت) کی حفاظت کے لیے۔ بعض علماء نے فرمایا: ہمزہ کی حرکت نقل کی گئی ہے اور یہ سب ظاہر سے خروج ہے: درست یہ ہے کہ را کی حرکت اعراب کا ضمہ ہے اور درمیان کلام ہمزہ وصلی کا ثبوت نہیں ہے۔ پس اس کی حرکت نقل کی جائے گی۔ بہر حال اذان اور الٓمّٓ ۝ اللّٰہُ (آل عمران: 2) میں فرق ظاہر ہے۔ الم اللہ کے لیے اصلاً اعراب کی حرکت نہیں ہے جب کہ اذان کے کلمات کے لیے اعراب ہے لیکن وہ موقوف سنے گئے ہیں۔

حدیث پاک الاذان جزم پر کلام

''الامداد'' میں ہے: را کو جزم دے گا یعنی تکبیر میں اس کو سکون دے گا۔ اور ''الزیلعی'' نے کہا: یعنی وقف کی بنا پر اذان میں یہ حقیقۃً ہے اور اقامت میں وقف کی نیت کرے گا یعنی حدر کے لیے۔ ''النخعی'' سے موقوفاً مروی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوعاً مروی ہے کہ فرمایا: الاذان جزم، الاقامۃ جزم والتکبیر جزم۔ اذان میں جزم ہے اقامت میں جزم ہے اور اللہ

(وَلَا تَرْجِيعَ)
اور ترجیع نہیں ہے

اکبر کہنے میں جزم ہے۔

میں کہتا ہوں: حاصل یہ ہے کہ اذان میں دوسری تکبیر حقیقۃً وقوف کی وجہ سے را ساکن کے ساتھ ہے اور اس پر رفع غلطی ہے۔ رہی پہلی تکبیر پر دو تکبیروں میں سے اور اقامت کی تمام تکبیروں میں۔ بعض نے کہا: بلا حرکت ساکن ہے جیسا کہ ''الامداد''، ''الزیلعی''، ''بدائع'' اور شوافع کی ایک جماعت کے کلام کا ظاہر ہے۔

اور جو اعراب ظاہر ہوتا ہے جس کو الشارح نے ''الطلبہ'' کے حوالہ سے ذکر کیا ہے اور جس کو ہم نے (سابقہ مقولہ میں) ''جراحی'' کی مشہور احادیث میں سے ذکر کیا ہے کہ امام سیوطی سے اس حدیث کے بارے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: یہ ثابت نہیں ہے جیسا کہ الحافظ ابن حجر نے فرمایا: یہ ابراہیم النخعی کے قول سے ہے۔ اس کا معنی...... جیسا کہ ایک جماعت نے کہا ہے جن میں سے ''الرافعی'' اور ''ابن الاثیر'' بھی ہیں...... یہ ہے کہ اس میں مد نہ پڑھنی ہے۔ اور ''المحب الطبری'' نے عجیب بات کہی ہے۔ انہوں نے کہا: اس کا معنی ہے نہ مد دی جائے گی اور نہ اس کے آخر کو اعراب دیا جائے گا۔ یہ دوسرا قول کئی وجوہ سے مردود ہے۔

ان میں سے ایک ''النخعی'' سے روایت کرنے والے کی تفسیر کی مخالفت ہے اور اس کی تفسیر کی طرف رجوع اولیٰ ہے جیسا کہ الاصول میں ثابت ہے۔

دوسری وجہ ہے: اہل حدیث اور اہل فقہ نے جو اس کی تفسیر کی ہے اس کے مخالف ہونا۔

تیسری وجہ یہ ہے: اعرابی حرکت کے حذف پر جزم کا اطلاق ہے حالانکہ صدر اول میں یہ معہود نہیں ہے۔ یہ نئی اصطلاح ہے پس اس پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس پر مکمل کلام وہاں ہے پس ادھر رجوع کرو۔

اس بنا پر کہ نئی اصطلاح میں نحویوں کے نزدیک جزم صرف جازم کے لیے اعراب کی حرکت کا حذف ہے نہ کہ مطلق۔ پھر میں نے سیدی ''عبد الغنی'' کا اس مسئلہ میں ایک رسالہ دیکھا جس کا نام انہوں نے ''تصدیق من اخبر بفتح راء الله اکبر'' رکھا اس میں نقل زیادہ ہے۔ اور اس کا حاصل یہ ہے کہ سنت یہ ہے کہ پہلے اللہ اکبر سے را کو ساکن کرے یا دوسرے اللہ اکبر کے ساتھ را کو ملائے پس اگر اس کو ساکن کرے تو کافی ہے اور اگر اس کو ملائے تو سکون کی نیت کرے۔ پس را کو فتحہ کے ساتھ حرکت دے۔ اگر ضمہ دے گا تو سنت کی مخالفت کرے گا۔ کیونکہ پہلے اکبر پر وقوف طلب کرنا اسے اصالۃً ساکن کی طرح بنا دے گا پس فتحہ کے ساتھ حرکت دی جائے گی۔

اذان میں ترجیع کا حکم

3393۔ (قولہ: وَلَا تَرْجِيعَ) ترجیع یہ ہے کہ پہلے شہادتین کے ساتھ آواز کو آہستہ کرے پھر دوبارہ بلند آواز سے

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب فی الاقامۃ، جلد 1، صفحہ 211، حدیث نمبر 429

فَإِنَّهُ مَكْرُوهٌ مُلْتَقًى (وَلَا لَحْنَ فِيهِ) أَيْ تَغَنِّي بِغَيْرِ كَلِمَاتِهِ فَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ فِعْلُهُ وَسَمَاعُهُ كَالتَّغَنِّي بِالْقُرْآنِ

کیونکہ یہ مکروہ ہے۔ ''ملتقی''۔ اور اذان میں غنا نہیں ہے یعنی اس طرح گانے کی آواز میں اذان دینا کہ اس کے کلمات تبدیل ہو جائیں۔ اس کا کرنا اور اس کا سننا قرآن کی تغنی کی طرح حلال نہیں ہے۔

کہے۔ کیونکہ روایت کا اتفاق ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ترجیع نہیں کرتے تھے۔ اور جو کہا گیا ہے کہ انہوں نے ترجیع کی یہ صحیح نہیں۔ نیز جمیع طرق سے مروی ہے کہ نازل ہونے والے فرشتہ کی اذان میں یہ نہیں تھی۔ نیز ''ابوداؤد'' میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان دو دو مرتبہ تھی اور اقامت ایک ایک مرتبہ تھی (1)۔ (الحدیث) اس حدیث کو ''ابن خزیمہ'' اور ''ابن حبان'' نے روایت کیا ہے۔

''ابن الجوزی'' نے کہا اس کی سند صحیح ہے۔ اور ''ابومحذورہ'' کی اذان میں ترجیع جو مروی ہے اس کے معارض ''طبرانی'' کی روایت کردہ حدیث ہے جو انہوں نے ''ابومحذورہ'' سے روایت کی ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حرفاً حرفاً اذان بتائی گئی (1) اللہ اکبر اللہ اکبر الخ اس میں ترجیع کا ذکر نہیں ہے۔ اور جو ہم نے روایت پیش کی ہے وہ بلا معارض باقی رہ گئی۔ اس کی مکمل بحث ''الفتح'' وغیرہ میں ہے۔

3394۔ (قولہ: فَإِنَّهُ مَكْرُوهٌ مُلْتَقًى) اس کی مثل ''القہستانی'' میں ہے بخلاف اس کے جو ''البحر'' میں ہے کہ فقہا کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ ترجیع مباح ہے نہ سنت ہے اور نہ مکروہ ہے۔ ''النہر'' میں فرمایا: ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خلاف اولیٰ ہے۔ اور رہی ترجیع بمعنی تغنیٰ (گانے کی طرز پر) تو وہ اذان میں حلال نہیں ہے۔ اس وقت کراہت مذکورہ تنزیہی ہوگی۔

3395۔ (قولہ: أَيْ تَغَنِّي) یعنی مبنی برفتحہ ہونا جائز نہیں۔ کیونکہ ای تفسیر یہ کے بعد جو ہوتا ہے وہ عطف بیان ہوتا ہے اور عطف بیان کی بنا فتحہ پر لا کے اسم کے ساتھ ترکیباً جائز نہیں بلکہ اس میں رفع جائز ہوتا ہے لا کے اسم کے ساتھ لا کے محل کی اتباع کی وجہ سے۔ اور اسم کے محل کی اتباع کرتے ہوئے نصب جائز ہے۔ لیکن یہاں نصب سے مانع موجود ہے اور وہ اس کا الف کے ساتھ لکھا ہوا نہ ہونا ہے۔ پس رفع متعین ہو گیا حالانکہ اس میں یا کا اثبات ہے جو مرجوح ہے۔ کیونکہ ال سے خالی اسم منقوص لکھنے میں اس کی یا کا حذف راجح ہوتا ہے جیسے وقف میں جب وہ مرفوع یا مجرور ہو اور معرف باللام کی صورت میں اس کے الٹ ہوتا ہے۔ ''حلبی''۔

میں کہتا ہوں: فتح پر بنا سے مانع فاصل کا وجود بھی ہے اور وہ ای ہے۔ اور عطف النسق میں فتحہ کے امتناع کی علت بیان کی ہے جیسے لا رجل و امراۃ فاصل کے وجود کے ساتھ اور وہ فاصل واؤ ہے۔ فافہم

3396۔ (قولہ: بِغَيْرِ كَلِمَاتِهِ) یعنی حرکت، حرف یا مد اور اسکے علاوہ ابتدا میں اور آخر میں زیادہ کرنا ہے۔ ''قہستانی''۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب صفۃ الاذان، جلد 1 صفحہ 428، حدیث نمبر 622

سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب کیف الاذان، جلد 1، صفحہ 207، حدیث نمبر 425

وَبِلَا تَغْيِيرٍ حَسَنٌ، وَقِيلَ لَا بَأْسَ بِهِ فِي الْحَيْعَلَتَيْنِ (وَيَتَرَسَّلُ فِيهِ) بِسَكْتَةٍ بَيْنَ كُلِّ كَلِمَتَيْنِ وَيُكْرَهُ تَرْكُهُ، وَتُنْدَبُ إِعَادَتُهُ (وَيَلْتَفِتُ فِيهِ) وَكَذَا فِيهَا مُطْلَقًا، وَقِيلَ إِنِ الْمَحَلُّ مُتَّسِعًا (يَمِينًا وَيَسَارًا) فَقَطْ؛ لِئَلَّا يَسْتَدْبِرَ الْقِبْلَةَ (بِصَلَاةٍ وَفَلَاحٍ)

اور کلمات کی تبدیلی کے بغیر خوبصورت آواز میں اذان دینا اچھا ہے۔ بعض نے کہا حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح میں ایسا کرنے سے کوئی حرج نہیں۔ اذان میں ہر دو کلموں کے درمیان سکتہ کے ساتھ وقفہ کرے اور اس کو ترک کرنا مکروہ ہے اور (ایسی صورت میں) اذان کا اعادہ کرنا مستحب ہے۔ اور اذان میں ادھر ادھر چہرے کو پھیرے اور اسی طرح مطلقاً اقامت میں بھی چہرے کو پھیرے۔ اور بعض علماء نے فرمایا: اگر محل وسیع ہو تو صرف دائیں بائیں چہرے کو پھیرے تاکہ قبلہ کی طرف پیٹھ نہ ہو حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے وقت

3397۔ (قوله: وَبِلَا تَغْيِيرٍ حَسَنٌ) یعنی تغنی بغیر تبدیلی اور تغیر کے حسن ہے۔ کیوں کہ اچھی آواز مطلوب ہے اور ان دونوں کے درمیان تلازم نہیں ہے۔ ''بحر'' اور ''فتح''۔

3398۔ (قوله: قِيلَ) یعنی ''الحلوانی'' نے کہا: حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح میں مد کو داخل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ یہ دونوں ذکر کے علاوہ ہیں اور لاباس کے ساتھ تفسیر دلیل ہے کہ اولیٰ اس کا نہ ہونا ہے۔

3399۔ (قوله: يَتَرَسَّلُ) یعنی ٹھہر ٹھہر کر کہنا۔

3400۔ (قوله: بِسَكْتَةٍ) یعنی ایسا وقفہ ہو کہ جواب کی وسعت رکھتا ہو۔ ''مدنی عن منلا علی القاری''۔ یہ وقفہ ہر دو تکبیروں کے بعد ہے، نہ کہ ہر تکبیر کے بعد جیسا کہ ''الامداد'' میں حدیث سے اخذ کرتے ہوئے فائدہ ذکر کیا ہے۔ اس کی ''التاتر خانیہ'' میں تصریح ہے۔

3401۔ (قوله: وَتُنْدَبُ إِعَادَتُهُ) یعنی اگر ٹھہر ٹھہر کر کہنا ترک کیا تو اذان کا اعادہ مستحب ہے۔

3402۔ (قوله: وَيَلْتَفِتُ) یعنی اپنے چہرے کو پھیرے، سینے کو نہیں ''قہستانی'' اور نہ اپنے قدموں کو پھیرے۔ ''نہر''۔

3403۔ (قوله: وَكَذَا فِيهَا مُطْلَقًا) یعنی اقامت میں بھی چہرے کو پھیرے خواہ محل کھلا ہو یا تنگ ہو۔

3404۔ (قوله: لِئَلَّا يَسْتَدْبِرَ) یہ (فقط) کے قول کی تعلیل ہے یعنی پیچھے التفات آنے کے قول سے رک جاتا، کہ مؤذن یا مقیم کی قبلہ کی طرف پیٹھ نہ ہو۔ ''حلبی''۔

3405۔ (قوله: بِصَلَاةٍ وَفَلَاحٍ) یہ لف ونشر مرتب ہے یعنی حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے ساتھ دونوں میں دائیں بائیں التفات کرے۔ اور یہی اقول اصح ہے جیسا کہ ''القہستانی'' میں ''المنیہ'' کے حوالہ سے ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ ''البحر'' اور ''التبیین'' میں ہے۔ مرو کے مشائخ نے کہا: ہر ایک میں یمنۃ و یسرۃ (دائیں بائیں) چہرے کو پھیرے اسی طرح ''القہستانی'' میں ہے۔ ''حلبی''۔

''الفتح'' میں فرمایا: دوسرا قول اوجہ ہے۔ ''الرملی'' نے اس کا رد کیا ہے۔ کیونکہ سلف سے صحیح منقول کے خلاف ہے۔

وَلَوْ وَحْدَهُ أَوْ لِمَوْلُودٍ؛ لِأَنَّهُ سُنَّةُ الْأَذَانِ مُطْلَقًا (وَيَسْتَدِيرُ فِي الْمَنَارَةِ) لَوْ مُتَّسِعَةً وَيُخْرِجُ رَأْسَهُ مِنْهَا (وَيَقُولُ) نَدْبًا (بَعْدَ فَلَاحِ أَذَانِ الْفَجْرِ الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ مَرَّتَيْنِ)

اگرچہ اکیلا ہی ہو یا بچے کے کان میں اذان دے رہا ہو۔ کیونکہ اذان مطلقاً سنت ہے۔ اور منارہ میں گھومے اگر وہ کھلا ہو اور اپنے سر کو باہر نکالے اور حی علی الفلاح کے بعد فجر کی اذان میں دو مرتبہ الصلوٰۃ خیر من النوم کہنا مستحب ہے۔

3406۔ (قولہ: وَلَوْ وَحْدَهُ) یہ ''الحلوانی'' کے قول کے رد کی طرف اشارہ ہے کہ اکیلا شخص ادھر ادھر چہرے کو نہ پھیرے کیونکہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ''البحر'' میں ''السراج'' کے حوالہ سے ہے: اذان کی سنن میں سے ہے کہ منفرد بھی ان میں سے کسی چیز کو نہ چھوڑے حتیٰ کہ علماء نے بچے کے کان میں اذان دینے والے کے بارے میں کہا: اسے بھی چہرہ پھیرنا چاہیے (1)۔

3407۔ (قولہ: مُطْلَقًا) منفرد اور دوسرے کے لیے اور مولود وغیرہ کے لیے۔ ''طحطاوی''۔

3408۔ (قولہ: وَيَسْتَدِيرُ فِي الْمَنَارَةِ) یعنی اگر قدموں کو ثابت رکھتے ہوئے چہرے کو پھیرنے سے اعلام مکمل نہ ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں اذان کے لیے مینارہ نہیں تھا۔ ''بحر''۔

جس نے سب سے پہلے اذان کے لیے مینار بنائے

میں کہتا ہوں ''شرح شیخ اسماعیل'' میں سیوطی کی ''الاوائل'' کے حوالہ سے ہے: جو سب سے پہلے مصر میں اذان کے لیے مینارہ پر چڑھا وہ ''شرحبیل بن عامر المرادی'' تھا۔ اور ''مسلمہ'' نے حضرت ''امیر معاویہ'' کے حکم سے اذان کے لیے مینار بنائے تھے۔ اس سے پہلے مینار نہیں تھے۔

''ابن سعد'' نے ''ام زید بن ثابت'' تک سند کے ساتھ کہا: میرا گھر مسجد کے اردگرد لمبا تھا حضرت بلال رضی اللہ عنہ پہلے جب اذان دیتے تھے تو اس کے اوپر اذان دیتے تھے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسجد بنائی اس کے بعد وہ مسجد کی چھت پر اذان دیتے تھے اور چھت کے اوپر ان کے لیے کوئی چیز بلند کی گئی تھی۔

3409۔ (قولہ: وَيُخْرِجُ رَأْسَهُ مِنْهَا) یعنی حی علی الصلوٰۃ کہتے ہوئے مینارہ کے دائیں سوراخ سے سر نکالے پھر حی علی الفلاح کہتے ہوئے بائیں سوراخ سے سر نکالے ''درر''۔

جب اس کے سوراخ ہوں۔ رہے الروم وغیرہ کے مینارے تو اس کی طرف سوراخ کی مانند ہے۔ ''اسماعیل''۔

3410۔ (قولہ: بَعْدَ فَلَاحِ الخ) اس میں اس کا رد ہے جس نے یہ کہا کہ اس کا محل اذان مکمل ہونے کے بعد ہے یہ ''الفضلی'' کا اختیار ہے۔ ''بحر'' عن ''المستصفی''۔

3411۔ (قولہ: الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ) نیند خیریت کی اصل میں نماز کے ساتھ شریک ہے۔ کیونکہ کبھی نیند عبادت

1۔ سندی نے کہا: ولادت کے وقت بچے کو اپنے ہاتھ پر قبلہ رو ہو کر اٹھائے اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہے صلاۃ کے وقت دائیں اور فلاح کے وقت بائیں طرف چہرہ پھیرے اس کے کان میں اذان کا فائدہ یہ ہے کہ اذان بچوں سے ام صبیان کو دور کرتی ہے یہ ایک بیماری ہے جس سے بچے بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ مترجم

لِأَنَّهُ وَقْتُ نَوْمٍ (وَيَجْعَلُ) نَدْبًا (إِصْبَعَيْهِ فِي) صِمَاخِ (أُذُنَيْهِ) فَأَذَانُهُ بِدُونِهِ حَسَنٌ، وَبِهِ أَحْسَنُ (وَالْإِقَامَةُ كَالْأَذَانِ) فِيمَا مَرَّ

کیونکہ یہ نیند کا وقت ہے اور مستحب ہے کہ اپنے کانوں کے سوراخ میں انگلیاں ڈالے اور اس عمل کے بغیر اذان بہتر ہے اور اس کے ساتھ مزید بہتر ہے۔ اقامت اذان کی طرح ہے ان چیزوں میں جو گزر چکی ہیں

ہوتی ہے جیسے جب طاعت کرنے اور معصیت ترک کرنے کا وسیلہ ہو یا اس لیے کہ نیند دنیا میں راحت ہے اور نماز آخرت میں راحت ہے پس یہ افضل ہے۔ ''بحر''۔

3412۔ (قولہ: لِأَنَّهُ وَقْتُ نَوْمٍ) فجر کو اعلام کی زیادتی کے ساتھ خاص کیا گیا نہ کہ عشاء کو کیونکہ عشاء سے پہلے سونا مکروہ اور نادر ہے۔ ''طحطاوی''۔

3413۔ (قولہ: وَيَجْعَلُ نَدْبًا أُصْبُعَيْهِ الخ) کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا: اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال کیونکہ یہ تیری آواز کو بلند کرے گا (1)۔ اگر اپنے ہاتھوں کو اپنے کانوں پر رکھ دے تو بھی بہتر ہے۔ کیونکہ حضرت ''ابو محذورہ'' رضی اللہ عنہ نے اپنی چار انگلیوں کو ملایا اور اپنے کانوں پر رکھا۔ اسی طرح اپنا ایک ہاتھ اپنے کان پر رکھ دے جیسا کہ امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ ''الامداد'' و ''قہستانی'' ''عن'' ''التحفہ''۔

3414۔ (قولہ: فَأَذَانُهُ الخ) یہ ندباً کے قول پر تفریع ہے۔ ''البحر'' میں فرمایا: حدیث مذکور میں امر (حکم) استحباب کے لیے ہے علت کے قرینہ کی وجہ سے۔ اسی وجہ سے اگر کوئی ایسا نہ کرے تو بھی اچھا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ سنت کا ترک کیسے اچھا ہے؟ ہم کہیں گے اس کے ساتھ اذان احسن ہے۔ جب اس نے یہ عمل ترک کر دیا اذان حسن باقی رہی۔ اسی طرح ''الکافی'' میں ہے۔ (فافہم)

3415۔ (قولہ: فِيمَا مَرَّ) اس کے ساتھ مقید کیا تا کہ اس پر یہ اعتراض وارد نہ ہو کہ اقامت کا ترک کرنا مسافر کے لیے مکروہ ہے اذان کا ترک مکروہ نہیں ہے۔ اور عورت اقامت کہہ سکتی ہے اور اذان نہیں کہہ سکتی۔ اذان سنیت میں اقامت سے زیادہ مؤکد ہے جیسا کہ (آئندہ مقولہ میں) آگے آئے گا۔

ما مر سے مراد اذان کے دس احکام ہیں جو متن میں مذکور ہیں۔ اور وہ یہ ہیں: اذان فرائض کے لیے سنت ہے، اسے دوبارہ دیا جائے گا اگر وقت سے پہلے ہو گئی، اور ابتدا میں چار مرتبہ اللہ اکبر کہے گا، اور ترجیع نہیں ہے، راگنی بھی نہیں ہے، ٹھہر ٹھہر کر کہنا، ادھر ادھر متوجہ ہونا، گھومنا، فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کہنا، اپنی انگلیوں کو اپنے کانوں میں رکھنا۔ اور ان دس میں سے تین کی استثنا کی ہے جو اقامت میں نہیں ہوں گے۔ ٹھہر ٹھہر کر کہنے کو تیزی کے ساتھ بدلے گا، الصلوٰۃ خیر من النوم کو قد قامت الصلوٰۃ کے ساتھ بدلے گا اور یہ ذکر کیا ہے کہ اپنی انگلیاں اپنے کانوں پر نہیں رکھے گا۔ باقی سات احکام مشترک ہیں اور اس پر مینارہ میں گھومنے کا اعتراض وارد ہوتا ہے۔ کیونکہ اقامت میں یہ نہیں ہوتا پس اس کے لیے ضروری تھا کہ اس کو بھی ذکر کرتے۔

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاذان، باب السنۃ فی الآذان، جلد 1 صفحہ 237، حدیث نمبر 701

(لٰکِنْ هِیَ) أَیْ الْإِقَامَةُ وَكَذَا الْإِمَامَةُ (أَفْضَلُ مِنْهُ) فَتْحٌ (وَلَا يَضَعُ) الْمُقِيمُ (إِصْبَعَيْهِ فِي أُذُنَيْهِ) لِأَنَّهَا أَخْفَضُ (وَيَحْدُرُ) بِضَمِّ الدَّالِ أَيْ يُسْرِعُ فِيهَا، فَلَوْ تَرَسَّلَ لَمْ يُعِدْهَا فِي الْأَصَحِّ

لیکن اقامت اور اسی طرح امامت اذان سے افضل ہے ''فتح''۔ اور اقامت کہنے والا اپنی انگلیاں کانوں میں نہ رکھے کیونکہ اقامت پست ہوتی ہے اور جلدی جلدی کہی جاتی ہے۔ اگر کسی نے اقامت ٹھہر ٹھہر کر کہی تو اصح قول میں اس کا اعادہ نہیں ہوگا۔

حاصل یہ ہے کہ چار چیزوں میں اقامت، اذان کے مخالف ہے ان چیزوں میں سے جو گزر چکی ہیں۔ اور چیزوں میں بھی مخالف ہے جس کا علیحدہ علیحدہ ذکر آئے گا۔

3416۔ (قولہ: لٰکِنْ هِیَ أَفْضَلُ مِنْهُ) ''البحر'' میں ''الخلاصہ'' کے حوالہ سے اختلاف کے ذکر کے بغیر نقل کیا ہے اور ''الفتح'' میں ذکر کیا ہے کہ ''ظہیر الدین'' نے ''الحواشی'' میں ''المبسوط'' کے حوالہ سے صراحتہ لکھا ہے کہ اقامت اذان سے زیادہ مؤکد ہے یعنی کیونکہ اذان کئی مواقع پر ساقط ہو جاتی ہے، اقامت ساقط نہیں ہوتی جیسا کہ مسافر کے حق میں۔ اور فوت شدہ نمازوں میں سے جو پہلی کے بعد ہوتی ہیں، اور عرفہ کی دوسری نماز کے لیے۔

(وَكَذَا الْإِمَامَةُ) کا قول ''الفتح'' میں اس کی علت اس قول کے ساتھ بیان کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت پر مواظبت اختیار فرمائی تھی۔ اور اسی طرح خلفاء راشدین نے مواظبت فرمائی تھی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول: اگر میرے لیے خلافت نہ ہوتی تو میں اذان دیتا یہ امامت پر اذان کی تفضیل کو مستلزم نہیں بلکہ اس کی مراد یہ ہے کہ میں امامت کے ساتھ اذان دیتا نہ کہ امامت چھوڑ کر اذان دیتا۔ یہ اس کو مفید ہے کہ افضل امام کا مؤذن ہونا ہے۔ یہی ہمارا مذہب ہے اور اس پر امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ ہے۔

میں کہتا ہوں: شوافع کے نزدیک تصحیح شدہ قولوں میں سے ایک یہی ہے۔ اور دوسرا یہ ہے کہ اذان افضل ہے۔ اور اب ایک قول باقی ہے جو ان دونوں کی تساوی (برابری) کا ہے۔ ''السراج'' میں تین قول حکایت کیے ہیں۔ پھر اذان پر امامت کی افضلیت پر جس سے استدلال کیا ہے وہ امامت کی اقامت پر افضلیت پر بھی دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ سنت یہ ہے کہ مؤذن اقامت کہے۔ (فافہم)

نوٹ: اذان پر اقامت کی افضلیت کا مقتضیٰ ان علما کے نزدیک اس کا واجب ہونا ہے جو اذان کے وجوب کا قول کرتے ہیں۔ میں نے کسی سے اس کی تصریح نہیں دیکھی۔ مگر یہ کہا جائے کہ اذان کے وجوب کا قول اس لیے ہے کیونکہ یہ شعائر میں سے ہے بخلاف اقامت کے۔ نیز کبھی سنت واجب پر فضیلت رکھتی ہے جیسا کہ کتاب الطہارت کے آغاز میں (مقولہ 1008 میں) گزر چکا ہے۔ (فتأمل) پھر میں نے صاحب ''الدرر'' کو دیکھا انہوں نے اذان اور اقامت کو نماز کے واجبات سے شمار کیا ہے۔

3417۔ (قولہ: الْمُقِيمُ) یعنی جو نماز کے لیے اقامت کہتے ہیں۔

3418۔ (قولہ: لَمْ يُعِدْهَا فِي الْأَصَحِّ) بخلاف اس کے اگر اذان کو تیز تیز کہے۔ کیونکہ اس میں اعادہ مستحب ہے جیسا

(وَيَزِيدُ قَدْ قَامَتْ الصَّلَاةُ بَعْدَ فَلَاحِهَا مَرَّتَيْنِ) وَعِنْدَ الثَّلَاثَةِ هِيَ فُرَادَى (وَيَسْتَقْبِلُ) غَيْرُ الرَّاكِبِ (الْقِبْلَةَ بِهِمَا) وَيُكْرَهُ تَرْكُهُ تَنْزِيهًا، وَلَوْ قَدَّمَ فِيهِمَا مُؤَخَّرًا أَعَادَ مَا قَدَّمَ فَقَطْ (وَلَا يَتَكَلَّمُ فِيهِمَا) أَصْلًا وَلَوْ رَدَّ سَلَامٍ،

اور حی علی الفلاح کے بعد اقامت میں قد قامت الصلوٰۃ کا دو مرتبہ اضافہ کرے گا۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اقامت ایک ایک مرتبہ ہے۔ سوار کے سوا اذان اور اقامت کہنے والا قبلہ شریف کی طرف منہ کرے۔ اور قبلہ شریف کی طرف منہ کرنے کو ترک کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ اور اگر اذان اور اقامت میں مؤخر (کلمہ) کو مقدم کر دیا تو جو مقدم کیا ہے صرف اس کا اعادہ کرے۔ اور اذان اور اقامت میں کلام بالکل نہ کرے اگرچہ سلام کا جواب بھی ہو۔

کہ گزر چکا ہے کیونکہ اذان کا تکرار مشروع ہے۔ یعنی جیسا کہ جمعہ کے دن میں ہوتا ہے بخلاف اقامت کے۔ اس بنا پر جو ''الخانیہ'' میں ہے کہ اقامت کا اعادہ کرے، یہ اصح کے خلاف پر مبنی ہے۔ اس کی مکمل بحث ''النہر'' میں ہے۔

3419۔ (قولہ: مَرَّتَيْنِ) یہ قد قامت اور الفلاح کی طرف راجع ہے۔ ''طحطاوی''۔

3420۔ (قولہ: وَعِنْدَ الثَّلَاثَةِ هِيَ فُرَادَى) یعنی اقامت ایک ایک مرتبہ ہے۔ بہتر یہ تھا کہ اسے (ھی کالاذان) کے قول کے وقت ذکر کرتے۔ ''حلبی''۔ اور ائمہ ثلاثہ کی دلیل وہ حدیث ہے جو امام بخاری نے روایت کی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دو دو مرتبہ کہنے اور اقامت وتر مرتبہ کہنے کا حکم دیا گیا (1)۔ ہمارے نزدیک آواز کے ایتار پر محمول ہے یعنی اس میں تیز تیز پڑھے اس روایت اور غیر محتمل نصوص روایات میں توفیق دینے کے لیے۔ امام ''الطحاوی'' نے فرمایا: حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے آثار تواتر کے ساتھ مروی ہیں کہ وہ اقامت دو دو مرتبہ کہتے تھے حتیٰ کہ ان کا وصال ہو گیا۔ اس کی مکمل بحث ''البحر'' وغیرہ میں ہے۔

3421۔ (قولہ: غَيْرُ الرَّاكِبِ) ''الامداد'' کی عبارت ہے: مگر یہ کہ وہ سوار ہو، مسافر ہو چلنے کی ضرورت کی وجہ سے۔ کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے سوار ہوتے ہوئے اذان دی جب کہ وہ سوار تھے پھر وہ اترے اور زمین پر اقامت کہی۔ اور ظاہر الروایہ میں حضر میں سوار ہو کر اذان دینا مکروہ ہے۔ اور حضرت ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ ''البدائع'' میں ہے۔

3422۔ (قولہ: بِهِمَا) یعنی اذان اور اقامت کے ساتھ۔ لیکن صلاۃ اور فلاح کے ساتھ التفات کے ساتھ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

3423۔ (قولہ: تَنْزِيهًا) کیونکہ ''المحیط'' کا قول ہے: بہتر قبلہ کی طرف رخ کرنا ہے۔ ''بحر''، ''نہر''۔

3424۔ (قولہ: أَعَادَ مَا قَدَّمَ فَقَطْ) جیسے حی علی الفلاح کو حی علی الصلوٰۃ پر مقدم کر دیا تو صرف اسی کو لوٹائے ابتدا سے دوبارہ اذان نہ دے۔

3425۔ (قولہ: وَلَوْ رَدَّ سَلَامٍ) سلام کا لوٹانا ہو یا چھینک مارنے والے کا جواب ہو یا ان کے علاوہ کا جواب ہو۔ نہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب الامر بشفع الاذان وایقار الاقامۃ، جلد 1، صفحہ 427، حدیث نمبر 619

فَإِنْ تَكَلَّمَ اسْتَأْنَفَهُ (وَيُثَوِّبُ) بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ فِي الْكُلِّ لِلْكُلِّ بِمَا تَعَارَفُوهُ (وَيَجْلِسُ بَيْنَهُمَا) بِقَدْرِ مَا يَحْضُرُ الْمُلَازِمُونَ مُرَاعِيًا لِوَقْتِ النَّدْبِ

اگران میں کلام کرے تو اذان دوبارہ کہے۔ اور تمام نمازوں میں ہر شخص کے لیے اذان اور اقامت کے درمیان تثویب اس کے ساتھ جس کو لوگ جانتے ہوں۔ اور اذان اور اقامت کے درمیان اتنی مقدار بیٹھے کہ ہمیشہ نماز میں شریک ہونے والے آجائیں مستحب وقت کی رعایت کرتے ہوئے۔

دل میں اور نہ اذان و اقامت سے فراغت کے بعد صحیح قول پر۔ ''سراج وغیرہ''

''النہر'' میں فرمایا: اس میں سے کھانسنا ہے مگر آواز کو درست کرنے کے لیے کھانسنا جائز ہے۔

3426۔ (قولہ: اسْتَأْنَفَهُ) مگر جب کلام تھوڑی ہو۔ ''خانیہ''۔

تثویب کے احکام

3427۔ (قولہ: وَيُثَوِّبُ) التثویب کا مطلب ہے اعلام کے بعد اعلام کی طرف لوٹنا۔ ''درر''۔

مؤذن کی تثویب کے ساتھ مقید کیا کیونکہ ''الملتقط'' کے حوالہ سے ''القنیہ'' میں ہے: کسی کے لیے اپنے سے علم و مرتبہ میں بلند شخص کو یہ کہنا جائز نہیں کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے سوائے مؤذن کے۔ کیونکہ اس میں اپنے آپ کو افضل سمجھنا ہے۔ ''بحر''۔

میں کہتا ہوں: یہ تثویب امیر وغیرہ کے ساتھ خاص ہے امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر۔ (فافہم)

3428۔ (قولہ: بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ) ''الحسن'' کی روایت میں اس کی یہ تفسیر ہے کہ اذان کے بعد بیس آیات کی مقدار ٹھہرے پھر تثویب کرے پھر اتنی مقدار ٹھہرے پھر اقامت کہے۔ ''بحر''۔

3429۔ (قولہ: فِي الْكُلِّ) یعنی تمام نمازوں میں کیونکہ امور دینیہ میں سستی ظاہر ہو گئی ہے۔ ''العنایہ'' میں فرمایا: متاخرین نے اپنے عرف کے مطابق مغرب کے سوا تمام نمازوں میں اذان اور اقامت کے درمیان تثویب کا نیا کام شروع کیا ہے اصل کی بقا کے ساتھ۔ اور وہ اصل فجر کی تثویب ہے۔ اور مسلمان جس کو اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے (1)۔

3430۔ (قولہ: لِلْكُلِّ) یعنی کل احد (ہر ایک کے لیے) امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے ساتھ خاص کیا ہے جو مصالحہ عامہ میں مشغول ہو جیسے قاضی، مفتی اور مدرس۔ اس کو ''قاضی خان'' وغیرہ نے پسند کیا ہے۔ ''نہر''۔

3431۔ (قولہ: بِمَا تَعَارَفُوهُ) جیسے کھانسنا یا قامت قامت کہنا یا الصلوٰۃ الصلوٰۃ کہنا اگر کوئی نیا آگاہی کا طریقہ نکالیں جو اس کے مخالف ہو تو جائز ہوگا۔ ''نہر'' عن ''المجتبیٰ''۔

3432۔ (قولہ: وَيَجْلِسُ بَيْنَهُمَا) اگر اس کو تثویب پر مقدم کرتے تو بہتر تھا تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ بیٹھنا تثویب کے بعد ہے۔ ''نہر''۔

1۔ المعجم الکبیر للطبرانی، جلد 9، صفحہ 113، حدیث نمبر 8583

(اِلَّا فِي الْمَغْرِبِ) فَيَسْكُتُ قَائِمًا قَدْرَ ثَلَاثِ آيَاتٍ قِصَارٍ، وَيُكْرَهُ الْوَصْلُ إجْمَاعًا فَائِدَةٌ التَّسْلِيمُ بَعْدَ الْأَذَانِ حَدَثَ فِي رَبِيعِ الْآخَرِ سَنَةَ سَبْعِمِائَةٍ وَإِحْدَى وَثَمَانِينَ فِي عِشَاءِ لَيْلَةِ الِاثْنَيْنِ، ثُمَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، ثُمَّ بَعْدَ عَشْرِ سِنِينَ أُحْدِثَ فِي الْكُلِّ إلَّا الْمَغْرِبَ، ثُمَّ فِيهَا مَرَّتَيْنِ، وَهُوَ بِدْعَةٌ حَسَنَةٌ

سوائے مغرب کے تین چھوٹی آیات کی مقدار خاموش کھڑا رہے۔ اور اذان اور اقامت میں اتصال بالا جماع مکروہ ہے۔ اذان کے بعد سلام پیش کرنا...... سات سو اکیاسی ہجری ربیع الآخر میں سوموار کی رات عشاء کے وقت شروع ہوا پھر جمعہ کے دن پڑھا جانے لگا۔ پھر دس سال بعد نماز کی اذانوں کے بعد پڑھا جانے لگا سوائے مغرب کے۔ پھر مغرب کی اذان کے بعد دو مرتبہ پڑھا جانے لگا۔ یہ بدعت حسنہ ہے۔

3433۔ (قولہ: اِلَّا فِي الْمَغْرِبِ) ''الدرر'' میں فرمایا: یہ تثویب اور جلوس سے استثنا ہے۔ کیونکہ تثویب جماعت کے متعلق آگاہی کے لیے ہوتی ہے اور مغرب میں اس کے وقت کی تنگی کی وجہ سے پہلے ہی حاضر ہوتے ہیں۔ ''النہر'' میں اس پر اعتراض کیا ہے کہ یہ الکل فی الکل کی قول کے منافی ہے۔ شیخ ''اسماعیل'' نے کہا: اس طرح نہیں ہے۔ کیونکہ ''العنایہ'' کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ تثویب میں مغرب کی استثنا ہے۔ اور ''غرر الاذکار''، ''النہایہ''، ''البرجندی'' اور ''ابن مالک'' وغیرہا نے اس پر جزم کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: کبھی کہا جاتا ہے کہ جو ''الدرر'' میں ہے وہ حضرت الحسن کی روایت پر مبنی ہے کہ وہ بیس آیات کی مقدار ٹھہرے پھر تثویب کرے جیسا کہ ہم نے (مقولہ 3428 میں) بیان کیا ہے۔ اگر مغرب میں بغیر فاصلہ کے تثویب کرے گا تو ظاہر یہ ہے کہ اس سے کوئی مانع نہیں اس پر محمول کیا جائے گا جو ''النہر'' میں ہے۔ فتدبر

3434۔ (قولہ: فَيَسْكُتُ قَائِمًا) یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک خطیب کے جلسہ کی طرح جلسہ کے ساتھ فاصلہ کرے۔ اور اختلاف افضلیت میں ہے۔ اگر بیٹھ گیا تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ نہیں۔ اور اذان کی جگہ سے تکبیر کے لیے پھر جانا مستحب ہے۔ اور یہ متفق علیہ ہے۔ مکمل بحث ''البحر'' میں ہے۔

3435۔ (قولہ: سَنَةَ 781) اسی طرح امام سیوطی کی کتاب ''حسن المحاضرہ'' کے حوالہ سے ''النہر'' میں ہے۔ پھر ''القول البدیع للسخاوی'' سے نقل کیا کہ یہ 791 میں شروع ہوا اور اس کی ابتدا سلطان الناصر صلاح الدین کے حکم سے ہوئی۔

3436۔ (قولہ: ثُمَّ فِيهَا مَرَّتَيْنِ) یعنی مغرب میں دو مرتبہ پڑھا جانے لگا جیسا کہ ''الخزائن'' میں اس کی تصریح ہے لیکن ''النہر'' میں اس کو نقل نہیں کیا اور نہ میں نے کسی اور کتاب میں دیکھا ہے۔ گویا یہ الشارح کے زمانہ میں موجود تھا۔ یا اس سے مراد وہ ہے جو مغرب کی اذان کے بعد کیا جاتا ہے۔ پھر اس کے بعد جمعہ اور سوموار کی رات مغرب اور عشاء کے بعد پڑھا جاتا تھا اس کو دمشق میں تذکیر کہا جاتا ہے۔ یہ اس طرح تھا جو جمعہ کے دن ظہر کی اذان سے پہلے کیا جاتا ہے۔ میں نے نہیں دیکھا جس نے یہ ذکر کیا ہو۔

3437۔ (قولہ: وَهُوَ بِدْعَةٌ حَسَنَةٌ) ''النہر'' میں ''القول البدیع'' کے حوالہ سے فرمایا: اقوال میں سے درست قول یہ

(وَ) يُسَنُّ أَنْ (يُؤَذِّنَ وَيُقِيمَ لِفَائِتَةٍ) رَافِعًا صَوْتَهُ لَوْ بِجَمَاعَةٍ أَوْ صَحْرَاءَ لَا بِبَيْتِهِ مُنْفَرِدًا (وَكَذَا) يُسَنَّانِ (لِأُوْلَى الْفَوَائِتِ)

فوت شدہ نماز کے لیے اذان دینا اور اقامت کہنا بلند آواز سے سنت ہے اگر جماعت کے ساتھ ہو یا صحرا میں ہو نہ اکیلا جب گھر میں ہو۔ اسی طرح دونوں سنت ہیں بہت سی فوت شدہ نمازوں میں سے پہلی کے لیے

ہے کہ بدعت حسنہ ہے۔ بعض مالکی علما نے رات کے آخری تہائی حصہ میں مؤذنین کی تسبیح کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اس میں نظر ہے۔ (ملخصاً)

اذان الجوق

دوسرا فائدہ: امام سیوطی نے ذکر کیا ہے کہ سب سے پہلے اکٹھی دو اذانوں کی ایجاد بنو امیہ نے کی۔

''الرملی'' نے ''حاشیۃ البحر'' میں فرمایا: میں نے اذان کی جماعت کے بارے میں کوئی نص نہیں دیکھی۔ جس اذان کو ہمارے علاقہ میں اذان الجوق کہا جاتا ہے کیا یہ بدعت حسنہ ہے یا بدعت سیئہ ہے؟ شوافع نے خطیب کے سامنے اس کا ذکر کیا اور اس کے استحباب اور اس کی کراہت کے بارے میں اختلاف کیا۔ رہی پہلی اذان تو ''نہایہ'' میں تصریح ہے کہ یہ متوارث ہے۔ کیونکہ انہوں نے واذا اذن المؤذنون الاذان الاول ترك الناس البيع (جب مؤذنین پہلی اذان دیں تو لوگ بیع ترک کردیں) کے قول کی شرح میں فرمایا: مؤذنین کا لفظ جمع کے لفظ سے ذکر کیا ہے عادت کے طریقہ پر کلام کو نکالنے کے لیے کیونکہ اس میں متوارث ان کا جمع ہونا ہے تاکہ جامع مصر کی اطراف میں ان کی آواز پہنچے اس میں دلیل ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے۔ کیونکہ متوارث عمل مکروہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح خطیب کے سامنے دی جانے والی اذان کے بارے میں کہیں گے۔ پس یہ بدعت حسنہ ہوگی کیونکہ جس کام کو مومنین اچھا سمجھیں وہ اچھا ہے۔ (ملخصاً)

میں کہتا ہوں: سیدی ''عبد الغنی'' نے ''النہایہ'' کے مذکور کلام سے اخذ کرتے ہوئے مسئلہ ذکر کیا ہے پھر فرمایا: جمعہ کے لیے خصوصیت نہیں۔ کیونکہ فروض خمسہ (پانچوں نمازیں) اعلام کی محتاج ہیں۔

3438۔ (قولہ: لَوْ بِجَمَاعَةٍ) یعنی مسجد کے علاوہ میں اذان نہیں دی جائے گی۔ پھر یہ (رافعا صوتہ) کی قید ہے۔ اور ''البحر'' میں اس کو بطور بحث ذکر کیا ہے اور فرمایا: میں نے یہ اپنے ائمہ کی کلام میں نہیں دیکھا۔ اور اکیلے آدمی کے لیے صحرا میں بلند آواز سے اذان دینے کا استدلال صحیح کی حدیث سے کیا گیا ہے: جب تو اپنی بکریوں میں ہو یا صحرا میں ہو اور تو نماز کے لیے اذان دے تو اذان کے ساتھ اپنی آواز کو بلند کر کیونکہ موذن کی آواز کوئی انسان، جن، مٹی کا روڑا نہیں سنتا مگر وہ قیامت کے دن اس کے لیے گواہی دے گا (1)۔ اس کو ''البحر'' میں ثابت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ''القہستانی'' میں جو ہے وہ اس کے مخالف ہے کہ لوگوں کو آگاہ کرنے کے لیے اذان کو بلند آواز سے کہنا

1۔ صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب رفع الصوت بالنداء، جلد 1، صفحہ 308، حدیث نمبر 574

لَا لِفَاسِدَةٍ (وَيُخَيَّرُ فِيهِ لِلْبَاقِي) لَوْ فِي مَجْلِسٍ وَفِعْلُهُ أَوْلَى، وَيُقِيمُ لِلْكُلِّ

نہ کہ فاسد نماز کے لیے۔ اور باقی نمازوں کے لیے اذان میں اختیار دیا جائے گا اگر ایک مجلس میں قضا کر رہا ہو اور اذان دینا اولیٰ ہے اور تمام نمازوں کے لیے اقامت کہے گا۔

واجب ہے۔ پس اگر اپنے لیے اذان دے تو آہستہ آواز میں اذان دے۔ کیونکہ یہی شرع میں اصل ہے جیسا کہ ''کشف المنار'' میں ہے۔

جس سے استدلال کیا گیا ہے وہ تو گھر میں منفرد کے لیے آواز کو بلند کرنے کو مفید ہے تا کہ قیامت کے روز گواہوں کی کثرت ہو جائے مگر یہ کہا جائے گا مراد آواز کو بلند کرنے میں مبالغہ ہے اور گھر میں اذان دینے والا اتنی بلند آواز میں اذان دے کہ جو اس کے اپنے سننے سے زیادہ ہو۔ اس پر ''القہستانی'' کی کلام کو محمول کیا جائے گا۔ (فلیتامل)

3439۔ (قولہ: لَا لِفَاسِدَةٍ) یعنی جب وقت میں اعادہ کیا جائے ورنہ وہ فوت شدہ ہو گی ''طحطاوی''۔ ''المجتبیٰ'' میں ہے: ایک قوم نے اس نماز کے فساد کا ذکر کیا جو انہوں نے وقت میں مسجد میں پڑھی تھی تو وہ اسے مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کریں گے اور اذان اور اقامت کا اعادہ نہیں کریں گے۔ اور اگر وقت کے بعد اسے ادا کریں گے تو اس مسجد کے علاوہ میں اذان اور اقامت کے ساتھ اسے ادا کریں گے۔ لیکن آگے آئے گا کہ اقامت کا اعادہ کیا جائے گا اگر فاصلہ زیادہ ہو گا۔

3440۔ (قولہ: فِيهِ) یعنی اذان میں۔

3441۔ (قولہ: لَوْ فِي مَجْلِسٍ) اگر بہت سی مجالس میں ہو۔ پھر اگر وہ ایک مجلس میں ایک سے زیادہ نمازیں ادا کرے تو اسی طرح حکم ہے ورنہ نماز کے لیے اذان دے گا اور اقامت کہے گا۔

3442۔ (قولہ: وَفِعْلُهُ أَوْلَى) کیونکہ خندق کے دن فوت شدہ نمازوں کی قضا میں روایات مختلف ہیں۔ بعض میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے ہر نماز کے لیے اذان دی اور اقامت کہی (1)۔ اور بعض میں ہے پہلی نماز کے بعد والی نمازوں میں صرف اقامت پر اکتفا کیا (2)۔ پس زیادہ کو لینا اولیٰ ہے خصوصاً عبادات کے باب میں۔ اس کی مکمل بحث ''الامداد'' میں ہے۔

3443۔ (قولہ: يُقِيمُ لِلْكُلِّ) یعنی باقی نمازوں میں اقامت میں اختیار نہیں دیا جائے گا بلکہ اس کا ترک مکروہ ہے جیسا کہ ''نور الایضاح'' میں ہے۔ عرفہ میں دونوں نمازوں کو ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ اور مزدلفہ میں ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ جمع کرنے کا ذکر آگے آئے گا۔ ''الطحاوی'' نے کہا: یہ عرفہ کی طرح ہے۔ اور ''ابن الہمام'' نے اس کو ترجیح دی ہے جیسا کہ اس کے باب میں (مقولہ 10110 میں) آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اور اب باقی ہے کہ اگر فوت شدہ نماز اور وقت میں ادا کی جانے والی نماز کو جمع کرے تو میں نے یہ مسئلہ کہیں نہیں دیکھا۔

1۔ المعجم الاوسط للطبرانی، جلد 2، صفحہ 166، حدیث نمبر 1307

2۔ سنن النسائی، کتاب الاذان، باب الاجتزاء لذلك كله، جلد 1، صفحہ 258، حدیث نمبر 656

(وَلَا يُسَنُّ) ذَلِكَ (فِيمَا تُصَلِّيهِ النِّسَاءُ أَدَاءً وَقَضَاءً) وَلَوْ جَمَاعَةً كَجَمَاعَةِ صِبْيَانٍ وَعَبِيدٍ، وَلَا يُسَنَّانِ أَيْضًا لِظُهْرِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فِي مِصْرٍ (وَلَا فِيمَا يُقْضَى مِنَ الْفَوَائِتِ فِي مَسْجِدٍ) لِأَنَّ فِيهِ تَشْوِيشًا وَ تَغْلِيطًا (وَيُكْرَهُ قَضَاؤُهَا فِيهِ)

اور اذان اور اقامت سنت نہیں اس نماز کے لیے جس کو عورتیں ادا پڑھیں یا قضا پڑھیں اگر چہ جماعت ہو جیسے بچوں اور غلاموں کی جماعت۔ اور جمعہ کے دن ظہر کے لیے اذان اور اقامت شہر میں سنت نہیں اور نہ یہ دونوں سنت ہیں اس کے لیے جو مسجد میں فوت شدہ نمازیں ادا کرتا ہے۔ کیونکہ اس میں تشویش اور تغلیط ہے اور مسجد میں قضا نماز کا ادا کرنا مکروہ ہے۔

اور میرے لیے ظاہر ہوا ہے کہ وہ دو اذانوں اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا کرے اس صورت میں مزدلفہ میں جمع کے درمیان جو فرق ہے وہ مخفی نہیں۔

3444۔(قولہ: وَلَا يُسَنُّ ذَلِكَ) یعنی اذان اور اقامت سنت نہیں، مذکور کی تاویل پر ضمیر مفرد ذکر کیا۔ ''حلبی''۔ اور مذکورہ تین مقامات میں سنیت کی نفی سے کراہت کا ارادہ فرمایا جیسا کہ ''الامداد'' سے معلوم ہوگا۔

3445۔(قولہ: وَلَوْ جَمَاعَةً) اس کو ''الفتح'' کے قول سے لیا ہے: کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عورتوں کی جماعت بغیر اذان اور اقامت کے کرائی جب اس کی جماعت مشروع تھی یہ اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ منفرد بھی اسی طرح ہے۔ کیونکہ ان دونوں کا ترک اس وقت تھا جب ان کی جماعت مشروع تھی تو حالت انفراد میں بدرجہ اولیٰ ترک ہوں گی۔

میں کہتا ہوں: ''السراج'' میں جو ہے اس کا ظاہر بھی یہی ہے۔ اور شارح کے لیے یہ کہنا بہتر تھا: ولو منفردۃ۔ کیونکہ ان کی جماعت اب غیر مشروع ہے۔ پس تو سمجھ لے۔

3446۔(قولہ: كَجَمَاعَةِ صِبْيَانٍ وَعَبِيدٍ) کیونکہ یہ مشروع نہیں ہے۔ پس اس میں دونوں اذان اور اقامت مشروع نہ ہوں گی جیسے ان کی جماعت کے بعد تشریق کی تکبیر ''بحر'' عن ''الزیلعی''۔

3447۔(قولہ: فِي مِصْرٍ) یہ معذور وغیرہ کو شامل ہے ''زیلعی''۔ اور دیہاتوں میں کسی حال میں مکروہ نہیں ''ظہیریہ''۔ یعنی دوسری مساجد میں نہ جمعہ کی ادائیگی سے پہلے اور نہ اس کے بعد اس قول کی وجہ سے کہ بعض علماء نے فرمایا: جمعہ کی ادائیگی کے بعد شہر میں مکروہ نہیں ہے۔

3448۔(قولہ: لِأَنَّ فِيهِ تَشْوِيشًا) ظاہر ہوتا ہے کہ اگر اذان جماعت کے لیے ہو۔ رہا یہ کہ جب وہ منفرد ہو اور وہ اتنی آواز میں اذان دے کہ اپنے آپ کو سنائے تو مکروہ نہیں۔ ''طحطاوی''۔

اور ''الامداد'' میں ہے: جب نماز کا فوت ہونا کسی عمومی امر کی وجہ سے ہو تو مسجد میں اذان مکروہ نہیں ہے۔ کیونکہ کراہت کی علت نہیں پائی جاتی جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ التعریس میں کیا تھا(1)۔ لیکن لیلۃ التعریس صحرا میں تھی مسجد میں نہ تھی۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب قضاء الفائتۃ، جلد 1، صفحہ 677، حدیث نمبر 1147

لِأَنَّ التَّأْخِيرَ مَعْصِيَةٌ فَلَا يُظْهِرُهَا بَزَّازِيَّةٌ (وَيَجُوزُ بِلَا كَرَاهَةٍ (أَذَانُ صَبِيٍّ مُرَاهِقٍ وَعَبْدٍ) وَلَا يَحِلُّ إِلَّا بِإِذْنٍ

کیونکہ نمازوں میں تاخیر معصیت ہے پس معصیت کا اظہار نہ کرے۔ ''البزازیہ''۔ قریب البلوغ بچے اور غلام کی اذان بلا کراہت جائز ہے۔ اور غلام کی اذان مالک کی اجازت سے حلال ہے جیسے خاص مزدور کی اذان حلال نہیں

3449۔ (قولہ: لِأَنَّ التَّأْخِيرَ مَعْصِيَةٌ) یہ جماعت میں ظاہر ہوتا ہے منفرد میں نہیں۔ ''طحطاوی''۔

یعنی منفرد اپنی اذان آہستہ دیتا ہے جیسا کہ ''القہستانی'' کے حوالہ سے ہم نے پہلے (مقولہ 3438 میں) پیش کیا ہے اس بناء پر کہ جب تفویت کسی عام امر کی وجہ سے ہو تو یہ جماعت کے لیے مکروہ نہیں کیونکہ یہ تاخیر معصیت نہیں ہے۔

اس تعلیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ مکروہ اس پر اطلاع کے ساتھ قضا کرنا ہے اگرچہ غیر مسجد میں ہو۔ جیسا کہ ''المنح'' میں باب قضاء الفوائت میں ذکر ہے۔

3450۔ (قولہ: بِلَا كَرَاهَةٍ) یعنی کراہت تحریمی نہیں ہے۔ کیونکہ کراہت تنزیہی تو ثابت ہے۔ کیونکہ ''البحر'' میں ''الخلاصہ'' کے حوالہ سے ہے کہ ان کے علاوہ دوسرے لوگ اولیٰ ہیں۔ ''حلبی''۔

میں کہتا ہوں: کتاب الطہارت کے آغاز میں ہم نے (مقولہ 995 میں) کلام پیش کی تھی کہ خلاف اولیٰ مکروہ ہے یا نہیں۔ ادھر رجوع کرو۔

3451۔ (قولہ: صَبِيٍّ مُرَاهِقٍ) اس سے مراد عاقل بچہ ہے اگرچہ قریب البلوغ نہ بھی ہو جیسا کہ ''البحر'' وغیرہ میں یہ ظاہر ہے۔ بعض نے کہا: بچے کی اذان مکروہ ہے لیکن یہ ظاہر الروایہ کے خلاف ہے جیسا کہ ''الامداد'' وغیرہ میں ہے۔ اس بنا پر اذان کے وظیفہ میں اس کی تقریر صحیح ہے۔ ''بحر''۔

3452۔ (قولہ: وَعَبْدٍ وَأَعْمَى الخ) ان کی اذان مکروہ نہیں۔ کیونکہ ان کا قول امور دینیہ میں مقبول ہے۔ پس یہ ملزم ہوگا اور اس سے اعلام حاصل ہوگا بخلاف فاسق کے ''زیلعی''۔

میں کہتا ہوں: اعتراض وارد ہوتا ہے کہ بچے کا قول امور دینیہ میں مقبول نہیں ہے اصح قول میں جیسا کہ ہم نے باب سے پہلے (مقولہ 3270 میں) پیش کیا ہے۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ اس سے فاسق کی طرح اعلام حاصل نہ ہو، تامل۔ اس میں مکمل کلام (مقولہ 3473 میں) آگے آئے گی۔

3453۔ (قولہ: وَلَا يَحِلُّ إِلَّا بِإِذْنٍ) یہ ''البحر'' میں بطور بحث ذکر کیا ہے اور فرمایا: مناسب ہے کہ غلام اپنے لیے اذان دے تو اپنے آقا سے اجازت کا محتاج نہیں۔ اگر وہ جماعت کے لیے مؤذن ہونے کا ارادہ کرے تو آقا کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔ کیونکہ اس میں آقا کی خدمت کو نقصان پہنچانا ہے۔ کیونکہ وہ اوقات کی رعایت کا محتاج ہوگا اور فقہاء کے کلام میں میں نے یہ نہیں دیکھا۔

كَأَجِيرٍ خَاصٍّ (وَأَعْمَى وَوَلَدِ زِنًى وَأَعْرَابِيٍّ) وَإِنَّمَا يُسْتَحَقُّ ثَوَابُ الْمُؤَذِّنِينَ إِذَا كَانَ عَالِمًا بِالسُّنَّةِ وَالْأَوْقَاتِ وَلَوْ غَيْرَ مُحْتَسِبٍ بَحْرٌ

مگر مستاجر کی اجازت سے۔ اور اندھے، ولد الزنا اور بدو کی اذان مکروہ نہیں۔ اور موذنین کے ثواب کا مستحق وہی ہوگا جو سنت کو اور اوقات کو جاننے والا ہو اگرچہ ثواب کی نیت سے نہ دیتا ہو۔ ''بحر''۔

3454۔ (قولہ: كَأَجِيرٍ خَاصٍّ) یہ صاحب ''النہر'' کی بحث ہے جہاں انہوں نے کہا: اجیر خاص بھی اسی طرح ہونا چاہیے۔ اس کی اذان بھی مستاجر کی اجازت کے بغیر حلال نہیں۔

میں کہتا ہوں: بلکہ علماء نے تصریح کی ہے کہ اس کے لیے بالاتفاق نوافل ادا کرنا جائز نہیں۔ سنن میں اختلاف کیا ہے جیسا کہ ہم اجارات کے باب میں (مقولہ 29977 میں) ان شاء اللہ ذکر کریں گے۔ یہ (سابقہ مقولہ میں) ''البحر'' کی بحث کا موید ہے۔ کیونکہ غلام، منافع اور گردن کا مملوک ہے بخلاف مزدور کے۔

3455۔ (قولہ: وَأَعْمَى) اس پر ''عبد اللہ بن ام مکتوم'' کی اذان کا اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کے ساتھ ایسا آدمی ہوتا تھا جو اس پر نماز کے اوقات کی حفاظت کرتا تھا۔ جب یہ ہو تو نابینے اور آنکھوں والے کی اذان کا حکم برابر ہے۔ یہ ''شیخ الاسلام'' نے ذکر کیا ہے۔ ''معراج''۔

یہ اس میں کراہت کے ثبوت کی بنا پر ہے۔ اور اس میں کلام (مقولہ 3450 میں) گزر چکی ہے ورنہ اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

3456۔ (قولہ: عَالِمًا بِالسُّنَّةِ وَالْأَوْقَاتِ) یعنی اذان کی سنت اور مطلوبہ اوقات کی سنت کو جاننے والا ہو اس کے مطابق جس کا بیان (مقولہ 3385 میں) گزر چکا ہے۔

مؤذن جو اپنی اذان میں ثواب کی نیت نہ کرنے والا ہو

3457۔ (قولہ: وَلَوْ غَيْرَ مُحْتَسِبٍ) ''الفتح'' میں جو ہے یہ اس کا رد ہے۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا: اگر نماز کے اوقات کو جاننے والا نہ ہو تو موذنین کے ثواب کا مستحق نہیں ہے جیسا کہ ''الخانیہ'' میں ہے تو اجرت لینے کی صورت میں بدرجہ اولیٰ ثواب کا مستحق نہیں ہوگا۔ ''البحر'' کی تبع میں ''النہر'' میں اس کا رد کیا ہے کہ جاہل کی اذان میں ایسی جہالت ہے جو دھوکے میں ڈالنے والی ہے بخلاف اس کے جو ثواب کی نیت نہیں کرتا۔ اس بنا پر کہ اذان اور اقامت پر اجرت لینا حلال نہ ہونا متقدمین کی رائے ہے اور متاخرین اس کو جائز قرار دیتے ہیں جیسا کہ اجارات میں آئے گا۔

میں کہتا ہوں: اجرت کی حلت جو ضرورت کے ساتھ معلل ہے اس سے ثواب کا حصول لازم نہیں آتا خصوصاً جب اجرت نہ ہو تو وہ اذان نہ دیتا ہو۔ کیونکہ اس کا عمل دنیا کے لیے ہوگا اور وہ ریا ہے۔ کیونکہ اس نے اپنا عمل اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نہیں کیا۔ پس وہ مہاجر ''ام قیس'' کی طرح ہے۔ اور جب جاہل ثواب کی نیت کرنے والا یہ اجر نہیں پاتا تو یہ بدرجہ اولیٰ یہ ثواب نہیں

1۔ المعجم الکبیر للطبرانی، جلد 12، صفحہ 433، حدیث نمبر 13584

(وَيُكْرَهُ أَذَانُ جُنُبٍ وَإِقَامَتُهُ وَإِقَامَةُ مُحْدِثٍ لَا أَذَانُهُ) عَلَى الْمَذْهَبِ (وَ) أَذَانُ (امْرَأَةٍ) وَخُنْثَى (وَفَاسِقٍ) وَلَوْ عَالِمًا، لَكِنَّهُ أَوْلَى بِإِمَامَةٍ وَأَذَانٍ مِنْ جَاهِلٍ تَقِيٍّ (وَسَكْرَانَ) وَلَوْ بِمُبَاحٍ كَمَعْتُوهٍ وَصَبِيٍّ لَا يَعْقِلُ

جنبی کی اذان اور اقامت مکروہ ہے۔ اور محدث کی اقامت مکروہ ہے اذان نہیں مذہب پر۔ اور عورت، خنثی اور فاسق کی اذان مکروہ ہے اگر چہ فاسق عالم ہو لیکن فاسق، جاہل متقی کی نسبت اذان اور اقامت کا زیادہ مستحق ہے۔ اور نشہ کرنے والے کی اذان مکروہ ہے اگر چہ مباح کے ساتھ ہو جیسے معتوہ، اور غیر عاقل بچہ

پائے گا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ بہت سی احادیث میں ثواب کی نیت کرنے کی قید ہے۔ ان میں سے ایک ''طبرانی'' کی ''الکبیر'' میں روایت ہے جیسا کہ ''الفتح'' میں ہے...... تین قسم کے افراد قیامت کے روز کستوری کے ٹیلوں پر ہوں گے، بڑی گھبراہٹ انہیں پریشان نہیں کرے گی اور وہ خوفزدہ نہ ہوں گے جب لوگ خوفزدہ ہوں گے: ایک وہ شخص جس کو قرآن سکھایا گیا پھر اس نے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہوئے اور اس کی نعمتوں کو چاہتے ہوئے اس کے ساتھ قیام کیا، اور دوسرا وہ شخص جو ہر روز پانچ نمازوں کی اذان دیتا ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی نعمتیں چاہتا ہے، اور تیسرا وہ غلام جسے دنیا کی غلامی اسے اپنے رب کی طاعت سے نہیں روکتی (1)۔

ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کا ارادہ تو رضاالٰہی ہے لیکن اوقات کی رعایت کی وجہ سے اور اذان سے مشغول ہونے کی وجہ سے اس کی آمدنی اس سے کم ہوتی ہے جو اس کی اور اس کی اولاد کی کفایت کرے تو وہ اجرت لیتا ہے تا کہ اس نیک کام سے کمائی کا عمل مانع نہ ہو اگر یہ نہ ہوتا تو وہ اجرت نہ لیتا۔ پس اس کے لیے مذکور ثواب ہوگا بلکہ وہ دونوں عبادتوں کو جمع کرنے والا ہوگا اور وہ یہ ہیں اذان اور عیال کے لیے محنت۔ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔

جنبی اور محدث کی اذان اور اقامت کا حکم

3458۔ (قولہ: وَيُكْرَهُ أَذَانُ جُنُبٍ) کیونکہ وہ ایسی بات کی طرف بلانے والا ہے جس کا وہ خود جواب نہیں دیتا اور اس کی اقامت بدرجہ اولیٰ مکروہ ہے۔ ''الخانیہ'' میں تصریح کی ہے کہ اغلظ حدثین سے اذان میں طہارت واجب ہے۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ کراہت تحریمی ہے۔ ''بحر''۔

3459۔ (قولہ: عَلَى الْمَذْهَبِ) یہ (اقامة محدث لا اذانہ) کے قول کی طرف راجع ہے۔ رہا جنبی تو اس سے دونوں مکروہ ہیں ایک روایت ہے جیسا کہ ''البحر'' میں ہے۔ ''حلبی''۔

3460۔ (قولہ: بِإِمَامَةٍ وَأَذَانٍ) پہلے پر نص ہے اور دوسرا اس کے ساتھ لاحق ہے ''النہر'' میں بطور بحث ذکر ہے۔

3461۔ (قولہ: مِنْ جَاهِلٍ تَقِيٍّ) یعنی جہاں متقی عالم نہ پایا گیا ہو۔

3462۔ (قولہ: بِمُبَاحٍ) جیسے لقمہ نگلنے کے لیے شراب کا گھونٹ بھرا۔ اس طرف اشارہ فرمایا کہ نشہ سے فسق لازم نہیں آتا پس تکرار نہیں ہے۔

(وَقَاعِدٍ إِلَّا إِذَا أَذَّنَ لِنَفْسِهِ) وَرَاكِبٍ إِلَّا لِمُسَافِرٍ (وَيُعَادُ أَذَانُ جُنُبٍ) نَدْبًا، وَقِيلَ وُجُوبًا (لَا إِقَامَتُهُ) لِمَشْرُوعِيَّةِ تَكْرَارِهِ فِي الْجُمُعَةِ دُونَ تَكْرَارِهَا (وَكَذَا) يُعَادُ (أَذَانُ امْرَأَةٍ وَمَجْنُونٍ وَمَعْتُوهٍ وَسَكْرَانَ وَصَبِيٍّ لَا يَعْقِلُ) لَا إِقَامَتُهُمْ لِمَا مَرَّ، وَيَجِبُ اسْتِقْبَالُهُمَا لِمَوْتِ مُؤَذِّنٍ وَغُشْيِهِ وَخَرَسِهِ وَحَصَرِهِ، وَلَا مُلَقِّنَ وَذَهَابِهِ لِلْوُضُوءِ لِسَبْقِ حَدَثٍ خُلَاصَةٌ،

اور بیٹھنے والے کی اذان مکروہ ہے مگر جب وہ اپنے لیے اذان دے۔ اور سوار کی اذان مکروہ ہے مگر مسافر کے لیے مکروہ نہیں۔ اور جنبی کی اذان استحباباً لوٹائی جائے گی۔ اور بعض علماء نے فرمایا: وجوباً لوٹائی جائے گی، اس کی اقامت نہیں لوٹائی جائے گی۔ کیونکہ جمعہ میں اذان کا تکرار مشروع ہے جب کہ اقامت کا تکرار مشروع نہیں۔ اسی طرح عورت، مجنون، معتوہ نشہ والے، اور غیر عاقل بچے کی اذان کا اعادہ کیا جائے گا، ان کی اقامت کا اعادہ نہیں کیا جائے گا۔ اس کی وجہ وہی ہے جو گزر چکی ہے۔ اور اذان اور اقامت کا ابتدا سے شروع کرنا واجب ہے مؤذن کے مرنے، اس پر غشی طاری ہونے، اس کے گونگا ہو جانے اور اس کے بولنے سے عاجز ہو جانے کی صورت میں جب کہ کوئی تلقین کرنے والا نہ ہو اور حدث لاحق ہو جانے کی وجہ سے وضو کے لیے جانے کی صورت میں۔ ''خلاصہ''

3463۔ (قولہ: كَمَعْتُوهٍ) اس کی مثل مجنون ہے۔ ''حلبی''

3464۔ (قولہ: وَيُعَادُ أَذَانُ جُنُبٍ) ''القہستانی'' نے فاجر، راکب (سوار) بیٹھ کر اذان دینے والا، چل کر اذان دینے والا اور قبلہ سے رخ پھیر کر اذان دینے والا، ان کا اضافہ کیا ہے۔ اور تمام میں وجوب کی علت بیان کی کہ یہ غیر معتد بہ اور ندب کی علت بیان کی کہ یہ معتد بہ ہے مگر ناقص ہے فرمایا: یہی اصح ہے جیسا کہ ''التمرتاشی'' میں ہے۔

3465۔ (قولہ: لِمَا مَرَّ) یعنی لمشروعیۃ تکرارہ کے قول سے۔

3466۔ (قولہ: لِمَوْتِ مُؤَذِّنٍ) اقامت کہنے والے کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ شرعاً موذن بھی اقامت کہنے والا ہوتا ہے جیسا کہ (مقولہ 3487 میں) آگے آئے گا۔ (فافہم)

3467۔ (قولہ: وَغُشْيِهِ) غین کے ضمہ، شین معجمہ کے سکون کے ساتھ۔ اس کا مطلب ہے حاسہ اور محرک قویٰ کا بھوک وغیرہ کی وجہ سے دل کے ضعف کی بنا پر معطل ہو جانا۔ جیسا کہ ہم نے باب الوضوء میں ''القہستانی'' کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔ ''حلبی''۔

3468۔ (قولہ: وَحَصَرِهِ) یہ باب فرح سے مصدر ہے بولنے سے عاجز ہو جانا۔ ''حلبی'' عن ''القاموس''۔

3469۔ (قولہ: وَلَا مُلَقِّنَ) واؤ حال کے لیے ہے۔ ''حلبی''۔

3470۔ (قولہ: وَذَهَابِهِ لِلْوُضُوءِ) بہتر یہ ہے کہ وہ ان دونوں کو مکمل کرے پھر وضو کرے۔ کیونکہ ابتداءً حدث کے ہوتے ہوئے دونوں کو ادا کرنا جائز ہے تو بناء بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ ''بدائع''۔

3471۔ (قولہ: خُلَاصَةٌ) اسی طرح ''الخانیہ'' میں ہے۔ اور ''الفتح'' میں فرمایا: اگر وجوب کو اس کے ظاہر پر محمول کیا

لَكِنْ عَبَّرَ فِي السِّرَاجِ بِ يُنْدَبُ وَجَزَمَ الْمُصَنِّفُ بِعَدَمِ صِحَّةِ أَذَانِ مَجْنُونٍ وَمَعْتُوهٍ وَصَبِيٍّ لَا يَعْقِلُ قُلْتُ وَكَافِرٍ وَفَاسِقٍ لِعَدَمِ قَبُولِ قَوْلِهِ فِي الدِّيَانَاتِ

لیکن ''السراج'' میں اس کو (یندب) کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔اور ''المصنف'' نے مجنون، معتوہ، غیر عاقل بچے کی اذان کی عدم صحت پر جزم کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: کافر اور فاسق کی اذان بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا قول بھی دیانات میں قبول نہیں ہے۔

جائے تو پھر نفس اذان...... کیونکہ وہ سنت ہے...... اور اس میں شروع ہونے کے بعد نئے سرے سے اذان کہنے کے درمیان فرق کرنے کی احتیاج ہوگی۔ کبھی اس میں کہا جاتا ہے: جب اذان میں شروع ہو پھر وہ اذان کو قطع کردے اور سامعین کے گمان کی طرف جلدی کرے کہ اس کا اذان کو قطع کرنا غلطی کی وجہ سے تھا پس وہ صحیح اذان کا انتظار کریں گے اور اس کے ساتھ نماز فوت ہو جائے گی۔ مگر یہ ان افراد میں اعادہ کے وجوب کا تقاضا کرتی ہے جن کے بارے میں گزر چکا ہے کہ ان کی اذان لوٹائی جائے گی سوائے جنبی کے۔ یعنی ان کے قول پر اعتماد نہ ہونے کی وجہ سے۔ اگر کوئی ان کے بارے میں یہ کہے کہ اگر لوگ ان کی حالت کو جانتے ہوں تو واجب ہے وگرنہ مستحب ہے تاکہ اذان کا فعل معتبر اور سنت کے طریقہ پر واقع ہو تو یہ بعید نہیں۔ اور مذکورہ پانچوں کے بارے میں ''الخلاصہ'' میں اس کے برعکس واقع ہے۔

میں کہتا ہوں: میرے لیے ظاہر ہوا ہے کہ وجوب سے مراد اذان کی سنت کی تحصیل ہے اور یہ مراد ہے کہ جب مؤذن کو کوئی ایسا عارضہ لاحق ہو جائے جو اذان کو مکمل کرنے سے مانع ہو اور دوسرا شخص اذان دینے کا ارادہ کرے تو اسے پھر ابتدا سے اذان دینا لازم ہوگا اگر وہ اذان کی سنت کو قائم کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اگر پہلی اذان میں سے جو ادا ہو چکا تھا اس پر بنا کرے گا تو صحیح نہ ہوگا۔ اسی وجہ سے ''الخانیہ'' میں فرمایا: اگر مکمل کرنے سے عاجز ہو تو دوسرا پھر سے اذان شروع کرے تاکہ وہ بعض اذان کو ادا کرنے والا نہ ہو۔

3472۔(قولہ: وَجَزَمَ الْمُصَنِّفُ الخ) کیونکہ انہوں نے گزشتہ صفحات میں فرمایا: ہم نے مراہق کے ساتھ مقید کیا ہے۔ کیونکہ غیر عاقل بچے کی اذان صحیح نہیں ہے جیسے مجنون اور معتوہ کی اذان صحیح نہیں ہے۔ (فافہم)

اس کو ''البحر'' میں بطور بحث ذکر کیا ہے۔ پس مصنف کے نزدیک ترجیح یافتہ یہی ہے۔ پس انہوں نے اس پر جزم کیا اور ''شرح المنیہ'' میں جو ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ نشہ والے، مجنون اور غیر عاقل بچے کی اذان کا اعادہ واجب ہے۔ کیونکہ مقصود حاصل نہیں ہوتا کیونکہ ان کے قول پر اعتماد نہیں ہوتا۔

3473۔(قولہ: قُلْتُ وَكَافِرٍ وَفَاسِقٍ) فاسق کا ذکر یہاں غیر مناسب ہے۔ کیونکہ صاحب ''البحر'' نے عقل اور اسلام کو صحت کی شرط بنایا ہے۔ اور عدالت، مذکر ہونا اور طہارت کا ہونا کمال کی شرط بنایا ہے۔ اور فرمایا: فاسق، عورت اور جنبی کی اذان صحیح ہے۔ پھر فرمایا: مناسب ہے کہ فاسق کی اذان صحیح نہ ہو اس کی خبر کی قبولیت اور اس پر اعتماد کی نسبت سے۔ یعنی اس کا قول امور دینیہ میں مقبول نہیں ہوتا اور اعلام نہیں پایا جاتا جیسا کہ ''الزیلعی'' نے یہ ذکر کیا ہے۔

اور اس کا حاصل یہ ہے کہ فاسق کی اذان صحیح ہے اگرچہ اس سے اعلام (آگاہی) حاصل نہ ہو یعنی وقت کے دخول میں اس

......	......	......	......	......	......	......	......	......	......	......

کے قول کی قبولیت پر اعتماد ہوتا ہے بخلاف کافر اور غیر عاقل کے۔ پس وہ اصلاً صحیح نہیں۔ پس الشارح کا کافر اور فاسق کو برابر کرنا غیر مناسب ہے۔ پھر جان لو کہ ''الحاوی القدسی'' میں مؤذن کی سنتوں میں سے ذکر کیا ہے کہ وہ مرد ہو، عاقل ہو، نیک ہو، سنن کا اور اوقات کا جاننے والا ہو، اس پر مواظبت اختیار کرنے والا ہو، ثواب کی نیت کرنے والا ہو، ثقہ ہو، پاک صاف ہو، قبلہ کی طرف منہ کیے ہوئے ہو۔ ''الامداد'' میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ عقل اذان کی صحت کے لیے شرط نہیں ہے۔ پس غیر عاقل کی اذان صحیح ہے جیسے مجنون اور معتوہ اور نشہ والا۔ جیسے فاسق عورت اور جنبی کی اذان صحیح ہوتی ہے۔ اور اس پر دلیل ''بدائع'' کی عبارت ہے کہ مجنون اور نشہ والے شخص کی اذان مکروہ ہے۔ ''ظاہر الروایہ'' میں اس کا اعادہ پسندیدہ ہے۔ اور عورت اور عاقل بچے کی اذان مکروہ ہے اور جائز ہے حتیٰ کہ ان کی اذان لوٹائی نہیں جائے گی۔ کیونکہ مقصود حاصل ہو گیا ہے اور وہ اعلام (آگاہ کرنا) ہے۔ امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ عورت کی اذان کا اعادہ مستحب ہے۔

اسی روایت پر ''الزیلعی'' چلے ہیں اور ''البدائع'' میں اس کا ذکر کیا ہے کہ غیر عاقل بچے کی اذان جائز نہیں اور اس کا اعادہ کیا جائے گا۔ کیونکہ جو غیر عاقل سے صادر ہوتا ہے اس کا اعتبار نہیں ہوتا جیسے پرندوں کی آواز۔

پس مصنف نے جس پر جزم کیا ''البحر'' کی تبع میں اور اسی طرح جو ہم نے (مقولہ 3372 میں) ''شرح المنیہ'' کے حوالہ سے غیر عاقل کی اذان کی عدم صحت سے ذکر کیا ہے جیسے مجنون، معتوہ اور سکران اور جو ''الحاوی'' اور ''البدائع'' میں غیر عاقل بچے کے سوا تمام کی اذان کی صحت سے مذکور ہے ان کے درمیان منافات ہے۔

اور میرے لیے جو توفیق ظاہر ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ شرع میں اذان سے مقصود اصلی نماز کے اوقات کے داخل ہونے پر آگاہ کرنا ہے۔ پھر یہ ہر شہر اور قریہ میں اسلام کے شعائر سے ہو گئی۔ جیسا کہ (مقولہ 3381 میں) پہلے گزرا ہے چونکہ یہ وقت کے دخول کے متعلق آگاہی ہے اور اس کے قول کے قبول ہونے کے لیے اسلام، عقل، بلوغت اور عدالت کا ہونا ضروری ہے اور ہم نے معین الحکام کے حوالہ سے اس باب سے (مقولہ 3270 میں) پہلے پیش کیا ہے کہ مؤذن کا وقت کے دخول کی خبر دینا کافی ہے جب وہ بالغ ہو عاقل ہو اوقات کو جاننے والا ہو مسلمان ہو مذکر ہو اور اس کے قول پر اعتماد کیا جاتا ہو۔

ظاہر یہ ہے کہ مذکر ہونے کا قول قید نہیں ہے۔ کیونکہ عورت کی خبر بھی قبول ہے۔ پس اس وقت یہ کہا جائے گا کہ جب مؤذن ان صفات سے متصف ہو تو اس کی اذان صحیح ہے ورنہ وقت کے دخول میں اس پر اعتماد ہونے کی حیثیت سے صحیح نہیں۔ اور ہم نے اس باب سے پہلے (مقولہ 3270 میں) پیش کیا تھا کہ فاسق اور مستور میں اپنی رائے سے اس کے صدق اور کذب میں فیصلہ کرے گا اور اس کے متعلق عمل کیا جائے گا بخلاف کافر، بچے اور معتوہ کے۔ کیونکہ ان کا قول اصلاً قبول نہیں۔ رہا شعار کو قائم کرنے کی حیثیت سے جو شہر والوں سے گناہ کی نفی کرتا ہے تو غیر عاقل بچے کے سوا سب کی اذان صحیح ہے۔ کیونکہ جو اسے سنے گا وہ یہ نہیں جانے گا کہ وہ مؤذن ہے بلکہ وہ گمان کرے گا کہ بچہ کھیل رہا ہے بخلاف عاقل بچے کے۔ کیونکہ وہ مردوں کے قریب ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے الشارح نے اسے المراہق سے تعبیر کیا ہے اور اسی طرح عورت ہے۔ کیونکہ بعض

(وَكُرِهَ تَرْكُهُمَا) مَعًا (لِمُسَافِرٍ) وَلَوْ مُنْفَرِدًا (وَكَذَا تَرْكُهَا) لَا تَرْكُهُ

اور مسافر کے لیے اذان اور اقامت دونوں کو ترک کرنا مکروہ ہے اگر چہ اکیلا ہو۔ اسی طرح اقامت کا ترک کرنا مکروہ ہے، نہ کہ اذان کا ترک کرنا مکروہ ہے

مردوں کی آواز مراہق (قریب البلوغ) اور عورت کی آواز کے مشابہ ہوتی ہے۔ جب مراہق یا عورت اذان دے گی اور سننے والا سنے گا تو وہ اسے شمار کرے گا۔ اسی طرح مجنون، المعتوہ اور نشہ والا ہے وہ مردوں میں سے ایک مرد ہے جب وہ مشروع کیفیت پر اذان دے گا تو اس کے ساتھ شعیرہ (اسلام کی علامت) قائم ہوگی۔ کیونکہ جب اس کی حالت کو نہ جاننے والا اسے سنے گا تو اسے مؤذن شمار کرے گا اور اسی طرح کافر ہے۔ پس اس حیثیت کے اعتبار سے یہ تمام شروط کمال کی شروط شمار ہوں گی۔ کیونکہ موذن کامل وہ ہوتا ہے جس کی اذان سے شعیرہ قائم کی جاتی ہے اور اس سے اعلام حاصل ہوتا ہے۔ پس اصح قول پر تمام کی اذان استحباباً لوٹائی جائے گی جیسا کہ (مقولہ 3464 میں) ہم نے ''القہستانی'' کے حوالہ سے پیش کیا ہے۔ پھر ظاہر یہ ہے کہ اعادہ مقرر مؤذن میں ہے۔ رہا یہ کہ ایک جماعت حاضر ہو جو وقت کے دخول کے متعلق جانتی ہو اور ان کے لیے فاسق یا عاقل بچہ اذان دے تو مکروہ نہیں ہے اور اصلاً اذان کا اعادہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ مقصود حاصل ہو گیا ہے۔

نوٹ: ہم نے جو پیش کیا ہے کہ غیر عادل سے اعلام حاصل نہیں ہوتا اور اس کا قول قبول نہیں ہوتا اس سے اخذ کیا جاسکتا ہے کہ مبلغ فاسق پر امام کے پیچھے اعتماد جائز نہیں ہوتا جیسا کہ بعض شوافع نے اس پر تنبیہ فرمائی ہے۔ پس اس پر نکتہ پر آگاہ رہو۔

مسافر کے لیے اذان اور اقامت کا حکم

3474۔ (قولہ: لِمُسَافِرٍ) یعنی لغوی سفر ہو یا شرعی سفر ہو جیسا کہ ''ابوالسعود'' میں ہے۔ ''طحطاوی''۔

3475۔ (قولہ: وَلَوْ مُنْفَرِدًا) کیونکہ اگر اس نے اذان دی اور اقامت کہی تو اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کے ایسے لشکر نماز پڑھیں گے جنہیں آنکھیں نہیں دیکھتی ہیں (1)۔ اس کو ''عبدالرزاق'' نے روایت کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اذان سے مقصود صرف اعلام میں منحصر نہیں بلکہ اس سے اور اس ذکر سے اعلان سے اللہ تعالیٰ کے ذکر کو پھیلانا اور اس کی زمین میں اس کے دین کو پھیلانا اور ان جن وانس کو یاد دلانا ہے جو صحراؤں میں نظر نہیں آتے۔ ''فتح''۔

المنفرد کے لفظ سے شارح کی تعبیر میں یہ اشارہ ہے کہ اسے ہر اعتبار سے امام کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ اسی وجہ سے ''الفتاویٰ العتابیہ'' کے حوالہ سے ''التاتر خانیہ'' میں فرمایا: اگر صحرا میں اذان دی اور اقامت کہی جب کہ وہ اکیلا تھا تو اس کا حکم منفرد کا حکم ہے اس میں کہ وہ تسمیع اور تحمید کو جمع کرے گا۔ اسی طرح جہر اور مخافقت میں اس کا حکم منفرد کا ہے۔

3476۔ (قولہ: لَا تَرْكُهُ) ظاہر یہ ہے کہ مراد اس کراہت کی نفی ہے جو اساءت کا موجب ہے ورنہ ''الکنز'' میں اس کے بعد مسافر کے لیے اور شہر میں اپنے گھر نماز پڑھنے والے کے لیے اس کے مستحب ہونے کی تصریح ہے۔ ''البحر'' میں فرمایا:

1۔ مصنف عبدالرزاق، الرجل یصلی باقامۃ واحدۃ، جلد 1، صفحہ 511، حدیث نمبر 1955

لِحُضُورِ الرِّفْقَةِ (بِخِلَافِ مُصَلٍّ) وَلَوْ بِجَمَاعَةٍ (وَفِي بَيْتِهِ بِمِصْرٍ) أَوْ قَرْيَةٍ لَهَا مَسْجِدٌ: فَلَا يُكْرَهُ تَرْكُهُمَا إِذْ أَذَانُ الْحَيِّ يَكْفِيهِ (أَوْ) مُصَلٍّ (فِي مَسْجِدٍ بَعْدَ صَلَاةِ جَمَاعَةٍ فِيهِ) بَلْ يُكْرَهُ فِعْلُهُمَا
کیونکہ ساتھی حاضر ہیں...... بخلاف اس نمازی کے اگرچہ جماعت کے ساتھ ہو، گھر میں شہر کے اندر یا ایسے دیہات کے اندر جس کی مسجد ہو۔ پس ان دونوں کا ترک مکروہ نہیں ہے۔ کیونکہ محلہ کی اذان اسے کافی ہے یا ایسی مسجد میں نماز پڑھنے والا جس میں جماعت کے ساتھ نماز ہو چکی ہے بلکہ اذان اور اقامت دونوں کا فعل مکروہ ہے۔

تاکہ ادا جماعت کی ہیئت پر ہو۔ کیونکہ تو نے جان لیا ہے کہ اذان سے مقصود صرف اعلام نہیں۔

3477۔ (قولہ: لِحُضُورِ الرُّفْقَةِ) یعنی اگر وہاں جماعت موجود ہو ورنہ معاملہ ظاہر ہے۔

3478۔ (قولہ: وَلَوْ بِجَمَاعَةٍ) امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: اگر وہ لوگوں کی اذان پر اکتفا کریں تو ان کے لیے جائز ہوگا جب کہ انہوں نے اچھا نہیں کیا۔ اس روایت میں ایک اور جماعت کے درمیان فرق کیا گیا ہے۔ ''بحر''۔

3479۔ (قولہ: فِي بَيْتِهِ) یعنی گھر میں ہے یا اپنے باغ وغیرہا میں ہے ''قہستانی''۔

''التفاریق'' میں ہے: اگرچہ باغ میں ہو اسے شہر یا دیہات کی اذان کافی ہے اگر وہ قریب ہو ورنہ نہیں۔ اور قرب کی حد یہ ہے کہ اس تک اذان کی آواز پہنچے۔ ''اسماعیل''۔

3480۔ (قولہ: لَهَا مَسْجِدٌ) جس میں اذان اور اقامت ہوتی ہو ورنہ اس کا حکم مسافر جیسا ہے۔ ''صدر الشریعہ''۔

3481۔ (قولہ: إِذْ أَذَانُ الْحَيِّ يَكْفِيهِ) کیونکہ محلہ کی اذان اور اقامت اس کی اذان اور اقامت کی طرح ہے۔ کیونکہ تمام شہر والوں کا نائب مؤذن ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ''ابن مسعود'' نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے جب انہوں نے حضرت ''علقمہ'' اور حضرت ''اسود'' کو بغیر اذان اور اقامت کے نماز پڑھائی۔ جہاں فرمایا: محلہ کی اذان ہمارے لیے کافی ہے۔ اور جنہوں نے اس کو روایت کیا ہے ان میں ''ابن الجوزی'' بھی ہے ''فتح''۔ پس اس نے حکماً دونوں کے ساتھ نماز پڑھی بخلاف مسافر کے اس نے حقیقۃً اور حکماً ان دونوں کے بغیر نماز پڑھی۔ کیونکہ وہ مکان جس میں وہ ہے اس میں اس نماز کے لیے اصلاً اذان نہیں دی گئی۔ ''کافی''۔

اس کا ظاہر یہ ہے کہ محلہ کی اذان اور اقامت اسے کافی ہے اگرچہ اس کی نماز آخر وقت میں ہو۔ تو نے مسافر اور شہر میں گھر میں نماز پڑھنے والے کے لیے اذان کے استحباب کے بارے میں ''الکنز'' کی تصریح جان لی ہے پس محلہ کی اذان کی کفایت سے مقصود اس کراہت کی نفی ہے جو گنہگار کرنے والی ہے۔ ''البحر'' میں فرمایا: اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر محلہ میں اذان نہ دی گئی ہو تو گھر میں نماز پڑھنے والے کے لیے ان دونوں کا ترک مکروہ ہے۔ ''المجتبیٰ'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ اگر بعض مسافروں نے اذان دی تو باقی مسافروں سے ساقط ہو جائے گی جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

وَتَكْرَارُ الْجَمَاعَةِ إِلَّا فِي مَسْجِدٍ عَلَى طَرِيقٍ فَلَا بَأْسَ بِذَلِكَ جَوْهَرَةٌ (أَقَامَ غَيْرُ مَنْ أَذَّنَ بِغَيْبَتِهِ) أَيِ الْمُؤَذِّنِ (لَا يُكْرَهُ مُطْلَقًا) وَإِنْ بِحُضُورِهِ

اور جماعت کا تکرار مکروہ ہے مگر راستہ کی مسجد میں۔ اس میں حرج نہیں ''جوہرہ''۔ مؤذن کی عدم موجودگی میں کسی نے تکبیر کہی تو مطلقاً مکروہ نہیں اور اگر مؤذن موجود ہو

مسجد میں جماعت کے تکرار کی کراہت

3482۔ (قولہ: وَتَكْرَارُ الْجَمَاعَةِ) کیونکہ ''عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ'' نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے درمیان صلح کرانے کے لیے نکلے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو مسجد میں جماعت ہو چکی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی کے گھر میں گئے انہیں جمع کیا اور انہیں جماعت کے ساتھ نماز پڑھائی (1) اگر مسجد میں جماعت کا تکرار مکروہ نہ ہوتا تو آپ مسجد میں بھی نماز پڑھتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے جب مسجد میں جماعت فوت ہو جاتی تو علیحدہ علیحدہ مسجد میں نماز پڑھتے (2)۔ کیونکہ تکرار جماعت کی تقلیل تک پہنچاتا ہے۔ کیونکہ لوگ جب یہ جانیں گے کہ ان سے جماعت فوت ہو جائے گی تو وہ جلدی کریں گے اور جماعت زیادہ ہوگی ورنہ وہ تاخیر کریں گے۔ ''بدائع''۔

اور اس صورت میں اگر ایک جماعت مسجد میں داخل ہو جب کہ اس مسجد والے جماعت کے ساتھ نماز پڑھ چکے ہوں تو وہ جماعت علیحدہ علیحدہ نماز پڑھے۔ یہ ظاہر الروایہ ہے ''ظہیریہ''۔ اور ''شرح المنیہ'' کے آخر میں ہے: امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: اگر جماعت تین سے زیادہ افراد پر مشتمل ہو تو تکرار مکروہ نہیں ورنہ مکروہ ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: جب پہلی ہیئت پر نہ ہو تو مکروہ نہیں ورنہ مکروہ ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔ اور محراب سے عدول سے ہیئت بدل جاتی ہے۔ اسی طرح ''البزازیہ'' میں ہے۔

''التاتر خانیہ'' میں ''الولوالجیہ'' کے حوالہ سے ہے: ہم اسی کو لیتے ہیں باب الامامۃ میں (مقولہ 4666 میں) انشاء اللہ اس مسئلہ پر زیادہ کلام ہوگی۔

3483۔ (قولہ: إِلَّا فِي مَسْجِدٍ عَلَى طَرِيقٍ) یہ اس مسجد کے بارے میں ہے جس میں امام اور مؤذن مقرر نہ ہو اور اس میں اذان اور اقامت کے ساتھ تکرار مکروہ نہیں بلکہ یہ افضل ہے۔ ''خانیہ''۔

3484۔ (قولہ: فَلَا بَأْسَ بِذَلِكَ) اس کا حذف کرنا اولیٰ ہے۔ کیونکہ تو نے جان لیا کہ یہ افضل ہے۔

3485۔ (قولہ: جَوْهَرَةٌ) میں نے اس میں یہ مسئلہ نہیں دیکھا یہ ''السراج'' میں ذکر کیا ہے۔

3486۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی اسے وحشت لاحق ہو یا نہ ہو۔

1۔ المعجم الاوسط، حدیث نمبر 4601، ایضاً مجمع الزوائد، جلد 2، صفحہ 45، ایضاً، اعلاء السنن، جلد 4، صفحہ 252
2۔ اعلاء السنن، جلد 4، صفحہ 251

كُرِهَ إِنْ لَحِقَهُ وَحْشَةٌ، كَمَا كُرِهَ مَشْيُهُ فِي إِقَامَتِهِ (وَيُجِيبُ) وُجُوبًا، وَقَالَ الْحَلْوَانِيُّ نَدْبًا، وَالْوَاجِبُ الْإِجَابَةُ بِالْقَدَمِ

تو مکروہ ہے اگر اسے وحشت لاحق ہوتی ہو جیسا کہ اقامت میں چلنا مکروہ ہے۔ اور اذان کا جواب دینا وجوباً ہے۔ اور ''الحلوانی'' نے کہا استحباباً اور قدم کے ساتھ جواب دینا واجب ہے

3487۔(قولہ: كُرِهَ إِنْ لَحِقَهُ وَحْشَةٌ) یعنی اگر وہ راضی نہ ہو۔ یہ ''خواہرزادہ'' کا اختیار ہے۔ اور اس پر ''الدرر'' اور ''الخانیہ'' میں چلے ہیں۔ لیکن ''الخلاصہ'' میں ہے: اگر اس سے مؤذن راضی نہ ہو تو مکروہ ہے۔ اور روایت کا جواب یہ ہے کہ اس میں مطلقاً حرج نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: امام ''طحاوی'' نے ''مجمع الآثار'' میں ائمہ ثلاثہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس کی تصریح کی ہے۔ ''البحر'' میں کہا: اس پر ''المجمع'' کے قول کا اطلاق دلالت کرتا ہے: اور ہم کسی دوسرے سے اقامت کو مکروہ نہیں کہتے۔ اور ''ابن مالک'' کی اس کی شرح میں جو ہے کہ اگر وہ حاضر ہو اور راضی نہ ہو تو بالاتفاق مکروہ ہے اس میں نظر ہے۔

اور اسی طرح ''الکافی'' کا اطلاق دلالت کرتا ہے یہ علت بیان کرتے ہوئے کہ اذان اور اقامت ہر ایک ذکر ہے۔ پس ہر ایک کو دوسرا شخص ادا کرے تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن افضل یہ ہے مؤذن اقامت کہنے والا ہو اس حدیث کی وجہ سے کہ جو اذان دے وہی اقامت کہے(1)۔ اس کی مکمل بحث ''حاشیہ نوح'' میں ہے۔

3488۔(قولہ: كَمَا كُرِهَ) اس کو ''روضۃ الناطفی'' میں ذکر کیا ہے اور اس کے مکمل کرنے کے وقت اختلاف ہے یعنی قد قامت الصلوٰۃ کہنے کے وقت۔ بعض علما نے فرمایا: اس کو چلتے ہوئے مکمل کرے۔ بعض نے کہا: اپنی جگہ مکمل کرے خواہ مؤذن امام ہو یا کوئی دوسرا ہو یہی اصح ہے۔

اسی طرح ''البدائع'' میں تصریح ہے۔ اور ''السراج'' میں اختلاف کو اس صورت پر منحصر کیا ہے جب مؤذن امام ہو۔ اگر کوئی دوسرا ہو تو اسے بلا اختلاف شروع کرنے کی جگہ میں مکمل کرے۔

اذان کے جواب کا حکم

3489۔(قولہ: وَقَالَ الْحَلْوَانِيُّ نَدْبًا الخ) یعنی ''الحلوانی'' نے کہا: زبان سے جواب دینا مستحب ہے اور قدم کے ساتھ جواب دینا مستحب ہے۔ ''النہر'' میں فرمایا: قدم کے ساتھ جواب دینے کا وجوب مشکل ہے۔ کیونکہ اس پر اول وقت میں اور مسجد میں ادائیگی کا وجوب لازم آتا ہے۔ کیونکہ بغیر نماز کے جانے کے وجوب کا کوئی معنی نہیں۔ اور ''المجتبیٰ'' کی شہادات میں جو ہے کہ اذان سنے اور گھر میں اقامت کا انتظار کرے تو اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ یہ ''الحلوانی'' کے قول پر تخریج کیا گیا ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ میں نے اپنے شیخ بھائی سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب ظاہر نہ کیا۔

1۔ مسند امام احمد بن حنبل، جلد 4، صفحہ 169، حدیث زیاد صدائی

(مَنْ سَمِعَ الْأَذَانَ) وَلَوْ جُنُبًا لَا حَائِضًا وَنُفَسَاءَ
اس پر جواذان سنے اگر چہ جنبی ہو۔اور جواب دیناواجب نہیں حیض والی پر،نفاس والی پر،

میں کہتا ہوں:......اللہ تعالیٰ کی توفیق سے......کہ جو''الحلوانی'' نے کہا ہے وہ سلف کے زمانہ میں تھا کہ جماعت کے ساتھ ایک مرتبہ جماعت ہوتی تھی اور جماعت کا تکرار نہیں ہوتا تھا اس پر مبنی ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے بعد خلفاء راشدین کے زمانہ میں تھا۔اور تو جان چکا ہے کہ''ظاہر الروایۃ'' میں اس کا تکرار مکروہ ہے۔مگر امام سے ایک روایت میں اور امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت میں جماعت کا تکرار مکروہ نہیں جیسا کہ ابھی ہم نے (مقولہ 3482 میں) ذکر کیا ہے اور آئندہ (مقولہ 4658 میں) آئے گا کہ اہل مذہب کے نزدیک راجح جماعت کا وجوب ہے اور بالاتفاق جماعت کے فوت ہونے کے ساتھ گنہگار ہوگا۔اور اس وقت قدم کے ساتھ سعی واجب ہے نہ کہ اول وقت میں اور مسجد میں ادائیگی کے لیے بلکہ جماعت کو قائم کرنے کے لیے ورنہ اصلاً اس کا فوت ہونا لازم آئے گا یا مسجد میں جماعت کا تکرار لازم آئے گا اگر وہ دوسری جماعت پالے۔ان میں سے ہر ایک مکروہ ہے۔اسی وجہ سے قدم کے ساتھ جواب دینے کے وجوب کا کہا۔

یہ نہیں کہا جائے گا کہ ممکن ہے وہ گھر میں اپنے گھر والوں کے ساتھ جماعت کرالے گا۔پس دونوں ممنوع چیزوں میں سے کچھ بھی لازم نہ آئے گا۔کیونکہ ہم کہتے ہیں امام''الحلوانی'' کا مذہب یہ ہے کہ اس طرح وہ جماعت کا ثواب نہیں پائے گا اور یہ بلا عذر بدعت اور مکروہ ہے۔ہاں تو نے جان لیا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ جماعت کا تکرار مکروہ نہیں ہے جب پہلی ہیئت پر نہ ہو اور باب امامت میں (مقولہ 4678 میں) آئے گا کہ اصح یہ ہے کہ اگر اپنے اہل کے ساتھ جماعت کرائے تو مکروہ نہیں اور وہ جماعت کی فضیلت پالے گا لیکن مسجد کی جماعت افضل ہے۔اس فرید تحریر کو غنیمت جان اور مزید قریب ہی (مقولہ 3518 میں) آئے گا۔

4390۔(قولہ: مَنْ سَمِعَ الْأَذَانَ) اس سے سمجھ آتا ہے کہ اگر بہرہ ہونے یا دور ہونے کی وجہ سے اذان نہ سنے تو جواب نہیں دے گا۔آنے والی حدیث کا یہی ظاہر ہے۔

(اذا سمعتم الاذان) کیونکہ اس کو سماع پر معلق کیا ہے۔بعض شوافع نے تصریح کی ہے کہ یہی ظاہر ہے اور تمام اذان کا جواب دے جب اس کا صرف بعض سنے۔

4391۔(قولہ: وَلَوْ جُنُبًا) کیونکہ موذن کا جواب اذان نہیں ہے۔''بحر'' عن ''الخلاصہ''۔

وہ لوگ جن پر اذان کا جواب نہیں

4392۔(قولہ: لَا حَائِضًا وَنُفَسَاءَ) نہ حیض والی پر جواب ہے نہ نفاس والی پر۔کیونکہ یہ دونوں بالفعل اجابت کی اہل نہیں ہیں۔اسی طرح بالقول اجابت کی بھی اہل نہیں ہیں۔''امداد''۔

بخلاف جنبی کے کیونکہ وہ نماز کا مخاطب ہے نیز اس کا حدث حیض اور نفاس سے اخف ہے۔کیونکہ اس کو جلدی دور کرنا ممکن ہے۔

وَسَامِعَ خُطْبَةٍ وَفِي صَلَاةِ جِنَازَةٍ وَجِمَاعٍ، وَمُسْتَرَاحٍ وَأَكْلٍ وَتَعْلِيمِ عِلْمٍ وَتَعَلُّمِهِ، بِخِلَافِ قُرْآنٍ (بِأَنْ يَقُولَ) بِلِسَانِهِ (كَمَقَالَتِهِ) إنْ سَمِعَ الْمَسْنُونَ مِنْهُ، وَهُوَ مَا كَانَ عَرَبِيًّا لَا لَحْنَ فِيهِ،

خطبہ سننے والے پر اور جو نماز جنازہ میں ہو اور جو جماع میں ہو اور جو استراحت میں ہو، اور جو کھانے میں ہو اور جو علم کی تعلیم دے رہا ہو اور جو علم سیکھ رہا ہو بخلاف قرآن کے۔ اپنی زبان سے موذن کی طرح کہے اگر مسنون طریقہ سے اس سے اذان سنے اور وہ عربی لہجہ میں ہے جس میں لحن (تغیر) نہ ہو۔

3493۔ (قولہ: وَسَامِعَ خُطْبَةٍ) خواہ کوئی بھی خطبہ ہو۔ "طحطاوی" یہ اور اس کے بعد والے تمام حائضاً پر معطوف ہیں۔

3494۔ (قولہ: فِي صَلَاةِ جِنَازَةٍ) لفظ صلاۃ بعض نسخوں سے ساقط ہے۔ یہ "المجتبیٰ" کے حوالہ میں جو ہے اس کی موافقت کی وجہ سے ہے اور "الامداد" کی عبارت: و صلاۃ ولو جنازۃ ہے۔

3495۔ (قولہ: وَمُسْتَرَاحٍ) یعنی وہ بیت الخلا میں ہو۔

3496۔ (قولہ: وَتَعْلِيمِ عِلْمٍ) یعنی ظاہر میں اس سے علم شرعی مراد ہے اس لیے "الجوہرہ" میں فقہ کی قراءت سے تعبیر کیا ہے۔

3497۔ (قولہ: بِخِلَافِ قُرْآنٍ) کیونکہ تلاوت قرآن فوت نہیں ہوتی "جوہرہ"۔ شاید قراءت کا تکرار اجر کے لیے ہے پس اجابت کے ساتھ فوت نہ ہوگا بخلاف علم حاصل کرنے کے اس بنا پر اگر کوئی تعلیم دے رہا ہے یا سیکھ رہا ہے تو وہ اپنے سبق کو نہ کاٹے۔ "سائحانی"۔

نوٹ: کیا ان مذکورہ چیزوں سے فارغ ہونے کے بعد جواب دے گا یا نہیں؟ مناسب ہے کہ اگر فاصلہ لمبا نہ ہوا ہو تو ہاں جواب دے اور اگر فاصلہ زیادہ ہو گیا ہو تو نہیں آئندہ عبارت سے اخذ کرتے ہوئے۔ لیکن "الفیض" میں تصریح کی ہے کہ اگر موذن یا نمازی یا قاری یا خطیب پر کوئی سلام کرے تو امام "ابوحنیفہ" رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ فراغت کے بعد اس پر جواب دینا لازم نہیں بلکہ اپنے دل میں جواب دے۔ اور امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ بعد میں جواب دے۔ اور امام "ابو یوسف" رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مطلقاً جواب نہ دے۔ یہی صحیح ہے۔ اور اس پر علماء کا اجماع ہے کہ پاخانہ کرنے والے پر مطلقاً جواب دینا لازم نہیں۔ (تامل)

3498۔ (قولہ: كَمَقَالَتِهِ) یعنی قول میں اس کی مثل، نہ صفت میں کہ اس کی طرح آواز کو بلند کرے۔

3499۔ (قولہ: إنْ سَمِعَ الْمَسْنُونَ مِنْهُ) ظاہر یہ ہے کہ جس اذان کا تمام مسنون ہو۔ پس (من) جنس کے لیے ہے تبعیض کے لیے نہیں۔ مگر اذان کے بعض کلمات غیر عربی ہوں یا اس میں تغیر ہو تو باقی میں اس پر جواب دینا واجب نہیں۔ کیونکہ اس وقت وہ مسنون اذان نہیں جیسا کہ اگر تمام اذان مسنون نہ ہو، یا وہ اذان وقت سے پہلے، یا جنبی، یا عورت کی طرف سے ہو۔ اور یہ احتمال ہے کہ مراد یہ ہوگا کہ اس کے کلمات کے افراد سے جو مسنون ہو۔ پس جو مسنون ہوگا اس کا جواب دے گا جو مسنون نہیں ہوں گے ان کا جواب نہیں دے گا۔ یہ بعید ہے۔ (تامل) کیونکہ اس کا استماع اور غور سے سننا اس پر لازم ہوگا۔

وَلَوْ تَكَرَّرَ أَجَابَ الْأَوَّلَ (إِلَّا فِي الْحَيْعَلَتَيْنِ) فَيُحَوْقِلُ (وَفِي الصَّلَاةِ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ)

اور اگر اذان کا تکرار ہو تو پہلی کا جواب دے۔ مگر حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے جواب میں لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہے اور الصلوٰۃ خیر من النوم کے جواب میں

اور ''البحر'' میں ذکر کیا ہے کہ علماء نے تصریح کی ہے کہ موذن کی اذان سننا حلال نہیں جب وہ غلط اذان دے جس طرح قرآن سننا حلال نہیں جب وہ غلط پڑھے۔ اور ہم نے پہلے (مقولہ 3375 میں) بیان کیا ہے کہ فارسی میں اذان صحیح نہیں اگرچہ معلوم ہو کہ یہ اذان ہے اصح قول یہی ہے۔

اب یہ باقی ہے کہ کیا نماز کے علاوہ جو اذان دی جاتی ہے جیسے بچے کے کان میں اذان اس کے لیے جواب دے گا؟ میں نے یہ مسئلہ اپنے ائمہ کے لیے نہیں دیکھا۔ ظاہر یہ ہے کہ ہاں جواب دے گا اسی وجہ سے حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح میں ادھر ادھر گھومتا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

یہی حدیث کا ظاہر ہے مگر یہ کہا جائے کہ اس میں ال عہد کے لیے ہے۔ کیا ترجیع کا جواب دے گا جب کسی شافعی مسلک سے اذان سنے اس بنا پر کہ اس کے اعتقاد پر کہ وہ سنت ہے؟ یہ تردد کا محل ہے جیسے بعض شوافع کو اس شخص کے بارے میں تردد ہوا جس نے حنفی سے اقامت سنی جو دو مرتبہ ہر کلمہ کہہ رہا ہے بعض نے بیان فرمایا کہ وہ زیادہ کلمات کا جواب نہ دے جس طرح اگر اذان میں تکبیر (اللہ اکبر) کا اضافہ کر دیا جائے۔ لیکن زیادہ پر قیاس کرنے میں نظر ہے۔ کیونکہ اس کا کوئی قائل نہیں بخلاف اس مسئلہ کے جس میں ہم ہیں کیونکہ وہ اس میں مجتہد ہے۔ (تامل)

3500۔ (قولہ: وَلَوْ تَكَرَّرَ) یعنی یکے بعد دیگرے اذانیں ہو جائیں۔ رہی یہ صورت کہ اگر وہ ایک وقت میں مختلف جہات سے اذان سنیں، یہ (مقولہ 3524 میں) آئندہ آئے گا۔

3501۔ (قولہ: أَجَابَ الْأَوَّلَ) خواہ وہ اپنی مسجد کا موذن ہو یا کوئی دوسرا ہو۔ ''بحر عن الفتح بحثا'' اور التفاریق کے حوالہ سے جو ''البحر'' میں ہے کہ جب مسجد میں ایک موذن سے زیادہ موذن ہوں اور وہ یکے بعد دیگرے اذان دیں تو حرمت پہلی اذان کے لیے ہے۔ لیکن اس میں احتمال ہے یہ اس پر مبنی ہو کہ اجابت (جواب دینا) قدم سے ہے یا اس پر مبنی ہے کہ ایک مسجد میں اذان کا تکرار ثابت کرتا ہے کہ دوسری اذان غیر مسنون ہے بخلاف اس کے جب وہ اذانیں مختلف محلات سے ہوں۔ (تامل)

میرے نزدیک جو ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ تمام اذانوں کا قول کے ساتھ جواب دے کیونکہ سبب متعدد ہے۔ اور وہ سننا ہے جیسا کہ بعض شوافع نے اس پر اعتماد کیا ہے۔

3502۔ (قولہ: فَيُحَوْقِلُ) یعنی لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہے۔ ''عمدۃ المفتی'' میں (ما شاء اللہ کان) کے الفاظ زائد ہیں اور ''الکافی'' میں ان دونوں کے درمیان اسے اختیار ہے۔ اور ''المحیط'' میں فرق کیا ہے کہ حی علی الصلوٰۃ کے وقت لاحول

فَيَقُولُ صَدَقْتَ وَبَرِرْتَ وَيُنْدَبُ الْقِيَامُ عِنْدَ سَمَاعِ الْأَذَانِ بَزَّازِيَّةٌ وَلَمْ يَذْكُرْ هَلْ يَسْتَمِرُّ إِلَى فَرَاغِهِ أَوْ يَجْلِسُ، وَلَوْ لَمْ يُجِبْهُ

صدقت وبررت کہے اور اذان سننے کے وقت کھڑا ہو جانا مستحب ہے۔ ''بزازیہ''۔ اور یہ ذکر نہیں کیا کہ کیا اذان سے فارغ ہونے تک متواتر کھڑا رہے یا بیٹھ جائے اور اگر اذان کا جواب نہ دیا ہو

ولا قوۃ الا باللہ کہے اور حی علی الفلاح کے وقت ماشاء اللہ کہے اسماعیل۔ مختار پہلا قول ہے۔ ''نوح آفندی''۔

پھر لاحول ولا قوۃ کا لانا اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان (یقولوا مثل ما یقول)(1) کے ظاہر کے خلاف ہے لیکن اس کے بارے میں معتبر حدیث وارد ہے جس کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور ''الفتح'' میں احادیث کو جمع کرتے ہوئے دونوں کو اکٹھا کہنے کو پسند کیا ہے۔ فرمایا: بعض احادیث میں صراحۃً وارد ہے کہ جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ کہے تو سننے والا بھی حی علی الصلوٰۃ کہے۔ اور فقہاء کا یہ قول کہ یہ استہزا کے مشابہ ہے تو مکمل نہیں ہوگا۔ کیونکہ ان دونوں کے ساتھ جواب دینے میں کوئی مانع نہیں ہے کیونکہ وہ نماز کے لیے اپنے نفس کو مخاطب کرتے تھے اور اپنے آپ کو بلاتے تھے پھر لاحول ولا قوۃ سے براءت کرتے تھے تاکہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے۔ اس میں انہوں نے بڑی طویل گفتگو کی ہے ''البحر'' اور ''النہر'' وغیرہما میں اس کو ثابت رکھا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہی سلطان العارفین سیدی ''محی الدین'' کا مذہب ہے انہوں نے ''فتوحات مکیہ'' میں اس پر نص قائم کی ہے۔

3503۔ (قولہ: فَيَقُولُ صَدَقْتَ وَبَرِرْتَ) پہلی را کے کسرہ کے ساتھ اور فتحہ بھی حکایت کیا گیا ہے یعنی تو نیکی والا ہو جائے یعنی برکثیر والا ہو جائے۔ بعض علماء نے فرمایا: مناسبت کی وجہ سے اور اس میں خبر کے ورود کی وجہ سے یہ کہے۔ اور اس کو رد کیا گیا ہے کہ یہ غیر معروف ہے۔ تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے: جسے یاد ہے وہ اس پر حجت ہے جسے یاد نہیں۔ اور شیخ ''اسماعیل'' نے ''شرح الطحاوی'' کے حوالہ سے بِالحقِّ نطقتَ کے الفاظ زیادہ کہے ہیں۔

3504۔ (قولہ: بَزَّازِيَّةٌ) اسی طرح یہ ''النہر'' میں نقل کیا ہے۔ لیکن میں نے اس میں نہیں دیکھا پس دوسرے نسخہ کی طرف رجوع کرو۔ ہاں میں نے اس میں یہ دیکھا کہ اس نے اذان سنی جب کہ وہ چل رہا تھا تو افضل یہ ہے کہ جواب دینے کے لیے کھڑا ہوتا کہ ایک مکان میں ہو جائے۔

3505۔ (قولہ: وَلَمْ يَذْكُرْ الخ) یعنی یہ صاحب ''النہر'' کے لیے ہے۔

میں کہتا ہوں: وہی احتمال ہے کہ قیام سے مراد قدم کے ساتھ جواب دینا ہو۔ ''السیوطی'' نے ''ابونعیم'' کی ''الحلیہ'' کے حوالہ سے تخریج کیا ہے اس کی سند میں کلام کی گئی ہے: جب تم اذان سنو تو کھڑے ہو جاؤ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر ہے۔ شارح ''المناوی'' نے کہا یعنی نماز کی طرف چلو یا ندا سے مراد اقامت ہے۔ اور العزمۃ فتحہ کے ساتھ اس کا معنی امر ہے۔

1۔ مسند امام احمد بن حنبل، جلد 3، صفحہ 53۔ ایضاً، موطا امام مالک، کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی النداء للصلاۃ،

حَتّٰی فَرَغَ لَمْ أَرَهُ وَيَنْبَغِي تَدَارُكُهُ إِنْ قَصُرَ الْفَصْلُ، وَيَدْعُو عِنْدَ فَرَاغِهِ بِالْوَسِيلَةِ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ

حتیٰ کہ اذان سے مؤذن فارغ ہو گیا ہو تو میں نے یہ مسئلہ کہیں نہیں دیکھا اور اس کا تدارک ہونا چاہیے اگر فاصلہ کم ہے۔ اور اذان سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے لیے وسیلہ کی دعا مانگے۔

3506۔ (قولہ: لَمْ أَرَهُ الخ) بحث صاحب ''البحر'' کی ہے۔ اور ابن حجر نے اپنی ''شرح المنہاج'' میں تصریح کی ہے جہاں انہوں نے فرمایا: اگر وہ خاموش رہے حتیٰ کہ پوری اذان مکمل ہو جائے پھر طویل فاصلہ سے پہلے جواب دے تو جواب کی سنت کی اصل میں کافی ہے جیسا کہ وہ ظاہر ہے۔

اس سے فائدہ حاصل کیا گیا ہے کہ جواب دینے والا مؤذن سے پہلے کلمات نہ کہے بلکہ مؤذن کے ہر جملہ کے بعد وہ جملہ کہے۔ ''الفتح'' میں فرمایا: حضرت عمر اور حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں اس پر نص ہے۔ میں کہتا ہوں: اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ مقارنہ کافی نہیں ہے کیونکہ جواب کلام کے پیچھے ہوتا ہے بخلاف امام کی مقتدی کی متابعت کرنا۔

3507۔ (قولہ: وَيَدْعُو الخ) یعنی نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے کے بعد۔ کیونکہ مسلم وغیرہ نے اس کو روایت کیا ہے: جب تم مؤذن کو سنو تو اس کے کہنے کی مثل کہو پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو مجھ پر درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ درود بھیجے گا۔ پھر میرے لیے وسیلہ کا سوال کرو۔ کیونکہ جنت میں یہ ایک مقام ہے جو کسی کے لیے مناسب نہیں مگر اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندہ مومن کے لیے۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ میں ہوں۔ پس جس نے میرے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کا سوال کیا اس کے لیے میری شفاعت ثابت ہے (1)۔ اس حدیث کو ''بخاری'' وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اور جس نے اذان سننے کے وقت کہا اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوۃ القائمۃ آت محمد الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاماً محمودا الذی وعدتہ (2) (اے اللہ اے اس دعوت کاملہ اور قائم ہونے والی نماز کے رب محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور انہیں اس مقام محمود پر پہنچا جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے) تو اس کے لیے قیامت کے روز میری شفاعت ثابت ہے۔ علامہ ''البیہقی'' نے اس کے آخر میں انك لا تخلف المیعاد کا اضافہ ذکر کیا ہے۔ اس کی مکمل بحث ''الامداد'' اور ''الفتح'' میں ہے۔ ''ابن حجر'' نے ''شرح المنہاج'' میں فرمایا: الدرجۃ الرفیعۃ اور آمین یا ارحم الراحمین کی زیادتی کی کوئی اصل نہیں۔

تتمہ

پہلی شہادت کو سننے کے وقت صلی اللہ علیك یا رسول اللہ کہنا اور دوسری شہادت کے وقت قرت عینی بك یا رسول اللہ کہنا مستحب ہے۔ اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو اپنی آنکھوں پر رکھنے کے بعد یہ کہے: اللھم متعنی بالسمع والبصر۔ تو اس کے رسول اللہ ﷺ جنت کی طرف قائد ہوں گے۔ اسی طرح ''کنز العباد'' میں ہے ''قہستانی''۔ اور اسی طرح ''الفتاوی

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب ما یقول اذا سمع المؤذن، جلد 1، صفحہ 215، حدیث نمبر 439

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی الدعاء عند الآذان، جلد 1، صفحہ 217، حدیث نمبر 444

(وَلَوْ كَانَ فِي الْمَسْجِدِ حِينَ سَمِعَهُ لَيْسَ عَلَيْهِ الْإِجَابَةُ، وَلَوْ كَانَ خَارِجَهُ أَجَابَ) بِالْمَشْيِ إلَيْهِ (بِالْقَدَمِ، وَلَوْ أَجَابَ بِاللِّسَانِ لَا بِهِ لَا يَكُونُ مُجِيبًا) وَهَذَا (بِنَاءً عَلَى أَنَّ الْإِجَابَةَ الْمَطْلُوبَةَ بِقَدَمِهِ لَا بِلِسَانِهِ) كَمَا هُوَ قَوْلُ الْحَلْوَانِيِّ، وَعَلَيْهِ (فَيَقْطَعُ قِرَاءَةَ الْقُرْآنِ لَوْ كَانَ يَقْرَأُ) (بِمَنْزِلِهِ، وَيُجِيبُ) لَوْ أَذَانَ مَسْجِدِهِ كَمَا يَأْتِي

اور اگر وہ مسجد میں ہو جب وہ اذان سنے تو اس پر جواب دینا نہیں ہے۔ اگر وہ مسجد سے باہر ہو تو جواب دے مسجد کی طرف قدم کے ساتھ چلنے کے ساتھ اور اگر زبان کے ساتھ جواب دیا اور قدم کے ساتھ نہیں تو وہ جواب دینے والا نہ ہوگا یہ اس بنا پر ہے کہ جواب دینا قدم کے ساتھ مطلوب ہے نہ کہ زبان کے ساتھ جیسا کہ یہ ''الحلوانی'' کا قول ہے۔ اور اسی بنا پر وہ قرآن کی تلاوت کاٹ دے اگر وہ اپنے گھر میں تلاوت کر رہا ہو اور جواب دے اور اگر اس کی اپنی مسجد کی اذان ہو جیسا کہ آگے آئے گا

الصوفیہ'' میں ہے۔ اور ''کتاب الفردوس'' میں ہے: جس نے اذان میں اشهد ان محمدا رسول الله سننے کے وقت اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چوما تو میں اس کا قائد ہوں گا اور جنت کی صفوں میں اسے داخل کرنے والا ہوں گا۔ اس کی مکمل بحث الرملی کے ''البحر'' کے حواشی میں ''السخاوی'' کی ''المقاصد الحسنہ'' کے حوالہ سے ہے۔ اور ''الجراحی'' نے یہ ذکر کیا ہے اور طویل گفتگو کی ہے۔ پھر فرمایا: اس میں مرفوع میں سے کوئی چیز صحیح نہیں ہے۔ اور بعض علما نے نقل کیا ہے کہ ''القہستانی'' نے اپنے نسخہ کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ یہ عمل اذان کے ساتھ خاص ہے رہا اقامت میں تو تلاش بسیار کے بعد نہیں ملا۔

3508۔ (قولہ: وَلَوْ كَانَ فِي الْمَسْجِدِ) یہ اس قول (بان یقول کمقالتہ) کے مقابل ہے۔ ''طحطاوی''۔

3509۔ (قولہ: أَجَابَ بِالْمَشْيِ إلَيْهِ) یعنی تا کہ جماعت اس سے فوت نہ ہو اور پھر گنہگار ہو جیسا کہ ہم نے (مقولہ 3489 میں) اس کو ابھی ثابت کیا ہے۔ فافہم

3510۔ (قولہ: وَهَذَا) یہ (ولو کان فی المسجد) کے قول کی طرف راجع ہے۔ ''حلبی''۔

3511۔ (قولہ: الْمَطْلُوبَةَ) جواب کا طلب جیسا کہ اس نے پہلے پیش کیا ہے۔

3512۔ (قولہ: لَا بِلِسَانِهِ) یعنی زبان کے ساتھ جواب دینا اس قول کی بنا پر مستحب ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

3513۔ (قولہ: فَيَقْطَعُ قِرَاءَةَ الْقُرْآنِ) ظاہر یہ ہے کہ مراد جواب دینے میں جلدی کرنا ہے اور قراءت کے لیے نہیں بیٹھنا ہے کیونکہ واجب سعی میں بیٹھنے سے خلل واقع ہوتا ہے ورنہ چلتے ہوئے قراءت سے کوئی چیز مانع نہیں ہے ورنہ مراد ہوگا کہ زبان کے جواب دینے کے لیے تلاوت کو کاٹنا استحبابا ہے۔ لیکن یہ تفریع کے مناسب نہیں ہے اور نہ (ولو بمسجد لا) کا قول اس کے مناسب ہے۔ کیونکہ تو نے جان لیا ہے ''الحلوانی'' زبان کے ساتھ جواب کے استحباب کے قائل ہیں۔ فافہم

3514۔ (قولہ: وَيُجِيبُ) یعنی قدم کے ساتھ جواب دے۔

3515۔ (قولہ: لَوْ أَذَانَ مَسْجِدِهِ كَمَا يَأْتِي) یعنی ''التاتر خانیہ'' سے مروی ہے۔ اور یہ بعض نسخوں سے ساقط ہے۔

(وَلَوْ بِمَسْجِدٍ لَا) لِأَنَّهُ أَجَابَ بِالْحُضُورِ، وَهَذَا مُتَفَرِّعٌ عَلَى قَوْلِ الْحَلْوَانِيِّ، وَأَمَّا عِنْدَنَا فَيَقْطَعُ وَيُجِيبُ بِلِسَانِهِ مُطْلَقًا وَالظَّاهِرُ وُجُوبُهَا بِاللِّسَانِ لِظَاهِرِ الْأَمْرِ فِي حَدِيثِ (إذَا سَمِعْتُمْ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ) كَمَا بُسِطَ فِي الْبَحْرِ، وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ، وَقَوَّاهُ فِي النَّهْرِ نَاقِلًا عَنْ الْمُحِيطِ وَغَيْرِهِ

کہ اگر مسجد میں ہو تو نہیں کیونکہ اس نے حاضر ہونے کے ساتھ جواب دیا ہے۔ اور یہ ''الحلوانی'' کے قول پر متفرع ہے۔ اور رہا ہمارے نزدیک تو وہ تلاوت کو کاٹ دے اور مطلق زبان کے ساتھ جواب دے۔ ظاہر زبان کے ساتھ جواب دینا ہے۔ کیونکہ حدیث میں امر ظاہر ہے جب تم مؤذن کو سنو تو اس کے کہنے کی مثل کہو جیسا کہ ''البحر'' میں تفصیل سے ہے اور مصنف نے اس کو ثابت کیا ہے اور ''النہر'' میں اس کو تقویت دی ہے ''المحیط'' وغیرہ سے نقل کرتے ہوئے

3516۔ (قولہ: وَلَوْ بِمَسْجِدٍ لَا) یعنی اس کا قطع کرنا واجب نہیں اس معنی کی وجہ سے جو (مقولہ 3513 میں) ابھی ہم نے ذکر کیا ہے۔

3517۔ (قولہ: هَذَا مُتَفَرِّعٌ عَلَى قَوْلِ الْحَلْوَانِيِّ) یہ و علیہ فیقطع الخ کے قول کے ساتھ محض تکرار ہے، ''طحطاوی''۔

3518۔ (قولہ: وَالظَّاهِرُ وُجُوبُهَا بِاللِّسَانِ) اسی طرح ''فتح القدیر'' میں یہ علت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ کوئی قرینہ ظاہر نہیں ہوا کہ وجوب سے امر کو پھیرا جائے۔ اور ''شرح المنیہ'' میں اس سے اختلاف کیا ہے حدیث کے آخری حصہ کی وجہ سے جس میں ہے: ثم صلوا علی فان من صلی علی الخ اس کی مثل ترغیبات جو ثواب میں دی جاتی ہیں غالباً مستحب میں استعمال کی جاتی ہیں۔

میں کہتا ہوں: اس میں نظر ہے کیونکہ جو ذکر کیا ہے وہ درود کے لیے ہے اور وسیلہ کا سوال ہے نہ کہ اس جواب دینے کے لیے ہے جس کے وجوب کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ اور نظم میں ملا ہوا ہونا حکم میں ملا ہوا ہونے کا موجب نہیں جیسا کہ ''الاصول'' میں ثابت ہے۔ ہاں امام ''ابوجعفر الطحاوی'' (1) نے اپنی کتاب ''شرح الاثار'' میں اپنی سند کے ساتھ حضرت ''عبداللہ'' تک تخریج کیا ہے فرمایا: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کسی سفر میں تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مؤذن کو یہ کہتے ہوئے سنا اللہ اکبر، اللہ اکبر تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فطرت پر ہے پھر مؤذن نے کہا اشھد ان لا الہ الا اللہ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آگ سے نکل گیا ہم نے اس کی طرف جلدی کی تو وہ جانور چرانے والا تھا جس کو نماز کا وقت آ گیا تھا تو اس نے ان کلمات کے ساتھ اذان دی۔ ''ابوجعفر'' نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اذان دینے والے کے الفاظ کے علاوہ الفاظ کہے پس یہ دلیل ہے کہ استحباب اور ندب کا امر ہے جیسے نمازوں وغیرہ کے بعد میں دعا کا امر استحباب کے لیے ہے۔ یہ وجوب سے امر کو پھیرنے کا قرینہ ہے اس کے ساتھ تائید ہوتی ہے اس کی جو ہماری جماعت نے زبان کے ساتھ جواب کے وجوب نہ ہونے کی تصریح کی ہے۔ اور یہ مستحب ہے۔ اور یہ امام ''الحلوانی'' کے قول کی ترجیح میں ظاہر ہے۔ اور ''الخانیہ'' اور ''الفیض'' میں اس پر چلے ہیں۔ اور اس پر

1۔ شرح معانی الآثار، کتاب الصلاۃ، باب ما یستحب للرجل ان یقولہ اذا سمع المؤذن،

بِأَنَّهُ عَلَى الْأَوَّلِ لَا يَرُدُّ السَّلَامَ وَلَا يُسَلِّمُ وَلَا يَقْرَأُ بَلْ يَقْطَعُهَا وَيُجِيبُ، وَلَا يَشْتَغِلُ بِغَيْرِ الْإِجَابَةِ قَالَ

کہ پہلی صورت میں نہ سلام کا جواب دے اور نہ سلام کرے اور تلاوت نہ کرے بلکہ تلاوت کو ختم کرے اور جواب دے اور جواب کے علاوہ کے ساتھ مشغول نہ ہو۔ اور فرمایا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول دلالت کرتا ہے: جب تو اذان سنے تو اللہ تعالیٰ کے داعی کا جواب دے (2)۔ ایک روایت میں ہے: تو جواب دے اور تجھ پر سکینت ہو۔ اور اس کی ترجیح میں جماعت کے وجوب پر دلائل کافی ہیں۔ کیونکہ تو نے جان لیا کہ ''الحلوانی'' کا قول اس پر مبنی ہے کہ جواب جماعت کے ارادہ کے لیے ہے۔

اور اس محل میں اس کی تحریر مناسب ہے کہ زبان کے ساتھ جواب دینا مستحب ہے اور قدم کے ساتھ جواب دینا واجب ہے اگر جواب کے ترک سے جماعت کا فوت کرنا لازم آتا ہو ورنہ...... مسجد میں دوسری جماعت کے ساتھ نماز کو قائم کرنا یا اپنے گھر میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا ممکن ہو...... تو واجب نہیں بلکہ اول وقت کی رعایت اور مسجد میں بلا تکرار جماعت کی کثرت کی رعایت کرتے ہوئے جواب دینا مستحب ہے۔ یہ میرے لیے ظاہر ہوا ہے۔

3519۔ (قولہ: بِأَنَّهُ) یہ قواہ کے قول کے متعلق ہے اور اگر کہتے...... اس پر ''النہر'' میں تفریع کی ہے...... بانہ علی الاول الخ تو بہتر ہوتا۔ ''طحطاوی''۔

میں کہتا ہوں: ہاں ''النہر'' میں اس کو تقویت دی ہے اس کے ساتھ جو انہوں نے الحلوانی کے قول پر اشکال وارد کیا ہے کہ اول وقت میں اور مسجد میں ادائیگی لازم آتی ہے اور تو اس کا اندفاع جان چکا ہے۔

3520۔ (قولہ: عَلَى الْأَوَّلِ) یعنی زبان کے ساتھ جواب دینے کے وجوب کے قول کے ساتھ۔

3521۔ (قولہ: لَا يَرُدُّ السَّلَامَ) میں نے یہ ''النہر'' میں نہیں دیکھا۔ میں نے یہ ''البحر'' میں دیکھا ہے۔ اور ''المعراج'' میں فرمایا: ''التحفہ'' میں ہے: سامع کے لیے مناسب ہے کہ وہ کلام نہ کرے اور اذان اور اقامت کی حالت میں کسی چیز کے ساتھ مشغول نہ ہو اور سلام کا جواب بھی نہ دے۔ کیونکہ یہ تمام نظم میں مخل ہوتی ہیں۔

میں کہتا ہوں: لا یرد السلام کے قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ وجوب کے لیے نہیں ہے اور دونوں قولوں پر متفرع ہے ورنہ اقامت میں اس کا وجوب لازم ہے حالانکہ اقامت کے جواب کی اصل مستحب ہے جیسا کہ آگے آئے گا چہ جائیکہ جو اس میں ذکر کیا گیا ہے وہ واجب ہو۔ کیونکہ یہ اجابت کے منافی ہے۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ وہ جواب دے پھر سلام کا جواب دے یا سلام کرے مؤذن کے سکتات کے وقت لیکن یہ مناسب نہیں۔ کیونکہ یہ نظم میں مخل ہے کیونکہ مشروع صرف جواب دینا ہے اس میں زائد کچھ نہیں ہے کیونکہ اس حالت میں اس پر سلام غیر مشروع ہے جیسے قاری اور مؤذن پر سلام غیر مشروع ہے اسی وجہ سے اس کا جواب لوٹانا واجب نہیں جیسا کہ ہم نے پہلے (مقولہ 3497 میں) بیان کیا ہے۔

3522۔ (قولہ: قَالَ) یعنی ''النہر'' میں فرمایا۔

1۔ سنن دارقطنی، کتاب الصلاۃ، باب تخفیف القراءۃ، جلد 2، صفحہ 87

وَيَنْبَغِي أَنْ لَا يُجِيبَ بِلِسَانِهِ اتِّفَاقًا فِي الْأَذَانِ بَيْنَ يَدَيِ الْخَطِيبِ، وَأَنْ يُجِيبَ بِقَدَمِهِ اتِّفَاقًا فِي الْأَذَانِ الْأَوَّلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ لِوُجُوبِ السَّعْيِ بِالنَّصِّ وَفِي التَّتَارْخَانِيَّةِ إِنَّمَا يُجِيبُ أَذَانَ مَسْجِدِهِ وَسَأَلَ ظَهِيرُ الدِّينِ عَمَّنْ سَمِعَهُ فِي آنٍ مِنْ جِهَاتٍ مَاذَا يَجِبُ عَلَيْهِ؟ قَالَ إِجَابَةُ أَذَانِ مَسْجِدِهِ بِالْفِعْلِ (وَيُجِيبُ الْإِقَامَةَ) نَدْبًا إِجْمَاعًا (كَالْأَذَانِ) وَيَقُولُ عِنْدَ قَدْ قَامَتْ الصَّلَاةُ أَقَامَهَا اللهُ وَأَدَامَهَا (وَقِيلَ لَا) يُجِيبُهَا، وَبِهِ جَزَمَ الشُّمُنِّيُّ،

مناسب ہے کہ خطیب کے سامنے والی اذان کا بالاتفاق جواب زبان سے نہ دے اور مناسب ہے کہ جمعہ کے دن پہلی اذان میں قدم کے ساتھ جواب دے۔ کیونکہ نص کے ساتھ سعی (چلنا) واجب ہے۔ اور ''التاتر خانیہ'' میں ہے: اپنی مسجد کی اذان کا جواب دے۔ اور ''ظہیر الدین'' سے اس شخص کے بارے پوچھا گیا جو ایک وقت میں کئی جہتوں سے اذان کی آواز سنے تو اس پر کیا واجب ہے؟ انہوں نے فرمایا: اپنی مسجد کی اذان کا جواب بالفعل دے۔ اور اقامت کا جواب دے۔ (اور یہ) اذان کی طرح اجماعاً مستحب ہے۔ اور وہ قد قامت الصلوٰۃ کے وقت کہے اقامہا اللہ وادامہا اور بعض علماء نے کہا ہے کہ وہ اقامت کا جواب نہ دے۔ اور اسی پر ''شمنی'' نے جزم کیا ہے۔

3523۔ (قولہ: إِنَّمَا يُجِيبُ أَذَانَ مَسْجِدِهِ) یعنی قدم کے ساتھ اپنی مسجد کی اذان کا جواب دے۔ یہ ''الحلوانی'' کے قول پر متفرع ہے جیسا کہ الشارح نے پہلے (کما یاتی) کے قول کے ساتھ اشارہ کیا تھا۔ ''طحطاوی''۔

3524۔ (قولہ: قَالَ إِجَابَةُ أَذَانِ مَسْجِدِهِ بِالْفِعْلِ) ''الفتح'' میں فرمایا: یہ اس میں سے نہیں ہے جس میں ہم گفتگو کر رہے ہیں۔ کیونکہ سائل کا مقصود یہ ہے کہ کون سے مؤذن کا جواب زبان سے دینا استحباباً یا وجوباً ہے۔ اور پہلے مؤذن کا جواب دینا مناسب ہے خواہ وہ اس کی اپنی مسجد کا مؤذن ہو یا کسی دوسری مسجد کا مؤذن ہو۔ اگر ان کو اکٹھا سنے تو اپنی مسجد کے مؤذن کے جواب دینے کا ارادہ سے جواب دے۔ اگر اس کا اعتبار نہ کرے تو بھی جائز ہے۔ اس میں اولیٰ کی مخالفت ہے۔ (ملخصاً)

میں کہتا ہوں: امام ظہیر الدین کا اس قول کی طرف عدول اسلوب حکیم سے ہے ''الحلوانی'' کے مذہب کی طرف میلان کرتے ہوئے کہا ہے۔ پھر میں نے ''الرحمتی'' کو دیکھا انہوں نے اس کے ساتھ جواب دیا ہے۔

3225۔ (قولہ: إِجْمَاعًا) یہ ندباً کی قید ہے یعنی جواب دینے کے قائلین کا ندب پر اجماع ہے۔ اور ان میں سے کسی نے وجوب کا قول نہیں کیا جیسا کہ اذان میں کہا گیا ہے۔ پس یہ (وقیل لا) کے قول کے منافی نہیں۔ (فافہم)

3526۔ (قولہ: وَيَقُولُ الخ) یعنی جیسا کہ ''ابو داؤد'' نے اس کو اس زیادتی کے ساتھ روایت کیا ہے: ما دامت السموات والارض و جعلنی من صالحی اھلھا، جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں اور مجھے زمین کے نیک لوگوں سے بنایا۔

3527۔ (قولہ: وَبِهِ جَزَمَ الشُّمُنِّيُّ) جہاں فرمایا: جو اقامت کو سنے جواب نہ دے۔ اور دعا کے ساتھ مشغول نہ ہونے میں حرج نہیں۔ اور اسے وجوب کی نفی پر محمول کرنا ممکن ہے ''الخلاصہ'' کے قول کی دلیل کی وجہ سے: اس پر اقامت کا

فُرُوعٌ صَلَّى السُّنَّةَ بَعْدَ الْإِقَامَةِ أَوْ حَضَرَ الْإِمَامُ بَعْدَهَا لَا يُعِيدُهَا بَزَّازِيَّةٌ وَيَنْبَغِي إنْ طَالَ الْفَصْلُ أَوْ وُجِدَ مَا يُعَدُّ قَاطِعًا كَأَكْلٍ أَنْ تُعَادَ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَالْمُؤَذِّنُ يُقِيمُ قَعَدَ إلَى قِيَامِ الْإِمَامِ فِي مُصَلَّاهُ رَئِيسُ الْمَحَلَّةِ لَا يُنْتَظَرُ مَا لَمْ يَكُنْ شِرِّيرًا وَالْوَقْتُ مُتَّسِعٌ يُكْرَهُ لَهُ أَنْ يُؤَذِّنَ فِي مَسْجِدَيْنِ وِلَايَةُ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ لِبَانِي الْمَسْجِدِ مُطْلَقًا وَكَذَا الْإِمَامَةُ لَوْ عَدْلًا الْأَفْضَلُ

مناسب ہے اگر فاصلہ زیادہ ہو جائے یا کوئی ایسا عمل پایا جائے جو قطع کرنے والا شمار ہو جیسے کھانا تو اقامت کو لوٹایا جائے گا۔ مسجد میں داخل ہوا اور مؤذن اقامت کہہ رہا تھا تو امام کے اپنے مصلی پر کھڑے ہونے تک بیٹھ جائے۔ اور محلہ کے رئیس کا انتظار نہیں کیا جائے گا جب تک وہ شریر نہ ہو اور وقت میں وسعت ہو۔ دو مسجدوں میں اذان دینا مکروہ ہے۔ اور اذان اور اقامت کی ولایت مطلقاً مسجد کے بانی کے لیے ہے اسی طرح امامت کا حق بھی بانی مسجد کو ہے اگر وہ عادل ہو۔ اور افضل

جواب نہیں۔ یا مراد یہ ہے کہ جب قد قامت الصلوٰۃ سنے تو اس کے لفظ کے ساتھ جواب نہ دے۔ الشیخ اسماعیل نے یہ فائدہ ذکر کیا ہے۔

3528۔(قولہ: وَيَنْبَغِي الخ) یہ بحث صاحب ''النہر'' کے لیے ہے۔

میں کہتا ہوں: ''شرح المنیہ'' کے آخر میں فرمایا: مؤذن نے اقامت کہی اور امام نے فجر کی دو رکعتیں نہ پڑھی تھیں وہ ان دو رکعتوں کو ادا کرے تو اقامت کا اعادہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ اقامت کا تکرار غیر مشروع ہے جب تک کثیر کلام اور کثیر عمل سے کوئی کاٹنے والا نہ ہو جس سے سجدہ تلاوت میں مجلس منقطع ہو جاتی ہے۔

3529۔(قولہ: قَعَدَ) اس کے لیے کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے لیکن وہ بیٹھے پھر کھڑا ہو جب مؤذن حی علی الفلاح کہے۔ ''ہندیہ عن المضمرات''۔

3530۔(قولہ: فِي مَسْجِدَيْنِ) کیونکہ جب اس نے پہلی مسجد میں نماز پڑھ لی تو دوسری مسجد میں وہ اذان کو نفلاً دینے والا ہوگا۔ اور نفلاً اذان دینا غیر مشروع ہے۔ نیز اذان فرضی نماز کے لیے ہوتی ہے اور دوسری مسجد میں وہ نفل پڑھنے والا ہے۔ پس مناسب نہیں کہ وہ فرض نماز کی طرف لوگوں کو بلائے جب خود اس فرضی نماز میں ان کی مدد کرنے والا نہ ہو۔ ''بدائع''۔

3531۔(قولہ: مُطْلَقًا) یعنی عادل ہو یا نہ ہو۔ اور ''الاشباہ'' میں ہے: بانی مسجد کی اولاد اور اس کا خاندان دوسروں سے زیادہ مستحق ہے۔

الوقف کے باب میں (مقولہ 21739 میں) آئے گا کہ قوم جب کسی کو مؤذن اور امام متعین کر دے اور وہ اس سے زیادہ بہتر ہو جس کو بانی مسجد نے قائم کیا تھا وہ زیادہ بہتر ہے۔ اس کو ''الفتح'' میں ''النوازل'' کے حوالہ سے ذکر کیا ہے اور اس کو ثابت کیا ہے۔ ''مدنی''۔

3232۔(قولہ: الْأَفْضَلُ) کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: اگر خلافت کا معاملہ نہ ہوتا تو میں اذان دیتا۔ یعنی

كَوْنُ الْإِمَامِ هُوَ الْمُؤَذِّنُ وَفِي الضِّيَاءِ (أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَذَّنَ فِي سَفَرٍ بِنَفْسِهِ وَأَقَامَ وَصَلَّى الظُّهْرَ) وَقَدْ حَقَّقْنَاهُ فِي الْخَزَائِنِ
امام کا مؤذن ہونا ہے۔اور''الضیاء''میں ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر میں خود اذان دی تھی اور اقامت کہی تھی اور ظہر کی نماز پڑھی تھی اور ہم نے اس کو''الخزائن''میں ثابت کیا ہے۔

امامت کے ساتھ اذان دیتا جیسا کہ ہم نے اس کو پہلے بیان کیا ہے۔اور''السراج''میں ہے: امام''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اذان اور اقامت خود کہتے تھے۔

کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اذان دی تھی؟

3533۔(قوله: حَقَّقْنَاهُ فِي الْخَزَائِنِ) اس کے بعد فرمایا:''ابن حجر''کی شرح''بخاری''میں ہے: اور اس کے متعلق سوال کثرت سے ہوتا ہے کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اذان دی تھی؟ امام''ترمذی''نے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر میں اذان دی اور صحابہ کرام کو نماز پڑھائی (1)۔''النووی''نے اس پر جزم کیا ہے اور اس کو تقویت دی ہے۔لیکن مسند امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ میں اس سند سے پائی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے اذان دی (2)۔پس معلوم ہوا کہ امام ترمذی کی روایت میں اختصار ہے اور اَذَّنَ کے قول کا معنی یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا جیسے کہا جاتا ہے خلیفہ نے فلاں عالم کو یہ عطا کیا حالانکہ عطا دوسرے آدمی نے کیا ہوتا ہے۔(خلیفہ نے حکم دیا ہوتا ہے)

1۔سنن ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی الصلاۃ علی الدابۃ، جلد 1، صفحہ 267، حدیث نمبر 376، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔مسند امام احمد بن حنبل، جلد 4، صفحہ 174

بَابُ شُرُوطِ الصَّلَاةِ

هِيَ ثَلَاثَةُ أَنْوَاعٍ: شَرْطُ انْعِقَادٍ كَنِيَّةٍ، وَتَحْرِيمَةٍ، وَوَقْتٍ، وَخُطْبَةٍ وَشَرْطُ دَوَامٍ كَطَهَارَةٍ وَسَتْرِ عَوْرَةٍ، وَاسْتِقْبَالِ قِبْلَةٍ وَشَرْطُ بَقَاءٍ، فَلَا يُشْتَرَطُ فِيهِ تَقَدُّمٌ وَلَا مُقَارَنَةٌ بِابْتِدَاءِ الصَّلَاةِ وَهُوَ الْقِرَاءَةُ،

نماز کی شرائط کے احکام

نماز کی شروط کی تین اقسام ہیں: ایک شرط انعقاد جیسے نیت، تحریمہ، وقت اور خطبہ (جمعہ کے لئے)۔ دوسری شرط دوام جیسے طہارت، شرمگاہ کا ڈھانپنا، قبلہ کی طرف منہ کرنا۔ تیسری شرط بقا اس میں تقدم (پہلے پایا جانا) اور نماز کی ابتدا سے اتصال شرط نہیں اور وہ قراءت ہے۔

یعنی نماز کے جواز اور اس کی صحت کی شرائط۔ وجوب کی شرائط مراد نہیں جیسے مکلف ہونا، قدرت ہونا، وقت ہونا اور وجود کی شرط بھی مراد نہیں جیسے فعل سے متصل قدرت ہونا۔ اور مراد شروط شرعیہ ہیں، نہ کہ شروط عقلیہ جیسے علم کے لئے زندگی اور نہ شروط جعلیہ مراد ہیں جیسے اس گھر میں داخل ہونا جس کے ساتھ طلاق معلق تھی۔

3534۔ (قولہ: هِيَ ثَلَاثَةُ أَنْوَاعٍ) اسی طرح ''السراج'' میں ثابت کیا ہے۔

اس کا بیان یہ ہے کہ انعقاد کی شرط وہ ہوتی ہے جس کا وجود نماز سے پہلے یا نماز سے متصل ہونا شرط ہوتا ہے خواہ وہ آخر تک باقی رہے یا باقی نہ رہے۔ پس وقت اور خطبہ نماز سے متقدم ہوتے ہیں۔ نیت اور تحریمہ نماز سے متصل ہوتے ہیں۔ رہی دوام کی شرط تو اس کا وجود نماز کی ابتدا میں شرط ہے اور آخر تک باقی رہے۔ رہی بقا کی شرط تو ''السراج'' میں اس کی تفسیر اس طرح کی ہے: جس کا وجود حالت بقا میں شرط ہے اس میں تقدم اور مقارنت شرط نہیں ہے۔ یعنی کبھی اس میں تقدم اور مقارنہ پایا جاتا ہے اور کبھی نہیں پایا جاتا۔

مخفی نہیں کہ یہ تینوں اقسام ایک دوسرے میں داخل ہیں اور ان کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔ پس یہ طہارت، ستر عورت، استقبال قبلہ میں جمع ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ یہ نماز کی ابتدا میں ان کے وجود کی شرط کی حیثیت سے یہ شرط انعقاد ہیں، اور دوام کی شرط کی حیثیت سے شرط دوام ہیں، اور حالت بقا میں اس کے وجود کی شرط کی حیثیت سے شرط بقا ہیں، اور صبح، جمعہ اور عیدین کی نماز کی طرف نسبت سے وقت میں جمع ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ وقت نماز کی ابتدا، انتہا اور حالت بقا میں شرط ہے جیسا کہ اگر ان نمازوں کے مکمل ہونے سے پہلے وقت نکل گیا تو نماز باطل ہو جائے گی۔

اور شرط انعقاد، شرط دوام اور شرط بقا سے وقت میں مقید نمازوں کی نسبت کے اعتبار سے منفرد ہے۔ کیونکہ یہ فقط شرط انعقاد ہے کیونکہ حالت بقا میں اس کا دوام اور اس کا وجود شرط نہیں۔

فَإِنَّهُ رُكْنٌ فِي نَفْسِهِ شَرْطٌ فِي غَيْرِهِ لِوُجُودِهِ فِي كُلِّ الْأَرْكَانِ تَقْدِيرًا، وَلِذَا لَمْ يَجُزْ اسْتِخْلَافُ الْأُمِّيِّ ثُمَّ الشَّرْطُ لُغَةً الْعَلَامَةُ اللَّازِمَةُ وَشَرْعًا مَا يَتَوَقَّفُ عَلَيْهِ الشَّيْءُ

یہ فی نفسہ رکن ہے اور غیر کے اعتبار سے شرط ہے۔ کیونکہ تقدیراً یہ تمام ارکان میں پائی جاتی ہے اور اسی وجہ سے اُمّی (ان پڑھ) کو خلیفہ بنانا جائز نہیں۔ شرط کا لغوی معنی علامت لازمہ ہے اور شرعاً شرط سے مراد وہ ہے جس پر کوئی چیز موقوف ہو

اور قراءت میں بقا کی شرط منفرد ہے کیونکہ یہ نماز کے درمیان میں پیدا ہوتی ہے اور انتہا تک باقی رہتی ہے۔ اور اس کی مثل غیر مکرر فعل میں ترتیب کی رعایت ہے جیسے قعدہ اخیرہ حتیٰ کہ اگر اسے نماز کا سجدہ یا سجدہ تلاوت یاد آیا پھر اسے قعدہ کے بعد لایا تو اس قعدہ کا اعادہ لازم ہے۔

3535۔ (قولہ: فَإِنَّهُ رُكْنٌ فِي نَفْسِهِ) اسی طرح ''القہستانی'' میں ہے۔ اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ رکن وہ ہوتا ہے جو ماہیت میں داخل ہوتا ہے اور شرط وہ ہوتی ہے جو ماہیت سے خارج ہوتی ہے اور ان دونوں کے درمیان منافات ہے اور غیر میں شرط ہونے کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں تقدیراً تمام ارکان میں اس کے وجود کے سبب سے۔ کیونکہ ہر رکن اسی طرح ہے۔ ہاں علماء نے رکن کو اصلی اور زائد میں تقسیم کیا ہے۔ اور زائد رکن وہ ہوتا ہے جو بلا ضرورت ساقط ہو جاتا ہے اور فقہاء نے اس کے لئے قراءت کی مثال دی ہے۔ کیونکہ یہ مقتدی سے ساقط ہو جاتی ہے۔ پس ایک حالت میں اسے رکن کا نام دیا جاتا ہے اور دوسری حالت میں زائد کا نام دیا جاتا ہے۔ کیونکہ نماز ماہیت اعتباریہ ہے۔ پس جائز ہے کہ الشارع کبھی اس کا ارکان کے ساتھ اعتبار کریں اور کبھی ارکان سے کم کا اعتبار کریں۔

3536۔ (قولہ: لِوُجُودِهِ) یعنی قراءت اور شرط کے اعتبار سے ذکر کیا حالانکہ یہ اس کے شرط ہونے کے لئے علت ہے۔ ''طحطاوی''۔

3537۔ (قولہ: لَمْ يَجُزْ اسْتِخْلَافُ الْأُمِّيِّ) یعنی اگرچہ تشہد میں اُمّی کو خلیفہ بنایا جائے تو یہ جائز نہیں کیونکہ اس میں شرط کا وجود نہیں ہے۔

اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ مقتدی میں مفقود ہے کیونکہ حکماً موجود ہے کیونکہ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے۔ ''طحطاوی''۔

3538۔ (قولہ: ثُمَّ الشَّرْطُ) را کے سکون کے ساتھ اور اس کی جمع شروط ہے۔ اور رہا را کے فتحہ کے ساتھ تو اس کی جمع اشراط ہے اور اسی سے فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا (محمد: 18) ہے۔ پہلی کی تفسیر ''قاموس'' میں یوں ہے کہ کسی چیز کو بیع وغیرہ میں لازم کرنا اور اس کا لازم ہونا اور دوسری کا معنی علامت ہے۔

اور اس کا مقتضا یہ ہے کہ پہلی کی تفسیر لغۃً علامت سے نہیں کی جائے گی اور یہی ''الصحاح'' کا ظاہر ہے۔ اور کتب فقہ میں لغت سے منقول اس کے خلاف ہے۔ شائد فقہاء اس کی تفسیر پر اس کے ساتھ آگاہ ہوئے اور بعض نے اس کو شرائط کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ اور اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ شریطۃ کی جمع ہے اور شریطۃ کا معنی کان کا پھٹا ہوا ہونا ہے۔ اور ''النہر''

وَلَا يَدْخُلُ فِيهِ (هِيَ) سِتَّةٌ (طَهَارَةُ بَدَنِهِ) أَيْ جَسَدِهِ لِدُخُولِ الْأَطْرَافِ فِي الْجَسَدِ دُونَ الْبَدَنِ فَلْيُحْفَظْ (مِنْ حَدَثٍ) بِنَوْعَيْهِ، وَقَدَّمَهُ لِأَنَّهُ أَغْلَظُ (وَخَبَثٍ)
اور اس میں داخل نہ ہو۔ نماز کی شرائط چھ ہیں: نمازی کے بدن کا یعنی جسد کا پاک ہونا، جسد سے وضاحت اس لئے کی کیونکہ اطراف جسد میں داخل ہیں بدن میں نہیں اس کو یاد رکھنا چاہئے۔ حدث سے یعنی حدث کی دونوں قسموں سے۔ اور مصنف نے حدث کو مقدم کیا ہے کیونکہ یہ زیادہ سخت ہے اور جسم کا پاک ہونا ایسی نجاست سے

میں یہاں وہم واقع ہوا ہے۔ پس اس سے اجتناب کر۔

3539۔ (قوله: وَلَا يَدْخُلُ فِيهِ) جان لو کہ کسی شے کا متعلق یا تو اس کی ماہیت میں داخل ہوگا تو اسے رکن کہا جائے گا جیسے نماز میں رکوع ہے، یا اس کی ماہیت سے خارج ہوگا پھر وہ اس میں مؤثر ہوگا جیسے حلت کے لئے عقد نکاح پس اس کو علت کہا جاتا ہے، یا مؤثر نہ ہوگا پھر یا تو اس چیز تک پہنچانے والا ہوگا جیسے وقت تو اسے سبب کہا جاتا ہے، یا اس چیز تک پہنچانے والا نہ ہوگا پھر اس پر چیز موقوف ہوگی جیسے نماز کے لئے وضو اس کو شرط کہا جاتا ہے، یا اس پر موقوف نہ ہوگی جیسے اذان تو اس کو علامت کہا جاتا ہے جیسا کہ ''البرجندی'' نے اس کو تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ پس اس پر زائد ہوگا اور اس میں مؤثر نہ ہوگا اور نہ اس تک پہنچانے والا ہوگا۔ ''اسماعیل''۔

نماز کی شرائط

3540۔ (قوله: هِيَ سِتَّةٌ) ''القہستانی'' نے ذکر کیا ہے کہ یہ دس سے زیادہ ہیں کیونکہ ان میں سے قراءت بھی ہے جیسا کہ گزر چکا ہے اور قراءت کا رکوع سے مقدم کرنا، اور سجدہ پر رکوع کو مقدم کرنا، امام اور مقتدی کے مقام کی رعایت کرنا، اور صاحب ترتیب کے لئے فوت شدہ نماز کا یاد نہ ہونا، اور عورت کا برابر کھڑا نہ ہونا۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح ان شروط میں سے وقت ہے جیسا کہ (مقولہ 3270 میں) گزر چکا ہے۔ ''الامداد'' میں فرمایا: بہت سی معتبر کتب میں اس کا ذکر ترک کیا گیا ہے جیسے ''قدوری''، ''المختار''، ''الہدایہ''، ''الکنز'' حالانکہ ان علماء نے اس کو کتاب الصلوٰۃ کے آغاز میں ذکر کیا ہے۔ پس ان علماء کے لئے اس کا ذکر یہاں مناسب تھا تا کہ متعلم آگاہ ہو اس کے باوجود کہ یہ شرط سے ہے جیسا کہ مقدمہ ''ابوالليث'' اور ''منیۃ المصلی'' میں ہے۔ اور اسی طرح اس کے دخول کا اعتقاد شرط ہے۔ اگر وقت کے دخول میں شک ہو تو نماز صحیح نہیں ہوتی اگرچہ ظاہر ہو جائے کہ وقت داخل ہو چکا تھا۔

3541۔ (قوله: لِدُخُولِ الْأَطْرَافِ) یہ بدن کی جسد کے ساتھ تفسیر کی علت ہے۔ یہ تفسیر مراد ہے۔ کیونکہ بدن، سر اور اطراف جیسے ہاتھ، پاؤں کے سوا کا نام ہے۔

3542۔ (قوله: قَدَّمَهُ لِأَنَّهُ أَغْلَظُ) کیونکہ حدث کے لئے کوئی ایسی قلیل مقدار نہیں ہے جو معاف ہو بخلاف خبث (نجاست) کے۔ امام ''الطحاوی'' نے فرمایا: حدث اور خبث میں سے ایک کے لئے کفایت کرنے والے پانی کو خبث کے

مَانِعٍ كَذٰلِكَ (وَثَوْبِهِ) وَكَذَا مَا يَتَحَرَّكُ بِحَرَكَتِهِ أَوْ يُعَدُّ حَامِلًا لَهُ كَصَبِيٍّ عَلَيْهِ نَجَسٌ إِنْ لَمْ يَسْتَمْسِكْ بِنَفْسِهِ مَنَعَ وَإِلَّا لَا كَجُنُبٍ وَكَلْبٍ إِنْ شُدَّ فَمُهُ

جو مانع ہو۔ اور کپڑوں کا پاک ہونا شرط ہے۔ اور اسی طرح اس چیز کا پاک ہونا شرط ہے جو نمازی کی حرکت سے حرکت کرے یا نمازی اسے اٹھانے والا شمار ہو جیسے بچہ جس پر نجاست ہو اگر وہ خود بخود نہ چمٹا ہوا ہو تو مانع نماز ہے ورنہ نہیں جیسے جنبی اور کتا اگر اس کا منہ باندھا گیا ہو۔

لئے استعمال کیا جائے گا تا کہ دونوں طہارتیں حاصل ہو جائیں نجاست میں پانی کی طہارت اور حدث میں مٹی کی طہارت۔

3543۔ (قولہ: كَذٰلِكَ) یعنی دونوں قسموں سے اور وہ دونوں قسمیں نجاست غلیظہ اور نجاست خفیفہ ہیں۔ ''حلبی''۔

3544۔ (قولہ: وَثَوْبِهِ) اس سے مراد وہ کپڑا ہے جو بدن پر پہنا ہوا ہے پس اس میں ٹوپی، موزہ اور نعل داخل ہیں۔ ''طحطاوی عن الحموی''۔

3545۔ (قولہ: وَكَذَا مَا) یعنی جو چیز اس سے متصل ہے اس کی حرکت سے حرکت کرتی ہے جیسے وہ رومال جس کی ایک طرف نمازی کی گردن میں ہے اور دوسری طرف میں مانع نجاست ہے۔ اگر نجاست والی جگہ نمازی کی حرکات سے حرکت کرے تو مانع صلاۃ ہے ورنہ نہیں بخلاف اس کے جو متصل نہیں ہے جیسے قالین جس کی ایک طرف نجس ہو جبکہ اس کے کھڑے ہونے اور پیشانی رکھنے کی جگہ پاک ہو تو مطلقاً نماز سے مانع نہیں۔ یہ ''حلبی'' نے ''الشرنبلالی'' کے حوالہ سے فائدہ لکھا ہے۔

3546۔ (قولہ: كَصَبِيٍّ) یعنی اور جیسے چھت، سائبان اور پاک خیمہ جب کھڑا ہو تو اسے اس کا سر لگتا ہے۔

3547۔ (قولہ: إِنْ لَمْ يَسْتَمْسِكْ) ان اور اس کے جواب کا حذف کرنا بہتر ہے۔ کیونکہ یہ محمول کے لئے تمثیل ہے۔ پس تعبیر کا حق یہ کہنا ہے کصبی علیہ نجس لا یستمسک بنفسہ جیسے وہ بچہ جس پر نجاست ہو جو خود نہ ٹھہر سکتا ہو۔

3548۔ (قولہ: وَإِلَّا لَا) یعنی اگر وہ خود چمٹ سکتا ہے تو نماز سے مانع نہیں۔ کیونکہ اس وقت نجاست کا اٹھانا بچے کی طرف منسوب ہوگا نہ کہ نمازی کی طرف۔

3549۔ (قولہ: كَجُنُبٍ) یہ تنظیر ہے تمثیل نہیں یعنی جنابت محمول کی طرف منسوب ہوگی مصلی کی طرف منسوب نہیں ہوگی۔ اور اگر یہ تمثیل ہوتی تو جنبی کا چمٹا رہنا شرط ہونا لازم آتا اس طرح کہ وہ اپاہج نہ ہو حالانکہ وہ حقیقۃً غیر نجس ہے۔ پس اگر مصلی جنبی کو اٹھائے تو وہ مطلقاً اس کی نماز کے مانع نہیں کیونکہ اس کی نجاست حکمی ہے۔ فافہم۔

3550۔ (قولہ: وَكَلْبٍ إِنْ شُدَّ فَمُهُ) اگر عبارت اس طرح ہوتی و کلب ان لم یسل منہ ما یمنع الصلوۃ تو بہتر ہوتا (یعنی کتا جس سے اتنا لعاب نہ بہہ رہا ہو جو نماز کے مانع ہے)۔ کیونکہ اگر عدم سیلان معلوم ہو یا مانع مقدار سے کم بہا ہو تو نماز کو باطل نہیں کرتا اگرچہ اس کا منہ باندھا ہوا نہ ہو۔ یہ ''حلبی'' نے فائدہ ذکر کیا ہے۔ اور ہم نے فصل البئر سے تھوڑا پہلے ''الحلبہ'' کے حوالہ سے اسی طرح پہلے (مقولہ 1830 میں) پیش کیا ہے۔ اور ''ظہیریہ'' کے حوالے سے جو ''البحر'' میں ہے وہ اس کی تائید

فِي الْأَصَحِّ (وَمَكَانِهِ) أَيْ مَوْضِعِ قَدَمَيْهِ أَوْ إِحْدَاهُمَا إِنْ رَفَعَ الْأُخْرَى وَمَوْضِعِ سُجُودِهِ اتِّفَاقًا فِي الْأَصَحِّ، لَا مَوْضِعِ يَدَيْهِ وَرُكْبَتَيْهِ

اصح قول میں۔ اور مکان کا پاک ہونا یعنی نمازی کے دو قدم رکھنے کی جگہ کا پاک ہونا یا ایک پاؤں کی جگہ کا پاک ہونا اگر دوسرا پاؤں اٹھالیا ہو۔ اور اصح قول میں بالاتفاق سجدہ کی جگہ کا پاک ہونا نہ کہ ہاتھوں اور گھٹنوں کی جگہ کا پاک ہونا

کرتا ہے کہ اگر مصلی پر ایسا بچہ بیٹھ جائے جس کے کپڑے ناپاک ہوں اور وہ نمازی سے خود چمٹا ہوا ہے یا کبوتر بیٹھ گیا جو ناپاک ہے تو اس کی نماز جائز ہوگی کیونکہ جو مصلی پر ہے وہ نجس کو استعمال کرنے والا ہے پس مصلی نجاست کو اٹھانے والا نہ ہوا۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ کتے کا مسئلہ دو تصحیحوں میں سے ارجح پر مبنی ہے کہ کتا نجس عین نہیں بلکہ وہ ظاہر کے اعتبار سے پاک ہے جیسے دوسرے حیوانات ہیں سوائے خنزیر کے۔ پس وہ ناپاک نہ ہوگا مگر موت سے اور باطنی نجاست اپنے معدن میں ہے پس اس کا حکم ظاہر نہ ہوگا جیسے نمازی کے باطن کی نجاست کا حکم ظاہر نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر گندہ انڈا اٹھائے ہوئے ہو تو نماز جائز ہے کیونکہ وہ نجاست اپنے معدن میں ہے۔ اور کوئی چیز جب تک اپنے معدن میں ہوتی ہے اس کے لئے نجاست کا حکم نہیں دیا جاتا بخلاف اس کے اگر بند بوتل اٹھائے ہو جس میں پیشاب ہو تو نماز جائز نہ ہوگی کیونکہ پیشاب اپنے معدن میں نہیں ہے۔ اسی طرح ''البحر'' میں ''المحیط'' کے حوالے سے ہے۔

3551۔ (قوله: فِي الْأَصَحِّ) یہ اس کا رد ہے جو کہتا ہے مطلقاً نماز ممنوع ہے جیسا کہ ''البحر'' میں ہے۔ گویا یہ اس کے نجاست عین ہونے پر مبنی ہے۔

3552۔ (قوله: وَمَكَانِهِ) قالین کی ایک طرف میں نجاست نماز سے مانع نہیں اگرچہ اصح قول میں وہ چھوٹی ہی ہو اگرچہ باریک بھی ہو اور اسے ناپاک جگہ پر بچھایا ہو۔ اگر وہ شرمگاہ کو چھپانے کی صلاحیت رکھتی ہو تو نماز جائز ہوگی جیسا کہ ''البحر'' میں ''الخلاصہ'' کے حوالہ سے ہے۔ اور ''القنیہ'' میں ہے: اگر شیشے پر نماز پڑھی جس کے نیچے سب کچھ دکھائی دے رہا ہے تو فقہاء نے فرمایا اس کی نماز جائز ہے۔

اگر کچی یا پکی اینٹ یا موٹی لکڑی، یا تہوں والا سلا ہوا کپڑا، یا غیر سلا کپڑا اس پر نماز پڑھی تو اس پر کلام باب مفسدات الصلوٰۃ میں (مقولہ 5302 میں) آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

3553۔ (قوله: أَيْ مَوْضِعِ قَدَمَيْهِ) یہ روایات کے اتفاق سے ہے ''بحر''۔ اور یہ فائدہ ذکر کیا کہ اگر اس کے کپڑے ناپاک زمین پر سجدہ کرتے وقت لگے تو اسے مضر نہیں۔

3554۔ (قوله: إِنْ رَفَعَ الْأُخْرَى) یعنی اس پاؤں کو اٹھالیا جس کے نیچے مانع نجاست ہے۔

3555۔ (قوله: اتِّفَاقًا فِي الْأَصَحِّ) امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت ہے کہ سجدہ کی جگہ کی طہارت شرط نہیں ''حلبی''۔ یعنی سجدہ میں ناک پر اکتفا کے جواز کی روایت کی بنا پر پس ناک کی جگہ کی طہارت شرط نہیں۔ کیونکہ وہ درہم سے کم

عَلَی الطَّاهِرِ إِلَّا إِذَا سَجَدَ عَلَى كَفِهِ كَمَا سَيَجِيءُ (مِنَ الثَّانِي) أَيِ الْخَبَثِ، (وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ) فَبَدَنُهُ وَمَكَانُهُ أَوْلَى لِأَنَّهُمَا أَلْزَمُ (وَ) الرَّابِعُ (سَتْرُ عَوْرَتِهِ)

ظاہر الروایہ پر مگر جب اپنی ہتھیلی پر سجدہ کرے تو ہتھیلی کی جگہ کا پاک ہونا شرط ہوگا جیسا کہ آئے گا۔ دوسرے سے یعنی خبث سے پاک ہونا شرط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ (المدثر) (اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو) پس بدن اور مکان کا پاک ہونا اولیٰ ہے۔ کیونکہ یہ دونوں زیادہ لازم ہیں۔ اور چوتھی شرط شرمگاہ کا ڈھانپنا ہے۔

ہے جیسا کہ ''شرح المنیہ'' میں ہے۔ لیکن اگر وہ نجس پر سجدہ کرے تو طرفین کے نزدیک نماز فاسد ہوگی۔ ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سجدہ فاسد ہوگا اگر طاہر پر اس کا اعادہ کرے گا تو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز صحیح ہو جائے گی۔ طرفین کے نزدیک صحیح نہ ہوگی۔ پہلا قول ظاہر الروایہ ہے جیسا کہ ''الحلبہ'' میں ہے۔

3556۔ (قوله: عَلَى الطَّاهِرِ) یعنی ظاہر الروایہ جیسا کہ ''البحر'' میں ہے۔ لیکن ''منیۃ المصلی'' میں فرمایا: ''العیون'' میں فرمایا: یہ شاذ روایت ہے۔

اور ''البحر'' میں ہے: ''ابو اللیث'' نے پسند کیا ہے کہ اس کی نماز فاسد ہوگی۔ اور ''العیون'' میں اس کی تصحیح کی ہے۔ اور ''النہر'' میں ہے: عامۃ المتون کے اطلاق کے یہی مناسب ہے۔ اور ''الخانیہ'' کے کلام سے اس کی تائید کی ہے۔

میں کہتا ہوں: ''المواہب'' اور ''نور الایضاح'' اور ''المنیہ'' وغیرہا کے متن میں اس کی تصحیح ہے۔ پس اس پر اعتماد ہوگا اور ''شرح المنیہ'' میں فرمایا: یہی صحیح ہے۔ کیونکہ نجاست کا عضو سے متصل ہونا اس کو اٹھانے کے قائم مقام ہے اگر چہ اس عضو کا رکھنا فرض نہ ہو۔

3557۔ (قوله: إِلَّا إِذَا سَجَدَ عَلَى كَفِهِ) پس اس کے نیچے والی جگہ کی طہارت شرط ہے اس لئے نہیں کہ وہ ہاتھ رکھنے کی جگہ ہے بلکہ وہ سجدہ کی جگہ ہے ''طحطاوی''۔ یعنی جیسے جب اپنی آستین پر سجدہ کرے اور اس کے نیچے نجاست ہو۔

3558۔ (قوله: كَمَا سَيَجِيءُ) یعنی سنن الصلوٰۃ میں آئے گا۔ ''حلبی''۔

3559۔ (قوله: مِنَ الثَّانِي) توضیح کی زیادتی ہے۔ ''النہر'' میں فرمایا: ''الکنز'' میں اس کو ذکر نہیں کیا کیونکہ کپڑے اور مکان کی حدث سے طہارت دل میں کھٹکتی نہیں ہے۔ اسی وجہ سے من حدث و خبث کے قول کو مقدم کیا۔ کیونکہ اگر اس کو مؤخر کرتے تو یہ تقاضا کرتا کہ یہ تمام میں قید ہو۔

3560۔ (قوله: لِأَنَّهُمَا أَلْزَمُ) یعنی کپڑے سے زیادہ یہ نمازی کو لازم ہوتے ہیں کیونکہ کپڑے کے بغیر بھی نماز پڑھنا ممکن ہے۔

شرمگاہ کا ڈھانپنا

3561۔ (قوله: وَ الرَّابِعُ سَتْرُ عَوْرَتِهِ) یعنی اگر چہ وہ ایسی چیز کے ساتھ ہو جس کا پہننا حلال نہیں جیسے ریشم کا کپڑا

وَوُجُوبُهُ عَامٌّ وَلَوْفِي الْخَلْوَةِ عَلَى الصَّحِيحِ إِلَّا لِغَرَضٍ صَحِيحٍ، وَلَهُ لُبْسُ ثَوْبٍ نَجِسٍ فِي غَيْرِ صَلَاةٍ

اور اس کا وجوب عام ہے اگر چہ خلوت میں ہو صحیح قول پر۔ مگر غرض صحیح کے لئے شرمگاہ کا کھولنا جائز ہے۔ اور مرد کے لئے نماز کے علاوہ ناپاک کپڑا پہننا جائز ہے۔

اگر چہ بلا عذر پہنے گا تو گنہگار ہوگا جیسے مغصوبہ زمین میں نماز۔ پردے اور پردہ کرنے کی شرط آئندہ ذکر کریں گے۔

3562۔(قولہ: وَوُجُوبُهُ عَامٌّ) یعنی نماز میں اور نماز سے باہر بھی شرمگاہ کو ڈھانپنا واجب ہے۔

3563۔(قولہ: وَلَوْفِي الْخَلْوَةِ) یعنی جب نماز سے باہر ہو تو بالا جماع لوگوں کی موجودگی میں شرمگاہ ڈھانپنا واجب ہے اور صحیح قول پر خلوت میں بھی شرمگاہ ڈھانپنا واجب ہے۔ رہا یہ کہ اگر خلوت میں برہنہ نماز پڑھے اگر چہ تاریک کمرے میں ہو اور اس کے پاس پاک کپڑا بھی ہو تو بالا جماع نماز جائز نہ ہوگی جیسا کہ ''البحر'' میں ہے۔ پھر ظاہر یہ ہے کہ نماز کے باہر بھی جس شرمگاہ کا ڈھانپنا واجب ہے اس سے مراد ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ ہے حتی کہ عورت پر بھی اس کے علاوہ حصہ ڈھانپنا واجب نہیں اگر چہ وہ بھی شرمگاہ ہے۔ اور اس کی دلیل ''القنیہ'' کے باب الکراہیۃ میں مذکور ہے جہاں انہوں نے فرمایا: غریب الروایہ میں عورت کے لیے تنہا اپنے گھر میں سر کھولنے کی رخصت دی گئی ہے۔ پس محارم کی موجودگی میں اس کے لئے بہتر ایسا باریک دوپٹہ لینا ہے جس کے نیچے کا حصہ دکھائی دے۔ لیکن یہ اس حصہ میں ظاہر ہے جس کا دیکھنا محارم کے لئے حلال ہے۔ رہا اس کے علاوہ جیسے پیٹ اور پیٹھ تو کیا خلوت میں اس کا ڈھانپنا واجب ہے؟ محل نظر ہے۔ اطلاق کا ظاہر یہ ہے کہ خلوت میں بھی ان کا ڈھانپنا واجب ہے۔ ''فتامل''

3564۔(قولہ: عَلَى الصَّحِيحِ) کیونکہ اللہ تعالیٰ اگر چہ مستور کو اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح مکشوف کو دیکھتا ہے لیکن وہ مکشوف کو دیکھتا ہے کہ وہ ادب کو ترک کرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ مستور کو دیکھتا ہے کہ وہ متادب ہے اور قدرت کے وقت اس ادب کی رعایت کرنا واجب ہے۔

اور جو ''الزیلعی'' نے ذکر کیا ہے کہ عام علماء نے اپنے آپ سے پردہ کرنے کی شرط نہیں لگائی تو یہ نماز کے بارے میں ہے جیسا کہ اس کا بیان المصنف کے اس کو ذکر کرنے کے وقت آئے گا۔ پس اس میں تصحیح نہیں ہے کیونکہ جو وہاں ہے اس کے خلاف ہے۔ ''فافہم''

3565۔(قولہ: إِلَّا لِغَرَضٍ صَحِيحٍ) جیسے پاخانہ کرنا، استنجا کرنا۔ ''القنیہ'' میں علیحدہ غسل کرنے کے لئے برہنہ ہونے میں بہت سے اقوال ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے اور ان میں ایک یہ ہے کہ وہ ان شاء اللہ معذور ہوگا۔ ایک یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ ایک یہ ہے کہ تھوڑی مدت میں جائز ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ چھوٹے حمام کے کمرے میں جائز ہے۔

3566۔(قولہ: وَلَهُ لُبْسُ ثَوْبٍ نَجِسٍ) اس کو ''البحر'' میں ''المبسوط'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ پھر انہوں نے ذکر کیا ہے کہ ''البغیہ'' جو ''القنیہ'' کی تلخیص ہے اس میں اختلاف ذکر کیا ہے۔ علامہ ''طحطاوی'' نے فرمایا: نجاست کے ساتھ اس

(وَهِيَ لِلرَّجُلِ مَا تَحْتَ سُرَّتِهِ إِلَى مَا تَحْتَ رُكْبَتِهِ) وَشَرَطَ أَحْمَدُ سَتْرَ أَحَدِ مَنْكِبَيْهِ أَيْضًا وَعَنْ مَالِكٍ هِيَ الْقُبُلُ وَالدُّبُرُ فَقَطْ (وَمَا هُوَ عَوْرَةٌ مِنْهُ عَوْرَةٌ مِنَ الْأَمَةِ) وَلَوْ خُنْثَى أَوْ مُدَبَّرَةً

اور شرمگاہ مرد کے لئے ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنے کے نیچے تک ہے اور امام ''احمد'' نے ایک کندھے کو ڈھانپنا بھی شرط قرار دیا ہے۔ اور امام ''مالک'' سے مروی ہے کہ یہ صرف قبل اور دبر ہے۔ اور جو بدن کا حصہ مرد کے لئے شرمگاہ ہے وہ لونڈی کی بھی شرمگاہ ہے خواہ وہ لونڈی خنثیٰ ہو یا مدبرہ ہو

کی تلویث کے حکم سے تعرض نہیں کیا اور ظاہر یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ غیر مفید چیز سے مشغول ہونا ہے اور جب یہ کپڑے کو خراب کرنے والی ہو تو حرام ہے اور جو حاشیہ ''حلبی'' میں ہے اس پر اعتماد نہیں کیا جائے گا۔

اور کتاب الاستنجاء میں قیمتی ٹکڑے کے ساتھ استنجا کرنے کی کراہت (مقولہ 3031 میں) گزر چکی ہے اور کپڑے کے ساتھ بدرجہ اولیٰ کراہت ہوگی۔ پس بلاضرورت کپڑے کو نجاست میں ملوث کرنا اولویت میں زیادہ سخت ہے۔

3567۔ (قولہ: لِلرَّجُلِ) یہ لونڈی اور آزاد عورت سے اور بچے سے احتراز ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔

3568۔ (قولہ: مَا تَحْتَ سُرَّتِهِ) اس سے مراد وہ خط ہے جو ناف کے ساتھ سے گزرتا ہے اور بدن کے محیط پر گھومتا ہے اس حیثیت سے کہ اس کا اسی جگہ سے بعد اس کی تمام جوانب میں برابر ہوتا ہے۔ اسی طرح ''البرجندی'' میں ہے۔ ''اسماعیل''۔ پس ناف، شرمگاہ میں سے نہیں ہے۔ ''درر''۔

3569۔ (قولہ: إِلَى مَا تَحْتَ رُكْبَتِهِ) ما کا اضافہ کیا ہے۔ کیونکہ کہا گیا ہے کہ تحت ان ظروف سے ہے جو متصرف نہیں ہوتی ہیں۔ ''حموی''۔ پس گھٹنہ ''الدارقطنی'' کی روایت کی وجہ سے شرمگاہ سے ہے: ماتحت السرة الی الرکبة العورة (1) یعنی جو ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنا تک ہے وہ شرمگاہ ہے۔ لیکن اس میں احتمال ہے۔ احتیاط گھٹنا کے دخول میں ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: الرکبة من العورة گھٹنا شرمگاہ سے ہے (2) مکمل بحث ''شرح المنیہ'' میں ہے۔

3570۔ (قولہ: وَشَرَطَ أَحْمَدُ الخ) امام ''احمد'' کے نزدیک فرض کی نماز میں یہ شرط ہے۔ کیونکہ صحیحین کی روایت ہے: آدمی ایک کپڑے میں نماز نہ پڑھے (3) جبکہ اس کے کندھے پر کپڑے میں سے کچھ نہ ہو۔ اور ہمارے نزدیک کندھوں کا ڈھانپنا مستحب ہے۔

3571۔ (قولہ: وَلَوْ خُنْثَى) ''النہر'' میں فرمایا: خنثیٰ مشکل غلام، لونڈی کی طرح ہے اور آزاد خنثیٰ آزاد عورت کی طرح ہے۔

1۔ سنن دارقطنی، کتاب الصلوٰۃ، باب الامر بتعلیم الصلوۃ والضرب علیہا، جلد 1، صفحہ 230　2۔ تقدم تخریجہ

3۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب لاصلوٰۃ فی الثوب الواحد، جلد 1، صفحہ 540، حدیث نمبر 851

صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب اذا صلی فی الثوب الواحد، جلد 1، صفحہ 214، حدیث نمبر 346

أَوْ مُكَاتَبَةً أَوْ أُمَّ وَلَدٍ (مَعَ ظَهْرِهَا وَبَطْنِهَا؛ وَ) أَمَّا (جَنْبُهَا) فَتَبَعٌ لَهُمَا، وَلَوْ أَعْتَقَهَا مُصَلِّيَةً، إِنْ اسْتَتَرَتْ

یا مکاتبہ ہو یا ام ولد ہو، اس کی پیٹھ اور اس کے بطن (پیٹ) کے ساتھ۔ رہے لونڈی کے پہلوتو وہ پیٹھ اور پیٹ کے تابع ہیں اگر مالک نے لونڈی کو آزاد کر دیا دراں حالیکہ وہ نماز پڑھ رہی تھی اگر اس نے اپنا بدن چھپالیا

3572۔ (قولہ: أَوْ مُكَاتَبَةً) اس کی مثل وہ لونڈی ہے جو محنت کر رہی ہو جس کا بعض حصہ آزاد کیا گیا ہو۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک۔ ''حلبی''۔

3573۔ (قولہ: مَعَ ظَهْرِهَا وَبَطْنِهَا) البطن وہ حصہ جو آگے کی طرف سے نرم ہوتا ہے۔ الظهر (پیٹھ) جو اس کے مقابلہ میں پیچھے ہوتا ہے۔ اسی طرح ''الخزائن'' میں ہے۔ ''الرحمتی'' نے فرمایا: الظهر (پیٹھ) جو سینہ کے نیچے سے ناف تک بطن کے مقابل میں سے ہے'' جوہرہ''۔ یعنی جو سینہ کے مقابل پیچھے ہے وہ اس پیٹھ سے نہیں جو شرمگاہ ہے۔

اس کا مقتضا یہ ہے کہ سینہ اور جو اس کے مقابل پیچھے سے ہے وہ شرمگاہ نہیں اور پستان بھی شرمگاہ میں نہیں۔ الحظر والاباحۃ میں (مقولہ 33018 میں) آئے گا کہ غیر کی لونڈی کا وہ حصہ دیکھنا جائز ہے جو اپنی محرم کا دیکھنا جائز ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ اپنی محرم کے سینہ اور پستان کو دیکھنا جائز ہے۔ پس یہ نہ محرمہ سے شرمگاہ ہے اور نہ لونڈی سے شرمگاہ ہے۔

اس کا مقتضا یہ ہے کہ نماز میں بھی یہ شرمگاہ نہ ہوگا۔ لیکن ''التاتر خانیہ'' میں ہے: اگر لونڈی نے نماز پڑھی جبکہ اس کا سر ننگا تھا تو بالاتفاق اسکی نماز جائز ہے۔ اور اگر اس نے نماز پڑھی جبکہ اس کا سینہ اور پستان کھلے تھے تو اکثر مشائخ کے نزدیک جائز نہیں۔

کہا جائے گا کہ لونڈی کا سینہ نماز میں شرمگاہ ہے نماز سے باہر نہیں۔ لیکن یہ عامۃ الکتب میں جو صرف پیٹ اور پیٹھ میں سے ذکر ہے اس کے خلاف ہے ان دونوں کی تفسیر (اس مقولہ میں) گزر چکی ہے۔ مخفی نہیں کہ سینہ، پیٹ اور پیٹھ کے علاوہ ہے۔ پس معتمد یہ ہونا چاہئے کہ سینہ مطلقاً شرمگاہ نہیں ہے۔

3574۔ (قولہ: أَمَّا جَنْبُهَا) متن میں مجرور ہے پس شارح نے أمّا داخل کر کے اسے مبتدا کی بنا پر مرفوع بنا دیا ہے اور اس وقت یہ مفرد ہے تثنیہ نہیں ہے جیسا کہ بعض نسخوں میں ہے ورنہ شارح کہتے واما جنباها۔ ''حلبی''۔

3575۔ (قولہ: فَتَبَعٌ لَهُمَا) ''القنیہ'' میں فرمایا: الجنب تبع البطن یعنی پہلو پیٹ کے تابع ہے۔ پھر اشارہ کیا اور فرمایا: بہتر یہ ہے کہ جو پیٹ سے ملا ہوا ہے وہ اس کے تابع ہو اور جو پیٹھ سے ملا ہوا ہے وہ اس کے تابع ہو۔

الشارح نے متن کی عبارت کی اصلاح کا ارادہ کیا۔ کیونکہ اس کا ظاہر یہ شعور دیتا ہے کہ پہلو ایک مستقل عضو ہے جبکہ یہ غیر کے تابع ہے۔ اور اس کا ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہوگا جو آگے (مقولہ 3611 میں) آئے گی۔ لیکن ''القنیہ'' میں جو گزر چکا ہے اس سے پہلے ذکر کیا ہے کہ اگر اس نے اپنے ہاتھ نماز میں شروع ہونے کے لئے اٹھائے اور اس کی آستینوں سے اس کے پیٹ یا پہلو کی چوتھائی ظاہر ہوگئی تو اس کا نماز میں شروع ہونا صحیح نہیں۔ اور اس کا مقتضا یہ ہے کہ پہلو ایک مستقل عضو ہے۔ یہ دوسرا قول ہے مگر یہ کہ او بمعنی واؤ ہو۔ ''تامل''۔

كَمَا قَدَرَتْ صَحَّتْ وَإِلَّا لَا أَعْلِمَتْ بِعِتْقِهِ أَوْلَا عَلَى الْمَذْهَبِ قَالَ إِنْ صَلَّيْتَ صَلَاةً صَحِيحَةً فَأَنْتِ حُرَّةٌ قَبْلَهَا فَصَلَّتْ بِلَا قِنَاعٍ يَنْبَغِي إِلْغَاءُ الْقَبْلِيَّةِ وَوُقُوعُ الْعِتْقِ كَمَا رَجَّحُوهُ فِي الطَّلَاقِ الدَّوْرِيِّ (وَلِلْحُرَّةِ) وَلَوْ خُنْثَى (جَمِيعُ بَدَنِهَا) حَتَّى شَعْرُهَا النَّازِلُ فِي الْأَصَحِّ (خَلَا الْوَجْهَ وَالْكَفَّيْنِ)

جیسے قادر تھی تو نماز صحیح ہوگی ورنہ نہیں خواہ اس کو آزاد کرنے کا علم ہو یا نہ ہو مذہب کے مطابق۔ کسی نے لونڈی سے کہا اگر تو نے صحیح نماز پڑھی تو تو آزاد ہے اس نماز سے پہلے پھر لونڈی نے بغیر پردے کے نماز پڑھی تو قبلیت کو لغو ہونا چاہئے اور آزادی کا وقوع ہونا چاہئے جیسا کہ فقہا نے طلاق دوری میں اس کو ترجیح دی ہے اور آزاد عورت کے لئے خواہ وہ خنثی ہو تمام بدن شرمگاہ ہے حتیٰ کہ اس کے سر کے لمبے بال بھی۔ اصح قول میں عورت میں سوائے چہرے اور ہتھیلیوں کے

3576۔ (قولہ: كَمَا قَدَرَتْ) یعنی عمل قلیل کے ساتھ رکن کی ادائیگی سے پہلے فوراً اپنے آپ کو چھپالے۔ یہ قدرت کے ساتھ مقید کیا ہے کیونکہ اگر پردہ کرنے سے عاجز ہوئی تو اس کی نماز باطل نہ ہوگی جیسا کہ ''البحر'' میں ہے۔

3577۔ (قولہ: وَإِلَّا) اگر اس نے عمل کثیر کے ساتھ یا رکن کی ادائیگی کے بعد چھپایا تو اس کی نماز صحیح نہ ہوگی۔ ''بحر''۔

3578۔ (قولہ: عَلَى الْمَذْهَبِ) یہ ''الزیلعی'' پر رد ہے جو انہوں نے ''الظہیریہ'' کی تبع میں لکھا ہے۔ کیونکہ انہوں نے فساد کو آزادی کا علم ہونے کے بعد رکن کی ادائیگی کے ساتھ مقید کیا ہے۔ کیونکہ مذہب کی بہت سی فروع جو اس مسئلہ کی نظائر سے ہیں وہ علم کی شرط نہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ جیسا کہ ''البحر'' میں اس کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

3579۔ (قولہ: يَنْبَغِي الخ) اصل بحث صاحب ''البحر'' کی ہے۔ اور اس کو ان کے بھائی صاحب ''النہر'' نے ثابت رکھا ہے۔

3580۔ (قولہ: كَمَا رَجَّحُوهُ فِي الطَّلَاقِ الدَّوْرِيِّ) طلاق دوری یہ ہے کہ کوئی اپنی بیوی کو کہے: اگر میں تجھے طلاق دوں تو اس سے پہلے تجھے تین طلاقیں۔ پھر جب اس نے اسے فوراً ایک طلاق دے دی تو شرط پائی گئی پس اس سے پہلے تین طلاقیں واقع ہوں گی اور ان کا اس سے قبل وقوع اس کے وقوع کے عدم کا تقاضا کرتا ہے۔ پس اس کے وقوع کا قول باطل ہے۔ جب ہم نے قبلیت کو لغو قرار دیا تو اس طرح ہو گیا کہ اس نے کہا: اگر میں تجھے طلاق دوں تو تجھے تین طلاقیں۔ جب اس نے اسے طلاق دی تو اس پر ایک طلاق فوراً طلاق دینے کے ساتھ واقع ہوگئی اور تین میں سے دو اس کی تعلیق سے واقع ہوئیں۔ ''حلبی''۔

3581۔ (قولہ: حَتَّى شَعْرُهَا) جمیع پر عطف کی بنا پر مرفوع ہے۔

3582۔ (قولہ: النَّازِلُ) یعنی جو سر سے نیچے ہوتے ہیں کہ وہ کان سے تجاوز کرتے ہیں اس کے ساتھ مقید کیا ہے کیونکہ سر پر جو بال ہیں ان میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں ہے۔

3583۔ (قولہ: فِي الْأَصَحِّ) ''الہدایہ''، ''المحیط'' اور ''کافی'' وغیرہا میں اس کی تصحیح کی ہے۔ اور ''الخانیہ'' میں اس کے خلاف کی تصحیح کی ہے اس کے باوجود کہ ان کی طرف دیکھنے کی حرمت کی بھی تصحیح کی ہے۔ یہ ''المنتقی'' کی روایت ہے۔ ''الصدر

فَظَهْرُ الْكَفِّ عَوْرَةٌ عَلَى الْمَذْهَبِ (وَالْقَدَمَيْنِ) عَلَى الْمُعْتَمَدِ،
پس ہتھیلی کی پیٹھ مذہب پر شرمگاہ ہے اور دونوں قدموں کے سوا معتمد قول پر

الشہید'' نے اس کو پسند کیا ہے۔ پہلا قول اصح اور احوط ہے جیسا کہ ''الحلبہ'' میں فخر الاسلام کی ''شرح الجامع'' میں ہے۔ اس پر فتویٰ ہے جیسا کہ ''المعراج'' میں ہے۔

3584۔ (قولہ: فَظَهْرُ الْكَفِّ عَوْرَةٌ) ''معراج الدرایہ'' میں فرمایا: اعتراض کیا گیا ہے کہ کف کی استثنا اس پر دلالت نہیں کرتی کہ ہتھیلی کی پشت شرمگاہ ہے۔ کیونکہ الکف کا لغوی معنی ظاہر اور باطن کو شامل ہے۔ اسی وجہ سے ظہر الکف کہا جاتا ہے اس کا جواب دیا گیا ہے کہ کف (ہتھیلی) عرفاً اور استعمالاً کف کی پشت کو شامل نہیں۔

پس ظاہر ہوا کہ تفریع عرفی استعمال پر مبنی ہے نہ کہ لغوی استعمال پر۔ ''فافہم''

3585۔ (قولہ: عَلَى الْمَذْهَبِ) یعنی ''ظاہر الروایہ'' اور ''مختلفات قاضی خان'' وغیرھا میں ہے: ہتھیلی کی پشت شرمگاہ نہیں ہے۔ اور ''شرح المنیہ'' میں تین وجوہ کے ساتھ اس کی تائید کی ہے اور فرمایا: یہی اصح ہے اگرچہ یہ ظاہر الروایہ نہیں ہے۔ اور اسی طرح ''الحلبہ'' میں اس کی تائید کی ہے۔ اور فرمایا: ''المحیط'' اور ''قاضی خان''، ''شرح المجامع'' میں اس نظریہ پر چلے ہیں۔ ''الامداد'' میں الشرنبلالی نے اس پر اعتماد کیا ہے۔

3586۔ (قولہ: عَلَى الْمُعْتَمَدِ) یعنی اقوال ثلاثہ جن کی تصحیح کی گئی ہے ان میں سے معتمد قول پر۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مطلقاً شرمگاہ ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ نماز کے باہر شرمگاہ ہے نماز کے اندر نہیں۔

میں کہتا ہوں: پاؤں کی پشت سے تعرض نہیں کیا اور ''القہستانی'' میں ''الخلاصہ'' کے حوالہ سے قدم کے بطن کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔

اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ اس کے ظاہر میں اختلاف نہیں ہے۔ پھر میں نے ''ابن الہمام'' کے ''مقدمہ'' میں دیکھا جس کا نام انہوں نے ''زاد الفقیر'' رکھا کہ چوتھائی قدم کا کھلنا نماز سے مانع ہے۔ اس کی تصحیح کے بعد فرمایا: اگر عورت کے قدم کی پشت ظاہر ہو تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اور المصنف ''التمرتاشی'' نے اپنی شرح ''اعانۃ الحقیر'' میں اس کو ''الخلاصہ'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ پھر ''الخلاصہ'' سے اور انہوں نے ''المحیط'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ قدم کے باطن کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ اور اصح یہ ہے کہ یہ شرمگاہ ہے۔ پھر فرمایا: میں کہتا ہوں: ''الخلاصہ'' کے کلام سے استفادہ کیا گیا ہے کہ اختلاف قدم کے باطن میں ہے۔ رہا اس کا ظاہر تو بلا اختلاف وہ ستر نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ''المصنف'' نے اس کے کھلنے سے عدم فساد پر جزم کیا ہے۔ لیکن العلامہ ''قاسم'' کے کلام میں اس باب کی طرف اشارہ ہے کہ اس میں اختلاف ثابت ہے۔ اس کو نقل کرنے کے بعد فرمایا: صحیح یہ ہے کہ قدم کی چوتھائی کا انکشاف نماز سے مانع ہے فرمایا: کیونکہ قدم کا ظاہر اس زینت کا محل ہے جس کے ظاہر کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَ لَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ (النور:31) المصنف کا کلام۔

وَصَوْتَهَا عَلَى الرَّاجِحِ وَذِرَاعَيْهَا عَلَى الْمَرْجُوحِ
اور عورت کی آواز شرمگاہ نہیں راجح قول پر اور عورت کی کلائیاں مرجوح قول پر شرمگاہ نہیں۔

عورت کی آواز کا حکم

3587۔(قولہ: وَصَوْتُهَا) یہ مستثنٰی پر معطوف ہے یعنی اس کی آواز ستر نہیں ہے۔

3588۔(قولہ: عَلَى الرَّاجِحِ) ''البحر'' کی عبارت ''الحلبہ'' کے حوالہ سے اس طرح ہے کہ یہی اشبہ ہے۔''النہر'' میں ہے: یہ وہ قول ہے جس کا اعتماد ہونا چاہئے اور اس کا مقابل قول وہ ہے جو''النوازل'' میں ہے: عورت کا نغمہ ستر ہے اور عورت کا عورت سے قرآن سیکھنا پسندیدہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تسبیح مردوں کیلئے ہے اور تصفیق (ہاتھ پر ہاتھ مارنا) عورتوں کے لئے ہے(1)۔ پس مرد کا عورت کی آواز کو سننا اچھا نہیں۔

اور''الکافی'' میں ہے: عورت جہراً تلبیہ نہ کہے۔ کیونکہ اس کی آواز ستر ہے۔ باب الاذان میں ''المحیط'' میں اس پر چلے ہیں۔ ''بحر''۔''الفتح'' میں فرمایا: اور اس بنا پر اگر کہا جائے کہ جب نماز میں وہ جہری قراءت کرے گی تو اس کی نماز فاسد ہوگی تو قابل توجہ ہوگا۔ اور اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو آواز کے ساتھ تسبیح کے ذریعے امام کو اس کے بھولنے کی وجہ سے آگاہ کرنے سے منع فرمایا اور تصفیق کی اجازت دی۔''البرہان الحلبی'' نے ''شرح المنیۃ الکبیر'' میں اس کو ثابت کیا ہے۔ اسی طرح ''الامداد'' میں ہے۔ اور پھر ''العلامہ المقدسی'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ امام ''ابو العباس القرطبی'' نے اپنی کتاب میں سماع کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ وہ شخص جس کو فطانت میسر نہیں ہے وہ گمان نہیں کرے گا کہ جب ہم نے کہا کہ عورت کی آواز ستر ہے تو اس کے کلام کا ہم ارادہ کرتے ہیں کیونکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ ہم اجنبی عورتوں سے کلام اور گفتگو حاجت کے وقت جائز قرار دیتے ہیں اور ہم ان کے لئے ان کی آواز کو بلند کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ اور ہم نہ اس کی تمطیط، تلیین اور تقطیع کی اجازت دیتے ہیں کیونکہ اس میں مردوں کا ان کی طرف مائل ہونا ہے اور مردوں کی شہوت کو ابھارنا ہے۔ اسی وجہ سے عورت کا اذان دینا جائز نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کی طرف اشارہ کرتا ہے''النوازل'' کا النغمہ سے تعبیر کرنا۔

3589۔(قولہ: وَذِرَاعَيْهَا) یہ مستثنٰی پر معطوف ہے۔

3590۔(قولہ: عَلَى الْمَرْجُوحِ) ''المعراج'' میں ''المبسوط'' کے حوالہ سے فرمایا: کلائیوں میں دو روایتیں ہیں اور اصح یہ ہے کہ یہ ستر ہیں۔

''البحر'' میں فرمایا: بعض نے اس کی تصحیح کی ہے کہ نماز میں ستر ہیں نماز سے باہر ستر نہیں۔ اور مذہب وہ ہے جو متون میں ہے کیونکہ یہ ظاہر الروایہ ہے۔

1۔ صحیح بخاری، ابواب العمل فی الصلوۃ، جلد 1، صفحہ 532، حدیث نمبر 1128

صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب التسبیح للرجال، جلد 1، صفحہ 478، حدیث نمبر 691

(وَتُمْنَعُ) الْمَرْأَةُ الشَّابَّةُ (مِنْ كَشْفِ الْوَجْهِ بَيْنَ رِجَالٍ) لَا لِأَنَّهُ عَوْرَةٌ بَلْ (لِخَوْفِ الْفِتْنَةِ) كَمَسِّهِ وَإِنْ أَمِنَ الشَّهْوَةَ لِأَنَّهُ أَغْلَظُ، وَلِذَا ثَبَتَ بِهِ حُرْمَةُ الْمُصَاهَرَةِ كَمَا يَأْتِي فِي الْحَظْرِ (وَلَا يَجُوزُ النَّظَرُ إلَيْهِ بِشَهْوَةٍ

نوجوان عورت کو مردوں کے درمیان چہرہ کھولنے سے منع کیا جائے گا۔ اس لئے نہیں کہ یہ ستر ہے بلکہ فتنہ کے خوف کی وجہ سے جیسے مرد کا اس کو چھونا منع ہے اگرچہ شہوت سے امن بھی ہو۔ کیونکہ یہ زیادہ سخت ہے (دیکھنے سے)۔ اسی وجہ سے چھونے کے ساتھ حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے جیسا کہ باب الحظر میں آئے گا اور چہرہ کو شہوت کے ساتھ دیکھنا جائز نہیں

3591۔ (قولہ: وَتُمْنَعُ الْمَرْأَةُ الخ) یعنی نوجوان عورت کو چہرہ کھولنے سے منع کیا جائے گا اگرچہ چہرہ ستر نہیں۔

3592۔ (قولہ: بَلْ لِخَوْفِ الْفِتْنَةِ) یعنی اس کے ساتھ فجور کے خوف سے ''قاموس''۔ یا فتنہ سے مراد شہوت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عورت کو چہرہ کھولنے سے روکا جائے گا اس خوف سے کہ مرد اس کے چہرہ کو دیکھیں گے تو فتنہ واقع ہوگا۔ کیونکہ چہرہ کھولنے کی وجہ سے شہوت کے ساتھ اس کی طرف نظر واقع ہوگی۔

3593۔ (قولہ: كَمَسِّهِ) یعنی جس طرح مرد کو عورت کے چہرہ اور ہتھیلی کو چھونے سے روکا جاتا ہے اگرچہ شہوت سے امن ہو الخ۔ الشارح نے الحظر والاباحۃ میں (مقولہ 33023 میں) فرمایا: یہ نوجوان عورت کے بارے میں ہے۔ رہی بوڑھی عورت جس کی خواہش نہیں کی جاتی تو اس کے ساتھ مصافحہ کرنے اور اس کے ہاتھ کو چھونے میں کوئی حرج نہیں اگر امن ہو۔ پھر مناسب تعبیر میں چھونے کے مسئلہ کو دیکھنے کے مسئلہ کے بعد ذکر کرنا تھا اس طرح کہتے کہ شہوت کے ساتھ چہرہ کو دیکھنا جائز نہیں جیسے اس کو چھونا جائز نہیں اگرچہ شہوت سے امن ہو۔ کیونکہ دیکھنا اور چھونا ان چیزوں سے ہے جس سے مرد کو منع کیا گیا ہے اور کلام اس میں ہے جس سے عورت کو منع کیا گیا ہے۔

3594۔ (قولہ: لِأَنَّهُ أَغْلَظُ) یعنی چھونا، دیکھنے سے زیادہ سخت ہے۔ یہ چھونے سے منع کی علت ہے شہوت سے امن کے وقت، یعنی بخلاف دیکھنے کے۔ امن کے وقت دیکھنا ممنوع نہیں ہے۔ ''طحطاوی''۔

3595۔ (قولہ: ثَبَتَ بِهِ) یعنی چھونا جو شہوت کے ساتھ ہو اس کے ساتھ حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے بخلاف دیکھنے کے جبکہ دیکھنا فرج داخل کی طرف نہ ہو۔ پس دیکھنے سے مطلقاً حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی۔

3596۔ (قولہ: وَلَا يَجُوزُ النَّظَرُ إلَيْهِ بِشَهْوَةٍ) عورت کے چہرہ کو دیکھنا جائز نہیں مگر ضرورت کے لئے جیسے قاضی یا گواہ جو حکم کرتا ہے یا اس کے لئے گواہی دیتا ہے۔ تحمل شہادت کے لئے عورت کے چہرہ کو دیکھنا جائز نہیں اور جیسے منگنی کا پیغام دینے والا جو نکاح کا ارادہ کرتا ہے وہ دیکھ سکتا ہے اگرچہ شہوت کے ساتھ ہو سنت کی نیت سے نہ کہ شہوت کو پورا کرنے کے لئے۔ اسی طرح لونڈی کو خریدنے والا یا مرض کا علاج کرنے کا ارادہ کرنے والا بقدر ضرورت مرض کی جگہ کو دیکھ سکتا ہے جیسا کہ باب الحظر میں (مقولہ 33049 میں) آئے گا۔ اور شہوت کے ساتھ قید اس کا فائدہ دیتی ہے کہ بغیر شہوت کے دیکھنا جائز ہے۔ لیکن باب الحظر میں آئے گا کہ یہ ضرورت کے ساتھ مقید ہے۔ اس کا ظاہر بلا ضرورت دیکھنا مکروہ ہے۔ ''التاتر خانیہ'' میں فرمایا: ''شرح الکرخی'' میں ہے: اجنبیہ کے چہرہ کو دیکھنا حرام نہیں ہے لیکن بغیر ضرورت کے دیکھنا مکروہ ہے۔

بِشَهْوَةٍ كَوَجْهِ أَمْرَدَ)
جیسے امرد کے چہرہ کو دیکھنا جائز نہیں۔

3597۔ (قولہ: بِشَهْوَةٍ) میں نے یہاں اس کی تفسیر نہیں دیکھی اور مصاہرت میں جو ذکر کیا گیا ہے کہ یہ اسی شخص کے بارے میں ہے جس کا آلہ منتشر ہو یا اس کے انتشار میں زیادتی ہو اگر پہلے ہی انتشار موجود ہو۔ اور عورت میں اور شیخ فانی میں دل کے میلان کے ساتھ مصاہرت ثابت ہو گی۔ اور ''مسکین'' کی عبارت باب الحظر میں اس کا فائدہ دیتی ہے۔ انہوں نے فرمایا: یہ مطلقاً دل کا میلان ہے۔ شاید یہ یہاں زیادہ مناسب ہے۔ ''طحطاوی''۔

میں کہتا ہوں: سیدی ''عبدالغنی'' کی کتاب ''القول المعتبر فی بیان النظر'' میں جو ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے شہوت کا بیان جو شہوت حرمت کا مدار ہے وہ یہ ہے کہ انسان کا دل متحرک ہو اور اس کی طبع لذت کی طرف مائل ہو۔ بعض اوقات اس کا آلہ منتشر ہوتا ہے اگر یہ میلان زیادہ ہو۔ اور عدم شہوت یہ ہے کہ اس کا دل اس شے کی طرف متحرک نہیں ہوتا۔ اس آدمی کی طرح جو اپنے خوبصورت بچے اور شکیل بچی کو دیکھتا ہے۔ اس پر مکمل کلام (مقولہ 33997 میں) الحظر والاباحۃ میں آئے گی۔

امرد لڑکے کے چہرہ کو دیکھنا

3598۔ (قولہ: كَوَجْهِ أَمْرَدَ) امرد سے مراد وہ لڑکا ہے جس کی مونچھیں نکل رہی ہوں اور داڑھی نہ ہو'' قاموس''۔ ''الملتقط'' میں فرمایا: لڑکا جب مردوں کی عمر کو پہنچ جائے اور خوش شکل نہ ہو تو اس کا حکم مردوں والا ہے۔ اور اگر وہ خوش شکل ہو تو اس کا حکم عورتوں والا ہے اور وہ سر سے لے کر قدم تک ستر ہے۔ السید الامام ''ابوالقاسم'' نے فرمایا: یعنی شہوت سے اس کی طرف دیکھنا حلال نہیں۔ رہی خلوت اور اس کی طرف دیکھنا جبکہ شہوت سے نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اسی وجہ سے لڑکے کو نقاب کا حکم نہیں دیا جاتا۔

میں کہتا ہوں: یہ اس کو بھی شامل ہے جس کے کان کے مقابل رخسار پر بال اگ آئے ہوں بلکہ بعض فساق اس کو اس امرد پر ترجیح دیتے ہیں جس کے بال کان کے مقابل رخسار پر نہ آئے ہوں۔ ظاہر یہ ہے کہ مونچھوں کا نکلنا اور مردوں کی حد تک پہنچنا قید نہیں ہے بلکہ اس کی غایت کا بیان ہے ورنہ اس کی ابتدا اس کی بلوغت کی عمر کے وقت سے ہے جس میں عورتیں اس سے محبت کرتی ہیں یا اگر وہ چھوٹی لڑکی ہوتی تو مردوں کے لئے اس میں شہوت ہوتی۔ اور صبیحاً سے مراد یہ ہے کہ وہ دیکھنے والے کی طبع کے مطابق خوبصورت ہو اگرچہ وہ کالا ہو۔ کیونکہ حسن طبائع کے مختلف ہونے کے ساتھ مختلف ہوتا ہے۔

عورت کے چہرہ کو امرد کے چہرہ سے تشبیہ دینے سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ امرد کے چہرہ کو دیکھنا شہوت کے ساتھ زیادہ گناہ ہے۔ کیونکہ اس سے فتنہ عورت کے فتنہ سے زیادہ ہے نیز اسے کسی حال میں دیکھنا حلال نہیں بخلاف عورت کے جیسا کہ فقہاء نے زنا اور لواطت کے بارے میں کہا۔ اسی وجہ سے سلف نے ان سے دور رہنے میں مبالغہ کیا ہے اور انہوں نے ان کا نام الانتان (بدبودار) رکھا ہے۔ کیونکہ شرعاً وہ انہیں غلیظ سمجھتے تھے۔ اور بعض علما نے فرمایا: ''ابن القطان'' نے کہا: علما کا اس

فَإِنَّهُ يَحْرُمُ النَّظَرُ إِلَى وَجْهِهَا وَوَجْهِ الْأَمْرَدِ إِذَا شَكَّ فِي الشَّهْوَةِ، أَمَّا بِدُونِهَا فَيُبَاحُ وَلَوْ جَمِيلًا كَمَا اعْتَمَدَهُ الْكَمَالُ قَالَ فَحِلُّ النَّظَرِ مَنُوطٌ بِعَدَمِ خَشْيَةِ الشَّهْوَةِ مَعَ عَدَمِ الْعَوْرَةِ وَفِي السِّرَاجِ لَا عَوْرَةَ لِلصَّغِيرِ جِدًّا، ثُمَّ مَا دَامَ لَمْ يُشْتَهَ فَقُبُلٌ وَدُبُرٌ ثُمَّ تَغْلُظُ إِلَى عَشْرِ سِنِينَ، ثُمَّ كَبَالِغٍ وَفِي الْأَشْبَاهِ

کیونکہ عورت کے چہرہ اور امرد کے چہرہ کو دیکھنا حرام ہے جب اسے شہوت میں شک ہو۔ رہا بغیر شہوت کے تو مباح ہے اگرچہ خوبصورت ہو جیسا کہ ''الکمال'' نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ فرمایا: دیکھنے کی حلت کا دارومدار ستر کے نہ ہونے کے باوجود شہوت کے خدشہ کا نہ ہونا ہے۔ اور ''السراج'' میں ہے: چھوٹے بچے کے لئے ستر نہیں ہے پھر جب تک وہ قابل شہوت نہ ہو تو قبل اور دبر اس کے ستر ہیں۔ پھر دس سال تک اس سے زیادہ ہو جائے گا پھر وہ بالغ کی طرح ہوگا۔ اور ''الاشباہ'' میں ہے:

پر اجماع ہے کہ بغیر ضرورت کے نظر کے ساتھ لطف اندوز ہونے کے قصد سے اور اس کے محاسن سے نظر کو متمتع کرنے کے قصد سے دیکھنا حرام ہے۔ اور بغیر لذت کے قصد کے اس کو دیکھنے پر اجماع ہے جبکہ دیکھنے والا فتنہ سے امن میں ہو۔

3599_(قولہ: فَإِنَّهُ يَحْرُمُ) فا کے ساتھ لائے ہیں۔ کیونکہ یہ متن پر دلیل ہے۔ کیونکہ جب شہوت کے وجود میں شک کی صورت میں حرام ہے تو بالفعل اس کے وجود کی صورت میں بدرجہ اولیٰ حرام ہوگا۔ ''حلبی''۔

3600_(قولہ: كَمَا اعْتَمَدَهُ الْكَمَالُ) یہ اس بنا پر ہے جو ان کی اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے جو اس کے بعد قال کے قول کے ساتھ نقل کی گئی ہے۔ پس حیث قال کہنا مناسب تھا۔

3601_(قولہ: لَا عَوْرَةَ لِلصَّغِيرِ جِدًّا) اسی طرح چھوٹی لڑکی کا حکم ہے جیسا کہ ''السراج'' میں ہے۔ پس دیکھنا اور چھونا مباح ہے جیسا کہ ''المعراج'' میں ہے۔ ''حلبی'' نے کہا: ہمارے شیخ نے اس کی تفسیر چار سال اور اس سے کم کے ساتھ کی ہے اور میں نہیں جانتا کس کی طرف اس کو منسوب کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: ''الشرنبلالیہ'' کے جنائز سے یہ اخذ کیا جاتا ہے اور اس کی نص یہ ہے کہ جب لڑکا اور لڑکی حد شہوت کو نہ پہنچے ہوں تو مرد اور عورتیں انہیں غسل دیں۔ اور ''الاصل'' میں اس کی تقدیر یہ بیان کی ہے کہ یہ اس کے بولنے سے پہلے ہے۔

3602_(قولہ: تَغْلُظُ) بعض علما نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ دبر اور اس کے اردگرد سرین اور قبل اور اس کے اردگرد کی جگہ معتبر ہے یعنی اس کے ستر میں جو بڑے آدمی سے زیادہ سخت ہے اس میں بھی اس کا اعتبار ہوگا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ پہلے وہ مخفف سے تھے۔ پس عدم اشتہاء کے وقت ان کی طرف دیکھنا اس کے بعد ان کی طرف دیکھنے سے اخف تھا۔ ''طحطاوی''۔

3603_(قولہ: ثُمَّ كَبَالِغٍ) یعنی دس سال کے بعد اس کا ستر بالغ لوگوں کے ستر کی طرح ہے۔ ''النہر'' میں ہے: سات سال کا اعتبار ہونا چاہئے کیونکہ انہیں نماز کا حکم دیا جاتا ہے جب وہ اس عمر کو پہنچ جاتے ہیں۔ ''طحطاوی''۔

میں کہتا ہوں: باب الحظر میں (مقولہ 33036 میں) آئے گا کہ لونڈی جب حد شہوت کو پہنچ جائے تو اسے ایک چادر میں بیع کے لئے پیش نہیں کیا جائے گا جس سے اس کا ناف سے گھٹنا تک کا حصہ چھپتا ہو کیونکہ پشت اور پیٹ بھی ستر ہیں۔

يَدْخُلُ عَلَى النِّسَاءِ إِلَى خَمْسَةَ عَشَرَ سَنَةً حَسْبُ (وَيَمْنَعُ) حَتَّى انْعِقَادَهَا (كَشْفُ رُبْعِ عُضْوٍ) قَدْرَ أَدَاءِ رُكْنٍ
لڑکا پندرہ سال تک عورتوں کے پاس جا سکتا ہے۔ اور عضو کا چوتھائی حصہ غلیظہ یا خفیفہ شرمگاہ سے نمازی کے عمل کے بغیر ایک رکن کی ادائیگی کی مقدار کھل جانا

علمانے اس کو بالغہ کا حکم دیا ہے اس کے حد شہوت کو پہنچنے کے وقت سے۔ اور حد شہوت کی تقدیر میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا: سات سال۔ بعض نے کہا: نو سال۔ باب الامامۃ میں (مقولہ 3818 میں) عمر کا اعتبار نہ کرنے کی تصحیح آئے گی بلکہ معتبر یہ ہے کہ وہ جماع کے قابل ہو جس طرح کہ وہ موٹی، پُر گوشت ہو۔ یہاں اس کا اعتبار مناسب ہے۔ ''فتدبر''

3604۔ (قولہ: إِلَى خَمْسَةَ عَشَرَ) درست خمس عشر ہے کیونکہ معدود مونث مذکور ہے ''حلبی''۔ مخفی نہیں کہ غایت داخل نہیں ہے ورنہ وہ عمر کے اعتبار سے بالغ ہے اور اس کو دیکھنا اور داخل ہونا حلال نہیں۔ کیونکہ وہ مکلف ہے جیسا کہ اگر احتلام کے ساتھ بالغ ہوتا اگرچہ اس عمر سے پہلے بالغ ہو جاتا۔

تتمہ

باب الحظر میں (مقولہ 33055 میں) آئے گا کہ ذمیہ عورت اجنبی مرد کی طرح ہے اصح قول میں۔ پس وہ مسلمان عورت کے بدن کو نہیں دیکھ سکتی۔ اور ہر عضو جسے انفصال سے پہلے دیکھنا جائز نہیں انفصال کے بعد بھی جائز نہیں جیسے زیر ناف بال اور عورت کے سر کے بال۔ آزاد مردہ عورت کی کلائی کی ہڈی اور اس کی پنڈلی اور اس کے پاؤں کے ناخن کے تراشے ہاتھوں کے ناخنوں کے تراشے اس حکم میں نہیں۔ اور اجنبیہ کے تہہ بند کو شہوت کے ساتھ دیکھنا حرام ہے۔ اس کے متعلقہ تمام فوائد وہاں (مقولہ 33060 میں) آئیں گے۔

3605۔ (قولہ: وَيَمْنَعُ الخ) جو (سترعورتہ) میں اجمال تھا اس کی یہ تفصیل ہے۔ ''حلبی''۔

3606۔ (قولہ: حَتَّى انْعِقَادَهَا) محذوف پر عطف کی بنا پر منصوب ہے یعنی صحت نماز کو مانع ہے حتیٰ کہ نماز کے انعقاد کو مانع ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ابتدا میں نماز سے مانع ہے اور بقا میں بھی اس کو اٹھا دے گی۔

3607۔ (قولہ: قَدْرَ أَدَاءِ رُكْنٍ) یعنی سنت کے ساتھ۔ ''منیہ''۔ اس کے شارح نے کہا: اور رکن کے مقدار تین تسبیحات کی مقدار ہے۔ گویا اس کے ساتھ مقید کیا چھوٹے رکن پر محمول کرتے ہوئے احتیاط کی وجہ سے ورنہ آخری قعدہ اور قیام جو قرآن مسنونہ پر مشتمل ہے اس سے زیادہ ہے۔ پھر الشارح نے جو ذکر کیا ہے وہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے حقیقۃً رکن کی ادائیگی کا اعتبار کیا ہے۔ پہلا قول مختار ہے احتیاط کی وجہ سے جیسا کہ ''شرح المنیہ'' میں ہے۔ اور اس سے احتراز کیا ہے جب رکن کی مقدار سے کم کھل جائے تو بالاتفاق نماز فاسد نہ ہوگی۔ کیونکہ قلیل زمانہ میں زیادہ انکشاف معاف ہے جیسے قلیل انکشاف کثیر زمانہ میں معاف ہے۔ اور اس صورت میں احتراز کیا ہے جب انکشاف کے ساتھ ایک رکن ادا کرے تو بالاتفاق اس کی نماز فاسد ہوگی۔ ''الحلبی'' نے کہا: جان لو کہ یہ اس انکشاف کے بارے میں تفصیل ہے جو

بِلَا صُنْعِهِ (مِنْ) عَوْرَةٍ غَلِيظَةٍ أَوْ خَفِيفَةٍ عَلَى الْمُعْتَمَدِ (وَالْغَلِيظَةُ قُبُلٌ وَدُبُرٌ وَمَا حَوْلَهُمَا، وَالْخَفِيفَةُ مَا عَدَا ذَلِكَ)
معتمد قول پر نماز کے انعقاد سے مانع ہے۔ اور غلیظہ شرمگاہ قبل، دبر اور اس کے اردگرد کی جگہ ہے اور خفیفہ اس کے علاوہ ہے۔

نماز کے درمیان پیدا ہو۔ اور رہا وہ انکشاف جو نماز کی ابتدا میں ہو وہ مطلقاً نماز کے انعقاد سے مانع ہے اس کے بعد کہ مکشوف عضو کی چوتھائی ہو اور الشارح کا کلام وہم دلاتا ہے کہ قدر اداء رکن کا قول قید ہے انعقاد کے منع کرنے میں۔

3608۔ (قولہ: بِلَا صُنْعِهِ) اگر نمازی کے فعل سے ہو تو اسی وقت نماز فاسد ہو جائے گی ''قنیہ''۔ ''حلبی'' نے فرمایا: یعنی اگرچہ رکن کی ادائیگی سے کم ہو۔ اور ''الخانیہ'' میں ہے: جب مقتدی کو بھیڑ میں امام سے آگے پھینک دیا جائے، یا عورتوں کی صف میں، یا ناپاک جگہ میں ڈالا جائے، یا اسے قبلہ سے پھیر دیں، یا اس کا ازار پھینک دیں، یا اس کا کپڑا اس سے گر جائے، یا اس کی شرمگاہ کھل جائے تو جب اس نے جان بوجھ کر یہ کیا ہوگا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اگرچہ کم وقت میں ہو۔ پھر اگر اس نے ایک رکن ادا کیا تب بھی اس کی نماز فاسد ہو جائے گی ورنہ اگر وہ کسی عذر کی وجہ سے برہنہ ٹھہرا رہا تو فقہاء کے قول میں اس کی نماز فاسد نہ ہوگی مگر امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے ''ظاہر الروایہ'' میں ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی۔

لیکن ''الخانیہ'' میں وہ بھی ہے جو مصلی کے فعل کی شرط کے بغیر پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا: اگر وہ ناپاک مکان کی طرف پھر گیا اگر وہ ادنیٰ رکن کی مقدار نجاست پر ٹھہرا رہا تو اس کی نماز جائز ہوگی ورنہ نہیں۔ اسی طرح ''منیۃ المصلی'' میں ہے۔ فرمایا: اور اسی طرح اگر اس نے نعلین اٹھائے اور ان پر مانع مقدار میں غلاظت لگی ہوئی تھی اگر اس کے ساتھ اس نے ایک رکن ادا کیا تو نماز فاسد ہوگی۔ اور اس طرح ''الحلبہ'' میں ''الذخیرہ'' اور ''البدائع'' وغیرہ کے حوالہ سے ہے۔ پھر فرمایا: جان بوجھ کر ایسا کرنے کے ساتھ فساد اشبہ ہے مگر حاجت کے لئے جیسے ضیاع کے خوف کی وجہ سے نعلین اٹھا کر نماز پڑھنا جب تک ان کے ساتھ ایک رکن ادا نہ کرے جیسا کہ ''الخلاصہ'' میں ہے۔ اور اس کی مکمل بحث ہمارے اس حاشیہ میں ہے جو ''البحر'' پر ہے۔

3609۔ (قولہ: عَلَى الْمُعْتَمَدِ) یہ ''الکرخی'' پر رد ہے۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا: ستر غلیظہ میں مانع وہ ہے جو درہم سے زائد ہو۔ انہوں نے نجاست مغلظہ پر اس کو قیاس کیا ہے۔ اسی طرح ''البحر'' میں ہے۔ ''حلبی''۔

3610۔ (قولہ: وَالْغَلِيظَةُ) ستر غلیظہ اور خفیفہ کا فرق ظاہر نہیں ہوتا مگر اس حیثیت سے کہ غلیظہ کی طرف نظر زیادہ گناہ کا باعث ہے۔ اور ''الظہیریہ'' میں ہے: ستر کا حکم گھٹنا میں ران کی نسبت خفیف ہے۔ اگر کسی کو گھٹنا ننگا کئے ہوئے دیکھے تو نرمی کے ساتھ اس پر انکار کرے اور اس سے جھگڑے نہیں اگر وہ اصرار کرے۔ اور ران میں سختی کے ساتھ انکار کرے اور اسے مارے نہیں اگر وہ اصرار کرے۔ اور شرمگاہ ننگی کرے تو اسے اس پر تادیب کرے اگر وہ اصرار کرے۔

''البحر'' میں ہے: یہ اس بات کو مفید ہے ہر مسلمان مارنے کے ساتھ تعزیر لگا سکتا ہے یہ قاضی کے ساتھ مقید نہیں ہے۔

3611۔ (قولہ: مَا عَدَا ذَلِكَ) اسم اشارہ مفرد ذکر کیا اگرچہ مشار الیہ متعدد ہے تو یہ المذکور کی تاویل کی وجہ سے ہے۔

مِنَ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ، وَتُجْمَعُ بِالْأَجْزَاءِ لَوْفِي عُضْوٍ وَاحِدٍ،
مرد اور عورت سے۔ اجزاء کو جمع کیا جائے گا اگر کھلنا ایک عضو میں ہو

تتمہ

مرد کے ستر کے اعضا آٹھ ہیں۔

1- ذکر (آلہ تناسل) اور اس کے اردگرد کی جگہ۔

2- خصیتین اور ران کے اردگرد کی جگہ۔

3- دبر (پاخانہ کا راستہ) اور اس کے اردگرد کی جگہ۔

4-5- سرین کے دونوں حصے۔

6-7- دونوں رانیں گھٹنوں سمیت۔

8- ناف سے لے کر زیر ناف بالوں تک نیز پہلوؤں، پیٹھ اور پیٹ میں سے جو حصہ ان کے برابر ساتھ ہے۔

اور لونڈی میں بھی آٹھ ہیں۔ رانیں گھٹنوں سمیت، سرین کے دونوں حصے، قبل (پیشاب کا راستہ) اور اس کے اردگرد کی جگہ دبر اور اس کے اردگرد کی جگہ اور پیٹ اور پیٹھ اور ران کے ساتھ پہلوؤں کا جو حصہ متصل ہے۔

اور آزاد عورت میں یہ آٹھ اعضا ہیں اور اس میں سولہ اور بھی ہیں۔ ٹخنوں سمیت پنڈلیاں، لٹکے ہوئے پستان، دو کان، کہنی سے اوپر والا حصہ کہنی سمیت، ہاتھ کلائیوں سمیت، سینہ، سر، بال، گردن اور ہتھیلیوں کی پشت اور مناسب ہے کہ ان میں کندھوں کا اضافہ کیا جائے اور ان کو پیٹھ کے ساتھ ایک عضو نہیں بنایا جائے گا اس دلیل سے کہ فقہا نے لونڈی کی پیٹھ کو ستر بنایا ہے کندھوں کو نہیں بنایا۔ اسی طرح قدموں کا بطن ایک روایت میں ستر ہے یعنی یہی اصح ہے جیسا کہ ہم نے ''المصنف'' کی ''اعانۃ الحقیر'' کے حوالہ سے (مقولہ 3586 میں) پیش کیا ہے پس یہ کل اٹھائیس اعضا ہو گئے۔ ''حلبی'' نے اسی طرح تحریر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ہم نے التاتر خانیہ کے حوالہ سے (مقولہ 3586 میں) پیش کیا ہے کہ لونڈی کا سینہ اور اس کے پستان ستر ہیں۔ اور ہم نے ''القنیہ'' کے حوالہ سے یہ بھی (مقولہ 3573 میں) پیش کیا تھا کہ اس کے دونوں پہلو بھی ایک قول پر مستقل ستر ہیں۔ اس قول پر گزشتہ آٹھ اعضا پر لونڈی میں پانچ اعضا کی زیادتی ہوگی۔ پس لونڈی کے کل اعضاء ستر تیرہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

3612۔ (قولہ: بِالْأَجْزَاءِ) اس سے مراد کسور ہیں جو حساب میں استعمال کی جاتی ہیں اور یہ ہیں نصف، چوتھائی، تہائی الخ۔ اور دوسری جگہ سے اسی ران کا آٹھواں حصہ کھلا ہوا ہے تو حساب کے اعتبار سے آٹھویں حصہ کو آٹھویں حصہ سے ملایا جائے گا پس وہ ران کی چوتھائی کو پہنچ جائے گا تو نماز سے مانع ہوگا۔ اگر ران کی ایک جگہ سے آٹھواں حصہ کھلا ہو اور اسی ران سے دوسری جگہ سے نصف ثمن کھلا ہوا ہو تو مانع نہ ہوگا۔ ''حلبی''۔

وَإِلَّا فَبِالْقَدْرِ؛ فَإِنْ بَلَغَ رُبُعَ أَدْنَاهَا كَأُذُنٍ مَنَعَ (وَالشَّرْطُ سَتْرُهَا عَنْ غَيْرِهِ) وَلَوْ حُكْمًا كَمَكَانٍ مُظْلِمٍ (لَا) سَتْرُهَا (عَنْ نَفْسِهِ) بِهِ يُفْتَى، فَلَوْ رَآهَا مِنْ زِيقِهِ لَمْ تَفْسُدْ وَإِنْ كُرِهَ

ورنہ قدر کے اعتبار سے ہوگا اگر وہ اعضاء مکشوفہ میں سے چھوٹے عضو کی چوتھائی کو وہ انکشاف پہنچ جائے جیسے کان تو نماز سے مانع ہوگا۔ دوسروں سے شرمگاہ کو چھپانا شرط ہے اگرچہ حکماً ہو جیسے تاریک مکان میں ہو۔ اپنے آپ سے شرمگاہ کو چھپانا شرط نہیں۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ پس اگر کسی نے اپنے گریبان سے اپنی شرمگاہ کو دیکھا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی اگرچہ یہ دیکھنا مکروہ ہے۔

3613۔ (قولہ: وَإِلَّا فَبِالْقَدْرِ) یعنی پیائش کے ساتھ۔ اگر پیائش کے ساتھ مجموعہ منکشف اعضاء میں سے ادنی عضو کی چوتھائی کو پہنچ جائے جیسے اگر ایک ران کا نصف ثمن منکشف ہے اور نصف ثمن عورت کے کان سے منکشف ہے پھر اگر پیائش کے اعتبار سے ان دونوں کا مجموعہ اس کان کی چوتھائی سے زیادہ ہے جو مکشوف دونوں اعضاء میں سے چھوٹا ہے تو نماز سے مانع ہوگا۔ یہ تفصیل ''ابن مالک'' نے ''شرح المجمع'' میں جو کچھ ''الزیادات'' میں ہے اس کی موافقت میں ذکر کی ہے۔ اور ''البحر'' میں ہے: ''یہ تفصیل ہے اس پر کوئی دلیل نہیں''۔ یہ ممنوع ہے جیسا کہ ''النہر'' میں اس کو ثابت کیا ہے۔ ''حلبی''۔

میں کہتا ہوں: اس تفصیل پر یعنی اعضاء مکشوفہ میں چھوٹے عضو کی چوتھائی کا اعتبار ہے نہ کہ اعضاء مکشوفہ کے مجموعہ کی چوتھائی کا اعتبار ہے۔ اس کو ''القنیہ''، ''الحلبہ''، ''شرح الوہبانیہ''، ''الامداد''، مصنف کی شرح ''زاد الفقیر'' میں ذکر کیا ہے۔ ''الزیلعی'' کا قول اس کے خلاف ہے اگرچہ ''الفتح'' اور ''البحر'' میں اس کی متابعت ہے فتدبر۔ ہم نے ''البحر'' کے حاشیہ میں اس کی وضاحت کی ہے۔

3614۔ (قولہ: عَنْ غَيْرِهِ) یعنی اطراف سے غیر کے دیکھنے سے چھپانا نیچے سے نہیں۔

اور وَلَوْ حُكْمًا کا قول اس سے مراد یہ ہے کہ اگرچہ دیکھنا حکماً ہو جیسے کوئی تاریک مکان میں ہو یا خالی مکان میں ہو تو اس میں شرمگاہ حکماً دکھائی دینے والی ہے۔ پس تاریک جگہ یا خالی جگہ میں بھی شرمگاہ کا چھپانا شرط ہے۔ اس کا یہ معنی درست نہیں کہ اگرچہ پردہ حکمی ہو۔ کیونکہ پھر یہ معنی ہو جائے گا کہ شرمگاہ کا ڈھانپنا شرط ہے اگرچہ یہ ستر مشروط حکماً ہو۔ جب وہ تاریکی میں کپڑے کے ساتھ شرمگاہ کو ڈھانپے گا تو یہ حقیقۃً اور حکماً ستر ہوگا صرف حکم شرع میں نہیں۔ ''فافہم''

3615۔ (قولہ: بِهِ يُفْتَى) کیونکہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے نصاً مروی ہے کہ اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی جیسا کہ ''المنیہ'' وغیرہا میں ہے۔

3616۔ (قولہ: فَلَوْ رَآهَا مِنْ زِيقِهِ) یعنی اگرچہ حکماً ہو اس طرح کہ اگر وہ اسے دیکھے تو اسے نظر آئے جیسا کہ ''البحر'' میں ہے۔ زیق القمیص زا کے کسرہ کے ساتھ ہے اس سے مراد قمیص کا وہ حصہ ہے جو گردن کے ارد گرد ہوتا ہے۔ ''قاموس''۔

3617۔ (قولہ: وَإِنْ كُرِهَ) کیونکہ ''السراج'' میں ہے: اس پر واجب ہے کہ اس کے بٹن لگا دے۔ کیونکہ حضرت سلمہ بن الاکوع سے مروی ہے فرمایا: میں نے عرض کی یا رسول اللہ کیا میں ایک قمیص میں نماز پڑھوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(وَعَادِمُ سَاتِرٍ) لَا يَصِفُ مَا تَحْتَهُ، وَلَا يَضُرُّ الْتِصَاقُهُ وَتَشَكُّلُهُ وَلَوْ حَرِيرًا أَوْ طِينًا يَبْقَى إلَى تَمَامِ صَلَاةٍ أَوْ مَاءً كَدِرًا لَا صَافِيًا إنْ وُجِدَ غَيْرُهُ

ڈھانپنے والی ایسی چیز نہ پانے والا جس کے نیچے سے بدن نظر نہ آئے اور کپڑے کا جسم سے چمٹنا اور اس کا جسم کی شکل سے متشکل ہونا کوئی ضرر نہیں دیتا، اگر چہ وہ ریشم کا کپڑا ہو یا مٹی ہو جو نماز کے مکمل ہونے تک باقی رہے یا گدلا پانی ہو نہ کہ صاف پانی اگر کوئی دوسری چیز پائی جائے۔

تجھ پر لازم ہے کہ تو اس کے بٹن لگا دے اگر چہ کانٹے کے ساتھ ہوں (1)۔''بحر''۔اس کا مفاد وجوب ہے جس کا ترک کراہت کو مستلزم ہے اور جو پہلے طرفین کے حوالہ سے (مقولہ 3615 میں) گزرا ہے کہ اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی، وہ اس کے منافی نہیں۔پس یہ مختار ہے جیسا کہ ''شرح المنیہ'' میں ہے۔اس کی تمام بحث ہم نے ''البحر'' کے حاشیہ پر لکھی ہے۔

3618۔(قولہ: لَا يَصِفُ مَا تَحْتَهُ) یعنی اتنا باریک نہ ہو کہ جلد کا رنگ نظر آئے۔یہ نہایت باریک کپڑے سے احتراز ہے اور شیشے جیسی چیز سے احتراز ہے۔

3619۔(قولہ: وَلَا يَضُرُّ الْتِصَاقُهُ) یعنی سرین کے ساتھ چمٹنا مضر نہیں اور تشکلہ کا قول مسبّب کا سبب پر عطف سے ہے۔''شرح المنیہ'' کی عبارت ہے: اگر کپڑا موٹا ہو اس سے جلد کا رنگ نظر نہ آئے مگر وہ عضو کے ساتھ چمٹ جائے اور عضو کی شکل کے ساتھ متشکل ہو جائے تو ہر عضو کی شکل دکھائی دے گی۔پس مناسب ہے کہ پردہ کے حصول کی وجہ سے نماز کا جواز مانع نہ ہو۔

''طحطاوی'' نے فرمایا: دیکھو کیا متشکل کی طرف دیکھنا مطلقاً حرام ہے یا جہاں شہوت پائی جائے؟

میں کہتا ہوں: ہم اس پر کتاب الحظر میں (مقولہ 33001 میں) گفتگو کریں گے اور علماء کے کلام سے جو وہاں ظاہر ہوتا ہے وہ پہلا قول ہے۔

3620۔(قولہ: وَلَوْ حَرِيرًا) پردہ کے لئے عموم ہے۔''الامداد'' میں فرمایا: پردہ کرنے کا فرض اس حالت میں ریشم پہننے کے منع سے زیادہ قوی ہے۔

3621۔(قولہ: مَاءً كَدِرًا) اس حیثیت سے کہ اس سے شرمگاہ نظر نہ آئے۔

3622۔(قولہ: إنْ وَجَدَ غَيْرَهُ) یہ صاف پانی کے ساتھ ستر کے جائز نہ ہونے میں قید ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر وہ کوئی دوسری چیز نہ پائے تو صاف پانی کے ساتھ ستر واجب ہے گویا اس میں انکشاف کو کم کرنا ہے۔''حلبی''۔

میں کہتا ہوں: اور اس کا مفہوم جیسا کہ پردہ والی چیز نہ پانے والے میں کلام کا سیاق جس کا تقاضا کرتا ہے۔کہ گدلے پانی میں جائز نہیں جب وہ کوئی پردے والی چیز پائے حالانکہ ''السراج'' اور ''البحر'' کا کلام مطلقاً جواز کا فائدہ دیتا ہے۔پھر

1۔سنن نسائی، کتاب الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ فی قمیص واحد، جلد 1، صفحہ 292، حدیث نمبر 756

وَهَلْ تَكْفِيهِ الظُّلْمَةُ؟
اور کیا اندھیرا کافی ہے

میں نے صاحب ''النہر'' کو دیکھا انہوں نے اس کی تصریح کی ہے جہاں انہوں نے فرمایا: صافی اور غیر صافی پانی کے درمیان فرق یہ آگاہی دیتا ہے کہ اس کے پاس کپڑا ہے۔ کیونکہ جس کے لئے پردہ والی چیز نہ ہو اس کے حق میں صاف پانی اور گدلا پانی برابر ہے۔ لیکن یستوی فیه الصافی وغیرہ کا قول اس میں نظر ہے۔ کیونکہ جب گدلے پانی کے ساتھ ستر جائز ہے جبکہ اس کے علاوہ کسی چیز پر قادر بھی ہو تو گدلا پانی حقیقۃً پردہ ہو گیا۔ پس کسی دوسری ڈھانپنے والی چیز سے عجز کے وقت یہ پانی متعین ہو گیا۔ کیونکہ صاف پانی ساتر نہیں ہے ورنہ عجز کے نہ ہونے کے وقت بھی اس کا استعمال جائز ہوتا۔

''البحر'' میں ذکر کیا ہے کہ پانی میں نماز کی تصویر بنانا صحیح نہیں ہے مگر نماز جنازہ میں۔ ''النہر'' میں اس کی یہ علت بیان کی ہے کہ جب اس کے لئے کپڑا ہو اور وہ گدلے پانی میں نماز پڑھے تو فرض نماز کے لئے اشارہ کرنا جائز نہیں یعنی کپڑے کے ساتھ پانی سے باہر رکوع و سجود کے ساتھ قدرت ہونے کی وجہ سے۔ لیکن شیخ ''اسماعیل'' نے کہا: ''البحر'' اور ''النہر'' کے کلام میں میرے لئے اعتراض ہے۔ کیونکہ گدلے پانی میں رکوع و سجود کی تصویر ممکن ہے اس حیثیت سے کہ اس کے بدن سے کوئی چیز ظاہر نہ ہو جب وہ اپنے سارے منافذ بند کر دے بلکہ جو غوطہ خور غرق ہونے والے کو نکالنے میں کرتا ہے وہ اس سے زیادہ ابلغ ہے۔

میں کہتا ہوں: اگر اس امکان کو فرض کر لیا جائے تو کہا جائے گا: وہ ساتر باقی نہیں رہے گا۔ کیونکہ سجدہ اور پانی کے اوپر اٹھنے کے وقت وہ مستور نہیں ہو گا اور وہ اس طرح ہو جائے گا جیسے اگر کوئی خیمہ کے نیچے برہنہ نماز پڑھے جس کی تمام اطراف ڈھانپی گئی ہوں، یا تاریک مکان میں نماز پڑھی ہو، یا اگر کوئی کسی تھیلی میں داخل ہو اور اس میں نماز پڑھے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس کی نماز صحیح نہ ہو گی بخلاف اس کے کہ اگر وہ اس تھیلی سے اپنا سر باہر نکالے اور نماز پڑھے تو نماز صحیح ہو گی کیونکہ وہ اب مستور ہو گیا جیسے کوئی اگر گدلے پانی میں کھڑا ہوا اور اس کا سر پانی سے باہر تھا اور نماز جنازہ پڑھی۔ پھر میں نے ''الحاوی الزاہدی'' میں کتاب الکراھیۃ والاستحسان میں دیکھا جس کی نص یہ ہے کہ مریض جب لحاف سے اپنا سر باہر نہ نکالے تو اس کی نماز جائز نہ ہو گی کیونکہ وہ برہنہ کی طرح ہے یعنی جب وہ لحاف کے نیچے اشارہ کے ساتھ نماز پڑھے گا جبکہ اس کی شرمگاہ کھلی ہو گی تو اس کی نماز صحیح نہ ہو گی۔ کیونکہ وہ شرمگاہ کو ڈھانپنے والا نہیں ہے۔ یہ اس کی تائید کرتا ہے جو ہم نے تھیلی والے مسئلہ میں بحث کی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ شرط مصلی (نمازی) کا شرمگاہ کو ڈھانپنا ہے نہ کہ نمازی کی ذات کو ڈھانپنا ہے۔ پس جو خلوت میں، یا ظلمت میں، یا خیمہ میں چھپا جبکہ وہ برہنہ تھا تو اس کی ذات مستور ہے اور اس کی شرمگاہ کھلی ہے، اس کو ڈھانپنے والا نہیں کہا جائے گا۔ اس کی مثل ہے اگر کوئی گدلے پانی میں غوطہ لگائے۔ ''فیتامل''

3623_(قولہ: هَلْ تَكْفِيهِ الظُّلْمَةُ؟) اس کلام کا ثمرہ ظاہر نہیں ہوتا۔ کیونکہ جہاں وہ پردہ کرنے والی چیز کو نہ پائے وہ جیسی حالت میں ہو نماز پڑھے یعنی ظلمت میں ہو یا روشنی میں ہو۔ شاید اس کی مراد وہ ہے جو ''البحر'' میں ذکر ہے۔ اس کی عبارت یہ ہے: افضل گھر یا صحرا میں دن ہو یا رات ہو (برہنہ شخص) کو بیٹھ کر نماز پڑھنا ہے۔ فرمایا: مشائخ میں سے بعض نے

فِي مَجْمَعِ الْأَنْهُرِ بَحْثًا، نَعَمْ فِي الِاضْطِرَارِ لَا الِاخْتِيَارِ (يُصَلِّي قَاعِدًا) كَمَا فِي الصَّلَاةِ، وَقِيلَ مَادًّا رِجْلَيْهِ (مُومِيًا بِرُكُوعٍ وَسُجُودٍ، وَهُوَ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهِ) قَاعِدًا يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ وَ(قَائِمًا) بِإِيمَاءٍ أَوْ (بِرُكُوعٍ وَسُجُودٍ)

''مجمع الانہر'' میں بطور بحث ذکر کیا ہے کہ ہاں اضطرار کی حالت میں کافی ہوگا اختیار کی حالت میں نہیں۔ بیٹھ کر نماز پڑھے جیسے نماز میں بیٹھتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: ٹانگیں لمبی کر کے بیٹھے رکوع اور سجود اشارہ کے ساتھ ادا کرے۔ یہ نماز کی حالت سے افضل ہے کہ وہ بیٹھ کر رکوع و سجود کرے اور کھڑے ہو کر اشارہ کے ساتھ یا رکوع و سجود کے ساتھ ادا کرے

دن کے ساتھ اس کو خاص کیا ہے۔ رہا رات کو تو کھڑے ہو کر پڑھے کیونکہ رات کی تاریکی اس کی شرمگاہ کو ڈھانپتی ہے۔ اس کا رد کیا گیا ہے کہ اس تاریکی کا کوئی اعتبار نہیں اور حالت اختیار اور اضطرار کے درمیان فرق کو بھی رد کیا گیا ہے۔ ''طحطاوی''۔

3624۔ (قوله: فِي مَجْمَعِ الْأَنْهُرِ) یہ شیخی زادہ کی ''الملتقی'' کی شرح ہے۔ ''حلبی''۔

3625۔ (قوله: كَمَا فِي الصَّلَاةِ) اسی طرح ''منیۃ المصلی'' میں کہا ہے۔ ''البحر'' میں ہے: پس اس بنا پر مرد اور عورت میں اختلاف ہے مرد پاؤں پھیلا کر بیٹھے گا اور عورت سرین کے بل بیٹھے گی۔

3626۔ (قوله: وَقِيلَ مَادًّا رِجْلَيْهِ) یعنی اپنی غلیظہ شرمگاہ پر ہاتھ رکھ لے۔ پہلا قول بہتر ہے۔ کیونکہ اس میں ستر (پردہ) زیادہ ہے۔ نیز اس میں قبلہ کی طرف ٹانگیں پھیلانا بھی ہے (جو اچھا نہیں ہے) ''بحر''، ''حلبہ''۔ لیکن ''شرح المنیہ الکبیر'' میں ہے۔ دوسرا قول بہتر ہے۔ کیونکہ اس میں ستر زیادہ ہے یہی ''ہدایہ'' وغیرھا کی شروح میں مذکور ہے۔

میں کہتا ہوں: یہی درست ہے کیونکہ جو اپنی مقعد کو اپنے قدموں پر رکھے گا جیسا کہ نماز کے تشہد میں ہوتا ہے تو رکوع و سجود کے لئے اشارہ کرنے کی حالت میں اس کی غلیظہ شرمگاہ اس سے زیادہ ظاہر ہوگی جو اپنی مقعد زمین پر رکھتا ہے جیسا کہ محسوس مشاہد ہے اگر چوکڑی مار کر بیٹھے تو اس سے قبل (پیشاب کی جگہ) ظاہر ہوگی۔ اسی وجہ سے قبلہ کی طرف ٹانگیں پھیلانے کو معاف کیا ہے۔ پس یقیناً اس پر ''ہدایہ'' کے شراح وغیرہم چلے ہیں جیسے صاحب ''الذخیرۃ''، ''السراج''، ''الدرر''، ''التبیین''، ''نور الایضاح''۔ اختلاف اولویت میں ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ اس پر ''النہر'' میں تنبیہ کی ہے۔

3627۔ (قوله: وَ قَائِمًا بِإِيمَاءٍ) اسی طرح ''الزاہدی'' کے حوالہ سے ''القہستانی'' میں ہے۔ اس کو ''البحر'' میں ''ملتقی البحار'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ فرمایا: ''الہدایہ'' کا ظاہر یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے۔ پھر ایک ورقہ کے قریب بحث کرنے کے بعد جو ''الہدایہ'' میں ہے اس کو ترجیح دی ہے اور بحث ''الحلبہ'' سے ماخوذ ہے۔ پس ادھر رجوع کرو۔ ''البحر'' میں بھی فرمایا: مناسب ہے کہ یہ فضیلت میں چوتھے قول سے کم ہو یعنی قیام کے بغیر رکوع اور سجود کے ساتھ۔ کیونکہ اس کی صحت میں اختلاف ہے اگرچہ شرمگاہ کا ڈھانپنا چوتھے قول میں زیادہ ہے۔

میں کہتا ہوں: شارح کے لئے چوتھے قول سے اس کو مؤخر کرنا بہتر تھا تا کہ چاروں میں ذکر افضلیت میں ترتیب کے مطابق ہوتا۔

لِأَنَّ السَّتْرَ أَهَمُّ مِنْ أَدَاءِ الْأَرْكَانِ (وَلَوْ أُبِيحَ لَهُ ثَوْبٌ) وَلَوْ بِإِعَارَةٍ (ثَبَتَتْ قُدْرَتُهُ) هُوَ الْأَصَحُّ، وَلَوْ وُعِدَ بِهِ يَنْتَظِرُ مَا لَمْ يَخَفْ فَوْتَ الْوَقْتِ هُوَ الْأَظْهَرُ كَرَاجِي مَاءٍ وَثَوْبٍ وَطَهَارَةِ مَكَان،

کیونکہ پردہ ارکان کی ادائیگی سے اہم ہے۔ اگر کسی کے لئے کپڑا اباح کیا گیا ہو اگرچہ وہ عاریۃً ہو تو اس کی قدرت ثابت ہو گی۔ یہی اصح قول ہے۔ اور اگر کپڑے کا وعدہ کیا گیا ہو تو انتظار کرے جب تک اسے وقت کے فوت ہونے کا خوف نہ ہو۔ یہی اظہر قول ہے۔ جیسے پانی، کپڑے اور مکان کی طہارت کی امید کرنے والا ہوتا ہے۔

3628۔ (قولہ: لِأَنَّ السَّتْرَ أَهَمُّ الخ) یعنی شرمگاہ کا ڈھانپنا نماز میں اور نماز سے باہر فرض ہے۔ اور ارکان نماز کے فرائض میں اس کے علاوہ نہیں تو وہ اس کا بدل لایا۔ قیام جائز ہے کیونکہ اگرچہ شرمگاہ کو ڈھانپنے کا فرض ترک کیا تو ارکان ثلاثہ کو مکمل کیا "بدائع"۔ اور ارکان ثلاثہ سے مراد قیام، رکوع اور سجود لیا ہے۔ اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ کھڑے ہو کر اشارہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں ارکان ثلاثہ کی تکمیل کے بغیر ستر کا فرض ترک کیا گیا ہے۔ اور یہاں سے صاحب "البحر" اور "الحلبہ" کی ترجیح پیدا ہوئی ہے اس کے ظاہر کی جو "ہدایہ" کے حوالہ سے (سابقہ مقولہ میں) گزرا ہے۔

3629۔ (قولہ: وَلَوْ أُبِيحَ لَهُ ثَوْبٌ) "التاتر خانیہ" میں ہے: اگر اس کے پاس ایسا شخص ہو جس کے پاس کپڑا ہو تو وہ اس سے سوال کرے۔ اگر وہ اسے کپڑا نہ دے تو برہنہ نماز پڑھے۔ اور اگر نماز کے دوران اس نے کپڑا پالیا تو نئے سرے سے نماز پڑھے۔

اس کا ظاہر یہ ہے کہ سوال کرنا ضروری ہے۔ لیکن مناسب ہے کہ اس کو مقید کیا جائے اس صورت سے کہ جب اس کا غالب گمان ہو کہ وہ منع نہیں کرے گا جیسا کہ متیمم میں ہوتا ہے۔

3630۔ (قولہ: هُوَ الْأَظْهَرُ) اسی طرح "شرح المنیہ الصغیر" میں ہے۔ ہم نے کتاب التیمم میں "الفتح" وغیرہ کے حوالہ سے (مقولہ 2228 میں) بیان کیا تھا کہ اسے ڈول یا کپڑا دینے کا وعدہ دیا گیا ہو تو اس کے لئے اس وقت تک تاخیر کرنا مستحب ہے جب تک وقت کے فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ یہ "امام صاحب" رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ اور "صاحبین" رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک تاخیر کرنا واجب ہے اگرچہ اسے وقت کے فوت ہونے کا خوف ہو جیسے اگر پانی کا وعدہ کیا گیا ہو تو وہ بالاتفاق انتظار کرے گا۔

اور ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ علماء کے کلام کا ظاہر امام "ابوحنیفہ" رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دینا ہے۔ اور "المنیہ" میں اس پر جزم کیا ہے اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ پانی کے امیدوار کو مستحب ہے کہ وہ مستحب وقت کے آخر تک نماز کو موخر کرے۔

3631۔ (قولہ: كَرَاجِي مَاءٍ) یعنی جیسے پانی کے ملنے کی امید ہو تو اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ مستحب وقت کے آخر تک تاخیر کرے جیسا کہ باب التیمم میں گزر چکا ہے۔ اور یہ تنظیر ہے قیاس نہیں ہے حتیٰ کہ یہ وارد ہو کہ ظاہر کپڑے کے مسئلہ کو وعدہ کئے گئے پانی پر قیاس ہے۔ پس انتظار واجب ہے اگرچہ وقت فوت بھی ہو جائے۔ فافہم۔

3632۔ (قولہ: وَطَهَارَةِ مَكَان) جب اسے کپڑا ملنے کی امید ہو تو نماز کو موخر کرے جب تک وقت کے فوت ہونے کا خوف نہ ہو جیسے مکان کی طہارت "قنیہ"۔ یعنی جیسے کوئی شخص ناپاک مکان میں قید ہو اور اسے اس جگہ سے نکلنے کی قوی

وَهَلْ يَلْزَمُهُ الشِّرَاءُ بِثَمَنِ مِثْلِهِ؟ يَنْبَغِي ذٰلِكَ (وَلَوْ وَجَدَ مَا) أَيْ سَاتِرًا (كُلُّهُ نَجِسٌ) لَيْسَ بِأَصْلِيٍّ كَجِلْدِ مَيْتَةٍ لَمْ يُدْبَغْ (فَإِنَّهُ لَا يَسْتَتِرُ بِهِ فِيهَا) اتِّفَاقًا بَلْ خَارِجَهَا: ذَكَرَهُ الْوَانِيُّ (أَوْ أَقَلُّ مِنْ رُبْعِهِ طَاهِرٌ نُدِبَ صَلَاتُهُ فِيهِ) وَجَازَ الْإِيمَاءُ كَمَا مَرَّ،

کیا نمازی کو ثمن مثل کے ساتھ کپڑا خریدنا لازم ہے؟ یہ ہونا چاہئے اور اگر نمازی شرمگاہ کو ڈھانپنے والی ایسی چیز پائے جس کا تمام نجس (ناپاک) ہے اور اس کا نجس اصلی نہیں ہے جیسے مردار کی کھال جس کی دباغت نہ کی گئی ہو تو وہ نماز میں اس کے ساتھ ستر کو نہ ڈھانپے بالاتفاق۔ بلکہ نماز سے باہر پہنے، اس کو ''الوانی'' نے ذکر کیا ہے یا ایسا ساتر پائے جس کا چوتھائی سے کم پاک ہے تو اس میں اس کی نماز مستحب ہے اور اشارہ سے پڑھنا جائز ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

امید ہو تو وہ نماز کو موخر کرے جب تک نماز کے فوت ہونے کا خوف نہ ہو۔

ظاہر یہ ہے کہ یہ تاخیر مستحب ہے جیسا کہ اس کی گزشتہ نظائر میں تھا۔

3633۔ (قولہ: يَنْبَغِي ذٰلِكَ) یعنی پانی پر قیاس کرتے ہوئے۔ یہی مناسب ہے۔ بحث ''البحر'' کی ہے اور ''النہر'' میں ان کی متابعت ہے۔ اور فرمایا: فقہاء نے اس کو ذکر نہیں کیا۔

میں کہتا ہوں: ہم نے ''السراج'' سے نقل کر کے مسئلہ (مقولہ 2221 میں) پیش کیا تھا اور اس میں دو قول تھے۔ ''مواہب الرحمٰن'' کے باب تیمم میں ہے: ثمن مثل کے ساتھ پانی اور کپڑا خریدنا واجب ہے اگر اس کے پاس اپنے خرچ سے زائد رقم ہو بہت زیادہ قیمت کے ساتھ خریدنا واجب نہیں۔ اور سب تعریفیں الله کے لئے ہیں۔

3634۔ (قولہ: لَيْسَ بِأَصْلِيٍّ الخ) یعنی وہ چیز اصل نجاست نہ ہو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی نجاست اسے لاحق ہوئی ہو جیسے پیشاب یا خون لگ گیا ہو جیسا کہ ''النہر'' میں ہے۔ لیکن مردار کی کھال کے اصل نجس ہونے میں نظر ہے کیونکہ اس کی نجاست موت کی وجہ سے لاحق ہوتی ہے۔ ''تامل''

3635۔ (قولہ: فَإِنَّهُ لَا يَسْتَتِرُ بِهِ فِيهَا) کیونکہ اس کی نجاست زیادہ سخت ہے۔ کیونکہ پانی کے ساتھ زائل نہیں ہوتی۔ ''بحر''۔

3636۔ (قولہ: بَلْ خَارِجَهَا) اس کا ظاہر اس کے ساتھ ستر کا وجوب ہے جب اس کے علاوہ کوئی ڈھانپنے والی چیز نہ پائے۔ باب کے ابتدا میں گزر چکا ہے کہ نماز کے علاوہ نجس کپڑا پہننا جائز ہے۔

3637۔ (قولہ: نُدِبَ صَلَاتُهُ فِيهِ) یعنی قیام، رکوع اور سجود کے ساتھ اس کپڑے میں نماز پڑھنا مستحب ہے۔ ''حلبی''۔

3638۔ (قولہ: وَجَازَ الْإِيمَاءُ كَمَا مَرَّ) یعنی برہنہ کی اشارہ کے ساتھ نماز جائز ہے۔ اس طرح کہ سابقہ چار صورتوں میں سے ایک کو ادا کرے۔ اور اگر اس طرح کہتے و جاز ان یفعل کما مر تو بہتر تھا۔ ''طحطاوی''۔ یعنی کیونکہ ان صورتوں میں سے بعض میں اشارہ نہیں ہے۔

وَحَتَّمَ مُحَمَّدٌ لُبْسَهُ وَاسْتَحْسَنَهُ فِي الْأَسْرَارِ وَبِهِ قَالَتِ الثَّلَاثَةُ (وَلَوْ كَانَ (رُبْعُهُ طَاهِرًا صَلَّى فِيهِ حَتْمًا) إِذِ الرُّبْعُ كَالْكُلِّ، وَ هَذَا إِذَا لَمْ يَجِدْ مَا يُزِيلُ بِهِ النَّجَاسَةَ أَوْ يُقَلِّلُهَا : فَيَتَحَتَّمُ لُبْسُ أَقَلِّ ثَوْبَيْهِ نَجَاسَةً وَالضَّابِطُ أَنَّ مَنِ ابْتُلِيَ بِبَلِيَّتَيْنِ فَإِنْ تَسَاوَيَا خُيِّرَ

اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا پہننا لازمی قرار دیا ہے۔ اور ''الاسرار'' میں اس کو اچھا سمجھا ہے اور یہی ائمہ ثلاثہ کا قول ہے۔ اور اگر ساتر کا چوتھائی پاک ہو تو ضرور اس میں نماز پڑھے۔ کیونکہ چوتھائی کا حکم کل کی طرح ہے اور یہ حکم اس وقت ہے جب وہ ایسی چیز نہ پائے جس کے ساتھ نجاست کو زائل کرے یا اسے کم کرے اور لازمی طور پر دو کپڑوں میں سے اس کو پہنے جس میں نجاست کم ہے۔ کلیہ یہ ہے کہ جب کوئی دو مصیبتوں میں مبتلا کیا جائے تو پھر یا دونوں برابر ہوں گی تو اس صورت میں اسے اختیار ہوگا

3639۔ (قولہ: وَاسْتَحْسَنَهُ فِي الْأَسْرَارِ) لیکن ''الفتح'' میں اس سے جھگڑا کیا ہے۔

3640۔ (قولہ: إِذِ الرُّبْعُ كَالْكُلِّ) یعنی بعض جگہوں میں چوتھائی کل کے قائم مقام ہوتی ہے جیسے محرم کا اپنے سر کا چوتھائی حلق کرانا، اور شرمگاہ کا چوتھائی کھلنا (نماز سے مانع ہے)۔

3641۔ (قولہ: وَهَذَا إِذَا لَمْ يَجِدْ الخ) اگر وہ دونوں صورتوں میں پائے تو اس کا استعمال واجب ہے جیسا کہ ''البحر'' میں ہے۔

3642۔ (قولہ: فَيَتَحَتَّمُ لُبْسُ أَقَلِّ ثَوْبَيْهِ نَجَاسَةً) صاحب ''النہر'' کی اس میں متابعت کی ہے۔ یہ اپنے اطلاق پر نہیں ہے۔ کیونکہ ''الحلبہ'' میں ہے: اگر نجاست ان میں سے ہر ایک میں غلیظہ ہو تو فقہاء نے فرمایا: اگر ان میں سے ہر ایک کپڑے کی چوتھائی کو نہ پہنچے تو اسے اختیار ہے اور مستحب اس کپڑے میں نماز پڑھنا ہے جس میں نجاست کم ہو اور اگر صرف ایک کپڑے میں چوتھائی کو پہنچے تو دوسرا کپڑا نماز کے لئے متعین ہو گیا۔ اور اگر ہر ایک کپڑے میں نجاست چوتھائی سے زائد ہو اور 3/4 کو نہ پہنچے تو اسے اختیار ہے۔ اور اگر ایک میں 3/4 کو پہنچ جائے اور دوسرے کو نجاست مکمل گھیرے ہوئے ہو تو وہ کپڑا نماز کے لئے متعین ہو گیا جس کا چوتھائی پاک ہے۔ اور اگر نجاست خفیفہ ہو تو میں نے یہ مسئلہ نہیں دیکھا۔ گزشتہ تخریج کا مقتضا یہ ہے کہ اسے اختیار ہوگا جب تک ایک کپڑے میں 3/4 سے زیادہ نہ ہو یا نجاست اسے گھیر نہ لے ورنہ وہ کپڑا نماز کے لئے متعین ہوگا جس کا چوتھائی یا اس سے زائد پاک ہے۔ ''حلبی'' نے ''الہندیہ''، ''الزیلعی'' اور ''الخلاصہ'' کے حوالہ سے اسی طرح ذکر کیا ہے۔

3643۔ (قولہ: بِبَلِيَّتَيْنِ) کسی ایک کو کرنے کے ساتھ آزمایا گیا ہو نہ کہ اکٹھا دونوں کو کرنے کے ساتھ۔

3644۔ (قولہ: فَإِنْ تَسَاوَيَا) یعنی اس حیثیت سے کہ کسی معتبر مرجح کے بغیر نماز سے مانع ہو اگرچہ نجاست کی مقدار میں برابر نہ ہوں۔ اور او اختلفا کا قول یعنی ان میں سے ایک میں مانع نجاست دوسرے کی نسبت سے کم ہو یا ان میں سے ہر ایک میں نجاست مانع ہے لیکن ایک میں کوئی ترجیح دینے والا ہے جو اسے کل کے قائم مقام کرے گا جیسے چوتھائی کی

وَإِنْ اخْتَلَفَا اخْتَارَ الْأَخَفَّ (وَلَوْ وَجَدَتْ) الْحُرَّةُ الْبَالِغَةُ (سَاتِرًا يَسْتُرُ بَدَنَهَا مَعَ رُبْعِ رَأْسِهَا يَجِبُ سَتْرُهُمَا) فَلَوْ تَرَكَتْ سَتْرَ رَأْسِهَا أَعَادَتْ بِخِلَافِ الْمُرَاهِقَةِ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا سَقَطَ بِعُذْرِ الرِّقِّ فَبِعُذْرِ الصِّبَا أَوْلَى (وَلَوْ كَانَ يَسْتُرُ

اور اگر مختلف ہوں گی تو اخف کو اختیار کرے۔ اور اگر آزاد بالغہ کوئی ایسی ڈھانپنے والی چیز پائے جو اس کے سر کی چوتھائی کے ساتھ اس کے بدن کو ڈھانپ سکتی ہے تو دونوں کا ڈھانپنا واجب ہے۔ اگر اس نے سر کو ڈھانپنا ترک کر دیا تو نماز کا اعادہ کرے بخلاف قریب البلوغ لڑکی کے۔ کیونکہ جب غلامی کے عذر کی وجہ سے سر کا ڈھانپنا ساقط ہے تو بچپن کے عذر سے بدرجہ اولیٰ ساقط ہوگا۔ اور اگر وہ ڈھانپنے والی چیز

طہارت اور چوتھائی کی نجاست۔ اس تقریر کے ساتھ ضابطہ منطبق ہوگا ان فروع پر جو ہم نے (مقولہ 3642 میں) ذکر کی ہیں۔ جب نجاست ان دونوں کپڑوں میں سے ہر ایک میں درہم کی مقدار سے زیادہ ہو لیکن چوتھائی کو نہ پہنچے تو اسے اختیار ہوگا اور اگرچہ ایک میں نجاست دوسرے کی نسبت زیادہ ہو۔ کیونکہ بلا مرجح منع میں دونوں برابر ہیں بخلاف اس کے جب نجاست ایک کی چوتھائی کو پہنچ جائے مرجح کی وجہ سے۔ اور اس کا مرجح فقہاء کا چوتھائی کو کل کے قائم مقام کرنا ہے۔ باقی کی تقریر اس سے ظاہر ہے جو ہم نے کہا ہے۔ فافہم۔

3645۔ (قولہ: اخْتَارَ الْأَخَفَّ) اس کی نظیر یہ ہے کہ زخمی شخص اگر سجدہ کرے تو اس کا زخم بہتا ہے اور سجدہ نہ کرے تو نہیں بہتا تو وہ اشارہ سے بیٹھ کر نماز پڑھے۔ کیونکہ سجدہ کا ترک کرنا حدث کے ساتھ نماز پڑھنے سے آسان ہے۔ کیونکہ سواری پر نفل اختیار کی صورت میں پڑھنا اس کے ترک کا جواز ہے۔ ''زیلعی''۔

3646۔ (قولہ: لِأَنَّهُ لَمَّا سَقَطَ الخ) بہتر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے ساتھ تعلیل بیان کرنا ہے کہ حائض (بالغہ) بغیر اوڑھنی کے نماز نہ پڑھے (1)، کیونکہ اس کی تعلیل سے یہ سمجھ آتا ہے کہ ہر وہ عضو جس کا پردہ غلامی کے عذر کی وجہ سے ساقط ہوتا ہے جیسے کندھے، پنڈلیاں وہ بچپن کی وجہ سے بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ یہ ''حلبی'' نے فائدہ ذکر کیا ہے۔ ''تامل''

''الاستروشنی'' کی ''احکام الصغار'' میں ہے: چھوٹی بچی کی نماز کا جواز بغیر پردے کے استحسان ہے کیونکہ بچپن میں خطاب نہیں ہوتا۔ بہتر یہ ہے کہ وہ پردے کے ساتھ نماز پڑھے کیونکہ عادی بنانے کے لئے اسے نماز کا حکم دیا جاتا ہے اور اسے اس طریقہ پر نماز پڑھنے کا حکم دیا جاتا ہے جس کی ادائیگی بلوغت کے بعد جائز ہے۔ پھر فرمایا: قریب البلوغ لڑکی جب بغیر پردے کے نماز پڑھے گی تو استحساناً اسے اعادہ کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ اور اگر اس نے بغیر وضو کے نماز پڑھی تو اسے اعادہ کا حکم دیا جائے گا۔ اور اگر اس نے برہنہ نماز پڑھی تو نماز کا اعادہ کرے گی۔ ہر وہ صورت جس میں بالغہ نماز کا اعادہ کرتی ہے

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب المراۃ تصلی بغیر خمار، جلد 1 صفحہ 253، حدیث نمبر 546

سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوٰۃ، باب اذا حاضت الجاریۃ لم تعل الابخمار، جلد 1 صفحہ 217، حدیث نمبر 646

(أَقَلَّ مِنْ رُبْعِ الرَّأْسِ لَا) يَجِبُ بَلْ يُنْدَبُ، لَكِنْ قَوْلُهُ (وَلَوْ وَجَدَ) الْمُكَلَّفُ (وَمَا يَسْتُرُ بِهِ بَعْضَ الْعَوْرَةِ وَجَبَ اسْتِعْمَالُهُ) ذَكَرَهُ الْكَمَالُ زَادَ الْحَلَبِيُّ وَإِنْ قَلَّ يَقْتَضِي وُجُوبَهُ مُطْلَقًا فَتَأَمَّلْ

اس کے سر کی چوتھائی سے کم کو ڈھانپ سکے تو پھر واجب نہیں بلکہ سر ڈھانپنا مستحب ہے۔ لیکن مصنف کا یہ قول کہ اگر مکلف اتنی مقدار ڈھانپنے والی چیز پائے جس کے ساتھ بعض شرمگاہ کو ڈھانپ سکتا ہے تو اس کا استعمال واجب ہے۔ اس کو ''الکمال'' نے ذکر کیا ہے ''الحلبی'' نے ''وان قل'' کا اضافہ کیا ہے یعنی اگر چہ تھوڑا سا ہو۔ یہ اس کے مطلقاً وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔ پس غور کرو۔

مراھقه بھی عادت بنانے کے طریقہ پر اعادہ کرے گی۔

3647۔ (قوله: لَا يَجِبُ) کیونکہ جو چوتھائی سے کم ہے اسے کل کا حکم نہیں دیا جاتا۔ انکشاف کو کم کرنے کے لئے پردہ کرنا افضل ہے ''زیلعی''۔ اس کی مثل ''الحلبہ'' میں ''المحیط''، ''الخلاصہ'' اور ''الکافی'' کے حوالہ سے ہے۔

3648۔ (قوله: زَادَ الْحَلَبِيُّ) یعنی اس کی ''شرح المنیہ الصغیر'' میں۔ ''حلبی''۔

3649۔ (قوله: مُطْلَقًا) خواہ وہ چوتھائی کو ڈھانپے یا اس سے کم کو ڈھانپے۔ ''طحطاوی''۔

3650۔ (قوله: فَتَأَمَّلْ) یہ اشارہ ہے کہ ''الکمال'' کے کلام کو سر کے علاوہ پر محمول کرنے کے ساتھ جواب کا امکان ہے۔ کیونکہ یہ اخف ہے اس دلیل سے کہ مراھقه (قریب البلوغ) کی نماز ننگے سر کے ساتھ صحیح ہے اس کے علاوہ نہیں۔ یہ فائدہ ''حلبی'' نے ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: بہتر جواب یہ ہے کہ العورۃ میں ال کو جنس افراد پر محمول کیا جائے نہ کہ جنس اجزاء پر یعنی جب شرمگاہ کے بعض افراد کو ڈھانپنے والی چیز پائے اس طرح کہ وہ اس کے چھوٹے مثلاً قبل یا دبر کو ڈھانپے، بڑے افراد کو نہ ڈھانپے تو اس کا استعمال واجب ہے اس کے بعد والے قول ویستر القبل والدبر کی دلیل سے۔ اور ''المعراج'' میں جو قول ہے اس کی دلیل ہے کہ اگر وہ پائے ایسی چیز جس کے ساتھ بعض شرمگاہ ڈھانپ سکتا ہو تو بالاتفاق قبل اور دبر کو ڈھانپ دے۔

پس جو ''البحر'' میں ''المجتبیٰ'' کے حوالہ سے ہے اس کا یہی معنی ہے کہ اگر اس کے پاس ایک ٹکڑا ہو جس کے ساتھ شرمگاہ کے حصوں میں سے چھوٹے حصہ کو ڈھانپ سکتا ہے تو اس کی نماز فاسد ہے ورنہ نہیں۔

اس وقت فقہاء کے کلام کے درمیان کوئی منافات نہیں۔ کیونکہ اس محمول پر اس میں کوئی ایسی چیز نہیں جو شرمگاہ کے عضو کی چوتھائی سے کم کو ڈھانپنے کے وجوب کا تقاضا کرے حتیٰ کہ یہ اس کے مخالف ہو جو ہم نے ''الزیلعی''، ''المحیط''، ''الخلاصہ'' اور ''الکافی'' کے حوالہ سے (مقولہ 3647 میں) ذکر کیا ہے کہ جو چوتھائی سے کم ہے اس کو کل کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ رہا ''حلبی'' کا قول (وان قل) تو یہ نقل کا محتاج ہے ورنہ یہ ائمہ مذہب کے کلام کے معارض نہیں ہو سکتا۔ ہاں یہ کہ اس سے یہ مراد لیا جائے کہ جو عضو کامل کو ڈھانپے جیسے دبر ورنہ عورت اگر اتنا کپڑا پائے جو اس کی ناف اور گھٹنا کے درمیان کے حصہ کو ڈھانپے اور اس کے پاس ناخن کی مقدار چیتھڑا ہو مثلاً تو اس کے ساتھ ستر ڈھانپنے کو لازم کرنا بہت بعید ہے۔ یہ الفتاح العلیم کے فیض سے میرے لئے ظاہر ہوا ہے۔

(وَيَسْتُرُ الْقُبُلَ وَالدُّبُرَ أَوَّلًا (فَإِنْ وَجَدَ مَا يَسْتُرُ أَحَدَهُمَا) قِيلَ (يَسْتُرُ الدُّبُرَ لِأَنَّهُ أَفْحَشُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ وَقِيلَ الْقُبُلَ حَكَاهُمَا فِي الْبَحْرِ بِلَا تَرْجِيحٍ وَفِي النَّهْرِ الظَّاهِرُ أَنَّ الْخِلَافَ فِي الْأَوْلَوِيَّةِ وَالتَّعْلِيلُ يُفِيدُ أَنَّهُ لَوْ صَلَّى بِالْإِيمَاءِ تَعَيَّنَ سَتْرُ الْقُبُلِ ثُمَّ فَخِذَهُ ثُمَّ بَطْنِ الْمَرْأَةِ وَظَهْرِهَا ثُمَّ الرُّكْبَةِ ثُمَّ الْبَاقِي عَلَى السَّوَاءِ (وَإِذَا لَمْ يَجِدْ) الْمُكَلَّفُ الْمُسَافِرُ (مَا يُزِيلُ بِهِ نَجَاسَتَهُ)

سب سے پہلے قبل اور دبر کو ڈھانپے۔ پھر اگر وہ اتنی مقدار کپڑا پائے جو صرف ایک حصہ کو ڈھانپ سکتا ہے تو بعض علما نے فرمایا: دبر کو ڈھانپے کیونکہ رکوع اور سجود میں وہ زیادہ فحش ہوتی ہے۔ بعض نے کہا: قبل کو ڈھانپے۔ یہ دونوں قول ''البحر'' میں بلا ترجیح موجود ہیں۔ اور ''النہر'' میں ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ اختلاف اولویت میں ہے اور تعلیل اس بات کو مفید ہے کہ اگر اشارہ کے ساتھ نماز پڑھے تو قبل کا ڈھانپنا متعین ہو گیا۔ اس کے بعد اپنی ران کو ڈھانپے۔ پھر عورت اپنے پیٹ اور پشت کو ڈھانپے پھر گھٹنے کو ڈھانپے پھر تمام بدن برابر ہے۔ اور جب مکلف مسافر ایسی چیز نہ پائے جس سے نجاست کو دور کر سکے

3651۔ (قولہ: وَقِيلَ الْقُبُلَ) کیونکہ اس کے ساتھ وہ قبلہ کی طرف رخ کرے گا۔ نیز قبل دوسرے اعضاء سے چھپائی نہیں جاتی جبکہ دبر سرین کے ساتھ چھپائی جاتی ہے۔ ''بحر'' عن ''السراج''۔

3652۔ (قولہ: وَالتَّعْلِيلُ) یعنی پہلے قول کی تعلیل کہ یہ زیادہ فحش ہے۔ صاحب ''النہر'' کی التعلیل الثانی کے قول سے یہی مراد ہے۔ کیونکہ الشارح نے جو پہلے ذکر کیا ہے ''النہر'' میں وہ بعد میں ذکر ہے۔ ''فافہم''

3653۔ (قولہ: بِالْإِيمَاءِ) ''النہر'' کی عبارت اس طرح ہے: قاعدًا بالایماء (بیٹھ کر اشارہ سے)۔

3654۔ (قولہ: تَعَيَّنَ سَتْرُ الْقُبُلِ) کیونکہ علت نہیں ہے اور وہ رکوع اور سجود میں زیادہ فحش ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ ظاہر ہوگا اگر وہ چوکڑی مار کر بیٹھا رہا۔ یہ کہ اگر وہ قبلہ کی طرف ٹانگیں لمبی کر کے بیٹھے یا تشہد بیٹھنے والے کی طرح بیٹھے جیسا کہ اس پر گزشتہ صفحات میں چلے ہیں تو دبر کا چھپانا متعین ہو گیا۔ کیونکہ ذکر اور خصیتین کو رانوں کے نیچے کرنا ممکن ہے۔ رہی دبر تو وہ اشارہ کی حالت میں کھل جائے گی پس اس کا چھپانا متعین ہو گیا۔ اس پر غور کرو۔

3655۔ (قولہ: ثُمَّ فَخِذِهِ) متن کے قول القبل و الدبر پر عطف کی بنا پر منصوب ہے۔ اور ''شرح المنیہ'' کی عبارت ہے: چھپانے میں اسے مقدم کیا جائے گا جو قبل اور دبر میں سے زیادہ سخت ہے، پھر رانوں کو، پھر گھٹنے کو ڈھانپا جائے گا۔ اور عورت ہو تو ران کے بعد پیٹ اور پشت کو ڈھانپا جائے گا پھر گھٹنا پھر باقی جسم برابر ہے۔

السوأتین (دونوں شرمگاہیں) کے قول سے یہ فائدہ ظاہر کیا کہ سرین اور زیر ناف بال ان کی مثل ہیں پس انہیں ران پر مقدم کیا جائے گا۔ ''فافہم''

3656۔ (قولہ: أَوْ يُقَلِّلُهَا) اسی طرح ''شرح المنیہ'' میں ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ درہم سے کم کرنے یا کپڑے کی چوتھائی سے کم کرنے کے ساتھ مقید ہے ورنہ اگر درہم سے زیادہ ہو اور چوتھائی سے کم ہو اور جب اسے کم کرے گا تو وہ درہم سے زیادہ باقی رہ گیا تو تقلیل واجب نہیں۔ کیونکہ ''الحلبہ'' وغیرھا کے حوالہ سے (مقولہ 3642 میں) گزر چکا ہے کہ جس کے

أَوْ يُقَلِّلُهَا لِبُعْدِهِ مِيلًا أَوْ لِعَطَشٍ (صَلَّى مَعَهَا) أَوْ عَارِيًا (وَلَا إعَادَةَ عَلَيْهِ) وَيَنْبَغِي لُزُومُهَا لَوْ الْعَجْزُ عَنْ مُزِيلٍ وَعَنْ سَاتِرٍ بِفِعْلِ الْعِبَادِ كَمَا مَرَّ فِي التَّيَمُّمِ؛ ثُمَّ هَذَا لِلْمُسَافِرِ؛ لِأَنَّ لِلْمُقِيمِ

یا اس کو کم کر سکے پانی سے ایک میل دور ہونے کی وجہ سے یا پیاس کی وجہ سے تو اس نجاست کے ساتھ نماز پڑھ لے یا برہنہ نماز پڑھ لے۔ اور اس پر نماز کا اعادہ نہیں ہے۔ اور اعادہ کا لزوم ہونا چاہئے اگر نجاست کو زائل کرنے والی چیز سے عجز اور ڈھانپنے والی چیز سے عجز بندوں کے فعل سے ہو جیسا کہ باب التیمم میں گزر چکا ہے۔ پھر یہ مسافر کے لئے ہے۔ کیونکہ مقیم کے لئے

پاس دو کپڑے ہوں ہر ایک کی نجاست چوتھائی کو نہیں پہنچتی تو اسے اختیار دیا جائے گا۔ (پس تو غور کر)

3657۔ (قولہ: لِبُعْدِهِ مِيلًا) اس کی تصریح ''السراج'' میں ہے۔ اور اس کے ساتھ اس کی طرف اشارہ ہے کہ کبھی عدم الوجود حقیقۃً ہوتا ہے اور کبھی حکماً ہوتا ہے۔

3658۔ (قولہ: لِعَطَشٍ) یعنی حال کے اعتبار سے، یا مآل کے اعتبار سے اپنے اوپر یا اس کے اوپر جس کی مؤنت اس پر لازم ہے، پیاس کا خوف ہو کیونکہ اس نجاست کا ازالہ اس پر لازم نہیں۔ ''شرح المنیہ''۔ اس کی مثل دشمن کا خوف ہے، اور اس کی قیمت کا موجود نہ ہونا ہے اور اسی جیسی کوئی اور صورت جیسا کہ ''الاحکام'' میں ''البرجندی'' کے حوالہ سے ہے۔

3659۔ (قولہ: صَلَّى مَعَهَا أَوْ عَارِيًا) یعنی اگر پاک کپڑے کی چوتھائی سے کم ہو تو اس کے ساتھ نماز پڑھے یا برہنہ نماز پڑھے ورنہ اس کی نماز اس کپڑے کے ساتھ متعین ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

3660۔ (قولہ: وَلَا إعَادَةَ عَلَيْهِ) یعنی جب زائل کرنے والی کوئی چیز پالے اگرچہ وقت باقی ہو۔

3661۔ (قولہ: يَنْبَغِي) بحث صاحب ''الحلبہ'' کی ہے۔ اور فرمایا: شاید فقہاء نے اس کو یہاں ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ تیمم میں جو گزرا ہے اس کی وجہ سے اس کا علم ہو چکا ہے۔ ''البحر'' وغیرہ میں اس کی متابعت ہے۔ فافہم۔

3662۔ (قولہ: عَنْ مُزِيلٍ) یہ ہمارے مسئلہ میں نجاست کو زائل کرنے والی چیز سے عجز ہو۔ اور شارح کا قول عَنْ سَاتِرٍ یعنی اس مسئلہ میں جو اس سے پہلے ہے اس میں شرمگاہ کو چھپانے والی چیز سے عجز ہو۔

3663۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) باب التیمم میں جو گزرا ہے اس کی نظیر اس سے ہے جو علماء نے پانی پر عدم قدرت میں تفصیل ذکر کی ہے۔ فافہم۔

3664۔ (قولہ: ثُمَّ هَذَا لِلْمُسَافِرِ) یہ کہنا اولیٰ ہے۔ اور ہم نے اسے مسافر کے ساتھ مقید کیا ہے گویا اس سے اس کے رد کا اشارہ کر رہے ہیں جو ''شرح المنیہ'' میں ہے کہ مسافر سے تقیید غالب کے اعتبار سے ہے۔ کیونکہ مسافر اور مقیم میں کوئی فرق نہیں۔

3665۔ (قولہ: لِأَنَّ لِلْمُقِيمِ الخ) ان کا اسم ضمیر شان محذوف ہے۔ اور للمقیم، یشترط کے متعلق ہے۔ اور ان کی خبر جملہ ہے۔ اور يَمْلِكُهُ کی ضمیر ساتر کے لئے ہے۔ ''القہستانی'' کی عبارت اس طرح ہے: ''مسافر کے ساتھ مقید کرنا اس لئے ہے کیونکہ مقیم کے لئے شرمگاہ کو ڈھانپنے والی چیز کی طہارت شرط ہے اگرچہ اس کا مالک نہ ہو' جیسا کہ ''النظم'' وغیرہ

يُشْتَرَطُ طَهَارَةُ السَّاتِرِ وَإِنْ لَمْ يَمْلِكْهُ قُهُسْتَانِيٌّ (وَ) الْخَامِسُ (النِّيَّةُ) بِالْإِجْمَاعِ (وَهِيَ الْإِرَادَةُ) الْمُرَجِّحَةُ لِأَحَدِ الْمُتَسَاوِيَيْنِ أَيْ إِرَادَةُ الصَّلَاةِ لِلّٰهِ تَعَالَى عَلَى الْخُلُوصِ

ڈھانپنے والی چیز کی طہارت شرط ہے اگر چہ وہ اس کا مالک نہ ہو،''قہستانی''۔اور پانچویں شرط نیت ہے اجماع کے ساتھ۔ اور وہ ارادہ ہے جو دو برابر چیزوں میں سے ایک کو ترجیح دینے والا ہے یعنی اخلاص پر اللہ تعالیٰ کے لئے نماز کا ارادہ کرنا

میں ہے۔''الحلبی''۔

میں کہتا ہوں: الشارح نے طہارۃ کا لفظ ساقط کر دیا ہے۔

مفہوم کا حاصل یہ ہے کہ ناپاک ڈھانپنے والی چیز کے ساتھ مقیم کی نماز صحیح نہیں ہے اگر چہ پاک ڈھانپنے والی چیز کا مالک نہ ہو اس بنا پر کہ مقیم کا پانی اور دوسری زائل کرنے والی مائعات سے عجز متحقق نہیں ہوتا کیونکہ شہر میں ان کا وجود پایا جاتا ہے اسی وجہ سے شہر میں تیمم جائز نہیں۔لیکن یہ''صاحبین'' رحمہما اللہ کا قول ہے۔اور مفتی بہ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جہاں بھی عجز متحقق ہو جیسا کہ پہلے (مقولہ 2057 میں) گزر چکا ہے۔اس کا مقتضا یہ ہے یہاں بھی اسی طرح ہو۔فافہم۔

3666۔(قولہ: بِالْإِجْمَاعِ) یعنی نیت کا ثبوت اجماع سے ہے اس ارشاد سے نہیں: وَمَاۤ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِيَعۡبُدُوا اللّٰهَ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ (البینہ:5)

یہاں عبادت سے مراد توحید ہے۔اور نہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد انما الاعمال بالنیات (1) سے نیت کا ثبوت ہے کیونکہ اس سے مراد اعمال کا ثواب ہے۔اس میں صحت سے کوئی تعرض نہیں۔اس کی مکمل بحث''حلبی'' میں ہے۔

نیت کی بحث

3667۔(قولہ: وَهِيَ الْإِرَادَةُ) نیت کا لغوی معنی عزم کرنا ہے اور عزم سے مراد پختہ جازم ارادہ ہے۔اور ارادہ وہ صفت ہے جو وقت اور حال کے ساتھ مفعول کی تخصیص کو ثابت کرتی ہے یعنی دو برابر چیزوں میں سے ایک کو ترجیح دینا ہے اور اسے وقت اور حال کے ساتھ خاص کرنا ہے۔مخصوص حالت و کیفیت کے ساتھ خاص کرنا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ نیت مطلق ارادہ نہیں ہے بلکہ یہ پختہ ارادہ ہے۔

3668۔(قولہ: الْمُرَجِّحَةُ) یہ ارادہ کی صفت ہے اس سے ارادہ کی تفسیر کا قصد کیا ہے۔''حلبی''۔

3669۔(قولہ: أَيْ إِرَادَةُ الصَّلَاةِ) جب مطلق نیت کی تعریف کی تو یہاں اس کا مرادی معنی بیان کیا۔وہ وہ ہے جو نماز کی شروط سے ہے ورنہ نیت نماز کے ساتھ خاص نہیں۔امام''طحطاوی'' نے فرمایا: (علی الخلوص) سے مراد اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص اس معنی پر کہ عبادت میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔

1۔صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 45، حدیث نمبر 1

صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب لقولہ انما الاعمال البینات، جلد 2، صفحہ 819، حدیث نمبر 3580

(لَا) مُطْلَقُ (الْعِلْمِ) فِي الْأَصَحِّ، أَلَا تَرَى أَنَّ مَنْ عَلِمَ الْكُفْرَ لَا يُكْفَرُ، وَلَوْ نَوَاهُ يُكْفَرُ (وَ الْمُعْتَبَرُ فِيهَا عَمَلُ الْقَلْبِ اللَّازِمُ لِلْإِرَادَةِ) فَلَا عِبْرَةَ لِلذِّكْرِ بِاللِّسَانِ

صرف علم نہیں۔کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ جو کفر کو جانتا ہو اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جاتا اور اگر وہ کفر کی نیت کرے تو کفر کا حکم لگایا جاتا ہے۔نیت میں معتبر دل کا وہ عمل ہے جو ارادہ کو لازم ہے۔پس زبان سے ذکر کا کوئی اعتبار نہیں

میں کہتا ہوں: یہ وہم دلاتا ہے کہ ریاء کے ساتھ نماز صحیح نہیں ہوتی حالانکہ اخلاص ثواب کے لئے شرط ہے نہ کہ صحت کے لئے شرط ہے جیسا کہ الفروع میں آئے گا اگر کسی شخص کو کہا جائے کہ ظہر کی نماز پڑھ تیرے لئے ایک دینار ہوگا اس نے اس نیت سے نماز پڑھی تو اسے جائز ہونا چاہئے۔نیز واجب کے سقوط کے حق میں فرائض میں ریاء نہیں ہوتا۔پس یہ عدم اخلاص کے ساتھ شروع کرنے کی صحت کا تقاضا کرتا ہے۔پھر میں نے ''حواشی الاشباہ'' میں ''الحموی'' کو دیکھا انہوں نے اس پر اس قول سے اعتراض کیا ہے: یہ اس عبادت میں درست ہے جس پر ثواب مرتب ہوتا ہو نہ منہیات میں جن پر عقاب مرتب ہوتا ہے۔

3670۔(قوله: لَا مُطْلَقُ الْعِلْمِ الخ) نیت صرف منوی (جس کی نیت کی گئی ہو) کے علم کا نام نہیں یعنی خواہ وہ علم قصد اور ارادہ جازمہ کے ساتھ ہو یا نہ ہو۔یہ جو ''محمد بن سلمہ'' سے مروی ہے اس پر رد ہے کہ شروع کرتے وقت جب معلوم ہو کہ وہ کون سی نماز پڑھ رہا ہے تو یہ مقدار نیت ہے۔اسی طرح روزہ میں ہے جیسا کہ ''الدرر'' میں اس کی وضاحت کی ہے۔ ''الاحکام'' میں فرمایا: لیکن ''المفتاح'' اور ''شرح ابن مالک'' میں ہے کہ اس قائل کی مراد یہ ہے کہ جس نے نماز کا قصد کیا پھر اس نے جان لیا کہ یہ ظہر ہے یا عصر ہے یا نفل ہے یا قضا ہے تو یہ اس کی نیت ہوگی۔پس تعین کے لئے دوسری نیت کی ضرورت نہیں جب اس نے اس نیت کو تحریمہ کے ساتھ ملایا۔اور جس صورت میں اعتراض وارد کیا ہے اس میں کفر کی طرف قصد نہیں پایا گیا۔اس قائل نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ کسی شے کا مطلق علم نیت ہوتی ہے پس اس پر اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

میں کہتا ہوں: اس کا حاصل یہ ہے کہ نیت پختہ ارادہ ہے جب یہ متحقق نہیں ہوتا مگر مراد کے تصور اور اس کے علم کے ساتھ۔اور یہ شرعاً نیت کی صحت کے لئے شرط تھا اور لغۃً اس کے لئے لازم تھا تو اس پر اکتفا کیا۔

3671۔(قوله: وَالْمُعْتَبَرُ فِيهَا عَمَلُ الْقَلْبِ) یعنی وہ شرط جس کے ساتھ نیت متحقق ہوتی ہے اور شرعاً نیت میں جس کا اعتبار کیا جاتا ہے وہ کسی شے کا بداھۃً علم ہے جو پختہ ارادہ سے پیدا ہوتا ہے نہ کہ مطلق علم اور نہ صرف زبان سے قول معتبر ہوتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ نیت کا معنی جو شرع میں معتبر ہے وہ مذکور علم ہے اور جو ''ابن سلمہ'' سے نقل کیا گیا ہے اس کا یہی معنی ہے جیسا کہ ہم نے پہلے (سابقہ مقولہ میں) بیان کیا ہے۔رہا فقہاء کا یہ قول کہ نیت کی تفسیر علم سے کرنا صحیح نہیں تو اس سے مراد مطلق علم ہے جو قصد سے خالی ہو (سابقہ مقولہ میں) گزشتہ اعتراض کے قرینہ سے۔''فافہم''

لیکن علم کو اعمال قلب سے بنانے میں مسامحت ہے۔کیونکہ یہ کیفیات نفسانیہ سے ہے جیسا کہ اس کی اپنے مقام پر تحقیق کی گئی ہے۔

إِنْ خَالَفَ الْقَلْبَ لِأَنَّهُ كَلَامٌ لَا نِيَّةٌ إِلَّا إِذَا عَجَزَ عَنْ إِحْضَارِهِ لِهُمُومٍ أَصَابَتْهُ فَيَكْفِيهِ اللِّسَانُ مُجْتَبَى (وَهُوَ) أَيْ عَمَلُ الْقَلْبِ (أَنْ يَعْلَمَ) عِنْدَ الْإِرَادَةِ (بَدَاهَةً) بِلَا تَأَمُّلٍ (أَيَّ صَلَاةٍ يُصَلِّي) فَلَوْ لَمْ يَعْلَمْ إِلَّا بِتَأَمُّلٍ لَمْ يَجُزْ

اگر دل زبان کے مخالف ہو۔ کیونکہ زبان سے ذکر کلام ہے نیت نہیں ہے مگر پریشانیاں جو اسے لاحق ہیں ان کی وجہ سے دل کو حاضر کرنے سے عاجز ہو تو پھر اسے زبان کی نیت کافی ہے ''مجتبیٰ''۔ اور دل کا عمل ارادہ کے وقت بلا غور وفکر جاننا ہے کہ وہ کون سی نماز پڑھ رہا ہے اگر اسے یہ معلوم نہ ہو مگر غور وفکر کے ساتھ تو جائز نہیں۔

3672۔(قولہ: إِنْ خَالَفَ الْقَلْبَ) اگر اس نے ظہر کا قصد کیا اور سہواً اس کی زبان سے عصر کا لفظ نکل گیا تو اس کی نماز جائز ہوگی جیسا کہ ''الزاہدی'' میں ہے۔ ''قہستانی''۔

3673۔(قولہ: فَيَكْفِيهِ اللِّسَانُ) یعنی نیت کے بدل کے طور پر زبان کی نیت کافی ہوگی۔ ''الحلبہ'' میں اس پر اس طرح اعتراض کیا ہے کہ اس سے اپنی رائے سے بدل بنانا لازم آتا ہے۔ کیونکہ جب عجز کی وجہ سے شرط ساقط ہوتی ہے تو بدل کی طرف ساقط ہوتی ہے جیسے تیمم میں ہوتا ہے، یا بلا بدل ساقط ہوتی ہے جیسے شرمگاہ کا ڈھانپنا۔ اور کبھی مشروط ساقط ہوتا ہے جیسے پانی اور مٹی سے عاجز میں ہوتا ہے۔ پس ان احتمالات میں سے کسی ایک کے اثبات کے لئے دلیل کا ہونا ضروری ہے اور یہاں دلیل کہاں ہے۔ پس جائز نہیں ہے۔(موضحاً) اور اس کو ''البحر'' میں ثابت رکھا ہے۔

آنے والی فصل میں جو آئے گا وہ اس کی تائید کرتا ہے کہ بولنے سے عاجز پر زبان کا حرکت دینا تکبیر اور قراءت کے لئے صحیح قول پر لازم نہیں ہے کیونکہ اصل متعذر ہے پس دوسری چیز لازم نہ ہوگی مگر دلیل کے ساتھ۔ ''الحموی'' نے جواب دیا ہے کہ یہ اصل ہو گیا ہے بدل نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: اصل کو قائم کرنا بدل سے زیادہ بلیغ ہے۔ پس رائے سے بدرجہ اولیٰ جائز نہیں ہے۔ اور اس شخص سے ادائیگی کے سقوط کا قول بعید نہیں ہے جو اس حالت کو پہنچ گیا ہو۔ کیونکہ جس کے لئے یہ معرفت ممکن نہ ہو کہ وہ کون سی نماز پڑھ رہا ہے وہ مجنون کے قائم مقام ہے۔ اور ''المصنف'' باب صلاۃ المریض میں ذکر کریں گے کہ اگر مریض پر رکعات یا سجدات کی تعداد نیند کی وجہ سے مشتبہ ہو جاتی ہوں تو اس کو ادا لازم نہیں۔

3674۔(قولہ: أَنْ يَعْلَمَ عِنْدَ الْإِرَادَةِ) ''الزیلعی'' نے کہا: اس کی کم از کم صورت یہ ہے کہ وہ اس طرح ہو کہ جب اس سے نماز کے متعلق پوچھا جائے تو بغیر غور وفکر کے اسے جواب دینا ممکن ہو۔ ''البحر'' میں اس پر اس طرح اعتراض کیا ہے کہ یہ ''ابن سلمۃ'' کا قول ہے۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ نماز کے دوران اور شروع کرتے وقت استحضار لازمی ہے۔ اور مذہب یہ ہے کہ متقدم نیت کے ساتھ متقدم شرط کے ساتھ نماز جائز ہے اگرچہ بلا غور وفکر جواب پر قادر نہ بھی ہو۔

میں کہتا ہوں: جو ہم نے پہلے پیش کیا تو اسے جان چکا ہے کہ ''ابن سلمہ'' کا قول ہے کہ نماز شروع کرتے وقت استحضار لازم ہے۔ اور ''الزیلعی'' کے کلام میں اس کی شرط نہیں ہے بلکہ وہ اس ادنیٰ علم کا بیان ہے جو نیت میں معتبر ہے نیت کے لئے

(وَالتَّلَفُّظُ) بِهَا عِنْدَ الْإِرَادَةِ (بِهَا مُسْتَحَبٌّ) هُوَ الْمُخْتَارُ، وَتَكُونُ بِلَفْظِ الْمَاضِي وَلَوْ فَارِسِيًّا لِأَنَّهُ الْأَغْلَبُ فِي الْإِنْشَاءَاتِ، وَتَصِحُّ بِالْحَالِ قُهُسْتَانِيٌّ (وَقِيلَ سُنَّةٌ) يَعْنِي أَحَبَّهُ السَّلَفُ أَوْ سَنَّهُ عُلَمَاؤُنَا، إِذْ لَمْ يُنْقَلْ عَنِ الْمُصْطَفَى وَلَا الصَّحَابَةِ وَلَا التَّابِعِينَ،

زبان سے نیت کرنا مستحب ہے یہی مختار ہے۔ اور ماضی کے لفظ کے ساتھ ہو اگر چہ فارسی میں ہو۔ کیونکہ انشا میں اغلب ماضی کا صیغہ ہوتا ہے اور حال کے صیغہ کے ساتھ صحیح ہے "قہستانی"۔ اور بعض نے فرمایا: زبان سے نیت کرنا سنت ہے یعنی سلف صالحین نے اس کو پسند کیا ہے یا اس کا معنی ہے ہمارے علما نے یہ طریقہ بنایا ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام اور تابعین سے منقول نہیں ہے۔

لازم ہے خواہ وہ نیت پہلے ہو یا شروع کرنے سے متصل ہو۔ اور اس توہم کو دور کرنے کے لئے الشارح نے فرمایا (عند الارادة) یعنی نیت کے وقت پھر میں نے "طحطاوی" کو دیکھا تو انہوں نے اس پر آگاہ کیا تھا۔

3675۔ (قولہ: وَتَكُونُ بِلَفْظِ الْمَاضِي) ماضی کے صیغہ کے ساتھ نیت کرے مثلاً میں نے نیت کی فلاں نماز کی۔

3676۔ (قولہ: لِأَنَّهُ) ضمیر کا مرجع ماضی ہے۔

3677۔ (قولہ: فِي الْإِنْشَاءَاتِ) جیسے عقود اور فسوخ۔ "طحطاوی"۔

3678۔ (قولہ: وَتَصِحُّ بِالْحَالِ) یعنی مضارع جس سے حال کی نیت کی گئی ہو مثلاً میں فلاں نماز پڑھتا ہوں۔

3679۔ (قولہ: وَقِيلَ سُنَّةٌ) اس کو "التحفہ" اور "الاختیار" میں امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ "البدائع" میں تصریح ہے کہ امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ نے اسے نماز میں ذکر نہیں کیا ہے بلکہ حج میں ذکر کیا ہے۔ پس فقہا نے نماز کو حج پر محمول کیا۔ اور "الحلبہ" مین ان پر اس کے ساتھ اعتراض ہوا ہے جو ہمارے مشائخ کی ایک جماعت نے ذکر کیا ہے کہ حج جب طویل وقت میں ہوتا ہے اور اس میں عوارض اور موانع لاحق ہوتے ہیں اور مشقت آمیز افعال حاصل ہوتے ہیں تو اس میں آسانی طلب کرنا پسند کیا گیا اور نماز میں اس کی مثل مشروع نہیں۔ کیونکہ نماز کا وقت تھوڑا ہوتا ہے یہ حج پر نماز کے قیاس کی نفی میں صریح ہے۔ "البحر" میں اس کو برقرار رکھا ہے۔

3680۔ (قولہ: يَعْنِي الخ) اس سے مصنف پر جو اعتراض ہوتا ہے اس کے لئے اشارہ کیا کہ دونوں قولوں کا معنی ایک ہے۔ اس کو مستحب کہا گیا ہے اس اعتبار سے کہ ہمارے علما نے اس کو پسند کیا ہے۔ اور سنت کہا گیا ہے اس اعتبار سے کہ یہ ہمارے علما کا طریقہ ہے نہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ ہے جیسا کہ یہ "البحر" میں تحریر ہے۔ "حلبی"۔

3681۔ (قولہ: إِذْ لَمْ يُنْقَلْ الخ) "الفتح" میں "بعض الحفاظ" کے حوالہ سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہ صحیح اور نہ ضعیف سند سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے آغاز میں یہ کہتے تھے کہ میں فلاں نماز پڑھتا ہوں اور نہ صحابہ اور تابعین سے ثابت ہے۔ "الحلبہ" میں زائد ہے کہ نہ ائمہ اربعہ سے ثابت ہے بلکہ منقول یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز کے لئے

بَلْ قِيلَ بِدْعَةٌ وَفِي الْمُحِيطِ أَنَّهُ يَقُولُ اللَّهُمَّ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُصَلِّيَ صَلَاةَ كَذَا فَيَسِّرْهَا لِي وَتَقَبَّلْهَا مِنِّي، وَسَيَجِيءُ فِي الْحَجِّ (وَجَازَ تَقْدِيمُهَا عَلَى التَّكْبِيرَةِ) وَلَوْ قَبْلَ الْوَقْتِ وَفِي الْبَدَائِعِ خَرَجَ مِنْ مَنْزِلِهِ يُرِيدُ الْجَمَاعَةَ فَلَمَّا انْتَهَى إِلَى الْإِمَامِ كَبَّرَ وَلَمْ تَحْضُرْهُ النِّيَّةُ

بلکہ بعض نے کہا: یہ بدعت ہے۔ اور ''المحیط'' میں ہے: وہ اس طرح نیت کرے اے اللہ میں فلاں نماز پڑھنے کا ارادہ کرتا ہوں میرے لئے اس کو آسان فرما اور مجھ سے اسے قبول فرما۔ جیسا کہ حج میں آئے گا اور نیت کو تکبیر تحریمہ سے مقدم کرنا جائز ہے اگر چہ وقت سے پہلے ہو۔ اور ''البدائع'' میں ہے: جو اپنے گھر سے جماعت کے ارادہ سے نکلا پھر جب امام تک پہنچا تو تکبیر کہہ دی اور نیت کو نہ کیا تو جائز ہے۔

کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے (1)۔

3682۔ (قولہ: بَلْ قِيلَ بِدْعَةٌ) اس کو ''الفتح'' میں نقل کیا ہے۔ ''الحلبہ'' میں فرمایا: شاید اشبہ یہ ہے کہ عزیمہ کو جمع کرنے کے ارادہ کے وقت زبان سے نیت کرنا بدعت حسنہ ہے کیونکہ انسان پر خیالات کا انتشار غالب رہتا ہے۔ نیز اس پر عمل اکثر زمانہ اور اکثر شہروں میں ہوتا ہے۔ پس ''مبسوط''، ''ہدایہ'' اور ''الکافی'' میں اس طرف گئے ہیں کہ اس کا یہ فعل (زبان سے نیت کرنا) اس لئے ہے تا کہ اپنے دل کے ارادہ کو جمع کر لے تو یہ اچھا ہے۔ پس وہ جو کہا گیا ہے کہ یہ مکروہ ہے، دور ہو گیا۔

3683۔ (قولہ: وَفِي الْمُحِيطِ يَقُولُ الخ) یہ اس قول کے مقابل ہے کہ وہ ماضی کے لفظ کے ساتھ ہو۔ اور (کما سیجیئ فی الحج) کے قول سے (مقولہ 9828 میں) اشارہ کیا ہے کہ وہ اس میں کہتا ہے: اے اللہ میں حج کا ارادہ کرتا ہوں تو اسے میرے لئے آسان کر دے اور اسے میری طرف سے قبول فرما۔ نماز اس پر قیاس کی گئی ہے اور اس میں جو سقم ہے وہ تم جان چکے ہو۔ ''الحلبہ'' میں فرمایا: اگر تسلیم کر لیا جائے کہ یہ نماز میں سنت ہونے کو مفید ہے تو اس لفظ سے ہونا مفید ہو گا نہ کہ اس طرح کہ میں نے نیت کی یا میں نیت کرتا ہوں جیسا کہ اس کے ساتھ تلفظ کرنے والے کرتے ہیں عام اور خاص۔ اور حاصل یہ ہے کہ یہ مشہور کے خلاف ہے پس اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔

3684۔ (قولہ: وَلَوْ قَبْلَ الْوَقْتِ) ''الحلبہ'' میں ''ابن ہبیرہ'' کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''احمد'' نے فرمایا: وقت کے داخل ہونے کے بعد نماز کے لئے نیت کو مقدم کرنا جائز ہے اور تکبیر سے پہلے کرنا بھی جائز ہے جب تک کسی عمل کے ساتھ اسے قطع نہ کر دے۔ پھر فرمایا: میں وقت کی شرط لگانے کی تصریح پر آگاہ نہیں ہوا۔ اگر یہ صحیح ہے تو یہ مشکل ہے۔ کیونکہ مذہب یہ ہے کہ نیت شرط ہے اس کا متصل ہونا شرط نہیں۔ پس وقت سے پہلے نیت کی ایجاد مضر نہیں اور وقت کے داخل ہونے کے بعد نماز شروع کرتے وقت تک اس کا متصل ہونا دوسری شروط کی طرح ہے۔ ''البحر'' اور ''النہر'' میں اس کی متابعت کی ہے۔ میں کہتا ہوں: استصحاب (اتصال) سے مراد اس کے دل سے شروع ہونے کے وقت تک نیت کا جدا نہ ہونا ہے جیسا کہ (واستصحابها الی وقت الشروع) کا قول تقاضا کرتا ہے تو اس میں ہے کہ یہ متصل نیت ہے۔ جبکہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب اثبات التکبیر فی کل خفض و رفع فی الصلوۃ الخ، جلد 1، صفحہ 439، حدیث نمبر 641

جَازَ، وَمُفَادُهُ جَوَازُ تَقْدِيمِ نية الِاقْتِدَاءِ أَيْضًا فَلْيُحْفَظْ (مَا لَمْ يُوجَدْ) بَيْنَهُمَا (قَاطِعًا مِنْ عَمَلٍ غَيْرِ لَائِقٍ بِصَلَاةٍ) وَهُوَ كُلُّ مَا يَمْنَعُ الْبِنَاءَ وَشَرَطَ الشَّافِعِيُّ قِرَانَهَا فَيُنْدَبُ عِنْدَنَا

اس کا مفاد یہ ہے کہ اقتدا کی نیت کو مقدم کرنا بھی جائز ہے اس کو یاد رکھنا چاہئے جبکہ نیت اور تکبیر کے درمیان کوئی ایسا عمل نہ پایا جائے جو نماز کے لائق نہ ہو۔ اس عمل سے مراد ہر وہ عمل ہے جو بنا سے مانع ہوتا ہے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے نیت کا تکبیر سے متصل ہونا شرط قرار دیا ہے اور ہمارے نزدیک مستحب ہے۔

کلام شروع ہونے کے وقت تک نیت کے اتصال کی شرط کے بغیر متقدم نیت میں ہو رہی ہے جیسا کہ اس کلام کا تقاضا ہے جو الشارح نے ''البدائع'' کے حوالہ سے نقل کی ہے۔ اور یہ نیت صحیح نہیں ہے جب وقت سے پہلے اس سے جدا ہو گئی ہو۔ کیونکہ نیت اگرچہ شروع ہونے کے لئے اس کا متصل ہونا شرط نہیں لیکن اس کے منافی عمل کا نہ ہونا شرط ہے۔ اور مخفی نہیں کہ وقت کا داخل نہ ہونا وقت کے فرض کی نیت کے منافی ہے۔ کیونکہ وقت کے دخول سے پہلے فرض نہیں کیا جاتا۔ پس غور کرنا چاہئے۔

3685۔ (قولہ: جَازَ) رہا فقہاء کا شرط لگانا کہ تکبیر اور نیت کے درمیان فاصل نہ ہو اس سے مراد یہ ہے کہ دنیا کے اعمال میں سے کوئی فاصل نہ ہو جیسا کہ ''التاتر خانیہ'' میں ہے۔ اور ''البحر'' میں ہے: اس سے مراد اجنبی فاصل ہے اور وہ ایسا کام ہے جو نماز کے مناسب نہیں جیسے کھانا، پینا اور کلام کرنا۔ کیونکہ یہ اعمال نماز کو باطل کر دیتے ہیں تو نیت کو بھی باطل کر دیں گے۔ رہا چلنا اور وضو کرنا تو یہ اجنبی عمل نہیں ہیں۔ کیا تو نے ملاحظہ نہیں کیا کہ جسے نماز میں حدث لاحق ہو جائے تو اس کے لئے چلا جانا اور وضو کرنا جائز ہے اور یہ بنا سے مانع نہیں ہے۔

3686۔ (قولہ: مُفَادُهُ) یعنی جو ''البدائع'' میں ہے اس کا مفاد وقت پر اقتدا کی نیت کو مقدم کرنا جائز ہے جیسے نماز کی نیت کو مقدم کرنا جائز ہے، یا مراد امام کے شروع کرنے پر اقتدا کی نیت کو مقدم کرنا جائز ہے۔ مزید مکمل کلام (مقولہ 4640 میں) آئندہ ہوگی۔

پھر اس مفاد کو ''النہر'' میں بطور بحث ذکر کیا ہے اور فرمایا: میں نے اس میں اس کے علاوہ نہیں دیکھا جو تو نے جان لیا ہے یعنی انہوں نے اس میں اس کے علاوہ نقل صریح نہیں دیکھی جس کا ''بدائع'' کا کلام فائدہ دیتا ہو۔

3687۔ (قولہ: بَيْنَهُمَا) یعنی نیت اور تکبیر کے درمیان۔

3688۔ (قولہ: وَهُوَ كُلُّ مَا يَمْنَعُ الْبِنَاءَ) یعنی اس شخص کو بنا سے مانع ہو جس کو حدث لاحق ہو گیا ہو۔ یہ چلنے اور وضو کرنے سے احتراز ہے۔ لیکن اس کلیہ میں نظر ہے کیونکہ قراءت بھی بنا سے مانع ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ قراءت نیت اور تکبیر کے درمیان فاصل نہیں ہے۔ پس بہتر بنا کی منع کا ذکر علی سبیل الاستیضاح (وضاحت طلب کرنا) ہے جیسا کہ ہم نے یہ ''البحر'' سے (مقولہ 3685 میں) ابھی نقل کیا ہے۔

حضور قلب اور خشوع

3689۔ (قولہ: وَشَرَطَ الشَّافِعِيُّ قِرَانَهَا) امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے نیت کو تکبیر کے ساتھ ملانا شرط کہا ہے۔ امام

(وَلَا عِبْرَةَ بِنِيَّةٍ مُتَأَخِّرَةٍ عَنْهَا) عَلَى الْمَذْهَبِ، وَجَوَّزَهُ الْكَرْخِيُّ إِلَى الرُّكُوعِ (وَكَفَى مُطْلَقُ نِيَّةِ الصَّلَاةِ) وَإِنْ لَمْ يَقُلْ لِلّٰهِ (لِنَفْلٍ وَسُنَّةٍ) رَاتِبَةٍ (وَتَرَاوِيحَ)

اور تکبیر تحریمہ سے متاخر نیت کا اعتبار نہیں مذہب کے مطابق اور الکرخی نے اس کو رکوع تک موخر کرنا جائز قرار دیا ہے۔ اور مطلق نماز کی نیت کافی ہے اگر چہ للہ (اللہ کے لئے) نہ بھی کہا ہو نوافل اور سنت موکدہ اور تراویح کے لئے

''طحطاوی'' اور ''محمد بن سلمہ'' نے بھی یہی کہا ہے۔ اور ''شرح المقدمہ الکیدانیہ للعلامہ القہستانی'' میں ہے: تکبیر تحریمہ کے وقت حضور قلب واجب ہے۔ پس اگر اس کا دل ارکان کے درمیان کسی مسئلہ میں غور و فکر کرنے میں مشغول ہوگا تو اعادہ مستحب نہ ہوگا۔ ''البقالی'' نے کہا: اس کا اجر کم نہ ہوگا مگر جب کمی کرے گا۔ بعض علما نے فرمایا: حضور قلب ہر رکن میں لازم ہے اور سہو کی وجہ سے مواخذہ نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ معاف ہے لیکن ثواب کا مستحق نہ ہوگا جیسا کہ ''المنیہ'' میں ہے۔ اور جنہوں نے یہ کہا ہے کہ اس کی نماز کی کوئی قیمت نہیں ہے جس میں اس کا دل نہیں تو ان کا قول معتبر نہیں جیسا کہ ''الملتقط''، ''الخزانہ'' اور ''السراجیہ'' وغیرھا میں ہے۔ جان لو کہ حضور قلب کا مطلب ہے ہر اس چیز سے دل کا فارغ ہونا ہے جو اس کے علاوہ ہے جس میں وہ مشغول ہے اور یہاں نمازی سے صادر ہونے والے قول اور فعل کے عمل کا علم ہونا ہے۔ یہ غیر مفہوم ہے کیونکہ لفظ کا علم، لفظ کے معنی کے علم کے علاوہ ہے۔

3690۔ (قولہ: وَلَا عِبْرَةَ بِنِيَّةٍ مُتَأَخِّرَةٍ) کیونکہ نیت سے خالی جز عبادت واقع نہ ہوگا اور اس پر باقی کی بنا نہیں کر سکتا۔ اور روزے میں نیت کو متاخر کرنا ضرورت کے لئے جائز قرار دیا گیا ہے۔ ''بہنسی''۔ حتیٰ کہ اگر اللہ کہتے وقت اکبر سے پہلے نیت کی تو جائز نہیں ہوگا کیونکہ اللہ کے قول سے شروع صحیح ہوتا ہے گویا اس نے تکبیر کے بعد نیت کی۔ ''حلبہ'' عن ''البدائع''۔

3691۔ (قولہ: إِلَى الرُّكُوعِ) اس میں ہے کہ ''الکرخی'' نے رکوع وغیرہ پر کوئی نص قائم نہیں کی۔ اس قول پر تخریج میں فقہاء نے اختلاف کیا کہ نیت کی انتہا ثنا تک ہے یا رکوع تک ہے یا رکوع سے سر اٹھانے تک ہے یا بیٹھنے تک ہے۔ یہ ''حلبی'' نے فائدہ ذکر کیا ہے۔

3692۔ (قولہ: وَكَفَى) نفل، سنت یا تعداد کی قید کے بغیر نماز کا قصد کرے۔

3693۔ (قولہ: لِنَفْلٍ) یہ بالاتفاق ہے۔

3694۔ (قولہ: سُنَّةٍ) اگر فجر کی سنت ہو حتیٰ کہ اگر دو رکعت نماز تہجد پڑھی پھر واضح ہوا کہ یہ تو فجر کے بعد پڑھی ہیں تو وہ دو نفل، سنت فجر کے قائم مقام ہو جائیں گی اور اسی طرح اگر چار رکعتیں پڑھیں اور آخری دو فجر کے بعد واقع ہوئیں تو آخری دو سنت فجر شمار ہوں گی۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے ''خلاصہ''۔ اسی طرح چار رکعتیں جن کے ساتھ اس نے آخر ظہر کی نیت کی جس کو میں نے جمعہ کی صحت میں شک کے وقت پایا پھر جمعہ کی صحت واضح ہوگئی اور اس پر ظہر کی نماز نہیں ہے تو وہ چار رکعتیں جمہور کے قول پر جمعہ کی سنت کے قائم مقام ہو جائیں گی۔ کیونکہ وصف لغو ہو جائے گا اور اصل باقی ہوگا اور اس کے ساتھ سنت ادا ہو

عَلَى الْمُعْتَمَدِ، إِذْ تَعْيِينُهَا بِوُقُوعِهَا وَقْتَ الشُّرُوعِ، وَ التَّعْيِينُ أَحْوَطُ (وَلَا بُدَّ مِنَ التَّعْيِينِ عِنْدَ النِّيَّةِ فَلَوْ جَهِلَ الْفَرْضِيَّةَ لَمْ يَجُزْ

معتمد قول پر۔ کیونکہ شروع ہونے کے وقت ان کے وقوع سے ان کی تعیین ہو جاتی ہے۔ اور تعیین کرنا احوط ہے۔ اور نیت کے وقت تعیین کرنا ضروری ہے۔ اگر فرض سے ناواقف ہو تو جائز نہ ہوگا۔

جائے گی جیسا کہ ''الفتح'' میں اس کو تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ ''النہر'' اور ''البحر'' میں اس کو ثابت کیا ہے اور یہ اس صورت کے خلاف ہے کہ ظہر کی نماز میں پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہوا پھر چھٹی رکعت ساتھ ملالی تو وہ دو رکعتیں ظہر کی سنتوں کے قائم مقام نہ ہوں گی شروع ہونا مقصود نہیں تھا۔

3695۔ (قولہ: عَلَى الْمُعْتَمَدِ) یعنی دونوں تصحیح شدہ قولوں میں سے معتمد قول۔ اس پر اعتماد کیا کیونکہ ''البحر'' میں ہے: یہ ''ظاہر الروایہ'' ہے اور ''المحیط'' میں اس کو عامۃ المشائخ کا قول بنایا ہے اور ''الفتح'' میں اس قول کو ترجیح دی ہے اور اس کو محققین کی طرف منسوب کیا ہے۔

3696۔ (قولہ: إِذْ تَعْيِينُهَا الخ) کیونکہ سنت وہ ہے جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخصوص محل میں مواظبت کی ہو۔ جب اس میں نمازی نے اس سنت کو ادا کیا تو اس نے اس فعل کو ادا کیا جس کو سنت کہا جاتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سنت کی نیت نہیں کرتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے لئے نماز کی نیت کرتے تھے۔ اس کی مکمل تحقیق ''الفتح'' میں ہے۔

3697۔ (قولہ: وَالتَّعْيِينُ) یعنی نیت کے ساتھ تعیین (احوط) ہے یعنی تصحیح کے اختلاف کی وجہ سے۔ ''بحر''۔

3698۔ (قولہ: وَلَا بُدَّ مِنَ التَّعْيِينِ) پس اگر کسی کی نماز عصر فوت ہوگئی پھر اس نے وہ چار رکعتیں پڑھیں جو اس پر لازم ہیں جبکہ اس کا خیال ہے کہ اس پر ظہر کی نماز لازم ہے تو یہ جائز نہ ہوگی جیسے اگر کوئی قضا نماز پڑھے جو اس پر لازم تھی جبکہ وہ اسے جانتا نہیں ہے۔ اسی لئے امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے بارے میں کہا جس کی نماز فوت ہوگئی ہو اور وہ اس پر مشتبہ ہوگئی ہو تو وہ پانچوں نمازیں پڑھے تا کہ اسے یقین ہو جائے۔ ''فتح''۔ یعنی اس فوت شدہ نماز کو متعین کرنا ممکن نہیں مگر اسی طرح۔ اور ''الاشباہ'' میں ہے: وقت کی تنگی کے ساتھ تعیین ساقط نہیں ہوتی کیونکہ اگر وہ تنگ وقت میں نفلوں میں شروع ہوا تو صحیح ہوگا اگرچہ حرام ہے۔

3699۔ (قولہ: عِنْدَ النِّيَّةِ) خواہ نیت شروع ہونے سے پہلے ہو یا متصل ہو اگر معین فرض کی نیت کی اور اس میں شروع ہوا پھر بھول گیا اور اسے اس نے نفل گمان کیا تو وہ اسے اپنے گمان پر مکمل کرے تو جو اس نے نیت کی تھی اس پر ہوگا جیسا کہ ''البحر'' میں ہے۔

3700۔ (قولہ: فَلَوْ جَهِلَ الْفَرْضِيَّةَ) یعنی پانچوں نمازوں کی فرضیت سے ناواقف ہو مگر یہ کہ وہ انہیں اپنے اپنے وقت میں پڑھے۔ فرضیت سے جہالت کی وجہ سے اس کی نماز جائز نہ ہوگی اور اس پر اس کی قضا لازم ہوگی۔ کیونکہ اس نے فرض کی نیت نہیں کی مگر جب وہ امام کے ساتھ پڑھے اور امام کی نماز کی نیت کرے (تو اس کی نماز ہو جائے گی)۔ ''بحر عن الظہیریۃ''

وَلَوْ عَلِمَ وَلَمْ يُمَيِّزْ الْفَرْضَ مِنْ غَيْرِهِ، إنْ نَوَى الْفَرْضَ فِي الْكُلِّ جَازَ، وَكَذَا لَوْ أَمَّ غَيْرَهُ فِيمَا لَا سُنَّةَ قَبْلَهَا (لِفَرْضٍ) أَنَّهُ ظُهْرٌ أَوْ عَصْرٌ قَرَنَهُ بِالْيَوْمِ أَوْ الْوَقْتِ أَوْ لَا

اگر کوئی پانچوں نمازوں کی فرضیت جانتا ہو اور اس نے سنتوں وغیرہ سے فرض کی تمیز نہیں کی اگر اس نے تمام میں فرض کی نیت کی تو جائز ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے دوسرے کی امامت کرائی ایسی نماز میں جس سے پہلے سنتیں نہیں ہیں تو نماز جائز ہوگی۔ اور فرض کے لئے تعیین ضروری ہے کہ یہ ظہر ہے یا عصر ہے اس کے ساتھ یوم یا وقت کو ملائے یا نہ ملائے۔

3701۔(قولہ: وَلَوْ عَلِمَ الخ) یعنی پانچوں نمازوں کی فرضیت جانے لیکن فرض کو سنت اور واجب سے ممتاز نہ کرے۔

3702۔(قولہ: جَازَ) یعنی اس کا فعل صحیح ہے۔

3703۔(قولہ: وَكَذَا لَوْ أَمَّ غَيْرَهُ) یعنی جو فرض کو سنتوں اور واجب سے ممتاز نہیں کرتا جب وہ تمام میں فرض کی نیت کرے گا تو اس کا امام ہونا جائز ہوگا اور اس کی اقتدا صحیح ہوگی لیکن ایسی نماز میں جس سے پہلے سنت نہ ہوں یعنی ایسی نماز میں جس سے پہلے اس کی مثل رکعات کی تعداد میں نماز نہ پڑھی ہو۔ کیونکہ اگر اس سے پہلے اس کی مثل نماز پڑھ چکا ہوگا تو اس سے فرض ساقط ہو گیا ہوگا اور یہ بعد والی نماز نفل ہوگی اور فرض پڑھنے والے کی اقتدا نفل پڑھنے والے کے پیچھے صحیح نہیں ہے۔

3704۔(قولہ: لِفَرْضٍ) یہ تعیین کے متعلق ہے۔ ''الاشباہ'' میں فرمایا: میں نے فرض عین میں فرض عین کی نیت کا حکم اور فرض کفایہ میں فرض کفایہ کی نیت کا حکم نہیں دیکھا۔ اور رہا واجب کے ترک کی وجہ سے ان کا لوٹانا تو اس میں شک نہیں کہ یہ کمی کو پورا کرنے کے لئے ہے فرض نہیں ہیں۔ پس اس پر لازم ہے کہ وہ یہ نیت کرے کہ یہ نماز کا لوٹانا پہلی نماز کی کمی کو پورا کرنے کے لئے ہے۔ اس قول پر کہ فرض ساقط نہیں ہوتا مگر اس کی نیت سے فرضیت کی نیت کے شرط میں کوئی خفا نہیں۔ ''البیری'' نے امام ''سرخسی'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ دوسرا قول اصح ہے۔

3705۔(قولہ: أَنَّهُ ظُهْرٌ) ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ، یہ التعیین کا مفعول ہے یا حرف جار کے حذف پر ہے یعنی بانہ۔

3706۔(قولہ: قَرَنَهُ بِالْيَوْمِ أَوْ الْوَقْتِ أَوْ لَا) یعنی ان میں سے کسی چیز کے ساتھ نہیں ملایا۔ اس کا اطلاق ان تینوں میں شامل ہے جب وہ فرض اپنے وقت میں ہو یا وقت سے خارج ہو جبکہ اسے وقت کے خروج کا علم ہو یا علم نہ ہو۔ پس تین کو تین سے ضرب دینے سے نو مسائل بنتے ہیں۔ رہا یہ کہ اگر اس نے آج کے ساتھ فرض کو ملایا اس طرح نیت کی آج کے ظہر کی نیت کی تو تینوں صورتوں میں صحیح ہے جیسا کہ الشارح ذکر کریں گے۔ رہا یہ کہ اس نے وقت کے ساتھ ملایا اس طرح کہ اس نے وقتی ظہر کی نیت کی اگر وہ وقت میں ہوگی تو ایک قول میں صحیح ہوگی، اور اگر وقت سے خارج ہوگی ساتھ اسے وقت کے خروج کا علم ہوگا تب بھی صحیح ہوگی اس قول پر جو ''الشرنبلالی'' نے ''الدرر'' کی عبارت سے اس کے حاشیہ میں سمجھا۔ کیونکہ عصر کا وقت اس کے لئے ظہر نہیں ہے پس اس سے مراد وہ ظہر ہوگی جو اس وقت میں قضا کی جائے گی۔ اور اگر اسے وقت کے خروج کا علم نہ ہو اور وہ وقت کے بعد ہو تو پھر صحیح نہیں ہوگی جیسا کہ ''الفتح''، ''الخانیہ''، ''الخلاصہ'' وغیرہا میں ہے۔ اس پر جزم کیا ہے۔ ''المصنف'' اور ''الشارح'' نے آئندہ عبارت میں اور یہی وہ مفہوم ہے جو ''النہر'' میں ''الزیلعی'' کی عبارت سے سمجھا ہے۔ جو

هُوَ الْأَصَحُّ (وَلَوْ) الْفَرْضُ (قَضَاءً) لَكِنَّهُ يُعَيِّنُ ظُهْرَ يَوْمِ كَذَا عَلَى الْمُعْتَمَدِ،

یہی اصح قول ہے اگرچہ فرض قضا پڑھ رہا ہو۔ لیکن معتمد قول پر فلاں دن کی ظہر کی تعیین کرے

''البحر'' میں سمجھا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ اور یہ وہی ہے جس کا ''الشارح'' کا اطلاق تقاضا کرتا ہے کہ یہ صحیح ہے۔

''المنیہ'' میں ''المحیط'' سے نقل کیا ہے کہ یہی مختار ہے۔ لیکن ''شرح المنیہ'' میں اس کا رد کیا ہے بلکہ ''الحلبہ'' میں فرمایا: یہ غلط ہے درست وہ ہے جو مشاہیر کتب میں ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ رہی یہ صورت کہ اس نے اس کو کسی چیز کے ساتھ نہیں ملایا اس طرح کہا کہ ظہر کی نیت کی، مطلق ذکر کیا اگر وہ وقت میں ہے تو اس میں تصحیح شدہ دو قول ہیں۔ بعض نے کہا: صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ وقت دوسرے کسی دن کی ظہر کو قبول کرتا ہے۔ بعض نے کہا: صحیح ہے کیونکہ اس کے لئے وقت متعین ہے۔ اس پر ''الفتح''، ''المعراج'' اور ''الاشباہ'' میں فقہا چلے ہیں۔ ''العنایہ'' میں اس کی تائید کی ہے پھر فرمایا: میں کہتا ہوں متقدم شرط، اور وہ دل سے جاننا ہے کہ وہ کون سی نماز پڑھ رہا ہے، ان مقالات وغیرھا کے مادہ کو ختم کر دیتی ہے کیونکہ اس پر اعتماد ہے کیونکہ اس کے ساتھ تمیز کا حصول ہوتا ہے اور یہی مقصود ہے۔

اور اگر وہ وقت کے باہر ادا کر رہا ہے اور اسے وقت کے خروج کا علم نہ ہو تو ''النہر'' میں ہے کہ ''الظہیریہ'' میں جو ہے اس کا ظاہر یہ ہے کہ ارجح قول پر یہ جائز ہے اور اگر وقت کے خروج کا علم ہو تو ''حلبی'' نے بحث کی ہے کہ صحیح نہیں ہے اور ''الطحطاوی'' نے اس کی مخالفت کی ہے۔

میں کہتا ہوں: جو ''العنایہ'' سے (اسی مقولہ میں) گزر چکا ہے اس کی وجہ سے یہی قول اظہر ہے۔ رہا یہ کہ جب آج کے فرض یا وقتی فرض کی نیت کی تو یہ نو اقسام کے ساتھ (مقولہ 3728 میں) آئے گا۔ ''فافہم''

3707۔ (قولہ: هُوَ الْأَصَحُّ) یہ ''اولا'' کے قول کی قید ہے یعنی جب ظہر کی نیت کرے اور اس کے ساتھ آج یا وقت کو نہ ملائے اور وہ وقت کے اندر ہو تو اصح قول صحت کا ہے جیسا کہ ''الظہیریہ'' میں ہے۔ اسی طرح ''الفتح'' وغیرہ میں ہے جیسا کہ ہم نے پہلے پیش کیا ہے۔ اور یہ اس کا رد ہے جو ''الخلاصہ'' میں ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ اس کو ''البحر'' اور ''النہر'' میں نقل کیا ہے جو ''الظہیریہ'' میں ہے اس پر رد نہیں ہے۔ ''فافہم''

3708۔ (قولہ: لَكِنَّهُ يُعَيِّنُ الخ) یعنی نماز اور اس کے دن کی تعیین کرے ''اشباہ''۔ یہ بھیڑ کی صورت میں ہے اور بھیڑ نہ ہو تو پھر نہیں۔ جیسے اگر کسی کے ذمہ ایک فوت شدہ ظہر کی نماز ہو تو اس کے لئے یہ نیت کرنا کافی ہے کہ جو ظہر کی نماز اس کے ذمہ ہے اگرچہ وہ نہ جانتا ہو کہ وہ کس دن کی ہے۔ ''حلبہ''۔ فافہم۔

3709۔ (قولہ: عَلَى الْمُعْتَمَدِ) اس کا مقابل قول وہ ہے جو ''المحیط'' میں ہے کہ جب بہت سی نمازیں قضا ہونے کی وجہ سے ترتیب ساقط ہو جائے گی تو ظہر کی نیت کافی ہے اس کے علاوہ نہیں۔ یعنی روزے پر قیاس کرتے ہوئے دن کی تعیین لازم نہیں۔

وَالْأَسْهَلُ نِيَّةُ أَوَّلِ ظُهْرٍ عَلَيْهِ أَوْ آخِرِ ظُهْرٍ وَفِي الْقُهُسْتَانِيِّ عَنْ الْمُنْيَةِ لَا يُشْتَرَطُ ذَلِكَ فِي الْأَصَحِّ وَسَيَجِيءُ آخِرَ الْكِتَابِ (وَوَاجِبٍ) أَنَّهُ وِتْرٌ
اور زیادہ آسان یہ ہے کہ اول ظہر یا آخر ظہر کی نیت کرے۔ اور ''القهستانی'' میں ''المنیۃ'' کے حوالہ سے ہے: اصح قول میں یہ شرط نہیں ہے۔ اور یہ آخر کتاب میں آئے گا۔ اور واجب کے لئے تعیین ضروری ہے اور واجب وتر

3710۔ (قولہ: وَالْأَسْهَلُ) جب بھیڑ پائی گئی ہو جیسے دو دنوں سے دو ظہر کی نمازیں قضا ہوں اور ان کی تعیین معلوم نہ ہو تو اس صورت میں آسان یہ ہے کہ اول ظہر یا آخر ظہر کی نیت سے نماز پڑھے۔

3711۔ (قولہ: لَا يُشْتَرَطُ ذَلِكَ) یعنی اول ظہر یا آخر ظہر کی نیت شرط نہیں بلکہ صرف ظہر کی نیت اسے کافی ہو گی۔ جیسا کہ ''المحیط'' کے حوالہ سے (مقولہ 3709 میں) گزر چکا ہے۔

3712۔ (قولہ: سَيَجِيءُ) یعنی (مقولہ 36909 میں) آئے گا۔ جس کو ''القهستانی'' نے کتاب کے آخر میں مسائل شتی میں صحیح کہا ہے اسے ''الکنز'' کے متن کی متابعت کرتے ہوئے متن میں لکھا ہے۔ اور ''الشارح'' نے وہاں ''الاشباہ'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ یہ جو ہمارے اصحاب جیسے ''قاضی خان'' وغیرہ نے ذکر کیا ہے اس کے مخالف ہے اور اصح شرط ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح وہاں ''الملتقی'' کے متن میں اس کو صحیح کہا ہے۔ پس تصحیح مختلف ہوئی۔ پس شرط ہونا احوط ہے۔ اس پر ''الفتح'' میں جزم کیا ہے۔

3713۔ (قولہ: وَوَاجِبٍ) لفرض پر عطف کی وجہ سے مجرور ہے۔ اور ''البحر'' میں واجب سے شمار کیا ہے ان نوافل کی قضا جو شروع کر کے توڑ دیئے گئے ہوں، عیدین کی نمازیں، طواف کی دو رکعتیں اور ''الدرر'' میں جنازہ کا اضافہ ہے۔ لیکن ''الاشباہ'' میں ہے: خطبہ کے لئے فرضیت کی نیت شرط نہیں اگرچہ ہم نے خطبہ کے لئے نیت کی شرط لگائی ہے۔ کیونکہ نفلی خطبہ نہیں ہوتا۔ پس نماز جنازہ بھی اسی طرح ہونا چاہئے کیونکہ وہ بھی صرف فرض ہوتا ہے جیسا کہ فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے۔ اسی وجہ سے جنازہ نفلاً لوٹایا نہیں جاتا۔ اور اس کی تائید فقہاء کی اس پر نص کرتی ہے کہ وہ اللہ کے لئے نماز کی اور میت کے لئے دعا کی نیت کرتا ہے فرضیت کی تعیین کا ذکر نہیں کیا۔

3714۔ (قولہ: أَنَّهُ وِتْرٌ) یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اس میں نیت نہ کرے کہ یہ واجب ہے کیونکہ اس میں اختلاف ہے ''زیلعی''۔ یعنی وجوب کی تعیین لازم نہیں۔ اس سے مراد وجوب کی نیت کرنے سے منع کرنا نہیں۔ کیونکہ اگر وہ حنفی ہو گا تو اسے وجوب کی نیت کرنی چاہئے تا کہ اس کے اعتقاد کے مطابق ہو جائے اگر وہ غیر حنفی ہو گا تو اسے یہ مضر نہیں۔ ''البحر'' میں باب الوتر میں یہی ذکر ہے۔

پھر تم جان لو کہ جو شرح ''العینی'' میں یہ قول ہے: رہا وتر تو اصح یہ ہے کہ اس میں مطلق نیت کافی ہے۔ تو یہ قول مشکل ہے کیونکہ اس کا ظاہر یہ ہے کہ مطلق نماز کی نیت کافی ہے جیسے نفل مگر اسے اس پر محمول کیا جائے جو ہم نے ''الزیلعی'' کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ مطلق وتر کی نیت سے۔ اسی وجہ سے فرمایا: مطلق نیت اسے کفایت کرے گی۔ مطلق نیت نماز نہیں کہا جبکہ ان

أَوْ نَذْرٌ أَوْ سُجُودُ تِلَاوَةٍ وَكَذَا شُكْرٍ، بِخِلَافِ سَهْوٍ (دُونَ) تَعْيِينِ (عَدَدِ رَكَعَاتِهِ) لِحُصُولِهَا ضِمْنًا،

یا نذر یا سجدہ تلاوت ہے اور اسی طرح سجدہ شکر ہے بخلاف سجدہ سہو کے رکعتوں کی تعداد کی تعیین کے بغیر۔ کیونکہ ان کا حصول ضمناً ہو جاتا ہے۔

دونوں میں باریک سا فرق ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے جو ہم نے کہی ہے۔

3715۔ (قولہ: أَوْ نَذْرٌ) کبھی نذر فوراً پوری کی جاتی ہے کبھی معلق ہوتی ہے جیسے جب مریض کو شفا ہو جائے گی۔ غائب واپس آ جائے گا تو میں اتنے نفل پڑھوں گا پس ظاہر یہ ہے کہ اس کے ساتھ اس کی تعیین ضروری ہے۔ کیونکہ اس کے اسباب مختلف ہیں اور جس پر اس کو معلق کیا گیا ہے اس کی انواع مختلف ہیں فرض میں عدم اکتفا کی دلیل کی وجہ سے اس کی تخصیص کے بغیر جیسے ظہر۔ یہ "الحلبی" نے فائدہ ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا ثمرہ مزاحم کے وقت ظاہر ہوتا ہے جیسے اگر کسی پر منجز اور معلق نذر ہو، یا دو نذریں ہوں جو دو امر سے معلق ہو ورنہ نہیں جیسا کہ ابھی ہم نے (مقولہ 3708 میں) فوت شدہ کی قضا کے بارے میں "الحلبہ" سے بیان کیا ہے۔ "فافہم"

3716۔ (قولہ: أَوْ سُجُودُ تِلَاوَةٍ) مگر جب نماز میں آیت سجدہ کی تلاوت کرے اور فوراً سجدہ ادا کرے۔ اور بہت سے سجدات تلاوتیہ کی تعیین واجب نہیں اگر تلاوت مکرر ہو جیسا کہ سجدہ تلاوت کے باب میں (مقولہ 6392 میں) آئے گا۔

3717۔ (قولہ: وَكَذَا شُكْرٍ، بِخِلَافِ سَهْوٍ) میں نے جو "النہر" میں بطور بحث دیکھا ہے وہ اس کے برعکس ہے جو شارح نے ذکر کیا ہے۔ شاید زیادہ بہتر یہاں سجدہ شکر کی طرف نسبت ہے۔ کیونکہ سجدہ کسی سبب کی وجہ سے ہوتا ہے جیسے تلاوت اور شکر کبھی سبب کے بغیر ہوتا ہے۔ جیسا کہ عوام نماز کے بعد کرتے ہیں وہ مکروہ ہے جیسا کہ "الزاہدی" نے اس پر نص قائم کی ہے۔ جب مزاحم (رش، بھیڑ) پایا جائے تو سبب کے بیان کے لئے تعیین ضروری ہے ورنہ بالاتفاق مکروہ ہوگا۔

اس پر مبنی ہے اگر کوئی شخص اس سجدے میں سو جائے یا اس کے لئے تیمم کرے اگر وہ سجدہ مشروع ہوگا تو اس کی طہارت نہیں ٹوٹے گی اور اس تیمم کے ساتھ اس کی نماز صحیح ہوگی ورنہ نہیں جیسا کہ فقہاء نے "امام صاحب" رحمۃ اللہ علیہ اور "صاحبین" رحمۃ اللہ علیہما کے درمیان سجدہ شکر کی مشروعیت اور عدم مشروعیت میں اختلاف کے ثمرہ میں ذکر کیا ہے۔ پس ظاہر ہوا کہ اس کی تعیین ضروری ہے تاکہ مشروع غیر مشروع سے ممتاز ہو جائے۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ نفل میں تعیین شرط نہیں ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور سجدہ شکر مشروعیت کے باوجود نفل ہے۔ اس کی تعیین شرط نہ ہوگی۔ ہم کہیں گے: یہ اس حکم سے خارج ہے اس دلیل کی وجہ سے کہ نماز اپنی ذات میں عبادت ہے اس سے مشروعیت دور نہیں ہوتی مگر کسی سبب سے جو لاحق ہو بخلاف سجدہ کے جو نماز سے باہر ہوتا ہے وہ فی نفسہ عبادت نہیں ہے بلکہ شکر یا تلاوت کے عارض کی وجہ سے عبادت ہوتا ہے۔ پس مطلق نماز مشروع فعل کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ اسی وجہ سے اس کی تعیین شرط نہیں بخلاف مطلق سجدہ کے کیونکہ وہ غیر مشروع کی طرف پھر جاتا ہے۔ کیونکہ وہ مشروع نہیں ہوا مگر کسی سبب سے۔ پس اس سبب کی تعیین ضروری ہے تاکہ مشروع ہو جائے اور تلاوت اور سہو میں مشروعیت میں مزاحمات سے ممتاز ہو جائے۔ فافہم۔ یہ میرے فہم قاصر کے لئے ظاہر ہوا ہے۔

فَلَا يَضُرُّ الْخَطَأُ فِي عَدَدِهَا (وَيَنْوِي) الْمُقْتَدِي (الْمُتَابَعَةَ) لَمْ يَقُلْ أَيْضًا لِأَنَّهُ لَوْ نَوَى الِاقْتِدَاءَ بِالْإِمَامِ أَوْ الشُّرُوعَ فِي صَلَاةِ الْإِمَامِ وَلَمْ يُعَيِّنْ الصَّلَاةَ صَحَّ فِي الْأَصَحِّ

رکعتوں کی تعداد میں خطا مضر نہیں ہے۔ مقتدی امام کی متابعت کی نیت کرے۔ مصنف نے ایضاً (بھی) کا لفظ ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ اگر امام کی اقتدا کی نیت کرے یا امام کی نماز میں شروع ہونے کی نیت کرے اور نماز کی تعیین نہ کرے تو اصح قول کے مطابق صحیح ہے

رہا سجدہ سہو تو ''حلبی'' نے ذکر کیا ہے کہ جب یہ نماز میں واجب کی کمی کو پورا کرنے والا ہے تو یہ واجب کا بدل ہوا اور نماز کے بعض کی نیت شرط نہیں۔ اسی طرح اس کے بدل کی نیت شرط نہیں۔

پھر میں نے ''اشباہ'' میں دیکھا فرمایا: مطلق نماز صحیح نہیں مگر نیت کے ساتھ۔ پھر فرمایا: سجدہ تلاوت نماز کی طرح ہے اسی طرح سجدہ شکر اور سجدہ سہو ہے۔ شاید یہی اظہر قول ہے۔

تتمہ

سجدہ صلبیہ اور اس کے حکم کا ذکر نہیں کیا۔ اس کی نیت واجب ہے جب اس کے درمیان اور اس کے محل کے درمیان ایک رکعت کا فاصلہ ہو جائے۔ اگر فاصلہ رکعت سے کم ہو تو واجب نہیں جیسا کہ ''فتاویٰ ہندیہ'' میں ہے۔ ''فتامل''

3718۔ (قولہ: فَلَا يَضُرُّ الْخَطَأُ فِي عَدَدِهَا) ظاہر یہ ہے کہ خطا قید نہیں ہے۔ ''الاشباہ'' میں ہے: جس میں تعیین شرط نہیں ہے اس میں خطا مضر نہیں جیسے نماز کے مکان، اس کے زمانہ اور رکعات کی تعداد کی تعیین۔ اور اس سے ہے جب ادا کو معین کر دیا تو ظاہر ہو گیا کہ وقت نکل چکا ہے یا قضا کو متعین کیا تو ظاہر ہو گیا کہ وقت باقی ہے۔ ''جامع الفتاویٰ'' میں ''الخانیہ'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ افضل رکعات کی تعداد کی نیت کرنا ہے۔ پھر فرمایا: بعض علماء نے کہا: تعداد کا تلفظ مکروہ ہے کیونکہ یہ فضول ہے اور اس کی حاجت نہیں ہے۔ اور دوسرا قول غور و فکر سے خالی نہیں ہے۔

3719۔ (قولہ: وَيَنْوِي الْمُقْتَدِي) مقتدی امام کی اقتدا کی نیت کرے۔ رہا امام تو اسے امامت کی نیت کی ضرورت نہیں جیسا کہ آگے آئے گا۔

3720۔ (قولہ: لَمْ يَقُلْ أَيْضًا) ایضاً کا لفظ نہیں کہا جیسا کہ ''الکنز'' اور ''الملتقی'' وغیرہما میں ہے۔

3721۔ (قولہ: صَحَّ فِي الْأَصَحِّ) اسی طرح یہ ''الزیلعی'' وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ ''بحر''۔

میں کہتا ہوں: پہلے مسئلہ کا ذکر ''الخانیہ'' میں ہے۔ اور فرمایا: جائز نہیں ہے۔ کیونکہ امام کی اقتدا کبھی فرض میں ہوتی ہے کبھی نفل میں ہوتی ہے۔ بعض نے کہا: جائز ہے۔

''شرح المنیہ'' میں فرمایا: پس ظاہر ہوا کہ جواز بعض کا قول ہے اور اس کا عدم جواز مختار قول ہے۔

میں کہتا ہوں: متون کا قول ''ینوی المتابعة ایضا'' اس کی تائید کرتا ہے۔ اسی طرح ''الہدایہ'' کا قول ہے: نماز اور

وَإِنْ لَمْ يَعْلَمْ بِهَا لِجَعْلِهِ نَفْسَهُ تَبَعًا لِصَلَاةِ الْإِمَامِ، بِخِلَافِ مَا لَوْ نَوَى صَلَاةَ الْإِمَامِ وَإِنِ انْتَظَرَ تَكْبِيرَهُ فِي الْأَصَحِّ لِعَدَمِ نِيَّةِ الِاقْتِدَاءِ إِلَّا فِي جُمُعَةٍ وَجِنَازَةٍ وَعِيدٍ عَلَى الْمُخْتَارِ لِاخْتِصَاصِهَا بِالْجَمَاعَةِ

اگرچہ امام کی نماز کو نہ جانتا ہو۔ کیونکہ اس نے اپنے آپ کو امام کی نماز کے تابع کر دیا۔ بخلاف اس صورت کے اگر وہ امام کی نماز کی نیت کرے اگرچہ اس کی تکبیر کا انتظار بھی کرے۔ اصح قول میں (اس کی اقتدا صحیح نہ ہوگی) کیونکہ اقتدا کی نیت نہیں ہے مگر مختار قول پر جمعہ اور جنازہ میں (اقتدا صحیح ہوگی) کیونکہ یہ نمازیں جماعت کے ساتھ خاص ہیں۔

امام کی متابعت کی نیت کرے۔ اس کی مثل ''المجمع'' اور کثیر کتب میں ہے بلکہ ''المنبع'' میں فرمایا: یہ اجماع کیساتھ ہے۔ رہا دوسرا مسئلہ وہ اس کے مخالف نہیں ہے جو متون میں ہے۔ کیونکہ اس میں متابعت کے ساتھ تعیین ہے۔ اسی وجہ سے ''الخانیہ'' میں فرمایا: ''کیونکہ جب امام کی نماز میں شروع ہونے کی نیت کی تو وہ اس طرح ہو گیا گویا امام کا مقتدی بنتے ہوئے امام کے فرض کی نیت کی''۔ ''فتدبر''۔

اس کا مقتضا یہ ہے کہ اس کا شروع ہونا صحیح ہے اور وہ مقتدی ہو گیا اگرچہ اس نے اقتدا کی نیت کی تصریح نہیں کی۔ لیکن ''الفتح'' میں ہے: جب امام کی نماز شروع ہونے کی نیت کرے ''ظہیر الدین'' نے کہا: اس پر اسے زیادہ کرنا چاہئے کہ میں نے امام کی اقتدا کی۔

3722۔ (قوله: وَإِنْ لَمْ يَعْلَمْ بِهَا) یعنی اگرچہ امام کی نماز کو نہ جانتا ہو۔

3723۔ (قوله: تَبَعًا لِصَلَاةِ الْإِمَامِ) بہتر تبعاللامام ہے جیسا کہ ''الزیلعی'' نے تعبیر کیا ہے۔

3724۔ (قوله: لِعَدَمِ نِيَّةِ الِاقْتِدَاءِ) یہ ''بخلاف الخ'' کے قول کی علت ہے۔ رہا پہلی صورت میں تو اس نے صرف نماز کو متعین کیا اس سے اقتدا کی نیت لازم نہیں ہوتی۔ اور رہا دوسری صورت میں تو انتظار کبھی اقتدا کے لئے ہوتا ہے اور کبھی عادت کے طور پر ہوتا ہے پس شک کی وجہ سے مقتدی نہیں بنے گا جیسا کہ ''البدائع'' میں ہے۔ اور بعض فقہاء نے فرمایا: جب انتظار کرے پھر تکبیر کہے تو صحیح ہے اور ''شرح المنیہ'' میں اس کو اچھا سمجھا ہے کیونکہ یہ نیت کے قائم مقام ہے۔

میں کہتا ہوں: مخفی نہیں کہ کلام دل میں اقتدا کے نہ ہونے اور امام کی اقتدا کا قصد نہ ہونے کے بارے میں ہے ورنہ نیت حقیقۃً موجود ہوتی ہے۔

3725۔ (قوله: فِي جُمُعَةٍ) یہ متن سے استثنا ہے یعنی اقتدا کی نیت سے تعیین اس کو کفایت کرتی ہے یا یہ ''بخلاف مالونویٰ صلاۃ الامام'' سے استثنا ہے۔

3726۔ (قوله: وَجِنَازَةٍ وَعِيدٍ) ''الاحکام'' میں دونوں کو ''عمدۃ المفتی'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

3727۔ (قوله: لِاخْتِصَاصِهَا) یعنی مذکورہ تینوں جماعت کے ساتھ خاص ہیں۔ پس ان کی نیت اقتدا کی نیت کو متضمن ہوگی۔ ''الاحکام'' میں فرمایا: نماز جنازہ میں بحث ہے مگر یہ کہا جائے کہ جب اس کا تکرار نہیں ہوتا اور امامت میں ولی کا حق ہے تو نماز جنازہ نہیں ہو سکتی مگر امام کے ساتھ۔

(وَلَوْ نَوَى فَرْضَ الْوَقْتِ) مَعَ بَقَائِهِ (جَازَ إِلَّا فِي الْجُمُعَةِ) لِأَنَّهَا بَدَلٌ (إِلَّا أَنْ يَكُونَ عِنْدَهُ)

اور اگر وقتی فرض کی نیت کی وقت کی بقا کے ساتھ تو جائز ہے مگر جمعہ میں جائز نہیں کیونکہ جمعہ ظہر کا بدل ہے مگر اس کے

اس بنا پر یہ غیر ولی کے ساتھ مقید ہوگا۔ پس اگر نماز جنازہ کی کسی ایسے شخص نے امامت کرائی جس کو ولایت نہیں تھی پھر ولی حاضر ہوا تو امام کے ساتھ اقتدا کی نیت سے تعیین ضروری ہے ورنہ وہ اپنی نماز میں شروع ہونے والا ہوگا۔ کیونکہ اس کے لئے نماز جنازہ کا اعادہ جائز ہے اگرچہ اکیلا بھی ہو۔ پس اس کے حق میں اختصاص نہیں ہے۔

3728۔ (قولہ: وَلَوْ نَوَى فَرْضَ الْوَقْتِ الخ) جان لو کہ یہاں نو مسائل بنتے ہیں جیسا کہ ہم نے پہلے (مقولہ 3706 میں) ذکر کیا ہے کیونکہ یا تو فرض کو وقت کے ساتھ ملائے گا یا آج کے دن کے ساتھ ملائے گا یا مطلق رکھے گا۔ اور ہر صورت میں یا وہ وقت سے باہر ہوگا نیز اسے وقت کی وجہ کا علم ہوگا یا خروج کا علم نہ ہوگا۔ اگر اس نے آج کے دن کے ساتھ ملایا ہوگا اس طرح کہ آج کے فرض کی نیت کی تو اپنی تینوں اقسام کے ساتھ صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ آج کا فرض متنوع ہے۔ اور اس کی مثل وہ صورت ہے اگر مطلق رکھے اگر اس نے وقت کے ساتھ ملایا ہوگا تو وقت میں جائز ہوگا۔ اور یہ وہی ہے جو المصنف نے ذکر کیا ہے۔ اور اگر وقت سے باہر ہوا اور وقت کے نکلنے کا علم بھی ہو تو ''حلبی'' نے کہا: جائز نہیں۔

میں کہتا ہوں: ''البنایہ'' کے حوالہ سے ''الاشباہ'' کے قول سے متبادر یہی ہے کہ اگر وقت کے نکلنے کے بعد وقتی فرض کی نیت کی تو جائز نہیں اور اگر اسے وقت کے نکلنے میں شک ہے تو جائز ہے۔ لیکن یہ ''الزیلعی'' کے قول کے مفہوم کے خلاف ہے کہ وہ وقت کے نکلنے کو نہ جانتا ہو۔ فتامل۔ اگر وقت کے خروج کا علم نہ ہو تو ''زیلعی'' کے قول کی وجہ سے جائز نہیں۔ ''زیلعی'' کا قول یہ ہے: مثلاً اسے وقتی ظہر کی نیت کرنا کافی ہے یا وقتی فرض کی نیت کرنا ہے جبکہ وقت باقی ہو۔ کیونکہ تعیین پائی گئی ہے۔ اور اگر وقت نکل چکا ہو اور وہ نہ جانتا ہو تو جائز نہیں کیونکہ وقتی فرض اس حالت میں ظہر کے علاوہ ہے۔ اور ''التاتر خانیہ'' میں ہے: اگر وقت کے نکلنے کے بعد نماز پڑھی دراں حالیکہ وہ وقت کا نکلنا نہیں جانتا تھا۔ پس اس نے وقتی فرض کی نیت کی تو جائز نہیں اور یہی صحیح ہے۔ لیکن ''الاشباہ'' کا (اس مقولہ میں) گزشتہ قول اس کے مخالف ہے: اگر اسے وقت کے نکلنے میں شک ہو تو جائز ہے۔

کبھی اس طرح جواب دیا جاتا ہے کہ یہ صحیح کے خلاف پر مبنی ہے اور شک اور عدم علم کے درمیان تفرقہ کے جواب میں نظر ہے۔ کیونکہ مثلاً جو ظہر کے وقت کے نکلنے کو نہیں جانتا اور وہ وقتی فرض کی نیت کرتا ہے تو اس کی مراد ظہر کا وقت ہوگا کیونکہ وہ ظہر کے وقت کی بقا کا گمان رکھتا ہے۔ اس کے باوجود ہم نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ جائز نہیں ہے۔ پس جسے وقت کی بقا اور خروج میں شک ہو اس کا عدم جواز اولیٰ ہے۔ فافہم۔

3729۔ (قولہ: لِأَنَّهَا بَدَلٌ) یعنی کیونکہ ہمارے نزدیک وقت کا فرض ظہر ہے جمعہ نہیں ہے لیکن ظہر کو ساقط کرنے کے لئے جمعہ کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے اگر کوئی جمعہ کے فوت ہونے سے پہلے ظہر کی نماز پڑھ لے تو ہمارے نزدیک ظہر کی نماز صحیح ہے۔ امام ''زفر'' اور ائمہ ثلاثہ کا نظریہ اس کے خلاف ہے۔ اگرچہ اس پر اکتفا حرام ہے۔ ''شرح المنیہ''۔ لیکن باب الجمعہ میں (مقولہ 6685 میں) آئے گا کہ اعتماد یہ ہے کہ جمعہ اصل ہے بدل نہیں ہے۔ یہ قول ضعیف ہے جیسا کہ ہم

فِي اعْتِقَادِهِ (أَنَّهَا فَرْضُ الْوَقْتِ) كَمَا هُوَ رَأْيُ الْبَعْضِ فَتَصِحُّ (وَلَوْ نَوَى ظُهْرَ الْوَقْتِ فَلَوْ مَعَ بَقَائِهِ) أَيْ الْوَقْتِ (جَازَ) وَلَوْ فِي الْجُمُعَةِ (وَلَوْ مَعَ عَدَمِهِ) بِأَنْ كَانَ قَدْ خَرَجَ (وَهُوَ لَا يَعْلَمُهُ لَا) يَصِحُّ فِي الْأَصَحِّ وَمِثْلُهُ فَرْضُ الْوَقْتِ، فَالْأَوْلَى نِيَّةُ ظُهْرِ الْيَوْمِ لِجَوَازِهِ مُطْلَقًا

اعتقاد میں جمعہ فرض وقتی ہو جیسا کہ بعض علما کی رائے ہے تو صحیح ہوگا۔ اگر وقتی ظہر کی نیت کی پھر اگر تو وقت باقی ہے تو جائز ہے اگر چہ جمعہ میں ہو اگر چہ وقت کے نہ ہونے کے ساتھ ہو اس طرح کہ وقت نکل چکا ہو اور وہ اسے نہ جانتا ہو تو اصح قول میں صحیح نہ ہوگی اس کی مثل وقتی فرض ہے۔ بہتر آج کی نیت ہے۔ کیونکہ اس کا مطلقاً جواز ہے

(مقولہ 6685 میں) وہاں وضاحت کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

3730۔ (قولہ: فِي اعْتِقَادِهِ) یہ عندہ کے قول کی تفسیر ہے یہ اسی کے حذف پر ہے۔ ''طحطاوی''۔

3731۔ (قولہ: وَلَوْ فِي الْجُمُعَةِ) اسی طرح ''الشرنبلالیہ'' میں ہے۔ جبکہ میرے لئے اس کی وجہ ظاہر نہیں ہوئی ''حلبی''۔ میں کہتا ہوں: شاید مراد یہ ہو کہ اگر معذور نے جمعہ کے دن وقتی ظہر کی نیت کی تو جائز ہے یعنی بغیر کسی تفریق کے کہ اس کا اعتقاد یہ ہو کہ یہ وقتی فرض ہے یا وقتی فرض نہیں ہے۔ اس کے ذکر کا فائدہ وہاں ظاہر ہوگا۔ رہا جمعہ کی نماز میں ظہر کی نیت تو وہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ ''الاحکام'' میں ''النافع'' کے حوالہ سے ہے۔ اور اس میں ''فیض الغفار شرح المختار'' کے حوالہ سے ہے: اگر جمعہ کے علاوہ میں وقتی ظہر کی نیت کی اگر ظہر کے وقت میں تھی تو صحیح قول پر جائز ہے اور ''في غير الجمعة'' کا قول الجمعہ سے احتراز ہے۔

3732۔ (قولہ: وَهُوَ لَا يَعْلَمُهُ) یعنی وقت کے نکلنے کا اسے علم نہ ہو۔ اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر وہ وقت کے نکلنے کے متعلق جانتا ہو تو صحیح ہے جیسا کہ ہم نے ''الشرنبلالیہ'' کے حوالہ سے (مقولہ 3706 میں) پہلے بیان کیا ہے۔

3733۔ (قولہ: لَا يَصِحُّ فِي الْأَصَحِّ) بلکہ ہم نے ''الحلبہ'' کے حوالہ سے (مقولہ 3706 میں) پہلے بیان کیا ہے کہ یہی درست ہے۔ جو ''البحر'' میں صاحب ''البحر'' نے سمجھا ہے وہ اس کے خلاف ہے اگر چہ محشی نے اس کو ترجیح دی ہے۔

3734۔ (قولہ: وَمِثْلُهُ فَرْضُ الْوَقْتِ) یعنی وقت ظہر کی مثل ہے اس بات میں کہ وقت نکلنے کے بعد جبکہ وہ وقت کے نکلنے کے متعلق نہیں جانتا تو اصح قول میں صحیح نہیں ہے جیسا کہ ہم نے ابھی ''التاتر خانیہ'' اور ''الزیلعی'' کے حوالہ سے (مقولہ 3728 میں) بیان کیا ہے۔ جو ''الاشباہ'' میں ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ وہ اصح کے خلاف ہے جیسا کہ تو نے جان لیا ہے۔ فافہم۔

3735۔ (قولہ: لِجَوَازِهِ مُطْلَقًا) یعنی اگر چہ وقت نکل چکا ہو۔ کیونکہ اس نے اس کی نیت کی جو اس پر لازم تھا۔ اور اس کے خلاص کی جگہ ہے جسے وقت کے نکلنے میں شک ہے۔ ''زیلعی''۔ یعنی بخلاف ظہر کے وقت کے کیونکہ ظہر، وقت کے خروج سے آج کی ظہر ہونے سے خارج نہیں ہوتی اور وقت کے خروج سے وقتی ظہر ہونے سے خارج ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اسے آج کی ظہر کہنا صحیح ہے وقتی ظہر کہنا صحیح نہیں ہے۔

لِصِحَّةِ الْقَضَاءِ بِنِيَّةِ الْأَدَاءِ كَعَكْسِهِ هُوَ الْمُخْتَارُ
کیونکہ ادا کی نیت سے قضا نماز صحیح ہے جیسا کہ قضا کی نیت سے ادا نماز صحیح ہے یہی مختار ہے۔

کیونکہ یہ وقت ظہر کے لئے نہیں ہے۔ کیونکہ الف، لام عہد کے لئے ہے جنس کے لئے نہیں۔ پس اس کی طرف منسوب نہیں ہوگا۔ ''شرح المنیہ''۔

ادا کی نیت سے قضا اور قضا کی نیت سے ادا نماز صحیح ہے

3736۔ (قولہ: لِصِحَّةِ الْقَضَاءِ بِنِيَّةِ الْأَدَاءِ الخ) یہ تعلیل ظاہر ہوتی ہے جب ادا کی نیت کرے۔ رہی یہ صورت کہ جب نیت خالی ہو تو صحیح نہ ہوگی ''ط''۔ اور مناسب وہ ہے جو ''الاشباہ'' میں ''الفتح'' کے حوالہ سے ہے: اگر وقت کی بقا کے گمان پر ادا کی نیت کرے پھر وقت کا خروج ظاہر ہو تو جائز ہوگی اور اسی طرح اس کا عکس ہے۔ پھر ''کشف الاسرار'' سے نقل کرتے ہوئے اس کی اس قول سے مثال دی ہے کہ جیسے اس شخص کی نیت جس نے آج کی ظہر کی ادا کی نیت کی وقت کے نکلنے کے بعد اس گمان پر کہ وقت باقی ہے، اور جیسے اس قیدی کی نیت جس پر رمضان مشتبہ ہو گیا اس نے ایک مہینہ کے لئے تحری کی اور ادا کی نیت سے روزے رکھے پھر اس کے روزے رمضان کے بعد واقع ہوئے، اور اس کے برعکس جیسے اس کی نیت جس نے ظہر کی قضا کی نیت کی اس گمان پر کہ وقت نکل چکا ہے حالانکہ ابھی وقت نکلا نہیں تھا، اور جیسے اس قیدی کی نیت جس نے قضا کی نیت سے روزے رکھے اس گمان پر کہ رمضان گزر چکا ہے۔ اس میں صحت اس اعتبار سے ہے کہ وہ نیت کی اصل کو لایا لیکن گمان میں غلطی کی اور اس کی مثل میں خطا معاف ہے۔

میں کہتا ہوں: وہ اصل نیت کو لایا اس کا معنی یہ ہے کہ اس نے دل میں آج کی ظہر کی تعیین کی جس کی نماز کا اس نے ارادہ کیا۔ پس اس کے لئے اس کا وصف ادا یا قضا ہونے کے ساتھ مضر نہیں بخلاف اس صورت کے جب اس نے ظہر کی نماز کی قضاءً نیت کی جبکہ وہ ظہر کے وقت میں تھا اور اس نے اس آج کی نماز کی نیت نہیں کی تھی تو وقتی نماز کی طرف سے یہ نماز صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ قضا کی نیت سے اس نے اسے اس دن سے پھیر دیا ہے اور اس سے وقتی نماز کی نیت نہیں پائی گئی حتیٰ کہ قضا کے ساتھ اس کا وصف لغو ہو۔ پس تعیین نہیں پائی گئی۔ اور اسی طرح اگر اس نے ظہر کی ادا کی نیت کی اور اس پر فوت شدہ ظہر تھی تو یہ نماز اس کی طرف سے صحیح نہ ہوگی اگرچہ وہ وقتی نماز پڑھ چکا تھا اس وجہ سے جو ہم نے بیان کی ہے۔

وہ شخص جو کئی سالوں سے ظہر کی نماز وقت سے پہلے پڑھتا چلا آ رہا ہے کی قضا کا حکم

اس سے اس مسئلہ کا جواب ظاہر ہوا جو بعض شوافع نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ ایک شخص پر سال گزر گئے جبکہ وہ ظہر کی نماز وقت سے پہلے پڑھتا چلا آ رہا ہے کیا اس پر ایک ظہر کی قضا لازم ہے یا تمام نمازوں کی قضا لازم ہے۔ بعض نے پہلے قول کے ساتھ جواب دیا ہے اس بنا پر کہ قضا کی نیت شرط نہیں۔ پس ہر روز کی نماز پہلے دن کی قضا کے طور پر ہوگی۔ دوسرے علما نے اس کی مخالفت کی ہے۔ اور بعض محققین نے توفیق دی ہے کہ اگر ہر روز اس نے اپنے اوپر فرض ظہر کی نماز کی نیت کی تھی بغیر اس کی

(وَمُصَلِّي الْجِنَازَةِ يَنْوِي الصَّلَاةَ لِلّٰهِ تَعَالَى، وَيَنْوِي أَيْضًا (الدُّعَاءَ لِلْمَيِّتِ)

نماز جنازہ پڑھنے والا اللہ تعالیٰ کے لئے نماز کی اور میت کے لئے دعا کی بھی نیت کرے

تقیید کے جس کے وقت کے دخول کا اس نے ابھی گمان کیا ہے تو جو پہلا قول ہے وہ متعین ہو گیا۔ اور اگر اس نے اس نماز کی نیت کی جس کے وقت کے اب دخول کا گمان کیا ہے اور اس کو ادا سے تعبیر کیا ہے یا نہیں تو دوسرا قول متعین ہو گیا۔ کیونکہ اس نے اپنے وقتی نماز کے قصد سے فوت شدہ نماز سے اس نماز کو پھیر دیا ہے۔ مخفی نہیں کہ یہ تفصیل ہمارے مذہب کے قواعد کے موافق ہے۔ رہا پہلا قول تو وہ اس لئے کہ ہم نے جو ''الزیلعی'' کے حوالہ سے (مقولہ 3735 میں) پیش کیا ہے اس شخص کے بارے میں جس نے وقت کے نکلنے کے بعد آج کی ظہر کی نیت کی تو وہ صحیح ہے۔ کیونکہ اس نے اس کی نیت کی جو اس پر لازم تھا اور یہاں کوئی مزاحم نہیں پایا گیا حتیٰ کہ فوت شدہ کے دن کی تعیین لازم ہو۔ پس جو اس کے ذمہ ہے اس کی نیت اسے کافی ہے جیسا کہ ''الحلبہ'' کے حوالہ سے (مقولہ 3708 میں) گزر چکا ہے۔ رہا دوسرا قول تو وہ اس لئے درست ہے کہ ہم نے اسے (اس مقولہ میں) ابھی ثابت کیا ہے۔ پھر میں نے اپنے علماء کے نزدیک روزے میں اس کی تصریح دیکھی اور وہ یہ ہے کہ اگر قیدی نے تحری کر کے کئی سال روزے رکھے پھر ظاہر ہوا کہ اس نے ہر سال رمضان سے قبل ایک مہینہ روزے رکھے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کے ہر سال کے روزے پہلے سال کی طرف سے جائز ہوں گے بعض نے فرمایا: نہیں۔ ''البحر'' میں فرمایا: ''المحیط'' میں اس کی تصحیح کی ہے کہ اگر مبہم طور پر رمضان کے روزوں کی نیت کی تو وہ قضا روزوں کی طرف سے جائز ہوگا اور اگر دوسرے سال کی طرف سے روزے رکھے یہ نیت کرتے ہوئے کہ یہ دوسرے سال کے ہیں تو جائز نہ ہوں گے۔ ''البدائع'' میں فرمایا: اس کی ابوجعفر نے اس شخص کے ساتھ مثال دی ہے جس نے امام کی اقتدا کی اس گمان پر کہ وہ زید ہے وہ عمرو تھا تو صحیح ہے اور اگر زید کی اقتدا کی اور وہ عمرو تھا تو صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ پہلی صورت میں امام کی اقتدا کی تھی مگر اس کے گمان پر غلطی ہوئی تو یہ قدح کا باعث نہیں۔ اور دوسری صورت میں زید کی اقتدا کی۔ پس جب وہ زید نہیں تھا تو ظاہر ہوا کہ اس نے کسی کی اقتدا نہیں کی۔ اسی طرح یہاں جب ہر سال کے روزے کی نیت اس واجب کی طرف سے کی جو اس پر تھا تو واجب کی نیت اس کے ساتھ معلق ہو گئی جو اس پر لازم تھا نہ پہلے اور دوسرے کے ساتھ معلق ہوئی۔ مگر اس نے گمان کیا کہ یہ دوسرے سال کے لئے ہے تو اس کے گمان میں غلطی ہوئی۔ پس یہ روزہ اس واجب کی طرف سے ہوگا جو اس پر لازم تھا نہ اس کی طرف سے جو اس نے گمان کیا۔

اور اس کا حاصل یہ ہے کہ جب اپنے واجب روزے کی نیت کی کسی مخصوص سال کی طرف سے ہونے کی قید کے بغیر تو وہ گزشتہ سال کی طرف سے صحیح ہوں گے اگرچہ اس کا گمان ہو کہ یہ گزشتہ سال کے بعد والے سال کے لئے ہے۔ اس تحریر کو غنیمت سمجھ۔

3737۔ (قولہ: وَمُصَلِّي الْجِنَازَةِ) نماز جنازہ میں تعیین کے بیان میں شروع ہو رہا ہے۔ ''طحطاوی''۔

3738۔ (قولہ: يَنْوِي الصَّلَاةَ لِلّٰهِ تَعَالَى) اسی طرح ''المنیہ'' میں ہے۔ ''الحلبہ'' میں فرمایا: ''المحیط الرضوی''،

لِأَنَّهُ الْوَاجِبُ عَلَيْهِ فَيَقُولُ أُصَلِّي لِلّٰهِ دَاعِيًا لِلْمَيِّتِ
کیونکہ نیت کرنا واجب ہے پس وہ کہے میں نیت کرتا ہوں اللہ کے لئے نماز پڑھنے کی دعا کرتے ہوئے میت کے لئے

''التحفہ'' اور ''البدائع'' میں ہے: نماز جمعہ، عیدین، نماز جنازہ اور نماز وتر کی نیت کرنی چاہئے۔ کیونکہ تعیین نیت سے حاصل ہوتی ہے۔ رہا وہ جو ''المصنف'' نے ذکر کیا ہے وہ ثابت نہیں ہے۔ اور ممکن ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ صرف میت کے لئے دعا کی نیت نہ کرے اس کو دیکھتے ہوئے کہ اس نماز میں نہ رکوع ہے نہ سجدہ ہے نہ قراءت ہے اور نہ تشہد ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ اس سے اظہر ہے جو ''جامع الفتاویٰ'' میں ہے کہ جو مصنف نے ذکر کیا ہے اس سے یہ ضروری ہے کہ اگر میت مذکر ہو تو نماز میں اس کی نیت ضروری ہے۔ اور اسی طرح عورت، بچہ اور بچی ہو تو اس کی نیت ضروری ہے۔ اور جو یہ نہ جانتا ہو کہ یہ مذکر ہے یا مؤنث ہے تو اس طرح کہے: میں نیت کرتا ہوں اس میت پر نماز پڑھنے کی جس پر امام نماز پڑھ رہا ہے۔ پس غور کرنا چاہئے۔ قریب ہی (مقولہ 3740 میں) وہ عبارت آئے گی جو پہلے قول کی تائید کرے گی۔

یہ ''حلبی'' نے بطور بحث ذکر کیا ہے کہ سبب کی تعیین ضروری ہے اور وہ ایک میت ہے یا زیادہ۔ اگر دو جنازوں کا ارادہ کیا تو دونوں کی اکٹھی نیت کرے یا اگر ایک کی نیت کی تو اس کی تعیین ضروری ہے۔ جو ''الشارح'' نے ''الاشباہ'' کے حوالہ سے ذکر کیا ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے۔

3739۔ (قولہ: لِأَنَّهُ الْوَاجِبُ عَلَيْهِ) اسی طرح ''الزیلعی'' نے کہا ہے۔ ''البحر'' اور ''النہر'' میں اس کی متابعت کی ہے۔ اس کی وجہ وہ ہے جس کی طرف المحقق ''ابن الہمام'' گئے ہیں جہاں انہوں نے فرمایا: فقہا کے کلام سے مفہوم یہ ہے کہ جنازہ کے ارکان دعا، قیام اور تکبیر ہے۔ کیونکہ فقہا کا قول ہے کہ جنازہ حقیقت میں دعا ہے اور جنازہ سے دعا ہی مقصود ہے۔ اور ''النتف'' میں ہے: یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کے قول میں حقیقت میں دعا ہے اور نماز نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں نہ قراءت ہے نہ رکوع ہے اور نہ سجود ہے۔

پس اس کی حقیقت چونکہ دعا ہے تو اس کا وجوب اس میں دعا کے اعتبار سے ہے اگر ہم کہیں کہ جنازہ میں دعا رکن نہیں ہے جیسا کہ ''البحر'' وغیرہ میں اس کو اختیار کیا ہے جیسا کہ (مقولہ 7415 میں) کتاب الجنائز میں آئے گا اس وقت لانہ الواجب میں ضمیر دعا کی طرف لوٹے گی۔ رہا رکنیت کے قول پر تو یہ ظاہر ہے۔ جنازہ کے تمام ارکان سے اس کو خاص کیا گیا ہے کیونکہ جنازہ سے مقصود دعا ہے۔ اور رہا سنت کے قول پر تو دعا سے مراد نماز کی ماہیت ہے نہ کہ نفس دعا جو اس میں موجود ہے کیونکہ تو نے جان لیا ہے کہ جنازہ کی حقیقت دعا ہے۔ کیونکہ نماز جنازہ پڑھنے والا میت کے لئے شفاعت کرنے والا ہے۔ پس وہ میت کے لئے اس نماز کے ساتھ دعا کرنے والا ہے اگرچہ دعا کا تلفظ نہ بھی کیا ہو۔ گویا کہا گیا ہے: کیونکہ یہ نماز اس پر واجب ہے۔ اس محل کا حل یہی ہونا چاہئے۔ فافہم۔

3740۔ (قولہ: فَيَقُولُ الخ) یہ نیت کاملہ کا بیان ہے۔ ''حلبی''۔

میں کہتا ہوں: ''الفتاویٰ الہندیہ'' کے کتاب الجنائز میں ''المضمرات'' کے حوالہ سے ہے کہ امام اور قوم نیت کریں اور

(وَإِنْ اشْتَبَهَ عَلَيْهِ الْمَيِّتُ) ذَكَرٌ أَمْ أُنْثَى (يَقُولُ نَوَيْت أَنْ أُصَلِّيَ مَعَ الْإِمَامِ عَلَى مَنْ يُصَلِّي عَلَيْهِ) الْإِمَامُ، وَأَفَادَ فِي الْأَشْبَاهِ بَحْثًا أَنَّهُ لَوْ نَوَى الْمَيِّتَ الذَّكَرَ فَبَانَ أَنَّهُ أُنْثَى أَوْ عَكْسُهُ لَمْ يَجُزْ، وَأَنَّهُ لَا يَضُرُّ تَعْيِينُ عَدَدِ الْمَوْتَى إلَّا إذَا بَانَ أَنَّهُمْ أَكْثَرُ لِعَدَمِ نِيَّةِ الزَّائِدِ

اور اگر اس پر میت مشتبہ ہو جائے کہ مذکر ہے یا مونث ہے تو اس طرح کہے: میں امام کے ساتھ اس شخص پر نماز پڑھنے کی نیت کرتا ہوں جس پر امام نماز پڑھ رہا ہے۔ اور ''الاشباہ'' میں بطور بحث فائدہ ذکر کیا ہے کہ اگر میت مذکر کی اس نے نیت کی پھر ظاہر ہوا کہ وہ مونث ہے یا اس کے برعکس ہو تو جائز نہ ہوگی۔ اور مردوں کی تعداد کی تعیین مضر نہیں مگر جب ظاہر ہو کہ وہ زیادہ ہیں کیونکہ زائد کی نیت نہیں ہے۔

کہیں میں اس فریضہ کو ادا کرنے کی نیت کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے امام کی اقتدا کرتے ہوئے۔ اگر امام نے دل میں سوچ لیا کہ وہ نماز جنازہ ادا کر رہا ہے تو صحیح ہے۔ اور اگر مقتدی نے کہا: میں نے امام کی اقتدا کی تو جائز ہوگا۔

اس سے ظاہر ہوا کہ وہ صیغہ جو ''المصنف'' نے ذکر کیا ہے وہ نیت میں لازم نہیں ہے بلکہ دل میں نماز جنازہ کی ادا کی خالص نیت کافی ہے جیسا کہ ہم نے ''الحلبہ'' کے حوالہ سے (مقولہ 3738 میں) پہلے بیان کیا ہے۔ اور میت کی تعیین لازم نہیں وہ مذکر ہو یا مونث ہو۔ جو ''جامع الفتاویٰ'' کے حوالہ سے (مقولہ 3738 میں) گزرا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔

3741۔ (قولہ: لَمْ يَجُزْ) کیونکہ میت امام کی طرح ہے۔ پس میت کی تعیین میں خطا امام کی تعیین میں خطا کی طرح ہے۔ ''حلبی''۔ یعنی جب معین کیا تو وہ لازم ہوا جو اس نے متعین کیا اگرچہ اصل تعیین لازم نہیں ہے جیسا کہ ابھی تو نے (سابقہ مقولہ میں) جان لیا ہے۔ اور ''الطحطاوی'' میں ''البحر'' کے حوالہ سے ہے: اگر میت پر نماز کی نیت کی یہ گمان کرتے ہوئے کہ فلاں ہے جبکہ وہ کوئی اور تھا تو نماز صحیح ہے۔ اگر مخصوص شخص پر نماز کی نیت کی جبکہ وہ کوئی اور تھا تو صحیح نہیں ہے۔ اور اگر اس میت پر نماز جنازہ کی نیت کی جو کہ فلاں ہے پس وہ کوئی اور نکلا تو جائز ہوگی۔ کیونکہ اشارہ کے ساتھ اس نے اس کی تعریف کر دی تو نام لغو ہو گیا۔ اس بنا پر ہمارے مسئلہ میں عدم جواز کی قید اس کے ساتھ ہونی چاہئے جس میں اس کی طرف اشارہ نہ کیا ہو۔

3742۔ (قولہ: وَأَنَّهُ لَا يَضُرُّ الخ) یعنی جب عدد کو متعین کیا تو مذکور تعیین کسی حالت میں اسے مضر نہیں خواہ جو اس نے متعین کیا اس کے موافق ہے یا اس کے مخالف ہے مگر جب مردوں کی تعداد زیادہ ہو اس تعداد سے جو اس نے متعین کی۔ اس ترکیب کا یہ صحیح معنی ہے اس میں خوبصورت چہروں میں کالک کے سوا کچھ نہیں۔ فافہم۔

3743۔ (قولہ: إلَّا إذَا بَانَ الخ) یہ ظاہر ہے جب امام ہو۔ اور اگر مقتدی ہو اور کہے: میں اس پر نماز پڑھتا ہوں جن پر امام نماز پڑھ رہا ہے اور وہ دس مردے ہیں پھر ظاہر ہوا کہ وہ دس سے زیادہ ہیں تو مضر نہیں۔ عدم جواز مقید ہونا چاہئے اس صورت کے ساتھ جب امام کہے میں دس مردوں پر نماز پڑھتا ہوں۔ رہا یہ کہ جب وہ کہے میں ان دس پر نماز پڑھتا ہوں پھر ظاہر ہوا کہ وہ زیادہ تھے تو اشارہ کے پائے جانے کی وجہ سے جواز میں کوئی کلام نہیں۔ ''بیری''۔

3744۔ (قولہ: لِعَدَمِ نِيَّةِ الزَّائِدِ) نہیں کہا جائے گا کہ اس کا مقتضی یہ ہے کہ جو مقدار اس نے متعین کی اس پر نماز

(وَالْإِمَامُ يَنْوِي صَلَاتَهُ فَقَطْ) وَ (لَا) يُشْتَرَطُ لِصِحَّةِ الِاقْتِدَاءِ نِيَّةُ (إمَامَةِ الْمُقْتَدِي) بَلْ لِنَيْلِ الثَّوَابِ عِنْدَ اقْتِدَاءِ أَحَدٍ بِهِ لَا قَبْلَهُ كَمَا بَحَثَهُ فِي الْأَشْبَاهِ (لَوْ أَمَّ رِجَالًا) فَلَا يَحْنَثُ فِي لَا يَؤُمُّ أَحَدًا

امام صرف اپنی نماز کی نیت کرے اور اقتدا کی صحت کے لئے مقتدی کی امامت کی نیت شرط نہیں بلکہ جب اس کی کوئی اقتدا کرے تو ثواب کے حصول کے لئے امامت کی نیت کرے اس سے پہلے نہیں جیسا کہ ''الاشباہ'' میں اس پر بحث کی ہے۔ اگر کسی نے مردوں کی امامت کرائی تو اس کی قسم نہ ٹوٹے گی اس صورت میں جب اس نے کہا تھا میں کسی کی امامت نہیں کراؤں گا

صحیح ہوگی۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں جب ہر وہ جو معین سے زائد ہونے کے ساتھ موصوف ہے اس کی نماز باطل ہے۔ ''طحطاوی''۔

3745۔ (قوله: وَالْإِمَامُ يَنْوِي صَلَاتَهُ فَقَطْ) کیونکہ وہ اپنی ذات کے حق میں منفرد ہے۔ ''بحر''۔ یعنی امام کے حق میں وہی شرط ہے جو منفرد کے حق میں گزشتہ طریقہ پر بغیر کسی اضافی چیز کے نماز کی نیت شرط ہے بخلاف مقتدی کے۔ پس مقصود اس خیال کو دفع کرنا ہے کہ وہ مقتدی کی طرح ہے تو اس کے لئے امامت کی نیت شرط ہوگی جس طرح مقتدی کے لئے اقتدا کی نیت شرط ہے۔ کیونکہ وہ دونوں ایک نماز میں شریک ہیں اور فرق یہ ہے کہ مقتدی کو اپنے امام کی جہت سے فساد لازم ہوتا ہے۔ پس التزام ضروری ہے جس طرح کہ امام کے لئے عورتوں کی امامت کی نیت شرط ہے۔ جیسے کہ آگے آئے گا۔

حاصل وہ ہے جو ''الاشباہ'' میں کہا ہے کہ اقتدا صحیح نہیں ہے مگر اس کی نیت سے۔ اور امامت امامت کی نیت کے بغیر صحیح ہے۔ ''الکرخی'' اور ''ابو حفص الکبیر'' کا نظریہ مختلف ہے۔

لیکن اس کی استثنا کی جاتی ہے جس کی امامت بطریق استخلاف (نماز ٹوٹنے کی صورت میں کسی کو اپنا نائب بنانا) ہو کیونکہ وہ امام نہیں بنتا جب تک امامت کی نیت نہ کرے۔ یہ بالاتفاق ہے جیسا کہ ''المعراج'' کے باب استخلاف میں اس پر نص موجود ہے۔ (مقولہ 5062 میں) وہاں یہ بحث آئے گی۔

3746۔ (قوله: بَلْ لِنَيْلِ الثَّوَابِ) اس کا عطف لصحة الاقتداء پر ہے یعنی مقتدی کی امامت کی نیت شرط ہے تا کہ امام جماعت کے ثواب کو پالے۔

اور عِنْدَ اقْتِدَاءِ أَحَدٍ بِهِ کا قول ''نیته'' کے متعلق ہے جو ''بل'' کے بعد مقدر ''یشترط'' کا نائب فاعل ہے۔

اور ''لا قبله'' کا قول اس پر معطوف ہے۔ یعنی اقتدا سے پہلے ثواب کے حصول کے لئے امامت کی نیت شرط نہیں بلکہ اقتدا کے وقت اور اقتدا سے پہلے نیت کرنے سے ثواب حاصل ہو جاتا ہے۔ پس ''لا قبله'' اقتدا سے پہلے نیت کے پائے جانے کی وجہ سے ثواب کے حصول کے لئے شرط ہونے کی نفی ہے جواز کی نفی کے لئے نہیں۔ اور مخفی نہیں کہ اشتراط کی نفی جواز کے منافی نہیں۔ ''فافہم''

3747۔ (قوله: لَوْ أَمَّ رِجَالًا) یہ ''ولا یشترط'' کے قول کی قید ہے۔

3748۔ (قوله: فَلَا يَحْنَثُ الخ) یہ ولا یشترط کے قول پر تفریع ہے۔ ''البحر'' میں فرمایا: قسم ٹوٹنے کی شرط امامت کا قصد کرنا ہے اور جب تک اس نے امامت کی نیت نہیں کی قصد نہیں پایا گیا۔

مَا لَمْ يَنْوِ الْإِمَامَةَ (وَإِنْ أَمَّ نِسَاءً، فَإِنِ اقْتَدَتْ بِهِ) الْمَرْأَةُ (مُحَاذِيَةً لِرَجُلٍ فِي غَيْرِ صَلَاةِ جِنَازَةٍ، فَلَا بُدَّ) لِصِحَّةِ صَلَاتِهَا (مِنْ نِيَّةِ إِمَامَتِهَا) لِئَلَّا يَلْزَمَ الْفَسَادُ

جب تک امامت کی نیت نہ کی ہوگی۔ اور اگر عورتوں کی امامت کرائی پھر اگر کسی عورت نے نماز جنازہ کے علاوہ میں کسی مرد کے برابر کھڑے ہو کر اقتدا کی تو اس عورت کی نماز کی صحت کے لئے امام کا اس کی امامت کی نیت کرنا ضروری ہے تاکہ بلا التزام برابر کھڑے ہونے کی وجہ سے فساد لازم نہ آئے۔

لیکن ''الاشباہ'' میں فرمایا: اور اگر قسم اٹھائے کہ وہ کسی کی امامت نہیں کرائے گا پھر کسی آدمی نے اس کی اقتدا کی تو اقتدا صحیح ہوگی۔ اور کیا اس کی قسم ٹوٹے گی؟ ''الخانیہ'' میں ہے: قضاءً قسم ٹوٹ جائے گی دیانۃً نہیں۔ مگر جب شروع ہونے سے پہلے اسے گواہ بنالے تو قضاءً بھی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اور اسی طرح اگر اس قسم اٹھانے والے نے جمعہ کی نماز کی امامت کرائی تو امامت صحیح ہوگی اور قضاءً قسم ٹوٹ جائے گی اور وہ اصلاً قسم توڑنے والا نہ ہوگا جب وہ نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت میں لوگوں کی امامت کرائے گا۔ اور اگر قسم اٹھائی کہ وہ فلاں کی امامت نہیں کرائے گا۔ پس اس نے لوگوں کی امامت کرائی جبکہ وہ نیت کرنے والا تھا کہ وہ فلاں کی امامت نہیں کرائے گا اور دوسروں کی امامت کرائے گا۔ پس فلاں نے اس کی اقتدا کی تو وہ حانث ہوگا اگرچہ وہ اس کو نہ جانتا ہو۔ یعنی جب وہ غیر کا امام ہے تو اس کا بھی امام ہے مگر جب وہ نیت کرے کہ وہ مردوں کی امامت کرائے گا عورتوں کی نہیں تو عورتوں کی اقتدا جائز نہیں ہوگی جیسا کہ ''النتف'' میں ہے۔

پہلی صورت میں قضاءً قسم ٹوٹنے کی وجہ باقی ہے کہ امامت بغیر نیت کے صحیح ہے جیسا کہ ہم نے پہلے (مقولہ 3745 میں) پیش کیا ہے۔ اسی وجہ سے اس سے جمعہ صحیح ہے حالانکہ اس کی شرط جماعت ہے لیکن جب بغیر التزام کے قسم کا ٹوٹنا اسے لازم ہوتا ہے تو دیانۃً حانث نہ ہوگا مگر امامت کی نیت سے۔ اسی طرح میرے لئے ظاہر ہوا ہے۔ ''فتامل''

3749۔ (قولہ: فِي غَيْرِ صَلَاةِ جِنَازَةٍ) رہا جنازہ میں تو بالاجماع اس کی امامت کی نیت شرط نہیں جیسا کہ اسے ذکر کریں گے۔

3750۔ (قولہ: لِصِحَّةِ صَلَاتِهَا) مقام کے زیادہ مناسب لصحۃ اقتدائہا ہے۔

3751۔ (قولہ: مِنْ نِيَّةِ إِمَامَتِهَا) یعنی شروع ہونے کے وقت اس کی امامت کی نیت کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد نہیں۔ جیسا کہ یہ باب الامامۃ میں ذکر کریں گے۔ ایک روایت میں نیت کے وقت اس کا حاضر ہونا شرط ہے اور دوسری روایت میں ہے: یہ شرط نہیں۔ ''البحر'' میں اس کی تائید کی ہے۔

3752۔ (قولہ: لِئَلَّا يَلْزَمَ الخ) اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر بلا نیت اس کی اقتدا صحیح ہو تو اس پر اس کی نماز کا فاسد کرنا لازم آئے گا جب وہ عورت اس مرد کے برابر اس کے التزام کے بغیر کھڑی ہوئی۔ اور یہ جائز نہیں ہے۔ اور اس کا التزام عورت کی امامت کی نیت سے ہے۔

بِالْمُحَاذَاةِ بِلَا الْتِزَامٍ (وَإِنْ لَمْ تَقْتَدِ مُحَاذِيَةً اُخْتُلِفَ فِيهِ) فَقِيلَ يُشْتَرَطُ وَقِيلَ لَا كَجِنَازَةٍ إِجْمَاعًا، وَكَجُمُعَةٍ وَعِيدٍ عَلَى الْأَصَحِّ خُلَاصَةٌ وَأَشْبَاهٌ وَعَلَيْهِ إِنْ لَمْ تُحَاذِ أَحَدًا تَمَّتْ صَلَاتُهَا وَإِلَّا لَا (وَنِيَّةُ اسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ لَيْسَتْ بِشَرْطٍ مُطْلَقًا) عَلَى الرَّاجِحِ، فَمَا قِيلَ لَوْ نَوَى بِنَاءَ الْكَعْبَةِ أَوْ الْمَقَامَ أَوْ مِحْرَابَ مَسْجِدِهِ لَمْ يَجُزْ مُفَرَّعٌ عَلَى الْمَرْجُوحِ

اور اگر برابر کھڑے ہو کر اقتدا نہ کی تو اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا: شرط ہے۔ بعض نے کہا: شرط نہیں جیسے نماز جنازہ۔ یہ بالا جماع ہے اور جمعہ اور عید کی نماز یہ اصح قول پر ہے۔ ''خلاصہ'' اور ''اشباہ''۔ اس بنا پر اگر عورت کسی کے برابر کھڑی نہ ہوئی تو اس کی نماز مکمل ہوگئی ورنہ نہیں۔ قبلہ کی طرف منہ کرنے کی نیت مطلقا شرط نہیں راجح قول پر اور جو کہا گیا ہے کہ اگر کعبہ کی بنا یا مقام (ابراہیم) یا مسجد کی محراب کی نیت کی تو جائز نہیں یہ مرجوح قول پر مفرع ہے۔

3753۔ (قولہ: بِالْمُحَاذَاةِ) یعنی باب الامامۃ میں آنے والی شرائط کے پائے جانے کے وقت۔

3754۔ (قولہ: كَجِنَازَةٍ) نماز جنازہ میں عورت کی اقتدا کی صحت کے لئے بالا جماع عورت کی امامت کی نیت شرط نہیں۔ کیونکہ جنازہ میں عورت کے برابر کھڑے ہونے سے جنازہ کو فاسد نہیں کرتا۔

3755۔ (قولہ: عَلَى الْأَصَحِّ) اس کا مقابل قول جمہور کی طرف سے حکایت کیا ہے۔

3756۔ (قولہ: وَعَلَيْهِ) اس قول کی بنا پر کہ اس کی اقتدا کی صحت کے لئے اس کی امامت کی نیت شرط نہیں۔ پس عورت کی اقتدا صحیح ہوگی۔ لیکن اگر ابھی آگے نہیں بڑھی اور امام یا مقتدی میں سے کسی کے متوازی کھڑی نہیں ہوئی تو عورت کی اقتدا باقی ہے اور اس کی نماز مکمل ہے۔ ورنہ یعنی اگر وہ آگے بڑھی اور کسی کے برابر کھڑی ہوئی تو اس کی اقتدا باقی نہیں رہے گی اور اس کی نماز مکمل نہ ہوگی جیسا کہ ''الحلبہ'' میں ہے۔ اور یہ صرف جمعہ اور عید میں شرط نہیں۔ ''فافہم''

(فائدہ) جب ہمارے نزدیک اعتبار تسمیہ (نام لینے) کا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں نماز کا ثواب اس کے ساتھ خاص نہ ہوگا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی اس کو یاد کرنا چاہئے''۔

3757۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی قریبی مشاہد کے لئے اور دوسرے کے لئے۔ کیونکہ جہت کی طرف رخ کرنا عین کی نیت کے بغیر حاصل ہو جاتا ہے اور یہی شرط ہے۔ پس اس کے لئے نیت شرط نہیں جیسے باقی شرائط میں نیت شرط نہیں۔

3758۔ (قولہ: عَلَى الرَّاجِحِ) اس کا مقابل وہ قول ہے جو کہا گیا ہے کہ فرض قریبی اور دور والے کے لئے عین کعبہ کی طرف رخ کرنا ہے۔ اور یہ دور والے کے لئے ممکن نہیں مگر نیت کی حیثیت سے تو یہ نیت کی طرف منتقل ہو گیا۔

3759۔ (قولہ: لَمْ يَجُزْ) کیونکہ کعبہ سے مراد وہ سفیدہ زمین ہے نہ کہ عمارت اور محراب جو اس پر علامت ہے اور مقام سے مراد وہ پتھر ہے جس پر تعمیر کعبہ کے وقت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے تھے۔

3760۔ (قولہ: مُفَرَّعٌ عَلَى الْمَرْجُوحِ) اسی طرح ''البحر'' میں ''الحلبہ'' کے حوالہ سے ہے اور یہی ظاہر ہے۔ کیونکہ

(كَنِيَّةِ تَعْيِينِ الْإِمَامِ فِي صِحَّةِ الِاقْتِدَاءِ) فَإِنَّهَا لَيْسَتْ بِشَرْطٍ؛ فَلَوْ ائْتَمَّ بِهِ يَظُنُّهُ زَيْدًا فَإِذَا هُوَ بَكْرٌ صَحَّ إِلَّا إِذَا عَيَّنَهُ بِاسْمِهِ فَبَانَ غَيْرُهُ إِلَّا إِذَا عَرَّفَهُ بِمَكَانٍ كَالْقَائِمِ فِي الْمِحْرَابِ

جیسے اقتدا کی صحت میں امام کی تعیین کی نیت یہ شرط نہیں ہے۔ اگر کسی نے امام کو زید گمان کرتے ہوئے اقتدا کی۔ پس وہ بکر نکلا تو اقتدا صحیح ہے مگر جب اس نے نام کے ساتھ اسے متعین کیا پھر کوئی دوسرا ظاہر ہوا تو اقتدا صحیح نہ ہوگی۔ مگر جب کسی مکان کے ساتھ اس کی تعریف کی مثلاً کہا میں اس کی اقتدا کرتا ہوں جو محراب میں کھڑا ہے تو اقتدا صحیح ہوگی

جس نے کعبۃ کی نیت کی شرط لگائی وہ اس کے بغیر نماز کو جائز قرار نہیں دیتا پھر جب وہ اس کے علاوہ کی نیت کرے گا تو اس کے نزدیک بدرجہ اولیٰ نماز جائز نہ ہوگی۔ اور تو جان چکا ہے کہ کعبہ سفیدہ زمین کا نام ہے۔ پس جب اس کی بنا کی نیت کی یا مقام ابراہیم کی نیت کی تو اس نے غیر کعبہ کی نیت کی۔ اور رہا راجح قول پر کہ اس کی نیت شرط نہیں تو اسے استقبال قبلہ جو کہ شرط ہے کے پائے جانے کے بعد اس کے غیر کی نیت اسے مضر نہیں۔ لیکن الشیخ ''اسماعیل'' نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ یہ تسلیم شدہ نہیں ہے کیونکہ ''البدائع'' میں ہے کہ افضل یہ ہے کہ وہ کعبہ کی نیت کرے۔ کیونکہ احتمال ہے کہ یہ جہت کعبہ کے برابر نہ ہو تو اس کی نماز جائز نہ ہوگی۔ پس اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب اس نے اس کے علاوہ کی طرف رخ کیا جس کی نیت کی تھی تو اس کی نماز جائز نہ ہوگی۔ لیکن مخفی نہیں کہ اس میں اس پر دلالت نہیں کہ جب بناء کعبہ وغیرہ کی نیت کرے تو اس کی نماز جائز نہیں بلکہ یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ افضل اس کا عدم ہے۔ پس الشارح نے ''البحر'' اور ''الحلبہ'' کی تبع میں جو ذکر کیا ہے وہ صحیح ہے۔ ''فافہم''

ہاں ''شرح المنیہ'' میں ذکر ہے کہ قبلہ کی نیت اگرچہ شرط نہیں لیکن کعبہ سے اعراض کی نیت کا نہ ہونا شرط ہے۔ اس بنا پر وہ راجح قول پر مفرع ہے۔

3761۔ (قولہ: صَحَّ) کیونکہ موجود امام کی اقتدا کی نیت کی پس اس کا گمان اسے مضر نہیں بخلاف اس کے اسم کے۔ ''الحلبہ'' میں فرمایا: اعتبار اس کا ہے جس کی نیت کی نہ کہ اس کا جو اس کا خیال ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی مثل اگر کوئی اعتقاد کرے کہ امام زید ہے کیونکہ اس امام کی اقتدا کا پختہ ارادہ کرنے والا ہے۔

3762۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا عَيَّنَهُ بِاسْمِهِ) یعنی موجود امام کی اقتدا کی نیت نہیں کی اس نے زید کی اقتدا کی نیت کی خواہ اس نے اس کے نام کا تلفظ کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ کیونکہ ''المنیہ'' میں ہے: مگر جب کہا: میں نے زید کی اقتدا کی یا زید کی اقتدا کی نیت کی۔ پھر ظاہر ہوا کہ وہ عمرو ہے تو اقتدا صحیح نہیں ہے کیونکہ اعتبار اس کا ہے جس کی نیت کی ''حلبہ''۔ یعنی اس نے اس موجود امام کے علاوہ کی اقتدا کی نیت کی۔

3763۔ (قولہ: إِذَا عَرَّفَهُ) یہ اس صحت کے عدم سے استثنا ہے استثنا اول جس کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے۔

3764۔ (قولہ: كَالْقَائِمِ فِي الْمِحْرَابِ) یعنی محراب میں کھڑے امام کی اقتدا کی نیت کی جو زید ہے جبکہ وہ کوئی اور تھا تو جائز ہے۔ ''اشباہ''۔ کیونکہ ال کے ساتھ الخارج یا ذہن میں موجود کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ ہر صورت پر اس نے موجود

أَوْ إِشَارَةٍ كَهٰذَا الْإِمَامِ الَّذِي هُوَ زَيْدٌ، إِلَّا إِذَا أَشَارَ بِصِفَةٍ مُخْتَصَّةٍ كَهٰذَا الشَّابِّ فَإِذَا هُوَ شَيْخٌ فَلَا يَصِحُّ وَبِعَكْسِهِ يَصِحُّ لِأَنَّ الشَّابَّ يُدْعَى شَيْخًا لِعِلْمِهِ

یا اشارہ سے تعریف کی جیسے اس امام کے پیچھے جو زید ہے تو بھی اقتدا صحیح ہوگی۔ مگر جب مختص صفت کے ساتھ اشارہ کیا جیسے اس نوجوان کے پیچھے پھر وہ بوڑھا نکلا تو صحیح نہ ہوگی اور اس کے برعکس کہا تو صحیح ہوگی۔ کیونکہ نوجوان کو اس کے علم کی وجہ سے شیخ کہا جاتا ہے۔

امام کی اقتدا کی نیت کی تو تسمیہ لغو ہوا۔

3765۔ (قولہ: أَوْ إِشَارَةٍ) یعنی وہ اسم اشارہ جو حقیقۃً اس کے لئے وضع کیا گیا ہے یہ جائز ہے۔ کیونکہ اس نے اشارہ کے ساتھ اس کی تعریف کی تو تسمیہ لغو ہو گیا جیسا کہ ''الخانیہ'' وغیرہا میں ہے۔

3766۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا أَشَارَ الخ) یہ ''أَوْ اشارۃٍ'' کے قول سے استثنا ہے۔

جب اشارہ اور تسمیہ جمع ہو جائیں

3767۔ (قولہ: فَلَا يَصِحُّ) اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ اس صورت میں اشارہ تسمیہ (نام لینا) کے ساتھ جمع ہے۔ پس تسمیہ کا لغو ہونا نامناسب تھا جیسا کہ اس امام میں جو زید ہے میں لغو ہوا اور اس شیخ میں تسمیہ لغو ہوا۔ جواب یہ ہے کہ تسمیہ کا لغو کرنا مطلق نہیں۔ ''الہدایہ'' میں باب المہر میں فرمایا: اصل یہ ہے کہ مسمی (جس کا نام لیا گیا ہے) جب المشار الیہ (جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے) کی جنس سے ہو تو عقد مشار الیہ سے متعلق ہوتی ہے۔ کیونکہ ذات کے اعتبار سے مسمی، مشار میں موجود ہے اور وصف اس کے تابع ہے۔ اور اگر مسمی، مشار الیہ کی جنس کے خلاف ہو تو عقد مسمی سے متعلق ہوتی ہے کیونکہ مسمی، مشار الیہ کی مثل ہے اس کا تابع نہیں ہے۔ اور تعریف میں تسمیہ ابلغ ہے اس حیثیت سے کہ ماہیت کی پہچان کراتا ہے اور اشارہ ذات کی پہچان کراتا ہے۔

شارحین نے فرمایا: نکاح، بیع، اجارہ اور تمام عقود میں اس اصل پر اتفاق ہے۔ جب تو نے یہ جان لیا تو جان لے کہ زید اور عمر ذات کے اعتبار سے ایک جنس ہیں اگرچہ اوصاف اور مشخصات کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ کیونکہ علم میں جس کا لحاظ رکھا جاتا ہے وہ ذات ہے۔ اور ''اس امام کے پیچھے جو زید ہے پھر ظاہر ہوا کہ مشار الیہ عمر ہے'' کے قول میں مسمی اور مشار الیہ مختلف ہیں۔ پس تسمیہ لغو ہوا اور اشارہ معتبر رہا کیونکہ دونوں ایک جنس سے ہیں۔ پس اقتدا صحیح ہوئی۔ رہا شیخ اور نوجوان کا مسئلہ تو یہ اوصاف سے ہیں ان میں صفات کا لحاظ رکھا جائے گا نہ کہ ذات کا۔ اور یہ معلوم ہے کہ شیخوخت کی صفت، جوانی کی صفت سے مختلف ہے۔ پس یہ دو جنسیں ہوئیں۔ جب کہا: هذا الشاب (یہ نوجوان) پھر ظاہر ہوا کہ یہ بوڑھا ہے تو اقتدا صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ اس نے ایک خاص صفت سے اس کا وصف بیان کیا جس کے ساتھ اس کا وصف بیان نہیں کیا جا سکتا جو شیخوخت کی عمر کو پہنچا ہوا ہو۔ پس اشارہ تسمیہ کے مخالف ہوا نیز جنس کا اختلاف ہے تو اشارہ لغو ہوا اور شاب (نوجوان) کے نام کا اعتبار کیا

وَفِي الْمُجْتَبِي نَوَى أَنْ لَا يُصَلِّيَ إِلَّا خَلْفَ مَنْ هُوَ عَلَى مَذْهَبِهِ فَإِذَا هُوَ عَلَى غَيْرِهِ لَمْ يَجُزْ (فَائِدَةٌ) لَمَّا كَانَ الِاعْتِبَارُ لِلتَّسْمِيَةِ عِنْدَنَا لَمْ يُخْتَصَّ ثَوَابُ الصَّلَاةِ فِي مَسْجِدِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بِمَا كَانَ فِي زَمَنِهِ فَلْيُحْفَظْ

اور''المجتبیٰ'' میں ہے: کسی نے نیت کی کہ وہ اپنے مذہب والے کے پیچھے نماز پڑھے گا جبکہ وہ غیر مذہب پر نکلا تو جائز نہ ہوگی۔ جب ہمارے نزدیک صرف نام کا اعتبار ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد میں نماز کا ثواب صرف اس مسجد کے ساتھ خاص نہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ اقدس میں تھی اسے یاد رکھنا چاہیے۔

گیا۔ پس وہ کبھی غیر موجود کی اقتدا کرتا ہے جیسے کسی نے زید کی اقتدا کی پھر کوئی دوسرا ظاہر ہوا۔

رہا یہ جب کہا: یہ شیخ۔ پھر ظاہر ہوا کہ وہ نوجوان ہے تو اقتدا صحیح ہوگی کیونکہ شیخ کی صفت عمر میں بڑے اور قدر میں بڑے (جیسے عالم) کے درمیان مشترک ہے۔ اور دوسرے معنی کو دیکھنے کے اعتبار سے شاب (نوجوان) کو شیخ کہنا صحیح ہے پس مشار الیہ میں دو وصف جمع ہوئے کیونکہ ان میں مخالفت نہیں ہے۔ پس ان میں سے ایک لغو نہیں ہوگا اور اقتدا صحیح ہوگی۔ اور اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کہا: اس کتیا کو طلاق یا کہا: یہ گدھا آزاد ہے تو عورت کو طلاق ہو جائے گی اور غلام آزاد ہو جائے گا جیسا کہ فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے۔ حالانکہ مشار الیہ.....عورت اور غلام...... مسمی کی جنس سے نہیں ہیں اور وہ مسمی کتیا اور گدھا ہیں۔ لیکن جب گالی کے مقام میں کتے اور گدھے کا اطلاق انسان پر مجازاً ہوتا ہے تو جنس کا اختلاف حاصل نہ ہوا اور اشارہ لغو نہ ہوا۔ یہ الفتاح العلیم کے فیض سے میرے بیمار ذہن کے لئے ظاہر ہوا۔

3768۔ (قولہ: فِي الْمُجْتَبِي الخ) اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اس نے اپنے مذہب کے امام کی اقتدا کی نیت کی پھر وہ کوئی دوسرا نکلا تو اس نے معدوم کی نیت کی جیسا کہ ہم نے ''المنیہ'' کے حوالہ سے (مقولہ 3762 میں) اس مسئلہ میں پیش کیا تھا کہ جب زید کی اقتدا کی نیت کی اور وہ کوئی اور نکلا۔

3769۔ (قولہ: فَائِدَةٌ لَمَّا كَانَ الخ) اس فائدہ کو شیخ الاسلام ''العینی'' نے شرح ''بخاری'' میں اقتدا کے مسئلہ سے استنباط کیا ہے۔ جیسا کہ ''الاشباہ'' کے اشارہ کے احکام میں ہے۔

مسجد نبوی میں جو اضافہ کیا گیا کیا وہ مسجد نبوی کا حکم رکھتی ہے

اس کی اصل صحیح حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''میری مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد کی ہزار نماز سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے''(1) یہ معلوم ہے کہ مسجد نبوی میں اضافہ کیا گیا ہے اس میں حضرت سیدنا عمر نے اضافہ کیا پھر حضرت عثمان نے پھر ولید نے پھر مہدی نے اضافہ کیا۔ ھذا کے ساتھ اشارہ اس مسجد کی طرف ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہے اور اس میں شک نہیں کہ اب موجود تمام مسجد کو مسجد نبوی کہا جاتا ہے۔ پس اشارہ اور تسمیہ ایک چیز پر متفق ہوئے تو تسمیہ لغو نہ ہوا

1۔ سنن ترمذی، کتاب الأذان، باب ما جاء فی ای المساجد افضل، جلد 1، صفحہ 222، حدیث نمبر 299

(وَ) السَّادِسُ (اسْتِقْبَالُ الْقِبْلَةِ) حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا كَعَاجِزٍ،

چھٹی شرط حقیقۃً یا حکماً قبلہ کی طرف منہ کرنا ہے جیسے عاجز (کا رخ حکماً قبلہ کی طرف ہوتا ہے)

اورحدیث میں کئی گنا ثواب مذکور اس مسجد میں بھی حاصل ہوگا جس کا اس میں اضافہ کیا گیا ہے۔ امام نووی نے اشارہ پرعمل کرتے ہوئے اس حصہ کو (اس عظمت سے) خاص کیا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں تھا۔ رہی حدیث کہ اگر میری یہ مسجد صنعا تک لمبی کی گئی تو یہ میری مسجد ہوگی (1)۔ اس حدیث کے طرق انتہائی ضعیف ہیں۔ پس فضائل اعمال میں اس پرعمل نہیں کیا جائے گا جیسا کہ علامہ ''السخاوی'' نے ''مقاصد حسنہ'' میں اس کا ذکر کیا ہے۔ گویا اس کی وجہ یہ ہے امام ''نووی'' نے اشارہ کو خاص اس دن موجود جگہ کے لئے بنایا ہے، اس میں زیادتی داخل نہیں ہے۔ پس اس کے دخول کے لئے دلیل ضروری ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کی تائید اس مسئلہ سے ہوتی ہے جو ''کتاب الایمان'' میں (مقولہ 17462 میں) باب الیمین بالدخول میں ''البدائع'' کے حوالہ سے آئے گا کہ اگر کہا: میں اس مسجد میں داخل نہ ہوں گا پھر اس مسجد میں ایک حصہ زیادہ کیا گیا پھر وہ اس میں داخل ہوا تو حانث نہ ہوگا جب تک کہ یہ نہ کہے کہ میں مسجد بنی فلاں میں داخل نہ ہوں گا پھر اگر اضافی حصہ میں داخل ہوگا تو حانث ہوگا۔ اسی طرح گھر کا مسئلہ ہے۔ کیونکہ اس نے اپنی قسم کو نسبت پر باندھا ہے اور یہ زیادتی میں موجود ہے۔ کبھی اس طرح جواب دیا جاتا ہے کہ جس مسئلہ میں ہم گفتگو کر رہے ہیں وہ دوسرے قبیل سے ہے۔ اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ بعض طرق حدیث (2) میں اسم اشارہ کے بغیر ہے اور اسم اشارہ کے ذکر کی صورت میں یہ جگہ کی تخصیص کے لئے نہیں ہے بلکہ اس وہم کو دور کرنے کے لئے ہے کہ مسجد نبوی کے علاوہ بقیہ مساجد جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہیں جن کا سیرت نگاروں نے ذکر کیا ہے وہ اس حکم میں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اور کعبہ دلیل سے پہچانا جائے گا اور دیہاتوں اور شہروں میں صحابہ کرام اور تابعین کی محرابیں ہیں اور جنگلوں اور سمندروں میں ستارے ہیں جیسے قطبی ستارہ ورنہ وہاں کے رہنے والوں میں سے اس سے پوچھے جو قبلہ کی سمت کے بارے جاننے والا ہو نیز ان لوگوں سے ہو اگر اسے پکارا جائے تو وہ اسے سنے''۔

استقبال قبلہ کی بحث

3770۔ (قولہ: اسْتِقْبَالُ الْقِبْلَةِ) یعنی کعبہ مشرفہ۔ اور اس سے الحجر (کعبہ سے متصل دیوار) اور الشاذروان نہیں ہے۔ کیونکہ کعبہ سے ان دونوں کا ثبوت ظنی ہے۔ احتیاطاً قبلہ میں اس پر اکتفا نہیں کیا جائے گا اگرچہ حرمت کے ساتھ اس میں طواف صحیح ہے جیسا کہ (مقولہ 9991 میں) ان شاء اللہ باب الحج میں آئے گا۔

3771۔ (قولہ: كَعَاجِزٍ) یعنی جسے مرض یا دشمن کا خوف یا اشتباہ کی وجہ سے کعبہ کی طرف رخ کرنے سے عاجز ہو تو اس کی قدرت اور تحری کی جہت اس کے لئے حکماً قبلہ ہوگی۔

1۔ شرح صحیح مسلم الامام النووی، جلد 9، صفحہ 166، حدیث نمبر 3361

2۔ مسند امام احمد بن حنبل، جلد 2، صفحہ 278

وَالشَّرْطُ حُصُولُهُ لَا طَلَبُهُ، وَهُوَ شَرْطٌ زَائِدٌ لِلِابْتِلَاءِ يَسْقُطُ لِلْعَجْزِ، حَتَّى لَوْ سَجَدَ لِلْكَعْبَةِ نَفْسِهَا كَفَرَ (فَلِلْمَكِّيِّ) وَكَذَا الْمَدَنِيُّ لِثُبُوتِ قِبْلَتِهَا بِالْوَحْيِ (إِصَابَةُ عَيْنِهَا) يَعُمُّ الْمُعَايِنَ وَغَيْرَهُ لَكِنْ فِي الْبَحْرِ أَنَّهُ ضَعِيفٌ وَالْأَصَحُّ أَنَّ مَنْ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا حَائِلٌ كَالْغَائِبِ،

اور شرط استقبال قبلہ کا حصول ہے نہ کہ اس کی طلب۔ یہ زائد شرط ہے آزمائش کے لئے عجز کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہے حتی کہ اگر کوئی کعبہ کے لئے سجدہ کرے گا تو کافر ہو جائے گا اور مکی کے لئے اور اسی طرح مدنی کے لئے، کیونکہ مدینہ طیبہ کے قبلہ کا ثبوت وحی کے ساتھ ہے، عین کعبہ کی طرف منہ کرنا ہے۔ یہ کعبہ کو دیکھنے والے اور نہ دیکھنے والے کو عام ہے لیکن ''البحر'' میں ہے: یہ ضعیف ہے اور اصح یہ ہے کہ اس کے اور کعبہ کے درمیان کوئی چیز حائل ہو تو وہ غائب کی طرح ہے۔

3772۔ (قولہ: وَالشَّرْطُ حُصُولُهُ لَا طَلَبُهُ) یہ اس طرف اشارہ ہے کہ استقبال میں سین اور تا طلب کے لئے نہیں ہیں۔ کیونکہ شرط مقابلہ ہے مقابلہ کا طلب کرنا نہیں ورنہ اس کا حصول اس پر موقوف ہوتا جیسا کہ ''الحلبہ'' میں ہے۔

3773۔ (قولہ: وَهُوَ شَرْطٌ زَائِدٌ) یعنی یہ مقصود نہیں ہے۔ کیونکہ مسجود لہ (جس کے لئے سجدہ کیا جائے) اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ''طحطاوی''۔ یا مراد یہ ہے کہ بلا ضرورت ساقط ہو جاتا ہے جیسے شہر سے باہر سواری پر نماز میں ہوتا ہے۔ اس کی مثال وہ ہے جو زائد رکن کی تفسیر میں (مقولہ 3535 میں) گزرا ہے جیسے قراءت۔ پس شارح کے لئے ''کبھی عجز کی وجہ سے ساقط ہوتا ہے'' کی جگہ یہ کہنا مناسب تھا کہ ''کبھی بلا عجز ساقط ہو جاتا ہے'' ورنہ تمام شرائط اسی طرح ہیں۔

3774۔ (قولہ: لِلِابْتِلَاءِ) محذوف کے لئے علت ہے یعنی مکلفین کی آزمائش کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ شرط رکھی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ پر جہت کو محال سمجھنے والے معتقد مکلف کی فطرت نماز میں مخصوص جہت کی طرف عدم توجہ کا تقاضا کرتی ہے۔ پس اس نے ان کی آزمائش کے لئے ان کی فطرت کے تقاضا کے خلاف انہیں حکم دیا۔ کیا وہ اطاعت کرتے ہیں یا نہیں جیسا کہ ''البحر'' میں ہے۔ ''حلبی''۔

میں کہتا ہوں: یہ ایسا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے سے آزمایا اس حیثیت سے کہ ان کے سجدہ کے لئے اسے قبلہ بنایا۔

3775۔ (قولہ: حَتَّى لَوْ سَجَدَ الخ) یہ استقبال کے زائد شرط ہونے پر تفریع ہے یعنی جب مسجود لہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور کعبہ کی طرف توجہ کرنا مامور بہ تھا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے نفس کعبہ کو سجدہ کرنا کفر ہے۔ ''حلبی''۔

3776۔ (قولہ: فَلِلْمَكِّيِّ) یعنی مکی کے لئے شرط ہے یعنی اس کی نماز کے لئے شرط ہے۔ اسی طرح لغیرہ کا قول ہے، یا دونوں میں لام بمعنی علی ہے یعنی اس پر واجب ہے۔

3777۔ (قولہ: لِثُبُوتِ قِبْلَتِهَا) یعنی مدینہ منورہ کا قبلہ جو ''وکذا المدنی'' کے قول سے مفہوم ہے۔ اور اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ وحی سے اس کے ثبوت سے عین کعبہ پر ہونا لازم نہیں ہے کیونکہ جہت پر ہونے کا احتمال ہے۔

3778۔ (قولہ: يَعُمُّ الْمُعَايِنَ وَغَيْرَهُ) مکی جو کعبہ کو دیکھنے والا ہے اور وہ جس کے اور کعبہ کے درمیان کوئی چیز حائل ہو

وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ قَائِلًا وَالْمُرَادُ بِقَوْلِي فَلِلْمَكِّيِّ مَكِّيٌّ يُعَايِنُ الْكَعْبَةَ (وَلِغَيْرِهِ) أَيْ غَيْرِ مُعَايِنِهَا (إِصَابَةُ جِهَتِهَا) بِأَنْ يَبْقَى شَيْءٌ مِنْ سَطْحِ الْوَجْهِ مُسَامِتًا لِلْكَعْبَةِ أَوْ لِهَوَائِهَا، بِأَنْ يُفْرَضَ مِنْ تِلْقَاءِ وَجْهِ مُسْتَقْبِلِهَا حَقِيقَةً فِي بَعْضِ الْبِلَادِ خَطٌّ عَلَى زَاوِيَةٍ قَائِمَةٍ إِلَى الْأُفُقِ مَارًّا عَلَى الْكَعْبَةِ،

اور المصنف نے یہ کہتے ہوئے اس کو ثابت کیا ہے کہ میرے قول فللمکی (مکی کے لئے) سے مراد وہ مکی ہے جو کعبہ کو دیکھتا ہے اور جو کعبہ کو دیکھنے والا نہیں ہے اس کے لئے کعبہ کی جہت کی طرف رخ کرنا ہے اور اس طرح کہ چہرہ کی سطح سے کچھ سیدھا کعبہ کے لئے یا کعبہ کی ہوا کے لئے کچھ باقی رہے۔ اس طرح کہ بعض جگہ میں ایک شخص کعبہ کی طرف سیدھ میں کھڑا ہو اس کے سامنے سے ایک خط زاویہ قائمہ پر افق کی کعبہ سے گزرتا ہوا فرض کر لیا جائے

جیسے دیوار وغیرہ پس عین سمت کی طرف ہونا شرط ہے اس حیثیت سے کہ اگر حائل کو ہٹایا جائے تو اس کا رخ عین کعبہ پر واقع ہو۔

3779۔ (قولہ: وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ) یعنی ''المنح'' میں مصنف نے اس کو ثابت رکھا ہے۔ لیکن ''زاد الفقیر'' پر اس کی ''شرح'' میں فرمایا: متون، شروح اور فتاویٰ کا اطلاق اس پر دلالت کرتا ہے کہ راجح مذہب یہ ہے کہ کوئی فرق نہیں ہے جب ان دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل ہو یا نہ ہو۔

اور ''الفتح'' میں ہے: اور میرے نزدیک تحری کے جواز میں اس کے صعود کے امکان کے باوجود اشکال ہے۔ کیونکہ دلیل ظنی کی طرف لوٹنا اور قطعی دلیل کو ترک کرنا جائز نہیں۔ اور ''الہدایہ'' میں فرمایا: خبر طلب کرنا تحری سے بلند ہے جب قوی امکان ظنی کی وجہ سے ظنی کی طرف لوٹنا ممنوع ہے تو ظن کے ساتھ یقین کو کیسے ترک کیا جائے گا۔

3780۔ (قولہ: بِأَنْ يَبْقَى الخ) ان کے کلام میں اختصار ہے جس سے مراد کو سمجھا نہیں جاتا۔ پس پہلے تم یہ جان لو کہ علماء ہندسہ کی اصطلاح میں سطح اس کو کہتے ہیں جس کا طول اور عرض ہو اور عمق نہ ہو۔ اور الزاویہ القائمہ خط مستقیم کے پہلوؤں سے دو متساوی زاویوں میں سے ایک کو کہا جاتا ہے جو خط مستقیم پر قائم ہوتا ہے۔

قائمہ | قائمہ

ان دونوں کو قائمتان کہا جاتا ہے اور قائم جو دوسرے پر ہوتا ہے اسے عمود کہا جاتا ہے۔ پس اگر وہ دونوں برابر نہ ہوں تو القائمہ سے جو چھوٹا ہوگا اسے زاویہ حادہ کہا جاتا ہے اور جو بڑا ہوتا ہے اسے منفرجہ کہا جاتا ہے۔

حادہ | منفرجہ

پھر تم جان لو کہ ''المعراج'' میں اپنے شیخ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ کعبہ کی جہت وہ جانب ہے جس کی طرف انسان متوجہ ہوتا ہے وہ کعبہ کے سامنے ہوتا ہے یا اس کی ہوا کے سامنے ہوتا ہے تحقیقاً یا تقریباً۔ تحقیق کا مطلب یہ ہے کہ اگر آدمی کے چہرہ کے سامنے سے زاویہ قائمہ پر افق کی طرف ایک خط فرض کر لیا جائے جو کعبہ کے اوپر سے یا کعبہ کی ہوا سے گزرتا ہو۔ اور تقریب کا معنی یہ ہے کہ وہ خط کعبہ سے منحرف ہو یا اس کی ہوا سے منحرف ہو اور بالکلیہ اس کے ساتھ مقابلہ زائل نہ ہو اس طرح

....

کہ چہرہ کی سطح سے کعبہ کی سمت یا اس کی ہوا کی سمت کچھ باقی رہے۔

اس کا بیان یہ ہے کہ مسافت قریبہ میں مقابلہ تھوڑا سا دائیں بائیں ہونے سے جو اس کے مناسب ہو، تو مقابلہ زائل ہو جاتا ہے اور زیادہ مسافت میں زائل نہیں ہوتا مگر بہت سے انتقال سے جو اس کے مناسب ہوتا ہے۔ پس اگر کوئی شخص ایک ہاتھ کے فاصلہ پر دوسرے انسان کے مقابل ہو تو ایک شخص کے ایک ہاتھ دائیں طرف منتقل ہونے سے وہ مقابلہ زائل ہو جاتا ہے۔ اور جب ایک میل یا ایک فرسخ کی مقدار دور مقابل ہو تو مقابلہ زائل نہیں ہوتا مگر سو ہاتھ وغیرہ کے ساتھ۔ جب مکہ ہمارے شہروں سے بہت زیادہ دور ہے تو اس کی طرف مقابلہ بہت سی جگہ میں مسافت بعیدہ میں متحقق ہوتا ہے۔ اگر ہم ان شہروں میں تحقیق پر کعبہ کے سامنے سے ایک خط فرض کریں پھر ایک دوسرا خط فرض کریں جو اسے سامنے کی دائیں اور بائیں جانب سے دو قائمہ زاویوں پر کاٹے تو یہ مقابلہ زائل ہوگا اور اس خط پر دائیں بائیں انتقال کی وجہ سے توجہ بہت سے فراسخ کے ساتھ زائل نہ ہوگی۔ اسی وجہ سے علماء نے قریبی شہروں میں قبلہ کو ایک سمت پر رکھا ہے۔

اور ''الفتح'' اور ''البحر'' وغیرہما میں اور ''شرح المنیہ'' وغیرہما میں اس کو نقل کیا ہے۔ ''ابن الہمام'' نے اس کو ''زاد الفقیر'' میں ذکر کیا ہے۔ اور ''الدرر'' کی عبارت اس طرح ہے: اس کی جہت یہ ہے کہ وہ ایک خط نمازی کی پیشانی سے نکلنے والا اس خط کے ساتھ ملے جو کعبہ سے گزرنے والا ہے سیدھا اس حیثیت سے کہ اس سے دو قائمہ حاصل ہوں یا ہم کہتے ہیں کعبہ واقع ہو ان دو خطوں کے درمیان جو دماغ میں ملتے ہیں پھر آنکھوں کی طرف نکلتے ہیں جیسے مثلث کے دو ساق۔ اسی طرح النحریر ''التفتازانی'' نے شرح ''الکشاف'' میں کہا ہے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ اگر آنکھ سے اتنا انحراف کر جائے کہ اسے بالکلیہ مقابلہ زائل نہ ہو تو جائز ہے۔ اور اس کی تائید کرتا ہے جو ''الظہیریہ'' میں ہے: جب دائیں یا بائیں ہو تو جائز ہے کیونکہ انسان کا چہرہ مقوس ہے کیونکہ دائیں یا بائیں ہونے کے وقت چہرہ کی ایک جانب قبلہ کی طرف ہوتی ہے۔'' کلام الدرر''۔

''الدرر'' میں اس کا قول ''علی استقامة'' یصل کے متعلق ہے کیونکہ اگر وہ ٹیڑھا پہنچایا جائے گا تو دو قائمہ حاصل نہ ہوں گے بلکہ ایک حادہ اور دوسرا منفرجہ ہوگا جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔

پھر وہ طریقہ جو ''المعراج'' میں ہے وہ پہلا طریقہ ہے جو ''الدرر'' میں ہے۔ مگر ''المعراج'' میں دوسرے خط کو نمازی کے اوپر سے گزرنے والا بنایا ہے جیسا کہ متبادر ان کی عبارت سے ہوتا ہے۔ اور ''الدرر'' میں اس کو کعبہ سے گزرنے والا بنایا ہے تینوں کیفیات کی تصویر اس طرح ہے۔

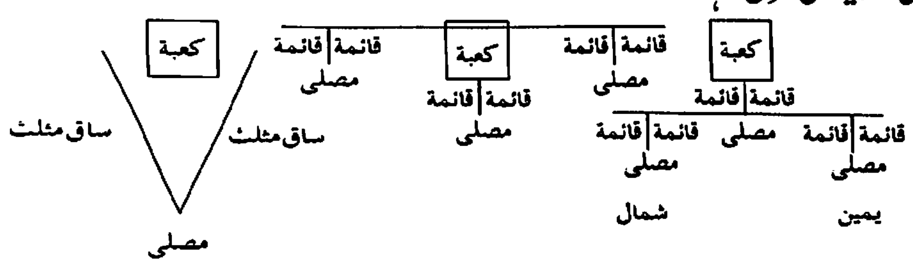

وَخَطٌّ آخَرُ يَقْطَعُهُ عَلَى زَاوِيَتَيْنِ قَائِمَتَيْنِ يَمْنَةً وَيَسْرَةً مِنَحٌ قُلْتُ فَهٰذَا مَعْنَى التَّيَامُنِ وَالتَّيَاسُرِ فِي عِبَارَةِ الدُّرَرِ،

اور دوسرا خط اسے دائیں بائیں دو قائمہ زاویوں میں اسے کاٹے ''منح''۔ میں کہتا ہوں: ''الدرر'' کی عبارت میں تیامن اور تیاسر کا یہی معنی ہے۔

3781۔(قوله: مِنَحٌ) اس میں ہے کہ ''المنح'' کی عبارت اس کا حاصل ہے جو ہم نے ''المعراج'' کے حوالہ سے پہلے (مقولہ 3780 میں) پیش کیا ہے۔ اس میں ماڑا علی الكعبة کا قول نہیں ہے۔ بلکہ ''الدرر'' کی صورت میں مذکور ہے۔ اور ممکن ہے کہ یہ مراد لیا جائے کہ وہ کعبہ کے اوپر سے طولاً گزرنے والا ہے عرضاً نہیں تو وہ وہ خط ہوگا جو مصلی کی پیشانی سے نکلنے والا ہے۔ اور دوسرا خط وہ ہے جو اسے کاٹتا ہے۔ اور وہ خط وہ ہے جو مصلی یا کعبہ کے اوپر سے عرضاً گزرنے والا ہے۔ پس یہ اس پر صادق آتا ہے جو ہم نے پہلے اور دوسرے نمبر پر تصویر بنائی ہے۔

پھر ''المنح'' کی بعض عبارۃ پر اکتفا کرنا تحقیقاً سامنے ہونے پر اس کے بیان کی کمی تک پہنچاتا ہے۔ یہ عین قبلہ کی طرف رخ کرنا ہے۔ تقدیراً سیدھا کھڑا ہونا نہیں۔ اور یہ جہت کی طرف رخ کرنا ہے حالانکہ مقصود دوسری صورت ہے۔ پس اسے اس قول کو حذف کرنا تھا من تلقاء وجه مستقبلها حقيقةً في بعض البلاد۔

3782۔(قوله: قُلْتُ الخ) تو نے جان لیا کہ اگر فرض کیا جائے کہ ایک شخص اپنے شہر میں حقیقۃً عین کعبہ کے سامنے کھڑا ہے اس طرح کہ اس کی پیشانی سے نکلنے والا خط کعبہ کے عین پر واقع ہوتا ہے تو یہ تحقیقاً کعبہ کے سامنے ہے اور اگرچہ وہ اس کی دائیں بائیں جہت کی طرف کئی فراسخ کے ساتھ منتقل ہو۔ اور ہم نے کعبہ کے اوپر سے مشرق سے مغرب کی طرف گزرنے والا خط فرض کیا۔ اور مصلی کی پیشانی سے نکلنے والا خط سیدھا پہنچتا ہے اس خط تک جو کعبہ کے اوپر سے گزرتا ہے تو اس انتقال سے مقابلہ کلیۃً زائل نہ ہوگا۔ کیونکہ انسان کا چہرہ مقوس ہے۔ پس جب وہ عین کعبہ سے دائیں بائیں ہوگا تو اس کے چہرے کا کچھ حصہ کعبہ کے مقابل رہ جائے گا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ زیادہ دوری کی صورت میں ہے۔ رہا قریب سے تو اعتبار نہیں ہوگا جیسا کہ (مقولہ 3778 میں) گزر چکا ہے۔ پس الشارح کا قول یہ تیامن اور تیاسر کا معنی ہے یعنی جو انہوں نے اس قول سے ذکر کیا ہے ''بان يبقى شيءٌ من سطح الوجه الخ''۔ اس طریقہ پر خط کو فرض کرنے کے ساتھ جو ہم نے ثابت کیا ہے ''الدرر'' میں ''الظہیریہ'' کے حوالہ سے والتيامن والتياسر ہے اس سے یہی مراد ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ کعبہ کو اپنے دائیں یا بائیں جانب کرے۔ کیونکہ اس وقت جہت سے بالکلیہ نکلنے میں کوئی شخص نہیں بلکہ ''المعراج'' اور ''الدرر'' کے حوالہ سے عین کعبہ کے دائیں یا بائیں منتقل ہونے کے وقت دو قائمہ زاویوں کی تقیید سے جو ہم نے (مقولہ 3780 میں) بیان کیا ہے اس کا مفہوم صحیح نہیں ہوتا اگر ان میں سے ایک زاویہ حادۃ اور دوسرا منفرجہ ہو اس طرح

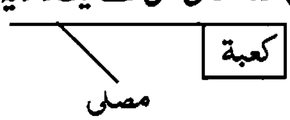

فَتَبَصَّرْ وَ تُعْرَفُ بِالدَّلِيلِ؛ وَهُوَ فِي الْقُرَى وَالْأَمْصَارِ مَحَارِيبُ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ،
پس خوب غور کرو۔اور دلیل کے ساتھ پہچانو اور وہ بستیوں اور شہروں میں صحابہ اور تابعین کے محراب ہیں

حاصل یہ ہے کہ تیامن اور تیاسر سے مراد عین کعبہ سے دائیں یا بائیں جہت کی طرف منتقل ہونا ہے انحراف نہیں ہے۔ لیکن فقہاء کے کلام میں وہ واقع ہوا ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے کہ انحراف نقصان نہیں دیتا۔''القبستانی'' میں ہے: اس انحراف میں کوئی حرج نہیں جس کے ساتھ کلیۃً مقابلہ زائل نہیں ہوتا اس طرح کہ چہرہ کی سطح سے کچھ کعبہ کی سیدھ میں باقی رہتا ہے۔

''شرح زاد الفقیر'' میں فرمایا: بعض معتمدہ کتب میں ہے: جہت کی طرف قبلہ کے استقبال میں بہت سے اقوال ہیں اور ان میں سے صحت کے قریب دو قول ہیں۔ پہلا یہ کہ گرمیوں میں لمبے دنوں میں گرمیوں کے مغرب کو دیکھے اور سردیوں میں سردیوں کے چھوٹے ایام میں سردیوں کے مغرب کو دیکھے پھر دائیں جانب میں دو ثلث چھوڑ دے اور بائیں جانب میں ایک ثلث چھوڑ دے تو اس کے پاس قبلہ ہے۔ اور اگر اس طرح نہ کرے اور دونوں مغربوں کے درمیان نماز پڑھے تو جائز ہوگی۔ اور جب اس سے باہر ہو کر نماز پڑھے گا تو بالاتفاق جائز نہ ہوگی۔''ملخصاً''

''منیۃ المصلی'' میں ''امالی الفتاویٰ'' کے حوالہ سے ہے: ہمارے شہروں یعنی سمرقند میں قبلہ کی حد۔ سردیوں کے مغرب اور گرمیوں کے مغرب کے درمیان ہے۔ اگر ایسی جہت نماز پڑھی جو مغربین سے خارج ہے تو اس کی نماز فاسد ہوئی۔

متن میں مفسدات الصلوٰۃ میں آئے گا کہ بغیر عذر کے سینہ پھیرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ تھوڑا سا انحراف نقصان دہ نہیں اور یہ وہ ہے کہ اس کے ساتھ چہرہ یا چہرے کی جوانب میں سے کچھ عین کعبہ یا اس کی ہوا کے سامنے رہے اس طرح کہ چہرہ سے یا اس کی بعض اطراف سے خط نکلے اور سیدھا کعبہ یا اس کی ہوا کے اوپر سے گزرے۔ اور لازم نہیں کہ نکلنے والا خط سیدھا مصلی کی پیشانی سے نکلنے والا ہو بلکہ اس سے یا اس کی جوانب سے نکلے جیسا کہ اس پر ''الدرر'' کا قول ''من جبین المصلی'' دلالت کرتا ہے کیونکہ جبین پیشانی کی طرف ہوتی ہے اور یہ دو جبینیں ہیں۔

اور جو ہم نے ثابت کیا ہے اس پر اسے محمول کیا جائے گا جو ''الفتح'' اور ''البحر'' میں ''الفتاویٰ'' کے حوالہ سے ہے کہ مفسد انحراف یہ ہے کہ وہ مشارق سے مغارب کی طرف تجاوز کر جائے۔ یہ غایت ہے اس کی جو میرے لئے اس محل میں ظاہر ہوا ہے۔

3783۔(قولہ: فَتَبَصَّرْ) یہ اس باریک لحاظ کی طرف اشارہ ہے جس کو ہم نے ثابت کیا ہے اور اعتراض کی طرف جلدی نہ کرنے کی طرف اشارہ ہے حالانکہ اس کو فقہاء نے عدم فہم کی طرف منسوب کیا ہے۔''فافہم''۔

بستیوں اور شہروں میں قبلہ کی علامت

3784۔(قولہ: مَحَارِيبُ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ) پس ان محاریب کے ہوتے ہوئے تحری جائز نہیں ''زیلعی''۔ بلکہ ہم پر ان کی اتباع لازم ہے ''خانیہ''۔ اور الفلکی العالم البصیر الثقۃ کے قول پر اعتماد نہیں کیا جائے گا کہ ان میں انحراف ہے۔ شوافع کا ان تمام میں اختلاف ہے جیسا کہ ''الفتاوی الخیریہ'' میں اس کو تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ اور اسے دیکھنے سے بچو جو یہ کہا جاتا ہے کہ مسجد اموی دمشق اور اکثر مساجد جو قبلہ کی سمت پر بنائی گئی ہیں اس میں انحراف ہے اور ان میں درست قبلہ

وَفِي الْمَفَاوِزِ وَالْبِحَارِ النُّجُومُ كَالْقُطْبِ
اور صحراؤں اور سمندروں میں ستارے ہیں۔ جیسے قطبی ستارہ۔

جامع الحنابلہ کا ہے جو پہاڑ کے اوپر ہے۔ کیونکہ شک نہیں کہ الاموی کا قبلہ صحابہ کرام کی فتح سے ہے۔ صحابہ کرام نے اس میں نماز پڑھی اور اسی طرح بعد والوں نے اس میں نماز پڑھی۔ پس صحابہ کرام فلکی سے زیادہ علم، وثوق اور معلومات رکھتے تھے۔ ہم نہیں جانتے فلکی صحیح ہے یا غلط ہے بلکہ اس کی خطا کو ترجیح ہے۔ ہر خیر سلف صالحین کی اتباع میں ہے۔

صحراؤں اور سمندروں میں قبلہ کی علامت

3785۔ (قولہ: كَالْقُطْبِ) یہ قوی ترین دلیل ہے۔ یہ ایک الفرقدین اور الجدی کے درمیان بنات نعش صغریٰ میں ایک چھوٹا سا ستارہ ہے جب کھڑا ہونے والا اس کو اپنے دائیں کان کے پیچھے رکھے تو وہ قبلہ کی طرف رخ کرنے والا ہوگا اگر آدمی کوفہ، بغداد اور ہمدان کے علاقہ میں ہو اور جو مصر میں ہے وہ اسے بائیں کندھے پر رکھے اور جو العراق میں ہے وہ اسے دائیں کندھے پر رکھے اور جو یمن میں ہے اسے سامنے رکھے اس سمت میں جو اس کی بائیں جانب سے متصل ہے اور جو شام میں ہے وہ اسے پیچھے رکھے۔ ''بحر''۔ ''ابن حجر'' نے فرمایا: بعض علما نے فرمایا: جو دمشق اور اس کے قریبی علاقوں میں ہو وہ تھوڑی مشرقی جانب پھر کر کھڑا ہو۔

شارحین نے قبلہ کی دوسری علامات بھی لکھی ہیں۔ ان میں سے غالب اس کے اپنے شہروں کی سمت پر مبنی ہیں۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو ہم نے ''شرح زاد الفقیر'' اور ''المنیہ'' کے حوالہ سے (مقولہ 3782 میں) پیش کی ہے وہ سمرقند کے قبلہ کی علامت ہے اور جو اس کی سمت پر ہیں۔ ''القتال'' کے حاشیہ میں ہے: ''البرجندی'' نے کہا: مخفی نہیں کہ قبلہ مختلف جگہوں کے ساتھ مختلف ہوتا ہے اور جو انہوں نے ذکر کیا ہے معین جگہ کی نسبت سے وہ صحیح ہے اور قبلہ کا امر ہندسہ اور حساب کے قواعد سے ثابت ہوتا ہے اس طرح کہ مکہ کا بعد خط استواء اور طرف ''المغرب'' سے پہچانا جاتا ہے پھر مفروض شہر کا بعد اسی طرح ہوتا ہے پھر ان قواعد سے قیاس کیا جاتا ہے تاکہ قبلہ کی سمت متحقق ہو۔

لیکن ''القہستانی'' نے فرمایا: بعض لوگوں نے اس کو بعض علوم حکمیہ پر بنایا ہے مگر علامہ ''بخاری'' نے ''الکشف'' میں فرمایا: ہمارے اصحاب اس کا اعتبار نہیں کرتے۔

''النہر'' میں یہ فائدہ بیان کیا ہے کہ ستاروں کے دلائل ایک قوم کے نزدیک معتبر ہیں اور ایک قوم کے نزدیک معتبر نہیں۔ اور فرمایا: اس پر عام متون کا اطلاق ہے۔

میں کہتا ہوں: میں نے کتب کے متون میں ایسی چیز نہیں دیکھی جو ستاروں کے عدم اعتبار پر دلالت کرتی ہو۔ اور ہمارے لئے جائز ہے کہ ہم وہ سیکھیں جس کے ساتھ ہم ستاروں کے ذریعے قبلہ پر راہنمائی پا سکیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا (الانعام: 97) اس کے باوجود کہ دنیا کی تمام محرابیں تحری کے ذریعے قائم کی گئی ہیں۔ حتیٰ کہ منیٰ میں بھی جیسا کہ اس کو ''البحر'' میں نقل کیا ہے۔ اور مخفی نہیں کہ دلائل میں سے قوی ترین دلیل ستارے ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ ستاروں کے

وَإِلَّا فَمِنَ الْأَهْلِ الْعَالِمِ بِهَا مِمَّنْ لَوْ صَاحَ بِهِ سَمِعَهُ
وگرنہ اس سے پوچھے جو اسے جاننے والا ہے اگر وہ پکارے تو وہ اسے سن لے؟

اعتبار نہ کرنے میں اختلاف اس وقت ہے جب پرانی محاریب موجود ہوں۔ کیونکہ ان کے ہوتے ہوئے تحری جائز نہیں ہے جیسا کہ ہم نے پہلے (مقولہ 3784 میں) بیان کیا ہے تا کہ سلف صالحین کی خطا لازم نہ ہو اور جماہیر مسلمانوں کا خطا کرنا لازم نہ آئے بخلاف اس صورت کے جب آدمی جنگل میں ہو تو جنگل میں ستاروں وغیرہ کا اعتبار واجب ہونا چاہئے۔ کیونکہ ہمارے علماء وغیرہم نے ستاروں کے علامت معتبر ہونے کی تصریح کی ہے۔ پس اوقات نماز اور قبلہ میں اس پر اعتماد ہونا چاہئے جو ہمارے ثقہ علماء نے المواقیت کی کتب میں لکھا ہے اور اس پر اعتماد ہونا چاہئے جو علماء نے آلات میں سے وضع کئے ہیں جیسے ربع (آلہ) اور اصطرلاب۔ یہ چیزیں اگرچہ یقین کا فائدہ نہیں دیتی ہیں لیکن ان کے جاننے والے کو غلبہ ظن کا فائدہ دیتی ہیں۔ اس میں غلبہ ظن کافی ہے۔ اور اس پر وہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ ہمارے علماء نے رمضان کے دخول میں اہل نجوم کے قول پر اعتماد نہ کرنے کی تصریح کی ہے کیونکہ روزے کا وجوب چاند دیکھنے پر معلق ہے کیونکہ حدیث شریف ہے (صوموا لرویتہ) چاند دیکھ کر روزہ رکھو(1) اور چاند کی پیدائش رویت پر مبنی نہیں بلکہ فلکی قواعد پر مبنی ہے۔ اگرچہ فی نفسہا صحیح ہیں۔ لیکن جب چاند کی ولادت رات کو ہو تو کبھی اسی رات میں چاند دکھائی دیتا ہے اور کبھی دکھائی نہیں دیتا۔ اور الشارح علیہ السلام نے رویت پر معلق کیا ہے ولادت پر معلق نہیں کیا۔ یہ میرے لئے ظاہر ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔

3786۔ (قولہ: وَإِلَّا فَمِنَ الْأَهْلِ) یعنی اگر وہاں پرانی محاریب نہ ہوں تو پھر اس سے پوچھے جو قبلہ کو جانتا ہو اور جو اہل مسجد میں سے وہاں موجود ہو اور وہ ان لوگوں سے ہو جن کی شہادت قبول ہوتی ہو اس طرح کہ اگر وہ پکارے تو اس کی بات سنی جائے۔ رہا وہ شخص جو قبلہ کو نہیں جانتا اس سے پوچھنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ رہا وہ جس کی شہادت قبول نہیں ہے وہ کافر، فاسق اور بچے کی طرح ہے۔ کیونکہ دینی امور میں ان کی خبر کا شمار نہیں ہوتا۔ جب تک گمان پر اس کی سچائی غالب نہ ہو جیسا کہ ''القہستانی'' میں ہے۔ اور اس میں ایک عادل شخص کا قول قبول کیا جائے گا جیسا کہ ''النہایہ'' میں ہے۔ رہا یہ کہ جب وہ اس جگہ کے رہنے والوں سے نہ ہو تو چونکہ وہ اپنے اجتہاد سے خبر دے گا تو غیر کے اجتہاد کی وجہ سے وہ اپنے اجتہاد کو نہیں چھوڑے گا۔ رہا یہ کہ اس کے پاس اہل مسجد میں سے کوئی موجود نہ ہو تو وہ تحری کرے اور اس پر لوگوں کے دروازے کھٹکھٹانا واجب نہیں جیسا کہ (مقولہ 3803 میں) آگے آئے گا۔

اور اہل کے ساتھ تقیید کا ظاہر یہ ہے کہ سوال کا وجوب حضر کے ساتھ خاص ہے اور اگر جنگل میں ہو تو واجب نہیں۔ اور ''البدائع'' میں اس کے مخالف قول ہے۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا: اگر اشتباہ کی وجہ سے عاجز ہو اور وہ تاریک رات میں جنگل میں ہو یا قبلہ پر دلالت کرنے والی علامات کو نہ جانتا ہو۔ پھر اگر اس کے پاس کوئی ایسا شخص ہو جس سے قبلہ کے متعلق سوال کر

1۔ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب اذا رایتم الھلال فصوموا، جلد 1، صفحہ 806، حدیث نمبر 1776

صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب وجوب صوم رمضان برؤیۃ الھلال، جلد 2، صفحہ 241، حدیث نمبر 1846

......	......	......	......	......	......	......	......	......	......	......

سکتا ہو تو اس کے لئے تحری کرنا جائز نہیں بلکہ پوچھنا واجب ہے اس وجہ سے جو ہم نے کہا کہ سوال کرنا تحری سے اقویٰ ہے۔ اور ''الذخیرہ'' میں شرط رکھی ہے کہ جنگل میں خبر دینے والا جاننے والا ہو۔ کیونکہ ''فقیہ ابو بکر'' کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ان سے اس شخص کے بارے پوچھا گیا جو جنگل میں ہو پھر اسے دو آدمی بتائیں کہ قبلہ اس جانب ہے اور اس کی تحری دوسری جانب پر واقع ہو تو انہوں نے فرمایا: اگر اس کی رائے میں ہو کہ وہ دونوں قبلہ کے متعلق جانتے ہیں تو ضرور ان کے قول پر عمل کرے ورنہ نہیں۔ ''الخانیہ'' اور ''التجنیس'' میں شرط ہے کہ وہ دونوں اس علاقہ کے ہوں۔ کیونکہ فرمایا: اگر وہ اس علاقہ سے نہ ہوں اور وہ دونوں بھی اس کی طرح مسافر ہوں تو پھر ان کے قول کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ اجتہاد کے ساتھ کہہ رہے ہیں پس وہ اپنے اجتہاد کو دوسرے کے اجتہاد کی وجہ سے ترک نہ کرے۔

ظاہر یہ ہے کہ اس علاقہ سے ہونے کی شرط سے مراد یہ ہے کہ وہ قبلہ کو جاننے والے ہوں۔ کیونکہ کلام جنگل کے بارے میں ہے اور اس کے رہنے والے نہیں ہوتے مگر یہ کہ ان دونوں سے مراد خانہ بدوش ہوں تو وہ اس علاقہ کے ہیں۔ اور وہاں کے رہنے والوں کو دوسروں سے زیادہ علم ہوتا ہے۔ پس ''الذخیرہ'' سے جو (اس مقولہ میں) گزرا ہے اس کے منافی نہیں حتیٰ کہ اگر وہ دونوں اس علاقہ سے ہوں اور انہیں علم نہ ہو تو ان کے قول کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔ پس دارو مدار علم پر ہے۔ کبھی وہ دونوں اس کی مثل مسافر ہوتے ہیں لیکن انہیں اس جگہ کثرت سے آنے جانے کی وجہ سے قبلہ کی معرفت ہوتی ہے یا علم کے طرق میں سے کسی دوسرے طریق سے انہیں قبلہ کی معرفت ہوتی ہے جو طریقہ متحری کی تحری پر فوقیت رکھتا ہے۔

پھر جان لو کہ ہم نے جو ''البدائع'' کے حوالہ سے (اسی مقولہ میں) ابھی نقل کیا ہے ''فی لیلۃ مظلمۃ الخ'' یہ تقاضا کرتا ہے کہ جنگل میں ستاروں سے استدلال، تحری پر مقدم سوال پر مقدم ہے۔ حاصل یہ ہو گیا کہ قبلہ پر حضر میں استدلال پرانی محاریب سے ہوتا ہے۔ اگر محاریب نہ ہوں تو اس جگہ رہنے والوں سے پوچھنے سے ہوتا ہے۔ اور جنگل میں ستاروں سے ہوتا ہے۔ اگر بادل کی وجہ سے، یا ستاروں کی عدم معرفت کی وجہ سے ستاروں سے استدلال ممکن نہ ہو تو پھر قبلہ کو جاننے والے سے سوال کرنے سے ہوتا ہے۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو تحری کرے گا۔ اور اسی طرح تحری کرے گا اگر وہ دوسرے آدمی سے پوچھے اور وہ اسے نہ بتائے حتیٰ کہ اگر اس کے نماز پڑھنے کے بعد اس نے بتایا تو نماز کا اعادہ نہیں کرے گا جیسے کہ ''المنیہ'' میں ہے: اگر وہ دوسرے سے سوال نہ کرے اور تحری کرے اگر وہ درست سمت پر پہنچا تو جائز ہوگا ورنہ نہیں اور اسی طرح اندھے کا حکم ہے۔ تحری کے مسائل (مقولہ 3816 میں) آگے آئیں گے۔

''البحر'' میں اس کو ترجیح دی ہے جو ''الظہیریہ'' میں ہے کہ اگر جنگل میں تحری کے ساتھ نماز پڑھی جبکہ آسمان صاف تھا لیکن وہ ستاروں کو نہیں جانتا تھا پھر ظاہر ہوا کہ اس نے غلطی کی ہے تو جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ ادلہ ظاہرہ جیسے سورج، چاند وغیرہما سے جہالت کسی کے لئے عذر نہیں۔ رہے علم ہیئت کے دقائق اور ثوابت ستاروں کی صورتیں ان سے جہالت میں معذور ہیں۔

(وَالْمُعْتَبَرُ) فِي الْقِبْلَةِ (الْعَرْصَةُ لَا الْبِنَاءُ) فَهِيَ مِنَ الْأَرْضِ السَّابِعَةِ إِلَى الْعَرْشِ (وَقِبْلَةُ الْعَاجِزِ عَنْهَا) لِمَرَضٍ وَإِنْ وَجَدَ مُوَجِّهًا عِنْدَ الْإِمَامِ

اور قبلہ میں معتبر وہ کھلی جگہ ہے نہ کہ عمارت اور یہ ساتویں زمین سے لے کر عرش تک ہے اور مرض کی وجہ سے عاجز کا قبلہ۔ اگرچہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کوئی قبلہ کی طرف اس کا منہ پھیرنے والا پایا جائے۔

3787۔(قولہ: وَالْمُعْتَبَرُ فِي الْقِبْلَةِ) یعنی وہ جس کا استقبال یا جس کی جہت کا استقبال واجب ہے وہ عرصہ ہے۔ اور عرصہ کا لغوی معنی گھروں کے درمیان ہر کھلی جگہ ہے جس میں کوئی عمارت نہ ہو جیسا کہ ''الصحاح'' وغیرہ میں ہے۔ اور اس سے مراد یہاں مبارک مقام ہے۔

3788۔(قولہ: لَا الْبِنَاءُ) یعنی قبلہ سے مراد کعبہ نہیں ہے جس کی عمارت زمین پر اٹھائی گئی ہے۔ اسی وجہ سے اگر اس عمارت کو دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے اور پھر اس کی طرف کوئی نماز پڑھے تو جائز نہ ہوگی بلکہ اس عمارت کی زمین کی طرف نماز پڑھنا واجب ہوگا جیسا کہ ''الجامع الصغیر'' کے حوالہ سے ''فتاویٰ صوفیہ'' میں ہے۔

کرامات الاولیاء ثابت ہیں

''البحر'' میں ''عدۃ الفتاویٰ'' کے حوالہ سے ہے: کعبہ جب اپنی جگہ سے اصحاب کرامت کی زیارت کے لئے اٹھایا گیا ہو تو اس حالت میں اس کی زمین کی طرف نماز جائز ہوگی۔ ''المجتبیٰ'' میں ہے: حضرت ابن الزبیر کے زمانہ میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی بنیادوں پر کعبہ کی عمارت بنائی گئی تھی اور الحجاج کے عہد میں پہلی حالت کی طرف لوٹائی گئی جبکہ لوگ نماز پڑھتے تھے۔ ''فتامل'' اور ''البحر'' میں جو ذکر ہے اسے ''التاتر خانیہ'' میں ''الفتاویٰ العتابیہ'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ ''الخیر الرملی'' نے فرمایا: یہ کرامات اولیاء میں صریح ہے۔ اس کے ساتھ اس کے قول کو رد کیا جائے گا جس نے ہمارے امام کی طرف عدم کرامات کا قول منسوب کیا ہے۔ مکمل کلام (مقولہ 15660 میں) ثبوت النسب کے باب میں آئے گی۔

3789۔(قولہ: فَهِيَ مِنَ الْأَرْضِ السَّابِعَةِ إِلَى الْعَرْشِ) ''الفتاویٰ الصوفیہ'' میں ''الحجہ'' کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ پھر فرمایا: اگر کسی نے بلند پہاڑوں پر نماز پڑھی اور گہرے کنویں میں نماز پڑھی تو جائز ہوگی جیسا کہ کعبہ کی چھت پر اور کعبہ کے اندر نماز جائز ہے ''فتامل''۔ اگر عمارت معتبر ہوتی اور العرصہ معتبر نہ ہوتا تو ان صورتوں میں نماز جائز نہ ہوتی۔ پس تفریع صحیح ہے۔ ''فافہم''

3790۔(قولہ: عِنْدَ الْإِمَامِ) کیونکہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غیر کی قدرت کے ساتھ قادر عاجز ہے۔ کیونکہ بندہ اپنی قدرت کے ساتھ مکلف ہوتا ہے غیر کی قدرت کے ساتھ مکلف نہیں ہوتا بخلاف ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس کا قبلہ کی طرف رخ کرنا لازم ہے اگر وہ کوئی منہ پھیرنے والا پائے۔ اور ''المنیہ''، ''المنح''، ''الدرر'' اور ''الفتح'' میں اختلاف حکایت کئے بغیر ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر جزم کیا ہے۔ اور یہ اس کے خلاف ہے کہ اگر کوئی وضو سے

أَوْ خَوْفِ مَالٍ وَكَذَا كُلُّ مَنْ سَقَطَ عَنْهُ الْأَرْكَانُ (جِهَةُ قُدْرَتِهِ)

یا مال کے خوف کی وجہ سے قبلہ سے عاجز شخص اور اسی طرح ہر وہ شخص جس سے ارکان نماز ساقط ہو گئے ہوں اس کا قبلہ اس کی قدرت کی جہت ہے

عاجز ہو اور ایسا شخص پائے جو اسے وضو کرائے تو اسے وضو کرنا لازم ہے۔ اور بالاتفاق اسے تیمم کرنا ظاہر مذہب میں جائز نہیں۔ بعض نے کہا: اس میں بھی اختلاف ہے۔ اور ہم نے باب التیمم میں (مقولہ 2052 میں) فرق پیش کیا ہے پس اس کی طرف رجوع کریں۔ اور جب اس کے لئے مال ہو اور اجرت مثلی کے ساتھ کوئی مزدور پائے تو کیا ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اسے اجرت پر لینا لازم ہے۔ جیسا کہ فقہاء نے تیمم میں کہا ہے، یا نہیں؟ میں نے کوئی عالم نہیں دیکھا جس نے یہ ذکر کیا ہو۔ اور لزوم ہونا چاہئے۔ پھر یہ میں نے ''شرح الشیخ اسماعیل'' میں ''الروضہ'' کے حوالہ سے دیکھا لیکن اس قید کے ساتھ کہ اجرت نصف درہم سے کم ہو۔ پس اگر نصف درہم یا زیادہ کا مزدور مطالبہ کرے تو اسے یہ اجرت دینی لازم نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد اجرت مثلی ہے جیسا کہ فقہاء نے باب التیمم میں اس کی تفسیر بیان کی ہے جیسا کہ ہم نے (مقولہ 2052 میں) وہاں بیان کیا ہے۔

3791۔ (قولہ: أَوْ خَوْفِ مَالٍ) یعنی مال کے ضائع ہونے کا خوف ہو چوری وغیرہ کی وجہ سے اگر وہ قبلہ کی طرف منہ کرے۔ خواہ مال اس کی ملکیت ہو، یا امانت ہو، یا تھوڑا ہو، یا زیادہ ہو۔ ''طحطاوی''۔ اور اس کو کسی طرف منسوب نہیں کیا۔ پس رجوع کرنا چاہئے۔ ہاں مفسدات صلاۃ میں آئے گا کہ نماز کو توڑنا جائز ہے اس چیز کے ضیاع کی وجہ سے جس کی قیمت ایک درہم ہو خواہ اس کا اپنا مال ہو یا کسی دوسرے کا مال ہو۔

3792۔ (قولہ: وَكَذَا كُلُّ مَنْ سَقَطَ عَنْهُ الْأَرْكَانُ) یعنی اس کا قبلہ اس کی قدرت کی جہت پر ہوگا۔ ''البحر'' میں فرمایا: اور عذر شامل ہے جب وہ کشتی میں ایک تختہ پر ہو اور اسے غرق ہونے کا اندیشہ ہو جب وہ قبلہ کی طرف پھرے، اور اسے بھی شامل ہے جب وہ مٹی اور کیچڑ میں ہو زمین پر کوئی خشک جگہ نہ پائے، یا جانور سرکش ہو اگر وہ اترے تو پھر بغیر معاون کے اس پر سوار ہونا ممکن نہ ہو، یا وہ بوڑھا شخص ہو اس کے لئے سوار ہونا ممکن نہ ہو مگر معاون کے ساتھ اور وہ اسے نہ پائے تو جس طرح سواری پر نماز جائز ہے اگرچہ فرض ہو اور اس سے جس طرح ارکان نماز ساقط ہو جاتے ہیں اسی طرح قبلہ کی طرف توجہ بھی ساقط ہو جاتی ہے جب اس کے لئے ممکن نہ ہو۔ اور اس پر اعادہ نہیں ہے جب وہ قادر ہو۔ پس ان تمام صورتوں میں قبلہ کی طرف منہ کرنے کا امکان نہ ہونا شرط ہے۔ اور سواری پر نماز میں اس کو ٹھہرانا شرط ہے اگر وہ قادر ہو ورنہ اگر اسے ضرر کا خوف ہو مثلاً قافلہ چلا جائے گا اور وہ منقطع ہو جائے گا تو اسے سواری کا ٹھہرانا لازم نہیں اور استقبال قبلہ لازم نہیں جیسا کہ ''الحلبہ'' میں گیلی مٹی کی وجہ سے سوار پر نماز کے مسئلہ کو اس کے ساتھ مقید کیا ہے کہ جب وہ سواری سے اترنے سے عاجز ہو۔ پس اگر وہ قادر ہو تو نیچے اترے اور کھڑے ہو کر اشارہ سے نماز پڑھے۔ ''زیلعی'' نے یہ زائد کیا ہے کہ اگر وہ بیٹھنے پر قادر ہو اور سجدہ پر قادر نہ ہو تو بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھے۔ اور اگر زمین تر گیلی ہو اس طرح کہ اس کا چہرہ کیچڑ میں غائب نہ ہوتا ہو تو زمین پر نماز پڑھے اور سجدہ کرے۔ مکمل کلام (مقولہ 5843 میں) باب الوتر والنوافل میں سواری پر نماز کے متعلق آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

وَلَوْ مُضْطَجِعًا بِإِيمَاءٍ لِخَوْفِ رُؤْيَةِ عَدُوٍّ وَلَمْ يُعِدْ لِأَنَّ الطَّاعَةَ بِحَسَبِ الطَّاقَةِ (وَيَتَحَرَّى) هُوَ بَذْلُ الْمَجْهُودِ لِنَيْلِ الْمَقْصُودِ (عَاجِزٌ عَنْ مَعْرِفَةِ الْقِبْلَةِ) بِمَا مَرَّ

اگر چہ اس نے دشمن کے دیکھنے کے خوف کی وجہ سے اشارہ سے لیٹ کر نماز پڑھی ہو اور وہ نماز کا اعادہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ طاعت طاقت کے مطابق ہوتی ہے۔ اور تحری کرے'' اور تحری کا مطلب ہے مقصود کو پانے کے لئے اپنی کوشش صرف کرنا'' قبلہ کی معرفت سے عاجز شخص ان ذرائع کے ساتھ جو پہلے گزر چکے ہیں

3793۔ (قولہ: وَلَوْ مُضْطَجِعًا الخ) یہ قدرت کے لئے عموم ہے یعنی عاجز جس جہت پر قادر ہو اگر چہ وہ پہلو کے بل لیٹا ہوا ہو۔ ''الزیلعی'' نے کہا: عجز میں دشمن یا درندے یا چور سے خوف برابر ہے حتیٰ کہ جب اسے خوف ہو کہ دشمن اسے دیکھ لے گا اگر اس نے قبلہ کی طرف رخ کیا تو وہ جس جہت کی طرف رخ کرنے پر قادر ہے اس کی طرف رخ کرنا جائز ہے۔ اور اگر اسے خوف ہو کہ دشمن اسے دیکھ لے گا اگر وہ بیٹھے گا تو وہ لیٹ کر اشارہ کے ساتھ نماز پڑھے۔ اور اسی طرح دشمن سے سوار ہو کر بھاگنے والا سواری پر نماز پڑھے۔

3794۔ (قولہ: وَلَمْ يُعِدْ) کیونکہ یہ تمام اعذار ساوی ہیں حتیٰ کہ دشمن سے خوف بھی ساوی ہے۔ کیونکہ خوف کسی کے ملنے سے حاصل نہیں ہوتا بخلاف مقید کے جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اعادہ کرے گا۔ ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اعادہ نہیں کرے گا جیسا کہ (مقولہ 2067 میں) ''شرح المنیہ'' میں ہے۔ اس کی تحقیق باب التیمم میں گزر چکی ہے۔ پس یہاں بھی نماز کو لوٹانا چاہئے۔ کیونکہ بیٹھ کر نماز پڑھنے اور غیر قبلہ رخ کرنے کے درمیان فرق نہیں ہے۔ کیونکہ قید بندے کی جہت سے عذر ہے کیونکہ یہ مخلوق کی مباشرت سے ہے۔ ''تامل''

قبلہ میں تحری کے مسائل

3795۔ (قولہ: هُوَ) اس سے مراد التحری ہے جو یتحری کے فعل سے مفہوم ہے۔

3796۔ (قولہ: بِمَا مَرَّ) یہ ''معرفۃ'' کے متعلق ہے۔ اور جو گزر چکا ہے وہ محاریب، ستاروں اور قبلہ جاننے والے سے سوال کرنے سے استدلال ہے۔ یہ فائدہ ظاہر فرمایا کہ ان استدلالات پر قدرت کے باوجود تحری نہیں کرے گا حتیٰ کہ اگر اس کے پاس کوئی ایسا شخص ہو جس سے وہ پوچھ سکتا ہو پھر اس نے تحری کی اور سوال نہیں کیا اگر قبلہ کی صحیح سمت پالی تو مقصود کے حصول کی وجہ سے نماز جائز ہوگی ورنہ نہیں۔ کیونکہ تحری کا قبلہ کسی علامت کے صرف دل کی شہادت پر مبنی ہوتا ہے اور شہر والوں کے لئے قبلہ کی جہت کا علم ہوتا ہے وہ جہت جس پر علامت دلالت کرتی ہے مثلاً ستارے وغیرہ۔ پس تحری سے ثابت جہت سے یہ جہت بلند ہے۔ اسی طرح جب وہ شہر میں قائم محاریب پائے یا جنگل میں ہو اور آسمان صاف ہو اور اسے ستاروں سے کا علم ہو تو اس کے لئے تحری جائز نہیں۔ کیونکہ یہ اس سے بلند ہے۔ مکمل بحث ''الحلبہ'' وغیرہا میں ہے۔ مذکور سے شدہ دلائل سے عجز کے بعد اس پر تحری کرنا ہے اور وہ اپنے جیسے شخص کی تقلید نہ کرے۔ کیونکہ مجتہد، مجتہد

(فَإِنْ ظَهَرَ خَطَؤُهُ لَمْ يُعِدْ) لِمَا مَرَّ (وَإِنْ عَلِمَ بِهِ فِي صَلَاتِهِ أَوْ تَحَوَّلَ رَأْيُهُ) وَلَوْ فِي سُجُودِ سَهْوٍ (اسْتَدَارَ وَبَنَى) حَتَّى لَوْ صَلَّى كُلَّ رَكْعَةٍ لِجِهَةٍ جَازَ وَلَوْ بِمَكَّةَ أَوْ مَسْجِدٍ مُظْلِمٍ، وَلَا يَلْزَمُهُ قَرْعُ أَبْوَابٍ

اگر اس کی خطا ظاہر ہو تو نماز کا اعادہ نہ کرے اس دلیل کی وجہ سے جو گزر چکی ہے۔ اور اگر نماز میں اس کو قبلہ کی سمت کا علم یا اس کی رائے بدل گئی اگرچہ سجدہ سہو میں ہو تو وہ گھوم جائے اور پہلی نماز پر بنا کرے حتیٰ کہ اگر ہر رکعت علیحدہ علیحدہ جہت پر پڑھی تب بھی جائز ہے اور اگرچہ مکہ میں ہو یا تاریک مسجد میں ہو۔ اور دروازے کھٹکھٹانا

کی تقلید نہیں کرتا۔ اور جب اس کی تحری کسی چیز پر واقع نہ ہو تو کیا اس کے لئے تقلید کرنا جائز ہے؟ میں نے یہ نہیں دیکھا۔

3797۔ (قولہ: فَإِنْ ظَهَرَ خَطَؤُهُ) یعنی نماز پڑھنے کے بعد خطا ظاہر ہو۔

3798۔ (قولہ: لِمَا مَرَّ) طاعت، طاقت کے مطابق ہوتی ہے۔

3799۔ (قولہ: وَإِنْ عَلِمَ بِهِ) یعنی اپنی خطا کا علم ہو جائے۔ ''فافہم''

3800۔ (قولہ: أَوْ تَحَوَّلَ رَأْيُهُ) اگر اس کے گمان پر غالب آجائے کہ درست، دوسری جہت ہے تو ضروری ہے کہ اس کا دوسرا اجتہاد ارجح ہو۔ کیونکہ ضعیف معدوم کی طرح ہے۔ اور اسی طرح مساوی اجتہاد ہے۔ اس صورت میں پہلے پر عمل کے لئے ترجیح ظاہر ہوتی ہے۔

3801۔ (قولہ: اسْتَدَارَ وَبَنَى) یعنی گھوم جائے اور جو بقیہ نماز ہے اسے دوسری سمت پر پڑھے۔ کیونکہ روایت کیا گیا ہے کہ اہل قبا فجر کی نماز میں بیت المقدس کی طرف متوجہ تھے پس انہیں تحویل قبلہ کی خبر دی گئی تو وہ قبلہ کی طرف گھوم گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس پر ثابت رکھا(1)۔ رہی یہ صورت کہ جب نمازی کی اپنی رائے پھر جائے تو متجدد اجتہاد گزشتہ نماز کے حق میں ماقبل کے حکم کو منسوخ نہیں کرتا۔ اور فوراً گھومنا لازم ہونا چاہئے حتیٰ کہ اگر ایک رکن کی مقدار ٹھہرا رہا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

3802۔ (قولہ: وَلَوْ بِمَكَّةَ) وہ اس طرح کہ وہ قیدی ہو اور اس کے پاس کوئی ایسا شخص نہ ہو جس سے وہ پوچھے تو وہ تحری کے ساتھ نماز پڑھے۔ پھر ظاہر ہو کہ اس نے غلطی کی ہے ''بحر''۔ یہی اوجہ ہے۔ اور ''الخانیہ'' اور ''حلبہ'' میں اس پر اکتفا کیا ہے۔

3803۔ (قولہ: وَلَا يَلْزَمُهُ قَرْعُ أَبْوَابٍ) ''الخلاصہ'' میں ہے: جب مسجد میں قوم نہ ہو اور مسجد شہر میں تاریک رات میں ہو تو امام ''النسفی'' نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا: اس کی نماز (تحری سے) جائز ہے۔

اور ''الکافی'' میں ہے: وہ لوگوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالے۔ ''ابن الہمام'' نے فرمایا: اوجہ یہ ہے کہ جب اسے معلوم ہو کہ اس مسجد کے لئے یہاں کی مقیم ایک قوم ہے مگر وہ اس کے داخل ہونے کے وقت موجود نہ تھے اور وہ شہر میں اس کے ارد گرد ہیں تو ان کو طلب کرنا واجب ہے تاکہ تحری سے پہلے ان سے پوچھ لے۔ کیونکہ تحری قبلہ کی معرفت سے عجز کے متعلق ہے۔

اس میں اور جو ''الخلاصہ'' اور ''الکافی'' کے حوالے سے گزرا ہے ان میں منافات نہیں ہے۔ کیونکہ مراد یہ ہے کہ جب وہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب تحویل القبلہ، جلد 1، صفحہ 550، حدیث نمبر 871

وَمَسُّ جُدْرَانٍ وَلَوْ أَعْمَى، فَسَوَّاهُ رَجُلٌ بَنَى وَلَمْ يَقْتَدِ الرَّجُلُ بِهِ وَلَا بِمُتَحَرٍّ تَحَوَّلَ: وَلَوْ ائْتَمَّ بِمُتَحَرٍّ بِلَا تَحَرٍّ

اور دیواروں کو چھونا اس پر لازم نہیں۔ اور اگر اندھے شخص کو کسی نے قبلہ کی طرف سیدھا کر دیا تو وہ بنا کرے اور اس اندھے کی کوئی شخص اقتدا نہ کرے۔ اور اس تحری کرنے والے کی کوئی اقتدا نہ کرے جو ایک طرف سے پھر چکا ہے۔ اور اگر کسی نے بلا تحری کسی تحری کرنے والے کی اقتدا کی

منازل کے اندر نہ ہوں اور تاریکی، بارش وغیرہ کی تکلیف کے ساتھ ان کی طلب سے حرج لازم نہ آتی ہو''شرح المنیہ''۔

3804۔(قولہ: وَمَسُّ جُدْرَانٍ) کیونکہ دیوار اگر منقوش ہوگی تو دوسری دیوار سے محراب کی تمیز ممکن نہ ہوگی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہاں کوئی اذیت دینے والی چیز ہو تو پس اس کے لئے تحری جائز ہے۔''بحر'' عن''الخانیہ''۔

اور یہ بعض مساجد میں صحیح ہوتا ہے۔ رہا اکثر مساجد میں تو تاریکی میں بغیر اذیت کے محراب کی تمیز کرنا ممکن ہوتا ہے۔ پس تحری جائز نہیں۔''اسماعیل'' عن''المفتاح''۔

3805۔(قولہ: وَلَوْ أَعْمَى الخ)''شرح المنیہ'' میں فرمایا: اگر اندھا ایک رکعت غیر قبلہ کی طرف پڑھے پھر ایک شخص آئے اور اسے صحیح قبلہ کی سمت کر دے اور پھر اس کی اقتدا کرے اگر اندھے نے نماز شروع کرتے وقت ایسے شخص کو پایا تھا جس سے پوچھ سکتا تھا لیکن اس نے پوچھا نہیں تھا تو دونوں کی نماز جائز نہ ہوگی ورنہ اندھے کی ہو جائے اور اس کے مقتدی کی نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کے نزدیک اس کا امام فاسد پر اپنی نماز کی بنا کرنے والا ہے اور وہ پہلی رکعت ہے۔ اس کی مثل''الفیض'' اور ''السراج'' میں ہے۔

اس کا مفاد یہ ہے کہ اندھے کو محراب کا چھونا لازم نہیں جب وہ ایسا شخص نہ پائے جس سے وہ قبلہ کے متعلق پوچھے۔ اگر امکان کے باوجود اس نے سوال ترک کیا اور پھر قبلہ کی صحیح سمت کو اس نے پالیا تو اس کی نماز جائز ہوگی ورنہ نہیں جیسا کہ (مقولہ 3786 میں) ہم نے''المنیہ'' کے حوالہ سے پیش کیا ہے۔

3806۔(قولہ: وَلَا بِمُتَحَرٍّ تَحَوَّلَ) یعنی وہ شخص جس نے تحری کی اور قبلہ کی طرف پھر گیا مقتدی کو اس کی پہلی حالت کا علم ہو تو وہ اس کی اقتدا نہ کرے۔''الخزائن'' میں الشارح کی عبارت یہ ہے۔ جیسے کسی نے تحری کی پھر اس نے خطا کی پھر اسے صحیح سمت معلوم ہوئی تو وہ پھر گیا تو وہ شخص اس کی اقتدا نہ کرے جس کو اس کی حالت کا علم ہے یعنی جس کو علم تھا کہ امام نماز کے آغاز میں غلط تھا۔''بحر''۔

اور اس کا مفاد یہ ہے کہ اگر وہ تحری کے ساتھ اس جہت کی طرف پھر گیا جس کو اس نے قبلہ گمان کیا تو دوسرے کے لئے اس کی اقتدا کرنا جائز ہے اگر اس نے اس کی مثل تحری کی تھی ورنہ یہ آئندہ مسئلہ کی طرح ہے۔''تامل''

3807۔(قولہ: بِمُتَحَرٍّ) یہ''ائتمّ'' کے متعلق ہے۔ اور''بلا تحرٍ'' کا قول محذوف کے متعلق ہے جو''ائتمّ'' کے فاعل سے حال ہے۔

لَمْ يَجُزْ إِنْ أَخْطَأَ الْإِمَامُ، وَلَوْ سَلَّمَ فَتَحَوَّلَ رَأْيُ مَسْبُوقٍ وَلَاحِقٍ اسْتَدَارَ الْمَسْبُوقُ وَاسْتَأْنَفَ اللَّاحِقُ، وَمَنْ لَمْ يَقَعْ تَحَرِّيهِ عَلَى شَيْءٍ صَلَّى لِكُلِّ جِهَةٍ مَرَّةً احْتِيَاطًا،

تو اس کی نماز جائز نہ ہوگی اگر امام نے غلطی کی ہوگی۔ اگر امام نے سلام پھیر دیا پھر مسبوق اور لاحق کی رائے بدل گئی تو مسبوق گھوم جائے اور لاحق نئے سرے سے نماز پڑھے۔ اور کسی کی تحری کسی سمت پر واقع نہ ہو تو وہ ہر جہت پر احتیاطاً ایک مرتبہ نماز پڑھے۔

3808۔ (قولہ: لَمْ يَجُزْ) یعنی اس کی اقتدا جائز نہیں اگر ظاہر ہوا کہ امام غلطی کرنے والا ہے۔ کیونکہ بغیر تحری کے اشتباہ کے وقت نماز جائز ہوتی ہے جب درست سمت پڑھی جائے جیسا کہ پہلے (مقولہ 3796 میں) گزر چکا ہے اور آئندہ (مقولہ 3813 میں) بھی آئے گا۔ رہی امام کی نماز تو اس کی تحری کی وجہ سے صحیح ہے۔ اگر امام درست سمت ہوا تو دونوں کی نماز جائز ہے جیسا کہ ''شرح المنیہ'' میں ہے۔

3809۔ (قولہ: اسْتَدَارَ الْمَسْبُوقُ) کیونکہ مسبوق اپنی بقیہ نماز میں منفرد ہے بخلاف لاحق کے کیونکہ وہ اپنی قضا نماز میں مقتدی ہے۔ اور مقتدی کے لئے جب ظاہر ہو جبکہ وہ امام کے پیچھے ہو کہ قبلہ اس سمت کے علاوہ سمت میں ہے جس کی طرف امام نماز پڑھا رہا ہے تو لاحق کی نماز کی اصلاح ممکن نہیں۔ کیونکہ اگر وہ صحیح سمت گھوم جائے گا تو قصداً اپنے امام کی جہت میں مخالفت کرے گا اور یہ نماز کی مفسد ہے ورنہ وہ اپنی نماز کو غیر قبلہ کی طرف مکمل کرنے والا ہوگا اور یہ بھی مفسد ہے۔ پس اسی طرح لاحق ہے۔ ''شرح المنیہ''۔

اب یہ صورت باقی ہے جب وہ لاحق اور مسبوق ہو اور اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس نے پہلے وہ قضا کی جس میں وہ لاحق ہوا تھا پھر وہ جس میں وہ مسبوق تھا، پھر جس کے ساتھ وہ لاحق ہوا اس کی قضا میں اس کی رائے بدل گئی تو نئے سرے سے نماز پڑھے۔ اگر مسبوق کی قضا میں اس کی رائے تبدیل ہوئی تو وہ پھر جائے۔ رہا یہ کہ اگر اس نے پہلے مسبوق حالت کی قضا کی پھر لاحق حالت کی قضا کی اگر اس کی رائے لاحق حالت میں بدلی تو نئے سرے سے نماز پڑھے، اگر مسبوق حالت میں بدلی اگر وہ لاحق حالت کی نماز میں شروع ہونے تک اپنی رائے پر باقی رہا تو نئے سرے سے پڑھے۔ یہ تمام صورتیں ظاہر ہیں۔ رہی یہ صورت کہ وہ لاحق ہونے کی حالت کی نماز میں شروع ہونے تک برقرار نہ رہا اس طرح کہ اس کی رائے امام کی جہت کی طرف پھر گئی لاحق ہونے کی حالت کی نماز کی قضا سے پہلے تو اس میں تردد ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ وہ گھوم جائے۔ تامل، ''حلبی''۔ اور ''الطحطاوی'' اور ''الرحمتی'' نے اس کو ثابت رکھا ہے۔

3810۔ (قولہ: وَمَنْ لَمْ يَقَعْ تَحَرِّيهِ) ''البحر'' اور ''الحلبہ'' وغیرہ میں ''فتاویٰ العتابی'' کے حوالہ سے ہے: کسی نے تحری کی پھر اس کی تحری کسی چیز پر واقع نہ ہوئی بعض علماء نے فرمایا: وہ نماز کو مؤخر کرے۔ بعض نے فرمایا: وہ چاروں جہتوں میں نماز پڑھے۔ بعض نے فرمایا: اسے اختیار ہوگا (جس سمت چاہے پڑھ لے)۔ ''زاد الفقیر'' میں پہلے قول کو ترجیح دی ہے کیونکہ انہوں نے اس پر جزم کیا ہے اور دوسرے دو قول ''قیل'' کے ساتھ تعبیر فرمائے ہیں۔ ''شرح المنیہ'' میں درمیانے قول

......	......	......	......	......	......	......	......	......	......	......

کو پسند کیا ہے اور فرمایا: اس میں زیادہ احتیاط ہے۔ ''حلبی'' نے ''الہندیہ'' سے انہوں نے ''المضمرات'' سے نقل کیا ہے کہ یہی درست ہے۔ اسی وجہ سے الشارح نے اس کو اختیار کیا ہے۔ اور ''القہستانی'' کے کلام کا ظاہر آخری قول کو ترجیح ہے۔ اور یہی میرے لئے ظاہر ہوا ہے۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا: اگر کوئی تحری کرے اور کسی سمت پر یقین نہ ہو تو جس سمت میں چاہے نماز پڑھ لے جائز ہو جائے گی اگر چہ اس میں اس نے خطا کی ہو۔ اور بعض علماء نے فرمایا: اگر اس کی تحری کسی سمت پر نہ پہنچے تو نماز کو مؤخر کر دے۔ بعض نے فرمایا: وہ چاروں جہات پر نماز پڑھے جیسا کہ ''الظہیریہ'' میں ہے۔

اس کا مفاد یہ ہے کہ التخییر کا معنی یہ ہے کہ ایک دفعہ نماز پڑھے چاروں جہات میں سے جس جہت کا ارادہ کرے۔ شوافع اور حنابلہ نے اس کی تصریح کی ہے۔ رہا وہ جو ''شرح المنیۃ الکبیر'' میں اس کی تفسیر سے ہے: بعض علما نے فرمایا: اسے اختیار دیا جائے گا اگر چاہے تو مؤخر کرے اور اگر چاہے تو چار مرتبہ چاروں جہات کی طرف نماز پڑھے۔

ظاہر یہ ہے کہ یہ ان کی اپنی طرف سے ہے۔ کیونکہ ''فتاویٰ العتابی'' میں یہ زیادتی نہیں ہے۔ اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب اس نے چاروں جہات کی طرف نماز پڑھی تو یقیناً تین مرتبہ غیر قبلہ کی طرف اس پر نماز لازم ہوگی۔ اور یہ ممنوع ہے۔ اور ممنوع کا ترک مامور فعل سے مقدم ہے۔ اسی وجہ سے نجاست کے ساتھ نماز پڑھتا ہے جب اس کے دھونے سے لوگوں کے سامنے شرمگاہ کا کھلنا لازم آتا ہے۔ یہاں مامور بہ ساقط ہے۔ کیونکہ قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے جب اس پر قدرت ہو اور تحری کرنے والے کا قبلہ اس کی تحری کی جہت ہے۔ اور جب اس کی تحری کسی جہت پر واقع نہ ہوئی تو اس کے حق میں چاروں جہات برابر ہوئیں۔ پس وہ ان میں سے ایک کو اختیار کرے گا اور اس کی طرف نماز پڑھے گا اور اس کی نماز صحیح ہوگی اگر چہ اس میں اس کی غلطی ظاہر ہو جائے۔ کیونکہ اس نے وہی کیا ہے جو اس کی وسعت میں تھا۔ اور یہ وجہ آخری قول کو تقویت دیتی ہے...... یعنی تخییر کے قول کو...... اس معنی پر جو ہم نے ''القہستانی'' کے حوالہ سے (اس مقولہ میں) ذکر کیا ہے۔ اور جو الشارح نے اختیار کیا ہے اسے کمزور کرتی ہے۔ اور شارح نے اس میں احتیاط کا دعویٰ کیا ہے۔ پس تو انصاف کے ساتھ اس میں غور کر۔

اور پہلا قول جس کو ''الکمال'' نے ''زاد الفقیر'' میں اختیار کیا ہے اس کی وجہ ظاہر ہے۔ وہ یہ کہ جب قبلہ پر دلیل نہ ہونے کے وقت قبلہ اس کی تحری کی جہت ہے اور اس کی تحری کسی جہت پر واقع نہیں ہوئی تو وہ نماز کی صحت کی شرط کو نہ پانے والا ہے۔ پس وہ نماز کو مؤخر کرے گا جیسے پانی اور مٹی کو نہ پانے والا ہوتا ہے۔ لیکن آخری قول...... اور وہ وقت میں نماز کا وجوب ہے تخییر کے ساتھ کہ جس جہت چاہے پڑھ لے...... زیادہ محتاط ہے جیسے اگر کوئی کپڑا پائے جس میں چوتھائی سے کم پاک ہے اور اللہ کے قول کے عموم کی وجہ سے فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (البقرہ: 115)۔

کیونکہ بعض علما نے فرمایا: یہ اشتباہ قبلہ کے مسئلہ میں نازل ہوئی ہے۔ اور جو ہم نے ''القہستانی'' کے حوالہ سے (اس مقولہ میں) پیش کیا ہے اس کا ظاہر اس کا اختیار ہے۔ اور ''البحر'' کا کلام اسی کا شعور دیتا ہے۔ یہی شوافع اور حنابلہ کا مذہب ہے جیسا کہ (اس مقولہ میں) گزر چکا ہے۔

وَمَنْ تَحَوَّلَ رَأْيُهُ لِجِهَتِهِ الْأُولَى اسْتَدَارَ، وَمَنْ تَذَكَّرَ تَرْكَ سَجْدَةٍ مِنَ الْأُولَى اسْتَأْنَفَ (وَإِنْ شَرَعَ بِلَا تَحَرٍّ لَمْ يَجُزْ وَإِنْ أَصَابَ) لِتَرْكِهِ فَرْضَ التَّحَرِّي إِلَّا إِذَا عَلِمَ إِصَابَتَهُ بَعْدَ فَرَاغِهِ فَلَا يُعِيدُ اتِّفَاقًا، بِخِلَافِ

اور جس کی رائے پہلی جہت کے لئے پھری تو وہ پہلی جہت کی طرف پھر جائے اور جیسے پہلی رکعت کے سجدہ کا ترک یاد آیا تو وہ نئے سرے سے نماز پڑھے۔ اگر بلا تحری نماز شروع کرے گا تو نماز جائز نہ ہوگی اگر چہ وہ صحیح سمت پڑھی ہو۔ کیونکہ اس نے تحری کا فرض ترک کیا ہے۔ مگر جب نماز سے فارغ ہونے کے بعد اسے صحیح سمت کا علم ہوا ہو تو بالاتفاق نماز کا اعادہ نہیں کرے گا بخلاف

جب کسی مسئلہ میں تین اقوال ذکر کئے جائیں تو ارجح پہلا یا تیسرا قول ہوتا ہے نہ کہ درمیانہ

اور ہم نے ''المستصفی'' کے حوالہ سے کتاب کے آغاز میں (مقولہ 472 میں) پیش کیا تھا کہ جب کسی مسئلہ میں تین اقوال ذکر کئے جائیں تو ارجح پہلا قول ہوگا یا تیسرا نہ کہ درمیانہ۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

3811۔ (قولہ: اسْتَدَارَ) ''شرح المنیہ'' میں فرمایا: متاخرین علما کا اس میں اختلاف ہے کہ جب تیسری یا چوتھی رکعت میں اس کی رائے پہلی جہت کی طرف لوٹی تو بعض علما نے فرمایا: وہ نماز کو مکمل کرے۔ بعض نے فرمایا: دوبارہ پڑھے۔ اسی طرح ''الخلاصہ'' میں ہے۔ پہلا قول اوجہ ہے۔ اسی وجہ سے اس قول کو ''الخانیہ'' میں مقدم کیا ہے۔ کیونکہ وہ اشہر کو مقدم کرتے ہیں۔ اور ''القہستانی'' نے اس پر جزم کیا ہے اور الشارح نے اس کی متابعت کی ہے۔

3812۔ (قولہ: اسْتَأْنَفَ) کیونکہ اگر وہ دوسری جہت کی طرف سجدہ کرے گا تو اس نے غیر قبلہ کی طرف سجدہ کیا۔ کیونکہ یہ سجدہ پہلی رکعت کا جز ہے اور دوسری جہت پہلی رکعت کے تمام اجزاء کا قبلہ نہیں۔ اور اگر وہ پہلی جہت پر سجدہ کرے گا تو وہ اس قبلہ سے ہٹ جائے گا جواب اس کا قبلہ ہے۔ ''حلبی''۔

3813۔ (قولہ: وَإِنْ شَرَعَ) ضمیر کا مرجع عاجز ہے یعنی جب اس پر قبلہ مشتبہ ہو جائے اور وہ گزشتہ دلائل سے قبلہ کی معرفت سے عاجز ہو تو اس کی تحری کی جہت اس کا قبلہ ہے۔ پس اگر وہ بغیر تحری کے نماز میں شروع ہوا تو اس کی نماز جائز نہ ہو گی جب تک نماز سے فارغ ہونے کے بعد اسے یقین نہ ہو کہ اس کی سمت قبلہ درست تھی۔ کیونکہ اصل استصحاب حال کی وجہ سے عدم استقبال ہے۔ پس جب یقیناً ظاہر ہوا کہ اس نے درست سمت نماز پڑھی ہے تو ابتدا سے جواز ثابت ہو گیا اور استصحاب باطل ہو گیا حتیٰ کہ اگر اس کی زیادہ رائے ہو کہ اس نے صحیح سمت نماز پڑھی ہے تو بھی صحیح یہ ہے کہ اس کی نماز جائز نہیں جیسا کہ ''الحلبہ'' میں ''الخانیہ'' کے حوالہ سے ہے۔ اور اگر نماز کے دوران اسے یقین ہوا تو جائز نہ ہوگی۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ علم کے بعد اس کی حالت قوی ہو گئی ہے اور قوی کی ضعیف پر بنا جائز نہیں ہے۔

3814۔ (قولہ: بِخِلَافِ الخ) یعنی اگر ایک جہت پر تحری واقع ہوئی اور پھر اس نے اس کے علاوہ جہت پر نماز پڑھی تو وہ مطلقاً نئے سرے سے نماز پڑھے یعنی خواہ اس نے جان لیا کہ صحیح سمت ہے یا غلطی کی ہے، نماز میں ہو یا نماز کے بعد علم ہو، یا کچھ بھی ظاہر نہ ہو۔ امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اس پر کفر کا اندیشہ ہے۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی

مُخَالِفِ جِهَةِ تَحَرِّيهِ فَإِنَّهُ يَسْتَأْنِفُ مُطْلَقًا كَمُصَلٍّ عَلَى أَنَّهُ مُحْدِثٌ أَوْ ثَوْبَهُ نَجِسٌ أَوِ الْوَقْتَ لَمْ يَدْخُلْ فَبَانَ بِخِلَافِهِ لَمْ يَجُزْ (صَلَّى جَمَاعَةٌ عِنْدَ اشْتِبَاهِ الْقِبْلَةِ) فَلَوْ لَمْ تَشْتَبِهْ إِنْ أَصَابَ جَازَ (بِالتَّحَرِّي)

اس کے جو اپنی تحری کی جہت کا مخالف ہے وہ مطلقاً نئے سرے سے نماز پڑھے جیسے وہ نمازی جو بے وضو تھا یا اس کے کپڑے ناپاک تھے یا وقت داخل نہیں ہوا تھا پھر اس کے خلاف ظاہر ہوا تو جائز نہ ہوگی۔ ایک جماعت نے اشتباہ قبلہ کے وقت نماز پڑھی۔ پس اگر اشتباہ نہ ہوتا اگر درست سمت پڑھتے تو جائز ہوتا تحری کے ساتھ

ہے کہ اس کی نماز جائز ہوگی اگر وہ صحیح سمت پہنچا۔ پہلے قول کے ساتھ فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ''فیض''۔

ان دونوں کے لئے فرق یہ ہے کہ جو فرض لغیرہ ہوتا ہے اس کا حصول شرط ہوتا ہے نہ کہ اس کی تحصیل شرط ہوتی ہے لیکن فساد کے اعتقاد کے عدم کے ساتھ اور اس پر دلیل نہ ہونے کے ساتھ۔ اور اس کی تحری کی جہت کی مخالفت اس کی نماز کے فساد کے اعتقاد کا تقاضا کرتی ہے۔ پس یہ اس طرح ہو گیا جیسے اگر اس نے نماز پڑھی اور اس کے نزدیک وہ محدث تھا، یا اس کے کپڑے ناپاک تھے، یا وقت داخل نہیں ہوا تھا پھر اس کے خلاف ظاہر ہوا تو ان تمام صورتوں میں اس کی نماز جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کے نزدیک اس نے جو فعل کیا ہے وہ جائز نہیں ہے بخلاف عدم متحری کی صورت کے۔ کیونکہ وہ اس میں فساد کا اعتقاد نہیں رکھتا بلکہ اس میں اور اس کے عدم میں اسے شک ہے بخلاف اس کے جب نماز مکمل کرنے سے پہلے اسے درست سمت ہونے کا علم ہو جائے۔ جیسا کہ ''شرح المنیہ'' میں ہے۔

3815۔ (قولہ: أَوْ ثَوْبُهُ) انّ کے اسم پر عطف کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کی مثل الوقت ہے۔ ''حلبی''۔

3816۔ (قولہ: فَلَوْ لَمْ تَشْتَبِهْ الخ) یہ یہاں استطراداً ذکر کیا ہے۔ اس کا ذکر ''وان شرع بلا تحرٍ'' کے قول کے پاس مناسب تھا۔ کیونکہ فرض کیا گیا ہے کہ جب اس پر قبلہ مشتبہ ہو جائے جیسے ہم نے پہلے (مقولہ 3813 میں) پیش کیا۔ پس ''فلولم یشتبہ'' اس کے مفہوم کا بیان ہے۔ پھر تحری کے مسائل عقلی تقسیم کے اعتبار سے بیس قسموں تک تقسیم ہوتے ہیں۔ کیونکہ یا تو نہ قبلہ میں شک ہوگا اور نہ تحری کی ہوگی، یا شک ہوگا اور تحری کی ہوگی، یا تحری نہ کی ہوگی، یا بغیر شک کے تحری کی ہوگی۔ اور ہر وجہ پانچ صورتوں پر ہوگی۔ یا تو اس کا درست سمت نماز پڑھنا ظاہر ہوگا، یا خطا ظاہر ہوگی، نماز میں یہ ظاہر ہوگا، یا نماز سے باہر ظاہر ہوگا، یا کچھ بھی ظاہر نہ ہوگا۔

رہی پہلی صورت کہ اگر اس کی خطا ظاہر ہوئی تو مطلقاً اس کی نماز فاسد ہوگی۔ یا اس کو درست سمت پڑھنا فارغ ہونے سے پہلے ظاہر ہوگا بعض علماء نے فرمایا: یہ بھی اسی طرح ہے۔ کیونکہ اس کا حال قوی ہو گیا اور اصح یہ ہے کہ فاسد نہیں ہوگی۔ اور اگر نماز کے بعد ظاہر ہو، یا ظاہر نہ ہو، یا اس کی زیادہ رائے درست سمت کی ہو تو اسی طرح اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور دوسری صورت کا حکم تمام وجوہ میں صحت کا ہے۔ اور تیسری صورت کا حکم تمام صورتوں میں فساد کا ہے، یا اس کی زیادہ رائے ہو کہ اس نے درست سمت نماز پڑھی ہے اصح قول پر، مگر جب اسے یقیناً اصابت کا علم ہو فراغت کے بعد تو نماز صحیح ہوگی۔

اور چوتھے کا خارج میں وجود ہی نہیں ہے۔ اسی طرح ''النہر'' میں ہے۔ ''المصنف'' نے ''یتحری عاجز'' کے قول کے

مَعَ إِمَامٍ (وَتَبَيَّنَ أَنَّهُمْ صَلَّوْا إِلَى جِهَاتٍ مُخْتَلِفَةٍ، فَمَنْ تَيَقَّنَ) مِنْهُمْ (مُخَالَفَةَ إِمَامِهِ فِي الْجِهَةِ) أَوْ تَقَدَّمَ عَلَيْهِ (حَالَةَ الْأَدَاءِ) أَمَّا بَعْدَهُ فَلَا يَضُرُّ (لَمْ تَجُزْ صَلَاتُهُ) لِاعْتِقَادِهِ خَطَأَ إِمَامِهِ وَلِتَرْكِهِ فَرْضَ الْمَقَامِ (وَمَنْ لَمْ يَعْلَمْ ذَلِكَ فَصَلَاتُهُ صَحِيحَةٌ) كَمَا لَوْ لَمْ يَتَعَيَّنِ الْإِمَامُ،

امام کے پیچھے اور ظاہر ہوا کہ انہوں نے مختلف جہات کی طرف نماز پڑھی ہے۔ پس ان میں سے جس کو جہت میں امام کی مخالفت کا یقین تھا یا امام سے نماز کی ادائیگی کی حالت میں آگے بڑھ گیا تھا۔ رہا بعد میں امام کی مخالفت کا علم ہونا تو یہ مضر نہیں، امام کی مخالفت کی صورت میں اس کی نماز جائز نہ ہوگی کیونکہ اس کا اعتقاد ہے کہ اس کا امام غلط ہے اور آگے بڑھنے کی صورت میں نماز اس لئے نہ ہوگی کہ اس مقام کے فرض کو ترک کر دیا اور جسے یہ معلوم نہ ہو تو اس کی نماز صحیح ہے جیسے اگر امام کو متعین نہ کیا

ساتھ دوسرا اور ''وان شرع بلا تحر'' کے قول کے ساتھ تیسرا مسئلہ ذکر کیا اور الشارح نے فلو لم تشتبه الخ کے قول کے ساتھ پہلا مسئلہ بیان کیا۔ لیکن شارح پر لازم تھا کہ اس طرح کہتے: اگر اس کی خطا ظاہر ہو جائے تو نماز فاسد ہے ورنہ نہیں اور چوتھے مسئلہ کو حذف کر دیتے کیونکہ اس کا وجود ہی نہیں ہے۔ اس محل کی تقریر میں یہی صحیح ہے۔ فافہم۔

3817۔ (قوله: مَعَ إِمَامٍ) رہا یہ کہ اگر انہوں نے علیحدہ علیحدہ نماز پڑھی تو تمام کی نماز صحیح ہوگی اور اس میں تفصیل نہیں ہوگی۔

3818۔ (قوله: فَمَنْ تَيَقَّنَ مِنْهُمْ) یقین ہونا بغیر قید کے ہے بلکہ غلبہ ظن کافی ہے۔ اس پر ''الفیض'' کی عبارت دلالت کرتی ہے کیونکہ انہوں نے فرمایا: اگر وہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں تو تمام کی نماز جائز ہوگی مگر جو امام سے آگے ہوگا یا جسے نماز میں اپنے امام کی مخالفت کا یقین ہوگا۔ اسی طرح اگر اس کے نزدیک نہ ہو کہ وہ امام سے آگے ہے یا دوسری جانب نماز پڑھے جو اس کے امام کی سمت نہ ہو۔

3819۔ (قوله: حَالَةَ الْأَدَاءِ) یہ ''تيقن مخالفة امامه في الجهة'' کے قول کی ظرف ہے ''او تقدمه عليه'' سے قطع نظر (یعنی حالة الاداء اس کی ظرف نہیں ہے)۔ کیونکہ جب وہ اپنے امام سے آگے بڑھ گیا تو اس کی نماز جائز نہیں خواہ اس کا اسے حالت ادا میں یا بعد میں علم ہوا ہو بخلاف اس کے کہ وہ جہت میں اپنے امام کی مخالفت کرے۔ یہ اسے نقصان نہیں دے گی مگر جب اسے اس کا ادائیگی کی حالت میں علم ہو جیسا کہ ''الفیض'' کی وہ عبارت اس پر دلالت کرتی ہے جو ابھی ہم نے (سابقہ مقولہ میں) ذکر کی ہے۔ اس کی مثل اس کا قول ''الملتقی'' میں ہے: اس کی نماز جائز ہے جو امام سے آگے نہ بڑھے بخلاف اس کے جو امام سے آگے ہو یا اس کے حال کا علم ہو اور اس کی مخالفت کرے۔ ''الغرر'' کے متن میں ہے: اگر امام کی مخالفت کا علم نہ ہو اور امام سے آگے نہ ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں۔

3820۔ (قوله: لِاعْتِقَادِهِ الخ) یہ نشر مرتب ہے۔ ''حلبی''۔

3821۔ (قوله: كَمَا لَوْ لَمْ يَتَعَيَّنِ الْإِمَامُ) اس میں ''النہر'' کی متابعت کی ہے جو انہوں نے ''المعراج'' سے

بِأَنْ رَأَى رَجُلَيْنِ يُصَلِّيَانِ فَائْتَمَّ بِوَاحِدٍ لَا بِعَيْنِهِ فُرُوعٌ النِّيَّةُ عِنْدَنَا شَرْطٌ مُطْلَقًا وَلَوْ عَقَّبَهَا بِمَشِيئَةٍ، فَلَوْ مِمَّا يَتَعَلَّقُ بِأَقْوَالٍ كَطَلَاقٍ وَعَتَاقٍ بَطَلَ

اس طرح کہ دو آدمیوں کو نماز پڑھتے دیکھا تو ایک کی اقتدا کی کسی معین کی اقتدا نہ کی۔ ہمارے نزدیک نیت مطلق شرط ہے اور اگر نیت کے بعد ان شاء اللہ کہا تو اگر وہ چیز ایسی چیزوں سے ہے جن کا تعلق اقوال سے ہے جیسے طلاق، آزادی تو وہ باطل ہو جائیں گے

روایت کیا ہے۔ ''المعراج'' کی عبارت یہ ہے: امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اصحاب نے کہا: ان پر اعادہ ہے۔ کیونکہ ان کے اعتقاد میں امام کا فعل خطا اور صواب کے درمیان متردد ہے۔ اور اگر امام کو متعین نہیں کیا اس طرح کہ دو آدمیوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ایک کی نیت کی لیکن ایک متعین کی نہیں تو جائز نہ ہوگی۔ اسی طرح جب امام کا فعل متعین نہ ہوا تو نماز جائز نہ ہوگی۔ اس سے ظاہر ہوا کہ مناسب اس مسئلہ کو کلیۃً حذف کرنا تھا۔ کیونکہ یہاں اس کا کوئی دخل نہیں ہے مگر بعض شوافع کے قول پر جو اس کے قائل ہیں کہ جو اپنے امام کی حالت سے جاہل ہو اس کی نماز صحیح نہیں۔ اور انہوں نے یہ مسئلہ قیاس کیا ہے اس پر کہ جو امام کے عین سے غافل ہو تو اس کی نماز صحیح نہیں ہوتی۔ فافہم۔

نیت کے فرعی مسائل

3822۔ (قولہ: فُرُوعٌ) ان فروع کا مناسب ذکر نیت پر کلام کے وقت تھا استقبال قبلہ سے پہلے جیسا کہ ''الخزائن'' میں کیا ہے۔

3823۔ (قولہ: النِّيَّةُ عِنْدَنَا شَرْطٌ مُطْلَقًا) یعنی تمام عبادات میں نیت شرط ہے اس پر اصحاب احناف کا اتفاق ہے رکن نہیں ہے۔ علما کا تکبیر تحریمہ میں اختلاف ہے۔ معتمد یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ نیت کی طرح شرط ہے۔ اور بعض علما نے فرمایا: یہ رکن ہے ''اشباہ''۔ فرمایا: ''مطلقا'' تا کہ نماز جنازہ کو شامل ہو جائے بخلاف تکبیر تحریمہ کے کہ وہ جنازہ میں بالاتفاق رکن ہے جیسا کہ اس کے باب میں آئے گا۔ ''حلبی''۔

''الاشباہ'' میں عبادات سے ایمان، تلاوت، اذکار اور اذان کو مستثنیٰ کیا ہے۔ کیونکہ یہ نیت کی محتاج نہیں ہیں جیسا کہ ''عینی'' کی ''شرح بخاری'' میں ہے۔ اور ہر وہ چیز جو عبادت ہی ہوتی ہے وہ نیت کی محتاج نہیں ہوتی جیسا کہ ''شرح ابن وہبان'' میں ہے۔ فرمایا: اور اسی طرح نیت بھی نیت کی محتاج نہیں ہے۔ اور اس کی بھی استثنا کی گئی ہے جو عبادت کے لئے شرط ہوتی ہے سوائے تیمم کے اور ''الکرخی'' کے قول پر سوائے استقبال قبلہ کے جس میں نیت شرط ہے۔ معتمد قول اس کے خلاف ہے۔ اسی طرح جو عبادت کا جز ہو جیسے خف کا مسح اور سر کا مسح وغیرہ۔

3824۔ (قولہ: فَلَوْ مِمَّا يَتَعَلَّقُ) یعنی جس کام کی نیت کی گئی ہے جس پر نیت کے ساتھ دلالت کی گئی ہے۔ اس کا تعلق اقوال سے ہے جیسے اس کا قول: انت طالق، انت حر ان شاء اللہ تو باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ طلاق اور عتق نیت سے

وَإِلَّا لَا لَيْسَ لَنَا مَنْ يَنْوِي خِلَافَ مَا يُؤَدِّي إِلَّا عَلَى قَوْلِ مُحَمَّدٍ فِي الْجُمُعَةِ وَهُوَ ضَعِيفٌ

ورنہ نہیں۔اور ہمارے نزدیک کوئی ایسا نہیں جو اس کے خلاف نیت کرے جو وہ ادا کر رہا ہے مگر جمعہ میں امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر اور یہ ضعیف ہے۔

تعلق نہیں رکھتے بلکہ قول سے تعلق رکھتے ہیں حتیٰ کہ اگر عورت کی طلاق کی نیت کی یا غلام کو آزاد کرنے کی نیت کی تو بغیر لفظ کے صحیح نہ ہوں گے۔''حلبی'' نے کہا: اگر تو کہے کہ طلاق کا وقوع انت طالق کے لفظ سے متعلق ہے اور نیت کا اعتبار نہیں کیا کیونکہ یہ صریح ہے۔ میں کہوں گا: یہ قضا میں مسلم ہے۔رہا دیانت میں تو یہ معتبر ہے حتیٰ کہ اگر اس نے بندھن سے چھٹکارے کی نیت کی تو دیانۃً طلاق واقع نہ ہوگی۔

میں کہتا ہوں: اور اسی طرح ''البحر'' اور ''الاشباہ'' میں اس کی تصریح ہے اور اس بنا پر صریح اور کنایہ کے درمیان فرق یہ ہے کہ صریح صرف قضا میں نیت کا محتاج نہیں ہوتا اور دیانۃً نیت کا محتاج ہوتا ہے۔اور کنایہ قضاءً اور دیانۃً دونوں میں نیت کا محتاج ہوتا ہے۔لیکن نیت کی طرف پہلے (صریح) کی احتیاج دیانۃً ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ معنی عرفی کے علاوہ کی نیت نہ کی ہو۔اگر طلاق سے مراد قید سے چھٹکارا کی نیت کی ہوگی تو لفظ کو اس کے معنی سے پھیرنے کی وجہ سے طلاق واقع نہ ہوگی۔رہا یہ کہ جب انت طالق کے تلفظ سے اپنی بیوی کو خطاب کرنے کا قصد کیا ہو اور اس سے طلاق کا قصد نہ کیا ہو اور نہ کوئی اور قصد کیا ہے تو ظاہر میں قضاءً اور دیانۃً طلاق کا وقوع ہے۔کیونکہ لفظ اس میں حقیقت ہے اور اس دلیل سے کہ اگر عدد کے ساتھ تصریح کرتا تو دیانۃً اس کی بات قبول نہ ہوتی جیسا کہ اگر عمل سے چھٹکارے کی نیت کی ہو تو قضاءً اور دیانۃً طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

3825۔(قولہ: وَإِلَّا لَا) یعنی اگر وہ کام جس کی نیت کی گئی ہے وہ ان کاموں سے نہ ہو جن کا تعلق اقوال سے ہے جیسے روزہ تو یہ ان شاء اللہ کہنے سے باطل نہ ہوگا۔کیونکہ یہ صرف قلبی نیت سے متعلق ہے قول سے متعلق نہیں۔پس اگر روزے کی نیت کی اور کہا ان شاء اللہ تو روزہ باطل نہ ہوگا۔''الاشباہ'' میں فرمایا: اگر روزے کی نیت کو ان شاء اللہ سے متعلق کیا تو نیت صحیح ہو گی کیونکہ یہ اقوال کو باطل کرتا ہے اور نیت اقوال میں سے نہیں ہے۔

3826۔(قولہ: إِلَّا عَلَى قَوْلِ مُحَمَّدٍ فِي الْجُمُعَةِ) امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جمعہ نہیں پائے گا مگر امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھنے کے ساتھ۔اگر دوسری رکعت کے رکوع سے امام کے سر اٹھانے کے بعد اقتدا کی جبکہ اس نے جمعہ کی نیت کی تھی تو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ اس نماز کو ظہر سے مکمل کرے گا۔پس اس نے جمعہ کی نیت کی تھی اور جمعہ کو ادا نہیں کیا اور ظہر کو ادا کیا اور ظہر کی نیت نہیں کی تھی۔یہی امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔اور ہمارے نزدیک وہ جمعہ کو مکمل کرے گا جب امام کے ساتھ اس کی اقتدا صحیح ہے اگرچہ سجدہ سہو میں ہو اس قول کی بنا پر کہ جمعہ میں شروع ہونے کے ساتھ جمعہ مکمل کرے گا۔ ''الحموی'' نے ان مسائل کے ساتھ حصر کو توڑا ہے جن میں ادائیگی کے خلاف کی نیت کی تھی۔ان میں سے یہ بھی ہے کہ اگر ایام النحر میں نفل کی نیت سے طواف کیا تو وہ فرض کی طرف سے واقع ہوگا۔اگر تہجد کی نیت سے دو رکعتیں پڑھیں تو ظاہر ہوا کہ فجر طلوع ہو چکی تھی تو وہ دونوں رکعتیں فجر کی سنت کے قائم مقام ہوں گی۔اگر ظہار یا افطار کے کفارہ کا روزہ رکھا پھر وہ غلام آزاد

الْمُعْتَمَدُ أَنَّ الْعِبَادَةَ ذَاتَ الْأَفْعَالِ تَنْسَحِبُ نِيَّتُهَا عَلَى كُلِّهَا افْتَتَحَ خَالِصًا ثُمَّ خَالَطَهُ الرِّيَاءُ أُعْتُبِرَ السَّابِقُ

معتمد یہ ہے کہ وہ عبادت جس کے بہت سے افعال ہوں تو اس کی نیت تمام افعال پر محیط ہوگی۔ اس نے خلوص کے ساتھ عبادت کو شروع کیا پھر اس سے ریا مل گیا تو پہلی نیت (اخلاص) کا اعتبار ہوگا۔

کرنے پر قادر ہوا تو وہ روزے نفل ہو جائیں گے۔ اگر معین دن کے روزے کی نذر مانی پھر اس دن نفل کی نیت سے روزہ رکھا تو نذر کا روزہ ہوگا جیسا کہ ''جامع التمر تاشی'' میں ہے۔

میں کہتا ہوں: کبھی اس طرح جواب دیا جاتا ہے کہ مراد وہ نیت ہے جو صحت کی شرط ہے مطلب یہ ہے کہ ہمارے لئے نہیں کوئی ایسا شخص جس کا مودی (جس کو ادا کیا گیا) کے خلاف نیت کرنا لازم ہو مگر ایک مسئلہ میں کیونکہ ان مسائل میں سے اکثر میں منوی (جس کی نیت کی گئی) اور مودی (جو ادا کیا گیا) میں مخالفت نہیں ہے مگر صفت کی حیثیت سے بخلاف جمعہ کے۔ کیونکہ جمعہ، ذات اور صفت کے اعتبار سے ظہر کے مخالف ہے۔ ''فتدبر''

3827۔ (قولہ: الْمُعْتَمَدُ أَنَّ الْعِبَادَةَ الخ) اس کا مقابل قول ''الاشباہ'' میں ''المجتبیٰ'' کے حوالہ سے ہے کہ ہر رکن میں عبادت کی نیت ضروری ہے۔ ''فافہم''

اور ذات الافعال کی قید سے اس عبادت سے احتراز کیا ہے جو ایک فعل ہے جیسے روزہ۔ کیونکہ اس کی ابتدا میں نیت پر اکتفا کرنے میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور اس پر حج کا اعتراض وارد ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ کئی افعال پر مشتمل ہے ان میں طواف افاضہ ہے۔ اس میں طواف کی نیت کی اصل سے ضروری ہے اگر چہ فرض کی طرف سے اس کو متعین نہ کیا ہو حتیٰ کہ اگر ایام النحر میں نفلی طواف کیا تو پھر بھی فرض طواف کی طرف سے واقع ہوگا۔ اور جواب یہ ہے کہ طواف اپنی ذات میں مستقل عبادت ہے جیسا کہ وہ حج کے لئے رکن ہے۔ پس اپنی رکنیت کے اعتبار سے حج کی نیت میں داخل ہے۔ پس اس کی تعیین شرط نہیں۔ اور اس کے استقلال کے اعتبار سے اس میں طواف کی نیت کی اصل شرط ہے حتیٰ کہ اگر بھاگتے ہوئے یا مقروض کا پیچھا کرتے ہوئے طواف کیا تو صحیح نہ ہوگا بخلاف وقوف عرفہ کے۔ یہ عبادت نہیں ہے مگر حج کے ضمن میں۔ پس یہ حج کی نیت میں داخل ہے۔ اس پر رمی جمار، حلق اور سعی ہے۔ نیز طواف افاضہ، حلق سے تحلل کے بعد واقع ہوگا حتیٰ کہ اس کے لئے عورتوں کے سوا ہر چیز حلال ہوگی۔ اس سے وہ من وجہ حج سے خارج ہو گیا اور من وجہ نہیں۔ اس میں دو شبہوں کا اعتبار کیا جائے گا۔

3828۔ (قولہ: أُعْتُبِرَ السَّابِقُ) شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز ایک عبادت ہے جو غیر متجزی ہے۔ پس اس میں نظر اس کی ابتدا کی طرف ہے۔ پس جب اس میں اخلاص کے ساتھ شروع ہو پھر اس پر ریا لاحق ہوا تو وہ خلوص پر الله کے لئے باقی ہے ورنہ لازم آئے گا کہ اس کا بعض الله کے لئے ہو اور بعض غیر الله کے لئے ہو حالانکہ یہ ایک عبادت ہے۔ ہاں اگر اس کے بعض کو ریا سے مزین کیا تو تزیین زائد وصف ہے جس پر ثواب نہیں دیا جاتا۔ جو ہم نے ذکر کیا ہے اس سے اخذ کیا جاتا ہے کہ اگر ریا کاری کرتے ہوئے نماز کو شروع کیا پھر اخلاص کو ملایا تو پہلے کا اعتبار ہوگا۔ یہ اس کے خلاف ہے کہ اگر وہ ایسی عبادت ہو جس کی تجزی ممکن ہو جیسے قراءت، اعتکاف۔ کیونکہ وہ جز جس میں ریا داخل ہوا اس کے لئے ریا کا حکم ہے اور جو خالص الله

وَالرِّيَاءُ أَنَّهُ لَوْ خَلَا عَنِ النَّاسِ لَا يُصَلِّي فَلَوْ مَعَهُمْ يُحْسِنُهَا وَوَحْدَهُ لَا فَلَهُ ثَوَابُ أَصْلِ الصَّلَاةِ، وَلَا يَتْرُكُ لِخَوْفِ دُخُولِ الرِّيَاءِ لِأَنَّهُ أَمْرٌ مَوْهُومٌ، لَا رِيَاءَ فِي الْفَرَائِضِ فِي حَقِّ سُقُوطِ الْوَاجِبِ قِيلَ لِشَخْصٍ صَلِّ الظُّهْرَ وَلَكَ دِينَارٌ فَصَلَّى بِهٰذِهِ النِّيَّةِ يَنْبَغِي

ریا یہ ہے کہ اگر وہ لوگوں سے علیحدہ ہو تو نماز نہ پڑھے اور اگر لوگوں کے ساتھ ہو عمدہ طریقہ سے پڑھے اور اکیلا ہو تو عمدہ نہ پڑھے۔ پس اس کے لئے اصل نماز کا ثواب ہوگا۔ اور ریا کے خوف کی وجہ سے نماز کو ترک نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہ ایک موہوم امر ہے۔ واجب کے سقوط کے حق میں فرائض میں ریا نہیں ہے۔ کسی شخص سے کہا گیا: تو ظہر کی نماز پڑھ اور تیرے لئے ایک دینار ہوگا۔ پس اس نے اس نیت سے نماز پڑھی چاہئے

کے لئے ہے اس کا اخلاص کا حکم ہے۔

3829۔ (قولہ: وَالرِّيَاءُ أَنَّهُ الخ) کامل ریا عبادت کی اصل کا ثواب ضائع کر دیتا ہے یا ثواب کی زیادتی کو ضائع کر دیتا ہے ورنہ لوگوں کی خاطر اچھی طرح نماز پڑھتا ہے وہ بھی ریا ہے اس دلیل سے کہ اس پر اسے ثواب نہیں دیا جاتا اور عبادت کی اصل پر ثواب دیا جاتا ہے۔

آئندہ فصل میں (مقولہ 4234 میں) آئے گا کہ جب نماز میں شروع ہونے کا ارادہ کرے اگر وہ رکوع کو لمبا کرے تا کہ آنے والا رکعت کو پالے تو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس پر امر عظیم یعنی شرک خفی کا اندیشہ کرتا ہوں۔ اور شرک خفی ریا کاری ہے جیسا کہ اس کی تحقیق آگے آئے گی۔

3830۔ (قولہ: لَا يَتْرُكُ الخ) یعنی اگر وہ نماز پڑھنے یا تلاوت کرنے کا ارادہ کرے پھر اسے اپنے اوپر ریا کا خوف ہو تو اسے یہ عمل ترک نہیں کرنا چاہئے کیونکہ ریا ایک وہمی امر ہے۔ ''اشباہ'' عن ''الولوالجیۃ''۔

عارف محقق ''شہاب الدین السہروردی'' سے پوچھا گیا: اے میرے سردار اگر میں عمل کو ترک کر دوں تو میں ہمیشہ بطالت کی طرف چلا جاؤں گا اور اگر میں عمل کروں تو مجھ پر عجب داخل ہو جاتا ہے، پس کون سی صورت بہتر ہے تو شیخ صاحب نے جواب میں لکھا کہ عمل کرو اور عجب سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغفار کرو۔ ''فتال''۔

3831۔ (قولہ: لَا رِيَاءَ فِي الْفَرَائِضِ فِي حَقِّ سُقُوطِ الْوَاجِبِ) یعنی ریا فرض کو باطل نہیں کرتا اگرچہ اخلاص جملہ فرائض سے ہے ''مختارات النوازل'' میں فرمایا: جب ریا اور دکھلاوے کی خاطر نماز پڑھی تو حکم میں اس کی نماز جائز ہوگی کیونکہ نماز کی شرائط اور اس کے ارکان پائے گئے ہیں لیکن ثواب کا مستحق نہیں ہوگا۔ اور جو ''الذخیرۃ'' میں ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ فقیہ ''ابوالليث'' نے ''النوازل'' میں فرمایا: ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا: ریا فرائض میں سے کسی چیز میں داخل نہیں ہوتا۔ یہی مذہب مستقیم ہے: ریا ثواب کی اصل کو فوت نہیں کرتا بلکہ وہ ثواب کے تضاعف کو فوت کرتا ہے۔ ''بیری علی الاشباہ''۔ اس مسئلہ پر مکمل کلام کتاب الحظر و الاباحۃ میں (مقولہ 33554 میں) آئے گی۔

3832۔ (قولہ: قِيلَ لِشَخْصٍ) ''الاشباہ'' میں فرمایا: یہ مسئلہ ہمارے مذہب میں منصوص نہیں ہے۔ ''النووی'' نے

أَنْ تُجْزِئَهُ وَلَا يَسْتَحِقُّ الدِّينَارَ الصَّلَاةُ لِإِرْضَاءِ الْخُصُومِ لَا تُفِيدُ، بَلْ يُصَلِّي لِلّٰهِ، فَإِنْ لَمْ يَعْفُ خَصْمُهُ أُخِذَ مِنْ حَسَنَاتِهِ جَاءَ (أَنَّهُ يُؤْخَذُ لِدَانِقٍ ثَوَابُ سَبْعِمِائَةِ صَلَاةٍ بِالْجَمَاعَةِ)

کہ یہ نماز اس کے لیے کافی ہو اور دینار کا مستحق نہیں ہوگا۔ دشمنوں کو خوش کرنے کے لئے نماز کا پڑھنا مفید نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نماز پڑھے۔ پس اگر اس کا خصم اسے معاف نہیں کرے گا تو اس کی نیکیوں میں سے لیا جائے گا۔ اور بعض کتب سماویہ میں آیا ہے کہ ایک دانق کے بدلے جماعت کے ساتھ پڑھی گئی سات سو نمازوں کا ثواب لیا جائے گا۔

اس کی تصریح کی ہے اور ہمارے قواعد بھی اس کا انکار نہیں کرتے۔ رہا نماز کا کافی ہونا تو وہ اس لئے ہے کہ واجب کے سقوط کے حق میں فرائض میں ریا نہیں ہے۔ اور رہا دینار کا مستحق نہ ہونا تو وہ اس لئے کہ یہ واجب پر اجرت لینا ہے اور واجب پر اجرت کا استحقاق نہیں ہوتا جیسے باپ خدمت کے لئے بیٹے کو اجرت پر لے تو بیٹا اجرت کا مستحق نہیں ہوگا۔ کیونکہ بیٹے پر باپ کی خدمت واجب تھی۔ ''حلبی''۔

3833۔ (قولہ: الصَّلَاةُ لِإِرْضَاءِ الْخُصُومِ لَا تُفِيدُ) شارح نے اس کا ذکر نہیں کیا کہ نماز جائز ہے۔ جبکہ ''مختارات النوازل'' کا ظاہر یہ ہے کہ نماز جائز نہیں۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا: اسے ایسا نہیں کرنا چاہئے شاید یہ عمل کو باطل کرنے والوں کے القا سے ہے۔

''الولوالجیۃ'' میں ہے: جب اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نماز پڑھے گا پھر اس کے لئے خصم ہوگا جس نے اسے معاف نہیں کیا ہوگا تو اس کی نیکیوں سے لیا جائے گا۔ آخرت میں اس کی نیکیاں اس کے خصم کو دی جائیں گی خواہ اس نے نیت کی ہوگی یا نیت نہیں کی ہوگی۔ اور اگر اس کا خصم نہ ہوگا یا اس نے اسے معاف کر دیا ہوگا تو اس کی نیکیوں میں سے خصم کو کچھ نہیں دیا جائے گا خواہ اس نے نیت کی ہوگی یا نیت نہیں کی ہوگی۔ ''بیری''۔

اس بنا پر مذکورہ صلاۃ سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نیت کرے تاکہ وہ اس کے خصموں کو راضی کر دے اور اس کا عدم جواز اس لئے ہے۔ کیونکہ یہ بدعت ہے بخلاف تحیۃ المسجد یا دوسرے مندوبات کے۔ رہا یہ کہ اگر کسی نے نماز پڑھی پھر اس کا ثواب اپنے خصم کو ہبہ کر دیا تو یہ صحیح ہے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک عامل کے لئے اپنے عمل کا ثواب غیر کے لئے کرنا جائز ہے جیسا کہ باب الحج عن الغیر کے باب میں (مقولہ 10885 میں) آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

3834۔ (قولہ: جَاءَ) یعنی بعض کتب میں آیا ہے۔ ''اشباہ'' میں ''البزازیہ'' کے حوالہ سے ہے۔ شاید اس سے مراد کتب سماویہ ہیں، یا یہ حدیث ہوگی جسے علما نے اپنی کتب میں نقل کیا ہوگا۔

الدانق نون کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ۔ یہ درہم کا چھٹا حصہ ہے۔ یہ دو قیراط ہے۔ اور قیراط، پانچ جو ہیں۔ اس کی جمع دوانق اور دوانیق آتی ہے۔ اسی طرح ''الاختری'' میں ہے۔ ''حموی''۔

3835۔ (قولہ: ثَوَابُ سَبْعِمِائَةِ صَلَاةٍ بِالْجَمَاعَةِ) یعنی فرائض میں سے۔ کیونکہ جماعت فرائض میں ہوتی ہے۔ اور ''القشیری'' کے حوالہ سے ''المواہب'' میں ہے: سات سو مقبول نمازیں۔ اور انہوں نے جماعت کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے۔

وَلَوْ أَدْرَكَ الْقَوْمَ فِي الصَّلَاةِ وَلَمْ يَدْرِ أَفَرْضٌ أَمْ تَرَاوِيحُ يَنْوِي الْفَرْضَ، فَإِنْ هُمْ فِيهِ صَحَّ وَإِلَّا تَقَعُ نَفْلًا وَلَوْ نَوَى فَرْضَيْنِ كَمَكْتُوبَةٍ وَجِنَازَةٍ فَلِلْمَكْتُوبَةِ، وَلَوْ مَكْتُوبَتَيْنِ فَلِلْوَقْتِيَّةِ وَلَوْ فَائِتَتَيْنِ فَلِلْأُولَى لَوْ مِنْ أَهْلِ التَّرْتِيبِ وَإِلَّا لَغَا فَلْيُحْفَظْ،

اگر ایک شخص نے قوم کو نماز میں پایا اور اسے معلوم نہیں یہ فرض پڑھ رہے ہیں یا نماز تراویح؟ تو وہ فرض کی نیت کرے۔ اگر وہ فرض میں ہوں گے تو اس کی نماز صحیح ہو جائے گی ورنہ اس کی نماز نفل ہو جائے گی۔ اگر دو فرضوں کی نیت کی جیسے فرض نماز اور نماز جنازہ کی تو نیت فرضی نماز کے لئے ہوگی۔ اور اگر دو فرض نمازوں کی نیت کی تو نیت وقتی نماز کے لئے ہوگی۔ اور اگر دو قضا نمازوں کی نیت کی تو پہلی نماز کے لئے نیت ہوگی اگر وہ اہل ترتیب سے ہو ورنہ نیت لغو ہوگی۔ اس کو یاد رکھنا چاہئے۔

''المواہب'' کے الشارح نے کہا جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ منافی نہیں کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو معاف کر دے اور اپنی رحمت سے اسے جنت میں داخل کر دے۔ ''ملخصاً''

3836۔ (قولہ: وَإِلَّا تَقَعُ نَفْلًا) یعنی وہ دو رکعتیں تراویح کے قائم مقام نہ ہوں گی کیونکہ وہ عشا کی نماز سے پہلے واقع ہوئی ہیں۔ اور معتمد قول پر عشا کی نماز کے بعد تراویح کا وقت ہے۔ ''طحطاوی''۔

3837۔ (قولہ: فَلِلْمَكْتُوبَةِ) یعنی فرضی نماز کی قوت کی وجہ سے اس کے لئے نیت ہوگی۔ کیونکہ اس کی فرضیت عین ہے۔ نیز یہ حقیقۃً نماز ہے۔ اور جنازہ فرض کفایہ ہے اور وہ مطلق نماز نہیں ہے۔

3838۔ (قولہ: وَلَوْ مَكْتُوبَتَيْنِ) یعنی ایک وقتی نماز کی نیت ہو اور دوسری اس نماز کی نیت ہو جس کا وقت ابھی داخل نہیں ہوا جیسا کہ اگر ظہر کے وقت میں اس دن کے ظہر اور عصر کی نیت کرے۔ اسی طرح ''شرح المنیہ'' اور ''البیری'' کی شرح ''الاشباہ'' میں ہے۔ اور اس پر آنے والا قول ''ولو فائتتة ووقتية الخ'' دلالت کرتا ہے۔

3839۔ (قولہ: فَلِلْوَقْتِيَّةِ) ''المحیط'' میں اس کی علت بیان فرمائی ہے کہ وقتی نماز فی الحال واجب ہے اور دوسری فی الحال واجب نہیں ہے۔ یہ اسے مفید ہے جو صاحب ترتیب نہیں ہے ورنہ فوت شدہ اولیٰ ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ ''بحر''۔

میں کہتا ہوں: یہ افادہ تب مکمل ہوتا ہے جب مکتوبتین سے مراد وہ مفہوم لیا جائے جو فوت شدہ نماز کے ساتھ وقتی نماز کو شامل ہو اور حقیقت اس طرح نہیں بلکہ ان دونوں نمازوں سے مراد وقتی نماز ہے اور وہ نماز ہے جس کا وقت ابھی داخل نہیں ہوا جیسا کہ تو جان چکا ہے۔

3840۔ (قولہ: وَلَوْ فَائِتَتَيْنِ فَلِلْأُولَى) اور اسی طرح اگر دو وقتی نمازیں ہوں جیسے عرفہ میں ظہر اور عصر جیسا کہ ''البیری'' نے اس پر بحث کی ہے۔ ''حلبی'' نے کہا: عرفہ کے دن ظہر کے وقت میں اگرچہ عصر کی نماز صحیح ہے مگر ظہر کو ترتیب کی وجہ سے عصر پر مقدم کرنا واجب ہے۔ پس یہ دونوں دو فوت شدہ نمازوں کے قائم مقام ہوں گی جن کے درمیان ترتیب ساقط نہیں ہوئی جیسا کہ یہ ظاہر ہے۔

3841۔ (قولہ: لَوْ مِنْ أَهْلِ التَّرْتِيبِ) مسئلہ کے لئے ''محیط'' کی تعلیل سے اخذ کرتے ہوئے اس میں ''البحر'' کی

وَلَوْ فَائِتَةً وَوَقْتِيَّةً فَلِلْفَائِتَةِ لَوِ الْوَقْتُ مُتَّسِعًا،
اور اگر فوت شدہ نماز اور وقتی نماز کے لئے نیت کی تو فوت شدہ نماز کے لئے نیت ہوگی اگر وقت میں وسعت ہو۔

متابعت کی ہے: کیونکہ دوسری نماز جائز نہیں ہوتی مگر پہلی نماز کو قضا کرنے کے بعد۔ اور ''البحر'' میں فرمایا: یہ اس صورت میں مکمل ہوگا جب ان دونوں نمازوں کے درمیان ترتیب واجب ہو۔

میں کہتا ہوں: ''البحر'' میں جو ذکر کیا ہے وہ ''الحلبہ'' سے ماخوذ ہے۔ لیکن یہ ''الحلبہ'' میں ہے اس کے بعد فرمایا: یہ صورت باقی ہے اگر ان دونوں نمازوں کے درمیان ترتیب واجب نہ ہو۔ اور یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ نیت پہلی کے لئے ہو۔ کیونکہ اس کو مقدم کرنا اولیٰ ہے۔ اور ''الحلبی'' نے ''شرح الصغیر'' میں اس پر جزم کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا: نیت ان میں سے پہلی کے لئے ہوگی کیونکہ پہلے ہونے کی وجہ سے وہ راجح ہے اگر چہ وہ صاحب ترتیب نہ ہوں۔ ''فافہم''

3842۔ (قولہ: فَلِلْفَائِتَةِ لَوِ الْوَقْتُ مُتَّسِعًا) رہی یہ صورت کہ جب وقتی نماز کے وقت کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو نیت وقتی نماز کی طرف سے ہوگی حتیٰ کہ اس پر فوت شدہ نماز کی قضا ہوگی جیسا کہ ''الاجناس'' میں ہے۔ ''بیری''

''لوالوقت متسعا'' کے قول کے بعد ''حلبی'' نے کہا: یعنی دونوں نمازوں کے درمیان ترتیب ہو۔ کیونکہ اگر وقت میں وسعت ہو اور ان کے درمیان ترتیب نہ ہو تو اس کی نیت لغو ہوگی جیسا کہ ''البحر'' میں اس کی تصریح ہے۔

میں کہتا ہوں: اس مسئلہ میں ''البحر'' میں اس کی تصریح نہیں ہے۔ ہاں ''شرح المنیہ'' میں بحث کرتے ہوئے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ اور ''الحلبہ'' میں اس کے خلاف بحث کی ہے۔ پھر تم جان لو کہ جو الشارح نے ''فللفائتۃِ الخ'' کا قول ذکر کیا ہے اس کو ''الفتح'' میں ''المنتقی'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور اس سے پہلے ذکر کیا ہے کہ وہ ان دونوں میں سے ایک میں بھی شروع ہونے والا نہ ہوگا۔ پھر فرمایا: ''الظہیریہ'' میں ہے کہ اس میں دو روایتیں ہیں۔

میں کہتا ہوں: ''الجامع الکبیر'' کے حوالہ سے پہلے ''الخلاصہ'' میں اسی طرح ذکر کیا ہے کہ وہ ان دونوں میں سے کسی ایک میں بھی شروع ہونے والا نہ ہوگا۔ پھر فرمایا: ''المنتقی'' میں ہے: وہ پہلی نماز میں شروع ہونے والا ہوگا۔ پس یہ ایک روایت ہوگی۔

الامام ''الفارسی'' نے ''الخلاطی'' کی ''تلخیص الجامع الکبیر'' کی شرح میں فرمایا جہاں انہوں نے ''ناوی الفرضین معا لاغ فی الصلوۃ الحاقا للدفع بالرفع فی التنافی متنفل فی غیرھا'' کے قول کی شرح میں فرمایا: یعنی اکٹھی دو فرضوں کی نیت اگر نماز میں ہو تو ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک وہ نیت لغو ہوگی۔ اور امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے الحسن کی روایت بھی یہی ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ اگر ایک دن یا دو دنوں کی ظہر اور عصر کی نیت کرتے ہوئے تکبیر کہی ان دونوں میں سے پہلی کو جانتا ہو یا نہ جانتا ہو وہ منافات کی وجہ سے کسی ایک نماز کو شروع کرنے والا نہ ہوگا۔ اس دلیل کی وجہ سے کہ اگر ایک نماز دوسری نماز پر طاری ہو تو وہ اسے اٹھا دے گی اور اصلاً اسے باطل کر دے گی حتیٰ کہ اگر ظہر میں شروع ہوا اس پر عصر کی نیت کرتے ہوئے تو ظہر باطل ہو جائے گی اور عصر میں اس کا شروع ہونا صحیح ہوگا۔ جب ان میں سے ہر ایک کو ثبوت کے بعد دوسری کو اٹھانے کی

وَلَوْ فَرْضًا وَنَفْلًا فَلِلْفَرْضِ، وَلَوْ نَافِلَتَيْنِ كَسُنَّةِ فَجْرٍ وَتَحِيَّةِ مَسْجِدٍ فَعَنْهُمَا،

اگر فرض اور نفل کی اکٹھی نیت کی تو نیت فرض کے لئے ہوگی۔ اور اگر دونفلوں کی نیت کی جیسے فجر کی سنت اور تحیۃ المسجد تو نیت دونوں کی طرف سے ہوگی۔

قوت ہے تو اس کے لئے اس کے استقرار سے پہلے محل سے دور کرنے کی قوت بدرجہ اولیٰ ہوگی کیونکہ دفع، رفع سے زیادہ آسان ہے۔ یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی اصل پر ہے۔ اسی طرح ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کی اصل پر ہے۔ کیونکہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ترجیح یا تو تعیین کی حاجت کی وجہ سے ہوگی یا قوت کی وجہ سے ہوگی دراں حالیکہ یہ دونوں امروں میں برابر ہیں۔

پھر دو فرضوں کا اطلاق اس کو بھی شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کے واجب کرنے کے ساتھ واجب ہوا جیسے فرضی نماز یا بندے کے واجب کرنے سے واجب ہوا جیسے نذر مانی ہوئی نماز ادا اور قضا کے اعتبار سے، اور جو اس کے ساتھ لاحق ہے اس کو بھی شامل ہے جیسے نفلوں کو توڑنے والا خواہ وہ دونوں ایک جنس سے ہوں جیسے دو ظہر کی نمازیں، اور دو جنازے، دو نذر مانی ہوئی نمازیں، یا دو جنسوں سے ہوں جیسے عصر کے ساتھ ظہر، یا نذر کے ساتھ ظہر یا جنازہ کے ساتھ ظہر۔ بعض علماء نے فرمایا: نماز میں دو فرضوں کی نیت کرنے والا شیخین کے نزدیک نفل پڑھنے والا ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ اس کے خلاف ہے۔ اگر دونوں فرضوں کی نیت نماز کے علاوہ میں ہو جیسے زکاۃ، روزہ، حج اور کفارہ تو معتبر ہوگی اور وہ نفل ادا کرنے والا ہوگا۔ اس کی مکمل بحث اس حاشیہ میں ہے جو ہم نے ''البحر'' پر لکھا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ''الجامع الکبیر'' کی روایت ''المنتقی'' کی روایت کے مخالف ہے۔ پس وہ اصلاً نماز میں شروع ہونے والا نہیں ہوگا جب وہ نیت میں دو فرضوں کو جمع کرے جن میں سے ہر ایک قضا ہوگا، یا ایک ادا ہوگا اور دوسرا قضا ہوگا، یا اس کا وقت ابھی داخل نہ ہوا ہوگا، یا جنازہ ہوگا، یا منذور ہوگا، یا اس کے علاوہ واجبات ہوں۔ اور بعض علماء نے فرمایا: وہ نفل پڑھنے والا ہوگا۔ ''الجامع'' کی روایت پر قوت معتبر نہیں مگر اس صورت میں جب فرض اور نفل کو جمع کرے۔ پس شیخین کے نزدیک قوت کی وجہ سے فرض پڑھنے والا ہوگا۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر نماز میں یہ نیت ہوگی تو لغو ہوگی وہ ان دونوں نمازوں میں شروع ہونے والا نہ ہوگا۔ اگر یہ نیت صوم یا زکوٰۃ میں ہوگی یا نفل کے ساتھ نذر حج کی نیت ہوگی تو وہ نفل ادا کرنے والا ہوگا بخلاف فرض حج اور نفل کے۔ کیونکہ اس صورت میں بالاتفاق وہ فرض ادا کرنے والا ہوگا جیسا کہ ''الفارسی'' نے اپنی شرح میں اس کی وضاحت کی ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔

3843۔ (قولہ: فَلِلْفَرْضِ) یعنی امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ اس کے خلاف ہے جیسا کہ تو نے ابھی (سابقہ مقولہ میں) جان لیا ہے۔

3844۔ (قولہ: وَلَوْ نَافِلَتَيْنِ) کبھی نفل کا اطلاق اس پر بھی ہوتا ہے جو سنت کو بھی شامل ہوتا ہے۔ یہاں یہی مراد ہے۔

3845۔ (قولہ: فَعَنْهُمَا) یہ ''الاشباہ'' میں ذکر کیا ہے۔ پھر فرمایا: میں نے اس کا حکم نہیں دیکھا جب اس نے دو سنتوں کی نیت کی جیسا کہ جب سوموار کے دن سنت روزے کی نیت کرے اور عرفہ کے دن کے روزہ کی نیت کرے جب اس کے موافق ہو جائے۔ کیونکہ تحیۃ المسجد کا مسئلہ سنت کے ضمن میں ہے کیونکہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ یعنی اسی طرح دو

وَلَوْ نَافِلَةً وَجِنَازَةً فَنَافِلَةٌ، وَلَا تَبْطُلُ بِنِيَّةِ الْقَطْعِ مَا لَمْ يُكَبِّرْ بِنِيَّةٍ مُغَايِرَةٍ، وَلَوْ نَوَى فِي صَلَاتِهِ الصَّوْمَ صَحَّ

اور اگر نفل اور جنازہ کی نیت کی تو نیت نفل کی ہوگی۔ اور نماز کو قطع کی نیت سے نماز باطل نہ ہوگی جب تک دوسری نیت کے ساتھ تکبیر نہ کہہ لے۔ اگر نماز میں روزے کی نیت کی تو نیت صحیح ہوگی۔

دنوں کی طرف سے روزہ کی نیت ہے۔ العلامہ ''البیری'' نے اس کی تائید کی ہے کہ دونوں واجبوں میں روزہ ادا ہو جائے گا تو دونوں واجبوں کے علاوہ میں بدرجہ اولیٰ ادا ہو جائے گا۔ کیونکہ ''خزانۃ الاکمل'' میں ہے: اگر کہا مجھ پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے رجب کا روزہ رکھنا ہے پھر اس نے ظہار کے کفارہ کے طور پر دو مہینوں کے متواتر روزے رکھے ایک مہینہ رجب تھا تو اس کے لئے ادا ہو جائے گا بخلاف اس کے اگر ایک مہینہ رمضان ہو۔ اور اگر تمام عمر کے روزوں کی نذر مانی پھر ظہار کی وجہ سے دو مہینوں کے روزے واجب ہوئے یا معین مہینہ کے روزے واجب کئے پھر اس مہینہ میں رمضان کے روزوں کی قضا کی تو جائز ہوگا بغیر اس کے کہ اسے کوئی چیز لاحق ہو۔

لیکن اس میں دو نیتوں کو جمع کرنا نہیں بلکہ یہ ایک نیت ہے جو دو روزوں کی طرف سے کافی ہوئی ہے۔ الشارح نے یہ مسئلہ ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ اس کا کلام نماز کے بارے میں ہے۔ اس میں یہ مناسب نہیں ہے۔ اور اس کی تصویر اس صورت میں ممکن ہے کہ اگر عشاء کی سنت اور تہجد کی سنت کی نیت کرے اس بنا پر جس کو ''ابن الہمام'' نے ترجیح دی ہے کہ تہجد ہمارے حق میں سنت ہے مستحب نہیں ہے۔

3846۔ (قولہ: فَنَافِلَةٌ) کیونکہ نفل مطلق نماز ہے اور جنازہ دعا ہے۔

3847۔ (قولہ: وَلَا تَبْطُلُ بِنِيَّةِ الْقَطْعِ) قطع کی نیت سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ اسی طرح دوسری نماز کی طرف منتقل ہونے کی نیت سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ ''طحطاوی''۔

3848۔ (قولہ: مَا لَمْ يُكَبِّرْ بِنِيَّةٍ مُغَايِرَةٍ) مثلاً فرض شروع کرنے کے بعد نفل کی نیت سے تکبیر کہے اور اس کے برعکس کرے، یا وقتی نماز کے بعد فوت شدہ نماز کی نیت سے تکبیر کہے اور اس کے برعکس کرے، یا علیحدہ نماز شروع کرنے کے بعد اقتدا کی نیت سے تکبیر کہے، یا اس کے الٹ کرے۔ رہی یہ صورت کہ جب موافق نیت کے ساتھ تکبیر کہے جیسے ظہر کی ایک رکعت ادا کرنے کے بعد نیت کے تلفظ کے بغیر ظہر کی نیت کرے تو پہلی نیت باطل نہ ہوگی اور اس پر بنا کرے گا۔ اگر دوسری نیت پر بنا کرے گا فاسد ہو جائے گی۔ ''طحطاوی''۔

3849۔ (قولہ: الصَّوْمَ) اس کی مثل اعتکاف ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ جس عمل میں مشغول ہے اس میں کسی دوسری چیز سے مشغول نہ ہو، ''طحطاوی''۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔

بَابُ صِفَةِ الصَّلَاۃِ

شُرُوعٌ فِي الْمَشْرُوطِ بَعْدَ بَيَانِ الشَّرْطِ هِيَ لُغَةً مَصْدَرٌ وَعُرْفًا كَيْفِيَّةٌ مُشْتَمِلَةٌ عَلَى فَرْضٍ وَوَاجِبٍ وَسُنَّةٍ وَمَنْدُوبٍ

نماز پڑھنے کے احکام

شروط کے بیان کے بعد مشروط میں شروع ہو رہا ہے۔ صفۃ لغت کے اعتبار سے مصدر ہے اور عرفاً اس کیفیت کا نام ہے جو فرض، واجب، سنت اور مستحب پر مشتمل ہوتی ہے۔

3850۔ (قولہ: شُرُوعٌ فِي الْمَشْرُوطِ) یہ اس بات کو مفید ہے کہ صفت سے مراد نماز کے اوصاف نفسیہ ہیں۔ اور یہ وہ اجزاء عقلیہ ہیں جو قیام، رکوع اور سجود میں سے ہویت کے اجزاء ہیں کیونکہ یہ مشروط ہے۔ آئندہ آئے گا کہ اولیٰ اس کے خلاف ہے۔ ''طحطاوی''۔

صفت کا لغوی و عرفی معنیٰ

3851۔ (قولہ: هِيَ لُغَةً مَصْدَرٌ) کہا جاتا ہے: وصف الشیٔ وصفًا و صفةً اس نے کسی چیز کی صفت بیان کی۔ صفت، علم اور سواد (سیاہی) کی طرح ہے۔ ''قاموس''۔ ''تعریفات السید'' میں ہے: وصف اس چیز کا نام ہے جو معنی کے اعتبار سے ذات پر دلالت کرتی ہے اس کے حروف کے جوہر سے یہی مقصود ہوتی ہے۔ اور اپنے صیغہ کے ساتھ ذات پر دلالت کرتی ہے جیسے احمر۔ یہ اپنے حروف کے جوہر سے معنی مقصود پر دلالت کرتی ہے اور وہ معنی مقصود سرخی ہے۔ الوصف اور الصفة دونوں مصدر ہیں جیسے الوعد اور العدۃ مصدر ہیں۔ متکلمین ان دونوں کے درمیان فرق کرتے ہیں وہ کہتے ہیں وصف، واصف کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور صفت موصوف کے ساتھ قائم ہوتی ہے۔

لیکن ''القاموس'' کا کلام دلالت کرتا ہے کہ لغةً بھی صفت کا اطلاق اس پر ہوتا ہے جو موصوف کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ پس صفت مصدر اور اسم ہوگا اور وصف صرف مصدر ہوگا۔ ''الفتح'' اور ''البحر'' میں فرمایا: اس کا انکار نہیں کیا جاتا کہ وصف کا ذکر کیا جاتا ہے اور مراد صفت لی جاتی ہے۔ اس سے لغةً اتحاد لازم نہیں آتا ہے کیونکہ اس میں شک نہیں کہ الوصف، مصدر ہے۔

اس کا ظاہر یہ ہے کہ الوصف اسم کے طور پر مجازاً صفت کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے نہ کہ لغةً صفت کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ پس ان دونوں کا اتحاد لازم نہیں آتا بخلاف اس کے جو کہا گیا ہے کہ لغت میں یہ دونوں ایک معنی میں ہیں۔

3852۔ (قولہ: وَعُرْفًا كَيْفِيَّةٌ) یہ متکلمین کے عرف پر مبنی ہے ورنہ تو جان چکا ہے کہ صفت لغت میں مصدر اور اسم ہوتی ہے۔ اور یہ خاص نماز کے اجزاء کی صفت کی تعریف ہے۔ مطلق صفت کی تعریف نہیں ہے۔ ''حلبی'' نے کہا: یہ مضاف

(مِنْ فَرَائِضِهَا)
نماز کے فرائض میں سے

کے حذف پر ہوگی تقدیر یوں ہوگی: صفة اجزاء الصلوٰة۔ یعنی نماز کے اجزاء کی صفت۔ پس بعض اجزاء کی صفت فرض ہے جیسے قیام، بعض کی صفت واجب ہے جیسے تشہد، بعض اجزاء کی صفت سنیت ہے جیسے ثناء، بعض کی صفت مستحب ہے جیسے قیام میں اپنے سجدہ کی جگہ کی طرف دیکھنا۔ اور ہم نے مضاف مقدر کیا کیونکہ یہ مقام اجزاء کی صفت کے بیان کا مقام ہے نہ نفس صلوٰۃ کی صفت کا بیان ہے۔ یہ اس سے بہتر ہے جو ''الفتح'' میں ہے کہ یہاں صفت سے مراد نماز کے اوصاف نفسیہ ہیں۔ اور یہ اجزاء عقلیہ ہیں جو ھُوِیَّتْ خارجی کے اجزاء ہیں (مثلاً) قیام جزی، رکوع اور سجود ہیں۔ اسی طرح ''النہر'' میں ہے۔ ''طحطاوی'' نے فرمایا: اولویت کی وجہ یہ ہے کہ یہ واجبات، سنن اور مندوبات کو شامل نہیں ہے۔

اس میں نظر ہے۔ کیونکہ واجبات وغیرہ جن کا نمازی سے فعل مطلوب ہوتا ہے وہ نماز کے اجزاء ہیں۔ کیونکہ اجزاء سے مراد وہ نہیں جن پر نماز کی صحت موقوف ہوتی ہے۔ شاید اولویت کی وجہ یہ ہو کہ صفت وہ ہوتی ہے جو موصوف کے ساتھ قائم ہوتی ہے۔ اور اجزاء وہ ہیں جن کے ساتھ فرضیت اور وجوب وغیرہما کی صفت قائم ہوتی ہے پس یہ صفت نہیں بلکہ موصوف ہیں۔

کبھی اس طرح جواب دیا جاتا ہے کہ یہ اجزاء مصلی (نمازی) کے اوصاف ہیں اور نماز کی طرف منسوب کئے گئے ہیں۔ کیونکہ یہ ھویت خارجی کے اجزاء ہیں جن کے ساتھ نماز خارج میں نماز ہوتی ہے۔ اس بنا پر صفة الصلوٰة میں اضافت بیانیہ ہوگی یا صفت سے مراد مجازاً جز ہے کیونکہ کل کے ساتھ اس کا قیام ہے۔ اس پر ''الکفایہ'' اور ''المعراج'' کا قول دلالت کرتا ہے کہ صفة الصلوة میں اضافت جز کی کل کی طرف اضافت سے ہے۔ کیونکہ ہر صفت جو آگے آئے گی نماز کا جز ہے ''النہر''۔ یہ اس کی مؤید ہے جو (اس مقولہ میں) ''الفتح'' میں کہا ہے۔ نیز اس پر دلیل یہ بھی ہے کہ اس باب سے مراد ان اجزاء کا بیان ہے جو فرض، واجب اور سنت کی طرف تقسیم ہوتے ہیں نہ اس نفس سنیت وجوب اور فرضیت کا بیان ہے جو ان اجزاء کی صفات ہیں۔ کیونکہ اس کا بیان کتب الاصول میں ہے نہ کہ فروع میں ہے۔ ''تامل''

نماز کے فرائض

3853۔ (قولہ: مِنْ فَرَائِضِهَا) یہ فریضة کی جمع ہے۔ یہ رکن سے اعم ہے جو ماہیت میں داخل ہے اور اس شرط سے اعم ہے جو اس سے خارج ہے۔ پس اس کا اطلاق تکبیر تحریمہ، قعدہ اخیرہ اور خروج بصنعہ پر ہوتا ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔
کبھی فرض کا اطلاق اس پر کیا جاتا ہے جو رکن کے مقابل ہوتا ہے اور کبھی اس پر کیا جاتا ہے جو نہ رکن ہوتا ہے اور نہ شرط ہوتا ہے۔

اکثر فقہا فرض کا اطلاق اس پر کرتے ہیں جو رکن کے مقابل ہوتا ہے جیسے تکبیر تحریمہ اور قعدہ۔ اور ہم نے کتاب الطہارۃ کے اوائل میں ''شرح المنیہ'' کے حوالہ سے (مقولہ 731 میں) بیان کیا ہے کہ فرض کا اطلاق اس پر کیا جاتا ہے جو نہ رکن ہوتا ہے اور نہ شرط ہوتا ہے جیسے قیام، رکوع، سجود اور قعدہ کی ترتیب۔

الَّتِي لَا تَصِحُّ بِدُونِهَا (التَّحْرِيمَةُ) قَائِمًا (وَهِيَ شَرْطٌ) فِي غَيْرِ جِنَازَةٍ عَلَى الْقَادِرِ، بِهِ يُفْتَى، فَيَجُوزُ بِنَاءُ النَّفْلِ عَلَى النَّفْلِ
جن کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی کھڑے ہو کر تکبیر تحریمہ کہنا ہے۔ اور یہ شرط ہے نماز جنازہ کے علاوہ میں، قادر شخص پر۔ اس کے ساتھ فتویٰ دیا جاتا ہے۔ پس نفل کی بنا نفل پر

منْ بعضية کے ساتھ اشارہ فرمایا کہ نماز کے لئے دوسرے فرائض بھی ہیں جیسا کہ الشارح کے قول میں آئے گا ''بقی من الفروض الخ'' یہ ''حلبی'' نے فائدہ ذکر کیا ہے۔

3854۔ (قولہ: الَّتِي لَا تَصِحُّ بِدُونِهَا) یہ صفت کاشفہ ہے۔ کیونکہ فروض میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جس کے بغیر بلا عذر نماز صحیح ہو۔

3855۔ (قولہ: التَّحْرِيمَةُ) اس سے مراد خالص ذکر ہے جیسے اللہ اکبر جیسا اس کی بیس شروط کے بیان کے ساتھ نظم میں (مقولہ 3923 میں) آئے گا۔ التحریم کا مطلب ہے کسی چیز کو حرام بنانا اس کو تکبیر تحریمہ اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ شروع ہونے سے پہلے جو چیزیں مباح تھیں ان کو اس نے حرام کر دیا۔ بخلاف دوسری تکبیرات کے۔ اس میں تا مبالغہ کے لئے ہے۔ ''قہستانی''۔ یہ اظہر قول ہے ''برجندی''۔ بعض علماء نے فرمایا: تا وحدت کے لئے ہے۔ بعض نے فرمایا: وصف سے اسم کی طرف نقل کرنے کے لئے ہے۔

3856۔ (قولہ: قَائِمًا) یہ آنے والی اس کی بیس شروط میں سے ایک ہے آئندہ فصل میں (مقولہ 3923 میں) مصنف اس کو ذکر کریں گے۔

3857۔ (قولہ: وَهِيَ شَرْطٌ) گزشتہ شروط کے ساتھ اس کو ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ یہ اس کے ساتھ اس طرح متصل ہے جس طرح گھر کے لئے دروازہ ہوتا ہے۔ یہ فائدہ ''السراج'' میں ذکر ہے۔

3858۔ (قولہ: فِي غَيْرِ جِنَازَةٍ) رہی جنازہ میں تکبیر تحریمہ تو وہ بالاتفاق رکن ہے جس طرح جنازہ کی بقیہ تکبیرات رکن ہیں جیسا کہ جنازہ کے باب میں آئے گا۔ ''حلبی''۔

3859۔ (قولہ: عَلَى الْقَادِرِ) یہ ''شرطٌ'' کے متعلق ہے۔ کیونکہ اس میں فرض کا معنی ہے یعنی یہ شرط ہے قادر پر فرض ہے۔ ''حلبی''۔

رہا ان پڑھ اور گونگا آدمی اگر یہ دونوں نیت کے ساتھ آغاز کریں تو جائز ہے۔ کیونکہ یہ دونوں ایسی چیز لائے جو ان کی وسعت میں تھی ''بحر'' عن ''المحیط''۔ مکمل کلام اس پر آئندہ فصل میں ہو گی۔

3860۔ (قولہ: بِهِ يُفْتَى) ضمیر اس پر شرطیۃ کے ساتھ جو حکم ہے اس کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یہ (وہی شرط) کے قول میں نسبت ایقاعیہ کا مضمون ہے۔

3861۔ (قولہ: فَيَجُوزُ بِنَاءُ النَّفْلِ عَلَى النَّفْلِ) یہ تحریمہ کے شرط ہونے پر تفریع ہے۔ لیکن اس کا شرط ہونا کسی

وَعَلَى الْفَرْضِ وَإِنْ كُرِهَ لَا فَرْضٍ عَلَى فَرْضٍ أَوْ نَفْلٍ عَلَى الظَّاهِرِ وَلَا تِّصَالِهَا بِالْأَرْكَانِ رُوعِيَ لَهَا الشُّرُوطُ

اور فرض پر جائز ہے اگرچہ مکروہ ہے۔ فرض یا نفل پر فرض کی بنا جائز نہیں ظاہر مذہب پر۔ اور تکبیر تحریمہ کے ارکان سے متصل ہونے کی وجہ سے اس کے لئے شروط کی رعایت رکھی گئی ہے۔

نماز کی تحریمہ پر کسی نماز کی بنا کی صحت کا تقاضا کرتا ہے جیسے کسی نماز کی طہارت پر کسی نماز کی بنا جائز ہوتی ہے۔ اور اسی طرح بقیہ شروط ہیں۔ لیکن نفل پر فرض کی بنا کو ہم تسلیم نہیں کرتے اس لئے نہیں کہ تحریمہ رکن ہے بلکہ اس لئے کہ فرض میں مطلوب اس کے تمام افعال اور اخص اوصاف کی وجہ سے غیر سے اس کی تمیز اور تعیین ہے۔ اور ان کا علیحدہ عبادت ہونا مطلوب ہے۔ اگر فرض کی دوسری نماز پر بنا کی جائے گی تو یہ اس دوسری نماز کے ساتھ علیحدہ نماز ہوگی جیسا کہ نفل پر نفل کی بنا میں ہوتا ہے۔ ''البحر'' میں فرمایا: یہ ایک نماز ہوگی اس دلیل کی وجہ سے کہ قعدہ فرض نہیں ہوتا مگر نماز کے آخر میں صحیح قول پر۔ اور علماء کا یہ قول کہ نفل کی ہر دو رکعتیں نماز ہیں اس کے معارض نہیں کیونکہ یہ کچھ احکام میں ہے دوسرے احکام میں نہیں۔ ''حلبی''۔

3862۔ (قولہ: وَعَلَى الْفَرْضِ) کیونکہ فرض اقویٰ ہوتا ہے۔ پس نفل کے ضعف کی وجہ سے نفل کو اپنے پیچھے طلب کرتا ہے۔

3863۔ (قولہ: وَإِنْ كُرِهَ) یعنی اس کی صحت کے باوجود مکروہ ہے۔ کیونکہ اس میں سلام کی تاخیر ہے اور نفل میں نئی تکبیر تحریمہ کا نہ ہونا ہے۔ ''حلبی''۔ یہ عمد (ارادۃ) کی صورت میں ہے۔ کیونکہ اگر فرض کے قعدہ کے بعد بھول جائے اور پانچویں رکعت زیادہ کرلے تو بلا کراہت چھٹی رکعت ساتھ ملا لے۔

3864۔ (قولہ: عَلَى الظَّاهِرِ) یعنی ظاہر مذہب پر ''صدر الاسلام'' کا قول اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ انہوں نے دونوں صورتوں میں جواز کا کہا ہے جیسا کہ ''البحر'' میں ہے۔ لیکن ''النہایہ'' میں فرض کی بنا فرض پر جائز ہونے کے قول کو ''صدر الاسلام'' کی طرف منسوب کرنے کے بعد ذکر کیا ہے کہ ''فرض کی بنا نفل پر'' اس میں ہم نے کوئی روایت نہیں پائی۔ پھر فرمایا: لیکن واجب ہے کہ جائز نہ ہوحتیٰ کہ ''صدر الاسلام'' کے قول پر بھی۔ کیونکہ ''صدر الاسلام'' نے مثل کی بنا کو جائز قرار دیا ہے۔ پس اقویٰ کی بنا ادنیٰ پر جائز نہیں۔ نیز کوئی چیز اپنی مثل کو یا اپنے سے ادنیٰ کو طلب کرتی ہے نہ کہ اقویٰ کو۔ آخر تک جو انہوں نے طویل کلام کی۔ ''المعراج'' اور ''النہایہ'' میں اس کی متابعت کی ہے۔

اس سے ''النہر'' کے قول کی عدم صحت ظاہر ہوئی کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ نفل اور فرض پر نفل کی بنا کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔ ''فتنبہ''

3865۔ (قولہ: وَلَاتِّصَالِهَا الخ) یہ معلول پر مقدم علت ہے اور معلول یہ قول ہے ''روعی لها الشروط''۔ یہ آئندہ ''البرہان'' کی عبارت کا حاصل ہے۔ یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب تحریمہ شرط ہے تو اس کے لئے شروط کی رعایت کیوں رکھی گئی۔ شروط کی رعایت تو ارکان کے لئے رکھی جاتی ہے؟ جواب یہ ہے کہ تحریمہ کے لئے

وَقَدْ مَنَعَهُ الزَّيْلَعِيُّ ثُمَّ رَجَعَ إلَيْهِ بِقَوْلِهِ وَلَئِنْ سُلِّمَ، نَعَمْ فِي التَّلْوِيحِ تَقْدِيمُ الْمَنْعِ عَلَى التَّسْلِيمِ أَوْلَى،

''الزیلعی'' نے اس کا انکار کیا ہے پھر اس قول کے ساتھ اس کی طرف رجوع کیا ہے کہ ''اگر تسلیم کیا جائے''۔ ہاں ''التلویح'' میں ہے: تسلیم پر منع کو مقدم کرنا اولیٰ ہے۔

طہارت، استقبال قبلہ وغیرہ شروط کی رعایت رکھی گئی ہے اس لئے نہیں کہ یہ نماز کے لئے رکن ہے بلکہ اس لئے کہ یہ قیام کے ساتھ متصل ہے جو نماز کا رکن ہے۔

3866۔ (قولہ: وَقَدْ مَنَعَهُ الزَّيْلَعِيُّ) یعنی علامہ ''الزیلعی'' نے ''ردعی لها الشروط'' کے قول سے جو ذکر کیا گیا ہے اس کا انکار کیا ہے۔ کیونکہ امام ''شافعی'' رالیٹھلیہ پر رد کرتے ہوئے فرمایا جو تحریمہ کی رکنیت کے قائل ہیں کہ ''تحریمہ کے لئے وہی شروط ہیں جو نماز کی شروط ہیں'' یہ ممنوع قول ہے۔ کیونکہ اگر نجاست کو اٹھائے ہوئے تکبیر تحریمہ کہی پھر تکبیر تحریمہ سے فارغ ہونے کے وقت نجاست کو پھینک دیا، یا شرمگاہ کھلی ہوئی تھی تکبیر سے فراغت کے وقت عمل یسیر سے اس کو ڈھانپ دیا، یا زوال کے ظہور سے پہلے تکبیر میں شروع ہوا پھر تکبیر سے فارغ ہونے کے وقت زوال ظاہر ہوا، یا قبلہ سے منحرف تھا پھر تکبیر تحریمہ سے فارغ ہونے کے وقت قبلہ کی طرف رخ کر لیا تو جائز ہے۔ اور اگر تسلیم کر لیا جائے تو اس کے لئے شروط اس لئے ہوں گی کیونکہ ادا اس کے ساتھ متصل ہے نہ اس لئے کہ تحریمہ نماز میں سے ہے۔

3867۔ (قولہ: ثُمَّ رَجَعَ إلَيْهِ) یعنی پھر تکبیر تحریمہ کے لئے شروط کی رعایت کے قول کی طرف ''ولئن سلم الخ'' کے قول کے ساتھ رجوع کیا۔ یہ اگرچہ خصم کے ساتھ علی سبیل التنزل ہے لیکن ان کا قول ادا میں سے جو اس کے ساتھ متصل ہے اس کے لئے شرط ہے الخ۔ تکبیر کے وقت شروط کی رعایت کرنے کے لزوم میں صریح ہے نہ کہ تکبیر کے لئے شروط کی رعایت کے لزوم میں سے ہے بلکہ اس کے قیام کے ساتھ متصل ہونے کی وجہ سے شروط کی رعایت ہے جو بالاتفاق رکن ہے۔ اس کی مثال تیرا یہ قول ہے: ہم تسلیم نہیں کرتے کہ حرکت سکون کے ساتھ جمع ہوتی ہے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو دو ضدوں کا اجتماع لازم آتا ہے۔ پس تیرا قول اگر یہ تسلیم کر لیا جائے فرضی کلام ہے اس کے ساتھ مابعد کا قصد کیا گیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ''الزیلعی'' نے اس کلام سے تحریمہ کے وقت شروط کی رعایت کے لزوم کا ارادہ کیا ہے۔ کیونکہ یہ قیام کے ساتھ متصل ہے جو نماز کا رکن ہے اس بنا پر اگر کوئی تکبیر تحریمہ کے وقت نجاست اٹھانے والا ہو اور اس سے فراغت کے وقت اسے پھینک دے تو اس کی نماز صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ نجاست قیام کے ایک جز کے ساتھ متصل ہے۔ اسی طرح ''الزیلعی'' کی عبارت میں گزشتہ مسائل میں اگر ''زیلعی'' کی یہ مراد نہ ہو تو مذکورہ تسلیم کے فرض پر اس کی تعریف صحیح نہ ہو۔ پس ثابت ہوا کہ پہلے انہوں نے جس کا انکار کیا تھا بعد میں اس کی طرف رجوع کر لیا۔ ''فافہم''

3868۔ (قولہ: نَعَمْ) جو ''الزیلعی'' نے تسلیم کرنے پر انکار کو مقدم کرنے میں سے علماء مناظرہ کے قواعد پر چلتے ہوئے کہا اس کی یہ تصدیق ہے۔ اور ''فی التلویح الخ'' کا قول اس کی تائید ہے۔ اور اس سے اس شخص کے رد کا ارادہ کیا ہے

لَكِنْ نَقُولُ الِاحْتِيَاطُ خِلَافُهُ وَعِبَارَةُ الْبُرْهَانِ وَإِنَّمَا اُشْتُرِطَ لَهَا مَا اُشْتُرِطَ لِلصَّلَاةِ لَا بِاعْتِبَارِ رُكْنِيَّتِهَا، بَلْ بِاعْتِبَارِ اتِّصَالِهَا بِالْقِيَامِ الَّذِي هُوَ رُكْنُهَا

لیکن ہم کہتے ہیں احتیاط اس کے خلاف ہے۔ اور ''البرہان'' کی عبارت ہے: تکبیر تحریمہ کے لئے وہ شرائط رکھی گئی ہیں جو نماز کے لئے رکھی گئی ہیں اس کی رکنیت کے اعتبار سے نہیں بلکہ اس کے اس قیام سے اتصال کے اعتبار سے جو نماز کا رکن ہے۔

جس نے منع پر تسلیم کو مقدم کیا ہے جو ''الزیلعی'' نے کہا اس کا عکس ہے جیسا کہ ''البحر'' کے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ پس تو اس کی طرف رجوع کر۔ ''فافہم''

3869۔ (قولہ: لَكِنْ نَقُولُ الخ) یہ انکار پر استدراک ہے۔ اور ''الزیلعی'' نے جس کی طرف رجوع کیا اس کی تائید ہے کیونکہ یہ احتیاط ہے۔

اور ''وعبارۃ البرھان'' کا قول استدراک کے لئے تقویت ہے۔ کیونکہ ''البرہان'' کا قول ''انما اشترط لھا الخ'' تکبیر کے لئے شروط کی مراعاۃ میں صریح ہے اگرچہ رکن نہیں۔ کیونکہ قیام کے ساتھ متصل ہے جو نماز کا رکن ہے۔

''خزائن الاسرار'' میں الشارح نے فرمایا: ''ہدایہ''، ''الکافی'' اور ''شروح المجمع'' وغیرہا میں کلام کا ظاہر تکبیر تحریمہ کے وقت نماز کی شروط کے وجود کے شرط ہونے میں صریح ہے اس لئے نہیں کہ یہ رکن ہے بلکہ اس لئے کہ یہ ارکان کے ساتھ متصل ہے جبکہ ''الزیلعی'' نے پہلے شرط ہونے کا انکار کیا ہے۔

الشارح کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ تحریمہ کے وقت شروط کی رعایت پسندیدہ ہے اگرچہ تکبیر تحریمہ رکن نہیں۔ کیونکہ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے لئے شروط کی رعایت کی وجہ سے اس کی رکنیت پر استدلال کیا تھا۔ اس کا جواب دیتے ہوئے علماء نے فرمایا: ان شروط کی رعایت تکبیر تحریمہ کے لئے نہیں رکھی گئی بلکہ ان کے لئے ہے جو قیام وغیرہ میں سے اس کے ساتھ متصل ہیں۔ کیونکہ اس کا ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے تکبیر تحریمہ کے وقت مراعات کا لزوم تسلیم کیا ہے لیکن اس کا انکار کیا ہے کہ شروط کی رعایت تکبیر تحریمہ کے لئے ہے۔ اسی طرح گزشتہ بقیہ فروع میں ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ اس کے خلاف ہے جس پر شارحین کا کلام دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ ان فروع میں شروع ہونے کی صحت کے بارے میں ان کی تصریح ہے حتیٰ کہ علامہ ''الکاکی'' نے ''معراج الدرایہ'' میں تصریح کی ہے کہ ہمارے اور امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان تکبیر تحریمہ کے بارے میں اختلاف کا ثمرہ فرض پر نفل کی بنا پر جواز میں ظاہر ہوتا ہے اور اس صورت میں ظاہر ہوتا ہے جب وہ تکبیر کہے اور اس کے ہاتھ میں نجاست ہو پھر تکبیر سے فارغ ہونے کے وقت نجاست کو پھینک دے۔ اسی طرح گزشتہ فروع میں ہے۔ پھر اس کے آخر میں فرمایا: ہمارے نزدیک اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ اسی طرح ''السراج'' میں ہے۔ لیکن شیخین اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان انہوں نے اختلاف ذکر کیا ہے۔ شاید امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت ہو کیونکہ مشہور یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کی رکنیت کے قائل امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے بعض اصحاب ہیں۔ اور ''فتح القدیر'' کی عبارت اس طرح ہے کہ ومراعاۃ الشرائط الخ کا قول، ''یشترط لھا'' کے قول کے انکار کو متضمن ہے۔ پس یہ کہا جائے گا کہ ہم تسلیم نہیں کرتے

......	......	......	......	......	......	......	......	......	......	......

کہ تکبیر تحریمہ کیلئے شرط ہے بلکہ اس کے لئے شرط ہیں جو ارکان میں سے اس کے ساتھ متصل ہیں نہ کہ صرف تکبیر کے لئے شرط ہیں۔ اسی وجہ سے ہم نے کہا: اگر نجاست اٹھانے والا تکبیر تحریمہ کہے، یا مکشوف العورۃ تکبیر کہے، یا زوال کے ظہور سے پہلے تکبیر کہے، یا قبلہ سے منحرف ہو کر تکبیر کہے پھر نجاست کو پھینک دے اور عمل قلیل کے ساتھ شرمگاہ ڈھانپ لے اور زوال ظاہر ہو جائے اور تحریمہ کے اخری جز کے ساتھ قبلہ کی طرف رخ کرے تو نماز جائز ہو گی۔ ''الکافی'' میں ذکر کیا ہے کہ یہ بعض علما کے نزدیک رکن ہے۔ اور یہی ''الطحاوی'' کے کلام کا ظاہر ہے۔ پس ان کے قول پر واجب ہے کہ یہ فروع صحیح نہ ہوں۔ کلام ''الفتح''۔

پس دیکھو کیسے سمجھا کہ صاحب ''الہدایہ'' کی مراد ان فروع کی صحت کو تسلیم کرنا ہے۔ اور تکبیر تحریمہ کے وقت نماز کی شروط کا وجود شرط نہیں اور ان کی عدم صحت اس کی رکنیت کے قول کی بنا پر ہے۔ اور ہم یہ نہیں کہتے۔ اور یہ اس کے خلاف ہے جو الشارح نے ''الہدایہ'' اور ''الکافی'' وغیرہما کے کلام سے سمجھا جیسا کہ ہم نے ''الخزائن'' کے حوالہ سے (اس مقولہ میں) پہلے ذکر کیا ہے اسی طرح ''البحر'' اور ''النہر'' کا کلام ان فروع کی صحت میں صریح ہے۔ پس اس حیثیت سے کہ یہ منقول ہے اس لئے ہمارے لئے اس سے عدول جائز نہیں۔ اور اس وقت جواب میں علما کے قول کا معنی یہ ہے کہ شروط کی رعایت تکبیر تحریمہ کے لئے نہیں بلکہ قیام میں سے جو اس کے ساتھ متصل ہے اس کی وجہ سے ہے طہارت وغیرہ میں سے نماز کی شروط تکبیر تحریمہ کے لئے اصلاً واجب نہیں بلکہ اس قیام کیلئے ہے جو اس کے ساتھ متصل ہے۔ یعنی تکبیر کے تلفظ کی انتہا کے وقت اس کے آخر میں جو متصل ہے نہ اس قیام کے لئے جو اس کی ابتدا سے اس کی انتہا تک متصل ہے تا کہ قیام مذکور کے ضمن میں تکبیر کے لئے شروط کی مراعات لازم ہو جیسا کہ یہ الشارح نے ''البرہان'' کے قول ''انما أشتُرط لها'' سے سمجھا ہے۔ کیونکہ ''لها'' کا قول اس کو مفید ہے جو الشارح نے ذکر کیا ہے لیکن یہ مراد نہیں۔ کیونکہ ہمارے نزدیک مذکورہ فروع صحیح ہیں۔ یا یہ کہا جائے گا کہ اس کا معنی ہے یہ شروط تکبیر تحریمہ کے وقت نمازی جن کی رعایت کرتا ہے وہ تکبیر تحریمہ کے لئے نہیں ہیں بلکہ اس کے لئے ہیں جو ارکان میں سے اس کے ساتھ متصل ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ جب نمازی کے حالت سے غالب تکبیر تحریمہ کے وقت شروط کی رعایت ہے تو یہ اس وہم کا منشا ہوا کہ یہ تحریمہ کے لئے ہے۔ پس اولاً علما نے بیان فرمایا کہ یہ شروط تکبیر تحریمہ سے متصل قیام کے لئے ہے۔ پھر اس کو ثابت کیا کہ انہوں نے ایسی صورتیں ذکر کی ہیں جن میں شروط کے ساتھ تحریمہ کا متصل نہ ہونا ممکن ہے۔ اور ''الہدایہ'' کی عبارت ہے: شرائط کی رعایت اس کے لئے ہے جو قیام میں سے اس کے ساتھ متصل ہے۔ اور ''الکفایہ'' میں ہے: دلیل یہ ہے کہ جو دریا میں واقع ہوا اور پانی اس کے اعضاء وضو تک نہیں پہنچا پھر اس نے تکبیر کہی اور پانی میں گھس گیا اور سر اٹھایا اور اشارہ سے نماز پڑھی تو اس کی نماز جائز ہو گی اگرچہ تکبیر کی حالت میں وہ باوضو نہیں تھا۔

پس یہ صریح ہے کہ شروط کی رعایت واجب ہے تکبیر تحریمہ سے فارغ ہونے کے ساتھ تکبیر تحریمہ کے آخر میں متصل قیام کے لئے پہلے جز کے وقت۔ پس شروط کی رعایت قیام کے وقت میں ہے نہ کہ تکبیر کے لئے۔ کیونکہ یہ قیام کے تابع ہے اور ''الزیلعی'' کا گزشتہ کلام (مقولہ 3866 میں) اس پر محمول کرنا ممکن ہے اس طرح کہ لما یتصل کا قول ''یشترط'' کے قول کے متعلق کیا

(وَمِنْهَا الْقِيَامُ) بِحَيْثُ لَوْ مَدَّ يَدَيْهِ لَا يَنَالُ رُكْبَتَيْهِ وَمَفْرُوضُهُ وَوَاجِبُهُ وَمَسْنُونُهُ وَمَنْدُوبُهُ بِقَدْرِ الْقِرَاءَةِ فِيهِ، فَلَوْ كَبَّرَ قَائِمًا فَرَكَعَ

اور نماز کے فرائض میں سے قیام ہے اس حیثیت سے کہ اگر وہ اپنے ہاتھوں کو لمبا کرے تو وہ اسکے گھٹنوں تک نہ پہنچیں۔ اور قیام فرض، واجب، مسنون اور مندوب ہونا اس میں قراءت کی مقدار کے اعتبار سے ہے۔ پس اگر کھڑے ہو کر تکبیر کہی پھر رکوع کیا

جائے۔ یہ اس کے لئے صلہ ہو علت نہ ہو تا کہ معنی یہ ہو کہ تحریمہ میں شروط، شرط ہیں اس کی وجہ سے جو اس کے ساتھ متصل ہے۔ اس وقت فقہاء کا کلام موافق ہو جائے گا اور ان کا مقصود واضح ہو جائے گا۔ یہ اس مقام کی تحقیق میں میرے لئے ظاہر ہوا ہے۔

3870۔ (قولہ: وَمِنْهَا الْقِيَامُ) یہ مکمل قیام کو شامل ہے اور وہ اعتدال کے ساتھ سیدھا کھڑا ہونا ہے۔ اور غیر مکمل قیام کو بھی شامل ہے اور وہ تھوڑا سا جھکنا ہے۔ اسی طرح کہ اس کے ہاتھ اس کے گھٹنوں تک نہ پہنچتے ہوں۔ اور ''بحیث'' کا قول دونوں صورتوں پر صادق آتا ہے۔ یہ فائدہ ''طحطاوی'' نے ذکر کیا ہے۔ بغیر عذر کے نماز میں ایک پاؤں پر کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ اور مناسب ہے کہ دونوں قدموں کے درمیان ہاتھ کی چار انگلیوں کی مقدار فاصلہ ہو۔ کیونکہ یہ خشوع کے زیادہ قریب ہے۔ اسی طرح ''ابونصر الدبوسی'' سے مروی ہے۔ وہ اسی طرح کرتے تھے۔ اسی طرح ''الکبریٰ'' میں ہے۔ اور جو مروی ہے کہ صحابہ کرام ٹخنوں کے ساتھ ٹخنوں کو ملاتے تھے اس سے مراد جماعت ہے یعنی ہر شخص دوسرے کے ساتھ کھڑا ہو۔ اسی طرح ''فتاویٰ سمرقند'' میں ہے۔ اور اگر کوئی شخص بلا عذر اپنے پاؤں کی انگلیوں یا ایڑھی پر کھڑا ہو تو جائز ہوگا۔ اور بعض علماء نے فرمایا: جائز نہ ہوگا۔ دونوں قول ''القنیہ'' میں حکایت کئے ہیں۔ اس کی مکمل بحث ''شرح الشیخ اسماعیل'' میں ہے۔

3871۔ (قولہ: بِقَدْرِ الْقِرَاءَةِ فِيهِ) یہ ''الشرنبلالیہ'' میں بطور بحث ذکر کیا ہے۔ لیکن ''الخزائن'' میں اس کو ''الحاوی'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس وقت ایک آیت کی مقدار فرض ہوگا، سورہ فاتحہ اور ایک سورۃ کی مقدار واجب ہوگا۔ طوال مفصل اور اوساط مفصل اور قصار مفصل کی مقدار اپنے محل میں مسنون ہوگا۔ اور نماز تہجد وغیرہ میں اس سے زائد مندوب ہوگا۔ لیکن ''الاشباہ'' کے الفن الثالث کے اواخر میں ہے: ہمارے اصحاب نے فرمایا: اگر نماز میں سارا قرآن پڑھے تو فرض واقع ہوگا۔ اگر نماز میں رکوع اور سجود کو لمبا کرے گا تو فرض واقع ہوگا۔

اور اس کا مقتضا یہ ہے کہ اگر قیام لمبا کرے گا تو فرض ہی واقع ہوگا۔ پس یہ اس تقدیر کے منافی ہے اور کبھی اس طرح جواب دیا جاتا ہے کہ یہ اس کے ایقاع سے پہلے ہے۔ رہا اس کے ایقاع کے بعد تو قیام فرض ہوگا جیسا کہ قراءت ایقاع سے پہلے فرض، واجب اور سنت میں تقسیم کی جاتی ہے اور ایقاع کے بعد تمام فرض ہوتی ہے۔

اس کا ثمرہ ثواب اور عقاب میں ظاہر ہوتا ہے جب وہ ایک آیت سے زیادہ پڑھے گا تو اسے فرض کے ثواب کا بدلہ دیا جائے گا اور جب وہ قراءت ترک کر دے گا تو ایک آیت سے زائد کے ترک پر اسے عقاب نہیں دیا جائے گا۔ یہ میرے لئے ظاہر ہوا ہے۔ ''فتأملہ''

3872۔ (قولہ: فَرَكَعَ) یعنی اس نے فرض کی مقدار میں قراءت کی یا وہ گونگا تھا یا وہ مقتدی تھا یا اس نے قراءت کو

وَلَمْ يَقِفْ صَحَّ لِأَنَّ مَا أَتَى بِهِ مِنَ الْقِيَامِ إِلَى أَنْ يَبْلُغَ الرُّكُوعَ يَكْفِيهِ قُنْيَةٌ (فِي فَرْضٍ) وَمُلْحَقٍ بِهِ كَنَذْرٍ وَسُنَّةِ فَجْرٍ فِي الْأَصَحِّ (لِقَادِرٍ عَلَيْهِ) وَعَلَى السُّجُودِ،

اور ٹھہرا نہیں تو صحیح ہوگا کیونکہ رکوع تک پہنچنے تک جو قیام اس نے کیا ہے وہ اسے کافی ہے ''قنیہ''۔ اور قیام فرض ہے فرض نماز میں اور جو اس سے ملحق ہے جیسے نذر مانی ہوئی نماز اور فجر کی سنتیں اصح قول میں۔ (اور یہ) حکم اس کے لئے ہے جو قیام پر اور سجود پر قادر ہو۔

مؤخر کیا۔

3873۔ (قوله: إِلَى أَنْ يَبْلُغَ الرُّكُوعَ) یعنی کم از کم رکوع کو پہنچ جائے اس طرح کہ اس کے ہاتھ اس کے گھٹنوں تک پہنچ جائیں اور اس کی عبارت ''القنیہ'' کے حوالہ سے ''الخزائن'' میں ہے۔ یہاں تک کہ رکوع کے زیادہ قریب ہو جائے۔

3874۔ (قوله: كَنَذْرٍ) اس کو مطلق ذکر کیا ہے۔ پس یہ نذر مطلق کو شامل ہے۔ یہ وہ ہے جس میں قیام اور قعود متعین نہ کیا گیا ہو۔ اور یہ دو قولوں میں سے ایک ہے اور دوسرا قول تخییر ہے ''طحطاوی''۔ ''الخزائن'' میں نذر کو واجب سے بدلا ہے اور اس میں توڑے گئے نوافل کی قضا بھی داخل ہے۔ پھر کیا ان میں قیام فرض ہوگا اس کے وجوب کی وجہ سے یا قیام واجب نہ ہوگا اس کو اپنی اصل کے ساتھ لاحق کرتے ہوئے؟ اس میں ''طحطاوی'' اور ''الرحمتی'' نے توقف کیا ہے۔

3875۔ (قوله: وَسُنَّةِ فَجْرٍ فِي الْأَصَحِّ) سنتوں کے وجوب کے قول پر تو ظاہر ہے۔ اور رہا ان کی سنیت کے قول پر تو یہ وجوب کے قول کی رعایت کرنے پر ہے۔ ''مراقی الفلاح'' میں نقل کیا ہے کہ اصح قول فجر کی سنتوں کو بیٹھ کر ادا کرنے کا جواز ہے۔ ''طحطاوی''۔

میں کہتا ہوں: لیکن ''الحلبہ'' میں صلاۃ التراویح پر کلام کے وقت فرمایا: اگر تراویح بلا عذر بیٹھ کر پڑھے تو بعض علما نے فرمایا: جائز نہیں سنت فجر پر قیاس کرتے ہوئے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک سنت مؤکدہ ہے اور فجر کی سنتیں بلا عذر بیٹھ کر جائز نہیں۔ اس پر علماء کا اجماع ہے جیسا کہ یہ الحسن کی امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ ''الخلاصہ'' میں اسی طرح تصریح کی ہے۔ پس اس طرح تراویح ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا: جائز ہے اور فجر کی سنت پر قیاس غیر مکمل ہے۔ کیونکہ تراویح تاکید میں فجر کی سنتوں سے کم ہے۔ پس اس میں ان کے درمیان برابری جائز نہیں۔ ''قاضی خان'' نے فرمایا: یہی صحیح ہے۔

3876۔ (قوله: لِقَادِرٍ عَلَيْهِ) اگر کوئی شخص حقیقۃً قیام سے عاجز ہو تو یہ ظاہر ہے، یا حکماً عاجز ہو جیسا کہ قیام کے ساتھ اس کو تکلیف زیادہ ہوتی ہو، یا مرض کے زیادہ ہونے کا خوف ہو اور جیسے ''وقد يتحتم القعود'' کے قول میں (مقولہ 3880 میں) آنے والے مسائل پس قیام ساقط ہو جاتا ہے۔ اور کبھی قیام پر قدرت ہونے کے باوجود قیام ساقط ہو جاتا ہے اس صورت میں کہ اگر سجدہ کرنے سے عاجز ہو جیسا کہ الشارح نے ''البحر'' کی تبع میں اس پر اکتفا کیا ہے۔ اور ایک مسئلہ اس پر اضافہ کیا جا سکتا ہے اور وہ چلتی ہوئی کشتی میں نماز ہے۔ کیونکہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قیام پر قدرت کے ہوتے ہوئے کشتی میں بیٹھ کر نماز پڑھے۔

فَلَوْ قَدَرَ عَلَيْهِ دُونَ السُّجُودِ نُدِبَ إِيمَاؤُهُ قَاعِدًا، وَكَذَا مَنْ يَسِيلُ جُرْحُهُ لَوْ سَجَدَ وَقَدْ يَتَحَتَّمُ الْقُعُودُ كَمَنْ يَسِيلُ جُرْحُهُ إِذَا قَامَ أَوْ يَسْلَسُ بَوْلُهُ أَوْ يَبْدُو رُبْعُ عَوْرَتِهِ أَوْ يَضْعُفُ

پس اگر کوئی شخص قیام پر قادر ہو اور سجدہ پر قادر نہ ہو تو بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنا مستحب ہے۔ اسی طرح وہ شخص جس کا زخم بہتا ہو اگر وہ سجدہ کرے اور کبھی بیٹھنا حتمی ہو جاتا ہے جیسے وہ شخص جس کا زخم بہتا ہو جب وہ کھڑا ہوتا ہو یا اس کے پیشاب کے قطرے گرتے ہوں یا اس کی شرمگاہ کی چوتھائی ظاہر ہوتی ہو

3877۔(قولہ: فَلَوْ قَدَرَ عَلَيْهِ) یعنی اگر صرف قیام پر قادر ہو یا رکوع کے ساتھ قیام پر قادر ہو جیسا کہ "المنیہ" میں ہے۔

3878۔(قولہ: نُدِبَ إِيمَاؤُهُ قَاعِدًا) یعنی کیونکہ یہ سجدہ کے قریب ہے اور کھڑے ہو کر اشارہ سے نماز پڑھنا بھی جائز ہے جیسا کہ "البحر" میں ہے۔ امام "زفر" اور ائمہ ثلاثہ نے دوسرے قول کو واجب کیا ہے۔ کیونکہ قیام رکن ہے پس اس پر قدرت ہوتے ہوئے اسے ترک نہیں کیا جائے گا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ قیام سجدہ کا ذریعہ ہے جھکنے کے لئے اور سجدہ اصل ہے۔ کیونکہ بغیر قیام کے یہ بطور عبادت مشروع ہے جیسے سجدہ تلاوت۔ اور قیام علیحدہ بطور عبادت مشروع نہیں حتیٰ کہ اگر کوئی غیر اللہ کو سجدہ کرے گا تو کافر ہو جائے گا بخلاف قیام کے۔ اور جب اصل سے عاجز ہوا تو ذریعہ بھی ساقط ہو گیا جیسے نماز کے ساتھ وضو اور جمعہ کے ساتھ سعی ہے۔ اور "ابن الہمام" نے جو اعتراض کیا ہے "شرح المنیہ" میں اس کا جواب دیا ہے پھر فرمایا: اور اگر کہا جاتا کہ اشارہ کرنا افضل ہے اختلاف سے نکلنے کے لئے تو قابل توجہ ہوتا لیکن میں نے کوئی عالم نہیں دیکھا جس نے یہ ذکر کیا ہو۔

3879۔(قولہ: وَكَذَا) یعنی کھڑے ہو کر اشارہ کرنے کے جواز کے باوجود بیٹھ کر اشارہ کرنا مستحب ہے کیونکہ حکماً سجدہ کرنے سے عاجز ہے کیونکہ اگر سجدہ کرے گا تو طہارت کا فوت ہونا لازم آئے گا بغیر کسی بدل کے اور اگر اشارہ کرے گا تو اشارہ سجدہ کا خلیفہ ہوگا۔

3880۔(قولہ: وَقَدْ يَتَحَتَّمُ الْقُعُودُ الخ) یعنی بیٹھ کر اشارہ کرنا لازم ہوگا کیونکہ یہ اس قیام کا بدل ہوگا جس سے حکماً وہ عاجز ہے کیونکہ اگر کھڑا ہوگا تو طہارت کا فوت ہونا لازم آئے گا یا شرمگاہ کا کھلنا یا قراءت کا فوت ہونا یا روزے کا فوت ہونا بغیر بدل کے لازم آئے گا حتیٰ کہ اگر وہ بیٹھ کر اشارہ کرنے پر قادر نہ ہو جیسا کہ اگر اس حال میں ہو کہ اگر بیٹھ کر نماز پڑھے تو اس کا پیشاب یا اس کا زخم بہے گا اور اگر وہ چت لیٹ کر نماز پڑھے تو اس سے کوئی چیز نہیں بہے گی تو وہ کھڑے ہو کر رکوع و سجود کے ساتھ نماز پڑھے جیسا کہ "المنیہ" میں اس پر نص قائم کی ہے۔ اور اس کے شارح نے کہا: کیونکہ چت لیٹ کر نماز بلا عذر جائز نہیں جیسے حدث کے ساتھ نماز جائز نہیں۔ پس وہ صورت راجح ہوگی جس میں ارکان کا ادا کرنا ہوگا۔ اور امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ پہلو کے بل لیٹ کر نماز پڑھے۔ اور بالاجماع جو صورتیں گزر چکی ہیں ان میں اعادہ نہیں ہے۔

3881۔(قولہ: أَوْ يَسْلَسُ) یہ تَعِبَ کے باب سے ہے۔ "طحطاوی"۔

عَنْ الْقِرَاءَةِ أَصْلًا أَوْ عَنْ صَوْمِ رَمَضَانَ، وَلَوْ أَضْعَفَهُ عَنْ الْقِيَامِ الْخُرُوجُ لِجَمَاعَةٍ صَلَّى فِي بَيْتِهِ قَائِمًا بِهِ يُفْتَى خِلَافًا لِلْأَشْبَاهِ (وَ مِنْهَا الْقِرَاءَةُ) لِقَادِرٍ عَلَيْهَا كَمَا سَيَجِيءُ وَهُوَ رُكْنٌ زَائِدٌ عِنْدَ الْأَكْثَرِ

یا اصلاً قراءت سے عاجز ہو جاتا ہو یا رمضان کے روزے سے کمزور پڑ جاتا ہو۔ اور اگر جماعت کے لئے نکلنا اسے قیام سے عاجز کر دیتا ہو تو وہ گھر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھے۔ اس کے ساتھ فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ''الاشباہ'' کا قول اس کے خلاف ہے۔ اور ان فرائض میں سے قراءت ہے اس شخص پر جو قراءت پر قادر ہو جیسا کہ آگے آئے گا اور یہ اکثر علما کے نزدیک زائد رکن ہے

3882۔ (قولہ: أَصْلًا) رہا یہ کہ اگر بعض قراءت پر قادر ہو جب وہ کھڑا ہو تو اپنی قدرت کی مقدار اسے قراءت کرنا لازم ہے اور باقی بیٹھ کر قراءت کرنا لازم ہے۔ ''شرح المنیہ''۔

3883۔ (قولہ: الْخُرُوجُ لِجَمَاعَةٍ) یعنی مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھنے کے لئے نکلنا۔ یہ اس صورت پر محمول ہے جب گھر میں اسے جماعت میسر نہ ہو۔ یہ ابوالسعود نے فائدہ ذکر کیا ہے۔ ''طحطاوی''۔

3884۔ (قولہ: بِهِ يُفْتَى) اس کی وجہ یہ ہے کہ قیام فرض ہے بخلاف جماعت کے۔ یہی امام ''مالک'' اور امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ امام ''احمد'' کا نظریہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ امام احمد کے نزدیک جماعت فرض ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا: ہمارے نزدیک بیٹھ کر امام کے ساتھ نماز پڑھے کیونکہ وہ عاجز ہے۔ اس کو ''المحیط'' میں ذکر کیا ہے۔ اور ''الزاہدی'' نے اس کی تصریح کی ہے ''شرح المنیہ''۔ پھر تیسرا قول ہے جس پر صاحب ''المنیہ'' چلے ہیں وہ یہ ہے کہ امام کے ساتھ کھڑے ہو کر شروع کرے پھر بیٹھ جائے اور جب رکوع کا وقت آجائے تو کھڑا ہو جائے اور رکوع کرے یعنی اگر قادر ہو۔ اور ''النہر'' کی تبع میں جس پر شارح چلے ہیں اس کو ''الخلاصہ'' میں اصح قول بنایا ہے۔ اس کے ساتھ فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ''الحلبہ'' میں فرمایا: شاید یہ اشبہ ہے۔ کیونکہ قیام فرض ہے۔ پس جماعت کے لئے اس کو ترک کرنا جائز نہیں جو کہ سنت ہے بلکہ اس کے چھوڑنے میں یہ عذر شمار کیا جائے گا۔ ''البحر'' میں اس کی متابعت ہے۔

3885۔ (قولہ: وَمِنْهَا الْقِرَاءَةُ) یعنی قرآن کی ایک آیت پڑھنا یہ وتر اور نفل کی تمام رکعتوں میں اور فرض کی دو رکعتوں میں فرض عملی ہے جیسا کہ باب الوتر والنوافل میں متن میں آئے گا اور فرض کی پہلی دو رکعتوں میں قراءۃ کی تعیین واجب ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: سنت ہے فرض نہیں جیسا کہ ہم (مقولہ 6294 میں) الواجبات میں اس کی تحقیق کریں گے۔ اور رہا سورہ فاتحہ اور کسی دوسری سورت یا تین آیات کا پڑھنا تو یہ واجب ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔

کسی چار فرض کی تمام رکعتوں میں قراءت فرض ہو جاتی ہے جیسا کہ اگر مبسوق کو دو رکعتوں کا خلیفہ بنایا اور اسے اشارہ کیا کہ اس نے پہلی دو رکعتوں میں قراءت نہیں کی تھی جیسا کہ باب الاستخلاف میں آئے گا۔

3886۔ (قولہ: كَمَا سَيَجِيءُ) یعنی آنے والی فصل میں غیر عربیہ یا شواذ قراءت یا تورات اور انجیل کے ساتھ قراءت کے حکم کے بیان کے ساتھ آئے گا۔

لِسُقُوطِهِ بِالِاقْتِدَاءِ بِلَا خَلَفٍ (وَمِنْهَا الرُّكُوعُ) بِحَيْثُ
کیونکہ یہ اقتدا کے ساتھ بلا بدل ساقط ہو جاتا ہے۔ ان فرائض میں سے رکوع ہے اس حیثیت سے

رکن اصلی اور رکن زائد کی بحث

3887۔ (قولہ: لِسُقُوطِهِ بِالِاقْتِدَاءِ بِلَا خُلْفٍ) اس تعلیل میں اشارہ ہے اس کی طرف جو''البحر'' میں مذکور ہے کہ رکن زائد وہ ہے جو بعض صورتوں میں ضرورت کے تحقق کے بغیر ساقط ہو جاتا ہے۔ اور رکن اصلی وہ ہوتا ہے جو ساقط نہیں ہوتا مگر ضرورت کے لئے۔ اور رکن کو زائد کہنے پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ رکن وہ ہوتا ہے جو ماہیت میں داخل ہوتا ہے۔ پس زیادت کے ساتھ اس کا وصف کیسے بیان کیا جاتا ہے۔ اور اس کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ ایک حالت میں اس کے ساتھ اس چیز کا قیام ہوتا ہے اس حیثیت سے یہ رکن ہے اور اس کے انتفا سے کسی چیز کا انتفا ہوتا ہے اور زائد اس حیثیت سے کہ دوسری حالت میں اس کے بغیر اس چیز کا قیام ہوتا ہے۔ پس صلاۃ اعتباری ماہیت ہے۔ پس جائز ہے کہ الشارع نے کبھی ارکان کے ساتھ اس کا اعتبار کیا ہو اور کبھی ارکان سے کم کے ساتھ اعتبار کیا ہو۔

اور رکن زائد کی تفسیر جو گزر چکی ہے اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس پر تو پاؤں دھونے کو وضو میں زائد رکن کہنا لازم آتا ہے۔ اس کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ زائد وہ ہوتا ہے کہ جب وہ ساقط ہو تو اس کا بدل نہ ہو اور مسح دھونے کا بدل ہے۔ اور اس کی مثل نماز کے بقیہ ارکان ہیں۔ کیونکہ وہ بدل کی طرف ساقط ہوتے ہیں۔ پس وہ زائد نہیں ہیں بخلاف قراءت کے۔ اور اعتراض کیا گیا ہے کہ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت کا بدل ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس کا امام ہو امام کی قراءت اس کے لئے قراءت ہے (1)۔ ''حلبی'' نے جواب دیا ہے کہ خلف سے مراد وہ بدل ہے جس کو وہ شخص ادا کرتا ہے جس سے اصل فوت ہو جائے اور یہاں اس طرح نہیں ہے۔

اور یہ اس سے بہتر ہے جو ''طحطاوی'' میں ہے کہ حدیث میں بدل مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ الشارع نے اسے قراءت سے منع کیا ہے اور اس کی طرف سے امام کی قراءت کو کافی سمجھا ہے۔

''النہر'' میں فرمایا: کہنے والے کے لئے یہ کہنا جائز ہے کہ ہم بلا ضرورت قراءت کے سقوط کو تسلیم نہیں کرتے تا کہ اس کا زائد ہونا لازم آئے کیونکہ اس کا سقوط اقتدا کی ضرورت کے لئے ہے۔ اسی وجہ سے ''ابن مالک'' نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ رکن اصلی ہے۔

میں کہتا ہوں: کہنے والے کے لئے یہ کہنا جائز ہے کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ اقتدا ضرورت ہے۔ کیونکہ ضرورت وہ عجز ہے جو رکن کی ادائیگی کے ترک کو مباح کرنے والا ہے اور مقتدی قراءت پر قادر ہے مگر شرعاً اس کو اس سے روکا گیا ہے اور منع کو عجز نہیں کہا جاتا مگر تاویل کے ساتھ۔ ''ابن مالک'' نے اس مسئلہ میں جم غفیر کی مخالفت کی ہے جیسا کہ ''البحر'' میں یہ کہا ہے۔

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوٰۃ، باب اذا قراء الامام فانصتوا، جلد 1 صفحہ 274، حدیث نمبر 839

لَوْمَدَّيَدَيْهِ نَالَ رُكْبَتَيْهِ (وَمِنْهَا السُّجُودُ) بِجَبْهَتِهِ وَقَدَمَيْهِ،
کہ اگر وہ اپنے ہاتھوں کو لمبا کرے تو اپنے گھٹنوں کو پکڑ لے۔ ان فرائض میں سے سجدہ ہے پیشانی اور قدموں کے ساتھ۔

پس اس کی مخالفت کا کوئی اعتبار نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

3888۔ (قولہ: بِحَيْثُ لَوْ مَدَّ يَدَيْهِ الخ) اسی طرح ''السراج'' میں ہے۔ اور ''شرح المنیہ'' میں ہے: رکوع سر کو جھکانا ہے لیکن پیٹھ کو جھکانے کے ساتھ۔ کیونکہ لغت کے موضوع سے یہی مفہوم ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: ارْكَعُوْا (الحج: 77) صادق آتا ہے۔ رہا رکوع کا کمال تو وہ پیٹھ کو جھکانا ہے حتیٰ کہ سر اور سرین برابر ہو جائیں یہ رکوع میں حد اعتدال ہے۔ لیکن ''شرح المختار'' میں اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا: رکوع اس کے ساتھ متحقق ہوتا ہے جس پر اسم کا اطلاق ہوتا ہے کیونکہ رکوع جھکنے کا نام ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا: اگر جھکاؤ قیام کی حالت کے قریب ہو تو جائز نہیں اور اگر رکوع کی حالت کے زیادہ قریب ہو تو جائز ہے۔ اس کی مکمل بحث ''الامداد'' میں ہے۔

اور ''شرح المختار'' میں جو اختیار کیا ہے وہ اس کے موافق ہے جس کو کتب اصول میں ہمارے علماء نے ثابت کیا ہے۔ ''شرح الشیخ اسماعیل'' میں ''المحیط'' کے حوالہ سے ہے کہ رکوع میں اگر سر کو تھوڑا جھکایا اور اعتدال نہ کیا تو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے ظاہر جواب یہ ہے کہ وہ جائز ہے۔ اور ''الحسن'' نے روایت کیا ہے کہ اگر وہ رکوع کے زیادہ قریب ہے تو جائز ہے اور اگر قیام کے زیادہ قریب ہے تو جائز نہیں۔

''حاشیۃ الفتال'' میں ''البرجندی'' کے حوالہ سے ہے کہ اگر بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہو تو مناسب ہے کہ اپنی پیشانی کو اپنے گھٹنوں کے سامنے برابر کرے تاکہ رکوع حاصل ہو۔

میں کہتا ہوں: شاید یہ تمام رکوع پر محمول ہے ورنہ تو نے جان لیا کہ سر جھکانے کی اصل سے رکوع کا حصول ہو جاتا ہے یعنی پیٹھ کو جھکانے کے ساتھ۔ ''تامل''

3889۔ (قولہ: وَمِنْهَا السُّجُودُ) السجود کا لغوی معنی جھکنا ہے ''قاموس''۔ اور ''المغرب'' میں اس کی تفسیر زمین پر پیشانی رکھنے سے کی ہے۔ اور ''البحر'' میں ہے: سجدہ کی حقیقت بعض چہرہ کا زمین پر رکھنا ہے اس طرح کہ اس میں استہزا نہ ہو۔ پس ناک داخل ہے اور رخسار اور ٹھوڑی خارج ہے۔ رہی یہ صورت کہ جب سجدہ میں اپنے دونوں پاؤں اٹھائے تو تلاعب کی صورت میں قدموں کو اٹھانے کے باوجود یہ تعظیم اور اجلال کے زیادہ مشابہ ہے۔ اور اس کی مکمل بحث ہمارے ''البحر'' کے حاشیہ میں ہے جو ہم نے تحریر کیا ہے۔

3890۔ (قولہ: بِجَبْهَتِهِ) یعنی جب پیشانی پر کوئی عذر نہ ہو۔ رہا ناک پر اکتفا کرنے کا جواز تو اس کی شرط عذر ہے راجح قول پر جیسا کہ آگے آئے گا۔ ''حلبی'' نے کہا: پھر اگر پیشانی پر اکتفا کیا اور اس میں سے ایک جز زمین پر رکھا اگرچہ تھوڑا ہو فرض ہے اور اکثر پیشانی کا لگانا واجب ہے۔

3891۔ (قولہ: وَقَدَمَيْهِ) اس کا ساقط کرنا واجب ہے کیونکہ انگلیوں میں سے ایک انگلی کا رکھنا کفایت کرتا ہے جیسا

وَوَضْعُ إِصْبَعٍ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا شَرْطٌ، وَتَكْرَارُهُ تَعَبُّدٌ ثَابِتٌ بِالسُّنَّةِ كَعَدَدِ الرَّكَعَاتِ
اور انگلیوں میں سے ایک انگلی کا رکھنا شرط ہے۔ اور سجدہ کا تکرار تعبد ہے جو سنت سے ثابت ہے جیسے رکعات کی تعداد سنت سے ثابت ہے۔

کہ ابھی ''حلبی'' نے ذکر کیا ہے۔ اور انہوں نے فائدہ ذکر کیا ہے کہ اگر قدموں میں سے کچھ زمین پر نہ رکھے تو سجدہ صحیح نہیں ہے۔ جو ہم نے ابھی ''البحر'' کے حوالہ سے (مقولہ 3889 میں) ذکر کیا ہے یہ اس کا مقتضی ہے۔ اس میں اختلاف ہے جس کا ذکر ہم آئندہ فصل میں (مقولہ 4271 میں) کریں گے۔

3892۔ (قولہ: وَتَكْرَارُهُ تَعَبُّدٌ) یعنی سجدہ کا تکرار امر تعبدی ہے یعنی جس کا معنی سمجھا نہیں جاتا اکثر مشائخ کے قول پر آزمائش کے ثبوت کیلئے ہوتا ہے۔ بعض علما نے فرمایا: شیطان کو رسوا و ذلیل کرنے کے لئے ہے کیونکہ اس نے ایک مرتبہ سجدہ نہیں کیا اور ہم دو مرتبہ سجدہ کرتے ہیں۔ اس کی مکمل بحث ''البحر'' میں ہے۔

کیا امر تعبدی افضل ہے یا وہ امر جس کا معنی سمجھا گیا ہو

''المصنف'' کے ''فتاوی التمرتاشیہ'' کے آخر میں ہے ان سے پوچھا گیا: کیا امر تعبدی افضل ہے یا معقول المعنی؟ تو انہوں نے جواب دیا: میں اس مسئلہ میں اپنے علما کی عبارت پر آگاہ نہیں ہوا۔ سوائے ان کے قول کے جو ''الاصول'' میں ہے کہ النصوص میں اصل تعلیل ہے۔ یہ معقول کی افضلیت کی طرف اشارہ کرتا ہے اور میں ''فتاویٰ ابن حجر'' میں اس پر آگاہ ہوا۔ انہوں نے فرمایا: ''ابن عبدالسلام'' کے کلام کا تقاضا یہ ہے کہ امر تعبدی افضل ہے کیونکہ یہ محض اطاعت ہے بخلاف اس کے جس کی علت ظاہر ہو۔ کیونکہ اس کا کرنے والا اس عمل کو اس لئے کرتا ہے تاکہ اس کا فائدہ حاصل ہو۔ اور ''البلقینی'' نے اس کی مخالفت کی ہے فرمایا: اس میں شک نہیں کہ من حیث الجملہ معقول المعنی افضل ہے۔ کیونکہ اکثر شریعت اسی طرح ہے۔ اور جزئیات کو دیکھنے سے کبھی امر تعبدی افضل ہوتا ہے جیسے وضو اور غسل جنابت۔ کیونکہ وضو افضل ہے۔ اور کبھی معقول المعنی افضل ہوتا ہے جیسے طواف اور رمی جمار تو طواف افضل ہے۔

''الحلبہ'' میں وضو کے فرائض پر کلام کے وقت ہے کہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ امور تعبدیہ کیا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی حکمت کی وجہ سے مشروع کئے گئے ہیں اور وہ حکمت ہم سے مخفی ہے یا کسی حکمت کی وجہ سے مشروع نہیں ہیں۔ اکثر علماء کا نظریہ پہلی صورت پر ہے۔ اور یہ قابل توجہ ہے۔ کیونکہ اللہ کی عادت کا استقرا اس پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصالح کو لانے والا ہے اور مفاسد کو دور کرنے والا ہے۔ پس جو اس نے مشروع فرمایا اگر اس کی حکمت ہمارے لئے ظاہر ہوئی تو ہم نے کہا: یہ معقول ہے۔ ورنہ ہم نے کہا: یہ امر تعبدی ہے۔ اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے۔

3893۔ (قولہ: ثَابِتٌ بِالسُّنَّةِ) یعنی اجماع کے ساتھ ثابت ہے ''بحر''۔ یہ اس لئے کیونکہ آیت میں سجدہ کا حکم اس کے تکرار پر دلالت نہیں کرتا۔

(وَمِنْهَا الْقُعُودُ الْأَخِيرُ) وَالَّذِي يَظْهَرُ أَنَّهُ شَرْطٌ لِأَنَّهُ شُرِعَ لِلْخُرُوجِ كَالتَّحْرِيمَةِ لِلشُّرُوعِ وَصَحَّحَ فِي الْبَدَائِعِ أَنَّهُ رُكْنٌ زَائِدٌ

ان فرائض میں سے آخری قعدہ ہے۔ اور جو ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ شرط ہے۔ کیونکہ یہ نماز سے نکلنے کے لئے مشروع کیا گیا ہے جیسے تحریمہ نماز شروع کرنے کے لئے مشروع کی گئی ہے۔ ''البدائع'' میں اس کو صحیح کہا کہ یہ زائد رکن ہے۔

3894۔ (قولہ: وَمِنْهَا الْقُعُودُ الْأَخِيرُ) یہاں اخیر سے تعبیر فرمایا، الثانی سے تعبیر نہیں فرمایا تا کہ فجر کے قعدہ اور مسافر کے قعدہ کو شامل ہو جائے۔ کیونکہ وہ اخیرہ ہے دوسرا نہیں ہے۔ اسی طرح ''الدرایہ'' میں ہے۔ اور مراد اس کا وصف ہے کہ وہ نماز کے آخر میں واقع ہے ورنہ الاخیر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس سے پہلے کوئی دوسرا ہے اور اس بنا پر اگر کوئی کہے آخر غلام جس کا میں مالک ہوں گا وہ آزاد ہے۔ پس وہ ایک غلام کا مالک ہوا تو وہ آزاد نہ ہوگا۔ پس غور کرنا چاہئے۔ ''امداد''۔

3895۔ (قولہ: وَالَّذِي يَظْهَرُ) اخیرہ قعدہ میں علما کا اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ رکن اصلی ہے۔ اور ''کشف البزدوی'' میں ہے: یہ واجب ہے فرض نہیں ہے۔ لیکن یہاں واجب عمل میں فرض کی قوت میں ہے جیسے نماز وتر ہے۔ اور ''الخزانہ'' میں ہے: یہ فرض ہے رکن اصلی نہیں ہے بلکہ یہ تحلیل کے لئے شرط ہے۔ اور اس کے فرض ہونے پر ''الفتح''، ''التبیین'' میں جزم کیا ہے۔ اور ''الینابیع'' میں ہے کہ یہی صحیح ہے۔ اور اس کی فرضیت کی طرف الامام ''المحبوبی'' نے ''الجامع الصغیر'' کے مناسک میں اشارہ کیا ہے۔ اسی وجہ سے جو حلف اٹھائے کہ وہ نماز نہیں پڑھے گا تو قعدہ پر توقف کے بغیر سجدہ سے سر اٹھانے کے ساتھ حانث ہو جائے گا۔ پس یہ فرض ہے رکن نہیں ہے۔ کیونکہ رکن ماہیت میں داخل ہوتا ہے اور نماز کی ماہیت قعدہ کے بغیر مکمل ہوتی ہے۔ پھر فرمایا: معلوم ہے کہ یہ استراحت کے لئے مشروع کیا گیا ہے اور فرض رکن سے ادنیٰ حال میں ہوتا ہے کیونکہ رکن مکرر ہوتا ہے۔ پس عدم تکرار، عدم رکنیت کی دلیل ہے۔ اور اس میں فقہ یہ ہے کہ نماز وہ افعال ہیں جو تعظیم کے لئے وضع کئے گئے ہیں اور تعظیم کی اصل قیام ہے اور رکوع کے ساتھ تعظیم زیادہ ہو جاتی ہے اور سجدہ کے ساتھ اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ پس قعدہ نماز سے خروج کے لئے مراد تھا۔ پس یہ غیر کے لئے ہے اپنی ذات کے لئے نہیں۔ پس یہ رکن سے نہیں ہے۔ اور اس کی مکمل بحث شرح ''الدرر'' ''للشیخ اسماعیل'' میں ہے۔

''البحر'' میں فرمایا: میں نے کوئی ایسا نہیں دیکھا جس نے اختلاف کے ثمرہ سے تعرض کیا ہو یعنی اس کے رکن ہونے یا رکن نہ ہونے میں اختلاف کا ثمرہ کسی نے بیان نہیں کیا۔ اور ''الامداد'' میں ثمرہ بیان کیا ہے کہ اگر وہ سوتے ہوئے قعدہ کرے گا تو اس کی شرطیت کے قول پر معتبر ہوگا رکنیت کے قول پر معتبر نہ ہوگا۔ اس کو ''التحقیق'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ اصح قول اس کا عدم اعتبار ہے جیسا کہ ''شرح المنیہ'' میں ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ اس قول کی تائید کرتا ہے کہ یہ زائد رکن ہے شرط نہیں ہے بخلاف اس کے جس پر الشارح، ''النہر'' کی تبع میں چلے ہیں۔

3896۔ (قولہ: لِأَنَّهُ شُرِعَ لِلْخُرُوجِ) اس میں ہے کہ جو کسی غیر کے لئے مشروع کیا گیا ہو کبھی وہ بھی رکن ہوتا ہے

لِحِنْثِ مَنْ حَلَفَ لَا يُصَلِّي بِالرَّفْعِ مِنَ السُّجُودِ وَفِي السِّرَاجِيَةِ لَا يُكَفَّرُ مُنْكِرُهُ (قَدْرَ) أَدْنَى قِرَاءَةِ (التَّشَهُّدِ) إِلَى عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ بِلَا شَرْطِ مُوَالَاةٍ وَعَدَمِ فَاصِلٍ: لِمَا فِي الْوَلْوَالِجِيَّةِ صَلَّى أَرْبَعًا وَ جَلَسَ لَحْظَةً فَظَنَّهَا ثَلَاثًا فَقَامَ ثُمَّ تَذَكَّرَ فَجَلَسَ ثُمَّ تَكَلَّمَ، فَإِنَّ كِلَا الْجِلْسَتَيْنِ قَدْرَ التَّشَهُّدِ صَحَّتْ وَإِلَّا لَا (وَمِنْهَا الْخُرُوجُ بِصُنْعِهِ)

کیونکہ اس شخص کی قسم سجدہ سے سر اٹھانے کے ساتھ ٹوٹ جائے گی جس نے قسم اٹھائی تھی کہ وہ نماز نہیں پڑھے گا۔ اور ''السراجیہ'' میں ہے: آخری قعدہ کا منکر کافر نہیں کہلائے گا۔ اور تشہد کی قراءت کی ادنیٰ مقدار عبدہ ورسولہ تک ہے موالاۃ اور عدم فاصل کی شرط کے بغیر۔ کیونکہ ''الولوالجیہ'' میں ہے: کسی نے چار رکعتیں پڑھیں پھر ایک لحظہ بیٹھا پھر اس نے تین رکعتیں گمان کیا پھر کھڑا ہو گیا پھر یاد آیا کہ چار پڑھی ہیں پھر بیٹھ گیا پھر کلام کی اگر دونوں جلسے تشہد کی مقدار تھے تو نماز صحیح ہوگی ورنہ نہیں۔ نماز کے فرائض میں سے اپنے فعل سے نکلنا ہے

جیسے قیام ہے کیونکہ قیام رکوع وسجود کے وسیلہ کے طور پر مشروع کیا گیا ہے حتیٰ کہ اگر کوئی رکوع وسجود سے عاجز ہو تو وہ بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھے اگرچہ قیام پر قادر بھی ہو۔

3897۔ (قولہ: لِحِنْثِ مَنْ حَلَفَ الخ) اس میں ہے کہ قراءت رکن زائد ہے حالانکہ اگر قسم اٹھائے کہ وہ نماز نہیں پڑھے گا پھر وہ بغیر قراءت کے ایک رکعت پڑھے تو حانث نہیں ہوگا۔ اس میں اس پر دلالت نہیں کہ قعدہ زائد رکن ہے بلکہ یہ اس پر دلیل ہے کہ یہ شرط ہے۔ پس شارح کے لئے مناسب اس کا الٹ تھا کہ وہ اس کو شرطیت کی دلیل کے طور پر ذکر کرتے اور اس سے پہلے والی کلام کو رکنیت کی دلیل کے طور پر ذکر کرتے۔ غور کرو۔

3898۔ (قولہ: لَا يُكَفَّرُ مُنْكِرُهُ) اس کے منکر کو کافر نہیں کہا جائے گا۔ ظاہر یہ ہے کہ اس کی فرضیت کا منکر مراد ہے۔ کیونکہ اس کے وجوب کا قول کیا گیا ہے جیسا کہ ''القہستانی'' میں ہے۔ اور رہا اس کی مشروعیت کی اصل کا منکر تو اسے کافر کہنا چاہئے۔ کیونکہ اس کا ثبوت اجماع سے ہے بلکہ ضرورۃً دین سے معلوم ہے۔ یہ ''حلبی'' نے فائدہ ذکر کیا ہے۔ اور جو علما نے سنن مؤکدہ میں فرمایا ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے کہ جو سنن مؤکدہ کو حق نہیں سمجھتا اس نے کفر کیا۔

3899۔ (قولہ: قَدْرَ أَدْنَى قِرَاءَةِ التَّشَهُّدِ) یعنی کم از کم مقدار جس میں تشہد پڑھا جاتا ہے یعنی جتنی مقدار میں الفاظ کی صحت کے ساتھ جلدی جلدی تشہد پڑھا جاتا ہے۔ یہ مراد نہیں کہ اس کی ذات میں کوئی ادنیٰ اور اعلیٰ ہے۔ ''طحطاوی''۔

3900۔ (قولہ: إِلَى عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ) اس کے ساتھ اشارہ فرمایا کہ اس سے مراد تشہد ہے جو مکمل واجب ہے ''شرح المنیہ'' میں فرمایا تشہد سے مراد التحیات...... عبدہ و رسولہ تک ہے۔ یہی صحیح ہے نہ کہ وہ جو بعض نے گمان کیا ہے کہ صرف شہادتین کا لفظ ہے۔

3901۔ (قولہ: وَعَدَمِ فَاصِلٍ) یہ ماقبل پر عطف تفسیر ہے۔

3902۔ (قولہ: وَمِنْهَا الْخُرُوجُ بِصُنْعِهِ) یعنی نمازی کا اپنے اختیاری فعل سے نماز سے نکلنا خواہ کوئی قول ہو یا

كَفِعْلِهِ الْمُنَافِي لَهَا بَعْدَ تَمَامِهَا وَإِنْ كُرِهَ تَحْرِيمًا وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ لَيْسَ بِفَرْضٍ اتِّفَاقًا قَالَهُ الزَّيْلَعِيُّ وَغَيْرُهُ وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ،

جیسے اس کا نماز کو مکمل کرنے کے بعد نماز کے منافی فعل کرنا اگر چہ یہ مکروہ تحریمی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ بالاتفاق یہ فرض نہیں ہے۔ یہ ''الزیلعی'' وغیرہ نے کہا ہے۔ ''المصنف'' نے قائم رکھا ہے۔

فعل ہو جو نماز کے مکمل ہونے کے بعد نماز کے منافی ہو جیسا کہ ''البحر'' میں ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اپنی نماز پر دوسری نماز کی بنا کرے خواہ وہ فرض ہو یا نفل ہو، یا قہقہہ مار کر ہنسے، یا جان بوجھ کر حدث لاحق کرے، یا کلام کرے، یا چلا جائے، یا سلام پھیرے ''تاتر خانیہ''۔ اس میں سے یہ بھی ہے کہ عورت اس کے برابر کھڑی ہو۔ کیونکہ محاذاۃ مفاعلہ باب سے ہے۔ پس یہ فعل مرد سے اس کے فعل سے موجود ہو جیسے اس کا عورت کو برابر پانا اگر چہ اس میں مرد کے لئے اختیار نہیں ہے۔ اس کی مکمل بحث ''النہایہ'' میں ہے۔ صنعه کے لفظ سے اس فعل سے احتراز کیا جو سماوی ہو جیسا کہ حدث اس پر غالب آجائے۔

3903۔ (قولہ: كَفِعْلِهِ الْمُنَافِي لَهَا) کاف کی جگہ با سے تعبیر کرنا اولیٰ تھا تا کہ یہ ''بصنعه'' کے قول کی تفسیر ہوتا مگر یہ کہا جائے کہ خروج بصنعه سے لفظ سلام سے نکلنے کا ارادہ کیا مطلق کو کمال پر محمول کرتے ہوئے۔ کیونکہ سلام واجب ہے۔ اور ''کفعلہ الخ'' کے قول سے دوسری چیزیں مراد لی ہیں جو سلام کے علاوہ ہیں اور اس پر ''وان کرہ تحریما'' کا قول دلالت کرتا ہے۔ پس مکروہ نہیں ہے مگر جو سلام کے علاوہ افعال ہیں ''فافہم''۔ المنافی سے قراءت اور تسبیح وغیرہ سے احتراز کیا ہے۔

3904۔ (قولہ: بَعْدَ تَمَامِهَا) یعنی آخری قعدہ کے بعد تشہد کی مقدار پڑھنے کے بعد۔ اس کے ساتھ اس لئے مقید کیا ہے کیونکہ اس سے پہلے اگر کوئی نماز کے منافی عمل کرے گا تو نماز باطل ہو جائے گی اس پر اتفاق ہے۔ ''حلبی''۔

3905۔ (قولہ: وَالصَّحِيحُ الخ) جان لو کہ اپنے فعل سے نماز سے نکلنا فرض ہونا امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے منصوص نہیں ہے۔ بلکہ ''البردعی'' نے اس کو آئندہ بارہ مسائل سے مستنبط کیا ہے جو مفسدات الصلوۃ کے باب سے تھوڑا پہلے (مقولہ 5110 میں) مذکور ہیں کیونکہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے جب ان مسائل میں بطلان کا قول کیا حالانکہ ارکان نماز مکمل ہو چکے ہیں اور اب صرف نماز سے نکلنا باقی ہے تو یہ دلیل ہے کہ یہ فرض ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے جب اس میں صحت کا قول کیا تو خروج بصنعه ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک فرض نہیں ہے۔ ''الکرخی'' نے اس کو اس طرح رد کیا ہے کہ علما کے درمیان اختلاف نہیں کہ یہ فرض نہیں۔ یہ استنباط ''البردعی'' کی طرف سے غلط ہے۔ کیونکہ اگر یہ فرض ہوتا جیسا کہ انہوں نے گمان کیا ہے تو اس کے ساتھ خاص ہوتا جو قربت ہوتا اور وہ السلام ہے۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے معنی کی وجہ سے بارہ مسائل میں بطلان کا حکم لگایا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ان میں عوارض فرض کو تبدیل کرنے والے ہیں۔ پس ان کے حدوث میں نماز کا اول اور نماز کا آخر برابر ہے۔ کیونکہ قعدہ کے بعد متیمم کا پانی کو دیکھنا فرض کو تبدیل کرنے والا ہے۔ کیونکہ اس کا فرض تیمم تھا۔ پس اس کا فرض وضو کی طرف تبدیل ہو گیا۔ اسی طرح بقیہ مسائل میں بخلاف کلام کے۔ کیونکہ کلام نماز کو ختم کرنے والی ہے تبدیل

وَفِي الْمُجْتَبَى وَعَلَيْهِ الْمُحَقِّقُونَ وَبَقِيَ مِنَ الْفُرُوضِ تَمْيِيزُ الْمَفْرُوضِ، وَتَرْتِيبُ الْقِيَامِ عَلَى الرُّكُوعِ، وَالرُّكُوعِ عَلَى السُّجُودِ،

اور ''المجتبیٰ'' میں ہے اور یہی محققین کا نظریہ ہے۔ اور فروض میں سے مفروض کی تمیز کرنا، رکوع پر قیام کو اور سجود پر رکوع کو

کرنے والی نہیں ہے جان بوجھ کر حدث لاحق کرنا، قہقہہ لگانا وغیرہما نماز کو باطل کرنے والے ہیں تبدیل کرنے والے نہیں۔ اس کی مکمل بحث حاشیہ ''حلبی'' میں ہے۔

العلامہ ''الشرنبلالی'' نے اپنے رسالہ ''المسائل البهية الزكية على الاثنى عشرية'' میں ''البردعی'' کی تائید کی ہے کہ خروج بصنعه کے فرض ہونے پر صاحب ''الہدایہ'' چلے ہیں۔ ''الشراح''، ''عامۃ المشائخ'' اور اکثر محققین، امام ''النسفی'' نے ''الوافی''، ''الکافی'' اور ''الکنز'' میں اور اس کی شروح میں اور امام اہل السنہ الشیخ ''ابو منصور الماتریدی'' نے ان کی متابعت کی ہے۔

3906۔ (قولہ: وَعَلَيْهِ) یعنی صحیح قول پر جو ''الکرخی'' کا قول ہے جو ''البردعی'' کے قول کے مقابل ہے۔

ان دونوں کے درمیان اختلاف کا ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہوتا ہے جب تشہد کی مقدار قعدہ بیٹھنے کے بعد اس کو حدث لاحق ہو جائے جب اس نے وضو نہ کیا اور بنا نہ کی اور اپنے فعل سے نہ نکلا تو ''البردعی'' کی تخریج پر نماز باطل ہوگی اور ''الکرخی'' کی تخریج پر نماز صحیح ہوگی۔

3907۔ (قولہ: تَمْيِيزُ الْمَفْرُوضِ) ''طحطاوی'' نے اس کی اس طرح تفسیر کی ہے کہ وہ دوسرے سجدہ کو پہلے سجدہ سے ممتاز کرے اس طرح کہ سر کو اٹھائے اگرچہ تھوڑا سا ہو یا بیٹھنے کے زیادہ قریب ہو۔ یہ دو قول ہیں جن کی تصحیح کی گئی ہے۔ ''الشرنبلالی'' نے دوسرے قول کی اصحیت کو نقل کیا ہے۔ اور ''حلبی'' نے اس کی تفسیر اس طرح بیان کی ہے کہ تمیز سے مراد فرض نمازوں کی غیر فرض نماز سے تمیز کرنا ہے حتیٰ کہ اگر پانچ نمازوں کی فرضیت کو نہ جانتا ہو مگر ان کو ان کے وقت پر ادا کرتا ہو تو کافی نہ ہوگا۔ اگر وہ جانتا ہو کہ بعض فرض ہیں بعض سنت ہیں اور تمام میں فرض کی نیت کرتا ہو یا نیت نہ کرتا ہو اور فرض میں اقتدا کے وقت امام کی نماز کی نیت کی ہو تو جائز ہوگا۔ اور اگر فرض کو جانتا ہو سوائے اس کے جو نماز میں فرائض اور سنن ہیں تو پھر بھی اس کی نماز جائز ہوگی۔ اسی طرح ''البحر'' میں ہے۔ ہر نماز کے اجزاء سے مفروض مراد نہیں ہے۔ یعنی یہ مراد نہیں کہ وہ جانتا ہو کہ نماز میں قراءت فرض ہے اور تسبیح سنت ہے اور اسی طرح دوسری چیزیں۔ ''نور الایضاح'' کے متن میں جو ہے وہ اس کے خلاف کا وہم دلاتا ہے اگرچہ اس کی شرح میں ایسی تفسیر کی ہے جو اس کے وہم کو دور کر دیتا ہے۔

میں کہتا ہوں: الشارح کے لئے مناسب تھا کہ اس کا ذکر نہ کرتے جیسا کہ ''الخزائن'' میں کیا ہے۔ کیونکہ پہلی تفسیر پر دوسرے سجدہ کے فرض ہونے کے معنی میں ہوگا۔ کیونکہ بغیر سر اٹھائے دوسرا سجدہ متحقق ہی نہیں ہوتا اور سجدہ کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ اور دوسری تفسیر پر نیت میں تعیین کی شرط کی طرف لوٹتا ہے اور اس کی نیت کی بحث میں تصریح کی ہے۔

3908۔ (قولہ: وَتَرْتِيبُ الْقِيَامِ عَلَى الرُّكُوعِ) یعنی قیام کو رکوع سے مقدم کرنا حتیٰ کہ اگر رکوع کیا پھر قیام کیا تو اس رکوع کا اعتبار نہ ہوگا، اگر دوبارہ رکوع کیا تو اس کی نماز صحیح ہوگی۔ کیونکہ مفروض ترتیب پائی گئی ہے اور اس پر سجدہ سہو لازم ہو

وَالْقُعُودِ الْأَخِيرِ عَلَى مَا قَبْلَهُ وَإِتْمَامُ الصَّلَاةِ، وَالِانْتِقَالُ مِنْ رُكْنٍ إِلَى آخَرَ وَمُتَابَعَتُهُ لِإِمَامِهِ فِي الْفُرُوضِ
پہلی تمام چیزوں پر قعدہ اخیری کو ترتیب دینا، اور نماز کو مکمل کرنا، ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونا، فروض میں اپنے امام کی متابعت کرنا،

گا۔ کیونکہ اس نے مفروض رکوع کو مقدم کر دیا تھا اسی طرح رکوع کو سجدہ پر مقدم کرنا حتیٰ کہ اگر سجدہ کیا پھر رکوع کیا اگر تو دوبارہ سجدہ کیا تو نماز صحیح ہوگی اس وجہ سے جو ہم نے کہا ہے۔

اور شارح کا قول ''والعقود الاخیر الخ'' تمام ارکان کے بعد اس کا واقع کرنا فرض ہے حتیٰ کہ اگر قعدہ اخیرہ کے بعد سجدہ صلبیہ یاد آئے تو سجدہ کرے اور قعدہ کو دوبارہ پڑھے اور سہو کے لئے سجدہ کرے۔ اور اگر رکوع اسے یاد آئے تو سجدہ میں سے جو اس کے بعد ہے اس کے ساتھ اسے قضا کرے۔ یا قیام یا قراءت یاد آئے تو ایک رکعت ادا کرے جیسا کہ ''البحر'' میں اس کو تحریر کیا ہے۔ یہ کہنا بہتر تھا و ترتیب القعود الخ جیسا کہ ''الخزائن'' میں ہے تا کہ جان لیا جائے کہ یہ دوسرا فرض ہے۔ کیونکہ اس میں ترتیب بمعنی التاخیر ما قبل کا عکس ہے۔ شارح نے رکوع پر قراءت کو مقدم کرنے کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ وہ الواجبات میں اس کا ذکر کریں گے مکمل کلام ان تمام پر وہاں آئے گی۔

3909۔ (قولہ: وَإِتْمَامِ الصَّلَاةِ وَالِانْتِقَالُ) ''الفتح'' میں فرمایا: فرائض میں سے شمار کیا گیا ہے نماز کو مکمل کرنا اور ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونا۔ بعض نے فرمایا: نص جو نماز کو ثابت کرتی ہے وہ اس کو ثابت کرتی ہے۔ کیونکہ نماز کو مکمل کئے بغیر نماز کا وجود نہیں ہے یہ دونوں امروں کا تقاضا کرتا ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ اتمام سے مراد عدم القطع ہے اور مذکور انتقال سے مراد ایک رکن سے منتقل ہونا ہے بعد والے رکن کو ادا کرنے کے لئے۔ کیونکہ اس کا مابعد متحقق نہیں ہوتا مگر اسی کے ساتھ۔ رہا ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف بلافصل منتقل ہونا تو وہ واجب ہے حتیٰ کہ اگر ایک مرتبہ رکوع کیا پھر رکوع کیا تو اس پر سجدہ سہو واجب ہے۔ کیونکہ وہ فرض...... رکوع...... سے سجود کی طرف منتقل نہیں ہوا بلکہ ان کے درمیان ایک اجنبی چیز کو داخل کر دیا اور وہ دوسرا رکوع ہے جیسا کہ ''شرح المنیہ'' میں ہے۔

رکن کو فرض سے بدلنا مناسب تھا جیسا کہ ''المنیہ'' میں تعبیر فرمایا ہے تا کہ سجود سے قعدہ کی طرف منتقل ہونے کی طرف کو شامل ہو جائے اس بنا پر جس کی تائید کی ہے کہ قعدہ شرط ہے زائد رکن نہیں ہے۔ لیکن ہم نے (مقولہ 3895 میں) اس کے خلاف کی ترجیح کو پہلے پیش کیا ہے۔ ''فافہم''

پھر مذکور اتمام اور انتقال کو فروض سے شمار کرنا جو المصنف نے فروض سے ذکر کیا ہے وہ اس سے مستغنی کر دیتا ہے۔

3910۔ (قولہ: وَمُتَابَعَتُهُ لِإِمَامِهِ فِي الْفُرُوضِ) یعنی مقتدی اپنے امام کے ساتھ فروض کو ادا کرے یا اس کے بعد ادا کرے۔ حتیٰ کہ اگر اس کے امام نے رکوع کیا اور سر اٹھا لیا اور مقتدی نے اس کے بعد رکوع کیا تو صحیح ہوگا بخلاف اس کے کہ اگر امام سے پہلے رکوع کیا اور سر اٹھا لیا پھر اس کے امام نے رکوع کیا اور اس مقتدی نے دوبارہ اپنے امام کے ساتھ یا امام کے بعد رکوع نہ کیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ پس متابعت سے مراد عدم مسابقت ہے۔ ہاں مقتدی کا اپنے امام کی

وَصِحَّةُ صَلَاةِ إِمَامِهِ فِي رَأْيِهِ، وَعَدَمُ تَقَدُّمِهِ عَلَيْهِ، وَعَدَمُ مُخَالَفَتِهِ فِي الْجِهَةِ، وَعَدَمُ تَذَكُّرِ فَائِتَةٍ وَعَدَمُ مُحَاذَاةِ امْرَأَةٍ بِشَرْطِهِمَا،

اس کی رائے میں امام کی نماز کا صحیح ہونا، اپنے امام سے آگے نہ ہونا اور جہت میں امام کے مخالف نہ ہونا، فوت شدہ نماز کا یاد نہ ہونا اور عورت کا برابر کھڑا نہ ہونا دونوں شرائط کے ساتھ۔

متابعت کرنا بمعنی فرائض میں اس کے ساتھ مشارکت، نہ پہلے ادا کرنا اور نہ بعد میں ادا کرنا، واجب ہے جیسا کہ ''و اعلم ان مما ینبنی علی لزوم المتابعة'' کے قول کے تحت آئندہ فصل میں اس کو ذکر کریں گے۔ الفروض کے ذکر سے واجبات اور سنن سے احتراز کیا ہے۔ کیونکہ ان میں متابعت فرض نہیں ہے۔ پس ان کے ترک سے نماز فاسد نہ ہوگی۔

3911۔(قولہ: وَصِحَّةُ صَلَاةِ إِمَامِهِ فِي رَأْيِهِ) کیونکہ معتمد قول پر صحت و فساد کے اعتبار سے اعتبار مقتدی کی رائے کا ہے۔ پس اگر شافعی امام کی اقتدا کی جس نے اپنے ذکر کو چھوا تھا یا عورت کو چھوا تھا تو نماز صحیح ہوگی اس صورت میں نماز صحیح نہ ہوگی اگر امام کا خون نکلا ہوگا ''طحطاوی''۔ اس کا بیان (مقولہ 5632 میں) باب الوتر میں آئے گا۔

3912۔(قولہ: وَعَدَمُ تَقَدُّمِهِ عَلَيْهِ) یعنی ایڑی کے ساتھ امام سے مقدم نہ ہو۔ پس یہ اس صورت پر صادق آتا ہے اگر وہ اس کے برابر کھڑا ہو یا اس سے پیچھے کھڑا ہو ورنہ نماز فاسد ہوگی۔

3913۔(قولہ: وَعَدَمُ مُخَالَفَتِهِ فِي الْجِهَةِ) مضاف کی تقدیر پر ہے یعنی اسے تحری کی حالت میں جہت میں اپنے امام کی مخالفت کا علم نہ ہونا اور شرط اقتدا کے وقت میں علم کا نہ ہونا ہے حتیٰ کہ اگر اسے معلوم نہ ہوا مگر نماز مکمل ہونے کے بعد تو نماز صحیح ہوگی جیسا کہ اپنے محل پر پہلے گزر چکا ہے۔ ہم نے تحری کی حالت کے ساتھ مقید کیا ہے کیونکہ کعبہ کے اندر یا کعبہ سے باہر قصداً اپنے امام کی جہت کی مخالفت جائز ہے جیسے اگر وہ کعبہ کے ارد گرد حلقہ بنائے ہوئے ہوں۔ ''الرحمتی'' نے گزشتہ اور آئندہ پر اعتماد کرتے ہوئے مطلق ذکر کیا جیسا کہ اپنے محل میں تقیید پر اعتماد کرتے ہوئے اطلاق میں علماء کی عادت ہے۔

عبارات کے اطلاق سے ان کا قصد یہ ہوتا ہے کہ کوئی ان کے علم کا دعویٰ نہ کرے مگر وہ شخص جو بار بار ان کی بارگاہ میں حاضری دے

''البحر'' میں فرمایا: اس سے ان کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ ان کے علم کا دعویٰ نہ کرے مگر وہ جوان کی بارگاہ میں بار بار زانوئے تلمذ طے کرے۔ اور جان لیا جائے کہ یہ حاصل نہیں ہوتا مگر کثرت رجوع اور ان کی عبارات میں تتبع اور مشائخ سے اخذ کرنے کے ساتھ۔ ''فافہم''

3914۔(قولہ: بِشَرْطِهِمَا) پہلی شرط یہ کہ وہ شخص صاحب ترتیب ہو اور وقت میں وسعت ہو۔ رہی دوسری شرط کہ وہ عورت مطلق نماز میں برابر کھڑی ہو جو ادا اور تحریمہ میں مشترکہ ہو اور امام نے اس عورت کی امامت کی نیت کی ہو جیسا کہ آگے آئے گا ''حلبی''۔ الشرط اگرچہ اس کے کلام میں مفرد واقع ہوا ہے مگر یہ مضاف ہے پس عام ہے۔ ''ابو السعود''۔

وَ تَعْدِيلُ الْأَرْكَانِ عِنْدَ الثَّانِي وَالْأَئِمَّةِ الثَّلَاثَةِ قَالَ الْعَيْنِيُّ وَهُوَ الْمُخْتَارُ وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ وَبَسَطْنَاهُ فِي الْخَزَائِنِ
امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تعدیل ارکان فرض ہے۔ ''العینی'' نے فرمایا: یہی مختار ہے۔ المصنف نے اس کو ثابت رکھا ہے اور ہم نے ''الخزائن'' میں اس کی تفصیل لکھی ہے۔

3915۔ (قولہ: وَتَعْدِيلُ الْأَرْكَانِ) اس کی تفسیر اس کے ذکر کے وقت واجبات الصلوٰۃ میں آئے گی۔

3916۔ (قولہ: وَبَسَطْنَاهُ فِي الْخَزَائِنِ) جہاں وھو المختار کے قول کے بعد فرمایا: میں کہتا ہوں: یہ غریب ہے۔ میں نے نہیں دیکھا جس نے اس پر اعتماد کیا ہو۔ اور جم غفیر نے اس کے وجوب کو ترجیح دی ہے۔ اور ''الفتح'' میں اس کو فرض عملی پر محمول کیا ہے۔ اور ''البحر'' میں اس کی اتباع کی ہے۔ پس اختلاف اٹھ گیا۔ میں کہتا ہوں: کیسے اختلاف اٹھ گیا السھو میں اس کے ترک کی وجہ سے نماز کے فساد کی تصریح کی ہے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جبکہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کا نظریہ اس کے خلاف ہے؟ پس آگاہ رہو۔ یہ ''النہر'' سے ماخوذ ہے۔

میں کہتا ہوں: صاحب ''البحر'' کو اس محمول کی طرف جس چیز نے دعوت دی ہے وہ قوی اشکال سے خلاصی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی فرضیت کو المسئ صلاتہ (1) کی حدیث سے ثابت کیا ہے اور وہ خبر واحد ہے۔ اور دلیل قطعی مطلق رکوع اور سجود کا حکم دیتی ہے۔ پس نص خاص پر خبر واحد کے ساتھ زیادتی لازم آتی ہے اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ اس کے قائل نہیں ہیں۔ اور جب تعدیل ارکان کی فرضیت کے قول کو اس فرض عملی پر محمول کیا جائے گا جو واجب کی قسموں سے اعلیٰ قسم ہے تو اشکال دور ہو گیا اور اختلاف اٹھ گیا۔

اور اس پر وارد ہوتا ہے جو تو نے جان لیا۔ اس کا بیان یہ ہے کہ فرض عملی وہ ہوتا ہے جس کے فوت ہونے کے ساتھ جواز فوت ہو جاتا ہے جیسے چوتھائی سر کا مسح کی تقدیر۔ پس امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مذکور تعدیل کے ترک کے ساتھ نماز کا فساد لازم ہے اور طرفین یہ نہیں کہتے۔ پس اختلاف باقی ہے اور نص پر زیادتی بھی لازم آتی ہے۔ کیونکہ نص کا مقتضا رکوع وسجود کے مسمی پر اکتفا ہے۔ پس اشکال ابھی باقی ہے۔ لیکن بعض محققین نے بڑے خوبصورت انداز کے ساتھ اشکال کا جواب دیا ہے جو میں نے ''البحر'' کے حاشیہ میں ذکر کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آیت میں طرفین کے نزدیک رکوع اور سجود سے مراد ان دونوں کا لغوی معنی ہے اور وہ معلوم ہے بیان کا محتاج نہیں۔ اگر ہم تعدیل کے فرض ہونے کا کہیں تو خبر واحد کے ساتھ نص پر زیادتی لازم آتی ہے اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان کا معنی شرعی مراد ہے وہ معلوم نہیں۔ پس وہ بیان کا محتاج ہے۔ کتاب اللہ کا مجمل جب دلیل ظنی کے ساتھ بیان کیا گیا ہو تو اس کے بعد حکم کتاب اللہ کی طرف منسوب ہوگا۔

''العنایہ'' میں تصریح کی ہے کہ کتاب اللہ میں سے مجمل کو جب دلیل ظنی کے ساتھ بیان لاحق ہو تو اس کے بعد حکم کتاب اللہ کی طرف منسوب ہوگا نہ کہ بیان کی طرف صحیح قول میں۔ اور اسی وجہ سے ہم نے قعدہ اخیرہ کی فرضیت کا قول کیا جو خبر

1۔ سنن نسائی، کتاب الصلوٰۃ، باب فرض التکبیرۃ الاولی، جلد 1 صفحہ 334، حدیث نمبر 874

(وَشُرِطَ فِي أَدَائِهَا) أَيْ هَذِهِ الْفَرَائِضِ قُلْت وَبِهِ بَلَغَتْ نَيِّفًا وَعِشْرِينَ وَقَدْ نَظَمَ الشُّرُنْبُلَالِيُّ فِي شَرْحِهِ لِلْوَهْبَانِيَّةِ لِلتَّحْرِيمَةِ عِشْرِينَ شَرْطًا وَلِغَيْرِهَا ثَلَاثَةَ عَشَرَ

ان فرائض کی ادائیگی میں اختیار (بیداری) شرط ہے۔ میں کہتا ہوں: اس شرط کے ساتھ یہ شرائط بیس سے زائد کو پہنچ گئیں۔ ''الشرنبلالی'' نے ''الوہبانیہ'' کی شرح میں تکبیر تحریمہ کے لئے بیس شروط اور بقیہ نماز کے لئے تیرہ شروط نظم کی ہیں۔

واحد کے ساتھ بیان کیا گیا تھا۔ اور ہم نے خبر واحد کی وجہ سے فاتحہ کی فرضیت کا قول نہیں کیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ (المزمل:20) خاص ہے مجمل نہیں ہے۔ ''ملخصا''

حاصل یہ ہے کہ رکوع اور سجود طرفین کے نزدیک خاص ہیں۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مجمل ہیں۔ اس کے ساتھ اس کی اصل سے اشکال دور ہو جاتا ہے لیکن اختلاف اپنے حال پر باقی رہتا ہے۔ واللہ اعلم۔

نماز کے فرائض کی ادائیگی کی شرائط

3917۔ (قولہ: أَيْ هَذِهِ الْفَرَائِضِ) یعنی متن میں مذکورہ فرائض۔ کیونکہ المصنف کے کلام میں ضمیر ان کی طرف راجع ہے اور قعدہ اخیرہ کے رکنیت کے قول پر قعدہ اخیرہ کو شامل ہے جیسا کہ ہم نے اختلاف کا ثمرہ پہلے (مقولہ 3895 میں) بیان کیا ہے۔

3918۔ (قولہ: قُلْت وَبِهِ) یعنی اس فرض کے ذکر کے ساتھ جو ''الاختیار'' ہے جو متن میں آئے گا۔ مصنف پر لازم تھا کہ وہ اس کو ولہا واجبات کے قول سے پہلے ذکر کرتے تاکہ ضمیر کے متاخر کی طرف لوٹنے سے کلام سلامت ہوتی جو ترکیب کی رکاکت کا باعث ہے۔ ''حلبی''۔

3919۔ (قولہ: نَيِّفًا وَعِشْرِينَ) النیف یا کی تشدید کے ساتھ ہے جیسے ھیّن ہے اور تخفیف کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ اور اس سے مراد ایک عقد سے جو زائد تعداد دوسرے عقد تک ہوتی ہے۔ یہاں مراد اکیس ہے۔ آٹھ شروط متن میں گزر چکی ہیں۔ اور یہ نویں شرط ہے اور بارہ شروط الشرح میں ہیں ترتیب قعود کو مستقل فرض بنانے کے ساتھ جیسا کہ ہم نے پہلے (مقولہ 3908 میں) پیش کیا ہے۔ ''فافہم''

3920۔ (قولہ: فِي شَرْحِهِ لِلْوَهْبَانِيَّةِ) اور اسی طرح ان کے رسالہ ''در الکنوز'' میں ہے۔ انہوں نے اس نظم کو اس میں ذکر کیا ہے اور اس پر واجبات، سنن، مندوبات اور دوسرے مسائل کا اضافہ کیا ہے اور تمام کی شرح بیان کی ہے۔

تکبیر تحریمہ کی شرائط

3921۔ (قولہ: لِلتَّحْرِيمَةِ عِشْرِينَ شَرْطًا) بعض اس کے لفظ سے متعلق ہیں اور باقی نماز کے لئے شروط رکھی گئی ہیں اس بنا پر جس کو الشارح نے اختیار کیا ہے کہ یہ ارکان سے متصل ہے۔ اس پر ہم پہلے (مقولہ 3865 میں) کلام کر چکے ہیں۔

3922۔ (قولہ: وَلِغَيْرِهَا) یعنی تحریمہ کے علاوہ اور وہ نماز ہے حقیقت میں تمام نماز کی صحت کے لئے شروط ہیں مگر یہ

شُرُوطٌ لِتَحْرِيمٍ حُظِيتَ بِجَمْعِهَا	مُهَذَّبَةً حُسْنًا مَدَى الدَّهْرِ تَزْهَرُ
دُخُولٌ لِوَقْتٍ وَاعْتِقَادُ دُخُولِهِ	وَسَتْرٌ وَطُهْرٌ وَالْقِيَامُ الْمُحَرَّرُ
وَنِيَّةُ إتْبَاعِ الْإِمَامِ وَنُطْقُهُ	وَتَعْيِينُ فَرْضٍ أَوْ وُجُوبٍ فَيَذْكُرُ

تکبیر تحریمہ کیلئے شروط ہیں جن کو جمع کرنے کی سعادت تجھے بخشی گئی وہ حسن کے ساتھ مہذب تھیں زمانہ بھر سے چمک رہی تھیں۔
وقت کا داخل ہونا اور وقت کے دخول کا اعتقاد ہونا، شرمگاہ کا ڈھانپا ہوا ہونا، طہارت ہونا اور قیام ہونا جس کا ذکر کیا گیا ہے۔
امام کی اتباع کی نیت کرنا اور تکبیر کا تلفظ کرنا اور فرض یا وجوب کی تعیین کرنا اور ذکر کرے

تیرہ ایسی ہیں جن کا تحریمہ کے لئے دخل نہیں ہے اسی وجہ سے پہلی شروط سے ان کو جدا کیا ہے۔

3923۔ (قولہ: شُرُوطٌ) یہ مبتدا ہے اور اس کے ساتھ ابتدا کرنا جائز ہے اور اس کا وصف لتحریم کا قول ہے اور حُظیت مجہول کا صیغہ ہے۔ اور تا خطاب یا تکلم کے ساتھ ہے یعنی تجھے یہ مکان و مرتبہ دیا گیا ہے۔ بجمعھا مذھبۃً صاف اور اصلاح شدہ۔ ھا ضمیر سے حال کی بنا پر منصوب ہے۔ حسناً حا کے فتحہ کے ساتھ ممدود ہے ضرورت کی وجہ سے قصر کی گئی ہے یہ بھی حال ہے، یا وصفیت کی بنا پر مرفوع ہے، یا ضمہ اور قصر کے ساتھ تمیز کے اعتبار سے منصوب ہے۔ مدی الدھر، تزھر کی ظرف ہے۔ یہ باب منع سے ہے۔ اس کا معنی چمکنا اور روشن ہونا ہے۔

دُخُولٌ مبتدا کی خبر ہے۔ لوقتٍ یعنی فرض نماز کا وقت اگر تحریمہ فرض نماز کے لئے ہو۔ و اعتقاد دخولہ وقت کے دخول کا اعتقاد ہونا یا غلبہ ظن کی وجہ سے اعتقاد کے قائم مقام ہونا۔ اگر وقت میں شک کرتے ہوئے شروع ہوگا تو نماز جائز نہ ہوگی اگرچہ وقت کا دخول ظاہر بھی ہو گیا ہو۔ و ستر شرمگاہ کا ڈھانپنا۔ و طھرٌ حدث، نجاست مانعہ سے بدن، کپڑے اور مکان کا پاک ہونا۔ اسی طرح اس کا اعتقاد بھی شرط ہے۔ اگر نماز پڑھی اس پر کہ وہ بے وضو ہے یا اس کا کپڑا ناپاک ہے پھر اس کے خلاف ظاہر ہوا تو نماز جائز نہ ہوگی جیسا کہ وان شرع بلا تحر الخ کے قول کے تحت (مقولہ 3813 میں) گزر چکا ہے۔ ''حلبی'' نے کہا: اسی طرح شرمگاہ کا ڈھانپا ہونا چاہئے۔ والقیام قیام کرنا قادر شخص کے لئے نفل اور فجر کی سنت کے علاوہ میں۔ ''المحرر'' جو تحریر کیا گیا ہے کہ اس کے ہاتھ اس کے گھٹنوں تک نہ پہنچیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اگر امام کو رکوع میں پائے اور جھکتے ہوئے تکبیر کہے تو اس کی تحریمہ صحیح نہ ہوگی۔

وَنِيَّةُ إتْبَاعِ الْإِمَامِ تو باخبر ہے کہ یہ اقتدا کی صحت کے لئے شرط ہے نہ کہ تحریمہ کے لئے شرط ہے۔ کیونکہ جب اس نے متابعت کی نیت نہ کی ہو تو اس کا علیحدہ شروع ہونا صحیح ہے لیکن جب قراءت کو اصلاً ترک کرے گا تو اس کی نماز باطل ہو گی۔ ہاں تحریمہ کی صحت کے لئے مطلق نماز کی نیت شرط ہے اور یہ ذکر نہیں کیا۔ پس یہ کہنا چاہئے تھا: اس کا اصل نماز کی نیت کرنا مگر یہ کہنا کہ (اتباع) حرف عطف کے اسقاط کے ساتھ رفع کے ساتھ ہے۔ پس یہ بیان ہوگا کیونکہ اپنی تحریمہ کے ساتھ امام کے تابع ہونا شرط ہے، اس سے سبقت لے جانے والا نہ ہو۔ و نطقہٗ: اعتراض کیا گیا ہے کہ بولنا تحریمہ کا رکن ہے

بِجُمْلَةِ ذِكْرٍ خَالِصٍ عَنْ مُرَادِهِ وَبَسْمَلَةٍ عَرْبَاءَ إِنْ هُوَ يَقْدِرُ
وَعَنْ تَرْكِ هَاءٍ أَوْ لِهَاءِ جَلَالَةٍ وَعَنْ مَدِّ هَمْزَاتٍ وَبَاءِ بِأَكْبَرُ

اپنے مراد اور بِسمِ اللہِ سے خالص ذکر کے ساتھ، عربی میں ہو اگر وہ قدرت رکھتا ہو، اور اسم جلالت کے دوسرے لام کو مد کے ساتھ پڑھنے سے جو الف پیدا ہوتا ہے اس کے ترک سے یا ہا جلالت کے ترک سے خالی ہو اور ہمزات کی مد سے اور اکبر کی با کی مد سے خالی ہو،

پھر یہ شرط کیسے ہوگا؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ مراد خاص طریقہ پر بولنا ہے اور وہ یہ کہ وہ اپنے آپ کو سنائے۔ جس نے آہستہ سے تکبیر کہی یا دل میں کہی تو جائز نہ ہوگی۔ اسی طرح تمام اقوال صلاۃ کا حکم ہے مثلاً ثنا، تعوذ، بسم اللہ، تسبیح، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود اور جیسے آزاد کرنا، طلاق دینا اور قسم اٹھانا جیسا کہ الناظم نے یہ فائدہ لکھا ہے ''طحطاوی''۔ و تعیین فرض یعنی یہ تعیین کرنا کہ یہ ظہر ہے یا عصر ہے۔

أَوْ وُجُوبٍ جیسے طواف کی دو رکعتیں، عیدین، وتر، نذر مانی ہوئی نماز ان نفلوں کی قضا جن کو توڑ دیا ہو، اس کے ذکر سے نفل سے احتراز کیا۔ کیونکہ نفل مطلق نیت سے صحیح ہوتے ہیں حتیٰ کہ تراویح بھی معتمد قول پر جیسا کہ نیت کی بحث میں گزر چکا ہے۔ فیذکر یعنی بولے اور اس کا اعادہ کیا تا کہ اس کے ساتھ بجملة ذکرٍ کا قول متعلق کرے۔ بجملة ذکر جیسے اللہ اکبر۔ پس ظاہر روایت میں ان دونوں میں سے ایک کے ساتھ شروع کرنے والا نہ ہوگا جیسا کہ آنے والی فصل کے آغاز میں آئے گا خالص عن مرادہ یعنی اس کی اپنی حاجت سے ملا ہوا نہ ہو۔ پس استغفار کے ساتھ شروع کرنا صحیح نہیں جیسے اللھم اغفرلی (اے اللہ میری مغفرت فرما) بخلاف اس کے جب کہ صرف اللھم کہے۔ کیونکہ اصح قول میں یہ صحیح ہے جیسے یا اللہ جیسا کہ آگے آئے گا۔

وَبَسْمَلَةٍ علی مرادہ پر عطف کی وجہ سے مجرور ہے یعنی بسملہ سے خالص ہو۔ صحیح قول میں اس کے ساتھ افتتاح صحیح نہیں جیسا کہ الناظم نے اس کو ''الغایہ'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ اسی طرح تعوذ اور لاحول ولا قوۃ سے افتتاح کرنا صحیح نہیں جیسا کہ آگے آئے گا۔

عَرْبَاءَ یہ جملة کی نعت ہے یعنی عربی جملہ سے۔ ان ھو یقدر اگر وہ عربی جملہ پر قادر ہو۔ پس عربی جملہ کے علاوہ کے ساتھ شروع ہونا صحیح نہیں مگر جب عاجز ہو تو فارسی کے ساتھ افتتاح صحیح ہے جیسے قراءت۔ لیکن آگے آئے گا کہ غیر عربی کے ساتھ شروع ہونا صحیح ہے اگر عربی پر قادر بھی ہو یہ اتفاقاً ہے بخلاف قراءت کے۔ یہ ان مسائل سے ہے جو بہت سے علماء پر مشتبہ ہوئے ہیں حتیٰ کہ ''شرنبلالی'' پر بھی اس کی ہر کتاب میں۔

وَعَنْ تَرْكِ هَاءٍ اس کا عطف عن مرادہ پر ہے۔ اسی طرح آئندہ تمام مجرورات کا عطف اس پر ہے جو عن سے مجرور ہیں۔ او لھاء جلالةٍ ناظم نے فرمایا: الھادی سے مراد وہ الف ہے جو اس مد سے پیدا ہوتا ہے جو اسم جلالت کے دوسرے لام

وَعَنْ فَاصِلِ فِعْلٍ كَلَامٍ مُبَايِنٍ	وَعَنْ سَبْقِ تَكْبِيرٍ وَمِثْلُكَ يَعْذُرُ
فَدُونَكَ هَذِي مُسْتَقِيمًا لِقِبْلَةٍ	لَعَلَّكَ تَحْظَى بِالْقَبُولِ وَتُشْكَرُ
فَجُمْلَتُهَا الْعِشْرُونَ بَلْ زِيدَ غَيْرُهَا	وَنَاظِمُهَا يَرْجُو الْجَوَادَ فَيَغْفِرُ

اور فاصل فعل مخالف کلام سے خالی ہو، نیت سے پہلے تکبیر نہ ہو اور تیرے جیسا معذور ہوتا ہے اور ان مذکورات کو پکڑ لے قبلہ کی طرف کھڑا ہوتے ہوئے شاید تجھے قبولیت نصیب ہو اور تیرے عمل کی قدردانی ہو اور یہ کل بیس شروط ہیں بلکہ ان کے علاوہ زیادہ کی گئی ہیں اور ان شروط کو نظم کرنے والا سخی اور جواد سے امید رکھتا ہے پس وہ اسے بخش دے گا۔

میں ہے۔ جب قسم اٹھانے والا، ذبح کرنے والا، یا نماز کے لئے تکبیر کہنے والا اس الف کو حذف کرے گا، یا اسم جلالت کی ۃ کو حذف کرے گا تو اس کی قسم کے انعقاد اور اس کے ذبیحہ کے حلال ہونے اور اس کی تحریمہ کی صحت میں اختلاف ہے۔ پس احتیاطاً اس کو چھوڑا نہیں جائے گا۔

وَعَنْ مَدِّ هَمْزَاتٍ یعنی اللہ کا ہمزہ اور اکبر کا ہمزہ۔ ایک سے زائد پر جمع کا اطلاق کرتے ہوئے ہمزات کہا ہے حالانکہ ہمزے دو ہیں۔ کیونکہ مد کے ساتھ استفہام ہو جائے گا اور جان بوجھ کر ایسا کرنا کفر ہے۔ پس وہ ذکر نہ ہوگا۔ اور اس کے ساتھ شروع ہونا صحیح نہ ہوگا۔ اور اس کے ساتھ نماز باطل ہوگی اگر یہ نماز کے درمیان انتقالات کی تکبیر میں حاصل ہو۔ وباء باکبر یعنی اکبر کی باء کی مد سے خالص ہو کیونکہ یہ کبر کی جمع ہوگا جس کا معنی طبل ہے۔ پس یہ تکبیر کے معنی سے خارج ہو جائے گا، یا یہ حیض یا شیطان کا اسم ہے۔ پس شرکت ثابت ہو جائے گی اور تحریمہ معدوم ہوگی۔ الناظم نے یہی کہا ہے۔

وَعَنْ فَاصِلِ نیت اور تحریمہ کے درمیان فاصل۔ فِعْلٍ كَلَامٍ یہ فاصل سے دونوں بدل ہیں دوسرے سے حرف عطف کے حذف پر۔ مباین یہ فاصل کی نعت ہے۔ پس جب نیت کرے گا پھر اپنے کپڑوں کے ساتھ یا بدن کے ساتھ زیادہ دیر کھیلے گا، یا جو اس کے دانتوں کے درمیان ہے اسے کھائے گا جبکہ وہ چنے کی مقدار ہوگا، یا باہر سے کوئی چیز لے کر کھائے گا اگرچہ تھوڑی سی ہو یا پیئے گا، یا کلام کرے گا اگر وہ کلام سمجھا نہ گیا ہو، یا بلا عذر کھانسا پھر تکبیر کہی جبکہ نیت اس کے دل سے غائب تھی تو اس کا شروع ہونا صحیح نہ ہوگا۔ غیر مباین سے احتراز کیا ہے جیسے وضو کیا اور نیت کے بغیر مسجد کی طرف چلا جیسا کہ اپنے مقام پر گزر چکا ہے۔

وَعَنْ سَبْقِ تَكْبِيرٍ نیت پر تکبیر کو مقدم کرنے سے خالص ہو۔ "الکرخی" کا قول اس کے خلاف ہے جیسا کہ (مقولہ 3923 میں) گزر چکا ہے۔ یا مقتدی کا اپنے امام سے اس میں سبقت لے جانا۔ پس اگر مقتدی تکبیر سے امام کی تکبیر سے پہلے فارغ ہو گیا تو اس کا شروع ہونا صحیح نہ ہوگا۔ پہلا قول اولیٰ ہے اس وجہ سے جو اتباع الامام کے قول کی توجیہ میں گزر چکا ہے۔ و مثلك يعذر، یاء کے فتحہ اور ذاء کے ضمہ کے ساتھ معروف کا صیغہ ہے۔ یعنی تو عذر تلاش کرنے والا ہوگا جب تو لفظ سے ماخذ کا بعید معنی دیکھے تو اچھے لوگوں سے ہو۔ اور لوگوں سے اچھا وہ ہوتا ہے جو عذر تلاش کرتا ہے۔ پس مراد یہ ہے کہ اس کی نظم پر مطلع

وَأَزْکیٰ صَلَاۃٍ مَعْ سَلَامٍ لِمُصْطَفٰی	ذَخِیرَۃِ خَلْقِ اللہِ لِلدِّینِ یَنْصُرُ
وَأَلْحَقْتُھَا مِنْ بَعْدِ ذَاكَ لِغَیْرِھَا	ثَلَاثَةَ عَشْرَ لِلْمُصَلِّینَ تَظْھَرُ
قِیَامُكَ فِی الْمَفْرُوضِ مِقْدَارَ آیَةٍ	وَتَقْرَأُ فِی ثِنْتَیْنِ مِنْهُ تُخَیَّرُ
وَفِی رَکَعَاتِ النَّفْلِ وَالْوِتْرِ فَرْضُھَا	وَمَنْ کَانَ مُؤْتَمًّا فَعَنْ تِلْكَ یُحْظَرُ

اور میں نے اس کے بعد ان کے علاوہ ان کے ساتھ نمازیوں کے لئے تیرہ شروط ملائی ہیں جو ظاہر ہیں، فرض میں تیرا قیام ایک آیت کی مقدار ہے اور فرض کی دو رکعتوں میں قراءت کا تجھے اختیار ہے اور نفل اور وتر کی تمام رکعتوں میں قراءت فرض ہے اور جو مقتدی ہوا سے قراءت سے منع کیا گیا ہے

سے عذر تلاش کرنا ہے۔ ''طحطاوی''۔ یعنی نظم کی تنگی بعید معنی کی تعبیر کی طرف مجبور کرتی ہے۔

فَدُونَكَ یعنی پکڑلو۔ ھذہ مذکورات۔ مستقبلا القبلة سیدھا قبلہ کی طرف رخ کرتے ہوئے مگر عذر کی وجہ سے یا شہر سے باہر سواری پر نفل پڑھنے کے لئے۔

لَعَلَّكَ تَحْظٰی بِالْقَبُولِ وَتُشْکَرُ معروف کا صیغہ ہے یا مجہول کا صیغہ ہے۔

فَجُمْلَتُھَا الْعِشْرُونَ بَلْ زِیدَ غَیْرُھَا جیسے مطلق نماز کی نیت اور فرض کی تمیز جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور حدث یا خبث سے طہارت کا اعتقاد۔

وَنَاظِمُھَا یَرْجُو الْجُوَادَ جیسے جراد، بہت زیادہ سخاوت کرنے والا۔ فیغفر یعنی وہ امید رکھنے والے کی مغفرت فرماتا ہے۔

نمازیوں کے لیے شرائط

وَأَلْحَقْتُھَا مِنْ بَعْدِ ذَاكَ مذکورہ بیان سے لغیرھا یعنی تحریمہ کے علاوہ اور وہ نماز ہے۔ ثلاثة عشر شین کے سکون کے ساتھ۔ اس کے فتحہ میں ایک لغت ہے اور تنوین کے ساتھ ضرورت کے لئے ہے ''طحطاوی''۔ للمصلین یہ تظھر کے قول کے متعلق ہے۔

اور یہ قِیَامُكَ تیرا قیام عذر نہ ہونے کے وقت ہے۔ فِی الْمَفْرُوضِ یعنی فرض نماز میں۔ اور اسی طرح جو اس کے ساتھ واجب اور سنت فجر میں سے لاحق کیا گیا ہے۔ ضمیر کو مذکر ذکر فرمایا نماز کے فعل کے اعتبار سے مِقْدَارَ آیَةٍ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے معتمد قول پر ''طحطاوی''۔ وَتَقْرَأُ فِی ثِنْتَیْنِ مِنْهُ یعنی مفروض میں سے۔ یعنی فرض کی رکعات سے۔ تخییر یعنی قراءت کے واقع کرنے میں اختیار ہے فرض کی جن دو رکعتوں میں چاہے اور یہ مقام فرائض کے بیان کے لئے ہے۔ پس اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ پہلی دو رکعتوں میں قراءت کی تعیین واجب۔

وَفِی رَکَعَاتِ النَّفْلِ وَالْوِتْرِ فَرْضُھَا یعنی قراءت نوافل کی تمام رکعتوں میں فرض ہے۔ کیونکہ نفل کی ہر دو رکعت علیحدہ

وَشَرْطُ سُجُودٍ فَالْقَرَارُ لِجَبْهَةٍ — وَقُرْبُ قُعُودٍ حَدُّ فَصْلٍ مُحَرَّرُ
وَبَعْدَ قِيَامٍ فَالرُّكُوعُ فَسَجْدَةٌ — وَثَانِيَةٌ قَدْ صَحَّ عَنْهَا تَوَخُّرُ
عَلَى ظَهْرِ كَفٍّ أَوْ عَلَى فَضْلِ ثَوْبِهِ — إِذَا تَطْهُرُ الْأَرْضُ الْجَوَازُ مُقَرَّرُ

اور سجدہ کی شرط پس پیشانی کا زمین پر قرار پذیر ہونا ہے اور بیٹھنے کے قریب دونوں سجدوں کے درمیان حد فاصل ذکر کی گئی ہے اور قیام کے بعد رکوع اور سجدہ اور دوسرا سجدہ پہلے سجدہ سے موخر کرنا صحیح ہے اور اپنی ہتھیلی کے ظاہر پر یا اپنے کپڑے کے اضافی حصہ پر سجدہ کرنے کا جواز ثابت ہے جب زمین پاک ہو۔

نماز ہے اور وتر کی تمام رکعتوں میں بھی قراءت فرض ہے۔ کیونکہ یہ سنن کے مشابہ ہیں کیونکہ اس کے لئے نہ اذان دی جاتی ہے اور نہ اقامت کہی جاتی ہے۔ اور جان لو کہ نذر مانی ہوئی نماز کا حکم، نفل کا حکم ہے حتیٰ کہ اگر ایک سلام کے ساتھ چار رکعتوں کی نذر مانی تو چاروں رکعتوں میں قراءت لازم ہوگی۔ کیونکہ فی نفسہ یہ نفل ہیں اور اس کا وجوب عارضی ہے۔ ''حلبی''۔

وَمَنْ كَانَ مُؤْتَمًّا فَعَنْ تِلْكَ یعنی اس قراءت سے جو ہم نے کہی کہ یہ فرض ہے۔

يُحْظَرُ یعنی ممنوع ہے۔ پس اس کے لئے مکروہ تحریمی ہے کیونکہ امام کی قراءت اس کی قراءت ہے۔ پس مقتدی کے علاوہ پر قراءت فرض ہے۔ پس یہ ماقبل سے استثنا کے موقع میں ہے۔

وَشَرْطُ سُجُودٍ یہ مبتدا اور مضاف الیہ ہے۔ فَالْقَرَارُ، فا کی زیادتی کے ساتھ خبر ہے۔ لِجَبْهَةٍ یعنی فرض ہے کہ وہ ایسی چیز پر سجدہ کرے جس کی صلابت کو پائے اس حیثیت سے کہ سجدہ کرنے والا اگر مبالغہ کرے تو اس کا سر نیچے نہ جائے اس حالت سے جس پر اس نے سر رکھا تھا۔ پس چاول اور جوار جیسے اناج پر سجدہ صحیح نہیں ہے مگر یہ کہ وہ بوریوں میں ہو اور نہ روئی پر، نہ برف اور نہ بستر پر سجدہ جائز ہے مگر یہ کہ وہ زمین کی صلابت کو پائے۔

وَقُرْبُ قُعُودٍ حَدُّ فَصْلٍ مُحَرَّرُ یعنی دو سجدوں کے درمیان حد فاصل یہ کہ وہ بیٹھنے کے زیادہ قریب ہو۔ یہ تیرہ شرائط میں سے چوتھی شرط ہے۔ یہ بیت بعض نسخوں میں ساقط ہے۔ اور ''الناظم'' نے ''درالکنوز'' میں اس کو ذکر کیا ہے لیکن اس کے بعد والے شعر سے مؤخر ذکر کیا ہے اور یہی زیادہ مناسب ہے۔

وَبَعْدَ قِيَامٍ فَالرُّكُوعُ فَسَجْدَةٌ یعنی قیام کے بعد رکوع فرض ہے اور اسی طرح سجدہ فرض ہے۔ اسی طرح وہ ترتیب فرض ہے جو بعد اور فا کے ساتھ مستفاد ہے یعنی قیام کی ترتیب رکوع پر اور رکوع کی ترتیب سجود پر فرض ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

وَثَانِيَةٌ مبتدا ہے۔ قَدْ صَحَّ جملہ معترضہ ہے۔

عَنْهَا یہ توخر کے متعلق ہے اور جملہ مبتدا کی خبر ہے۔ یعنی دوسرا سجدہ پہلے سجدہ سے نماز کے آخر تک مؤخر کرنا صحیح ہے کیونکہ ان کے درمیان ترتیب کی رعایت واجب ہے۔ جیسا کہ آگے (مقولہ 3965 میں) آئے گا اور اس معنی کا فائدہ دینے کے لئے یہ کہنا زیادہ واضح ہے: وثانية قد صح فيها التاخر یعنی دوسرے سجدہ میں تاخر صحیح ہے۔

اس کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ ہر نماز میں متکرر افعال کے درمیان ترتیب کی رعایت فرض ہے جیسے قیام، رکوع اور سجود،

سُجُودُكَ فِي عَالٍ فَظَهْرِ مُشَارِكٍ	لِسَجْدَتِهَا عِنْدَ ازْدِحَامِكَ يُغْفَرُ
أَدَاؤُكَ أَفْعَالَ الصَّلَاةِ بِيَقْظَةٍ	وَتَمْيِيزُ مَفْرُوضٍ عَلَيْكَ مُقَرَّرُ
وَيَخْتِمُ أَفْعَالَ الصَّلَاةِ قُعُودُهُ	وَفِي صُنْعِهِ عَنْهَا الْخُرُوجُ مُحَرَّرُ

اور تیرا سجدہ کرنا بلندی میں سجدہ میں شریک کی پیٹھ پر بھیڑ کے وقت معاف ہے تیرا نماز کے افعال کو بیداری میں ادا کرنا اور تجھ پر فرض کو ممتاز کرنا ثابت ہے اور نماز کے افعال کو اس کا بیٹھنا ختم کرے اور نماز سے اپنے فعل سے خروج ذکر کیا گیا ہے۔

بخلاف ہر رکعت میں متکرر کے جیسے دو سجدے۔

عَلَى ظَهْرِ یہ فسجدۃ کے متعلق ہے۔ اسی طرح ''الناظم'' نے کہا ہے۔ اور بہتر اس کا آئندہ الجواز کے قول سے متعلق ہونا ہے۔ کف یعنی اپنی ہتھیلی پر۔

أَوْ عَلَى فَضْلِ ثَوْبِهِ یا اپنے اضافی کپڑے پر یا پگڑی کے بل پر۔ إِذَا تَطْهُرُ الْأَرْضُ یعنی جب وہ زمین پاک ہو جو ہتھیلی یا اضافی کپڑے کے نیچے ہے۔ الْجَوَازُ مُقَرَّرٌ لیکن اگر بلا عذر ہو تو مکروہ ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔

بیت کا حاصل یہ ہے کہ آٹھواں فرض سجدہ کی جگہ کی طہارت ہے اگر چہ وہ ایسی چیز پر ہو جو نمازی سے متصل ہو جیسے نمازی کی ہتھیلی اور اس کا کپڑا۔ کیونکہ اس کے اتصال کی وجہ سے وہ اس کے اور نجاست کے درمیان حائل شمار نہ ہوگا۔

سُجُودُكَ مبتدا ہے۔ فی یعنی فی بمعنی علی ہے۔ عالٍ بلند جگہ پر یعنی حد جواز سے بلند ہو جو نصف ہاتھ کے ساتھ مقدر ہے بلا ضرورت اس سے زیادہ بلندی پر سجدہ معاف نہیں ہے۔ فظهر بہتر واؤ کے ساتھ لانا تھا اور یہ بمعنی او ہوگا۔ یعنی تیرا سجدہ اس نمازی کی پیٹھ پر ہو جو نماز میں تیرے ساتھ شریک ہے۔ لسجدتها لام بمعنی فی ہے۔ یعنی اس شرط کے ساتھ کہ وہ تیری مثل سجدہ کرنے والا ہو لیکن اس کا سجدہ زمین پر ہو۔ عند ازدحامك یہ سجودك کے قول سے متعلق ہے یا یغفر کے قول سے متعلق ہے۔ اور جملہ مبتدا کی خبر ہے۔ بیت کا حاصل نویں فرض کا بیان ہے وہ یہ ہے کہ اس کا سجدہ نصف ہاتھ سے بلند جگہ پر نہ ہو مگر بھیڑ کی ضرورت کی وجہ سے۔

أَدَاؤُكَ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے جس پر دلیل آنے والے مبتدا کی خبر ہے۔ أَفْعَالَ الصَّلَاةِ یعنی نماز کے ارکان۔ بِيَقْظَةٍ اس پر عنقریب کلام آئے گی۔ تَمْيِيزُ مَفْرُوضٍ مبتدا ہے یعنی پانچوں فرض نمازوں کو دوسری نمازوں سے ممتاز کرنا۔ اس کا بیان (مقولہ 3907 میں) گزر چکا ہے۔ اس کا ذکر تحریمہ کی شروط میں ہونا چاہئے تھا۔ عَلَيْكَ محذوف کے متعلق ہے مبتدا کی خبر ہے یا مُقَرَّرُ کے متعلق ہے اور یہ خبر ہے۔

وَيَخْتِمُ أَفْعَالَ الصَّلَاةِ قُعُودُهُ یہ یختم کا فاعل ہے۔ وَفِي صُنْعِهِ فی بمعنی با ہے یہ الْخُرُوجُ کے متعلق ہے اسی طرح عَنْهَا یعنی نماز سے الْخُرُوجُ کے متعلق ہے۔ الْخُرُوجُ مبتدا ہے اس کی خبر مُحَرَّرُ ہے۔

''الناظم'' نے کہا: امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نمازی کا اپنے فعل سے نماز سے نکلنا فرض ہے۔ ہمارے ائمہ میں

(الِاخْتِيَارُ) أَيْ الِاسْتِيقَاظُ، أَمَّا لَوْ رَكَعَ أَوْ سَجَدَ ذَاهِلًا كُلَّ الذُّهُولِ أَجْزَأَهُ (فَإِنْ أَتَى بِهَا) أَوْ بِأَحَدِهَا بِأَنْ قَامَ أَوْ قَرَأَ أَوْ رَكَعَ أَوْ سَجَدَ أَوْ قَعَدَ الْأَخِيرَ نَائِمًا لَا يُعْتَدُّ) بِمَا أَتَى (بِهِ) بَلْ يُعِيدُهُ وَلَوْ الْقِرَاءَةَ أَوْ الْقَعْدَةَ عَلَى الْأَصَحِّ،

(پیچھے گزر چکا ہے کہ فرائض کی ادائیگی میں شرط) بیداری کی حالت میں ان کو ادا کرنا ہے۔ اگر رکوع کیا یا سجدہ کیا پوری عدم توجہ کے ساتھ تو نماز جائز ہوگی۔ اور اگر ان فرائض کو ادا کیا مثلاً قیام کیا یا قراءت کی یا رکوع کیا یا سجدہ کیا یا اخیری قعدہ کیا سوتے ہوئے تو جو اس نے سونے کی حالت میں ادا کیا ہے اس کا شمار نہیں کیا جائے گا بلکہ اس فرض کا اعادہ کرے گا۔ اگرچہ اصح قول پر وہ قراءت یا قعدہ ہی ہو

سے محققین کے نزدیک یہ واضح ہے۔ ہم نے اس پر کلام اپنے رسالہ میں تفصیلاً کی ہے جس کا نام میں نے ''المسائل البهية الزكيه على الاثنى عشرية'' رکھا ہے۔ بعض کلام اس پر (مقولہ 3905 میں) گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے۔

3924۔ (قولہ: الِاخْتِيَارُ) رفع کے ساتھ ہے کیونکہ یہ نائب فاعل ہے ''شُرِطَ'' کا جو مصنف کے کلام میں گزر چکا ہے۔

3925۔ (قولہ: أَيْ الِاسْتِيقَاظُ) یہ لازم کے ساتھ تفسیر ہے کیونکہ استیقاظ کو الاختیار لازم ہے۔ ''حلبی''۔ الاستیقاظ کے ساتھ تفسیر کی تاکہ اس طرف اشارہ کرے کہ جو غفلت وسہو کے ساتھ حاصل ہوتا ہے وہ اختیار کے منافی نہیں۔ اسی وجہ سے فرمایا: اما لو رکع الخ۔ ''رحمتی''۔

3926۔ (قولہ: ذَاهِلًا كُلَّ الذُّهُولِ) یعنی اس کا دل کسی چیز کے ساتھ مشغول ہو۔ اس میں شک نہیں کہ اس نے رکوع اور سجود اپنے اختیار سے ادا کیا لیکن وہ ان دونوں سے غافل تھا۔ اس کی مثال چلنے والا ہے۔ کیونکہ اس کے پاؤں اور اس کے اکثر اعضا اس کے اختیار کے ساتھ چلنے کے ساتھ حرکت کرتے ہیں حالانکہ اسے اس کا شعور نہیں ہوتا۔ ''حلبی'' نے کہا: ظاہر یہ ہے کہ اونگھنے والا ذاھل (غافل) کی طرح ہے۔

3927۔ (قولہ: أَوْ قَعَدَ الْأَخِيرَ) محذوف مفعول مطلق کی صفت ہے یعنی اخیرہ قعدہ بیٹھا۔ ''حلبی''۔

3928۔ (قولہ: بَلْ يُعِيدُهُ) اور کیا رکن کی تاخیر کی وجہ سے سہو کے لئے سجدہ کرے گا؟ ظاہر یہ ہے کہ ہاں۔ پس ادھر رجوع کر۔ ''رحمتی''۔

3929۔ (قولہ: عَلَى الْأَصَحِّ) رہا قراءت میں تو اس کو ''فخر الاسلام'' اور صاحب ''الہدایہ'' وغیرہ نے اختیار کیا ہے۔ ''المحیط'' اور ''المجتبیٰ'' میں نص قائم کی ہے کہ یہ اصح ہے۔ کیونکہ عبادت کی ادائیگی میں اختیار شرط ہے اور نیند کی حالت میں یہ اختیار نہیں پایا جاتا۔ الفقیہ ''ابو اللیث'' نے فرمایا: اس کا شمار کیا جائے گا۔ کیونکہ شرع نے سونے والے کو نماز کے حق میں بیدار کی طرح بنایا ہے۔ اور قراءت زائد رکن ہے بعض احوال میں ساقط ہو جاتا ہے۔ پس نیند کی حالت میں اس کا شمار کرنا جائز

وَإِنْ لَمْ يُعِدْ تَفْسُدْ لِصُدُورِهِ لَا عَنْ اخْتِيَارٍ، فَكَانَ وُجُودُهُ كَعَدَمِهِ وَالنَّاسُ عَنْهُ غَافِلُونَ، فَلَوْ أَتَى النَّائِمُ بِرَكْعَةٍ تَامَّةٍ تَفْسُدُ صَلَاتُهُ لِأَنَّهُ زَادَ رَكْعَةً وَهِيَ لَا تَقْبَلُ الرَّفْضَ وَلَوْ رَكَعَ أَوْ سَجَدَ فَنَامَ فِيهِ أَجْزَأَهُ

اگر وہ اعادہ نہیں کرے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ اس فرض کی ادائیگی بیداری میں نہیں ہوئی۔ پس اس کا وجود اس کے عدم کی طرح ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں۔ اگر مکمل رکعت سو کر ادا کی تو اس کی نماز فاسد ہوگی۔ کیونکہ اس نے ایک رکعت زائد کی ہے اور یہ ترک کو قبول نہیں کرتی اور اگر رکوع کیا یا سجدہ کیا پھر اس میں سو گیا تو جائز ہوگا

ہے۔ ''الفتح'' میں اس کی وجہ بیان کی ہے اور پہلے قول کی تعلیل کا جواب دیا ہے اس قول کے ساتھ کہ اختیار جو مشروط ہے وہ نماز کی ابتدا میں پایا گیا ہے اور وہ کافی ہے۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ اگر پوری طرح غفلت کے ساتھ رکوع اور سجدہ کیا تو اس کی نماز جائز ہوتی ہے۔

''شرح المنیہ'' میں فرمایا: جواب یہ ہے کہ ہم ابتدا میں اختیار ہونے کو کافی تسلیم نہیں کرتے اور ہم یہ بھی تسلیم نہیں کرتے کہ غافل غیر مختار ہے۔

ابتدا میں اختیار کے کافی ہونے سے لازم آتا ہے کہ اگر نیند کی حالت میں رکوع اور سجدہ کرے تو اس کے لئے جائز ہو حالانکہ ''المجتبیٰ'' میں فرمایا: سونے کی حالت میں رکوع کیا تو بالاجماع جائز نہ ہوگا۔ اور ''ابن امیر حاج'' کی کلام کا صریح ''الحلبہ'' میں، ''الفقیہ'' کی کلام کو ترجیح دینا ہے اس جواب کی وجہ سے جو اس کے شیخ نے ''الفتح'' میں ذکر کیا ہے حتیٰ کہ اس کا رد کیا ہے جو ''المجتبیٰ'' میں ہے۔ پھر فرمایا: اس سے نیند کی حالت میں قیام کا جواز معلوم ہوا اگرچہ بعض نے اس کے عدم جواز پر نص قائم کی ہے۔ ''البحر'' میں اس کی متابعت ہے۔

لیکن ''شرح المنیہ'' کے حوالہ سے جو ہم نے نقل کیا ہے اس کی وجہ سے جو کمزوری ''الفتح'' کے کلام میں ہے تو نے اس کو جان لیا ہے۔ پس منقول کی اتباع اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔

رہا قعدہ میں تو ''الحلبہ'' میں شیخ ''عبدالعزیز البخاری'' کی ''التحقیق'' کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ اس میں امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی نص نہیں ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا شمار کیا جائے گا۔ اور بعض نے کہا: نہیں شمار کیا جائے گا۔ ''الحلبہ'' میں پہلے قول کو ترجیح دی ہے اس بنا پر جو ان کے شیخ کے جواب سے پہلے پیش کیا ہے اور فرمایا: اس پر ''جامع الفتاویٰ'' میں اکتفا کیا ہے۔

''المنیہ'' میں دوسرے پر اکتفا کیا ہے اور اس کے شارح شیخ ''ابراہیم'' نے فرمایا: یہی اصح ہے۔ ''المنح'' میں ہے: یہی مشہور ہے۔ ''الشرنبلالی'' نے اپنی گزشتہ نظم میں اور ''نورالایضاح'' میں اس پر جزم کیا ہے۔

3930۔ (قولہ: تَفْسُدْ) یعنی نماز فاسد ہوگی۔

3931۔ (قولہ: لِصُدُورِهِ) جو اس نے ادا کیا۔

3932۔ (قولہ: فَلَوْ أَتَى) نیند کی حالت میں جو ادا کیا۔

3933۔ (قولہ: وَلَوْ رَكَعَ) یہ فان اتی بھا نائما (یعتد بہ) کے قول کے مفہوم پر تفریع ہے۔ یہ اس کو مفید ہے کہ اگر

لِحُصُولِ الرَّفْعِ (مِنْهُ) وَالْوَضْعِ بِالِاخْتِيَارِ (وَلَهَا وَاجِبَاتٌ) لَا تَفْسُدُ بِتَرْكِهَا وَتُعَادُ وُجُوبًا فِي الْعَمْدِ
کیونکہ سر اٹھانا اور سر رکھنا بیداری کے ساتھ تھا۔ اور نماز کے لئے واجبات ہیں ان کے ترک سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اور جان بوجھ کر اور بھول کر واجب کرنے کی صورت میں نماز کو وجوباً لوٹایا جائے گا

رکوع یا سجدہ کرنے کے بعد سو گیا تو وہ رکوع و سجود شمار ہوں گے۔

3934۔ (قوله: لِحُصُولِ الرَّفْعِ مِنْهُ وَالْوَضْعِ) اسی طرح ''الحلبہ'' اور ''البحر'' میں ''المحیط'' کے حوالہ سے ہے۔ اظہر یہ ہے کہ الانحناء کا ذکر ہے الرفع کی جگہ۔ ''طحطاوی'' نے فرمایا: یہ رکوع سے سر اٹھانے کی شرط پر ہے۔ رہا اس قول پر کہ یہ سنت ہے یا واجب ہے تو یہ ظاہر نہیں ہے۔

نماز کے واجبات

3935۔ (قوله: وَلَهَا وَاجِبَاتٌ) ہم نے کتاب الطہارۃ کے اوائل میں فرض اور واجب کے درمیان فرق اور واجب کی دو قسموں میں تقسیم کو پہلے (مقولہ 735 میں) بیان کیا تھا۔ ایک واجب کی قسم وہ ہے جو دونوں میں سے بلند ہے اسے فرض عملی کہا جاتا ہے۔ اور یہ وہ ہے جس کے فوت ہونے سے جواز فوت ہو جاتا ہے جیسے وتر۔ اور دوسرا واجب وہ فوت ہونے کے ساتھ فوت نہیں ہوتا۔ اور یہاں یہی مراد ہے۔ اس کا حکم اس کے ترک کی وجہ سے عذاب کا مستحق ہونا ہے اور اس کے منکر کو کافر نہیں کہا جاتا اور اس کے کرنے پر ثواب ملتا ہے۔ اور نماز میں اس کا حکم وہ ہے جو الشارح نے ذکر کیا ہے۔ اور واجب کا اطلاق کبھی فرض قطعی پر ہوتا ہے جیسے: رمضان کا روزہ واجب ہے۔

3936۔ (قوله: لَا تَفْسُدُ بِتَرْكِهَا) اس کے ساتھ ''القہستانی'' پر رد کا ارادہ کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے کہا: نماز فاسد ہوتی ہے باطل نہیں ہوتی۔

''الحموی'' نے ''شرح الکنز'' میں فرمایا: ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ فاسد وہ ہوتا ہے جس سے وصف مرغوب فوت ہو جائے اور باطل وہ ہے جس سے شرط یا رکن فوت ہو جائے۔ کبھی مجازاً فاسد بمعنی باطل کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ رد کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ائمہ نے عبادات میں ان کے درمیان فرق نہیں کیا ہے اور معاملات میں فرق کیا ہے۔ ''حلبی''۔

3937۔ (قوله: وَتُعَادُ وُجُوبًا) یعنی ان واجبات کو ترک کرنے یا ان میں سے ایک واجب کو ترک کرنے کی وجہ سے نماز کا وجوباً اعادہ کیا جاتا ہے۔ اور ''الزیلعی''، ''الدرر'' اور ''المجتبیٰ'' میں ہے کہ اگر فاتحہ ترک کرے گا تو نماز کے اعادہ کا حکم دیا جائے گا، سورت کے ترک پر نہیں۔ اس کو ''البحر'' میں اس طرح رد کیا ہے کہ فاتحہ اگرچہ وجوب میں مؤکد ہے کیونکہ اس کی رکنیت میں اختلاف ہے۔ سورہ میں یہ اختلاف نہیں۔ لیکن اعادہ کا وجوب مطلقاً واجب کے ترک کا حکم ہے مؤکد واجب کا نہیں۔ آکدیت گناہ میں ظاہر ہوتی ہے کیونکہ یہ تشکیک کے ساتھ کہا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اعادہ کے وجوب کو اس صورت کے ساتھ مقید کرنا چاہئے جب واجب کا ترک کسی عذر کی وجہ سے نہ ہو جیسے ان پڑھ آدمی یا جو وقت کے آخر میں مسلمان ہوا پھر اس نے سورہ فاتحہ سیکھنے سے پہلے نماز پڑھی تو اس پر اعادہ لازم نہیں۔ ''تامل''

وَالسَّهْوِ إِنْ لَمْ يَسْجُدْ لَهُ، وَإِنْ لَمْ يُعِدْهَا يَكُونُ فَاسِقًا آثِمًا وَكَذَا كُلُّ صَلَاةٍ

اگر واجب کے ترک پر سجدہ سہو نہ کیا ہو۔ اور اگر نماز کا اعادہ نہ کرے گا تو وہ فاسق گنہگار ہو گا۔

3938۔(قولہ: إِنْ لَمْ يَسْجُدْ لَهُ) یعنی اگر سہو کے لئے سجدہ نہیں کیا۔ یہ ''والسہو'' کے قول کی قید ہے۔ کیونکہ جان بوجھ کر واجب ترک کرنے میں سجدہ سہو نہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: مگر چار صورتوں میں: اگر جان بوجھ کر پہلا قعدہ ترک کر دیا، یا بعض افعال میں شک ہوا پھر جان بوجھ کر وہ سوچتا رہا حتیٰ کہ اسے ایک رکن کی مقدار مشغول رکھا، یا پہلی رکعت کا ایک سجدہ جان بوجھ کر نماز کے آخر تک مؤخر کیا، یا جان بوجھ کر پہلے قعدہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا۔ اور بعض نے پانچویں صورت کا اضافہ کیا ہے: جان بوجھ کر سورہ فاتحہ کا ترک کرنا۔ ان تمام صورتوں میں سجدہ سہو کرے گا اور اس کو عذر کا سجدہ کہا جاتا ہے۔ الشارح نے ان کی استثنا نہیں فرمائی۔ کیونکہ باب سجود السہو میں اس کے ضعف کا ذکر (مقولہ 6151 میں) آئے گا۔ علامہ ''قاسم'' نے بھی اس کا رد کیا ہے فرمایا: ہم اس کے لئے نہ تو روایت میں اصل پاتے ہیں اور نہ درایت میں کوئی وجہ پاتے ہیں۔ اور کیا عذر کی وجہ سے سجدہ سہو کے ترک کی وجہ سے اعادہ واجب ہے جیسے اگر کوئی سجدہ کرنا بھول جائے یا فجر کی نماز میں سورج طلوع ہو جائے؟ میں نے اس مسئلہ کو نہیں دیکھا۔ پس کتب کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

وجوب ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ الشارح کے اطلاق کا تقاضا ہے۔ کیونکہ نقصان کی پورا کرنے والی چیز سے پورا نہیں ہوا اگرچہ اس کے ترک کی وجہ سے گنہگار نہیں ہو گا۔ پس غور و فکر کرنا چاہئے۔

مکروہ تحریمی صغیرہ گناہوں سے ہے اس کے ساتھ عدالت ساقط نہیں ہوتی مگر ہمیشہ اس کا ارتکاب کرتے رہنے سے

3939۔(قولہ: يَكُونُ فَاسِقًا) میں کہتا ہوں: العلامہ ''ابن نجیم'' نے المعاصی کے بیان میں تالیف کردہ رسالہ میں تصریح کی ہے کہ ہر مکروہ تحریمی صغیرہ گناہوں سے ہے۔ نیز انہوں نے تصریح کی ہے کہ علماء نے صغیرہ گناہ کی وجہ سے عدالت کے ساقط کرنے کے لئے اس گناہ پر دوام کی شرط لگائی ہے۔ اور اس فعل میں یہ شرط نہیں لگائی جو مروءت کے خلاف ہوا اگرچہ وہ مباح ہو۔ نیز فرمایا: علماء نے سیر ہونے سے زیادہ کھانے کی وجہ سے عدالت کو ساقط کیا ہے حالانکہ یہ صغیرہ گناہ ہے۔ پس اس پر اصرار شرط ہونا چاہئے۔ فرمایا: اور اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے عدالت کو ساقط کرنے والے نے اس پر بنا رکھی ہے کہ ہر گناہ عدالت کو ساقط کر دیتا ہے اگرچہ بغیر دوام کے صغیرہ ہو جیسا کہ ''المحیط البرہانی'' میں یہ فائدہ ذکر کیا ہے۔ اور یہ معتمد نہیں ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ یہاں شارح کا کلام معتمد کے خلاف پر مبنی ہے۔

ہر نماز جو کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی گئی ہو اس کا اعادہ واجب ہے

3940۔(قولہ: وَكَذَا كُلُّ صَلَاةٍ) ظاہر یہ ہے کہ یہ اس کو بھی شامل ہے جو اصلاً سجدہ سہو کا موجب نہیں ہوتا جیسے پیشاب پاخانہ کو روک کر نماز پڑھنا۔ اور نقص جب امام کی نماز میں داخل ہو اور اس نقص کو پورا نہ کیا گیا ہو تو مقتدی پر بھی اعادہ

....

واجب ہے۔ اس سے جمعہ اور عید کی استثنا کی گئی ہے جب وہ مکروہ تحریمی کے ساتھ ادا کئے گئے ہوں مگر جب امام مقتدی تمام اعادہ کریں۔ پس رجوع کیا جانا چاہئے۔ ''حلبی''۔

میں کہتا ہوں: ''الامداد'' میں بطور بحث ذکر کیا ہے کہ واجب کے ترک کی وجہ سے اعادہ کا واجب ہونا سنت کے ترک کی وجہ سے اعادہ کے مستحب ہونے سے مانع نہیں۔ اسی طرح ''القہستانی'' میں ہے بلکہ ''فتح القدیر'' میں فرمایا: حق ان میں تفصیل ہے اس کراہت کے کراہت تحریمی ہونے کی صورت میں اعادہ واجب ہے۔ اور کراہت تنزیہی ہونے کی صورت میں اعادہ مستحب ہے۔

یہاں ایک چیز باقی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جماعت کی نماز مذہب میں راجح قول پر واجب ہے یا واجب کے حکم میں سنت مؤکدہ ہے جیسا کہ ''البحر'' میں ہے۔ اور علما نے جماعت کے تارک کے فسق اور اس کی تعزیر کی تصریح کی ہے اور وہ گناہگار ہوگا۔

اس کا مقتضی یہ ہے کہ اگر وہ علیحدہ نماز پڑھے گا تو اسے جماعت کے ساتھ اعادہ کا حکم دیا جائے گا۔ اور یہ اس کے مخالف ہے جس کی علما نے باب ادراک الفریضہ میں تصریح کی ہے کہ اگر ظہر کی تین رکعت پڑھیں پھر جماعت کھڑی ہوگئی تو وہ اپنی نماز کو مکمل کرے اور وہ نفل کی نیت سے اقتدا کرے۔ یہ اس میں صریح کی طرح ہے کہ جماعت کے ساتھ ظہر کا اعادہ اس پر نہیں ہے حالانکہ اس کا علیحدہ نماز پڑھنا مکروہ تحریمی تھا یا تحریم کے قریب تھا۔ پس یہ اس قاعدہ کے مخالف ہے مگر یہ کہ اس کی تخصیص کا دعویٰ کیا جائے کہ علما کی واجب اور سنت سے مراد جس کے ترک سے نماز کا اعادہ ہوگا وہ ہے جو نماز کی ماہیت سے نماز کے اجزا سے ہو۔ پس یہ جماعت کو شامل نہیں ہے۔ کیونکہ یہ نماز کا ایسا وصف ہے جو اس کی ماہیت سے خارج ہے۔ یا یہ دعویٰ کیا جائے کہ علما کا قول ''مکمل کرے اور نفل کی نیت سے جماعت کے ساتھ شریک ہو'' اس صورت کے ساتھ خاص ہے جب وہ عذر کی وجہ سے اکیلے نماز پڑھ رہا ہو۔ جیسے اس کے نماز شروع کرنے کے وقت جماعت کا وجود نہ ہو تو اس کا اکیلے نماز پڑھنا مکروہ نہیں تھا۔ پہلا قول زیادہ قریب ہے۔ اسی وجہ سے جماعت کو علما نے واجبات الصلوٰۃ سے ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ مستقل واجب ہے جو نماز کی ماہیت سے خارج ہے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ علما نے فرمایا: قرآن کی سورتوں میں ترتیب واجب ہے۔ پس اگر کوئی الٹ پڑھے گا تو گنہگار ہوگا لیکن اس پر سجدہ سہو لازم نہ ہوگا کیونکہ یہ قراءت کے واجبات سے ہے نماز کے واجبات سے نہیں ہے۔ جیسا کہ یہ ''البحر'' میں باب السہو میں ذکر کیا ہے۔ لیکن علما کا قول کہ ''ہر نماز جو کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی گئی ہو'' یہ واجب وغیرہ کے ترک کو شامل ہے۔ اور اس کی تائید کرتا ہے کہ ایسے کپڑے میں نماز پڑھنے کی صورت میں اعادہ کی علماء نے تصریح کی ہے جس میں تصویر بنی ہو کیونکہ وہ اس شخص کی طرح ہے جو بت اٹھائے ہوئے ہے۔

نوٹ: ''البحر'' میں باب قضاء الفوائت میں کراہت تحریمی کے ساتھ نماز کی ادائیگی میں اعادہ کے وجوب کو وقت کے نکلنے سے پہلے تک کے ساتھ مقید کیا ہے۔ رہا وقت نکلنے کے بعد تو اعادہ مستحب ہے۔ اس میں (مقولہ 6039 میں) وہاں ان شاء اللہ کلام آئے گی اعادہ کے وجوب اور عدم وجوب کے اختلاف کے بیان کے ساتھ اور وقت کے اندر اور وقت کے بعد وجوب

أُدِّيَتْ مَعَ كَرَاهَةِ التَّحْرِيمِ تَجِبُ إِعَادَتُهَا وَالْمُخْتَارُ أَنَّهُ جَابِرٌ لِلْأَوَّلِ، لِأَنَّ الْفَرْضَ لَا يَتَكَرَّرُ (وَهِيَ) عَلَى مَا ذَكَرَهُ أَرْبَعَةَ عَشَرَ (قِرَاءَةُ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ) فَيَسْجُدُ لِلسَّهْوِ بِتَرْكِ أَكْثَرِهَا لَا أَقَلِّهَا، لَكِنْ فِي الْمُجْتَبَى يَسْجُدُ بِتَرْكِ آيَةٍ

اسی طرح ہر نماز جو کراہت تحریم کے ساتھ ادا کی گئی ہو اسکا لوٹانا واجب ہے۔ اور مختار یہ ہے یہ دوسری نماز پہلی نماز کی کمی پورا کرنے والی ہے کیونکہ فرض میں تکرار نہیں ہوتا۔ اور یہ واجبات جیسا کہ مصنف نے ذکر کیا ہے چودہ ہیں: سورۂ فاتحہ کا پڑھنا۔ پس اس کے اکثر حصہ کو چھوڑنے کی وجہ سے سجدہ سہو کرے گا اور اس کے کم حصہ کو ترک کرنے پر سجدہ سہو نہیں کرے گا۔ لیکن ''المجتبیٰ'' میں ہے: سورہ فاتحہ سے ایک آیت ترک کرنے سے بھی سجدہ سہو کرے گا

کے قول کی ترجیح کے بیان کے ساتھ۔

3941۔ (قولہ: وَالْمُخْتَارُ أَنَّهُ) دوسرا فعل پہلے فعل کی کمی کو پورا کرنے والا ہے۔ یہ سجدہ سہو کے ساتھ کمی کو پورا کرنے کے قائم مقام ہے۔ پہلے فعل (یعنی پہلی نماز) سے وہ عہدہ سے نکل جاتا ہے اگرچہ علی وجہ الکراہۃ ہوتا ہے اصح قول پر۔ اسی طرح ''اصول البزدوی'' پر ''شرح الاکمل'' میں ہے۔ اور اس کا مقابل وہ قول ہے جو علما نے ''ابوالیسر'' سے نقل کیا ہے کہ فرض دوسری نماز ہے۔ ''ابن الہمام'' نے پہلے قول کو پسند کیا ہے۔ فرمایا: فرض کا تکرار نہیں ہوتا اور دوسرے کو فرض بنانا یہ تقاضا کرتا ہے کہ پہلی نماز کے ساتھ اس کا فرض ساقط نہیں ہوا۔ کیونکہ یہ رکن کے ترک کو لازم ہے واجب کے ترک کو لازم نہیں مگر یہ کہنا کہ مراد یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے احسان ہے۔ کیونکہ کامل کو شمار کیا جاتا ہے اگرچہ فرض سے متاخر ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ یہ اس کو دوبارہ پڑھے گا۔

یعنی دوسری نماز کے فرض ہونے کا قول کرنے سے فرض کا تکرار لازم آتا ہے۔ کیونکہ دوسری نماز کا فرض ہونا پہلی نماز کا فرض نہ ہونا اس سے پہلی نماز کے ساتھ فرض کا عدم سقوط لازم آتا ہے۔ حالانکہ بات اس طرح نہیں ہے۔ کیونکہ پہلی نماز کے ساتھ عدم سقوط فرض کے ترک کی وجہ سے ہوتا ہے واجب کے ترک کی وجہ سے نہیں۔ اور جب پہلی نماز کے فرائض مکمل کئے تو حکم میں جائز ہونے اور اس کے ساتھ فرض کے سقوط کے جائز ہونے میں کوئی شک نہیں اگرچہ واجب کے ترک کی وجہ سے ناقص تھا۔ جب دوسری نماز فرض ہوگی تو اس سے فرض کا تکرار لازم ہوگا مگر یہ کہا جائے کہ الخ۔ ''فافہم''

3942۔ (قولہ: عَلَى مَا ذَكَرَهُ) یعنی اس کے مطابق جو مصنف نے ذکر کئے ہیں وہ واجب چودہ ہیں ورنہ یہ بہت زیادہ ہیں جیسا کہ اس کا بیان آگے (مقولہ 4029 میں) آئے گا۔

3943۔ (قولہ: قِرَاءَةُ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ) یہ اس صورت میں ہے جب وقت کے فوت ہونے کا خوف نہ ہو ورنہ تمام نمازوں میں ایک آیت پر اکتفا کرے۔ اور ''البزدوی'' نے اس کے ساتھ فجر کو خاص کیا ہے جیسا کہ ''القنیہ'' میں ہے۔ ''اسماعیل''۔

3944۔ (قولہ: بِتَرْكِ أَكْثَرِهَا) یہ اس کو مفید ہے کہ واجب سورۃ کا اکثر حصہ ہے یہ غور و فکر سے خالی نہیں ''بحر''۔

مِنْهَا وَهُوَ أَوْلَى قُلْت وَعَلَيْهِ فَكُلُّ آيَةٍ وَاجِبَةٌ كَكُلِّ تَكْبِيرَةِ عِيدٍ وَتَعْدِيلِ رُكْنٍ وَإِتْيَانِ كُلٍّ وَتَرْكِ تَكْرِيرِ كُلٍّ كَمَا يَأْتِي فَلْيُحْفَظْ (وَضَمُّ) أَقْصَرِ (سُورَةٍ) كَالْكَوْثَرِ أَوْ مَا قَامَ مَقَامَهَا، هُوَ ثَلَاثُ آيَاتٍ قِصَارٍ، نَحْوُ (ثُمَّ نَظَرَ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ)

اور یہی اولیٰ ہے۔ میں کہتا ہوں: اور اس بنا پر ہر آیت واجب ہے جس طرح عید کی ہر تکبیر واجب ہے، اور جس طرح ہر رکن کو اطمینان سے ادا کرنا واجب ہے، اور جس طرح ہر واجب کا ادا کرنا، اور ہر واجب کے تکرار کو ترک کرنا واجب ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔ پس یاد رکھنا چاہئے۔ اور چھوٹی ترین سورت کو ملانا جیسے سورۂ کوثر یا جو اس کے قائم مقام ہو اور وہ تین چھوٹی آیات ہیں جیسے ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿۲۳﴾ (المدثر)

''القہستانی'' میں ہے: سورہ فاتحہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکمل واجب ہے اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک اس کا اکثر حصہ واجب ہے۔ اسی وجہ سے نصف سے زائد کے بعد بھول جانے سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا جیسا کہ ''الزاہدی'' میں ہے۔ پس شارح کا کلام ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے قول پر جاری ہے۔

3945۔ (قولہ: وَهُوَ أَوْلَى) یہ شاید اس مواظبت کی وجہ سے ہے جو وجوب کو مفید ہے۔ ''طحطاوی''۔

3946۔ (قولہ: وَعَلَيْهِ) یعنی جو ''المجتبیٰ'' میں ہے اس بنا پر ہر آیت واجب ہے۔ اس میں نظر ہے۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ جو ''مجتبیٰ'' میں ہے وہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر مبنی ہے کہ یہ تمام واجب ہے۔ اور یہ بطور تمثیل ذکر کیا ہے بطور تقیید نہیں۔ کیونکہ اس سورت میں سے کوئی چیز ترک کرنے سے خواہ وہ آیت ہو یا اس سے کم ہو اگرچہ ایک حرف بھی ہو تو وہ مکمل سورت پڑھنے والا نہ ہوگا جو واجب ہے جیسا کہ تین آیات کا ملانا واجب ہے۔ پس اگر اس سے کم پڑھے گا تو واجب کا تارک ہوگا۔ یہ ''الرحمتی'' نے فائدہ ذکر کیا ہے۔

3947۔ (قولہ: كَكُلِّ تَكْبِيرَةِ عِيدٍ) یہ چھ تکبیرات ہیں جیسا کہ اپنے مقام پر آئے گا۔ ''حلبی''۔

3948۔ (قولہ: وَتَعْدِيلُ رُكْنٍ) اس کا عطف تکبیرۃ پر ہے یعنی جیسے ہر رکن کو اطمینان سے ادا کرنا واجب ہے۔ اس کی مثل قومہ کو اطمینان سے ادا کرنا واجب ہے اور جلسہ کو اطمینان سے ادا کرنا واجب ہے۔ جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ ''حلبی''۔

3949۔ (قولہ: وَإِتْيَانُ كُلِّ الخ) پہلے کل پر عطف کی وجہ سے رفع کے ساتھ ہے یا دوسرے کل پر عطف کی وجہ سے جر کے ساتھ ہے۔ مراد یہ ہے کہ واجبات میں سے ہر فرض یا ہر واجب کو اپنے محل میں ادا کرنا ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک کے تکرار کو ترک کرنا بھی واجب ہے۔ اس مراد کا فائدہ کما یاتی کے قول کے ساتھ دیا ہے یعنی واجبات کے آخر میں آئے گا۔

3950۔ (قولہ: وَتَرْكُ تَكْرِيرِ كُلٍّ) اسی طرح بعض نسخوں میں ہے۔ اور اس کا مراد تو نے جان لیا ہے۔ اور عام نسخوں میں ترك كل ہے یعنی تکریر کے اسقاط کے ساتھ ہے۔ اور اس کی توجیہہ اس طرح ہے کہ ککل تکبیرۃ کے قول کو آیت کی مثل

وَكَذَا لَوْ كَانَتِ الْآيَةُ أَوِ الْآيَتَانِ تَعْدِلُ ثَلَاثًا قِصَارًا ذَكَرَهُ الْحَلَبِيُّ
اور اسی طرح ہے اگر ایک آیت یا دو آیات چھوٹی تین آیات کے برابر ہوں۔ یہ ''الحلبی'' نے ذکر کیا ہے

بنایا جائے جو یسجد بترک آیة کے قول میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح علیحدہ ہر عید کی تکبیر کو ترک کرنے کی وجہ سے سجدہ کرتا ہے اور علیحدہ ہر رکن کی تعدیل کو ترک کی وجہ سے سجدہ کرتا ہے اور ان تکبیرات یا تعدیلات میں سے اکٹھا ادا کرنے کو ترک کرنے کی وجہ سے سجدہ کرتا ہے اور اسی طرح ان مذکورہ تمام کو ترک کرنے کی وجہ سے سجدہ کرے گا۔ اس میں جو ہے وہ مخفی نہیں۔

3951۔ (قولہ: تَعْدِلُ ثَلَاثًا قِصَارًا) یعنی ثُمَّ نَظَرَ الخ یہ تیس حرف ہیں۔ پس اگر کوئی تیس حرف کی مقدار طویل آیت پڑھے تو وہ تین آیات کی مقدار لانے والا ہوگا لیکن امام کی جہراً قراءت کرنے کی فصل میں آئے گا کہ قراءت کا فرض آیت ہے اور عرفاً آیت قرآن کا متعین طائفہ ہے اور اس کے کم از کم چھ حروف ہیں اگرچہ تقدیراً ہوں جیسے لَمْ يَلِدْ۔ مگر جب وہ ایک کلمہ ہو تو اصح یہ ہے کہ صحیح نہیں ہے۔ اور اس کا مقتضا یہ ہے کہ اگر کوئی لمبی آیات تلاوت کرے جو اٹھارہ حروف کی مقدار ہو تو وہ تین آیات کی مقدار لانے والا ہوگا۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ مشروع متواتر تین آیات ہیں نظم قرآنی کے مطابق جیسے ثم نظر الخ۔ متواتر تین آیات ان آیات سے چھوٹی نہیں پائی جاتی ہیں۔ پس واجب یا تو یہ آیات ہیں یا ان کے علاوہ جو ان کے قائم مقام ہیں۔ نہ وہ جو چھوٹی آیت کی تین امثال کے برابر ہوں جو قرآن میں پائی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے فرمایا: چھوٹی تین آیات کے برابر ہو۔ یہ نہیں فرمایا کہ چھوٹی آیت کی تین امثال کے برابر ہو۔ اس بنا پر کہ بعض عبارات میں ہے: تعدل اقصر سورۃ (یعنی چھوٹی سورت کے برابر ہو) پس غور کرنا چاہئے۔ مزید بحث ہم فصل الجھر میں (مقولہ 4551 میں) ذکر کریں گے۔

3952۔ (قولہ: ذَكَرَهُ الْحَلَبِيُّ) یعنی ''المنیہ'' کی ''الشرح الکبیر'' میں ''حلبی'' نے یہ ذکر کیا ہے۔ اس کی عبارت یہ ہے کہ اگر تین چھوٹی آیات پڑھیں یا ایک یا دو آیتیں ایسی ہوں جو تین چھوٹی آیات کے برابر ہوں تو مذکورہ کراہت کی حد سے خارج ہو جائے گا یعنی کراہت تحریمی سے خارج ہو جائے گا۔ اس کی شرح میں جو ''الملتقی'' پر لکھی اس میں شارح نے فرمایا: یہ میں نے کسی دوسرے عالم کے لئے نہیں دیکھا۔ یہ ایک مہم ہے جس میں کراہت تحریمی کو دور کرنے کے لئے عظیم آسانی ہے۔

میں کہتا ہوں: ''الدرر'' میں اس کی تصریح کی ہے جہاں انہوں نے فرمایا: تین چھوٹی آیات سورت کے قائم مقام ہوتی ہیں۔ اور اسی طرح ایک طویل آیت بھی سورت کے قائم مقام ہوتی ہے۔ اس کی مثل ''الفیض'' وغیرہ میں ہے۔

''التاتر خانیہ'' میں ہے: اگر ایک طویل آیت پڑھی جیسے آیت الکرسی یا آیت المداینہ بعض حصہ ایک رکعت میں اور بعض ایک رکعت میں تو اس میں امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا: جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے ایک رکعت میں مکمل آیت نہیں پڑھی اور اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ جائز ہے۔ کیونکہ ان آیات کا بعض تین چھوٹی آیات سے زائد ہے یا ان کے برابر ہے۔ پس اس کی قراءت تین آیات سے کم نہ ہوگی۔ یہ اس کو مفید ہے کہ بعض آیت، آیت کی طرح ہے اس باب میں کہ جب وہ چھوٹی تین آیات کی مقدار کو پہنچ جائے تو کافی ہوگی۔

(فِي الْأُولَيَيْنِ مِنَ الْفَرْضِ) وَهَلْ يُكْرَهُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ؟ الْمُخْتَارُ لَا (وَ) فِي (جَمِيعِ) رَكَعَاتِ (النَّفْلِ) لِأَنَّ كُلَّ شَفْعٍ مِنْهُ صَلَاةٌ (وَ) كُلُّ (الْوِتْرِ) احْتِيَاطًا

فرض کی پہلی دو رکعتوں میں۔ کیا آخری دو رکعتوں میں قراءت مکروہ ہے؟ مختار یہ ہے کہ نہیں اور نفلوں کی تمام رکعتوں میں سورت ملانا واجب ہے کیونکہ نفل کا ہر شفعہ (دو رکعت) (علیحدہ) نماز ہے اور احتیاطاً وتر کی تمام رکعتوں میں سورت کا ملانا واجب ہے۔

3953۔ (قوله: فِي الْأُولَيَيْنِ) قراءۃ اور ضم جو مصنف کے قول قراءۃ فاتحۃ الکتاب و ضم سورۃ میں ہے۔ اس میں تنازع کر رہے ہیں کیونکہ پہلی دو رکعتوں میں ان میں سے ہر ایک واجب ہے۔ ''فافہم''

3954۔ (قوله: وَهَلْ يُكْرَهُ) یعنی سورت کا ملانا۔

3955۔ (قوله: الْمُخْتَارُ لَا) یعنی مکروہ تحریمی نہیں ہے بلکہ مکروہ تنزیہی ہے۔ کیونکہ یہ خلاف سنت ہے۔ ''المنیہ'' اور اس کی شرح میں ہے کہ بھول کر آخری دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ سورت ملانے سے امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔ کیونکہ رکوع کی اپنے محل سے تاخیر ہوگئی ہے۔ اور اظہر روایات میں ہے کہ سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان دونوں رکعتوں میں قراءت بغیر تقدیر کے مشروع ہے۔ اور سورۂ فاتحہ پر اقتصار مسنون ہے واجب نہیں ہے۔

اور ''البحر'' میں ''فخر الاسلام'' کے حوالہ سے ہے کہ آخری دو رکعتوں میں سورت نفلاً مشروع ہے۔ اور ''الذخیرہ'' میں ہے: یہی مختار ہے۔ اور ''المحیط'' میں ہے: یہی اصح ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ نفلاً کے قول سے مراد جواز اور مشروعیت ہے جو عدم حرمت کے معنی میں ہے۔ پس یہ خلاف اولیٰ ہونے کے منافی نہیں جیسا کہ ''الحلبہ'' میں اس کا فائدہ ذکر کیا ہے۔

نفل کی ہر دو رکعت ایک نماز ہے

3956۔ (قوله: لِأَنَّ كُلَّ شَفْعٍ مِنْهُ صَلَاةٌ) گویا کہ...... اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے...... یہ اس لئے ہے کیونکہ ہر دو رکعتوں پر نماز سے نکلنا ممکن ہوتا ہے۔ پس جب دوسرے شفع (دو رکعت) کی طرف کھڑا ہو جائے گا تو وہ نئی نماز کی تحریمہ پر نماز کی بنا کرنے والا ہوگا۔ اسی وجہ سے علما نے تصریح کی ہے کہ اگر کسی نے چار رکعات کی نیت کی تو اس پر اس تکبیر تحریمہ کی وجہ سے ہمارے اصحاب سے مشہور قول میں دو رکعتوں کے سوا کچھ واجب نہ ہوگا۔ اور تیسری رکعت کی طرف قیام نئی تکبیر تحریمہ کے قائم مقام ہے۔ حتیٰ کہ دوسرے شفع کا فساد پہلے شفع کے فساد کا موجب نہیں۔ اور علما نے فرمایا: تیسری رکعت میں ثنا اور تعوذ پڑھنا مستحب ہے۔ اور اس کی مکمل بحث ''الحلبہ'' میں ہے۔ اور مزید بحث باب الوتر و النوافل میں (مقولہ 5713 میں) آئے گی۔ ''حلبی'' نے فرمایا: اس میں پہلے قعدہ کا فرض نہ ہونا اس کے منافی نہیں۔ اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ قعدہ کی نسبت سے یہ تمام ایک نماز ہے جیسا کہ ''الکنز'' کے قول فرضها التحريمه کے تحت ''البحر'' میں ہے۔

3957۔ (قوله: احْتِيَاطًا) یعنی جب اس میں سنیت کے آثار ظاہر ہوئے کیونکہ ان کے لئے اذان نہیں دی جاتی اور نہ تکبیر کہی جاتی ہے تو ہم نے احتیاطاً قراءت کے حق میں اس کو سنت کا حکم دیا۔

وَتَعْيِينُ الْقِرَاءَةِ (فِي الْأُولَيَيْنِ) مِنَ الْفَرْضِ عَلَى الْمَذْهَبِ
اور فرض کی پہلی دو رکعتوں میں قراءت کا متعین کرنا مذہب پر واجب ہے۔

3958۔ (قولہ: وَتَعْيِينُ الْقِرَاءَةِ فِي الْأُولَيَيْنِ) مصنف کے قول فی الاولیین جو پہلے گزر چکا ہے اس کے ساتھ اس کا تکرار نہیں ہے۔ کیونکہ وہاں مراد قراءت ہے اگرچہ ایک آیت ہو۔ پس پہلی دو رکعتوں میں مطلقاً قراءت کی تعیین واجب ہے اور فاتحہ کے ساتھ سورت کا ملانا دوسرا واجب ہے۔ ''طحطاوی''۔

3959۔ (قولہ: مِنَ الْفَرْضِ) یعنی چار یا تین رکعتوں والے فرض سے اور اسی طرح دو رکعتوں والے تمام فرائض میں جیسے فجر کی نماز، جمعہ کی نماز اور سفر کی دو رکعتیں۔

3960۔ (قولہ: عَلَى الْمَذْهَبِ) جان لو کہ فرض میں فرض قراءت کے محل میں تین اقوال ہیں۔ (1) اس کا محل معین پہلی دو رکعتیں ہیں۔ اور ''بدائع'' میں اس قول کی تصحیح کی ہے۔ (2) فرض قراءت کا محل غیر معین دو رکعتیں ہیں۔ پس پہلی دو رکعتوں میں قراءت کی تعیین واجب ہوگی۔ یہی مذہب میں مشہور ہے۔ (3) پہلی دو رکعتوں میں قراءت کی تعیین افضل ہے۔ ''غایۃ البیان'' میں اسی قول کو اختیار کیا ہے اور یہ ضعیف قول ہے۔ پہلے دونوں قول اس پر متفق ہیں کہ اگر صرف آخری دو رکعتوں میں قراءت کی تو نماز صحیح ہوگی اور سجدہ سہو اس پر لازم ہوگا اگر بھول گیا ہوگا۔ لیکن پہلے قول پر اس کا سبب فرض کا اپنے محل سے تبدیل کرنا ہے اور اس کی قراءت پہلی دو رکعتوں کی قراءت کی قضا کے طور پر ہوگی، اور دوسرے قول پر اس کا سبب واجب کا ترک ہوگا اور دوسری رکعتوں میں اس کی قرآت ادا کے طور پر ہوگی۔ اسی طرح ''البحر'' کے نوافل کے باب میں ہے۔ اور ''البحر'' میں سجود السہو کے باب میں ہے کہ علما کا اختلاف ہے کہ آخری دو رکعتوں میں فرض قراءت کیا یہ قضا ہے یا ادا ہے؟ ''القدوری'' نے ذکر کیا ہے کہ یہ ادا ہے۔ کیونکہ فرض غیر معین دو رکعتوں میں قراءت کرنا ہے۔ اور دوسرے علما نے فرمایا: یہ آخری دو رکعتوں میں قضا ہے اس سے استدلال کرتے ہوئے کہ مقیم کے پیچھے مسافر کی اقتدا وقت نکلنے کے بعد صحیح نہیں ہے اگرچہ امام نے پہلے شفع میں قراءت نہ کی ہو۔ اور اگر آخری دو رکعتوں میں قراءت ادا ہوتی تو اقتدا جائز ہوتی کیونکہ یہ قراءت کے حق میں فرض پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی اقتدا تھی۔ پس جب یہ جائز نہیں تو معلوم ہوا کہ یہ قضا ہے اور دوسری دو رکعتیں قراءت سے خالی ہیں۔ اور اس مسبوق پر قراءت واجب ہے جس نے امام کو دوسری دو رکعتوں میں پایا اور اس نے پہلی دو رکعتوں میں قراءت نہیں کی تھی۔ اسی طرح ''البدائع'' میں ہے۔

میں کہتا ہوں: میرے لئے یہاں ایک اشکال ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ نماز میں قراءت فرض ہے۔ کلام اس کے محل کی تعیین میں ہے۔ اور تینوں اقوال کا حاصل یہ ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں قراءت کی تعیین فرض ہے یا واجب ہے یا سنت ہے۔ تو پہلے قول کی تصحیح جان چکا ہے۔ اس وقت پھر یہ اس سے خالی نہ ہوگا کہ فرض سے مراد فرض قطعی ہے یا فرض عملی ہے۔ فرض عملی وہ ہے جس کے فوت ہونے سے جواز فوت ہو جاتا ہے اور ہر صورت میں پہلی دو رکعتوں میں عدم قراءت سے نماز کا فساد لازم آتا ہے جیسے اگر کوئی رکوع کو سجود سے موخر کر دے۔ ہمارے نزدیک اس کا کوئی

(وَتَقْدِيمُ الْفَاتِحَةِ) عَلَى كُلِّ (السُّورَةِ)
اور ہر سورت پر فاتحہ کا مقدم کرنا واجب ہے۔

قائل نہیں ہے۔ پس وجوب کے قول کی طرف رجوع متعین ہو گیا جس پر متون کا اتفاق ہے۔

اور جو چیز میرے لئے ظاہر ہوئی وہ یہ ہے کہ مسئلہ میں صرف دو قول ہیں پہلا اور دوسرا قول ایک ہیں۔ پس علما کا قول کہ قرآت کا محل معین پہلی دو رکعتیں ہیں اس کا مطلب ہے ان دو رکعتوں میں تعیین واجب ہے۔ اور دوسرے قول سے یہی مراد ہے۔ پس قراءت کو دوسری دو رکعتوں کی طرف مؤخر کرنا قضا ہو گا جیسے پہلی رکعت کے سجدہ کو نماز کے آخر تک مؤخر کرنا ہے۔ یہ قول اس کے مقابل ہے کہ پہلی دو رکعتوں مین قراءت کی تعیین افضل ہے۔ اور اس پر ہے کہ آخری دو رکعتوں میں قراءت ادا سے قضا نہیں ہے۔ یہ دو قول ہیں جن کو صاحب ''البحر'' نے سجود السھو کے باب میں ''البدائع'' کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ اس لئے دلالت کرتا ہے کہ صاحب ''المنیہ'' نے نماز کے واجبات میں سے پہلی دو رکعتوں میں قراءت کی تعیین کا ذکر کیا ہے۔ ''الحلبہ'' میں فرمایا: یہ ان کے نزدیک ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ان کا محل معین پہلی دو رکعتیں ہیں۔ اور تو جان چکا ہے کہ یہی صحیح ہے۔ ''الخلاصہ'' اور ''الکافی'' میں اس پر چلے ہیں۔ رہا یہ کہنے والوں کے نزدیک کہ قراءت کا محل غیر معین دو رکعتیں ہیں تو ان کے قول کا ظاہر یہ ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں قراءت افضل ہے واجب نہیں ہے۔ بلکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ سنت ہے۔ اور مخفی نہیں کہ اختلاف کا ثمرہ سجدہ سہو کے وجوب میں ظاہر ہو گا جب وہ پہلی دو رکعتوں میں یا ایک رکعت میں اس کو ترک کرے گا سہواً۔ چونکہ سہواً واجب کو مؤخر کیا اپنے محل سے تو سجدہ سہو واجب ہو گا اور سنت کی تاخیر پر سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔ ''ملخصاً''

یہ صریح ہے کہ اقوال دو ہیں تین نہیں ہیں۔ اور اس میں بھی یہ صریح ہے کہ قراءت کا محل پہلی دو رکعتیں ہیں وہ وجوب ہے فرض نہیں۔ اور اس سے ظاہر ہوا کہ صاحب ''البحر'' اقوال کے بیان میں اور ان پر تفریع میں صحیح سمت پر نہیں پہنچے جیسا کہ وہ صحیح سمت پر نہیں پہنچے جنہوں نے ان کی عبارت کو غیر وجہ سے نقل کیا ہے۔ اور جو ہم نے ثابت کیا ہے اس سے اشکال اٹھ گیا اور حال واضح ہو گیا۔

حاصل یہ ہے بعض علما نے فرمایا کہ قراءت کا محل فرض کی غیر معین دو رکعتیں ہیں اور قراءت کا پہلی دو رکعتوں میں ہونا افضل ہے۔ اور بعض علما نے فرمایا: قراءت کا محل فرض کی دو رکعتیں معین ہیں۔ پس قراءت کا ان دو رکعتوں میں ہونا واجب ہے۔ ''المذہب'' میں یہی مشہور ہے جس پر متون ہیں اور اس کی تصحیح کی گئی ہے۔ اور مسبوق اور مسافر کے مسئلہ میں ''بدائع'' کے حوالہ سے ''البحر'' کی عبارت میں جو (اس مقولہ میں) گزر چکا ہے اس سے اس کی تائید تو جان چکا ہے۔ ''القہستانی'' نے کہا: ہمارے اصحاب کے مذہب سے یہی صحیح ہے۔ پس یقیناً شارح نے کہا: علی المذھب۔ سمجھو۔ توفیق اور سیدھے راستے کی ہدایت دینے پر تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔

3961۔ (قولہ: عَلَى كُلِّ السُّورَةِ) علماء نے فرمایا: اگر بھول کر سورت سے ایک حرف پڑھا پھر یاد آیا تو سورت فاتحہ پڑھی پھر سورت پڑھی تو سجدہ سہو لازم ہو گا ''بحر''۔ کیا الحرف سے مراد حقیقۃً حرف ہے یا کلمہ مراد ہے؟ رجوع کیا جائے

وَكَذَا تَرْكُ تَكْرِيرِهَا قَبْلَ سُورَةِ الْأُولَيَيْنِ (وَرِعَايَةُ التَّرْتِيبِ) بَيْنَ الْقِرَاءَةِ وَالرُّكُوعِ

اور اسی طرح پہلی دو رکعتوں کی سورت سے پہلے سورہ فاتحہ کا تکرار نہ کرنا واجب ہے۔ اور ترتیب کی رعایت کرنا قراءت اور رکوع میں واجب ہے۔

گا پھر میں نے ''البحر'' کے سجدہ سہو کے باب میں دیکھا۔ گزشتہ کلام کے بعد انہوں نے فرمایا کہ ''فتح القدیر'' میں اس کو اس کے ساتھ مقید کیا ہے کہ وہ اتنی مقدار ہو کہ جس کے ساتھ رکن ادا ہوتا ہو۔ یعنی ظاہر یہ ہے کہ علت فاتحہ کے ساتھ ابتدا کرنے کی تاخیر ہے اور تھوڑی تاخیر جو رکن سے کم ہے وہ معاف ہے۔ پھر میں نے صاحب ''الحلبہ'' کو دیکھا جو ''الفتح'' میں ان کے شیخ نے مذکور قید سے ذکر کی ہے کہ انہوں نے اس کی تائید اس سے کی ہے جو فقہاء نے پہلے قعدہ میں تشہد پر زیادتی میں سے ذکر کیا ہے جو سجدہ سہو کا موجب ہے قیام کے اپنے محل سے تاخیر کی وجہ سے۔ اور بہت سے مشائخ نے اس کو ایک رکن کی ادائیگی کی مقدار سے مقدر کیا ہے۔

3962۔ (قولہ: وَكَذَا تَرْكُ تَكْرِيرِهَا الخ) اگر کسی نے پہلی دو رکعتوں میں سے ایک رکعت میں دو مرتبہ سورۂ فاتحہ تلاوت کی تو واجب کی تاخیر کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہوگا۔ اور وہ واجب سورت ہے جیسا کہ ''الذخیرہ'' وغیرھا میں ہے۔ اور اسی طرح اگر سورۂ فاتحہ کا اکثر حصہ پڑھا پھر دوبارہ پڑھا تو سجدہ سہو ہوگا۔ جیسا کہ ''الظہیریہ'' میں ہے۔ رہی یہ صورت کہ ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ پہلے پڑھی پھر سورہ کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھی تو سجدہ سہو واجب نہ ہوگا جیسا کہ ''الخانیہ'' میں ہے۔ اس کو ''المحیط''، ''الظہیریہ''، ''الخلاصہ'' میں پسند کیا ہے۔ ''الزاہدی'' نے اس کی تصحیح کی ہے۔ کیونکہ تاخیر کا لزوم نہیں ہے۔ کیونکہ رکوع سورت کے بعد واجب نہیں۔ کیونکہ اگر سورۂ فاتحہ کے بعد کئی سورتوں کو جمع کرے تو اس پر کوئی چیز واجب نہیں۔ اسی طرح ''البحر'' میں اس مقام پر اور سجدہ سہو کے باب میں ہے: ''شرح المنیہ'' میں فرمایا: پہلی دو رکعتوں کے ساتھ مقید کیا کیونکہ آخری دو رکعتوں میں ایک مرتبہ پر اکتفا واجب نہیں حتیٰ کہ آخری دو رکعتوں میں سہواً سورۂ فاتحہ کے تکرار سے سجدہ سہو لازم نہیں آتا۔ اگر جان بوجھ کر آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کا تکرار کیا ہو تو بھی مکروہ نہیں جب تک جماعت پر نماز کی تطویل تک نہ پہنچائے، یا پہلی رکعت پر دوسری رکعت کے لمبے ہونے تک نہ پہنچائے۔

3963۔ (قولہ: بَيْنَ الْقِرَاءَةِ وَالرُّكُوعِ) یعنی دو رکعت فرض کے علاوہ میں اس کے واجب ہونے کا معنی یہ ہے کہ اگر قراءت سے پہلے رکوع کرے تو اس رکعت کا رکوع صحیح ہے۔ کیونکہ رکوع میں شرط نہیں ہے کہ وہ ہر رکعت میں قراءت پر مرتب ہو بخلاف رکوع و سجود کی ترتیب کے۔ کیونکہ یہ ترتیب فرض ہے۔ حتیٰ کہ اگر رکوع سے پہلے سجدہ کیا تو اس رکعت کا سجدہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ سجدہ کی اصل ہر رکعت میں رکوع پر اس کا مرتب ہونا ہے جیسے قیام پر رکوع کا مرتب ہونا ہے۔ کیونکہ قراءت فرض کی تمام رکعتوں میں فرض نہیں کی گئی۔ بلکہ ان میں سے بلا تعیین دو رکعتوں میں فرض ہے۔ رہا قیام، رکوع، سجود یہ ہر رکعت میں معین ہیں۔ ہاں قراءت فرض ہے اور اس کا محل قیام ہے۔ پس جب وقت تنگ ہوا اس طرح کہ اس نے پہلی دو رکعتوں میں قراءت نہ کی تو پھر قراءت اور رکوع کے درمیان ترتیب فرض ہو جائے گی کیونکہ اب اس کا تدارک ممکن نہیں۔ لیکن اس ترتیب کی فرضیت تاخیر کے

و (فِيمَا يَتَكَرَّرُ) أَمَّا فِيمَا لَا يَتَكَرَّرُ فَفَرْضٌ كَمَا مَرَّ
اور ہر وہ فعل جس کا ہر رکعت میں تکرار ہوتا ہے جیسے سجدہ ہے اور جو افعال ہر رکعت میں مکرر نہیں ہوتے ان میں ترتیب فرض ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے

سبب سے عارضی ہے۔ اسی وجہ سے فقہا نے اس کی طرف نہیں دیکھا اور انہوں نے اس پر اکتفا کیا ہے کہ اس کی ترتیب واجب ہے۔ کیونکہ پہلی دو رکعتوں میں قراءت کا واقع کرنا واجب ہے۔ یہ اس کی توضیح ہے جس کو ''الدرر'' میں ثابت کیا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ مذکورہ ترتیب پہلی دو رکعتوں میں واجب ہے۔ اور اس کا ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہوتا ہے کہ اگر قراءت کو آخری دو رکعتوں تک موخر کرے اور پہلی دو رکعتوں میں سے ہر ایک رکعت میں بغیر قراءت کے رکوع کرے۔ رہی یہ صورت کہ اگر پہلی دو رکعتوں میں قراءت کرے گا تو ترتیب فرض ہوگی حتیٰ کہ اگر سورت رکوع میں یاد آئی پھر وہ واپس آیا اور سورت پڑھی تو رکوع کا اعادہ لازم ہے۔ کیونکہ سورت اپنے ماقبل کے ساتھ لاحق ہوگئی اور تمام قراءت فرض ہوگئی۔ پس قراءت سے رکوع کا مؤخر کرنا لازم ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ترتیب قراءت کے وجود سے پہلے واجب ہے قراءت کے بعد فرض ہے۔ اس کی نظیر سورت کی قراءت ہے۔ کیونکہ قراءت سے پہلے اسے واجب کہا جاتا ہے اور قراءت کے بعد فرض کہا جاتا ہے۔ اس وقت اس ترتیب میں اصل وجوب ہوگا اور اس کی فرضیت عارض ہے جیسے اس کا عارض ہونا اس صورت میں ہے اگر قراءت کو آخری دو رکعتوں تک موخر کر دے۔ لیکن کبھی کہا جاتا ہے کہ اس ترتیب سے پہلی دو رکعتوں میں قراءت کی تعیین کا وجوب مستغنی کر دیتا ہے۔ مگر یہ کہ یہ کہا جائے کہ جب یہ تعیین حاصل نہیں ہوتی مگر اس ترتیب کے ساتھ تو فقہاء نے اسے دوسرا واجب بنایا۔ پس غور کرو۔

3964۔ (قولہ: أَمَّا فِيمَا لَا يَتَكَرَّرُ) یعنی جو فعل تمام نماز میں یا ہر رکعت میں مکرر نہیں ہوتا وہ فرض ہے۔ اور یہ قیام، رکوع، سجود اور آخری قعدہ کی ترتیب کی طرح ہے جیسا کہ تو اسے ابھی جان چکا ہے اور دبقی من الفروض کے قول کے تحت بھی گزر چکا ہے اور ہم نے اس کو (مقولہ 3908 میں) وہاں بیان کیا ہے۔ اس اطلاق پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ قراءت ان افعال سے ہے جو ہر رکعت میں مکرر نہیں ہوتی حالانکہ رکوع پر اس کی ترتیب فرض نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی مراد وہ افعال ہیں جو قراءت کے علاوہ مکرر نہیں ہوتے۔ کیونکہ اس کی ترتیب کے وجوب پر اس سے پہلے تصریح کا قرینہ موجود ہے۔ پس اس کے کلام میں تناقض نہیں ہے۔

اگر تم کہو کہ ''الکافی النسفی'' میں سجود السھو کے باب میں ذکر کیا ہے کہ سجدہ سہو کچھ چیزوں کی وجہ سے واجب ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک رکن کا مقدم کرنا ہے اس طرح کہ قراءت کرنے سے پہلے رکوع کرے یا رکوع کرنے سے پہلے سجدہ کرے۔ کیونکہ ترتیب کی رعایت ہمارے نزدیک واجب ہے۔ امام ''زفر'' کا نظریہ اس کے خلاف ہے۔ جب ترتیب کو ترک کیا تو واجب کو ترک کیا۔ اور اس کی نظیر ''الذخیرہ'' میں واقع ہے۔ حالانکہ ''الکافی'' میں وہاں ذکر کیا ہے کہ رکوع پر قیام کی ترتیب اور سجود پر رکوع کی ترتیب فرض ہے۔ کیونکہ نماز نہیں پائی جاتی مگر اس ترتیب کے ساتھ۔

....

میں کہتا ہوں: ''البحر'' میں اس کا اس طرح جواب دیا ہے کہ فقہاء کا قول کہ ترتیب شرط ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ رکن جو مقدم کیا ہے وہ لغو ہوگا اور ترتیب سے اس کا اعادہ لازم ہوگا حتیٰ کہ جب رکوع سے پہلے سجدہ کیا تو بالا جماع اس سجدہ کا شمار نہ ہوگا جس طرح کہ ''النہایہ'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ پس اس کا اعادہ شرط ہے۔ اور سجدہ سہو کے باب میں فقہاء کا قول کہ ترتیب واجب ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جس رکن کو مقدم کیا تھا اس کے اعادہ کے بعد نماز صورۃً اس ترتیب کے ترک کی وجہ سے فاسد نہ ہوگی جو اس رکن کی زیادتی کی وجہ سے حاصل ہوئی جس کو اس نے مقدم کیا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ ترتیب کے فرض ہونے کا مطلب ہے جو اس نے مقدم کیا تھا اس کے اعادہ کا فرض ہونا ہے۔ اور اس کے وجوب کا مطلب ہے عدم زیادتی کو واجب کرنا ہے۔ کیونکہ رکعت سے کم زیادتی نماز کو فاسد نہیں کرتی۔ پس وہ واجب ہے فرض نہیں بخلاف پہلی صورت کے۔ یہ ''صدر الشریعہ'' پر مخفی رہا حتیٰ کہ انہوں نے گمان کیا کہ ترتیب مطلقاً واجب ہے مگر تکبیر تحریمہ اور اخیری قعدہ میں۔ اور یہ عجیب ہے اس کی وجہ سے جو تو نے ''النہایہ'' کے کلام سے جان لیا ہے۔

3965۔ (قولہ: کَالسَّجْدَۃِ) کاف استقصائیہ ہے۔ کیونکہ اس کے سوا رکعت میں کوئی فعل مکرر نہیں ہوتا۔ اس کی مثل کعدد کے قول میں کاف ہے۔ ''حلبی''۔

اس سے مراد ہر رکعت میں دوسرا سجدہ ہے۔ پس اس کے اور اس کے مابعد کے درمیان ترتیب واجب ہے۔ ''شرح المنیہ'' میں فرمایا: حتیٰ کہ اگر ایک رکعت کا سجدہ ترک کیا پھر دوسری رکعت کے قیام یا رکوع یا سجود کے بعد اسے سجدہ یاد آیا تو وہ اس سجدہ کو قضا کرے۔ اور اس سجدہ کے قضا کرنے سے پہلے جو افعال ادا کئے مثلاً قیام یا رکوع یا سجود تو انہیں قضا نہیں کرے گا بلکہ اس پر صرف سجدہ سہو لازم ہوگا۔ لیکن جس رکن کو ادا کرتے ہوئے سجدہ یاد آیا اور اس نے اس میں وہ سجدہ ادا کیا اس رکن کی قضاء کے لزوم میں اختلاف ہے۔ مثلاً اگر اسے رکوع یا سجدہ کرتے ہوئے یاد آیا کہ اس نے پہلی رکعت کا سجدہ نہیں کیا تھا پھر اس نے اس سجدہ کو ادا کیا تو کیا جس رکوع اور سجود میں اسے وہ سجدہ یاد آیا اس کا اعادہ کرے گا؟ ''ہدایہ'' میں ہے: اعادہ واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔ یہ علت بیان کی ہے کہ جو افعال مکرر ہوتے ہیں ان میں ترتیب فرض نہیں ہے۔ اور ''الخانیہ'' میں ہے: وہ اس رکوع اور سجود کا اعادہ کرے گا ورنہ اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ انہوں نے یہ علت بیان کی کہ ماقبل ارکان کی طرف لوٹنے کی وجہ سے اس نے اس رکن کو چھوڑ دیا۔ کیونکہ اس رکن سے سر اٹھانے سے پہلے اسے چھوڑنا قبول کیا جاتا ہے بخلاف اس صورت کے اگر اسے رکوع سے سر اٹھانے کے بعد سجدہ یاد آئے۔ کیونکہ سر اٹھانے کے ساتھ مکمل ہونے کے بعد چھوڑنا قبول نہیں کیا جاتا۔ اس کی مثل ''الفتح'' میں ہے۔

''البحر'' میں فرمایا: پس معلوم ہوا کہ اعادہ میں اختلاف ترتیب کے شرط ہونے اور نہ ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ اس اس بنا پر ہے کہ وہ رکن جس میں اسے سجدہ یاد آیا کیا وہ ماقبل ارکان کی طرف لوٹنے کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے یا نہیں۔ ''تامل''

معتمد وہ ہے جو ''الہدایہ'' میں ہے اور باب الاستخلاف کے آخر میں ''الکنز'' وغیرہ میں اس پر جزم کیا ہے۔ اور ''البحر''

(فِي كُلِّ رَكْعَةٍ كَالسَّجْدَةِ) أَوْ فِي كُلِّ الصَّلَاةِ كَعَدَدِ رَكَعَاتِهَا
یا ان افعال میں ترتیب واجب ہے جو تمام نماز میں مکرر ہوتے ہیں جیسے نماز کی رکعتوں کی تعداد۔

میں جو ''الخانیہ'' میں ہے اس کے ضعف کی تصریح کی ہے۔

اس سجدہ اور اس کے مابعد کے درمیان ترتیب کی تقیید اس سے پہلے جو رکعت کے ارکان ہیں ان سے احتراز کے لئے ہے۔ کیونکہ رکوع اور سجود کے درمیان ایک رکعت میں ترتیب شرط ہے جیسا کہ (مقولہ 3966 میں) گزر چکا ہے اور ''الفتح'' میں اس پر آگاہ کیا ہے۔

3966۔ (قولہ: أَوْ فِي كُلِّ الصَّلَاةِ كَعَدَدِ رَكَعَاتِهَا) یعنی رکعتوں کے درمیان ترتیب واجب ہے۔ ''الزیلعی'' نے کہا: امام کے فارغ ہونے کے بعد جو نماز وہ قضا کرے گا وہ اس کی پہلی نماز ہوگی یہ ہمارے نزدیک ہے۔ اگر ترتیب فرض ہوتی تو یہ آخر میں ہوتی۔ ''البحر'' میں اس کا رد کیا ہے کہ اس کا واجب ترتیب کے تحت داخل ہونا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ مسبوق پر کچھ نہیں ہے اور نہ اس کی نماز میں کوئی کمی ہے۔ اسی وجہ سے ''الکافی'' میں علی المتکہ دفی کل رکعۃ پر اکتفا کیا ہے۔

گویا وہ یہ سمجھے ہیں کہ ''زیلعی'' کی مراد یہ ہے کہ مذکور ترتیب مسبوق پر واجب ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ ''الزیلعی'' کی مراد یہ ہے کہ یہ ترتیب مسبوق کے علاوہ پر واجب ہے مسبوق کے مسئلہ کی دلیل کی وجہ سے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ اگر چار رکعتوں والی نماز میں تیسری رکعت میں اقتدا کی تو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ پہلے اپنے امام کی نماز پڑھے جو اس سے رہ گئی تھی۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ اقتدا کی جگہ میں منفرد ہو گیا ہے۔ بلکہ اس پر اس نماز میں امام کے ساتھ پانے والی رکعتوں میں متابعت واجب ہے پھر جب امام سلام پھیرے گا تو رہ جانے والی نماز ادا کرے گا۔ وہ اس کی پہلی نماز ہے مگر قعدات کی حیثیت سے نہیں۔ پس مسبوق پر ترتیب کا عکس ثابت ہوا۔ اگر ترتیب فرض ہوتی تو جو وہ قضا کرتا ہے وہ اس کی حقیقۃً ہر وجہ سے اس کی آخری نماز ہوتی پس وہ سورت نہ پڑھتا اور قراءت جہراً نہ کرتا۔

''زیلعی'' کی مراد جو ہم نے بیان کی ہے کہ غیر مسبوق پر ترتیب واجب ہے اس کی دلیل وہ ہے جو ''الفتح'' میں ہے۔ انہوں نے فرمایا: تمام نماز میں جیسے رکعات مگر اقتدا کی ضرورت کی وجہ سے۔ کیونکہ اقتدا کی ضرورت کی وجہ سے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے کیونکہ مسبوق آخری رکعتیں پہلے پڑھتا ہے اور پہلی رکعتیں بعد میں پڑھتا ہے۔

پس جس نے یہ گمان کیا کہ ''الفتح'' کا کلام ''الزیلعی'' کے کلام کے مخالف ہے اسے وہم ہوا ہے وہاں ''الفتح'' کا کلام مراد میں زیادہ ظاہر ہے۔ ''فافہم''

اگر تم کہو کہ شے کا وجوب تب صحیح ہوتا ہے جب اس کی ضد ممکن ہو اور رکعتوں کے درمیان عدم ترتیب ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ نمازی ہر رکعت جو پہلے ادا کرتا ہے وہ اس کی پہلی رکعت ہوتی ہے جسے دوسرے نمبر پر ادا کرتا ہے وہ اس کی دوسری رکعت ہوتی ہے۔ اسی طرح آگے ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کی ضد ممکن ہے۔ کیونکہ یہ ان امور اعتباریہ سے ہے جن پر احکام شرعیہ مبنی ہوتے ہیں جب ان کے

......	......	......	......	......	......	......	......	......	......	......

ساتھ وہ امر پایا جائے گا جس کا یہ تقاضا کرتا ہے۔ (مثلاً) جب کوئی چار فرض میں سے دو رکعتیں پڑھے اور انہیں آخری دو رکعتیں بنانے کا ارادہ کرے تو یہ لغو ہے مگر جب وہ اپنے قصد و ارادہ کو ثابت کر دے اس طرح کہ ان دو رکعتوں میں قراءت کو ترک کر دے اور بعد والی دو رکعتوں میں قراءت کرے تو اس پر احکام شرعیہ مبنی ہوں گے۔ اور وہ اعادہ کا وجوب ہے اور گناہ ہے۔ کیونکہ وہ پایا گیا ہے جو ان احکام کا تقاضا کرتا ہے۔ اور اسی وجہ سے الشارع نے مسبوق کی نماز کا اعتبار کیا ہے حالانکہ اقوال کی حیثیت سے وہ غیر مرتب ہے۔ پس اس پر ترتیب کا عکس واجب کیا حالانکہ ہر رکعت جو وہ پہلے لایا وہ صورۃً پہلی ہے لیکن حکم میں ایسی نہیں۔ پس جس طرح الشارع نے ترتیب کا عکس مسبوق پر ثابت کیا اس طرح کہ اس کو وہ کرنے کا حکم دیا جس پر قراءت اور جہر مبنی ہے۔ اسی طرح مسبوق کے علاوہ کو ترتیب کا حکم دیا کہ وہ وہ کرے جس کا وہ تقاضا کرتا ہے کہ پہلے وہ قراءت کرے اور جہراً پڑھے یا سراً پڑھے۔ جب وہ مخالف کرے گا تو حکماً وہ ترتیب کا عکس کرے گا۔ اسی وجہ سے ''کنز'' وغیرہ کی طرح ''المصنف'' نے و رعاية الترتيب کے قول سے تعبیر کیا۔ یعنی ابتدا میں جو پہلے اس پر لانا واجب تھا یا آخر میں اخیر اُلانا واجب تھا اس کے اعتبار کو ملاحظہ کیا۔

حاصل یہ ہے کہ نمازی یا تو اکیلا ہوگا یا امام ہوگا یا مقتدی ہوگا۔ پس پہلے دونوں میں اس طرح ترتیب کا ثمرہ ظاہر ہوگا جو ہم نے ذکر کیا۔ اور اگر ہم ان دونوں میں ثمرہ کے عدم ظہور کو تسلیم کریں تو مقتدی میں ثمرہ ظاہر ہوگا۔ پھر مقتدی یا مدرک ہوگا یا صرف مسبوق ہوگا یا صرف لاحق ہوگا یا مرکب ہوگا جیسا کہ اس کا بیان (مقولہ 4975 میں) اس کے محل میں آئے گا۔

مدرک وہ شخص ہوتا ہے جو اپنے امام کے تابع ہوتا ہے اس کا حکم امام کے حکم جیسا ہوتا ہے۔

رہا مسبوق تو تو جان چکا ہے کہ اس پر ترتیب کا عکس لازم ہے۔

رہا لاحق تو اس پر مسبوق کے برعکس ترتیب واجب ہے۔ اور امام ''زفر'' کے نزدیک اس پر ترتیب فرض ہے۔ جب یہ امام کی بعض نماز کو پالے پھر سو جائے تو اس پر واجب ہے کہ پہلے بغیر قراءت کے وہ ادا کرے جس میں سو گیا تھا پھر امام کی پیروی کرے۔ اگر پہلے امام کی متابعت کی پھر امام کے سلام پھیرنے کے بعد وہ نماز پڑھی جس میں سو گیا تھا تو ہمارے نزدیک جائز ہے اور واجب کے ترک کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔ اور امام ''زفر'' کے نزدیک اس کی نماز صحیح نہ ہوگی۔ ''السراج'' میں ''الفتاویٰ'' کے حوالہ سے فرمایا: مسبوق پہلے فوت شدہ نماز ادا کرے تو اس کی نماز فاسد ہوگی۔ یہی اصح ہے۔ اور لاحق فوت شدہ نماز کو قضا سے پہلے امام کی اتباع کرے گا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ امام ''زفر'' کا نظریہ اس کے خلاف ہے۔

رہا مرکب جیسے فجر کی دوسری رکعت میں اقتدا کی، پھر امام کے سلام پھیرنے تک سویا رہا یہ لاحق اور مسبوق ہے اور اس نے کچھ نہیں پڑھا ہے۔ پس پہلے یہ بلا قراءت وہ رکعت ادا کرے گا جس میں سو گیا تھا۔ پھر وہ رکعت قراءت کے ساتھ ادا کرے گا جو پہلے پڑھی جا چکی تھی اگر اس کے الٹ کیا تو بھی صحیح ہوگا۔ اور ترتیب جو واجب تھی اس کے ترک کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔ پس اس پر نماز کا اعادہ واجب ہوگا خواہ اس نے یہ عمل عمداً کیا ہو۔ کیونکہ اس نے کراہت تحریمی کے ساتھ نماز کو ادا

حَتَّى لَوْ نَسِيَ سَجْدَةً مِنَ الْأُولَى قَضَاهَا وَلَوْ بَعْدَ السَّلَامِ قَبْلَ الْكَلَامِ لَكِنَّهُ يَتَشَهَّدُ ثُمَّ يَسْجُدُ لِلسَّهْوِ ثُمَّ يَتَشَهَّدُ لِأَنَّهُ يَبْطُلُ بِالْعَوْدِ إِلَى الصُّلْبِيَّةِ وَالتِّلَاوِيَّةِ، أَمَّا السَّهْوِيَّةُ فَتَرْفَعُ التَّشَهُّدَ لَا الْقَاعِدَةَ،

حتیٰ کہ اگر کوئی پہلی رکعت کا سجدہ بھول جائے تو وہ اسے قضا کرے اگر چہ سلام کے بعد کلام سے پہلے ادا کرے لیکن تشہد پڑھے گا پھر سجدہ سہو کرے گا۔ پھر تشہد پڑھے گا کیونکہ نماز کے سجدہ اور سجدہ تلاوت کی طرف لوٹنے کی وجہ سے تشہد باطل ہو جاتا ہے۔ رہا سجدہ سہو تو وہ تشہد کو اٹھا دیتا ہے قعدہ کو نہیں

کیا۔ یا بھول کر کیا ہو۔ کیونکہ سجدہ سہو کے ساتھ کمی کو پورا نہیں کیا کیونکہ نماز کا اختتام اس کے ساتھ واقع ہوا جس میں وہ لاحق ہوا تھا اور لاحق کو سجدہ سہو ممنوع ہے۔ کیونکہ وہ حکماً امام کے پیچھے ہوتا ہے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ لاحق کی دونوں قسموں پر فقہا نے ترتیب کو واجب کیا ہے جیسا کہ مسبوق پر اس کے برعکس کو لازم کیا ہے۔ یہ نہیں ہے مگر اعتبار اور حکم کی حیثیت سے نہ کہ صورت کی حیثیت سے۔ ''فافہم''

3967_(قولہ: حَتَّى لَوْ نَسِيَ) یہ کالسجدۃ کے قول پر تفریع ہے۔

3968_(قولہ: مِنَ الْأُولَى) یہ قید نہیں ہے اس کو خاص کیا ہے کیونکہ یہ آخر سے دور ہے۔ ''طحطاوی''۔

3969_(قولہ: قَبْلَ الْكَلَامِ) اس سے مراد کسی مفسد نماز کے کرنے سے پہلے ہے۔ ''طحطاوی''۔

3970_(قولہ: لَكِنَّهُ يَتَشَهَّدُ) یعنی صرف عبدہ و رسولہ تک تشہد پڑھے اور اسے اصح قول پر سہو کے تشہد میں درود اور دعاؤں سے مکمل کرے۔

3971_(قولہ: ثُمَّ يَتَشَهَّدُ) یعنی یہ تشہد پڑھنا واجب ہے اور قعدہ سے شارح خاموش رہے کیونکہ تشہد کو قعدہ لازم ہے کیونکہ قعدہ میں ہی تشہد پایا جاتا ہے۔

3972_(قولہ: لِأَنَّهُ يَبْطُلُ الخ) یعنی سجدہ صلبیہ کی طرف لوٹنا تشہد کو باطل کر دیتا ہے۔ یعنی قعدہ کے ساتھ تشہد کو باطل کر دیتا ہے اما السهوية فترفع التشهد لا القعدة کے قول کے قرینہ کی وجہ سے ''ح''۔ رہا سجدہ صلبیہ کی طرف لوٹنے سے قعدہ کا بطلان...... سجدہ صلبیہ وہ ہوتا ہے جو نماز کا جز ہوتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ قعدہ اور اس کے ماقبل ارکان میں ترتیب شرط ہے۔ وہ اخیر میں نہیں ہو سکتا مگر تمام ارکان کے مکمل کرنے کے ساتھ۔ اور رہا سجدہ تلاوت کی طرف لوٹنے کے ساتھ قعدہ کا بطلان تو امام ''طحطاوی'' نے فرمایا: چونکہ سجدہ تلاوت نماز میں واقع ہوتا ہے تو اسے سجدہ صلبیہ کا حکم دیا گیا بخلاف اس کے جب اسے بالکل ہی چھوڑ دے۔ ''الرحمتی'' نے فرمایا: کیونکہ یہ قراءت کے تابع ہے جو نماز کا رکن ہے پس اس نے قراءت کا حکم لے لیا۔ پس اس سے قعدہ کا مؤخر کرنا لازم ہوا۔

3973_(قولہ: أَمَّا السَّهْوِيَّةُ) یعنی سجدہ سہویہ۔ اس سے مراد جنس ہے۔ کیونکہ سجدہ سہویہ دو سجدے ہوتے ہیں۔ ''طحطاوی''۔

3974_(قولہ: فَتَرْفَعُ التَّشَهُّدَ) یعنی سجدہ سہو تشہد کو باطل کر دیتا ہے۔ کیونکہ یہ اس کی مثل واجب ہے۔ پس اس کا

حَتّٰى لَوْ سَلَّمَ بِمُجَرَّدِ رَفْعِهِ مِنْهَا لَمْ تَفْسُدْ، بِخِلَافِ تِلْكَ السَّجْدَتَيْنِ (وَ تَعْدِيلُ الْأَرْكَانِ) أَيْ تَسْكِينُ الْجَوَارِحِ قَدْرَ تَسْبِيحَةٍ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ، وَكَذَا فِي الرَّفْعِ مِنْهُمَا عَلَى مَا اخْتَارَهُ الْكَمَالُ،

حتیٰ کہ اگر سجدہ سہو سے سر اٹھانے کے ساتھ سلام پھیر دیا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی بخلاف ان دو سجدوں کے۔ تعدیل ارکان واجب ہے یعنی رکوع اور سجود میں ایک تسبیح کی مقدار اعضاء کو ساکن کرنا واجب ہے۔ اسی طرح رکوع اور سجود سے اٹھنے میں ایک تسبیح کی مقدار اعضاء کو ساکن کرنا واجب ہے۔ یہ اس کی بناء پر ہے جس کو ''الکمال'' نے پسند کیا ہے۔

اعادہ واجب ہے۔ قعدہ کو باطل نہیں کرتا کیونکہ وہ رکن ہے پس یہ اس سے اقویٰ ہے۔

3975۔ (قولہ: بِمُجَرَّدِ رَفْعِهِ مِنْهَا) یعنی بغیر قعود اور بغیر تشہد کے سجدہ سہو یہ سے سر اٹھانے کے ساتھ سلام پھیر دیا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوئی۔ کیونکہ قعدہ جو رکن تھا وہ باطل نہ ہوا۔ پس تشہد جو واجب تھا اس کو ترک کرنے سے اس کی نماز فاسد نہ ہوئی۔

3976۔ (قولہ: بِخِلَافِ تِلْكَ السَّجْدَتَيْنِ) یعنی سجدہ صلبیہ اور سجدۂ تلاویہ کے خلاف۔ کیونکہ اگر ان سے سر اٹھانے کے ساتھ سلام پھیر دیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ دونوں سجدے قعدہ کو باطل کر دیتے ہیں۔

کبھی مفرد اسم اشارہ سے تثنیہ اسم کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے

جیسا کہ یہاں ہے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ (البقرہ: 68) یعنی بین الفارض والبکر۔

اسی طرح شاعر کا قول ہے۔

ان للخير و للشر مدىً و كلا ذالك وجه و قبل

بے شک خیر اور شر کی ایک حد ہے اور ان دونوں میں سے ہر اک کی جہت اور راستہ ہے۔

محل استدلال ذالک ہے اس کا مشار الیہ دو چیزیں ہیں یعنی الخیر اور الشر۔

3977۔ (قولہ: وَتَعْدِيلُ الْأَرْكَانِ) ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک تعدیل ارکان سنت ہے ''الجرجانی'' کی تخریج میں۔ اور ''الکرخی'' کی تخریج میں واجب ہے۔ حتیٰ کہ تعدیل ارکان ترک کرنے کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔ اسی طرح ''الہدایہ'' میں ہے۔ دوسرے قول پر ''الکنز''، ''الوقایہ''، ''الملتقی'' میں جزم کیا ہے۔ یہی دلائل کا مقتضا ہے جیسا کہ آگے (مقولہ 3979 میں) آئے گا۔ ''البحر'' میں فرمایا: اس سے ''الجرجانی'' کا قول کمزور ہو جاتا ہے۔

3978۔ (قولہ: وَكَذَا فِي الرَّفْعِ مِنْهُمَا) یعنی رکوع سے اٹھنے میں اور دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے میں تعدیل واجب ہے۔ شارح کا کلام نفس قومہ اور جلسہ کے وجوب کو متضمن ہے۔ کیونکہ رکوع اور سجدوں سے اٹھنے کے وجوب سے قومہ اور جلسہ کا وجوب لازم ہے۔

3979۔ (قولہ: عَلَى مَا اخْتَارَهُ الْكَمَالُ) ''البحر'' میں فرمایا: دلیل کا مقتضا، رکوع، سجود، قومہ اور جلسہ میں طمانینت

......	......	......	......	......	......	......	......	......	......

کا وجوب اور رکوع سے اٹھنے اور دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کا وجوب ان تمام پر مواظبت کی وجہ سے ہے۔ اور نماز میں کوتاہی کرنے والے کی حدیث میں تعدیل کے حکم کی وجہ سے ہے اور اس وجہ سے ہے جو ''قاضی خان'' نے بھول کر رکوع سے سر اٹھانے کے ترک کی وجہ سے سجدہ سہو کے لازم ہونے کا ذکر کیا ہے۔ اور اسی طرح ''المحیط'' میں ہے۔ پس دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کا حکم بھی اسی طرح ہوگا۔ کیونکہ قومہ اور جلسہ میں کلام ایک ہے اور تمام کے وجوب کا قول محقق ''ابن الہمام'' اور ان کے شاگرد ''ابن امیر حاج'' کا مختار ہے حتیٰ کہ فرمایا: یہی درست ہے۔ اللہ تعالیٰ درست قول کی توفیق دینے والا ہے۔

جب روایت درایت کے موافق ہو تو درایت سے عدول نہیں ہونا چاہئے

''شرح المنیہ'' میں فرمایا: درایت یعنی دلیل سے عدول نہیں ہونا چاہئے جب روایت درایت کے موافق ہو اس بناء پر جو ''فتاویٰ قاضی خان'' کے حوالہ سے گزر چکا ہے۔ اس کی مثل وہ ہے جو ''القنیہ'' میں ہے کہ ''قاضی الصدر'' نے اپنی ''شرح'' میں تمام ارکان کی تعدیل میں بہت زیادہ شدت فرمائی ہے۔ پھر فرمایا: امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر رکن کو مکمل کرنا واجب ہے۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرض ہے۔ پس وہ رکوع اور سجود اور ان کے درمیان قومہ میں ٹھہرے حتیٰ کہ ہر عضو مطمئن ہو جائے۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ حتیٰ کہ اگر اس کو ترک کیا یا ان میں سے کسی چیز کو چھوڑا تو سجدہ سہو لازم ہوگا۔ اگر جان بوجھ کر ان کو چھوڑا تو سخت مکروہ ہے اور اسے نماز کا اعادہ کرنا لازم ہے۔ اور ترتیب وغیرہ کے سقوط کے حق میں معتبر ہوگا جیسے کسی نے جنبی حالت میں طواف کیا تو اس پر اعادہ لازم ہے۔ اور معتبر پہلا قول ہے اسی طرح یہ ہے۔

حاصل یہ ہے کہ روایت اور درایت کے اعتبار سے اصح قول تعدیل ارکان کا وجوب ہے۔ رہا قومہ، جلسہ اور ان کی تعدیل تو مذہب میں مشہور ان کی سنیت ہے۔ اور ان کا وجوب بھی روایت کیا گیا ہے۔ اور یہی دلائل کے موافق ہے۔ اسی پر ''الکمال'' اور ان کے بعد والے متاخرین علما کا نظریہ ہے۔ اور تو نے ''الکمال'' کے شاگرد کا قول: انه الصواب (یہی درست ہے) جان لیا ہے۔ ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ تمام فرض ہیں۔ ''المجمع'' اور ''العینی'' میں اس کو اختیار کیا ہے۔ اور ''الطحاوی'' نے ائمہ ثلاثہ سے اس کو روایت کیا ہے۔ اور ''الفیض'' میں فرمایا: یہی احوط ہے۔

اور یہی امام ''مالک''، امام ''شافعی'' اور امام ''احمد'' رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب ہے۔ اور علامہ ''البرکلی'' کا ایک رسالہ ہے جس کا نام انہوں نے (معدل الصلوٰۃ) رکھا ہے اس میں انہوں نے اس مسئلہ کی خوب وضاحت کی ہے۔ اور اس میں وجوب کے دلائل بڑی شرح و بسط سے بیان فرمائے ہیں اور تعدیل ارکان کو ترک کرنے پر جو آفات مرتب ہوتی ہیں ان کا ذکر کیا ہے اور ان آفات کو تیس تک پہنچایا ہے۔ اور ایک دن اور ایک رات کی نمازوں میں جو مکروہات حاصل ہوتے ہیں ان کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ تقریباً تین سو پچاس سے زائد تک پہنچائے ہیں۔ پس اس کی طرف رجوع اور اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

لَكِنَّ الْمَشْهُورَ أَنَّ مُكَمِّلَ الْفَرْضِ وَاجِبٌ وَمُكَمِّلَ الْوَاجِبِ سُنَّةٌ ، وَعِنْدَ الثَّانِي الْأَرْبَعَةُ فَرْضٌ (وَالْقُعُودُ الْأَوَّلُ) وَلَوْفِي نَفْلٍ

لیکن مشہور یہ ہے کہ فرض کو مکمل کرنے والی چیز واجب ہے اور واجب کو مکمل کرنے والی چیز سنت ہے۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چاروں فرض ہیں۔ پہلا قعدہ واجب ہے اگرچہ نفل میں ہو

3980۔(قولہ: لَكِنَّ الْمَشْهُورَ) یہ وکذا فی الرفع منہما کے قول پر استدراک ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ رکوع اور سجود کی تعدیل کا وجوب ظاہر ہے قاعدہ مشہورہ کے موافق ہے لیکن تعدیل ان کو مکمل کرنے والا ہے۔

رہا قومہ اور جلسہ کی تعدیل کا وجوب تو یہ غیر ظاہر ہے۔ کیونکہ قومہ اور جلسہ جب واجب ہیں اس بنا پر جس کو ''الکمال'' نے اختیار کیا ہے تو ان میں تعدیل کا سنت ہونا لازم آتا ہے۔ کیونکہ واجب کو مکمل کرنے والا سنت ہوتا ہے۔ پس یہ قاعدہ ''الکمال'' کے مختار کا موافق نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا مختار تمام میں وجوب کا قول ہے۔ اور نہ یہ اس کے موافق ہے جو امام ''طحاوی'' نے ائمہ سے روایت کیا ہے کہ یہ تمام میں فرض ہے، اور نہ یہ اس کے موافق ہے جو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مشہور ہے۔ کیونکہ یا تو تعدیل سنت ہے تمام میں ''الجرجانی'' کی تخریج پر، یا تعدیل ارکان میں وجوب اور باقی میں سنت ہے ''الکرخی'' کی تخریج پر۔ کیونکہ جیسا کہ ''شرح المنیہ'' وغیرہ میں ہے کہ انہوں نے رکوع اور سجود میں طمانینت کے درمیان اور قومہ اور جلسہ کے درمیان فرق کیا ہے۔ کیونکہ پہلا مقصود لذاتہ رکن کو مکمل کرنے والا ہے اور وہ رکوع اور سجود ہے اور آخری دو مقصود لغیرہ رکن کو مکمل کرنے والے ہیں اور وہ انتقال ہے۔ پس دونوں مکمل کے درمیان فرق کے اظہار کے لئے دونوں سنت ہیں۔ فافہم۔

''حلبی'' نے اس کا جواب دیا ہے کہ قاعدہ کی مخالفت کچھ مضر نہیں جب دلیل اس کا تقاضا کرے۔

میں کہتا ہوں: جو الشارح نے قاعدہ ذکر کیا ہے وہ ''الدرر'' سے ماخوذ ہے۔ اور ''العزمیہ'' میں اس پر اعتراض کیا ہے کہ اس کے لئے صحت کی کوئی وجہ نہیں۔ فرمایا: شاید اس کا منشا وہ ہے جو ''الخلاصہ'' میں ہے کہ واجب فرائض کو مکمل کرنے کے لئے ہوتے ہیں اور سنن واجبات کو مکمل کرنے کے لئے ہوتے ہیں اور آداب سنن کی تکمیل کے لئے ہوتے ہیں۔ اور تو یہ نہ سوچ کہ اس کا یہ معنی نہیں۔ پس غور کرنا چاہئے۔ یعنی اس کا معنی ہے کہ واجب فرائض کو مکمل کرنے کے لئے مشروع کیے گئے ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ جو فرض کو مکمل کرتا ہے وہ واجب ہوتا ہے۔

3981۔(قولہ: وَعِنْدَ الثَّانِي الْأَرْبَعَةُ فَرْضٌ) یعنی فرض عملی میں جن کے فوت ہونے سے جواز فوت ہو جاتا ہے جیسا کہ ہم نے الفرائض کی بحث کے آخر میں اس کا بیان پیش کیا ہے۔

3982۔(قولہ: وَلَوْفِي نَفْلٍ) اگرچہ نفل کی ہر دو رکعت علیحدہ نماز ہیں حتیٰ کہ اس کی تمام رکعتوں میں قراءت فرض کی گئی ہے۔ لیکن قعدہ نماز سے نکلنے کے لئے فرض کیا گیا ہے۔ پس جب وہ تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوا تو ظاہر ہوا کہ اس سے پہلے جو کچھ تھا وہ نماز کے خروج کا وقت نہ تھا۔ پس وہ قعدہ فرض باقی نہ رہا۔ اس کی مکمل بحث حاشیہ ''حلبی'' میں ''البحر'' کی وتر کے حوالہ سے ہے۔

فِي الْأَصَحِّ وَكَذَا تَرْكُ الزِّيَادَةِ فِيهِ عَلَى التَّشَهُّدِ، وَأَرَادَ بِالْأَوَّلِ غَيْرَ الْأَخِيرِ لَكِنْ يَرِدُ عَلَيْهِ لَوْ اسْتَخْلَفَ مُسَافِرٌ سَبَقَهُ الْحَدَثُ مُقِيمًا فَإِنَّ الْقُعُودَ الْأَوَّلَ فَرْضٌ عَلَيْهِ وَقَدْ يُجَابُ بِأَنَّهُ عَارِضٌ

اصح قول میں۔اسی طرح پہلے قعدہ میں تشہد پر زیادتی کو ترک کرنا واجب ہے اور اول قعدہ سے مراد آخری قعدہ کے علاوہ ہے لیکن اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے اگر وہ مسافر مقیم کو خلیفہ بنادے جس کو حدث لاحق ہو گیا تو پہلا قعدہ اس پر فرض ہے۔کبھی جواب دیا جاتا ہے یہ فرضیت عارضی ہے۔

3983۔(قوله: فِي الْأَصَحِّ) نفل کے ہر دو رکعت کے قعدہ کے فرض ہونے میں امام ''محمد'' کا قول مختلف ہے۔ ''الطحاوی'' اور ''الکرخی'' کے لئے شیخین کے قول میں ہے کہ غیر نفل میں یہ قعدہ سنت ہے۔لیکن ''النہر'' میں ہے: ''البدائع'' میں فرمایا: ہمارے اکثر مشائخ اس پر سنت کے نام کا اطلاق کرتے ہیں یا تو اس لئے کہ اس کا وجوب سنت سے معروف ہے یا اس لئے کہ یہ سنت موکدہ ہے جو واجب کے معنی میں ہے۔یہ اختلاف کے اٹھانے کا تقاضا کرتا ہے۔

3984۔(قوله: وَكَذَا تَرْكُ الزِّيَادَةِ فِيهِ عَلَى التَّشَهُّدِ) فيه کی ضمیر کو تشہد کے لئے لوٹانا صحیح نہیں ہے بخلاف ان کے جنہوں نے یہ وہم کیا ہے اگر چہ تشہد کے کلمات کے درمیان میں زیادتی کا ترک بھی واجب ہے جس طرح اس پر زیادتی کا ترک واجب ہے۔یعنی اس کو مکمل کرنے کے بعد جیسا کہ آگے آئے گا۔پس ''حلبی'' نے جو ضمیر کو پہلے قعدہ کی طرف لوٹانے کا کہا تھا وہ متعین ہو گیا یعنی فرض اور سنت مؤکدہ میں۔کیونکہ نفل میں یہ مطلوب ہے۔اور کم از کم زیادتی جو واجب کو فوت کر دیتی ہے وہ اللهم صل على محمد کی مقدار ہے۔یہ مذہب کے مطابق ہے جیسا کہ آئندہ فصل میں آئے گا۔

3985۔(قوله: وَأَرَادَ بِالْأَوَّلِ غَيْرَ الْأَخِيرِ) تا کہ اس صورت کو شامل ہو جائے کہ جب کوئی نفل کی ہزار رکعت ایک سلام کے ساتھ پڑھے تو آخری قعدہ کے علاوہ ہر قعدہ واجب ہے۔اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ آخری قعدہ فرض ہے خواہ کسی نماز میں ہو۔اور وہ قعدہ اس سے مستثنیٰ ہے جو سجدہ سہو کے بعد ہوتا ہے۔کیونکہ وہ واجب ہے فرض نہیں۔کیونکہ آگے آئے گا کہ تشہد کو اٹھا دیتا ہے یہ قعدہ کو نہیں۔اور یہ معلوم ہے کہ تشہد قعدہ کو مستلزم ہے اور یہ واجب ہے۔''حلبی''۔

3986۔(قوله: وَقَدْ يُجَابُ بِأَنَّهُ عَارِضٌ) یعنی خلیفہ بنانے کے سبب یہ فرض ہوا۔کیونکہ مسافر پر دو رکعتوں پر بیٹھنا فرض ہے۔کیونکہ وہ اس کی نماز کا آخر ہے۔اور مقیم خلیفہ بننے کی وجہ سے اس کے قائم مقام ہوا تو اس پر یہ قعدہ فرض ہوا جس طرح دوسرا قعدہ فرض ہے۔بعض علماء نے فرمایا: اس کے ساتھ مسبوق کے ذریعے جواب دیا جاتا ہے جیسے مسبوق نے مغرب کی دوسری رکعت میں امام کی اقتدا کی تو دوسرا قعدہ آخری قعدہ کے علاوہ، امام کی متابعت کی وجہ سے اس پر فرض ہوا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ امام کا آخری قعدہ اپنے امام کی متابعت کی وجہ سے مسبوق پر فرض ہوا اور وہ اقتدا کی وجہ سے عارضی فرض ہے۔میں کہتا ہوں: یہ ''البحر'' اور ''النہر'' میں جو ان دونوں کے قول سے موجود ہے وہ اس کے مخالف ہے۔اول سے مراد وہ ہے جو آخیر میں نہیں ہے کیونکہ مسبوق چار رکعتوں والی نماز میں جو تین رکعتیں رہ گیا تو وہ تین قعدے کرے گا اور ان میں

(وَالتَّشَهُّدَانِ) وَيَسْجُدُ لِلسَّهْوِ بِتَرْكِ بَعْضِهِ كَكُلِّهِ وَكَذَا فِي كُلِّ قَعْدَةٍ فِي الْأَصَحِّ إِذْ قَدْ يَتَكَرَّرُ عَشْرًا؛ كَمَنْ أَدْرَكَ الْإِمَامَ فِي تَشَهُّدَيْ الْمَغْرِبِ وَعَلَيْهِ سَهْوٌ فَسَجَدَ مَعَهُ وَتَشَهَّدَ ثُمَّ تَذَكَّرَ سُجُودَ تِلَاوَةٍ فَسَجَدَ مَعَهُ وَتَشَهَّدَ ثُمَّ سَجَدَ لِلسَّهْوِ وَتَشَهَّدَ مَعَهُ ثُمَّ قَضَى الرَّكْعَتَيْنِ بِتَشَهُّدَيْنِ

اور دونوں تشہد (واجب ہیں) اور تشہد کے بعض کا ترک اس کے تمام کے ترک کی طرح ہے۔ اور اسی طرح اصح قول میں ہر قعدہ میں ہے۔ کیونکہ کبھی دس مرتبہ تشہد کا تکرار ہوتا ہے جیسے کسی نے امام کو مغرب کے دونوں تشہد میں پایا اور امام پر سجدہ سہو تھا پس مقتدی نے امام کے ساتھ سجدہ کیا اور تشہد پڑھا پھر ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کو سجدہ تلاوت یاد آیا تو مقتدی نے اس کے ساتھ سجدہ کیا اور تشہد پڑھا پھر سجدہ سہو کیا اور امام کے ساتھ تشہد پڑھا پھر دو تشہدوں کے ساتھ دو رکعتیں ادا کیں

سے واجب اخیری قعدہ کے علاوہ ہیں۔ اس پر دلیل وہ مسئلہ ہے جو باب الامامۃ میں آئے گا کہ مسبوق اگر سلام سے پہلے امام کے تشہد کی مقدار بیٹھنے سے پہلے کھڑا ہو جائے۔ پھر اگر اس نے قیام میں اتنی مقدار قراءت کر لی جس کے ساتھ نماز جائز ہوتی ہے امام کے تشہد سے فارغ ہونے کے بعد تو اس کی نماز جائز ہوگی ورنہ نہیں۔ اس کا مکمل بیان (مقولہ 5007 میں) آگے آئے گا۔ اگر اس پر بیٹھنا فرض ہوتا تو یہ تفصیل صحیح نہ ہوتی اور اس کی نماز مطلقاً باطل ہوتی۔ ''فافہم''

3987۔ (قولہ: وَالتَّشَهُّدَانِ) یعنی پہلے قعدہ کا تشہد اور آخری قعدہ کا تشہد۔ اور ''ابن مسعود'' سے مروی تشہد واجب نہیں بلکہ یہ ''ابن عباس'' وغیرہ کے تشہد سے افضل ہے۔ اور وہ اس کے خلاف ہے جو ''البحر'' میں بحث فرمائی ہے جیسا کہ آئندہ فصل میں (مقولہ 4359 میں) آئے گا۔

3988۔ (قولہ: بِتَرْكِ بَعْضِهِ كَكُلِّهِ) ''البحر'' کے باب سجود السہو میں کہا کہ تشہد کے ترک سے سجدہ سہو واجب ہے اگرچہ تھوڑا سا بھی ترک کیا ہو۔ یہ ''ظاہر الروایت'' میں ہے۔ کیونکہ یہ ایک منظوم ذکر ہے۔ پس اس کے بعض کا ترک تمام کے ترک کی طرح ہے۔

3989۔ (قولہ: وَكَذَا فِي كُلِّ قَعْدَةٍ) اس کے ساتھ متن پر تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ تعبیر کرنے کی وجہ سے تورک کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ اگر مفرد ذکر کرتے تو یہ اسم جنس ہوتا جو ہر تشہد کو شامل ہوتا جیسا کہ ''البحر'' میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ''حلبی''۔

3990۔ (قولہ: فِي الْأَصَحِّ) اس کا مقابل وہ قول ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اخیری قعدہ کے علاوہ ہر قعدہ میں تشہد سنت ہے۔

3991۔ (قولہ: فِي تَشَهُّدَيْ الْمَغْرِبِ) یعنی مغرب کے دونوں تشہدوں میں سے پہلے تشہد میں اقتدا کی تو اس نے امام کو دونوں تشہدوں میں پایا۔

اور شارح کا قول وعلیہ یعنی امام پر سہو ہو تو مقتدی امام کے ساتھ سجدہ کرے گا کیونکہ مقتدی پر امام کی متابعت واجب

وَوَقَعَ لَهُ كَذٰلِكَ قُلْت وَمِثْلُ التِلَاوِيَةِ تَذَكُّرُ الصُّلْبِيَّةِ؛ فَلَوْفَرَضْنَا تَذَكُّرَهَا أَيْضًا لَهُمَا زِيدَ أَرْبَعٌ أُخَرُ

پھر مقتدی کے لئے ایسا ہی واقع ہوا۔ میں کہتا ہوں: سجدۂ تلاوت کی مثل صلبیہ کو یاد کرنا ہے پس اگر ہم اس کو بھی فرض کر لیں تو امام اور مقتدی دونوں کے لئے مزید چار تشہد لازم آئیں گے اس کی وجہ سے

ہے اور و تشھد یعنی مقتدی امام کے ساتھ تشہد پڑھے گا کیونکہ سجدہ سہو تشہد کو اٹھا دیتا ہے۔ ثم تذکر یعنی امام کو سجدہ تلاوت یاد آیا۔ فسجد یعنی مقتدی امام کے ساتھ سجدہ کرے کیونکہ سجدہ تلاوت قعدہ کو اٹھا دیتا ہے۔ ثم یسجد یعنی مقتدی امام کے ساتھ سہو کے لئے سجدہ کرے۔ کیونکہ سجدہ شمار نہیں کیا جاتا مگر جب وہ نماز کے افعال کو ختم کرنے والا واقع ہو۔ و تشھد یعنی مقتدی امام کے ساتھ تشہد پڑھے کیونکہ سجدہ سہو تشہد کو اٹھا دیتا ہے۔ ثم قضٰی پھر مقتدی دو تشہدوں کے ساتھ دو رکعت ادا کرے گا۔ کیونکہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ مسبوق اپنی نماز کے آخر کو افعال کی حیثیت سے قضا کرے گا۔ پس اس حیثیت سے جو اس نے امام کے ساتھ نماز پڑھی وہ اس کی نماز کا آخر ہے۔ اور جب اس نے ایک رکعت پڑھی جو اس پر لازم تھی تو وہ اس کی نماز کی دوسری رکعت تھی۔ پس وہ قعدہ کرے گا پھر ایک رکعت پڑھے گا اور قعدہ کرے گا۔ ''حلبی''۔

3992۔ (قوله: وَوَقَعَ لَهُ) یعنی مقتدی کے لئے واقع ہوا۔ کذالك یعنی اس کی مثل واقع ہوا جو امام کے لئے واقع ہوا اس طرح کہ وہ بقیہ نماز کو قضا کرتے ہوئے بھول گیا پھر اس نے سجدہ کیا اور تشہد پڑھا پھر اسے سجدہ تلاوت یاد آیا پھر اس کا سجدہ کیا اور تشہد پڑھا پھر سہو کے لئے سجدہ کیا اور تشہد پڑھا اس وجہ سے جو ہم نے ذکر کی۔ ''حلبی''۔

3993۔ (قوله: وَمِثْلُ التِّلَاوَةِ تَذَكُّرُ الصُّلْبِيَّةِ) یعنی نماز کا سجدہ یاد آنا سجدہ تلاوت کی مثل ہے پہلے قعدہ کو باطل کرنے میں اور سجدہ سہو کے اعادہ میں۔ ''طحطاوی''۔

3994۔ (قوله: لَهُمَا) یعنی امام اور مقتدی کے لئے۔

3995۔ (قوله: زِيدَ أَرْبَعٌ) یہ اس طرح ہے کہ امام کو نماز کا سجدہ یاد آیا پانچواں قعدہ کرنے کے بعد پھر مقتدی نے اس کے ساتھ یہ سجدہ کیا اور تشہد پڑھا کیونکہ قعدہ اٹھ گیا ہے۔ پھر امام کے ساتھ سہو کا سجدہ کیا اور تشہد پڑھا اس وجہ سے جو ہم نے پہلے بیان کی ہے۔ پھر مقتدی کے لئے اسی کی مثل واقع ہوا۔ پس یہ چودہ قعدہ ہو جائیں گے۔ لیکن یہ اس صورت میں ہے جب نماز کے سجدہ کا یاد آنا سجدہ تلاوت سے مؤخر ہو جیسا کہ فرض کیا گیا ہے، یا اس کے الٹ ہو اس طرح کہ سجدہ تلاوت کا یاد آنا نماز کے سجدہ سے مؤخر ہو۔ رہی یہ صورت کہ دونوں اکٹھے یاد آئیں، پھر یا تو یہ یاد آنا اخیری قعدہ سے پہلے ہو گا یا اس کے بعد ہو گا، سجدہ سہو کے تشہد سے پہلے ہو گا یا بعد میں ہو گا۔ اگر اخیری قعدہ سے پہلے دونوں سجدے یاد آئیں تو وہاں صرف تین سجدے ہوں گے۔ اور اگر قعدہ کے بعد دونوں یاد آئیں سجدہ سہو کے تشہد سے پہلے تو چار سجدے ہوں گے۔ اور اگر سجدہ سہو کے تشہد کے بعد یاد آئیں تو پانچ سجدے ہوں گے۔ اور اس کی مثل مقتدی میں ہو سکتا ہے تو یہ کل دس سجدے ہوں گے۔

پھر تم جان لو کہ جب اسے وہ دونوں اکٹھے یاد آئیں تو ان کے درمیان ترتیب واجب ہے۔ اگر سجدہ تلاوت اور سجدہ صلبیہ ایک رکعت میں ہوں، یا سجدہ صلبیہ بعد والی رکعت سے ہو تو سجدہ تلاوت کی تقدیم واجب ہے۔ اگر سجدہ تلاوت پہلی

لِمَا مَرَّ، وَلَوْ فَرَضْنَا تَعَدُّدَ التِّلَاوِيَّةِ وَالصُّلْبِيَّةِ لَهُمَا أَيْضًا زِيدَ سِتٌّ أَيْضًا، وَلَوْ فَرَضْنَا إِدْرَاكَهُ لِلْإِمَامِ سَاجِدًا وَلَمْ يَسْجُدْهُمَا مَعَهُ فَمُقْتَضَى الْقَوَاعِدِ أَنَّهُ يَقْضِيهِمَا

جو گزر چکا ہے اور اگر ہم متعدد سجدۂ تلاوت اور صلبیہ کو فرض کر لیں تو مزید چھ تشہد دونوں کے لئے ہوں گے۔ اور اگر ہم فرض کر لیں کہ اس نے اپنے امام کو سجدہ کرتے ہوئے پایا اور اس کے ساتھ اس نے دونوں سجدے نہ کئے تو قواعد کے مطابق وہ انہیں قضا کرے گا

رکعت کا ہو تو صلبیہ کو مقدم کرے جیسا کہ ''البحر'' کے باب سجود السہو میں ہے۔ ''حلبی''۔

3996۔(قولہ: لِمَا مَرَّ) یعنی سجدہ تلاوت کے بعد سہو کے لئے سجدہ کرے۔ ''حلبی''۔

3997۔(قولہ: تَعَدُّدَ التِّلَاوِيَّةِ وَالصُّلْبِيَّةِ) یعنی صرف دو مرتبہ، ایک مرتبہ پہلے اور ایک یہ۔ ''حلبی''۔

3998۔(قولہ: زِيدَ سِتٌّ أَيْضًا) اس کی صورت یہ ہے کہ ساتویں قعدہ کے بعد دوسرا صلبیہ سجدہ یاد آیا۔ پس اس نے وہ سجدہ کیا اور تشہد پڑھا پھر سہو کا سجدہ کرنے سے پہلے دوسرا سجدہ تلاوت یاد آیا پھر اس کا سجدہ کیا اور تشہد پڑھا پھر سجدہ سہو کیا اور تشہد پڑھا تو یہ تین ہوئے۔ پھر اس کی مثل مقتدی ہے۔ پس یہ چھ ہوئے۔ رہی یہ صورت کہ جب اسے سجدہ تلاوت یاد نہ آیا مگر سجدہ سہو کے تشہد کے بعد تو یہ آٹھ صورتیں ہو جائیں گی۔ ''حلبی''۔

میں کہتا ہوں: اکثر نسخوں میں زید ستون کے الفاظ ہیں اور اس کی صورت یہ ہے کہ اسے ساتویں قعدہ کے بعد متواتر دوسرے دو صلبی سجدے یاد آئے اور اس نے ان میں سے ہر ایک کے بعد سجدہ کیا تو یہ چار ہو گئے پھر اسے یکے بعد دیگرے بقیہ آیات سجدہ یاد آئیں اور وہ تیرہ آیات ہیں اور وہ ان میں سے ہر ایک کے بعد سجدہ کرے گا تو یہ چھبیس ہوئے۔ پس مجموعہ تیس ہوا۔ اور جب اس کی مثل مقتدی کے لئے واقع ہوا تو ساٹھ ہوئے۔ پھر جب ان کے ساتھ چودہ وہ ملائے گئے جن کو شارح نے پہلے بیان کیا تھا اور چار آنے والے جو ولو فرضنا کے قول کے تحت بیان ہوتے ہیں تو یہ کل اٹھہتر 78 ہوئے۔ آنے والے قول فی ثمانیہ و سبعین کما مرّ میں ان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ پس بہتر وہی ہے جو غالب نسخوں میں ہے۔

3999۔(قولہ: وَلَوْ فَرَضْنَا إِدْرَاكَهُ الخ) اس کی صورت یہ ہے کہ مقتدی نے امام کو پایا جبکہ وہ دوسری رکعت کے پہلے سجدہ میں تھا اور وہ امام کے ساتھ بغیر سجدہ کے بیٹھا۔ ''حلبی''۔

4000۔(قولہ: فَمُقْتَضَى الْقَوَاعِدِ أَنَّهُ يَقْضِيهِمَا) القواعد سے مراد واحد ہے اس بنا پر کہ ال جنسیۃ جمعیت کو باطل کر دیتا ہے۔ اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ جس کی اقتدا کے بعد نماز میں سے کچھ رہ جائے تو وہ اس کا اعادہ کرے لاحق کی طرح یہ اس کے حکم میں ہے۔

میں کہتا ہوں: اس وجہ سے اس قاعدہ کا عموم ہے میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے یہ ذکر کیا ہو۔ ہاں ان دونوں سجدوں کے فعل کا وجوب امام کے ساتھ مسلم ہے۔ کیونکہ متابعت واجب ہے اگرچہ وہ دونوں سجدے اس رکعت سے شمار نہ ہوں گے

فَيُزَادُ أَرْبَعٌ أُخَرُ فَتَدَبَّرْ، وَلَمْ أَرَ مَنْ نَبَّهَ عَلَى ذٰلِكَ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ

تو چار مزید تشہد زیادہ ہوں گے غور وفکر کر۔ میں نے کسی عالم کو نہیں دیکھا جس نے اس پر آگاہ کیا ہو۔

جس کو وہ قضا کرے گا۔ رہا ان دونوں سجدوں کی قضا کا لزوم تو اگر اس سے اس نے ارادہ کیا کہ وہ ان دونوں سجدوں کو اس رکعت میں ادا کرے گا جس کو وہ قضا کرے گا تو یہ بھی مسلم ہے۔ رہا یہ کہ اگر وہ ان دونوں سجدوں کو مذکورہ رکعت پر زیادہ کرنے کا ارادہ کرے جیسا کہ اس کے کلام سے متبادر ہے تو یہ نقل کا محتاج ہے۔ اور منقول متابعت کا وجوب ہے۔ اور وہ صرف ایک مکمل رکعت قضا کرے گا۔ ''البحر'' میں قضاء الفوائت سے تھوڑا پہلے فرمایا: ''الذخیرہ'' میں تصریح کی ہے کہ ان دونوں سجدوں میں متابعت واجب ہے۔ اور اس کا مقتضا یہ ہے کہ اگر وہ ان دونوں کو ترک کر دے تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ ہم نے اس میں ایک مدت توقف کیا حتیٰ کہ اس مسئلہ کو میں نے ''التجنیس'' میں دیکھا۔ اور اس کی عبارت یہ ہے کہ ایک شخص امام تک پہنچا جبکہ امام سجدہ میں تھا۔ پس مقتدی نے تکبیر کہی اور اس کے ساتھ اقتدا کی نیت کی اور کھڑا رہا۔ حتیٰ کہ امام کھڑا ہو گیا اور مقتدی نے سجدہ میں امام کی متابعت نہ کی۔ پھر اس نے بقیہ نماز میں امام کی متابعت کی۔ جب امام فارغ ہوا تو وہ کھڑا ہوا اور جو نماز پہلے گزر چکی تھی اسے قضا کیا تو اس کی نماز جائز ہوگی مگر یہ کہ وہ امام سے فارغ ہونے کے ساتھ فوت شدہ رکعت کو اس کے دونوں سجدوں کے ساتھ ادا کرے اگرچہ متابعت اس سجدہ میں واجب تھی جب وہ شروع ہوا تھا۔ انتھٰی کلام البحر

فقہا نے متابعت کے وجوب کی تصریح کی ہے۔ اور انہوں نے یہ ذکر نہیں کیا کہ وہ مکمل رکعت ادا کرے گا اور اس میں تین یا چار سجدے ادا کرے گا اس کی قضا کرتے ہوئے جس میں اس نے متابعت نہیں کی تھی اس بنا پر کہ واجب متابعت ہے اس کے فوت ہونے کے بعد اس کی قضا ممکن نہیں ہوتی۔ کیونکہ سجدہ اس پر لذاتہ واجب نہ تھا۔ کیونکہ یہ اس کی نماز سے شمار نہیں کیا جاتا۔ اس پر یہ اس لئے واجب تھا تا کہ وہ امام کی مخالفت نہ کرے۔ ہاں علماء نے تصریح کی ہے کہ سہو کے دونوں سجدے واجب ہیں اس صورت میں کہ اگر اس نے امام کی اقتدا کی جس پر سہو تھا امام کے سجدہ کرنے سے پہلے۔ اور اس نے اس میں اپنے امام کی متابعت نہ کی تو وہ استحساناً فارغ ہونے کے بعد دو سجدے ادا کرے گا۔ کیونکہ اس کی تحریمہ میں نقصان پورا نہیں ہوتا مگر دو سجدوں کے ساتھ۔ اور نقصان باقی ہے کیونکہ نقصان کو پورا کرنے والا نہیں پایا گیا۔ اسی طرح علماء نے کہا: یہ علت یہاں نہیں پائی جاتی کیونکہ اس میں یہاں اس کی تحریمہ میں نقصان نہیں ہے۔ کیونکہ نقصان اسے امام کی طرف سے آیا ہے۔ یہ میرے لئے ظاہر ہوا ہے۔ فافہم۔

4001۔ (قولہ: فَيُزَادُ أَرْبَعٌ أُخَرُ) یہ اس صورت میں فرض کیا گیا ہے جبکہ سہو کے تشہد کے بعد ان میں سے ایک یاد آئے۔ پھر وہ یہ سجدہ کرے گا اور تشہد پڑھے گا پھر سہو کے لئے سجدہ کرے گا اور تشہد پڑھے گا پھر اسے دوسرا سجدہ یاد آیا پھر اس کا سجدہ کیا اور تشہد پڑھا۔ پھر سہو کے لئے سجدہ کیا اور تشہد پڑھا۔ رہی یہ صورت کہ جب اسے دونوں سجدے اکٹھے یاد آئیں تو وہ اس تفصیل پر ہوں گے جو سجدہ تلاوت اور سجدہ صلبیہ میں گزر چکی ہے۔ پس کل قعدے اس کے مطابق جو انہوں نے ذکر کیا بیس ہو جائیں گے۔ اور سجدہ تلاوت اور صلبیہ کی تعداد میں آٹھ قعدے جو ہم نے بیان کئے اس کے مطابق یہ چھبیس قعدے ہو

(وَلَفْظُ السَّلَامِ مَرَّتَيْنِ فَالثَّانِي وَاجِبٌ عَلَى الْأَصَحِّ بُرْهَانٌ، دُونَ عَلَيْكُمْ؛ وَتَنْقَضِي قُدْوَةٌ بِالْأَوَّلِ قَبْلَ عَلَيْكُمْ عَلَى الْمَشْهُورِ عِنْدَنَا وَعَلَيْهِ الشَّافِعِيَّةُ خِلَافًا لِلتَّكْمِلَةِ

اور (نماز کے واجبات میں سے) لفظ السلام ہے دو مرتبہ اور دوسرا اسلام اصح قول پر واجب ہے ''برہان''۔ علیکم واجب نہیں اور پہلے سلام کے ساتھ اقتدا ختم ہو جاتی ہے علیکم کہنے سے پہلے ہمارے نزدیک مشہور مذہب پر۔ اسی پر شوافع کا نظریہ ہے بخلاف ''تکملہ'' کے۔

جائیں گے۔ ''حلبی''۔

میں کہتا ہوں: یہ اس نسخہ کے اعتبار سے ہے جس میں زیدَ ستُّ کہا ہے۔ وہ نسخہ جس میں ہے: زید ستون تو یہ اٹھہتر قعدے ہوئے جیسا کہ ہم نے آنے والی کلام کے مطابق اس کو (مقولہ 3998 میں) ثابت کیا ہے۔ لیکن تو نے جان لیا کہ آخری چار کی زیادتی غیر مسلم ہے۔ کیونکہ دونوں سجدوں کی قضا کا وجوب نہیں ہے جب تک نقل صریح نہ پائی جائے۔ پس باقی چوہتر رہ گئے۔

ہاں ''حلبی'' نے جو ثابت کیا ہے تلاوت اور صلبیہ سجدہ میں آٹھ قعدے تو دو سجدے زیادہ ہوں گے اس پر جو الشارح نے ذکر کیا ہے۔ پس چھہتر قعدے حاصل ہوئے۔

4002۔ (قولہ: وَلَفْظُ السَّلَامِ) اس میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ کوئی دوسرا لفظ، سلام کے قائم مقام نہیں ہو سکتا اگرچہ اس کا ہم معنی ہو جبکہ وہ السلام کہنے پر قادر ہو بخلاف نماز میں تشہد کے۔ کیونکہ تشہد عربی کے الفاظ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عربی زبان پر قدرت ہونے کے باوجود کسی زبان میں ہو تو تشہد جائز ہے۔ اسی وجہ سے لفظ التشہد نہیں کہا اور او لفظ السلام کہا لیکن صریح المنقول اس اشارہ کے مخالف ہے۔ پس آئندہ آئے گا کہ ''الزیلعی'' نے اجماع نقل کیا ہے کہ السلام لفظ عربی کے ساتھ مختص نہیں۔ اسی طرح ''البحر'' کے بعض نسخوں میں ہے۔

4003۔ (قولہ: عَلَى الْأَصَحِّ) اور بعض فقہاء نے فرمایا: دوسرا اسلام سنت ہے۔ ''فتح''۔

4004۔ (قولہ: دُونَ عَلَيْكُمْ) ہمارے نزدیک علیکم واجب نہیں۔

4005۔ (قولہ: فلو ائتم بہ...... الی قولہ ذکرہٗ ''الرملی'' الشافعی) یہ عبارت بعض نسخوں میں پائی گئی ہے۔ اور الشارح کے اس نسخہ میں نہیں ہے جس کی طرف رجوع کیا گیا ہے۔ ''قال''۔

4006۔ (قولہ: وَتَنْقَضِي قُدْوَةٌ بِالْأَوَّلِ) یعنی اقتدا پہلے سلام کے ساتھ مکمل ہو جاتی ہے۔ ''التجنیس'' میں فرمایا: امام جب اپنی نماز سے فارغ ہو گیا پھر جب السلام کہا تو ایک شخص آیا اور امام کے علیکم کہنے سے پہلے اس کی اقتدا کی تو وہ امام کی نماز میں داخل نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ سلام ہے۔ کیا تو نے ملاحظہ نہیں کیا کہ اگر نماز میں وہ بھول کر کسی کو سلام کرنے کا ارادہ کرے اور کہے السلام پھر معلوم ہوا تو خاموش ہو گیا تو اس کی نماز فاسد ہوگی۔ ''رحمتی''۔

4007۔ (قولہ: خِلَافًا لِلتَّكْمِلَةِ) یعنی ''تکملہ'' کے شارح نے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس کی تصحیح کی

(وَ) قِرَاءَةُ (قُنُوتِ الْوِتْرِ) وَهُوَ مُطْلَقُ الدُّعَاءِ وَكَذَا تَكْبِيرُ قُنُوتِهِ وَتَكْبِيرَةُ رُكُوعِ الثَّالِثَةِ زَيْلَعِيٌّ (وَتَكْبِيرَاتِ الْعِيدَيْنِ) وَكَذَا أَحَدُهَا وَتَكْبِيرُ

اور واجب ہے وتر کی دعا کا پڑھنا اور وہ مطلق دعا ہے۔ اسی طرح وتر کی قنوت کی تکبیر واجب ہے۔ اور تیسری رکعت کے رکوع کی تکبیر واجب ہے۔ ''زیلعی''۔ اور عیدین کی تکبیرات واجب ہیں۔ اور اسی طرح ان میں سے ہر تکبیر واجب ہے ا

ہے کہ تحریمہ دوسرے سلام کے ساتھ منقطع ہوتی ہے جیسا کہ اس سے پہلے بعض نسخوں میں پایا گیا ہے۔

4008۔ (قولہ: وَقِرَاءَةُ قُنُوتِ الْوِتْرِ) لفظ (قراءۃ) کا اضافہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قنوت سے مراد دعا ہے نہ کہ قیام کا لمبا ہونا ہے جیسا کہ کہا گیا ہے۔ ان دونوں کو ''المجتبیٰ'' میں حکایت کیا ہے اور اس کا ذکر اپنے محل میں آئے گا۔ ''ابن عبدالرزاق''۔ پھر قنوت کا وجوب امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر مبنی ہے۔ رہا ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک تو یہ سنت ہے۔ اس میں اسی طرح کا اختلاف ہے جس طرح کا اختلاف وتر میں ہے جیسا کہ اس کے باب میں (مقولہ 5621 میں) آئے گا۔

4009۔ (قولہ: وَهُوَ مُطْلَقُ الدُّعَاءِ) یعنی قنوت جو واجب ہے وہ کسی بھی دعا سے حاصل ہو جاتی ہے۔ ''النہر'' میں فرمایا: رہا اللھم انا نستعینك کا خصوص تو یہ صرف سنت ہے حتیٰ کہ اگر اس کے علاوہ کوئی دوسری دعا پڑھ دے تو بالاجماع جائز ہے۔

4010۔ (قولہ: وَكَذَا تَكْبِيرُ قُنُوتِهِ) یعنی وتر کی قنوت کی تکبیر۔ ''البحر'' میں باب سجود السھو میں فرمایا: اور جو قنوت کے ساتھ اس کی تکبیر لاحق کی گئی ہے وہ بھی واجب ہے۔ اور ''الزیلعی'' نے اس کے ترک کی وجہ سے سجدہ سہو کے وجوب کا جزم کیا ہے۔ اور ''الظہیریہ'' میں فرمایا: اگر اس کو ترک کر دے تو اس میں کوئی روایت نہیں۔ اور بعض علماء نے فرمایا: عید کی تکبیرات کے اعتبار سے سجدہ سہو واجب ہے۔ بعض نے فرمایا: سجدہ سہو واجب نہیں۔ عدم وجوب کو ترجیح دینی چاہئے۔ کیونکہ یہ اصل ہے اولاً اس پر کوئی دلیل نہیں ہے بخلاف عید کی تکبیرات کے۔

4011۔ (قولہ: وَتَكْبِيرَةُ رُكُوعِ الثَّالِثَةِ زَيْلَعِيٌّ) اسی طرح ''النہر'' میں اس کو ''الزیلعی'' کی طرف منسوب کیا ہے اور الشارح نے اس کی متابعت کی ہے۔ السید ''ابوالسعود'' نے ''حواشی مسکین'' میں باب سجود السھو میں فرمایا: ہمارے شیخ نے فرمایا: یہ سہو ہے۔ کیونکہ ''الزیلعی'' میں اس کا وجود نہیں ہے نہ باب الصلوٰۃ اور نہ باب السھو میں۔ شاید ان کی نظر اس کی طرف گئی ہو جو ''الزیلعی'' نے یہ قول ذکر کیا ہے: ولو ترك التكبيرة التي بعد القرأة قبل القنوت سجد للسهو فتوهم ان هذه تكبيرة الثالثة من الوتر و ليس كذالك و انما هي تكبيرة القنوت یعنی اگر وہ تکبیر ترک کر دی جو قنوت سے پہلے قراءت کے بعد ہے تو سہو کے لئے سجدہ کرے۔ پس انہیں وہم ہوا کہ یہ وتر کی تیسری رکعت کی تکبیر ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے یہ قنوت کی تکبیر ہے۔ اسی طرح ''الرحمتی'' نے اس پر آگاہ کیا ہے کہ انہوں نے ''الزیلعی'' میں اس کو نہیں پایا ہے۔

4012۔ (قولہ: وَتَكْبِيرَاتِ الْعِيدَيْنِ) یہ چھ تکبیریں ہیں۔ ہر رکعت میں تین تکبیریں ہیں۔

4013۔ (قولہ: وَكَذَا أَحَدُهَا) یہ اس لئے ذکر کیا کہ ہر تکبیر مستقل واجب ہے۔ ''طحطاوی''۔

رُكُوعِ رَكْعَتِهِ الثَّانِيَةِ كَلَفْظِ التَّكْبِيرِ فِي افْتِتَاحِهِ لَكِنَّ الْأَشْبَهَ وُجُوبُهُ فِي كُلِّ صَلَاةٍ بَحْرٌ، فَلْيُحْفَظْ (وَالْجَهْرُ) لِلْإِمَامِ (وَالْإِسْرَارُ لِلْكُلِّ (فِيمَا يُجْهَرُ) فِيهِ (وَيُسَرُّ) وَبَقِيَ مِنَ الْوَاجِبَاتِ إِتْيَانُ كُلِّ وَاجِبٍ أَوْ فَرْضٍ فِي مَحَلِّهِ، فَلَوْ أَتَمَّ الْقِرَاءَةَ فَمَكَثَ مُتَفَكِّرًا سَهْوًا ثُمَّ رَكَعَ أَوْ تَذَكَّرَ السُّورَةَ رَاكِعًا فَضَمَّهَا قَائِمًا

ورعیدین کی دوسری رکعت کے رکوع کی تکبیر واجب ہے جس طرح عید کے افتتاح میں تکبیر کالفظ واجب ہے لیکن اشبہ ہر نماز میں تکبیر کا وجوب ہے۔"بحر"۔ پس یادرکھنا چاہئے۔ امام کے لئے جہری نمازوں میں جہری قراءت کرنا اور سری نمازوں میں سری قراءت کرنا واجب ہے۔ اور واجبات میں سے یہ باقی ہے کہ ہر واجب یا فرض کو اپنے محل میں ادا کرنا۔ پس اگر قراءت کو مکمل کیا پھر بھول کر سوچتے ہوئے ٹھہرا رہا پھر رکوع کیا یا رکوع کی حالت میں سورت کو یاد کیا پھر کھڑے ہوکر سورت کو ملایا

4014۔(قولہ: كَلَفْظِ التَّكْبِيرِ فِي افْتِتَاحِهِ) یعنی عید کی نماز کے شروع میں تکبیر واجب ہے۔ بقیہ نمازوں میں واجب نہیں جیسا کہ "المستصفی" اور "نورالایضاح" میں ہے۔

4015۔(قولہ: لَكِنَّ الْأَشْبَهَ وُجُوبُهُ) یعنی ہر نماز میں تکبیر کا لفظ واجب ہے حتیٰ کہ اللہ اکبر کے بغیر شروع کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اسی طرح "الملتقی" کی شرح میں ہے۔

4016۔(قولہ: وَالْجَهْرُ لِلْإِمَامِ) لام بمعنی علی ہے جیسے وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا (الاسراء: 7) میں لام بمعنی علی ہے۔ امام کے ذکر کے ساتھ منفرد سے احتراز کیا ہے کیونکہ اسے جہر اور اسرار میں اختیار ہوتا ہے۔

اور وَالْإِسْرَارُ لِلْكُلِّ یعنی امام اور منفرد کے لئے سری نماز میں سری قراءت کرنا واجب ہے۔ اور فیما یجھر و یسر کے قول میں لف ونشر ہے۔ یعنی جہری نماز میں امام پر جہری قراءت واجب ہے اور وہ صبح کی نماز ہے اور مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعتیں ہیں اور نماز عیدین، جمعہ، تراویح اور رمضان میں وتر کی نماز ہے۔ اور سری نمازوں میں امام اور منفرد پر سری قراءت واجب ہے اور وہ ظہر اور عصر کی نماز ہے۔ مغرب کی تیسری رکعت ہے، عشاء کی آخری دو رکعتیں ہیں اور نماز کسوف اور نماز استسقا ہے جیسا کہ "البحر" میں ہے۔ لیکن امام پر ان نمازوں میں سری قراءت کرنا بالاتفاق واجب ہے۔ رہا منفرد تو "البحر" میں فرمایا: انه اصح یعنی اس کے متعلق اسرار اصح ہے۔ اور آئندہ فصل میں ذکر کیا ہے کہ یہی مذہب سے ظاہر ہے۔ اس میں کلام ہے تو اسے آئندہ فصل میں (مقولہ 4521 میں) جان لے گا۔

4017۔(قولہ: فَلَوْ أَتَمَّ الْقِرَاءَةَ) اور بعض نسخوں میں ہے: فلو اتم الفاتحة یہ فرض کی اپنے محل سے موخر کرنے کی مثال ہے اور وہ یہاں رکوع ہے۔

4018۔(قولہ: أَوْ تَذَكَّرَ السُّورَةَ) یہ واجب کی اپنے محل سے تاخیر کی مثال ہے اور وہ سورت ہے۔ کیونکہ فاتحہ اور سورت کے درمیان اجنبی چیز سے فاصلہ ہو گیا ہے اور وہ فرض رکوع ہے۔ کیونکہ یہ قراءت کے درمیان واقع ہوا ہے۔ کیونکہ جب اس نے سورت پڑھی تو وہ فرض کے ساتھ لاحق ہو گئی۔ اور قراءت کے وجود کے بعد قراءت اور رکوع کے درمیان ترتیب فرض ہو گئی قراءت کے وجود سے پہلے مسئلہ اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ وہ واجب ہے جیسا کہ ہم نے قیام کی بحث میں اس کی

أَعَادَ الرُّكُوعَ وَسَجَدَ لِلسَّهْوِ وَتَرْكُ تَكْرِيرِ رُكُوعٍ وَتَثْلِيثِ سُجُودٍ وَتَرْكُ قُعُودٍ قَبْلَ ثَانِيَةٍ أَوْ رَابِعَةٍ وَكُلِّ زِيَادَةٍ تَتَخَلَّلُ بَيْنَ الْفَرْضَيْنِ

تو رکوع کا اعادہ کرے اور سجدہ سہو کرے۔ رکوع کے تکرار اور تین سجدوں کو ترک کرنا اور دوسری رکعت سے پہلے یا چوتھی رکعت سے پہلے بیٹھنے کو ترک کرنا اور ہر اس زیادتی کو ترک کرنا جو دو فرضوں کے درمیان متخلل ہو۔

تحقیق کو (مقولہ 3871 میں) پیش کیا ہے اور اس کی مزید تحقیق فصل القراءۃ کے آخر میں (مقولہ 4540 میں) آئے گی۔ قراءت اور قنوت کے درمیان فرق ہے۔ کیونکہ قنوت کے لئے نہیں لوٹتا ہے۔ اور سورت کے یاد ہونے کے ساتھ مقید کیا ہے کیونکہ اگر اس نے سورت پڑھی پھر لوٹا پھر دوسری سورت پڑھی تو اس کا رکوع ختم نہ ہوگا جیسا کہ ''الزاہدی وغیرہ'' کے حوالہ سے ''الحلبہ'' کے باب السہو میں ہے۔

4019۔ (قولہ: أَعَادَ الرُّكُوعَ) یہ دوسرے مسئلہ کے ساتھ مختص ہے اور و سجد للسھو کا قول دونوں مسئلوں کی طرف راجع ہے اور ترکیب میں کجی ہے اگر اس طرح کہتے: فضمھا قائماً واعاد الرکوع سجد للسھو تو اس سے کلام سلامت ہوتی۔ ''حلبی''۔

4020۔ (قولہ: وَتَرْكُ تَكْرِيرِ رُكُوعٍ الخ) اس کا عطف اتیان پر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ کیونکہ رکوع اور سجود کی زیادتی میں مشروع کی تبدیلی ہے۔ کیونکہ ہر رکعت میں واجب ایک رکوع اور دو سجدے ہیں۔ جب اس پر اس نے زیادتی کی تو اس نے واجب کو ترک کر دیا اور اس سے ایک دوسرے واجب کا ترک لازم آتا ہے اور وہ وہ ہے جو گزر چکا ہے یعنی فرض کو اپنے محل پر ادا کرنا۔ کیونکہ رکوع کے تکرار میں سجدہ کی اپنے محل سے تاخیر ہے اور تین سجدے کرنے میں قیام یا قعدہ کی تاخیر ہے۔ اسی طرح پہلی یا تیسری رکعت کے آخر میں قعدہ ہے۔ پس اس قعدہ کا ترک کرنا واجب ہے اور اس کے ادا کرنے سے دوسری یا چوتھی رکعت کے قیام کو اپنے محل سے مؤخر کرنا لازم آتا ہے اور یہ قعدہ طویلہ ہے۔ رہا خفیف جلسہ جس کو امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے مستحب کہا ہے اس کا ترک ہمارے نزدیک واجب نہیں ہے بلکہ وہ افضل ہے جیسا کہ آگے (مقولہ 4327 میں) آئے گا۔ اور اسی طرح دو فرضوں کے درمیان ہر زیادتی میں اس زیادتی کی وجہ سے واجب کا ترک ہوتا ہے۔ اس سے ایک دوسرے واجب کا ترک لازم آتا ہے اور وہ دوسرے فرض کو اپنے محل سے مؤخر کرنا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ الشارح کے کلام میں ان مذکورات کا ترک واجب لغیرہ ہے۔ اور وہ ہر واجب یا فرض کو اپنے محل پر ادا کرنا ہے جس کا انہوں نے پہلے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ یہ واجب متحقق نہیں ہوتا مگر ان مذکورات کو ترک کرنے کے ساتھ پس ان کا ترک واجب لغیرہ ہے۔ کیونکہ اس واجب کے اخلال سے دوسرے واجب کا اخلال لازم آتا ہے۔ یہ مثال ہے کہ فقہاء نے ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف انتقال کو فرائض سے شمار کیا ہے۔ کیونکہ یہ فرض لغیرہ ہے جیسا کہ اس کا بیان ہم نے (مقولہ 3909 میں) پہلے کیا ہے۔ پس الشارح کے کلام میں تکرار نہیں ہے۔ ''فافہم''

4021۔ (قولہ: وَكُلُّ زِيَادَةٍ الخ) کل کا لفظ مجرور ہے کیونکہ اس کا تکریر پر عطف ہے۔ یہ عام کا خاص پر عطف ہے۔

وَإِنْصَاتُ الْمُقْتَدِى
اور (واجب ہے) مقتدی کا خاموش ہونا

زیادتی میں سکوت (خاموش ہونا) بھی داخل ہے حتیٰ کہ اگر شک ہوا اور سوچتا رہا تو سجدہ سہو کرے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

اور بَيْنَ الْفَرْضَيْنِ کا قول قید نہیں ہے۔ پس فرض اور واجب کے درمیان زیادتی بھی اس میں داخل ہے جیسے پہلے تشہد اور تیسری رکعت کی طرف قیام کے درمیان زیادتی۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ دوسرے سجدہ کے بعد بلا تاخیر تشہد کو پڑھنا ہے حتیٰ کہ اگر سجدہ سے سر اٹھایا اور خاموش بیٹھا رہا تو سہو لازم ہوگا۔ اور اس سے وہ معلوم ہوا جو اکثر لوگ کرتے ہیں جب مبلغ قعدہ کی تکبیر کو لمبا کرتا ہے۔ پس لوگ تشہد کو پڑھنا شروع نہیں کرتے مگر مبلغ کے سکوت کے بعد۔ پس آگاہ رہنا چاہئے۔ ''طحطاوی'' نے فرمایا: اس سے یہ مستفاد ہوا کہ اگر رکوع کے قیام (قومہ) یا دو سجدوں کے درمیان اٹھنے (جلسہ) کو ایک تسبیح کی مقدار سے بھول کر زیادہ کیا تو سجدہ سہو لازم آئے گا۔ پس اس پر آگاہ ہونا چاہئے۔ اس کو انہوں نے کسی کی طرف منسوب نہیں کیا۔

ہاں ''ابن عبد الرزاق'' نے اپنی ''شرح'' میں جو اس شرح پر ہے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: جیسے رکوع سے سر اٹھانے کے بعد اس کا ٹھہرنے کو لمبا کرنا۔ انہوں نے بھی اس کو کسی کی طرف منسوب نہیں کیا۔ اور یہ میں نے ان دو فقہاء کے علاوہ کسی کے لئے نہیں دیکھا۔ اور یہ صریح نقل کا محتاج ہے۔ ہاں میں نے ''الحلبہ'' کے سجود السھو کے باب میں ''الذخیرہ'' اور ''التتمہ'' کے حوالہ سے ''غريب الروايه'' سے منقول دیکھا ہے کہ ''البلخی'' نے اپنی ''نوادر'' میں امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ جس کو نماز میں شک ہوا پھر قیام یا رکوع یا قومہ یا سجدہ یا قعدہ میں تفکر (سوچنا) طویل ہوا تو اس پر سجدہ سہو نہیں ہے۔ اگر دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے میں تفکر طویل ہوا تو اس پر سجدہ سہو ہے۔ کیونکہ اس کے لئے ان تمام صورتوں میں ٹھہرنے کو لمبا کرنا جائز ہے جو ہم نے بیان کی ہیں سوائے دو سجدوں کے درمیان جلسہ میں اور نماز کے وسط میں قعدہ میں۔

اور لا سھو علیہ اس پر سجدہ سہو نہیں۔ یہ قول المذہب کی کتب میں مشہور قول کے مخالف ہے۔ لیکن یہ غریب نادر روایت ہے۔ پس غور کرنا چاہئے۔ اور میں نے ''البحر'' کے باب الوتر میں ''الکنز'' کے قول: يتبع المؤتم قانت الوتر لا الفجر کے تحت دیکھا ہے کہ رکوع سے سر اٹھانے میں قیام کا طول (لمبا ہونا) مشروع نہیں ہے۔

4022۔ (قولہ: وَإِنْصَاتُ الْمُقْتَدِى) اگر امام کے پیچھے مقتدی نے قراءت کی تو یہ مکروہ تحریمی ہے اور اصح قول میں اس کی نماز فاسد نہ ہوگی جیسا کہ باب الامامہ سے تھوڑا پہلے آئے گا اور سجدہ سہو اس کو لازم نہ آئے گا اگر سہواً قراءت کرے گا۔ کیونکہ مقتدی پر سہو نہیں ہوتا اور کیا جان بوجھ کر امام کے پیچھے قراءت کرنے والے پر اعادہ لازم ہے۔ ''حلبی'' نے اس کے وجوب پر جزم کیا ہے اور ''طحطاوی'' نے اس کی اتباع کی ہے۔ اور جو ہم نے واجبات کے آغاز میں (مقولہ 3940 میں) بیان کیا ہے اس کو دیکھو۔

وَمُتَابَعَةِ الْإِمَامِ
اور امام کی متابعت کرنا

امام کی متابعت کی تحقیق

4023۔ (قولہ: وَمُتَابَعَةِ الْإِمَامِ) ''شرح المنیہ'' میں فرمایا: الارکان الفعلیۃ میں متابعت کے لزوم میں اختلاف نہیں ہے کیونکہ یہ اقتدا کا موضوع ہیں۔ اختلاف رکن قولی میں ہے اور وہ قراءت ہے۔ ہمارے نزدیک اس میں مقتدی متابعت نہیں کرے گا بلکہ غور سے سنے گا اور خاموش رہے گا اور قراءت کے علاوہ دوسرے اذکار میں امام کی متابعت کرے گا۔ حاصل یہ ہے کہ فرائض اور واجبات میں امام کی متابعت بغیر تاخیر کے واجب ہے۔ پس اگر اسے کوئی واجب لاحق ہو تو اسے فوت نہیں کرنا چاہئے بلکہ پہلے اس واجب کو ادا کرے پھر متابعت کرے جیسے اگر امام مقتدی کے تشہد مکمل کرنے سے پہلے کھڑا ہو گیا تو مقتدی اس تشہد کو مکمل کرے پھر کھڑا ہو۔ کیونکہ اس کو ادا کرنا بالکلیہ اس کی متابعت کو فوت نہیں کرتا۔ صرف اسے مؤخر کرتا ہے۔ پس دو واجبوں میں سے ایک کو مؤخر کرنا دونوں واجبوں کے ادا کرنے کے ساتھ بہتر ہے اس سے کہ ایک واجب کو کلیۃً ترک کیا جائے بخلاف اس کے جب اسے کوئی سنت عارض ہو جائے جیسے اگر امام مقتدی کے تین مرتبہ تسبیح کہنے سے پہلے سر اٹھا لیا تو اصح یہ ہے کہ وہ امام کی متابعت کرے۔ کیونکہ سنت کا ترک واجب کی تاخیر سے اولیٰ ہے۔ ''ملخصاً''

پھر وہ ذکر کیا جو اس کا حاصل ہے کہ فعلاً واجبات میں امام کی متابعت واجب ہے۔ اور اسی طرح ترکاً امام کی متابعت واجب ہے اگر اس کے فعل سے فعل میں امام کی مخالفت لازم آتی ہو جیسے اس کا قنوت ترک کرنا یا تکبیرات عید ترک کرنا یا پہلا قعدہ ترک کرنا یا سجدہ سہو ترک کرنا یا سجدہ تلاوت ترک کرنا۔ پس مقتدی بھی ان چیزوں کو ترک کرے گا۔ اور مقتدی کے لئے جائز نہیں کہ وہ امام کی متابعت کرے بدعت میں اور منسوخ حکم میں اور ایسی چیز میں جس کا نماز کے ساتھ تعلق نہیں۔ مقتدی امام کی متابعت نہیں کرے گا اگر امام زائد سجدہ کرے یا تکبیرات عید میں اقوال صحابہ پر زیادتی کرے یا جنازہ کی تکبیر میں چار پر زیادتی کرے یا بھول کر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے۔ اور فعلاً اور ترکاً سنن میں متابعت واجب نہیں۔ پس مقتدی تکبیر تحریمہ میں رفع یدین کو ترک کرنے میں، ثنا ترک کرنے میں، رکوع اور سجود کی تکبیر ترک کرنے میں، رکوع اور سجود میں تسبیح ترک کرنے میں اور تسمیع ترک کرنے میں متابعت نہیں کرے گا۔ اور اسی طرح اس واجب قولی کو ترک کرنے میں مقتدی امام کی متابعت نہیں کرے گا جس کے فعل سے واجب فعلی میں مخالفت لازم نہ آتی ہو جیسے تشہد، سلام اور تکبیر تشریق بخلاف قنوت اور تکبیرات العیدین کے۔ کیونکہ ان کے فعل سے فعل میں مخالفت لازم آتی ہے اور وہ امام کے رکوع کے ساتھ قیام ہے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ متابعت فرض نہیں ہے۔ بلکہ فرائض اور واجبات فعلیہ میں متابعت واجب ہے اور سنن میں متابعت سنت ہے۔ اسی طرح سنن کے علاوہ میں جب سنت کے معارض ہو۔ اور وہ متابعت خلاف اولیٰ ہو گی جب کوئی دوسرا واجب عارض ہو یا متابعت ترک میں ہو جس کے فعل سے واجب فعلی میں امام کی مخالفت لازم نہ آتی ہو جیسے تحریمہ کے لئے

....

ہاتھوں کو اٹھانا اور اس کی مثل دوسری چیزیں۔ اور متابعت جائز نہ ہوگی جب وہ بدعت یا منسوخ فعل میں ہو یا ایسی چیز میں ہو جس کا نماز سے کوئی تعلق نہیں ہے یا اس کے ترک میں ہو جس کے فعل سے واجب فعلی میں امام کی مخالفت لازم آتی ہو۔ اس بنا پر ''المقدمة الكيدانيه'' پر ''شرح القهستاني'' میں جو یہ قول ہے: ان المتابعة فرض كما فی الكافی وغيره و انها شرط فی الافعال دون الاذكار كما فی المنية (یعنی متابعت فرض ہے جیسا کہ ''الکافی'' وغیرہ میں ہے اور متابعت افعال میں شرط ہے اذکار میں نہیں جیسا کہ ''المنیہ'' میں ہے) اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے۔

اور اسی طرح جو ''الفتح'' اور ''البحر'' وغیرھما میں باب سجود السھو میں ہے وہ اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ مقتدی اگر پہلے قعدہ میں بھول کر کھڑا ہو گیا تو وہ لوٹ آئے اور بیٹھ جائے کیونکہ متابعت کے حکم کی وجہ سے اس پر قعدہ فرض ہے۔ حتیٰ کہ ''البحر'' میں فرمایا: اس کا ظاہر یہ ہے کہ اگر وہ نہ لوٹا تو فرض کو ترک کرنے کی وجہ سے اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ ''النہر'' میں فرمایا: مناسب یہ کہنا ہے کہ متابعت واجب میں واجب ہے، فرض میں فرض ہے۔

میں کہتا ہوں: جو ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ فقہاء نے فرض سے مراد واجب لیا ہے اور فرض میں متابعت کا فرض ہونا اپنے اطلاق پر صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے کہ مسبوق جب امام کے تشہد کی مقدار نماز کے آخر میں بیٹھنے سے پہلے کھڑا ہو جائے تو اس کی نماز صحیح ہوگی اگر اس نے امام کے تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد اتنی قراءت کر لی جس کے ساتھ نماز صحیح ہوتی ہے ورنہ نہیں حالانکہ اس نے قعدہ اخیرہ میں متابعت نہیں کی۔ اگر متابعت فرض میں مطلقاً فرض ہوتی تو اس کی نماز مطلقاً باطل ہوتی۔ ہاں متابعت اس معنی میں فرض ہے کہ وہ اپنے امام کے ساتھ یا اس کے بعد فرض کو ادا کرے جیسے اگر امام نے رکوع کیا پھر مقتدی نے اس کے ساتھ متصل رکوع کیا یا اس کے بعد رکوع کیا اور اس میں اس کے ساتھ شریک ہو گیا یا رکوع سے امام کے سر اٹھانے کے بعد شریک ہوا۔ پھر اگر اس نے بالکل رکوع نہ کیا یا رکوع کیا اور امام کے رکوع کرنے سے پہلے سر اٹھا لیا اور امام کے ساتھ یا امام کے بعد اس کا اعادہ نہ کیا تو اس کی نماز باطل ہوگی۔

متابعت کی اقسام

حاصل یہ ہے کہ متابعت فی ذاتھا تین اقسام پر مشتمل ہے۔

(۱) امام کے فعل سے متصل جیسے مقتدی اپنی تکبیر تحریمہ کو اپنے امام کی تکبیر تحریمہ سے ملائے اور رکوع کو امام کے رکوع سے ملائے اور اپنے سلام کو اپنے امام کے سلام سے ملائے۔ اور اس میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ اگر امام سے پہلے رکوع کرے اور پھر ٹھہرا رہے حتیٰ کہ اس کا امام اسے رکوع میں پالے۔

(۲) امام کے فعل کی ابتدا کرنے کے بعد فعل کو ادا کرنا اس کے باقی فعل میں شرکت کرنے کے ساتھ۔

(۳) امام کے فعل ادا کرنے کے بعد متابعت کرنا۔ پس مطلق متابعت ان تمام انواع کو شامل ہے۔ فرض میں متابعت فرض ہوگی۔ واجب میں واجب ہوگی۔ اور سنت میں سنت ہوگی جبکہ معارض نہ ہو یا مخالفت کا لزوم نہ ہو جیسا کہ ہم نے پہلے

يَعْنِي فِي الْمُجْتَهَدِ فِيهِ
یعنی ایسے مسئلہ میں جس میں اجتہاد کیا گیا ہو

(اس مقولہ میں) بیان کیا ہے۔ مسبوق کا مذکورہ مسئلہ اعتراض کا موجب نہیں۔ کیونکہ قعدہ اگرچہ فرض ہے لیکن اس نے اسے اپنی اس نماز کے آخر میں ادا کیا جو امام کے سلام کے بعد ادا کی تو پس متابعت متراخیہ پائی گئی۔ اسی وجہ سے اس کی نماز صحیح ہوئی اور عدم تاخیر کے ساتھ متقید متابعت وہ مقارنہ اور معاقبہ متابعت کو شامل ہے وہ فرض نہ ہوگی۔ بلکہ واجب میں واجب اور سنت میں سنت ہوگی جب عدم معارض اور عدم لزوم مخالفت ہوگا۔ اور متابعت بغیر تعقیب اور بغیر تراخی کے متصل ہو وہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سنت ہے اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک سنت نہیں۔ جو ''المقدمۃ الکیدانیہ'' میں ہے اس کا یہی معنی ہے کیونکہ انہوں نے متابعت کو واجبات نماز سے ذکر کیا ہے پھر اسے سنن میں ذکر کیا ہے۔ اور دوسری متابعت سے مراد متابعت مقارنۃ (متصل) ہے جیسا کہ ''القہستانی'' نے اپنی شرح میں اس کو ذکر کیا ہے۔

جب تو نے یہ جان لیا تو تیرے لئے ظاہر ہوا کہ جس نے کہا کہ متابعت فرض ہے یا متابعت شرط ہے جیسا کہ ''الکافی'' وغیرہ میں ہے تو انہوں نے اس سے مطلق متابعت مراد لی ہے اس مفہوم کے ساتھ جو ہم نے (اس مقولہ میں) ذکر کیا ہے۔ اور جنہوں نے کہا کہ متابعت واجب ہے جیسا کہ ''شرح المنیہ'' وغیرہ میں ہے تو انہوں نے عدم تاخیر کے ساتھ مقید متابعت مراد لی ہے۔ اور جنہوں کہا کہ متابعت سنت ہے انہوں نے متصل متابعت مراد لی ہے۔ سب تعریفیں اللہ کے لئے اس کی توفیق پر۔ اور میں اس سے اس کے راستہ کی ہدایت کا سوال کرتا ہوں۔

المجتہد فیہ سے مراد

4024۔ (قولہ: يَعْنِي فِي الْمُجْتَهَدِ فِيهِ) المجتہد فیہ سے مراد وہ فعل ہے جو شرعاً معتبر دلیل پر مبنی ہو اس حیثیت سے کہ اس کی وجہ سے مجتہد کے لئے دوسرے کی مخالفت جائز ہو۔ حتیٰ کہ اگر وہ ایسا فعل ہو جو حکم کے تحت داخل ہو اور حاکم نے اس کا فیصلہ کیا ہو جو اس کو صحیح سمجھتا ہو تو اس کا حکم نافذ ہوگا۔ اور جب اس کا حکم (فیصلہ) دوسرے ایسے حاکم کی طرف لے جایا گیا ہو جو اس فیصلہ کو صحیح نہ سمجھتا ہو تو اس پر اس کو قائم رکھنا واجب ہے۔ بخلاف اس کے جب وہ کوئی قول ہو جو کتاب کے مخالف ہو جیسے جان بوجھ کر بِسْمِ اللهِ چھوڑنے والے کے ذبیحہ کو حلال کہنا، یا وہ قول سنت مشہورہ کے مخالف ہو جیسے ایک گواہ اور ایک قسم پر اکتفا کرنا اور اس جیسے احکام جس کا ذکر کتاب القضاء میں (مقولہ 26296 میں) آئے گا ان شاء اللہ۔ کیونکہ اس کو مجتہد فیہ (جس میں اجتہاد کیا گیا ہو) نہیں کہا جاتا حتیٰ کہ جب اس کا فیصلہ ایسے حاکم کی طرف لے جایا گیا جو اسے صحیح نہیں سمجھتا تو وہ اسے توڑ دے گا اور اسے قائم نہیں رکھے گا۔ اور اس قول نے متفق علیہ میں متابعت کے وجوب میں بدرجہ اولیٰ فائدہ دیا، اور اس میں عدم جواز کا فائدہ دیا جو بدعت ہو یا اس کا نماز کے ساتھ تعلق نہ ہو جیسا زائد سجدہ کیا یا بھول کر پانچویں رکعت میں کھڑا ہو گیا جیسا کہ ''شرح المنیہ'' کے حوالہ سے (مقولہ 4023 میں) گزر چکا ہے۔

لَا فِي الْمَقْطُوعِ بِنَسْخِهِ أَوْ بِعَدَمِ سُنِّيَّتِهِ كَقُنُوتِ فَجْرٍ وَإِنَّمَا تَفْسُدُ بِمُخَالَفَتِهِ فِي الْفُرُوضِ

نہ اس میں متابعت کرنا جس کا منسوخ ہونا قطعی ہو یا اس کا سنت نہ ہونا قطعی ہو جیسے فجر کی قنوت اور فرض میں مقتدی کے امام کی مخالفت کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے

اور اس کی مثال جس میں متابعت واجب ہوتی ہے جس میں اجتہاد جائز ہوتا ہے وہ ہے جو ''القہستانی'' نے ''شرح الکیدانیة'' میں ''الجلابی'' کے حوالہ سے اس قول کے ساتھ ذکر کیا ہے: جیسے عید کی تکبیرات، سلام سے پہلے سجدہ سہو، وتر میں رکوع کے بعد قنوت۔

اور تکبیرات عید سے مراد ہر رکعت میں تین سے زائد تکبیرات ہیں جو صحابہ کرام کے اقوال سے خارج نہ ہوں جیسا کہ اگر اس نے اس کی اقتدا کی جو پانچ تکبیریں درست سمجھتا ہے جیسے امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ۔ اور اس کی مثال جس میں اجتہاد جائز نہیں ہوتا اس کی مثال ''شرح الکیدانیہ'' میں ''الجلابی'' کے حوالہ سے یہ دی ہے: جیسے فجر میں قنوت، جنازہ میں پانچویں تکبیر اور رکوع کی تکبیر اور تکبیرات جنازہ میں ہاتھ اٹھانا۔ فرمایا: اس میں متابعت جائز نہیں ہے۔

لیکن جنازہ کی تکبیرات میں ہاتھوں کو اٹھانا، اس کے متعلق ہمارے کثیر علماء کا قول ہے جیسے ائمہ بلخ۔ پس اس کا ان افعال سے ہونا جس میں اجتہاد جائز نہیں ہوتا محل نظر ہے۔ اسی وجہ سے ''الخیر الرملی'' نے ''البحر'' کے حاشیہ میں باب الجنازہ میں فرمایا: اس سے مستفاد ہوتا ہے یعنی جو ائمہ بلخ نے فرمایا کہ بہتر حنفی کا ہاتھ اٹھانے میں شافعی کی متابعت کرنا ہے جب وہ اس کی اقتدا کرے اور میں اس کا نظریہ نہیں رکھتا۔ یعنی اس میں ہمارے ائمہ کا اختلاف اس پر دلیل ہے کہ یہ ایسا امر ہے جس میں اجتہاد کیا گیا ہے۔ ''فتامل''

اور الاولی فرمایا یعنی فرمایا: بہتر ہے۔ اور یہ نہیں فرمایا کہ واجب ہے۔ کیونکہ متابعت واجب یا فرض میں واجب ہوتی ہے اور یہ ہاتھ اٹھانا امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب نہیں۔

4025۔ (قولہ: لَا فِي الْمَقْطُوعِ بِنَسْخِهِ) جیسے نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں کہیں۔ کیونکہ آثار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل میں مختلف ہیں۔ پانچ، سات، نو اور اس سے زیادہ تکبیرات مروی ہیں۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری فعل چار تکبیریں تھا(1) پس یہ پہلے اقوال کے لئے ناسخ ہے جیسا کہ ''الامداد'' میں ہے۔

4026۔ (قولہ: كَقُنُوتِ فَجْرٍ) کیونکہ یا تو سنت ہونے کی تقدیر پر قطعی طور پر منسوخ ہے یا دعا ہونے کی تقدیر پر سنت نہیں ہے جو ایک قوم کے خلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی تھی جیسا کہ ''الفتح'' کے کتاب النوافل میں ہے۔ یہ قطعی منسوخ کی مثال ہے یا بدل کے طریق پر عدم سنت ہونا قطعی ہے۔ ''ح''۔

4027۔ (قولہ: وَإِنَّمَا تَفْسُدُ) یعنی نماز فرض میں اس کی مخالفت کی وجہ سے فاسد ہو جائے گی۔ یہاں مخالفت سے مراد گزشتہ متابعت کی تینوں اقسام میں کسی متابعت کا نہ پایا جانا ہے۔ اور حقیقت میں فساد فرض کے ترک کی وجہ سے ہے نہ کہ

1۔ المعجم الکبیر للطبرانی، صفحہ 160/174، حدیث نمبر 11362/11403

كَمَا بَسَطْنَاهُ فِي الْخَزَائِنِ قُلْت فَبَلَغَتْ أُصُولُهَا نَيِّفًا وَأَرْبَعِينَ، وَبِالْبَسْطِ أَكْثَرَ مِنْ مِائَةِ أَلْفٍ إذْ أَحَدُهَا

جیسا کہ ہم نے ''الخزائن'' میں اس کو شرح و بسط سے لکھا ہے۔ میں کہتا ہوں: واجبات کے اصول چالیس سے زائد کو پہنچ گئے ہیں اور (مزید) پھیلانے سے ایک لاکھ سے زائد ہو جاتے ہیں کیونکہ ان میں سے ایک

متابعت کے ترک کی وجہ سے۔ لیکن فساد کو متابعت کی طرف منسوب کیا گیا ہے کیونکہ اس سے فرض کا ترک لازم آتا ہے۔ اور فرض کو خاص کیا گیا ہے کیونکہ واجب یا سنت کے ترک کی وجہ سے فساد نہیں ہے۔

4028۔ (قولہ: فِي الْخَزَائِنِ) اور اس کی عبارت یہ ہے کہ متابعت کا وجوب اپنے اطلاق پر نہیں ہے بلکہ یہ کبھی فرض ہوتی ہے اور کبھی واجب ہوتی ہے اور کبھی واجب نہیں ہوتی۔ پس ''الفتح'' کے باب الوتر میں ہے۔ متابعت اس مسئلہ میں واجب ہے جس میں اجتہاد کیا گیا ہے نہ اس میں جس کا نسخ قطعی ہے یا اصل سے اس کا سنت نہ ہونا قطعی ہے جیسے فجر کی قنوت۔ اور ''العنایہ'' میں ہے: مشروع میں امام کی متابعت کرے غیر مشروع میں نہیں۔ اور ''البحر'' میں ہے: مخالفت ارکان یا شرائط میں مفسد ہے اس کے علاوہ افعال میں مخالفت مفسد نہیں۔

4029۔ (قولہ: قُلْت فَبَلَغَتْ أُصُولُهَا) متن میں جن واجبات کا ذکر ہے ان پر جن واجبات کا اضافہ کیا ہے اس پر تفریع ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کی چھ آیات ہیں اور متن میں اس کو ایک واجب شمار کیا ہے۔ اور اسی طرح عید کی تکبیرات چھ ہیں اور متن میں انہیں ایک واجب شمار کیا ہے۔ پس اس پر دس واجبات زائد ہوں گے۔ اور تعدیل ارکان کو ایک واجب شمار کیا ہے حالانکہ یہ رکوع، سجود، اور ان میں سے ہر ایک سے اٹھنے میں واجب ہے۔ پس تین واجب زائد ہوئے تو یہ کل تیرہ واجب بن گئے۔ اور چودھواں واجب پہلی دو رکعتوں کی سورت سے پہلے فاتحہ کے تکرار کو ترک کرنا ہے۔ اور پندرہ اور سولہ نمبر واجب قراءت اور رکوع میں ترتیب کی رعایت کرنا ہے اور پوری نماز میں جس فعل میں تکرار ہے اس میں ترتیب کی رعایت کرنا ہے۔ سترہ نمبر واجب تشہد پر زیادتی کو ترک کرنا ہے۔ اٹھارہ اور انیس نمبر واجب قنوت کی تکبیر اور اس کے رکوع کی تکبیر ہے۔

بیسواں اور اکیسواں واجب عید کی دوسری رکعت کے رکوع کی تکبیر ہے اور افتتاح میں تکبیر کا لفظ ہے۔ پھر و بقی من الواجبات کے قول کے تحت سات واجب ذکر کئے ہیں۔ پس یہ اٹھائیس واجب ہوئے۔ یہ تمام ''شارح'' کے کلام میں صریح ہیں۔ اور متن میں چودہ واجبات پر زائد ہیں تو یہ ضرب اور بسط کے بغیر بیالیس واجبات کو پہنچ گئے۔ اسی وجہ سے ان کو اصول کا نام دیا ہے۔

4030۔ (قولہ: وَبِالْبَسْطِ أَكْثَرَ مِنْ مِائَةِ أَلْفٍ) میں کہتا ہوں: ان میں سے اکثر عقلی صورتیں ہیں۔ خارج میں نہیں پائے جاتے جیسا کہ تم جان لو گے۔

4031۔ (قولہ: إذْ أَحَدُهَا) اس سے مراد تشہد ہے۔ یہ نوع کی جہت سے ایک ہے یعنی چالیس سے زائد واجبات کی نوع میں سے یہ ایک واجب ہے ورنہ حقیقت میں یہ متعدد واجب ہیں۔ کیونکہ یہ ایک وہ ہے جس میں ضرب دی گئی ہے اور وہ اٹھہتر تشہد بن جاتے ہیں۔

يُنْتِجُ 390 مِنْ ضَرْبِ خَمْسَةٍ قَعْدَةِ الْمَغْرِبِ بِتَشَهُّدِهَا وَتَرْكِ نَقْصٍ مِنْهُ أَوْ زِيَادَةٍ فِيهِ أَوْ عَلَيْهِ فِي 78 كَمَا مَرَّ، التَّتَبُّعُ يَنْفِي الْحَصْرَ فَتَبَصَّرْ، فَيُلْغَزُ أَيُّ وَاجِبٍ يَسْتَوْجِبُ 390 وَاجِبًا

واجب (تشہد) پانچ واجب مفصلہ کو 78 تشہدوں میں ضرب دینے سے 390 واجب بنا دیتا ہے۔ (مثلاً) مغرب کی نماز کا قعدہ تشہد کے ساتھ، اور اس تشہد سے کمی نہ کرنا، اس کے درمیان میں زیادتی نہ کرنا اور اس کو مکمل کرنے کے بعد اس پر زیادتی نہ کرنا۔ جیسا کہ گزر چکا ہے اور تتبع، حصر کی نفی کرتا ہے۔ پس غور سے دیکھو۔ پہیلی پوچھی جاتی ہے کہ کون سا واجب 390 واجبات کا موجب بنتا ہے۔

4032۔ (قولہ: مِنْ ضَرْبِ خَمْسَةٍ) یعنی پانچ واجبات کو ضرب دینے سے اور وہ یہ ہیں مغرب کی نماز کا پہلا قعدہ تشہد کے ساتھ، اور اس کے کلمات میں سے کمی کرنے کو ترک کرنا، اس کے کلمات کے درمیان میں زیادتی کو ترک کرنا کیونکہ یہ منظوم ذکر ہے اس میں کسی اجنبی چیز کی زیادتی کرنا جائز نہیں، اور اس پر زیادتی کو ترک کرنا یعنی اس کو مکمل کرنے کے بعد۔ اور یہ واجب نہیں ہوتا مگر نوافل کے علاوہ نمازوں میں پہلے قعدہ میں۔

4033۔ (قولہ: فِي ثَمَانِيَةٍ وَسَبْعِينَ) یہ ضربٌ کے متعلق ہے۔ اور شارح کا قول كَمَا مَرَّ سے مراد یہ ہے کہ جو ان کے کلام میں گزر چکا ہے جہاں انہوں نے ذکر کیا ہے کہ ان التشهد قد يتكرر عشرا۔ پھر چار واجبات کو زائد کیا پھر ساٹھ کو پھر چار کو تو یہ کل اٹھہتر 78 تشہد کو پہنچ گئے جیسا کہ ہم نے گزشتہ صفحات میں اس کی وضاحت کی ہے۔ اور جب تو ان کو پانچ واجبات میں ضرب دے گا جن کا ہم نے یہاں ذکر کیا ہے تو یہ 390 واجبات کو پہنچ گئے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ فی نفسہ تشہد واجب ہے اور اس کے لئے بیٹھنا واجب ہے۔ اس میں سے کچھ کم نہ کرنا واجب ہے، اس میں زیادتی نہ کرنا واجب ہے، اور اس کو مکمل کرنے کے بعد اس پر زیادتی نہ کرنا واجب ہے۔ یہ پانچ واجبات ہیں جو گزشتہ اٹھہتر صورتوں میں سے ہر صورت میں واجب ہوتے ہیں تو یہ مذکورہ تعداد کو پہنچتے ہیں۔ اور واجب سے مراد وہ لیا ہے جو فرض کو بھی شامل ہے۔ کیونکہ ان صورتوں میں قعدہ واجب نہیں ہے بلکہ ان میں سے وہ واجب ہے جو پہلا قعدہ ہے یا سجدہ سہو کے بعد کا قعدہ ہے۔ رہا آخری قعدہ اور سجدہ صلبیہ یا سجدہ تلاوت کے بعد کا قعدہ تو وہ فرض ہے۔ اور فرض پر کبھی واجب کے لفظ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ پس یہ گزشتہ بیالیس سے زائد واجبات کی نوع سے ایک واجب ہے اور وہ تشہد ہے یہ 390 واجبات کو مستلزم ہے۔ پس یہ ایک پہیلی بن گیا۔

پھر یہ واجبات سو سے زائد سجدوں پر مشتمل ہیں جو سجدہ سہو، سجدہ صلبیہ اور سجدہ تلاوت کے درمیان ہیں۔ ان میں سے ہر سجدہ میں تین واجب ہیں: طمانینت، ہاتھ کو رکھنا، گھٹنوں کو رکھنا اس بنا پر جس کو ''الکمال'' نے پسند کیا ہے۔ ''البحر'' وغیرہ میں اس کو ترجیح دی ہے۔ اور جب تو سو میں تین کو ضرب دے گا تو یہ تین سو کو پہنچ جائیں گے۔ اور اسی طرح ہر دو سجدہ سہو کے درمیان سر اٹھانا اور اس میں طمانینت واجب ہے تو یہ تین سو سے زائد ہو جائیں گے۔ جب اس کے ساتھ گزشتہ واجبات ملائے جائیں گے تو یہ سات سو سے زائد ہو جائیں گے۔ جب تو انہیں گزشتہ بیالیس سے زائد واجبات میں ضرب دے گا تو یہ اٹھائیس ہزار

(وَسُنَنُهَا) تَرْكُ السُّنَّةِ لَا يُوجِبُ فَسَادًا وَلَا سَهْوًا بَلْ إِسَاءَةً لَوْ عَامِدًا غَيْرَ مُسْتَخِفٍّ

نماز کی سنتیں۔ سنت کا ترک کرنا فساد اور سہو کا موجب نہیں بنتا۔ اگر جان بوجھ کر ہلکا سمجھے بغیر اسے ترک کرے گا تو یہ اچھا نہ ہوگا۔

سات سو ہو جائیں گے۔ اور ان میں سے ہر ایک کا ترک دو سجدہ سہو اور ایک تشہد اور ایک قعدہ کو مستلزم ہے اور ہر سجدہ میں طمانینت اور دونوں سجدوں کے درمیان رفع اور اس میں طمانینت واجب ہے اور سہو کے لئے تشہد میں کچھ کمی نہ کرنا اور اس میں زیادتی ترک کرنا واجب ہے۔ اور رہی تشہد پر زیادتی تو وہ جائز ہے۔ پس یہ دس واجبات ہیں جب تو ان کو اٹھائیس ہزار سات سو میں ضرب دے گا تو یہ دو لاکھ ستاسی ہزار کو پہنچ جائیں گے۔ اور جب تو دیکھے تو مقتدی کا امام کی بیس سے زائد فرائض اور چالیس سے زائد واجبات میں اقتدا واجب ہے اور یہ تمام ساٹھ سے زائد ہیں پس جب تو ان کو گزشتہ واجبات میں ضرب دے گا تو یہ انیس لاکھ بیس ہزار سے زائد کو پہنچ جائیں گے۔

اور دوسرے واجبات باقی ہیں جن کا ذکر نہیں کیا جیسے ناک پر سجدہ کرنا، رکوع میں قراءت نہ کرنا، تشہد سے پہلے قیام نہ کرنا یا سلام سے پہلے قیام نہ کرنا وغیرہ جو تمام ضرب دینے سے بہت زیادہ تعداد کو پہنچ جاتے ہیں ان میں سے اکثر کی عقلی صورتیں ہیں جیسا کہ یہ اس کے لئے ظاہر ہوگا جو اپنے وقت کو ضائع کرنے کا ارادہ کرتا ہے اگر شارح کے کلام کی ضرورت نہ ہوتی تو ان سے اعراض بہتر تھا۔

نماز کی سنتوں کا بیان

4034۔ (قولہ: وَسُنَنُهَا) سنت کی تعریف، اس کی سنت ہدیٰ اور سنت زوائد کی طرف تقسیم پر کلام، وضو کے باب میں (مقولہ 829 میں) گزر چکا ہے۔ اور سنت زائدہ، مستحب اور مندوب کے درمیان فرق اور ان کے متعلقہ سوالات وغیرہ بھی باب الوضوء میں گزر چکے ہیں۔ پس ان کے لئے وہاں رجوع کرو۔

4035۔ (قولہ: لَا يُوجِبُ فَسَادًا وَلَا سَهْوًا) یعنی فرض کے چھوڑنے کے خلاف۔ کیونکہ فرض کا چھوڑنا فساد کا موجب ہے۔ اور واجب کے ترک کے خلاف کیونکہ واجب کا ترک کرنا سجدہ سہو کا موجب ہے۔

4036۔ (قولہ: لَوْ عَامِدًا غَيْرَ مُسْتَخِفٍّ) پس اگر جان بوجھ کر ترک نہ کرے تو اساءت بھی نہیں ہے بلکہ نماز کا اعادہ مندوب ہے جیسا کہ ہم نے واجبات کی بحث کے آغاز میں (مقولہ 3940 میں) پہلے بیان کیا ہے۔ اگر استخفافاً ترک کرے گا تو کفر کا فتویٰ لگایا جائے گا۔ کیونکہ ''البزازیہ'' کے حوالہ سے ''النہر'' میں ہے: اگر سنت کو حق نہیں جانے گا تو کافر کہا جائے گا کیونکہ یہ استخفاف ہے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سنت ان احکام شرعیہ میں سے ایک ہے علماء دین کے نزدیک جن کی مشروعیت پر اتفاق ہے۔ جب وہ سنت کا انکار کرے گا اور اسے ثابت اور دین میں معتبر نہیں سمجھے گا تو اس نے اس کا استخفاف کیا اور اس کی استہانت کی اور یہ کفر ہے۔ ''تامل''

وَقَالُوا الْإِسَاءَةُ أَدْوَنُ مِنَ الْكَرَاهَةِ، ثُمَّ هِيَ عَلَى مَا ذَكَرَهُ ثَلَاثَةٌ وَعِشْرُونَ
اور علماء نے فرمایا: اساءت، کراہت سے کم درجہ ہے۔ پھر جو ماتن نے ذکر کی ہیں وہ تئیس (23) ہیں۔

علما کا قول کہ اساءت، کراہت سے کم درجہ ہے

4037۔ (قولہ: وَقَالُوا الخ) کتب اصول میں سے ''التحقیق'' اور ''التقریر الاکملی'' میں اس پر نص موجود ہے۔ لیکن ''ابن نجیم'' نے ''شرح المنار'' میں تصریح کی ہے کہ اساءۃ کراہت سے زیادہ فحش ہے۔ یہاں ''التحریر'' کے قول (تارکھا یستوجب اساءۃ یعنی سنت کا تارک اساءۃ کا موجب ہے) کی وجہ سے یہی مناسب ہے۔ یعنی سنت کا تارک تضلیل اور ملامت کا مستحق ہے۔ ''التلویح'' میں ہے: سنت موکدہ کا ترک حرام کے قریب ہے۔ کبھی اس طرح توفیق دی جاتی ہے کہ فقہا کی کراہت سے مراد کراہت تحریمی ہے۔ اور ''شرح المنار'' میں کراہت سے مراد کراہت تنزیہی ہے۔ پس اساءت مکروہ تحریمی سے کم ہے اور مکروہ تنزیہی سے زیادہ ہے۔ اور اس پر وہ دلالت کرتا ہے جو ''الکشف الکبیر'' کے حوالہ سے ''اصول ابی الیسر'' کی طرف منسوب قول ''النہر'' میں ہے کہ سنت کا حکم یہ ہے کہ اس کا حاصل کرنا مندوب ہے اور اس کے ترک پر ملامت کی جائے گی ساتھ تھوڑا سا گناہ بھی لاحق ہوگا۔

اس وجہ سے ''البحر'' میں فرمایا: فقہا کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ گناہ واجب کے ترک یا سنت موکدہ کے ترک پر مرتب ہوتا ہے۔ کیونکہ فقہا نے اس شخص کے گناہ کی تصریح کی ہے جس نے پانچ نمازوں کی سنتوں کو ترک کیا صحیح قول پر۔ اور فقہا نے اس شخص کے گناہ کی تصریح کی ہے جس نے جماعت کو ترک کیا حالانکہ صحیح قول پر جماعت سنت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض گناہ بعض سے سخت ہوتے ہیں۔ پس سنت مؤکدہ کے تارک کا گناہ، واجب کے تارک کے گناہ سے خفیف ہوگا۔ ''ملخصاً''

اس کا ظاہر یہ ہے کہ ایک مرتبہ سنت ترک کرنے سے گناہ کا حصول ہو جاتا ہے۔ اور ''شرح التحریر'' میں جو ہے وہ اس کے مخالف ہے کہ اس سے مراد بلاعذر اصرار کے طور پر ترک کرنا ہے۔ اور اس طرح وہ ہے جو ''الخلاصہ'' کے حوالہ سے (مقولہ 4041 میں) عنقریب آئے گا۔ اور اسی طرح وہ ہے جو ''شرح الکیدانیہ'' میں ''الکشف'' کے حوالہ سے ہے کہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: سنت کے ترک پر اصرار کرنے والوں میں قتال ہے اور ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تادیب ہے۔ پس ''البحر'' کے حوالہ سے جو (اس مقولہ میں) گزرا ہے اس میں سنت کے ترک کو علی سبیل الاصرار ترک پر محمول کرنا متعین ہو گیا تاکہ فقہا کے کلام میں توفیق ہو جائے۔

4038۔ (قولہ: عَلَى مَا ذَكَرَهُ) ورنہ نماز کی سنن اس سے زیادہ ہیں جیسا کہ آگے آئے گا۔ الشرنبلالی نے ''نور الایضاح'' میں اکاون (51) شمار کی ہیں۔

4039۔ (قولہ: ثَلَاثَةٌ وَعِشْرُونَ) معدود کے محذوف ہونے کی وجہ سے عدد کے لفظ کو مؤنث ذکر کیا۔ ''ح''۔

(رَفْعُ الْيَدَيْنِ لِلتَّحْرِيمَةِ) فِي الْخُلَاصَةِ إنْ اعْتَادَ تَرْكَهُ أَثِمَ (وَنَشْرُ الْأَصَابِعِ) أَيْ تَرْكُهَا بِحَالِهَا

سنت ہے تکبیر تحریمہ کے لئے ہاتھوں کو بلند کرنا۔ ''الخلاصہ'' میں ہے: اگر وہ ہاتھ بلند کرنے کے ترک کا عادی ہوگا تو گنہگار ہوگا۔ (اور انگلیوں کا پھیلانا) یعنی انگلیوں کو اپنی حالت پر چھوڑنا،

تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو بلند کرنے کا حکم

4040۔ (قولہ: لِلتَّحْرِيمَةِ) یعنی تکبیر تحریمہ سے پہلے ہاتھوں کو بلند کرنا۔ اور بعض نے فرمایا: تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہاتھوں کو بلند کرنا جیسا کہ الشارح آنے والی فصل میں اس کو بیان کرے گا۔

4041۔ (قولہ: فِي الْخُلَاصَةِ) ''الخلاصہ'' میں پہلے اختلاف بیان کیا ہے کہ بعض علما نے فرمایا: ہاتھ اٹھانے کو ترک کرے گا تو گنہگار ہوگا اور بعض نے کہا: گنہگار نہ ہوگا۔ پھر فرمایا: مختار یہ ہے کہ اگر اس کا عادی ہوگا تو گنہگار ہوگا اگر کبھی کبھی ہاتھ نہ اٹھائے گا تو گنہگار نہ ہوگا۔

''الفیض'' میں اسی پر جزم کیا ہے۔ اسی طرح ''المنیہ'' میں ہے۔ ''المنیہ'' کے شارح نے کہا: صرف ہاتھ اٹھانے کے ترک کی وجہ سے گنہگار نہیں ہوگا بلکہ اس لئے کہ اس نے اس کو حقیر سمجھا اور اس سنت کی پروا نہ کی جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تمام زندگی عمل کیا۔ اور یہی تمام سنن موکدہ میں عام (قاعدہ) ہے۔

مذکور تعلیل ''الفتح'' سے ماخوذ ہے۔ اور ''البحر'' میں اس کو اس قول کے بعد رد کیا ہے جو ہم نے ان سے (مقولہ 4037 میں) پہلے روایت کیا ہے۔ پس حاصل یہ ہے کہ ہاتھوں کو اٹھانے کے ترک میں گناہ کا قول کرنے والا اس بنا پر یہ کہتا ہے کہ یہ سنن ہدیٰ سے ہے پس یہ سنت مؤکدہ ہے۔ اور اسے گناہ نہ ہونے کا قول کرنے والا اس بنا پر یہ کہتا ہے کہ یہ سنن زوائد میں سے مستحب کے قائم مقام ہے۔ ''النہر''۔

میں کہتا ہوں: لیکن سنت مؤکدہ ہونے سے بلا عذر ایک مرتبہ ترک کرنے سے گناہ لازم نہیں آتا۔ پس عادی ہونے اور اصرار کے ساتھ ترک کی تقیید متعین ہے۔ تا کہ فقہاء کے کلام کے درمیان تطبیق ہوجائے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔ پس ظاہر یہ ہے کہ ترک کے اصرار پر ابھارنے والی چیز استخفاف ہے جس کا معنی سستی کرنا اور پروانہ کرنا ہے۔ استہانت اور احتقار کے معنی نہیں ورنہ تو یہ کفر ہوتا جیسا کہ (مقولہ 4036 میں) گزر چکا ہے ''النہر'' میں جو سمجھا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ ''فتدبر''

4042۔ (قولہ: أَيْ تَرْكُهَا بِحَالِهَا) ''الحلبہ'' میں ہے: بعض علماء نے یہ گمان کیا ہے کہ النشر سے مراد انگلیوں کا پھیلانا ہے۔ یہ غلط ہے۔ بلکہ اس سے مراد بالکل ملانے سے پھیلانا ہے یعنی دونوں ہاتھوں کو بلند کرے کھڑا کرتے ہوئے جبکہ انگلیاں ملی ہوئی نہ ہوں حتیٰ کہ انگلیاں ہتھیلی کے ساتھ قبلہ کی طرف متوجہ ہوں۔ پھر مخفی نہیں کہ ابتدا میں انگلیوں کے ملانے پر سنت موقوف نہیں بلکہ اگر انگلیاں کھلی ہوں جبکہ بہت زیادہ کھلی نہ ہوں اور نہ بالکل ملی ہوئی ہوں پھر ان کو اس طرح اٹھائے کہ قبلہ کی طرف متوجہ ہوں تو وہ سنت کو ادا کرنے والا ہوگا۔

(وَأَنْ لَا يُطَأْطِئَ رَأْسَهُ عِنْدَ التَّكْبِيرِ فَإِنَّهُ بِدْعَةٌ (وَجَهْرُ الْإِمَامِ بِالتَّكْبِيرِ بِقَدْرِ حَاجَتِهِ لِلْإِعْلَامِ بِالدُّخُولِ وَالِانْتِقَالِ وَكَذَا بِالتَّسْمِيعِ وَالسَّلَامِ وَأَمَّا الْمُؤْتَمُّ وَالْمُنْفَرِدُ فَيُسْمِعُ نَفْسَهُ

اور تکبیر کے وقت اپنے سر کو نہ جھکائے۔ کیونکہ یہ بدعت ہے۔ اور امام کا تکبیر کو نماز میں داخل ہونے اور ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے پر آگاہ کرنے کے لئے بقدر ضرورت بلند آواز سے کہنا۔ اور اسی طرح سمع اللہ لمن حمدہ اور سلام کو بلند آواز سے کہنا ہے۔ رہا مقتدی اور منفرد تو وہ اتنی آواز سے تکبیر وغیرہ کہے کہ خود سن لے۔

تکبیر تحریمہ سے متعلق دیگر احکام

4043۔(قولہ: وَأَنْ لَا يُطَأْطِئَ رَأْسَهُ) یعنی وہ سر کو نہ جھکائے۔ یہ مسئلہ "البحر" میں "مبسوط" کے حوالہ سے ہے۔

4044۔(قولہ: بِقَدْرِ حَاجَتِهِ لِلْإِعْلَامِ) اگر آواز کو ضرورت سے زیادہ بلند کرے گا تو مکروہ ہوگا۔ "طحطاوی"۔

میں کہتا ہوں: یہ اس صورت میں ہے جب اس میں فحش نہ ہو جیسا کہ اس کا بیان (مقولہ 4936 میں) انشاء اللہ تعالیٰ وقائم بقاعدِ کے قول کے تحت باب الامامۃ کے آخر میں آئے گا۔ اور والانتقال کے قول سے اشارہ کیا ہے کہ تکبیر سے مراد یہاں وہ ہے جو تکبیر تحریمہ اور دوسری تکبیرات کو شامل ہے۔ "الضیاء" میں اس کی تصریح کی ہے۔

پھر تم جان لو کہ امام جب افتتاح کے لئے تکبیر کہے تو نماز کی صحت کے لئے تکبیر سے احرام کا قصد ضروری ہے ورنہ اس کی نماز نہ ہوگی جب اس نے صرف لوگوں کو نماز سے آگاہ کرنے کا قصد کیا ہو۔ اگر دونوں امروں کو جمع کرے یعنی احرام اور آگاہ کرنے کے اعلان کا قصد کرے تو یہی اس سے شرعاً مطلوب ہے۔

اور اسی طرح مبلغ جب صرف آواز پہنچانے کا قصد کرے جبکہ احرام کے قصد سے خالی ہو تو اس کی نماز نہ ہوگی اور نہ اس کی نماز ہوگی جو اس کے پہنچانے کے ساتھ اس حالت میں نماز پڑھے گا۔ کیونکہ اس نے اس کی اقتدا کی جو نماز میں داخل نہ تھا۔ پس اگر وہ نمازیوں کو آواز پہنچانے کے ساتھ تکبیر تحریمہ کا قصد کرے تو یہی شرعاً اس سے مقصود ہے۔ اسی طرح "فتاوی الشیخ محمد بن محمد" الغزی الملقب شیخ الشیوخ میں ہے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تکبیر افتتاح شرط ہے یا رکن ہے۔ پس اس کے تحقق میں احرام کا قصد ضروری ہے یعنی نماز میں دخول کا قصد ضروری ہے۔ رہا امام کا سمع اللہ لمن حمدہ اور مبلغ کا ربنا ولك الحمد کہنا اور دونوں کا تکبیرات انتقالات کہنا جب ان سے صرف اعلام (آگاہ کرنا) کا قصد کیا گیا ہو تو نماز کے لئے فساد ہے۔ اسی طرح السید "احمد الحموی" کی کتاب "القول البلیغ فی حکم التبلیغ" میں ہے۔ السید "محمد ابوالسعود" نے "حواشی مسکین" میں اس کو ثابت کیا ہے۔

فرق یہ ہے کہ اعلام کا قصد مفسد صلاۃ نہیں ہے جیسے اگر کوئی سبحان اللہ کہے تاکہ دوسرے شخص کو معلوم ہو جائے کہ وہ نماز میں ہے۔ اور جب مطلوب ذکر اور اعلام کے قصد پر تکبیر تھی پھر جب خالص اعلام کے قصد سے تکبیر کہی گئی تو گویا اس نے ذکر نہیں کیا اور تحریمہ کے علاوہ میں عدم ذکر مفسد (صلاۃ) نہیں ہے۔ ہم نے اس مسئلہ پر اپنے رسالہ "تنبیہ ذوی الافھام علی

(وَالثَّنَاءُ وَالتَّعَوُّذُ وَالتَّسْمِيَةُ وَالتَّأْمِينُ) وَكَوْنُهُنَّ (سِرًّا، وَوَضْعُ يَمِينِهِ عَلَى يَسَارِهِ) وَكَوْنُهُ

سنت ہے ثنا پڑھنا، اَعُوْذُ بِاللّٰہِ اور بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنا اور آمین کہنا۔ اور ان تمام کا آہستہ ہونا۔ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا

حکم التبلیغ خلف الامام'' میں سیر حاصل بحث کی ہے۔ فصل کے آغاز میں آئے گا کہ اگر تکبیر احرام سے رکوع کی تکبیر کی نیت کی تو اس کی نیت لغو ہوگی اور اس کا شروع ہونا صحیح ہوگا کیونکہ یہ اس کے لئے محل ہے۔

اس کا مقتضا یہ ہے کہ اگر تکبیر سے اعلام کی نیت کی تو نماز صحیح ہوگی اس بنا پر کہ صحیح قول پر تکبیر تحریمہ شرط ہے رکن نہیں ہے اور شرط کا حصول لازم ہے نہ کہ (تحصیل) اس کا حاصل کرنا لازم ہے لیکن اس کا جواب آگے (مقولہ 4110 میں) آئے گا۔ پھر یہ تمام اس وقت ہے جب نفس تکبیر سے اعلان کا قصد کیا ہو۔ رہی یہ صورت کہ جب اس سے تحریمہ کا قصد کیا ہو اور جہر سے اعلام کا قصد کیا ہو...... اس طرح کہ اگر اعلام نہ ہوتا تو جہر نہ کرتا اور وہ تکبیر ادا کرتا اگرچہ جہراً نہ ادا کرتا تو یہی مطلوب ہے جیسا کہ پہلے (اس مقولہ میں) گزر چکا ہے۔ اور ضرورت سے زائد آواز بلند کرنا جس طرح امام کے لئے مکروہ ہے اسی طرح مبلغ کے لئے مکروہ ہے۔ ''ابوالسعود'' کے حاشیہ میں ہے: جان لو کہ بغیر ضرورت کے تبلیغ (آواز پہنچانا) یعنی امام کی آواز مقتدیوں تک پہنچانا مکروہ ہے۔ اور ''السیرۃ الحلبیہ'' میں ہے: ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اس وقت (ضرورت نہ ہونے کے وقت) آواز پہنچانا بدعت منکرہ یعنی مکروہہ ہے۔ رہا ضرروت کے وقت تو یہ مستحب ہے۔

اور ''الطحاوی'' سے جو منقول ہے کہ جب قوم کو امام کی آواز پہنچ رہی ہو پھر مؤذن آواز پہنچائے تو اس کی نماز فاسد ہے۔ کیونکہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ اس کی انتہا یہی ہے کہ اس نے اپنی آواز بلند کی اس کے ساتھ جو ایک ذکر ہے۔ ''الحموی'' نے کہا: میں گمان کرتا ہوں کہ یہ نقل ''طحاوی'' پر جھوٹ ہے کیونکہ یہ قواعد کے مخالف ہے۔

4045۔ (قولہ: وَالتَّسْمِيَةُ) بعض علماء نے فرمایا: بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنا واجب ہے۔ اس پر اور بقیہ سنن پر کلام آنے والی فصل میں (مقولہ 4200 میں) آئے گی۔

4046۔ (قولہ: وَالتَّأْمِينُ) یعنی سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد آمین کہنا۔ ''المنیہ'' میں ہے: جب امام وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہے تو آمین کہے۔ مخفی نہیں کہ یہ ہر ایک کے لئے مفہوم ہے۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ اگر سورۃ فاتحہ چھوڑ دے اور ربنا لا تواخذنا جیسی آیت پڑھے تو کیا تعوذ، تسمیہ اور تامین سنت ہوں گے۔ پس اس میں نظر ہے تامین میں توقف کی نسبت۔ کیونکہ آمین کہنا قراءت کے بعد سورہ فاتحہ کی قراءت کے ساتھ خاص ہے۔ رہا تعوذ اور تسمیہ تو یہ سورہ فاتحہ کے ساتھ خاص نہیں۔ پس ظاہر یہ ہے کہ ان دونوں کو ادا کرے۔ ''تامل''

4047۔ (قولہ: وَكَوْنُهُنَّ سِرًّا) سراً کو محذوف الکون کی خبر بنایا تا کہ یہ فائدہ دے کہ انکو آہستہ کہنا دوسری سنت ہے۔ پس اس بنا پر اسکو ادا کرنے کے ساتھ سنت ادا ہو جاتی ہے اگرچہ اسے جہراً کہے۔ ''طحطاوی'' نے یہ ''ابوالسعود'' سے روایت کیا ہے۔

4048۔ (قولہ: وَكَوْنُهُ) اس وجہ سے الکون مقدر کیا جو ہم نے اس سے پہلے بیان کی ہے۔

(تَحْتَ السُّرَّةِ) لِلرِّجَالِ لِقَوْلِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ (مِنَ السُّنَّةِ وَضْعُهُمَا تَحْتَ السُّرَّةِ) وَلِخَوْفِ اجْتِمَاعِ الدَّمِ رُءُوسِ الْأَصَابِعِ (وَتَكْبِيرُ الرُّكُوعِ) وَكَذَا (الرَّفْعُ مِنْهُ) بِحَيْثُ يَسْتَوِي قَائِمًا (وَ التَّسْبِيحُ فِيهِ ثَلَاثًا) وَإِلْصَاقُ كَعْبَيْهِ (وَأَخْذُ رُكْبَتَيْهِ بِيَدَيْهِ) فِي الرُّكُوعِ (وَتَفْرِيجُ أَصَابِعِهِ) لِلرَّجُلِ،

اور ان کا ناف کے نیچے ہونا مردوں کے لئے کیونکہ حضرت علی بنی اللہ عنہ کا قول ہے: سنت میں سے ہے ہاتھوں کو ناف کے نیچے رکھنا (1) اور اس خوف کی وجہ سے کہ انگلیوں کے سروں میں خون جمع ہو جائے گا اور رکوع کے لئے تکبیر کہنا۔ اور اسی طرح رکوع سے اٹھنا اس طرح کہ سیدھا کھڑا ہو جائے۔ اور رکوع میں تین مرتبہ تسبیح کہنا اور ٹخنوں کو ملانا، اور رکوع میں اپنے ہاتھوں سے اپنے گھٹنوں کو پکڑنا اور مرد کے لئے اپنی انگلیوں کو کھلا رکھنا۔

4049۔ (قولہ: لِلرِّجَالِ) اس کے احتراز اور اس کی کیفیت کا بیان آئندہ فصل میں آئے گا۔

4050۔ (قولہ: وَلِخَوْفِ الخ) یہ ہاتھ نہ چھوڑنے کی حکمت کا بیان ہے۔

4051۔ (قولہ: كَذَا الرَّفْعُ مِنْهُ) اس کی طرف اشارہ ہے کہ الرفع تکبیر پر عطف کی وجہ سے مرفوع ہے۔ ''البحر'' میں فرمایا: اس کو مجرور پڑھنا جائز نہیں۔ کیونکہ وہ اس میں تکبیر نہیں کہتا وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہتا ہے۔ لیکن آئندہ فصل میں ہم (مقولہ 4176 میں) ذکر کریں گے کہ اس میں بھی تکبیر سنت ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر رفع اور خفض کے وقت تکبیر کہتے تھے (2) اور حدیث کی تاویل پر کہ تکبیر سے مراد اس میں ایسا ذکر ہے جس میں تعظیم ہو یہاں اس کی مثل کہا جائے گا۔ پس جر جائز ہے تاکہ مصنف سے سنن میں تسمیع فوت نہ ہو جائے۔ لیکن نفس رفع کا ذکر اس سے فوت ہوگا۔ پس ''الکنز'' کی عبارت میں زیادہ ظاہر ہے جیسا کہ ہم نے ''البحر'' کے حواشی میں اس کو واضح کیا ہے۔

یہ پہلے (مقولہ 3979 میں) گزر چکا ہے کہ ''الکمال'' وغیرہ کا مختار رکوع اور سجود سے اٹھنے کے وجوب اور ان میں طمانیت کے وجوب کی روایت ہے۔ اور یہ ادلہ کے موافق ہے اگرچہ مذہب میں مشہور روایت، سنیت کی روایت ہے۔

4052۔ (قولہ: وَالتَّسْبِيحُ فِيهِ) بہتر یہ تھا کہ و تکبیر الرکوع کے بعد اس کو ذکر کرتے جیسا کہ مخفی نہیں ہے اس کی مثال وہ ہے جو سجدہ میں آئے گی۔ ''حلبی''۔

4053۔ (قولہ: ثَلَاثًا) اگر تسبیح ترک کر دے یا تین سے کم مرتبہ کہے تو مکروہ تنزیہی ہے جیسا کہ آگے (مقولہ 4233 میں) آئے گا۔

4054۔ (قولہ: وَإِلْصَاقُ كَعْبَيْهِ) یعنی جہاں عذر نہ ہو۔

4055۔ (قولہ: لِلرَّجُلِ) یہ صرف مرد کے لئے سنت ہے۔ یہ گھٹنوں کو پکڑنے اور انگلیوں کو کھلا رکھنے کے لئے قید

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب وضع الیمنی، جلد 1، صفحہ 292، حدیث نمبر 645

2۔ سنن ترمذی، کتاب الصلوٰۃ، باب ماجاء فی التکبیر عند الرکوع والسجود، جلد 1، صفحہ 186، حدیث نمبر 235

سنن نسائی، کتاب الصلوٰۃ، باب التکبیر للسجود، جلد 1، صفحہ 396، حدیث نمبر 1071

وَلَا يُنْدَبُ التَّفْرِيجُ إلَّا هُنَا، لَا الضَّمُّ إلَّا فِي السُّجُودِ (وَتَكْبِيرُ السُّجُودِ و) كَذَا نَفْسُ (الرَّفْعِ مِنْهُ) بِحَيْثُ يَسْتَوِي جَالِسًا (وَ) كَذَا (تَكْبِيرُهُ، وَالتَّسْبِيحُ فِيهِ ثَلَاثًا، وَوَضْعُ يَدَيْهِ وَرُكْبَتَيْهِ) فِي السُّجُودِ، فَلَا تَلْزَمُ

اور انگلیوں کو کھلا رکھنا مستحب نہیں مگر اسی جگہ۔ اور انگلیوں کو ملانا مستحب نہیں مگر سجدہ میں۔ اور سجدہ کے لئے تکبیر کہنا، اور اسی طرح سجدہ سے اٹھنا اس طرح کہ برابر بیٹھ جائے، اور اسی طرح سجدہ کی تکبیر اور اس میں تین تسبیح کہنا اور اپنے ہاتھوں اور گھٹنوں کو سجدہ میں (زمین پر) رکھنا۔ پس ہمارے نزدیک

ہے۔ کیونکہ عورت اپنے گھٹنوں پر اپنے ہاتھوں کو رکھے اور اپنی انگلیوں کو پھیلائے نہیں جیسا کہ "المعراج" میں ہے۔ فافہم۔ فصل میں (مقولہ 4315 میں) آئے گا کہ پچیس چیزوں میں عورت مرد کے مخالف ہے۔

4056۔ (قولہ: كَذَا نَفْسُ الرَّفْعِ مِنْهُ) نفس کے لفظ کا اضافہ کیا تا کہ یہ وہم نہ کیا جائے کہ مضاف کی تقدیر پر ہے یعنی اٹھنے کی تکبیر۔ پس او کذا تکبیرہ کے قول کے ساتھ تکرار ہوگا، یا اس طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے کہ اٹھنے کی اصل سنت ہے جیسا کہ "الزیلعی" میں ہے۔ حتیٰ کہ اگر کسی چیز پر سجدہ کیا پھر اس چیز کو اس کی پیشانی کے نیچے سے کھینچ لیا گیا اور اس نے دوبارہ زمین پر سجدہ کیا تو جائز ہوگا اگرچہ اس نے سر اوپر نہ اٹھایا۔ لیکن یہ اس قول کے خلاف ہے جس کی "الہدایہ" میں تصحیح کی ہے: اصح یہ ہے کہ جب وہ سجدہ کے قریب ہو تو جائز نہیں کیونکہ وہ سجدہ کرنے والا شمار کیا جاتا ہے۔ جب وہ بیٹھنے کے زیادہ قریب ہو تو جائز ہے کیونکہ وہ بیٹھنے والا شمار کیا جاتا ہے۔

اور جب مذکور اٹھنا فرض تھا تو اس سے مسنون سیدھا بیٹھنا ہوگا اسی لئے الشارح نے اس کو اس کے ساتھ مقید کیا ہے۔ لیکن یہ آئندہ قول والجلسہ کے ساتھ تکرار ہوگا۔ پس درست بحیث یستوی جالساً کے قول کو ساقط کرنا ہے اور رفع (اٹھنا) سے مصنف کی مراد رفع کی اصل ہے بغیر استوا کے اس کے سنت ہونے کے قول کے اعتبار سے۔ اور الجلسة جو آگے آرہا ہے اس سے مراد استوا (سیدھا ہونا) ہے۔ پس تکرار نہیں ہے اور اس کے وجوب کی تصحیح (مقولہ 3979 میں) گزر چکی ہے۔ اس پر مکمل کلام آئندہ (مقولہ 4327 میں) فصل میں آئے گی۔

4057۔ (قولہ: وَوَضْعُ يَدَيْهِ وَرُكْبَتَيْهِ) اس کی بہت سے مشائخ نے تصریح کی ہے۔ الفقیہ "ابواللیث" نے فرض ہونا اختیار کیا ہے۔ اس پر "الشرنبلالی" چلے ہیں اور فتویٰ اس کے فرض نہ ہونے کا ہے جیسا کہ "التجنیس" اور "الخلاصہ" میں ہے۔ "الفتح" میں وجوب کو اختیار کیا ہے کیونکہ یہی حدیث (1) کا مقتضا ہے ساتھ ہی مواظبت ہے۔ "البحر" میں فرمایا: یہ ان شاء اللہ تعالیٰ معتدل قول ہے کیونکہ یہ اصول کے موافق ہے۔ "الحلبہ" میں ہے: یہ قواعد مذہبیہ پر عمدہ قول ہے۔ پھر انہوں نے اس کی تائید ذکر کی ہے۔

4058۔ (قولہ: فَلَا تَلْزَمُ) ان دونوں (ہاتھوں اور گھٹنوں) کا رکھنا فرض نہیں پس جب انہیں ناپاک جگہ پر رکھے گا

1۔ سنن ترمذی، کتاب الصلوٰۃ، باب ما جاء فی السجود علی سبعة اعضاء، جلد 1 صفحہ 195، حدیث نمبر 253

طَهَارَةُ مَكَانِهِمَا عِنْدَنَا مَجْمَعٌ، لَا إِذَا سَجَدَ عَلَى كَفِّهِ كَمَا مَرَّ (وَافْتِرَاشُ رِجْلِهِ الْيُسْرَى) فِي تَشَهُّدِ الرَّجُلِ (وَالْجَلْسَةُ) بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ، وَوَضْعُ يَدَيْهِ فِيهَا عَلَى فَخِذَيْهِ كَالتَّشَهُّدِ لِلتَّوَارُثِ، وَهَذَا مَا أَغْفَلَهُ أَهْلُ الْمُتُونِ وَالشُّرُوحِ كَمَا فِي إِمْدَادِ الْفَتَّاحِ لِلشُّرُنْبُلَالِيِّ قُلْت وَيَأْتِي مَعْزِيًّا لِلْمُنْيَةِ

ان کے رکھنے کی جگہ کا پاک ہونا لازم نہیں'' مجمع''۔ مگر جب اپنی ہتھیلی پر سجدہ کرے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اپنے بائیں پاؤں کو پھیلا نا مرد کا تشہد میں، اور دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا، اور جلسہ میں اپنے ہاتھوں کو اپنی رانوں پر رکھنا جیسے تشہد میں رکھنا سنت ہے توارث کی وجہ سے۔ اور یہ وہ مسئلہ ہے جس سے اہل متون اور اہل شروح غافل ہوئے ہیں جیسا کہ'' شرنبلالی'' کی '' امداد الفتاح'' میں ہے۔ میں کہتا ہوں: یہ'' المنیہ'' کی طرف منسوب ہو کر آئے گا۔

تو یہ عدم وضع کی طرح ہوگا۔ پس یہ نقصان نہیں دے گا یہ مشہور قول ہے لیکن ہم نے'' المنیہ'' کے حوالہ سے شروط الصلوٰۃ میں (مقولہ 3556 میں) بیان کیا ہے کہ (ہاتھ پاؤں) دونوں کے رکھنے کی جگہ کا پاک ہونا شرط نہیں شاذ روایت ہے۔ صحیح یہ ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی جیسا کہ'' متن المواہب''،'' نور الایضاح'' اور'' المنیہ'' میں ہے۔ اور'' النہر'' میں ہے: عام متون کے اطلاق کی وجہ سے یہی مناسب ہے۔ اور'' الخانیہ'' کے کلام سے اس کی تائید ذکر کی ہے۔ اور'' شرح المنیہ'' میں ہے کہ یہی صحیح ہے کیونکہ نجاست کے ساتھ کسی عضو کا اتصال نجاست کو اٹھانے کے قائم مقام ہے اگرچہ اس عضو کا رکھنا فرض نہ ہو۔

4059۔ (قولہ: لَا إِذَا سَجَدَ عَلَى كَفِّهِ) یعنی اس پر سجدہ کرے جو اس کے ساتھ متصل ہے جیسے اس کی ہتھیلی اور اس کے کپڑے کا اضافی حصہ، کپڑے یا ہتھیلی کے نیچے جو حصہ ہے اس کی طہارت کے شرط ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ سجدہ کے محل کی طہارت کی شرط کی وجہ سے ہے اور جو آدمی کے ساتھ متصل ہو وہ فاصل کی صلاحیت نہیں رکھتا گویا اس نے نجاست پر سجدہ کیا۔

4060۔ (قولہ: وَافْتِرَاشُ رِجْلِهِ الْيُسْرَى) یعنی دائیں پاؤں کو کھڑا کرنے کے ساتھ، خواہ قعدہ اولیٰ میں ہو یا قعدہ اخیرہ میں ہو۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا تھا(1) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو تورک (سرین کے بل بیٹھنا) مروی ہے(2) وہ بڑھاپے اور ضعف کی حالت پر محمول ہے۔ اسی طرح دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھتے وقت بائیں پاؤں کو پھیلائے جیسا کہ'' فتاویٰ الشیخ قاسم'' میں اور'' ابو السعود'' میں ہے۔ اس کی مثل'' شرح الشیخ اسماعیل'' میں'' البرجندی'' کے حوالہ سے ہے۔

4061۔ (قولہ: فِي تَشَهُّدِ الرَّجُلِ) یعنی مرد میں یہ سنت ہے بخلاف عورت کے وہ سرین کے بل بیٹھے جیسا کہ آگے (مقولہ 4353 میں) آئے گا۔

4062۔ (قولہ: وَوَضْعُ يَدَيْهِ فِيهَا) یعنی جلسہ میں اپنے ہاتھوں کو رکھنا۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب ما یجمع صفة الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 529، حدیث نمبر 818

سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوٰۃ، باب الجلوس بین السجدتین، جلد 1، صفحہ 287، حدیث نمبر 882

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب ذکر التورک فی الرابعۃ، جلد 1، صفحہ 360، حدیث نمبر 824

فَافْهَمْ (وَالصَّلَاةُ عَلَى النَّبِيِّ) فِي الْقَعْدَةِ الْأَخِيرَةِ وَفَرَضَ الشَّافِعِيُّ قَوْلَ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَنَسَبُوهُ إِلَى الشُّذُوذِ وَمُخَالَفَةِ الْإِجْمَاعِ (وَالدُّعَاءُ) بِمَا يَسْتَحِيلُ سُؤَالُهُ مِنَ الْعِبَادِ، وَبَقِيَ بَقِيَّةُ تَكْبِيرَاتِ الِانْتِقَالَاتِ حَتَّى تَكْبِيرَةِ الْقُنُوتِ عَلَى قَوْلٍ، وَالتَّسْمِيعُ لِلْإِمَامِ، وَالتَّحْمِيدُ لِغَيْرِهِ، وَتَحْوِيلُ الْوَجْهِ يَمْنَةً وَيَسْرَةً لِلسَّلَامِ

پس غور کرو۔ اور (سنت ہے) آخری قعدہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا۔ اور امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اللهم صل على محمد کے قول کو فرض کہا ہے۔ اور فقہاء نے اس کو شذوذ اور اجماع کی مخالفت کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور (سنت ہے) ایسی دعا کرنا جس کا سوال بندوں سے محال ہے۔ اور انتقالات کی بقیہ تکبیرات باقی ہیں۔ حتیٰ کہ ایک قول پر قنوت کی تکبیر سنت ہے۔ امام کے لئے سمع اللہ لمن حمدہ کہنا اور دوسروں کے لئے ربنا لك الحمد کہنا سنت ہے۔ اور سلام کے لئے دائیں بائیں چہرہ پھیرنا سنت ہے۔

4063۔ (قوله: فَافْهَمْ) شاید اس سے اشارہ کر رہے ہیں کہ یہ فقہاء کے کلام سے بھی لیا جاتا ہے کیونکہ یہ جلسہ تشہد کے جلسہ کی مثل ہے۔ اگر اس میں اس کے لئے مخالفت ہوتی تو فقہاء اس کو بیان کرتے جیسا کہ فقہاء نے بیان کیا ہے کہ جلسہ اخیرہ، تورک میں پہلے جلسہ کے مخالف ہے۔ پس جب انہوں نے اس کو مطلق رکھا تو معلوم ہوا کہ جلسہ تشہد کی مثل ہے۔ اسی وجہ سے ''القہستانی'' نے یہاں فرمایا: یجلس یعنی معہود بیٹھنا بیٹھے۔

4064۔ (قوله: وَنَسَبُوهُ) کی ایک جماعت نے اس کو شذوذ اور اجماع کی مخالفت کی طرف منسوب کیا ہے۔ ان فقہاء میں سے امام ''طحطاوی''، ''ابوبکر الرازی''، ''ابن المنذر''، ''الخطابی''، ''البغوی'' اور ''ابن جریر الطبری'' ہیں۔ لیکن بعض صحابہ اور تابعین سے وہ منقول ہے جو امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے موافق ہے۔ ''بحر''۔

4065۔ (قوله: وَالدُّعَاءُ الخ) یعنی سلام سے پہلے دعا کرنا۔ آئندہ فصل کے آخر میں اس پر کلام آئے گی اور سلام کے بعد قراءت، تسبیح وغیرہ میں سے جو کرنا ہے اس پر کلام (مقولہ 4423 میں) آئے گی۔

4066۔ (قوله: لِغَيْرِهِ) یعنی مقتدی اور منفرد کے لئے لیکن آگے (مقولہ 4253 میں) آئے گا کہ معتمد یہ ہے کہ منفرد تسمیع اور تحمید کو جمع کرے۔ اسی طرح ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک امام بھی ان دونوں کو جمع کرے۔ یہی امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت ہے۔ ''الشرنبلالی'' نے اپنے ''مقدمہ'' میں اس پر جزم کیا ہے۔

4067۔ (قوله: وَتَحْوِيلُ الْوَجْهِ يَمْنَةً وَيَسْرَةً لِلسَّلَامِ) دائیں طرف پہلے سلام کرنا سنت ہے اور امام کا مردوں، فرشتوں اور نیک جنوں کی نیت کرنا سنت ہے جو آئندہ فصل میں آئے گا۔ دوسرے سلام کو پہلے سلام سے آہستہ کہنا، اور مقتدی کا امام کے سلام سے متصل سلام کہنا، اور مسبوق کا امام کے سلام کا انتظار کرنا۔ اسی طرح ''نور الایضاح'' میں ہے۔

اور ہم نے پہلے (مقولہ 4038 میں) پیش کیا ہے کہ صاحب ''نور الایضاح'' نے اکاون تک سنتوں کو پہنچایا ہے۔ لیکن ''الضیاء'' میں ان میں سے بعض کو مستحبات سے شمار کیا ہے۔

(وَلَهَا آدَابٌ) تَرْكُهُ لَا يُوجِبُ إِسَاءَةً وَلَا عِتَابًا كَتَرْكِ سُنَّةِ الزَّوَائِدِ، لَكِنَّ فِعْلَهُ أَفْضَلُ (نَظَرُهُ إِلَى مَوْضِعِ سُجُودِهِ حَالَ قِيَامِهِ، وَإِلَى ظَهْرِ قَدَمَيْهِ حَالَ رُكُوعِهِ وَإِلَى أَرْنَبَةِ أَنْفِهِ حَالَ سُجُودِهِ، وَإِلَى حِجْرِهِ حَالَ قُعُودِهِ وَإِلَى مَنْكِبَيْهِ الْأَيْمَنِ وَالْأَيْسَرِ عِنْدَ التَّسْلِيمَةِ الْأُولَى وَالثَّانِيَةِ) لِتَحْصِيلِ الْخُشُوعِ

اور نماز کے کچھ آداب ہیں۔ ادب کا ترک اساءت اور عتاب کا موجب نہیں ہوتا جس طرح سنت زوائد کا ترک اساءت کا موجب نہیں ہوتا۔ لیکن ادب کا بجالانا افضل ہے۔ قیام کی حالت میں سجدہ کی جگہ دیکھنا، اور رکوع کی حالت میں قدموں کی پیٹھ کی طرف دیکھنا، اور سجدہ کی حالت میں ناک کی بینی کی طرف دیکھنا، اور قعدہ کی حالت میں گود کی طرف دیکھنا، اور پہلے اور دوسرے سلام کے وقت دائیں اور بائیں کندھے کی طرف دیکھنا تاکہ خشوع حاصل ہو۔

نماز کے آداب

4068۔ (قولہ: وَلَهَا آدَابٌ) آداب، ادب کی جمع ہے۔ اور نماز میں ادب سے مراد وہ کام ہوتا ہے جو رسول اللہ ﷺ نے ایک یا دو مرتبہ کیا ہو اور اس پر مواظبت اختیار نہ کی ہو جیسے رکوع و سجود کی تسبیحات میں تین پر زیادتی۔ اسی طرح ''غایۃ البیان'' اور ''العنایہ'' وغیرہما میں ہے۔ اور ''الحلبہ'' کے آغاز میں اس کی متعدد تعریفات لکھی ہیں اور فرمایا: ظاہر یہ ہے کہ یہ مندوب کے مساوی ہے۔

4069۔ (قولہ: تَرْكُهُ) یعنی اس ادب کا ترک کرنا جس کو اس کی جمع (اداب) کا لفظ متضمن ہے۔

4070۔ (قولہ: كَتَرْكِ سُنَّةِ الزَّوَائِدِ) یہ سنن غیر مؤکدہ ہیں جیسے نبی کریم ﷺ کی سیرت لباس، قیام، قعود، کنگھی کرنے اور جوتا پہننے میں ہے۔ ان سنن زوائد کے مقابلہ میں سنن الہدیٰ ہیں جو دین کی نشانیوں میں سے ہیں جیسے اذان، جماعت۔ اور ان دونوں قسموں کے مقابلہ میں نوافل ہیں۔ اور اس میں سے مندوب، مستحب اور ادب ہے۔ اس کی تحقیق ہم نے سنن وضو میں (مقولہ 829 میں) پیش کی ہے۔

4071۔ (قولہ: وَإِلَى أَرْنَبَةِ أَنْفِهِ) یعنی ناک کی طرف۔ ''قاموس''۔

4072۔ (قولہ: وَإِلَى حِجْرِهِ) حا کے کسرہ، جیم اور را مہملہ کے ساتھ ہے۔ تیرے کپڑے میں سے جو تیرے سامنے ہے۔ ''قاموس''۔ اور یہ بھی فرمایا: الحجر تینوں حرکتوں کے ساتھ ہے اس کا معنی روکنا ہے اور انسان کی گود ہے۔ اور یہاں پہلا معنی مناسب ہے کیونکہ الحضن کی تفسیر اس کے ساتھ کی ہے کہ وہ حصہ جو بغل سے نیچے پہلو تک ہے یا سینہ اور کہنی سے اوپر بازوں کا حصہ ہے۔ اور الکشح کی تفسیر اس کے ساتھ کی ہے کہ جو حصہ پہلو اور پسلی کے درمیان ہے۔ اور ''العزمیہ'' میں اس کا ضبط ضمہ کے ساتھ اور فتحہ کے ساتھ اور زا معجمہ کے ساتھ ظاہر کیا ہے۔ یہ حُجْزَۃٌ کی جمع ہے اور یہ ازار باندھنے کی جگہ ہے اور اس کا بعید ہونا مخفی نہیں۔

4073۔ (قولہ: لِتَحْصِيلِ الْخُشُوعِ) یہ تمام آداب کی علت ہے۔ کیونکہ مقصود خشوع اور تکلیف کا ترک کرنا ہے۔

(وَإِمْسَاكُ فَمِهِ عِنْدَ التَّثَاؤُبِ) وَلَوْ بِأَخْذِ شَفَتَيْهِ بِسِنِّهِ (فَإِنْ لَمْ يَقْدِرْ غَطَّاهُ بِظَهْرِ (يَدِهِ) الْيُسْرَى، وَقِيلَ بِالْيُمْنَى لَوْ قَائِمًا وَإِلَّا فَيُسْرَاهُ مُجْتَبَى (أَوْ كُمِّهِ)

اور (آداب میں سے ہے) جمائی کے وقت منہ کو بند کرنا اگرچہ اپنے دانتوں کے ساتھ اپنے ہونٹوں کو پکڑنے کے ساتھ ہو۔ اگر اس پر قادر نہ ہو تو اپنے بائیں ہاتھ کی پیٹھ کے ساتھ بند کرے۔ اور علما نے فرمایا: دائیں ہاتھ سے منہ بند کرے اگر کھڑا ہو ورنہ بائیں ہاتھ سے منہ بند کرے ''مجتبیٰ''۔ یا آستین کے ساتھ منہ بند کرے۔

جب وہ اس کو ترک کرے گا تو وہ ان مقامات کی طرف دیکھنے والا ہوگا قصد کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اور اس صورت میں اس کے لئے مشغول کرنے والی چیزوں سے نظر کی حفاظت ہوگی۔ اور اس اطلاق میں کعبہ کا مشاہد بھی شامل ہے۔ کیونکہ وہ اس سے امن میں نہیں جو اس کو غافل کردے اور جب وہ تاریکی میں ہو، یا وہ دیکھنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ کی عظمت پر محافظت کرے کیونکہ اس پر مدار ہے۔ اس کی مکمل بحث ''الامداد'' میں ہے۔ اور جب مقصود خشوع ہے اور جب ان جگہوں میں کوئی ایسی چیز ہو جو خشوع کے منافی ہو تو وہ اپنی نظر کو ایسی چیز کی طرف پھیرے جس میں اسے خضوع حاصل ہو۔

نوٹ: ''ظاہر الروایہ'' میں منقول ہے کہ نماز میں نظر کا منتہا سجدہ کا محل ہو جیسا کہ ''المضمرات'' میں ہے اور ''الکنز'' وغیرہ میں اس پر اکتفا کیا ہے۔ یہ تفصیل مشائخ کے تصرفات میں سے ہے جیسے ''الطحاوی'' اور ''الکرخی'' وغیرہما جیسا کہ المطولات سے معلوم ہے۔

4074۔ (قولہ: وَإِمْسَاكُ فَمِهِ عِنْدَ التَّثَاؤُبِ) ہمزہ کے ساتھ ہے۔ رہا واؤ تو یہ غلط ہے جیسا کہ ''المغرب'' وغیرہ میں ہے۔ مفسدات صلاۃ اور مکروہات صلاۃ کے باب میں (مقولہ 5444 میں) آئے گا کہ یہ مکروہ ہے اگرچہ نماز سے باہر بھی ہو۔ کیونکہ یہ شیطان کی طرف سے ہے۔ اور انبیا کرام جمائی سے محفوظ ہوتے ہیں۔

4075۔ (قولہ: وَلَوْ بِأَخْذِ شَفَتَيْهِ بِسِنِّهِ) بعض نسخوں میں شفتہ مفرد کے صیغہ کے ساتھ ہے۔ اور یہ بہتر ہے۔ کیونکہ جمائی کو روکنے کیلئے آسان صرف نیچے والے ہونٹ کو پکڑنا ہے۔ پھر میں نے ''الضیاء'' میں اس کے ساتھ قید دیکھی۔

4076۔ (قولہ: بِظَهْرِ يَدِهِ الْيُسْرَى) اسی طرح ''الضیاء المعنوی'' میں ہے اور اس کی مثل ''الحلبہ'' میں باب السنن میں ہے۔ اور الشارح نے مسئلہ کو ''المجتبیٰ'' کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ ''البحر''، ''النہر'' اور ''المنح'' میں ''المجتبیٰ'' کے حوالہ سے منقول ہے کہ وہ اپنے منہ کو اپنے دائیں ہاتھ سے ڈھانپے۔ اور بعض نے فرمایا: قیام میں دائیں ہاتھ سے اور اس کے علاوہ بائیں ہاتھ سے ڈھانپے۔ اور اسی طرح ''شرح الشیخ اسماعیل'' میں ہے۔ ''الخزائن'' میں الشارح کی عبارت یہ ہے: یعنی دائیں ہاتھ کی پیٹھ کے ساتھ منہ کو ڈھانپے۔ پس مناسب بائیں کو دائیں سے بدلنا ہے۔

4077۔ (قولہ: وَقِيلَ) گویا منہ کو بائیں ہاتھ سے ڈھانپنا چاہئے جیسے ناک صاف کرنا ہے۔ جب بیٹھا ہوگا تو اسے یہی آسان ہوگا اور اس سے دونوں ہاتھوں کی حرکت لازم نہ ہوگی بخلاف اس صورت کے جب وہ کھڑا ہو تو بائیں ہاتھ سے

لِأَنَّ التَّغْطِيَةَ بِلَا ضَرُورَةٍ مَكْرُوهَةٌ (وَإِخْرَاجُ كَفَّيْهِ مِنْ كُمَّيْهِ عِنْدَ التَّكْبِيرِ) لِلرَّجُلِ إِلَّا لِضَرُورَةٍ كَبَرْدٍ (وَدَفْعُ السُّعَالِ مَا اسْتَطَاعَ) لِأَنَّهُ بِلَا عُذْرٍ مُفْسِدٌ فَيَجْتَنِبُهُ (وَالْقِيَامُ لِإِمَامٍ وَمُؤْتَمٍّ (حِينَ قِيلَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ)
کیونکہ بلاضرورت منہ کوڈھانپنا مکروہ ہے۔اورمرد کے لئے تکبیر تحریمہ کے وقت اپنی آستین سے اپنی ہتھیلیوں کو نکالنا (ادب سے ہے) مگر ضرورت کے لئے (نہ نکالنے میں کوئی حرج نہیں) جیسے سردی ہو۔اور جتنی طاقت ہو کھانسی کو روکنا بھی آداب سے ہے۔کیونکہ بغیر عذر کے کھانسنا مفسد نماز ہے۔پس اس سے اجتناب کرے۔امام اور مقتدی کیلئے حیی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہے۔

ڈھانپنے میں دائیں ہاتھ کی حرکت بھی لازم آئے گی۔کیونکہ بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ کے نیچے ہوتا ہے۔''حلبی''۔

4078۔(قولہ: لِأَنَّ التَّغْطِيَةَ الخ) یہ اس کی علت ہے کہ ہاتھ یا آستین سے اپنے منہ کو نہ ڈھانپے مگر جب منہ کو بند کرنے کا امکان نہ ہو۔اسی وجہ سے''الخلاصہ'' میں فرمایا: جب دانت کے ساتھ ہونٹ کو پکڑنا ممکن ہو اور وہ ایسا نہ کرے اور اپنے منہ کو ہاتھ یا کپڑے کے ساتھ ڈھانپے تو مکروہ ہے۔اسی طرح امام''ابوحنیفہ'' رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے۔

جمائی کو روکنے کا مجرب طریقہ

میں نے''تحفة الملوك'' کی شرح''هدية الصعلوك'' میں دیکھا جس کی عبارت اس طرح ہے کہ''الزاہدی'' نے فرمایا: جمائی کو دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ دل میں سوچے کہ انبیاء کرام نے کبھی جمائی نہیں لی۔''القدوری'' نے فرمایا: ہم نے کئی مرتبہ اس کا تجربہ کیا تو ہم نے اسی طرح اس کو پایا۔میں کہتا ہوں: میں نے بھی اس کا تجربہ کیا تو اسی طرح پایا۔

4079۔(قولہ: عِنْدَ التَّكْبِيرِ) یعنی تکبیر احرام کے وقت۔

4080۔(قولہ: وَدَفْعِ السُّعَالِ مَا اسْتَطَاعَ) اس میں دو صورتیں ہیں یا تو مراد وہ کھانسی ہے جس کا روکنا ممکن نہیں ہوتا یا دوسری صورت ہے تو اس صورت میں کھانسی کو روکنا واجب ہے۔کیونکہ مفسد صلاۃ ہے۔کبھی کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد وہ کھانسی ہے طبیعت جس کا تقاضا کرتی ہے جبکہ اس کو روکنے کا امکان متصور ہوتا ہے۔پس اس کو حتیٰ المقدور روکنا مستحب ہے یہاں تک کہ نمازی کے عمل کے بغیر نکلے یا وہ اس سے دور ہو جائے۔پھر میں نے''الحلبہ'' میں دیکھا تو انہوں نے اس طرح جواب دیا ہے کہ یہ غیر مجبور پر محمول ہے جب اسے عذر ہو جس کا تقاضا ہو خصوصاً جب وہ حروف والی ہو۔کیونکہ اس میں اختلاف سے نکلنا ہے۔

عذر سے مراد آواز کو خوبصورت بنانا ہے یا آگاہ کرنا ہے کہ وہ نماز میں ہے۔مفسدات صلاۃ میں (مقولہ 5228 میں) آئے گا کہ اس کی خاطر کھانسنا صحیح قول پر مفسد صلاۃ نہیں ہے۔اس بنا پر السعال سے مراد کھانسنا ہے۔''تامل''

4081۔(قولہ: حِينَ قِيلَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ) اسی طرح''الکنز''،''نور الایضاح''،''الاصلاح''،''الظہیریہ'' اور''البدائع'' وغیرہ میں ہے۔اور''الدرر'' کے متن اور شرح میں ہے کہ حی علی الصلوۃ جب کہا جائے تو کھڑا ہو۔الشیخ

خِلَافًا لِزُفَرَ؛ فَعِنْدَهُ عِنْدَ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ ابْنُ كَمَالٍ (إنْ كَانَ الْإِمَامُ بِقُرْبِ الْمِحْرَابِ وَإِلَّا فَيَقُومُ كُلُّ صَفٍّ يَنْتَهِي إلَيْهِ الْإِمَامُ عَلَى الْأَظْهَرِ وَإِنْ) دَخَلَ مِنْ قُدَّامٍ قَامُوا حِينَ يَقَعُ بَصَرُهُمْ عَلَيْهِ إلَّا إذَا أَقَامَ الْإِمَامُ بِنَفْسِهِ فِي مَسْجِدٍ فَلَا يَقِفُوا حَتَّى يُتِمَّ إقَامَتَهُ ظَهِيرِيَّةٌ، وَإِنْ خَارِجَهُ قَامَ كُلُّ صَفٍّ يَنْتَهِي إلَيْهِ بَحْرٌ (وَشُرُوعِ الْإِمَامِ فِي الصَّلَاةِ

امام زفر کا نظریہ اس کے خلاف ہے ان کے نزدیک حی علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہے۔''ابن کمال''۔ اگر امام محراب کے قریب ہو ورنہ ہر صف کھڑی ہو جائے جب امام اس کے پاس پہنچے۔ یہی اظہر قول ہے۔ اور اگر امام آگے سے داخل ہو تو وہ سب کھڑے ہو جائیں جن کی نظر امام پر پڑے، مگر جب امام خود تکبیر کہے مسجد میں تو کھڑے نہ ہوں حتیٰ کہ وہ اپنی اقامت مکمل کر لے ''ظہیریہ''۔ اگر امام مسجد سے باہر ہو تو ہر صف کھڑی ہو جائے جس تک امام پہنچے۔''بحر''۔ امام نماز میں شروع ہو

''اسماعیل'' نے اپنی شرح میں اس قول کو''عیون المذاہب''،''الفیض''،''الوقایہ''،''النقایہ''،''الحاوی'' اور''المختار'' کی طرف منسوب کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: انہوں نے''الملتقی'' کے متن پر اعتماد کیا ہے اور پہلے قول کو قیل سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن''ابن الکمال'' نے پہلے قول کی تصحیح نقل کی ہے۔ اس کی عبارت کی اصل یہ ہے:''الذخیرہ'' میں فرمایا: امام اور قوم کھڑے ہوں جب موذن حی علی الفلاح کہے یہ ہمارے تینوں ائمہ کے نزدیک ہے۔''الحسن بن زیاد'' اور''زفر'' نے فرمایا جب موذن قد قامت الصلوٰۃ کہے تو صف کی طرف لوگ کھڑے ہوں اور جب دوسری مرتبہ قد قامت الصلوٰۃ کہے تو تکبیر کہیں اور صحیح قول ائمہ ثلاثہ کا ہے۔

4082۔ (قولہ: خِلَافًا لِزُفَرَ الخ) یہ نقل غیر صحیح ہے اور''ابن کمال'' کی اس عبارت کے موافق نہیں ہے جو ہم نے (سابقہ مقولہ میں) ذکر کی ہے۔ میں نے''الذخیرہ'' کی طرف رجوع کیا تو میں نے اس کو دیکھا انہوں نے اختلاف حکایت کیا ہے جس طرح''ابن کمال'' نے''الذخیرہ'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ اور اس کی مثل''البدائع'' وغیرہ میں ہے۔

4083۔ (قولہ: وَإِلَّا الخ) یعنی اگر امام محراب کے قریب نہ ہو۔ وہ مسجد کی کسی دوسری جگہ ہو یا مسجد سے باہر ہو اور پیچھے سے داخل ہو۔''حلبی''۔

4084۔ (قولہ: فِي مَسْجِدٍ) بہتر المسجد ہے۔

4085۔ (قولہ: فَلَا يَقِفُوا) زیادہ مناسب فلا يقفون تعانون کے اثبات کے ساتھ۔ کیونکہ لا نافیہ ہے ناہیہ نہیں ہے۔

4086۔ (قولہ: وَإِنْ خَارِجَهُ) یہ فی مسجد کے قول کا محترز ہے۔

4087۔ (قولہ: بَحْرٌ) میں نے''البحر'' میں یہ عبارت نہیں دیکھی بلکہ''النہر'' میں یہ ہے۔

4088۔ (قولہ: وَشُرُوعِ الْإِمَامِ) اور اسی طرح مقتدی بھی۔ کیونکہ امام''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک افضل مقتدیوں کا امام سے متصل ہونا ہے جیسا کہ آگے (مقولہ 4452 میں) آئے گا۔

(مُذْ قِيلَ قَدْ قَامَتْ الصَّلَاةُ) وَلَوْ أَخَّرَ حَتَّى أَتَمَّهَا لَا بَأْسَ بِهِ إِجْمَاعًا، وَهُوَ قَوْلُ الثَّانِي وَالثَّلَاثَةِ؛ وَهُوَ أَعْدَلُ الْمَذَاهِبِ كَمَا فِي شَرْحِ الْمَجْمَعِ لِمُصَنِّفِهِ وَفِي الْقُهُسْتَانِيِّ مَعْزِيًّا لِلْخُلَاصَةِ أَنَّهُ الْأَصَحُّ فَرْعٌ لَوْ لَمْ يَعْلَمْ مَا فِي الصَّلَاةِ مِنْ فَرَائِضَ وَسُنَنٍ أَجْزَأَهُ قُنْيَةٌ

جب قد قامت الصلوٰۃ کہا جائے اور اگر موخر کرے حتیٰ کہ تکبیر کو مکمل کر لے تو بالا جماع اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہی امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ اور ائمہ ثلاثہ کا قول ہے اور یہی معتدل مذہب ہے جیسا کہ ''شرح المجمع'' میں ہے۔ اور ''القہستانی'' میں ''الخلاصہ'' کی طرف منسوب کیا ہے: یہی اصح قول ہے۔ فرعی مسئلہ:۔ اگر نمازی کو نماز میں فرائض وسنن معلوم نہ ہوں تو بھی اس کی نماز جائز ہے۔ ''قنیہ''۔

4089۔ (قولہ: لَا بَأْسَ بِهِ إِجْمَاعًا) یعنی افضلیت میں اختلاف ہے۔ دونوں قولوں میں شدت کی نفی ثابت ہے اگرچہ دونوں میں سے ایک ہی فعل اولیٰ ہے۔

4090۔ (قولہ: وَهُوَ) یعنی (اخر) کے قول سے مفہوم تاخیر ہے۔

4091۔ (قولہ: أَنَّهُ الْأَصَحُّ) کیونکہ اس میں موذن کی متابعت کی فضیلت پر محافظت ہے اور امام کے ساتھ شروع ہونے پر اس کے لئے اعانت ہے۔

4092۔ (قولہ: فَرْعٌ الخ) اس کا بیان نیت کی بحث میں (مقولہ 3907 میں) گزر چکا ہے اسی طرح اس باب میں وبقی من الفروض کے قول کے تحت بھی گزر چکا ہے۔

4093۔ (قولہ: قُنْيَةٌ) یعنی امام ''الزاہدی'' نے ''قنیۃ الفتاوی'' میں اس کو ذکر کیا ہے۔ ''طحاوی'' نے اس کی عبارت نقل کی ہے۔ فافہم۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

فَصْلٌ

(وَإِذَا أَرَادَ الشُّرُوعَ فِي الصَّلَاةِ كَبَّرَ) لَوْ قَادِرًا (لِلِافْتِتَاحِ) أَيْ قَالَ وُجُوبًا اللهُ أَكْبَرُ وَلَا يَصِيرُ شَارِعًا بِالْمُبْتَدَإِ فَقَطْ كَ (اللهُ) وَلَا بِ (أَكْبَرُ) فَقَطْ هُوَ الْمُخْتَارُ،

نماز شروع کرنے کے احکام

جب نمازی نماز میں شروع ہونے کا ارادہ کرے تو افتتاح کے لئے اللہ اکبر کہے اگر اس پر قادر ہو یعنی وجوباً اللہ اکبر کہے۔ صرف ابتدا میں (اللہ) کہنے سے شروع کرنے والا نہ ہوگا جیسے اللہ اور صرف اکبر کہنے سے بھی شروع ہونے والا نہ ہوگا۔ یہی مختار ہے۔

نماز کی کیفیت

یہ فصل نماز کو شروع کرنے سے لے کر آخر تک متوارث طور پر جس طرح مروی ہے اس کے بیان کے لئے ہے اس کے فرائض وغیرہ کے وصف کے بیان سے تعرض کئے بغیر کیونکہ گزشتہ بیانات سے وہ معلوم ہیں۔

4094۔ (قولہ: قَادِرًا) اس کا محترز ولا یلزم العاجز کے قول کے تحت آئے گا۔

4095۔ (قولہ: لِلِافْتِتَاحِ) اگر صرف آگاہ کرنے کا قصد کیا ہوگا تو وہ نماز کو شروع کرنے والا نہ ہوگا جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے اور اس کی مکمل بحث آگے (مقولہ 4044 میں) آئے گی۔

افتتاح کی تکبیر کے احکام

4096۔ (قولہ: أَيْ قَالَ وُجُوبًا اللهُ أَكْبَرُ) ''المنیہ'' کے قول: ولا دخول فی الصلوۃ الا بتکبیرۃ الافتتاح کے تحت ''الحلبہ'' میں ہے: افتتاح کی تکبیر یہ قول ہے: اللہ اکبر، یا اللہ اکبر، یا اللہ الکبیر، یا اللہ کبیر الخ۔

امام ''مالک'' نے پہلے اللہ اکبر کو متعین کیا ہے۔ کیونکہ یہی متوارث ہے۔ اور اس کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ سنیت یا وجوب کا فائدہ دیتا ہے اور ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ کیونکہ اصح قول یہ ہے کہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اللہ اکبر کے بغیر نماز کا آغاز مکروہ ہے جیسا کہ ''التحفہ''، ''الذخیرہ'' اور ''النہایہ'' وغیرہا میں ہے۔ اس کی مکمل بحث ''الحلبہ'' میں ہے۔ اس قول کی بنا پر آخری الفاظ میں سے کسی لفظ کے ساتھ افتتاح کیا تو واجب حاصل نہ ہوگا۔ ''فافہم''

4097۔ (قولہ: وَلَا يَصِيرُ شَارِعًا بِالْمُبْتَدَإِ) کیونکہ شرط مکمل جملہ لانا ہے جیسا کہ ''النظم'' میں گزر چکا ہے۔ مخفی نہیں کہ واؤ کو لانا فا تعریفیہ کے لانے سے بہتر ہے۔ کیونکہ اس کا ماقبل واجب کا بیان ہے اور یہ شرط کا بیان ہے۔ پس تفریع صحیح نہیں ہے۔

4098۔ (قولہ: هُوَ الْمُخْتَارُ) یہی امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور یہی امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے ''ظاہر الروایہ'' ہے۔

فَلَوْ قَالَ اللهُ مَعَ الْإِمَامِ وَأَكْبَرُ قَبْلَهُ أَوْ أَدْرَكَ الْإِمَامَ رَاكِعًا فَقَالَ اللهُ قَائِمًا وَأَكْبَرُ رَاكِعًا لَمْ يَصِحَّ فِي الْأَصَحِّ؛ كَمَا لَوْ فَرَغَ مِنْ (اللهُ) قَبْلَ الْإِمَامِ؛ وَلَوْ ذَكَرَ الِاسْمَ بِلَا صِفَةٍ صَحَّ عِنْدَ الْإِمَامِ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ (بِالْحَذْفِ) إِذْ مَدُّ أَحَدِ الْهَمْزَتَيْنِ مُفْسِدٌ،

اگر اللہ امام کے ساتھ کہا اور اکبر اس سے پہلے کہا، یا امام کو رکوع کی حالت میں پایا پھر اللہ کھڑے ہو کر کہا اور اکبر رکوع میں کہا تو اصح قول میں صحیح نہیں ہوگا جیسے اگر امام سے پہلے اللہ کہنے سے فارغ ہو گیا تو صحیح نہیں ہے۔ اگر اسم کا ذکر کیا بغیر صفت کے ساتھ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحیح ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول اس کے خلاف ہے۔ اور ہمزوں کو حذف کر کے اللہ اکبر کہے۔ کیونکہ دونوں ہمزوں میں سے ایک کا کھینچ کر پڑھنا مفسد ہے

اسی طرح امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ کیونکہ اس کے نزدیک صحت کا اختصاص پانچ الفاظ سے ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔ ''ح''۔

4099۔ (قولہ: فَلَوْ قَالَ) یہ اختلاف کے ثمرہ کا بیان ہے اور ''المختار'' پر تفریع ہے۔

4100۔ (قولہ: قَبْلَهُ) فارغ ہونے سے پہلے۔ ''حلبی''۔

4101۔ (قولہ: قَائِمًا) یعنی حقیقۃً کھڑا ہونا مراد ہے اور وہ سیدھا کھڑا ہونا ہے یا حکماً کھڑا ہونا مراد ہے اور وہ تھوڑا سا جھکنا ہے اس طرح کہ اس کے ہاتھ اس کے گھٹنوں کو نہ پکڑ سکیں۔ ''ح''۔

4102۔ (قولہ: فِي الْأَصَحِّ) یعنی ''ظاہر الروایہ'' کی بنا پر اور فائدہ ظاہر کیا کہ جس طرح اس کی اقتدا صحیح نہیں تو اپنی نماز کو بھی شروع کرنے والا نہ ہوگا۔ اور یہی اصح قول ہے جیسا کہ ''النہر'' میں ''السراج'' کے حوالہ سے ہے۔

4103۔ (قولہ: قَبْلَ الْإِمَامِ) یعنی امام کے شروع ہونے سے پہلے۔

4104۔ (قولہ: وَلَوْ ذَكَرَ الِاسْمَ) یہ ماقبل مسئلہ سے مکرر ہے۔ کیونکہ صفت سے مراد خبر ہے اس کے باوجود کہ یہ ضعیف ہے غیر ظاہر الروایہ پر مبنی ہے۔ یہ ''حلبی'' نے فائدہ ذکر کیا ہے۔

اللہ اکبر کے دو ہمزوں میں سے کسی ایک میں مد کرنے کا حکم

4105۔ (قولہ: إِذْ مَدُّ أَحَدِ الْهَمْزَتَيْنِ مُفْسِدٌ) جان لو کہ مد یا تو (اللہ) میں ہوگی۔ پھر یا اس کی ابتدا میں ہوگی، یا وسط میں ہوگی، یا اس کے آخر میں ہوگی۔ اگر اللہ کے آغاز میں مد ہوگی تو وہ اس کے ساتھ نماز کو شروع کرنے والا نہ ہوگا۔ اور وہ نماز کو فاسد کرے گا اگر نماز کے درمیان میں ایسی مد کرے گا۔ اگر وہ جاہل ہوگا تو اسے کافر نہیں کہا جائے گا کیونکہ وہ جازم ہے۔ اور کافر کہنا جملہ کے مضمون میں شک کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور اگر مد (اللہ) کے وسط میں ہوا گر اس نے مد میں اتنا مبالغہ کیا حتیٰ کہ لام اور ھا کے درمیان دوسرا الف پیدا ہو گیا تو یہ مکروہ ہے۔ بعض علما نے فرمایا: مختار یہ ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی اور یہ بعید نہیں ہے۔ اگر مد (اللہ) کے آخر میں ہو تو یہ خطا ہے اور نماز کو فاسد نہیں کرے گا۔ اور ان دونوں صورتوں میں

وَتَعَمُّدُهُ كُفْرٌ وَكَذَا الْبَاءُ فِي الْأَصَحِّ وَيُشْتَرَطُ كَوْنُهُ
اور جان بوجھ کر کھینچ کر پڑھنا کفر ہے اور اسی طرح با کو کھینچ کر پڑھنا اصح قول میں ہے۔ اللہ اکبر کو کھڑے ہو کر کہنا شرط ہے

عدم فساد کا قیاس ان دونوں کے ساتھ شروع ہونے کی صحت ہے۔

اور اگر مد (اکبر) میں ہو تو پھر اس کی اگر ابتدا میں ہو تو وہ خطا اور مفسد ہو گی اگر جان بوجھ کر یہ مد کرے گا تو بعض علما نے فرمایا: شک کی وجہ سے کافر کہا جائے گا۔ بعض نے کہا: کافر نہیں کہا جائے گا۔ اور اس میں اختلاف کرنا مناسب نہیں کہ اس کے ساتھ نماز میں شروع ہونا صحیح نہیں۔ اگر مد اکبر کے وسط میں ہو تو نماز کو فاسد کرے گا اور اس کے ساتھ شروع کرنا صحیح نہ ہو گا۔ ''الصدر الشہید'' نے فرمایا: صحیح ہے۔ اس کو اس کے ساتھ مقید کرنا چاہئے کہ جب اس نے اس کے ساتھ مخالفت کا قصد نہ کیا ہو جیسا کہ ''محمد بن مقاتل'' نے اس پر متنبہ کیا ہے۔ اور ''المجتبیٰ'' میں ہے: فاسد نہیں کرے گا کیونکہ یہ اشباع ہے اور یہ قوم کی لغت ہے۔ بعض نے فرمایا: وہ فاسد کرے گا کیونکہ اکبار ابلیس کے بیٹے کا نام ہے۔ پس اگر ثابت ہو کہ یہ لغت ہے تو وجہ صحیح ہے۔ اور اگر اس کے آخر میں مد کرے تو بعض علما نے فرمایا: وہ نماز کو فاسد کرے گا۔ اور اس کا قیاس یہ ہے کہ اس کے ساتھ شروع ہونا صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح ''الحلبہ'' میں ہے ''ملخصاً''۔ اس مسئلہ کی تمام ابحاث ''البحر'' اور ''النہر'' میں و کبر بلا مدٍ و رکع کے قول کے تحت ہیں۔

میں کہتا ہوں: ھا کی مد کے ساتھ فاسد ہونا چاہئے کیونکہ یہ لاہ کی جمع ہو جائے گی جیسا کہ بعض شوافع نے اس کی تصریح کی ہے۔ ''تامل''

4106۔ (قولہ: وَتَعَمُّدُهُ) یعنی اسم جلالہ کے لفظ یا اکبر کے لفظ سے ہمزہ کو جان بوجھ کر کھینچ کر پڑھنا کفر ہے کیونکہ یہ استفہام ہو گا جو تقاضا کرتا ہے کہ اس کے نزدیک اللہ کی کبریائی اور عظمت ثابت نہیں ہے۔ اسی طرح ''الکفایہ'' میں ہے۔ بہتر ''مبسوط'' کا قول ہے کہ اس پر کفر کا اندیشہ ہے اگر وہ قصداً ایسا کرنے والا ہے۔ اس بنا پر کہ الاکمل نے ''العنایہ'' میں علماء پر اعتراض کیا ہے کہ ہمزہ تقریر کیلئے ہونا جائز ہے۔ پس نہ کفر ہو گا نہ فساد ہو گا۔ لیکن اس طرح جواب دیا جاتا ہے کہ تقریر کا قصد فساد کو دور نہیں کرتا کیونکہ ''شرح المنیہ'' میں ہے کہ انسان صلاحیت نہیں رکھتا کہ اپنے نفس سے تقریر کرے اور اگر غیر کے لئے تقریر کرے گا تو فساد لازم ہو گا کیونکہ یہ خطاب ہے۔

اس بنا پر یہ کہنا مناسب ہے کہ اگر جان بوجھ کر مد کرے گا تو اسے کافر نہیں کہا جائے گا مگر یہ کہ جب وہ اس کے ساتھ شک کا قصد کرے۔ کیونکہ تقریر کے احتمال کا انتفا ہو گیا۔ رہا فساد اور شروع ہونے کی عدم صحت تو یہ دونوں ثابت ہیں اگرچہ مد یا شک کا ارادہ نہ کیا ہو۔ کیونکہ اس نے ایسے لفظ کا تلفظ کیا جو کفر کا احتمال رکھتا ہے۔ پس وہ شرعاً خطا کرنے والا ہو گا۔ اسی وجہ سے ''الحلبہ'' میں فرمایا: فساد کا دارومدار استفہامیہ صورت کا ذکر ہے۔ پس اس کے معنی کو جاننے والا ہونا یا جاننے والا نہ ہونا ان کے درمیان فرق نہ ہو گا سونے والے کی کلام کے ساتھ فساد کی دلیل کی وجہ سے۔

4107۔ (قولہ: وَكَذَا الْبَاءُ فِي الْأَصَحِّ) ''شرح المنیہ'' میں اس کی تصحیح کی ہے۔

(قَائِمًا) فَلَوْ وَجَدَ الْإِمَامَ رَاكِعًا فَكَبَّرَ مُنْحَنِيًا، إِنْ إِلَى الْقِيَامِ أَقْرَبَ صَحَّ وَلَغَتْ نِيَّةُ تَكْبِيرَةِ الرُّكُوعِ فُرُوعٌ كَبَّرَ غَيْرَ عَالِمٍ بِتَكْبِيرِ إِمَامِهِ، إِنْ أَكْبَرُ رَأْيِهِ أَنَّهُ كَبَّرَ قَبْلَهُ لَمْ يَجُزْ وَإِلَّا جَازَ مُحِيطٌ: وَلَوْ أَرَادَ بِتَكْبِيرِهِ

اگر امام کو رکوع میں پایا پھر جھکتے ہوئے اللہ اکبر کہا اگر وہ قیام کے قریب تھا تو صحیح ہوگا اور رکوع کی تکبیر کی نیت لغو ہوگی۔ اپنے امام کی تکبیر کو جانے بغیر تکبیر کہی اگر اس کی زیادہ رائے یہ ہو کہ اس نے امام سے پہلے تکبیر کہی ہے تو جائز نہ ہوگی ورنہ جائز ہوگی ''محیط''۔ اور اگر اپنی تکبیر سے

4108۔(قولہ: قَائِمًا) یعنی فرض میں قیام پر قدرت کے ساتھ۔ ''حلبی''۔

4109۔(قولہ: إِنْ إِلَى الْقِيَامِ أَقْرَبُ) اس طرح کھڑا ہو کہ اس کے ہاتھ اس کے گھٹنوں تک نہ پہنچیں۔ جیسا کہ (مقولہ 4101 میں) گزر چکا ہے۔

''شرح الشیخ اسماعیل'' میں ''الحجۃ'' کے حوالہ سے ہے: جب نفل میں افتتاح کے لئے رکوع کی حالت میں تکبیر کہے تو جائز نہیں ہے اگرچہ نفل بیٹھ کر پڑھنا بھی جائز ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کے درمیان اور اس کے درمیان کہ نفل کے لئے اگر بیٹھ کر تکبیر کہے میں فرق یہ ہے کہ جائز قعود ہر اعتبار سے قیام کے قائم مقام ہے۔ رہا رکوع تو اس کے لئے من وجہ قیام کا حکم ہے اور من وجہ قیام کا حکم نہیں۔ اسی وجہ سے اگر رکوع میں قراءت کی تو جائز نہیں ہوگی۔ ''تامل''

4110۔(قولہ: وَلَغَتْ نِيَّةُ تَكْبِيرَةِ الرُّكُوعِ) یعنی اگر اس تکبیر کے ساتھ رکوع کی تکبیر کی نیت کی اور افتتاح کی تکبیر کی نیت نہ کی تو رکوع کی تکبیر کی نیت لغو ہوگی اور یہ تکبیر افتتاح کی تکبیر کی طرف پھر جائے گی۔ کیونکہ جب اس نے اسکے ساتھ خالص ذکر کا قصد کیا نہ کہ نماز سے کسی خارج شے کا قصد کیا اور تکبیر تحریمہ اس پر فرض تھی کیونکہ وہ شرط ہے تو وہ فرض کی طرف پھر گئی کیونکہ یہ محل تکبیر تحریمہ کا ہے۔ اور یہ نفل سے زیادہ قوی ہے جیسے اگر فاتحہ کی قراءت سے ذکر اور ثنا کی نیت کی اور جیسے اگر طواف رکن جنبی حالت میں کیا اور طواف صدر پاکیزہ حالت میں کیا تو طواف صدر، طواف رکن کی طرف پھر جائے گا بخلاف اس صورت کے جب اس نے تکبیر کے ساتھ صرف اعلام آگاہ کرنے کا قصد کیا ہو کیونکہ وہ اس صورت میں ذکر کا قصد کرنے والا نہ ہوگا۔ پس یہ نماز سے اجنبی کلام ہو جائے گی۔ پس اس کا شروع ہونا صحیح نہ ہوگا جیسا کہ (مقولہ 4044 میں) گزر چکا ہے۔

4111۔(قولہ: وَإِلَّا جَازَ) یعنی اگر اس کا غالب گمان ہو کہ اس نے امام کے ساتھ یا امام کے بعد تکبیر کہی تھی یا اس کی بالکل کوئی رائے (گمان) نہیں تھا تو نماز جائز ہوگی۔ اور تیسری صورت میں جواز اس کے امر کو صواب پر محمول کرنے کی وجہ سے ہے۔ لیکن احوط...... جیسا کہ ''شرح المنیہ'' میں ہے...... کہ وہ دوبارہ تکبیر کہے تا کہ وہ یقین کے ساتھ شک کو ختم کر دے۔ اور ''الفتح'' میں یہاں سہو واقع ہوا ہے اس پر ''النہر'' میں تنبیہ کی ہے۔

4112۔(قولہ: وَلَوْ أَرَادَ الخ) پہلا مسئلہ ''الاشباہ'' کے الغاز میں ذکر کیا ہے اور دوسرا مسئلہ المصنف نے الذبائح

التَّعَجُّبَ أَوْ مُتَابَعَةَ الْمُؤَذِّنِ لَمْ يَصِرْ شَارِعًا وَيَجْزِمُ الرَّاءَ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (الْأَذَانُ جَزْمٌ، وَالْإِقَامَةُ جَزْمٌ، وَالتَّكْبِيرُ جَزْمٌ) مِنَحٌ وَمَرَّ فِي الْأَذَانِ (وَ) إِنَّمَا (يَصِيرُ شَارِعًا بِالنِّيَّةِ عِنْدَ التَّكْبِيرِ لَا بِهِ)

تعجب کا ارادہ کیا یا موذن کی متابعت کا ارادہ کیا تو نماز کو شروع کرنے والا نہ ہوگا۔ اللہ اکبر کی را کو جزم دے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: اذان جزم ہے، اقامت جزم ہے اور تکبیر جزم ہے(1) ''منح''۔ اور یہ حدیث باب الآذان میں گزر چکی ہے۔ تکبیر کے وقت نیت کے ساتھ نماز کو شروع کرنے والا ہوگا۔ نہ صرف تکبیر سے اور نہ صرف نیت سے شروع کرنے والا ہوگا

کے متن میں (مقولہ 32404 میں) ذکر کیا ہے۔

4113۔ (قولہ: لَمْ يَصِرْ شَارِعًا) کیونکہ تعجب اور جواب دینا نماز سے اجنبی امر ہیں نماز کو توڑنے والے ہیں۔ ''شرح الشیخ اسماعیل'' میں باب مفسدات الصلوٰۃ میں ہے: اگر اس نے اللھم صل علی محمد یا اللہ اکبر کہا اور اس سے جواب کا ارادہ کیا تو بالاجماع اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر موذن کو جواب دیا تب بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر نماز میں اذان دی نماز فاسد ہو جائے گی جب اس نے اذان کا ارادہ کیا ہوگا۔

الاذان جزم کا مطلب

4114۔ (قولہ: وَيَجْزِمُ الرَّاءَ) یعنی را کو ساکن کرے۔ ''الحلبہ'' میں فرمایا: پھر تم جان لو کہ مسنون تکبیر کا حذف ہے خواہ وہ افتتاح کے لئے ہو یا نماز کے درمیان میں ہو۔ فقہاء نے فرمایا: یہ ''ابراہیم النخعی'' سے موقوف اور مرفوع حدیث کی وجہ سے ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: الاذان جزم، والاقامہ جزم والتکبیر جزم۔ ''الکافی'' میں فرمایا: اور مراد حرکت کے اشباع سے اور اس میں تعمق سے رکنا ہے اور ہمزہ کو لمبا کرنے اور زیادہ فحش کرنے سے بچنا ہے۔ پھر بلا اختلاف ھا کو رفع دینا ہے۔ رہا را تو ''المضمرات'' میں ''المحیط'' کے حوالہ سے ہے کہ اگر چاہے تو رفع دے یا جزم دے۔ اور ''المبتغی'' میں ہے: اس میں اصل جزم ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: التکبیر جزم والتسمیع جزم۔ تکبیر (کے آخر میں) جزم سے سمع اللہ لمن حمدہ (کے آخر میں) جزم ہے۔

4115۔ (قولہ: وَمَرَّ فِي الْأَذَانِ) اس پر بقیہ کلام ہم نے (مقولہ 3392 میں) وہاں کی ہے۔ پس ادھر رجوع کرو۔

4116۔ (قولہ: وَإِنَّمَا يَصِيرُ شَارِعًا بِالنِّيَّةِ عِنْدَ التَّكْبِيرِ) اسی طرح ''البحر'' میں ''الزیلعی'' کے باب الحج کے حوالہ سے ہے۔ تکبیر سے مراد مطلق ذکر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نیت جب نماز کی صحت کے لئے شرط ہے اور صحیح قول پر تحریمہ بھی شرط ہے۔ اور نیت تحریمہ پر مقدم ہے حقیقۃً یا حکماً نماز کے وجود تک باقی ہونا ہے اس طرح کہ دل سے نیت کی اور اس کے بعد کوئی اجنبی فاصل نہ پایا گیا۔ کبھی وہم ہوتا ہے کہ صرف نیت کے ساتھ شروع ہونا ہے تو مصنف نے بیان کر دیا کہ تحریمہ کے وجود کے وقت نیت کے ہونے کے ساتھ شروع ہونا ہے۔

1۔ سنن ترمذی، کتاب الصلوٰۃ، باب ما جاء ان حذف السلام سنۃ، جلد 1، صفحہ 205، حدیث نمبر 274

وَحْدَهُ وَلَا بِهَا وَحْدَهَا بَلْ بِهِمَا (وَلَا يَلْزَمُ الْعَاجِزَ عَنِ النُّطْقِ) كَأَخْرَسَ وَأُمِّيٍّ (تَحْرِيكُ لِسَانِهِ) وَكَذَا فِي حَقِّ الْقِرَاءَةِ هُوَ الصَّحِيحُ لِتَعَذُّرِ الْوَاجِبِ، فَلَا يَلْزَمُ غَيْرُهُ إِلَّا بِدَلِيلٍ فَتَكْفِي النِّيَّةُ. لَكِنْ يَنْبَغِي أَنْ يُشْتَرَطَ فِيهَا الْقِيَامُ وَعَدَمُ تَقْدِيمِهَا لِقِيَامِهَا مَقَامَ التَّحْرِيمَةِ وَلَمْ أَرَهُ

بلکہ نیت اور تکبیر دونوں کے ساتھ شروع کرنے والا ہوگا۔ جو بولنے سے عاجز ہے جیسے گونگا اور ان پڑھ اس پر زبان کو حرکت دینا لازم نہیں اور اسی طرح قراءت کے حق میں ہے یہی صحیح ہے۔ کیونکہ واجب کے تعذر کے وقت (زبان کو حرکت دینا واجب نہیں) تو کسی دوسری چیز کے لئے بھی زبان کو حرکت دینا لازم نہ ہوگا مگر دلیل کے ساتھ۔ پس نیت کافی ہوگی لیکن اس میں قیام اور نیت کا نماز شروع کرنے سے زیادہ مقدم نہ ہونا شرط ہونا چاہئے۔ کیونکہ نیت کا قیام تحریمہ کے قائم مقام ہے۔ اور میں نے یہ نہیں دیکھا۔

4117۔ (قولہ: بَلْ بِهِمَا) یعنی جب صرف نیت کے ساتھ شروع ہونے کے ساتھ نیت مستقل نہیں بلکہ تحریمہ پر موقوف ہے تو دونوں کے ساتھ شروع ہونا ہوا نہ کہ ایک کے ساتھ جیسے حج کا احرام باندھنے والا جب حج کی نیت کرتا ہے تو وہ حج کو شروع کرنے والا نہیں ہوتا جب تک کہ وہ تلبیہ نہیں کہتا۔ پس اگر کوئی حج کی نیت کرے اور تلبیہ نہ کہے، یا تلبیہ کہے اور نیت نہ کرے تو وہ محرم نہ ہوگا۔ فافہم۔

4118۔ (قولہ: لِتَعَذُّرِ الْوَاجِبِ) اور واجب تکبیر اور قراءت کے لفظ کے ساتھ زبان کو حرکت دینا ہے۔

گونگے اور اُمی کے حق میں نیت تحریمہ کے قائم مقام ہے

4119۔ (قولہ: لَكِنْ يَنْبَغِي) اس کا بیان یہ ہے کہ نیت جب تحریمہ کی طرف سے کفایت کرتی ہے تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ نیت تحریمہ کے قائم مقام ہے۔ جب نیت تحریمہ کے قائم مقام ہے تو نیت میں تحریمہ کی شروط کی رعایت کرنا لازم ہے۔ پس نیت میں اس وقت قیام اور نیت کا نماز سے مقدم نہ ہونا شرط ہے کیونکہ نیت تحریمہ کے قائم مقام ہے۔ نیت کی ذات کی وجہ سے یہ شرائط نہیں۔ کیونکہ جو بولنے سے عاجز نہیں اگر وہ بیٹھ کر نماز کی نیت کرے پھر کھڑا ہو اور تکبیر تحریمہ کہے تو صحیح ہے۔ اسی طرح اگر نیت کو مقدم کیا جس طرح فقہا نے کہا ہے کہ اگر گھر میں جماعت کے نماز پڑھنے کا قصد کرتے ہوئے وضو کیا پھر وہ نماز کے لئے نکلا اور امام کے ساتھ داخل ہونے کے وقت اس کی نیت حاضر نہ تھی تو اس کی نماز صحیح ہے جب تک کہ کوئی اجنبی فاصل کلام وغیرہ میں سے نہ پایا جائے۔ اور یہ چلنا معاف ہے۔ یہ اس کے کلام کی تقریر ہے۔ اور شارح صاحب ''النہر'' کا اس بحث میں متابع ہے۔ محشی علما نے اس کو ثابت رکھا ہے۔ جو اس میں (ضعف) ہے وہ مخفی نہیں۔ کیونکہ نیت مستقل شرط ہے اور تحریمہ دوسری شرط ہے بقیہ شروط کی طرح۔ جب کسی عذر کی وجہ سے ایک شرط ساقط ہوگئی اور اس کے سوا بقیہ شرائط پر اکتفا کیا گیا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسری شرط اس کے قائم مقام کی گئی ہے۔ کیونکہ شروط رائے کے ساتھ قائم نہیں کی جاتیں۔ اسی وجہ سے غیر کی تبع میں فرمایا: دوسری چیز لازم نہ ہوگی مگر دلیل کے ساتھ۔ یہ اس طرح ہے کہ جب قیام یا پانی کے استعمال

ثُمَّ فِی الْأَشْبَاہِ فِی قَاعِدَۃِ اَلتَّابِعُ تَابِعٌ فَالْمُفْتَى بِهِ لُزُومُهُ فِي تَكْبِيرَةٍ وَتَلْبِيَةٍ لَا قِرَاءَةٍ (وَرَفْعُ يَدَيْهِ) قَبْلَ التَّكْبِيرِ، وَقِيلَ مَعَهُ (مَاسًّا بِإِبْهَامَيْهِ شَحْمَتَيْ أُذُنَيْهِ)

پھر ''الاشباہ'' کے قاعدہ تابع تابع ہوتا ہے، مفتی بہ تکبیر اور تلبیہ میں حرکت دینا لازم ہے قراءت کے لئے حرکت دینا لازم نہیں۔ تکبیر سے پہلے ہاتھوں کو بلند کرنا، اور بعض علماء نے فرمایا: تکبیر کے ساتھ ہاتھوں کو بلند کرنا اپنے انگوٹھوں کے ساتھ اپنے کانوں کی لوؤں کو چھوتے ہوئے۔

سے عاجز ہوا تو بیٹھنا اور مٹی ان کے قائم مقام دلیل کی وجہ سے ہوئے۔ بخلاف اس کے جو ستر عورت سے عاجز ہے اس کے قائم مقام کسی چیز کو کرنے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ پس وہ شرط بالکلیہ ساقط ہوگئی اور اس کے علاوہ شرائط پر اکتفا کیا گیا۔ جب زبان کا حرکت دینا بولنے کے قائم مقام نہیں ہے کیونکہ اس کی دلیل نہیں ہے تو نیت بغیر کسی دلیل کے اس کے قائم مقام کیسے ہوگی باوجود اس کے کہ زبان کو حرکت دینا نیت کی نسبت بولنے کے زیادہ قریب ہے؟

4120۔ (قولہ: ثُمَّ فِی الْأَشْبَاہِ) میں کہتا ہوں: ''الاشباہ'' کی عبارت جو میں نے متعدد نسخوں میں دیکھی ہے وہ یہ ہے و مما خرج ...... ای عن القاعدۃ ...... الاخرس الخ یعنی جو قاعدہ سے نکلا وہ گونگا ہے اسے افتتاح کی تکبیر اور تلبیہ میں اس قول پر زبان کو حرکت دینا لازم ہے۔ رہی قراءت تو مختار قول پر اس کے لئے گونگے کو زبان کو حرکت دینا لازم نہیں۔ بعض نسخوں میں علی القول بہ کی جگہ علی المفتی بہ کے الفاظ ہیں۔ اور بہتر اس کی موافقت ہے جو صاحب ''الاشباہ'' نے اپنی ''البحر'' میں فرضھا التحریمۃ کے قول کے تحت لکھا ہے۔ کیونکہ انہوں نے تحریمہ میں عدم وجوب کی تصحیح نقل کی ہے اور ''المحیط'' میں اس پر جزم کیا ہے۔ لیکن تحریمہ اور تلبیہ میں فرق کی ضرورت ہے۔ کیونکہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر نص قائم کی ہے کہ زبان کو حرکت دینا تلبیہ میں شرط ہے۔ اور ''المحیط'' میں فرمایا: زبان کو حرکت دینا مستحب ہے جیسا کہ نماز میں مستحب ہے۔ اسی طرح ''شرح لباب المناسک'' میں ہے۔ پھر فرمایا: میں کہتا ہوں: مناسب ہے کہ حج میں بدرجہ اولیٰ زبان کو حرکت دینا لازم نہ ہو کیونکہ قراءت فرض قطعی ہے اور تلبیہ امر ظنی ہے۔

4121۔ (قولہ: قَبْلَ التَّكْبِيرِ، وَقِيلَ مَعَهُ) پہلے قول کو ''المجمع'' میں امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا ہے اور ''غایۃ البیان'' میں ہمارے اکثر علما کی طرف منسوب کیا ہے اور ''المبسوط'' میں اکثر مشائخ کی طرف منسوب کیا ہے اور ''الہدایہ'' میں اسی قول کی تصحیح کی ہے۔ اور دوسرے قول کو ''الخانیہ''، ''الخلاصہ''، ''التحفہ''، ''البدائع'' اور ''المحیط'' میں پسند کیا ہے اس طرح کہ تکبیر کو شروع کرنے کے وقت ہاتھوں کو اٹھانا شروع کرے اور تکبیر کے ختم ہونے کے وقت ہاتھوں کو اٹھانا ختم کرے۔ ''البقالی'' نے اس کو ہمارے تمام علما کی طرف منسوب کیا ہے اور ''الحلبہ'' میں اس کو ترجیح دی ہے۔ اور یہاں ایک تیسرا قول بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ تکبیر کے بعد ہاتھ اٹھائے۔ اور تمام اقوال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کئے گئے ہیں۔ اور ''الہدایہ'' میں جو ہے وہ اولیٰ ہے جیسا کہ ''البحر'' اور ''النہر'' میں ہے۔ اسی وجہ سے الشارح نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ فافہم۔

هُوَ الْمُرَادُ بِالْمُحَاذَاةِ لِأَنَّهَا لَا تُتَيَقَّنُ إلَّا بِذَلِكَ، وَيَسْتَقْبِلُ بِكَفَّيْهِ الْقِبْلَةَ، وَقِيلَ خَدَّيْهِ (وَالْمَرْأَةُ) وَلَوْ أَمَةً كَمَا فِي الْبَحْرِ لَكِنْ فِي النَّهْرِ عَنْ السِّرَاجِ أَنَّهَا هُنَا كَالرَّجُلِ وَفِي غَيْرِهِ كَالْحُرَّةِ (تَرْفَعُ) بِحَيْثُ يَكُونُ رُءُوسُ أَصَابِعِهَا (حِذَاءَ مَنْكِبَيْهَا) وَقِيلَ كَالرَّجُلِ (وَصَحَّ شُرُوعُهُ) أَيْضًا مَعَ كَرَاهَةِ التَّحْرِيمِ

محاذاۃ سے یہی مراد ہے۔ کیونکہ اس کا یقین نہیں ہوتا مگر اس طرح کرنے کے ساتھ اور اپنی ہتھیلیوں کا رخ قبلہ کی جانب کرے۔ اور بعض علماء نے فرمایا: ہتھیلیوں کا رخ اپنے رخساروں کی طرف کرے اور عورت اگرچہ لونڈی ہو جیسا کہ ''البحر'' میں ہے۔ لیکن ''النہر'' میں ''السراج'' کے حوالہ سے ہے کہ یہاں لونڈی مرد کی طرح ہے اور اس کے علاوہ میں آزاد عورت کی طرح ہے۔ وہ (عورت) اپنے ہاتھوں کو بلند کرے اس طرح کہ اس کی انگلیوں کے سرے اس کے کندھوں کے برابر ہوں اور بعض علماء نے فرمایا: عورت مرد کی طرح ہاتھ اٹھائے۔

کانوں کی لو اور کندھوں تک ہاتھ اٹھانے سے متعلق روایات میں تطبیق

4122۔ (قولہ: هُوَ الْمُرَادُ بِالْمُحَاذَاةِ) یعنی ''ظاہر الروایہ'' کی کتب میں اور بعض احادیث کی روایات میں جو محاذاۃ کا لفظ واقع ہے اس سے یہی مراد ہے جیسا کہ ''الحلبہ'' میں اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ اور انہوں نے اس کے اور کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کی روایات کے درمیان اس طرح توفیق دی ہے کہ دوسرا قول اس صورت میں ہے جب ہاتھ سردی کی وجہ سے کپڑوں میں ہوتے تھے جیسا کہ امام ''طحاوی'' نے بعض روایات سے اخذ کرتے ہوئے یہ کہا ہے۔ صاحب ''الہدایہ'' وغیرہ نے ان کی اتباع کی ہے۔ ''ابن الہمام'' نے اس طرح توفیق پر اعتماد کیا ہے کہ کلائی سے کندھوں کے لئے ہاتھوں کو برابر کرتے وقت، انگوٹھوں کے ساتھ کانوں کے لئے محاذاۃ حاصل ہو جاتی ہے۔ اور ''ابوداؤد'' کی روایت کا صریح یہی ہے۔ ''الحلبہ'' میں فرمایا: یہی امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اسی پر امام ''النووی'' چلے ہیں۔ انہوں نے ''شرح مسلم'' میں فرمایا: جماہیر کے مذہب سے یہی مشہور ہے۔

4123۔ (قولہ: وَيَسْتَقْبِلُ الخ) اس کو ''المنیہ'' اور اس کی شرح میں ذکر کیا ہے۔

4124۔ (قولہ: أَنَّهَا) یعنی لونڈی ھنا یعنی اٹھانے میں۔ یہ ''القنیہ'' میں قیل کے ساتھ حکایت کیا ہے۔ پس معتمد وہی ہے جو ''الحلبہ'' کی تبع میں ''البحر'' میں ہے۔

4125۔ (قولہ: وَفِي غَيْرِهِ) جیسے رکوع، سجود اور قعود۔

4126۔ (قولہ: وَقِيلَ كَالرَّجُلِ) ''الحسن'' نے امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ عورت اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے کانوں کے برابر اٹھائے جیسے مرد اٹھاتا ہے کیونکہ عورت کی ہتھیلیاں شرمگاہ نہیں ہیں۔ ''حلبہ''۔ اور جو متن میں ہے ''الہدایہ'' میں اس کی تصحیح کی ہے اور فرمایا: اس پر قنوت، عیدین اور جنازہ کی تکبیر ہے۔

4127۔ (قولہ: أَيْضًا الخ) یعنی جیسا کہ سابق تکبیر کے ساتھ شروع ہونا صحیح ہے۔ تسبیح وغیرہ سے شروع ہونا صحیح ہے

(بِتَسْبِيحٍ وَتَهْلِيلٍ) وَتَحْمِيدٍ وَسَائِرِ كَلِمِ التَّعْظِيمِ الْخَالِصَةِ لِلّٰهِ تَعَالَى وَلَوْ مُشْتَرَكَةً كَرَحِيمٍ وَكَرِيمٍ فِي الْأَصَحِّ، وَخَصَّهُ الثَّانِي بِأَكْبَرَ وَكَبِيرٌ مُنَكَّرًا وَمُعَرَّفًا زَادَ فِي الْخُلَاصَةِ وَالْكُبَارُ مُخَفَّفًا وَمُثَقَّلًا

تسبیح تہلیل، تحمید اور کلمات تعظیم جو خالص اللہ کے لئے ہوتے ہیں اگر مشترک بھی ہو جیسے الرحیم اور الکریم اصح قول میں ان کے ساتھ نماز میں شروع ہونا صحیح ہوتا ہے اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ اکبر، اللہ کبیر، نکرہ اور الکبیر معرفہ کہنے کو خاص کیا ہے اور ''الخلاصہ'' میں اللہ الکبار مخفف اور مثقل کہنے کا اضافہ کیا ہے

لیکن مکروہ تحریمی کے ساتھ۔ کیونکہ تکبیر کے ساتھ شروع ہونا واجب ہے۔ اور ہم نے پہلے (مقولہ 4096 میں) پیش کیا ہے کہ واجب اللہ اکبر کا لفظ ہے آنے والے (اس مقولہ میں) تکبیر کے الفاظ سے۔ اور ''الخزائن'' میں یہاں فرمایا: کیا اللہ اکبر کے بغیر شروع کرنا مکروہ ہے۔ دو تصحیح ہیں۔ راجح یہ ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے۔ اور اس کا وجوب عام ہے نہ کہ عید کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ ''البحر'' میں اس کو تحریر کیا ہے اس مواظبت کی وجہ سے جو ترک کے ساتھ متصل نہیں ہے۔

4128۔ (قولہ: وَسَائِرِ كَلِمِ التَّعْظِيمِ) جیسے اللہ اجل یا اعظم، یا الرحمٰن اکبر، یا لا الہ الا اللہ، یا تبارک اللہ۔ کیونکہ دلائل میں وارد تکبیر جیسے وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ (المدثر) اس کا معنی تعظیم ہے۔ اس میں اجمال نہیں ہے اسکی مکمل بحث ''شرح المنیہ'' میں ہے۔

4129۔ (قولہ: الْخَالِصَةِ) یعنی جو دعا کے شائبہ اور اپنی حاجت کے شائبہ سے خالص ہو۔

4130۔ (قولہ: لِلّٰهِ تَعَالَى) یہ تعظیم کے متعلق ہے نہ کہ الخالصہ کے متعلق ہے۔ ورنہ ولو مشترکۃ کے قول کے مخالف ہوگا۔ بہتر اس کا کلیۃ حذف کرنا ہے۔ ''تامل''

4131۔ (قولہ: فِي الْأَصَحِّ) ''الذخیرہ'' اور ''الخانیہ'' میں خاص کے ساتھ اس کی تخصیص میں سے جو ہے وہ اس کے خلاف ہے اور اختلاف اس صورت کے ساتھ مقید ہے جب وہ ایسی چیز سے متصل نہ ہو جو اشتراک کو زائل کر دے جب وہ ایسی چیز سے متصل ہو جیسے الرحیم بعبادہ تو بالاتفاق صحیح ہے جیسا کہ جب ایسی چیز کے ساتھ متصل ہو جو نماز کو فاسد کر دیتی ہو تو بالاتفاق صحیح نہیں ہے جیسے العالم بالموجود والمعدوم یا العالم باحوال الخلق جیسا کہ ''الحلبہ'' میں ہے۔ اور اس کی طرف ''البزازیہ'' میں اشارہ کیا ہے۔ ''البحر'' اور ''النہر'' میں یہ فائدہ ذکر کیا ہے۔

4132۔ (قولہ: وَخَصَّهُ الثَّانِي) امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز میں شروع ہونا صحیح نہیں مگر ان الفاظ کے ساتھ جو التکبیر مصدر سے مشتق ہیں۔ اور صحیح امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جیسا کہ ''النہر'' اور ''الحلبہ'' میں ''التحفہ'' اور ''الزاد'' کے حوالہ سے ہے۔

4133۔ (قولہ: وَالْكُبَارُ) یعنی کاف کے ضمہ کے ساتھ بمعنی الکبیر جیسا کہ ''القاموس'' میں ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کو نکرہ ذکر کرنا جائز ہے جیسا کہ الاکبر اور الکبیر میں جائز ہے۔ پس رجوع کرنا چاہئے۔ ''حلبی''۔

(كَمَا صَحَّ لَوْ شَرَعَ بِغَيْرِ عَرَبِيَّةٍ) أَيِّ لِسَانٍ كَانَ، وَخَصَّهُ الْبَرْدَعِيُّ بِالْفَارِسِيَّةِ لِمَزِيَّتِهَا بِحَدِيثِ (لِسَانُ أَهْلِ الْجَنَّةِ الْعَرَبِيَّةُ وَالْفَارِسِيَّةُ الدَّرِّيَّةُ) بِتَشْدِيدِ الرَّاءِ قُهُسْتَانِيٌّ وَشَرَطَا عَجْزَهُ،

جیسا کہ شروع ہونا صحیح ہے اگر بغیر عربی کے کسی زبان میں شروع ہوا ہو۔ اور ''البردعی'' نے اس کو فارسی میں کہنے کے ساتھ خاص کیا ہے۔ کیونکہ اس حدیث کی وجہ سے اسے فضلیت حاصل ہے اہل جنت کی زبان العربیہ اور فصیح فارسی زبان ہے(1)۔ ''الدرّیہ'' را کی تشدید کے ساتھ ہے۔ ''قہستانی''۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے عجز کی شرط لگائی ہے۔

4134۔ (قولہ: وَخَصَّهُ الْبَرْدَعِيُّ) یہ ضعیف ہے۔ اور ''البردعی'' اکثر کے نزدیک دال مہملہ کے ساتھ ہے۔ یہ ''احمد بن حسین'' ہے۔ اور فارس ایک قلعہ کا نام ہے جس کی طرف ایک قوم منسوب ہے۔ اس سے مراد ان کی لغت ہے۔ یہ اشرف لغت ہے اور عربی کے بعد مشہور اور عربی لغت کے قریب ہے۔ ''ابو السعود''۔ ''طحطاوی''۔

4135۔ (قولہ: بِحَدِيثٍ) یہ مزیتھا کے متعلق ہے۔

4136۔ (قولہ: وَالْفَارِسِيَّةُ الدَّرِّيَّةُ) ''المغرب'' میں فرمایا: الفارسیۃ الدریۃ سے مراد فصیح زبان ہے۔ یہ دَرّ کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ فارسی میں اس سے مراد دروازہ ہے۔ یہ دال مہملہ اور را ساکنہ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ اور جب تو وضعی طور پر دو حرفوں والے لفظ کی طرف نسبت کرے گا پھر اگر اس کا دوسرا حرف صحیح ہوگا تو اس میں تضعیف اور عدم تضعیف دونوں جائز ہوں گے۔ پس تو کَمّ میں کہے گا۔ کَمِیٌّ تخفیف کے ساتھ اور کَمِّیٌّ تشدید کے ساتھ۔ اور اگر دوسرا حرف لین ہوگا تو اس کی تضعیف لازمی ہے جیسا کہ ''الاشمونی'' نے ''شرح الالفیہ'' میں اس کی وضاحت کی ہے۔ فافہم۔

ظاہر یہ ہے کہ ''القہستانی'' کا ضبط الدَّرّیہ را کی شد کے ساتھ لازم نہیں ہے۔

فارسیہ کی پانچ لغات ہیں

''حلبی'' نے ''ابن کمال'' سے یہ فائدہ تحریر کیا ہے: فارسی کی پانچ لغات ہیں:

۱۔ فهلویه: اس زبان کو بادشاہ اپنی مجالس میں بولتے تھے۔

۲۔ درّیه: اس کو وہ بولتے تھے جو بادشاہ کے دروازے پر کھڑے ہوتے تھے۔

۳۔ فارسیه: جس کو فارس کے فقیہ اور جوان کے مناسب ہوتا وہ بولتا۔

۴۔ خوزسیه: یہ خوزستان کی لغت ہے اس کو ملوک اور اشراف بیت الخلا اور حمام میں برہنہ ہونے کے وقت بولتے تھے۔

۵۔ وسریانیة: یہ سوریان کی طرف منسوب ہے اور وہ عراق ہے۔

4137۔ (قولہ: وَشَرَطَا عَجْزَهُ) یعنی عربی میں تکبیر کہنے سے جو عاجز ہے۔ اور معتمد امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ''طحطاوی''۔ بلکہ آگے (مقولہ 4150 میں) آئے گا جو اس پر اتفاق کا فائدہ دیتا ہے کہ اس میں عجز شرط نہیں ہے۔

1۔ المعجم الکبیر للطبرانی، جلد 11، صفحہ 185، حدیث نمبر 11442

وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الْخُطْبَةُ وَجَمِيعُ أَذْكَارِ الصَّلَاةِ۔ وَأَمَّا مَا ذَكَرَهُ بِقَوْلِهِ (أَوْ آمَنَ أَوْ لَبَّى أَوْ سَلَّمَ أَوْ سَمَّى عِنْدَ ذَبْحٍ) أَوْ شَهِدَ عِنْدَ حَاكِمٍ أَوْ رَدَّ سَلَامًا وَلَمْ أَرَ لَوْ شَمَّتَ عَاطِسًا (أَوْ قَرَأَ بِهَا عَاجِزًا) فَجَائِزٌ إِجْمَاعًا، قَيَّدَ الْقِرَاءَةَ بِالْعَجْزِ لِأَنَّ الْأَصَحَّ رُجُوعُهُ إِلَى قَوْلِهِمَا وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى قُلْت وَجَعَلَ الْعَيْنِيُّ الشُّرُوعَ كَالْقِرَاءَةِ

اس اختلاف پر خطبہ اور نماز کے تمام اذکار ہیں۔ رہا وہ جو اس قول کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ یا ایمان لایا یا تلبیہ کہا یا سلام کیا یا ذبح کے وقت بِسْمِ اللہِ پڑھی یا حاکم کے پاس گواہی دی یا سلام کا جواب دیا اور میں نے نہیں دیکھا کہ اگر چھینک مارنے والے کا جواب دیا یا عجز کی حالت میں فارسی میں قراءت کی تو بالاجماع جائز ہے۔ قراءت کو عجز کے ساتھ مقید کیا ہے۔ کیونکہ اصح ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے قول کی طرف ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا رجوع ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ میں کہتا ہوں: علامہ ''العینی'' کا نماز شروع کرنے کو قراءت کی طرح بنانا،

4138۔ (قولہ: وَجَمِيعُ أَذْكَارِ الصَّلَاةِ) ''التتارخانیہ'' میں ''المحیط'' کے حوالہ سے ہے کہ اس اختلاف کی بنا پر اگر نماز میں فارسی میں تسبیح کہی یا دعا کی یا اللہ تعالیٰ کی ثنا کی یا تعوذ پڑھا یا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہا یا تشہد پڑھا تو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحیح ہے۔ لیکن آگے عجمی زبان میں دعا کی کراہیت (مقولہ 4422 میں) آئے گی۔

4139۔ (قولہ: وَأَمَّا مَا ذَكَرَهُ) جو نماز کے اذکار سے خارج ہیں۔ اور أَمَّا کا جواب فجائزٌ اجماعاً ہے۔

4140۔ (قولہ: أَوْ آمَنَ) ہمزہ کی مد کے ساتھ الایمان سے مشتق ہے جیسا کہ ''البحر'' میں ہے۔ ''حلبی''۔ اور سلّم یعنی غیر پر سلام کیا اور بعض نسخوں میں أَسْلَمَ اسلام سے ہے۔ اس بنا پر امّن تشدید کے ساتھ التامین سے ہوگا۔ پہلا نسخہ بہتر ہے کیونکہ وہ اس کے موافق ہے جو شارح کے خط سے ''الخزائن'' میں میں نے دیکھا ہے۔ اور چونکہ التامین نماز کے اذکار سے ہے مگر یہ کہ یہ کفار کو امان دینے سے ہو۔ کیونکہ کتاب الجہاد میں متن میں آئے گا کہ وہ کسی لغت میں ہو صحیح ہوگا۔

4141۔ (قولہ: وَلَمْ أَرَ الخ) اس کے درمیان اور سلام لوٹانے کے درمیان فرق ظاہر نہ ہوگا۔ ''حلبی''۔

4142۔ (قولہ: قَيَّدَ الْقِرَاءَةَ بِالْعَجْزِ) اس کی طرف اشارہ ہے کہ عاجزاً کا قول صرف قرء کے فاعل سے حال ہے ماقبل افعال سے نہیں۔

4143۔ (قولہ: وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى) ''الہدایہ'' اور ''شرح المجمع'' (جو اس کے مصنف کی ہے) اس میں ہے کہ اس پر اعتماد ہے۔

4144۔ (قولہ: وَجَعَلَ) رفع کے ساتھ مبتدا ہے اور اس کی خبر: لا سلف له فيه کا قول ہے۔

4145۔ (قولہ: كَالْقِرَاءَةِ) یعنی اس میں عجز کی شرط میں اور اس میں کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔ کیونکہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک نماز کے تمام اذکار میں عجز شرط ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

لَا سَلَفَ لَهُ فِيهِ وَلَا سَنَدَ لَهُ يُقَوِّيهِ، بَلْ جَعَلَهُ فِي التَّتَارْخَانِيَّةِ كَالتَّلْبِيَةِ يَجُوزُ اتِّفَاقًا، فَظَاهِرُهُ كَالْمَتْنِ رُجُوعُهُمَا إِلَيْهِ لَا هُوَ إِلَيْهِمَا فَاحْفَظْهُ، فَقَدْ اشْتَبَهَ عَلَى كَثِيرٍ مِنَ الْقَاصِرِينَ

اس میں ان کے لئے سلف میں سے کوئی نہیں ہے اور اس کے لئے کوئی سند نہیں ہے جو اسے تقویت دے بلکہ ''التتارخانیہ'' میں نماز کے شروع ہونے کو تلبیہ کی طرح بنایا ہے۔ یہ بالاتفاق جائز ہے۔ پس اس کا ظاہر متن کی طرح ہے۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی طرف رجوع کیا ہے نہ کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''صاحبین'' رحمہما اللہ کی طرف رجوع کیا ہے۔ اس کو یاد رکھو۔ اکثر کوتاہ لوگوں پر یہ مشتبہ ہوا ہے۔

4146۔ (قولہ: لَا سَلَفَ لَهُ فِيهِ) یعنی علامہ ''عینی'' سے پہلے یہ کسی نے نہیں کہا۔ منقول یہ ہے کہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے قول کی طرف عربی قراءت کی شرط میں رجوع کیا ہے مگر عجز کے وقت۔

رہا شروع کرنے کا مسئلہ تو کتب عامہ میں مذکور رجوع کے ذکر کے بغیر اس میں اختلاف کا بیان ہے۔ اور متن کی عبارت جیسے ''الکنز'' وغیرہ اس میں صریح کی طرح ہے۔ کیونکہ انہوں نے صرف قراءت میں عجز کی قید کا اعتبار کیا ہے۔

4147۔ (قولہ: وَلَا سَنَدَ لَهُ يُقَوِّيهِ) یعنی اس کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے جو اس کے مدعا کو تقویت دے۔ کیونکہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے عربی میں قراءت کی شرط میں ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے قول کی طرف رجوع کیا ہے۔ کیونکہ قراءت قرآن کا حکم دیا گیا ہے۔ اور قرآن نام ہے اس مُنَزَّل کا جو عربی لفظ کے ساتھ ہے جو منظوم ہے اس نظم کے ساتھ جو مصاحف میں لکھا گیا ہے ہم تک متواتر نقل کے ساتھ منقول ہے۔ اور عجمی کو مجازاً قرآن نہیں کہا جاتا۔ اسی وجہ سے اس سے قرآن کے اسم کی نفی صحیح ہے۔

پس ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے قول کی دلیل کی قوت کی وجہ سے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی طرف رجوع کیا۔ رہا فارسی میں شروع کرنا تو اس میں ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل زیادہ قوی ہے اور وہ شروع ہونے میں مطلوب ذکر اور تعظیم کا ہونا ہے۔ اور یہ حاصل ہوتا ہے خواہ وہ کسی لفظ سے ہو اور کسی زبان سے ہو۔ ہاں لفظ اللہ اکبر واجب ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر مواظبت اختیار فرمائی۔ یہ فرض نہیں ہے۔

4148۔ (قولہ: بَلْ جَعَلَهُ فِي التَّتَارْخَانِيَّةِ كَالتَّلْبِيَةِ) اس کی عبارت کی اصل یہ ہے: ''شرح الطحاوی'' میں ہے اگر فارسی میں تکبیر کہی، یا ذبح کے وقت فارسی میں بِسْمِ اللّٰهِ کہی، یا احرام کے وقت فارسی میں تلبیہ کہا، یا کسی زبان میں کہا خواہ عربی اچھی طرح جانتا ہو یا نہیں بالاتفاق جائز ہے۔

4149۔ (قولہ: كَالْمَتْنِ) کیونکہ شروع کرنے کو عجز کے ساتھ مقید نہیں کیا جیسا کہ قراءت کو اس کے ساتھ مقید کیا ہے۔

4150۔ (قولہ: رُجُوعُهُمَا إِلَيْهِ) یعنی ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے بلا عجز فارسی میں شروع کرنے کی صحت کے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی طرف رجوع کیا جیسا کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے صرف قراءت میں عدم صحت کے ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے قول کی طرف رجوع کیا، نہ شروع کرنے میں جیسا کہ علامہ ''العینی'' کو وہم ہوا ہے۔ کیونکہ شروع کرنے کے قول کی طرف ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی طرف رجوع کو کسی نے نقل نہیں کیا۔ منقول صرف اختلاف کا

حَتَّی الشُّرُنْبُلَالِيُّ فِي كُلِّ كُتُبِهِ فَتَنَبَّهْ (لَا) يَصِحُّ (إنْ أَذَّنَ بِهَا عَلَى الْأَصَحِّ) وَإِنْ عُلِمَ أَنَّهُ أَذَانٌ ذَكَرَهُ الْحَدَّادِيُّ، وَاعْتَبَرَ الزَّيْلَعِيُّ التَّعَارُفَ فُرُوعٌ قَرَأَ بِالْفَارِسِيَّةِ أَوْ التَّوْرَاةِ أَوْ الْإِنْجِيلِ،

حتیٰ کہ ''شرنبلالی'' نے اپنی تمام کتب میں یہی کہا ہے پس تم آگاہ رہو۔ صحیح نہیں ہے اگر فارسی میں اذان دی اصح قول پر اگرچہ معلوم بھی ہو کہ یہ اذان ہے۔ اس کو ''الحدادی'' نے ذکر کیا ہے اور ''الزیلعی'' نے تعارف کا اعتبار کیا ہے۔ فارسی میں قراءت کی یا تورات یا انجیل پڑھی

بیان ہے جیسا کہ ہم نے پہلے (مقولہ 4146 میں) بیان کیا ہے۔ رہا وہ جو ''التتارخانیہ'' میں ہے وہ شروع کی تکبیر میں غیر صریح ہے۔ بلکہ وہ تکبیر تشریق یا ذبح کی تکبیر کا محتمل ہے۔ بلکہ یہ اولیٰ ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس کو نماز سے خارج اذکار کے ساتھ ملایا ہے۔ رہی متن کی عبارت تو وہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر مبنی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ جو علامہ ''عینی'' پر ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے قول کی طرف رجوع کرنے کے دعویٰ میں اعتراض وارد ہوا وہ ان پر ''صاحبین'' رحمہما اللہ کا ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی طرف رجوع کرنے کے دعویٰ پر اعتراض وارد ہوتا ہے۔

4151۔ (قولہ: حَتَّی الشُّرُنْبُلَالِيُّ) یعنی ''شرنبلالی'' پر بھی یہ مشتبہ ہو گیا۔ پس (حتی) ابتدائیہ ہے اور خبر محذوف ہے۔ حتیٰ عاطفہ نہیں ہے۔ کیونکہ ہم یہ تصور نہیں کر سکتے کہ شارح فاضل نے علماء کے ساتھ ادب کی کمی کا مظاہر کیا حتیٰ کہ انہوں نے ''الشرنبلالی'' کو قاصرین میں شامل کر لیا۔

جان لو کہ شارح پر بھی یہ مخفی رہا۔ پس انہوں نے ''الملتقی'' پر اپنی شرح اور ''الخزائن'' میں علامہ ''عینی'' کی پیروی کی ہے بلکہ یہ ''البرہان الطرابلسی'' پر ''مواہب الرحمٰن'' کے متن میں یہ مخفی رہا۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا: اصح ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے قول کی طرف عربی سے عاجز کے علاوہ کے لئے فارسی میں قراءت اور شروع کرنے کے عدم جواز میں رجوع ہے۔

فارسی میں اذان کا حکم

4152۔ (قولہ: وَاعْتَبَرَ الزَّيْلَعِيُّ التَّعَارُفَ) اس پر صاحب ''الہدایہ'' نے جزم کیا ہے۔ اور الشراح نے اس کو برقرار رکھا ہے۔ ''الکفایہ'' میں ''المبسوط'' کے حوالہ سے ہے کہ الحسن نے ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ اگر کسی نے فارسی میں اذان دی اور لوگ جانتے ہوں کہ یہ اذان ہے تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں ہے کیونکہ مقصود...... آگاہ کرنا ہے جو حاصل نہ ہوا۔

فارسی میں قراءت کا حکم یا تورات اور انجیل کی قراءت کا حکم

4153۔ (قولہ: قَرَأَ بِالْفَارِسِيَّةِ) یعنی عربی پر قدرت ہوتے ہوئے فارسی میں قراءت کی۔

4154۔ (قولہ: أَوْ التَّوْرَاةِ الخ) قَرَءَ کے مفعول محذوف پر عطف کی وجہ سے منصوب ہے اور وہ محذوف مفعول

إِنْ قِصَّةً تَفْسُدُ، وَإِنْ ذِكْرًا لَا؛ وَأَلْحَقَ بِهِ فِي الْبَحْرِ الشَّاذَّ، لَكِنْ فِي النَّهْرِ الْأَوْجَهُ أَنَّهُ لَا يُفْسِدُ

اگر کوئی قصہ پڑھا تو نماز فاسد ہوگی اور اگر ذکر پڑھا تو نہیں۔ اور اسکے ساتھ ''البحر'' میں شاذ قراءت بھی لاحق ہے۔لیکن ''النہر'' میں ہے: بہتر یہ ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی

القرآن ہے۔''حلبی''۔

4155۔(قولہ: إِنْ قِصَّةً) اس تفصیل کو ''الفتح'' میں دونوں قولوں کے درمیان توفیق دیتے ہوئے اختیار کیا ہے اور یہ دونوں قول وہ ہیں جو صاحب ''الہدایہ'' نے ذکر کئے ہیں کہ عدم فساد میں اختلاف نہیں جب اس نے اتنا کلام عربی میں پڑھ لیا ہو جس کے ساتھ نماز جائز ہوتی ہے اور جو ''النجم النسفی'' اور ''قاضی خان'' نے ذکر کیا ہے کہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک نماز فاسد ہو جاتی ہے۔اور ''الفتح'' میں فرمایا: بہتر یہ ہے کہ جب پڑھا گیا کلام قصص، امر، نہی کی جگہ سے ہو تو اس کی قراءت سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ اس وقت وہ غیر قرآن سے کلام کرنے والا ہے بخلاف اس کے جب وہ ذکر یا تنزیہہ کی جگہ سے ہو تو نماز فاسد ہو گی جب اس نے صرف اسی پر اکتفا کیا ہو کیونکہ نماز قراءت سے خالی رہ گئی۔''البحر'' میں اس کی اتباع کی ہے۔''النہر'' میں اس کو تقویت دی ہے۔اسی وجہ سے الشارح نے اس پر جزم کیا ہے۔

شاذ قراءت کا حکم

4156۔(قولہ: وَأَلْحَقَ بِهِ فِي الْبَحْرِ الشَّاذَّ) یعنی شاذ قراءت کو بھی اس تفصیل پر بنایا ہے اس کے ساتھ فساد اور عدم فساد کے قول کے درمیان توفیق دیتے ہوئے۔

4157۔(قولہ: لَكِنْ فِي النَّهْرِ) جہاں انہوں نے فرمایا: میرے نزدیک ان کے درمیان فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ فارسی اصلاً قرآن نہیں ہے۔ کیونکہ عرف شرع میں قرآن صرف عربی کو کہا جاتا ہے۔پس جب وہ قصہ پڑھے گا تو وہ لوگوں کے کلام کے ساتھ متکلم ہو گا بخلاف شاذ کے۔ کیونکہ یہ قرآن ہے مگر اس کے قرآن ہونے میں شک ہے۔ پس اس کے ساتھ نماز فاسد نہ ہو گی اگرچہ قصہ بھی ہو۔اور اس میں عدم فساد پر فقہا نے اتفاق حکایت کیا ہے۔ اور اوجہ وہ ہے جو ''المحیط'' میں اس کی تاویل سے شمس الائمہ کا قول ہے فساد کے بارے میں جب وہ صرف قراءت شاذہ پر اکتفا کرے۔ یعنی فساد قراءت متواترہ کے ترک کی وجہ سے ہو گا نہ کہ قراءت شاذہ کی وجہ سے۔ لیکن اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ قرآن وہ ہے جس میں شک نہیں۔ اور نماز میں غیر قراءت اور غیر ذکر قطعاً ممنوع ہے۔ اور جو قصہ تھا اور اس کی قرءانیت ثابت نہیں تھی وہ نہ قراءت ہوئی اور نہ ذکر ہوا تو وہ نماز کو فاسد کر دے گا بخلاف اس کے جو ذکر ہو۔ کیونکہ اگرچہ اس کی قرءانیت ثابت نہیں تو وہ کلام نہ ہوا کیونکہ وہ ذکر ہے لیکن اگر صرف اسی پر اکتفا کیا تو نماز فاسد ہو گی اور اگر اس کے ساتھ متواتر قراءت میں سے اتنا قراءت کیا جس کے ساتھ نماز جائز ہے تو نماز فاسد نہ ہو گی۔ یہ ہے وہ جس کے ساتھ ''البحر'' میں توفیق دی ہے اور اس پر ''المحیط'' کے کلام کو محمول کرنا متعین ہے۔

ابن وہبان کے منظوم کلام میں ہے۔

وَلَا یُجْزِئُ کَالتَّھَجِّی وَتَجُوزُ کِتَابَۃُ آیَۃٍ أَوْ آیَتَیْنِ بِالْفَارِسِیَّۃِ لَا أَکْثَرَ،
اور جائز بھی نہ ہوگی جیسے حروف تہجی اور ایک یا دو آیات کا فارسی میں لکھنا جائز ہے زیادہ نہیں۔

وان قرأ المکتوب فی الصحف الاولیٰ اذا کان کالتسبیح لیس یغیر

اگر صحف اولیٰ میں لکھا ہوا پڑھا جب وہ تسبیح کی طرح تھا تو نماز میں تبدیلی نہیں کرے گا۔

الصحف الاولی۔ صحیفہ کی جمع ہے۔ اس سے مراد تورات، انجیل اور الزبور ہے۔ مکمل کلام ''شرح الوہبانیہ'' میں ہے۔

متواتر اور شاذ قراءت کا بیان

وہ قرآن جس کے ساتھ بالاتفاق نماز جائز ہوتی ہے وہ وہ ہے جو ان مصاحف میں محفوظ ہے جو حضرت عثمان نے بڑے بڑے شہروں کی طرف بھیجے تھے۔ یہ وہ ہے جس پر قراء ائمہ عشرہ کا اجماع ہے۔ یہ جملۃً اور تفصیلاً متواتر ہے۔ پس قراءت سبعہ (سات قراءتیں) سے دس قراءتوں تک شاذ نہیں ہے شاذ وہ ہے جو دس کے علاوہ ہے اور یہی صحیح ہے۔ اس کی مکمل تحقیق ''فتاویٰ علامہ قاسم'' میں ہے۔

نماز میں تہجی کا حکم

4158۔ (قولہ: کَالتَّھَجِّی) ''الوہبانیہ'' میں فرمایا:

ولیس التھجی فی الصلاۃ بمفسد ولا مجزی عن واجب الذکر فاذکروا

تہجی نماز میں مفسد نہیں اور نہ واجب ذکر کے لئے کفایت کرتی ہے پس ذکر کرو۔

''القنیہ'' میں یہ مسئلہ ہے۔ ''الشرنبلالی'' نے اس کی شرح میں فرمایا: اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص نماز میں کہے۔ س ب ح ان ال ل حرف تہجی کے ساتھ، یا کہے: اع و ذ ب ال ل ہ م ن ال ش ی ط ا ن تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ لیکن ''البزازیہ'' میں اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا: قراءت کی مقدار تہجی کرنے سے نماز فاسد ہوگی کیونکہ یہ لوگوں کے کلام سے ہے۔ ''البزازی'' نے یہ کتاب الطلاق میں ذکر کیا ہے۔

''ابن الشحنہ'' نے کہا: اس کی وجہ ظاہر ہے۔ لیکن کتاب الصلوٰۃ میں اس کی مثل ذکر کیا ہے جو ''القنیہ'' میں ہے۔

''الامداد'' میں باب سجود التلاوۃ میں ''التجنیس'' اور ''الخانیہ'' کے حوالہ سے ہے: اس کے ساتھ سجدہ واجب نہیں ہوگا اور یہ نماز میں قراءت کے قائم مقام نہ ہوگی۔ کیونکہ اس نے قرآن نہیں پڑھا اور نماز فاسد نہیں کرے گا کیونکہ یہی حروف قرآن میں ہیں۔

مذکور رسم کا ظاہر یہ ہے کہ مراد حروف کے مسمیات کی قراءت ہے نہ کہ اس کے اسماء کی قراءت ہے مثلاً سین، با، جا، الف، نون۔ اور کیا اس کا حکم اسی طرح ہے؟ میں نے یہ نہیں دیکھا۔

4159۔ (قولہ: وَتَجُوزُ الخ) ''الفتح'' میں ''الکافی'' کے حوالہ سے ہے: اگر وہ فارسی میں قراءت کا عادی ہوگا یا وہ

وَيُكْرَهُ كَتْبُ تَفْسِيرِهِ تَحْتَهُ بِهَا (وَلَوْ شَرَعَ بِ) مَشُوبٍ بِحَاجَتِهِ كَتَعَوُّذٍ وَبَسْمَلَةٍ وَحَوْقَلَةٍ وَ (اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي أَوْ ذَكَرَهَا عِنْدَ الذَّبْحِ لَمْ يَجُزْ، بِخِلَافِ اللَّهُمَّ) فَقَطْ فَإِنَّهُ يَجُوزُ فِيهِمَا فِي الْأَصَحِّ

قرآن کے نیچے قرآن کی تفسیر لکھنا مکروہ ہے۔ اگر نماز کو شروع کیا ایسے کلمات کے ساتھ جو اس کی حاجت سے متصل ہوں جیسے أَعُوذُ بِاللهِ اور بِسْمِ اللهِ اور لا حول ولا قوۃ الخ اور اللهم اغفر لی، یا اس کو ذبح کے وقت ذکر کیا تو جائز نہ ہوگا بخلاف صرف اللهم کے۔ کیونکہ اللهم صحیح قول میں

مصحف کو فارسی میں لکھنے کا ارادہ کرے گا تو اسے منع کیا جائے گا۔ اگر وہ ایک آیت یا دو آیتوں میں ایسا کرے گا تو منع نہیں کیا جائے گا۔ اگر قرآن اور ہر حرف کی تفسیر اور اس کا ترجمہ لکھے گا تو جائز ہوگا۔

4160۔(قولہ: وَيُكْرَهُ الخ) جو ہم نے ابھی (سابقہ مقولہ میں) ''الفتح'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے یہ اس کے مخالف ہے۔ لیکن میں نے الشارح کے خط سے ''الخزائن'' کے حاشیہ میں ''المجتبیٰ'' کے باب الحظر کے حوالہ سے دیکھا ہے کہ المصحف میں فارسی میں تفسیر لکھنا مکروہ ہے جیسا کہ بعض علما کی یہ عادت ہے۔ اور ''الہندوانی'' نے اس میں رخصت دی ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ زبان فارسی سے مقید نہیں۔

4161۔(قولہ: بِمَشُوبٍ) یعنی مخلوط۔

4162۔(قولہ: وَبَسْمَلَةٍ) ''ذخیرہ'' میں اس کی علت بیان کی ہے کہ بِسْمِ اللهِ برکت حاصل کرنے کے لئے ہے گویا یہ پڑھنے والے نے کہا: اے الله! میرے لئے اس کام میں برکت دے۔ ''الزیلعی'' کے کلام کا ظاہر اس کی ترجیح ہے۔ ''الحلبہ'' میں ہے: یہ دلائل کے زیادہ موافق ہے۔ ''النہر'' میں ''السراج'' اور ''فتاوی المرغینانی'' کے حوالہ سے اس کی تصحیح منقول ہے۔ اور ''البحر'' میں ''المجتبیٰ'' اور ''المبتغی'' کے حوالہ سے جواز منقول ہے اور اس کو ترجیح دی ہے۔ کیونکہ یہ خالص ذکر ہے۔ اور اس کی دلیل ذبیحہ پر اس کا جواز ہے جس میں خالص ذکر شرط ہے۔ اور ''المنظومہ الوہبانیہ'' میں اس پر جزم کیا ہے اور اس کو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور اس کی شرح میں ''الحلوانی''، ''ظہیر الدین المرغینانی''، ''قاضی عبدالجبار'' اور ''شہاب الامامی'' کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے۔ اور پہلے قول کو ''صاحبین'' رحمہما اللہ کا قول بنایا ہے تاکہ روایات کے درمیان توفیق پیدا کریں۔ فافہم۔

4163۔(قولہ: وَحَوْقَلَةٍ) یعنی یہ معنی میں دعا ہے۔ گویا اس نے یوں کہا: اے الله! مجھے اپنی نافرمانی سے پھیر دے اور مجھے اپنی طاعت پر قوت دے۔ کیونکہ نہ گناہ سے بچنے کی طاقت ہے نہ نیکی کرنے کی قوت ہے مگر تیری توفیق سے اے الله۔

4164۔(قولہ: أَوْ ذَكَرَهَا) یعنی اللهم اغفر لی کو ذبح کے وقت ذکر کیا۔

4165۔(قولہ: فِي الْأَصَحِّ) اسی طرح ''الحلبہ'' میں ''المحیط'' و ''الذخیرہ'' وغیرہما کے حوالہ سے ذکر ہے اور وہ اس کے خلاف ہے ''الجوہرہ'' میں جس کی تصحیح کی ہے۔ اور یہ ''سیبویہ'' کے مذہب کی بنا پر ہے۔ کیونکہ اللهم کی اصل یا الله ہے یا کو

كَيَا اللهُ (وَوَضَعَ) الرَّجُلُ (يَمِينَهُ عَلَى يَسَارِهِ تَحْتَ سُرَّتِهِ آخِذًا رُسْغَهَا بِخِنْصَرِهِ وَإِبْهَامِهِ) هُوَ الْمُخْتَارُ،
دونوں (نماز شروع کرنے اور ذبح) میں جائز ہے جیسے یا اللہ۔ اور مرد اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے اس طرح کہ وہ اپنی چھوٹی انگلی اور اپنے انگوٹھے سے کلائی کو پکڑے ہوئے ہو۔ یہی مختار ہے۔

حذف کیا گیا ہے اور اس کے عوض میم رکھا گیا ہے۔ اور الکوفیوں سے مروی ہے کہ اس کی اصل یا اللہ امنا بخیر ہے جملے کو حذف کیا گیا سوائے میم کے۔ پس یہ دعا ہے ثنا نہیں ہے۔

اور اس کا رد اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے کیا گیا ہے: اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ (الانفال: 32) اس کی مکمل بحث ''حلبی'' میں ہے۔

4166۔ (قولہ: كَيَا اللهُ) اس کے ساتھ بالاتفاق شروع ہونا صحیح ہے۔ ''خزائن''۔

ہاتھ باندھنے کا طریقہ

4167۔ (قولہ: آخِذًا رُسْغَهَا) یعنی ہاتھ کی کلائی یہ را کے ضمہ اور سین کے سکون کے ساتھ ہے یا دونوں کے ضمہ کے ساتھ ہے جیسا کہ ''القاموس'' میں ہے۔

4168۔ (قولہ: بِخِنْصَرِهِ وَإِبْهَامِهِ) یعنی چھوٹی انگلی اور انگوٹھے کے ساتھ کلائی پر حلقہ بنائے اور تین انگلیوں کو پھیلائے جیسا کہ ''شرح المنیہ'' میں ہے: اور اسی طرح ''النہر''، ''البحر''، ''المعراج''، ''الکفایہ''، ''الفتح'' اور ''السراج'' وغیرھا میں ہے۔ ''البدائع'' میں فرمایا: اپنے انگوٹھے، چھوٹی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی سے حلقہ بنائے اور درمیانی اور مسبحہ انگلی کو کلائی پر رکھے۔ ''الحلبہ'' میں اس کی متابعت کی ہے اور اس کی مثل ''شرح الشیخ اسماعیل'' میں ''المجتبیٰ'' کے حوالہ سے ہے۔

4169۔ (قولہ: هُوَ الْمُخْتَارُ) اسی طرح ''الفتح'' اور ''التبیین'' میں ہے۔ کثیر مشائخ نے اس کو مستحسن قرار دیا ہے تاکہ احادیث میں رکھنا اور پکڑنا جو دونوں مروی ہیں وہ دونوں کا جامع ہو جائے اور مذہب پر احتیاطاً عمل کرنے والا ہو جیسا کہ ''المجتبیٰ'' وغیرہ میں ہے۔ سیدی ''عبد الغنی'' نے ''شرح ہدیہ ابن العماد'' میں فرمایا: اس میں نظر ہے۔ کیونکہ وضع (رکھنا) کا قائل تمام انگلیوں کا رکھنا مراد لیتا ہے اور اخذ (پکڑنا) کا قائل تمام کو پکڑنا مراد لیتا ہے۔ پس بعض کا پکڑنا اور بعض کا رکھنا نہ پکڑنا ہے اور نہ رکھنا ہے۔ بلکہ میرے نزدیک مختار ان میں سے ایک ہے تاکہ سنت کی موافقت ہو جائے۔

میں کہتا ہوں: یہ بحث منقول ہے۔ ''المعراج'' میں اس مقولہ میں ''المجتبیٰ''، ''المبسوط'' اور ''الظہیریہ'' سے اس کو نقل کرنے کے بعد فرمایا: بعض علماء نے فرمایا: یہ مذاہب اور احادیث سے خارج ہے۔ پس احتیاط کی بنا پر اس کے مطابق عمل نہ ہوگا۔ پھر میں نے ''الشرنبلالی'' کو دیکھا انہوں نے اس اعتراض کو ''الامداد'' میں ذکر کیا ہے۔ پھر فرمایا: میں کہتا ہوں: اس بنا پر ایک وقت میں ایک حدیث کی صفت کو اختیار کرے اور دوسرے وقت میں دوسری حدیث کی صفت کو اختیار کرے تاکہ وہ حقیقۃً دونوں مروی احادیث کو جمع کرنے والا ہو جائے۔

وَتَضَعُ الْمَرْأَةُ وَالْخُنْثَى الْكَفَّ عَلَى الْكَفِّ تَحْتَ ثَدْيِهَا (كَمَا فَرَغَ مِنَ التَّكْبِيرِ) بِلَا إِرْسَالٍ فِي الْأَصَحِّ (وَهُوَ سُنَّةُ قِيَامٍ) ظَاهِرُهُ أَنَّ الْقَاعِدَ لَا يَضَعُ وَلَمْ أَرَهُ ثُمَّ رَأَيْتُ فِي مَجْمَعِ الْأَنْهُرِ الْمُرَادُ مِنَ الْقِيَامِ مَا هُوَ الْأَعَمُّ لِأَنَّ الْقَاعِدَ يَفْعَلُ كَذَلِكَ

اور عورت اور خنثیٰ (خسرہ) پستان کے نیچے ہتھیلی پر ہتھیلی رکھیں تکبیر سے فوراً فارغ ہونے کے بعد اصح قول میں ارسال (ہاتھ چھوڑے) بغیر۔ اور ہاتھ باندھنا قیام کی سنت ہے۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ بیٹھنے والا ہاتھ اس طرح نہ رکھے جبکہ میں نے اس کی تصریح نہیں دیکھی۔ پھر میں نے ''مجمع الانہر'' میں دیکھا کہ قیام سے مراد وہ ہے جو اعم ہے۔ کیونکہ بیٹھنے والا بھی اسی طرح کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس پر وارد ہوگا کہ ایک وقت میں ایک حدیث پر عمل کرے گا تو دوسری حدیث پر عمل کو ترک کرنے والا ہوگا اور احادیث میں وارد وضع اور اخذ ہے اس میں کیفیت کا بیان نہیں ہے۔ اور مشائخ نے اس میں دونوں احادیث پر عمل کو مستحسن قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس میں شک نہیں کہ پکڑنے میں وضع بھی ہے اور زائد بھی ہے۔ اور اصول کا قاعدہ ہے کہ جب ظاہراً دو متعارض دلائل کو جمع کرنا ممکن ہو تو ان میں سے کسی سے بھی اعراض نہیں کیا جائے گا۔ ''فتأمل''

4170۔ (قولہ: الْكَفَّ عَلَى الْكَفِّ) اس کو ''الخزائن'' کے حاشیہ میں ''الغزنویہ'' کی طرف منسوب کیا ہے۔

4171۔ (قولہ: تَحْتَ ثَدْيِهَا) اسی طرح ''المنیہ'' کے بعض نسخوں میں ہے۔ اور بعض نسخوں میں: علی ثدیھا ہے۔ ''الحلبہ'' میں فرمایا: یہ کہنا بہتر تھا: علی صدرھا جیسا کہ علماء کے جم غفیر نے کہا ہے نہ کہ علی ثدیھا کہنا بہتر ہے۔ اگر صدر (سینہ) پر ہاتھ ہوں گے تو یہ ثدیھا کو مستلزم ہوگا اس طرح کہ ہر ہاتھ کی کلائی کا بعض پستان پر واقع ہوگا لیکن یہ افادہ سے مقصود نہیں ہے۔

4172۔ (قولہ: كَمَا فَرَغَ) یہ کاف مبادرت ہے ما کے ساتھ متصل ہوتا ہے جیسے سلِّمْ کما تدخل (تو سلام کر فوراً داخل ہونے کے بعد۔ ''مغنی اللبیب'' میں یہ نقل کیا ہے۔

4173۔ (قولہ: بِلَا إِرْسَالٍ) یہ ''ظاہر الروایہ'' ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے ''النوادر'' میں مروی ہے کہ وہ ثنا پڑھنے کی حالت میں ہاتھوں کو چھوڑے رکھے۔ پھر جب ثنا سے فارغ ہو تو ہاتھوں کو ناف کے نیچے رکھے اس بنا پر کہ وضع (ہاتھ رکھنا) اس قیام کی سنت ہے ظاہر المذہب میں جس کے لئے ٹھہرنا ہے، اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہاتھ رکھنا قراءت کی سنت ہے۔ ''حلبہ''۔

4174۔ (قولہ: فِي مَجْمَعِ الْأَنْهُرِ) اس کی مثل ملا ''علی القاری'' کی شرح ''النقایہ'' میں ہے جیسا کہ یہ ''حاشیہ المدنی'' میں باب الوتر والنوافل میں اس کو نقل کیا ہے۔

4175۔ (قولہ: مَا هُوَ الْأَعَمُّ) یعنی قیام حقیقی اور قیام حکمی میں سے ہر ایک کو شامل ہے۔ کیونکہ نوافل میں اور فریضہ

(لَهُ قَرَارٌ فِيهِ ذِكْرٌ مَسْنُونٌ فَيَضَعُ حَالَةَ الثَّنَاءِ، وَفِي الْقُنُوتِ وَتَكْبِيرَاتِ الْجَنَازَةِ لَا يُسَنُّ (فِي قِيَامٍ بَيْنَ رُكُوعٍ وَسُجُودٍ) لِعَدَمِ الْقَرَارِ (وَ) لَا بَيْنَ (تَكْبِيرَاتِ الْعِيدِ) لِعَدَمِ الذِّكْرِ

اس قیام کے لئے قرار ہو جس میں ذکر مسنون ہو۔ اور ثنا کی حالت میں اور دعا قنوت میں اور جنازہ کی تکبیرات میں (ہاتھ باندھ کر) رکھے۔ اور سنت نہیں (ہاتھ باندھ کر رکھنا) رکوع اور سجود کے درمیان کے قیام میں۔ کیونکہ اس میں قرار نہیں ہے۔ اور عیدین کی تکبیرات کے درمیان (بھی ہاتھ باندھنا) سنت نہیں کیونکہ ان میں ذکر نہیں

میں اور جو فریضہ کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے اس میں عذر کی وجہ سے بیٹھنا قیام کی طرح ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ پہلو کے بل لیٹنا بھی اسی طرح ہے کیونکہ یہ قیام کے قائم مقام ہے۔ ''رحمتی''۔

4176۔ (قولہ: لَهُ قَرَارٌ) جان لو کہ ''البدائع'' میں اصل شیخین کے اس قول پر بنایا ہے جو ظاہر المذہب ہے کہ وضع اس قیام کی سنت ہے جس کے لئے قرار ہو جیسا کہ (مقولہ 4173 میں) پہلے گزر چکا ہے۔ اور بعض نے اصل شیخین کے قول پر بنایا ہے اس قیام کی سنت ہے جس میں ذکر مسنون ہو۔ اس کی طرف ''الحلوانی'' اور ''السرخسی'' وغیرہما گئے ہیں۔ ''الہدایہ'' میں ہے: یہی صحیح ہے۔ اس پر ''المجمع'' وغیرہ میں چلے ہیں۔ ''البحر'' میں دونوں اصلوں کے درمیان اس طرح جمع کی کوشش کی ہے کہ دونوں کو ایک اصل بنایا ہے اور ان کے شاگرد ''المصنف'' نے ان کی اتباع کی ہے۔ حالانکہ صاحب ''الحلبہ'' نے ''شیخ الاسلام'' سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک جگہ میں ذکر کیا ہے کہ شیخین کے قول پر رکوع کے قومہ میں ہاتھوں کو چھوڑ دے اور دوسری جگہ میں ذکر کیا ہے کہ وہ ایک دوسرے پر ہاتھوں کو رکھے۔ پھر اس طرح توفیق دی ہے کہ اس کا منشا دونوں اصلوں کا اختلاف ہے کیونکہ اس قومہ میں مسنون ذکر ہے اور وہ تسمیع یا تحمید ہے جیسا کہ ''الملتقط'' میں اس پر چلے ہیں۔ اور یہ دونوں کے تغایر کا تقاضا کرتا ہے جیسا کہ تو نے ملاحظہ کیا۔ اور ''السراج'' کا آئندہ کلام اس کی تائید کرتا ہے جیسا کہ ہم اس کو (مقولہ 4179 میں) ذکر کریں گے۔ اسی وجہ سے جب ''ہدایہ'' میں فرمایا کہ قومہ میں ہاتھ چھوڑ دے تو ''الفتح'' میں اس پر اعتراض کیا ہے کہ یہ تب ممکن ہوگا جب کہا جائے کہ تحمید و تسمیع اس میں سنت نہیں ہے۔ بلکہ اس کی طرف منتقل ہونے میں ظاہر نصوص کا اختلاف ہے۔ ہاں ''منلا مسکین'' نے ذکر کو طویل کے ساتھ مقید کیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ''الہدایہ'' سے اعتراض دور ہو جاتا ہے۔ لیکن جب ذکر طویل ہو تو اس سے اس قیام کا ہونا لازم آتا ہے جس کے لئے قرار ہو۔ پس یہ اس کی طرف راجع ہوگا جو ''البحر'' میں کہا ہے۔ فلیتامل۔

4177۔ (قولہ: فِيهِ ذِكْرٌ مَسْنُونٌ) یعنی ذکر مشروع ہو خواہ فرض ہو یا واجب ہو یا سنت ہو۔ ''اسماعیل عن البرجندی''۔

4178۔ (قولہ: لِعَدَمِ الْقَرَارِ) یہ اپنے اطلاق پر نہیں کیونکہ فقہاء کا قول ہے کہ نوافل پڑھنے والا اگرچہ سنت ہو اس کے لئے تحمید کے بعد وارد دعائیں پڑھنا سنت ہے جیسے ملئ السموات والارض الخ اور اللهم اغفرلی وارحمنی دونوں سجدوں کے درمیان۔ ''نہر''۔

اس کا مقتضا یہ ہے کہ وہ نوافل میں اپنے ہاتھوں کو باندھے بلکہ میں نے کسی سے اس کی تصریح نہیں دیکھی ''تامل''۔ لیکن

مَا لَمْ يُطِلِ الْقِيَامَ فَيَضَعُ سِرَاج (وَقَرَأَ) كَمَا كَبَّرَ (سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ تَارِكًا) وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ إِلَّا فِي الْجِنَازَةِ (مُقْتَصِرًا عَلَيْهِ) فَلَا يَضُمُّ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ إِلَّا فِي النَّافِلَةِ، وَلَا تَفْسُدُ بِقَوْلِهِ (وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ)

جب تک قیام طویل نہ ہو۔ پس وہ ہاتھ باندھ کر رکھے (اگر قیام میں طول ہو) ''سراج''۔ اور جونہی تکبیر کہے تو سبحانك اللهم پڑھے و جل ثناءك نہ پڑھے مگر جنازہ میں ثنا پر اکتفا کرتے ہوئے۔ اس کے ساتھ نہ ملائے: و جهت و جهی مگر نوافل میں۔ انا اول المسلمين(1) سے

(مقولہ 4176 میں) گزشتہ دونوں اصلوں کے اطلاق کا یہی مقتضا ہے۔ اور اس کا مقتضا یہ ہے کہ صلاۃ التسبیح میں وہ ہاتھوں کو باندھے۔ پھر میں نے دیکھا کہ ''طحطاوی'' اور ''الرحمتی'' اور ''السایحانی'' نے بطور بحث ذکر کیا ہے۔

4179۔ (قولہ: مَا لَمْ يُطِلِ الْقِيَامَ فَيَضَعُ) یعنی اگر قیام کو لمبا کرے لوگوں کی کثرت کے لئے تو وہ ہاتھ باندھ لے۔ یہ اس اصل پر مبنی ہے کہ یہ ایسے قیام کی سنت ہے جس کے لئے قرار ہو نہ کہ یہ اس قیام کی سنت ہے جس میں مسنون ذکر ہو۔ اور یہ اس پر بھی دلالت کرتا ہے کہ یہ دو اصل ہیں ایک اصل نہیں ہے جیسا کہ ہم نے (مقولہ 4176 میں) ذکر کیا ہے۔

4180۔ (قولہ: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ) ثنا کے الفاظ کی شرح ''البحر'' اور ''الامداد'' وغیرہما میں ہے۔

4181۔ (قولہ: تَارِكًا الخ) یہ ظاہر الروایہ ہے، ''بدائع''۔ کیونکہ مشاہیر میں نقل نہیں کیا گیا ہے، ''کافی''۔ پس بغیر زیادتی کے مروی پر محافظت کے لئے اس کو ہر نماز میں ترک کرنا اولیٰ ہے اگرچہ یہ الله تعالیٰ کی تعریف ہے ''بحر، حلبہ''۔ اس میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ ''ہدایہ'' میں جو ہے کہ ''اس کو فرائض میں نہ پڑھے'' اس کا کوئی مفہوم نہیں۔ لیکن صاحب ''ہدایہ'' نے اپنی کتاب ''مختارات النوازل'' میں فرمایا کہ جل ثناءك کا قول مشاہیر کتب میں فرائض میں منقول نہیں اور جس میں روایت کیا گیا ہے وہ نماز تہجد ہے۔

4182۔ (قولہ: إِلَّا فِي الْجِنَازَةِ) اس کو ''شرح المنیہ الصغیر'' میں ذکر کیا ہے۔ اور اس کو کسی طرف منسوب نہیں کیا ہے۔ اور میں نے یہ کسی عالم کے لیے نہیں دیکھا سوائے اس کے جو ہم نے ''الهدایہ'' اور ''مختارات النوازل'' کے حوالہ سے (سابقہ مقولہ میں) لکھا ہے۔

4183۔ (قولہ: مُقْتَصِرًا) اسم فاعل ہے قرء کے فاعل سے حال ہے یا اسم مفعول ہے قرء کے مفعول سے حال ہے اور وہ سبحانك اللهم الخ ہے۔ ''حلبی''۔

4184۔ (قولہ: إِلَّا فِي النَّافِلَةِ) کیونکہ جو اخبار میں وارد ہے وہ نوافل پر محمول ہے۔ پس نوافل میں بالاجماع اس کو پڑھے گا۔ اور متاخرین کا اختیار یہ ہے کہ وہ انی وجهت شروع کرنے سے پہلے پڑھے۔ ''معراج''۔

اور ''المنیہ'' میں ہے: ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک افتتاح سے پہلے یہ کہے یعنی نیت سے پہلے، نیت کے بعد

1۔ صحیح مسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین، باب الدعاء فی صلوٰۃ اللیل، جلد 1، صفحہ 756، حدیث نمبر 1340

فِي الْأَصَحِّ (إِلَّا إِذَا) شَرَعَ الْإِمَامُ فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءٌ (كَانَ مَسْبُوقًا) أَوْ مُدْرِكًا (وَ) سَوَاءٌ كَانَ (إِمَامُهُ يَجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ) أَوْ لَا (فَ) إِنَّهُ (لَا يَأْتِي بِهِ) لِمَا فِي النَّهْرِ عَنِ الصُّغْرَى
اصح قول میں نماز فاسد نہ ہوگی۔ مگر جب امام قراءۃ شروع کر چکا ہو تو مقتدی خواہ مسبوق ہو یا مدرک ہو اور خواہ امام جہری قراءت کر رہا ہو یا جہری نہ کر رہا ہو مقتدی ثنا نہ پڑھے۔ کیونکہ ''النہر'' میں ''الصغریٰ'' کے حوالہ سے ہے:

بالاجماع نہ کہے۔

لیکن ''الحلبہ'' میں ہے: حق یہ ہے کہ نیت سے پہلے اور نیت کے بعد تکبیر سے پہلے اس کا پڑھنا نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ صحابہ کرام سے ثابت ہے۔ اور ''الخزائن'' میں ہے: اور جو وارد ہے وہ اصح قول میں ثنا کے بعد نوافل پر محمول ہے۔ اور ''الخزائن'' کے حاشیہ میں فرمایا: ''الزاہدی'' وغیرہ نے اس قول کی تصحیح کی ہے۔

4185۔ (قولہ: فِي الْأَصَحِّ) اور بعض علما نے فرمایا: نماز فاسد ہوگی کیونکہ یہ جھوٹ ہے۔ اور ''الحلبہ'' کی تبع میں ''البحر'' میں اس کا رد کیا ہے اس سے جو ''صحیح مسلم'' میں دونوں روایتوں سے ثابت ہے۔ اور یہ جھوٹ ہوگا جب وہ اپنے بارے خبر دے رہا ہو نہ کہ جب وہ تلاوت کر رہا ہو۔ پس اگر خبر دینے والا ہوگا تو تمام کے نزدیک نماز فاسد ہوگی۔

ثنا کے احکام

4186۔ (قولہ: لِمَا فِي النَّهْرِ الخ) یہ شارح کے مصنف کی عبارت کو تبدیل کرنے کی علت ہے۔ کیونکہ متن کا تقاضا یہ ہے کہ خفی قراءت میں ثنا پڑھے اگرچہ امام قراءت میں شروع بھی ہو چکا ہو۔ یہ ضعیف ہے۔ کیونکہ ''الصغریٰ'' نے اس کو قیل کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب قراءت کرنا ممنوع ہے تو ثنا سے منع بدرجہ اولیٰ ہوگا۔

اور میں کہتا ہوں: جو ''المصنف'' نے ذکر کیا ہے ''الدرر'' میں اس پر جزم کیا ہے اور ''المنح'' میں فرمایا: ''الذخیرہ'' میں اس کی تصحیح کی ہے۔ اور ''المضمرات'' میں ہے کہ اس پر فتویٰ ہے۔ ''منیۃ المصلی'' میں اس پر چلے ہیں۔ الشارح ''الخزائن'' میں اور ''شرح الملتقی'' میں اس پر چلے ہیں۔ ''قاضی خان'' نے اس کو اختیار کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا: اگر امام کو قراءت میں مشغول ہونے کے بعد پائے تو ''ابن الفضل'' نے فرمایا: وہ ثنا نہ پڑھے۔ اور دوسرے علما نے فرمایا: ثنا پڑھے۔ اور تفصیل مناسب ہے: اگر امام جہری قراءت کر رہا ہے تو ثنا نہ پڑھے اور اگر خفی قراءت کر رہا ہے تو ثنا پڑھے۔ یہی شیخ الاسلام ''خواہرزادہ'' کا مختار ہے۔

اور ''الذخیرہ'' میں اس کے ماحصل کے ساتھ علت بیان کی ہے کہ جہری قراءت کی حالت میں غور سے سننا فرض نہیں بلکہ قراءت کی تعظیم کے لئے سنت ہے۔ پس غور سے سننا سنت غیر مقصودہ ہے۔ اور سری قراءت کی حالت میں مقتدی کا قراءت نہ کرنا خاموش رہنے کے وجوب کی وجہ سے نہیں بلکہ حقیقت میں امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے۔ رہی ثنا تو وہ اپنی ذات کے اعتبار سے سنت مقصودہ ہے۔ امام کی ثنا مقتدی کی ثنا نہیں ہے۔ جب وہ اس کو ترک کرے گا تو سنت مقصودہ

أَدْرَكَ الْإِمَامَ فِي الْقِيَامِ يُثْنِي مَا لَمْ يَبْدَأْ بِالْقِرَاءَةِ، وَقِيلَ فِي الْمُخَافَتَةِ يُثْنِي، وَلَوْ أَدْرَكَهُ رَاكِعًا أَوْ سَاجِدًا، إنْ أَكْبَرُ رَأْيِهِ أَنَّهُ يُدْرِكُهُ أَتَى بِهِ (وَ) كَمَا اسْتَفْتَحَ (تَعَوَّذَ) بِلَفْظِ أَعُوذُ عَلَى الْمَذْهَبِ (سِرًّا) قَيْدٌ لِلِاسْتِفْتَاحِ أَيْضًا فَهُوَ كَالتَّنَازُعِ (لِقِرَاءَةٍ) فَلَوْ تَذَكَّرَهُ بَعْدَ الْفَاتِحَةِ تَرَكَهُ، وَلَوْ قَبْلَ إكْمَالِهَا تَعَوَّذَ، وَيَنْبَغِي أَنْ يَسْتَأْنِفَهَا ذَكَرَهُ الْحَلَبِيُّ

مقتدی امام کو قیام میں پائے تو مقتدی ثنا پڑھے جب تک امام نے قراءت شروع نہ کی ہو۔ اور بعض علما نے فرمایا: خفی قراءت میں ثنا پڑھے اگر چہ امام کو رکوع اور سجود میں پائے اگر اس کی زیادہ رائے ہو کہ وہ اسے پالے گا تو وہ ثنا پڑھے۔ اور (ثنا کے) فوراً بعد مذہب کے مطابق اعوذ باللہ کے لفظ کے ساتھ ''سرا'' آہستہ تعوذ پڑھے۔ سرا استفتاح کے لئے بھی قید ہے۔ پس یہ تنازع کی طرح ہے۔ قراءت کے لئے (تعوذ پڑھے)۔ اگر فاتحہ کے بعد تعوذ یاد آئے تو اسے ترک کر دے اور اگر سورۂ فاتحہ کو مکمل کرنے سے پہلے یاد آئے تو اعوذ باللہ پڑھے اور سورۂ فاتحہ نئے سرے سے شروع کرنی چاہئے۔ یہ ''الحلبی'' نے ذکر کیا ہے۔

کا ترک لازم آئے گا اس الانصات (خاموش رہنے) کی وجہ سے جو تبعاً سنت ہے بخلاف جہری حالت میں ثنا کے ترک کے۔ پس معتمد وہی قول ہے جس پر ''المصنف'' چلے ہیں۔ ''فافہم''۔

4187۔ (قولہ: أَوْ سَاجِدًا) یعنی پہلے سجدہ میں جیسا کہ ''المنیہ'' میں ہے۔ اور راکعاً او ساجداً کی قید سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر وہ امام کو دونوں قعدوں میں سے کسی قعدہ میں پائے تو بہتر یہ ہے کہ ثنا نہ پڑھے تا کہ قعود میں مشارکت کی زیادت کی فضیلت حاصل کر لے۔ اور اسی طرح اگر وہ امام کو دوسرے سجدہ میں پائے۔ اس کی مکمل وضاحت ''شرح المنیہ'' میں ہے۔

نماز میں تعوذ کے احکام

4188۔ (قولہ: بِلَفْظِ أَعُوذُ) یعنی استعیذ کے لفظ سے نہیں اگر چہ صاحب ''الہدایہ'' اس پر چلے ہیں۔ اس کی مکمل بحث ''البحر'' اور ''الزیلعی'' میں ہے۔

4189۔ (قولہ: فَهُوَ كَالتَّنَازُعِ) کیونکہ سراً، الثناء اور التعوذ سے حال ہے اور دونوں اس کے متعلق ہیں۔ پس یہ اس تنازع کے مشابہ ہو گیا جو دو یا زیادہ عاملوں کا ایک اسم سے تعلق ہوتا ہے۔ اور ''النہر'' کے قول: فھو من التنازع سے اعراض کیا ہے۔ کیونکہ ''ہمع الہوامع'' میں ہے: یہ (تنازع) ہر معمول میں واقع ہوتا ہے مگر مفعول لہ اور تمیز میں واقع نہیں ہوتا۔ اور اسی طرح حال ہے۔ ''ابن معطی'' کا قول اس کے خلاف ہے۔ ''حلبی'' نے یہ فائدہ ذکر کیا ہے۔

4190۔ (قولہ: ذَكَرَهُ الْحَلَبِيُّ) یعنی ''شرح المنیہ'' میں اس قول کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ تعوذ نماز کے شروع کرنے کے وقت ہے (یعنی ثنا کے بعد)۔ اگر آدمی تعوذ بھول گیا حتیٰ کہ اس نے سورہ فاتحہ پڑھ لی تو اس کے بعد تعوذ نہ پڑھے۔ اسی طرح ''الخلاصہ'' میں ہے۔ اور اس سے سمجھا جاتا ہے کہ اگر سورۂ فاتحہ مکمل کرنے سے پہلے یاد آئے تو تعوذ پڑھے اور اس وقت

وَلَا يَتَعَوَّذُ التِّلْمِيذُ إِذَا قَرَأَ عَلَى أُسْتَاذِهِ ذَخِيرَةٌ أَيْ لَا يُسَنُّ، فَلْيُحْفَظْ
اور شاگرد جب استاد کے سامنے قراءت کرے تو تعوذ نہ پڑھے''ذخیرہ''۔ یعنی تعوذ پڑھنا سنت نہیں۔ پس یہ یاد رکھنا چاہئے

سورۂ فاتحہ دوبارہ پڑھے۔

یہ فہم غیر محل میں ہے۔ کیونکہ''الخلاصہ'' کا قول حتی قرء الفاتحه اس کا مطلب ہے: سورۂ فاتحہ کی قراءت میں شروع ہوا۔ کیونکہ شروع ہونے کے ساتھ تعوذ کا محل فوت ہو گیا ورنہ سنت کے لئے فرض کا چھوڑنا لازم آئے گا اور واجب کا ترک بھی لازم آئے گا۔ کیونکہ سورۂ فاتحہ یا اس کا اکثر حصہ دوبار پڑھنا سجدہ سہو کا موجب ہے اس بنا پر کہ''شرح المنیہ'' میں مذکورہ کلام کے تقریباً ڈیڑھ صفحہ بعد فرمایا: فقیہ''ابوجعفر'' نے''النوادر'' میں ذکر کیا ہے کہ اگر تکبیر کہی اور تعوذ پڑھا اور ثنا بھول گیا تو اس کا اعادہ نہ کرے۔ اسی طرح اگر تکبیر کہی اور قراءت میں شروع ہوا اور ثنا، تعوذ، تسمیہ بھول گیا تو محل کے فوت ہونے کی وجہ سے اعادہ نہ کرے اور اس پر سجدہ سہو بھی نہیں ہے۔ یہ''الزاہدی'' نے ذکر کیا ہے۔ پس ویبدأ بالقراءة اس کا مؤید ہے جو ہم نے کہا ہے۔''فافہم''۔

4191۔ (قوله: وَلَا يَتَعَوَّذُ) یہ لقراءة کے قول کا محترز ہے۔''البحر'' میں فرمایا: قراءة قرآن کے ساتھ تقید اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شاگرد استاذ پر جب پڑھے تو تعوذ نہ پڑھے جیسا کہ یہ''الذخیرہ'' میں نقل کیا ہے: اس کا ظاہر یہ ہے کہ استعاذہ مشروع نہیں مگر قرآن کی تلاوت کے وقت اور نماز میں۔ اور اس میں نظر ظاہر ہے۔

''النہر'' میں فرمایا:''اور میں کہتا ہوں: جو''الذخیرہ'' میں ہے وہ مشروعیت اور عدم مشروعیت کے بارے میں نہیں ہے بلکہ سنت اور عدم سنت ہونے کے بارے میں ہے''۔ یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰهِ صرف قرآن کی قراءت کے لئے سنت ہے اگرچہ باقی تمام چیزوں میں بھی مشروع ہے جن میں شیطانی وسواس کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس کی طرف الشارح نے اپنے قول لا یسن کے ساتھ اشارہ کیا ہے۔ لیکن اس جواب میں نظر ہے۔ کیونکہ بیت الخلا میں داخل ہونے سے پہلے بھی اَعُوْذُ بِاللّٰهِ پڑھنا سنت ہے لیکن ان الفاظ سے اعوذ باللہ من الخبث و الخبائث۔''تامل''

پھر''الذخیرہ'' کی عبارت اس طرح ہے: جب آدمی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کہے پھر اگر اس سے قرآن کی قراءت کا ارادہ کرے تو اس سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ پڑھے اگر کلام شروع کرنے کا ارادہ ہو جیسے طالب علم استاد پر پڑھتا ہے تو اس سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ نہ پڑھے۔ کیونکہ وہ اس سے قرآن کی قراءت کا ارادہ نہیں کرتا۔ کیا یہ ملاحظہ نہیں کیا جاتا کہ اگر کوئی شخص شکر کرنے کا ارادہ کرے اور کہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ تو وہ اس سے پہلے تعوذ پڑھنے کا محتاج نہیں ہوتا۔ اس بنا پر جنبی اگر اس سے قراءت کا ارادہ کرے تو جائز نہیں اور اگر اس سے کلام شروع کرنے کا ارادہ کرے تو جائز ہے۔ ملخصاً۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ جب قرآن کی کوئی چیز پڑھنے کا ارادہ کرے جیسے بِسْمِ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور اس سے اگر قراءت کا قصد کرے تو اس سے پہلے تعوذ پڑھے ورنہ تعوذ نہ پڑھے جیسے اگر کلام کے آغاز میں بِسْمِ اللّٰهِ پڑھتا ہے جیسے طالب علم اپنے سبق کے شروع میں بِسْمِ اللّٰهِ پڑھتا ہے تو تعوذ نہیں پڑھتا۔ اور اسی طرح اگر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے شکر کا ارادہ کرتا ہے تو تعوذ

(فَيَأْتِي بِهِ الْمَسْبُوقُ عِنْدَ قِيَامِهِ لِقَضَاءِ مَا فَاتَهُ) لِقِرَاءَتِهِ (لَا الْمُقْتَدِي) لِعَدَمِهَا (وَيُؤَخِّرُ) الْإِمَامُ التَّعَوُّذَ (عَنْ تَكْبِيرَاتِ الْعِيدِ) لِقِرَاءَتِهِ بَعْدَهَا (وَ) كَمَا تَعَوَّذَ (سَمَّى) غَيْرُ الْمُؤْتَمِّ بِلَفْظِ الْبَسْمَلَةِ، لَا مُطْلَقِ الذِّكْرِ كَمَا فِي ذَبِيحَةٍ وَوُضُوءٍ

کہ مسبوق فوت شدہ رکعتوں کے قضا کے لئے کھڑا ہونے کے وقت تعوذ پڑھے قراءت کے لئے۔ مقتدی تعوذ نہ پڑھے کیونکہ اس کے لئے قراءت نہیں ہے۔ امام تعوذ کو عید کی تکبیرات سے مؤخر کرے۔ کیونکہ اس کی قراءت تکبیرات کے بعد ہے۔ اور جونہی تعوذ پڑھے تو مقتدی کے علاوہ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے ساتھ بسملہ پڑھے نہ کہ مطلق ذکر جس طرح ذبیحہ اور وضو میں مطلق ذکر کافی ہے

نہیں پڑھتا ہے۔ اسی طرح جب قرآن کے علاوہ سے کلام کرے تو تعوذ بدرجہ اولیٰ سنت نہیں ہوگا۔ پس ''الذخیرہ'' کا کلام، کلام سے پہلے تعوذ پڑھنے کے بارے میں ہے نہ دوسرے افعال کے بارے میں ہے۔ پس یہ بیت الخلا میں داخل ہونے سے پہلے تعوذ کے سنت ہونے کے منافی نہیں۔ فافہم۔

4192۔ (قولہ: فَيَأْتِي بِهِ الْمَسْبُوقُ) ''المصنف'' نے اپنے قول لقراءۃ پر امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی بنا پر تین مسائل تفریع کئے ہیں کہ تعوذ قراءت کے تابع ہے۔ رہے امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ تو ان کے نزدیک تعوذ ثنا کے تابع ہے۔ پس امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ثنا کے بعد دو مرتبہ مسبوق پڑھے گا: ایک اقتدا کی حالت میں اور دو مابقی رکعتوں کی قضا کے لئے قیام کے وقت۔ اور مقتدی مدرک بھی اسے پڑھے گا کیونکہ وہ بھی ثنا پڑھتا ہے جیسے امام اور منفرد اسے پڑھتا ہے۔ اور تعوذ کو امام اور مقتدی عید کی نماز میں ثنا کے بعد تکبیرات سے پہلے پڑھے گا اس پر ''المنیہ'' میں چلے ہیں اور ''الخلاصہ'' میں ہے: یہی اصح قول ہے۔ لیکن ''قاضی خان''، ''الہدایہ'' اور اس کی شروح، ''الکافی''، ''الاختیار'' اور اکثر کتب کا مختار طرفین کا قول ہے کہ تعوذ قراءت کے تابع ہے اور ہم اسی پر عمل کرتے ہیں۔ ''شرح المنیہ''۔

بِسْمِ اللهِ کے احکام

4193۔ (قولہ: كَمَا تَعَوَّذَ سَمَّى) اگر تعوذ سے پہلے بِسْمِ اللهِ پڑھی تو اس کے تعوذ کے بعد دوبارہ پڑھے۔ کیونکہ وہ اپنے محل میں واقع نہیں ہوئی۔ اور اگر بِسْمِ اللهِ کو بھول گیا حتیٰ کہ سورہ فاتحہ سے فارغ ہو گیا تو پھر بِسْمِ اللهِ نہ پڑھے کیونکہ اسکا محل فوت ہو گیا ہے۔ ''حلبہ''، ''بحر''۔ حتی فرغ کے قول کا کوئی مفہوم نہیں جیسا کہ (مقولہ 4190 میں) پہلے گزر چکا ہے۔ فافہم

4194۔ (قولہ: غَيْرُ الْمُؤْتَمِّ) اس سے مراد امام اور منفرد ہے۔ کیونکہ مقتدی کے لئے کوئی دخل نہیں ہے کیونکہ وہ بِسْمِ اللهِ نہیں پڑھتا ہے کیونکہ پہلے گزر چکا ہے کہ وہ تعوذ نہیں پڑھتا ہے۔ ''بحر''۔

4195۔ (قولہ: كَمَا فِي ذَبِيحَةٍ وَوُضُوءٍ) ان دونوں میں تسمیہ یعنی بِسْمِ اللهِ سے مراد مطلق ذکر ہے۔ یہ منفی کی تمثیل ہے۔

(سِرًّا فِی) أَوَّلِ (كُلِّ رَكْعَةٍ) وَلَوْ جَهْرِيَّةً (لَا) تُسَنُّ (بَيْنَ الْفَاتِحَةِ وَالسُّورَةِ مُطْلَقًا) وَلَوْ سِرِّيَّةً

ہر رکعت کے شروع میں آہستہ اگرچہ جہری نماز ہو۔ سورۂ فاتحہ اور دوسری سورت کے درمیان مطلقاً بِسْمِ اللہِ پڑھنا سنت نہیں اگرچہ سری نماز ہو۔

4196۔(قولہ: سِرًّا فِي أَوَّلِ كُلِّ رَكْعَةٍ) اسی طرح بعض نسخوں میں ہے۔ اور سرًا بعض نسخوں سے ساقط ہے۔ اور یہ ضروری ہے۔ ''الکفایہ'' میں ''المجتبیٰ'' کے حوالہ سے فرمایا کہ تیسرا یہ کہ ہمارے نزدیک بِسْمِ اللہِ کو نماز میں جہراً نہ پڑھے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ اس کے خلاف ہے۔ اور نماز کے باہر تعوذ اور بِسْمِ اللہِ کے بارے میں مشائخ اور روایات کا اختلاف ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: تعوذ کو سراً پڑھے۔ بِسْمِ اللہِ کو مخفی نہ پڑھے۔ صحیح یہ ہے کہ دونوں میں اختیار ہے۔ لیکن قراء میں سے اپنے امام کی پیروی کرے۔ ''حمزہ'' قاری کے سواسب دونوں کو جہراً پڑھتے ہیں۔ ''حمزہ'' دونوں کو سراً پڑھتے ہیں۔

4197۔(قولہ: وَلَوْ جَهْرِيَّةً) یہ اس کا رد ہے جو ''المنیہ'' میں ہے کہ ''امام بِسْمِ اللہِ نہ پڑھے جب وہ جہری قراءت کر رہا ہو بلکہ جب خفی قراءت کر رہا ہو''۔ یہ فحش غلطی ہے، ''بحر''۔ ''المنیہ'' کی شرح میں اس کی تاویل کی ہے کہ وہ بِسْمِ اللہِ کو جہراً نہ پڑھے۔

4198۔(قولہ: لَا تُسَنُّ) متن کے کلام کا مقتضا یہ کہنا ہے کہ بِسْمِ اللہِ نہ پڑھے۔ لیکن اس سے عدول فرمایا کراہت کا وہم دلانے کے لیے بخلاف سنیت کی نفی کے۔ پھر یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اس کو ''البدائع'' میں صحیح کہا ہے۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بِسْمِ اللہِ پڑھنا سنت ہے اگر سری قراءت ہو نہ کہ اگر جہری قراءت ہو، ''بحر''۔ ''ابن الضیاء'' نے ''شرح الغزنویہ'' میں پہلے قول کو صرف ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا ہے اور فرمایا: یہ ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اور ''المصفی'' میں ذکر کیا ہے کہ فتویٰ ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے: وہ ہر رکعت کے آغاز میں بِسْمِ اللہِ پڑھتے تھے اور سراً پڑھتے تھے۔ اور ''المحیط'' میں ذکر کیا ہے کہ مختار امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ وہ یہ ہے کہ سورہ فاتحہ سے پہلے اور ہر رکعت میں ہر سورہ سے پہلے بِسْمِ اللہِ پڑھنا ہے۔ اور ''الحسن بن زیاد'' کی روایت میں ہے کہ صرف پہلی رکعت میں بِسْمِ اللہِ پڑھے اس کے علاوہ نہیں۔

''فتویٰ'' کا لفظ ''مختار'' کے لفظ سے مؤکد اور زیادہ بلیغ ہے

امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول اختیار کیا گیا ہے۔ کیونکہ الفتویٰ کا لفظ المختار کے لفظ سے زیادہ مؤکد اور زیادہ بلیغ ہے اور کیونکہ امام ابو یوسف کا قول درمیانہ ہے۔ اور امور میں سے بہتر درمیانہ امر ہوتا ہے۔ اسی طرح ''شرح عمدۃ المصلی'' میں ہے۔ جو ''شرح الغزنویہ'' میں ہے۔ اور جو ''النہر'' میں ''شرح الغزنویہ'' کے حوالہ سے یہاں واقع ہے وہ خطا ہے اور نقل میں خلل ہے۔ پس اس سے اجتناب کر۔ ''فافہم''

1۔ سنن نسائی، کتاب الصلوٰۃ، باب قراءۃ بسم اللہ، جلد 1، صفحہ 342، حدیث نمبر 895

وَلَا تُكْرَهُ اتِّفَاقًا، وَمَا صَحَّحَهُ الزَّاهِدِيُّ مِنْ وُجُوبِهَا ضَعَّفَهُ فِي الْبَحْرِ (وَهِيَ آيَةٌ) وَاحِدَةٌ (مِنَ الْقُرْآنِ) كُلِّهِ (أُنْزِلَتْ لِلْفَصْلِ بَيْنَ السُّوَرِ)

بالاتفاق مکروہ نہیں ہے اور اس کے وجوب کے قول کو ''الزاہدی'' نے جو صحیح کہا ہے اس کی ''البحر'' میں تضعیف کی ہے۔ یہ پورے قرآن کی ایک آیت ہے دو سورتوں کے درمیان فاصلہ کے لئے نازل کی گئی ہے۔

سورۂ فاتحہ اور دوسری سورت کے درمیان بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنا اچھا ہے

4199۔ (قولہ: وَلَا تُكْرَهُ اتِّفَاقًا) اور اسی وجہ سے ''الذخیرہ'' اور ''المجتبیٰ'' میں تصریح کی ہے کہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر سورہ فاتحہ اور دوسری سورہ کے درمیان بِسْمِ اللّٰهِ پڑھے خواہ وہ سراً پڑھ رہا ہو یا جہراً پڑھ رہا ہو تو اچھا ہے۔ المحقق ''ابن الہمام'' اور ان کے شاگرد ''الحلبی'' نے اس قول کو ترجیح دی ہے۔ کیونکہ ہر سورت کی آیت ہونے میں اختلاف کا شبہ ہے۔ ''بحر''۔

4200۔ (قولہ: وَمَا صَحَّحَهُ الزَّاهِدِيُّ مِنْ وُجُوبِهَا) یعنی سورہ فاتحہ کے آغاز میں بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنے کے وجوب کے قول کو ''الزاہدی'' نے صحیح کہا ہے۔ اور ''الزیلعی'' نے سجود السہو میں اس کی تصحیح کی ہے۔ ''الکفایہ'' میں ''الزاہدی'' کی عبارت کو نقل کیا ہے اور اس کو ثابت رکھا ہے۔ اور ''شرح المنیہ'' میں فرمایا: یہی احوط ہے۔ کیونکہ احادیث صحیحہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پر مواظبت اختیار کرنے پر دلالت کرتی ہیں (1)۔ ''الوہبانیہ'' میں اس کو اکثر علما کا قول بتایا ہے یعنی ''الحلوانی'' کے قول پر بنا کرتے ہوئے کہ یہ اکثر مشائخ کا نظریہ ہے کہ یہ سورۂ فاتحہ سے ہے۔ پس جب یہ فاتحہ سے ہے تو فاتحہ کی مثل واجب ہوگی۔ لیکن اکثر کا قول ہونا یہ تسلیم نہیں کیا گیا۔

4201۔ (قولہ: ضَعَّفَهُ فِي الْبَحْرِ) کیونکہ انہوں نے سجود السہو میں فرمایا: یہ تمام فتاویٰ، شروح اور متون میں مذکور مذہب کے ظاہر کے مخالف ہے۔ کیونکہ (فتاویٰ متون وغیرہ) میں ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ سنت ہے واجب نہیں۔ پس اس کے ترک کی وجہ سے کوئی چیز واجب نہ ہوگی۔ ''النہر'' میں فرمایا: حق یہ ہے کہ دونوں قول ترجیح یافتہ ہیں مگر متون میں پہلا قول ہے۔
میں کہتا ہوں: پہلا قول روایت کی حیثیت سے ترجیح یافتہ ہے اور دوسرا قول درایت کی حیثیت سے ترجیح یافتہ ہے۔ اللہ اعلم۔

بسملہ کے قرآن کا جز ہونے میں آئمہ کا اختلاف

4202۔ (قولہ: وَهِيَ آيَةٌ) امام ''مالک'' اور ہمارے بعض اصحاب کا قول اس سے مختلف ہے کہ یہ اصلاً قرآن میں سے نہیں ہے۔ ''القہستانی'' نے فرمایا: ''الکشاف'' اور ''التلویح'' کے حواشی میں جو ہے کہ یہ ''قرآن میں سے نہیں ہے امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب مشہور میں'' نہیں پایا جاتا۔ یعنی بلکہ یہ ہمارے نزدیک ضعیف قول ہے۔

4203۔ (قولہ: أُنْزِلَتْ لِلْفَصْلِ) اور سورہ فاتحہ کے آغاز میں تبرک کے لئے ذکر کی گئی ہے۔

فَمَا فِي النَّمْلِ بَعْضُ آيَةٍ إِجْمَاعًا (وَلَيْسَتْ مِنَ الْفَاتِحَةِ وَلَا مِنْ كُلِّ سُورَةٍ) فِي الْأَصَحِّ، فَتَحْرُمُ عَلَى الْجُنُبِ (وَلَمْ تَجُزِ الصَّلَاةُ بِهَا) احْتِيَاطًا

اور جو سورۂ نمل میں ہے وہ بالا جماع آیت کا بعض ہے۔ اور یہ نہ سورہ فاتحہ کا جز ہے اور نہ ہر سورۃ کا جز ہے اصح قول میں۔ پس احتیاطاً جنبی پر اس کا پڑھنا حرام ہے اور اس کے ساتھ نماز جائز نہیں ہے۔

4204۔ (قولہ: فَمَا فِي النَّمْلِ بَعْضُ آيَةٍ) اور اس آیت کا پہلا حصہ یہ ہے: إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَٰنَ اور آخری حصہ ہے وَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ۝ (النمل: 30-31)۔ یہ انزلت الفصل کے قول پر تفریع ہے۔ ''طحطاوی''۔

4205۔ (قولہ: وَلَيْسَتْ مِنَ الْفَاتِحَةِ) ''النہر'' میں فرمایا: اس میں ''الحلوانی'' کے قول کا رد ہے جو انہوں نے کہا ہے کہ اکثر مشائخ کا نظریہ یہ ہے کہ یہ سورۂ فاتحہ کا جز ہے۔ اسی وجہ سے اس کے وجوب کا قول کیا گیا ہے۔ اور ''الذخیرہ'' میں امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے ''امام ابو یوسف'' کی روایت بتایا ہے۔ اس کو انہوں نے لیا ہے اور یہی احوط ہے۔ اور جو ''الحلوانی'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے وہ ''القہستانی'' نے ''المحیط''، ''الذخیرہ'' اور ''الخلاصہ'' وغیرہ سے ذکر کیا ہے۔

4206۔ (قولہ: وَلَا مِنْ كُلِّ سُورَةٍ) یعنی امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول اس کے خلاف ہے ان کے نزدیک سورہ براءت کے علاوہ ہر سورت کی یہ آیت ہے۔

4207۔ (قولہ: فِي الْأَصَحِّ) یہ ولیست من الفاتحۃ کے قول کی قید ہے۔ اس کا ذکر اس کے بعد مناسب تھا تا کہ ''الحلوانی'' کے (مقولہ 4200 میں) گزشتہ قول کی طرف اشارہ ہوتا نہ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی طرف۔ کیونکہ فقہاء کی یہ عادت جاریہ نہیں ہے کہ وہ غیر کے مذہب کی طرف اشارہ کے لئے تصحیح کا ذکر کریں بلکہ مذہب میں مرجوح کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ اور میں نے اپنے مشائخ میں سے کسی کا یہ قول نہیں دیکھا کہ یہ ہر سورت کی آیت ہے۔ اور ''البحر'' وغیرہ میں صرف امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اس قول کو منسوب کیا ہے۔

4208۔ (قولہ: فَتَحْرُمُ عَلَى الْجُنُبِ) یعنی اور وہ جو اس کے مفہوم میں ہو جیسے حائضہ اور نفاس والی عورت۔ اور یہ اس صورت میں ہے جب وہ تلاوت کے قصد سے بِسْمِ اللهِ پڑھے۔

4209۔ (قولہ: احْتِيَاطًا) دونوں مسئلوں کی علت ہے۔ اور یہ اس لئے ہے کیونکہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ بِسْمِ اللهِ قرآن سے ہے کیونکہ یہ تواتر سے اپنے محل میں ثابت ہے۔ اور امام ''مالک'' نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ پس احتیاط اس میں ہے کہ جمہور کے مذہب کا اعتبار کرتے ہوئے جنبی پر اس کا پڑھنا حرام ہو۔ اور اختلاف کے شبہ کو دیکھتے ہوئے نماز میں اس پر اقتصار کی صورت میں نماز کا عدم جواز ہو۔ کیونکہ قراءت کا فرض یقین کے ساتھ ثابت ہے۔ پس اس کے ساتھ ساقط نہ ہوگا جس میں شبہ ہوگا۔

(وَلَمْ يُكْفَرْ جَاحِدُهَا لِشُبْهَةِ) اخْتِلَافِ مَالِكٍ فِيهَا (وَ) كَمَا سَمَّى (قَرَأَ الْمُصَلِّي لَوْ إِمَامًا أَوْ مُنْفَرِدًا الْفَاتِحَةَ وَ) قَرَأَ بَعْدَهَا وُجُوبًا

اور اس میں امام "مالک" کے اختلاف کے شبہ کی وجہ سے اس کے منکر کو کافر نہیں کہا جائے گا۔ اور بِسْمِ اللہِ کے فوراً بعد نمازی سورہ فاتحہ پڑھے اگر امام ہو یا منفرد ہو اور اس کے بعد وجوبی طور پر ایک سورت

بِسْمِ اللہِ کے منکر کا حکم

4210۔ (قولہ: وَلَمْ يُكْفَرْ جَاحِدُهَا الخ) تسمیہ کے بارے میں جو اشکال پیدا ہوتا ہے اس قول کی وجہ سے کہ یہ اگر تواتر سے ثابت ہے تو اس کے منکر کی تکفیر لازم ہونی چاہئے ورنہ یہ قرآن نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے جیسا کہ "التحریر" میں ہے کہ قطعی حکم کے منکر کو اس وقت کافر کہا جاتا ہے جب اس میں کوئی قوی شبہ نہ ہو جیسے رکن کا انکار اور یہاں شبہ پایا گیا ہے۔ یہ اس لئے کیونکہ جنہوں نے اس کا انکار کیا جیسے امام "مالک" تو انہوں نے (سورتوں کے) اوائل میں اس کے قرآن ہونے کے عدم متواتر کا دعویٰ کیا ہے اور اوائل میں اس کی کتابت آغاز میں اس کے ساتھ افتتاح کے سنت ہونے کی شہرت کی وجہ سے ہے۔ اور اس کو قرآن ثابت کرنے والا کہتا ہے کہ اس کی کتابت پر علماء کا اجماع ہے حالانکہ علماء مصاحف کو غیر چیزوں سے جدا رکھنے کا حکم دیتے ہیں۔ پس یہ اجماع اس کے قرآن ہونے کا موجب ہے۔ اور سنت ہونا اجماع کو جائز قرار نہیں دیتا۔ کیونکہ سنت ہونا تو استعاذہ کے بارے میں بھی ثابت ہے اور حق یہ ہے کہ یہ قرآن سے ہے۔ کیونکہ مصاحف میں اس کا تواتر ہے۔ یہ اس کے قرآن ہونے کی دلیل ہے۔ اور ہم قرآن ہونے کی اخبار کے تواتر پر قرآنیت کے ثبوت کے توقف کو تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ جو قرآن ہے اس میں شرط صرف اس کے محل میں اس کا تواتر ہے اگرچہ اس کے محل میں قرآن سے ہونا متواتر نہ ہو۔

اور ولا نسلّم الخ (ہم تسلیم نہیں کرتے) کا قول اس کا رد ہے منکر کا کلام جو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے کہ بسملہ کا اپنے محل میں تواتر اس کے قرآن ہونے کو مستلزم نہیں بلکہ اس کی قرآنیت کے متعلق اخبار کا تواتر لازمی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اپنے محل میں اس کا تواتر اس کی قرآنیت کی اصل کو ثابت کرتا ہے۔ رہا اس کا متواتر قرآن ہونا یہ اس کے متعلق اخبار کے تواتر پر موقوف ہے۔ اسی وجہ سے اس کے منکر کو کافر نہیں کہا جاتا بخلاف دوسری آیات کے۔ کیونکہ ان کی قرآنیت کے متعلق اخبار متواتر ہیں۔ اور "البحر" میں یہاں اضطراب اور خلل واقع ہے جو میں نے "البحر" کے اپنے حاشیہ میں بیان کر دیا ہے۔

اور جو ہم نے ثابت کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شارح پر متن کو اپنے حال پر باقی رکھنا واجب تھا اور (اختلاف مالک) کا قول ساقط کرنا تھا۔ کیونکہ امام مالک کا اس کی قرآنیت کا جو انکار تھا اس کے لئے جواب ہوتا کیونکہ شبہ ان کے انکار سے ثابت نہیں ہوا بلکہ دوسری جہت سے ان سے پہلے ثابت تھا۔

4211۔ (قولہ: وَ قَرَأَ بَعْدَهَا وُجُوبًا) وجوب قراءت اور بعدیت کی طرف راجع ہے۔ اور اس طرف اشارہ ہے

(سُورَةٌ أَوْ ثَلَاثَ آيَاتٍ) وَلَوْ كَانَتِ الْآيَةُ أَوِ الْآيَتَانِ تَعْدِلُ ثَلَاثَ آيَاتٍ قِصَارًا انْتَفَتْ كَرَاهَةُ التَّحْرِيمِ ذَكَرَهُ الْحَلَبِيُّ، وَلَا تَنْتَفِي التَّنْزِيهِيَّةُ إِلَّا بِالْمَسْنُونِ (وَأَمَّنَ) بِمَدٍّ وَقَصْرٍ وَإِمَالَةٍ وَلَا تَفْسُدُ بِمَدٍّ مَعَ تَشْدِيدٍ أَوْ حَذْفِ يَاءٍ

یا تین آیات پڑھے۔ اور اگر ایک آیت یا دو آیات تین چھوٹی آیات کے برابر ہوں تو کراہت تحریمی منتفی ہو جائے گی۔ یہ ''الحلبی'' نے ذکر کیا ہے۔ اور کراہت تنزیہی منتفی نہ ہو گی مگر مسنون قراءت کے ساتھ۔ اور آمین کہے مد، قصر اور امالہ کے ساتھ۔ اور نماز فاسد نہیں ہوتی میم کی تشدید یا یا کے حذف کے ساتھ

کہ اس کے ترک سے اعادہ لازم ہو گا اگر جان بوجھ کر ترک کرے جیسے فاتحہ کا حکم ہے۔ ''التبیین اور ''الدرر'' میں جو ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ فاتحہ اگرچہ مؤکد ہے اس کی رکنیت میں اختلاف ہے مگر اس کا ثمرہ گناہ میں ظاہر ہو گا اعادہ کے وجوب میں نہیں جیسا کہ ہم نے واجبات کی بحث کے آغاز میں (مقولہ 3937 میں) ذکر کیا ہے۔

4212۔ (قولہ: سُورَةٌ) یہ اس طرف اشارہ ہے کہ افضل ایک سورت کا پڑھنا ہے۔ اور ''جامع الفتاویٰ'' میں ہے: ''الحسن'' نے امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں یہ پسند نہیں کرتا کہ فرضوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد دو سورتیں پڑھی جائیں اور اگر کوئی ایسا کرے گا تو مکروہ نہ ہو گا اور نوافل میں اس کی کوئی حرج نہیں۔

4213۔ (قولہ: إِلَّا بِالْمَسْنُونِ) مسنون قراءت فجر اور ظہر کی نمازوں میں طوال مفصل سورتوں سے پڑھنا ہے، عصر اور عشا میں اوساط مفصل میں سے پڑھنا ہے، اور مغرب میں قصار مفصل سورتوں سے پڑھنا ہے۔ ''طحطاوی''۔

آمین کے احکام

4214۔ (قولہ: وَأَمَّنَ) یہ (مقولہ 4225 میں) آئندہ متفق علیہ حدیث کی وجہ سے سنت ہے جیسا کہ ''شرح المنیہ'' وغیرہ میں ہے۔ اور فقہا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آمین قرآن سے نہیں ہے جیسا کہ ''البحر'' میں ہے۔

4215۔ (قولہ: بِمَدٍّ) یہ زیادہ مشہور اور افصح ہے۔ وقصر یہ مشہور ہے اور اس کا معنی ہے تو قبول کر۔ ''طحطاوی''۔

4216۔ (قولہ: وَإِمَالَةٍ) یعنی مد میں امالہ کے ساتھ کیونکہ قصر میں امالہ نہیں ہوتا۔ ''حلبی''۔ امالہ کی حقیقت یہ ہے کہ فتحہ کو کسرہ کی طرف میل کیا جائے، پس الف مائل ہو گا اگر اس کے بعد الف ہو گا جیسے الیاء۔ ''اشمونی''۔

4217۔ (قولہ: وَلَا تَفْسُدُ الخ) اس کے ساتھ اشارہ کیا ہے کلام فساد کی نفی میں ہے نہ کہ سنت کی تحصیل میں۔ کیونکہ سنت حاصل نہیں ہوتی مگر پہلی تین صورتوں میں جیسا کہ امام ''طحطاوی'' نے فائدہ ذکر کیا ہے۔

4218۔ (قولہ: بِمَدٍّ مَعَ تَشْدِيدٍ أَوْ حَذْفِ يَاءٍ) یعنی مد ان دونوں صورتوں میں سے ایک کے ساتھ متصل ہو نہ کہ ان دونوں کے ساتھ۔ اس میں دو صورتیں ہیں۔ بغیر حذف کے تشدید کے ساتھ مد۔ پس ہمارے نزدیک مفتی بہ قول پر یہ نماز کو فاسد نہیں کرتی۔ کیونکہ اس میں یہ ایک لغت ہے ''الواحدی'' نے اس کو حکایت کیا ہے۔ نیز یہ قرآن میں موجود ہے۔ اس

بَلْ بِقَصْرٍ مَعَ أَحَدِهِمَا أَوْ بِمَدٍّ مَعَهُمَا، وَهَذَا مِمَّا تَفَرَّدَتْ بِتَحْرِيرِهِ (الْإِمَامُ سِرًّا) كَمَأْمُومٍ وَمُنْفَرِدٍ
بلکہ دونوں صورتوں میں سے ایک کے ساتھ قصر کے ساتھ، یا دونوں کے ساتھ مد کے ساتھ۔ اور اس تحریر کے ساتھ میں منفرد ہوں۔ (آمین) امام آہستہ کہے جیسے مقتدی اور منفرد کہتا ہے

کی وجہ بھی ہے جیسا کہ ''الحلوانی'' نے کہا کہ اس کا معنی ہے: ہم تجھے پکارتے ہیں تیری قبولیت کا قصد کرتے ہوئے۔ نیز آمین کا معنی ہے قصد کرنے والے۔ ہمارے مشائخ میں سے ایک جماعت نے اس کے لغت ہونے کا انکار کیا ہے اور اس کے ساتھ نماز کے فساد کا حکم لگایا ہے۔ ''بحر''۔

دوسری صورت یا کے حذف کے ساتھ بغیر تشدید کے مد پڑھنا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے قول: وَيْلَكَ اٰمِنْ (الاحقاف: 17) میں موجود ہے جیسا کہ ''الامداد'' میں ہے۔ پس او شارح کے کلام میں صرف منع الجمع کے لئے ہے۔ کیونکہ اگر مد کے ساتھ پڑھے گا تشدید اور یا کے حذف کے ساتھ تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ جیسا کہ اس پر (مقولہ 4220 میں) ابھی متنبہ کیا ہے۔ اور اگر واؤ منع الخلو کے لئے ہوتا اس طرح کہ وہ مد کے ساتھ تشدید اور حذف سے خالی پڑھے تو تکرار لازم آئے گا۔ کیونکہ یہ گزشتہ لغت فصحیٰ ہے۔ ''فافہم''

4219۔ (قولہ: بَلْ بِقَصْرٍ مَعَ أَحَدِهِمَا) یعنی یا کے حذف کے بغیر تشدید کے ساتھ۔ اور وہ أَمِّين ہے کیونکہ قرآن میں اس لفظ کا وجود نہیں ہے، یا یا کے حذف کے ساتھ بغیر تشدید کے اور وہ أَمِنْ ہے۔ اس میں نظر ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''فان أَمِنَ'' میں موجود ہے۔ ''حلبی''۔ یعنی اسی وجہ سے اس صورت کو ''البحر'' اور ''النہر'' میں ذکر نہیں کیا۔

''الحلبہ'' میں پہلی صورت کو لغت ضعیفہ ذکر کیا اور فرمایا: ہمزہ کی قصر اور میم کی تشدید کے ساتھ۔ بعض علماء نے ''ابن الانباری'' سے حکایت کیا ہے اور اس کو ضعیف قرار دیا گیا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اشبہ اس کے ساتھ نماز کا فساد ہے۔

4220۔ (قولہ: أَوْ بِمَدٍّ مَعَهُمَا) یعنی تشدید اور یا کے حذف کے ساتھ اور وہ آمَّن ہے۔ یہ بھی نماز کو فاسد کرنے والا ہے۔ کیونکہ قرآن میں اس کا وجود نہیں ہے۔ جو شارح نے ذکر کیا ہے اس کا حاصل آٹھ صورتیں ہیں۔ پانچ صحیح ہیں اور تین نماز کو فاسد کرنے والی ہیں۔ اور نویں صورت باقی ہے اور وہ أَمَّنْ ہمزہ کی قصر، میم کی تشدید اور یا کے حذف کے ساتھ۔ یہ بھی مفسد ہے کیونکہ قرآن میں اس کا وجود نہیں ہے۔ اگر شارح و بمدّ او قصر معهما کہتے تو بہتر ہوتا۔ ''حلبی''۔

میں کہتا ہوں: ''البحر'' میں آٹھویں صورت کے ساتھ اس نویں صورت کو ذکر کیا ہے اور فرمایا: ان دونوں صورتوں میں نماز کا فساد بعید نہیں۔

4221۔ (قولہ: الْإِمَامُ سِرًّا) پہلے (امام کے لفظ) کے ساتھ امام ''مالک'' کے اختلاف کی طرف اشارہ کیا کہ مقتدی آمین کہنے میں خاص ہے۔ امام آمین نہ کہے۔ اور ''الحسن'' کی امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہی روایت ہے۔ اور دوسرے (سرًا کے لفظ) سے امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے اختلاف کی طرف اشارہ کیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ امام اور مقتدی دونوں بلند آواز سے آمین کہیں۔ اور ان کا قول: کما مومرو منفرد محل اتفاق ہے۔ اسی وجہ سے کاف کے ساتھ ذکر کیا۔

وَلَوْفِي السِّرِّيَّةِ إِذَا سَمِعَهُ وَلَوْ مِنْ مِثْلِهِ فِي نَحْوِ جُمُعَةٍ وَعِيدٍ وَأَمَّا حَدِيثُ (إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوا) فَمِنَ التَّعْلِيقِ بِمَعْلُومِ الْوُجُودِ، فَلَا يَتَوَقَّفُ عَلَى سَمَاعِهِ مِنْهُ، بَلْ يَحْصُلُ بِتَمَامِ الْفَاتِحَةِ بِدَلِيلِ

اگرچہ سری نماز میں ہو جب وہ امام کو سنے یا کسی دوسرے اپنے جیسے مقتدی سے سنے جیسے جمعہ اور عید میں ہوتا ہے۔ رہی حدیث۔ جب امام آمین کہے تو تم آمین کہو (1) پس شرط معلوم الوجود کے ساتھ معلق ہے۔ پس یہ امام سے سننے پر موقوف نہیں بلکہ فاتحہ کے مکمل ہونے کے ساتھ حاصل ہوتا ہے اس دلیل سے

4222۔ (قولہ: وَلَوْفِي السِّرِّيَّةِ) یعنی (مقولہ 4225 میں) آئندہ حدیث میں امر کے اطلاق کی وجہ سے سری نماز میں بھی مقتدی آمین کہے۔ یہ مقتدی کی طرف راجع ہے اور اس کا ذکر اس کے بعد ہونا چاہئے۔ اور بعض علماء نے فرمایا: سری نماز میں مقتدی آمین نہ کہے اگرچہ امام سے سن بھی لے کیونکہ اس جہر کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

4223۔ (قولہ: وَلَوْ مِنْ مِثْلِهِ) یعنی اپنے جیسے مقتدی سے اس طرح کہ اس کی مثل مقتدی امام کے قریب ہو جو اس کی قراءت سن رہا ہو۔ پس اس نے آمین کہی تو اس مقتدی نے اپنے جیسے امام کے قریبی سے آمین سن لی تو وہ امین کہے۔ کیونکہ دارومدار امام کے آمین کہنے کا علم ہے۔

4224۔ (قولہ: فِي نَحْوِ جُمُعَةٍ وَعِيدٍ) نحو کے لفظ کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جمعہ اور عید کے ساتھ تقیید جیسا کہ ''الجوہرہ'' میں واقع ہے..... قید نہیں ہے جیسا کہ ''الشرنبلالیہ'' میں اس قول کے ساتھ بحث کی ہے کہ مناسب ہے کہ ان دونوں کے ساتھ مختص نہ کرے بلکہ ہر کثیر جماعت کا حکم اسی طرح ہے۔

4225۔ (قولہ: وَأَمَّا حَدِيثُ) یہ وہ حدیث ہے جس کو امام ''بخاری'' اور امام ''مسلم'' نے روایت کیا ہے: جب امام آمین کہے تو تم آمین کہو کیونکہ جس کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کہنے کے ساتھ موافقت کر جائے گا اس کے پہلے تمام گناہ (صغیرہ) معاف کر دیئے جائیں گے۔ یہ حدیث امام اور مقتدی دونوں کے آمین کہنے کو مفید ہے۔ لیکن امام کے حق میں اشارہ کے ساتھ کیونکہ نص اس کے لئے نہیں چلائی گئی۔ اور مقتدی کے حق میں عبارت کے ساتھ کیونکہ نص اس کے لئے چلائی گئی ہے، ''بحر''۔ پھر الشارح کی مراد امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا جواب ہے کہ حدیث امام کے جہراً امین کہنے پر دلیل ہے کیونکہ مقتدیوں کے آمین کہنے کو امام کے آمین کہنے پر معلق کیا ہے۔ اور جواب یہ ہے کہ آمین کہنے کی جگہ معلوم ہے جب وَلَا الضَّآلِّيْنَ کا لفظ سنے تو کافی ہے۔ کیونکہ الشارع علیہ السلام نے امام سے آمین کہنا اس کے بعد طلب کیا ہے۔ پس یہ معلوم الوجود کے ساتھ تعلیق سے ہو گیا۔ مکمل دلائل مطولات میں ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے جو امام سے دور ہو، امام کی قراءت نہ سن رہا ہو وہ آمین نہ کہے جیسا کہ ''البحر'' میں ہے یعنی آمین کہنے کی جگہ نہ سننے کی وجہ سے۔ اے اللہ! مگر وہ اپنے جیسے سے سن لے (تو آمین کہے) جیسا کہ سری نماز کے بارے میں (مقولہ 4223 میں) گزر چکا ہے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب التسبیح والتحمید والتامین، جلد 1، صفحہ 460، حدیث نمبر 668

سنن ابی داؤد، ابواب الرکوع والسجود، جلد 1، صفحہ 352، حدیث نمبر 801

(إِذَا قَالَ الْإِمَامُ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ) (ثُمَّ) كَمَا فَرَغَ (يُكَبِّرُ) مَعَ الِانْحِطَاطِ (لِلرُّكُوعِ) وَلَا يُكْرَهُ وَصْلُ الْقِرَاءَةِ بِتَكْبِيرَةٍ، وَلَوْ بَقِيَ حَرْفٌ أَوْ كَلِمَةٌ فَأَتَمَّهُ حَالَةَ الْخُرُورِ لَا بَأْسَ بِهِ عِنْدَ الْبَعْضِ مُنْيَةُ الْمُصَلِّي (وَيَضَعُ يَدَيْهِ) مُعْتَمِدًا بِهِمَا (عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَيُفَرِّجُ أَصَابِعَهُ) لِلتَّمَكُّنِ

کہ جب امام وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہے تو تم آمین کہو۔ پھر قراءت سے فارغ ہو تو رکوع کے لئے جھکتے ہوئے تکبیر کہے۔ اور تکبیر کے ساتھ قراءت کا ملانا مکروہ نہیں۔ اگر ایک حرف یا کلمہ باقی ہو اسے جھکنے کی حالت میں مکمل کرے تو بعض علما کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں۔ ''منیۃ المصلی''۔ اور اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھے گھٹنوں پر ہاتھوں سے سہارا لیتے ہوئے اور اپنی انگلیوں کو پکڑنے کے لئے پھیلا دے۔

4226۔ (قولہ: فَقُولُوا آمِينَ) مکمل حدیث اس طرح ہے: فرشتے آمین کہتے ہیں (1) جس کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کہنے سے موافق ہو جاتا ہے اس کے تمام گزشتہ گناہ (صغیرہ) معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ اس حدیث کو ''عبدالرزاق''، ''النسائی''، ''ابن حبان'' نے روایت کیا ہے، ''حلبہ''۔ امام نووی کی ''شرح مسلم'' میں ہے: صحیح اور درست یہ ہے کہ اس سے مراد آمین کہنے کے وقت میں فرشتوں کی موافقت ہے۔ اور بعض نے فرمایا: صفت، خشوع اور اخلاص میں موافقت ہے۔ پھر کہا گیا ہے کہ فرشتوں سے مراد کندھوں پر قائم فرشتے ہیں۔ اور بعض نے فرمایا: اس کے علاوہ فرشتے ہیں۔ کیونکہ دوسری حدیث میں ہے: جس کا قول اہل السماء کے قول کے موافق ہوگا (2)۔

4227۔ (قولہ: مَعَ الِانْحِطَاطِ) یہ فائدہ ذکر کیا ہے کہ سنت تکبیر کی ابتدا کا ہونا جھکنے کے وقت ہے، اور تکبیر کی انتہا کا ہونا پیٹھ کے برابر ہونے کا وقت ہے۔ بعض فقہا نے کہا: کھڑے ہو کر تکبیر کہے۔ پہلا قول صحیح ہے جیسا کہ ''المضمرات'' میں ہے۔ اس کی مکمل بحث ''القہستانی'' میں ہے۔

4228۔ (قولہ: وَلَا يُكْرَهُ الخ) اس کی مثال اس طرح ہے کہ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾ (الضحیٰ) کے ساتھ اللہ اکبر کے ساتھ ملا کر کہے (یعنی) التقاء ساکنین کی وجہ سے ثا کو کسرہ دے کر اللہ اکبر کے لام کے ساتھ ملا کر کہے ''حلبی''۔ اور ''القہستانی'' میں ہے: ثم یکبر کا قول اس پر دلیل ہے کہ تکبیر کو قراءت کے ساتھ نہ ملائے۔ اور یہ رخصت ہے اور افضل ملانا ہے۔ اور ''شرح المنیہ'' میں ہے کہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: کبھی میں ملاتا ہوں اور کبھی ترک کرتا ہوں۔ ''التاتر خانیہ'' میں خوبصورت تفصیل ذکر کی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب سورۃ کے آخر میں ثنا ہو جیسے وَ كَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿۱۱۱﴾ (الاسراء) تو ملانا بہتر ہے ورنہ جدائی بہتر ہے جیسے اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ﴿۳﴾ (الکوثر) پس یہاں وقف کرے اور فصل کرے پھر رکوع کے لئے تکبیر کہے۔

4229۔ (قولہ: لَا بَأْسَ بِهِ عِنْدَ الْبَعْضِ) اس کے ساتھ اس طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ قول معتمد قول کے خلاف ہے

1۔ صحیح بخاری، کتاب صفۃ الصلوٰۃ، باب فضل التامین، جلد 1، صفحہ 372، حدیث نمبر 739

2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب التسمیع والتحمید، جلد 1، صفحہ 461، حدیث نمبر 671

وَيُسَنُّ أَنْ يُلْصِقَ كَعْبَيْهِ وَيَنْصِبَ سَاقَيْهِ (وَيَبْسُطَ ظَهْرَهُ) وَيُسَوِّيَ ظَهْرَهُ بِعَجُزِهِ (غَيْرَ رَافِعٍ وَلَا مُنَكِّسٍ رَأْسَهُ وَيُسَبِّحُ فِيهِ) وَأَقَلُّهُ (ثَلَاثًا)

اور سنت ہے کہ وہ اپنے ٹخنوں کو ملائے، اپنی پنڈلیوں کو سیدھا کھڑا کرے اور اپنی پیٹھ کو پھیلائے اور اپنی پیٹھ اور سرین کو برابر کرے۔ نہ تو اپنے سر کو زیادہ اٹھائے اور نہ زیادہ جھکائے ہوئے ہو۔ اور رکوع میں تسبیح کہے اور اسکی کم از کم مقدار تین مرتبہ ہے۔

جس کی طرف پہلے ثُمَّ كَمَا فَرَغَ يُكَبِّرُ مَعَ الِانْحِطَاطِ کے قول کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ تمام قراءت کو مکمل کرے اور قراءت سے فارغ ہونے کے بعد تکبیر کہتے ہوئے رکوع کے لئے جھکے۔ پہلا قول اصح ہے جیسا کہ ''المنیہ'' میں ہے۔ پس الشارح نے دونوں مختصر عبارت اور لطیف اشارہ کے ساتھ قولوں پر آگاہ کر دیا۔ پہلا قول معتمد ہے اور دوسرا ضعیف ہے۔ اور الشارح کے کلام میں کوئی اہمال نہیں جیسا کہ ذوی الکمال پر مخفی نہیں۔ ''فافہم''

رکوع کا طریقہ

4230۔ (قولہ: وَيُسَنُّ أَنْ يُلْصِقَ كَعْبَيْهِ) السید ''ابوالسعود'' نے کہا ہے کہ اسی طرح سجدہ میں بھی ٹخنوں کو ملانا سنت ہے۔ اور سنن میں بھی یہ گزر چکا ہے۔ اور جو گزر چکا ہے وہ یہ قول ہے: سجدہ میں اپنے ٹخنوں کو ملانا سنت ہے۔ ''درر''۔

مخفی نہیں کہ یہ نظر کا سبقت لے جانا ہے کیونکہ ہمارے شارح نے یہ نہ ''الدر المختار'' میں ذکر کیا ہے اور نہ ''الدر المنتقی'' میں ذکر کیا ہے اور نہ یہ میں نے کسی اور کے لئے دیکھا ہے، ''فافہم''۔ ہاں کبھی اس سے سمجھا جاتا ہے کہ جب رکوع میں ٹخنوں کو ملانا سنت ہے اور فقہاء نے ان کو کھولنا اس کے بعد ذکر نہیں کیا تو اصل حالت سجود میں بھی ان کا ملا ہوا ہونا باقی ہے۔

یسن کا لفظ د یصنع یدیہ سے پہلے ذکر کرنا مناسب تھا تا کہ معلوم ہو جاتا کہ وضع، اعتماد، انگلیوں کا کھولنا، ٹخنوں کا ملانا، پنڈلیوں کا کھڑا کرنا، پیٹھ کا پھیلانا، سرین اور سر کو برابر کرنا تمام سنتیں ہیں جیسا کہ ''القہستانی'' میں ہے۔ فرمایا: یہ زائد کرنا چاہئے کہ وہ اپنے بازوؤں کو جسم سے جدا رکھے، اپنی انگلیوں کو قبلہ رخ رکھے۔ یہ دونوں سنت ہیں جیسا کہ ''الزاہدی'' میں ہے۔

''المعراج'' میں فرمایا: ''المجتبیٰ'' میں ہے۔ یہ تمام سنتیں مرد کے حق میں ہیں۔ رہی عورت وہ رکوع میں تھوڑی جھکے اور انگلیوں کو نہ پھیلائے بلکہ انگلیوں کو ملائے اور اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر صرف رکھے، اور اپنے گھٹنوں کو ٹیڑھا کرے اور اپنے بازوؤں کو جدا نہ کرے کیونکہ یہ اس کے لئے زیادہ پردے کا باعث ہے۔ اور شرح ''الوجیز'' میں ہے کہ خنثیٰ (خسرہ) بھی عورت کی طرح ہے۔

4231۔ (قولہ: وَيَنْصِبَ سَاقَيْهِ) پس پنڈلیوں کو کمان کی مانند بنانا جیسا کہ اکثر عوام الناس کرتے ہیں یہ مکروہ ہے۔ ''بحر''۔

4232۔ (قولہ: وَأَقَلُّهُ ثَلَاثًا) یعنی کم از کم تسبیح تین ہے۔

اس کی اصل عبارت: اقلہ یکون ثلاثًا ہوگی یا اقلہ تسبیحہ ثلاثًا ہوگی۔ یہ بہتر ہے اس سے کہ حرف جر کے حذف کے ساتھ اقلہ سے اس کو خبر بنایا جائے یعنی فی ثلاث کیونکہ حرف جر کا حذف سماعی ہے۔ نیز یہ بہت بعید ہے ''فافہم''۔ اور اقلہ کا

فَلَوْ تَرَكَهُ أَوْ نَقَصَهُ كُرِهَ تَنْزِيهًا
اگر تسبیح کو ترک کردیا یا تین کی تعداد میں کمی کردے تو مکروہ تنزیہی ہوگا۔

مبتدا محذوف کی خبر ہونے کا بھی احتمال ہے۔ اور واؤ حالیہ ہے۔ تقدیر یوں ہوگی یسبح فیه ثلاثا و هو اقله یعنی حال یہ ہے کہ تین اس کی کم از کم مقدار ہے۔ اور حال کا ذوالحال سے مقدم کرنا نکرہ سے حال آنے کو جائز قرار دیتا ہے۔ اس وجہ کو ہمارے شیخ نے بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے۔

رکوع میں تسبیح کا حکم

4233۔ (قوله: كُرِهَ تَنْزِيهًا) یہ اس بنا پر ہے کہ تسبیح کا حکم استحباب کے لئے ہے'' بحر''۔ اور'' المعراج'' میں ہے: '' ابو مطیع البلخی'' امام'' ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد نے فرمایا: تین تسبیح فرض ہیں۔ اور امام'' احمد'' کے نزدیک ایک مرتبہ واجب ہے جیسے سجدہ کی تسبیح، تکبیرات، تسمیع اور دو سجدوں کے درمیان دعا ہے۔ اگر جان بوجھ کر اس کو ترک کرے گا تو نماز باطل ہوگی۔ اگر بھول کر ترک کرے گا تو باطل نہ ہوگی۔

'' القہستانی'' میں ہے: بعض علما نے فرمایا: واجب ہے۔ یہ ہمارے نزدیک تیسرا قول ہے۔ '' الحلبہ'' میں ذکر کیا ہے: تسبیح کا حکم اور اس پر مواظبت وجوب پر مؤید ہیں۔ پس سجدہ سہو کا لزوم ہونا چاہئے یا نماز کا اعادہ ہونا چاہئے اگر اس کو بھول کر ترک کرے یا جان بوجھ کر ترک کرے۔ اس بحث پر علامہ ابراہیم'' الحلبی'' نے'' شرح المنیہ'' میں ان کی موافقت کی ہے۔ اور'' البحر'' میں اس طرح جواب دیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی کے لئے تسبیحات کا ذکر نہیں کیا جب اسے نماز سکھائی تھی۔ پس یہ امر کو وجوب سے پھیرنے کا قرینہ ہے۔ لیکن'' شرح المنیہ'' میں اس کے ورود کا شعور دیا ہے۔ پھر اس کا اس قول سے جواب دیا ہے کہ کہنے والے کے لئے یہ کہنا جائز ہے کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اگر نماز میں واجب نہ ہو تو پھر اس سے خارج ہوگا جو اعرابی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا تھا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ فاتحہ کی تعیین، سورت کا ملانا یا تین آیات کا ملانا اس میں سے نہیں ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی کو سکھایا تھا بلکہ یہ دوسری دلیل سے ثابت ہے۔ تو پھر یہ اس طرح کیوں نہ ہوگا۔

حاصل یہ ہے کہ رکوع و سجود میں تین تسبیح کے بارے میں ہمارے نزدیک تین اقوال ہیں۔ اور ان میں دلیل کے اعتبار سے ارجح قواعد مذہبیہ پر تخریج کرتے ہوئے وجوب کا قول ہے۔ اس کا اعتماد ہونا چاہئے جیسے'' ابن الہمام'' نے اور ان کے متبعین نے قومہ اور جلسہ اور ان دونوں میں طمانینت کے وجوب کی روایت کا اعتماد کیا ہے جیسا کہ (مقولہ 3979 میں) پہلے گزر چکا ہے۔ رہا روایت کی حیثیت سے تو ارجح اس کا سنت ہونا ہے کیونکہ کتب مشہورہ میں سنیت کی تصریح کی گئی ہے اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ تین تسبیحات سے کم کرنا مکروہ ہے اور زیادہ پڑھنا مستحب ہے اس کے بعد کہ طاق عدد پانچ یا سات یا نو پر ختم کرے جبکہ امام نہ ہو۔ پس امام تسبیحات کو لمبا نہ کرے۔ ہم نے'' اصول ابی الیسر'' کے حوالہ سے سنن الصلوٰۃ میں (مقولہ 4037 میں) پہلے ذکر کیا ہے کہ سنت کا حکم اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا مستحب ہے اور اس کے ترک پر ملامت کی جائے گی نیز تھوڑا سا گناہ کا حصول بھی ہوگا۔

وَكُرِهَ تَحْرِيمًا إِطَالَةُ رُكُوعٍ أَوْ قِرَاءَةٍ لِإِدْرَاكِ الْجَائِي أَيْ إِنْ عَرَفَهُ وَإِلَّا فَلَا بَأْسَ بِهِ،

اگر تسبیح کو ترک کر دیا یا تین کی تعداد میں کمی کر دے تو مکروہ تنزیہی ہوگا۔" اور قراءت یا رکوع کو لمبا کرنا مکروہ ہے تا کہ آنے والا رکعت کو پالے یعنی اگر آنے والے کو جانتا ہو ورنہ کوئی حرج نہیں۔

یہ اس کا فائدہ دیتا ہے کہ سنت کے ترک کی کراہت مکروہ تنزیہی سے زیادہ ہے اور مکروہ تحریمی سے کم ہے۔ اس سے "البحر" کا قول ضعیف ہو جاتا ہے کہ یہاں کراہت تنزیہہ کے لئے ہے کیونکہ یہ مستحب ہے۔ اگر چہ الشارح وغیرہ نے ان کی پیروی کی ہے۔ "فتدبر"

نوٹ: رکوع کی تسبیح میں سنت سبحان ربی العظیم ہے۔ لیکن اگر ظا کو اچھی طرح ادا نہ کر سکتا ہو تو الکریم کے ساتھ تبدیل کر دے تا کہ اس کی زبان پر عزیم جاری نہ ہو ورنہ اس کے ساتھ نماز فاسد ہو جائے گی۔ اسی طرح "شرح درر البحار" میں ہے اس کو یاد کرنا چاہئے۔ اس سے اکثر لوگ غافل ہیں کیونکہ وہ ظا کی جگہ زا پڑھتے ہیں۔

آنے والے کے لئے رکوع کو لمبا کرنا

4234۔ (قولہ: وَكُرِهَ تَحْرِيمًا) رکوع کو لمبا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ "البدائع" اور "الذخیرۃ" میں ہے: امام "ابو یوسف" رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے فرمایا: میں نے امام "ابو حنیفہ" رحمۃ اللہ علیہ اور "ابن ابی لیلیٰ" سے اس کے متعلق پوچھا تو ان دونوں نے اس کو ناپسند کیا۔ امام "ابو حنیفہ" رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مجھے ایسے شخص پر امر عظیم کا اندیشہ ہے یعنی شرک کا اندیشہ ہے۔ "ہشام" نے امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے بھی اس کو ناپسند کیا ہے۔ اسی طرح امام "مالک" اور امام "شافعی" رحمۃ اللہ علیہ سے قول جدید میں روایت کیا گیا ہے۔ بعض علماء نے "امام صاحب" رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے یہ وہم کیا ہے کہ وہ شخص مشرک ہو جائے گا۔ پھر اس نے اس کے خون کے مباح ہونے کا فتویٰ دیا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ "امام صاحب" رحمۃ اللہ علیہ نے عمل میں شرک کا ارادہ کیا ہے۔ کیونکہ رکوع کا آغاز اللہ کے لئے تھا اور اس کا آخر آنے والے کے لئے تھا۔ اور اسے کافر نہیں کہا جائے گا کیونکہ اس نے آنے والے کے لئے تذلل اور عبادت کا ارادہ نہیں کیا۔ اس کی مکمل بحث "الحلبہ" اور "البحر" میں ہے۔

4235۔ (قولہ: إِطَالَةُ رُكُوعٍ أَوْ قِرَاءَةٍ) اسی طرح سلام سے پہلے آخری قعدہ کا حکم ہے۔ "السراج" میں ذکر کیا ہے کہ اس میں اختلاف ہے۔ اور اس طرف اشارہ کیا ہے کہ کلام نماز کے بارے میں ہے۔ پس اگر وہ نماز سے پہلے انتظار کرے تو "البزازیہ" کے باب الاذان میں ہے: اگر اقامت کا انتظار کرے تا کہ لوگ نماز کو پالیں تو جائز ہے۔ اور اجتماع کے بعد کسی ایک کے لئے انتظار کرنا جائز نہیں مگر یہ کہ وہ برا اور شریر آدمی ہو۔

4236۔ (قولہ: أَيْ إِنْ عَرَفَهُ) اس کو "شرح المنیہ" میں اکثر علما کی طرف منسوب کیا ہے یعنی اس وقت اس کا انتظار اس کی محبت کے لئے ہوگا، تقرب اور خیر پر اعانت کے لئے نہ: رہ۔

4237۔ (قولہ: وَإِلَّا فَلَا بَأْسَ) یعنی اگر اسے جانتا نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ طاعت پر اعانت ہے۔

وَلَوْ أَرَادَ التَّقَرُّبَ إِلَى اللهِ تَعَالَى لَمْ يُكْرَهْ اتِّفَاقًا لَكِنَّهُ نَادِرٌ وَتُسَمَّى مَسْأَلَةَ الرِّيَاءِ، فَيَنْبَغِي التَّحَرُّزُ عَنْهَا

اور اگر تقرب الی اللہ کا ارادہ کیا ہو تو بالاتفاق مکروہ نہیں ہے۔ لیکن یہ نادر ہے اسکو ریا کا مسئلہ کہا جاتا ہے۔ پس اس سے بچنا چاہئے۔

لیکن اتنی مقدار قراءت اور رکوع کو لمبا کرے جتنا کہ قوم پر بوجھ نہ ہو اس طرح کہ معتاد پر ایک یا دو تسبیح زیادہ کرے۔

اور لا باس کا لفظ غالب طور پر اس مفہوم میں استعمال ہوتا ہے کہ اس کام کا ترک کرنا افضل ہے۔ اور یہاں بھی اسی طرح ہونا چاہئے۔ کیونکہ عبادت کا فعل کسی ایسے امر کے لئے ہو جس میں عدم اخلاص کا شبہ ہو یقیناً اس کا ترک افضل ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو تجھے شک میں ڈالے اسے چھوڑ دے اس کی طرف جو تجھے شک میں نہ ڈالے (1)۔ (یعنی اسے اختیار کر جو تجھے شک میں نہ ڈالے) کیونکہ اگرچہ رکعت کے پانے پر یہ اعانت ہے لیکن اس میں سستی، جلدی نہ کرنا اور وقت کے آنے سے پہلے نماز کی تیاری نہ کرنے پر اعانت ہے۔ پس اس کا ترک اولیٰ ہے۔ ''شرح المنیہ''۔

4238۔ (قولہ: وَلَوْ أَرَادَ التَّقَرُّبَ إِلَى اللهِ تَعَالَى) یعنی سوائے اللہ تعالیٰ کے تقرب کے اس کے دل میں کوئی چیز نہ کھٹکے حتیٰ کہ رکعت کو پانے پر اعانت بھی نہ ہو، تو اس وقت یہ افضل ہے۔ لیکن یہ انتہائی نایاب ہے۔ اور ممکن ہے تقرب سے مراد رکعت پر اعانت ہو۔ کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طاعت پر اللہ تعالیٰ کے بندوں کی اعانت ہے۔ پس افضل اس کا ترک ہے۔ کیونکہ اس میں وہ شبہ ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ ''شرح المنیہ'' (ملخصاً)۔

میں کہتا ہوں: رکعت پانے پر اعانت کا قصد مطلوب ہے۔ فجر کی نماز میں پہلی رکعت کو لمبا کرنا بالاتفاق مشروع ہے...... اسی طرح دوسری نماز میں ہے علماء کے اختلاف پر...... پہلی رکعت کے ادراک پر لوگوں کے لئے اعانت کے طور پر...... کیونکہ یہ نیند اور غفلت کا وقت ہے جیسا کہ صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے سمجھا ہے (2) اور ''المنیہ'' میں ہے: سنت کے مکمل کرنے کو چھوڑ کر لوگوں پر امام کا جلدی کرنا مکروہ ہے۔ ''الحلبہ'' میں ''عبداللہ بن المبارک''، ''اسحاق''، ''ابراہیم'' اور ''الثوری'' سے منقول ہے کہ امام کے لئے مستحب ہے کہ وہ پانچ تسبیحات پڑھے تاکہ مقتدی تین تسبیحات پالیں۔

اس بنا پر جب آنے والے کی اعانت کا ارادہ کرے تو افضل ہے اس کے بعد کہ اس کے دل میں اس کی محبت اور اس کا حیاء وغیرہ نہ کھٹکے۔ اسی وجہ سے ''المعراج'' میں ''الجامع الاصغر'' سے منقول ہے کہ وہ ماجور ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (مائدہ:2)

اور ''التاتر خانیہ'' کے اذان کے باب میں ہے۔ فرمایا: ''المنتقی'' میں ہے: مؤذن کا تاخیر کرنا اور قراءت کا لمبا کرنا بعض لوگوں کے نماز کو پانے کے لئے حرام ہے۔ یہ اس وقت ہے جب وہ اہل دنیا کیلئے اتنا قراءت کو لمبا کرے یا آذان کو مؤخر کرے کہ لوگوں پر گراں ہو۔ پس حاصل یہ ہے کہ تھوڑی تاخیر اہل خیر کی اعانت کے لئے مکروہ نہیں ہے۔

''الطحطاوی'' نے فرمایا: ظاہر یہ ہوتا ہے کہ مکبر کے ادراک کے لئے امام کا رکوع کو لمبا کرنا تقرب سے ہے اگر امام نے

1۔ سنن ترمذی، کتاب صفۃ الجنۃ، باب ماجاء فی صفۃ الحوض، جلد 2، صفحہ 283، حدیث نمبر 2442

2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب القراءۃ فی الظہر والعصر، جلد 1، صفحہ 499، حدیث نمبر 735

(وَ) اعْلَمْ أَنَّهُ مِمَّا يُبْتَنَى عَلَى لُزُومِ الْمُتَابَعَةِ فِي الْأَرْكَانِ أَنَّهُ (لَوْ رَفَعَ الْإِمَامُ رَأْسَهُ) مِنَ الرُّكُوعِ أَوِ السُّجُودِ (قَبْلَ أَنْ يُتِمَّ الْمَأْمُومُ التَّسْبِيحَاتِ) الثَّلَاثَ (وَجَبَ مُتَابَعَتُهُ) وَكَذَا عَكْسُهُ فَيَعُودُ وَلَا يَصِيرُ ذَلِكَ رُكُوعَيْنِ (بِخِلَافِ سَلَامِهِ) أَوْ قِيَامِهِ لِثَالِثَةٍ (قَبْلَ تَمَامِ الْمُؤْتَمِّ التَّشَهُّدَ)

اور جان لو کہ ارکان میں متابعت کے لزوم میں سے یہ بھی ہے کہ اگر امام مقتدی کے تسبیحات مکمل کرنے سے پہلے رکوع اور سجود سے اپنا سر اٹھا لے تو مقتدی کو اس کی متابعت واجب ہے۔ اور اسی طرح اس کا برعکس مسئلہ ہے۔ پس وہ لوٹ آئے اور یہ دو رکوع نہ ہوں گے بخلاف امام کے سلام پھیرنے یا تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے کے مقتدی کے تشہد مکمل کرنے سے پہلے۔

اس کے ادراک سے پہلے سر اٹھا لیا وہ گمان کرتا ہے کہ اس نے رکعت پالی ہے جیسا کہ اکثر عوام الناس کے ساتھ واقع ہوتا ہے تو وہ اپنے ظن پر بنا کرتے ہوئے امام کے ساتھ سلام پھیر دے۔ امام طاقت نہیں رکھتا کہ اسے اعادہ یا اتمام کا حکم دے۔

ارکان میں امام کی اتباع کے لزوم میں مبنی مسائل

4239۔ (قولہ: وَ اعْلَمْ الخ) ہم نے (مقولہ 4023 میں) پہلے واجبات کی بحث میں متابعت پر اتنی بحث کر دی ہے کہ اس پر مزید کی گنجائش نہیں۔ وہاں ہم نے ثابت کیا ہے کہ متابعت بھی بمعنی عدم تاخیر فرائض و واجبات میں واجب ہے اور سنن میں سنت ہے۔ پس یہاں ارکان کے ساتھ تقیید میں نظر ہے اس بنا پر کہ رکوع یا سجود سے سر اٹھانا واجب ہے یا سنت ہے۔ اور ''المصنف'' نے یہاں متابعت سے تعرض نہیں کیا حتیٰ کہ اس کا کلام متابعت پر مبنی ہو بلکہ وجب متابعتہ کے قول کی بنا دیسبح فیہ ثلاثًا پر ہونی چاہئے۔ کیونکہ وہ مذہب میں مشہور و معتمد قول پر سنت ہے نہ فرض ہے اور نہ واجب ہے جیسا کہ پہلے (مقولہ 4233 میں) گزر چکا ہے۔ پس اس کی وجہ سے متابعت واجبہ کو ترک نہ کرے۔ ''تامل''

4240۔ (قولہ: وَجَبَ مُتَابَعَتُهُ) یعنی دونوں روایتوں میں سے اصح روایت میں جیسا کہ ''البحر'' میں ہے۔

4241۔ (قولہ: وَكَذَا عَكْسُهُ) اور اس کا عکس یہ ہے کہ مقتدی رکوع یا سجود سے سر اٹھا لے اس سے پہلے کہ امام تسبیحات مکمل کرے۔ ''حلبی''۔

4242۔ (قولہ: فَيَعُودُ) یعنی مقتدی لوٹ آئے۔ کیونکہ مقتدی کے لئے امام کی متابعت کرنا رکوع کو مکمل کرنے میں واجب ہے۔ اور مقتدی کا امام سے سبقت کرنا مکروہ ہے۔ اگر وہ واپس نہیں آئے گا تو کراہت تحریمی کا مرتکب ہوگا۔

4243۔ (قولہ: وَلَا يَصِيرُ ذَلِكَ رُكُوعَيْنِ) کیونکہ اس کا لوٹنا پہلے رکوع کو مکمل کرنے کے لئے ہے نہ کہ مستقل رکوع ہے۔ ''حلبی''۔

4244۔ (قولہ: فَإِنَّهُ لَا يُتَابِعُهُ) یعنی اگرچہ اسے تیسری رکعت کے امام کے ساتھ فوت ہونے کا اندیشہ ہو جیسا کہ ''الظہیریہ'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ اس کے اطلاق کی وجہ سے یہ صورت بھی شامل ہے کہ اگر پہلے تشہد یا اخیری تشہد کے درمیان میں امام کی اقتدا کی پس جب وہ بیٹھا تو اس کا امام کھڑا ہو گیا یا سلام پھیر دیا۔

فَإِنَّهُ لَا يُتَابِعُهُ بَلْ يُتِمُّهُ لِوُجُوبِهِ، وَلَوْ لَمْ يُتِمَّ جَازَ؛ وَلَوْ سَلَّمَ وَالْمُؤْتَمُّ فِي أَدْعِيَةِ التَّشَهُّدِ

اس صورت میں مقتدی امام کی پیروی نہ کرے بلکہ تشہد کے وجوب کی وجہ سے تشہد کو مکمل کرے۔ اور اگر مکمل نہ کیا (اور سلام پھیر دیا) تو بھی نماز جائز ہوگی۔ اور اگر امام نے سلام پھیرا جبکہ مقتدی تشہد کی دعاؤں میں تھا

اس کا مقتضا یہ ہے کہ مقتدی تشہد مکمل کرے پھر کھڑا ہو۔ میں نے اس کو صراحۃً نہیں دیکھا تھا۔ پھر میں نے یہ ''الذخیرۃ'' میں ''ابو اللیث'' سے منقول دیکھا ہے کہ میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ وہ تشہد کو مکمل کرے۔ اور اگر مکمل نہیں کرے گا تو بھی نماز جائز ہو جائے گی۔ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔

4245۔ (قولہ: لِوُجُوبِهِ) یعنی تشہد کے وجوب کی وجہ سے جیسا کہ ''الخانیہ'' وغیرھا میں ہے۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ متابعت کا وجوب ساقط ہے جیسا کہ ہم اس کا آگے ذکر کریں گے ورنہ مطلوب منتج نہ ہوگا۔

4246۔ (قولہ: وَلَوْ لَمْ يُتِمَّ جَازَ) یعنی کراہت تحریمی کے ساتھ نماز جائز ہوگی جیسا کہ ''الحلبی'' نے یہ فائدہ ذکر کیا ہے۔ ''طحطاوی'' اور ''الرحمتی'' نے ان سے تنازع کیا ہے۔ جو ''شرح المنیہ'' میں ہے اس کا یہی مفاد ہے۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا: حاصل یہ ہے کہ فرائض و واجبات میں تاخیر کے بغیر امام کی متابعت واجب ہے۔ پس اگر متابعت کے کوئی اور واجب معارض آ جائے تو اسے بالکلیہ فوت کرنا مناسب نہیں بلکہ پہلے وہ اس واجب کو ادا کرے پھر امام کی متابعت کرے۔ کیونکہ اس واجب کا ادا کرنا بالکلیہ متابعت کو فوت نہیں کرتا وہ صرف متابعت میں تاخیر کرتا ہے۔ اور (واجب کو ادھورا چھوڑنے کے ساتھ) متابعت اس واجب کو بالکلیہ فوت کر دیتی ہے۔ پس دونوں واجبات کو ادا کرنا ایک کی تاخیر کے ساتھ بہتر ہے بنسبت اس کے کہ ایک کو کلیۃً ترک کر دیا جائے بخلاف اس کے کہ متابعت کے معارض کوئی سنت ہو۔ کیونکہ واجب کی تاخیر سے سنت کا ترک اولیٰ ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا ظاہر یہ ہے کہ تشہد کا مکمل کرنا اولیٰ ہے واجب نہیں۔ لیکن قائل کے لئے یہ کہنا جائز ہے کہ یہاں متابعت واجبہ کا معنی عدم تاخیر ہے۔ پس تشہد کے مکمل کرنے سے متابعت واجبہ (یعنی عدم تاخیر) کا ترک کلیۃً لازم آئے گا۔ پس اس طرح تعلیل ہونی چاہئے کہ مذکورہ متابعت تب واجب ہے جب اس کے معارض واجب نہ ہو جیسا کہ سلام کا لوٹانا واجب ہے۔ اور یہ وجوب ساقط ہو جاتا ہے جب اس کے معارض خطبہ کے سننے کا وجوب ہو۔

اس کا مقتضا یہ ہے کہ تشہد کا مکمل کرنا واجب ہے۔ لیکن تعلیل کے عکس کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ تشہد کا مکمل کرنا واجب ہے جب متابعت کا وجوب معارض نہ ہو۔ ہاں فقہا کا قول: لا یتابعہ مکمل کرنے کے وجوب کے بقا پر دلالت کرتا ہے اور متابعت کے سقوط پر دلالت کرتا ہے کیونکہ جس عمل میں وہ شروع ہے وہ اس سے زیادہ مؤکد ہے جو اسے بعد میں لاحق ہوگا۔ اور اسی طرح ہم نے (مقولہ 4244 میں) پہلے ''الظہیریہ'' کے حوالہ سے پیش کیا ہے۔ اور اس وقت فقہا کا قول: ولو لم یتم جاز کا معنی ہے کراہت تحریمیہ کے ساتھ جائز ہے۔ اس پر تشہد کے وجوب کے ساتھ ان کی تعلیل دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ اگر متابعت بھی واجب ہوتی تو تعلیل صحیح نہ ہوتی جیسا کہ ہم نے (مقولہ 4245 میں) پہلے بیان کیا ہے۔ ''فتدبر''

4247۔ (قولہ: فِي أَدْعِيَةِ التَّشَهُّدِ) یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کو بھی شامل ہے۔ ''شرح المنیہ'' میں اس کی

تَابَعَهُ لِأَنَّهَا سُنَّةٌ وَالنَّاسُ عَنْهُ غَافِلُونَ (ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنْ رُكُوعِهِ مُسَمِّعًا) فِي الْوَلْوَالِجِيَّةِ لَوْ أَبْدَلَ النُّونَ لَامًا تَفْسُدُ وَهَلْ يَقِفُ بِجَزْمٍ أَوْ تَحْرِيكٍ؟ قَوْلَانِ (وَيَكْتَفِي بِهِ الْإِمَامُ)،

توامام کی متابعت کرے۔ کیونکہ دعائیں سنت ہیں اور لوگ اس سے غافل ہیں۔ پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہتے ہوئے رکوع سے اپنے سرکو اٹھائے۔ اور ''الولوالجیہ'' میں ہے: اگر نون کولام سے بدلا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ اور کیا جزم یا تحریک کے ساتھ وقف کرے؟ اس میں دو قول ہیں۔ اور امام صرف سمع اللہ لمن حمدہ پر اکتفا کرے۔

تصریح ہے۔

تسمیع کے احکام

4248۔(قولہ: مُسَمِّعًا) یعنی سمع اللہ لمن حمدہ کہتے ہوئے اس سے یہ فائدہ ظاہر فرمایا کہ سراٹھانے کی حالت میں تکبیر نہ کہے۔ یہ بظاہر یہ اس کے خلاف ہے جو ''المحیط'' میں ہے کہ ''تکبیر کہنا سنت ہے'' اگرچہ ''الطحاوی'' نے اس (تکبیر) کے ساتھ عمل کے تواتر کا دعویٰ کیا ہے کیونکہ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکر، عمر، علی، ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سب ہر خفض (نیچے جانا) اور رفع (اوپر سراٹھانا) کے وقت تکبیر کہتے تھے۔ ''المعراج'' میں اس کا اس طرح جواب دیا ہے کہ تکبیر سے مراد وہ ذکر ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہوتا کہ روایات اور آثار اور اخبار جمع ہوجائیں۔

4249۔(قولہ: لَوْ أَبْدَلَ النُّونَ لَامًا) اس طرح کہا لِمَلْ حمدہ تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ لیکن ''منیۃ المصلی'' میں زلۃ القاری کی بحث میں ہے: امید کی جائے گی کہ نماز فاسد نہ ہوگی۔ ''الحلبی'' نے اس کی شرح میں فرمایا: قریب المخرج ہونے کی وجہ سے (نماز فاسد نہ ہوگی)۔ ظاہر یہ ہے کہ اس کا حکم توتلے شخص کا ہے۔

صاحب ''القنیہ'' نے اس کو مستحسن کہا ہے۔ بلکہ ''الحلبہ'' میں فرمایا: ''الحلوانی'' نے ذکر کیا ہے: صحابہ کرام میں سے بعض نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ یہ بعض عرب کی لغت ہے۔ پھر ''الحدادی'' کے حوالہ سے انعمت اور دینکم اور المنفوش میں نون کولام کے ساتھ بدلنے میں فساد کے بارے میں مشائخ کا اختلاف نقل کیا ہے۔

4250۔(قولہ: قَوْلَانِ) جنہوں نے کہا کہ حمدہ میں ہا سکت کے لئے ہے وہ جزم کے ساتھ وقف کرتا ہے۔ یا یہ ہا ضمیر ہے وہ اسے حرکت اور الاشباع کے ساتھ کہتا ہے۔ ''الفتاویٰ الصوفیہ'' میں ہے کہ مستحب دوسرا قول ہے۔ ''خزائن''۔

الشارح نے ''مختصر الفتاوی الصوفیہ'' میں ذکر کیا ہے کہ ''المحیط'' کا ظاہر تخییر ہے۔ پھر فرمایا: یا یہ اسم ہے ضمیر نہیں ہے پس کسی حال میں بھی ساکن نہیں کیا جائے گا۔ اور یہ وجہ زیادہ بلیغ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اسما میں اظہار، بنسبت اضمار کے زیادہ تعظیم والا ہے۔ اسی طرح ''تفسیر البستی'' میں ہے۔ ''المحیط'' میں یہ زائد ذکر کیا ہے کہ ہا کو حرکت دینا دشوار اور زیادہ ثقیل ہے اور افضل عبادت وہ ہوتی ہے جو دشوار ہوتی ہے۔ ''ملخصاً''

حاصل یہ ہے کہ قواعد ہا کے اسکان کا تقاضا کرتے ہیں جب یہ سکت کے لئے ہو اور اگر یہ ضمیر ہو تو اس کو حرکت نہیں دی جاتی

وَقَالَا يَضُمُّ التَّحْمِيدَ سِرًّا (وَ) يَكْتَفِي (بِالتَّحْمِيدِ الْمُؤْتَمُّ) وَأَفْضَلُهُ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، ثُمَّ حَذْفُ الْوَاوِ، ثُمَّ حَذْفُ اللّٰهُمَّ فَقَطْ (وَيَجْمَعُ بَيْنَهُمَا لَوْ مُنْفَرِدًا) عَلَى الْمُعْتَمَدِ يُسَمِّعُ رَافِعًا وَيَحْمَدُ مُسْتَوِيًا

اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا: ربنا لك الحمد کو آہستہ کہہ کر ساتھ ملائے اور مقتدی کو ربنا لك الحمد کافی ہے۔ اور اس میں افضل اللھم ربنا ولك الحمد ہے۔ پھر واؤ کو حذف کرنا ہے پھر صرف اللھم کو حذف کرنا ہے۔ اور دونوں کو جمع کرے گا اگر منفرد ہو معتمد قول پر۔ سر اٹھاتے ہوئے سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور سیدھا کھڑا ہو کر ربنا لك الحمد کہے۔

مگر درمیان کلام میں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ وقف میں اس کو تحریک کے ساتھ قائل کی مراد لزوم ہو جو قراء کے نزدیک مشہور ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء سے ہے...... جیسا کہ بعض صوفیہ نے ذکر کیا ہے...... کسی حال میں ہا کو ساکن کرنا صحیح نہیں۔ اس کو ضمہ اور اشباع ضروری ہے تاکہ واؤ ساکنہ ظاہر ہو۔ سیدی ''عبدالغنی'' کا ایک رسالہ ہے جس میں سردار صوفیاء کا مذہب ثابت کیا ہے کہ ھو صوفیاء کی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کا غلبہ کی وجہ سے علم ہے اور یہ اسم ظاہر ہے ضمیر نہیں ہے۔ یہ ایک جماعت سے نقل کیا ہے جن میں ''حاشیہ البیضاوی'' میں ''العصام''، ''شرح الدلائل'' میں ''الفاسی''، الامام ''الغزالی'' اور العارف ''الجیلی'' وغیرہم ہیں۔ لیکن یہاں یہ مراد ہونا خلاف ظاہر ہے۔ اسی وجہ سے ''الفوائد الحمیدیہ'' کے حوالہ سے ''المعراج'' میں ہے کہ حمدہ میں ھا سکت اور استراحت کے لئے ہے کنایہ (ضمیر) کے لئے نہیں ہے۔ اسی طرح ثقات سے منقول ہے۔

''المستصفی'' میں ہے کہ یہ کنایہ کے لئے ہے۔ ''التاتر خانیہ'' میں فرمایا: ''الانفع'' میں ہے کہ ھا سکت اور استراحت کے لئے ہے۔ ''الحجہ'' میں ہے: نمازی اسے جزم کے ساتھ پڑھے۔ حرکت کو ظاہر نہ کرے نہ ھُوْ کہے۔

4251۔ (قولہ: وَقَالَا يَضُمُّ التَّحْمِيدَ) یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے بھی روایت ہے۔ ''الفضلی''، ''الطحاوی'' اور متاخرین کی ایک جماعت اس کی طرف مائل ہیں ''معراج'' عن ''الظہیریہ''۔ ''الحاوی القدسی'' میں اس کو اختیار کیا ہے۔ ''نورالایضاح'' میں اس پر چلے ہیں لیکن متون امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہیں۔

4252۔ (قولہ: ثُمَّ حَذْفُ اللّٰهُمَّ) یعنی واؤ کے اثبات کے ساتھ اور چوتھی صورت باقی ہے وہ دونوں کا حذف ہے۔ افضلیت میں چاروں اس ترتیب پر ہیں جیسا کہ ثم کے ساتھ عطف کے ساتھ فائدہ ظاہر کیا ہے۔

4253۔ (قولہ: عَلَى الْمُعْتَمَدِ) یعنی تصحیح شدہ اقوال ثلاثہ میں معتمد قول۔ ''الخزائن'' میں فرمایا: یہی اصح ہے جیسا کہ ''الہدایہ''، ''المجمع'' اور ''الملتقی'' میں ہے۔ اور ''المبسوط'' میں اس کی تصحیح کی ہے کہ وہ مقتدی کی طرح ہے۔ اور ''السراج'' میں شیخ الاسلام کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس کی تصحیح کی ہے کہ منفرد امام کی طرح ہے۔ ''الباقانی'' نے کہا: معتمد پہلا قول ہے۔

4254۔ (قولہ: يُسَمِّعُ) میم کی تشدید کے ساتھ جیسا کہ یُحمّد میں ہے، ''حلبی''۔ یعنی کیونکہ دونوں تسمیع اور تحمید سے ہیں۔ ''طحطاوی'' نے فرمایا: دوسرے میں تشدید متعین نہیں بخلاف پہلے کے۔ کیونکہ اگر اس میں تخفیف کی جائے تو مراد کے خلاف فائدہ دیتا ہے۔

4255۔ (قولہ: مُسْتَوِيًا) یہ تاکید کے لئے ہے۔ کیونکہ مطلق قیام دوشقوں کے استوا کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کو

(وَيَقُومُ مُسْتَوِيًا) لِمَا مَرَّ مِنْ أَنَّهُ سُنَّةٌ أَوْ وَاجِبٌ أَوْ فَرْضٌ (ثُمَّ يُكَبِّرُ) مَعَ الْخُرُورِ (وَيَسْجُدُ وَاضِعًا رُكْبَتَيْهِ) أَوَّلًا لِقُرْبِهِمَا مِنَ الْأَرْضِ (ثُمَّ يَدَيْهِ) إلَّا لِعُذْرٍ (ثُمَّ وَجْهَهُ)

سیدھا کھڑا ہو کیونکہ گزر چکا ہے کہ یہ سنت ہے یا واجب ہے یا فرض ہے۔ پھر جھکنے کے ساتھ تکبیر کہے اور سجدہ کرے پہلے اپنے گھٹنوں کو رکھتے ہوئے۔ کیونکہ یہ دونوں زمین کے قریب ہیں۔ پھر ہاتھوں کو رکھتے ہوئے مگر عذر کی وجہ سے (ہاتھ گھٹنوں سے پہلے رکھ سکتا ہے) پھر اپنا چہرہ رکھتے ہوئے

مؤکد کیا کیونکہ اکثر لوگ اس سے غافل ہیں۔ یا یہ تاکید کیلئے نہیں بلکہ تاسیس کے لئے ہے۔ اور اس سے مراد تعدیل ہے جیسا کہ ''العنایہ'' میں اس کا فائدہ ذکر کیا ہے۔

4256۔ (قولہ: لِمَا مَرَّ مِنْ أَنَّهُ سُنَّةٌ) یعنی ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے قول پر۔ یا واجب ہے یعنی اس قول پر جس کو ''الکمال'' اور ان کے شاگرد نے اختیار کیا ہے۔ یا فرض ہے اس قول پر جو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ ''الطحاوی'' نے یہ تینوں اماموں سے نقل کیا ہے۔

4257۔ (قولہ: ثُمَّ يُكَبِّرُ) ثم کے ساتھ ذکر کیا ہے اطمینان کا شعور دلانے کے لئے۔ کیونکہ طمانینت سنت ہے یا واجب ہے اس قول پر جس کو ''الکمال'' نے اختیار کیا ہے۔

4258۔ (قولہ: مَعَ الْخُرُورِ) یعنی تکبیر کا آغاز جھکنے کے وقت ہو اور اس کی انتہا جھکنے کی انتہا کے وقت ہو۔ ''شرح المنیہ''۔ اور سجود کے لئے سیدھا کھڑا ہو کر گرے، ٹیڑھا ہو کر نہیں تاکہ زائد رکوع نہ ہو جائے۔ اس پر وہ دلالت کرتا ہے جو ''التاتر خانیہ'' میں ہے کہ اگر نماز پڑھے پھر اگر کلام کرے تو اسے یاد آئے کہ اس نے رکوع ترک کیا تھا۔ اگر اس نے علماء اتقیاء کی نماز جیسی نماز پڑھی تھی تو نماز کا اعادہ کرے۔ اگر عوام کی نماز جیسی نماز پڑھی تھی تو اعادہ نہ کرے۔ کیونکہ عالم متقی سجدہ کے لئے سیدھا کھڑا ہو کر نیچے گرتا ہے اور عام لوگ ٹیڑھے ہوتے ہوئے گرتے ہیں اور وہ رکوع ہے۔ کیونکہ تھوڑا جھکنا بھی رکوع سے شمار کیا جاتا ہے۔ تامل۔

سجدہ کا طریقہ اور احکام

4259۔ (قولہ: وَاضِعًا رُكْبَتَيْهِ ..... ثُمَّ يَدَيْهِ) ہم نے (مقولہ 4057 میں) اختلاف بیان کیا ہے اس کے سنت یا فرض یا واجب ہونے میں اخیری قول زیادہ معتدل ہے۔ اور یہی ''الکمال'' کا اختیار ہے۔ اور ان میں سے دایاں گھٹنا پہلے رکھے پھر بایاں رکھے جیسا کہ ''القہستانی'' میں ہے۔ لیکن ''الخزائن'' میں ہے: اپنے گھٹنوں کو رکھتے ہوئے پھر اپنے ہاتھوں کو رکھتے ہوئے مگر یہ کہ خف وغیرہ کی وجہ سے اس پر یہ مشکل ہو تو پہلے ہاتھوں کو رکھے اور دائیں ہاتھ کو مقدم کرے۔ اسی کی مثل ''البدائع''، ''التاتر خانیہ''، ''المعراج'' اور ''البحر'' وغیرہا میں ہے۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ دائیں کو مقدم کرنا اس عذر کے وقت ہے جو پہلے ہاتھ رکھنے کا داعی ہو اور گھٹنے رکھنے میں دائیاں پہلے رکھنا نہیں ہے۔ اور یہ وہ ہے جو اس کے مشکل ہونے کی وجہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

مُقَدِّمًا أَنْفَهُ لِمَا مَرَّ (بَيْنَ كَفَّيْهِ) اعْتِبَارًا لِآخِرِ الرَّكْعَةِ بِأَوَّلِهَا ضَامًّا أَصَابِعَ يَدَيْهِ لِتَتَوَجَّهَ لِلْقِبْلَةِ (وَيَعْكِسُ نُهُوضَهُ وَسَجَدَ بِأَنْفِهِ)
(پیشانی سے) ناک کو پہلے رکھتے ہوئے اس وجہ سے جو پہلے گزر چکی ہے۔ اپنے ہاتھوں کے درمیان رکھتے ہوئے اول رکعت پر آخر رکعت کا اعتبار کرتے ہوئے اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو ملاتے ہوئے تا کہ انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ ہوں۔ اور اٹھنا اس کے برعکس کرے۔ اور ناک کے ساتھ سجدہ کرے

4260۔ (قولہ: مُقَدِّمًا أَنْفَهُ) یعنی ناک کو پیشانی سے پہلے رکھے۔ اور قولہ لما مر یعنی اس کے زمین کے قریب ہونے کی وجہ سے۔ اور جو انہوں نے ذکر کیا ہے وہ ''البحر'' سے ماخوذ ہے۔ لیکن ''البدائع'' میں ہے: سنن میں سے یہ ہے کہ پہلے پیشانی رکھے پھر ناک رکھے اور بعض نے فرمایا پہلے ناک رکھے پھر پیشانی رکھے اور اس کی مثل ''التاتر خانیہ'' اور ''المعراج'' میں شرح ''الطحاوی'' کے حوالہ سے ہے۔

اس کا مقتضا یہ ہے کہ پیشانی کو مقدم کرنا معتمد ہے اور اس کا برعکس بعض کا قول ہے۔ ''تامل''

4261۔ (قولہ: بَيْنَ كَفَّيْهِ) یعنی اس طرح کہ اس کے دونوں انگوٹھے اس کے کانوں کے برابر ہوں جیسا کہ ''القہستانی'' میں ہے۔ اور امام ''الشافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ اپنے ہاتھوں کو اپنے کندھوں کے برابر رکھے۔ پہلا قول صحیح ''مسلم'' میں ہے (1) اور دوسرا صحیح بخاری میں ہے (2)۔ المحقق ''ابن الہمام'' نے ان میں سے ہر ایک کی سنیت کو اختیار کیا ہے اس بنا پر کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی ایک کو کیا کبھی دوسرے کو کیا۔ فرمایا: مگر پہلا قول افضل ہے۔ کیونکہ اس میں مسنون مجافاۃ (ہاتھوں کو پہلوں سے جدا رکھنا) زیادہ ہے۔ ''المنیہ'' کے شراح اور ''الشرنبلالی'' نے اس کو قائم رکھا ہے۔

4262۔ (قولہ: اعْتِبَارًا لِآخِرِ الرَّكْعَةِ بِأَوَّلِهَا) جیسے تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کے درمیان سر تھا۔ اسی طرح سجدہ میں بھی ہاتھوں کے درمیان سر ہو۔ ''سراج'' عن ''المبسوط''۔ اور باقی رکعتیں پہلی رکعت کے ساتھ ملحق ہیں جس میں تکبیر تحریمہ ہے۔

4263۔ (قولہ: ضَامًّا أَصَابِعَ يَدَيْهِ) یعنی انگلیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملاتے ہوئے ''قہستانی'' وغیرہ۔ انگلیوں کو ملانا مستحب نہیں ہے مگر اسی جگہ، اور انگلیوں کو پھیلانا نہیں ہے مگر رکوع میں جیسا کہ ''الزیلعی'' وغیرہ میں ہے۔

4264۔ (قولہ: لِتَتَوَجَّهَ لِلْقِبْلَةِ) کیونکہ اگر وہ انگلیوں کو کھولے گا تو انگوٹھا اور چھوٹی انگلی قبلہ کی طرف متوجہ نہ ہوں گی۔ یہ تعلیل ''الخزائن'' کے حاشیہ میں ''الشمنی'' وغیرہ کی طرف منسوب ہے۔ فرمایا: ''البحر'' میں اس کی اس طرح علت بیان کی ہے: سجدہ میں رحمت نازل ہوتی ہے اور انگلیوں کے ملانے کے ساتھ زیادہ حاصل ہوتی ہے۔

4265۔ (قولہ: وَيَعْكِسُ نُهُوضَهُ) یعنی سجدہ سے اٹھنے میں پہلے اپنے چہرے کو اٹھائے پھر ہاتھوں کو اٹھائے پھر

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب وضع یدہ الیمنیٰ علی الیسریٰ، جلد 1، صفحہ 451، حدیث نمبر 658

2۔ صحیح بخاری، کتاب صفۃ الصلاۃ، باب رفع الیدین فی التکبیر الاولی، جلد 1، صفحہ 355، حدیث نمبر 693

أَيْ عَلَى مَا صَلُبَ مِنْهُ (وَجَبْهَتِهِ) حَدُّهَا طُولًا مِنَ الصُّدْغِ إِلَى الصُّدْغِ، وَعَرْضًا مِنْ أَسْفَلِ الْحَاجِبَيْنِ إِلَى الْقِحْفِ؛ وَوَضْعُ أَكْثَرِهَا وَاجِبٌ وَقِيلَ فَرْضٌ كَبَعْضِهَا وَإِنْ قَلَّ (وَكُرِهَ اقْتِصَارُهُ) فِي السُّجُودِ (عَلَى أَحَدِهِمَا) وَمَنَعَا الِاكْتِفَاءَ بِالْأَنْفِ بِلَا عُذْرٍ وَإِلَيْهِ صَحَّ رُجُوعُهُ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى كَمَا حَرَّرْنَاهُ فِي شَرْحِ الْمُلْتَقَى

یعنی ناک میں سے سخت جگہ اور پیشانی کے ساتھ۔ اور پیشانی کی طولاً حد ایک کنپٹی سے لے کر دوسری کنپٹی تک ہے اور عرضاً حد ابروؤں کے نیچے سے لے کر دماغ کے اوپر والی ہڈی تک ہے۔ اور پیشانی کا زیادہ حصہ رکھنا واجب ہے۔ اور بعض نے فرمایا: فرض ہے جس طرح اس کے بعض کا رکھنا فرض ہے۔ اگرچہ تھوڑا سا حصہ ہو اور سجدہ میں ناک اور پیشانی میں سے ایک پر اکتفا کرنا مکروہ ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے بلا عذر ناک پر اکتفا کرنے سے منع کیا ہے۔ اور امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا اس قول کی طرف رجوع صحیح ہے۔ اور اس پر فتویٰ ہے جیسا کہ ''شرح الملتقیٰ'' میں اس کو ہم نے تحریر کیا ہے۔

گھٹنوں کو اٹھائے۔ اور کیا ناک کو پیشانی سے پہلے اٹھائے؟ یعنی اس قول پر کہ ناک کو پیشانی سے پہلے رکھے۔ ''الحلبہ'' میں فرمایا: اس میں صریح قول پر میں آگاہ نہیں ہوا۔

4266۔ (قولہ: أَيْ عَلَى مَا صَلُبَ مِنْهُ) رہا ناک کا وہ حصہ جو نرم ہے اس پر اکتفا کرنا بالاجماع جائز نہیں ہے۔ ''بحر''۔

4267۔ (قولہ: حَدُّهَا طُولًا) الصدغ صاد کے ضمہ کے ساتھ۔ آنکھ اور کان کے درمیان کے حصہ کو کہتے ہیں۔ اور القحف دماغ کے اوپر کی ہڈی کو کہتے ہیں ''قاموس''۔ اس حد کو ''الخزائن'' کے حاشیہ میں ''التجنیس'' کے حوالہ سے ''شرح المنیہ'' کی طرف منسوب کیا ہے پھر فرمایا: بعض علما نے کہا: وہ حصہ جس کو دونوں جبینیں گھیرے ہوئے ہیں (جبین سے مراد پیشانی اور کنپٹی کے درمیان کا حصہ ہے)۔ اور بعض علما نے فرمایا: پیشانی وہ ہے جو ابروؤں سے اوپر بال اگنے کی جگہ تک ہے۔ یہ زیادہ واضح ہے اور مفہوم ایک ہے۔

4268۔ (قولہ: وَوَضْعُ أَكْثَرِهَا وَاجِبٌ) اختلاف ہے کہ کیا فرض اکثر پیشانی کا رکھنا ہے یا بعض کا رکھنا ہے اگرچہ تھوڑا سا حصہ ہو؟ اس میں دونوں قول ہیں۔ ان میں سے ارجح دوسرا قول ہے۔ ہاں پیشانی کا اکثر حصہ رکھنا مواظبت کی وجہ سے واجب ہے جیسا کہ ''البحر'' میں اس کو تحریر کیا ہے۔ اور ''المعراج'' میں ہے: پیشانی کی تمام اطراف کا رکھنا اجماعاً شرط نہیں ہے جب بعض پیشانی پر اکتفا کرے گا تو جائز ہوگا اگرچہ تھوڑا سا حصہ ہو۔ اسی طرح اس کو ''ابوجعفر'' نے ذکر کیا ہے۔ ''خزائن''۔

4269۔ (قولہ: كَبَعْضِهَا وَإِنْ قَلَّ) جب اکثر سے کم رکھنے کی فرضیت پر اتفاق ہے تو اکثر کو اس کے مشابہ بنایا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ یہ کہنے والے نے اکثر کو فرضیت میں اکثر سے کم کے ساتھ لاحق کیا ہے۔

4270۔ (قولہ: كَمَا حَرَّرْنَاهُ فِي شَرْحِ الْمُلْتَقَى) کیونکہ انہوں نے فرمایا: امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا اس کی طرف رجوع صحیح ہے جیسا کہ ''البرہان'' کے حوالہ سے ''الشرنبلالیہ'' میں ہے۔ اور اس پر فتویٰ ہے جیسا کہ ''المجمع'' اور اس کی شروح، ''الوقایہ'' اور اس کی شروح، ''الجوہرہ''، ''صدر الشریعہ''، ''العون''، ''البحر''، ''النہر'' وغیرہا میں ہے۔ العلامہ ''قاسم'' نے اس کی

وَفِيهِ يُفْتَرَضُ وَضْعُ أَصَابِعِ الْقَدَمِ
اور شرح ''الملتقی'' میں ہے: پاؤں کی انگلیوں کا رکھنا فرض ہے

تصحیح میں ذکر کیا ہے کہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کا قول امام سے ایک روایت ہے اور اس پر فتویٰ ہے۔

''الفتح'' میں ''المحقق'' نے اس طرح اس پر سوال اٹھایا ہے کہ ناک پر اکتفا کے عدم جواز کے ساتھ کتاب اللہ پر خبر واحد کے ساتھ زیادتی لازم آئے گی یعنی حدیث: امرت ان اسجد علی سبعة اعظم (مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات ہڈیوں پر سجدہ کروں) اور فرمایا: حق یہ ہے کہ اس کا مقتضا اور مواظبت کا مقتضا وجوب ہے۔ پس اگر ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو کراہت تحریم پر اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کو جمع کے وجوب پر محمول کیا جائے تو اختلاف اٹھ جائے گا۔ ''شرح المنیہ'' میں اس کو ثابت کیا ہے۔ اور اسی طرح ''البحر'' میں ہے۔ اور یہ زائد ذکر کیا ہے کہ دلیل ناک پر سجدہ کے وجوب کا تقاضا کرتی ہے جیسا کہ ''الکنز'' اور المصنف کا ظاہر ہے۔ کیونکہ کراہت اطلاق کے وقت تحریمی ہوتی ہے۔ اور ''المفید و المزید'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ اور جو ''البدائع''، ''التحفہ'' اور ''الاختیار'' میں ناک پر سجدہ کے ترک کی عدم کراہت مذکور ہے وہ ضعیف ہے۔ اس پر صاحب ''الحلبہ'' کا کلام محمول ہے۔ انہوں نے استدلال میں لمبی کلام کرنے کے بعد فرمایا: اشبہ دونوں کا اکٹھا رکھنا واجب ہے اور کسی ایک کے ترک کی کراہت تحریمی ہے اور جب دلیل اس پر ابھار رہی ہے تو یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

4271۔ (قولہ: وَفِيهِ) یعنی ''شرح الملتقی'' میں ہے۔ اسی طرح ''الہدایہ'' میں ہے۔ رہا دونوں قدموں کا رکھنا ''القدوری'' نے ذکر کیا ہے کہ یہ سجدہ میں فرض ہے۔ جب سجدہ کرے اور اپنے دونوں پاؤں کی انگلیاں اٹھالے تو جائز نہیں۔ اسی طرح ''الکرخی'' اور ''الجصاص'' نے یہ ذکر کیا ہے۔ اگر ان میں سے ایک پاؤں رکھے تو جائز ہے۔ ''قاضی خان'' نے فرمایا: مکروہ ہے۔ الامام ''التمرتاشی'' نے فرمایا: دونوں ہاتھ اور دونوں قدم عدم فرضیت میں برابر ہیں۔ اس پر ''شیخ الاسلام'' کی کلام ان کی ''مبسوط'' میں دلالت کرتی ہے۔ اور اسی طرح ''النہایہ'' اور ''العنایہ'' میں ہے۔ ''المجتبیٰ'' میں فرمایا: میں کہتا ہوں: ''مختصر الکرخی''، ''المحیط'' اور ''القدوری'' میں جو ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ جب ایک پاؤں اٹھائے دوسرا نہ اٹھائے تو جائز نہیں۔ اور میں نے بعض نسخوں میں دیکھا ہے کہ اس میں دو روایتیں ہیں۔ ''الفیض'' اور ''الخلاصہ'' میں ایک پاؤں اٹھالینے کے ساتھ جواز کی روایت پر چلے ہیں۔ پس مسئلہ میں تین روایات ہوگئیں۔ پہلی روایت دونوں قدموں کا رکھنا فرض ہے۔ دوسری روایت ایک پاؤں کا رکھنا فرض ہے۔ تیسری روایت پاؤں رکھنا فرض نہیں۔ اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ یہ سنت ہے۔ ''البحر'' میں فرمایا: ''شیخ الاسلام'' اس طرف گئے ہیں کہ دونوں پاؤں رکھنا (سجدہ میں) سنت ہے پس کراہت تنزیہی ہوگی۔

''العنایہ'' میں اس تیسری روایت کو اختیار کیا ہے اور فرمایا: یہی روایت حق ہے۔ ''الدرر'' میں اس کو ثابت رکھا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں پاؤں رکھنے پر سجدہ کا تحقق موقوف نہیں ہے۔ پس دونوں پاؤں رکھنا فرض ہونا خبر واحد کے ساتھ کتاب اللہ پر زیادتی ہوگی۔ لیکن ''شرح المنیہ'' میں اس کو رد کیا ہے۔ اور فرمایا: ''عنایہ'' کا قول ہے کہ ''یہی حق ہے'' یہ حق سے دور ہے اور اسکی ضد حق ہے۔ کیونکہ روایت اس کی تائید نہیں کرتی ہے اور درایت اس کی نفی کرتی ہے۔ کیونکہ وہ چیز فرض تک جس کے بغیر

وَلَوْ وَاحِدَۃً
اگر چہ ایک ہی ہو

نہیں پہنچا جا سکتا وہ فرض ہوتی ہے۔ چونکہ ہمارے ائمہ سے روایت متفق ہیں کہ ہاتھوں اور گھٹنوں کا رکھنا سنت ہے اور کوئی روایت وارد نہیں ہے کہ یہ فرض ہے تو فرضیت کیلئے دونوں پاؤں یا ایک پاؤں کا رکھنا، پیشانی رکھنے تک پہنچنے کی ضرورت کی وجہ سے متعین ہو گیا۔ اور اسکے متعلق اگر چہ ہمارے ائمہ سے کوئی روایت نہیں اس مسئلہ کا حال کیا ہوگا جس میں روایات متوافر ہیں؟

اور اس کی تائید کرتا ہے وہ جو ''شرح المجمع'' میں ہے۔ اور وہ مصنف کی شرح ہے جہاں انہوں نے ''ہاتھوں اور گھٹنوں کا رکھنا سنت ہے'' سے استدلال کیا ہے کہ سجدہ کی ماہیت چہرہ اور دونوں پاؤں زمین پر رکھنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اور اسی طرح الزاہدی کے حوالہ سے ''الکفایہ'' میں ہے کہ ظاہر الروایہ وہ ہے جو ''مختصر الکرخی'' میں ذکر ہے۔ ''السراج'' میں اسی پر جزم کیا ہے۔ پھر فرمایا: سجدہ کی حالت میں دونوں پاؤں اٹھالئے تو جائز نہ ہوگا ایک اٹھالیا تو جائز ہوگا۔ ''الفیض'' میں فرمایا: اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

اور ''الحلبہ'' میں فرمایا: گزشتہ کلام کی طرز پر بہتر وجوب ہے۔ اس کی وجہ گزشتہ حدیث ہے یعنی جس کو اس کے شیخ نے ہاتھوں اور قدموں کے رکھنے کے وجوب پر استدلال سے جو ثابت کیا ہے اس کے طرز پر۔ اور پہلے (مقولہ 4057 میں) گزر چکا ہے کہ یہ معتدل قول ہے پس اسی طرح یہاں بھی۔ پس قدموں کا رکھنا اسی طرح ہوگا۔ ''البحر'' اور ''الشرنبلالیہ'' میں بھی اس کو اختیار کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: سابقہ دونوں روایتوں میں سے ہر ایک کو اس پر محمول کرنا ممکن ہے اس طرح کہ جو ''الکرخی'' وغیرہ نے قدموں کو اٹھانے کے ساتھ عدم جواز ذکر کیا ہے اسے عدم حل پر محمول کیا جائے نہ کہ عدم صحت پر۔ اسی طرح ''التمرتاشی'' اور ''شیخ الاسلام'' نے جو ان کے رکھنے کی فرضیت کی نفی کی وہ وجوب کے منافی نہیں۔ اور ''القدوری'' کی فرضیت کی تصریح کی تاویل ممکن ہے کیونکہ فرض کا کبھی واجب پر اطلاق ہوتا ہے۔

جو ''شرح المنیہ'' کے حوالہ سے (اس مقولہ میں) گزر چکا ہے اس میں بحث کی گنجائش ہے۔ کیونکہ پیشانی کا رکھنا اس کا تحقق قدموں کے رکھنے پر موقوف نہیں بلکہ گھٹنوں اور ہاتھوں پر اس کا موقوف ہونا زیادہ بلیغ ہے۔ پس قدموں کے علاوہ بغیر قدموں کے رکھنے کی فرضیت کا دعویٰ ترجیح بلا مرجح ہے۔ اور بہت سی روایات عدم جواز پر ہیں جیسا کہ فقہا کے کلام سے ظاہر ہے فرضیت میں نہیں ہے۔ اور عدم جواز وجوب کے ساتھ صادق آتا ہے جیسا کہ ہم نے (اس مقولہ میں) ذکر کیا ہے۔ اور فرضیت سے تعبیر منقول نہیں مگر ''قدوری'' کے حوالہ سے۔ اسی وجہ سے...... اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے...... ''البحر'' میں فرمایا: ''القدوری'' نے ذکر کیا ہے کہ قدموں کا رکھنا فرض ہے جبکہ یہ ضعیف ہے۔

حاصل یہ ہے کہ مذہب کی کتب میں مشہور فرضیت کا اعتماد ہے اور دلیل اور قواعد کے اعتبار سے ارجح عدم فرضیت ہے۔ اسی وجہ سے ''العنایہ'' اور ''الدرر'' میں فرمایا: یہی حق ہے پھر بہتر عدم فرضیت کو وجوب پر محمول کرنا ہے۔ واللہ اعلم۔

4272۔ (قولہ: وَلَوْ وَاحِدَۃً) ''الفیض'' میں اس کی تصریح کی ہے۔

نَحْوَ الْقِبْلَةِ وَإِلَّا لَمْ تَجُزْ، وَالنَّاسُ عَنْهُ غَافِلُونَ (كَمَا يُكْرَهُ تَنْزِيهًا بِكَوْرِ عِمَامَتِهِ) إلَّا بِعُذْرٍ (وَإِنْ صَحَّ عِنْدَنَا (بِشَرْطِ كَوْنِهِ عَلَى جَبْهَتِهِ) كُلِّهَا

قبلہ کی طرف ورنہ نماز جائز نہ ہوگی اور لوگ اس سے غافل ہیں جس طرح پگڑی کے بل پر سجدہ کرنا مکروہ تنزیہی ہے مگر عذر کی صورت میں نہیں۔ اگرچہ ہمارے نزدیک صحیح ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ بل تمام پیشانی پر ہو

4273۔ (قولہ: نَحْوَ الْقِبْلَةِ) ''البزازیہ'' میں فرمایا: یہاں قدم رکھنے سے مراد انگلیوں کا رکھنا ہے یا پاؤں کے جز کا رکھنا ہے اگرچہ ایک انگلی رکھے یا قدم کی پیٹھ بغیر انگلیوں کے رکھے۔ اگر اس کے ساتھ ایک قدم رکھا تو صحیح ہے ورنہ نہیں۔ ''شرح المنیہ'' میں اس کو نقل کرنے کے بعد فرمایا: اس سے سمجھا گیا ہے کہ انگلیاں رکھنے سے مراد انگلیوں کو قبلہ کی طرف متوجہ کرنا ہے تا کہ ان پر اعتماد ہو ورنہ وہ قدم کے ظہر کا رکھنا ہے۔ اور اس کو فقہاء نے غیر معتبر بنایا ہے۔ یہ ہے وہ جس کے لئے تنبیہ واجب ہے کیونکہ اکثر لوگ اس سے غافل ہیں۔

میں کہتا ہوں: اس میں نظر ہے۔ ''الفیض'' میں فرمایا: اگر انگلیوں کے بغیر قدم کی پیٹھ کو رکھا اس طرح کہ مکان تنگ تھا یا مکان کے تنگ ہونے کی وجہ سے ایک پاؤں رکھا تو جائز ہے جیسا کہ اگر ایک پاؤں پر کھڑا ہوا۔ اگر مکان تنگ نہ تھا تو مکروہ ہے۔ یہ پاؤں کے ظاہر کے رکھنے کے اعتبار میں صریح ہے۔ کلام بلا عذر کراہت میں ہے۔ لیکن میں نے ''الخلاصہ'' میں دیکھا کہ ان وضع احداھما ہے یعنی او عاطفہ کی جگہ ان شرطیہ ہے۔

لیکن یہ انگلیوں کو قبلہ کی طرف متوجہ کرنے کی شرط میں صریح نہیں ہے۔ بلکہ اس کی تصریح کی گئی ہے کہ انگلیوں کو قبلہ کی طرف متوجہ کرنا سنت ہے اس کا ترک کرنا مکروہ ہے جیسا کہ ''البرجندی'' اور ''القہستانی'' میں ہے۔ اور اس کی مکمل بحث قریب ہی مصنف کے تعرض کے وقت (مقولہ 4312 میں) آئے گی۔

کورِ عمامہ پر سجدہ کا حکم

4274۔ (قولہ: تَنْزِيهًا) جب متن میں اشتباہ تھا کیونکہ ایک پر اکتفا کرنے میں کراہت اور پگڑی کے بل پر سجدہ میں کراہت کو ایک بنایا ہے۔ حالانکہ پہلے مسئلہ میں کراہت تحریمی ہے اور دوسرے میں تنزیہی ہے۔ اس کی توضیح کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہ ''البحر'' میں فائدہ ذکر کیا ہے۔ ''طحطاوی''۔

4275۔ (قولہ: بِكَوْرِ) با بمعنی علی ہے جیسا کہ ''ابو السعود'' میں ہے۔ یہ کاف کے فتحہ کے ساتھ ہے جیسا کہ ''القاموس'' میں ہے۔ اور ''عصام'' کے حوالہ سے ''المواہب'' پر ''الشبراملسی'' میں جو ہے کہ کور کاف کے ضمہ اور واؤ کے فتحہ کے ساتھ ہے یہ شاذ ہے اور یہ عمامہ کا بل ہے۔ ''طحطاوی''۔

4276۔ (قولہ: بِشَرْطِ كَوْنِهِ) یعنی وہ بل جس پر سجدہ کیا ہے وہ پیشانی پر ہو پیشانی سے اوپر نہ ہو۔ جب کور مفرد مضاف ہے تو عام ہے۔ بعض اوقات یہ گمان کیا جاتا ہے کہ جب پگڑی بلوں والی ہو اس میں سے ایک بل پیشانی پر ہو اور ایک بل اس سے اوپر سر پر ہو۔ اور اسی طرح سجدہ ان میں سے ہر بل پر صحیح ہوتا ہے تو مصنف نے لشرط کے قول سے اس گمان کو دور

أَوْ بَعْضِهَا كَمَا مَرَّ (أَمَّا إِذَا كَانَ) الْكَوْرُ (عَلَى رَأْسِهِ فَقَطْ وَسَجَدَ عَلَيْهِ مُقْتَصِرًا) أَيْ وَلَمْ تُصِبْ الْأَرْضَ جَبْهَتُهُ وَلَا أَنْفُهُ عَلَى الْقَوْلِ بِهِ (لَا) يَصِحُّ لِعَدَمِ السُّجُودِ عَلَى مَحَلِّهِ وَبِشَرْطِ طَهَارَةِ الْمَكَانِ وَأَنْ يَجِدَ حَجْمَ الْأَرْضِ وَالنَّاسُ عَنْهُ غَافِلُونَ

یا بعض پر ہو جیسا کہ گزر چکا ہے۔ رہا یہ کہ بل صرف سر پر ہو اور اس پر اکتفا کرتے ہوئے سجدہ کرے یعنی اس کی پیشانی اور ناک زمین کو نہ لگے ہوں، ناک پر اکتفا کے جواز کے قول پر، سجدہ صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ سجدہ اپنے محل پر نہیں ہوا۔ اور مکان کی طہارت کی شرط کے ساتھ، اور اس شرط کے ساتھ کہ وہ زمین کے حجم کو محسوس کرے جبکہ لوگ اس سے غافل ہیں۔

کرنے پر تنبیہ کی ہے۔ ''الشرنبلالیہ'' میں اس قول کا یہی معنی ہے پگڑی کے ادوار میں سے ایک دور پیشانی پر اتر آیا تمام پگڑی نہیں جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں جنہیں علم نہیں ہوتا۔ پس ''شرنبلالیہ'' کے قول لا جملتها کا وہی معنی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ جب پیشانی پر ایک بل سے زیادہ بل ہوں تو اس پر سجدہ صحیح نہیں حتیٰ کہ اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ علت حجم کا پانا ہے۔ پس ایک بل کے ساتھ مقید نہیں کیونکہ یہ معنی کسی نے بھی گمان نہیں کیا اور اس پر دلیل کہ ''شرنبلالی'' کی مراد وہی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے ان کی عبارت کا آخر ہے جہاں انہوں نے فرمایا: ہم نے جو ذکر کیا ہے اس کے ساتھ بہتر تنبیہ کر دی ہے اور وہ یہ ہے کہ بل پر سجدہ کی صحت اس وقت ہے جب وہ پوری پیشانی پر ہو یا پیشانی کے بعض پر ہو۔ رہا یہ کہ جب بل صرف سر پر ہو اور اس پر سجدہ کرے اور اس کی پیشانی زمین پر نہ لگے اس کی تعیین کے قول پر اور نہ اس کی ناک لگے اس کے مقابل قول پر تو سجدہ صحیح نہ ہوگا۔ فافہم۔

4277۔ (قوله: كَمَا مَرَّ) یعنی اس قول میں: قیل: فرض کبعضها وان قل۔ ''حلبی''۔

4278۔ (قوله: أَيْ وَلَمْ تُصِبْ) بہتر واو کا حذف ہے کیونکہ یہ مقتصرا کا بیان ہے۔ ''طحطاوی''۔

4279۔ (قوله: عَلَى الْقَوْلِ بِهِ) یعنی ناک پر اکتفا کے جواز کے ساتھ۔

4280۔ (قوله: عَلَى مَحَلِّهِ) یعنی سجدہ کا محل جو کہ پیشانی اور ناک ہے۔

4281۔ (قوله: وَبِشَرْطِ) اس کا عطف مصنف کے قول لشرط پر ہے۔

4282۔ (قوله: وَأَنْ يَجِدَ حَجْمَ الْأَرْضِ) اس کی تفسیر یہ ہے کہ سجدہ کرنے والا مبالغہ کرے تو اس کا سر مزید نیچے نہ جائے۔ پس قالین، چٹائی، گندم، جو، چار پائی، ریڑھی پر سجدہ صحیح ہے اگر وہ زمین پر ہو نہ کہ وہ حیوان کی پیٹھ پر ہو جیسے وہ قالین جو درختوں کے درمیان باندھی گئی ہو اور نہ جوار اور مکئی پر مگر وہ جو بوریوں میں ہو، یا اولے اگر وہ تہہ در تہہ نہ ہوں اور اس میں نمازی کا چہرہ غائب ہوتا ہو اور وہ اس کا حجم نہ پاتا ہو، یا گھاس پر سجدہ جائز نہیں مگر جب اس کا حجم پائے اس سے پھیلا ہوئی روئی پر جواز معلوم ہوا۔ پس اگر حجم پائے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ ''بحر''۔

4283۔ (قوله: وَالنَّاسُ عَنْهُ غَافِلُونَ) یعنی پگڑی کے بل اور پھیلائی ہوئی روئی پر سجدہ میں حجم کے وجود کی شرط

(وَلَوْ سَجَدَ عَلَى كُمِّهِ أَوْ فَاضِلِ ثَوْبِهِ صَحَّ لَوْ الْمَكَانُ) الْمَبْسُوطُ عَلَيْهِ ذَلِكَ (طَاهِرًا) وَإِلَّا لَا، مَا لَمْ يُعِدْ سُجُودَهُ عَلَى طَاهِرٍ فَيَصِحُّ اتِّفَاقًا

اگر آستین پر یا زائد کپڑے پر سجدہ کیا تو صحیح ہوگا اگر وہ جگہ جس پر کپڑا بچھایا گیا ہے وہ پاک ہو، پس بالاتفاق سجدہ صحیح ہوگا۔

سے لوگ غافل ہیں جیسے پگڑی کے بل میں پیشانی پر سجدہ کی شرط سے غافل ہیں۔

آستین وغیرہ پر سجدہ کا حکم

4284۔(قولہ: صَحَّ) یعنی مصلی (نمازی) کی تبع میں آستین کا اعتبار تقاضا کرتا ہے کہ اس کے حائل ہونے کا اعتبار نہیں ہے۔ پس اس طرح ہو جائے گا گویا اس نے بغیر کسی حائل کے سجدہ کیا ہے۔ اور آستین کے ساتھ قرآن کو چھونا جائز نہیں جس طرح اسے ہتھیلی سے چھونا جائز نہیں۔

4285۔(قولہ: الْمَبْسُوطُ عَلَيْهِ ذَلِكَ) یہ آستین اور فاضل کپڑے کی طرف اشارہ ہے۔

4286۔(قولہ: وَإِلَّا لَا) یعنی اگر وہ پاک نہ ہو تو اصح قول میں صحیح نہ ہوگا اگرچہ ''المرغینانی'' نے جواز کی تصحیح کی ہے یہ کچھ نہیں ہے۔ ''فتح''۔

4287۔(قولہ: فَيَصِحُّ اتِّفَاقًا) یعنی پاک جگہ پر سجدہ دوبارہ کیا تو بالاتفاق صحیح ہے۔ میں نے خاص اس مسئلہ کی نقل نہیں دیکھی۔ میں نے ''السراج'' میں ایسی عبارت دیکھی ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے جہاں انہوں نے فرمایا: اگر سجدہ کی جگہ میں نجاست ہو تو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں۔ پہلی روایت یہ ہے کہ اس کی نماز جائز نہیں ہے کیونکہ سجدہ رکن ہے قیام کی طرح۔ ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ، امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ اور زفر نے بھی یہی کہا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک پیشانی کا رکھنا فرض ہے اور پیشانی درہم کی مقدار سے زیادہ ہے۔ جب اس نے نماز میں اس کو استعمال کیا تو نماز جائز نہ ہوگی۔ اگر اس سجدہ کو پاک جگہ پر لوٹایا تو ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے اور امام زفر کے نزدیک جائز نہیں ہے مگر نئے سرے سے نماز پڑھنے کے ساتھ۔

امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ نماز جائز ہے کیونکہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سجدہ میں واجب یہ ہے کہ وہ ناک کی طرف پر سجدہ کرے اور یہ درہم سے کم مقدار ہے۔

پس وانْ اعاد کا قول اس پر بدرجہ اولیٰ دلالت کرتا ہے جو شارح نے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ سجدہ میں یہ بلا حائل نجس پر ہے لیکن ''المنیہ'' اور اس کی شرح میں ایسی کلام ہے جو اس کے مخالف ہے۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا: اگر نجس چیز پر سجدہ کیا تو طرفین کے نزدیک اس کی نماز فاسد ہوگی خواہ پاک چیز پر سجدہ کو لوٹایا ہو یا نہ لوٹایا ہو۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر پاک چیز پر سجدہ کو لوٹائے گا تو نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ نماز کا جز فاسد ہو گیا ہے اور نماز تجزی کو قبول نہیں کرتی۔ ''ملخصاً''

اور ''امداد الفتاح'' میں ہے کہ ظاہر الروایہ میں پاک چیز پر اگر اعادہ کرے تو پھر بھی صحیح نہیں۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے جواز مروی ہے۔

وَكَذَا حُكْمُ كُلِّ مُتَّصِلٍ وَلَوْ بَعْضَهُ كَكَفِّهِ فِي الْأَصَحِّ وَفَخِذِهِ لَوْ بِعُذْرٍ

اسی طرح ہر متصل چیز کا حکم ہے اگرچہ آدمی کا بعض ہو۔ جیسے اصح قول میں اس کی ہتھیلی اور اس کی ران اگر عذر ہو

اس وجہ پر وہ اختلاف ہے جو ''المجمع''، ''المنظومہ''، ''الکافی''، ''الدرر''، ''المواہب'' وغیرہ میں مذکور ہے۔ اسی طرح کتب اصول میں نہی کی بحث میں ہے جیسے ''المنار''، ''التحریر''، ''اصول فخر الاسلام''۔ اور رہی وہ وجہ جو ''السراج'' میں مذکور ہے تو اسے ''شرح التحریر'' میں ''مختصر الکرخی'' پر ''شرح القدوری'' کی طرف منسوب کیا ہے اور ''الحلبہ'' میں الزاہدی، ''المحیط'' کی طرف ''النوادر'' کے حوالہ سے منسوب کیا ہے۔

یہ علت بیان کرتے ہوئے کہ وضع حقیقۃً نجاست کے لئے استعمال نہیں ہوتا پس اس کا درجہ حمل سے گر گیا۔ پس نماز فاسد نہ ہوئی۔ لیکن یہ معتد بہ واقع نہیں ہوا۔ لیکن ہمارے لئے ''السراج'' میں ''النوادر'' کی روایت کا ہونا کافی ہے۔ اور جو عامۃ الکتب میں ہے وہ ظاہر الروایہ ہے جیسا کہ ''الامداد'' کے حوالہ سے (اسی مقولہ میں) گزرا ہے اور ''الحلبہ'' اور ''البدائع'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ اور اس کی تائید کرتا ہے جس کی علماء نے اختلاف کی نقل کے بغیر تصریح کی ہے کہ کپڑے، بدن، اور مکان کی طہارت (نماز میں) شرط ہے۔ پس اگر ابتدا میں ناپاک جگہ پر کھڑا ہوا تو اس کی نماز منعقد نہ ہوگی۔ اور ''الخانیہ'' میں ہے: جب نمازی پاک جگہ پر کھڑا ہوگا پھر ناپاک جگہ کی طرف پھر جائے گا پھر پہلی جگہ کی طرف لوٹ آئے گا تو اگر نجاست پر اتنی مقدار نہ ٹھہرا ہوگا جتنی مقدار میں ادنیٰ رکن کی ادائیگی ممکن ہوتی ہے تو اس کی نماز جائز ہوگی ورنہ نہیں۔

یہ سب اس صورت میں ہے جب سجدہ یا قیام منفصل حائل کے بغیر نجاست پر ہوگا۔ اور جو ہم نے (مقولہ 4286 میں) ''الفتح'' کے حوالہ سے پہلے بیان کیا ہے اس سے تو جان چکا ہے کہ متصل حائل کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیونکہ وہ نمازی کے تابع ہے۔ اسی وجہ سے اگر کوئی نجاست پر کھڑا ہو دراں حالیکہ وہ موزہ پہنے ہوئے ہو تو اس کی نماز صحیح نہیں ہے۔ اور اسی طرح سجدہ ہے۔ اگر حائل (متصل) کا اعتبار ہوتا تو اس کا سجدہ پاک چیز پر اعادہ کے بغیر صحیح ہوتا۔ پس معلوم ہوا کہ جو شارح نے ذکر کیا ہے وہ اس پر مبنی ہے جو ''السراج'' میں ہے۔ اور تو جان چکا ہے کہ مذہب کی کتب عامہ میں جو ہے اس کے خلاف ہے اور یہ ظاہر الروایہ کے خلاف ہے۔

4288۔ (قولہ: وَكَذَا حُكْمُ كُلِّ مُتَّصِلٍ) یعنی ہر متصل پر سجدہ صحیح ہے بشرطیکہ جو جگہ اس کے نیچے ہے وہ پاک ہو۔

4289۔ (قولہ: وَلَوْ بَعْضَهُ) اسی طرح اکثر کتب میں صحت کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اور ''القنیہ'' میں یہ زائد ہے کہ یہ مکروہ ہے۔ کیونکہ اس میں منقول کی مخالفت ہے۔ ''الفتح'' میں فرمایا: ران اور ہتھیلی پر فساد کو ترجیح ہونی چاہئے۔ ''شرح المنیہ'' میں فرمایا: ''القنیہ'' میں جو ہے وہ درمیانی صورت ہے۔ اور امور میں سے بہتر درمیانی امر ہوتا ہے۔

4290۔ (قولہ: وَفَخِذِهِ لَوْ بِعُذْرٍ) یعنی بھیڑ کی وجہ سے جیسا کہ ''المنیہ'' میں ہے۔ لیکن ''الحلبہ'' میں فرمایا: مناسب یہ ہے کہ اس عذر شرعی کے ساتھ جائز ہے جو اشارہ کو جائز کرنے والا ہو اس کے اعتبار سے جس کے ضمن میں سجدہ کے ساتھ اشارہ کرنا ہے جیسا کہ ہم نے اس صورت میں کہا ہے کہ اگر چہرے کی طرف کسی چیز کو بلند کیا جس پر اس نے سجدہ کیا اور

لَا رُكْبَتِهِ، لٰكِنْ صَحَّحَ الْحَلَبِيُّ أَنَّهَا كَفَخِذِهِ (وَكُرِهَ) بَسْطُ ذٰلِكَ (إِنْ لَمْ يَكُنْ ثَمَّةَ تُرَابٌ أَوْ حَصَاةٌ) أَوْ حَرٌّ أَوْ بَرْدٌ (لِأَنَّهُ تَرَفُّعٌ (وَإِلَّا) يَكُنْ تَرَفُّعًا، فَإِذَا لَمْ يَخَفْ أَذًى (لَا) بَأْسَ بِهِ فَيُكْرَهُ تَنْزِيهًا، وَإِنْ خَافَهُ كَانَ مُبَاحًا وَفِي الزَّيْلَعِيِّ إِنْ لِدَفْعِ تُرَابٍ عَنْ وَجْهِهِ كُرِهَ، وَعَنْ عِمَامَتِهِ لَا، وَصَحَّحَ الْحَلَبِيُّ عَدَمَ كَرَاهَةِ بَسْطِ الْخِرْقَةِ

نہ کہ گھٹنے پر۔لیکن ''الحلبی'' نے کہا ہے کہ گھٹنا بھی ران کی طرح ہے۔آستین کو بچھانا مکروہ ہے اگر وہاں مٹی یا کنکری یا گرمی یا سردی نہ ہو۔کیونکہ یہ تکبر ہے۔اور اگر تکبر نہ ہو، پھر اگر اذیت کا خوف نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔پس اس صورت میں مکروہ تنزیہی ہوگا۔اور اگر اسے اذیت کا خوف ہو تو مباح ہوگا۔اور ''الزیلعی'' میں ہے: اگر چہرے سے مٹی دور کرنے کے لئے ہے تو مکروہ ہے اور عمامہ کو بچانے کے لئے ہے تو مکروہ نہیں۔''الحلبی'' نے کپڑا بچھانے کی عدم کراہت کی تصحیح کی ہے۔

اپنے سر کو جھکایا۔اور یہ معلوم ہے کہ بھیڑ ایسا عذر نہیں ہے جو سجدہ کے اشارہ کو جائز قرار دے۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ بھیڑ اشارہ کے لئے مجوز ہے۔کیونکہ اپنے جیسے نماز پڑھنے والے کی پیٹھ پر سجدہ کا جائز ہونا جو آگے آئے گا وہ اس کو مفید ہے۔''تامل''

ظاہر یہ ہے کہ یہ مسئلہ امکان کی تقدیر پر مفروض ہے ورنہ ران پر سجدہ کرنا عادۃً ممکن نہیں ہے۔

4291۔(قولہ: لَا رُكْبَتِهِ) یعنی عذر کے ساتھ یا عذر کے بغیر لیکن اس کو اشارہ کافی ہے اگر عذر ہو۔''زیلعی وغیرہ''۔

4292۔(قولہ: أَنَّهَا كَفَخِذِهِ) یعنی عذر کے ساتھ صحیح ہے۔اور اختلاف اس پر مبنی ہے کہ سجدہ میں شرط پیشانی کے اکثر یا بعض کا رکھنا ہے اگرچہ تھوڑی سی ہو۔اور یہ معلوم ہے کہ گھٹنا اکثر پیشانی کو سما نہیں سکتا۔اور تو جان چکا ہے کہ اصح دوسرا قول ہے۔اسی وجہ سے ''الحلبی'' نے جواز کی تصحیح کی ہے۔''حلبی''۔

4293۔(قولہ: وَكُرِهَ بَسْطُ ذٰلِكَ) یعنی حائل متصل میں جو ذکر کیا گیا ہے اس کو زمین پر بچھانا مکروہ ہے۔رہا منفصل حائل تو وہ مکروہ نہیں جیسا کہ آگے (مقولہ 4297 میں) آئے گا۔

4294۔(قولہ: لِأَنَّهُ تَرَفُّعٌ) یعنی یہ تکبر ہے پس تکبر کے قصد سے بچھایا ہے تو یہ مکروہ تحریمی ہوگا۔

4295۔(قولہ: وَإِلَّا يَكُنْ تَرَفُّعًا) یعنی اگر اس نے تکبر کا قصد نہ کیا ہو۔پہلی صورت میں تکبر کے قصد کے ساتھ تصریح ہونی چاہئے تھی تا کہ مقابلہ ظاہر ہوتا۔پھر اس سے اور اس کے بعد والی عبارت سے شارح کی مراد فقہاء کی عبارت میں توفیق ہے۔کیونکہ بعض میں ہے کہ کوئی حرج نہیں اور بعض میں ہے مکروہ نہیں۔پس ہر ایک کو مخصوص حالت پر محمول کر۔نرمی کی طرف اشارہ کیا جیسا کہ ''الحلبہ'' کی تبع میں ''البحر'' میں اس کے ساتھ تطبیق کی ہے۔

4296۔(قولہ: كُرِهَ) یعنی کیونکہ یہ تکبر کے قصد کی دلیل ہے بخلاف عمامہ کی حفاظت کے۔کیونکہ یہ مال کی حفاظت کے لئے ہے۔

4297۔(قولہ: وَصَحَّحَ الْحَلَبِيُّ) ''حلبی'' نے فرمایا: رہا خرقہ وغیرہ پر سجدہ کرنا تو صحیح اس میں عدم کراہت ہے۔صحیح

وَلَوْ بَسَطَ الْقَبَاءَ جَعَلَ كَتِفَهُ تَحْتَ قَدَمَيْهِ وَسَجَدَ عَلَى ذَيْلِهِ لِأَنَّهُ أَقْرَبُ لِلتَّوَاضُعِ (وَإِنْ سَجَدَ لِلزِّحَامِ عَلَى ظَهْرِ) هَلْ هُوَ قَيْدٌ احْتِرَازِيٌّ لَمْ أَرَهُ (مُصَلٍّ صَلَاتَهُ) الَّتِي هُوَ فِيهَا (جَازَ) لِلضَّرُورَةِ (وَإِنْ لَمْ يُصَلِّهَا) بَلْ صَلَّى غَيْرَهَا أَوْ لَمْ يُصَلِّ أَصْلًا أَوْ كَانَ فُرْجَةً (لَا) يَصِحُّ، وَشَرَطَ فِي الْكِفَايَةِ كَوْنَ رُكْبَتَيْ السَّاجِدِ عَلَى الْأَرْضِ

اگر قبا بچھائی تو اس کے کندھوں کو اپنے قدموں کے نیچے کرے اور اس کے دامن پر سجدہ کرے۔ کیونکہ یہ تواضع کے زیادہ قریب ہے۔ اگر بھیڑ کی وجہ سے سجدہ کرے اپنی نماز جیسی نماز پڑھنے والے کی پیٹھ پر کیا یہ قید احترازی ہے؟ میں نے اس کو نہیں دیکھا۔ تو ضرورت کی وجہ سے نماز جائز ہوگی اور (اگر جس کی پیٹھ پر سجدہ کیا ہے) وہ اس جیسی نماز نہ پڑھ رہا ہو بلکہ وہ کوئی دوسری نماز پڑھ رہا ہو، یا بالکل نماز ہی نہ پڑھ رہا ہو، یا وہ کوئی کھلی جگہ ہو تو نماز صحیح نہ ہوگی۔ اور ''الکفایہ'' میں شرط لگائی ہے کہ سجدہ کرنے والے کے گھٹنوں کا زمین پر ہونا،

حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک جائے نماز اٹھائی جاتی تھی جس پر آپ سجدہ فرماتے تھے (1)۔ اور یہ کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی چھوٹی سی چٹائی تھی۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے حکایت کیا جاتا ہے کہ انہوں نے مسجد حرام میں کپڑے پر سجدہ کیا تو ایک شخص نے انہیں روکا۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے اسے فرمایا: تو کہاں سے تعلق رکھتا ہے۔ اس نے کہا: خوارزم سے۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تکبیر میرے پیچھے سے آئی ہے یعنی علم تم ہم سے سیکھتے ہو پھر تم ہمیں سکھاتے ہو۔ کیا تم اپنے شہروں میں چٹائی پر نماز پڑھتے ہو۔ اس نے کہا: ہاں۔ فرمایا: کیا گھاس پر نماز کو جائز قرار دیتے ہو اور کپڑے پر نماز کو جائز قرار نہیں دیتے۔

حاصل یہ ہے کہ جو چیز زمین پر بچھائی گئی ہو جو نمازی کی حرکت سے حرکت نہ کرے تو بالاجماع اس پر سجدہ کرنے میں کوئی کراہت نہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک افضل زمین پر سجدہ کرنا ہے یا ایسی چیز پر سجدہ کرنا ہے جسے زمین اگاتی ہے جیسا کہ ''نورالایضاح'' اور ''منیۃ المصلی'' میں ہے۔

4298۔ (قولہ: لِأَنَّهُ أَقْرَبُ لِلتَّوَاضُعِ) کیونکہ وہ زمین کے زیادہ قریب ہے۔ اور ''البزازیہ'' میں علت بھی بیان کی ہے کہ دامن غلاظت کی جگہ میں لگتا ہے۔ اور بالاتفاق قیام میں دونوں قدموں کی جگہ کا پاک ہونا شرط ہے۔ اور سجدہ کی جگہ میں اختلاف ہے۔ کیونکہ سجدہ ناک کے ساتھ بھی کیا جاتا ہے اور وہ درہم سے کم ہے۔

4299۔ (قولہ: لَمْ أَرَهُ) توقف کی اصل ''شرنبلالی'' کے لئے ہے یہ اس شرط لگانے والے قول کی بنا پر ہے کہ سجدہ اپنے جیسی نماز پڑھنے والے کی پیٹھ پر ہو۔ یہ وہ ہے جس پر متن میں چلے ہیں جیسے ''وقایہ''، ''الملتقی''، ''الکمال''، ''ابن الکمال''، ''الخلاصہ'' اور ''الواقعات'' وغیرہا۔ مخفی نہیں کہ کتب کے مفاہیم معتبر ہیں۔ رہا وہ جو ''القہستانی'' کے حوالہ سے آئے گا کہ پیٹھ شرط نہیں ہے اور نماز میں اشتراک شرط نہیں ہے۔ تو یہ دوسرا قول ہے جو اس کے مخالف ہے جو کتب عامہ میں ہے اس بنا پر کہ ''القہستانی'' میں پیٹھ پر ہونا شرط نہیں ہے۔ ''فافہم''

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها، جلد 1، صفحہ 371، حدیث 501

سنن نسائی، کتاب الطہارۃ، باب استخدام الحائض، جلد 1، صفحہ 127، حدیث نمبر 271

وَشَرَطَ فِي الْمُجْتَبَى سُجُودَ الْمَسْجُودِ عَلَيْهِ عَلَى الْأَرْضِ فَالشُّرُوطُ خَمْسَةٌ، لَكِنْ نَقَلَ الْقُهُسْتَانِيُّ الْجَوَازَ وَلَوْ الثَّانِي عَلَى ظَهْرِ الثَّالِثِ وَعَلَى ظَهْرِ غَيْرِ الْمُصَلِّي بَلْ عَلَى ظَهْرِ كُلِّ مَأْكُولٍ بَلْ عَلَى غَيْرِ الظَّهْرِ كَالْفَخِذَيْنِ لِلْعُذْرِ (وَلَوْ كَانَ مَوْضِعُ سُجُودِهِ أَرْفَعَ مِنْ مَوْضِعِ الْقَدَمَيْنِ بِمِقْدَارِ لَبِنَتَيْنِ مَنْصُوبَتَيْنِ جَازَ سُجُودُهُ (وَإِنْ أَكْثَرَ لَا) إِلَّا لِزَحْمَةٍ

اور ''المجتبیٰ'' میں شرط لگائی ہے کہ جس پر سجدہ کیا جا رہا ہے اس کے سجدہ کا زمین پر ہونا۔ پس یہ پانچ شروط ہیں۔ لیکن ''القہستانی'' نے جواز نقل کیا ہے۔ اگر دوسرا تیسرے کی پیٹھ پر سجدہ کر رہا ہو اور غیر نمازی کی پیٹھ پر سجدہ ہو، بلکہ ہر ماکول چیز کی پیٹھ پر سجدہ کر رہا ہو بلکہ پیٹھ کے علاوہ پر سجدہ کر رہا ہو جیسے عذر کی وجہ سے رانوں پر سجدہ کرنا۔ اگر سجدہ کی جگہ قدموں کی جگہ سے دو کھڑی اینٹوں کی مقدار بلند ہو تو اس کا سجدہ جائز ہوگا۔ اور اگر اونچائی اس سے زیادہ ہو تو جائز نہیں مگر بھیڑ کی صورت میں جائز ہے

4300۔ (قولہ: وَشَرَطَ فِي الْمُجْتَبَى) اس کو ''المعراج'' میں قیل کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔

4301۔ (قولہ: لَكِنْ) یہ ''المجتبیٰ'' پر استدراک ہے۔ اور ''القہستانی'' کی عبارت یہ ہے کہ یہ اس وقت ہے جب اس کے گھٹنے زمین پر ہوں ورنہ نماز جائز نہ ہوگی۔ بعض علما نے فرمایا: جائز نہیں اگرچہ دوسرے کا سجدہ تیسرے کی پیٹھ پر ہو جیسا کہ ''الکفایہ'' کے باب الجمعہ میں ہے۔ اور کلام میں اشارہ ہے کہ بھیڑ کے ختم ہونے تک تاخیر کرنا مستحب ہے جیسا کہ ''الجلابی'' میں ہے اور یہ اشارہ ہے کہ پیٹھ کے علاوہ پر جائز نہیں ہے۔ لیکن ''الزاہدی'' میں ہے: رانوں پر اور گھٹنوں پر مختار مذہب پر عذر کی وجہ سے جائز ہے اور ہاتھوں اور آستینوں پر مطلقاً جائز ہے۔ اور اس بات کی طرف اشارہ ہے نماز نہ پڑھنے والے کی پیٹھ پر جائز نہیں ہے جیسا کہ ''الحسن'' نے فرمایا۔ لیکن ''الاصل'' میں ہے کہ یہ جائز ہے جیسا کہ ''المحیط'' میں ہے۔ ''الزاہدی'' کے باب التیمم میں ہے: ہر ماکول کی پیٹھ پر سجدہ کرنا جائز ہے۔

4302۔ (قولہ: وَعَلَى ظَهْرِ غَيْرِ الْمُصَلِّي) یعنی نمازی کی سرین پر یا پاؤں کی ایڑی پر سجدہ کرے۔ لیکن یہ ''القہستانی'' کی عبارت میں موجود نہیں ہے جیسا کہ تو جان چکا ہے۔

4303۔ (قولہ: بَلْ عَلَى غَيْرِ الظَّهْرِ كَالْفَخِذَيْنِ) یعنی اپنی رانوں پر جیسا کہ گزر چکا ہے۔

4304۔ (قولہ: وَلَوْ كَانَ الخ) یہ مسئلہ متداولہ کتب عامہ میں مذکور ہے جیسا کہ ''القہستانی'' اور ''الحلبہ'' میں ہے۔ اور ''المعراج'' میں اس کو ''مبسوط شیخ الاسلام'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ مصنف کے لئے مناسب تھا کہ اس کو ماقبل مسئلہ سے مقدم کرتے۔ کیونکہ یہ اس سے مستثنیٰ ہے جیسا کہ الشارح نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

4305۔ (قولہ: مَنْصُوبَتَيْنِ) یعنی وہ ایک دوسرے کے اوپر رکھی گئی ہوں۔

4306۔ (قولہ: جَازَ سُجُودُهُ) ظاہر یہ ہے کہ یہ کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول فعل کے مخالف ہے۔

كَمَا مَرَّ، وَالْمُرَادُ لَبِنَةُ بُخَارَى، وَهِيَ رُبْعُ ذِرَاعٍ عَرْضُ سِتَّةِ أَصَابِعَ، فَمِقْدَارُ ارْتِفَاعِهِمَا نِصْفُ ذِرَاعٍ ثِنْتَا عَشْرَةَ أُصْبُعًا، ذَكَرَهُ الْحَلَبِيُّ (وَيُظْهِرُ عَضُدَيْهِ) فِي غَيْرِ زَحْمَةٍ (وَيُبَاعِدُ بَطْنَهُ عَنْ فَخِذَيْهِ) لِيَظْهَرَ كُلُّ عُضْوٍ بِنَفْسِهِ، بِخِلَافِ الصُّفُوفِ فَإِنَّ الْمَقْصُودَ اتِّحَادُهُمْ حَتَّى كَأَنَّهُمْ جَسَدٌ وَاحِدٌ (وَيَسْتَقْبِلُ بِأَطْرَافِ أَصَابِعِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ، وَيُكْرَهُ إِنْ لَمْ يَفْعَلْ) ذَلِكَ، كَمَا يُكْرَهُ لَوْ وَضَعَ قَدَمًا وَرَفَعَ أُخْرَى بِلَا عُذْرٍ

جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور اینٹوں سے مراد بخاری کی اینٹ ہے اور یہ ہاتھ کی چوتھائی ہے چھ انگلیوں کے عرض کی مقدار ہے۔ پس ان دونوں کی مقدار نصف ہاتھ (یعنی) بارہ انگلیاں ہے۔ اس کو ''الحلبی'' نے ذکر کیا ہے۔ اور اپنے بازوؤں کو ظاہر کرے بھیڑ نہ ہونے کی صورت میں اور اپنے پیٹ کو (سجدہ میں) اپنی رانوں سے جدا کرے تا کہ ہر عضو ظاہر ہو بخلاف صفوں کے۔ کیونکہ مقصود نمازیوں کا اتحاد ہے حتیٰ کہ وہ ایک جسم ہیں۔ اور سجدہ میں اپنے پاؤں کی انگلیوں کی اطراف کو قبلہ کی طرف متوجہ کرے۔ اور اگر ایسا نہیں کرے گا تو مکروہ ہوگا جیسا کہ مکروہ ہے کہ اگر ایک پاؤں رکھے اور دوسرے کو اٹھائے بغیر کسی عذر کے۔

4307۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی پیٹھ پر سجدہ کرنے کے بارے میں جیسا کہ گزر چکا ہے اور پیٹھ نصف ہاتھ سے بلند ہوتی ہے۔ ''حلبی''۔

4308۔ (قولہ: عَرْضُ سِتَّةِ أَصَابِعَ) یعنی ایک دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی چھ انگلیوں کے عرض کے ساتھ مقدر ہے نہ کہ انگلیوں کی لمبائی کے ساتھ۔

4309۔ (قولہ: ثِنْتَا عَشْرَةَ أُصْبُعًا) یہ نصف ذرائع سے بدل ہے۔ ''حلبی''۔

ذراع سے مراد الکرباس کا ذراع ہے۔ اور وہ آدمی کے ہاتھ کا ذراع ہے تقریباً دو بالشت بنتا ہے جیسا کہ ہم نے (مقولہ 1701 میں) پانیوں کی بحث میں ثابت کیا ہے۔

4310۔ (قولہ: ذَكَرَهُ الْحَلَبِيُّ) یعنی ''الحلبی'' نے نصف ذراع کی حد اس کے ساتھ ذکر کی ہے۔ اور ''الحلبہ'' میں اس کی مقدار اور اس کی تحدید کی وجہ سے توقف کیا ہے اور فرمایا: اس کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

4311۔ (قولہ: فِي غَيْرِ زَحْمَةٍ) ''المجتبیٰ'' کی متابعت میں اس کو صرف بازوؤں کے ظاہر کرنے کے لئے قید بنایا ہے۔ ''الحلبہ'' سے اخذ کرتے ہوئے ''البحر'' میں فرمایا: یہ اس سے اولیٰ ہے جو ''الہدایہ''، ''الکافی'' اور ''الزیلعی'' میں ہے کہ جب صف میں ہو تو اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے جدا نہ کرے۔ کیونکہ ایذا صرف محاذاۃ سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ بازوؤں کے اظہار سے حاصل ہوتی ہے۔

4312۔ (قولہ: وَيُكْرَهُ إِنْ لَمْ يَفْعَلْ ذَلِكَ) اسی طرح صاحب ''الہدایہ'' کی ''التجنیس'' میں ہے۔ ''الرملی'' نے ''البحر'' کے حاشیہ میں فرمایا: ظاہر یہ ہے کہ یہ سنت ہے۔ ''زاد الفقیر'' میں اس کی تصریح کی ہے۔

میں کہتا ہوں: الشیخ ''اسماعیل'' نے ''البرجندی'' اور ''الحاوی'' کے حوالہ سے سنت ہونے کی تصریح نقل کی ہے۔ اور اس

(وَيُسَبِّحُ فِيهِ ثَلَاثًا) كَمَا مَرَّ (وَالْمَرْأَةُ تَنْخَفِضُ) فَلَا تُبْدِي عَضُدَيْهَا
اور سجدہ میں تین تسبیح کہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور عورت پست ہو اور اپنے بازؤں کو ظاہر نہ کرے

کی مثل ''الضیاء المعنوی'' اور ''القہستانی'' میں الجلابی کے حوالہ سے ہے۔ ''الحلبہ'' میں فرمایا: سجدہ کی سنتوں میں سے ہے کہ وہ اپنی انگلیوں کو قبلہ کی طرف متوجہ کرے کیونکہ ''صحیح بخاری'' اور ''سنن ابی داؤد'' میں ابو حمید رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی صفت کے بارے مروی ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے تو اپنے ہاتھوں کو رکھتے جب کہ وہ نہ بچھائے ہوئے ہوتے اور نہ بالکل اکٹھے ہوتے۔ اور اپنے پاؤں کی انگلیوں کی اطراف کو قبلہ کی طرف متوجہ کرتے (1)۔ اور ہم نے (مقولہ 4271 میں) پہلے بیان کیا ہے کہ پاؤں زمین پر رکھنے کے بارے میں تین روایات ہیں: فرض، واجب اور سنت۔ اور قدم رکھنے سے مراد قدم کی انگلیوں کا رکھنا ہے اگرچہ ایک انگلی ہو۔ کتب مذہب میں مشہور پہلی روایت (فرضیت والی) ہے۔

''ابن امیر الحاج'' نے ''الحلبہ'' میں دوسری روایت کو ترجیح دی ہے۔ اور وہاں تصریح کی ہے کہ قبلہ کی طرف انگلیوں کو متوجہ کرنا سنت ہے۔ اور جو ہم نے (مقولہ 4273 میں) پہلے پیش کیا ہے وہ ثابت ہو گیا کہ پہلا اختلاف وضع کی اصل میں ہے انگلیوں کو متوجہ کرنے میں نہیں اور ہمارے نزدیک انگلیوں کو متوجہ کرنا سنت ہے۔ یہ ایک قول ہے۔ شارح ''شرح المنیہ'' کی تبع میں جس قول پر چلے ہیں وہ اس کے خلاف ہے۔ اور جو ہم نے کہا ہے اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ المحقق ''ابن الہمام'' نے ''زاد الفقیر'' میں فرمایا کہ نماز کی سنتوں میں سے انگلیوں کو قبلہ کی طرف متوجہ کرنا ہے اور گھٹنوں کا رکھنا ہے اور قدموں کے رکھنے میں اختلاف ہے۔

پس جو ہم نے کہا ہے اس میں یہ صریح ہے کیونکہ انہوں نے جزم کیا ہے کہ انگلیوں کو متوجہ کرنا سنت ہے۔ اور قدموں کو زمین پر رکھنے میں اختلاف ہے یعنی یہ سنت ہے یا فرض ہے یا واجب ہے۔ اس تحریر کو غنیمت سمجھو۔ میں نے کسی عالم کو نہیں دیکھا جس نے اس پر تنبیہ کی ہو۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کو پالنے والا ہے۔

نوٹ: رکوع میں (مقولہ 4230 میں) گزر چکا ہے کہ ٹخنوں کو ملانا سنت ہے۔ اور فقہا نے سجدہ میں اس کو ذکر نہیں کیا۔ اور ہم نے (مقولہ 4230 میں) پہلے بیان کیا ہے کہ اس سے سمجھا جاتا ہے کہ سجدہ میں بھی اسی طرح ہے۔ کیونکہ رکوع کے بعد ٹخنوں کو کھولنے کا ذکر نہیں کیا ہے۔ پس اصل دونوں کا یہاں بھی اسی طرح باقی ہونا ہے۔

4313۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی رکوع کی تسبیح میں جو گزر چکا ہے کہ کم از کم تعداد تین ہے۔ اگر تین مرتبہ کہنے کو ترک کرے گا یا اس میں کمی کرے گا تو مکروہ تنزیہی ہو گا اور ہم نے (مقولہ 4233 میں) اس میں اختلاف ذکر کر دیا ہے۔

4314۔ (قولہ: فَلَا تُبْدِي عَضُدَيْهَا) ''الخزائن'' کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہ ''الحلبی'' پر رد ہے۔ کیونکہ انہوں نے دوسرے کو انخفاض (پست ہونا) کے لئے تفسیر بنایا ہے حالانکہ عطف میں اصل مغایرت ہے۔ آگاہ رہو۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب صفۃ الصلوٰۃ، باب سنۃ الجلوس فی التشہد، جلد 1، صفحہ 390، حدیث نمبر 785

(وَتُلْصِقُ بَطْنَهَا بِفَخِذَيْهَا) لِأَنَّهُ أَسْتَرُ، وَحَرَّرْنَا فِي الْخَزَائِنِ أَنَّهَا تُخَالِفُ الرَّجُلَ فِي خَمْسَةٍ وَعِشْرِينَ

اور اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے ملائے۔ کیونکہ یہ اس کے لئے زیادہ پردہ کا باعث ہے۔ اور ہم نے ''الخزائن'' میں بیان کیا ہے کہ عورت پچیس چیزوں میں مرد سے مختلف ہے۔

نماز کے دوران مردوں اور عورتوں کے افعال میں فرق

4315۔ (قولہ: وَحَرَّرْنَا فِي الْخَزَائِنِ) جہاں انہوں نے فرمایا: تنبیہ: ''الزیلعی'' نے ذکر کیا ہے کہ عورت دس چیزوں میں مرد کے مخالف ہے۔ اور میں نے دوگنا سے زیادہ اس میں اضافہ کیا ہے۔ عورت اپنے ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھائے گی اور اپنے ہاتھوں کو آستینوں سے باہر نہیں نکالے گی، اپنے پستانوں کے نیچے ہتھیلی پر ہتھیلی رکھے گی، رکوع میں تھوڑا جھکے گی اور گھٹنوں پر سہارا نہیں لے گی، رکوع میں اپنی انگلیوں کو نہیں پھیلائے گی بلکہ انگلیوں کو ملا کر رکھے گی، اور رکوع وسجود میں اکٹھی رہے گی اور اپنے بازوؤں کو زمین پر بچھائے گی، تشہد میں سرین کے بل بیٹھے گی اور تشہد میں اپنے ہاتھوں کو اس طرح رکھے گی کہ اس کی انگلیوں کے سرے اس کے گھٹنوں تک پہنچیں، تشہد میں اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو ملا کر رکھے گی اور جب اسے نماز میں کوئی مسئلہ پیش آئے گا تو وہ بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر مارے گی، سبحان اللہ نہیں کہے گی، عورت مرد کی امام نہ ہوگی، عورتوں کی جماعت مکروہ ہے، ان کی امام ان کے درمیان کھڑی ہوگی اور ان کا جماعت میں شریک ہونا مکروہ ہے، مردوں سے پیچھے کھڑی ہوگی، عورت پر جمعہ فرض نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ جمعہ منعقد ہوگا، اس پر عید اور تکبیر تشریق نہیں ہے اور اس کے لئے مستحب نہیں ہے کہ فجر کی نماز کو روشنی میں ادا کرے، جہری نمازوں میں بھی جہر نہیں کرے گی بلکہ اس کی جہری قراءت سے نماز کے فساد کا کہا جائے تو ممکن ہے اس بنا پر کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے۔

''الحدادی'' نے فائدہ لکھا ہے کہ لونڈی آزاد عورت کی طرح ہے مگر تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھانے کے وقت لونڈی مرد کی طرح ہے۔

میں کہتا ہوں: ولا تحنی رکبتھا درست یہ ہے کہ تحنی بغیر لا کے ہے جیسا کہ ہم نے (مقولہ 4230 میں) رکوع میں شارح کے قول و یسن ان یلصق کعبیہ کے تحت ''المعراج'' کے حوالہ سے پہلے بیان کیا ہے۔ اور تبلغ رؤوس اصابعھا رکبتیھا کا قول اس قول پر مبنی ہے کہ مرد تشہد میں اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھے۔ اور صحیح یہ ہے کہ اس میں مرد اور عورت برابر ہیں جیسا کہ ہم (مقولہ 4352 میں) ذکر کریں گے۔

اور لکن تنعقد بھا کے قول کی بجائے درست لکن تصح منھا ہے۔ کیونکہ جمعہ کی جماعت میں عورتوں اور بچوں کا اعتبار نہیں ہے۔ ان میں شرط تین مرد ہیں۔ ہم نے معراج کے حوالہ سے اور انہوں نے شرح الوجیز کے حوالہ سے پہلے (مقولہ 4230 میں) بیان کیا ہے کہ خنثیٰ عورت کی طرح ہے۔

جو انہوں نے ذکر کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مخالفت چھبیس چیزوں میں ہے۔ ''البحر'' میں ذکر کیا ہے کہ وہ اپنے قدموں کی انگلیوں کو کھڑا نہ کرے جیسا کہ ''المجتبیٰ'' میں مذکور ہے۔

(ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ مُكَبِّرًا وَيَكْفِي فِيهِ) مَعَ الْكَرَاهَةِ (أَدْنَى مَا يُطْلَقُ عَلَيْهِ اسْمُ الرَّفْعِ) كَمَا صَحَّحَهُ فِي الْمُحِيطِ لِتَعَلُّقِ الرُّكْنِيَّةِ بِالْأَدْنَى كَسَائِرِ الْأَرْكَانِ، بَلْ لَوْ سَجَدَ عَلَى لَوْحٍ فَنُزِعَ فَسَجَدَ بِلَا رَفْعٍ أَصْلًا صَحَّ وَصَحَّحَ فِي الْهِدَايَةِ أَنَّهُ إِنْ كَانَ إِلَى الْقُعُودِ أَقْرَبَ صَحَّ وَإِلَّا لَا وَرَجَّحَهُ فِي النَّهْرِ وَالشُّرُنْبُلَالِيَّةِ ثُمَّ السَّجْدَةُ الصَّلَاتِيَّةُ تَتِمُّ بِالرَّفْعِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى

پھر تکبیر کہتے ہوئے سر کو اٹھائے۔ اور اس میں کراہت کے ساتھ تھوڑا سا سر اٹھانا کافی ہے جس پر اٹھانے کا اطلاق کیا جاتا ہو جیسا کہ ''المحیط'' میں اس کی تصحیح کی ہے۔ کیونکہ رکنیت کا تعلق ادنیٰ کے ساتھ ہے جیسا کہ تمام ارکان میں ہے بلکہ اگر تختی پر سجدہ کیا پھر وہ اٹھالی گئی پھر اس نے سر اٹھائے بغیر سجدہ کیا تو صحیح ہوگا۔ ''الہدایہ'' میں تصحیح کی ہے کہ اگر وہ بیٹھنے کے قریب ہے تو صحیح ہے ورنہ نہیں۔ اور ''النہر'' اور ''الشرنبلالیہ'' میں اس کو ترجیح دی ہے۔ پھر نماز کا سجدہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سر اٹھانے کے ساتھ مکمل ہوگا اور اس پر فتویٰ ہے

یہ مرد اور عورت کا اختلاف صرف نماز میں ہے ورنہ عورت بہت سے مسائل میں مرد کے مخالف ہے جو ''الاشباہ'' کے احکامات میں مذکور ہیں۔ پس ادھر رجوع کرو۔

4316۔ (قولہ: مَعَ الْكَرَاهَةِ) یعنی سخت کراہت کے ساتھ جیسا کہ ''شرح المنیہ'' میں ہے۔

4317۔ (قولہ: بَلْ لَوْ سَجَدَ) مناسب یہاں تفریع ہے کیونکہ یہ مسئلہ اس قول پر متفرع ہے کہ سر اٹھانا سنت ہے اگرچہ دوسرا سجدہ فرض ہے۔ کیونکہ سر اٹھانے کے بغیر بھی اس صورت میں متحقق ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح وجوب کے قول پر متفرع ہے جس کو ''الفتح'' اور ''الحلبہ'' میں ترجیح دی ہے۔ بخلاف فرضیت کے قول کے جس کی ''الہدایہ'' میں تصحیح کی ہے۔ فافہم۔

4318۔ (قولہ: صَحَّ وَإِلَّا لَا) ''الہدایہ'' میں اس کی علت بیان کی ہے کہ جو کسی چیز کے قریب ہوتا ہے اسے اس کا حکم دیا جاتا ہے۔

4319۔ (قولہ: وَرَجَّحَهُ فِي النَّهْرِ) ''الخزائن'' میں فرمایا: ''شرنبلالیہ'' میں ''البرہان'' کے حوالہ سے ہے کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہی اصح قول منقول ہے۔ اور ''النہر'' میں ہے: یہ وہ قول ہے جس پر اعتماد ہونا چاہئے۔ ''الباقانی'' نے اس پر اکتفا کیا ہے۔

4320۔ (قولہ: تَتِمُّ بِالرَّفْعِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ) امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وضع کے ساتھ مکمل ہوتا ہے۔ اختلاف کا ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہوتا ہے کہ اگر اسے حدث لاحق ہو جائے جبکہ وہ سجدہ میں ہو، پھر وہ جائے اور وضو کرے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ سجدہ کا اعادہ کرے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اعادہ نہیں کرے گا۔ اور اس صورت میں ثمرہ ظاہر ہوگا جب وہ چوتھی رکعت پر قعدہ نہ بیٹھا اور پانچویں رکعت کے پہلے سجدہ میں اسے حدث لاحق ہو گیا تو وہ وضو کرے۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیٹھ جائے اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز باطل ہو گئی۔ ''حلبی''۔

میں کہتا ہوں: امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ان کے اس قول کے ساتھ دیکھو جس میں دو سجدوں کے درمیان قعدہ کی

كَالتِّلَاوِيَّةِ اتِّفَاقًا مَجْمَعٌ (وَيَجْلِسُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ مُطْمَئِنًّا) لِمَا مَرَّ، وَيَضَعُ يَدَيْهِ عَلَى فَخِذَيْهِ كَالتَّشَهُّدِ مُنْيَةُ الْمُصَلِّي (وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا ذِكْرٌ مَسْنُونٌ، وَكَذَا) لَيْسَ (بَعْدَ رَفْعِهِ مِنَ الرُّكُوعِ) دُعَاءٌ، وَكَذَا لَا يَأْتِي فِي رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ بِغَيْرِ التَّسْبِيحِ (عَلَى الْمَذْهَبِ)

جیسا کہ سجدہ تلاوت ہے یہ بالاتفاق ہے۔ ''مجمع''۔ اور دونوں سجدوں کے درمیان مطمئن ہو کر بیٹھے اس دلیل کی وجہ سے جو گزر چکی ہے۔ اور اپنے ہاتھوں کو اپنی رانوں پر رکھے جیسے تشہد میں رکھتا ہے ''منیۃ المصلی''۔ اور ان دو سجدوں کے درمیان کوئی مسنون ذکر نہیں ہے اور اسی طرح رکوع سے سر اٹھانے کے بعد کوئی دعا نہیں ہے اور اسی طرح مذہب کے مطابق رکوع و سجود میں بغیر تسبیح کے کچھ نہ پڑھے۔

فرضیت اور اس میں طمانینت کا ذکر ہے۔ پس سر اٹھانے کی فرضیت کو مستلزم ہے۔ ''فتامل''

پھر ظاہر ہوا کہ رفع مذکور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مستقل فرض ہے نہ کہ سجدہ کو مکمل کرنے والا ہے۔ اسی طرح ہمارے شیخ نے یہ فائدہ ذکر کیا ہے۔

4321۔ (قولہ: كَالتِّلَاوِيَّةِ) حتیٰ کہ اگر اس میں کلام کر دی یا اسے حدث لاحق ہو گیا تو اس پر اس کا اعادہ ہے۔ یہ ''ابن مالک'' نے ''الخانیہ'' سے روایت کیا ہے۔

4322۔ (قولہ: مُطْمَئِنًّا) یعنی ایک تسبیح کی مقدار مطمئن ہو کر بیٹھے جیسا کہ ''الدرر'' اور ''السراج'' کے متن میں ہے۔ اور کیا یہ اس کی اکثر یا اقل کا بیان ہے؟ ظاہر پہلا قول ہے مصنف کے قول کی دلیل: لیس بینھما ذکر مسنون کی وجہ سے۔ ہم نے ''الواجبات'' میں ''طحطاوی'' کے حوالہ سے پہلے بیان کیا ہے کہ اگر اس جلسہ یا رکوع کے قومہ کو ایک تسبیح کی مقدار تسبیح سے زیادہ بھول کر کرے گا تو اس پر سجدہ سہو لازم ہوگا۔ اور اس میں جو نظر ہے وہ ہم نے (مقولہ 4021 میں) پہلے بیان کر دی ہے۔ ''تامل''

4323۔ (قولہ: لِمَا مَرَّ) یعنی یہ سنت ہے یا واجب ہے یا فرض ہے۔ ''حلبی''۔

قومہ اور جلسہ میں ذکر کا حکم

4324۔ (قولہ: وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا ذِكْرٌ مَسْنُونٌ) امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: کیا آدمی جب رکوع و سجود سے سر اٹھائے تو اللهم اغفرلی کہے؟ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ربنا لك الحمد کہے اور خاموش ہو جائے۔ کتنا خوبصورت جواب دیا کیونکہ استغفار سے منع نہیں کیا۔ ''نہر وغیرہ''۔

میں کہتا ہوں: بلکہ اس میں اشارہ ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے۔ کیونکہ اگر مکروہ ہوتا تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ اس سے منع فرماتے جیسا کہ رکوع و سجود میں قراءت سے منع کرتے تھے۔ اور مسنون ذکر کا نہ ہونا جواز کے منافی نہیں ہے جیسے سورہ فاتحہ اور دوسری سورۃ کے درمیان بِسْمِ اللهِ پڑھنا ہے بلکہ دونوں سجدوں کے درمیان مغفرت کی دعا مندوب ہونی چاہئے امام ''احمد'' کے اختلاف سے نکلنے کیلئے۔ کیونکہ ان کے نزدیک جان بوجھ کر دعا ترک کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اور میں نے اس

وَمَا وَرَدَ مَحْمُولٌ عَلَى النَّفْلِ
اور جو دعا پڑھنا وارد ہے وہ نفل پر محمول ہے۔

کے متعلق اپنے علماء سے تصریح نہیں دیکھی۔ لیکن ہمارے علماء نے اختلاف کی رعایت کرنے کے استحباب کی تصریح کی ہے۔

4325۔(قولہ: وَمَا وَرَدَ الخ) رکوع و سجود میں جو صحیح مسلم میں دعا وارد ہے کہ جب نبی کریم ﷺ رکوع کرتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے: اللھم لک رکعتُ و بک آمنتُ و لک اسلمتُ خشع لک سمعی و بصری و مُخی و عظمی و عصبی۔ (اے اللہ میں نے تیرے لئے رکوع کیا، تجھ پر ایمان لایا اور تیرے لئے سر جھکایا، تیرے لئے میرے کان، آنکھ، دماغ، ہڈیاں اور پٹھے جھکے ہوئے ہیں (1)۔

اور جب سجدہ کرتے تو یہ دعا پڑھتے: اللھم لک سجدتُ و بک آمنتُ ولک اسلمتُ. سجد وجھی للذی خَلَقَہٗ و صَوَّرَہٗ و شقّ سمعہ و بصرہ تبارک اللہ احسن الخالقین (اے اللہ میں نے تیرے لئے سجدہ کیا، تجھ پر ایمان لایا اور تیرے لئے سر جھکایا، میرے چہرے نے اسے سجدہ کیا جس نے اسے پیدا کیا اور اس کو صورت بخشی اور اس کے کان اور آنکھ بنائی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی بابرکت ہے جو سب بنانے والوں سے بہتر بنانے والا ہے۔

رکوع سے سر اٹھانے میں یہ دعا زائد پڑھتے تھے: ملٔ السموات والارض و ملٔ مَا شئتَ من شیء بعد، اھلَ الثناء والمجد، احق ما قال العبد۔ و کلنا لک عبد۔ لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعتَ ولا ینفع ذا الجد منک الجدّ۔ (آسمانوں اور زمین بھر، اس کے بعد جو تو چاہے اس کے برابر، اے تعریف اور بزرگی کے لائق جو تیرے بندے نے کہا تو اس کا زیادہ حقدار ہے اور ہم تمام تیرے بندے ہیں۔ جو تو عطا کرے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جو تو روکے وہ کوئی عطا کرنے والا نہیں۔ تیرے مقابلہ میں کسی صاحب ثروت کو دولت نفع دینے والی نہیں)۔

اس حدیث کو ''مسلم'' (2) اور ''ابوداؤد'' وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اور دو سجدوں کے درمیان یہ دعا مروی ہے: اللھم اغفرلی وارحمنی و عافنی واھدنی وارزقنی۔ (اے اللہ میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے عافیت دے اور مجھے ہمیشہ راہ راست پر رکھ اور مجھے (ہر نعمت) عطا فرما)(3)۔

اس کو ''ابوداؤد'' نے روایت کیا ہے اور امام ''نووی'' نے اسے حسن کہا ہے اور ''حاکم'' نے اس کی تصحیح کی ہے۔ اسی طرح ''الحلبہ'' میں ہے۔

4326۔(قولہ: مَحْمُولٌ عَلَى النَّفْلِ) یعنی تہجد وغیرہ کی نماز پر محمول ہے۔ ''خزائن''۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین، باب الدعاء فی صلوۃ اللیل و قیامہ، جلد 1، صفحہ 756، حدیث نمبر 1340

سنن ترمذی، کتاب الدعوات، باب ماجاء مایقول اذا قام الی الصلوٰۃ، جلد 2، صفحہ 716، حدیث نمبر 3341

2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب ما یقول اذا رفع رأسہ من الرکوع، جلد 1، صفحہ 515، حدیث نمبر 786

سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب ما یقول اذا رفع رأسہ من الرکوع، جلد 1، صفحہ 322، حدیث نمبر 721

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب الدعاء بین السجدتین، جلد 1، صفحہ 323، حدیث نمبر 724

(وَيُكَبِّرُ وَيَسْجُدُ) ثَانِيَةً (مُطْمَئِنًّا وَيُكَبِّرُ لِلنُّهُوضِ) عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ (بِلَا اعْتِمَادٍ وَقُعُودٍ) اسْتِرَاحَةٍ وَلَوْ فَعَلَ لَا بَأْسَ وَيُكْرَهُ تَقْدِيمُ إِحْدَى رِجْلَيْهِ عِنْدَ النُّهُوضِ (وَالرَّكْعَةُ الثَّانِيَةُ كَالْأُولَى) فِيمَا مَرَّ (غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَأْتِي

اور تکبیر کہے اور اطمینان سے دوسرا سجدہ کرے پھر بغیر بیٹھے اور سہارا لئے اپنے قدموں کے اگلے حصہ پر کھڑے ہونے کے لئے تکبیر کہے۔ اور اگر ایسا کرلیا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور اٹھتے وقت ایک قدم کو آگے کرنا مکروہ ہے۔ اور دوسری رکعت پہلی رکعت کی طرح ہے تمام احکام میں جو گزر چکے ہیں مگر دوسری رکعت میں

اور اس کے حاشیہ میں لکھا گیا ہے کہ اس میں ''الزیلعی'' پر رد ہے جہاں انہوں نے اس کو تہجد کے ساتھ خاص کیا ہے۔

پھر مذکور محمول کی مشائخ نے رکوع و سجود میں تصریح کی ہے اور اس کی ''الحلبہ'' میں، قومہ اور جلسہ میں وارد ہونے میں تصریح کی ہے۔ اور فرمایا: اس بنا پر اگر یہ فرض نماز میں ثابت ہوتا تو اسے انفراد یا جماعت کی حالت میں ہونا چاہئے تھا اور مقتدی محصور ہوتے ہیں اس سے وہ بوجھل نہیں ہوتے جیسا کہ شوافع نے اس پر نص قائم کی ہے۔ اور اس کے التزام میں کوئی ضرر نہیں اگرچہ ہمارے مشائخ نے اس کی تصریح نہیں کی ہے۔ کیونکہ قواعد شرعیہ اس کا انکار نہیں کرتے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ نماز تسبیح، تکبیر اور قراءت کا نام ہے جیسا کہ سنت میں ثابت ہے۔

بِلَا اعْتِمَادٍ کے بارے میں احناف اور شوافع کا موقف

4327۔ (قولہ: بِلَا اعْتِمَادٍ) یعنی زمین پر سہارا لئے بغیر۔ ''الکفایہ'' میں ہے: اس کے ساتھ دو جگہوں میں امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے اختلاف کی طرف اشارہ ہے۔

1-ایک یہ کہ ہمارے نزدیک اپنے گھٹنوں پر اپنے ہاتھوں سے سہارا لے اور امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زمین پر سہارا لے۔

2-دوسرا یہ کہ جلسہ خفیفہ۔ شمس الائمہ ''الحلوانی'' نے فرمایا: افضل میں اختلاف ہے۔ اگر اس طرح کیا جس طرح ہمارا مذہب ہے تو امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور اگر اس طرح کیا جیسے امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے تو ہمارے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح ''المحیط'' میں ہے۔

''الحلبہ'' میں فرمایا: اشبہ یہ ہے کہ عذر نہ ہونے کے وقت یہ (جلسہ خفیفہ) سنت ہے یا مستحب ہے۔ پس جس کو عذر نہ ہو اس کے لئے یہ جلسہ خفیفہ مکروہ تنزیہی ہے۔ ''البحر'' میں اس کی اتباع کی ہے۔ اور فقہاء کا قول لا باس (کوئی حرج نہیں) اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کیونکہ لا باس وہاں استعمال ہوتا ہے جس کا ترک اولیٰ ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ اس کے منافی نہیں جو الشارح نے واجبات میں پہلے بیان کیا ہے جہاں انہوں نے واجبات میں سے دوسری اور چوتھی رکعت سے پہلے بیٹھنے کو ترک کرنے کا ذکر کیا ہے۔ لیکن یہ طویل بیٹھنے پر محمول ہے۔ اسی وجہ سے یہاں جلسہ کو خفیفہ کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔ تامل۔

4328۔ (قولہ: فِيمَا مَرَّ) یعنی ارکان، واجبات اور سنن میں جو گزر چکا ہے۔ ''بحر''۔

بِثَنَاءٍ وَ تَعَوُّذٍ فِيهَا) إِذْ لَمْ يُشْرَعَا إِلَّا مَرَّةً (وَلَا يُسَنُّ) مُؤَكَّدًا (رَفْعُ يَدَيْهِ إِلَّا فِي) سَبْعَةِ مَوَاطِنَ كَمَا وَرَدَ، بِنَاءً عَلَى أَنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ وَاحِدٌ نَظَرًا لِلسَّعْيِ ثَلَاثَةٍ فِي الصَّلَاةِ (تَكْبِيرَةِ افْتِتَاحٍ وَقُنُوتٍ وَعِيدٍ،

ثنا اور تعوذ نہیں پڑھے گا۔ کیونکہ یہ دونوں مشروع نہیں مگر ایک مرتبہ۔ سوائے سات مواقع کے اپنے ہاتھوں کو بلند کرنا سنت مؤکدہ نہیں ہے جیسا کہ وارد ہے۔ اس بنا پر کہ سعی کو دیکھتے ہوئے صفا ومروہ کو ایک مقام تصور کیا جائے۔ تین مواقع نماز میں ہیں: تکبیر تحریمہ، تکبیر قنوت اور تکبیر عید کے وقت۔

وہ سات مقامات جہاں ہاتھوں کو بلند کرنا سنت ہے

4329۔ (قولہ: وَلَا يُسَنُّ مُؤَكَّدًا) اس کے ساتھ مقید کیا ہے تا کہ دعا میں اور استسقا میں ہاتھ اٹھانے کے حوالے سے اعتراض وارد نہ ہو۔ کیونکہ آگے آئے گا کہ یہ مستحب ہے۔

4330۔ (قولہ: إِلَّا فِي سَبْعٍ) یہ اس طرف اشارہ ہے کہ انتقالات کی تکبیرات کے وقت ہاتھ نہ اٹھائے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ اس کے خلاف ہے۔ پس ہمارے نزدیک رفع یدین مکروہ ہے اور اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی مگر اس روایت میں جو مکحول نے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے۔ ''الفتح'' اور ''شرح المنیہ'' میں اس مسئلہ کی وضاحت ہے۔

4331۔ (قولہ: بِنَاءً عَلَى أَنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ وَاحِدًا الخ) یہ مصنف کے کلام اور (مقولہ 4333 میں) آنے والی نظم کے درمیان...... جہاں انہوں نے ان مواقع کو آٹھ شمار کیا ہے...... اور اس کے درمیان تطبیق دینے کے لئے ذکر کیا ہے جو حدیث میں وارد ہے کہ مواقع کو سات شمار کیے گئے ہیں۔ کہ وارد ہونے والی حدیث میں صفا ومروہ کے درمیان، سعی کی طرف دیکھا گیا ہے جو صفا ومروہ کو متضمن ہے، پس اس میں دونوں کو ایک شمار کیا گیا ہے۔ مصنف اور ناظم نے اس اعتبار سے دیکھا کہ یہ دو مواقع ہیں۔ پس یہ آٹھ ہو گئے۔ اور وارد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ ہاتھ بلند نہ کئے جائیں مگر سات مواقع پر: تکبیر تحریمہ، تکبیر قنوت اور تکبیرات عیدین اور چار مواقع کا ذکر حج میں کیا ہے۔ اسی طرح ''الہدایہ'' میں ہے۔ اور وہ چار یہ ہیں: استلام حجر کے وقت، صفا ومروہ کے پاس، اور عرفات ومزدلفہ میں ٹھہرنے کے وقت اور جمرہ اولیٰ اور جمرہ وسطیٰ کے پاس۔

اسی طرح ''الکفایہ'' میں ہے۔ ''فتح القدیر'' میں فرمایا: اس لفظ کے ساتھ حدیث غریب ہے۔ ''الطبرانی'' نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے واسطہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ ہاتھ بلند نہیں کئے جائیں گے مگر سات مواقع میں: جب نماز کا آغاز کرے (1)، جب مسجد حرام میں داخل ہو اور بیت اللہ کو دیکھے، جب صفا پر کھڑا ہو اور جب مروہ پر کھڑا ہو جب لوگوں کے ساتھ عرفات میں سورج ڈھلنے کے بعد ٹھہرے اور مزدلفہ میں ٹھہرنے کے وقت، دو مقامات جمرات کے پاس۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الحج، باب اذا رمی الجمرتین، جلد 1، صفحہ 747، حدیث نمبر 1633

سنن ابن ماجہ، کتاب الحج، باب اذا رمی جمرۃ العقبۃ لم یقف عندھا، جلد 2، صفحہ 297، حدیث نمبر 3022

معجم الکبیر للطبرانی، مقسم عن ابن عباس، جلد 11، صفحہ 385، حدیث نمبر 12072

وَ خَمْسَةٌ فِي الْحَجِّ (اسْتِلَامِ الْحَجَرِ وَ الصَّفَا، وَ الْمَرْوَةِ، وَ عَرَفَاتٍ، وَ الْجَمَرَاتِ) وَيَجْمَعُهَا عَلَى هَذَا التَّرْتِيبِ بِالنَّثْرِ فَقْعَسْ صَمْعَجْ وَبِالنَّظْمِ لِابْنِ الْفَصِيحِ

فَتْحٌ قُنُوتٌ عِيدٌ اسْتَلَمَ الصَّفَا   مَعَ مَرْوَةٍ عَرَفَاتٌ الْجَمَرَاتُ

(وَالرَّفْعُ بِحِذَاءِ أُذُنَيْهِ) كَالتَّحْرِيمَةِ (فِي الثَّلَاثَةِ الْأُوَلِ، وَ أَمَّا (فِي الِاسْتِلَامِ) وَالرَّمْيِ (عِنْدَ الْجَمْرَتَيْنِ) الْأُولَى وَالْوُسْطَى فَإِنَّهُ (يَرْفَعُ حِذَاءَ مَنْكِبَيْهِ وَيَجْعَلُ بَاطِنَهُمَا نَحْوَ الْحَجَرِ وَ (الْكَعْبَةِ، وَ أَمَّا (عِنْدَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَعَرَفَاتٍ)

اور پانچ مواقع حج میں ہیں: حجر اسود کو استلام کرتے وقت، صفا و مروہ پر، عرفات میں اور جمرات کے وقت۔ نثر میں اس ترتیب پر ان مواقع کو فقعس صمعج جمع کرتا ہے اور ''ابن الفصیح'' کی نظم میں اس طرح جمع ہے۔ افتتاح، قنوت، عید، صفا و مروہ، استلام حجر اسود، عرفات میں اور جمرات کے پاس۔ اور پہلے تین میں اپنے کانوں کے برابر ہاتھ بلند کرے جس طرح تکبیر تحریمہ میں کرتا ہے۔ اور رہا استلام اور جمرہ اولیٰ اور وسطیٰ پھر رمی کرتے وقت تو اپنے کندھوں کے برابر اپنے ہاتھوں کو بلند کرے۔ اور ہاتھوں کا باطن حجر اسود اور کعبہ کی طرف کرے۔ اور صفا و مروہ اور عرفات میں

اور تجھ پر مخفی نہیں کہ جو وارد ہے اس کی تفسیر اس کے ساتھ جو ''الہدایہ'' میں ہے وہ شارح کے کلام کے موافق ہے بخلاف اس کے جو ''الفتح'' میں ہے۔ کیونکہ اس میں صفا و مروہ کو ایک موقع شمار کیا گیا ہے بلکہ اس میں قنوت اور عید کا ذکر نہیں ہے۔ فافہم۔

4332۔ (قولہ: وَ خَمْسَةٌ فِي الْحَجِّ) یعنی المصنف اور الناظم کے شمار کی بنا پر۔ رہا اس بنا پر جو ''الہدایہ'' میں مذکور حدیث میں ہے۔ یہ چار ہیں۔ فافہم۔

4333۔ (قولہ: وَبِالنَّظْمِ) یعنی بحر الکامل سے۔ اس میں حروف فقعس صمعج کی ترتیب پر یہ مواقع ذکر کیے گئے ہیں۔

اور بعض نے کہا:

تکبیر تحریمہ کہتے وقت، دعائے قنوت کے وقت، عیدین کی تکبیروں کے وقت اپنے ہاتھ بلند کرو، اور عرفات و مزدلفہ میں، اور جمرہ اولیٰ اور وسطیٰ کے پاس اور استلام حجر کے وقت اور اسی طرح صفا و مروہ میں۔

4334۔ (قولہ: كَالتَّحْرِيمَةِ) بہتر اس لفظ کا ساقط کرنا ہے کیونکہ یہ ان تینوں میں سے ہے اس میں کسی چیز کو اس کے بعض سے تشبیہ دینا ہے۔

4335۔ (قولہ: الْأُولَى وَالْوُسْطَى) رہا آخری جمرہ تو اس کے بعد دعا نہیں مانگے گا۔ کیونکہ دعا ہر اس رمی کے بعد ہوتی ہے جس کے بعد رمی ہو۔ اسی وجہ سے دسویں ذی الحجہ کو رمی کے بعد دعا نہیں کرتا۔

4336۔ (قولہ: نَحْوَ الْحَجَرِ) یہ استلام کی طرف راجع ہے اور والکعبہ کا قول رمی کی طرف راجع ہے۔ ایک روایت

فَ (يَرْفَعُهُمَا كَالدُّعَاءِ) وَالرَّفْعُ فِيهِ، وَفِي الِاسْتِسْقَاءِ مُسْتَحَبٌّ (فَيَبْسُطُ يَدَيْهِ) حِذَاءَ صَدْرِهِ (نَحْوَ السَّمَاءِ) لِأَنَّهَا قِبْلَةُ الدُّعَاءِ وَيَكُونُ بَيْنَهُمَا فُرْجَةٌ وَالْإِشَارَةُ بِمُسَبِّحَتِهِ لِعُذْرٍ كَبَرْدٍ يَكْفِي وَالْمَسْحُ بَعْدَهُ عَلَى وَجْهِهِ سُنَّةٌ فِي الْأَصَحِّ شُرُنْبُلَالِيَّةٌ

ہاتھوں کو دعا کی طرح بلند کرے۔ دعا میں اور بارش طلب کرتے وقت ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔ اور اپنے ہاتھوں کو اپنے سینے کے برابر آسمان کی طرف پھیلائے۔ کیونکہ آسمان دعا کا قبلہ ہے۔ اور ہاتھوں کے درمیان فاصلہ رکھے اور عذر کی وجہ سے جیسے سردی اپنی مسبحہ انگلی سے اشارہ کرنا کافی ہے۔ اور دعا کے بعد ہاتھوں سے چہرہ کو مسح کرنا سنت ہے۔ اصح قول میں ''شرنبلالیہ''۔

میں ہے: رمی میں آسمان کی طرف ہاتھ بلند کرے۔

4337۔ (قولہ: كَالدُّعَاءِ) یعنی مطلق دعا کے لئے تمام جگہوں اور زمانوں میں وارد سنت کے مطابق ہاتھوں کو بلند کرے۔ اسی سے استسقا میں ہاتھوں کو بلند کرنا ہے۔ اور یہ مستحب ہے جیسا کہ ''القنیہ'' میں اس پر جزم کیا ہے۔ ''خزائن''۔

4338۔ (قولہ: فَيَبْسُطُ يَدَيْهِ حِذَاءَ صَدْرِهِ) اسی طرح حضرت ابن عباس کے حوالہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل مروی ہے۔ یہ ''قنیہ'' نے ''تفسیر السمان'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

یہ اس کے منافی نہیں جو امام ''ابوالقاسم السمر قندی'' کی ''المستخلص'' میں ہے کہ ''دعا کے آداب میں سے ہے کہ وہ قبلہ رخ کھڑے ہو کر دعا مانگے اور اپنے ہاتھوں کو اتنا بلند کرے کہ اس کے بغلوں کی سفیدی نظر آئے''۔ کیونکہ اس کو مبالغہ اور جہد اور زیادہ اہتمام کی حالت پر محمول کرنا ممکن ہے جیسا کہ استسقا میں ہے۔ کیونکہ نفع کا لوٹنا عام لوگوں کی طرف ہے۔ اور یہ استسقا کے علاوہ پر ہے۔ اسی وجہ سے الصحیحین کی حدیث میں فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی دعا میں ہاتھوں کو (اتنا) بلند نہیں کرتے تھے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آتی تھی (1)۔ یعنی پورے بلند نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح ''شرح المنیہ'' میں ہے۔ اور اس کی مثل ''شرح الشرعہ'' میں ہے۔

4339۔ (قولہ: لِأَنَّهَا قِبْلَةُ الدُّعَاءِ) یعنی جس طرح نماز کے لئے قبلہ ہے۔ پس یہ گمان نہیں کیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات جہت علو میں ہے۔ ''طحطاوی''۔

4340۔ (قولہ: وَيَكُونُ بَيْنَهُمَا فُرْجَةٌ) یعنی اگرچہ تھوڑا سا ہو۔ ''قنیہ''۔

4341۔ (قولہ: الدُّعَاءُ أَرْبَعَةٌ الخ) یہ ''محمد بن الحنیفہ'' سے مروی ہے جیسا کہ اس کو ''البحر'' میں ''النہایہ'' کے حوالہ سے ان کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور اسی طرح ''شرح المنیہ'' میں ''المبسوط'' کے حوالہ سے ہے۔

4342۔ (قولہ: دُعَاءُ رَغْبَةٍ) جیسے جنت کا طلب کرنا۔ پس اس میں اس طرح کرے جیسا گزر چکا ہے یعنی اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف پھیلائے۔ ''حلبی''۔

1۔ صحیح بخاری، ابواب الاستسقاء، باب رفع الامام یدہ فی الاستسقاء، جلد 1، صفحہ 468، حدیث نمبر 973

صحیح مسلم، کتاب صلاۃ الاستسقاء، باب رفع الیدین بالدعاء فی الاستسقاء، جلد 1، صفحہ 842، حدیث نمبر 1541

وَفِي وِتْرِ الْبَحْرِ الدُّعَاءُ أَرْبَعَةٌ دُعَاءُ رَغْبَةٍ يُفْعَلُ كَمَا مَرَّ وَدُعَاءُ رَهْبَةٍ يَجْعَلُ كَفَّيْهِ لِوَجْهِهِ كَالْمُسْتَغِيثِ مِنَ الشَّيْءِ وَدُعَاءُ تَضَرُّعٍ يَعْقِدُ الْخِنْصَرَ وَالْبِنْصِرَ وَيُحَلِّقُ وَيُشِيرُ بِمُسَبِّحَتِهِ وَدُعَاءُ الْخُفْيَةِ مَا يَفْعَلُهُ فِي نَفْسِهِ (وَبَعْدَ فَرَاغِهِ مِنْ سَجْدَتَيِ الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ يَفْتَرِشُ) الرَّجُلُ (رِجْلَهُ الْيُسْرَى) فَيَجْعَلُهَا بَيْنَ أَلْيَتَيْهِ (وَيَجْلِسُ عَلَيْهَا وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنَى وَيُوَجِّهُ أَصَابِعَهُ) فِي الْمَنْصُوبَةِ

اور ''البحر'' کے باب الوتر میں ہے کہ دعا چار قسم کی ہوتی ہے۔ دعا رغبت اس میں اسی طرح کیا جائے گا جس طرح گزر چکا ہے۔ دعا رہبت اس میں اپنی ہتھیلیوں کو اپنے چہرے کی طرف کرے کسی چیز سے مدد طلب کرنے والے کی طرح۔ اور دعا تضرع اس میں اپنی چھوٹی انگلی اور ساتھ والی انگلی کو بند کردے اور حلقہ بنائے اور مسبحہ انگلی سے اشارہ کرے۔ دعا خفیہ، جو دعا دل میں مانگی جاتی ہے۔ دوسری رکعت کے سجدوں سے فارغ ہونے کے بعد مرد اپنا بایاں پاؤں بچھادے اور اسے اپنی سرین کے درمیان رکھے اور اس کے اوپر بیٹھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کرے اور اس کی انگلیوں کو کھڑے ہونے کی حالت میں قبلہ کی طرف متوجہ کرے۔

4343_(قولہ: وَدُعَاءُ رَهْبَةٍ) جیسے دوزخ سے نجات طلب کرنا۔ ''حلبی''۔

4344_(قولہ: يَجْعَلُ كَفَّيْهِ لِوَجْهِهِ) ''البحر'' میں ہے: يجعل ظهر كفيه لوجهه۔ اور اس کی مثل ''شرح المنیہ'' میں ہے۔ پس ظهر کا کلمہ الشارح کے قلم سے ساقط ہو گیا ہے اس کا بھی یہی معنی ہے جو شوافع نے ذکر کیا ہے کہ ہر دعا مانگنے والے کے لئے اپنے ہاتھوں کے باطن کو آسمان کی طرف بلند کرنا سنت ہے اگر کسی چیز کی تحصیل کی دعا کرے۔ اور ہاتھوں کی پیٹھ کو آسمان کی طرف بلند کرے اگر کسی چیز کے اٹھانے کی دعا مانگے۔

4345_(قولہ: وَدُعَاءُ تَضَرُّعٍ) یعنی جنت کی طلب اور دوزخ کے خوف کے بغیر صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خشوع و خضوع کا اظہار کرنا۔ جیسے اے میرے معبود میں تیرا فقیر مسکین حقیر بندہ ہوں۔ ''حلبی''۔

4346_(قولہ: وَيُحَلِّقُ) یعنی انگوٹھے اور درمیانی انگلی کے ساتھ حلقہ بنائے۔

4347_(قولہ: مَا يَفْعَلُهُ فِي نَفْسِهِ) ''شرح المنیہ'' میں فرمایا: یعنی اس میں ہاتھوں کو بلند کرنا نہیں ہے کیونکہ ہاتھ اٹھانے میں اعلان ہے۔

4348_(قولہ: بَيْنَ أَلْيَتَيْهِ) اظہر یہ ہے کہ سرین کے نیچے۔

4349_(قولہ: فِي الْمَنْصُوبَةِ) یعنی کھڑے کئے گئے پاؤں میں تمام موجود انگلیاں۔ ''السراج'' میں فرمایا: یعنی دایاں پاؤں کیونکہ قبلہ کی طرف متوجہ کرنا ممکن ہے۔ وہی اولیٰ ہے۔

تصریح فرمائی ''المفتاح''، ''الخلاصہ'' اور ''الخزانہ'' میں کہ مراد دایاں پاؤں ہے۔ پس ''الدرر'' میں رجلیہ تثنیہ کے ساتھ ہے۔ اس میں اشکال ہے کیونکہ بایاں پاؤں جس کو پھیلایا گیا ہے اس کی انگلیوں کو قبلہ کی طرف متوجہ کرنا زائد تکلف ہے جیسا کہ ''الشیخ اسماعیل'' کی شرح میں ہے لیکن ''القہستانی'' نے اس کی مثل نقل کیا ہے جو ''الدرر'' میں ''الکافی'' اور ''التحفہ'' کے

(نَحْوَ الْقِبْلَةِ) هُوَ السُّنَّةُ فِي الْفَرْضِ وَالنَّفْلِ (وَيَضَعُ يُمْنَاهُ عَلَى فَخِذِهِ الْيُمْنَى وَيُسْرَاهُ عَلَى الْيُسْرَى، وَيَبْسُطُ أَصَابِعَهُ) مُفَرَّجَةً قَلِيلًا (جَاعِلًا أَطْرَافَهَا عِنْدَ رُكْبَتَيْهِ) وَلَا يَأْخُذُ الرُّكْبَةَ هُوَ الْأَصَحُّ لِتَتَوَجَّهَ لِلْقِبْلَةِ (وَلَا يُشِيرُ بِسَبَّابَتِهِ عِنْدَ الشَّهَادَةِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى) كَمَا فِي الْوَلْوَالِجِيَّةِ وَالتَّجْنِيسِ وَعُمْدَةِ الْمُفْتِي وَعَامَّةِ الْفَتَاوَى، لَكِنَّ الْمُعْتَمَدَ مَا صَحَّحَهُ الشُّرَّاحُ وَلَا سِيَّمَا الْمُتَأَخِّرُونَ كَالْكَمَالِ وَالْحَلَبِيِّ وَالْبَهْنَسِيِّ وَالْبَاقَانِيِّ وَشَيْخِ الْإِسْلَامِ الْجَدِّ وَغَيْرِهِمْ أَنَّهُ يُشِيرُ لِفِعْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، وَنَسَبُوهُ لِمُحَمَّدٍ وَالْإِمَامِ

یہ فرض اور نفل میں سنت ہے۔ اور اپنے دائیں ہاتھ کو اپنی دائیں ران پر اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھے اور اپنی انگلیوں کو تھوڑا پھیلا کر رکھے اس کی اطراف کو گھٹنے کے پاس رکھے۔ یہی اصح ہے تا کہ وہ قبلہ کی طرف متوجہ ہوں۔ اور اپنی سبابہ انگلی کے ساتھ شہادت کے وقت اشارہ نہ کرے اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ ''الولوالجیہ''، ''التجنیس''، ''عمدۃ المفتی'' اور ''فتاوی عامہ'' میں ہے۔ لیکن معتمد وہ ہے جس کی شراح نے تصحیح کی ہے خصوصاً متاخرین علما جیسے الکمال، ''الحلبی''، البہنسی، الباقانی اور شیخ الاسلام (علامہ حصکفی) کے دادا وغیرہم کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی وجہ سے اشارہ کرے''۔ اور ان فقہا نے اس قول کو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا ہے

حوالہ سے ہے۔ پھر فرمایا: اپنے بائیں پاؤں کو دائیں پاؤں کی طرف متوجہ کرے اور بقدر استطاعت قبلہ کی طرف اس کی انگلیوں کو متوجہ کرے۔ ''تامل''۔

4350۔ (قولہ: هُوَ السُّنَّةُ) اگر چوکڑی مار کر یا سرین کے بل بیٹھے گا تو سنت کی مخالفت کرے گا۔ ''طحطاوی''۔

4351۔ (قولہ: فِي الْفَرْضِ وَالنَّفْلِ) یہی معتمد ہے۔ بعض علما نے فرمایا: نفل میں جیسے چاہے بیٹھے جیسے مریض۔

4352۔ (قولہ: وَلَا يَأْخُذُ الرُّكْبَةَ) یعنی جس طرح رکوع میں گھٹنے کو پکڑتا ہے قعدہ میں گھٹنے کو نہ پکڑے۔ کیونکہ اس طرح انگلیاں زمین کی طرف متوجہ ہوں گی۔ ''طحاوی'' کا قول اس کے خلاف ہے۔ نفی افضلیت کے لئے ہے عدم جواز کے لئے نہیں جیسا کہ ''البحر'' میں فائدہ ذکر کیا ہے۔

4353۔ (قولہ: متورکۃ) عورت اپنے بائیں پاؤں کو دائیں جانب سے باہر نکالے اور اس کے اوپر نہ بیٹھے بلکہ زمین پر بیٹھے۔

نوٹ: یہ قول متن میں نہیں ہے۔

4354۔ (قولہ: وَنَسَبُوهُ لِمُحَمَّدٍ وَالْإِمَامِ) اور اسی طرح ''الامالی'' میں امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے اس کو نقل کیا ہے جیسا کہ (آئندہ مقولہ میں) آئے گا۔ پس یہ ہمارے آئمہ ثلاثہ سے منقول ہے۔

بَلْ فِي مَتْنِ دُرَرِ الْبِحَارِ وَ شَرْحِهِ غُرَرِ الْأَذْكَارِ
بلکہ ''دررالبحار'' کے متن اوراس کی شرح ''غررالاذکار'' میں ہے

تشہد کے وقت انگلیوں کو بند کرنے اور رفع سبابہ کے احکام

4355۔(قولہ: بَلْ فِي مَتْنِ دُرَرِ الْبِحَارِ وَشَرْحِهِ) یہ اضراب انتقالی ہے۔ کیونکہ اس نقل کی تصریح یہ ہے کہ شراح نے جس کو صحیح کہا ہے وہ مفتی بہ ہے۔ لیکن صحیح باسطاً اصابعه كلها کے قول کو ساقط کرنا ہے۔ کیونکہ یہ اس کے مخالف ہے جو میں نے ''دررالبحار'' اوراس کی شرح میں دیکھا ہے۔ ''دررالبحار'' کی عبارت کی نص یہ ہے: توترپن (53) کی علامت نہ بنا۔ اور نہ ہم اشارہ کریں گے اور فتویٰ اس کے خلاف ہے۔ اوراس کی شرح ''غررالاذکار'' کی عبارت اس طرح ہے کہ ''اے فقیہ تو ترپن (53) کی گرہ مت بنا جیسا کہ امام ''احمد'' نے امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کی موافقت میں ایک قول میں بنائی ہے۔ اور ہم دائیں ہاتھ کی سبابہ انگلی سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتے وقت اشارہ نہیں کریں گے بلکہ انگلیوں کو پھیلائے رکھیں گے۔ اور فتویٰ...... یعنی ہمارے نزدیک مفتی بہ اس کے خلاف ہے یعنی اشارہ نہ ہونے کے خلاف ہے اور وہ ترپن (53) کی عقد کی کیفیت پر ہے جیسا کہ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد نے فرمایا ہے''۔ اور ''المحیط'' میں ہے کہ یہ سنت ہے۔ نفی کے وقت انگلی کو اٹھائے اور اثبات کے وقت نیچے رکھے۔ یہی امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ آثار اور اخبار اس کے متعلق کثیر ہیں اور اس پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔

یہ اس میں صریح ہے کہ مفتی بہ مذکورہ کیفیت پر انگلیوں کو بند کرنے کے ساتھ مسبحہ انگلی کے ساتھ اشارہ کرنا ہے۔ انگلیوں کو پھیلانا نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک انگلیوں کو پھیلانے کے ساتھ اشارہ نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ''منية المصلي'' میں فرمایا: اگر اشارہ کرے تو خنصر اور بنصر (چھوٹی انگلی اور اس کے ساتھ والی) کو بند کر دے درمیانی انگلی اور انگوٹھے کے ساتھ حلقہ بنائے اور سبابہ انگلی کو کھڑا کرے۔ اور اس کی ''شرح الصغیر'' میں فرمایا: کیا ہمارے نزدیک شہادت کے وقت اشارہ کرے؟ اس میں اختلاف ہے۔ ''الخلاصہ'' اور ''البزازیہ'' میں اس کی تصحیح کی ہے کہ اشارہ نہ کرے۔ ''شرح الہدایۃ'' میں اس کی تصحیح ہے کہ اشارہ کرے۔ اور اسی طرح ''الملتقط'' وغیرہ میں ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ شہادت کے وقت دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور درمیانی انگلی کے ساتھ حلقہ بنائے چھوٹی انگلی اور ساتھ والی انگلی کو بند کر دے اور مسبحہ انگلی کے ساتھ اشارہ کرے یا ترپن (53) کا نشان بنائے اس طرح کہ درمیانی، بنصر اور خنصر انگلی کو بلند کرے اور اپنے انگوٹھے کا سر درمیانی انگلی کے درمیان جوڑ کر کنارے پر رکھے نفی کے وقت انگلی کو اٹھائے اور اثبات کے وقت انگلی کو رکھے۔

اور ''الشرح الکبیر'' میں فرمایا: اشارہ کے وقت انگلیوں کو بند کرنا۔ یہی اشارہ کی کیفیت میں امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ اسی طرح ''الامالی'' میں امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ اور یہ اشارہ کی تصحیح کی فرع ہے۔ اور اکثر مشائخ سے مروی ہے کہ بالکل اشارہ نہ کرے اور یہ درایت اور روایت کے خلاف ہے۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اشارہ کی کیفیت سے جو انہوں نے ذکر کیا ہے وہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور اس کی مثل ''فتح القدیر'' میں ہے۔

الْمُفْتَى بِهِ عِنْدَنَا أَنَّهُ يُشِيرُ بَاسِطًا أَصَابِعَهُ كُلَّهَا، وَفِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ عَنْ الْبُرْهَانِ الصَّحِيحُ أَنَّهُ يُشِيرُ بِمُسَبِّحَتِهِ وَحْدَهَا، يَرْفَعُهَا عِنْدَ النَّفْيِ وَيَضَعُهَا عِنْدَ الْإِثْبَاتِ وَاحْتَرَزْنَا بِالصَّحِيحِ

کہ ہمارے نزدیک مفتی بہ قول یہ ہے کہ وہ اپنی تمام انگلیوں کو پھیلائے ہوئے اشارہ کرے۔ اور ''البرہان'' کے حوالہ سے ''الشرنبلالیہ'' میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ وہ اپنی صرف مسبحہ انگلی سے اشارہ کرے۔ نفی کے وقت اسے اٹھائے اور اثبات کے وقت اسے رکھے۔ اور ہم نے صحیح کے لفظ سے

''القہستانی'' میں ہے: ہمارے تمام اصحاب سے مروی ہے کہ یہ سنت ہے۔ پس وہ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور درمیانی انگلی سے حلقہ بنائے دونوں کے سروں کو ملاتے ہوئے اور سبابہ انگلی سے اشارہ کرے۔

یہ تمام نقول صریح ہیں کہ اشارہ مسنونہ خاص کیفیت پر ہے۔ اور یہ عقد یا حلقہ بنانا ہے۔ رہی انگلیوں کو پھیلانے کی روایت تو اس میں بالکل اشارہ نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ''الفتح'' اور ''شرح المنیہ'' میں فرمایا: یہ جو کیفیت مذکور ہے یہ اشارہ کی تصحیح کی فرع ہے یعنی اشارہ کرنے کی روایت کی تصحیح پر مفرع ہے اور ہمارا بغیر حلقہ کے اشارہ کرنے کا کوئی قول نہیں ہے۔ اسی وجہ سے کتب عامہ میں اس کیفیت کے ساتھ اشارہ کی تفسیر بیان کی گئی ہے جیسے ''بدائع''، ''النہایہ''، ''معراج الدرایہ''، ''الذخیرہ''، ''الظہیریہ''، ''فتح القدیر''، ''المنیہ'' کی دونوں شروح، ''القہستانی''، ''الحلبہ''، ''النہر''، ''البہنسی'' کی ''شرح الملتقی'' جبکہ اس کو ''شرح النقایہ'' اور ''درر البحار'' وغیرہ کی دونوں شروح کی طرف منسوب کیا ہے جیسا کہ ان کی عبارات کو میں نے اپنے رسالہ میں ذکر کیا ہے جس کا نام میں نے ''رفع التردد فی عقد الاصابع عند التشهد'' رکھا ہے۔ اور اس میں میں نے تحریر کیا ہے کہ دو قولوں کے سوئی ہمارا کوئی قول نہیں ہے۔ پہلا جو مذہب میں مشہور ہے بغیر اشارہ کے انگلیوں کو پھیلائے رکھنا۔ دوسرا شہادت کے کہنے تک انگلیوں کو پھیلائے رکھنا پھر شہادت کے وقت انگلیوں کو بلند کرے اور نفی کے وقت سبابہ کو اٹھائے اور اثبات کے وقت اس کو رکھے۔ متاخرین علماء نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ کیونکہ احادیث صحیحہ کے ذریعے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ثبوت ہے اور ہمارے ائمہ ثلاثہ سے اس کی نقل صحیح ہے۔ اسی وجہ سے ''الفتح'' میں فرمایا: پہلا قول درایت و روایت کے مخالف ہے۔ رہا وہ عمل جو ہمارے زمانہ میں عام لوگ کرتے ہیں کہ انگلیوں کو بند کئے بغیر انگلیوں کو پھیلائے ہوئے اشارہ کرتے ہیں میں نے کسی عالم کی عبارت ایسی نہیں دیکھی سوائے شارح کے جو انہوں نے ''شرنبلالی'' کی تبع میں ''البرہان'' کے حوالہ سے لکھا ہے۔ ''البرہان'' کتاب علامہ ''ابراہیم الطرابلسی'' کی ہے جو ''الاسعاف'' کے مصنف ہیں اور دسویں صدی کے لوگوں میں سے ہیں۔ جب ان کا کلام متقدمین و متاخرین جمہور شارحین کے کلام کے مخالف ہے تو عمل اس پر ہونا چاہئے جس پر جمہور علماء کا نظریہ ہے نہ کہ اس پر جو جمہور عوام کا نظریہ ہے۔ پس تو اپنے آپ کو تقلید کی تاریکی اور اوھام کی حیرت سے نکال اور اس مقام میں تحقیق کے چراغ سے روشنی حاصل کر کیونکہ یہ الملک العلام کا عطیہ ہے۔

4356۔ (قولہ: بِمُسَبِّحَتِهِ وَحْدَهَا) دونوں مسبحہ انگلیوں سے اشارہ کرنا مکروہ ہے جیسا کہ ''الفتح'' وغیرہ میں ہے۔

عَمَّا قِيلَ لَا يُشِيرُ لِأَنَّهُ خِلَافُ الدِّرَايَةِ وَالرِّوَايَةِ وَبِقَوْلِنَا بِالْمُسَبِّحَةِ عَمَّا قِيلَ يَعْقِدُ عِنْدَ الْإِشَارَةِ اهـ وَفِي الْعَيْنِيِّ عَنْ التُّحْفَةِ الْأَصَحُّ أَنَّهَا مُسْتَحَبَّةٌ وَفِي الْمُحِيطِ سُنَّةٌ (وَيَقْرَأُ تَشَهُّدَ ابْنِ مَسْعُودٍ) وُجُوبًا كَمَا بَحَثَهُ فِي الْبَحْرِ، لَكِنَّ كَلَامَ غَيْرِهِ يُفِيدُ نَدْبَهُ وَجَزَمَ شَيْخُ الْإِسْلَامِ الْجَدُّ بِأَنَّ الْخِلَافَ فِي الْأَفْضَلِيَّةِ وَنَحْوِهِ فِي مَجْمَعِ الْأَنْهُرِ

اس قول سے احتراز کیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ وہ اشارہ نہ کرے۔ کیونکہ یہ قول درایت وروایت کے مخالف ہے۔ اور بالمسبحہ کے قول سے اس قول سے احتراز کیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ وہ اشارہ کے وقت انگلیوں کو بند کرے۔ اور ''العینی'' میں ''التحفہ'' کے حوالہ سے ہے کہ اصح یہ ہے کہ اشارہ کرنا مستحب ہے اور ''المحیط'' میں ہے کہ یہ سنت ہے۔ اور وجوباً ''ابن مسعودؓ'' کا تشہد پڑھے جیسا کہ ''البحر'' میں اس کی بحث کی ہے۔ لیکن دوسرے علما کا کلام اس کے مستحب ہونے کو مفید ہے۔ ''شیخ الاسلام'' دادا (علامہ ''حصفکی'') نے جزم کیا ہے کہ اختلاف افضلیت میں ہے۔ اور اسی طرح ''مجمع الانہر'' میں ہے۔

4357۔(قولہ: وَبِقَوْلِنَا) یہ احتراز تب صحیح ہے اگر عقد کا قائل یہ کہے کہ وہ مسبحہ کے ساتھ اشارہ نہ کرے۔ اور یہ واقع کے خلاف ہے جیسا کہ اس کا قول صریح ہے کہ اشارہ کے وقت انگلیوں کو بلند کرے۔ اور ''البرہان'' کے کلام سے دونوں قولوں سے علیحدہ غلط قول حاصل ہوتا ہے اور وہ بغیر عقد کے انگلیوں کو کھلا رکھ کر اشارہ کرنا ہے۔ جبکہ تو جان چکا ہے کہ یہ کتب مذہب میں منقول کے خلاف ہے اور جو الشارح نے ''درر البحار'' اور اس کی شرح کے حوالہ سے نقل کیا ہے وہ واقع کے خلاف ہے۔ شاید یہ غریب قول ہے میں نے کوئی عالم نہیں دیکھا جس نے ایسا کہا ہو۔ پھر ''البرہان'' میں اس کی اتباع کی ہے اور عام شہروں میں اس پر عوام الناس عمل پیرا ہیں۔ رہا کتب مذہب میں منقول مشہور قول تو وہ وہ ہے جو تو سن چکا ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔

4358۔(قولہ: وَفِي الْمُحِيطِ سُنَّةٌ) اس طرح تطبیق ممکن ہے کہ یہ سنت غیر موکدہ ہے۔ ''طحطاوی''۔

تشہد ابن مسعود کا حکم

4359۔(قولہ: كَمَا بَحَثَهُ فِي الْبَحْرِ) جہاں انہوں نے فرمایا: بعض شارحین کے لئے واقع ہوا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''ابن مسعودؓ'' کے تشہد کو لینا اولیٰ ہے۔ پس یہ اس کو مفید ہے کہ اختلاف اولویت میں ہے اور ظاہر اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ فقہاء نے تشہد کو واجب قرار دیا ہے اور اس کو تشہد ''ابن مسعودؓ'' میں متعین کیا ہے پس یہ واجب تھا۔ اسی وجہ سے ''السراج'' میں فرمایا: تشہد میں ایک حرف کی زیادتی کرنا مکروہ ہے یا کسی حرف سے پہلے کسی سے آغاز کرنا مکروہ ہے۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر تشہد ''ابن مسعودؓ'' سے کمی کی یا اس میں زیادتی کی تو مکروہ ہوگا کیونکہ نماز کے اذکار محصور ہیں۔ پس ان پر اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ اور کراہت اطلاق کے وقت تحریم کے لئے ہوتی ہے۔

4360۔(قولہ: جَزَمَ الخ) اسی طرح ''النہر'' میں جزم کیا ہے۔ اور ''الخیر الرملی'' نے ''البحر'' کے حاشیہ میں فرمایا: میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ اختلاف اولویت میں ہے۔ اور فقہا کے قول: التشہد واجب کا معنی یہ ہے کہ تشہد اختلاف پر مروی

(وَيَقْصِدُ بِأَلْفَاظِ التَّشَهُّدِ) مَعَانِيَهَا مُرَادَةً لَهُ عَلَى وَجْهِ (الْإِنْشَاءِ) كَأَنَّهُ يُحَيِّي اللهَ تَعَالَى وَيُسَلِّمُ عَلَى نَبِيِّهِ وَعَلَى نَفْسِهِ وَأَوْلِيَائِهِ (لَا الْإِخْبَارَ) عَنْ ذَلِكَ ذَكَرَهُ فِي الْمُجْتَبَى وَظَاهِرُهُ أَنَّ ضَمِيرَ عَلَيْنَا لِلْحَاضِرِينَ لَا حِكَايَةُ سَلَامِ اللهِ تَعَالَى وَكَانَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ يَقُولُ فِيهِ إِنِّي رَسُولُ اللهِ

اور تشہد کے الفاظ سے انشا کے طور پر معانی کا قصد کرے گو یا وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تحیہ پیش کر رہا ہے اور اپنے نبی پر سلام عرض کر رہا ہے اور اپنے او پر اور اللہ کے اولیاء پر سلام بھیج رہا ہے نہ کہ اس سے اخبار کا ارادہ کرے۔ اس کو ''المجتبیٰ'' میں ذکر کیا ہے۔ اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ علینا کی ضمیر حاضرین کے لئے ہے اللہ تعالیٰ کے سلام کی حکایت نہیں اور نبی کریم ﷺ اس میں انی رسول اللہ کہتے تھے۔

ہے کوئی ایک متعین نہیں ہے۔ اور ہمارے قواعد بھی اس کا تقاضا کرتے ہیں۔ پھر میں نے ''النہر'' میں دیکھا وہ اس کے قریب ہے جو میں نے کہا ہے اور اس بنا پر سابقہ کراہت تنزیہی ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کی تائید کرتا ہے جو ''الحلبہ'' میں ہے جہاں انہوں نے تشہد کے الفاظ ذکر کئے ہیں جو ''ابن مسعود'' سے مروی ہیں۔ پھر فرمایا: جان لو کہ تشہد ان مذکورہ کلمات کے مجموعہ کا نام ہے۔ اور اسی طرح جو اس کی نظائر سے وارد ہیں۔ اس کو تشہد اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ دو شہادتوں پر مشتمل ہے۔

4361۔ (قولہ: لَا الْإِخْبَارَ عَنْ ذَلِكَ) یعنی اس کی حکایت اور اخبار کا قصد نہ کرے جو معراج میں نبی کریم ﷺ سے، اللہ تعالیٰ سے اور فرشتوں سے واقع ہوا تھا۔ مکمل قصہ تشہد کے الفاظ کی شرح کے ساتھ ''الامداد'' میں ہے۔ پس ادھر رجوع کرو۔

4362۔ (قولہ: لِلْحَاضِرِينَ) یعنی امام، مقتدی اور ملائکہ میں سے یہ ''النووی'' نے کہا ہے۔ ''السروجی'' نے اس کو مستحسن کہا ہے۔ ''نہر''۔

4363۔ (قولہ: لَا حِكَايَةَ سَلَامِ اللهِ تَعَالَى) درست ''لاحکایۃ سلام رسول اللہ'' ہے۔ ''طحطاوی''۔

4364۔ (قولہ: يَقُولُ فِيهِ إِنِّي رَسُولُ اللهِ) یہ ''الرافعی'' نے شوافع سے نقل کیا ہے۔ اور حافظ ''ابن حجر'' نے اپنی احادیث کی تخریج میں اس کا رد کیا ہے کہ اس کا کوئی اصل نہیں ہے بلکہ تشہد کے الفاظ نبی کریم ﷺ سے مروی ہیں کہ آپ ﷺ اشھد ان محمد رسول اللہ، وعبدہ و رسولہ کہتے تھے۔ ''طحطاوی عن الزرقانی''۔

''التحفہ'' میں فرمایا: ہاں اگر شارح کا ارادہ اذان کا تشہد ہے تو صحیح ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے سفر میں ایک مرتبہ اذان دی تھی اور یہی کہا تھا۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح ''بخاری'' میں ''سلمہ بن الاکوع'' کی حدیث سے ہے۔ فرمایا: لوگوں کا زادراہ کم ہو گیا۔ الحدیث۔ اس میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کہا اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد انی رسول اللہ (1) اور یہ نماز سے باہر تھا۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الشرکۃ، باب الشرکۃ فی الطعام والنہد والعروض، جلد 1 صفحہ 1049، حدیث نمبر 2304

(وَلَا يَزِيدُ) فِي الْفَرْضِ (عَلَى التَّشَهُّدِ فِي الْقَعْدَةِ الْأُولَى) إِجْمَاعًا (فَإِنْ زَادَ عَامِدًا كُرِهَ) فَتَجِبُ الْإِعَادَةُ (أَوْ سَاهِيًا وَجَبَ عَلَيْهِ سُجُودُ السَّهْوِ إِذَا قَالَ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ) فَقَطْ

فرائض میں قعدہ اولیٰ میں تشہد پر بالا جماع زیادتی نہیں کرے گا۔ اگر جان بوجھ کر زیادتی کرے گا تو مکروہ ہوگا اور اعادہ واجب ہوگا۔ اور اگر بھول کر زیادتی کرے گا تو مکروہ ہوگا اور اعادہ واجب ہوگا۔ اور اگر بھول کر زیادتی کرے گا تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا جب وہ صرف اللھم صل علی محمد کہے

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا تھا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر زادراہ میں برکت کا معجزہ ظاہر ہوا تھا۔

4365۔ (قولہ: وَلَا يَزِيدُ فِي الْفَرْضِ) یعنی فرض کے پہلا قعدہ میں تشہد سے زیادہ نہ پڑھے۔ اور اس میں بھی جو فرائض کے ساتھ ملحق ہیں جیسے وتر، سنت موکدہ۔ اگر صاحب ''البحر'' نے ان کا لحاظ کیا ہے تو نذر مانی ہوئی نماز اور توڑے گئے نفل کے حکم کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے۔

ظاہر یہ ہے کہ یہ دونوں نفل کے حکم میں ہیں کیونکہ ان دونوں میں وجوب عارض ہے۔ ''طحطاوی''۔

4366۔ (قولہ: إِجْمَاعًا) یہ ہمارے اصحاب اور امام ''مالک'' اور امام ''احمد'' کا قول ہے۔ اور امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحیح قول میں درود کا پڑھنا پہلے قعدہ میں مستحب ہے۔ جمہور کی دلیل وہ حدیث ہے جو امام ''احمد'' اور ''ابن خزیمہ'' نے ''ابن مسعودؓ'' سے روایت کی ہے: ''پھر اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے وسط میں ہوتے تو کھڑے ہو جاتے جب تشہد سے فارغ ہوتے'' (1)۔ ''امام الطحاوی'' نے فرمایا: جس نے تشہد پر زیادتی کی اس نے اجماع کی مخالفت کی ''بحر''۔ اور اس بنا پر شارح کی مراد یہ ہے کہ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ جس کی طرف گئے ہیں وہ اجماع کے مخالف ہے۔ فافہم۔

قعدہ اولیٰ میں تشہد پر زیادتی کی صورت میں سجدۂ سہو کا وجوب

4367۔ (قولہ: فَقَطْ) بعض علما نے فرمایا: اس وقت تک سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا جب تک وعلی آل محمد نہ کہے۔ یہ ''القاضی الامام'' نے ذکر کیا ہے۔ اور بعض علما نے فرمایا: اس وقت تک سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا جب تک رکن کی ادائیگی کی مقدار تاخیر نہ کرے۔ بعض علماء نے فرمایا: سجدہ سہو واجب ہو جائے گا اگر ایک حرف زائد کرے گا۔ ''البحر'' میں ان تمام اقوال کا رد کیا ہے اور ذکر کیا ہے کہ جو مصنف نے ذکر کیا ہے وہ یہاں مختار ہے جیسا کہ ''الخلاصہ'' میں اور اس کو ''الخانیہ'' میں پسند کیا ہے۔

''الزیلعی'' نے باب السہو میں تصریح کی ہے کہ یہی صحیح ہے۔ اور ''شرح المنیہ الکبیر'' میں ''حلبی'' کا کلام بھی اس کی ترجیح کا تقاضا کرتا ہے۔ لیکن ''شرح المنیہ الصغیر'' میں ذکر کیا ہے کہ جو ''القاضی الامام'' نے ذکر کیا ہے وہ اکثر علما کا نظریہ ہے اور وہ اصح ہے۔ ''الخیر الرملی'' نے فرمایا: تصحیح میں اختلاف ہے جیسا کہ تو نے ملاحظہ کیا اور جو ''القاضی الامام'' نے ذکر کیا ہے اس کو ترجیح ہونی چاہئے۔ ''تامل''

1۔ مجمع الزوائد، التشہد والجلوس والاشارۃ بالاصبع، جلد 2، صفحہ 337، حدیث نمبر 2860

(عَلَى الْمَذْهَبِ) الْمُفْتَى بِهِ لَا لِخُصُوصِ الصَّلَاةِ بَلْ لِتَأْخِيرِ الْقِيَامِ وَلَوْ فَرَغَ الْمُؤْتَمُّ قَبْلَ إمَامِهِ سَكَتَ اتِّفَاقًا، وَأَمَّا الْمَسْبُوقُ فَيَتَرَسَّلُ لِيَفْرُغَ عِنْدَ سَلَامِ إمَامِهِ، وَقِيلَ يُتِمُّ، وَقِيلَ يُكَرِّرُ كَلِمَةَ الشَّهَادَةِ (وَاكْتَفَى) الْمُفْتَرِضُ (فِيمَا بَعْدَ الْأُولَيَيْنِ بِالْفَاتِحَةِ)

مفتی بہ مذہب پر۔ یہ درود کی خصوصیت کی وجہ سے نہیں بلکہ قیام کی تاخیر کی وجہ سے سجدہ واجب ہوا ہے۔ اور اگر مقتدی امام سے پہلے التحیات سے فارغ ہو جائے تو بالاتفاق خاموش رہے۔ رہا مسبوق تو وہ آہستہ آہستہ التحیات پڑھے تاکہ امام کے سلام کے وقت وہ تشہد سے فارغ ہو۔ بعض علما نے فرمایا: مکمل پڑھے۔ اور بعض نے کہا: کلمہ شہادت کا تکرار کرتا رہے۔ فرض پڑھنے والا پہلی دو رکعتوں کے بعد والی رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پر اکتفا کرے۔

پھر یہ تمام امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے اور یہ ''التاتر خانیہ'' میں ''الحاوی'' کے حوالہ سے ہے کہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے قول پر سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا جب تک کہ انك حميد مجيد تک نہ پہنچ جائے۔

4368۔ (قوله: عَلَى الْمَذْهَبِ الْمُفْتَى بِهِ) میں نے سوائے المصنف اور الشارح کے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس لفظ کے ساتھ تصریح کی ہو۔ اور جو میں نے دیکھا ہے وہ تو نے ابھی جان لیا ہے۔

4369۔ (قوله: بَلْ لِتَأْخِيرِ الْقِيَامِ) پس اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا اگرچہ وہ اتنی دیر خاموش رہے جیسا کہ ''شرح المنیہ'' میں ہے۔

4370۔ (قوله: سَكَتَ اتِّفَاقًا) کیونکہ پہلے قعدہ میں تشہد پر زیادتی غیر مشروع ہے جیسا کہ (مقولہ 3984 میں) گزر چکا ہے۔ پس درود اور دعا میں سے کچھ بھی نہیں پڑھے گا اگرچہ اس کے محل سے قیام کی تاخیر لازم نہ آتی ہو۔ کیونکہ اس پر قعود اپنے امام کی اتباع میں واجب ہے۔

4371۔ (قوله: فَيَتَرَسَّلُ) یعنی ٹھہر ٹھہر کر پڑھے۔ یہ وہ ہے جس کو ''الخانیہ'' اور ''شرح المنیہ'' میں باب السہو میں مسبوق کی بحث میں صحیح کہا ہے اور باقی اقوال کی بھی تصحیح کی گئی ہے۔ ''البحر'' میں فرمایا: جو ''الخانیہ'' میں ہے اس کے ساتھ فتویٰ دینا چاہئے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ شاید اس کی وجہ...... جیسا کہ ''النہر'' میں ہے:...... یہ تشہد کے حق میں اس کی نماز کے آخر کا تقاضا کرتا ہے۔ اور آخری تشہد میں درود اور دعا کو پڑھتا ہے۔ اور یہ اس کی نماز کا آخر نہیں ہے۔ ''حلبی'' نے فرمایا: یہ امام کے قعدہ اخیرہ میں ہے جیسا کہ یہ اس کے قول کا صریح ہے ليفرغ عند سلام امامه تاکہ اپنے امام کے سلام کے وقت وہ تشہد سے فارغ ہو۔ رہے آخری قعدہ سے پہلے والے قعدات تو اس کا حکم سکوت ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ اور اس کی مثل ''الحلبہ'' میں ہے۔

4372۔ (قوله: قِيلَ يُكَرِّرُ كَلِمَةَ الشَّهَادَةِ) اسی طرح ''شرح المنیہ'' میں ہے۔ اور ''البحر''، ''الحلبہ'' اور ''الذخیرہ'' میں ہے کہ وہ تشہد کا تکرار کرے۔ ''تامل''

فرضوں کی آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کا حکم

4373۔ (قوله: وَاكْتَفَى الْمُفْتَرِضُ) اس کی قید لگائی ہے کیونکہ نوافل اور واجبات میں سورۂ فاتحہ اور ایک سورت یا

فَإِنَّهَا سُنَّةٌ عَلَى الظَّاهِرِ، وَلَوْ زَادَ لَا بَأْسَ بِهِ (وَهُوَ مُخَيَّرٌ بَيْنَ قِرَاءَةِ) الْفَاتِحَةِ وَصَحَّحَ الْعَيْنِيُّ وُجُوبَهَا (وَتَسْبِيحٍ ثَلَاثًا) وَسُكُوتٍ قَدْرَهَا، وَفِي النِّهَايَةِ قَدْرَ تَسْبِيحَةٍ، فَلَا يَكُونُ مُسِيئًا بِالسُّكُوتِ (عَلَى الْمَذْهَبِ) لِثُبُوتِ التَّخْيِيرِ عَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ مَسْعُودٍ

کیونکہ ظاہر پر یہ سنت ہے۔ اگر اس سے زائد پڑھا تو کوئی حرج نہیں۔ اور سورہ فاتحہ پڑھنے ...... علامہ عینی نے سورہ فاتحہ کے وجوب کی تصحیح کی ہے ..... اور تین تسبیح کے درمیان اور اس کی مقدار سکوت کے درمیان اختیار دیا گیا ہے۔ اور ''النہایۃ'' میں ہے: ایک تسبیح کی مقدار۔ پس مذہب پر سکوت کرنے سے گنہگار نہ ہوگا۔ کیونکہ حضرت ''علی'' اور ''ابن مسعود'' رضی اللہ عنہما سے اختیار کا ثبوت مروی ہے

اس جیسی تلاوت واجب ہوتی ہے۔

4374۔ (قولہ: عَلَى الظَّاهِرِ) یعنی ظاہر الروایہ۔ اس میں کلام ہے جو قریب ہی (مقولہ 4379 میں) آئے گا۔

4375۔ (قولہ: وَلَوْ زَادَ لَا بَأْسَ) یعنی اگر سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورت ملا دی تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ دوسری دو رکعتوں میں قراءت بغیر تقدیر کے مشروع ہے اور سورہ فاتحہ پر اکتفا کرنا مسنون ہے واجب نہیں۔ پس سورت کا ملانا خلاف اولیٰ ہے۔ اور یہ مشروعیت اور اباحت کے منافی نہیں۔ یعنی فعل اور ترک میں گناہ نہ ہونے میں جیسا کہ واجبات کی بحث کے اوائل میں (مقولہ 3955 میں) ہم نے بیان کیا ہے۔ اس سے ''النہر'' میں ''البحر'' پر منافاۃ کے دعویٰ کا جو اعتراض ہے وہ دور ہو گیا۔

4376۔ (قولہ: وَصَحَّحَ الْعَيْنِيُّ وُجُوبَهَا) یہ ظاہر الروایہ کے مقابل ہے۔ یہ ''الحسن'' کی امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ اور ''ابن الہمام'' نے دلیل کی حیثیت سے اس کی تصحیح کی ہے۔ ''المنیہ'' میں اسی قول پر چلے ہیں۔ اور انہوں نے بھول کر سورۂ فاتحہ ترک کرنے کی وجہ سے سجدہ سہو واجب کیا ہے اور جان بوجھ کر ترک کرنے کی وجہ سے اساءت کا حکم لگایا ہے۔ لیکن اصح سجدہ سہو کا نہ ہونا ہے۔ کیونکہ اخبار متعارض ہیں جیسا کہ ''المجتبیٰ'' میں ہے۔ ''الحلبہ'' میں اس پر اعتماد کیا ہے۔

4377۔ (قولہ: وَسُكُوتٍ قَدْرَهَا) یعنی تین تسبیحات کی مقدار۔

4378۔ (قولہ: فِي النِّهَايَةِ قَدْرَ تَسْبِيحَةٍ) ہمارے شیخ نے فرمایا: یہ اصول کے زیادہ مناسب ہے ''حلبہ''۔ یعنی قیام کا رکن اس کے ساتھ حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ پہلے گزر چکا ہے کہ رکنیت ادنیٰ کے ساتھ متعلق ہوتی ہے۔

4379۔ (قولہ: فَلَا يَكُونُ مُسِيئًا بِالسُّكُوتِ عَلَى الْمَذْهَبِ الخ) جان لو کہ فقہا کا ظاہر الروایہ میں اس پر اتفاق ہے کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا افضل ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ اگر ایک تسبیح پر اکتفا کیا تو گنہگار نہ ہوگا۔ رہا یہ کہ اگر وہ خاموش رہا تو ''المحیط'' میں اساءۃ کی تصریح کی ہے۔ اور فرمایا: کیونکہ ان دونوں رکعتوں میں قراءت بطور ذکر اور ثنا مشروع ہے۔ اسی وجہ سے قراءت کے لئے فاتحہ متعین ہے۔ کیونکہ یہ تمام ذکر اور ثنا ہے۔ اگر جان بوجھ کر خاموش رہے گا سنت کو ترک کرنے کی وجہ

......	......	......	......	......	......	......	......	......	......	......	......

سے مسیئی ہوگا اور اگر بھول کر ترک کرے گا تو اس پر سجدہ سہو نہ ہوگا۔ اور دوسرے فقہاء نے ظاہر الروایہ میں تین تسبیحات کے درمیان اور سکوت کی وجہ سے عدم اساءة کے درمیان تخییر کی تصریح کی ہے۔

''البدائع'' میں فرمایا: صحیح ظاہر الروایہ ہے کیونکہ ہم نے حضرت ''علی'' اور ''ابن مسعود'' رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ دونوں حضرات فرماتے تھے کہ دوسری دو رکعتوں میں نمازی کو اختیار ہے اگر چاہے قراءت کرے اگر چاہے خاموش رہے اگر چاہے تو تسبیح کہے(1) اور یہ ایسی بات ہے جو قیاس سے معلوم نہیں ہوتی۔ پس ان دونوں حضرات سے مروی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی کی طرح ہے۔

اور ''الخانیہ'' میں ہے: اس پر اعتماد ہے۔ اور ''الذخیرة'' میں ہے: روایت سے یہی صحیح ہے۔ ''الحلبہ'' میں اس کو ترجیح دی ہے ایسی کلام کے ساتھ جس پر مزید کی گنجائش نہیں۔ پس ادھر رجوع کرو۔

حاصل یہ ہے کہ صاحب ''المحیط'' کے نزدیک قراءت کی سنت کو ترک کرنے کی وجہ سے خاموش رہنا مکروہ ہے۔ پس ان کے نزدیک قراءت سنت ہے۔ لیکن جب بطور ذکر مشروع ہے تو تسبیح کے ساتھ سنت حاصل ہوگئی۔ پس ان دونوں کے درمیان اختیار دیا گیا ہے۔ یہ وہ ہے جس پر مصنف چلے ہیں۔ پس قراءت تسبیح کی نسبت افضل ہے اور سکوت کے اعتبار سے قراءت سنت ہے حتیٰ کہ اگر اس نے تسبیح کی تو اس نے افضل کو ترک کیا اور اگر خاموش رہا تو سنت کے ترک کی وجہ سے اور جو اسکے قائم مقام ہے اس کے ترک کی وجہ سے اس نے برا کیا۔ اور صاحب ''المحیط'' کے علاوہ علماء کے نزدیک تینوں چیزوں کے درمیان تخییر کے ثبوت کی وجہ سے سکوت مکروہ نہیں ہے۔ پس تسبیح کی نسبت قراءت افضل ہوئی اور سکوت کی نسبت بھی قراءت افضل ہوئی۔ علماء کا قراءت کی افضلیت پر اتفاق ہے۔ صرف سکوت کی کراہت اور عدم کراہت کی بنا پر قراءت کی سنیت میں اختلاف ہے۔ اور تو نے جان لیا ہے کہ صحیح اور معتمد تینوں کے درمیان تخییر ہے۔ اس سے معلوم ہوا جو الشارح کی عبارت میں ہے جہاں انہوں نے پہلے فرمایا کہ ظاہر پر فاتحہ سنت ہے۔ اور یہ اس پر مبنی ہے جو ''المحیط'' میں ہے۔ پھر اس کے خلاف چلے جہاں تینوں کے درمیان تخییر کا اعتماد کیا۔ پھر المصنف کی عبارت پر سکوت کی زیادتی کی اور فرمایا سکوت کی وجہ سے وہ مسیئی نہ ہوگا۔ اس منفرد تحریر کو غنیمت سمجھ۔

اور جو میں نے ''البدائع''، ''الذخیرة'' اور ''الخانیہ'' سے نقل کیا ہے میں نے وہ ان کتب میں اور ان کے علاوہ کتب میں دیکھا ہے۔ اور میں نے جو ''البحر'' پر حاشیہ لکھا ہے اس میں ان کی نصوص کو ذکر کیا ہے۔ پس جو ان کے مخالف نقل کیا گیا ہے اس پر اعتماد نہ کر۔ ''فافہم''

پھر تم جان لو کہ فاتحہ کی افضلیت پر اتفاق تخییر کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ فاضل اور افضل کے درمیان تخییر مانع نہیں ہے جیسے حلق، قصر کے ساتھ مانع نہیں ہے۔

1۔ مصنف ابن شیبہ، کتاب الصلوٰۃ، باب من کان یقول یسبح فی الاخریین، جلد 1، صفحہ 327، حدیث نمبر 3742

وَهُوَ الصَّارِفُ لِلْمُوَاظَبَةِ عَنِ الْوُجُوبِ (وَيَفْعَلُ فِي الْقُعُودِ الثَّانِي) الِافْتِرَاشَ (كَالْأَوَّلِ وَتَشَهَّدَ) أَيْضًا (وَصَلَّى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)

اور یہ ان حضرات کا اختیار دینا مواظبت کی وجہ سے وجوب سے پھیرنے والا (قرینہ) ہے۔ اور دوسرے قعدہ میں پہلے قعدہ کی طرح پاؤں بچھا کر بیٹھے اور تشہد پڑھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے۔

نوٹ: متون کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ قرآن کے طور پر پڑھی جائے گی۔ اور ''القہستانی'' میں ہے: ہمارے علما نے فرمایا: یہ ثنا کی نیت سے پڑھی جائے گی قراءت کی نیت سے نہیں۔

''المجتبیٰ'' میں شمس الائمہ کے حوالہ سے منقول ہے کہ یہی صحیح ہے۔ لیکن ''النہایہ'' میں فرمایا: امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ تسبیح کہے خاموش نہ رہے اور جب سورۂ فاتحہ پڑھے تو بطور ثنا پڑھے قراءت کے طور پر نہیں۔ بعض متاخرین نے اس کو لیا ہے۔

اور ''الحلبہ'' میں ہے: لیکن ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ درست یہ ہے کہ نیت کی وجہ سے سورۂ فاتحہ قرانیت سے نہیں نکلے گی۔

4380۔ (قولہ: وَهُوَ الصَّارِفُ) اس کا حاصل یہ ہے کہ صحیحین کی حدیث جو ابو قتادہ سے مروی ہے کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے تھے اور آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے(1) اس پر مواظبت مفید ہے۔ یہ بلا ترک وجوب کی دلیل ہے۔ جواب یہ ہے کہ تخییر جو مروی ہے وہ اسے وجوب سے پھیرنے والی ہے۔ کیونکہ اس کے لئے مرفوع کا حکم ہے جیسا کہ ہم نے پہلے (مقولہ 4379 میں) بیان کیا ہے اور اس سے علامہ ''العینی'' اور ''ابن الہمام'' پر رد کیا جاتا ہے۔

4381۔ (قولہ: اِلِافْتِرَاشَ) اس کو ذکر کے ساتھ خاص کیا ہے تورک کے قول کی نفی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے جیسا امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے ورنہ قعدہ کے احکام اس کے ساتھ خاص نہیں جیسا کہ (مقولہ 4379 میں) گزر چکا ہے۔ فافہم۔

4382۔ (قولہ: وَصَلَّى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) ''شرح المنیہ'' میں فرمایا: اس کی صفت میں مختار وہ ہے جو ''الکفایہ''، ''القنیہ'' اور ''المجتبیٰ'' میں ہے۔ فرمایا: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: اللهم صل على محمد و على آل محمد كما صليت على ابراهيم و على آل ابراهيم انك حميد مجيد و بارك على محمد و على آل محمد كما باركت على ابراهيم انك حميد مجيد(2)۔ یہ اس کے موافق ہے جو صحیحین وغیرہما(3) میں ہے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب القراءۃ فی الظہر و العصر، جلد 1، صفحہ 499، حدیث نمبر 736

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 291، حدیث نمبر 895

سنن نسائی، کتاب الصلوٰۃ، باب کیف الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 464، حدیث نمبر 1270

3۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد التشہد، جلد 1، صفحہ 451، حدیث نمبر 663

وَصَحَّ زِيَادَةُ فِي الْعَالَمِينَ وَتَكْرَارُ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ وَعَدَمُ كَرَاهَةِ التَّرَحُّمِ

اور فی العالمین کی زیادتی کرنا صحیح ہے۔ اور انك حميد مجيد کا تکرار صحیح ہے۔ اور ترحم کی کراہت نہیں ہے

4383۔ (قولہ: وَصَحَّ زِيَادَةُ فِي الْعَالَمِينَ) یعنی کما بارکت الخ کے بعد ایک مرتبہ فی العالمین اضافہ صحیح ہے اور کما صلیت کے قول کے بعد یہ ثابت نہیں۔ ''الحلبہ'' میں فرمایا: ''افصاح ابن ہبیرہ'' میں کما بارکت کے قول کے بعد فی العالمین کی زیادتی امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مذکور درود کی حکایت ہے اور یہی امام مالک، امام مسلم اور ابوداؤد وغیرہ کی روایت ہے۔ اور ''الایضاح'' کے ایک نسخہ میں کما صلیت کے بعد بھی فی العالمین کی زیادتی موجود ہے۔

یہ اس باب کی بعض احادیث میں مذکور ہے لیکن اب مجھے یاد نہیں کہ کن صحابہ نے اس کو روایت کیا ہے اور نہ یہ یاد ہے کہ کن حفاظ حدیث نے اس کو تخریج کیا ہے نہ حقیقت میں اس کا ثبوت یاد ہے۔ الشارح نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ انہوں نے اس کو زیادتی کے ساتھ تعبیر کیا ہے، تکرار کے ساتھ تعبیر نہیں کیا ہے۔ ''فافہم''۔

4384۔ (قولہ: وَتَكْرَارُ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ) جو ''الزیلعی'' وغیرہ نے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مذکورہ درود کی کیفیت میں آخر میں ایک مرتبہ انك حميد مجيد پر اکتفا کرنا مروی ہے یہ اس پر استدراک ہے حالانکہ ''الذخیرہ'' میں امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا تکرار نقل کیا ہے۔ اور (مقولہ 4382 میں) گزر چکا ہے کہ یہ صحیحین میں اسی طرح ہے۔

4385۔ (قولہ: وَعَدَمُ كَرَاهَةِ التَّرَحُّمِ) اس کا صح کے فاعل پر عطف ہے۔ اس کا مفاد یہ ہے کہ اس کا ندب صحیح نہیں کیونکہ تشہد کے درود میں اس کا ثبوت نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ''شرح المنیہ'' میں فرمایا کہ جو احادیث صحیحہ میں ہے اس کا لانا بہتر ہے۔ اور ''الفیض'' میں فرمایا: اور بہتر احتیاطاً اس کا ترک ہے۔ اور ''الرملی'' کی ''شرح المنہاج'' میں ہے کہ امام النووی نے ''الاذکار'' میں فرمایا: ارحم محمداً و آل محمد کما رحمت علی ابراهيم کی زیادتی بدعت ہے۔ اور متعدد احادیث جو اس کے متعلق وارد ہیں بعض کو ''حاکم'' نے صحیح کہا ہے۔ ان پر اعتراض کیا گیا ہے ان احادیث میں وترحم على محمد کے الفاظ ہیں۔ اور بعض محقق محدثین نے اس کا رد کیا ہے کہ جو ''حاکم'' کے لئے واقع ہوا ہے وہ وہم ہے وہ احادیث اگرچہ ضعیف ہیں لیکن شدید ضعیف ہیں پس ان پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ ''ابوزرعہ'' کا قول اس کی تائید کرتا ہے...... ''ابوزرعہ'' فن حدیث کے ائمہ میں سے ہیں انہوں نے ان احادیث کو ذکر کرنے اور ان کا ضعف بیان کرنے کے بعد فرمایا: شاید احادیث کے ضعف کی وجہ سے اس میں منع ارجح ہو یعنی ان احادیث کے شدید ضعف کی وجہ سے۔ جو ثابت ہو چکا ہے اس سے معلوم ہوا کہ انکار کا سبب رحمت کی دعا کا کسی معتد بہ طریقہ سے ثابت نہ ہونا ہے۔ اور یہ باب اتباع کا باب ہے۔ اسی طرح جس طرح ''ابن عبدالبر'' وغیرہ نے کہا ہے کہ رحمت کے لفظ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے دعا نہیں کی جائے گی اگر نفی کرنے والے نے مطلقاً اس کے امتناع کا ارادہ کیا ہے تو احادیث صحیحہ اس کے رد میں صریح ہیں۔ تشہد کی تمام روایات میں صحت کے ثابت ہے: السلام عليك ايها النبي و رحمة الله و بركاته۔ اور یہ بھی صحیح ثابت ہے کہ جس شخص نے کہا تھا: ارحمني و ارحم محمداً اس کے قول کو ثابت رکھا اور اس پر انکار نہ فرمایا سوائے اس کے کہ اس کے قول: ولا ترحم معنا ابداً پر انکار فرمایا۔ اور رحمت کا

وَلَوْ ابْتِدَاءً وَنُدِبَ السِّيَادَةُ لِأَنَّ زِيَادَةَ الْإِخْبَارِ بِالْوَاقِعِ عَيْنُ سُلُوكِ الْأَدَبِ فَهُوَ أَفْضَلُ مِنْ تَرْكِهِ، ذَكَرَهُ الرَّمْلِيُّ الشَّافِعِيُّ وَغَيْرُهُ؛ وَمَا نُقِلَ لَا تُسَوِّدُونِي فِي الصَّلَاةِ فَكَذِبٌ،

اگرچہ ابتدا ہو۔ اور سیدنا کہنا مستحب ہے کیونکہ حقیقت کے مطابق خبر دینے کی زیادتی عین ادب ہے۔ پس اس کے ترک سے اس کا ذکر افضل ہے۔ یہ ''الرملی'' الشافعی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ اور یہ جو منقول ہے کہ نماز میں مجھے سیدنہ کہو یہ جھوٹ ہے۔

حصول نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہے لیکن پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اس کی دعا کی جاتی ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس میں ایسے مراتب کی زیادتی کا فائدہ ہے جن کی کوئی انتہا نہیں ہے اور اس پر داعی کو زیادہ ثواب کا فائدہ ملتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ تشہد کے بعد ترحم ثابت نہیں ہے اگرچہ اس کے علاوہ میں ثابت ہے پس یہ فی نفسہ جائز ہے۔

ابتداءً نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ترحم کے جواز میں

4386۔(قولہ: وَلَوْ ابْتِدَاءً) یعنی صلاۃ یا سلام کی تبعیت کے بغیر۔

''البحر'' اور ''الحلبہ'' میں ذکر کیا ہے کہ ابتدا میں کراہت متفق علیہا ہے۔ ''النہر'' میں اس کا تعاقب کیا ہے کہ ''الزیلعی'' کی عبارت کتاب کے آخر میں اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ تمام صورتوں میں اختلاف ہے۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ترحم میں اختلاف ہے اس طرح کہنے میں اللھم ارحم محمدًا۔ بعض علما نے کہا: یہ جائز نہیں۔ کیونکہ اس میں کوئی ایسی چیز نہیں جو تعظیم پر دلالت کرتی ہو جیسے صلاۃ میں ہے۔ اور بعض نے کہا: جائز ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمت کے سب سے زیادہ مشتاق تھے۔ ''السرخسی'' نے اس کو پسند کیا ہے۔ کیونکہ اثر میں یہ وارد ہے جس نے اثر کی اتباع کی اس پر کوئی عتاب نہیں ہے۔ ''ابوجعفر'' نے فرمایا: میں کہتا ہوں: ارحم محمدًا کیونکہ مسلمانوں کے شہروں میں یہ متواتر پڑھا جاتا ہے۔ بعض علما نے مفسرین کے الصلاۃ کی تفسیر الرحمۃ سے کرنے سے استدلال کیا ہے۔ دونوں لفظ جب دلالت میں برابر ہیں تو ایک دوسرے کے قائم مقام ہونا صحیح ہے۔ اسی وجہ سے اعرابی کے قول اللھم ارحمنی و محمدًا کو ثابت رکھا ہے(1)۔ فافہم۔

درود پاک میں سیدنا کا لفظ لانے کا حکم

4387۔(قولہ: ذَكَرَهُ الرَّمْلِيُّ الشَّافِعِيُّ) یعنی ''منہاج النووی'' پر اپنی شرح میں انہوں نے ذکر کیا ہے جس کی عبارت یہ ہے: افضل سیدنا کے لفظ کا لانا ہے جیسا کہ یہ ''ابن ظہیرۃ'' نے کہا ہے۔ بہت سے علما نے اس کی تصریح کی ہے۔ الشارح نے اس کے ساتھ فتویٰ دیا۔ کیونکہ اس میں اس کی ادائیگی ہے جس کے لانے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ نیز اس میں حقیقت کی خبر دینے کی زیادتی ہے جو کہ ادب ہے۔ پس یہ اس کے ترک سے افضل ہے اگرچہ اس کی افضلیت میں ''الاسنوی'' کو تردد ہے۔ رہی حدیث لا تسیدونی فی الصلوٰۃ یہ باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے جیسا کہ بعض متاخرین حفاظ نے کہا

1۔ سنن ترمذی، کتاب الطھارۃ، باب ماجاء فی البول یصیب الارض، جلد 1، صفحہ 126، حدیث نمبر 137

سنن ابی داؤد، کتاب الاستبراء، باب الارض یصیبھا البول، جلد 1، صفحہ 163، حدیث نمبر 324

وَقَوْلُهُمْ لَا تُسَيِّدُونِي بِالْيَاءِ لَحْنٌ أَيْضًا وَالصَّوَابُ بِالْوَاوِ؛ وَخُصَّ إِبْرَاهِيمُ
اور لاتسیدونی یا کے ساتھ، جھوٹ بھی ہے اور غلط بھی ہے صحیح واؤ کے ساتھ ہے۔ تشبیہ میں ابراہیم علیہ السلام کو خاص کیا گیا ہے

ہے۔ ''الطوسی'' کا قول ہے کہ یہ مبطل غلط ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ ہمارے مذہب کے مخالف ہے کیونکہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے (مقولہ 4359 میں) گزر چکا ہے کہ اگر تشہد میں کچھ زائد کیا یا کم کیا تو مکروہ ہوگا۔

میں کہتا ہوں: اس میں نظر ہے کیونکہ صلاۃ تشہد پر زائد ہے یہ تشہد میں سے نہیں ہے۔ ہاں اس بنا پر اشھد ان محمداً عبدہ و رسولہ میں اس کا ذکر نہیں ہونا چاہئے وہ اسے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ لاتے۔

4388۔ (قولہ: لَحْنٌ أَيْضًا) یعنی جھوٹ ہونے کے ساتھ غلط بھی ہے۔

4389۔ (قولہ: وَالصَّوَابُ بِالْوَاوِ) کیونکہ یہ سادیسود سے مشتق ہے عین کلمہ واو ہے۔ شاعر نے کہا

وما سوّدتنی عامر عن وراثۃٍ ابی اللہ ان اسمو بامٍ ولا ابٍ

بنو عامر نے وراثت کی وجہ سے مجھے اپنا سردار نہیں بنایا اللہ تعالیٰ اس کا انکار فرماتا ہے کہ میں ماں اور باپ کی وجہ سے بلند مرتبہ حاصل کروں۔ اس شعر میں شاعر نے واؤ استعمال کیا ہے۔

کما صلیت علی ابراھیم میں تشبیہ پر کلام

4390۔ (قولہ: وَخُصَّ إِبْرَاهِيمُ) یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے وہ یہ ہے کہ تشبیہ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کیوں خاص کی گئی ہے دوسرے رسل کے ساتھ تشبیہ کیوں نہیں دی گئی؟ پس اس کے تین جواب دیئے۔

پہلا یہ کہ معراج کی رات حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہم پر سلام بھیجا تھا جہاں انہوں نے فرمایا: میری طرف سے اپنی امت کو سلام پہنچانا۔

دوسرا یہ کہ ابراہیم علیہ السلام نے ہمارا نام مسلمین رکھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ (الحج: 78) یعنی اس ارشاد کے ساتھ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (البقرہ: 128) اور عرب ابراہیم علیہ السلام کی ذریت اور اسماعیل علیہ السلام کی ذریت سے ہیں۔ پس انکی طرف سے ان دو فعلوں پر مجازاً انکی فضیلت کا اظہار کرنا ہمارا مقصد ہوتا ہے۔

تیسرا یہ کہ مطلوب ایسی صلاۃ ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خلیل بنائے جیسا کہ اس نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی دعا کو قبول فرمایا اور انہیں بھی ایسا خلیل بنایا۔ ''بخاری و مسلم'' کی حدیث میں ہے: لیکن تمہارا ساتھی خلیل الرحمٰن ہے (1)۔ (بخاری میں یہ الفاظ نہیں ہیں مترجم)۔

کئی اور جوابات بھی دیئے گئے ہیں۔ (1) یہ کہ یہ ان کے باپ ہونے کی وجہ سے ہے۔ فضائل میں آباء کے ساتھ تشبیہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل ابی بکر، جلد 3، صفحہ 352، حدیث نمبر 4444

سنن ترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب ابی بکر، جلد 2، صفحہ 816، حدیث نمبر 3588

لِسَلَامِهِ عَلَيْنَا، أَوْ لِأَنَّهُ سَمَّانَا الْمُسْلِمِينَ، أَوْ لِأَنَّ الْمَطْلُوبَ صَلَاةٌ يَتَّخِذُهُ بِهَا خَلِيلًا، وَعَلَى الْأَخِيرِ فَالتَّشْبِيهُ ظَاهِرٌ أَوْ رَاجِعٌ لِآلِ مُحَمَّدٍ، أَوْ الْمُشَبَّهُ بِهِ قَدْ يَكُونُ أَدْنَى مِثْلُ (مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ) (وَهِيَ فَرْضٌ)
کیونکہ انہوں نے ہم پر سلام کیا تھا، یا اس لئے کہ انہوں نے ہمارا نام مسلمین رکھا تھا۔ یا مطلوب ایسا درود ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خلیل بنادے اور اخیر پر تشبیہ ظاہر ہے، یا آل محمد کی طرف راجع ہے، یا مشبہ بہ کبھی ادنیٰ ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ (النور:35) درود پڑھنا ایک مرتبہ ساری عمر میں فرض ہے

مرغوب ہوتی ہے۔ (2) رسل میں ابراہیم علیہ السلام کی شان بلند ہونے کی وجہ سے۔ (3) راجح قول پر بقیہ انبیاء سے ابراہیم علیہ السلام کے افضل ہونے کی وجہ سے۔ (4) ملت میں ہماری ان کے ساتھ موافقت ہونے کی وجہ سے جس کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اشارہ ہے: مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ (الحج:78) (5) ان کے ذکر جمیل کے دوام کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے ساتھ جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ (الشعراء)۔ (6) اور ان کی اقتدا کرنے کے حکم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا (النحل:123)

4391۔ (قولہ: وَعَلَى الْأَخِيرِ) یعنی تیسری وجہ پر۔ یہ مشہور سوال کا جواب ہے جو قدیم وجدید علما نے وارد کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ عام طور پر مشبہ بہ، وجہ شبہ میں مشبہ سے اعلیٰ ہوتا ہے جبکہ یہاں صلاۃ و برکت جو ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل کو حاصل ہے وہ ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی آل کو حاصل برکت سے اعلیٰ ہے "نسائی" کی روایت کی دلیل کی وجہ سے: من صلی علی صلاۃ واحدۃ صلی اللہ علیہ عشر صلوات وحط عنہ عشر سیئات و رفعت لہ عشر درجات جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ درود بھیجے گا اس کے دس گناہ ساقط کردے گا اس کے لئے دس درجات بلند کئے جائیں گے (1)۔

جبکہ ابراہیم علیہ السلام یا کسی اور کے لئے اس کی مثل وارد نہیں ہے جواب یہ ہے کہ مراد خاص صلاۃ ہے جس کی وجہ سے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خلیل ہو جائیں گے جس طرح ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا گیا تھا یا تشبیہ ہمارے قول و علی آل محمد کی طرف راجع ہے یا یہ غیر غالب میں ہے۔ مشبہ بہ کبھی مشبہ کے مساوی ہوتا ہے یا کبھی اس سے کم بھی ہوتا ہے لیکن وہ اس سے زیادہ واضح ہوتا ہے کیونکہ وہ مشاہد اور حسی ہوتا ہے یا وہ وجہ شبہ میں مشہور ہوتا ہے پہلے کی مثال مثل نورہ کمشکوۃ (یہاں اللہ تعالیٰ کے نور کو مشکوۃ کے نور سے تشبیہ دی گئی ہے) کہاں نور الٰہی اور کہاں مشکوۃ کا نور۔ دوسرے کی مثال جیسا کہ یہاں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل کی تعظیم ملتوں کے درمیان صلاۃ کے ساتھ واضح ہے۔ پس اس لئے تشبیہ اچھی ہے اور فی العالمین کے ساتھ اس طلب کا ختم کرنا اس کی تائید کرتا ہے۔ مکمل بحث "الحلبہ" میں ہے۔

کئی دوسرے جواب بھی دیئے گئے۔ ان میں سے سب سے بہتر یہ ہے کہ تشبیہ اصل صلاۃ میں ہے قدر صلاۃ میں نہیں

1۔ سنن نسائی، کتاب الصلوٰۃ، باب الفضل فی الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 467، حدیث نمبر 1279

عَمَلًا بِالْأَمْرِ فِي شَعْبَانَ ثَانِي الْهِجْرَةِ (مَرَّةً وَاحِدَةً) اتِّفَاقًا (فِي الْعُمُرِ) فَلَوْ بَلَغَ فِي صَلَاتِهِ نَابَتْ عَنِ الْفَرْضِ نَهْرٌ بَحْثًا وَفِي الْمُجْتَبَى

شعبان دو ہجری میں نازل ہونے والے امر پر عمل کرتے ہوئے۔ پس اگر نماز میں بالغ ہوا تو نماز کے قعدہ میں پڑھا جانے والا درود فرض کے قائم مقام ہوجائے گا۔ صاحب ''النہر'' نے بطور بحث یہ ذکر کیا ہے۔ اور ''المجتبیٰ'' میں ہے

ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ (النساء:163) (ہم نے تیری طرف وحی کی جس طرح ہم نے نوح علیہ السلام کی طرف وحی کی) كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ (البقرہ:183) (تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے ہیں)۔ اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ (قصص:77) اور تشبیہ کا فائدہ طلب کی تاکید ہے یعنی جس طرح تو نے ابراہیم پر درود بھیجا۔ پس تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج جو ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہیں اور بعض علما نے فرمایا کاف تعلیل کے لئے ہے۔

4392۔ (قولہ: عَمَلًا) مفعول لاجلہ سے تمیز نہیں ہے یعنی ہم نے اس کی فرضیت کا کہا اس امر پر عمل کرنے کی وجہ سے جو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالہ ہے۔ درود شریف علماً اور عملاً فرض ہے صرف عملاً فرض نہیں ہے جیسے وتر ہیں۔ رہا وہ جو ''ابن جریر الطبری'' نے کہا ہے کہ امر استحباب کے لئے ہے۔ ''قاضی عیاض'' نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ پس یہ اجماع کے خلاف ہے جیسا کہ ''الفاسی'' نے شرح ''دلائل الخیرات'' میں یہ ذکر کیا ہے۔

4393۔ (قولہ: ثَانِي الْهِجْرَةِ) بعض علماء نے فرمایا: معراج کی رات یہ حکم ملا تھا۔ ''طحطاوی''۔

4394۔ (قولہ: وَاحِدَةً اتِّفَاقًا) اختلاف زائد میں ہے اور وہ وجوب میں ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔ یہ ''حلبی'' نے فائدہ ذکر کیا ہے۔

4395۔ (قولہ: فَلَوْ بَلَغَ فِي صَلَاتِهِ) یعنی سالوں کے ذریعے بلوغت کی عمر کو پہنچا جبکہ وہ نماز میں تھا۔ ورنہ تو نماز باطل ہوجائے گی۔ اس بنا پر کہ ''نہر'' کی عبارت اس طرح ہے: اگر کوئی اپنی بلوغت کی ابتدا میں نماز پڑھے تو تشہد میں درود اس کے فرض درود کے قائم مقام ہوجائے گا اور فرض واقع ہوگا۔ اور میں نے کوئی عالم نہیں دیکھا جس نے اس پر آگاہ کیا ہو اس کی مثال ابتدا میں دونوں ہاتھ دھونے میں گزر چکی ہے یعنی مسنون دھونا غسل جنابت یا وضو کے قائم مقام ہوجائے گا۔

میں کہتا ہوں: میں نے ''المنبع شرح المجمع'' میں اس کی تصریح دیکھی ہے جہاں انہوں نے فرمایا: ہمارے اصحاب نے فرمایا: درود، عمر کا فرض ہے خواہ نماز میں ادا ہو یا نماز سے باہر ادا ہو۔ اس کی مثل ''شرح درر البحار'' اور ''الذخیرہ'' میں ہے۔ ''حلبی'' نے کہا: یہ باقی ہے کہ جب پہلے قعدہ میں یا نماز کے افعال میں درود پڑھے جبکہ قعدہ اخیرہ میں نہ پڑھا۔ پس ظاہر یہ ہوتا ہے کہ وہ فرض کو ادا کرنے والا ہے اگرچہ گنہگار ہے جیسے مغصوبہ زمین میں نماز۔ لیکن ''الرحمتی'' نے علامہ ''التحریری'' کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ مکلف فرض سے خارج نہ ہوگا مگر نیت کے ساتھ۔ پس ضروری ہے کہ وہ درود کے فرض کی نیت سے درود پڑھے۔ کیونکہ یہ فرض ہے جیسا کہ علماء نے فرمایا کہ فرض میں نیت کی شروط میں سے فرض کیلئے نیت کی تعیین کرنا ہے۔ حتیٰ کہ اگر

لَا يَجِبُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُصَلِّيَ عَلَى نَفْسِهِ (وَاخْتَلَفَ) الطَّحَاوِيُّ وَالْكَرْخِيُّ (فِي وُجُوبِهَا) عَلَى السَّامِعِ
کہ نبی کریم ﷺ پر اپنی ذات پر درود پڑھنا واجب نہیں۔ اور امام ''طحاوی'' اور ''الکرخی'' نے سامع (سننے والا) اور ذاکر پر درود کے وجوب میں اختلاف

فرض کے بعد دو رکعتیں پڑھیں تو اس کے ساتھ فرض ساقط نہ ہوگا جب تک فرض کی نیت نہیں کرے گا۔

میں کہتا ہوں: اس میں نظر ہے کیونکہ تو نے جان لیا ہے کہ یہ عمر کا فرض ہے یعنی عمر میں ایک مرتبہ اس کا پڑھنا فرض ہے جیسے اسلام کا حج ایک مرتبہ فرض ہے۔ اور جو اس طرح ہوگا اس میں شرط اس کے فعل کا قصد ہے۔ پس وہ صحیح ہوگا اگرچہ فرضیت کی نیت نہ کی ہو۔ کیونکہ وہ خود بخود متعین ہے جیسے فرض حج صحیح ہوتا ہے اگرچہ فرضیت کا تعین نہ کیا ہو۔ فقہا نے تصریح کی ہے کہ اسلام بغیر نیت کے صحیح ہوتا ہے یعنی کیونکہ یہ عمر کا فریضہ ہے۔ پس فجر کی نماز پر قیاس، قیاس مع الفارق ہے۔ ''فتدبر''

نبی کریم ﷺ پر اپنی ذات پر درود پڑھنا واجب نہیں

4396۔ (قولہ: لَا يَجِبُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُصَلِّيَ عَلَى نَفْسِهِ) کیونکہ صلّوا کے خطاب میں آپ مراد نہیں ہیں اور صلوا علیہ کی ضمیر میں داخل نہیں جیسا کہ ترکیب سے متبادر ہے۔ ''النہر'' میں فرمایا: اس بنا پر واجب نہیں کیونکہ یایھا الذین آمنوا کا ارشاد رسول اللہ ﷺ کو شامل نہیں بخلاف یایھا الناس اور یا عبادی کے۔ جیسا کہ اصول میں جانا گیا ہے۔

اس میں حکمت...... اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے...... یہ ہے کہ یہ دعا ہے اور ہر شخص کے لئے اپنے لئے دعا کرنا اس کی فطرت ہے اور اپنے لئے خیر طلب کرنا انسانی طبیعت میں داخل ہے۔ پس اس میں کلفت نہیں ہے اور تکلیف کے خطاب سے وجوب ثابت نہیں ہوتا مگر اس میں جس میں نفس پر مشقت اور کلفت ہو اور طبیعت اس کو نہ چاہتی ہو تا کہ آزمائش متحقق ہو جیسا کہ اصول میں ثابت کیا گیا ہے۔ رہا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (غافر: 60) اور اس جیسا ارشاد تو اس سے ایجاب مراد نہیں ہے۔ اسی وجہ سے حدیث قدسی میں وارد ہے جس کو میرے ذکر نے مجھ سے سوال کرنے سے مشغول رکھا تو میں اسے اس سے زیادہ دوں گا جو میں مانگنے والوں کو دوں گا (1)۔ ''حلبی'' ملخصاً۔

آپ ﷺ پر درود پڑھنے کا وجوب جب بھی آپ ﷺ کا ذکر کیا جائے

4397۔ (قولہ: فِي وُجُوبِهَا) یعنی نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنے کے وجوب میں سلام کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد و سلموا سے مراد اس کی ادائیگی ہے جیسا کہ ''النہایہ'' میں ''مبسوط شیخ الاسلام'' کے حوالہ سے ہے۔ یعنی سلام سے مراد انقیاد (حکم بجالانا) ہے۔ ''القہستانی'' نے اس کو اکثر علماء کی طرف منسوب کیا ہے۔

1۔ سنن دارمی، کتاب فضائل القرآن، فضل کلام اللہ علی سائر الکلام، جلد 2، صفحہ 317، حدیث نمبر 3359

وَالذَّاكِرِ (كُلَّمَا ذُكِرَ) صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (وَالْمُخْتَارُ عِنْدَ الطَّحَاوِيِّ (تَكْرَارُهُ) أَيْ الْوُجُوب (كُلَّمَا ذُكِرَ) وَلَوْ اتَّحَدَ الْمَجْلِسُ فِي الْأَصَحِّ

کیا ہے جب بھی آپ کا ذکر کیا جائے۔ ''الطحاوی'' کے نزدیک وجوب کا تکرار ہے جب بھی ذکر کیا جائے اگرچہ مجلس ایک ہو اصح قول میں۔

4398۔ (قوله: وَالذَّاكِرِ) یعنی ابتداءً نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی کو ذکر کرنے والا نہ کہ صلاۃ کے ضمن میں۔ جیسا کہ ''شرح المجمع'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ اس میں کلام ہے جو آگے (مقولہ 4418 میں) آئے گی۔

4399۔ (قوله: عِنْدَ الطَّحَاوِيِّ) اس کے ساتھ مقید کیا ہے کیونکہ مذہب میں مختار استحباب ہے۔ احناف کی ایک جماعت، الحلیمی اور شوافع کی ایک جماعت نے امام ''طحاوی'' کی اتباع کی ہے۔ مالکی علما میں سے ''اللخمی'' اور حنابلہ میں سے ''ابن بطہ'' سے یہ حکایت کیا گیا ہے۔ مالکی علما میں سے ''ابن العربی'' نے فرمایا: یہی احوط ہے۔ اسی طرح ''دلائل الخیرات'' پر ''شرح الفاسی'' میں ہے۔ آگے آئے گا کہ یہی قول معتمد ہے۔

4400۔ (قوله: تَكْرَارُهُ) یعنی وجوب کا تکرار۔ ''القرمانی'' نے ''شرح مقدمہ ابی اللیث'' میں تکرار کے وجوب کو ''طحاوی'' کے نزدیک وجوب کفایہ کے طور پر مقید کیا ہے نہ کہ وجوب عین کے طور پر۔ اور فرمایا: جب بعض لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھ لیں گے تو مقصود کے حصول کی وجہ سے دوسروں سے وجوب ساقط ہو جائے گا۔ اور وہ مقصود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کے ذکر کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرف کا اظہار اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کرنا ہے۔ اس کی مکمل بحث ''حلبی'' میں ہے۔

4401۔ (قوله: فِي الْأَصَحِّ) ''الزاہدی'' نے ''المجتبیٰ'' میں اس کو صحیح کہا ہے۔ لیکن ''الکافی'' میں ہر مجلس میں ایک مرتبہ درود پڑھنے کو صحیح کہا ہے جیسا کہ سجدۂ تلاوت ہے۔ کیونکہ باب التلاوۃ میں فرمایا: وہ اس طرح ہے جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی کئی مرتبہ سنا۔ تو صحیح قول میں اس پر درود لازم نہیں مگر ایک مرتبہ۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم مبارک کا تکرار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی حفاظت کے لئے ہوتا ہے جس کے ساتھ شریعت کا قیام ہے۔ اگر ہر مرتبہ درود واجب ہو تو یہ حرج تک پہنچائے گا مگر درود کا تکرار مستحب ہے بخلاف سجدہ تلاوت کے تکرار کے۔ اور چھینک کا جواب دینا درود کی طرح ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا: تین مرتبہ تک ہر مرتبہ چھینک کا جواب دینا واجب ہے۔

اور اس کا حاصل یہ ہے کہ وجوب مجلس میں متداخل ہوتا ہے۔ پس حرج کی وجہ سے ایک مرتبہ درود پڑھنا کافی ہے جیسا کہ سجدہ تلاوت میں ہوتا ہے مگر ایک مجلس میں درود کا تکرار مستحب ہے بخلاف سجدہ تلاوت کے۔ اور جو ''الکافی'' میں ذکر کیا ہے اس کو صاحب ''المجمع'' نے اپنی شرح میں ''الجامع الکبیر'' پر ''شرح فخر الاسلام'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے اس پر جزم کرتے ہوئے۔ لیکن تصحیح کے لفظ کے بغیر۔ اور تو باخبر ہے کہ ''الزاہدی'' کی تصحیح صاحب ''الکافی'' ''النسفی'' کی تصحیح کے معارض نہیں ہو سکتی۔ اس بنا پر کہ ''الزاہدی'' نے اپنی مخالفت کی ہے۔ کیونکہ انہوں نے ''القنیہ'' کی کراہت کے بارے میں فرمایا۔ بعض علماء نے فرمایا: مجلس میں ایک مرتبہ کافی ہے جیسے سجدہ تلاوت۔ اور اس کے ساتھ فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اور الشارح نے ''الخزائن''

لَا لِأَنَّ الْأَمْرَ يَقْتَضِي التَّكْرَارَ،
اس لئے نہیں کہ امر تکرار کا تقاضا کرتا ہے

میں لکھا ہے کہ ظاہر یہ ہوتا ہے جو ''الکافی'' میں ہے وہ ''الکرخی'' کے قول پر مبنی ہے۔

اور یہ ظاہر نہیں ہے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ ''کرخی'' تکرار کے وجوب کے قائل ہوں جب بھی ذکر اسم شریف کیا جائے مگر ایک مجلس میں تکرار واجب نہیں۔ پس ایک مرتبہ واجب ہے۔ اور ''کرخی'' اور ''طحاوی'' کے درمیان اختلاف باقی نہیں مگر اس صورت میں جب مجلس ایک ہو جبکہ منقول اس کے خلاف ہے۔ ''ابن مالک'' نے ''شرح المجمع'' میں لکھا ہے: تداخل اللہ تعالیٰ کے حق میں پایا جاتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق ہے۔ کبھی اس کا اس طرح انکار کیا جاتا ہے وجوب اللہ تعالیٰ کا حق ہے، کیونکہ درود پڑھنے والا اللہ تعالیٰ کے حکم کی تابعداری کی نیت کرتا ہے۔

کیا صلاۃ کا نفع صلاۃ پڑھنے والے کی طرف لوٹتا ہے یا اس کی طرف جس پر صلاۃ پڑھی گئی ہے

اس بنا پر کہ جو ایک جماعت کا مختار ہے، جن میں ''ابوالعباس'' ''المبرد'' اور ''ابوبکر بن العربی'' ہیں کہ صلاۃ کا نفع نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نہیں لوٹتا بلکہ صرف صلاۃ پڑھنے والے کی طرف لوٹتا ہے۔ اسی طرح ''السنوسی'' نے ''شرح وسطاہ'' میں فرمایا کہ اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے۔ یہ صلاۃ دوسری دعاؤں کی طرح نہیں جن سے مدعولہ (جس کے لئے دعا کی جائے) کا نفع مقصود ہوتا ہے۔

''القشیری'' اور ''القرطبی'' اس طرف گئے ہیں کہ نفع دونوں کے لئے ہے۔ دونوں قولوں میں سے ہر قول پر صلاۃ ایک عبادت ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے اور عبادت بندے کا حق نہیں ہوتی اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ صلاۃ بندے کا حق ہے تو حرج کی وجہ سے وجوب ساقط ہو جائے گا جیسا کہ (اس مقولہ میں) گزر چکا ہے کیونکہ حرج نص کی وجہ سے ساقط ہے اور استحباب کے باقی رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس قول پر ''ابن الہمام'' نے ''زاد الفقیر'' میں جزم کیا ہے۔ فرمایا: دلیل کا مقتضی عمر میں ایک مرتبہ درود کا فرض ہونا ہے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کیا جائے اس وقت آپ پر درود پڑھنا واجب ہے مگر جب مجلس ایک ہو تو تکرار کے ساتھ مستحب ہے، تو اس کو لازم پکڑ اقوال متفق ہوں یا مختلف۔

تیرے لئے واضح ہو گیا کہ معتمد وہ ہے جو ''الکافی'' میں ہے۔ اور تو نے ''القنیہ'' کا قول سنا کہ وہ اس کے ساتھ فتویٰ دیتے تھے اور تو آگاہ ہے کہ فتویٰ التصحیح کے الفاظ سے زیادہ مؤکد ہے۔

فرع: سلام، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود کے قائم مقام ہو جائے گا

یہ ''ہندیہ'' نے ''الغرائب'' کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔

4402۔ (قولہ: لَا لِأَنَّ الْأَمْرَ الخ) اس کا تعلق والمختار تکرارہ الخ کے ساتھ ہے۔ یہ ایک سوال کا جواب ہے جس کی تقدیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد صَلُّوْا عَلَيْهِ امر کا صیغہ ہے اور اصل یہ ہے کہ امر ہمارے نزدیک نہ تکرار کا تقاضا کرتا

بَلْ لِأَنَّهُ تَعَلَّقَ وُجُوبُهَا بِسَبَبٍ مُتَكَرِّرٍ وَهُوَ الذِّكْرُ، فَيَتَكَرَّرُ بِتَكَرُّرِهِ وَتَصِيرُ دَيْنًا بِالتَّرْكِ، فَتُقْضَى لِأَنَّهَا حَقُّ عَبْدٍ كَالتَّشْمِيتِ بِخِلَافِ ذِكْرِهِ تَعَالَى
بلکہ اس لئے کہ اس کے وجوب کا تعلق سبب کے تکرار کے ساتھ ہے اور وہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر۔ پس ذکر کے تکرار کے ساتھ درود کا تکرار ہوگا۔ اور درود کو ترک کی وجہ سے اس کے ذمہ قرض ہوگا پس اسے قضا کرے گا۔ کیونکہ یہ بندے کا حق ہے جس طرح چھینک کا جواب دینا ہے بخلاف اللہ تعالیٰ کے ذکر کے۔

ہے نہ اس کا احتمال رکھتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ تکرار آیت کی وجہ سے واجب نہیں ورنہ یہ فرض ہوتا اور اصل مذکور کے مخالف ہوتا، تکرار کا وجوب وعید والی احادیث کی وجہ سے ہے جو آئندہ (مقولہ 4409 میں) مباحث میں آ رہی ہیں جو وجوب کے لئے ذکر کی سببیت پر دلالت کرتی ہیں اور وجوب اپنے سبب کے تکرار کے ساتھ مکرر ہوتا ہے۔

4403۔(قولہ: لِأَنَّهَا حَقُّ عَبْدٍ) تو نے ابھی جان لیا ہے جو اس میں نظر ہے۔

4404۔(قولہ: كَالتَّشْمِيتِ) اس کا ظاہر یہ ہے کہ اس کو نماز کی طرح قضا کیا جائے گا اور اس کو نقلا تحریر کیا ہے۔ اور ہم نے ''الکافی'' کے حوالہ سے پہلے (مقولہ 4401 میں) ذکر کیا ہے کہ چھینک کا جواب دینا درود کی طرح مجلس میں ایک مرتبہ واجب ہے۔ اور بعض نے کہا: تین مرتبہ واجب ہے۔ اور اس کی مثل ''الفتح'' اور ''البحر'' میں ہے۔ اور ''شرح تلخیص الجامع'' میں ہے کہ اصح یہ ہے کہ اگر تین مرتبہ سے زائد چھینک آئے تو جواب نہ دے۔ اور چھینک کا جواب تب واجب ہوتا ہے جب چھینک مارنے والا الحمد للہ کہے اس پر مکمل کلام ان شاء اللہ (مقولہ 33458 میں) باب الحظر و الاباحہ میں آئے گی۔

4405۔(قولہ: بِخِلَافِ ذِكْرِهِ تَعَالَى) کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی قضا نہیں کی جاتی جب وہ فوت ہو جائے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے جیسا کہ اس کے مقابل میں ''الشارح'' کی تعلیل سے سمجھا جاتا ہے اور اس میں ہے کہ حق تعالیٰ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسے قضا نہیں کیا جائے گا روزے وغیرہ کی دلیل کی وجہ سے۔ ''حلبی''۔

''الزاہدی'' نے کہا: ''المنظم'' میں ہے کہ جب ایک مجلس میں یا کئی مجالس میں اللہ تعالیٰ کے اسم کا تکرار ہو تو ہر مجلس کے لئے علیحدہ ثنا واجب ہے۔ اور اگر اس کو ترک کرے گا تو اس پر دین باقی نہیں رہے گا۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کے بارے میں ہے۔ لیکن اگر اس کو ترک کرے گا تو اس کے ذمہ یہ قرض باقی رہے گا۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے تجدد سے خالی نہیں ہوگا جو ثنا کا سبب ہیں۔ پس قضا کے لئے وقت نہ ہوگا جیسے آخری دو رکعتوں میں فاتحہ کی قضا بخلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کے۔ ''شرح المنیہ''۔

اور اس کا حاصل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی ثنا ہر وقت واجب ہے تو جو اس نے پہلے ترک کیا تھا اس کو بطور قضا دوبارہ کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ کیونکہ کوئی شے اپنے محل میں ہو تو کسی دوسری چیز کا اس پر داخل کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ ''البحر'' میں اس پر اس

(وَالْمَذْهَبُ اسْتِحْبَابُهُ) أَيْ التَّكْرَارِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى؛ وَالْمُعْتَمَدُ مِنَ الْمَذْهَبِ قَوْلُ الطَّحَاوِيِّ، كَذَا ذَكَرَهُ الْبَاقَانِيُّ تَبَعًا لِمَا صَحَّحَهُ الْحَلَبِيُّ وَغَيْرُهُ وَرَجَّحَهُ فِي الْبَحْرِ بِأَحَادِيثِ الْوَعِيدِ كَرَغْمٍ وَإِبْعَادٍ وَشَقَاءٍ

اور مذہب تکرار کا استحباب ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اور مذہب سے معتمد ''الطحاوی'' کا قول ہے۔ اسی طرح ''الباقانی'' نے ذکر کیا ہے اس کی تبع میں جو ''الحلبی'' وغیرہ نے صحیح کہا ہے۔ اور احادیث وعید کی وجہ سے ''البحر'' میں اس قول کو ترجیح دی ہے۔ جیسے رغم، دور ہونے، شقا

طرح اعتراض کیا ہے: تمام اوقات اگرچہ ادا کا وقت ہیں لیکن وہ ادائیگی مطالب نہیں کیونکہ اسے ترک میں رخصت دی گئی ہے۔ یعنی جب وہ مطالب ادا نہیں تو جو وہ ادا کرے گا اسے قضا بنایا جائے گا تا کہ وہ اپنے ذمہ سے فارغ ہو جائے۔ لیکن کبھی کہا جاتا ہے کہ ترک کرنا جب رخصت تھا تو اس کا نہ ہونا عزیمت ہوا اور جب وہ عزیمت کو بجالایا تو وہ اپنے واجب کو ادا کرنے والا ہوا اور وہ ادا ہوگا۔ کیونکہ اس پر واجب تھا جیسے مسافر کو افطار کی رخصت دی گئی ہے جب وہ روزہ رکھے گا تو وہ عزیمت کو بجا لانے والا ہوگا اگرچہ اس نے فرض کی نیت نہ کی ہو اس کی مثل چار رکعت فرض کی آخری دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کی قراءت ہے اس کو اس کے ترک کی رخصت دی گئی ہے۔ اور جب وہ اس کو پڑھے گا تو وہ اس کی طرف سے قضا واقع نہ ہوگی جو اس نے پہلی دو رکعتوں میں فوت کیا۔

4406۔ (قولہ: وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى) ''الشرنبلالیہ'' میں اس کو ''شرح المجمع'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور ''الخزائن'' میں ہے: ''السرخسی'' نے اس کو ترجیح دی ہے کہ یہی فتویٰ کے لئے مختار ہے اور ''ابن الساعاتی'' نے اس کو اکثر علما کا قول کہا ہے۔

4407۔ (قولہ: وَالْمُعْتَمَدُ مِنَ الْمَذْهَبِ قَوْلُ الطَّحَاوِيِّ) ''الخزائن'' میں فرمایا: ''التحفہ'' وغیرھا میں اس کی تصحیح کی ہے۔ اور ''الحاوی'' میں اس کو اکثر کا قول بنایا ہے۔ اور ''شرح المنیہ'' میں ہے: یہی اصح مختار ہے۔ ''العینی'' نے ''شرح المجمع'' میں فرمایا: یہی میرا مذہب ہے۔ ''الباقانی'' نے فرمایا: یہی مذہب سے معتمد ہے۔ (''البحر'' میں اس کو ترجیح دی ہے۔ الخ)۔

4408۔ (قولہ: رَجَّحَهُ فِي الْبَحْرِ) ''ابن امیر حاج'' کی تبع میں ''البحر'' میں اسکو ترجیح دی ہے۔ ''ابن امیر حاج'' نے یہ ''التحفہ'' اور ''المحیط'' الرضوی سے روایت کیا ہے۔ ''حلبی''۔

4409۔ (قولہ: كَرَغْمٍ وَإِبْعَادٍ وَشَقَاءٍ) بہت سے محدثین نے ایسی سند کے ساتھ اسی حدیث کو روایت کیا ہے جس کے راوی ثقہ ہیں۔ اسی وجہ سے ''المستدرک'' میں ''حاکم'' نے کہا: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرمایا: رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: منبر کے پاس آؤ، پس ہم منبر کے پاس آئے جب آپ پہلی سیڑھی چڑھے تو فرمایا آمین، پھر دوسری سیڑھی چڑھے اور فرمایا آمین پھر تیسری سیڑھی چڑھے اور فرمایا آمین۔ پھر جب اترے تو ہم نے پوچھا یارسول الله ہم نے آپ سے ایک ایسی بات سنی ہے جو ہم پہلے نہیں سنتے تھے۔ تو فرمایا جبریل میرے پاس آئے اور کہا دور ہو جائے وہ جس نے رمضان پایا اور اس کی بخشش نہ ہوئی میں نے کہا آمین۔ پھر میں دوسری سیڑھی پر چڑھا تو جبریل نے کہا دور ہو جائے وہ جس کے سامنے تیرا ذکر کیا جائے اور وہ تجھ پر درود نہ پڑھے میں نے کہا آمین۔ پھر جب میں تیسری سیڑھی پر چڑھا

وَ بُخْلٍ وَ جَفَاءٍ ثُمَّ قَالَ فَتَكُونُ فَرْضًا فِي الْعُمْرِ، وَوَاجِبًا كُلَّمَا ذُكِرَ عَلَى الصَّحِيحِ، وَحَرَامًا عِنْدَ فَتْحِ التَّاجِرِ مَتَاعَهُ وَنَحْوِهِ، وَسُنَّةً فِي الصَّلَاةِ،

اور بخل اور جفا سے متصف ہونے پر دلالت کرنے والی احادیث۔ پھر صاحب ''البحر'' نے فرمایا: درود شریف عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے۔ اور صحیح قول پر جب بھی آپ کا ذکر کیا جائے درود پڑھنا واجب ہے۔ اور تاجر کے سامان وغیرہ کھولنے کے وقت درود پڑھنا حرام ہے۔ اور نماز میں سنت ہے۔

تو اس نے کہا دور ہو جائے وہ جس نے اپنے والدین کو بوڑھا پایا اور انہوں نے اسے جنت میں داخل نہیں کیا میں نے کہا آمین (1)۔ ایک روایت میں ہے: جس نے تجھ پر درود نہ پڑھا اسے اللہ تعالیٰ دور کر دے۔ دوسری روایت جس کو ''حاکم'' نے صحیح کہا یہ ہے کہ اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو۔ ایک اور روایت ہے جس کی سند حسن ہے: وہ شخص شقی ہو جس کے پاس تیرا ذکر ہوا اور وہ تجھ پر درود نہ پڑھے (2)۔ یہ تمام احادیث ''الدر المنضود'' سے لی گئی ہیں جو ''ابن حجر'' کی تصنیف ہے۔

4410۔ (قولہ: وَبُخْلٍ وَجَفَاءٍ) یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں ہے: بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے (3)۔ اس حدیث کو ''ترمذی'' نے روایت کیا ہے اور کہا: یہ حسن صحیح ہے۔ ''شرح المنیہ''۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: یہ جفا میں سے ہے کہ آدمی کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے (4)۔ اس کو امام ''السیوطی'' نے ''الجامع الصغیر'' میں روایت کیا ہے۔

4411۔ (قولہ: وَحَرَامًا) ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد کراہت تحریمی ہے۔ کیونکہ ''الفتاویٰ الہندیہ'' کے باب الکراھیۃ میں ہے: جب تاجر اپنا کپڑا کھولے اور اللہ کی تسبیح کرے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے جبکہ اس سے اس کی مراد مشتری کو اپنے کپڑے کی عمدگی سے آگاہ کرنا ہو تو یہ مکروہ ہے۔ اسی طرح چوکیدار ہے۔ کیونکہ وہ اس کے لئے قیمت لیتا ہے۔ اسی طرح فقاعی ہے (فقاعی جو کی نبیذ بیچنے والا) جب وہ اپنے فقاع کا منہ کھولنے کے وقت پڑھے اس مال کی ترویج اور تحسین کے قصد سے تو وہ گنہگار ہوگا۔ اسی وجہ سے اسے بھی روکا جائے گا جب عظیم شخص مجلس میں آئے اور سبحان اللہ کہے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اپنی آمد پر آگاہ کرنے کے لئے تاکہ لوگ اس کے لئے راستہ چھوڑ دیں یا اس کے لئے کھڑے ہو جائیں تو وہ گنہگار ہوگا۔

4412۔ (قولہ: وَسُنَّةٌ فِي الصَّلَاةِ) یعنی مطلقاً آخری قعدہ میں درود پڑھنا سنت ہے۔ اسی طرح غیر موکدہ نوافل (اور سنتوں) کے پہلے قعدہ میں درود پڑھنا سنت ہے تو غور کر۔ اور نماز جنازہ میں بھی درود پڑھنا سنت ہے۔

1۔ معجم الکبیر للطبرانی، جلد 19، صفحہ 144، حدیث نمبر 315

2۔ سنن ترمذی، کتاب الدعوات من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم رغم انف رجل، جلد 2، صفحہ 769، حدیث نمبر 3468

3۔ سنن ترمذی، کتاب کتاب الدعوات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم رغم انف رجل، جلد 2، صفحہ 770، حدیث نمبر 3469

4۔ فیض القدیر، جلد 6، صفحہ 13، حدیث نمبر 8215

وَمُسْتَحَبَّةٌ فِي كُلِّ أَوْقَاتِ الْإِمْكَانِ، وَمَكْرُوهَةٌ فِي صَلَاةٍ غَيْرِ تَشَهُّدٍ أَخِيرٍ فَلِذَا اسْتَثْنَى فِي النَّهْرِ
تمام اوقات امکان میں مستحب ہے۔ آخری تشہد کے علاوہ نماز میں مکروہ ہے۔ اسی وجہ سے ''النہر'' میں

وہ مقامات جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھنا مستحب ہے

4413۔ (قولہ: وَمُسْتَحَبَّةٌ فِي كُلِّ أَوْقَاتِ الْإِمْكَانِ) یعنی جہاں کوئی مانع نہیں ہے۔ بعض مواضع میں درود کے استحباب پر علماء نے نص قائم فرمائی ہے۔ جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات، ہفتہ، اتوار اور جمعرات کے دن کا اضافہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک دن کے بارے میں حدیث وارد ہے۔ صبح اور شام کے وقت، مسجد میں داخل ہونے اور اس سے خارج ہونے کے وقت۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت کے وقت۔ صفا و مروہ کے وقت۔ جمعہ کے خطبہ وغیرہ میں۔ مؤذن کے جواب کے بعد۔ اقامت کے وقت، دعا کی ابتدا، درمیان اور آخر میں، دعا قنوت کے بعد۔ تلبیہ سے فارغ ہونے کے وقت، جمع ہونے اور جدا ہونے کے وقت، وضو کے وقت، کان کے آواز دینے کے وقت، کسی چیز کو بھولنے کے وقت، وعظ اور علوم کو پھیلانے کے وقت، حدیث کی قراءت سے پہلے اور آخر میں، سوال اور فتویٰ لکھنے کے وقت، ہر مصنف کے لئے اور پڑھنے والے کے لئے، مدرس خطیب کے لئے، منگنی کا پیغام بھیجنے والے کے لئے، نکاح کرنے اور نکاح کرانے والے کے لئے، رسائل میں، تمام اہم امور کے وقت، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کرنے یا آپ کا اسم گرامی سننے یا لکھنے کے وقت اور اس شخص کے پاس جو درود کے وجوب کا قائل نہیں۔ اسی طرح ''دلائل الخیرات'' کی ''شرح الفاسی'' میں ہے۔ ملخصاً۔ اور ان میں سے اکثر مقامات ہماری کتب میں منصوص علیہ ہیں۔

4414۔ (قولہ: وَمَكْرُوهَةٌ فِي صَلَاةٍ غَيْرِ تَشَهُّدٍ أَخِيرٍ) یعنی اور وتر کی قنوت کے علاوہ۔ کیونکہ اس کے آخر میں مشروع ہے جیسا کہ ''البحر'' میں ہے۔ اس کی استثنا بھی بہتر ہے۔ ''حلبی''۔ اسی طرح نماز جنازہ کے علاوہ میں کیونکہ نماز جنازہ میں درود سنت ہے۔

وہ مقامات جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھنا مکروہ ہے

نوٹ: سات مقامات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھنا مکروہ ہے: جماع کے وقت، حاجت انسانی کے وقت، مبیع کی شہرت کے وقت، ٹھوکر کھانے اور تعجب کے وقت اور ذبح کے وقت اور چھینک کے وقت۔ آخری تین مقامات میں اختلاف ہے، ''شرح الدلائل''۔

اور ہمارے نزدیک ''الشرعة'' میں ان تین مقامات پر نص ہے۔ فرمایا: چھینک کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر نہ کرے، ذبیحہ کو ذبح کرتے وقت آپ کا ذکر نہ کرے اور تعجب کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر نہ کرے۔

4415۔ (قولہ: فَلِذَا اسْتَثْنَى فِي النَّهْرِ الخ) میں کہتا ہوں: اس کی استثنا کی گئی ہے جب قراءت یا خطبہ کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کرے یا سنے۔ کیونکہ قراءت اور خطبہ میں غور سے سننے اور خاموش رہنے کے وجوب کا ذکر ہے۔ اور ''الفتاویٰ الہندیہ'' کے باب الکراھیة میں ہے: اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام سنے جبکہ وہ تلاوت کر رہا ہو تو اس پر درود پڑھنا واجب نہیں اگر

مِنْ قَوْلِ الطَّحَاوِيِّ مَا فِي تَشَهُّدٍ أَوَّلٍ وَضِمْنَ صَلَاةٍ عَلَيْهِ لِئَلَّا يَتَسَلْسَلَ، بَلْ خَصَّهُ فِي دُرَرِ الْبِحَارِ بِغَيْرِ الذَّاكِرِ لِحَدِيثِ (مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلْيَحْفَظْ)

"الطحاوی" کے قول سے اس کی استثنا کی ہے جو پہلے تشہد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا ہے اور جو آپ پر درود پڑھنے کے وقت آپ کا نام ذکر کیا جاتا ہے تا کہ تسلسل نہ ہو بلکہ "دررالبحار" میں ذاکر کے علاوہ کے ساتھ خاص کیا ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے: جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے پس اس کو یاد رکھنا چاہئے۔

قراءت سے فارغ ہونے کے بعد درود پڑھے تو یہ عمدہ ہے۔ اسی طرح "الینابیع" میں ہے۔ اگر قرآن پڑھ رہا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی سے گزرا تو قرآن کی تالیف اور نظم پر قرآن پڑھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت درود پڑھنے سے افضل ہے۔ اگر فارغ ہو جائے اور درود پڑھے تو یہ افضل ہے ورنہ اس پر کوئی چیز نہیں ہے۔ اسی طرح "الملتقط" میں ہے۔

4416۔ (قولہ: مَا فِي تَشَهُّدٍ أَوَّلٍ) یعنی نوافل کے علاوہ میں۔ کیونکہ اگر چہ اس نے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا ہے پھر بھی اس میں درود مکروہ تحریمی ہے چہ جائیکہ واجب ہو۔

4417۔ (قولہ: لِئَلَّا يَتَسَلْسَلَ) یہ دوسری صورت کی علت ہے یعنی کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے خالی نہیں ہوتی۔ اگر ہم یہاں یعنی درود کے وجوب کا قول کریں تو یہ دوبارہ درود کا تقاضا کرے گی۔ اسی طرح سلسلہ چلتا رہے گا اور اس میں حرج ہے۔ رہی پہلی علت تو وہ اس قول و لہٰذا استثنیٰ میں ذکر کی ہے یعنی آخری تشہد کے علاوہ میں اس کی کراہت کی وجہ سے اس کی استثنا کی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ (ضمن) کا قول (تشہد) پر عطف کی وجہ سے جر کے ساتھ ہے اس علت سے قطع نظر کے باوجود دوسری علت کی دلیل کی وجہ سے۔ کیونکہ وہ صرف دوسری صورت کے لئے ہے ورنہ یہ کہتے تا کہ تسلسل نہ ہو پہلی علت پر عطف کے ساتھ اور اسی دلیل کے ساتھ کہ پہلی علت حکم ثانی کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

4418۔ (قولہ: بَلْ خَصَّهُ فِي دُرَرِ الْبِحَارِ الخ) "طحاوی" کے قول کو ذاکر کے علاوہ کے ساتھ وجوب کو خاص کیا ہے اس اعتراض کو دور کرتے ہوئے جو بعض علماء نے "طحاوی" پر وارد کیا ہے کہ اس طرح تو تسلسل لازم آتا ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے خالی نہیں ہوتا۔

جواب کا حاصل صرف سامع پر وجوب کی تخصیص ہے۔ کیونکہ (مقولہ 4409 میں) گزشتہ وعید کی احادیث اس کا فائدہ دیتی ہیں۔ کیونکہ لفظ البخیل من ذکرت عندہ ذاکر کو شامل نہیں کیونکہ من موصولہ بمعنی وہ شخص ہے جس کی موجودگی میں ذکر واقع ہوا ہو۔ پس یہ تقاضا کرتا ہے کہ ذاکر اس کے علاوہ ہے ورنہ کہا جاتا مَنْ ذَكَرَنِي جس نے میرا ذکر کیا۔ "حلبی" نے اس طرح جواب دیا ہے: ذاکر مساوات کی دلالت کی وجہ سے داخل ہے۔ اور کبھی اس طرح یہ اعتراض دور کیا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود سے مقصود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے اور آپ کا ذکر کرنے والا آپ کا ذکر نہیں کرتا مگر تعظیم کے مقام میں۔ پس اسے درود پڑھنا لازم نہیں بلکہ سننے والے پر لازم ہے تا کہ ہر وجہ سے تعظیم میں خلل نہ ہو "تامل"۔ لیکن یہ ذاکر کو ابتداءً شامل

وَإِزْعَاجُ الْأَعْضَاءِ بِرَفْعِ الصَّوْتِ جَهْلٌ وَإِنَّمَا هِيَ دُعَاءٌ لَهُ، وَالدُّعَاءُ يَكُونُ بَيْنَ الْجَهْرِ وَالْمُخَافَتَةِ كَذَا اعْتَمَدَهُ الْبَاجِيُّ فِي كَنْزِ الْعُفَاةِ، وَحَرَّرَ أَنَّهَا قَدْ تُرَدُّ كَكَلِمَةِ التَّوْحِيدِ مَعَ أَنَّهَا أَعْظَمُ مِنْهَا وَأَفْضَلُ؛ لِحَدِيثِ الْأَصْبَهَانِيِّ وَغَيْرِهِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مَنْ صَلَّى عَلَيَّ مَرَّةً وَاحِدَةً فَتُقُبِّلَتْ مِنْهُ مَحَا اللهُ عَنْهُ ذُنُوبَ ثَمَانِينَ سَنَةً)

آواز کو بلند کرنے کے ساتھ اعضا کو حرکت دینا جہالت ہے۔ درود شریف، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے دعا ہے اور دعا جہر اور خفا کے درمیان ہوتی ہے۔ اسی طرح ''کنز العفاۃ'' میں الباجی نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ اور یہ تحریر کیا ہے کہ درود شریف بھی کلمہ توحید کی طرح رد کیا جاتا ہے حالانکہ کلمہ توحید، درود سے اعظم ہے۔ کیونکہ ''اصبہانی'' وغیرہ کی حدیث حضرت انس سے مروی ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا پھر اس سے قبول کیا گیا تو اللہ تعالیٰ اس کے اسی سال کے گناہ معاف کر دے گا (1)

ہے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلاۃ کے ضمن میں؟ اور ''غرر الافکار''، ''شرح درر البحار'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ یہ دوسرا قول ہے جو اس کے مخالف ہے جس پر الشارح چلا ہے کہ اولاً ذاکر اور سامع پر واجب ہے۔ ''ابن الساعاتی'' نے اپنی ''مجمع'' کی شرح میں اس کی تصریح کی ہے۔ اور اس وجہ سے کہ ''شرح المجمع'' میں ''ابن مالک'' اس پر چلے ہیں المصنف نے اپنی شرح ''زاد الفقیر'' میں اس کی اتباع کی ہے کہ انہوں نے وجوب کو ابتداً ذکر کی وجہ سے ذاکر پر خاص کیا ہے نہ آپ پر صلاۃ کے ضمن میں۔ میرے لئے ظاہر ہوا ہے کہ یہ زیادہ قریب ہے۔

تسلسل کو تعمیم الذاکر کی طرف دھکیلنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

پھر یہ تمام ایک مجلس میں وجوب کے تکرار پر مبنی ہے اور ہم نے پہلے (مقولہ 4401 میں) تداخل کی ترجیح اور ایک مرتبہ پڑھنے پر اکتفا کو بیان کیا ہے اس بنا پر تسلسل کا اعتراض اصل سے ہی دور ہو جاتا ہے۔

4419۔ (قولہ: وَإِزْعَاجُ الْأَعْضَاءِ) ''الہندیہ'' میں فرمایا: قرآن کے سماع اور وعظ کے وقت آواز بلند کرنا مکروہ ہے۔ اور جو وجد اور محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ صوفیاء کو آواز بلند کرنے اور کپڑے پھاڑنے سے روکا جائے گا۔ اسی طرح ''السراجیہ'' میں ہے۔

کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود، رد کیا جاتا ہے یا نہیں

4420۔ (قولہ: وَحَرَّرَ أَنَّهَا قَدْ تُرَدُّ) یعنی کبھی درود شریف قبول نہیں کیا جاتا۔ اور قبول کا مطلب ہے کسی شے سے مطلوب غرض کا کسی شے پر مرتب ہونا جیسے طاعت پر ثواب مرتب ہوتا ہے۔ اور طاعت کی شرائط اور ارکان کا پورا ہونے کو قبولیت لازم نہیں جیسا کہ ''الولوالجیہ'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ فرمایا: قبولیت کے لئے بڑی مشکل شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ کا

1۔ القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع، الصلوٰۃ علی فی یوم الجمعۃ ولیلتھا، صفحہ 282، مکتبۃ المؤید الطائف

....

ارشاد ہے: اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ (المائدہ) اللہ تعالیٰ متقین سے قبول فرماتا ہے۔ پس قبولیت عزیمت کے صدق پر موقوف ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ثواب کے ساتھ جس پر چاہتا ہے محض اپنے فضل سے فضل فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ثواب دینا واجب نہیں۔ کیونکہ بندہ اپنے لئے عمل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمام جہاں سے غنی ہے۔ ہاں اس نے جب طاعت پر اور تکلیف پر ثواب کا وعدہ فرمایا ہے حتیٰ کہ انسان کو جو کانٹا چبھتا ہے اس پر بھی محض اپنے فضل سے ثواب عطا فرماتا ہے تو اس کے سچے وعدہ کی وجہ سے ثواب کا وجود ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ (آل عمران: 195) (میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا)۔ اس بنا پر بعض اعمال کے لئے عدم قبولیت، قبولیت کی شروط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے ہے جیسے نماز جیسے عمل میں خشوع کا نہ ہونا یا روزے میں جوارح کی حفاظت نہ کرنا زکوٰۃ اور حج میں پاک مال کا نہ ہونا یا مطلقاً اخلاص کا نہ ہونا اور اس جیسے دوسرے عوارض کا لاحق ہونا۔ اس بنا پر نبی کریم ﷺ پر پڑھے جانے والے درود کا کبھی رد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کسی عارض کی وجہ سے بندے کو اس پر ثواب نہ ملنا جیسے اس جگہ پڑھنا جہاں پڑھنا حرام ہے جیسا کہ (مقولہ 4411 میں)، یا غافل دل کے ساتھ پڑھنا، یا ریا کاری اور شہرت کے لئے پڑھنا جیسا کہ کلمہ توحید جو کہ درود سے افضل ہے اگر وہ کلمہ توحید نفاق یا ریا کاری کے لئے پڑھتا ہے تو وہ قبول نہیں کیا جاتا مگر جب ان عوارض اور ان جیسے دوسرے عوارض سے خالی ہو تو ظاہر یہ ہے کہ وہ یقیناً قبول ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے سچے وعدہ کو پورا فرمائے گا جس طرح دوسری طاعت پر ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل کی وجہ سے ہے لیکن بہت سے علماء کے عبارات میں ایسا کلام واقع ہے جو مطلقاً درود کی قبولیت کا تقاضا کرتا ہے۔ مصنف کی ''شرح المجمع'' میں ہے: دعا سے پہلے درود شریف پڑھنا مابعد دعا کی قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔ کیونکہ کریم کی شان کے لائق نہیں کہ وہ بعض دعا کو قبول کرے اور بعض کو رد کر دے۔ اس کی مثل ''ابن مالک'' وغیرہ کی شرح میں ہے۔

''الفاسی'' نے ''شرح الدلائل'' میں فرمایا: شیخ ''ابو اسحاق'' الشاطبی نے ''شرح الالفیہ'' میں فرمایا: رسول اللہ ﷺ پر درود قطعی طور پر قبول ہے جب اس کے ساتھ سوال متصل ہو۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس میں جب درود ملتا ہے تو وہ سوال قبول کر لیا جاتا ہے یہی مفہوم بعض سلف سے مذکور ہے۔ ''شیخ السنوسی'' وغیرہ نے اس کلام پر اشکال وارد کیا ہے۔ اور انہوں نے اس کی کوئی دلیل نہیں پائی اور کہا: اگر اس کے لئے قطعیت نہیں ہے تو غلبہ ظن اور قوی امید میں تو کوئی شک نہیں۔

''دلائل الخیرات'' کی پہلی فصل میں ذکر کیا ہے کہ ''ابو سلیمان الدارانی'' نے کہا: جو اللہ تعالیٰ سے حاجت کا سوال کرنا چاہتا ہے وہ نبی کریم ﷺ پر کثرت سے درود پڑھے پھر اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت کا سوال کرے اور اس کا اختتام بھی نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنے پر کرے۔ اللہ تعالیٰ دونوں درودوں کو قبول فرمائے گا اس کی شان کریمی سے بعید ہے کہ وہ درمیان والی حاجت کو چھوڑ دے۔

''الفاسی'' نے اس کی شرح میں فرمایا: بعض علما کے نزدیک ''ابو سلیمان'' کے کلام میں سے یہ ہے کہ تمام اعمال میں مقبول

فَقَيَّدَ الْمَأْمُولَ بِالْقَبُولِ (وَ دَعَا) بِالْعَرَبِيَّةِ،
ثواب کی امید کو قبولیت کے ساتھ مقید کیا ہے۔ اور عربی زبان میں دعا کرے ''نہر''۔

اور مردود ہوتے ہیں سوائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درود کے وہ مقبول ہوتا ہے۔ رد نہیں کیا جاتا۔ ''الباجی'' نے حضرت ''ابن عباس'' سے روایت کیا ہے کہ جب تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو اپنی دعا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شامل کر۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود مقبول ہے اور اللہ تعالیٰ کے کرم سے بعید ہے کہ وہ بعض کو قبول کرے اور بعض کو رد کرے۔ پھر اسی طرح ''شیخ ابو طالب المکی'' اور حجۃ الاسلام ''امام غزالی'' کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ ''العراقی'' نے کہا: میں نے اس روایت کو مرفوع نہیں پایا یہ حضرت ابوالدردا پر موقوف ہے۔ اور جو اس پر زیادتی کا ارادہ کرے وہ ''شرح الدلائل'' کی طرف رجوع کرے۔

اس سے جو ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ قطعی قبولیت سے مراد یہ ہے کہ درود شریف اصلاً رد نہیں کیا جاتا حالانکہ کلمہ توحید...... یہ شہادت ہے...... کبھی رد کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے ''السنوسی'' وغیرہ نے اس پر اشکال وارد کیا ہے۔ اور جس چیز پر سلف کا کلام محمول کرنا مناسب ہے وہ یہ ہے کہ درود شریف جب ایک دعا ہے۔ اور دعا میں سے مقبول بھی ہوتی ہے اور مردود بھی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کبھی سائل کی وہی التجا قبول فرماتا ہے جو وہ مانگتا ہے کبھی طلب کی گئی دعا کے علاوہ کو قبول کرتا ہے اس کی حکمت جس کا تقاضا کرتی ہے۔ درود، دعا کے عموم سے خارج ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ، مضارع کا لفظ ذکر فرمایا جو استمرار تجدیدی کو مفید ہے جبکہ آغاز جملہ اسمیہ سے فرمایا جو تاکید کو مفید ہے۔ اِنَّ کے ساتھ ابتدا فرمائی جو تاکید کی زیادتی کو مفید ہے یہ اس پر دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمیشہ ہمیشہ درود بھیج رہا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں پر احسان فرمایا کہ انہیں درود پڑھنے کا حکم دیا تاکہ انہیں اس کی وجہ سے زیادہ فضلیت وشرف حاصل ہو ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کے درود کی وجہ سے لوگوں کے درود سے مستغنی ہیں۔ پس بندہ مومن کی دعا اللہ تعالیٰ سے جس میں صلاۃ (درود) طلب کرتا ہے وہ قطعاً مقبول ہوتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر درود بھیجتا ہے...... بخلاف دعا کی تمام اقسام کے اور دوسری عبادات کے اور اس میں ایسی کوئی چیز نہیں جو تقاضا کرے کہ مومن کو ثواب دیا جاتا ہے یا ثواب نہیں دیا جاتا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ طلب اور دعا مقبول ہے مردود نہیں ہے۔ رہا ثواب تو وہ عوارض کے نہ ہونے کے ساتھ مشروط ہے جیسا کہ ہم نے پہلے (اس مقولہ میں) بیان کیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ سلف کے کلام میں اشکال نہیں ہے اور اس کے لئے قوی سند ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا خود خبر دینا ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ اس تحریر کو غنیمت سمجھ۔ یہ ''الفتاح العلیم'' کے فیض سے ہے۔ پھر میں نے ''الرحمتی'' کو دیکھا انہوں نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔

4421۔ (قولہ: فَقَيَّدَ الْمَأْمُولَ بِالْقَبُولِ) یعنی وہ ثواب بندہ جس کی امید رکھتا ہے...... اور وہ یہاں گناہوں کو مٹانا ہے...... اسے قبولیت کے ساتھ مقید کیا ہے یعنی وہ عزیمت کے صدق اور عدم موانع پر موقوف ہے جبکہ تو نے جان لیا ہے کہ یہ دعا کے قطعی مقبول ہونے کے منافی ہے۔

وَحَرُمَ بِغَيْرِهَا نَهْرٌ لِنَفْسِهِ وَأَبَوَيْهِ وَأُسْتَاذِهِ الْمُؤْمِنِينَ
اور عربی کے علاوہ زبان میں دعا کرنا حرام ہے۔ اپنے لئے، اپنے مومن والدین اور اساتذہ کے لیے۔

4422۔(قولہ: وَحَرُمَ بِغَيْرِهَا) میں کہتا ہوں: ''البحر'' میں امام ''القرافی'' المالکی کے حوالہ سے یہ علت بیان کرتے ہوئے نقل کیا ہے کہ یہ ایسی چیز پر مشتمل ہے جو تعظیم کے منافی ہے۔ پھر میں نے علامہ ''اللقانی'' المالکی کو دیکھا انہوں اپنی ''الشرح الکبیر'' میں اپنی منظومہ...... جس کا نام ''جوہر التوحید'' رکھا ہے پر ''القرافی'' کا کلام نقل کیا ہے۔ اور عجمی زبان کو ایسی زبان کے ساتھ مقید کیا ہے جس کی دلالت مجہول ہو۔ ''القرافی'' کی تعلیل سے اخذ کرتے ہوئے کہ ممکن ہے وہ ایسی چیز پر مشتمل ہو جو ربوبیت کے جلال کے منافی ہو۔ پھر فرمایا: ہم نے مجہول الدلالہ کی قید اس لئے لگائی ہے کیونکہ جس کا مدلول معلوم ہو تو اس کا استعمال نماز میں اور غیر نماز میں مطلقاً جائز ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (البقرہ: 31) (اور آدم علیہ السلام کو تمام اسماء سکھائے) اور فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ (ابراہیم: 4)۔

لیکن ہمارے نزدیک منقول کراہت ہے۔ ''غرر الافکار'' شرح ''درر البحار'' میں فرمایا: اس جگہ عجمی زبان میں دعا مکروہ ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عجمیوں کی کلام سے منع فرمایا۔

الرطانه سے ...... جیسا کہ ''القاموس'' میں ہے ...... عجمی زبان میں کلام کرنا مراد ہے۔ میں نے ''الولوالجیہ'' میں فارسی میں تکبیر کی بحث میں دیکھا کہ تکبیر اللہ کی عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ غیر عربی کو پسند نہیں کرتا۔ اسی وجہ سے عربی میں دعا قبولیت کے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ رضا اور محبت میں دوسری زبانیں عربی کے مقام پر واقع نہیں ہوتی۔ تعلیل کا ظاہر یہ ہے کہ غیر عربی میں دعا خلاف اولیٰ ہے اور اس میں کراہت تنزیہی ہے۔

فصل کے آغاز میں گزر چکا ہے کہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے فارسی میں قراءت سے نماز کے عدم جواز میں ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کی طرف رجوع کرلیا تھا مگر عربی سے عجز کی صورت میں جائز ہے۔ رہا فارسی میں شروع ہونے کی صحت...... اسی طرح نماز کے تمام اذکار...... یہ اختلاف پر ہیں۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فارسی میں مطلقاً نماز صحیح ہے۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کا نظریہ اس کے خلاف ہے جیسا کہ شارح نے وہاں اس کی تحقیق فرمائی ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحت کراہت کے منافی نہیں۔ فقہاء نے کراہت کے شروع ہونے میں تصریح کی ہے۔ رہے نماز کے بقیہ اذکار تو میں نے اس میں کراہت کی تصریح نہیں دیکھی سوائے اس کے جو گزر چکا ہے اور بعید نہیں کہ نماز میں عجمی زبان میں دعا مکروہ تحریمی ہو اور نماز سے باہر مکروہ تنزیہی ہو۔ پس غور کرنا چاہئے اور رجوع کرنا چاہئے۔

4423۔(قولہ: لِنَفْسِهِ وَأَبَوَيْهِ وَأُسْتَاذِهِ الْمُؤْمِنِينَ) المومنین کے لفظ سے اس صورت سے احتراز کیا جب یہ لوگ کافر ہوں۔ کیونکہ کفار کیلئے مغفرت کی دعا جائز نہیں جیسا کہ آگے (مقولہ 4425 میں) آئے گا بخلاف اس کے کہ وہ ان کے لئے ہدایت وتوفیق کی دعا مانگے اگر وہ زندہ ہوں۔ مناسب ہے کہ تمام مومنین اور مومنات کا اضافہ کرے جیسا کہ ''المنیہ''

1۔ تاریخ بغداد، جلد 6، صفحہ 157، مکتبۃ العربیۃ بغداد

وَيَحْرُمُ سُؤَالُ الْعَافِيَةِ مَدَى الدَّهْرِ، أَوْ خَيْرِ الدَّارَيْنِ وَدَفْعِ شَرِّهِمَا، أَوْ الْمُسْتَحِيلَاتِ الْعَادِيَةِ كَنُزُولِ الْمَائِدَةِ، قِيلَ وَالشَّرْعِيَّةِ
اور ہمیشہ کی عافیت یا دونوں جہانوں کی خیر یا دونوں جہانوں کے شر کے دفاع یا مستحیلات عادیہ...... جیسے دستر خوان کے اوپر سے نازل ہونا۔ بعض علما نے کہا: مستحیلات شرعیہ کا سوال کرنا حرام ہے۔

میں کہا ہے۔ کیونکہ سنت تعمیم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (محمد: 19)۔

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: من صلی صلاۃ لم یدع فیھا للمومنین والمومنات فھی خداج (جس نے نماز پڑھی اور اس میں مومنین اور مومنات کے لئے دعا نہ مانگی تو وہ نماز ناقص ہے)۔ جیسا کہ ''البحر'' میں المستغفری کی روایت ہے: کوئی دعا اللہ تعالیٰ کو بندے کے اس قول سے زیادہ محبوب نہیں (1) اللھم اغفر لامة محمد مغفرۃ عامة (اے اللہ امت محمدیہ کی مغفرت عامہ فرما)۔ ایک روایت میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا: اللھم اغفر لی اے اللہ مجھے بخش دے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: تیرے لئے افسوس اگر تو دعا کو عام کرتا تو تیرے لئے قبول کی جاتی۔ ایک روایت میں ہے: جس نے کہا: مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کر اس کے کندھے پر مارا اور فرمایا: اپنی دعا میں سب کو شامل کر۔ کیونکہ خاص اور عام دعا کے درمیان اس طرح فرق ہے جس طرح زمین اور آسمان میں ہے۔ اور ''البحر'' میں ''الحاوی القدسی'' کے حوالہ سے ہے: آخری قعدہ کی سنتوں میں سے دعا ہے جو چاہے دین و دنیا کی صلاح میں سے اپنے لئے اپنے والدین کے لئے اور اپنے اساتذہ کے لئے اور تمام مومنین کے لئے۔

صاحب ''البحر'' نے فرمایا: یہ اس کو مفید ہے کہ اگر اس نے کہا: اللھم اغفر لی ولوالدی و استاذی تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ حالانکہ الاستاذ کا لفظ قرآن میں نہیں ہے۔ پس یہ اللھم اغفر لزید میں عدم فساد کا تقاضا کرتا ہے۔

حرام دعا کے بارے میں

4424۔ (قولہ: وَيَحْرُمُ سُؤَالُ الْعَافِيَةِ مَدَى الدَّهْرِ... الی قولہ والحق) یہ بھی ''القرافی'' المالکی کے کلام سے ہے۔ ''النہر'' میں ''القرافی'' سے اس کو نقل کیا ہے۔ اور علامہ ''اللقانی'' نے اپنی شرح ''جوہرۃ التوحید'' میں اس کو نقل کیا ہے۔ فرمایا: حرام میں دوسری یہ کہ وہ مستحیلات عادیہ کا سوال کرے۔ فی الحال وہ نہ نبی ہے اور نہ ولی ہے جیسے ہوا میں سانس لینے سے استغنا کا سوال تاکہ اختناق سے محفوظ رہے۔ ہمیشہ مرض سے عافیت کا سوال تاکہ وہ اپنے قویٰ اور حواس سے ہمیشہ نفع اٹھاتا رہے۔ کیونکہ عادت اس کے محال ہونے پر دلالت کرتی ہے یا بغیر جماع کے بچے کا سوال کرے یا بغیر درختوں کے پھلوں کا سوال کرے۔ اسی طرح یہ قول ہے: مجھے دنیا و آخرت کی بھلائی عطا فرما کیونکہ یہ محال ہے اور انبیا کے منازل اور ملائکہ کے مراتب کے علاوہ سے خصوص مراد لینا ضروری ہے۔ ضروری ہے کہ اسے بعض شرور پالیں اگرچہ موت کے سکرات ہو

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب طلاق المکرہ والناسی، جلد 1 صفحہ 634، حدیث نمبر 2034

وَالْحَقُّ حُرْمَۃُ الدُّعَاءِ بِالْمَغْفِرَۃِ لِلْکَافِرِ لَا لِکُلِّ الْمُؤْمِنِیْنَ کُلَّ ذُنُوْبِھِمْ بَحْرٌ

اور حق یہ ہے کہ کافر کے لئے مغفرت کی دعا حرام ہے تمام مومنین کے لئے ان کے گناہوں کی معافی کے لئے دعا حرام نہیں ہے۔''بحر''۔

اور قبر کی وحشت ہو یہ تمام حرام ہیں۔ تیسرا یہ کہ وہ ایسے امر کی نفی طلب کرے سمع جس کی نفی پر دلالت کرے جیسے وہ کہے: ربنا لاتواخذنا ان نسینا او اخطانا حالانکہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رفع عن امتی الخطأ و النسیان ما استکرھوا علیہ(1) (میری امت سے خطا، نسیان اور جس پر وہ مجبور کئے گئے ہوں اٹھا لئے گئے ہیں) جب یہ امور اٹھا لئے گئے ہیں تو پس یہ تحصیل حاصل ہوگا اور سوء ادب ہوگا جیسے ہم پر نماز اور زکاۃ واجب فرما۔ مگر جب خطا سے عمد مراد لے اور ایسی مصیبتیں اور تکالیف مراد لے جن کی طاقت نہیں ہوتی تو جائز ہے۔''ملخصاً''

''اللقانی'' نے فرمایا: بعض فقہا نے اس کا اس سے رد کیا ہے جو ہم نے ''العز بن عبد السلام'' کے حوالہ سے پہلے پیش کیا ہے کہ اس کے ساتھ دعا جائز ہے جس سے سلامتی معلوم ہو چکی ہو۔

اسی وجہ سے الشارح نے کہا: قیل والشاعیۃ یعنی سب سے بہتر دعا وہ ہے جو قرآن وسنت میں وارد ہے اور ان میں سے ربنا لاتواخذنا ہے پھر اس سے کیسے منع کیا جائے گا اگر تحصیل حاصل کے ساتھ دعا منع ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود اور آپ کے لئے دعا وسیلہ جائز نہ ہوتی اور نہ مومن کا قول اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ جائز ہوتا اور نہ شیطان اور کافروں پر لعنت جائز ہوتی اور نہ اس قسم کی چیز جس میں عجز اور عبودیت کا اظہار ہوتا ہے، یا نبی کی محبت سے رغبت یا دین کی محبت یا کافروں کے فعل سے نفرت وغیرہ جائز ہوتی۔ بخلاف اس شخص کے قول کے جو کہتا ہے اللھم اجعلنی رجلاً (اے اللہ مجھے مرد بنا دے) اور ایسی چیزیں جن میں فائدہ نہ ہوتا یا اللہ تعالیٰ پر اس میں تحکم ہوتا ہے جیسے ایسی چیز طلب کرنا جس کے پانے کا وہ اہل ہی نہیں یا وہ مستحال ہے۔ کیونکہ یہ دعا میں زیادتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ؀ (الاعراف)

حضرت ''عبد اللہ بن مغفل'' رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو یہ کہتے ہوئے سنا اے اللہ میں تجھ سے جنت کی دائیں جانب سفید محل کا سوال کرتا ہوں جب میں جنت میں داخل ہوں تو حضرت عبد اللہ نے اسے کہا: اے میرے بیٹے اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کر اور اس سے آگ سے پناہ مانگ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: اس امت میں ایک قوم ہوگی جو طہور اور دعا میں حد سے تجاوز کرے گی (1)۔

وعید کے خلف کے بارے میں، کافر کے لئے اور تمام مومنین کے لئے مغفرت کی دعا کا حکم

4425۔ (قولہ: وَالْحَقُّ الخ) یہ امام ''القرافی'' اور ان کے متبعین پر رد ہے۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا: کافر کیلئے

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطھارۃ، باب الاسراف فی الماء، جلد 1، صفحہ 64، حدیث نمبر 88

سنن ابن ماجہ، کتاب الدعاء، باب کراھیۃ الاعتداء فی الدعا، جلد 2، صفحہ 530، حدیث نمبر 3853

....

مغفرت کی دعا کرنا کفر ہے کیونکہ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خبر دی اس میں اللہ تعالیٰ کی تکذیب کو طلب کیا اور دعا تمام مومنین کے لئے تمام گناہوں کی مغفرت کی دعا حرام ہے۔ کیونکہ اس میں احادیث صحیحہ کی تکذیب ہے جو اس بات کی تصریح کرتی ہیں کہ مومنین کے ایک طائفہ کو گناہوں کی وجہ سے آگ کا عذاب ہوگا اور وہ شفاعت کے ذریعے یا شفاعت کے بغیر آگ سے نکلیں گے اور یہ کفر نہیں۔ کیونکہ اخبار احاد اور قطعی خبر کی تکذیب کے درمیان فرق ہے۔

پہلے قول پر صاحب ''الحلبہ'' المحقق ''ابن امیر حاج'' نے ''القرافی'' کی موافقت کی ہے۔ اور دوسرے میں اس کی مخالفت کی ہے اور اس کو ثابت فرمایا ہے کہ یہ مشہور مسئلہ پر مبنی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ کیا وعید میں خلاف جائز ہے؟ جو ''المواقف'' اور ''المقاصد'' میں ہے اس کا ظاہر یہ ہے کہ اشاعرہ اس کے جواز کے قائل ہیں۔ کیونکہ یہ نقص شمار نہیں ہوتا بلکہ جود اور کرم شمار ہوتا ہے۔ ''التفتازانی'' وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ محققین اس کے عدم جواز کے قائل ہیں۔ ''النسفی'' نے تصریح کی ہے کہ یہ صحیح ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ پر یہ محال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَیْكُمْ بِالْوَعِیْدِ ۝ مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ (سورہ ق: 28-29)

اور دوسرا ارشاد ہے وَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ (الحج: 47)۔ یعنی اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرے گا۔

اس کے ساتھ خاص طور پر بندوں کی مدح کی جاتی ہے۔ پس یہ دعا پہلے پر جائز ہے دوسرے پر نہیں۔ اور اشبہ وعید میں خاص مسلمانوں کے حق میں خلف کو ترجیح ہے کفار کے حق میں نہیں تاکہ مانعین کے پہلے دلائل اور مثبتین کے دلائل کے درمیان تطبیق ہو جائے۔ مثبتین کے دلائل میں سے یہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے نص قائم فرمائی ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ (النساء: 48)

اور حضرت ابراہیم کی دعا ہے: رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝ (ابراہیم)

اور اس کا ہمارے نبی کو حکم دیا: وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ (محمد: 19)

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل جیسا کہ ''صحیح ابن حبان'' میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اللھم اغفر لعائشۃ ما تقدم من ذنبھا وما تاخرت ما اسرت وما اعلنت (1)۔ اے اللہ حضرت عائشہ کے پہلے پچھلے، پوشیدہ اعلانیہ گناہوں کو بخش دے۔ پھر فرمایا: ہر نماز میں میری امت کے لئے میری یہی دعا ہے۔ اس قول کا حاصل تخصیص کا جواز ہے کیونکہ وعید کی نصوص میں عموم سے وضع لغوی کی وجہ سے لفظ اس پر دلیل ہے۔ اور یہ نصوص صحیحہ کے منافی نہیں جو تصریح کرتی ہیں کہ مومنین میں سے کچھ آگ میں داخل ہوں گے اور ان کے گناہوں پر آگ میں انہیں سزا دی جائے گی۔ کیونکہ غرض تمام مومنین کے لئے تمام گناہوں کی مغفرت کا جواز ہے تمام کے لئے اس وقوع کا جزم نہیں اور اس کے ساتھ دعا کا جواز اس کے وقوع کے جواز پر مبنی ہے نہ کہ اس کے وقوع کے جزم پر مبنی ہے۔ یہ ''الحلبہ'' کی طویل بحث کا خلاصہ ہے۔

1۔ مستدرک علی الصحیحین، ذکر الصحابیات من ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 4، صفحہ 13، حدیث نمبر 6738

(بِالْأَدْعِيَةِ الْمَذْكُورَةِ فِي الْقُرْآنِ وَالسُّنَّةِ لَا بِمَا يُشْبِهُ كَلَامَ النَّاسِ) اضْطَرَبَ فِيهِ كَلَامُهُمْ وَلَا سِيَّمَا الْمُصَنِّفُ: وَالْمُخْتَارُ كَمَا قَالَهُ الْحَلَبِيُّ أَنَّ مَا هُوَ فِي الْقُرْآنِ أَوْ فِي الْحَدِيثِ

اور دعائیں وہ مانگے جو قرآن وسنت میں مذکور ہیں۔ایسی دعا نہ مانگے جو لوگوں کی کلام کے مشابہ ہو اس میں فقہا کا کلام مضطرب ہے خصوصاً مصنف کا کلام اور مختار کا کلام...... جیسا کہ ''الحلبی'' نے کہا ہے کہ جو دعا قرآن یا حدیث میں ہے

اور اس کا حاصل یہ ہے کہ وعید کے خلف کے عدم جواز پر جونصوص دلالت کرتی ہیں وہ مومنین کے علاوہ لوگوں کے ساتھ خاص ہیں۔اور رہا مومنین کے حق میں تو یہ عقلاً جائز ہے۔پس تمام کی مغفرت کی دعا جائز ہے اگر چہ نصوص صحیحہ کی وجہ سے یہ واقع نہیں ہوگا یعنی وہ نصوص جو تصریح کرتی ہیں کہ ایک طائفہ کو ضرور عذاب ہوگا۔اور دعا کا جواز عقلاً جواز پر مبنی ہے۔لیکن اس پر یہ وارد ہوتا ہے کہ جونصوص صریحہ سے ثابت ہے شرعاً اس کا عدم جائز نہیں۔''اللقانی'' نے ''الابی'' اور ''النووی'' سے اس پر اجماع کا انعقاد نقل کیا ہے کہ مجرموں کے ایک طائفہ پر وعید کا نفاذ ضروری ہے۔جب معاملہ اس طرح ہے تو اس کے ساتھ دعا ہمارے اس قول کی مثل ہوئی: اے اللہ ہم پر نماز اور روزہ واجب نہ فرما۔نیز اس سے اس شخص کے لئے مغفرت کی دعا کا جواز لازم آتا ہے جو کافر ہو کر بھی مرا ہو مگر یہ کہا جائے کہ اس کے ساتھ مومنین کیلئے دعا جائز ہے مسلمان بھائیوں پر انتہائی شفقت کے اظہار کے لئے۔بخلاف کافروں کے اور بخلاف اس کے کہ ہم پر روزہ واجب نہ کر۔کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے دشمنوں کے لئے دعا کرنا قبیح ہے اور طاعت سے اکتاہٹ کا اظہار بھی قبیح ہے۔پس وہ ایسی دعا کرنے سے گناہگار ہوگا کافر نہیں ہوگا اس پر جو ''البحر'' میں اختیار کیا ہے۔اور فرمایا: یہ حق ہے۔الشارح نے صاحب ''البحر'' کی پیروی کی ہے۔لیکن یہ عقلاً شرک کو معاف کرنے کے جواز پر مبنی ہے اور اس پر وعید میں خلف کے جواز کا قول مبنی ہے اور تو جان چکا ہے کہ صحیح اس کے خلاف ہے۔کافر کیلئے دعا کرنا کفر ہے کیونکہ یہ عقلاً اور شرعاً جائز نہیں ہے۔نیز اس میں نصوص قطعیہ کی تکذیب ہے۔بخلاف مومنین کے لئے دعا کے جیسا کہ تو نے جان لیا ہے۔پس حق وہ ہے جو ''الحلبہ'' میں اس وجہ پر ہے جو ہم نے اس سے نقل کی ہے نہ کہ اس پر جو ''حلبی'' نے نقل کیا ہے۔''فافہم''

4426۔(قولہ: بِالْأَدْعِيَةِ الْمَذْكُورَةِ فِي الْقُرْآنِ وَالسُّنَّةِ) ''الکنز'' کے قول بمایشبہ القرآن سے عدول فرمایا۔کیونکہ قرآن معجزہ ہے کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں ہوسکتی۔''البحر'' میں اس کا یہ جواب دیا ہے کہ مشابہت کا اطلاق کیا ہے کیونکہ اس کا ارادہ نفس دعا ہے نہ کہ قراءت قرآن۔

اور اس کا مفاد یہ ہے کہ وہ قراءت کی نیت نہ کرے۔اور ''المعراج'' میں باب کے آغاز میں ہے ائمہ اربعہ کے اجماع کے ساتھ تشہد، سجود اور رکوع میں قراءت قرآن مکروہ ہے۔کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مجھے رکوع اور سجدہ کی حالت میں قرآن پڑھنے سے منع کیا گیا (1)۔اس کو مسلم نے روایت کیا ہے۔''الامداد'' میں سنن کی بحث میں تمام ماثور دعائیں ذکر کی ہیں۔پس یہاں ان کو ذکر کرنے سے اس کی طرف رجوع کی سہولت کافی ہے۔

1۔صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب النہی عن قراءۃ القرآن فی الرکوع والسجود، جلد 1، صفحہ 516، حدیث نمبر 788

لَا يُفْسِدُ، وَمَا لَيْسَ فِي أَحَدِهِمَا إِنْ اسْتَحَالَ طَلَبُهُ مِنْ الْخَلْقِ لَا يُفْسِدُ وَإِلَّا يُفْسِدُ لَوْ قَبْلَ قَدْرِ التَّشَهُّدِ، وَإِلَّا تَتِمُّ بِهِ مَا لَمْ يَتَذَكَّرْ سَجْدَةً فَلَا تَفْسُدُ بِسُؤَالِ الْمَغْفِرَةِ

وہ نماز کو فاسد نہیں کرتی اور جو نہ قرآن میں ہے اور نہ حدیث میں ہے تو پھر اگر وہ ایسی دعا ہے جس کا مخلوق سے طلب کرنا محال ہے تو وہ نماز کو فاسد نہیں کرے گی ورنہ فاسد کر دے گی اگر تشہد کی مقدار سے پہلے ایسی دعا کی ہوگی ورنہ اسکے ساتھ نماز مکمل ہو گی جب تک سجدہ یاد نہ ہو پس مطلقاً مغفرت کا سوال کرنے سے نماز فاسد نہ ہوگی

تتمہ

مناسب ہے کہ نماز میں محفوظ دعا مانگے اور نماز کے علاوہ میں جو دل میں ہو وہ دعا مانگے اور دعا کو یاد نہ کرے۔ کیونکہ دعا کا یاد ہونا دل کی رقت کو لے جاتا ہے۔ ''ہندیہ'' عن ''المحیط''۔ استظہار کا مطلب دل سے یاد کرنا ہے۔

4427۔(قولہ: لَا يُفْسِدُ) یعنی مطلقاً خواہ اس کا بندوں سے طلب کرنا محال ہو جیسے اغفرلی (مجھے معاف فرما) یا محال نہ ہو جیسے مجھے سبزی، ککڑی، تھوم، دال اور پیاز عطا فرما۔ اس سے ''الفضلی'' کا رد ہے کیونکہ انہوں نے نماز کے فساد کو اختیار کیا ہے ہر ایسی دعا سے جو قرآن میں نہ ہو۔ اور اس میں اس کا بھی رد ہے جو ''الخلاصہ'' میں ہے۔ انہوں نے عدم فساد کو بندوں سے مستحیل کے ساتھ مقید کیا ہے جبکہ وہ منقول ہو یہ ''الفضلی'' کے قول پر مبنی ہے۔ ''النہر'' میں فرمایا: المذہب اطلاق ہے۔

4428۔(قولہ: إِنْ اسْتَحَالَ طَلَبُهُ مِنْ الْخَلْقِ) جیسے میرے چچا کی مغفرت کر یا عمرو کی مغفرت کر۔ پس ایسی دعا نماز کو فاسد نہیں کرے گی اگرچہ وہ قرآن میں سے نہ ہو۔ ''الفضلی'' کا نظریہ اس کے خلاف ہے۔

4429۔(قولہ: وَإِلَّا يُفْسِدُ) جیسے اے اللہ مجھے سبزی، ککڑی، دال، پیاز عطا فرما یا مجھے فلانی عورت عطا فرما۔

4430۔(قولہ: وَإِلَّا تَتِمُّ بِهِ) یعنی کراہت تحریمی کے ساتھ۔ ''طحطاوی''۔

4431۔(قولہ: مَا لَمْ يَتَذَكَّرْ سَجْدَةً) یعنی نماز کا سجدہ، پس قاطع اور اعادہ سے مانع کی وجہ سے نماز فاسد ہو جائے گی اور وہ قاطع مانع مذکور دعا ہے۔ بخلاف سجدہ تلاوت اور سجدہ سہو کے۔ کیونکہ نماز کی صحت ان کے سجود پر موقوف نہیں ہوتی۔ پس اس کے ساتھ نماز مکمل ہوگی اگرچہ یہ دونوں سجدے نہ بھی کئے ہوں۔ کیونکہ یہ دونوں واجب ہیں اور نماز کا سجدہ رکن ہے بلکہ اگر ان دونوں کا سجدہ کیا تو وہ لغو ہوگا۔ کیونکہ وہ نماز قطع کرنے کے بعد ہوں گے جیسے اگر سلام پھیرا جبکہ اسے سجدہ تلاوت یا سجدہ سہو یاد تھا۔ تو اس کی نماز مکمل ہوگی کیونکہ وہ تمام ارکان کے بعد نماز سے خارج ہو گیا۔ رہا فقہاء کا یہ قول کہ سجدہ تلاوت سجدہ صلبیہ کی طرح ہے اس بات میں کہ وہ بھی قعدہ اور تشہد کو اٹھا دیتا ہے۔ پس یہ اس صورت میں ہے جب وہ ان دونوں کو سلام یا کلام کے ساتھ نماز سے نکلنے سے پہلے ادا کرے بخلاف اس صورت کے جس میں ہم گفتگو کر رہے ہیں۔ پس یہاں سجدہ تلاوت کا ذکر صریح خطا ہے جیسا کہ ''الرحمتی'' نے اس پر آگاہ کیا ہے۔

4432۔(قولہ: فَلَا تَفْسُدُ الخ) سابق مختار قول پر تفریع ہے۔

مُطْلَقًا وَلَوْ لِعَمِّي أَوْ لِعَمْرٍو، وَكَذَا الرِّزْقُ مَا لَمْ يُقَيِّدْهُ بِمَالٍ وَنَحْوِهِ لِاسْتِعْمَالِهِ فِي الْعِبَادِ مَجَازًا (ثُمَّ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهِ وَيَسَارِهِ)

اگر چہ اس طرح دعا کرے میرے چچا کی مغفرت کر یا عمرو کی مغفرت کر۔ اسی طرح رزق کی دعا سے نماز فاسد نہ ہوگی جب تک مال وغیرہ کے ساتھ اس کو مقید نہ کیا ہو کیونکہ مجازاً اس کا استعمال بندوں میں ہوتا ہے۔ پھر دائیں اور بائیں طرف سلام پھیرے

4433۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی خواہ قرآن میں ہو جیسے اغفرلی یا قرآن میں نہ ہو جیسے کاغفر لعمی او لعمرو۔ کیونکہ مغفرت کا طلب کرنا بندوں سے محال ہے۔ اللہ کے سوا کون گناہوں کی بخشش فرماتا ہے۔ اور ''ظہیریہ'' میں جو ہے اس کے ساتھ فساد بالاتفاق کا ذکر ''الفضلی'' کے قول کو اختیار کرنے والے علما کے اتفاق کے ساتھ موؤل ہے یا ممنوع ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ''المجتبیٰ'' میں ہے کہ میرے اقرباء اور میرے چچوں کے بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ اس کی مکمل بحث ''البحر'' اور ''النہر'' میں ہے۔

4434۔ (قولہ: وَكَذَا الرِّزْقُ) یعنی فاسد نہیں کرے گا جب اس کو مقید کیا ہے اس کے ساتھ جو بندوں سے محال ہو۔ جیسے مجھے حج عطا فرما، یا مجھے اپنی رؤیت عطا فرما بخلاف فلانۃ کے۔ اس تفصیل کو ''الخلاصہ'' میں ذکر کیا ہے۔ اور یہی اصح ہے اور ''النہر'' میں ہے: یہ ایسی تخریج ہے جس پر اعتماد ہونا چاہئے۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح اگر وہ اس کو مطلق کرے۔ کیونکہ قرآن میں ہے وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ (المائدہ) اور ''الہدایہ'' میں ارزقنی کو مفسد بنایا ہے۔ کیونکہ لوگ کہتے ہیں رزق الامیر الجند (امیر نے لشکر کو رزق دیا)۔ ''الفتح'' میں فرمایا: عدم الفساد کو ترجیح دی گئی ہے کیونکہ حقیقت میں رازق اللہ تعالیٰ ہی ہے اور امیر کی طرف نسبت مجازی ہے اور ''شرح المنیہ'' میں فرمایا: اہل سنت کے نزدیک رزق وہ ہوتا ہے جو حیوان کی غذا ہوتا ہے اور مخلوق کی طاقت میں صرف اس کے سبب کا پہنچانا ہے جیسے مال۔ اسی وجہ سے اگر وہ اسے اس کے ساتھ مقید کرے اور کہے ارزقنی مالاً تو بلا اختلاف فاسد ہو جائے گی۔ اس بنا پر اکرمنی اور انعم علی بھی فاسد کرنے والا ہونا چاہئے۔ کیونکہ کہا جاتا ہے اکرم فلان فلانًا و انعم علیہ۔ مگر ''المحیط'' میں ہے انہوں نے ''الاصل'' کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ یہ الفاظ نماز کو فاسد نہیں کرتے ہیں کیونکہ اس کا معنی قرآن میں ہے: إِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَأَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ (الفجر: 15)۔

اسی طرح اگر کہا: میری مال کے ساتھ مدد کر تو فاسد نہیں کرے گا۔ رہا یہ قول کہ میرے معاملہ کی اصلاح کر۔ پس تو یہ اس امر کے اطلاق کی طرف دیکھنے کے اعتبار سے ہے جس کا بندوں سے طلب کرنا محال ہے۔

''البحر'' میں ''فتاوی الحجہ'' سے مروی ہے: اگر کہا: اے اللہ ظالموں پر لعنت کر تو یہ اس کی نماز کو ختم نہیں کرے گا۔ اگر کہا: اللھم العن فلانًا یعنی ''فلان ظالم پر لعنت کر'' تو یہ نماز کو ختم کر دے گا یعنی یہ محرم کے ساتھ دعا ہے اگرچہ بندوں سے محال ہے۔ پس یہ کلام ہو گیا، یا یہ غیر مستحیل ہے اس دلیل کی وجہ سے علیھم لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین۔

حَتّٰى يُرَى بَيَاضُ خَدِّهِ؛ وَلَوْ عَكَسَ سَلَّمَ عَنْ يَمِينِهِ فَقَطْ، وَلَوْ تِلْقَاءَ وَجْهِهِ سَلَّمَ عَنْ يَسَارِهِ أُخْرَى، وَلَوْ نَسِيَ الْيَسَارَ أَتَى بِهِ مَا لَمْ يَسْتَدْبِرِ الْقِبْلَةَ فِي الْأَصَحِّ، وَتَنْقَطِعُ بِهِ التَّحْرِيمَةُ بِتَسْلِيمَةٍ وَاحِدَةٍ بُرْهَانٌ وَقَدْ مَرَّ وَفِي التَّتَارْخَانِيَّةِ مَا شُرِعَ فِي الصَّلَاةِ مَثْنَى فَلِلْوَاحِدِ حُكْمُ الْمَثْنَى،

حتیٰ کہ اس کے رخسار کی سفیدی (پچھلی صف والوں کو) دکھائی دے۔ اور اگر اس کے برعکس کیا پہلے بائیں جانب سلام پھیرا تو صرف دائیں طرف سلام پھیرے اور اگر سامنے سلام کیا تو دوسرا سلام بائیں طرف پھیرے اور اگر بائیں طرف کا سلام بھول گیا تو اسے ادا کرے جب تک قبلہ سے پیٹھ نہ پھیری ہو اصح قول میں۔ اور ایک سلام کے ساتھ تحریمہ ختم ہو جاتی ہے ''برہان''۔ اور یہ گزر چکا ہے اور ''التتارخانیہ'' میں ہے: جو چیز نماز میں دو مرتبہ مشروع ہے تو ایک کے لئے دو کا حکم ہے۔

رہی ظالموں پر لعنت تو یہ قرآن میں ہے۔ فافہم۔

سلام کے احکام

4435۔ (قولہ: حَتّٰى يُرَى بَيَاضُ خَدِّهِ) یعنی حتیٰ کہ جو اس کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا وہ اس کے رخسار کی سفیدی دیکھ لے۔ یہ ''حلبی'' نے فائدہ ذکر کیا ہے اور ''البدائع'' میں ہے: دونوں سلاموں میں چہرہ پھیرنے میں مبالغہ کرنا سنت ہے وہ دائیں طرف سلام پھیرے یہاں تک کہ اس کے دائیں رخسار کی سفیدی نظر آئے۔

4436۔ (قولہ: وَلَوْ عَكَسَ) یعنی پہلے جان بوجھ کر یا بھول کر بائیں طرف سلام پھیر دے۔ ''بحر''۔

4437۔ (قولہ: فَقَطْ) یعنی بائیں طرف سلام کا اعادہ نہیں کرے گا۔

4438۔ (قولہ: مَا لَمْ يَسْتَدْبِرِ الْقِبْلَةَ) یعنی یا کلام نہ کی ہو۔

4439۔ (قولہ: فِي الْأَصَحِّ) اس کا مقابل وہ قول ہے جو ''البحر'' میں ہے کہ جو بائیں طرف سلام پھیرے جب تک مسجد سے نہ نکلا ہو۔ یعنی اگرچہ قبلہ کی طرف پیٹھ پھیر لی ہو۔ الشارح نے اس سے عدول کیا ہے۔ کیونکہ ''القنیہ'' میں ہے: صحیح پہلا قول ہے۔ شارح نے صحیح کی جگہ الاصح سے تعبیر کیا ہے۔ مسئلہ اس میں آسان ہے۔

4440۔ (قولہ: وَقَدْ مَرَّ) یعنی الواجبات میں گزر چکا ہے۔ کیونکہ فرمایا: پہلے سلام کے ساتھ علیکم کہنے سے پہلے مشہور قول پر ہمارے نزدیک اقتدا ختم ہو جاتی ہے۔ ''التکملہ'' کا نظریہ اس کے خلاف ہے۔ یعنی سلام کے لفظ کے بعد امام کی اقتدا صحیح نہیں۔ کیونکہ نماز کا حکم ختم ہو چکا ہے۔ اور یہ بھولنے والے کے علاوہ کے لئے ہے۔ رہا وہ جو سلام جس کے بعد سجدہ سہو کرے تو وہ نماز کی حرمت کی طرف لوٹ آئے گا۔ ''طحطاوی''۔

4441۔ (قولہ: مَثْنَى) یعنی دو چیزیں اگرچہ یہ مکرر نہ بھی ہو۔ کیونکہ اس پر اکثر اطلاق کیا جاتا ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى (النساء: 3)۔

یا نمازوں کے تعدد کے اعتبار سے تکرار مراد لیا جاتا ہے۔ پھر جس میں متواتر دو مشروع ہیں وہ سلام اور سجدہ ہے۔

فَيَحْصُلُ التَّحْلِيلُ بِسَلَامٍ وَاحِدٍ كَمَا يَحْصُلُ بِالْمَثْنَى وَتَتَقَيَّدُ الرَّكْعَةُ بِسَجْدَةٍ وَاحِدَةٍ كَمَا تَتَقَيَّدُ بِسَجْدَتَيْنِ (مَعَ الْإِمَامِ) إِنْ أَتَمَّ التَّشَهُّدَ كَمَا مَرَّ وَلَا يَخْرُجُ الْمُؤْتَمُّ بِنَحْوِ سَلَامِ الْإِمَامِ بَلْ بِقَهْقَهَتِهِ وَحَدَثِهِ عَمْدًا لِانْتِفَاءِ حُرْمَتِهَا فَلَا يُسَلِّمُ:

اور تکبیر تحریمہ سے فراغت ایک سلام سے حاصل ہوجاتی ہے جس طرح دو سے اور رکعت ایک سجدہ سے مقید ہوجاتی ہے جس طرح دو سجدوں کے ساتھ مقید ہوجاتی ہے۔ مقتدی امام کے ساتھ سلام پھیرے اگر تشہد کو مکمل کر چکا ہو جس طرح کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور مقتدی امام کے سلام جیسی چیز سے مقتدی نماز سے خارج نہ ہوگا بلکہ قہقہہ سے خارج ہوگا اور جان بوجھ کر حدث لاحق کرنے سے خارج ہوگا کیونکہ یہ نماز کی حرمت کے منافی ہے۔ پس مقتدی سلام نہ پھیرے۔

''طحطاوی''۔ رہا قیام اور رکوع اگر چہ نماز میں اس کا تکرار ہوتا ہے مگر فاصلہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہاں وہ مراد نہیں۔

4442۔(قولہ: وَتَتَقَيَّدُ الرَّكْعَةُ بِسَجْدَةٍ) حتیٰ کہ اگر فرض میں بھول گیا پھر آخری قعدہ سے پہلے کھڑا ہوگیا تو اس کا فرض باطل ہوجائے گا جب اس نے رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کر دیا۔

4443۔(قولہ: إِنْ أَتَمَّ) یعنی اگر مقتدی التحیات مکمل کرے۔ کیونکہ سلام میں امام کی متابعت اگر چہ واجب ہے۔ پس اس واجب کے مکمل کرنے سے اولیٰ نہیں جس میں وہ ہے۔ کیا تشہد کا مکمل کرنا واجب ہے یا اولیٰ ہے ہم نے مصنف کے قول ولو رفع الامام راسه قبل ان يتم المأموم التسبيحات کے تحت اس پر گزشتہ صفحات میں (مقولہ 4239 میں) کلام کی ہے۔

4444۔(قولہ: وَلَا يَخْرُجُ الْمُؤْتَمُّ) یعنی مقتدی نماز کی حرمت سے خارج نہ ہوگا۔ پس اس پر سلام پھیرنا واجب ہے حتیٰ کہ اگر اس سے پہلے قہقہہ لگایا تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ اس کے خلاف ہے۔

4445۔(قولہ: بِنَحْوِ سَلَامِ الْإِمَامِ) ایسی چیز جو نماز کو مکمل کرنے والی ہے اسے توڑنے والی نہیں ہے۔ پس اگر قعدہ کے بعد سلام پھیر دیا یا کلام کی تو اس کی نماز مکمل ہوگئی اور نماز فاسد نہ ہوئی بخلاف قہقہہ اور جان بوجھ کر حدث لاحق کرنے کے۔ کیونکہ اس کے ساتھ نماز کی حرمت منتفی ہوجاتی ہے کیونکہ یہ اس جز کے لئے مفسد ہے جو امام کی نماز سے ملاقی ہے۔ پس اس کا مقابل مقتدی کی نماز سے فاسد ہوجائے گا۔ لیکن اگر وہ مدرک ہوگا تو تمام ارکان کے بعد مفسد حاصل ہوا۔ پس امام کی طرح اسے بھی مضر نہ ہوگا بخلاف لاحق یا مسبوق کے۔

4446۔(قولہ: عَمْدًا) پس اگر اس کے عمل کے بغیر تھا تو اس کے لئے بنا کرنا ہے۔ پس وہ وضو کرے گا اور سلام پھیرے گا اور مقتدی اس کی متابعت کرے گا۔

4447۔(قولہ: فَلَا يُسَلِّمُ) یعنی امام اور مقتدی سلام نہ پھیریں۔ کیونکہ وہ اس عمل سے بالاتفاق نماز سے نکل گئے

وَلَوْ أَتَمَّهُ قَبْلَ إِمَامِهِ فَتَكَلَّمَ جَازَ وَكُرِهَ، فَلَوْ عَرَضَ مُنَافٍ تَفْسُدُ صَلَاةُ الْإِمَامِ فَقَطْ (كَتَحْرِيمَةٍ) مَعَ الْإِمَامِ وَقَالَا الْأَفْضَلُ فِيهِمَا بَعْدَهُ (قَائِلًا السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ)

اگر اپنے امام سے پہلے تشہد کو مکمل کر لیا پھر کلام کی تو جائز ہے (لیکن) مکروہ ہے۔ پس اگر امام کو کوئی نماز کے منافی عارضہ لاحق ہو گیا تو صرف امام کی نماز فاسد ہو گی۔ (مقتدی امام کے ساتھ سلام پھیرے) جیسے تکبیر تحریمہ امام کے ساتھ کہتا ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا افضل ان دونوں میں امام کے بعد ہے۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے سلام پھیرے

حتیٰ کہ اگر مقتدی نے قہقہہ لگایا تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔

4448۔ (قولہ: وَلَوْ أَتَمَّهُ) یعنی اگر مقتدی نے تشہد مکمل کر لیا اس طرح کہ اس نے جلدی تشہد پڑھا اور امام کے مکمل کرنے سے پہلے وہ تشہد سے فارغ ہو گیا پھر اس نے ایسا عمل کیا جو اسے نماز سے نکال دیتا ہے جیسے سلام، کلام یا قیام کیا تو جائز ہے۔ یعنی اس کی نماز صحیح ہے۔ کیونکہ تمام ارکان کے بعد اسے یہ عمل حاصل ہوا۔ کیونکہ امام نے اگرچہ تشہد مکمل نہیں کیا لیکن تشہد کی مقدار بیٹھ چکا تھا۔ کیونکہ قعدہ سے فرض جلدی جلدی تشہد پڑھنے کی مقدار ہے اور وہ حاصل ہو چکا ہے۔ لیکن مقتدی کے لئے یہ مکروہ ہے۔ کیونکہ بلا عذر اس نے امام کی متابعت ترک کر دی۔ پس اگر یہ عذر کے ساتھ ہو جیسے حدث کا خوف ہو یا جمعہ کے وقت کے نکلنے کا خوف ہو یا سامنے سے گزرنے والے کے گزرنے کا اندیشہ ہو تو مکروہ نہیں جیسا کہ استخلاف کے باب سے تھوڑا پہلے آئے گا۔

4449۔ (قولہ: فَلَوْ عَرَضَ مُنَافٍ) یعنی اس کے اپنے فعل کے بغیر جیسے بارہ مسائل ...... مگر اس نے قہقہہ لگایا یا جان بوجھ کر حدث لاحق کیا ...... تو امام کی نماز فاسد نہ ہو گی جیسا کہ (مقولہ 4444 میں) پہلے گزر چکا ہے۔

4450۔ (قولہ: تَفْسُدُ صَلَاةُ الْإِمَامِ فَقَطْ) یعنی مقتدی کی نماز فاسد نہ ہو گی۔ کیونکہ جب اس نے کلام کی تو وہ نماز کے منافی عمل کے لاحق ہونے سے پہلے امام کی نماز سے نکل چکا تھا۔

4451۔ (قولہ: مَعَ الْإِمَامِ) یہ التحریمہ کے متعلق ہے کیوں کہ یہاں اس سے مراد مصدر ہے یعنی جس طرح امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ کہتا ہے۔ التحریمۃ کو مشبہ بہا بنایا۔ کیونکہ اس میں معیت ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت ہے۔ بخلاف سلام کے کیونکہ اس میں ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں اور ان میں سے اصح معیت والی روایت ہے۔ ''حلبی''۔

4452۔ (قولہ: وَقَالَا الْأَفْضَلُ فِيهِمَا بَعْدَهُ) یہ فائدہ ظاہر کیا کہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کا اختلاف افضلیت میں ہے اور یہی صحیح ہے ''نہر'' اور بعض علماء نے فرمایا: جواز میں اختلاف ہے حتیٰ کہ ایک روایت امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہ ہے کہ متصل شروع کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ مسیئی ہو گا جیسا کہ ''البدائع'' میں ہے۔ ''القہستانی'' میں ہے: ''السرخسی'' نے فرمایا: امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول انتہائی ادق [illegible] ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کا قول زیادہ نرم اور احوط ہے۔ اور ''عون المروزی'' میں ہے: شروع ہونے کی صحت میں فتویٰ کے لئے امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور

هُوَ السُّنَّةُ، وَصَرَّحَ الْحَدَّادِيُّ بِكَرَاهَةِ عَلَيْكُمُ السَّلَامُ (وَ) أَنَّهُ (لَا يَقُولُ) هُنَا (وَبَرَكَاتُهُ) وَجَعَلَهُ النَّوَوِيُّ بِدْعَةً، وَرَدَّهُ الْحَلَبِيُّ
اور یہ سنت ہے۔''الحدادی'' نے علیکم السلام کی کراہت کی تصریح کی ہے اور یہاں و برکاتہ نہ کہے۔ اور امام ''نووی'' نے و برکاتہ کہنے کو بدعت کہا ہے۔ ''الحلبی'' نے اس کا رد کیا ہے۔

افضلیت میں ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے۔

تکبیر تحریمہ کی فضیلت پانے کا وقت

''التاتر خانیہ'' میں ''المنتقی'' کے حوالہ سے ہے: امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر مقارنت اس مقارنت کی طرح ہے جس طرح انگوٹھی کے حلقہ اور انگلی کی ہوتی ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر بعدیت اس طرح ہے کہ مقتدی اللہ کے ہمزہ کو اکبر کی را کے ساتھ ملائے۔ اور اختلاف کا فائدہ تکبیر افتتاح کی فضیلت کے پانے کے وقت میں ظاہر ہوتا ہے۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک متصل تکبیر کہنے کے ساتھ تکبیر تحریمہ کی فضیلت کو پائے گا اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک جب ثنا کے وقت میں تکبیر کہہ لے گا۔ بعض علما نے فرمایا: تین آیات کی قراءت سے پہلے شروع ہونے کے ساتھ یہ فضیلت پالے گا اگر مقتدی حاضر ہوگا۔ اور بعض علما نے فرمایا: سات آیات کی قراءت سے پہلے شروع ہونے کے ساتھ تکبیر تحریمہ کی فضیلت کو پالے گا اگر غائب ہوگا۔ اور بعض علما نے فرمایا: پہلی رکعت کو پانے کے ساتھ تکبیر تحریمہ کی فضیلت کو پالے گا۔ یہ قول زیادہ وسیع ہے اور یہی صحیح ہے۔

بعض علما نے فرمایا: سورۂ فاتحہ کو پالینے کے ساتھ یہ فضیلت پالے گا یہی مختار ہے'' خلاصہ''۔ صرف تحریمہ اور سلام کے ذکر پر اکتفا کیا۔ پس فائدہ ظاہر فرمایا کہ مقارنت (اتصال) بالاجماع تمام افعال میں افضل ہے۔ بعض نے فرمایا: اختلاف پر ہے جیسا کہ ''الحقائق'' کے حوالہ سے ''الحلبہ'' وغیرہ میں ہے۔

سلام کے مسنون الفاظ

4453۔ (قولہ: هُوَ السُّنَّةُ) ''البحر'' میں ہے: اکمل طریقہ پر یہ کہنا ہے السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ دو مرتبہ۔ اگر السلام علیکم یا السلام یا سلام علیکم یا علیکم السلام کہا تو جائز ہو جائے گا اور سنت کو ترک کرنے والا ہوگا۔ ''السراج'' میں آخری کلمہ کی کراہت کی تصریح کی ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کی تصریح دوسرے کلمات کی کراہت کے منافی نہیں اس وجہ سے کیونکہ وہ تمام سنت کے مخالف ہیں۔

4454۔ (قولہ: وَأَنَّهُ) یہ بکراھۃ پر معطوف ہے۔ کیونکہ اس کی بھی ''الحدادی'' نے تصریح کی ہے۔

4455۔ (قولہ: هُنَا) یعنی تحلل کے سلام میں بخلاف اس سلام کے جو تشہد میں پڑھا جاتا ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔

4456۔ (قولہ: وَرَدَّهُ الْحَلَبِيُّ) یعنی المحقق ''ابن امیر الحاج''۔ کیونکہ انہوں نے ''شرح المنیہ''، ''الحلبہ'' میں ''نووی'' کا قول: انها بدعة ولم يصح فيها حديث بل صح في تركها غير ما حديث نقل کرنے کے بعد فرمایا۔ لیکن اس میں تعاقب کیا

وَفِي الْحَاوِي أَنَّهُ حَسَنٌ (وَسُنَّ جَعْلُ الثَّانِي أَخْفَضَ مِنَ الْأَوَّلِ) خَصَّهُ فِي الْمُنْيَةِ بِالْإِمَامِ وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ (وَيَنْوِي) الْإِمَامُ بِخِطَابِهِ

اور ''الحاوی'' میں ہے: یہ اچھا ہے اور دوسرے سلام کو پہلے سلام سے پست کہنا سنت ہے۔ ''المنیہ'' میں اس کو امام کے ساتھ خاص کیا ہے اور المصنف نے اس کو برقرار رکھا ہے۔ اور امام اپنے خطاب کے ساتھ

گیا ہے۔ کیونکہ ''سنن ابی داؤد'' میں ''وائل بن حجر'' کی حدیث سے صحیح اسناد کے ساتھ یہ لفظ آیا ہے۔ اور ''صحیح ابن حبان'' میں عبداللہ بن مسعود کی حدیث سے یہ لفظ آیا ہے (1)۔ پھر فرمایا: مگر اس کے شاذ ہونے کے ساتھ جواب دیا جا سکتا ہے اگرچہ اس کا مخرج صحیح ہے جیسا کہ ''الاذکار'' میں النووی اس پر چلے ہیں۔ ''تامل''

4457۔ (قوله: وَفِي الْحَاوِي أَنَّهُ حَسَنٌ) یعنی ''الحاوی القدسی''۔ اس کی عبارت اس طرح ہے: بعض نے و برکاتہ زیادہ کیا ہے۔ اور یہ اچھا ہے اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا: و برکاتہ روایت کیا گیا ہے۔

4458۔ (قوله: أَخْفَضَ مِنَ الْأَوَّلِ) اس سے یہ فائدہ ظاہر کیا کہ پہلے کو بھی آہستہ کہے یعنی اعلام میں قدر ضرورت سے زائد سے پست کہے۔ یہ خفض نسبی ہے ورنہ وہ حقیقت میں جہر ہے۔ مراد یہ ہے کہ دونوں سلام جہراً کہے مگر دوسرے کا جہر پہلے سے کم ہو۔ اور بعض علماء نے فرمایا: دوسرے کو پست کرے یعنی وہ بالکل جہر سے نہ کہے۔ پہلا قول اصح ہے کیونکہ دوسرے سلام کو سننے کی مقتدی کو حاجت ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ پہلے سلام کے بعد امام نے سلام پھیرا ہے یا اس سے پہلے سجدہ سہو کیا ہے جو اس پر واجب تھا۔ ''شرح المنیہ'' میں یہ فائدہ ذکر کیا ہے۔ اور ''البدائع'' میں ہے: سنن میں سے یہ ہے کہ اگر امام ہو تو سلام کو جہراً کہے کیونکہ وہ نماز سے خروج کے لئے ہے۔ پس آگاہ کرنا ضروری ہے۔ فافہم۔

سلام کی نیت

4459۔ (قوله: وَيَنْوِي الخ) تاکہ سنت کو قائم کرنے والا ہو جائے۔ پس تمام سنتوں کی طرح اس کی بھی نیت کرے۔ اسی وجہ سے ''شیخ الاسلام'' نے ذکر کیا ہے کہ جب نماز سے باہر کسی پر سلام کرے تو سنت کی نیت کرے۔ اس کے ساتھ وہ اعتراض دور ہو گیا جو ''صدر الاسلام'' نے وارد کیا تھا: امام کے لئے نیت کی حاجت نہیں کیونکہ وہ جہر سے کہتا ہے اور ان کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ پس یہ نیت سے فوق ہے۔ ''البحر''، ملخصاً''

اعتراض دور کرنے کی وجہ یہ ہے کہ خطاب کے ساتھ اشارہ سے قربت کے قائم کرنے کی نیت کا حصول لازم نہیں آتا۔ پس اس کی نیت ضروری ہے۔

میں کہتا ہوں: تحلل نماز میں سے ہے۔ جب وہ تحلل سلام کے ساتھ واجب ہے تو اس سے مقصود اصلی تحلل ہے نہ کہ نمازیوں کا خطاب۔ جب خطاب اصالۃً مقصود نہ ہوا تو واجب تحلل پر زائد سنت کو قائم کرنے کے لئے نیت لازم ہوئی کیونکہ

1۔ صحیح ابن حبان، کتاب الصلوٰۃ، فصل فی القنوت

(السَّلَامَ عَلَى مَنْ فِي يَمِينِهِ وَيَسَارِهِ) مِمَّنْ مَعَهُ فِي صَلَاتِهِ، وَلَوْ جِنًّا أَوْ نِسَاءً، أَمَّا سَلَامُ التَّشَهُّدِ فَيَعُمُّ لِعَدَمِ الْخِطَابِ (وَالْحَفَظَةِ فِيهِمَا) بِلَا نِيَّةِ عَدَدٍ

ان لوگوں پر سلام کی نیت کرے جو اس کے دائیں بائیں ہیں اس کے ساتھ نماز میں اگرچہ وہ جن ہوں یا عورتیں ہوں۔ رہا تشہد کا سلام تو وہ عام ہے کیونکہ اس میں خطاب نہیں ہے۔ دونوں سلاموں میں عدد کی نیت کے بغیر حفظہ فرشتوں کی نیت کرے جیسے بغیر عدد کی نیت کے

اگر یہ نیت نہ ہو تو سلام تحیہ کے بغیر صرف تحلل کے لئے باقی ہوگا۔

4460۔(قولہ: السَّلَامَ) ینوی کا مفعول ہے یہ اسم مصدر بمعنی التسلیم ہے۔

4461۔(قولہ: مِمَّنْ مَعَهُ فِي صَلَاتِهِ) یہ جمہور کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: جو اس کے ساتھ مسجد میں ہیں اور بعض نے فرمایا: یہ سلام تشہد کی طرح عام ہے۔ ''حلبہ''۔

4462۔(قولہ: أَوْ نِسَاءً) امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاصل'' میں اس کی تصریح کی ہے اور اکثر کتب میں یہ جو موجود ہے کہ ہمارے زمانہ میں عورتوں کی نیت نہ کرے تو یہ ان کے جماعت میں حاضر نہ ہونے پر مبنی ہے۔ ان دونوں قولوں میں مخالفت نہیں ہے۔ کیونکہ مدار ان کی حاضری اور عدم حاضری ہے حتیٰ کہ اگر خسرے اور بچے حاضر ہوں تو ان کی بھی نیت کرے ''حلبہ وبحر''۔ لیکن ''النہر'' میں ہے: عورتوں کی نیت نہ کرے اگرچہ وہ حاضر بھی ہوں کیونکہ ان کی حاضری مکروہ ہے۔

4463۔(قولہ: فَيَعُمُّ الخ) اسی وجہ سے وارد ہے کہ جب بندہ کہتا ہے السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین تو آسمان وزمین میں اللہ تعالیٰ کے ہر نیک بندے کو سلام پہنچ جاتا ہے (1)۔

4464۔(قولہ: وَالْحَفَظَةُ) ''مَنْ'' پر عطف کی بنا پر مجرور ہے۔ الکتبۃ (لکھنے والے) نہیں کہا تا کہ ان کو بھی شامل ہو جائے جو مکلف کے اعمال کی حفاظت کرتے ہیں اور وہ الکرام الکاتبون میں اور جنوں میں سے جو انسان کی حفاظت کرتے ہیں وہ المعقبات ہیں اور یہ ہر نمازی کو شامل ہے کیونکہ عقلمند بچہ کے لئے لکھنے والے فرشتے نہیں ہوتے۔ یہ فائدہ ''الحلبہ'' میں اور ''البحر'' میں ذکر کیا ہے۔ اس میں کلام آگے (مقولہ 4493 میں) آئے گی اس بنا پر کہ یہاں کلام امام کے بارے میں ہے اور امام بچہ نہیں ہوتا۔

4465۔(قولہ: فِيهِمَا) یعنی دائیں اور بائیں میں۔

4466۔(قولہ: بِلَا نِيَّةِ عَدَدٍ) یعنی اس میں اختلاف کی وجہ سے۔

بعض علماء نے فرمایا: ہر مومن کے ساتھ دو فرشتے ہوتے ہیں۔ بعض نے کہا: چار ہوتے ہیں۔ بعض نے کہا: پانچ ہوتے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب التشہد فی الاخرۃ، جلد 1، صفحہ 392، حدیث نمبر 788

صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب التشہد فی الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 452، حدیث نمبر 659

كَالْإِيمَانِ بِالْأَنْبِيَاءِ وَقَدَّمَ الْقَوْمَ لِأَنَّ الْمُخْتَارَ أَنَّ خَوَاصَّ بَنِي آدَمَ وَهُمُ الْأَنْبِيَاءُ أَفْضَلُ مِنْ كُلِّ الْمَلَائِكَةِ؛ وَعَوَامَّ بَنِي آدَمَ وَهُمُ الْأَتْقِيَاءُ أَفْضَلُ مِنْ عَوَامِّ الْمَلَائِكَةِ؛ وَالْمُرَادُ بِالْأَتْقِيَاءِ مَنِ اتَّقَى الشِّرْكَ فَقَطْ كَالْفَسَقَةِ كَمَا فِي الْبَحْرِ عَنِ الرَّوْضَةِ، وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ

انبیا پر ایمان ہے۔قوم کو مقدم فرمایا کیونکہ مختار یہ ہے کہ بنی آدم کے خواص ...... جو کہ انبیاء کرام ہیں ...... وہ تمام ملائکہ سے افضل ہیں اور بنی آدم کے عوام ...... وہ اتقیاء ہیں ...... وہ عوام فرشتوں سے افضل ہیں۔ اتقیاء سے مراد صرف شرک سے بچنے والے ہیں جیسے فاسق لوگ۔ اسی طرح ''البحر'' میں ''الروضہ'' کے حوالہ سے ہے۔مصنف نے اس کو برقرار رکھا ہے۔

ہیں۔ بعض نے کہا: دس ہوتے ہیں۔ بعض نے کہا: ایک سو ساٹھ ہوتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ بھی قول ہیں۔ مکمل بحث ''المنیہ'' کی شروح میں ہے۔

4467۔(قولہ: كَالْإِيمَانِ بِالْأَنْبِيَاءِ) کیونکہ ان کی تعداد قطعی طور پر معلوم نہیں۔ پس یہ کہنا مناسب ہے کہ میں تمام انبیاء پر ایمان لایا ان میں سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور آخری حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں ''معراج''۔ یہ اعتقاد واجب نہیں کہ وہ ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں اور ان میں سے رسل تین سو تیئس 323 ہیں۔ کیونکہ یہ خبر واحد ہے۔

4468۔(قولہ: وَقَدَّمَ الْقَوْلَ) یعنی جن کو ''مَنْ'' سے تعبیر کیا گیا ان پر الحفظه کے عطف کی دلیل کی وجہ سے۔ اور القوم سے تعبیر کیا تا کہ جن خارج ہو جائیں۔ کیونکہ وہ فرشتوں سے افضل نہیں ہیں۔ اس کے ساتھ اس کی طرف اشارہ ہے جو''فخر الاسلام'' نے فرمایا ہے کہ بداءت (آغاز) کے لئے اہتمام میں اثر ہے۔ اسی وجہ سے ہمارے اصحاب نے نوافل کی وصیت کے بارے میں فرمایا: اس سے آغاز کیا جائے گا جس کے ساتھ میت نے آغاز کیا تھا۔

4469۔(قولہ: مَنِ اتَّقَى الشِّرْكَ فَقَطْ) بہتر فقط کے لفظ کا ساقط کرنا ہے تا کہ معنی یہ ہو جائے کہ جنہوں نے شرک سے اجتناب کیا خواہ وہ معاصی سے بچا ہو یا نہ بچا ہو۔''حلبی''۔

ملائکہ پر بشر کی تفضیل کے بارے میں

4470۔(قولہ: كَمَا فِي الْبَحْرِ عَنِ الرَّوْضَةِ) یعنی ''الزندوستی'' کی ''روضۃ العلماء''۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا: امت کا اس پر اجماع ہے کہ ساری مخلوق سے افضل انبیاء علیہم السلام ہیں اور ہمارے نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء سے افضل ہیں اور انبیاء کرام کے بعد ساری مخلوق سے افضل چار فرشتے، حاملین عرش، روحانیون، رضوان اور مالک فرشتے ہیں۔ صحابہ، تابعین، شہداء، صالحین عام فرشتوں سے افضل ہیں۔ اس کے بعد اختلاف ہے۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بقیہ تمام لوگ بقیہ تمام فرشتوں سے افضل ہیں۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما نے فرمایا: تمام فرشتے افضل ہیں۔ ''ملخصاً''

اور اس کا حاصل یہ ہے کہ انہوں نے انسانوں کو تین طبقوں میں تقسیم کیا۔

1- خواص جیسے انبیاء۔

قُلْت وَفِي مَجْمَعِ الْأَنْهُرِ تَبَعًا لِلْقُهُسْتَانِيِّ خَوَاصُّ الْبَشَرِ وَأَوْسَاطُهُ أَفْضَلُ مِنْ خَوَاصِّ الْمَلَائِكَةِ وَأَوْسَاطِهِ عِنْدَ أَكْثَرِ الْمَشَايِخِ وَهَلْ تَتَغَيَّرُ الْحَفَظَةُ؟ قَوْلَانِ،

میں کہتا ہوں: ''القہستانی'' کی تبع میں ''مجمع الانہر'' میں ہے: خواص بشر اور متوسط بشر اکثر مشائخ کے نزدیک خواص فرشتوں اور متوسط فرشتوں سے افضل ہیں۔ اور کیا حفظہ فرشتے تبدیل ہوتے ہیں؟ اس میں دو قول ہیں۔

2- اوساط جیسے صحابہ وغیر ہم میں سے صالحین۔

3- عوام جیسے باقی لوگ اور ملائکہ کو دو طبقوں میں تقسیم کیا۔

1- خواص جیسے مذکور فرشتے اور دوسرے بقیہ فرشتے۔ انسانوں میں سے خواص تمام فرشتوں سے افضل ہیں، خواہ وہ خواص فرشتے ہیں یا عام فرشتے ہیں۔ اور ان کے بعد فضیلت میں خواص فرشتے ہیں، خواص فرشتے باقی انسانوں سے افضل ہیں، خواہ وہ اوساط انسانوں میں سے ہیں یا عوام میں سے ہیں، ان کے بعد اوساط انسانوں کا مرتبہ ہے۔ پس وہ خواص فرشتوں کے علاوہ فرشتوں سے افضل ہیں۔ اسی طرح امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عوام الناس، اوساط کی طرح ہیں۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک افضل خواص البشر ہیں، پھر خواص فرشتے ہیں پھر باقی بشر ہیں۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک پہلے مرتبہ پر خواص بشر ہیں پھر خواص فرشتے ہیں پھر اوساط البشر ہیں پھر باقی فرشتے ہیں۔

4471۔ (قولہ: قُلْت) اس کا حاصل یہ ہے کہ ''قہستانی'' نے انسانوں اور فرشتوں کی دو قسمیں بنائی ہیں۔ (1) خواص۔ (2) اوساط۔ اور خواص بشر، خواص فرشتوں سے افضل ہیں اور اوساط بشر، اوساط فرشتوں سے افضل ہیں۔ اس کے کلام میں لف ونشر مرتب ہے۔ اور سابقہ اختلاف کی وجہ سے عوام بشر کا ذکر نہیں کیا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ یہ اس کے مخالف نہیں جو ''الروضہ'' کے حوالہ سے (سابقہ مقولہ میں) گزر چکا ہے۔ ہاں عند اکثر المشائخ کا قول اس کے مخالف ہے جو اتفاق کے دعویٰ میں سے ''الروضہ'' میں ہے۔ اور جو یہاں ہے وہ اولیٰ ہے کیونکہ مسئلہ اختلافی ہے اور یہ ظنی بھی ہے جیسا کہ ''شرح النسفیہ'' میں اس پر نص قائم کی ہے بلکہ ''شرح المنیہ'' میں فرمایا: اس مسئلہ میں ایک جماعت سے توقف روایت کیا گیا یعنی فرشتوں پر انسان کی تفضیل کا مسئلہ...... اس جماعت میں امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ کیونکہ کوئی قطعی دلیل نہیں ہے۔ اور اس چیز کے علم کو جو ہمیں جزم کے ساتھ معلوم نہ ہو اس کو اللہ تعالیٰ کے علم کی طرف تفویض کرنا اسلم ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

کیا حفظہ (لکھنے والے معزز) فرشتے تبدیل ہوتے ہیں

4472۔ (قولہ: وَهَلْ تَتَغَيَّرُ الْحَفَظَةُ؟ قَوْلَانِ) بعض علما نے فرمایا: ہاں تبدیل ہوتے ہیں۔ کیونکہ صحیحین کی حدیث ہے کہ تم میں رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے یکے بعد دیگرے آتے رہتے ہیں (1) اور وہ صبح کی نماز اور عصر کی نماز

1۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب فضل صلوٰۃ العصر، جلد 1، صفحہ 287، حدیث نمبر 522

صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب فضل صلوٰۃ الصبح والعصر، جلد 1، صفحہ 638، حدیث نمبر 1051

وَيُفَارِقُهُ كَاتِبُ السَّيِّئَاتِ عِنْدَ جِمَاعٍ وَخَلَاءٍ وَصَلَاةٍ
نماز، بیت الخلا میں جانے اور جماع کے وقت برائیوں کو لکھنے والے فرشتے آدمی سے جدا ہو جاتے ہیں۔

میں جمع ہوتے ہیں۔ پس جنہوں نے تم میں رات گزاری ہوتی ہے ان سے اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے...... حالانکہ وہ انہیں زیادہ جانتا ہے...... تم میرے بندوں کو کس کیفیت میں چھوڑ کر آئے ہو وہ کہتے ہیں ہم ان کے پاس گئے تو بھی وہ نماز میں تھے اور ہم نے انہیں چھوڑا تب بھی وہ نماز میں تھے۔ اور قاضی ''عیاض'' وغیرہ نے جمہور کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ حفظہ فرشتے ہیں یعنی الکرام الکاتبون (لکھنے والے معزز فرشتے) اور علامہ ''القرطبی'' نے ظاہر کیا ہے کہ وہ ان کے علاوہ فرشتے ہیں۔ اور بعض علما نے فرمایا: وہ دونوں فرشتے تبدیل نہیں ہوتے جب تک آدمی زندہ ہوتا ہے۔ کیونکہ حضرت انس کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ بندۂ مومن پر دو فرشتے مقرر فرماتا ہے جو اس کا عمل لکھتے ہیں جب وہ فوت ہو جاتا ہے تو وہ دونوں فرشتے عرض کرتے ہیں: اے ہمارے پروردگار فلاں شخص فوت ہو گیا ہے (جس پر ہم مقرر تھے۔ کیا تو ہمیں اجازت دیتا ہے کہ ہم آسمان پر آجائیں) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرا آسمان میرے فرشتوں سے بھرا ہوا ہے جو میری تسبیح بیان کرتے ہیں۔ پھر وہ عرض کرتے ہیں: ہم زمین میں ٹھہرے رہیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میری زمین میری ایسی مخلوق سے بھری ہوئی ہے جو میری تسبیح بیان کرتی ہے۔ پھر فرشتے عرض کرتے ہیں: پھر ہم کہاں رہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''تم دونوں میرے بندے کی قبر پر کھڑے ہو جاؤ پھر تکبیر و تہلیل کرو اور میرا ذکر کرو اور اسے قیامت تک میرے بندے کے لئے لکھو'' (1)۔ اس کی مکمل بحث ''الحلبہ'' میں ہے۔

کیا وہ فرشتے انسان سے کبھی جدا ہوتے ہیں

4473۔ (قولہ: وَيُفَارِقُهُ كَاتِبُ السَّيِّئَاتِ عِنْدَ جِمَاعٍ وَخَلَاءٍ) اس میں مصنف نے صاحب ''البحر'' کی اتباع کی ہے۔ اور ''القانی'' کی شرح ''الجوہرہ الکبیر'' میں اس کی تصریح کی گئی ہے کہ اس حالت میں اس سے جدا ہونے والے دو فرشتے ہیں اور یہ زائد لکھا ہے کہ وہ دونوں ایسی علامت کے ساتھ لکھتے ہیں جو اس کے فارغ ہونے کے بعد اس سے حاصل ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ ان کے لیے مقرر فرماتا ہے۔ لیکن اس میں کسی دلیل کی طرف نسبت نہیں کی۔ اور ''الحلبہ'' میں ذکر کیا ہے کہ اس کا جزم سمعی ثبوت کا محتاج ہے جو اس کو مفید ہو۔ اور رہا وہ جو ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ جب بیت الخلا میں داخل ہونے کا ارادہ کرتے تو اپنی چادر بچھا دیتے اور کہتے ''اے میرے محافظ فرشتو! تم دونوں یہاں بیٹھو۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہے کہ میں بیت الخلا میں بات نہیں کروں گا''۔ ہمارے شیخ ''الحافظ'' نے ذکر کیا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ ''حلبی'' ملخصاً

4474۔ (قولہ: وَصَلَاةٍ) یعنی برائیوں کو لکھنے والا نماز میں انسان سے جدا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے لئے کوئی ایسی چیز

1۔ کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، جلد 15، صفحہ 748، حدیث نمبر 42967

وَالْمُخْتَارُ أَنَّ كَيْفِيَّةَ الْكِتَابَةِ وَالْمَكْتُوبِ فِيهِ مِمَّا اسْتَأْثَرَ اللهُ بِعِلْمِهِ، نَعَمْ فِي حَاشِيَةِ الْأَشْبَاهِ تُكْتَبُ فِي رَقٍّ بِلَا حَرْفٍ كَثُبُوتِهَا فِي الْعَقْلِ؛ وَهُوَ أَحَدُ مَا قِيلَ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَالطُّورِ وَكِتَابٍ مَسْطُورٍ فِي رَقٍّ مَنْشُورٍ﴾

مختار یہ ہے کہ لکھنے کی کیفیت اور اس میں مکتوب ان چیزوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ساتھ خاص کیا ہے۔ اور ''الاشباہ'' کے حاشیہ میں ہے: بغیر حرف کے کاغذ میں لکھا جاتا ہے جیسا عقل میں معلومات کا ثبوت بغیر حرف کے ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَ كِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۙ فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۙ (الطور) کی تفسیر میں جو کہا گیا ہے اس میں سے ایک قول یہ بھی ہے۔

نہیں ہوتی جس کو وہ لکھے۔ ''القرطبی'' نے اس کو ذکر کیا ہے اور ''الحلبہ'' میں اس کا رد کیا ہے۔ جیسا کہ ''حلبی'' نے اس کو نقل کیا ہے۔

4475۔ (قولہ: وَالْمُخْتَارُ الخ) اس کا مقابل وہ ہے جو ''حاشیۃ الاشباہ'' کے حوالہ سے آگے آئے گا۔ اسی طرح ''النہر'' میں ہے کہ قلم سے مراد زبان ہے اور مداد سے مراد تھوک ہے۔

4476۔ (قولہ: اسْتَأْثَرَ) یعنی خاص کیا۔

4477۔ (قولہ: نَعَمْ) پہلے قول کے اختیار کی تصریح کے بعد اس کے ساتھ استدراک اچھا نہیں۔

4478۔ (قولہ: تُكْتَبُ فِي رَقٍّ) ''الحلبہ'' میں فرمایا: پھر بعض علماء نے فرمایا: جس میں الحفظہ فرشتے لکھتے ہیں وہ رجسٹر ہیں کاغذ کے جیسا کہ وَ كِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۙ فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۙ (الطور) سے کاغذ کے رجسٹر مراد ہیں ایک قول کے مطابق۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں جو ایسی چیز کے ساتھ اترتے ہیں جس میں بنی آدم کے اعمال لکھتے ہیں۔ پس اس چیز کو متعین نہیں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

4479۔ (قولہ: بِلَا حَرْفٍ كَثُبُوتِهَا فِي الْعَقْلِ) اس کی تائید امام ''غزالی'' کا وہ قول کرتا ہے جو لوح محفوظ میں لکھے ہوئے کے متعلق ہے کہ وہ حروف نہیں ہیں اس میں معلومات کا ثبوت ہے جس طرح عقل میں معلومات کا ثبوت ہے''۔ ''الحلبہ'' میں فرمایا: لفظ کو اس کے ظاہر سے پھیرنا، صارف کے وجود کا محتاج ہوتا ہے جبکہ کتاب وسنت میں کثرت کے ساتھ وہ موجود ہے جو ظاہر کی تائید کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (الجاثیہ)۔ وَ رُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ۝ (الزخرف)۔

اسی طرح شب اسریٰ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قلموں کے چلنے کی آواز سننا ہے (1)۔ پس اس کو ظاہر پر محمول کیا جائے گا لیکن اس کی کیفیت، اس کی صورت اور اس کی جنس ان چیزوں میں سے ہے جن کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے یا وہ جانتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس میں سے کسی چیز پر مطلع کیا۔ ملخصاً اس کی مکمل بحث ''حلبی'' میں ہے۔

4480۔ (قولہ: وَهُوَ أَحَدُ مَا قِيلَ الخ) یہ تکتب فی رقٍّ کی طرف راجع ہے جیسا کہ ''حلبی'' نے یہ فائدہ ذکر کیا

1۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب کیف فرضت الصلوٰۃ فی الاسراء، جلد 1، صفحہ 209، حدیث نمبر 336

وَصَحَّحَ النَّيْسَابُورِيُّ فِي تَفْسِيرِهِ أَنَّهُمَا يَكْتُبَانِ كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى أَنِينَهُ قُلْتُ وَفِي تَفْسِيرِ الدِّمْيَاطِيِّ يَكْتُبُ الْمُبَاحَ كَاتِبُ السَّيِّئَاتِ وَيُمْحَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَفِي تَفْسِيرِ الْكَازَرُونِيِّ الْمَعْرُوفِ بِالْأَخَوَيْنِ
نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں اس کی تصحیح کی ہے کہ وہ دونوں فرشتے ہر چیز لکھتے ہیں حتیٰ کہ (تنگی اور اکتاہٹ یا افسوس کی وجہ سے) نکلنے والی آواز کو بھی لکھتے ہیں۔ میں کہتا ہوں: ''الدمیاطی'' کی تفسیر میں ہے برائیوں کو لکھنے والا مباح کام کو بھی لکھتا ہے اور قیامت کے دن اس کو مٹایا جائے گا۔ اور تفسیر ''الکازرونی'' جو الاخوین کے ساتھ معروف ہے

ہے۔ پس حاشیہ ''حلبی'' کی طرف رجوع کرو اور غور کرو۔

وہ امور جو فرشتے لکھتے ہیں

4481۔ (قولہ: وَصَحَّحَ النَّيْسَابُورِيُّ) یہ ''الحلبہ'' میں ''الحسن''، ''مجاہد'' اور ''ضحاک'' وغیرہم سے نقل کیا ہے۔ اور اس سے پہلے ''الاختیار'' کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''ہشام'' سے انہوں نے ''عکرمہ'' سے انہوں نے ''ابن عباس'' سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: فرشتے نہیں لکھتے مگر وہ جس میں اجر ہوتا ہے یا گناہ ہوتا ہے۔

4482۔ (قولہ: حَتَّى أَنِينَهُ) انین سے مراد وہ آواز ہے جو مرض میں تنگی یا اکتاہٹ کی وجہ سے انسان کی طبیعت سے صادر ہوتی ہے یا اللہ تعالیٰ کے احکام میں کوتاہی پر افسوس کرتے وقت صادر ہوتی ہے۔ اس غایت کے ساتھ اشارہ فرمایا کہ وہ فرشتے تمام ضروریات کو بھی لکھتے ہیں جیسے سانس لینا، نبض کا حرکت کرنا، تمام عروق اور اعضا کا حرکت کرنا۔ یہ ''حلبی'' نے ''اللقانی'' کے حوالہ سے ''حلبی'' نے فائدہ ذکر کیا ہے۔

مکتوب کی اقسام

4483۔ (قولہ: يَكْتُبُ الْمُبَاحَ كَاتِبُ السَّيِّئَاتِ) سابقہ عبارت میں جو اجمال تھا اس کی تفسیر ہے۔ کیونکہ سابقہ عبارت میں ہر چیز کی کتابت کی نسبت ان دونوں کی طرف کی تھی۔ پس یہاں اس کی تفصیل اور اس کے بیان کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ مکتوب کی تین اقسام ہیں۔

(1) جس میں اجر ہے۔ (2) جس میں گناہ ہے۔ (3) جس میں نہ اجر ہے اور نہ گناہ ہے۔

جس میں اجر ہے وہ نیکیوں کو لکھنے والے کے لئے ہے اور باقی برائیوں کو لکھنے والے کے لئے ہے۔

4484۔ (قولہ: وَيُمْحَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ) بعض علماء نے فرمایا: دن کے آخر میں مٹا دیا جاتا ہے بعض نے فرمایا جمعرات کے دن مٹا دیا جاتا ہے اور یہ ابن عباس اور الکلبی سے منقول ہے۔ ''الحلبہ'' میں ''الاختیار'' کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ اکثر علماء کا قول پہلا ہے اور بعض مفسرین سے مروی ہے کہ یہی محققین کے نزدیک صحیح ہے۔ اسی وجہ سے شارح اس پر چلے ہیں۔

الْأَصَحُّ أَنَّ الْكَافِرَ أَيْضًا تُكْتَبُ أَعْمَالُهُ إِلَّا أَنَّ كَاتِبَ الْيَمِينِ كَالشَّاهِدِ عَلَى كَاتِبِ الْيَسَارِ وَفِي الْبُرْهَانِ أَنَّ مَلَائِكَةَ اللَّيْلِ غَيْرُ مَلَائِكَةِ النَّهَارِ، وَأَنَّ إِبْلِيسَ مَعَ ابْنِ آدَمَ بِالنَّهَارِ وَوَلَدَهُ بِاللَّيْلِ وَفِي صَحِيحِ مُسْلِمٍ (مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا قَدْ وَكَّلَ اللهُ بِهِ قَرِينَهُ مِنَ الْجِنِّ وَقَرِينَهُ مِنَ الْمَلَائِكَةِ(1)، قَالُوا وَإِيَّاكَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ وَإِيَّايَ، وَلَكِنَّ اللهَ أَعَانَنِي عَلَيْهِ فَأَسْلَمَ) رُوِيَ بِفَتْحِ الْمِيمِ

اس میں ہے کہ اصح یہ ہے کہ کافر کے اعمال بھی لکھے جاتے ہیں مگر دائیں طرف لکھنے والا بائیں طرف لکھنے والے پر گواہ کی طرح ہے۔ اور ''البرہان'' میں ہے کہ رات کے فرشتے، دن کے فرشتوں کے علاوہ ہیں اور ابن آدم کے ساتھ دن کے وقت شیطان ہوتا ہے اور رات کے وقت اس کی اولاد ہوتی ہے اور ''صحیح مسلم'' میں ہے: تم میں سے کوئی نہیں مگر اللہ تعالیٰ جنوں میں سے ایک جن اس پر مقرر کرتا ہے اور فرشتوں میں سے ایک فرشتہ مقرر کرتا ہے۔ صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپ کی کیا کیفیت ہے۔ فرمایا: میرے ساتھ بھی ایسا ہوا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس پر میری مدد فرمائی تو وہ مسلمان ہو گیا۔ حدیث میں اسلم کا لفظ میم کے فتحہ

کیا کافر کے اعمال لکھے جاتے ہیں؟

4485۔ (قولہ: الْأَصَحُّ أَنَّ الْكَافِرَ أَيْضًا تُكْتَبُ أَعْمَالُهُ الخ) یعنی کافر کے برے اعمال لکھے جاتے ہیں کیونکہ اس کی نیکی تو ہوتی نہیں اور وہ حقوق العباد اور العقوبات کا بالاتفاق مکلف ہے۔ اور عبادات کا ادا اور اعتقاد کے اعتبار سے مکلف ہے۔ یہی ہمارے نزدیک معتمد ہے۔ پس دونوں کے امروں کے ترک پر اسے سزا دی جائے گی۔ اس کی مکمل بحث ''حلبی'' میں ہے۔ ''اللقانی'' سے نقل کیا ہے کہ کافر کے وہ اعمال جو نیکی گمان کئے جاتے ہیں اس کے لئے وہ بھی نہیں لکھے جاتے مگر جب وہ مسلمان ہو جائے تو زمانہ کفر میں جو اس نے نیکیاں کی تھیں ان کا ثواب اس کے لئے لکھا جاتا ہے۔ اور میرے حافظہ میں یہ ہے کہ ہمارا مذہب اس کے خلاف ہے۔ پس رجوع کرنا چاہئے۔

4486۔ (قولہ: وَفِي الْبُرْهَانِ الخ) (مقولہ 4472 میں) یتعاقبون کی گزشتہ حدیث کی وجہ سے۔ ان سے مراد وہ حفظہ ہیں جو المعقبات ہیں نہ کہ وہ الحفظہ جو لکھنے والے ہیں اس وجہ سے جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔ ''حلبی''۔

4487۔ (قولہ: وَأَنَّ إِبْلِيسَ مَعَ ابْنِ آدَمَ بِالنَّهَارِ) یعنی تمام لوگوں کے ساتھ مگر جس کو اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ کرے اور اسے اس پر قدرت دے دے۔ جیسا کہ اس کی مثل پر ملک الموت کو قدرت بخشی۔

ظاہر یہ ہے کہ یہ آئندہ قرین کے علاوہ ہے کیونکہ وہ آدمی سے جدا نہیں ہوتا۔ ''فافہم''

4488۔ (قولہ: رُوِيَ بِفَتْحِ الْمِيمِ) یعنی وہ قرین ایمان لے آیا۔ پس وہ حکم نہیں دیتا مگر خیر کا جیسے فرشتہ قرین نیکی کا حکم دیتا ہے یہ حدیث کا ظاہر ہے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ الجنۃ والنار، باب تحریش الشیطان وبعثہ سرایاہ لفتنۃ الناس، جلد 3، صفحہ 666، حدیث نمبر 5084

وَضَمِّهَا (وَيَزِيدُ) الْمُؤْتَمُّ (السَّلَامَ عَلَى إمَامِهِ فِي التَّسْلِيمَةِ الْأُولَى إنْ كَانَ) الْإِمَامُ (فِيهَا وَإِلَّا فَفِي الثَّانِيَةِ، وَنَوَاهُ فِيهِمَا لَوْ مُحَاذِيًا وَيَنْوِي الْمُنْفَرِدُ الْحَفَظَةَ فَقَطْ) لَمْ يَقُلْ الْكَتَبَةَ لِيَعُمَّ الْمُمَيِّزَ، إذْ لَا كَتَبَةَ مَعَهُ؛ وَلَعَمْرِي لَقَدْ صَارَ هَذَا كَالشَّرِيعَةِ الْمَنْسُوخَةِ لَا يَكَادُ يَنْوِي أَحَدٌ شَيْئًا إلَّا الْفُقَهَاءُ، وَفِيهِمْ نَظَرٌ وَيُكْرَهُ تَأْخِيرُ السُّنَّةِ

اور میم کے ضمہ کے ساتھ مروی ہے۔ اور مقتدی پہلے سلام میں اپنے امام پر سلام کرنے کی نیت زیادہ کرے اگر امام پہلے سلام کی جہت میں ہو ورنہ دوسرے سلام سے نیت کرے۔ اگر امام سامنے ہو تو دونوں سلاموں میں اس کی نیت کرے۔ اور اکیلا نماز پڑھنے والا صرف حفظہ فرشتوں کی نیت کرے۔ الکتبہ نہیں فرمایا تاکہ عاقل بچے کو بھی شامل ہو جائے۔ کیونکہ عاقل بچے کے ساتھ کتبہ فرشتے نہیں ہوتے۔ اور میری عمر کی قسم یہ منسوخ شریعت کی طرح ہو گیا ہے کوئی شخص سلام میں نیت نہیں کرتا سوائے فقہاء کے اور ان میں بھی نظر ہے۔ اور سنتوں کی تاخیر مکروہ ہے

4489۔ (قولہ: وَضَمِّهَا) اس صورت میں فعل مضارع ہوگا جو کافر قرین سے سلامتی کو مفید ہے استمرار تجددی کے طریق پر۔ ''حلبی''۔ اور بعض نے اس روایت کو صحیح کہا ہے اور اس کو ترجیح دی ہے۔ ایک روایت میں فاستسلم ہے جیسا کہ ''الشفاء'' میں ہے۔

4490۔ (قولہ: وَيَزِيدُ الْمُؤْتَمُّ الخ) یعنی حفظہ اور قوم کی نیت میں اپنے امام کی نیت کا اضافہ کرے۔

4491۔ (قولہ: إنْ كَانَ الْإِمَامُ فِيهَا) یعنی اگر پہلے سلام کی جہت میں ہو۔

4492۔ (قولہ: وَإِلَّا) یہ محاذاۃ پر بھی صادق آتا ہے جبکہ یہ مراد نہیں ہے کیونکہ اسکے بعد محاذاۃ کا ذکر ہے۔ ''حلبی''۔

4493۔ (قولہ: إذْ لَا كَتَبَةَ مَعَهُ) یہ فائدہ ظاہر فرمایا کہ الحفظۃ سے مراد اس کی ذات کی حفاظت کرنے والے فرشتے مراد ہیں نہ کہ اعمال کی حفاظت کرنے والے۔ یہ دو قول ہیں جیسا کہ (مقولہ 4464 میں) پہلے گزر چکا ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ بچے کی نیکیاں اس کے لئے ہوتی ہیں اور والدین کے لئے اس کو تعلیم دینے کا ثواب ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ''اللقانی'' نے ذکر کیا ہے کہ بچے کی نیکیاں لکھی جاتی ہیں اس کا مقتضا یہ ہے کہ اس کے لئے نیکیاں لکھنے والا فرشتے ہوتا ہے۔

4494۔ (قولہ: لَعَمْرِي) قسم ہے کتاب کے خطبہ میں (مقولہ 58 میں) اس پر کلام گزر چکا ہے۔

4495۔ (قولہ: هَذَا) یعنی نیت میں سے جو ذکر کیا گیا ہے اور ''الحلبہ'' میں ''صدر الاسلام'' کے حوالہ سے ہے کہ یہ ایسی چیز ہے جس کو تمام لوگوں نے ترک کر دیا ہے کیونکہ بہت تھوڑے ہی اس کی نیت کرتے ہیں۔ ''غایۃ البیان'' میں فرمایا: اور یہ حق ہے۔ کیونکہ سلام میں نیت منسوخ شریعت کی طرح ہو گئی ہے اسی وجہ سے اگر ہزاروں لوگوں سے پوچھا جائے کہ تو نے سلام میں کیا نیت کی تھی تو ان میں کوئی قابل قدر جواب نہیں دے سکے گا سوائے فقہا کے مگر ان میں بھی نظر ہے۔

إِلَّا بِقَدْرِ اللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ إِلَخْ قَالَ الْحَلْوَانِيُّ لَا بَأْسَ بِالْفَصْلِ بِالْأَوْرَادِ وَاخْتَارَهُ الْكَمَالُ

مگر اللھم انت السلام الخ کی مقدار۔ اور ''الحلوانی'' نے فرمایا: اوراد کے ساتھ فاصلہ میں کوئی حرج نہیں۔ اور ''الکمال'' نے اس کو اختیار کیا ہے۔

فرضوں کے بعد سنتوں کی تاخیر کا حکم

4496۔ (قولہ: إِلَّا بِقَدْرِ اللّٰهُمَّ) کیونکہ ''مسلم'' اور ''ترمذی'' نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (فرضوں کے بعد) نہیں بیٹھتے تھے (1) مگر یہ کہنے کی مقدار اللھم انت السلام و منك السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام۔ اور نماز کے بعد اذکار کے بارے میں احادیث میں جو وارد ہے۔ اس میں سنتوں سے پہلے لانے میں اس پر کوئی دلیل نہیں بلکہ انہیں سنتوں کے بعد لانے پر محمول کیا جائے گا کیونکہ سنت فرض کے لواحق، توابع اور مکملات میں سے ہے۔ فرض سے سنت اجنبی نہیں، ان کے بعد جو کیا جائے گا وہ فرض کے بعد شمار کیا جائے گا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول بمقدار اس کو مفید نہیں کہ آپ صرف یہی پڑھتے تھے بلکہ آپ اتنی مقدار بیٹھتے تھے جو اس کے پڑھنے کی گنجائش رکھتا تھا اور تقریباً اس جیسا قول کہنے کی وسعت رکھتا تھا۔ جو صحیحین میں ہے وہ اس کے منافی نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد (2) لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہ، لہ الملك ولہ الحمد و ھو علی کل شیء قدیر، اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منك الجد پڑھتے تھے۔ مکمل بحث ''شرح المنیہ'' میں ہے۔ اور اسی طرح ''الفتح'' میں باب الوتر والنوافل میں ہے۔

4497۔ (قولہ: وَاخْتَارَهُ الْكَمَالُ) اس میں یہ ہے کہ ''الکمال'' نے جس کو اختیار کیا ہے وہ پہلا قول ہے۔ اور وہ ''البقالی'' کا قول ہے اور ''شرح الشہید'' میں جو ہے اس کا رد کیا ہے کہ فرض سے متصل سنت کے لئے کھڑا ہونا مسنون ہے۔ پھر فرمایا: میرے نزدیک ''الحلوانی'' کا قول لاباس دونوں قولوں کے معارض نہیں۔ کیونکہ اس عبارت میں مشہور اس کا خلاف ہونا اولیٰ ہے۔ پس اس کا معنی یہ ہے کہ بہتر یہ ہے کہ سنت سے پہلے اور دعا نہ پڑھے اور اگر پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں۔ تو اس سے سنت کے عدم سقوط کا فائدہ دیا حتیٰ کہ اوراد کے بعد سنتوں کو ادا کیا تو سنت واقع ہوں گی سنت طریقہ پر نہیں۔ اسی وجہ سے علماء نے فرمایا: اگر فرضوں کے بعد کلام کی تو سنت ساقط نہ ہوں گی لیکن ان کا ثواب کم ہوگا اور اوراد کی قراءت سے ثواب کم نہیں ہوتا جو انہیں ساقط نہیں کرتا۔ اس پر ان کے شاگرد نے ''الحلبہ'' میں اتباع کی ہے۔ اور فرمایا: ''البقالی'' کے قول میں کراہت کو کراہت تنزیہی پر محمول کیا جائے گا۔ کیونکہ کراہت تحریمیہ کی دلیل نہیں ہے حتیٰ کہ اگر اوراد کے بعد سنتوں کو پڑھا تو ادا سنت واقع ہوں گی لیکن اپنے مسنون وقت میں نہیں۔ پھر فرمایا: ہمارے شیخ نے یہ فائدہ ذکر کیا ہے کہ کلام اس میں ہے کہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلوٰۃ و بیان صفتہ، جلد 1، صفحہ 605، حدیث نمبر 982

سنن ترمذی کتاب الصلوٰۃ، باب مایقول اذا سلم من الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 205، حدیث نمبر 275

2۔ صحیح بخاری، کتاب صفۃ الصلوٰۃ، باب الذکر بعد الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 396، حدیث نمبر 799

قَالَ الْحَلَبِيُّ إِنْ أُرِيدَ بِالْكَرَاهَةِ التَّنْزِيهِيَّةُ ارْتَفَعَ الْخِلَافُ قُلْت وَفِي حِفْظِي حَمْلُهُ عَلَى الْقَلِيلَةِ؛ وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَسْتَغْفِرَ ثَلَاثًا وَيَقْرَأَ آيَةَ الْكُرْسِيِّ وَالْمُعَوِّذَاتِ وَيُسَبِّحَ وَيَحْمَدَ وَيُكَبِّرَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ؛
اور ''الحلبی'' نے کہا: اگر کراہت سے کراہت تنزیہی مراد لی جائے تو اختلاف ختم ہو جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں: میرے حافظے میں اس کو قلت پر محمول کرنا ہے اور مستحب ہے کہ تین مرتبہ استغفار کرے اور آیت الکرسی اور المعوذات پڑھے تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور تینتیس مرتبہ اللہ اکبر کہے

جب سنت محل فرض میں ادا کرے۔ کیونکہ مشائخ کے کلام کا اس پر اتفاق ہے کہ سنن میں افضل حتیٰ کہ مغرب کی سنت میں افضل گھر میں ادا کرنا ہے پس راستے کی مسافت کی وجہ سے فاصلہ مکروہ نہیں ہے۔

4498۔ (قولہ: قَالَ الْحَلَبِيُّ) یہ ''الکمال'' کے قول کا عین ہے جو انہوں نے ''الحلوانی'' کے کلام میں عدم معارضت میں سے ذکر کیا ہے۔ ''طحطاوی''۔

4499۔ (قولہ: ارْتَفَعَ الْخِلَافُ) کیونکہ زیادتی جب مکروہ تنزیہی ہے تو وہ خلاف اولیٰ ہو گی جو لا بأس کا معنی ہے۔

4500۔ (قولہ: وَفِي حِفْظِي الخ) دونوں مذکور قولوں کے درمیان ایک اور تطبیق ہے وہ یہ کہ ''الحلوانی'' کے قول لا بأس بالفصل بالاوراد سے مراد قلیل اوراد ہیں جو اللھم انت السلام کی مقدار ہیں۔ کیونکہ تو جان چکا ہے کہ اس سے مراد خاص یہ ذکر نہیں ہے بلکہ جو اس مقدار کے قریب ہو، جس میں بہت زیادتی نہ ہو۔ فتامل۔ اس بنا پر زیادتی پر کراہت تنزیہی ہو گی کیونکہ تو جان چکا ہے کہ کراہت تحریمی کی دلیل نہیں ہے'' فافہم''۔ باب الوتر والنوافل میں آئے گا کہ اگر سنت اور فرض کے درمیان بات کی یا کھایا پیا۔ اور ہمارے نزدیک فجر کی سنت اور فرض کے درمیان پہلو کے بل سونے سے فاصلہ سنت نہیں جو شوافع سونا اختیار کرتے ہیں۔

4501۔ (قولہ: وَالْمُعَوِّذَاتِ) اس میں تغلیب ہے کیونکہ اس سے مراد سورۂ اخلاص اور معوذتان ہیں۔

4502۔ (قولہ: ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ) اس میں پہلے تینوں افعال میں سے ہر فعل کا تنازع ہے۔

اگر نماز کے بعد تسبیح میں وارد تعداد پر زیادتی کر دی

تنبیہ

اگر تعداد پر زیادتی کی تو بعض علما نے فرمایا: مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ سوء ادب ہے۔ اور اس کی تائید اس سے کی گئی ہے کہ جیسے قانون سے زیادہ دوا کی گئی ہو یا چابی کے دندانوں پر زیادتی کی گئی ہو۔ اور بعض علما نے فرمایا: مکروہ نہیں ہے بلکہ اسے زیادتی کے ساتھ مخصوص ثواب حاصل ہو گا بلکہ بعض علما نے فرمایا: کراہت کا اعتقاد حلال نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا (الانعام: 160) بہتر یہ ہے کہ اگر اس نے شک کی وجہ سے زیادہ کیا تو معذور سمجھا جائے گا یا تعبد کی وجہ سے زیادہ کیا ہو گا تو معذور نہیں سمجھا جائے گا۔ کیونکہ الشارع پر اس کا استدراک ہے اور وہ ممنوع ہے۔ ''ملخصاً من تحفۃ ابن حجر''

وَيُهَلِّلَ تَمَامَ الْمِائَةِ وَيَدْعُو وَيَخْتِمَ بِسُبْحَانَ رَبِّكَ وَفِي الْجَوْهَرَةِ وَيُكْرَهُ لِلْإِمَامِ التَّنَفُّلُ فِي مَكَانِهِ لَا لِلْمُؤْتَمِّ، وَقِيلَ يُسْتَحَبُّ كَسْرُ الصُّفُوفِ وَفِي الْخَانِيَّةِ يُسْتَحَبُّ لِلْإِمَامِ التَّحَوُّلُ لِيَمِينِ الْقِبْلَةِ يَعْنِي يَسَارَ الْمُصَلِّي لِتَنَفُّلٍ أَوْ وِرْدٍ وَخَيَّرَهُ فِي الْمُنْيَةِ بَيْنَ تَحْوِيلِهِ يَمِينًا وَشِمَالًا

اور آخر میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ کر سو مکمل کرے اور دعا مانگے۔ اور سبحان ربك سے دعا کا اختتام کرے۔ اور ''الجوہرہ'' میں ہے: امام کے لئے اپنی جگہ میں نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ مقتدی کے لئے نہیں۔ اور بعض علما نے فرمایا: صفوں کا توڑنا مستحب ہے اور ''الخانیہ'' میں ہے: امام کے لئے قبلہ کی دائیں جانب پھرنا یعنی نمازی کی بائیں جانب نوافل اور ورد کے لئے پھرنا مستحب ہے۔ اور ''المنیہ'' میں دائیں، بائیں،

امام کے لیے اپنی جگہ پر نفل کی ادائیگی مکروہ ہے

4503۔ (قولہ: وَيُكْرَهُ لِلْإِمَامِ التَّنَفُّلُ فِي مَكَانِهِ) بلکہ وہ پھر جائے اسے اختیار دیا گیا ہے جیسا کہ ''المنیہ'' کے حوالہ سے (مقولہ 4507 میں) آئے گا۔ اسی طرح ایسی نماز میں (سلام پھیرنے کے بعد) قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھا رہنا مکروہ ہے جس کے بعد نفل نہ ہوں جیسا کہ ''شرح المنیہ'' میں ''الخلاصہ'' کے حوالہ سے ہے اور کراہت تنزیہی ہے جیسا کہ ''الخانیہ'' کی عبارت اس پر دلیل ہے۔

4504۔ (قولہ: لَا لِلْمُؤْتَمِّ) اور اس کی مثل منفرد ہے کیونکہ ''المنیہ'' اور اس کی شرح میں ہے کہ مقتدی اور منفرد دونوں اگر ٹھہرے رہیں یا ایسی جگہ میں نفلوں کے لئے کھڑے ہو جائیں جس میں فرض نماز پڑھی تھی تو جائز ہے۔ بہتر دوسری جگہ پر نوافل پڑھنا ہے۔

4505۔ (قولہ: وَقِيلَ يُسْتَحَبُّ كَسْرُ الصُّفُوفِ) صفوں کو توڑنا مستحب ہے تا کہ امام سے دور تمام کو نماز میں دیکھنے والے سے اشتباہ زائل ہو جائے۔

''البدائع'' اور ''الذخیرہ'' میں امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہ ذکر کیا ہے۔ اس پر ''المحیط'' میں نص ہے کہ یہ سنت ہے جیسا کہ ''الحلبہ'' میں ہے۔ ''المنیہ'' کے قول کا یہی معنی ہے کہ بہتر دوسری جگہ پر نوافل پڑھنا ہے۔ ''الحلبہ'' میں فرمایا: اس تمام سے بہتر یہ ہے کہ گھر میں نوافل پڑھے اگر کسی مانع کا خوف نہ ہو۔

4506۔ (قولہ: لِتَنَفُّلٍ أَوْ وِرْدٍ) میں کہتا ہوں: ''الخزائن'' میں اس کی عبارت اس طرح ہے۔ میں کہتا ہوں: یہ احتمال ہے کہ یہ نفل اور ورد کی وجہ سے ہو۔ یہ اس پر دلیل ہے کہ یہ ''الخانیہ'' کے کلام سے نہیں ہے۔ اور ''الخانیہ'' میں جو میں نے دیکھا وہ اس میں صریح ہے کہ یہ نفل کے لئے ہے۔

4507۔ (قولہ: وَخَيَّرَهُ الخ) ضمیر منصوب امام کے لئے ہے۔ لیکن تخییر جو ''المنیہ'' میں ہے وہ یہ ہے کہ اگر وہ ایسی نماز میں ہے جس کے بعد نوافل نہیں ہیں تو پھر اگر چاہے تو دائیں طرف پھرے یا بائیں طرف پھرے یا اپنی حوائج کو چلا

وَأَمَامًا وَخَلْفًا وَذَهَابِهِ لِبَيْتِهِ، وَاسْتِقْبَالِهِ النَّاسَ بِوَجْهِهِ وَلَوْ دُونَ عَشَرَةٍ،

آگے، پیچھے، گھر چلے جانے اور لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھنے میں امام کو اختیار دیا ہے اگر چہ مقتدی دس سے کم بھی ہوں

جائے یا لوگوں کی طرف منہ کرے۔ اگر اس کے بعد نوافل ہوں تو وہ کھڑا ہو نماز پڑھنے کے لئے تو آگے ہو جائے یا پیچھے ہٹ جائے یا دائیں یا بائیں طرف مڑ جائے یا اپنے گھر چلا جائے اور وہاں نماز پڑھے۔

یہ تخییر اس کے مخالف نہیں جو ''الخانیۃ'' سے پہلے گزر چکا ہے۔ کیونکہ یہ بیان جواز کے لئے ہے یا یہ افضل کے بیان کے لئے ہے۔ اسی وجہ سے ''الخانیۃ'' وغیرہا میں اس کی طرف علت بیان کی ہے کہ دائیں طرف کو بائیں طرف پر فضیلت نہیں ہے لیکن یہ قبلہ کی دائیں طرف کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اس کی مثل نمازی کی دائیں جانب میں اس کی مثل ہے۔ بلکہ ''شرح المنیۃ'' میں ہے کہ اس کا دائیں جانب پھرنا بہتر ہے اور اس کو صحیح مسلم کی حدیث سے تائید دی ہے (1)۔ ''البدائع'' میں دونوں اطراف کے درمیان برابری کی تصحیح کی ہے۔ اور فرمایا: انحراف سے مقصود اشتباہ کا زوال ہے یعنی نماز میں ہونے کا اشتباہ ہے، یہ ہر طرف پھرنے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ اور ہم نے ''الحلبہ'' کے حوالہ سے پہلے (مقولہ 4505 میں) بیان کیا ہے کہ سب سے بہتر گھر میں نوافل پڑھنا ہے۔ کیونکہ ''سنن ابی داؤد'' میں صحیح سند کے ساتھ ہے کہ آدمی کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا میری اس مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے مگر فرضی نماز (2) (مسجد میں پڑھنا افضل ہے)۔

میں کہتا ہوں: تراویح بھی مسجد میں پڑھنا افضل ہے جیسا کہ باب الوتر والنوافل میں دوسری زیادات کے ساتھ (مقولہ 5903 میں) آئے گا۔

پھر جب جانا چاہے تو دائیں جانب پھرے یا بائیں جانب پھرے تو دونوں امر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔ اہل علم کے نزدیک اس پر عمل ہے جیسا کہ یہ ''الترمذی'' نے کہا (3)۔ ''النووی'' نے ذکر کیا ہے کہ حاجت اور عدم حاجت میں دونوں جہتوں کے برابر ہونے کے وقت ہے۔ پس دائیں طرف افضل ہے کیونکہ احادیث کا عموم جو تصریح کرتی ہیں کہ باب المکارم میں دائیں طرف کو فضیلت ہے۔ جیسا کہ ''الحلبہ'' میں ہے۔

4508۔ (قولہ: وَلَوْ دُونَ عَشَرَةٍ) یعنی استقبال مطلق ہے اس میں کسی تعداد کا فرق نہیں ہے اس بنا پر جو ''الخلاصہ'' وغیرہا میں ذکر کیا ہے۔ اور ''المقدمہ'' کے بعض شراح نے جو ذکر کیا ہے اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا کہ جماعت اگر دس افراد پر مشتمل ہو امام ان کی طرف متوجہ ہو۔ کیونکہ ان کی حرمت قبلہ کی حرمت پر راجح ہے ورنہ نہیں۔ کیونکہ دس سے کم لوگوں کی جماعت پر قبلہ کی حرمت راجح ہے۔ یہ جو انہوں نے ذکر کیا ہے اس کی فقہ میں کوئی اصل نہیں۔ یہ مجہول آدمی ہے اس کے الفاظ اہل فقہ کے الفاظ کے مشابہ نہیں چہ جائیکہ اس کی تقلید کی جائے ایسی بات میں جس کی اصل ہی نہیں اور جو اس نے

1۔ صحیح مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین، باب جواز الانصراف من الصلوۃ عن الیمین والشمال، جلد 1، صفحہ 704، حدیث نمبر 1207

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب صلوۃ الرجل التطوع فی بیتہ، جلد 1، صفحہ 386، حدیث نمبر 880

3۔ سنن ترمذی، کتاب الصلوۃ، باب الانصراف عن یمینہ و شمالہ، جلد 1، صفحہ 206، حدیث نمبر 277

مَا لَمْ يَكُنْ بِحِذَائِهِ مُصَلٍّ وَلَوْ بَعِيدًا عَلَى الْمَذْهَبِ
جبکہ اس کے سامنے کوئی نماز پڑھنے والا نہ ہو مذہب پر اگرچہ بعید ہی ہو۔

روایت کیا ہے وہ موضوع ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ ہے۔ بلکہ ایک مسلمان کی حرمت، قبلہ کی حرمت سے ارجح ہے مگر امام کے پیچھے ایک نماز پڑھنے والا نہ ہو گا حتیٰ کہ اس کی طرف متوجہ ہو بلکہ وہ اس کی دائیں طرف ہو گا۔ اگر دو مقتدی ہوں تو مذکور اطلاق کی وجہ سے ان کی طرف متوجہ ہو۔

''الامداد'' میں اس سے اس طرح تنازع کیا ہے کہ انہوں نے ''مجمع الروایات شرح القدوری'' میں ''حاشیہ البدریہ'' عن ابی حنیفہ کے حوالہ سے یہ ذکر کیا ہے۔ ''فلیتامل''

4509۔ (قوله: وَلَوْ بَعِيدًا عَلَى الْمَذْهَبِ) ''الذخیرہ'' میں اس کی تصریح کی ہے امام ''محمد'' کی ''الاصل'' کے اطلاق سے اخذ کرتے ہوئے کہ جب اس کے سامنے کوئی نماز نہ پڑھ رہا ہو۔ پھر ''الذخیرہ'' میں فرمایا: یہ ظاہر المذہب ہے۔ کیونکہ جب اس کا چہرہ حالت قیام میں امام کے چہرہ کے مقابل ہو گا تو مکروہ ہو گا اگرچہ ان دونوں کے درمیان کئی صفوف ہوں۔ ''ابن امیر حاج'' نے ''الحلبہ'' میں اس کا خلاف ظاہر کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب امام اور نمازی کے درمیان ایک شخص بیٹھا ہو جس کی پیٹھ نمازی کی طرف ہو تو امام کا قوم کی طرف منہ کرنا مکروہ نہیں کیونکہ جب نمازی کے لئے سترہ ہو تو اس کے پیچھے سے گزرنا مکروہ نہیں۔ یہاں بھی اسی طرح ہے۔ علماء نے تصریح کی ہے کہ اگر کوئی کسی انسان کے منہ کی طرف نماز پڑھے جبکہ ان کے درمیان تیسرا شخص ہو جس کی پیٹھ نمازی کی طرف ہو تو مکروہ نہیں۔ شاید امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے ساتھ مقید نہیں کیا کیونکہ یہ معلوم مسئلہ ہے۔ ملخصاً فافهم واللہ تعالیٰ اعلم۔

فَصْلٌ فِی القِرأۃ

(وَيَجْهَرُ الْإِمَامُ وُجُوبًا بِحَسَبِ الْجَمَاعَةِ، فَإِنْ زَادَ عَلَيْهِ أَسَاءَ، وَلَوْ ائْتَمَّ بِهِ بَعْدَ الْفَاتِحَةِ أَوْ بَعْضِهَا سِرًّا أَعَادَهَا جَهْرًا بَحْرٌ، لَكِنْ فِي آخِرِ شَرْحِ الْمُنْيَةِ ائْتَمَّ بِهِ بَعْدَ الْفَاتِحَةِ،

قراءت کے احکام

امام جماعت کے مطابق وجوباً جہراً قراءت کرے گا اگر زیادہ آواز کو بلند کرے گا تو اچھا نہیں ہوگا۔ اور اگر فاتحہ مکمل یا بعض سراً پڑھنے کے بعد اس کی کوئی شخص اقتدا کرے تو سورۂ فاتحہ کا جہراً اعادہ کرے''بحر''۔ لیکن ''شرح المنیہ'' کے آخر میں ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بعد اس کی کوئی اقتدا کرے

جب مصنف نماز کی صفت، کیفیت، فرائض، واجبات اور سنن سے فارغ ہوا تو قراءت کے احکام کو علیحدہ فصل میں ذکر فرمایا۔ کیونکہ زیادہ احکام قراءت سے متعلق ہیں جبکہ دوسرے ارکان سے اتنے احکام متعلق نہیں۔

4510۔ (قولہ: وَيَجْهَرُ الْإِمَامُ وُجُوبًا) یعنی جہراً قراءت کرنا واجب ہے۔ اس بنا پر کہ یہ مصدر بمعنی فاعل ہے اور بحسب الجماعة کا قول الجہر کی دوسری صفت ہے۔ اور مخفی نہیں کہ جہر کے ان دو وصفوں سے متصف ہونے سے جماعت کے مطابق وجوب کے ساتھ اس کا متصف ہونا لازم نہیں آتا۔ ہاں اگر وجوباً کی ضمیر سے اس کو حال بنایا جائے اسم فاعل کی تاویل میں تو پھر یہ لازم آتا ہے۔ اور کلام کو ایسی چیز پر محمول کرنے کا کوئی داعی نہیں جو معنی کو بگاڑ دے حالانکہ دوسرا مفہوم متبادر بھی ہے۔ فافہم

4511۔ (قولہ: فَإِنْ زَادَ عَلَيْهِ أَسَاءَ) ''الزاہدی'' میں ''ابوجعفر'' سے مروی ہے: اگر حاجت سے زائد ہو تو یہ افضل ہے مگر جب اتنی آواز زیادہ بلند کرے کہ اپنے آپ کو مشقت میں ڈالے یا دوسروں کو اذیت دے۔ ''قہستانی''۔

4512۔ (قولہ: أَعَادَهَا جَهْرًا) کیونکہ مابقی میں جہر اقتدا کی وجہ سے واجب ہوگئی اور ایک رکعت میں جہر اور سر کو جمع کرنا اچھا نہیں ہے۔ ''بحر''۔

اور اس کا مفاد یہ ہے کہ اگر سورۂ فاتحہ کا بعض پڑھنے کے بعد کسی نے اس کی اقتدا کی تو وہ سورۂ فاتحہ اور سورت کا اعادہ کرے۔ ''حلبی''۔

4513۔ (قولہ: لَكِنْ الخ) یہ ولو ائتم بہ کے قول پر استدراک ہے اور یہ دوسرا قول ہے۔ ''القہستانی'' نے یہ دونوں قول حکایت کئے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا: امام اگر سورۂ فاتحہ کا بعض یا تمام یا منفرد آہستہ پڑھ چکا ہو پھر کوئی شخص اس کی اقتدا کرے تو وہ جہراً سورۂ فاتحہ کا اعادہ کرے جیسا کہ ''الخلاصہ'' میں ہے۔ اور بعض علما نے فرمایا: اعادہ نہ کرے اور مابقی سورۂ

يَجْهَرُ بِالسُّورَةِ إِنْ قَصَدَ الْإِمَامَةَ وَإِلَّا فَلَا يَلْزَمُهُ الْجَهْرُ (فِي الْفَجْرِ وَأُولَيِي الْعِشَاءَيْنِ أَدَاءً وَقَضَاءً وَجُمُعَةٍ وَعِيدَيْنِ وَتَرَاوِيحَ وَوِتْرٍ بَعْدَهَا) أَيْ فِي رَمَضَانَ فَقَطْ لِلتَّوَارُثِ

تو سورت کو جہراً پڑھے اگر امامت کا قصد کرے ورنہ اس پر جہر لازم نہیں مغرب، عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں (خواہ وہ) ادا ہوں یا قضا، جمعہ، عیدین، تراویح اور ان کے بعد وتر میں (جہراً قراءت کرے) یعنی وتر میں جہراً صرف رمضان میں کرے۔ کیونکہ یہ تواتر سے سلف صالحین سے منقول ہے۔

فاتحہ یا کوئی سورت، تمام یا بعض کی جہراً تلاوت کرے جیسا کہ ''المنیہ'' میں ہے۔ ''القنیہ'' میں دوسرے قول کو قاضی ''عبدالجبار'' اور ''فتاوی السعدی'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ایک رکعت میں سورۂ فاتحہ کے تکرار اور واجب کو اپنے محل سے مؤخر کرنے سے احتراز ہے۔ کیونکہ یہ سجدہ سہو کا موجب ہے۔ پس یہ مکروہ ہوگا اور یہ ایک رکعت میں جہر اور اسرار کو جمع کرنے کے لزوم سے زیادہ سہل ہے اس کے باوجود کہ یہ جمع کرنا بھی شنیع اور غیر مروج ہے۔ کیونکہ ''شرح المنیہ'' کے آخر میں یہ ذکر کیا ہے کہ امام اگر بھول جائے جہری نماز میں سراً فاتحہ کی قرآت کردے پھر اسے یاد آئے تو سورت کو جہراً پڑھے اور اعادہ نہ کرے اور اگر ایک آیت یا زیادہ آیات سراً پڑھے تو اسے جہراً مکمل کرے اور اعادہ نہ کرے۔ اور ''القہستانی'' میں ہے: اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جب سورۂ فاتحہ کا اکثر حصہ جہراً پڑھ لے تو سراً اس کو مکمل کرے جیسا کہ ''الزاہدی'' میں ہے۔ یعنی سری نماز میں۔

اور پہلا قول جس کو ''الخلاصہ'' میں الاصل کے حوالہ سے نقل کیا ہے جیسا کہ ''البحر'' میں ہے...... اور ''الاصل'' ظاہر الروایہ کتب میں سے ہے...... اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرا قول ظاہر الروایہ کتب میں سے کسی دوسری کتاب میں مذکور نہیں ہے۔ پس یہ دعویٰ کہ دوسرا قول، روایت اور درایت کے اعتبار سے ضعیف ہے، غیر مسلم ہے۔ فافہم۔

4514۔ (قولہ: إِنْ قَصَدَ الْإِمَامَةَ الخ) ''القنیہ'' میں اس کو ''فتاویٰ الکرمانی'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام اپنی ذات کے حق میں منفرد ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اس قسم میں حانث نہیں ہوتا کہ وہ کسی کی امامت نہیں کرائے گا جب تک کہ وہ امامت کی نیت نہ کرے۔ اور جماعت کا ثواب بھی نیت کے ساتھ ملتا ہے۔ اور عورت کے ساتھ کھڑے ہونے سے نماز فاسد نہیں ہوتی مگر نیت کے ساتھ جیسا کہ نیت کی بحث میں گزر چکا ہے۔ باب الوتر عند کراھۃ الجماعۃ فی التطوع علی سبیل التداعی میں ذکر ہوگا کہ امام پر کوئی کراہت نہیں اگر وہ امامت کی نیت نہ کرے۔ جب معاملہ اس طرح ہے تو بغیر التزام کے امامت کے احکام اسے کیسے لازم ہوں گے؟ فافہم۔

4515۔ (قولہ: وَأُولَيِي الْعِشَاءَيْنِ) پہلی یا کے فتحہ اور دوسری کے کسرہ کے ساتھ۔ ''قہستانی''۔ العشاء ان سے مراد مغرب اور عشا کی نماز ہے۔

4516۔ (قولہ: فِي رَمَضَانَ فَقَطْ) یہ ''المنح'' میں المصنف سے لیا گیا ہے جہاں انہوں نے فرمایا: ہم نے وتر کو

قُلْتُ فِی تَقْيِيدِهِ بِبَعْدِهَا نَظَرٌ لِجَهْرِهِ فِيهِ وَإِنْ لَمْ يُصَلِّ التَّرَاوِيحَ عَلَى الصَّحِيحِ كَمَا فِي مَجْمَعِ الْأَنْهُرِ، نَعَمْ فِي الْقُهُسْتَانِيِّ تَبَعًا لِلْقَاعِدِيِّ لَا سَهْوَ بِالْمُخَافَتَةِ فِي غَيْرِ الْفَرَائِضِ كَعِيدٍ وَوِتْرٍ، نَعَمْ الْجَهْرُ أَفْضَلُ (وَيُسِرُّ فِي غَيْرِهَا) (وَكَانَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ (1) وَالسَّلَامُ يَجْهَرُ فِي الْكُلِّ ثُمَّ تَرَكَهُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ لِدَفْعِ أَذَى الْكُفَّارِ كَافِي (كَمُتَنَفِّلٍ بِالنَّهَارِ) فَإِنَّهُ يُسِرُّ (وَيُخَيَّرُ الْمُنْفَرِدُ فِي الْجَهْرِ) وَهُوَ أَفْضَلُ وَيُكْتَفَى بِأَدْنَاهُ

میں کہتا ہوں: بعدھا (تراویح کے بعد) سے اسے مقید کرنے میں نظر ہے کیونکہ وتر میں قراءت جہراً ہوتی ہے اگر چہ صحیح قول پر تراویح نہ بھی پڑھی ہوں جیسا کہ ''مجمع الانہر'' میں ہے۔ ہاں ''القہستانی'' میں ''القاعدی'' کی تبع میں ہے: فرائض کے علاوہ میں سراً قراءت کرنے سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا جیسے نماز عید، نماز وتر۔ ہاں جہراً قراءت افضل ہے۔ مذکورہ نمازوں کے علاوہ نمازوں میں سراً قراءت کرے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام نمازوں میں جہراً قراءت کرتے تھے پھر کفار کی اذیت کو دور کرنے کے لئے ظہر اور عصر میں جہراً قراءت کو ترک کر دیا۔ ''کافی''۔ جیسے دن کے وقت نفل پڑھنے والا ہوتا ہے کہ وہ سراً قراءت کرتا ہے۔ اور جہر میں منفرد کو اختیار دیا گیا ہے اور یہ افضل ہے۔ اور وہ تھوڑی آواز پر اکتفا کرے

تراویح کے بعد ہونے کے ساتھ مقید کیا ہے۔ کیونکہ وتر میں جہراً قراءت کی جاتی ہے جب وہ رمضان میں ہوں اس کے علاوہ دنوں میں نہیں جیسا کہ ''ابن نجیم'' نے ''البحر'' میں یہ ذکر کیا ہے۔ یہ ''الزیلعی'' کے اطلاق پر (اعتراض) وارد ہے کہ انہوں نے مطلق کہا ہے کہ وتر میں جہراً قراءت کرے گا جب وہ امام ہوگا۔

شارح کا کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ متن میں بعدھا سے مراد اس کا رمضان میں ہونا ہے جیسا کہ یہ مسنون ہے خواہ تراویح کے بعد ہوں یا بعد نہ ہوں۔ اس کے ساتھ وہ اعتراض ساقط ہو گیا جو ''مجمع الانہر'' کے حوالہ سے آگے آئے گا لیکن اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ تقاضا کرتا ہے کہ اگر غیر رمضان میں وتر جماعت کے ساتھ پڑھے تو جہراً قراءت نہ کرے۔ اگر چہ علی سبیل التداعی نہ بھی ہو اور یہ نقل صریح کا محتاج ہے۔ اور ''الزیلعی'' کا اطلاق اس کا مخالف ہے۔ اسی طرح وہ جو آگے آئے گا کہ رات کو نفل پڑھنے والا اگر امامت کرائے تو جہراً قراءت کرے۔ ''فتامل''

4517۔ (قولہ: قُلْتُ الخ) تو نے پہلے جان لیا ہے کہ یہ وارد نہیں ہوتا۔

4518۔ (قولہ: نَعَمْ فِی الْقُهُسْتَانِیِّ) اس میں ہے کہ ''قہستانی'' نے اس کے بعد اس کے خلاف کی تصحیح کی تصریح کی ہے۔

4519۔ (قولہ: وَيُسِرُّ فِي غَيْرِهَا) اور یہ مغرب کی تیسری رکعت ہے۔ اور عشا کی آخری دو رکعت اور اسی طرح ظہر اور عصر کی تمام رکعات۔ اگر چہ عرفہ میں ہو۔ امام ''مالک'' کا قول اس کے خلاف ہے جیسا کہ ''الہدایہ'' میں ہے۔

4520۔ (قولہ: وَهُوَ أَفْضَلُ) تا کہ جماعت کی ہیئت پر ادائیگی ہو۔ اسی وجہ سے اس کی ادائیگی اذان اور اقامت

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب ولا تجهر بصلاتك ولا تخافت بها، جلد 2، صفحہ 924، حدیث نمبر 4353

(إِنْ أَدَّى) وَفِي السِّرِّيَّةِ يُخَافِتُ حَتْمًا عَلَى الْمَذْهَبِ كَمُتَنَفِّلٍ بِاللَّيْلِ مُنْفَرِدًا؛ فَلَوْ أَمَّ جَهَرَ لِتَبَعِيَّةِ النَّفْلِ لِلْفَرْضِ زَيْلَعِيٌّ (وَيُخَافِتُ) الْمُنْفَرِدُ (حَتْمًا) أَيْ وُجُوبًا (إِنْ قَضَى) الْجَهْرِيَّةَ فِي وَقْتِ الْمُخَافَتَةِ،

اگر وہ جہراً قراءت ادا کرے اور سری نمازوں میں وجوبی طور پر سری قراءت کرے مذہب کے مطابق جیسے رات کو اکیلا نفل پڑھنے والا ہوتا ہے۔ پس اگر رات کے نفلوں میں امامت کرائے تو جہراً قراءت کرے کیونکہ نفل فرض کے تابع ہیں، ''زیلعی''۔ اور منفرد وجوبی طور پر سری قراءت کرے اگر جہری نماز کو سری نماز کے وقت میں قضا کرے

کے ساتھ افضل ہے۔ خبر میں مروی ہے کہ جس نے جماعت کی ہیئت پر نماز پڑھی اس کے ساتھ فرشتوں کی صفیں نماز پڑھتی ہیں۔ ''منح''۔

4521۔ (قولہ: عَلَى الْمَذْهَبِ) اسی طرح ''البحر'' میں ہے۔ اس کا رد کرتے ہوئے جو ''العنایہ'' میں ہے کہ ظاہر روایت یہ ہے کہ اسے اختیار ہے۔

میں کہتا ہوں: جو ''العنایہ'' میں ہے اس کی تصریح ہے ''النہایہ''، ''الکفایہ'' اور ''المعراج'' میں۔ اور ''التتارخانیہ'' میں ''المحیط'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ اس پر سجدہ سہو نہیں جب سری نماز میں جہراً قراءت کر دے۔ کیونکہ اس نے واجب ترک نہیں کیا ہے۔ اور ''الہدایہ'' میں باب سجود السہو میں اس کی علت بیان کی ہے کہ جہر اور سر، جماعت کے خصائص سے ہیں۔ اور شارحین نے فرمایا: یہ ''ظاہر الروایہ'' کا جواب ہے۔ رہا ''نوادر'' کی روایت کا جواب تو اسے سہو لازم ہے۔ اور ''الذخیرہ'' میں ہے کہ جب سری نماز میں جہر کرے گا تو اس پر سجدہ سہو ہوگا۔ اور ظاہر الروایہ میں ہے کہ اس پر سہو نہیں ہے۔ ہاں ''الدرر'' میں ''الفتح'' اور ''التبیین'' کی تبع میں سری قراءت کے وجوب کی تصحیح کی ہے۔ ''شرح المنیہ''، ''البحر''، ''النہر'' اور ''المنح'' میں اس پر چلے ہیں ''الفتح'' میں فرمایا: جب سراً قراءت کرنا منفرد پر واجب تھا تو اس کے ترک کے ساتھ سجدہ سہو واجب ہونا چاہئے۔ ''فتامل''

4522۔ (قولہ: فَلَوْ أَمَّ) یعنی اگر رات کو نفل پڑھنے والا امامت کرائے تو جہراً قراءت کرے۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ غیر رمضان میں وتر بھی اسی طرح ہیں۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک میں علی سبیل التداعی جماعت مکروہ ہے اور تداعی کے بغیر مکروہ نہیں ہے۔ جب نفلوں میں جہری قراءت واجب ہے تو وتر میں بھی واجب ہے جیسا کہ ''الزیلعی'' کی عبارت نے اس کو سمجھایا ہے۔ یہ ''الرحمتی'' نے ذکر کیا ہے۔

4523۔ (قولہ: وَيُخَافِتُ الْمُنْفَرِدُ الخ) رہا امام تو اس کا حکم گزر چکا ہے کہ وہ قضا اور ادا میں جہری قراءت کرے گا۔

4524۔ (قولہ: فِي وَقْتِ الْمُخَافَتَةِ) اس کے ساتھ مقید کیا ہے۔ کیونکہ اگر جہری نماز کے وقت میں قضا کرے گا تو اسے اختیار دیا گیا ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ ''حلبی''۔

كَأَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ بَعْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ، كَذَا ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ بَعْدَ عَدِّ الْوَاجِبَاتِ قُلْتُ وَهَكَذَا ذَكَرَهُ ابْنُ الْمَلِكِ فِي شَرْحِ الْمَنَارِ مِنْ بَحْثِ الْقَضَاءِ (عَلَى الْأَصَحِّ) كَمَا فِي الْهِدَايَةِ، لَكِنْ تَعَقَّبَهُ غَيْرُ وَاحِدٍ وَرَجَّحُوا تَخْيِيرَهُ كَمَنْ سُبِقَ بِرَكْعَةٍ مِنَ الْجُمُعَةِ فَقَامَ يَقْضِيهَا يُخَيَّرُ (وَ)

جیسے عشا کی نماز سورج کے طلوع ہونے کے بعد قضا کرے۔ اسی طرح مصنف نے اس کو واجبات میں شمار کرنے کے بعد ذکر کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: ''ابن الملک'' نے ''شرح المنار'' میں قضاء کی بحث میں ذکر کیا ہے اصح قول پر جیسا کہ ''الہدایہ'' میں ہے۔ لیکن بہت سے علماء نے اس کا تعاقب کیا ہے اور انہوں نے اس کی تخییر کو ترجیح دی ہے جیسا کہ جس کی جمعہ کی ایک رکعت رہ جائے تو وہ کھڑا ہو کر ادا کرتا ہے تو اسے اختیار دیا جاتا ہے۔

4525_(قولہ: بَعْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ) کیونکہ اس کا ماقبل جہر کا وقت ہے پس اس میں اس کو اختیار دیا جائے گا لیکن ''الہدایہ'' کے بعض نسخوں میں (بعد طلوع الفجر) کے الفاظ ہیں۔

4526_(قولہ: كَمَا فِي الْهِدَايَةِ) ''ہدایہ'' میں فرمایا: جہر مختص ہے یا تو وجوبی طور پر جماعت کے ساتھ یا تخییر کے طور پر منفرد کے حق میں وقت کے ساتھ۔

4527_(قولہ: لَكِنْ تَعَقَّبَهُ غَيْرُ وَاحِدٍ) ''الخزائن'' میں فرمایا: یہ وہ ہے جس کی ''الہدایہ'' نے تصحیح کی ہے اور اس پر ان کی موافقت نہیں کی گئی بلکہ ''الغایہ'' میں اس کا تعاقب کیا ہے۔ اور اس میں ''الفتح'' میں اعتراض کیا ہے۔ ''النہایہ'' میں اس کی بحث کی ہے۔ اور ''خسرو'' نے تحریر کیا ہے کہ یہ نہ تو روایت کے اعتبار سے صحیح ہے اور نہ درایت کے اعتبار سے صحیح ہے۔ ''شمس الائمہ'' اور ''فخر الاسلام'' اور امام ''التمرتاشی'' اور متاخرین کی ایک جماعت نے اس کو پسند کیا ہے کہ قضا ادا کی طرح ہے۔ ''قاضی خان'' نے کہا ہے کہ یہی صحیح ہے۔ ''الذخیرہ''، ''الکافی''، ''النہر'' میں ہے کہ یہی اصح ہے۔ ''الشرنبلالیہ'' میں ہے کہ یہ وہ ہے جس پر اعتماد ہونا چاہئے اور اس کی وجہ بھی ذکر کی ہے اور ''الہدایہ'' کے استدلال کا جواب حصر کی منع کے ساتھ دیا گیا ہے۔ کیونکہ جائز ہے کہ مخیر جہر کے لئے کوئی دوسرا سبب ہو اور یہ ادا کی موافقت ہے۔

4528_(قولہ: كَمَنْ سُبِقَ بِرَكْعَةٍ مِنَ الْجُمُعَةِ الخ) یعنی جب وہ کھڑا ہوتا ہے تا کہ اس رکعت کو قضا کرے تو اس پر سری قراءت لازم نہیں ہوتی بلکہ اس کے لئے اس میں جہراً قراءت کرنا ہے تا کہ قضا ادا کے موافق ہو جائے حالانکہ اس نے اسی سری نماز کے وقت میں قضا کیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جہر کا سبب جماعت یا وقت کے ساتھ مختص نہیں بلکہ اس کا دوسرا سبب ہے۔ جو صاحب ''ہدایہ'' نے کہا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ پس یہ مسئلہ اس کی دلیل ہے جس کو جماعت نے ترجیح دی ہے۔

اس تقریر سے جمعہ پر اس کے اکتفا کی وجہ ظاہر ہوئی اگرچہ حکم اس طرح ہے اگر عشاء وغیرہ سے ایک رکعت رہ جائے۔ کیونکہ مقصود سری نماز کے وقت میں قضا نماز میں جہری قراءت کا ثابت کرنا ہے نہ کہ مطلقاً۔ فافہم۔

أَدْنَى (الْجَهْرِ إِسْمَاعُ غَيْرِهِ وَ) أَدْنَى (الْمُخَافَتَةِ إِسْمَاعُ نَفْسِهِ) وَمَنْ بِقُرْبِهِ: فَلَوْ سَمِعَ رَجُلٌ أَوْ رَجُلَانِ فَلَيْسَ بِجَهْرٍ، وَالْجَهْرُ أَنْ يُسْمِعَ الْكُلَّ خُلَاصَةٌ

اور کم از کم جہر دوسرے کو سنانا ہے اور کم از کم سر خود کو سنانا اور اپنے قریب کھڑے شخص کو سنانا ہے۔ پس اگر ایک یا دو شخص سن لیں تو یہ جہر نہیں ہوگا اور جہر یہ ہے کہ تمام لوگوں کو سنائے ''خلاصہ''۔

جہر اور سر پر کلام

4529۔ (قولہ: أَدْنَى الْجَهْرِ إِسْمَاعُ غَيْرِهِ الخ) جان لو کہ علما کے قراءت کے وجود کی حد میں تین مختلف اقوال ہیں۔ ''الہندوانی'' اور ''الفضلی'' نے اس کے وجود کے لئے ایسی آواز کا نکلنا شرط قرار دیا ہے جو اس کے اپنے کان تک پہنچے۔ یہی امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ اور ''بشر المریسی'' اور امام ''احمد'' نے منہ سے آواز کا نکلنا شرط قرار دیا ہے اگرچہ وہ آواز اس کے کان تک نہ پہنچے لیکن بہر حال اس کا سنا جانا شرط ہے حتیٰ کہ اگر کوئی اس کے منہ پر کان لگائے تو سن لے۔ ''الکرخی'' اور ''ابوبکر'' نے سننے کی شرط نہیں لگائی اور ان دونوں علماء نے حروف کی تصحیح پر اکتفا کیا ہے۔ ''شیخ الاسلام''، ''قاضی خان''، صاحب ''المحیط'' اور ''الحلوانی'' نے ''الہندوانی'' کے قول کو پسند کیا ہے۔ اسی طرح ''معراج الدرایہ'' میں ہے۔ ''المجتبیٰ'' میں ''الہندوانی'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ قراءت جائز نہ ہوگی جب تک اس کے اپنے کان اور اس کے قریب والا شخص نہ سنے۔ یہ اس کے مخالف نہیں جو ''الہندوانی'' کے حوالہ سے (اس مقولہ میں) گزرا ہے کیونکہ جو اس کے لیے مسموع ہوگی وہ قریب والے کے لئے بھی مسموع ہوگی جیسا کہ ''الحلبہ'' اور ''البحر'' میں ہے۔

پھر ''الفتح'' میں یہ اختیار کیا ہے کہ ''الہندوانی'' اور ''بشر'' کا قول متحد ہے اس بنا پر کہ ظاہر آواز کے وجود کے بعد اس کا سماع ہے جبکہ کوئی مانع نہ ہو۔ ''البحر'' میں ''الحلبہ'' کی تبع میں ذکر کیا ہے کہ یہ ظاہر کے خلاف ہے بلکہ تین اقوال ہیں۔ علامہ ''خیر الدین الرملی'' نے اپنے فتاویٰ میں ''الفتح'' کے کلام کی تائید کی ہے ایسی بحث کے ساتھ جس پر مزید کی گنجائش نہیں ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کرو۔ اور یہ ذکر کیا ہے کہ ''الہندوانی'' اور ''الکرخی'' کے دونوں قولوں میں سے ہر ایک کی تصحیح کی گئی ہے اور جو ''الہندوانی'' نے کہا ہے وہ اصح اور ارجح ہے۔ کیونکہ اس پر اکثر علماء کا اعتماد ہے۔

جو ہم نے ثابت کیا ہے اس سے تیرے لئے ظاہر ہوا کہ جو جہر اور سر کی تعریف میں یہاں ذکر کیا گیا ہے...... اور اس کی مثل ''المنیہ'' وغیرہ کے باب سہو میں ہے...... یہ ''الہندوانی'' کے قول پر مبنی ہے۔ کیونکہ وہ کم از کم حد جو ''الہندوانی'' کے نزدیک قراءت میں پائی جاتی ہے وہ ایسی آواز کا نکلنا ہے جو اس کے اپنے کان تک پہنچے یعنی اگرچہ حکماً ہو جیسے اگر وہاں کوئی بہرے پن یا شور یا آوازوں وغیرہ میں سے کوئی مانع ہو ادنی المخافتة اسماع نفسه کا یہی معنی ہے۔ اور و مَنْ يقربه عادةً لازم کے ساتھ تصریح ہے جیسا کہ (اسی مقولہ میں) گزر چکا ہے اور ''القہستانی'' وغیرہ میں ہے۔ او مَنْ بقربه یعنی أوْ کے ساتھ ہے اور یہ زیادہ واضح ہے اس پر مبنی ہے کہ کم از کم جہر دوسرے کو سنانا ہے یعنی جو اس کے قریب نہ ہو مقابلہ کے قرینہ کی وجہ

(وَيَجْرِي ذَلِكَ) الْمَذْكُورُ (فِي كُلِّ مَا يَتَعَلَّقُ بِنُطْقٍ، كَتَسْمِيَةٍ عَلَى ذَبِيحَةٍ وَوُجُوبِ سَجْدَةِ تِلَاوَةٍ وَعَتَاقٍ وَطَلَاقٍ وَاسْتِثْنَاءٍ) وَغَيْرِهَا؛ فَلَوْ طَلَّقَ أَوْ اسْتَثْنَى وَلَمْ يُسْمِعْ نَفْسَهُ لَمْ يَصِحَّ فِي الْأَصَحِّ؛ وَقِيلَ فِي نَحْوِ الْبَيْعِ يُشْتَرَطُ سَمَاعُ الْمُشْتَرِي

یہ مذکور جاری ہوگا ہر اس مسئلہ میں جس کا تعلق نطق (بولنے) کے ساتھ ہے جیسے ذبیحہ پر بسم اللہ، سجدہ تلاوت کا وجوب، عتاق، طلاق اور استثنا وغیرہ۔ پس اگر طلاق دی یا استثنا کیا اور اپنے آپ کو آواز نہ سنائی تو اصح قول میں اس کی طلاق یا استثنا صحیح نہ ہو گا۔ اور بعض علما نے فرمایا: جیسے بیع میں مشتری کا سننا شرط ہے۔

ہے۔ اسی وجہ سے ''الخلاصہ'' اور ''الخانیہ'' میں ''الجامع الصغیر'' کے حوالہ سے فرمایا: امام جب سری نماز میں تلاوت کرے اس طرح کہ ایک یا دو آدمی سن لیں تو وہ جہر نہ ہوگا جہر تمام لوگوں کو سنانا ہے یعنی پہلی صف ساری کو سنانا ہے نہ کہ تمام نمازیوں کو سنانا ہے۔ اس دلیل کی وجہ سے جو ''القہستانی'' میں ''المسعودیہ'' کے حوالہ سے ہے کہ امام کا جہر پہلی صف کو سنانا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ''الخلاصہ'' کے کلام میں کوئی اشکال نہیں ہے اور وہ الہندوانی کے کلام کے منافی نہیں بلکہ وہ اس پر متفرع ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ''المعراج'' میں ہے جو انہوں نے ''الفضلی'' سے نقل کی ہے اور تو نے جان لیا ہے کہ ''الفضلی''، ''الہندوانی'' کے قول کا قائل ہے۔ پس اس سے ظاہر ہوا کہ کم از کم سر اپنے آپ کو یا قریب والے ایک دو شخصوں کو سنانا ہے اور سر کا شدید اخفا حروف کی تصحیح ہے جیسا کہ یہ ''الکرخی'' کا مذہب ہے۔ یہاں اصح میں اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اور کم از کم جہر دوسرے کو سنانا ہے جو اس کے قریب نہ ہو جیسے پہلی صف والے اور اس کے اعلیٰ کی کوئی حد نہیں فافہم۔ اور اس مقام کی تحریر کو غنیمت جان اس میں بہت سے افہام اضطراب کا شکار ہوئے۔

4530۔ (قولہ: وَيَجْرِي ذَلِكَ الْمَذْكُورُ) یعنی کم از کم آواز جس کے ساتھ کلام متحقق ہوگا وہ اپنے آپ یا قریب والے کو سنانا ہے۔

4531۔ (قولہ: لَمْ يَصِحَّ فِي الْأَصَحِّ) یعنی اصح قول ''الہندوانی'' کا قول ہے۔ رہا ''الکرخی'' کے قول پر تو صحیح ہوگا اگر اپنے آپ کو بھی نہ سنائے کیونکہ انہوں نے حروف کی تصحیح پر اکتفا کیا ہے جیسا کہ (مقولہ 4529 میں) گزر چکا ہے۔

4532۔ (قولہ: وَقِيلَ الخ) ''الذخیرہ'' میں قاضی ''علاؤ الدین'' کی طرف منسوب کر کے فرمایا کہ اس کی ''شرح مختلفاتہ'' میں ہے: میرے نزدیک اصح یہ ہے کہ بعض تصرفات میں اس کے اپنے سماع پر اکتفا کیا جائے گا اور بعض میں غیر کا سننا شرط ہوگا مثلاً بیع میں اگر مشتری اپنا کان بائع کے منہ کے قریب کرے اور وہ سن لے تو کافی ہوگا اور اگر بائع خود سنے اور مشتری اس کو نہ سنے تو کافی نہ ہوگا۔ اور جب حلف اٹھائے کہ وہ فلاں سے کلام نہیں کرے گا پس اس نے دور سے آواز دی اس حیثیت سے کہ اس نے آواز نہ سنی تو وہ اپنی قسم میں حانث نہ ہوگا۔ ''کتاب الایمان'' میں اس پر نص قائم کی ہے۔ کیونکہ حانث ہونے کی شرط اس کے ساتھ کلام کا وجود ہے اور وہ نہیں پائی گئی۔

(وَلَوْتَرَكَ سُورَةً أُولَيَيْ الْعِشَاءِ) مَثَلًا وَلَوْعَمْدًا (قَرَأَهَا وُجُوبًا) وَقِيلَ نَدْبًا

اور اگر عشا کی پہلی دو رکعتوں میں مثلاً سورت چھوڑ دی اگر چہ جان بوجھ کر چھوڑی ہو تو وجوباً سورت کو پڑھے بعض نے کہا ندباً پڑھے

''النہر'' میں ہے: ''میں کہتا ہوں: ہر اس مسئلہ میں اسی طرح حکم ہونا چاہئے جس کا مکمل ہونا قبولیت پر موقوف ہوتا ہے اگر چہ بغیر تبادلہ کے ہو جیسے نکاح۔ الشارح نے اس قول پر اعتماد نہیں کیا اور انہوں نے ''الفتح'' کی تبع میں قیل کے ساتھ تعبیر فرمایا جہاں کہا: قیل الصحیح فی البیع الخ۔ اور اسی طرح ''کافی'' میں قیل سے تعبیر کر کے اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا جیسا کہ ''الشرنبلالیہ'' میں ہے۔ لیکن پہلے قول کو ''الحلبہ'' اور ''البحر'' میں پسند فرمایا اور یہ زیادہ بہتر ہے کتاب الایمان میں (مقولہ 17799 میں) منصوصہ مسئلہ کی دلیل کی وجہ سے۔ کیونکہ الکلام، الکلم سے مشتق ہے جس کا معنی زخمی کرنا ہے اس کو کلام اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ سامع کے نفس میں اثر کرتی ہے۔ پس فلاں سے اس کا کلام کرنا نہ ہوگا مگر اس کے سماع کے ساتھ۔ اسی طرح نکاح میں عاقدین کے کلام کو گواہوں کا سننا شرط ہے اور سامع پر سجدہ کے وجوب میں تلاوت کا سننا ہے۔ اور اسی طرح ہر وہ مسئلہ ہے جس میں دوسرے کا سننا شرط قرار دیا گیا ہے۔ تامل۔

4533۔ (قولہ: مَثَلًا) یہ لفظ اس لئے زائد کیا تا کہ اس کو شامل ہو جائے اگر اس کو ایک رکعت میں ترک کرے۔ کیا سورت کو تیسری یا چوتھی رکعت میں لائے گا؟ اس کو تحریر کیا جائے گا۔ یا اس لئے زیادہ کیا تا کہ عشاء کے علاوہ کو بھی شامل ہو جائے جیسے مغرب کی نماز پس اگر اس کی ایک رکعت میں سورت کو ترک کرے گا تو اسے تیسری رکعت میں لائے گا۔ اور اگر مغرب کی دونوں رکعتوں میں سورت کو ترک کرے گا تو تیسری رکعت میں فاتحہ اور سورت پڑھے گا اور دوسری میں سورت فوت ہو جائے گی اگر بھول کر سورت چھوڑی ہوگی تو سجدہ سہو کرے گا۔ اس لئے مثلاً کا لفظ زیادہ کیا تا کہ سری چار رکعتوں والی نماز کو شامل ہو جائے۔ اس میں بھی دوسری دو رکعتوں میں سورت کو لائے گا۔ یہ ''طحطاوی'' نے فائدہ ظاہر کیا ہے۔ المصنف نے عشاء کو ذکر کے ساتھ خاص کیا ہے۔ جھراً فی الاخریین کے قول کی وجہ سے۔ کسی دوسرے سے احتراز کی وجہ سے نہیں۔ پس اسی وجہ سے شارح نے تعمیم کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فافہم۔

4534۔ (قولہ: وَلَوْعَمْدًا) یہ متون کے اطلاق کا ظاہر ہے ''النہر'' میں اس کی تصریح کی ہے اور اس کو کسی طرف منسوب نہیں کیا ہے گویا انہوں نے اس کو اطلاق سے لیا ہے ورنہ ''فتاویٰ'' اور شروح کا کلام اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ مسئلہ کی وضع نسیان میں ہے تو غور کر یہ فائدہ ''الخیر الرملی'' نے ذکر کیا ہے۔

4535۔ (قولہ: وُجُوبًا وَقِيلَ نَدْبًا) اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اصح وجوب ہے اور یہ اس لئے کیونکہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''الجامع الصغیر'' میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ اس کو قرأھا خبر کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور یہ وجوب میں امر سے زیادہ مؤکد ہے اور ''الاصل'' میں استحباب کی تصریح کی ہے۔ ''غایۃ البیان'' میں فرمایا: اصح وہ ہے جو ''الجامع الصغیر'' میں ہے۔ کیونکہ یہ آخری تصنیف ہے۔ ''الفتح'' میں اس کا اس طرح رد کیا ہے کہ جو ''الاصل'' میں ہے وہ زیادہ صریح ہے۔ پس روایت میں اس پر اعتماد واجب ہے اور اخبار کا مؤکد ہونا، ''البحر'' میں اس کا رد کیا ہے کہ یہ اصول الشارع کی اخبار میں ہے

(مَعَ الْفَاتِحَةِ جَهْرًا فِي الْأُخْرَيَيْنِ) لِأَنَّ الْجَمْعَ بَيْنَ جَهْرٍ وَمُخَافَتَةٍ فِي رَكْعَةٍ شَنِيعٌ، وَلَوْ تَذَكَّرَهَا فِي رُكُوعِهِ قَرَأَهَا وَأَعَادَ الرُّكُوعَ

سورۂ فاتحہ کے ساتھ جہراً آخری دو رکعتوں میں کیونکہ ایک رکعت میں جہر اور سر کو جمع کرنا شنیع ہے۔ اگر سورت اسے رکوع میں یاد آئے تو سورت پڑھے اور رکوع کا اعادہ کرے۔

دوسروں کی اخبار میں نہیں ہے۔ پس مذہب استحباب ہے۔ ''النہر'' میں فرمایا: مخفی نہیں کہ مجتہد کا امر، الشارع کے امر سے پیدا ہوتا ہے۔ پس اسی طرح اس کا خبر دینا ہے۔ ہاں ''الحواشی السعدیہ'' میں فرمایا: یہ دلیل ہوگا جب امر ایجابی میں مستعمل ہوگا اور یہ ممنوع ہے۔ اور میں کہتا ہوں: مستحب مراد ہونا کیونکر جائز نہیں ہے جبکہ اس پر قرینہ وہ ہو جو ''الاصل'' میں ہے؟ جیسے گزشتہ صفحات میں افتراش رجله اليسرى وضع يديه على فخذيه وغیرہ کے قول سے مراد لیا گیا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ ''الفتح''، ''البحر'' اور ''النہر'' میں اختیار استحباب ہے۔ کیونکہ یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا صریح ہے۔

4536۔ (قوله: مَعَ الْفَاتِحَةِ) اس کے ساتھ دو چیزوں کی طرف اشارہ ہے۔

(1) وہ سورۂ فاتحہ کو مقدم کرے کیونکہ مع متبوع پر داخل ہوتا ہے اور یہ ایک قول ہے اور اس کی ترجیح ہونی چاہئے۔

(2) فاتحہ بھی واجب ہے۔ اس میں بھی دو قول ہیں۔ عدم الوجوب کو ترجیح ہونی چاہئے جیسا کہ وہ اس میں اصل ہے۔ یہ ''النہر'' اور ''البحر'' میں فائدہ ذکر کیا ہے۔

4537۔ (قوله: لِأَنَّ الْجَمْعَ الخ) اس کی طرف اشارہ ہے کہ مصنف کا قول جھرًا، فاتحہ اور سورت دونوں کی طرف اکٹھا راجع ہے۔ اور ''الزیلعی'' نے اس کو ظاہر الروایہ بنایا ہے۔ ''الہدایہ'' میں اس کی تصحیح کی اس دلیل کی وجہ سے جو الشارح نے ذکر کی ہے۔

اور ''التمرتاشی'' نے اس کی تصحیح کی ہے کہ وہ صرف سورت کو جہراً پڑھے اور ''شیخ الاسلام'' نے اس کو جواب کا ظاہر بنایا ہے اور ''فخر الاسلام'' نے اس کو درست فرمایا ہے۔ اور جمع کرنا تشنیع کو لازم نہیں کیونکہ سورت تقدیراً اپنی جگہ کو لاحق ہے۔ ''بحر''۔

اس کا مفاد یہ ہے کہ ایک رکعت میں جہر اور سر کو جمع کرنا بالاتفاق مکروہ ہے۔ جب قراءت اپنے محل میں ہو ماقبل کے ساتھ ملحق نہ ہو اور اس پر وارد ہوتا ہے جو ہم نے فصل کے آغاز میں فروع میں (مقولہ 4512 میں) پہلے بیان کیا ہے۔ ''فتامل''

اس بات کی تحقیق کہ اگر رکوع میں یاد آئے کہ اس نے قراءت نہیں کی تھی تو وہ لوٹ آئے تو فرض قراءت واقع ہوگی اور قراءت کے فرض واجب اور سنت ہونے کے معنی میں

4538۔ (قوله: وَلَوْ تَذَكَّرَهَا) یعنی اگر اسے سورت یاد آئے۔

4539۔ (قوله: قَرَأَهَا) یعنی قیام کی طرف لوٹنے کے بعد سورت کو پڑھے۔

4540۔ (قوله: وَأَعَادَ الرُّكُوعَ) کیونکہ نماز میں قراءت میں سے جو واقع ہوگا وہ فرض ہوگا تو رکوع بھی فرض ہوگا اور

(وَلَوْ تَرَكَ الْفَاتِحَةَ) فِي الْأَوَّلَيَيْنِ (لَا) يَقْضِيهَا فِي الْأُخْرَيَيْنِ لِلُزُومِ تَكْرَارِهَا، وَلَوْ تَذَكَّرَهَا قَبْلَ الرُّكُوعِ

اگر پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ ترک کر دی تو آخری دو رکعتوں میں اسے قضا نہ کرے کیونکہ اس کے تکرار کا لزوم ہوگا۔ اور اگر رکوع سے پہلے سورۂ فاتحہ کا ترک یاد آیا

اس کا اعادہ لازم ہوگا۔ کیونکہ قراءت اور رکوع کے درمیان ترتیب فرض ہے جیسا کہ واجبات میں (مقولہ 3963 میں) اس کا بیان گزر چکا ہے حتیٰ کہ اگر رکوع کا اعادہ نہ کیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی بلکہ اگر قراءت کے لئے کھڑا ہوا پھر اس کے لئے ظاہر ہوا تو اس نے سجدہ کیا اور تلاوت نہ کی اور رکوع کا اعادہ نہ کیا تو بعض علماء نے فرمایا: اس کی نماز فاسد ہوگی۔ اور بعض نے کہا: فاسد نہ ہوگی۔ قراءت اور قنوت کے درمیان فرق اس طرح ہے کہ قنوت کے لئے نہیں لوٹے گا اگر اسے قنوت کا رہ جانا رکوع میں یاد آئے اگر لوٹ آیا تو فرض نہ ہوگی۔ یہ ہے وہ جو ہم نے (اس مقولہ میں) ذکر کیا ہے کہ قراءت فرض واقع ہوگی۔ رہی قنوت تو جب اس کا اعادہ کیا جائے گا تو واجب واقع ہوگی۔ اس کا بیان یہ ہے کہ قراءت اگرچہ فرض، واجب اور سنت کی طرف تقسیم ہوتی ہے مگر جب قراءت لمبی کرتا ہے تو فرض واقع ہوتی ہے۔ اسی طرح جب رکوع اور سجود کو لمبا کرتا ہے اس بنا پر جو اکثر کا قول اور اصح قول ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ (المزمل: 20) دو امروں میں سے ایک کے وجوب کی وجہ سے آیت اور اس سے زیادہ مطلقاً۔ کیونکہ مَا تَيَسَّرَ کا صدق ہر فرد پر ہوتا ہے۔ پس جب وہ پڑھتا ہے تو وہ فرض ہوتا ہے مذکورہ اقسام کا معنی یہ ہے کہ اتنی مقدار فرض بنانا واجب ہے اس سے کم بنانا مکروہ ہے اور اس حد تک زیادہ بنانا سنت ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلی آیت جو تلاوت کرتا ہے وہ فرض واقع ہوتی ہے اور بعد والی اس حد تک واجب ہوتی ہے اور اس کے بعد اس حد تک سنت واقع ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر پہلی آیت کے بعد جو ہے اسے واجب تسلیم کریں اس پہلی آیت کے ساتھ ملاتے ہوئے تو فرض واجب میں بدل جائے گا پس غور کرنا چاہئے۔ اسی طرح ''شرح المنیہ'' کے باب سجود السہو میں ہے اور اسی طرح ''الفتح'' میں ہے۔ یہ دقیق تحقیق ہے پس اس کو غنیمت جان۔

4541۔ (قولہ: لِلُزُومِ تَكْرَارِهَا) یعنی سورۂ فاتحہ کا تکرار لازم آئے گا اور یہ غیر مشروع ہے اور اس صورت میں ہوگا اگر سورۂ فاتحہ کو دوبارہ پڑھے گا۔ اگر ایک بار پڑھے گا تو قضا نہ ہوگی جیسا کہ ''النہایہ'' میں ہے۔ کیونکہ یہ سورۂ فاتحہ اپنے محل میں ہے۔ لیکن ''النہایہ'' میں جو ہے اس پر شیخ الاسلام المفتی ''ابوالسعود'' نے لکھا ہے کہ میں کہتا ہوں مخفی نہیں کہ دوسرے شفع میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب نہیں ہے بلکہ یہ ''ظاہر الروایہ'' میں بطور دعا ہے اگرچہ ''الحسن بن زیاد'' کی روایت پر واجب ہے۔ اس بنا پر جب سورۂ فاتحہ ایک مرتبہ پڑھے گا تو اس رکعت کی طرف اس کا پھرنا متعین نہیں ہے جبکہ تو باخبر ہے کہ ظاہر الروایہ کی بنا...... یعنی وہ ہمارے مسئلہ میں سورۂ فاتحہ کا اعادہ نہ کرنا ہے...... ''الحسن'' کی روایت پر غیر حسن ہے یعنی بخلاف سورت کے۔ کیونکہ دوسرا شفع سورت کی ادائیگی کا محل نہیں ہے۔ پس جائز ہے کہ دوسرا شفع اس کی قضا کا محل ہو۔ اس کی مکمل بحث ''شرح الشیخ اسماعیل'' میں ہے۔

4542۔ (قولہ: وَلَوْ تَذَكَّرَهَا) یعنی اگر سورۂ فاتحہ یاد آئے۔

4543۔ (قولہ: قَبْلَ الرُّكُوعِ) ظاہر یہ ہے کہ یہ قید نہیں ہے حتیٰ کہ اگر رکوع میں یاد آ جائے تو بھی یہی حکم ہے کیونکہ

قَرَأَهَا وَأَعَادَ السُّورَةَ (وَفَرْضُ الْقِرَاءَةِ آيَةٌ عَلَى الْمَذْهَبِ) هِيَ لُغَةً الْعَلَامَةُ وَعُرْفًا طَائِفَةٌ مِنَ الْقُرْآنِ مُتَرْجَمَةٌ، أَقَلُّهَا سِتَّةُ أَحْرُفٍ وَلَوْ تَقْدِيرًا، كَ (لَمْ يَلِدْ)،

توسورۂ فاتحہ کو پڑھے اور سورت کو دوبارہ پڑھے۔ مذہب کے مطابق قراءت کا فرض ایک آیت ہے۔ لغت میں آیت کا معنی علامت ہے اور عرفاً قرآن کا ایسا جملہ ہے جس کی ابتدا اور انتہا ہو۔ اس کے کم از کم چھ حروف ہوتے ہیں اگرچہ تقدیراً ہوں جیسے لَمْ يَلِدْ۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اگر سورہ رکوع میں یاد آئی تو سورت کا اعادہ کرے اور رکوع کا بھی اعادہ کرے اور فاتحہ بدرجہ اولیٰ لوٹائے کیونکہ یہ زیادہ مؤکد ہے۔ ''رحمتی''۔

4544۔ (قولہ: وَأَعَادَ السُّورَةَ) کیونکہ سورۂ فاتحہ کی تبع میں مشروع کی گئی ہے۔ ''رحمتی''۔

4545۔ (قولہ: عَلَى الْمَذْهَبِ) یعنی امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہی ظاہر الروایہ ہے۔ اور ایک روایت ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی مروی ہے کہ جس پر قرآن کے اسم کا اطلاق ہوتا ہے اور کسی کے خطاب کے قصد کے مشابہ نہ ہو۔ اور ''قدوری'' نے جزم کیا ہے کہ یہی امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب سے صحیح ہے۔ ''الزیلعی'' نے اس کو ترجیح دی ہے کیونکہ یہ قواعد شرعیہ کے زیادہ قریب ہے کیونکہ مطلق ادنیٰ کی طرف پھیرا جاتا ہے۔ اور ''البحر'' میں ہے: اس میں نظر ہے بلکہ مطلق کامل کی طرف پھیرا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں: یہ اس طرح مدفوع ہے کہ ذمہ کی برأت کامل پر موقوف نہیں ہوتی ورنہ رکوع و سجود میں طمانینت کی فرضیت لازم آئے گی۔ ''شرح المنیہ'' میں فرمایا: اس روایت کی بنا پر ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ (المدثر) سے جائز نہ ہوگی کیونکہ یہ اخبار اور خطاب کے قصد کے مشابہ ہے۔ تامل۔ اور امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے تیسری روایت بھی ہے اور یہی ''صاحبین'' رحمہما اللہ کا قول ہے تین چھوٹی آیات یا ایک بڑی آیت۔

آیت کی تعریف

4546۔ (قولہ: وَعُرْفًا طَائِفَةٌ مِنَ الْقُرْآنِ مُتَرْجَمَةٌ) یعنی قرآن کا ایسا جملہ جس کی ابتدا اور انتہا ہو۔ یہ تعریف ''الحلبہ'' میں ''علاء الدین البہلوانی'' کے حاشیہ ''الکشاف'' کے حوالہ سے منقول ہے۔ اور ''النہر'' میں ''الجعبری'' کی شرح ''الشاطبیہ'' کے حوالہ سے منقول ہے جو اس تعریف کی طرف راجع ہے اور وہ یہ ہے کہ آیت قرآن ہے جو کئی جملوں میں مرکب ہوتی ہے اگرچہ تقدیراً ہو جس کا آغاز اور انتہا ہو سورت میں داخل ہو۔

4547۔ (قولہ: وَلَوْ تَقْدِيرًا) ''البحر'' پر رد کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ کیونکہ انہوں نے مذکور پر اعتراض کیا ہے کہ لَمْ يَلِدْ آیت ہے۔ اسی وجہ سے اس کے ساتھ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے نماز کو جائز قرار دیا ہے اور یہ حروف ہیں۔ اور رد کی وجہ یہ ہے کہ لَمْ يَلِدْ کی اصل لَمْ يَوْلِدْ ہے اور یہ تقدیراً چھ حروف ہیں۔ لیکن ''الحلبہ'' اور ''البحر'' میں مذکورہ حواشی کے حوالہ سے جو میں نے دیکھا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے کم از کم صورۃً چھ حروف ہوں۔ پس رد غیر محل میں ہے۔ ہاں ''النہر'' میں ہے: بعض

إِلَّا إِذَا كَانَ كَلِمَةً فَالْأَصَحُّ عَدَمُ الصِّحَّةِ وَإِنْ كَرَّرَهَا مِرَارًا إِلَّا إِذَا حَكَمَ حَاكِمٌ فَيَجُوزُ ذَكَرَهُ الْقُهُسْتَانِيُّ وَلَوْ قَرَأَ آيَةً طَوِيلَةً فِي الرَّكْعَتَيْنِ فَالْأَصَحُّ الصِّحَّةُ اتِّفَاقًا لِأَنَّهُ يَزِيدُ عَلَى ثَلَاثِ آيَاتٍ قِصَارٍ قَالَهُ الْحَلَبِيُّ

مگر جب آیت کا ایک کلمہ ہو تو اصح قول عدم صحت ہے اگر چہ کئی بار اسے پڑھے مگر جب حاکم حکم دے تو جائز ہوگا۔ یہ ''القہستانی'' نے ذکر کیا ہے۔ اگر دو رکعتوں میں طویل آیت پڑھی تو اصح قول بالاتفاق صحت کا ہے کیونکہ وہ تین چھوٹی آیات سے زیادہ ہوگی یہ ''الحلبی'' نے ذکر کیا ہے۔

علماء نے فرمایا کہ یہ اور اس کے بعد والی ایک آیت ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ سورۂ اخلاص کی چار آیات ہیں۔ اور بعض نے فرمایا: پانچ آیات ہیں۔ پس جائز ہے کہ جو ''الحواشی'' میں ہے پہلے قول کی بنا پر ہے۔

4548۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا كَانَ كَلِمَةً) یہ متن سے استثنا ہے۔ کیونکہ یہ اس معنی میں ہے کہ ایک آیت کے ساتھ نماز صحیح ہے۔

4549۔ (قولہ: فَالْأَصَحُّ عَدَمُ الصِّحَّةِ) اسی طرح ''المنیہ'' میں ہے۔ اور یہ مدھامتان اور صٓ، قٓ اور نٓ جیسی آیات کو شامل ہے۔ لیکن ''الحلبہ'' اور ''البحر'' میں ذکر کیا ہے کہ ''الاسبیجابی'' ''الجامع الصغیر'' اور ''شرح الطحاوی'' میں اور صاحب ''البدائع'' جس قول پر چلے ہیں وہ ان کے نزدیک مدھامتان میں جواز ہے بغیر کسی اختلاف کے حکایت کرنے کے۔

4550۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا حَكَمَ حَاكِمٌ) اس کی صورت یہ ہے کہ کسی نے اپنے غلام کو اس کی آزادی کو اس کی صحیح نماز کے ساتھ معلق کیا پس اس نے مدھامتان کے ساتھ بغیر تکرار کے یا تکرار کے ساتھ نماز پڑھی پھر وہ اپنا مسئلہ حاکم کے پاس لے گئے۔ حاکم اس کے ساتھ نماز کی صحت کا نظریہ رکھتا ہے تو اس نے اس کی آزادی کا فیصلہ کر دیا تو نماز کی صحت ضمناً ثابت ہو جائے گی۔ پس بالاتفاق نماز صحیح ہوگی۔ کیونکہ مجتہد فیہ مسئلہ میں حاکم کا حکم اختلاف کو اٹھا دیتا ہے۔ ''حلبی'' نے یہ فائدہ ذکر کیا ہے۔

4551۔ (قولہ: لِأَنَّهُ يَزِيدُ عَلَى ثَلَاثٍ) یہ دونوں مذہبوں کی علت ہے کیونکہ طویل آیت کا نصف جب چھوٹی تین آیات سے زائد ہو تو ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے قول پر نماز صحیح ہوگی۔ اور پس امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر جس میں ایک آیت کافی ہے تو بدرجہ اولیٰ صحیح ہوگی۔ ''حلبی''۔ ''البحر'' میں فرمایا: علما کی تعلیل سے معلوم ہوا ہر رکعت میں نصف کا پڑھنا نہیں بلکہ بعض حصہ اتنا ہو کہ جس کے پڑھنے سے عرفاً قاری شمار ہو۔

میں کہتا ہوں: آیت سے کم پر اکتفا امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے دوسری روایت پر مفرع ہونا چاہئے۔ کیونکہ پہلی روایت جو گزر چکی ہے کہ وہ ''ظاہر الروایہ'' ہے ایک مکمل آیت ضروری ہے۔ تامل۔

نوٹ: میں نے کسی عالم کو نہیں دیکھا جس نے لمبی آیات سے کم از کم حد مقرر کی ہو جو کفایت کرتی ہو۔ اور ''البحر'' کے کلام کا ظاہر دوسرے علما کی طرح ہے کہ یہ عرف کے سپرد ہے چھوٹی آیت کے حروف کی تعداد پر منحصر نہیں ہے۔ اس بنا پر اگر تین آیات کی مقدار قراءت کا ارادہ کرے جو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہیں تو طویل آیت سے تین آیات کی مقدار پڑھنا ضروری ہے جس کی قراءت سے عرفاً قاری کہا جائے۔ اسی وجہ سے مسئلہ آیت الکرسی اور آیۃ المداینہ کے ساتھ فرض کیا

(وَحِفْظُهَا فَرْضُ عَيْنٍ) مُتَعَيِّنٌ عَلَى كُلِّ مُكَلَّفٍ (وَحِفْظُ جَمِيعِ الْقُرْآنِ فَرْضُ كِفَايَةٍ) وَسُنَّةُ عَيْنٍ

اور ایک آیت کا یاد کرنا ہر مکلف پر فرض عین ہے اور تمام قرآن کا یاد کرنا فرض کفایہ ہے اور سنت عین

ہے۔ اور ''التتارخانیہ'' اور ''المعراج'' وغیرہ میں ہے کہ اگر ایک طویل آیت پڑھی جیسے آیت الکرسی یا آیۃ المداینہ بعض حصہ ایک رکعت میں بعض دوسری رکعت میں تو اس میں امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر علما نے اختلاف کیا ہے۔ بعض نے فرمایا: جائز نہیں ہے۔ کیونکہ ہر رکعت میں اس نے مکمل آیت نہیں پڑھی۔ اور عام علما کا قول یہ ہے کہ جائز ہے کیونکہ ان آیات کا بعض تین چھوٹی آیات پر زائد ہے یا ان کے برابر ہے۔ پس اس کی قراءت تین آیات سے کم نہ ہوگی۔ لیکن آخری تعلیل بعض اوقات کلمات یا حروف میں تعداد کے اعتبار کو مفید ہوتی ہے۔ اور فقہا کا قول اس کو مفید ہے کہ اگر ایک آیت پڑھی جو چھوٹی سورت کے برابر ہے تو جائز ہے۔ اور بعض عبارات میں ہے چھوٹی تین آیات کے برابر ہے تو جائز ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ثُمَّ نَظَرَ ۝ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۝ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝۔ کلمات کی حیثیت سے اس کی تقدیر دس ہے اور حروف کی حیثیت سے اس کی تقدیر تیس ہے۔ اگر اس نے اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ پڑھا تو یہ ان تین آیات کی مقدار کو پہنچتا ہے جو ہم نے کہا ہے اس کی بنا پر اگر ہر رکعت میں اس مقدار پر اکتفا کرے تو واجب قراءت کی طرف سے کافی ہے اور میں نے کسی عالم کی تحریر نہیں دیکھی جس نے اس میں سے کسی چیز سے تعرض کیا ہو۔ ''فلیتامل''

4552۔ (قولہ: وَحِفْظُهَا) یعنی ایک آیت کا یاد کرنا (فرض عین) ہے یعنی مکلفین میں سے ہر ایک پر ثابت فرض ہے جیسا کہ شرح ''التحریر'' میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جہاں انہوں نے اس کے درمیان اور فرض کفایہ کے درمیان فرق کیا ہے کہ دوسرا (فرض کفایہ) واجب ہے اور اس کا حصول، فاعل کی ذات کی طرف نظر کئے بغیر مقصود ہوتا ہے بخلاف پہلے (فرض عین) کے۔ اس کے فاعل کی ذات کی طرف نظر کی جاتی ہے کیونکہ مخصوص ذات سے اس کے حصول کا قصد کیا جاتا ہے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فرض ہوتا ہے امت پر نہیں یا مکلفین میں سے ہر ہر ذات پر فرض ہوتا ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ ان دونوں میں اضافت اسم کی اپنی صفت کی طرف اضافت سے ہے جیسے مسجد الجامع، حبۃ الحمقاء یعنی متعین فرض یعنی بعینہٖ ہر مکلف پر ثابت ہے۔ فرض کفایہ کا معنی ہے فرض ذو کفایۃ یعنی اس کا حصول کفایت کرتا ہے جو کوئی بھی اسے ادا کرنے والا ہو۔ ''تامل''

4553۔ (قولہ: وَحِفْظُ جَمِيعِ الْقُرْآنِ) میں کہتا ہوں: یہ کہنے سے کوئی مانع نہیں کہ تمام قرآن جس حیثیت سے وہ ہے اسے فرض کفایہ کہا جاتا ہے اگرچہ اس کا بعض فرض عین ہے اور بعض واجب ہے جیسے سورۂ فاتحہ کو یاد کرنا واجب کہا جاتا ہے اگرچہ اس میں سے ایک آیت فرض ہے یعنی اس کے ساتھ فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ ''فافہم''

سنت کبھی سنت عین ہوتی ہے اور کبھی سنت کفایہ ہوتی ہے

4554۔ (قولہ: سُنَّةُ عَيْنٍ) یعنی مکلفین میں سے ہر ایک کے لئے سنت ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ سنت کبھی سنت

أَفْضَلُ مِنَ التَّنَفُّلِ وَتَعَلُّمُ الْفِقْهِ أَفْضَلُ مِنْهُمَا (وَحِفْظُ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَةٍ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ) وَيُكْرَهُ نَقْصُ شَيْءٍ مِنَ الْوَاجِبِ (وَيُسَنُّ فِي السَّفَرِ مُطْلَقًا) أَيْ حَالَةَ قَرَارٍ أَوْ فِرَارٍ، كَذَا أَطْلَقَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ، وَرَجَّحَهُ فِي الْبَحْرِ وَرَدَّ مَا فِي الْهِدَايَةِ وَغَيْرِهَا مِنَ التَّفْصِيلِ، وَرَدَّهُ فِي النَّهْرِ، وَحَرَّرَ

نفل سے افضل ہے اور فقہ کا سیکھنا ان دونوں سے افضل ہے اور سورۂ فاتحہ اور ایک سورت کا یاد کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے اور واجب میں سے کسی چیز کا کم کرنا مکروہ ہے۔ سفر میں مطلقاً سنت ہے یعنی خواہ حالت قرار ہو یا سفر کرنے میں جلدی کی حالت ہو اسی طرح ''الجامع الصغیر'' میں مطلق کہا ہے۔ اور ''البحر'' میں اس کو ترجیح دی ہے۔ اور ''الہدایہ'' وغیرہا میں جو تفصیل ہے اس کا رد کیا ہے اور ''النہر'' میں اس کو رد کیا ہے اور لکھا ہے

عین ہوتی ہے اور کبھی سنت کفایہ ہوتی ہے اور اس کی مثال علما نماز تراویح میں دیتے ہیں۔ تراویح سنت عین ہے اور ہر محلہ میں جماعت کے ساتھ اسے ادا کرنا سنت کفایہ ہے۔

4555۔ (قولہ: وَتَعَلُّمُ الْفِقْهِ أَفْضَلُ مِنْهُمَا) یعنی بعض کو یاد کرنے کے بعد باقی قرآن کو یاد کرنے اور نفل پڑھنے سے فقہ کا سیکھنا افضل ہے۔ فقہ سے مراد جو دین ضرورت سے زائد ہو ورنہ دینی ضرورت کے مطابق سیکھنا تو فرض عین ہے۔ ''حلبی''۔

4556۔ (قولہ: وَسُورَةٍ) یعنی چھوٹی سورت یا چھوٹی آیات میں سے جو چھوٹی سورت کے قائم مقام ہو۔

4557۔ (قولہ: وَيُكْرَهُ الخ) یعنی مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ سنت میں سے کچھ کمی کرنا مکروہ تنزیہی ہے جیسا کہ شرح الملتقی میں ہے۔ ''طحطاوی''۔

4558۔ (قولہ: أَيْ حَالَةَ قَرَارٍ أَوْ فِرَارٍ) یعنی حالت امن یا جلدی کی حالت ہو۔ جلدی کو فرار فا کے ساتھ تعبیر کیا کیونکہ سفر میں غالباً خوف کی حالت ہوتی ہے جیسا کہ ''شرح الشیخ اسماعیل'' میں ہے۔

4559۔ (قولہ: كَذَا أَطْلَقَ الخ) اس میں ہے کہ ''الجامع'' کی عبارت میں مطلقاً کے قول کی تصریح نہیں کی ہے۔ اس میں بغیر کسی قید کے سفر کا ذکر کیا ہے۔ پس اس سے اطلاق سمجھا گیا ہے جیسے تمام متون کی عبارات ہیں ورنہ آئندہ تفصیل کے ساتھ اس کو مقید کرنے کا دعویٰ (آئندہ مقولہ میں) نہ لاتے۔ مصنف نے اطلاق کے ساتھ تصریح کی ہے اس کو اختیار کرتے ہوئے جس کو ان کے شیخ صاحب ''البحر'' نے ترجیح دی ہے۔

4560۔ (قولہ: رَجَّحَهُ فِي الْبَحْرِ الخ) جان لو کہ ''الہدایہ'' میں ذکر کیا ہے کہ مسافر سورۂ فاتحہ اور جو سورت چاہے پڑھے۔ پھر فرمایا: یہ اس صورت میں ہے جب اسے چلنے میں جلدی ہو۔ پھر اگر وہ امن و قرار میں ہو تو سورۂ البروج اور انشقت جیسی سورتیں فجر کی نماز میں پڑھے۔ کیونکہ تخفیف کے ساتھ سنت کی رعایت ممکن ہے۔ اور ''البحر'' میں اس کا رد کیا ہے کہ اس کی کوئی ایسی اصل نہیں جس پر روایت و درایت میں اعتماد کیا جائے۔ رہا پہلا تو متون کا اطلاق ''الجامع الصغیر'' کی تبع میں حالت

أَنَّ مَا فِی الْهِدَایَةِ هُوَ الْمُحَرَّرُ (الْفَاتِحَةَ) وُجُوبًا (وَأَیَّ سُورَةٍ شَاءَ)

کہ جو ''ہدایہ'' میں ہے وہی محرر ہے۔ (سفر میں) سورۂ فاتحہ کا پڑھنا وجوباً اور کوئی سورت جو چاہے

امن کو بھی شامل ہے۔ رہا دوسرا تو جب وہ امن میں ہوگا تو وہ مقیم کی طرح ہو گیا پس سنت کی رعایت کرے اور سفر اگر چہ تخفیف میں مؤثر ہے لیکن سورۃ البروج کی تحدید کے لئے دلیل کا ہونا ضروری ہے اور وہ منقول نہیں ہے۔

یہ ''الحلبہ'' سے ملخص ہے۔ ''النہر'' میں اس کا جواب دیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے مقیم کے لئے سنت فجر کی قراءت میں یہ ہے کہ وہ طوال المفصل سے ہو اور دونوں رکعتوں میں چالیس آیات کی تعداد سے مقروء آیات کی مقدار سے کم نہ ہو جیسا کہ (مقولہ 4568 میں) آئے گا۔ اس میں بھی ہمارے لیے بحث ہے۔ مسافر جب امن اور قرار کی حالت میں ہو اگر چہ مقیم کی مثل ہو لیکن سفر کے لئے تخفیف میں مطلقاً تاثیر ہے۔ اسی وجہ سے اس کے لئے روزہ افطار کرنا جائز ہے اگر چہ امن کی حالت میں ہو۔ پس مناسب ہے کہ سورۃ البروج اور سورۃ الانشقاق جیسی سورتیں پڑھے جو طوال مفصل سے ہیں اگر چہ خاص مقدار کو نہ پہنچیں۔ ''الہدایہ'' کے قول کا یہی معنی ہے۔ کیونکہ تخفیف کے ساتھ سنت کی رعایت کا امکان ہے یعنی طوال مفصل سورتوں کی تلاوت سے سنت قراءت کے حصول کے بعد عدد خاص کے عدم اعتبار کے ساتھ تخفیف بھی ہے۔ ان کی مراد دو سورتوں کی آیات کی تعداد تحدید نہیں ہے بلکہ ان دونوں سورتوں کا طوال مفصل سے ہونا ہے یعنی فجر میں قراءت کی سنیت طوال مفصل سے ہونا مسلم ہے وہ دلیل کی محتاج نہیں ہے۔ پھر جو ''الہدایہ'' میں ہے اس کے شراح اور ''الزیلعی'' وغیرہ نے اس کو ثابت رکھا ہے یہ ''الجامع'' اور ''المتون'' میں جو اطلاق ہے اس کی تقیید پر دلیل ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ مکمل ہوگا جب ''الہدایہ'' کے قول یقرء فی الفجر نحو سورۃ البروج و انشقت کا معنی یہ ہو کہ دونوں رکعتوں میں ان دونوں سورتوں میں سے ایک پڑھے، ان میں سے ہر ایک نہیں۔ ورنہ عدد کے اعتبار سے تخفیف حاصل نہ ہوئی۔ کیونکہ الانشقاق سورت کی پچیس آیات ہیں اور البروج سورت کی بائیس آیات ہیں۔ اس کی تائید ''المنیہ'' کا قول کرتا ہے یقرء سورۃ البروج او مثلها یعنی سورۃ البروج یا اس کی مثل پڑھے۔ یہ اس میں ظاہر ہے کہ مراد دونوں رکعتوں میں سورۃ البروج کی قراءت ہے لیکن سورۃ البروج کے طوال المفصل سورتوں میں سے ہونے میں کلام ہے جو تو جان لے گا۔ اسی وجہ سے ''شرح المنیہ'' میں حضر میں اوساط مفصل کو سفر میں طویل بنانے پر محمول کیا ہے۔ اس کی مثل صاحب ''المجمع'' کا قول اس کی شرح میں ہے: مسافر اوساط مفصل پڑھے تخفیف کے ساتھ سنت کی رعایت کرتے ہوئے۔ ''الشرنبلالیہ'' میں اس پر چلے ہیں۔ لیکن یہ محمول اس کے مناسب نہیں جو ''الہدایہ'' میں ہے۔ کیونکہ سورۂ الانشقاق طوال مفصل میں سے ہے۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ تخفیف دونوں رکعتوں میں المفصل میں ایک سورت پر اکتفا کرنے کی جہت سے ہے جیسا کہ ''المنیہ'' کے مذکور کلام کے ظاہر کا تقاضا ہے کیونکہ حضر میں سنت ہر رکعت میں پوری سورت پڑھنا ہے جیسا کہ آگے (مقولہ 4568 میں) آئے گا۔ ''تامل''

4561۔ (قولہ: وُجُوبًا) یہ اس اعتراض کو دور کرنے کی طرف اشارہ ہے جو ''النہر'' میں وارد کیا ہے کہ اگر بعد الفاتحۃ ای سورۃ شاء کہتے تو بہتر تھا تا کہ یہ وہم نہ ہو کہ فاتحہ کی قراءت سنت ہے۔ پس وجوباً کے قول کے ساتھ تصریح کر

وَفِي الضَّرُورَةِ بِقَدْرِ الْحَالِ (وَ) يُسَنُّ (فِي الْحَضَرِ) لِإِمَامٍ وَمُنْفَرِدٍ، ذَكَرَهُ الْحَلَبِيُّ، وَالنَّاسُ عَنْهُ غَافِلُونَ (طِوَالُ الْمُفَصَّلِ)
اور ضرورت میں بقدر حال۔ اور حضر میں امام اور منفرد کے لئے سنت ہے ...... ''الحلبی'' نے اس کو ذکر کیا ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں ...... طوال مفصل سورتوں سے پڑھنا

دی تا کہ مذکور وہم دور ہو جائے۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ سفر میں قراءت کی سنت سورۂ فاتحہ واجبہ کے ساتھ کوئی سورت ملائی گئی ہو جو چاہے۔ پس مقصود سورۂ فاتحہ کے بعد سورتوں میں تخییر کا بیان ہے ورنہ وارد ہے کہ سورت بھی واجب ہے۔

4562۔ (قولہ: وَفِي الضَّرُورَةِ بِقَدْرِ الْحَالِ) یعنی خواہ حضر میں ہو یا سفر میں ہو اس کا اطلاق فاتحہ اور دوسری سورتوں کو شامل ہے لیکن ''الکافی'' میں ہے۔ اگر ضرورت کی حالت میں سفر میں ہو ...... اس طرح کہ چلنے میں جلدی ہو یا دشمن یا چور کا خوف ہو تو سورۂ فاتحہ اور جو سورت چاہے پڑھے اور حضر میں حالت ضرورت میں ہو اس طرح کہ وقت کے فوت ہونے کا خوف ہو تو اتنی تلاوت کرے جس سے اس کا وقت فوت نہ ہو۔ کہنے والے کے لئے یہ کہنا جائز ہے کہ تخفیف ضرورت کی وجہ سے صرف سورت کے ساتھ مختص نہیں بلکہ فاتحہ بھی اسی طرح ہے جیسے جب دشمن کا خوف شدید ہو تو مثلاً ایک آیت پڑھ لے وہ گنہگار نہ ہوگا اسی طرح ''شرنبلالیہ'' میں ہے۔

میں کہتا ہوں: ''الکافی'' کا قول بقدر مالا یفوت الوقت سورۂ فاتحہ کو بھی شامل ہے۔ پس اس کے لئے ہر رکعت میں ایک آیت پڑھنا جائز ہے اگر اسے زیادہ پڑھنے کے ساتھ وقت کے فوت ہونے کا خوف ہو۔ کیا یہ ہر نماز میں جائز ہے یا فجر کے ساتھ خاص ہے؟ اس میں اختلاف ہے جس کو ''القنیہ'' نے بیان کیا ہے۔ اور ''شرح المنیہ'' کے آخر میں فرمایا: بعض علما نے فرمایا: فجر کے علاوہ نمازوں میں قراءت کی سنت کی رعایت کرے اگرچہ وقت نکل بھی جائے۔ اظہر یہ ہے کہ دوسری نمازوں میں واجب مقدار کی رعایت کرے کیونکہ اس میں خلل بعض ائمہ کے نزدیک نماز کا مفسد ہے بخلاف خروج وقت کے یعنی یہ فجر کے علاوہ میں بالاتفاق مفسد نہیں۔ پھر ذکر کیا کہ نمازی کے لئے سورۂ فاتحہ اور ایک تسبیح پر اکتفا کرنا جائز ہے ثنا اور تعوذ فجر کی سنت یا ظہر کی سنت میں چھوڑ دے اگر جماعت کے فوت ہونے کا خوف ہو کیونکہ جب جماعت کو پانے کے لئے سنتوں کا چھوڑنا جائز ہے تو سنت کی سنت کو چھوڑنا بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔

4563۔ (قولہ: ذَكَرَهُ الْحَلَبِيُّ) اس کو ''الزاہدی'' نے ''القنیۃ'' میں ''المجرد'' کے حوالہ سے اس قول کے ساتھ نقل کیا ہے کہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: وہ شخص جو تنہا نماز پڑھتا ہے وہ جہر کے سوا قراءت کے متعلق جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس میں امام کی طرح ہے۔ ''الزاہدی'' نے کہا: یہ اس پر نص ہے کہ قراءت مسنونہ میں امام اور منفرد برابر ہیں جبکہ لوگ اس سے غافل ہیں۔

طوال مفصل

4564۔ (قولہ: طِوَالُ الْمُفَصَّلِ) طا کے کسرہ کے ساتھ طویل کی جمع ہے جیسے کریم اور کرام۔ ''الصحاح'' میں اس پر

مِنَ الْحُجُرَاتِ إِلَى آخِرِ الْبُرُوجِ (فِي الْفَجْرِ وَالظُّهْرِ، وَ) مِنْهَا إِلَى آخِرِ لَمْ يَكُنْ (أَوْسَاطُهُ فِي الْعَصْرِ وَالْعِشَاءِ، وَ) بَاقِيهُ (قِصَارُهُ فِي الْمَغْرِبِ) أَيْ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ سُورَةٌ مِمَّا ذَكَرَهُ الْحَلَبِيُّ،

یعنی سورۃ الحجرات سے البروج کے آخر تک۔ فجر اور ظہر کی نماز میں (طوال مفصل سورتوں میں سے پڑھے) اور سورۃ البروج سے لم یکن کے آخر تک اوساط مفصل ہیں ان میں سے عصر اور عشا میں پڑھے اور باقی سورتیں (آخر تک) قصار مفصل ہیں مغرب میں پڑھے یعنی ہر رکعت میں ایک سورت پڑھے ان میں سے جو ذکر کیا گیا ہے۔ یہ ''الحلبی'' نے ذکر کیا ہے

اکتفا کیا ہے۔ رہا طا کے ضمہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی لمبا آدمی ہے جیسا کہ ''ابن مالک'' نے اپنی ''مثلث'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ المفصل صاد مہملہ کے فتحہ کے ساتھ یہ قرآن کی ساتویں منزل کی سورتیں ہیں۔ ان کو مفصل اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ بِسْمِ اللهِ کے ساتھ اس کا فاصلہ زیادہ ہے۔ یا اس سے منسوخ آیات کم ہیں۔ اسی وجہ سے ان کو محکم بھی کہا جاتا ہے۔ اور ان کے آغاز کے بارے میں اختلاف ہے۔ ''البحر'' میں فرمایا: جس نظریہ پر ہمارے اصحاب ہیں وہ یہ ہے کہ یہ سورۃ الحجرات سے شروع ہوتی ہیں۔ ''الرملی'' نے کہا ''ابن ابی شریف'' نے اس میں اقوال کو اس طرح نظم کیا ہے۔

مفصل قرآن باوله أتى خلافٌ فصافات وقاف و سبح
و جاثية ملك و صفٌ قتالُها و فتح ضُحى حجراتها ذا المصحح

مفصل قرآن کے آغاز کے بارے میں اختلاف آیا ہے پس صافات، قاف، سبح، جاثیہ، ملک، صف، فتح، ضحی، حجرات جو تصحیح شدہ ہے۔

امام ''سیوطی'' نے ''الاتقان'' میں دو قول زائد کئے ہیں اور ان کو بارہ تک پہنچایا ہے الرحمٰن اور سورہ الانسان۔

4565۔ (قوله: إِلَى آخِرِ الْبُرُوجِ) اس کو ''الخزائن'' میں ''الشیخ باکیر'' کی شرح ''الکنز'' کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کے بعد فرمایا: ''النہر'' میں ہے: یہاں مغیا میں غایت کا دخول مخفی نہیں۔ پس سورہ البروج الطوال سے ہے۔ یہی (مقولہ 4560 میں) مذکورہ ''ہدایہ'' کی عبارت کا مفاد ہے۔ لیکن اس کا مفاد جو ہم نے اس کے بعد ''شرح المنیہ'' اور ''شرح المجمع'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ یہ اوساط مفصل سے ہے۔ اور ''الشرنبلالیہ'' میں اس کو ''الکافی'' سے نقل کیا ہے بلکہ ''القہستانی'' نے ''الکافی'' سے غایت اولیٰ اور ثانیہ کا خروج نقل کیا ہے اس بنا پر سورہ لم یکن قصار میں سے ہوگی۔ اس تمام بحث میں صاحب ''الحلبہ'' نے توقف کیا ہے۔ اور فرمایا: عبارت اس کو مفید نہیں بلکہ خارج سے اس میں پختہ دلیل کی ضرورت ہے یعنی غایت دخول اور خروج کا احتمال رکھتی ہے۔ ''فافہم''

4566۔ (قوله: فِي الْفَجْرِ وَالظُّهْرِ) ''النہر'' میں فرمایا: یہ اس کے مخالف ہے جو ''منیۃ المصلی'' میں ہے کہ ظہر، عصر کی طرح ہے۔ لیکن اکثر کا نظریہ وہ ہے جو مصنف نے ذکر کیا ہے۔

4567۔ (قوله: وَبَاقِيهُ) یعنی باقی مفصل۔

4568۔ (قوله: أَيْ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ سُورَةٌ مِمَّا ذَكَرَهُ) یعنی طوال، اوساط اور قصار میں سے جو ذکر کیا گیا ہے اس کا

وَاخْتَارَ فِي الْبَدَائِعِ عَدَمَ التَّقْدِيرِ،
اور ''البدائع'' میں عدم تقدیر کو اختیار کیا ہے

مقتضا یہ ہے کہ آیات کی تعداد کی حیثیت سے معین مقدار کی طرف نہیں دیکھنا حالانکہ ''النہر'' میں ذکر کیا ہے۔ المفصل میں سے قراءت سنت ہے اور معین مقدار دوسری سنت ہے۔ پھر فرمایا: ''الجامع الصغیر'' میں ہے: فجر کی دونوں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور چالیس یا پچاس آیات کی مقدار پڑھے۔ ''الاصل'' میں چالیس آیات پر اکتفا کیا ہے۔ اور ''المجرد'' میں ساٹھ سے سو کے درمیان تک ہے۔ یہ تمام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے اور عصر اور عشا کی دو رکعتوں میں ''ظاہر الروایہ'' کے مطابق پندرہ آیات پڑھے۔ اسی طرح ''قاضی خان'' کی ''شرح الجامع'' میں ہے۔ ''الخلاصہ'' میں اس پر جزم کیا ہے اور ''المحیط'' وغیرہ میں ہے: بیس آیات پڑھے اور مغرب میں ہر رکعت میں پانچ آیات پڑھے۔

میں کہتا ہوں: جس طریقہ پر مصنف نے مفصل سورتوں سے تلاوت ہونا ذکر کیا ہے وہی ''متون'' میں مذکور ہے جیسے ''قدوری''، ''کنز''، ''المجمع''، ''الوقایہ'' اور ''النقایہ'' وغیرھا۔ اور عدد کے ساتھ مقروء کا حصر اس بنا پر ہے جو ''النہر'' اور ''البحر'' میں ذکر کیا ہے۔ اس میں سے جو تو نے جان لیا ہے وہ اس کے مخالف ہے جو ''متون'' میں بعض وجوہ سے موجود ہے جیسا کہ اس پر ''الحلبہ'' میں تنبیہ فرمائی ہے کہ اگر فجر یا ظہر میں طوال مفصل میں سے دو سورتیں پڑھیں جو سو آیات سے زیادہ ہیں جیسے سورہ الرحمٰن اور سورہ الواقعہ یا عصر میں یا عشاء میں اوساط مفصل میں سے دو سورتیں پڑھیں جو بیس یا تیس آیات سے زیادہ ہیں جیسے سورہ الغاشیہ اور سورہ الفجر تو وہ ''متون'' میں جو کچھ ہے اس کی بنا پر سنت کی موافقت کرنے والا ہوگا اور دوسری روایت پر سنت کی موافقت کرنے والا نہ ہوگا۔ اور دونوں روایتوں میں موافقت حاصل نہ ہوگی مگر جب دونوں سورتیں عدد مذکور کے موافق ہوں جو ''النہر'' کے حوالہ سے (اس مقولہ میں) گزرا ہے کہ مقدار معین دوسری سنت ہے۔ اس کی بنا پر لازم آتا ہے کہ اس مقدار سے زائد دو سورتوں کا پڑھنا سنت سے خارج ہے مگر یہ کہ وہ ہر سورۃ میں سے اتنی مقدار پر اکتفا کرے حالانکہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ہر رکعت میں افضل سورۂ فاتحہ اور مکمل سورت کا پڑھنا ہے۔ پس جس کی طرف رجوع ہونا چاہئے وہ یہ ہے کہ یہ دو متخالف روایتیں ہیں۔ اور اصحاب المتون نے ایک کو اختیار کیا ہے۔ اور اس کی تائید وہ کرتا ہے جو ''الملتقی'' کے متن میں ہے۔ پہلے ذکر کیا کہ مقیم ہونے کی حالت میں فجر میں سنت چالیس یا ساٹھ آیات ہیں پھر فرمایا اس میں اور ظہر میں فقہاء نے طوال مفصل کو پسند فرمایا ہے۔ پھر ذکر فرمایا کہ دوسرا قول استحسان ہے۔ پس پہلی روایت پر راجح ہوگا۔ کیونکہ حضرت عمر سے منقول اثر سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ انہوں نے ابو موسیٰ الاشعری کی طرف لکھا کہ فجر اور ظہر میں طوال مفصل سے پڑھو اور عصر اور عشاء میں اوساط مفصل سے پڑھو اور مغرب میں قصار سے پڑھو۔ ''الکافی'' میں فرمایا: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی کی طرح ہے کیونکہ مقادیر سماع سے پہچانی جاتی ہیں۔

4569۔ (قولہ: وَاخْتَارَ فِي الْبَدَائِعِ عَدَمَ التَّقْدِيرِ) اس زمانہ میں لوگوں کا عمل اس پر ہے جو ''البدائع'' نے اختیار فرمایا ہے۔ ''رملی''۔

وَأَنَّهُ يَخْتَلِفُ بِالْوَقْتِ وَالْقَوْمِ وَالْإِمَامِ وَفِي الْحُجَّةِ يَقْرَأُ فِي الْفَرْضِ بِالتَّرَسُّلِ حَرْفًا حَرْفًا، وَفِي التَّرَاوِيحِ بَيْنَ بَيْنَ، وَفِي النَّفْلِ لَيْلًا لَهُ أَنْ يُسْرِعَ بَعْدَ أَنْ يَقْرَأَ كَمَا يُفْهَمُ، وَيَجُوزُ بِالرِّوَايَاتِ السَّبْعِ، لَكِنْ الْأَوْلَى أَنْ لَا يَقْرَأَ بِالْغَرِيبَةِ عِنْدَ الْعَوَامِ صِيَانَةً لِدِينِهِمْ

اور یہ وقت، قوم اور امام کے اعتبار سے مختلف ہے۔ الحجہ میں ہے کہ فرض میں حرف حرف ٹھہر ٹھہر کر پڑھے اور تراویح میں متوسط انداز میں اور رات کے نوافل میں تیز پڑھنا جائز ہے ایسا پڑھنے کے بعد کہ سمجھا جائے۔ اور ساتوں روایات کے ساتھ پڑھنا جائز ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ عوام کے سامنے غریب قراءت نہ پڑھے ان کے دین کی حفاظت کرنے کے لئے۔

ظاہر یہ ہے کہ عدم التقدیر سے مراد ہر ایک کے لئے معین مقدار اور ہر وقت میں معین مقدار ہے جیسا کہ عبارت کا تمام اس کو مفید ہے بلکہ کبھی جو وارد ہے اس کے ادنیٰ فرد پر اکتفا کیا جاتا ہے جیسے فجر کی نماز میں طوال مفصل میں سے چھوٹی سورت۔ یا وقت کی تنگی یا کسی دوسرے عذر کی وجہ سے قصار مفصل میں سے چھوٹی سورت پر اکتفا کیا جاتا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فجر کی نماز میں معوذتین پڑھیں (1) جب بچے کے رونے کی آواز سنی اس خوف سے کہ اس کی ماں پر شاق نہ گزرے اور کبھی اس سے زیادہ پڑھتے تھے جو وارد ہے جب قوم اکتاتی نہیں تھی۔ پس وارد کا الغاء مراد نہیں اگرچہ بلا عذر ہو۔ اسی وجہ سے ''البحر'' میں ''البدائع'' کے حوالہ سے فرمایا: اس میں بہر حال امام کو چاہئے کہ اتنی مقدار تلاوت کرے جو قوم پر آسان ہو اور مکمل ہونے کے بعد ان پر بھاری نہ ہو۔ اسی طرح ''الخلاصہ'' میں ہے۔

4570۔ (قولہ: وَالْإِمَامِ) یعنی آواز کے اچھے اور بھدے ہونے کے اعتبار سے۔

4571۔ (قولہ: وَفِي الْحُجَّةِ) کتب فتاویٰ میں سے ایک کتاب کا نام ہے۔

4572۔ (قولہ: بَيْنَ بَيْنَ) یعنی آہستہ اور تیز کے درمیان ہو۔

4573۔ (قولہ: لَيْلًا) اس کے ساتھ تقیید کی وجہ شاید یہ ہو کہ تہجد پڑھنے والوں کی عادت تہجد میں زیادہ قرآن پڑھنا ہوتی ہے۔ پس ان کے لئے جلدی پڑھنا جائز ہے تاکہ وہ اپنے قراءت کے ورد کو حاصل کر سکیں۔

4574۔ (قولہ: كَمَا يُفْهَمُ) یعنی تھوڑی مد کرنے کے بعد قراء نے یہی کہا ہے ورنہ شرعاً جس ترتیل کا حکم ہے اس کو ترک کرنے کی وجہ سے حرام ہے۔ ''طحطاوی''۔

4575۔ (قولہ: وَيَجُوزُ بِالرِّوَايَاتِ السَّبْعِ) بلکہ دس روایات کے ساتھ بھی جائز ہے جیسا کہ اہل الاصول نے اس پر نص قائم کی ہے۔ ''طحطاوی''۔

4576۔ (قولہ: بِالْغَرِيبَةِ) یعنی روایات غریبہ کے ساتھ اور امالات کے ساتھ نہ پڑھے کیونکہ بعض بیوقوف ایسی باتیں کریں گے جو وہ نہیں جانتے ہوں گے اور گناہ اور شقاوت میں واقع ہوں گے۔ پس ائمہ کے لئے مناسب نہیں کہ وہ عوام کو ایسی بات پر ابھاریں جس میں ان کے دین کا نقصان ہو۔ اور عوام کے پاس ''ابو جعفر''، ''ابن عامر''، ''علی بن حمزہ''، ''الکسائی''

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب فی المعوذتین، جلد 1، صفحہ 534، حدیث نمبر 1250

(وَتُطَالُ أُولَى الْفَجْرِ عَلَى ثَانِيَتِهَا) بِقَدْرِ الثُّلُثِ، وَقِيلَ النِّصْفِ

فجر کی پہلی رکعت دوسری رکعت سے لمبی کی جائے گی تہائی حصہ کی مقدار۔ اور علما نے فرمایا استحبا با نصف حصہ کی مقدار

کی قراءت نہ پڑھی جائے ان کے دین کی حفاظت کرنے کے لئے۔ شاید وہ اس کا استخفاف کریں یا ہنسیں۔ اگرچہ تمام قراءتیں اور روایات صحیحہ اور فصیحہ ہیں۔ اور ہمارے مشائخ نے ''ابو عمرو''، ''حفص عن عاصم'' کی قراءت کو اختیار کیا ہے۔ ''التتارخانیہ'' عن ''فتاوی الحجۃ''۔

تمام نمازوں میں پہلی رکعت کو دوسری سے لمبا کرنے کے احکام

4577۔ (قولہ: وَتُطَالُ الخ) یعنی امام فجر کی پہلی رکعت کو لمبا کرے اور یہ بالا جماع مسنون ہے تا کہ پہلی رکعت کو پانے پر (لوگوں کی) اعانت ہو جائے کیونکہ فجر کا وقت نیند اور غفلت کا وقت ہوتا ہے۔ امام کے ساتھ قید لگانے اور تعلیل سے معلوم ہوا کہ منفرد تمام نمازوں میں بالاتفاق دونوں رکعتیں برابر رکھے۔ ''شرح المنیہ''۔

میں کہتا ہوں: پہلے جو (اس مقولہ میں) گزرا ہے کہ مذکورہ طوالت بالا جماع مسنون ہے اور اس کی مثل ''التتارخانیہ'' میں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ''البہنسی'' کی ''شرح الملتقی'' میں جو ہے کہ یہ بالا جماع واجب ہے غریب قول ہے اور سبقت قلم ہے۔ ان کے شاگرد ''الباقانی'' نے ''شرح الملتقی'' میں فرمایا: میں نے مذہب میں کتب مشہورہ میں یہ قول نہیں پایا۔

4578۔ (قولہ: بِقَدْرِ الثُّلُثِ) یعنی دوسری رکعت کی بنسبت پہلی رکعت کی زیادتی دونوں رکعتوں کی مجموعی قراءت کی تہائی کی مقدار ہو جیسا کہ ''الکافی'' میں ہے جہاں فرمایا: پہلی میں دو ثلث اور دوسری میں ایک ثلث۔ اس کی مثل ''الحلبہ''، ''البحر'' اور ''الدرر'' میں ہے۔

4579۔ (قولہ: وَقِيلَ النِّصْفِ) اسی طرح ''المحبوبی'' کی نسبت سے ''الحلبہ'' میں ہے۔ ''البحر'' نے اس کو ''الخلاصہ'' کے حوالہ سے حکایت کیا ہے۔ لیکن ''الخلاصہ'' کی عبارت اس کو مفید نہیں۔ کیونکہ اس کی عبارت اس طرح ہے کہ فجر میں طوالت کی حد یہ ہے کہ دوسری رکعت میں بیس سے تیس آیات تک تلاوت کرے اور پہلی رکعت میں تیس سے ساٹھ آیات تک تلاوت کرے۔ المحشی نے نصف والے قول کو پہلے قول کی طرف لوٹایا ہے۔ کیونکہ مراد پہلی رکعت کی قرآت کا نصف ہے اور وہ دونوں رکعتوں کی مجموعی قراءت کا ثلث ہے۔ پس اس قول کو پہلے قول کا مقابل شمار کرنے کی کوئی وجہ نہیں اور اس میں انہوں نے لمبی کلام کی ہے پس ادھر رجوع کرو۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ ''الخلاصہ'' کی مراد جو پہلی رکعت کی قراءت ہے اس کے نصف کی مقدار یا جو دوسری رکعت میں ہے اس کے نصف کی مقدار زیادتی میں اختیار دینا ہے۔ پس جب پہلی رکعت میں تیس آیات پڑھے گا اور دوسری میں بیس آیات پڑھے گا تو زیادتی دوسری رکعت کی قراءت کے نصف کی مقدار کے ساتھ ہوگی اور اگر پہلی رکعت میں ساٹھ آیات تلاوت کرے گا اور دوسری میں تیس آیات تلاوت کرے گا تو زیادتی پہلی رکعت کی قراءت کے نصف کے ساتھ ہوگی۔ اس طرح یہ قول پہلے قول کے مغایر ہو جاتا ہے۔ ''فتامل''۔

نَدْبًا؛ فَلَوْ فَحُشَ لَا بَأْسَ بِهِ (فَقَطْ) وَقَالَ مُحَمَّدٌ أُولَى الْكُلِّ حَتَّى التَّرَاوِيحِ: قِيلَ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى (وَإِطَالَةُ الثَّانِيَةِ عَلَى الْأُولَى يُكْرَهُ) تَنْزِيهًا (إِجْمَاعًا إِنْ بِثَلَاثِ آيَاتٍ)

طویل کی جائے گی۔اگر بہت زیادہ لمبی کرے تب بھی کوئی حرج نہیں (یہ) صرف (فجر کی نماز میں ہے) اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تمام نمازوں کی پہلی رکعت طویل کی جائے گی حتیٰ کہ تراویح کی بھی اور اس پر فتویٰ ہے۔اور پہلی رکعت پر دوسری کو لمبا کرنا اجماعاً مکروہ تنزیہی ہے اگر زیادتی تین آیات کے ساتھ ہو

4580۔(قولہ: نَدْبًا) یہ دونوں قولوں کی طرف راجع ہے یعنی یہ تقدیر تمام میں ہے اولیٰ کا بیان ہے پس اگر اس کی رعایت نہیں کرے گا تو وہ خلاف اولیٰ ہوگا لا بأس بہ کے قول کا یہی معنی ہے۔''حلبی''۔

4581۔(قولہ: فَلَوْ فَحُشَ) اگر بہت زیادہ لمبی کرے اس طرح کہ پہلی رکعت میں چالیس آیات پڑھے۔اور دوسری میں تین آیات پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔اس کے متعلق اثر بھی وارد ہے۔اسی طرح ''الذخیرۃ'' وغیرہا میں ہے۔

4582۔(قولہ: فَقَطْ) جب احتمال تھا کہ فجر صرف مثال ہو، تقیید کے لئے نہ ہو تو مصنف پیچھے فقط کا قول لائے۔اسی طرح ''النہر'' میں ہے۔

4583۔(قولہ: حَتَّى التَّرَاوِيحُ) اس کو ''الخزائن'' میں ''الخانیہ'' کی طرف منسوب کیا ہے۔اس کا ظاہر یہ ہے کہ جمعہ اور عیدین اختلاف پر ہیں جیسا کہ ''جامع المحبوبی'' میں ہے۔لیکن ''نظم الزندویستی'' میں ہے: ان دونوں نمازوں میں قراءت کی برابری پر اتفاق ہے۔''الحلبہ'' میں اس کی تائید ان وارد احادیث سے کی ہے جو ان دونوں نمازوں میں دوسری رکعت پر پہلی رکعت کو لمبا نہ کرنے کا تقاضا کرتی ہیں۔

4584۔(قولہ: قِيلَ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى) اس کا قائل ''معراج الدرایہ'' میں ہے۔اور اس کی مثل ''المجتبیٰ'' میں ہے۔''التتارخانیہ'' میں ''الحجۃ'' کے حوالہ سے ہے کہ فتویٰ کے لئے اس قول کو لیا گیا ہے اور ''الخلاصہ'' میں یہی زیادہ پسندیدہ ہے اور ''فتح القدیر'' میں اس کی طرف میلان کیا ہے۔کیونکہ امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہر کی پہلی رکعت کو طویل کرتے تھے (1) جتنا کہ دوسری کو طویل نہیں کرتے تھے۔اسی طرح عصر میں ہے اور اسی طرح صبح میں ہے۔

اور ''شرح المنیہ'' میں اس سے تنازع کیا ہے کہ یہ ثنا اور تعوذ کی حیثیت سے اطالت پر محمول ہے اور تین آیات سے کم پر محمول ہے اس کے اور مسلم کی ابو سعید الخذری سے مروی روایت کے درمیان تطبیق دینے کی ضرورت کی وجہ سے۔انہوں نے فرمایا: ہم نے ظہر کی نماز میں ہر رکعت میں تیس آیات کی مقدار کھڑے ہونے کا اندازہ لگایا (2)۔یہ دونوں رکعتوں میں تسویہ (برابری) کا فائدہ دیتا ہے۔

1۔صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب القرأۃ فی الظہر، جلد 1، صفحہ 564، حدیث نمبر 717

صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب القرأۃ فی الظہر و العصر، جلد 1، صفحہ 499، حدیث نمبر 735

2۔صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب القرأۃ فی الظہر والعصر، جلد 1، صفحہ 499، حدیث نمبر 737

إنْ تَقَارَبَتْ طُولًا وَقِصَرًا، وَإِلَّا اُعْتُبِرَ الْحُرُوفُ وَالْكَلِمَاتُ وَاعْتَبَرَ الْحَلَبِيُّ فُحْشَ الطُّولِ لَا عَدَدَ الْآيَاتِ،

اگر طول اور قصر میں قریب قریب ہوں ورنہ حروف اور کلمات کا اعتبار کیا جائے گا۔ ''الحلبی'' نے زیادہ طول کا اعتبار کیا ہے آیات کی تعداد کا اعتبار نہیں کیا۔

اور ''الحلبہ'' میں دونوں کے دلائل کی تحقیق کرنے کے بعد فرمایا: اس پر ظاہر ہوتا ہے کہ شیخین کا قول زیادہ پسندیدہ ہے نہ کہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول۔ اور بہتر شیخین کے قول پر فتویٰ ہونا ہے نہ کہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر۔ ''البحر'' اور ''الشرنبلالیہ'' میں اس کو ثابت رکھا ہے۔ اور ''الکنز''، ''الملتقی''، ''المختار'' اور ''الہدایہ'' میں شیخین کے قول پر اعتماد کیا ہے۔ اسی وجہ سے المصنف نے بھی اس پر اعتماد کیا ہے۔

4585۔ (قولہ: إنْ تَقَارَبَتْ الخ) یہ ''الکافی'' میں اس مسئلہ سے پہلے مسئلہ میں ذکر کیا ہے اور ''شرح المنیہ'' میں اس مسئلہ میں بھی اس کا اعتبار کیا ہے جیسا کہ اس کی عبارت میں (آئندہ مقولہ میں) آئے گا۔

حاصل یہ ہے کہ دوسری رکعت پر پہلی رکعت کو لمبا کرنے کی سنیت اور اس کے برعکس کی کراہت کا اعتبار آیات کی تعداد کی حیثیت سے ہوگا اگر آیات طول اور قصر میں قریب قریب ہوں۔ اور اگر طول اور قصر میں متفاوت ہوں تو کلمات کی حیثیت سے اعتبار کیا جائے گا جب فجر کی پہلی رکعت میں بیس لمبی آیات پڑھے اور دوسری میں بیس چھوٹی آیات پڑھے جس کے کلمات پہلی رکعت کے کلمات کے نصف کی مقدار کو پہنچتے ہوں تو سنت اس نے حاصل کر لی۔ اور اگر اس کے برعکس کیا تو مکروہ ہوگا۔ الحروف کا ذکر کیا اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ معتبر ہر کلمہ کا مقابلہ حروف کی تعداد میں اس کی مثل کے ساتھ ہوگا۔ پس معتبر حروف کی تعداد ہوگی نہ کہ کلمات۔ اگر الشارح حروف پر اکتفا کرتا یا کلمات پر ان کا عطف کرتا جیسا کہ ''الکافی'' میں کیا ہے تو بہتر ہوتا۔

4586۔ (قولہ: وَاعْتَبَرَ الْحَلَبِيُّ فُحْشَ الطُّولِ الخ) جیسے اگر پہلی رکعت میں وَالْعَصْرِ پڑھے اور دوسری رکعت میں الهمزة پڑھے۔ ''القنیہ'' میں پہلے اشارہ کیا ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے۔ پھر دوبارہ اشارہ کیا کہ یہ مکروہ ہے اور فرمایا: کیونکہ پہلی سورت میں تین آیات ہیں اور دوسری میں نو آیات ہیں بہت زیادہ زیادتی مکروہ ہے۔ اور رہا وہ جو مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کی پہلی رکعت (1) میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝ پڑھی اور دوسری میں هَلْ أَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝ پڑھی۔ پس پہلی رکعت پر سات آیات کے ساتھ زیادتی فرمائی۔ لیکن سور طوال میں سات آیات تھوڑی ہیں۔ قصار سورتوں میں ایسا نہیں کیونکہ چھ آیات اصل کا ضعف (دوگنا) ہے اور یہاں سات اس کے نصف کا اقل ہے۔

یعنی الهمزة میں چھ زائد آیات سورۃ العصر کا دوگنا ہے۔ بخلاف الغاشیہ میں زائد سات آیات کے کیونکہ یہ سورہ اعلیٰ کے نصف سے اقل ہیں پس یہ تھوڑی ہوئیں۔ ''شرح المنیہ'' میں ''الحلبی'' نے کہا: ''القنیہ'' کے کلام سے معلوم ہوا کہ تین آیات سور قصار میں مکروہ ہیں کیونکہ ان کے ساتھ طول کا ظہور واضح طور پر ہو جاتا ہے اور یہ بہتر ہے مگر بعض اوقات اس سے وہم ہوتا ہے کہ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب ما یقرأ بہ فی الجمعۃ، جلد 1، صفحہ 411، حدیث نمبر 950

وَاسْتَثْنَى فِي الْبَحْرِ مَا وَرَدَتْ بِهِ السُّنَّةُ وَاسْتَظْهَرَ فِي النَّفْلِ عَدَمَ الْكَرَاهَةِ مُطْلَقًا (وَإِنْ بِأَقَلَّ لَا) يُكْرَهُ،

اور ''البحر'' میں اس کی استثنا کی ہے جس کے ساتھ سنت وارد ہے اور نفل میں مطلقاً عدم کراہت کو ترجیح دی ہے اور اگر دوسری رکعت تھوڑی لمبی ہو تو مکروہ نہیں۔

جب زیادتی نصف سے کم کے ساتھ ہوگی تو مکروہ نہ ہوگی حالانکہ مسئلہ اس طرح نہیں ہے۔ بلکہ مناسب یہ ہے کہ زیادتی جب بالکل ظاہر ہو تو مکروہ ہے ورنہ مکروہ نہیں۔ کیونکہ تھوڑی سی زیادتی سے تحرز میں حرج لازم آئے گی۔ نیز حدیث میں اس کی مثل زیادتی وارد بھی ہے۔ اور سابقہ مقولہ میں گزشتہ بات سے غافل نہ ہو کہ آیات کی تقدیر ان کے تقارب کے وقت معتبر ہوگی۔ مگر تفاوت کے وقت کلمات یا حروف کے ساتھ تقدیر معتبر ہوگی ورنہ اَلَمْ نَشْرَحْ کی آٹھ آیات ہیں اور لَمْ يَكُنِ کی بھی آٹھ آیات ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اگر پہلی رکعت میں پہلی سورت اَلَمْ نَشْرَحْ پڑھے اور دوسری رکعت میں دوسری سورت لَمْ يَكُنِ پڑھے تو یہ مکروہ ہے۔ اسی وجہ سے جو ہم نے زیادتی اور طول کے ظہور سے بیان کیا ہے اگرچہ آیات کے اعتبار سے زیادتی کا ظہور نہیں ہے لیکن کلمات اور حروف کے اعتبار سے زیادتی ہے۔ اس پر قیاس کر۔ ''الحلبی'' کی ''شرح المنیہ'' کا کلام۔

''حلبی'' اور ''القنیہ'' کے کلام کے مجموعہ سے جو حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ دوسری رکعت کو تین آیات کے ساتھ لمبا کرنے کی کراہت کا اطلاق ان چھوٹی سورتوں کے ساتھ مقید ہے جن کی آیات قریب قریب ہیں۔ کیونکہ ان میں اس وقت اطالت ظاہر ہوتی ہے۔ رہی بڑی سورتیں یا چھوٹی سورتیں جن کی آیات متفاوت ہیں تو ان میں تعداد کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ کلمات کی حیثیت سے لمبائی کے ظہور کا اعتبار ہوگا اگرچہ تعداد کے اعتبار سے دونوں سورتیں برابر ہوں۔ یہ وہ ہے جو میں سمجھا ہوں اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

4587۔ (قولہ: وَاسْتَثْنَى فِي الْبَحْرِ مَا وَرَدَتْ بِهِ السُّنَّةُ) (1) جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ اور عیدین میں پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ اور دوسری میں الغاشیہ تلاوت فرمائی۔ اور یہ الصحیحین میں ثابت ہے حالانکہ پہلی سورت کی انیس آیات ہیں اور دوسری کی چھبیس آیات ہیں۔ اور جو ''شرح المنیہ'' کے حوالہ سے (سابقہ مقولہ میں) گزرا ہے اس کی بنا پر استثنا کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ دونوں سورتیں طویل ہیں۔ کلمات اور حروف کے اعتبار سے ان دونوں کے درمیان تفاوت ظاہر نہیں ہے بلکہ یہ متقارب ہیں۔

4588۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی اس کے ساتھ سنت وارد ہو یا نہ ہو ماقبل کے قرینہ کی وجہ سے۔ چونکہ ''البحر'' کی عبارت اس طرح ہے: اور فرض کے ساتھ مقید کیا ہے کیونکہ سنن اور نوافل میں قراءت میں رکعتوں کے درمیان برابری کی جاتی ہے مگر جس کے متعلق سنت یا اثر وارد ہو تو وہ مستثنیٰ ہے۔ اسی طرح ''منیۃ المصلی'' میں ہے۔ ''المحیط'' میں نفل کی ایک رکعت لمبی کرنے اور دوسری چھوٹی کرنے کی کراہت کے متعلق تصریح ہے۔ اور ''جامع المحبوبی'' میں سنن اور نوافل میں پہلی رکعت کو دوسری رکعت پر لمبا کرنے کی عدم کراہت کا اطلاق کیا ہے۔ کیونکہ یہ امر سہل ہے۔ ''ابوالیسر'' نے اس کو اختیار کیا ہے اور

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب ما یقرأ بہ فی الجمعۃ، جلد 1، صفحہ 410، حدیث نمبر 947

ابن ماجہ، کتاب الاقامۃ، باب ما جاء فی القرأۃ فی صلوٰۃ العیدین، جلد 1، صفحہ 403، حدیث نمبر 1270

لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ صَلَّى بِالْمُعَوِّذَتَيْنِ (وَلَا يَتَعَيَّنُ شَيْءٌ مِنَ الْقُرْآنِ لِصَلَاةٍ عَلَى طَرِيقِ الْفَرْضِيَّةِ) بَلْ تَعَيُّنُ الْفَاتِحَةِ عَلَى وَجْهِ الْوُجُوبِ (وَيُكْرَهُ التَّعْيِينُ) كَالسَّجْدَةِ (هَلْ أَتَى) لِفَجْرِ كُلِّ جُمُعَةٍ، بَلْ يُنْدَبُ قِرَاءَتُهُمَا أَحْيَانًا (وَالْمُؤْتَمُّ لَا يَقْرَأُ مُطْلَقًا)

کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معوذتین کے ساتھ نماز پڑھائی۔ ''فرضیت کے طریق پر نماز کے لئے قرآن میں سے کوئی چیز متعین نہیں بلکہ وجوب کے طریقہ پر فاتحہ کا تعین ہے۔ اور سورتوں کی تعیین کرنا مکروہ ہے جیسے ہر جمعہ کی فجر کے لئے سورۃ السجدہ اور هَلْ أَتٰی پڑھنا۔ بلکہ کبھی کبھی ان دونوں سورتوں کو جمعہ کی فجر میں پڑھنا مستحب ہے اور مقتدی مطلقاً قراءت نہیں کرے گا

''خزانۃ الفتاویٰ'' میں اس پر چلے ہیں۔ پس ظاہر عدم کراہت ہے

اور ''البحر'' کا قول کہ ''جامع المحبوبی'' میں پہلی کو دوسری رکعت سے لمبا کرنے میں عدم کراہت کا اطلاق کیا ہے'' اس کے لئے اس کو ترجیح دینے کا واضح قرینہ ہے اس بنا پر کہ انہوں نے ''المنیہ'' میں جو قید ہے کہ جس کے متعلق سنت وارد ہے۔ اس سے اختلاف کا ارادہ کیا ہے۔ ہاں ان کا کلام صرف دوسری رکعت پر پہلی رکعت کو لمبا کرنے کے بارے میں ہے اس کے برعکس نہیں۔ شارح کو یہ تطال اولی الفجر کے قول کے ساتھ ذکر کرنا چاہئے تھا۔ ''شرح المنیہ'' میں فرمایا: اصح نفل میں بھی دوسری رکعت کو پہلی رکعت پر لمبا کرنا مکروہ ہے۔ اس کو فرض کے ساتھ لاحق کرنے کی وجہ سے اس صورت میں جس کے متعلق وسعت کی تخصیص وارد نہیں۔ جیسے بلا عذر بیٹھ کر نفل پڑھنا جائز ہے۔ رہا تیسری رکعت کو دوسری اور پہلی رکعت پر لمبا کرنا تو یہ مکروہ نہیں ہے کیونکہ وہ دوسرا شفع ہے۔

4589۔ (قولہ: صَلَّى بِالْمُعَوِّذَتَيْنِ) یعنی فجر کی نماز میں اور دوسری سورت پہلی سورت سے ایک آیت لمبی ہے۔ اتنے تفاوت سے بچنے میں حرج ہے اور یہ شرعاً مدفوع ہے۔ پس تین آیات سے کم زیادتی یا کمی معدوم سمجھی جائے گی۔ پس وہ مکروہ نہ ہوگی۔ ''ح'' عن ''الحلبہ''۔

4590۔ (قولہ: عَلَى طَرِيقِ الْفَرْضِيَّةِ) یعنی اس حیثیت سے اس کے بغیر نماز صحیح نہ ہوتی ہو جیسا کہ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ سورہ فاتحہ کے بارے میں کہتے ہیں۔

4591۔ (قولہ: وَيُكْرَهُ التَّعْيِينُ) یہ مسئلہ ماقبل پر متفرع ہے کیونکہ الشارع نے جب اس پر آسانی کرنے کے لئے کوئی چیز متعین نہیں فرمائی تو خود اس کے لئے متعین کرنا مکروہ ہے اور ''الہدایہ'' میں اس کی یہ علت بیان فرمائی ہے کیونکہ اس میں باقی کو چھوڑنا ہے اور تفضیل کا وہم دلانا ہے۔

4592۔ (قولہ: بَلْ يُنْدَبُ قِرَاءَتُهُمَا أَحْيَانًا) ''جامع الفتاویٰ'' میں فرمایا: یہ اس صورت میں ہے جب وتر جماعت کے ساتھ پڑھے اور اگر اکیلے پڑھے تو جیسے چاہے پڑھے۔

اور ''فتح القدیر'' میں ہے: دلیل کا تقاضا عدم دوام ہے نہ کہ عدم پر دوام ہے جیسا کہ اس زمانہ کے حنفی علما کرتے ہیں۔ پس منقول سے تبرک حاصل کرنے کے لئے کبھی کبھی ان کو پڑھنا مستحب ہے، اور وہم کا لزوم کبھی ترک کرنے کی وجہ سے منتفی

وَلَا الْفَاتِحَةَ فِي السِّرِّيَّةِ اتِّفَاقًا،
اور نہ سری نمازوں میں بالاتفاق فاتحہ پڑھے گا

ہوجاتا ہے۔ اسی وجہ سے علما نے فرمایا: فجر کی سنتوں میں سورۃ الکافرون اور سورۃ الاخلاص پڑھنا سنت ہے اس کا ظاہر مواظبت کا فائدہ ہے کیونکہ ایہام مذکور مصلی کی طرف نسبت سے منتفی ہوجاتا ہے۔

اس کا مقتضا یہ ہے کہ کراہت کا اختصاص امام کے ساتھ ہے۔ ''البحر'' میں اس سے اختلاف کیا ہے کہ یہ اس پر مبنی ہے کہ علت تفضیل اور تعیین کا وہم دلانا ہے۔ رہا اس پر جو مشائخ نے باقی کو چھوڑنے کی علت بیان کی ہے تو فرض، سنت، امام، منفرد کے درمیان مداومت کی کراہت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ پس مداومت مطلق مکروہ ہے کیونکہ ''غایۃ البیان'' میں وتر میں تین سورتوں کی قراءت پر مواظبت کی کراہت کی تصریح کی ہے۔ یہ رمضان میں امام ہونے یا نہ ہونے سے اعم ہے۔ ''النہر'' میں اس کا جواب اس طرح دیا ہے کہ مشائخ نے ان دونوں کے ساتھ علت بیان کی ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ دونوں ایک علت ہیں دو علتیں نہیں ہیں۔ پس جو ''الفتح'' میں ہے وہ قابل توجہ ہے۔

میں کہتا ہوں: اس بنا پر کہ ''غایۃ البیان'' میں تعمیم مذکور کی تصریح نہیں کی ہے۔ نیز باقی سورتوں کا چھوڑنا، دوسری نماز میں قراءت کرنے سے زائل ہوجاتا ہے۔ اور ''النہایۃ'' کے حوالہ سے ''البحر'' کے وتر میں ذکر کیا ہے ''کہ مناسب نہیں کہ ہمیشہ کوئی ایک متعین سورت پڑھے تاکہ بعض لوگ یہ گمان نہ کریں یہ واجب ہے''۔ یہ اس کی تائید کرتا ہے جو ''الفتح'' میں ہے۔ ''الطحاوی'' اور ''الاسبیجابی'' نے کراہت کو اس کے ساتھ مقید کیا ہے کہ جب وہ ان سورتوں کا پڑھنا واجب خیال کرتا ہو اور اس کے علاوہ کو جائز نہ سمجھتا ہو۔ رہا یہ کہ اگر وہ اپنے اوپر آسانی کے لئے یہ سورتیں پڑھتا ہو یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت سے تبرک حاصل کرنے کے لئے پڑھتا ہو تو کراہت نہیں ہے۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کبھی کبھی دوسری سورتیں بھی پڑھے تاکہ جاہل یہ گمان نہ کرے کہ اس کے علاوہ جائز نہیں ہے۔ ''الفتح'' میں اس پر اعتراض کیا ہے اس میں کوئی تنقیح نہیں ہے کیونکہ کلام تو مداومت میں ہے۔

اور میں کہتا ہوں: ان دونوں بزرگوں کے کلام کا حاصل مداومت میں کراہت کی وجہ کا بیان ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر وہ ان سورتوں کا پڑھنا واجب سمجھتا ہے تو مکروہ ہوگا۔ کیونکہ وہ مشروع میں تبدیلی کرتا ہے ورنہ جاہل کے وہم کے اعتبار سے مکروہ ہے۔ اس محمول سے بھی ''الفتح'' کے سابق کلام کی تائید ہوتی ہے اور اس کا لاحق اعتراض بھی مندفع ہوجاتا ہے۔ پس تو غور کر۔

امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کا حکم

4593۔ (قولہ: وَلَا الْفَاتِحَةَ) نصب کے ساتھ محذوف پر معطوف ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے لا غیر الفاتحہ ولا الفاتحۃ۔ اور فی السِّرِّيَّة کا قول اس سے جہری نمازوں میں مقتدی کی قرآت کی نفی بدرجہ اولیٰ معلوم ہوتی ہے اور مراد امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے اختلاف اور جو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے اس کے رد کی طرف اشارہ کرنا ہے۔

4594۔ (قولہ: اتِّفَاقًا) یعنی ہمارے تینوں ائمہ کے درمیان اتفاق ہے۔

وَمَا نُسِبَ لِمُحَمَّدٍ ضَعِيفٌ كَمَا بَسَطَهُ الْكَمَالُ (فَإِنْ قَرَأَ كُرِهَ تَحْرِيمًا) وَتَصِحُّ فِي الْأَصَحِّ وَفِي دُرَرِ الْبِحَارِ عَنْ مَبْسُوطِ خُوَاهَرْزَادَهْ أَنَّهَا تَفْسُدُ وَيَكُونُ فَاسِقًا، وَهُوَ مَرْوِيٌّ عَنْ عِدَّةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ فَالْمَنْعُ أَحْوَطُ (بَلْ يَسْتَمِعُ) إِذَا جَهَرَ (وَيُنْصِتُ) إِذَا أَسَرَّ (لِقَوْلِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كُنَّا نَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ فَنَزَلَ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا (وَإِنْ) وَصَلِيَّةٌ

اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی طرف جو منسوب ہے وہ ضعیف ہے جیسا کہ ''الکمال'' نے اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اگر مقتدی قراءت کرے گا تو مکروہ تحریمی ہوگا اور اصح قول میں اس کی نماز ہو جائے گی۔ اور ''مبسوط خواہر زادہ'' کے حوالہ سے ''درر البحار'' میں ہے کہ (مقتدی کے قراءت کرنے سے) مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی اور وہ فاسق ہوگا۔ اور یہ بہت سے صحابہ سے مروی ہے۔ پس روکنا احوط ہے۔ بلکہ امام جہری قراءت کرے تو مقتدی غور سے سنے اور جب سری قراءت کر رہا ہو تو خاموش رہے۔ کیونکہ حضرت ابو ہریرہ کا قول ہے کہ ہم امام کے پیچھے قراءت کرتے تھے (1) کہ یہ آیت نازل ہوئی ''جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو۔

4595۔ (قولہ: وَمَا نُسِبَ لِمُحَمَّدٍ) یعنی احتیاطاً سری نمازوں میں فاتحہ کی قراءت مستحب ہے۔ یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے۔

4596۔ (قولہ: كَمَا بَسَطَهُ الْكَمَالُ) اس کا حاصل یہ ہے کہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الآثار'' میں فرمایا: ہم امام کے پیچھے جہری یا سری نمازوں میں سے کسی نماز میں قراءت کرنے کا نظریہ نہیں رکھتے اور احتیاط کا دعویٰ ممنوع ہے بلکہ احتیاط قراءت کے ترک کرنے میں ہے۔ کیونکہ وہ دونوں دلیلوں میں سے اقویٰ دلیل پر عمل ہے۔ بہت سے صحابہ سے قراءت کرنے کی وجہ سے فساد مروی ہے۔ پس اقویٰ دلیل منع ہے۔

4597۔ (قولہ: أَنَّهَا تَفْسُدُ) یہ اصح قول کا مقابل ہے۔

4598۔ (قولہ: وَهُوَ) اس سے مراد وہ فساد ہے جو تفسد سے سمجھا گیا ہے۔

4599۔ (قولہ: مَرْوِيٌّ عَنْ عِدَّةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ) ''الخزائن'' میں فرمایا: ''الکافی'' میں ہے: مقتدی کو قراءت سے روکنا اسی 80 بڑے صحابہ سے منقول ہے جن میں سے حضرت علی شیر خدا اور عبادلہ ہیں۔ محدثین نے ان کے ناموں کو مدون کیا ہے۔

4600۔ (قولہ: وَيُنْصِتُ إِذَا أَسَرَّ) اور اسی طرح بدرجہ اولی خاموش رہنا ہوگا جب وہ جہری قرآت کرے۔ ''البحر'' میں فرمایا: آیت کا حاصل یہ ہے کہ اس سے مطلوب دو امر ہیں۔ ایک غور سے سننا اور دوسرا سکوت۔ پس ان میں سے ہر ایک پر عمل کیا جائے گا۔ پہلا جہری قراءت کو خاص کرتا ہے دوسرا نہیں۔ پس وہ اپنے اطلاق پر جاری ہوگا۔ پس قراءت کے وقت مطلقاً سکوت واجب ہے۔

1۔ سنن دار قطنی، کتاب الصلوٰۃ، باب ذکر قولہ من کان لہ امام، جلد 1 صفحہ 326

(قَرَأَ الْإِمَامُ آيَةَ تَرْغِيبٍ أَوْ تَرْهِيبٍ) وَكَذَا الْإِمَامُ لَا يَشْتَغِلُ بِغَيْرِ الْقُرْآنِ، وَمَا وَرَدَ حُمِلَ عَلَى النَّفْلِ مُنْفَرِدًا كَمَا مَرَّ (كَذَا الْخُطْبَةُ)

اگر چہ امام آیت ترغیب یا ترہیب پڑھے اور اسی طرح امام قرآن کے علاوہ سے مشغول نہ ہو اور جو وارد ہے وہ علیحدہ نفل پڑھنے والے پر محمول ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اسی طرح خطبہ میں (سننے اور خاموش رہنے) کا حکم ہے۔

4601۔ (قولہ: آيَةَ تَرْغِيبٍ) اللہ تعالیٰ کے ثواب کے بارے میں او ترهيب یا اس کے عذاب سے ڈرانے کے بارے میں آیت تلاوت کرے۔ پہلی آیت کے وقت سوال نہ کرے اور دوسری آیت کے وقت پناہ نہ مانگے۔ ''الفتح'' میں فرمایا: اللہ تعالیٰ نے رحمت کا وعدہ فرمایا ہے جب وہ غور سے سنے گا اور اس کا وعدہ حتمی ہے اور غور سے سننے کو ترک کرنے والے کی دعا کی قبولیت یقینی نہیں ہے۔

4602۔ (قولہ: وَمَا وَرَدَ) یعنی حضرت حذیفہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی (1)...... فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آیت رحمت سے گزرتے تو ٹھہر جاتے اور رحمت کا سوال کرتے اور آیت عذاب سے گزرتے تو اس کے پاس ٹھہر جاتے اور پناہ مانگتے۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے نقل کیا ہے اس کی مکمل بحث ''الحلبۃ'' میں ہے۔

4603۔ (قولہ: حُمِلَ عَلَى النَّفْلِ مُنْفَرِدًا) اس سے یہ فائدہ ظاہر فرمایا کہ امام اور مقتدی فرض یا نفل میں ہر ایک برابر ہے۔ ''الحلبہ'' میں فرمایا: رہا فرائض میں امام تو اس وجہ سے کہ جو ہم نے ذکر کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرائض میں ایسا نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے ہم تک ائمہ نے ایسا نہیں کیا ہے۔ پس یہ بدعات سے ہے۔ نیز یہ قوم پر بوجھ ڈالنا ہے۔ پس یہ مکروہ ہوگا۔ رہا نوافل میں، اگر تراویح میں ایسا کرے تو پھر بھی یہی حکم ہے اور اگر رات کے دوسرے نوافل میں ہو جن میں اس کی ایک یا دو آدمی اقتدا کر رہے ہوں تو فعل پر ترک کا راجح ہونا مکمل نہ ہوگا اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے حضرت حذیفہ سے روایت کی ہے۔ مگر جب یہ مقتدی پر بوجھ ہو تو پھر ترک راجح ہوگا۔ اس میں تامل ہے۔ رہا مقتدی تو اس کا وظیفہ غور سے سننا اور خاموش رہنا ہے۔ پس ایسی چیز سے مشغول نہ ہو جو سننے میں مخل ہو۔ لیکن کبھی کہا جاتا ہے کہ یہ مقتدی میں فرائض اور تراویح میں مکمل ہوگا۔ رہا مقتدی نوافل میں جب اس کا امام ایسا کرتا ہو تو نہیں کیونکہ جو ذکر کیا گیا ہے اس کے ساتھ اخلال نہیں پایا جاتا۔ پس اس حالت کے علاوہ پر محمول کرنا چاہئے۔

4604۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی اس کی نظیر وہ ہے جو ترتیب افعال الصلوٰۃ کی فصل میں گزر چکا ہے کہ رکوع میں اور رکوع سے سر اٹھانے میں، دونوں سجدوں میں اور ان کے درمیان جلسہ میں دعاؤں میں سے جو وارد ہے وہ متنفل پر محمول ہے۔ رہا ہمارا یہ مسئلہ تو یہ پہلے نہیں گزرا ہے۔

1۔ سنن ترمذی، کتاب الصلوٰۃ، باب ما جاء فی التسبیح فی الرکوع والسجود، جلد 1، صفحہ 190، حدیث نمبر 243

سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب ما یقول الرجل فی رکوعہ، جلد 1، صفحہ 332، حدیث نمبر 737

فَلَا يَأْتِي بِمَا يُفَوِّتُ الِاسْتِمَاعَ وَلَوْ كِتَابَةً أَوْ رَدَّ سَلَامٍ وَإِنْ صَلَّى الْخَطِيبُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا إِذَا قَرَأَ (صَلُّوا عَلَيْهِ) فَيُصَلِّي الْمُسْتَمِعُ سِرًّا) بِنَفْسِهِ وَيُنْصِتُ بِلِسَانِهِ عَمَلًا بِأَمْرَيْ صَلُّوا وَأَنْصِتُوا (وَالْبَعِيدُ) عَنِ الْخَطِيبِ (وَالْقَرِيبُ سِيَّانِ) فِي افْتِرَاضِ الْإِنْصَاتِ فُرُوعٌ يَجِبُ الِاسْتِمَاعُ لِلْقِرَاءَةِ مُطْلَقًا لِأَنَّ الْعِبْرَةَ لِعُمُومِ اللَّفْظِ

پس ایسی چیز ذکر نہ کرے جس سے سننا فوت ہو اگرچہ لکھنا ہو یا سلام کا جواب دینا ہو اگرچہ خطیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے مگر جب صَلُّوا عَلَيْهِ کی آیت پڑھے تو سننے والا دل میں آہستہ درود پڑھے اور زبان سے خاموش رہے تا کہ صَلُّوا اور انصتوا دونوں پر عمل ہو جائے اور خطیب سے دور اور قریب خاموش رہنے کے فرض میں برابر ہیں۔ مطلقاً قراءت کا سننا واجب ہے۔ کیونکہ اعتبار لفظ کے عموم کا ہوتا ہے

4605۔ (قولہ: فَلَا يَأْتِي بِمَا يُفَوِّتُ الِاسْتِمَاعَ) باب الجمعہ میں آئے گا کہ نماز میں جو حرام ہے وہ خطبہ میں حرام ہے۔ پس کھانا، پینا، کلام کرنا، اگرچہ تسبیح ہو یا سلام کا جواب دینا اور نیکی کا حکم کرنا حرام ہے مگر خطیب نیکی کا حکم کرسکتا ہے کیونکہ نیکی کا حکم دینا خطبہ سے ہے۔ اصح قول میں قریب و بعید کا کوئی فرق نہیں ہے اور اس کو ڈرانا جس کی ہلاکت کا خدشہ ہو وہ وارد نہیں کیونکہ وہ آدمی کے حق کی وجہ سے واجب ہے اور وہ اس کا محتاج ہے۔ اور خاموش رہنا اللہ تعالیٰ کے حق کی وجہ سے ہے اور اس کی بنیاد مسامحت (درگزر) پر ہے۔ اصح یہ ہے کہ کسی برائی کو دیکھتے وقت سر یا ہاتھ سے اشارہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح معتمد قول پر تمام خطبوں کے وقت خاموش رہنا واجب ہے جیسے خطبہ نکاح، خطبہ ختم اور خطبہ عید۔

4606۔ (قولہ: وَيُنْصِتُ بِلِسَانِهِ) یہ بنفسہ کے قول کا تفسیری عطف ہے۔ یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ اور ''الفتح'' کے جمعہ کے باب میں ہے کہ یہی درست ہے۔

4607۔ (قولہ: فِي افْتِرَاضِ الْإِنْصَاتِ) ''الہدایہ'' کی تبع میں افتراض سے تعبیر کیا ہے۔ اور ''النہر'' میں اس کو وجوب سے تعبیر کیا ہے۔ امام ''طحطاوی'' نے فرمایا: یہ اولیٰ ہے کیونکہ خاموشی کو ترک کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

نماز سے باہر قراءت کے بارے میں فرعی مسائل

4608۔ (قولہ: يَجِبُ الِاسْتِمَاعُ لِلْقِرَاءَةِ مُطْلَقًا) یعنی نماز میں اور نماز سے باہر قراءت کا سننا واجب ہے کیونکہ آیت اگرچہ نماز کے اندر کے بارے میں وارد ہے گزشتہ قول کی بنا پر لیکن اعتبار لفظ کے عموم کا ہوتا ہے سبب کے خصوص کا نہیں۔ پھر یہ وجوب اس جگہ ہے جہاں عذر نہ ہو۔ اسی وجہ سے ''القنیہ'' میں فرمایا: بچہ گھر میں قرآن پڑھ رہا ہو اور اس کے گھر والے کام میں مشغول ہوں تو سننے کے ترک میں وہ معذور ہوں گے اگر انہوں نے قراءت سے پہلے کام شروع کیا تھا ورنہ نہیں اور اسی طرح قرأۃ قرآن کے وقت فقہ کی قراءت ہے۔

''الفتح'' میں ''الخلاصہ'' کے حوالہ سے ہے کہ ایک شخص فقہ لکھ رہا ہو اور اس کے پاس ایک شخص قرآن پڑھ رہا ہو اور

لَا بَأْسَ أَنْ يَقْرَأَ سُورَةً وَيُعِيدَهَا فِي الثَّانِيَةِ، وَأَنْ يَقْرَأَ فِي الْأُولَى مِنْ مَحَلٍّ وَفِي الثَّانِيَةِ مِنْ آخَرَ
ایک رکعت میں ایک سورت کا پڑھنا اور دوسری رکعت میں اسی سورت کو لوٹانا اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور پہلی رکعت میں ایک جگہ سے پڑھنا اور دوسری رکعت میں دوسری جگہ سے پڑھنا اس میں کوئی حرج نہیں

قرآن کا سننا اس کے لئے ممکن نہ ہوگا تو گناہ قاری پر ہوگا۔ اس بنا پر اگر کوئی چھت پر قرآن پڑھے جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں تو قاری گناہگار ہوگا۔ یعنی کیونکہ وہ قرآن کو سننے سے ان کے اعراض کا سبب قاری بنا ہے یا اس لئے کہ اس نے انہیں بیدار کر کے اذیت دی ہے۔

قرآن کا سننا فرض کفایہ ہے

''شرح المنیہ'' میں ہے: اصل یہ ہے کہ قرآن کا سننا فرض کفایہ ہے۔ کیونکہ یہ حکم استماع اس کے حق کو قائم کرنے کے لئے ہے تا کہ اس کی طرف توجہ کی جائے اسے ضائع نہ کیا جائے۔ اور یہ بعض کے خاموش رہنے سے حاصل ہو جاتا ہے جیسا کہ سلام کے جواب میں ہے جب تک وہ مسلمان کے حق کی رعایت کے لئے ہوتا ہے۔ اس میں بعض کل کی طرف سے کفایت کرتے ہیں مگر قاری پر واجب ہے کہ وہ قرآن کا احترام کرے وہ اسے بازاروں میں اور مشغولیت کی جگہوں میں نہ پڑھے۔ پس جب وہ اسے ان مقامات پر پڑھے گا تو وہ قرآن کی حرمت کو ضائع کرنے والا ہوگا۔ پس گناہ قاری پر ہوگا نہ مشغول لوگوں پر۔ یہ حرج کو دور کرنے کے لئے ہے۔ اس کی مکمل بحث ''طحطاوی'' میں ہے۔ ''الحموی'' نے اپنے استاذ قاضی القضاۃ ''یحییٰ الشہید'' منقاری زادہ سے نقل کیا ہے کہ ان کا ایک رسالہ ہے جس میں انہوں نے تحقیق کی ہے کہ قرآن کا سننا فرض عین ہے۔

4609۔ (قولہ: لَا بَأْسَ أَنْ يَقْرَأَ سُورَةً الخ) یہ فائدہ ظاہر فرمایا کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے۔ ''القنیہ'' کے جزم کے ساتھ کراہت کو اس پر محمول کیا جائے گا (1)۔ یہ تب ہے جب مجبور نہ ہو۔ اگر مجبور ہو (مثلاً) پہلی رکعت میں قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ پڑھ دی تو دوسری رکعت میں اسی سورت کا اعادہ کرے اگر ختم نہ کیا ہو ''نہر''۔ کیونکہ تکرار، الٹ پڑھنے سے زیادہ آسان ہے۔ ''بزازیہ''۔ رہا یہ کہ اگر اس نے ایک رکعت میں ختم کیا ہو تو قریب ہی آئے گا کہ وہ سورہ بقرہ سے پڑھے۔

4610۔ (قولہ: وَأَنْ يَقْرَأَ فِي الْأُولَى مِنْ مَحَلٍّ) ''النہر'' میں فرمایا: مناسب یہ ہے کہ سورت کے آخر سے دونوں رکعتوں میں پڑھے نہ کہ دو سورتوں کے آخر سے۔ کیونکہ اکثر علما کے نزدیک یہ مکروہ ہے۔ لیکن ''الخانیہ'' کے حوالہ سے ''شرح المنیہ'' میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے۔ مناسب ہے کہ جس کی کراہت کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد تحریمی ہو۔ پس اکثر کے کلام کے یہ منافی نہیں اور نہ الشارح کے قول لا بأس کے منافی ہے۔ ''تامل''

گزشتہ کے بعد ''شرح المنیہ'' کا قول اس کی تائید کرتا ہے کہ اسی طرح اگر پہلی رکعت میں سورت کے درمیان سے یا سورت کے آغاز سے پڑھا ہو پھر دوسری رکعت میں دوسری سورت کے وسط سے یا آغاز سے پڑھا ہو یا چھوٹی سورت پڑھی ہو

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب الرجل یعید سورۃ واحدۃ فی الرکعتین، جلد 1، صفحہ 312، حدیث نمبر 693

وَلَوْ مِنْ سُورَةٍ إِنْ كَانَ بَيْنَهُمَا آيَتَانِ فَأَكْثَرَ وَيُكْرَهُ الْفَصْلُ بِسُورَةٍ قَصِيرَةٍ وَأَنْ يَقْرَأَ مَنْكُوسًا إِلَّا إِذَا خَتَمَ فَيَقْرَأُ مِنَ الْبَقَرَةِ وَفِي الْقُنْيَةِ قَرَأَ فِي الْأُولَى الْكَافِرُونَ وَفِي الثَّانِيَةِ

اگر چہ ایک سورت سے ہو اگر ان دونوں مقامات کے درمیان دو یا دو سے زیادہ آیتوں کا فاصلہ ہو اور چھوٹی سورت کا فاصلہ کرنا مکروہ ہے اور الٹ پڑھنا بھی مکروہ ہے مگر جب ختم کرے تو سورۂ بقرہ سے پڑھے۔ ''القنیہ'' میں ہے: پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون پڑھی اور دوسری میں

تو اصح یہ ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ بغیر ضرورت کے ایسا نہ کرے۔

4611۔(قولہ: وَلَوْ مِنْ سُورَةٍ) اس کا تعلق ماقبل سے ہے یعنی اگر دو جگہ سے تلاوت کی اس طرح کہ ایک سورت سے ایک آیت سے دوسری آیت کی طرف منتقل ہوا تو مکروہ نہ ہوگا جبکہ ان دونوں جگہوں کے درمیان دو یا زیادہ آیات ہوں۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ بلاضرورت ایسا نہ کرے۔ کیونکہ یہ اعراض اور ترجیح بلا مرجح کا وہم دلاتا ہے ''شرح المنیہ''۔ مسئلہ کا فرض دو رکعتوں میں ہے۔ کیونکہ اگر ایک رکعت میں ایک آیت سے دوسری آیت کی طرف بلاضرورت منتقل ہو گیا تو مکروہ ہوگا اگر چہ ان کے درمیان بہت سی آیات ہوں۔ پس اگر بھول گیا پھر یاد آیا تو آیات کی ترتیب کی رعایت کرنے کے لئے لوٹ آئے۔ ''شرح المنیہ''۔

4612۔ (قولہ: وَيُكْرَهُ الْفَصْلُ بِسُورَةٍ قَصِيرَةٍ) چھوٹی سورت کے ساتھ فاصلہ مکروہ ہے۔ رہی بڑی سورت تو جہاں دوسری رکعت کا بہت زیادہ لمبا ہونا لازم آتا ہو تو اس کا چھوڑنا مکروہ نہیں ''شرح المنیہ''۔ جیسا کہ جب دو چھوٹی سورتیں ہوں یہ اس صورت میں ہے کہ اگر دو رکعتوں میں ہو۔ رہا ایک رکعت میں تو ایسی دو سورتوں کو جمع کرنا مکروہ ہے جن کے درمیان کئی سورتیں ہوں یا ایک سورت ہو ''فتح''۔ ''التتارخانیہ'' میں ہے: جب ایک رکعت میں دو سورتوں کو جمع کرے تو میں نے ایک جگہ میں دیکھا اس میں کوئی حرج نہیں۔ ''شیخ الاسلام'' نے ذکر کیا ہے اس کو ایسا نہیں کرنا چاہئے اس قول پر جو ظاہر الروایہ میں ہے۔

اور ''شرح المنیہ'' میں ہے: بہتر یہ ہے کہ فرض میں ایسا نہ کرے اور اگر ایسا کرے گا تو مکروہ نہ ہوگا مگر یہ کہ ان کے درمیان ایک سورت یا زیادہ چھوڑے۔

4613۔(قولہ: وَأَنْ يَقْرَأَ مَنْكُوسًا) دوسری رکعت میں اس سورت سے اوپر والی سورت پڑھے جو پہلی رکعت میں پڑھی تھی۔ کیونکہ سورتوں کی ترتیب قراءت میں تلاوت کے واجبات سے ہے۔ چھوٹے بچوں کے لئے آسانی کی خاطر تعلیم کی ضرورت کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا ہے۔ ''طحطاوی''۔

4614۔(قولہ: إِلَّا إِذَا خَتَمَ) ''شرح المنیہ'' میں فرمایا: ''الولوالجیہ'' میں ہے: جو قرآن نماز میں ختم کرے جب وہ پہلی رکعت میں معوذتین سے فارغ ہو تو رکوع کرے پھر دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ اور سورت البقرہ میں سے کچھ پڑھے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خیر الناس الحال المرتحل یعنی لوگوں میں سے بہتر ختم کرنے والا افتتاح کرنے والا ہے۔

4615۔(قولہ: وَفِي الثَّانِيَةِ) بعض نسخوں میں ہے۔ وبدأ في الثانية۔ (دوسری میں شروع کرے)۔

۔ أَلَمْ تَرَ ۔ أَوْ ۔ تَبَّتْ ۔ ثُمَّ ذَكَرَ يُتِمُّ وَقِيلَ يَقْطَعُ وَيَبْدَأُ، وَلَا يُكْرَهُ فِي النَّفْلِ شَيْءٌ مِنْ ذَلِكَ، وَثَلَاثٌ تَبْلُغُ قَدْرَ أَقْصَرِ سُورَةٍ أَفْضَلُ مِنْ آيَةٍ طَوِيلَةٍ،

اَلَمْ تَرَ یا تَبَّتْ یَدَا آ پڑھی پھر اسے یاد آیا (کہ ترتیب الٹ ہوگئی ہے) تو نماز کو اسی سورت کے ساتھ مکمل کرے۔ اور بعض علماء نے فرمایا: اس کی تلاوت ختم کردے اور نئے سرے سے شروع کرے۔ اور نوافل میں مذکورہ احکام میں سے کوئی بھی مکروہ نہیں ہے۔ اور تین آیات جو چھوٹی سورت کی مقدار کو پہنچتی ہوں وہ ایک لمبی آیت سے افضل ہیں۔

4616۔ (قولہ: أَلَمْ تَرَ ۔ أَوْ ۔ تَبَّتْ) یعنی الٹ پڑھا یا چھوٹی سورت کے ساتھ فاصلہ کیا۔ ''طحطاوی''۔

4617۔ (قولہ: ثُمَّ ذَكَرَ يُتِمُّ) اس سے یہ فائدہ ظاہر فرمایا کہ الٹ پڑھنا یا چھوٹی سورت کے ساتھ فاصلہ کرنا مکروہ ہے جب کہ وہ ارادۃً ایسا کرے اگر سہواً ایسا ہو جائے تو مکروہ نہیں جیسا کہ ''شرح المنیہ'' میں ہے۔ اور جب کراہت منتفی ہوئی تو اس سورت سے اعراض کرنا جس میں شروع ہو چکا ہے مناسب نہیں۔ اور ''الخلاصہ'' میں ہے: کسی نے ایک سورت کو شروع کیا اور اس کا قصد دوسری سورت تھی۔ پھر جب ایک آیت پڑھی یا دو آیتیں پڑھیں تو اس نے اس سورت کو چھوڑنے اور اس سورت کو شروع کرنے کا ارادہ کیا جس کا پہلے ارادہ کیا تھا تو یہ مکروہ ہے۔ اور ''الفتح'' میں ہے: اگرچہ پڑھا گیا ایک حرف ہو۔

4618۔ (قولہ: وَلَا يُكْرَهُ فِي النَّفْلِ شَيْءٌ مِنْ ذَلِكَ) اس کو ''الفتح'' میں ''الخلاصہ'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ پھر فرمایا: میرے نزدیک اس کلیہ میں نظر ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو ایک سورت سے دوسری سورت کی طرف منتقل ہونے سے منع فرمایا۔ اور اسے فرمایا: جب تو کوئی سورت شروع کرے تو اسے مکمل کر (1)، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تھا کہ وہ تہجد میں ایک سورت سے دوسری سورت کی طرف منتقل ہو رہے ہیں۔

''حلبی'' نے بھی اس پر اعتراض کیا ہے ''کہ فقہا نے نص قائم فرمائی ہے کہ ترتیب پر قراءت، قراءت کے واجبات میں سے ہے۔ اگر نماز سے باہر ایسا کرے تو بھی مکروہ ہے تو نفل میں کیسے مکروہ نہ ہوگا؟ '' ''تامل''۔ امام ''طحطاوی'' نے اس طرح جواب دیا ہے کہ نفل میں وسعت ہے ان میں سے ہر ایک رکعت مستقل فعل کے قائم مقام ہے۔ پس یہ اس طرح ہوگا جیسے کسی انسان نے ایک سورت پڑھی پھر خاموش ہو گیا پھر اس سے اوپر والی سورت پڑھی تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

4619۔ (قولہ: وَثَلَاثٌ) اسی طرح بعض نسخوں میں ہے اس بنا پر کہ مضاف کی تقدیر کے ساتھ یہ مبتدا ہے اور اس کا مابعد خبر ہے یعنی قراۃ ثلاث آیات الخ اور بعض نسخوں میں و بثلاث با کی زیادتی کے ساتھ ہے۔ ''حلبی'' نے کہا: یہ الصلوۃ بثلاث آیاتٍ کی تقدیر میں ہے۔

4620۔ (قولہ: أَفْضَلُ) شاید چیلنج اور اعجاز اس مقدار کے ساتھ واقع ہوا ہے نہ کہ آیت کے ساتھ اور افضلیت کثرۃ ثواب کی طرف لوٹتی ہے۔ ''طحطاوی''۔

1۔ الاتقان للسیوطی النوع الخامس والثلاثون فی اداب تلاوتہ، جلد 1، صفحہ 385

وَفِي سُورَةٍ وَبَعْضِ سُورَةٍ الْعِبْرَةُ لِلْأَكْثَرِ، وَبَسَطْنَاهُ فِي الْخَزَائِنِ واللہ اعلم
اور سورت میں اور بعض سورۃ میں اکثر کا اعتبار ہے۔ہم نے ''الخزائن'' میں فروع کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

4621۔(قولہ: وَفِي سُورَةٍ) خبر مقدم ہے اور العبرۃ للاکثر مبتدا موخر ہے یعنی اکثر آیات کا [illegible] ہے جیسا کہ ''شرح المنیہ'' میں ''الخانیہ'' کے حوالہ سے ہے۔

4622۔(قولہ: وَبَسَطْنَاهُ فِي الْخَزَائِنِ) یعنی جو فروع یہاں ذکر کی گئی ہیں ان پر کچھ زیادتی کے ساتھ کلام کے درمیان میں تفصیل لکھی ہے۔اور نماز کے اندر اور نماز سے باہر قراءت کے احکام کے مکمل مسائل ''شرح المنیہ'' میں تفصیل کے ساتھ ہیں اور ان میں سے بعض ''فتح القدیر'' میں ہیں۔اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

بَابُ الْإِمَامَةِ

هِيَ صُغْرَى وَكُبْرَى؛ فَالْكُبْرَى اسْتِحْقَاقُ تَصَرُّفٍ عَامٍّ عَلَى الْأَنَامِ، وَتَحْقِيقُهُ فِي عِلْمِ الْكَلَامِ، وَنَصْبُهُ أَهَمُّ الْوَاجِبَاتِ،

امامت کے احکام

امامت کی دو قسمیں ہیں امامت صغریٰ اور امامت کبریٰ۔ امامت کبریٰ لوگوں پر عام تصرف کا استحقاق ہے اور اس کی تحقیق علم الکلام میں ہے۔ اور امام کا مقرر کرنا اہم ترین واجبات میں سے ہے۔

امامت تیرے قول فلان ام الناس کا مصدر ہے وہ لوگوں کا امام بن گیا لوگ صرف نماز میں اس کی اتباع کرتے ہیں یا نماز میں اور اس کے اوامر و نواہی میں اس کی اتباع کرتے ہیں۔ پہلی صورت میں وہ امامت صغریٰ والا ہوگا اور دوسری میں امامت کبریٰ والا ہوگا۔ اور یہاں باب امامت صغریٰ کے لئے باندھا گیا ہے۔ جب امامت کبریٰ حقیقۃ مباحث فقہیہ میں سے تھی کیونکہ اس کا قیام فروض کفایہ میں سے ہے اور امامت صغریٰ اس کے تابع ہے اور اس پر مبنی ہے تو یہاں اس کی مباحث میں سے کچھ کا ذکر کیا اور علم الکلام میں اس کی تفصیل ہے اگرچہ یہ امامت کبریٰ علم کلام میں سے نہیں ہے بلکہ یہ اس کے متممات سے ہے۔ کیونکہ اس میں اہل بدعت کی طرف سے اعتقادات فاسدہ کا ظہور ہوا ہے جیسے خلفاء راشدین پر طعن وغیرہ۔

4623۔ (قولہ: فَالْكُبْرَى اسْتِحْقَاقُ تَصَرُّفٍ عَامٍّ عَلَى الْأَنَامِ) یعنی مخلوق پر۔ یہ علی الانام، تصرفِ کے متعلق ہے نہ کہ استحقاق کے متعلق ہے۔ کیونکہ ان پر حق امام کی طاعت ہے نہ کہ اس کا تصرف۔ اور نہ یہ عامٍ کے متعلق ہے کیونکہ متعارف یہ کہنا ہے عام بکذا (یعنی اس کا صلہ با آتا ہے) عام علیہ نہیں کہا جاتا۔ ''المقاصد'' میں اس کی تعریف اس طرح لکھی ہے: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلافت کے طور پر دین و دنیا میں ریاست عامہ ہے۔ تاکہ نبوت خارج ہو جائے۔ لیکن حقیقت میں نبوت داخل نہیں ہے۔ کیونکہ نبوت، شرع کے ساتھ بعثت ہے جیسا کہ نبی کی تعریف سے معلوم ہوا ہے۔ اور نبی کا تصرف عام کا استحقاق، نبوت پر مترتب امامت ہے۔ پس تعریف میں یہ داخل ہے وہ داخل نہیں جس پر وہ مترتب ہے یعنی نبوت۔ عموم کی قید سے قضا اور امارت خارج ہو گئے۔ جب ریاست صرف اور صرف تصرف کا استحقاق ہے...... کیونکہ امام کو اہل حل وعقد کے قائم کرنے کا معنی صرف اس استحقاق کو ثابت کرنا ہے...... تو استحقاق سے تعبیر فرمایا اسی طرح العلامہ ''الکمال بن ابی شریف'' نے المحقق ''الکمال بن الہمام'' کی کتاب ''المسایرہ'' پر شرح میں ذکر کیا ہے۔

4624۔ (قولہ: وَنَصْبُهُ) یعنی امام جو مقام سے مفہوم ہے۔

4625۔ (قولہ: أَهَمُّ الْوَاجِبَاتِ) یعنی واجبات میں سے اہم ترین واجب ہے کیونکہ بہت سے واجبات شرعیہ اس پر

فَلِذَا قَدَّمُوهُ عَلَى دَفْنِ صَاحِبِ الْمُعْجِزَاتِ وَيُشْتَرَطُ كَوْنُهُ مُسْلِمًا حُرًّا ذَكَرًا عَاقِلًا بَالِغًا قَادِرًا، قُرَشِيًّا لَا هَاشِمِيًّا عَلَوِيًّا، مَعْصُومًا

پس اسی وجہ سے صحابہ کرام نے صاحب المعجزات صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن پر اس کو مقدم کیا۔ امام کے لئے مسلمان ہونا، آزاد ہونا، مذکر ہونا، عاقل، بالغ ہونا، قادر ہونا، قریشی ہونا شرط ہے، ہاشمی، علوی اور معصوم ہونا شرط نہیں۔

موقوف ہیں۔ اسی وجہ سے ''العقائد النسفیہ'' میں فرمایا: مسلمانوں کے لئے ایک امام کا ہونا ضروری ہے جو ان کے احکام کی تنفیذ، اور حدود کا قیام، سرحدوں کی حفاظت، لشکروں کی تیاری، ان کے صدقات کو لینے، متغلب، چور، ڈاکوؤں پر جبر کرنے، جمعوں اور اعیاد کو قائم کرنے حقوق پر قائم شہادتوں کو قبول کرنے چھوٹے بچوں اور بچیوں کا نکاح کرنے جن کے اولیاء نہیں ہوتے، مال غنیمت تقسیم کرنے کا اہتمام کرے۔

4626۔ (قولہ: فَلِذَا قَدَّمُوهُ الخ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سوموار کے دن وصال ہوا اور منگل کے دن یا بدھ کی رات یا بدھ کے دن دفن کیا گیا۔ یہ ''الحلبی'' نے ''المواہب'' کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ یہ سنت اب تک باقی ہے خلیفہ دفن نہیں کیا گیا حتیٰ کہ دوسرا والی بنایا گیا۔ ''طحطاوی''۔

امامت کبریٰ کی شرائط

4627۔ (قولہ: وَيُشْتَرَطُ كَوْنُهُ مُسْلِمًا) یعنی کیونکہ کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں ہوتی (اس لئے کافر امام نہیں بن سکتا) غلام کو اپنی ذات پر ولایت نہیں ہوتی تو اسے دوسروں پر کیسے ولایت ہوسکتی ہے۔ ولایت متعدیہ ولایت قائمہ کی فرع ہے۔ اور اس کی مثل بچہ اور مجنون ہے۔ اور عورتوں کو گھروں میں ٹھہرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پس ان کی حالت کی بنیاد پردے پر ہے۔ اس کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا: جہاں فرمایا وہ قوم کیسے کامیاب ہوسکتی ہے عورت جن کی سربراہ ہوتی ہے(1)۔

اور قادرًا کا قول اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ احکام کو نافذ کرنے، ظالم سے مظلوم کو انصاف دلانے، سرحدوں کی حفاظت کرنے اور حدود، اسلام کی حفاظت کرنے اور لشکروں کو چلانے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اور قرشیًا کا قول اس لئے فرمایا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الائمہ من قریش (2)۔ امام قریش سے ہوں گے۔ اس حدیث کی وجہ سے انصار نے خلافت چھوڑ دی تھی اس سے الضراریۃ کا قول باطل ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ امامت قریش کے علاوہ میں بھی ہوسکتی ہے۔ اور یہ قول قرشیًا، الکعبیہ فرقہ کے قول کو بھی باطل کرتا ہے کہ قرشی امامت کا زیادہ مستحق ہے۔ یہ تمام ''حلبی'' نے ''شرح عمدۃ النسفی'' کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔

4628۔ (قولہ: لَا هَاشِمِيًّا) یعنی ہاشمی ہونا شرط نہیں یعنی ہاشم کی اولاد سے ہونا شرط نہیں جیسا کہ شیعہ حضرات نے

1۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی کسری و قیصر، جلد 2، صفحہ 766، حدیث نمبر 4072

2۔ سنن کبریٰ للبیہقی، الائمۃ من قریش، جلد 8، صفحہ 143

وَيُكْرَهُ تَقْلِيدُ الْفَاسِقِ وَيُعْزَلُ بِهِ إِلَّا لِفِتْنَةٍ وَيَجِبُ أَنْ يُدْعَى لَهُ بِالصَّلَاحِ

فاسق کی تقلید مکروہ ہے اور فسق کے ساتھ وہ معزول کیا جائے گا مگر فتنہ (کے بڑھنے) کی وجہ سے (اسے معزول نہیں کیا جائے گا) اور اس کے لئے صلاح کی دعا کی جائے گی

حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی امامت کی نفی کرنے کے لئے کہا ہے۔ ولا علویا یعنی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہونا شرط نہیں ہے جیسا کہ بعض شیعوں نے بنی عباس کی خلافت کی نفی کرنے کے لئے کہا ہے ولا معصوما یعنی معصوم ہونا شرط نہیں ہے جیسا کہ اسماعیلیہ اور اثناء عشریہ یعنی امامیہ نے کہا ہے۔ اسی طرح شرح المقاصد میں ہے۔ بہتر لا کا تکرار تھا تا کہ ظاہر ہوتا کہ ان تینوں میں سے ہر ایک علیحدہ قول ہے کیونکہ شارح کی عبارت یہ وہم پیدا کرتی ہے کہ یہ ایک قول ہے۔ ''حلبی''۔

فاسق کی تقلید کا حکم

4629۔ (قولہ: وَيُكْرَهُ تَقْلِيدُ الْفَاسِقِ) یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ امام کے لئے عدالت شرط نہیں ہے جبکہ ''المسایرہ'' میں عدالت کو شروط سے شمار کیا ہے اور امام ''غزالی'' کی تبع میں اس کو ورع (تقویٰ) سے تعبیر کیا ہے۔ اور شروط میں علم اور کفاءت کا اضافہ کیا ہے۔ فرمایا: ظاہر یہ ہے کہ کفاءت، شجاعت سے اعم ہے۔ یہ اس کے صاحب رائے ہونے اور بہادر ہونے کو منظم کرتی ہے تا کہ قصاص لینے حدود اور حروب واجبہ کو قائم کرنے اور لشکر تیار کرنے سے بزدلی کا مظاہرہ نہ کرے۔ اور یہ شرط یعنی شجاعت، ان شروط سے ہے جو جمہور نے ذکر کی ہیں۔ پھر فرمایا: اکثر علماء نے اصول وفروع میں اجتہاد کا اضافہ کیا ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا: یہ شرط نہیں لگائی جائے گی اور نہ شجاعت کی شرط لگائی جائے گی کیونکہ ایک شخص میں ان امور کا اجتماع نایاب ہے۔ شجاعت اور حکم وغیرہ کے مقتضیات کو دوسروں کی طرف تفویض کرنا ممکن ہے یا فتویٰ کے لئے علماء مقرر کر دے۔ اور احناف کے نزدیک عدالت، امامت کی صحت کے لئے شرط نہیں۔ پس کراہت کے ساتھ فاسق کو امامت سونپنا صحیح ہے۔ اور جب کسی عادل کو امام بنایا گیا ہو پھر وہ ظالم اور فاسق بن گیا ہو تو معزول نہ ہو جائے گا لیکن معزول کرنے کا مستحق ہو گا اگر فتنہ برپا نہ ہوتا ہو۔ اس کے لئے صلاح کی دعا کرنا واجب ہے اور اس پر بغاوت واجب نہیں۔ اسی طرح امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ اور اس کی توجیہ میں تمام علماء احناف کا کلام یہ ہے کہ صحابہ کرام نے بعض بنی امیہ کے پیچھے نماز پڑھی اور ان کی ولایت کو قبول کیا۔ اور اس میں نظر ہے۔ کیونکہ یہ مخفی نہیں کہ بعض بنی امیہ بادشاہ تھے جنہوں نے غلبہ پالیا تھا اور غلبہ پانے والے سے یہ امور ضرورت کی وجہ سے صحیح ہوتے ہیں۔ اور امام کے پیچھے نماز کی صحت کی شرط میں سے اس کا عادل ہونا نہیں ہے۔ اور تغلب کے وقت حالت ایسی ہوتی ہے جیسے والی پایا ہی نہیں جاتا یا پایا تو جاتا ہے لیکن ظالموں کے غلبہ کی وجہ سے اپنی ولایت کو نافذ کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ کلام ''المسایرہ'' للمحقق ''ابن الہمام''۔

4630۔ (قولہ: وَيُعْزَلُ بِهِ) فسق کی وجہ سے معزول کیا جائے گا اگر اس پر فسق طاری ہو جائے۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ وہ معزول ہونے کا مستحق ہو گا جیسا کہ ابھی (سابقہ مقولہ میں) تو نے جان لیا ہے اسی وجہ سے لم ینعزل نہیں کہا (کہ

وَتَصِحُّ سَلْطَنَةُ مُتَغَلِّبٍ لِلضَّرُورَةِ، وَكَذَا صَبِيٌّ وَيَنْبَغِي أَنْ يُفَوَّضَ أُمُورَ التَّقْلِيدِ عَلَى وَالٍ تَابِعٍ لَهُ وَالسُّلْطَانُ
اور ضرورت کی وجہ سے متغلب کی سلطنت صحیح ہے۔ اسی طرح بچے کا حکم ہے۔ مناسب ہے کہ تقلید کے امور ایک والی کے سپرد کئے جائیں جو اس سلطان کے تابع ہو

خود بخود معزول ہو جائے گا)۔

بچے کا اور جبر کی وجہ سے والی بننے والے کا حکم

4631۔(قولہ: وَتَصِحُّ سَلْطَنَةُ مُتَغَلِّبٍ) یعنی جو اہل حل وعقد کی بیعت کرنے کے بغیر غلبہ اور جبر کی وجہ سے والی بن گیا تو اس کی سلطنت صحیح ہے اگر اس میں گزشتہ تمام شرائط پائی جاتی ہوں۔ اس سے یہ فائدہ ظاہر فرمایا کہ اس میں اصل تقلید کے ساتھ امام ہونا ہے۔ ''المسایرہ'' میں فرمایا: امامت کی عقد ثابت ہوتی ہے یا تو خلیفہ اس کو اپنا خلیفہ مقرر کر دے جیسا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا، یا علماء کی جماعت کی بیعت سے، یا اہل رائے اور اہل تدبیر کی جماعت کی بیعت سے عقد امامت قائم ہوتی ہے۔ اور ''الاشعری'' کے نزدیک مشہور علماء میں سے جو صاحب الرائے ہو وہ ایک بیعت کر دے تو کافی ہے گواہوں کے موجود ہونے کی شرط کے ساتھ تاکہ ان کو دور کیا جائے اگر انکار واقع ہو۔ اور معتزلہ نے پانچ آدمیوں کی شرط لگائی ہے۔ اور بعض احناف نے بغیر عدد مخصوص کے جماعت کی شرط لگائی ہے۔

4632۔(قولہ: لِلضَّرُورَةِ) یہ فتنہ کو دور کرنے کے لئے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے ہے: سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر حبشی ناک کٹے غلام کو امیر بنایا جائے (1)۔

4633۔(قولہ: وَكَذَا صَبِيٌّ) یعنی ضرورت کی وجہ سے بچے کی سلطنت صحیح ہے لیکن ظاہر میں حقیقۃً نہیں۔ ''الاشباہ'' میں فرمایا: بچے کی سلطنت ظاہراً صحیح ہے۔ ''البزازیہ'' میں فرمایا: سلطان فوت ہو گیا اور رعیت اس کے چھوٹے بچے کی سلطنت پر راضی ہو گئی تو مناسب ہے کہ امور تقلید ایک والی کے سپرد کئے جائیں اور والی اپنے آپ کو سلطان کے بیٹے کے شرف کی وجہ سے سلطان کے بیٹے کا تابع شمار کرے۔ اور سلطان ظاہر میں بیٹا ہے اور حقیقت میں والی ہے۔ کیونکہ اس کی طرف سے قضا اور جمعہ کی اجازت صحیح نہیں ہوتی جیسے ولایت نہیں ہوتی۔

یعنی یہ والی حقیقت میں اگر سلطان نہ ہو تو اس کا قضا اور جمعہ کا اذن صحیح نہیں ہو گا لیکن یہ کہنا چاہئے کہ وہ (والی) سلطان ہو گا ایک حد تک۔ اور وہ حد بچے کا بالغ ہونا ہے تاکہ سلطان کا بیٹا جب بالغ ہو جائے تو اس کے والی بننے کے وقت والی کے معزول کرنے کی احتیاج نہ ہو۔

4634۔(قولہ: أَنْ يُفَوَّضَ) یہ مجہول کا صیغہ ہے اور اس کا فاعل اہل الحل والعقد ہیں جیسا کہ اس کا بیان (مقولہ 4631 میں) گزر چکا ہے۔ وہ بچہ نہیں کیونکہ تو جان چکا ہے کہ اس کے لئے ولایت نہیں ہے۔ اور یفوض، یلقی کے معنی کو

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب کراہیۃ تاخیر الصلوٰۃ عن وقتہا، جلد 1، صفحہ 649، حدیث نمبر 1079

فِي الرَّسْمِ هُوَ الْوَلَدُ، وَفِي الْحَقِيقَةِ هُوَ الْوَالِي لِعَدَمِ صِحَّةِ إِذْنِهِ بِقَضَاءٍ وَجُمُعَةٍ كَمَا فِي الْأَشْبَاهِ عَنِ الْبَزَّازِيَّةِ وَفِيهَا لَوْ بَلَغَ السُّلْطَانُ أَوِ الْوَالِي يَحْتَاجُ إِلَى تَقْلِيدٍ جَدِيدٍ وَالصُّغْرَى رَبْطُ صَلَاةِ الْمُؤْتَمِّ

اور ظاہر میں سلطان وہ بچہ ہوگا اور حقیقت میں والی ہوگا۔ کیونکہ بچے کی طرف سے قضا اور جمعہ کا اذن صحیح نہیں ہے جیسا کہ ''الاشباہ'' میں ''البزازیہ'' کے حوالہ سے ہے۔ اور ''الاشباہ'' میں ہے کہ اگر سلطان یا والی بالغ ہو تو اسے نئے سرے سے حاکم بنانے کی ضرورت ہے۔ اور امامت صغریٰ دس شروط کے ساتھ مقتدی کی نماز کا

متضمن ہے اس لئے علی کے صلہ کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے۔ اور یفوص، الی کے ساتھ متعدی ہوتا ہے۔

4635۔ (قولہ: فِي الرَّسْمِ) یعنی ظاہر اور صورت میں۔

4636۔ (قولہ: كَمَا فِي الْأَشْبَاهِ) یعنی بچوں کے احکام میں۔ تو نے ان کی عبارت جان لی ہے۔

4637۔ (قولہ: وَفِيهَا) یعنی ''الاشباہ'' میں ''البزازیہ'' کے حوالہ سے یہ بھی ہے۔ یہ انہوں نے گزشتہ عبارت کے تقریباً ایک ورقہ بعد ذکر کیا ہے۔ ''الحموی'' نے ذکر کیا ہے کہ نئے سرے سے اس کو سلطان بنانا اس کے بالغ ہونے کے بعد نہیں ہوگا مگر جب وہ والی اپنے آپ کو معزول کر دے۔ کیونکہ سلطان خود بخود معزول نہیں ہوتا مگر اپنے آپ کو معزول کرنے کے ساتھ اور یہ واقع نہیں ہوتا۔

میں کہتا ہوں: یہ کہا جاتا ہے کہ اس والی کی سلطنت مطلقہ نہیں ہے بلکہ وہ سلطان کے بیٹے کی صغرسنی کی مدت کے ساتھ مقید ہے۔ جب وہ بالغ ہوگا تو اس والی کی سلطنت مکمل ہو جائے گی جیسا کہ ہم نے ابھی (مقولہ 4633 میں) کہا ہے۔

4638۔ (قولہ: رَبْطُ الخ) صاحب ''النہر'' نے اپنے بھائی صاحب ''البحر'' کے حوالہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ اور اس سے صرف اقتدا کی تعریف ظاہر ہوتی ہے۔ یہ اس لئے کیونکہ الامامۃ فعل مجہول کا مصدر ہے کیونکہ امام کی اتباع کی جاتی ہے۔ اور اس پر دلیل ''ابن عرفہ'' کی امامت کی تعریف ہے کہ امامت، امام کی نماز کے جز میں امام کی اتباع کرنا ہے یعنی یعنی ان یتبع، بفتح الباء اتباع کیا جاتا ہے۔ رہا ربط جو ذکر کیا گیا ہے اگر رَبَطَ معروف فعل کا مصدر ہو تو وہ مقتدی کی صفت ہے۔ پس یہ اقتدا کے معنی میں ہوگا اگر مجہول فعل کا مصدر ہو تو یہ مقتدی کی نماز کی صفت ہے۔ کیونکہ نماز مربوط کی گئی ہے۔ ہر حال پر یہ امامت کی تعریف کی صلاحیت نہیں رکھتا بلکہ یہ اقتدا کی تعریف کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ''طحطاوی عن حلبی''۔

اور میں کہتا ہوں: ربط کا تیسرا معنی باقی ہے اور وہی مراد ہے۔ اس کے ساتھ اعتراض اٹھ جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ مصدر کا حاصل معنی مراد ہے اور وہ ارتباط ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ امام، امام نہیں بنتا مگر جب مقتدی اپنی نماز کو اس کی نماز سے مربوط کرتا ہے۔ پس یہ ارتباط ہی امامت کی حقیقت ہے۔ اور یہی اس اقتدا کی غایت ہے جو الربط بمعنی فاعل ہے۔ کیونکہ جب مقتدی اپنی نماز کو اپنے امام کی نماز سے مربوط کرتا ہے تو اسے اقتدا اور اہتمام کی صفت حاصل ہوتی ہے۔ اور اس کے امام کو اس امامت کی صفت حاصل ہوتی ہے جو الارتباط ہے۔ یہ میرے قاصر فہم کے لئے ظاہر ہوا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

بِالْإِمَامِ بِشُرُوطٍ عَشَرَةٍ
امام کے ساتھ منسلک ہونا ہے۔

امام اور مقتدی کی شرائط

4639۔ (قولہ: بِشُرُوطٍ عَشَرَةٍ) حقیقت میں یہ شروط اقتدا کی شروط ہیں۔ رہی امامت کی شروط تو ''نور الایضاح'' میں انہیں علیحدہ شمار کیا ہے۔ اور فرمایا: صحیح مردوں کے لئے امامت کی شروط چھ اشیاء ہیں۔ (1) اسلام، (2) بلوغ، (3) عقل، (4) مذکر ہونا، (5) قراءت، (6) اور اعذار سے سلامت ہونا جیسے نکسیر، زبان سے فافا، تا تا کا نکلنا، توتلا ہونا اور کسی شرط کا مفقود ہونا جیسے طہارت اور ستر عورت۔

الرجال الاصحاء کے الفاظ سے صحیح عورتوں سے احتراز کیا۔ عورتوں کے امام کے لئے مذکر ہونا شرط نہیں اور بچوں سے احتراز فرمایا۔ پس بچوں کے امام کے لئے بلوغت شرط نہیں۔ اور غیر صحیح لوگوں سے احتراز فرمایا ان کے امام کے لئے شرط نہیں۔ لیکن یہ شرط ہے کہ امام کی حالت مقتدی کی حالت سے زیادہ قوی ہو یا برابر ہو۔ ''حلبی''۔

میں کہتا ہوں: جو ہم نے پہلے (سابقہ مقولہ میں) بیان کیا ہے اسے تو نے جان لیا کہ امامت اقتدا کی غایت ہے جب اقتدا صحیح نہ ہوگی تو امامت بھی ثابت نہ ہوگی۔ پس دس شروط جو الشارح نے ذکر کی ہیں وہ امامت کے لئے بھی شروط ہوں گی کیونکہ امامت ان شروط پر موقوف ہے جیسا کہ مذکورہ چھ شروط اقتدا کی شروط ہونے کی بھی صلاحیت رکھتی ہیں۔ کیونکہ ان کے بغیر اقتدا صحیح نہیں ہے۔ پس یہ تمام امامت اور اقتدا میں سے ہر ایک کے لئے شروط ہیں۔ لیکن جب دس مقتدی کے ساتھ قائم ہیں اور چھ امام کے ساتھ قائم ہیں تو دس کو اقتدا کے لئے شرائط بنانا اور چھ کو امامت کے لئے شرائط بنانا بہتر ہے۔ اس مقام کی تحریر کو غنیمت سمجھ میں نے ان شروط کو اس طرح نظم کیا ہے۔ میں نے کہا:

شروطُ اقتداءٍ عشرةٌ قد نظمتُها ... بشعر کعقد الدُّرِّ جاءِ منضدا
تاخرُ مؤتم و علمُ انتقال من ... به ائتم مع کون المکانین واحدا
و کون امام لیس دون تبیعهِ ... بشرط و ارکان و نیةُ الاقتداء
مشارکةٌ فی کل رکن و علمه ... بحال امام حل ام سار مبعدا
وان لا تحاذیه التی معه اقتدت ... و صحة ما صلی الامام من ابتدا
کذاك اتحاد الفرض هذا تمامها ... و ست شروط للامامة فی المدا
بلوغٌ و اسلامٌ و عقلٌ ذکورةٌ ... قرأةُ معجز فقدُ عذر به بدا

اقتداء کی شروط دس ہیں۔ میں نے ان کو شعر کے ساتھ نظم کیا ہے جیسے موتیوں کا ہار ہوتا ہے جس کے موتی ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں، مقتدی کو امام کی حالت انتقال کا علم ہونا، دونوں کے مکان کا ایک ہونا، امام کا ارکان اور کسی شرط میں اپنے مقتدی سے کم نہ ہونا، اقتدا کی نیت کرنا، ہر رکن میں شریک ہونا اور مقتدی کو امام کی حالت کا علم ہونا، نیچے گیا ہے یا اوپر

نِيَّةُ الْمُؤْتَمِّ الِاقْتِدَاءَ، وَاتِّحَادِ مَكَانِهِمَا وَصَلَاتِهِمَا، وَصِحَّةِ صَلَاةِ إِمَامِهِ،
(1) مقتدی کا اقتدا کی نیت کرنا۔ (2) دونوں کی جگہ ایک ہو۔ (3) اور نماز کا متحد ہونا۔ (4) امام کی نماز کا صحیح ہونا۔

اٹھا ہے، اس کے لئے جو دور ہو۔ اور جس عورت نے امام کی اقتدا کی ہے وہ اس کے برابر کھڑی نہ ہو اور ابتدا سے امام نے جو نماز پڑھی ہے اس کا صحیح ہونا۔ اسی طرح فرض میں متحد ہونا یہ دس مکمل ہیں اور چھ شروط امام کے لئے ہیں۔ المداء میں ہے بالغ ہونا، مسلمان ہونا، عاقل ہونا، مذکر ہونا، کافی قراءت کا ہونا اور عذر کا نہ ہونا۔

4640۔ (قولہ: نِيَّةُ الْمُؤْتَمِّ) یعنی مقتدی کے لئے امام کی اقتدا کی نیت کرنا یا نماز میں اس کی اقتدا کی نیت کرنا یا نماز میں شروع ہونے کی نیت کرنا، یا نماز میں دخول کی نیت کرنا بخلاف امام کی نماز کی نیت کے۔ نیت کی شرط یہ ہے کہ وہ تکبیر تحریمہ سے متصل ہو یا اس سے مقدم ہو بشرطیکہ نیت اور تکبیر تحریمہ کے درمیان اجنبی فاصل نہ ہو جیسا کہ نیت کی وضاحت میں (مقولہ 4930 میں) گزر چکا ہے۔ ''حلبی''۔

4641۔ (قولہ: وَاتِّحَادُ مَكَانِهِمَا) اگر کوئی شخص سوار کی اقتدا کرے یا اس کا برعکس ہو یا سوار، دوسری سواری پر سوار کی اقتدا کرے تو اقتدا صحیح نہ ہوگی کیونکہ مکان مختلف تھا۔ پس اگر دونوں ایک سواری پر ہوں تو مکان کے ایک ہونے کی وجہ سے اقتدا صحیح ہوگی جیسا کہ ''الامداد'' میں ہے اور آئندہ آئے گا۔ رہا یہ کہ جب امام اور مقتدی کے درمیان دیوار ہو تو آئندہ آئے گا کہ معتمد اشتباہ کا اعتبار ہے نہ کہ مکان کے اتحاد کا اعتبار ہے۔ پس و علمه بانتقالاته کے قول سے خارج ہو گیا۔ اس مسئلہ کی تحقیق ایسی عبارت کے ساتھ آئندہ آئے گی کہ مزید کی گنجائش نہ ہوگی۔

4642۔ (قولہ: وَصَلَاتِهِمَا) یعنی امام اور مقتدی کی نماز کا متحد ہونا۔ ''البحر'' میں فرمایا: اتحاد یہ ہے کہ امام کی نماز کی نیت کے ساتھ مقتدی کا نماز میں داخل ہونا ممکن ہو پس امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن ہوتی ہے۔

نفل پڑھنے والے کی اقتدا فرض پڑھنے والے میں داخل ہے۔ کیونکہ جس پر فرض نہیں ہے اگر فرض پڑھنے والے امام کی نماز کی نیت کرے تو نفلا اس کی نماز صحیح ہوگی۔ نیز نفل مطلق میں فرض مقید ہے۔ مطلق، مقید کا جز ہے پس وہ اس کے متغایر نہیں ہے جیسا کہ ''شرح المنیہ'' میں ہے۔ ''نور الایضاح'' میں اس کو اس طرح تعبیر کیا ہے کہ ان لا یکون مصلیا فرضا غیر فرضه یہ شارح کی عبارت سے بہتر ہے۔

4643۔ (قولہ: وَصِحَّةُ صَلَاةِ إِمَامِهِ) اگر امام کی نماز کا فساد، امام کے فسق کی وجہ سے ظاہر ہو یا مسح کی مدۃ کے گزرنے کو بھول جانے کی وجہ سے اس کا فساد ظاہر ہو یا حدث یا اس کے علاوہ کسی وجہ سے اس کا فساد ظاہر ہو تو بنا کی صحت کے معدوم ہونے کی وجہ سے مقتدی کی نماز صحیح نہ ہوگی۔ اور اسی طرح اگر امام کے خیال میں نماز صحیح ہو اور مقتدی کے نظریہ میں فاسد ہو تو مقتدی کی نماز نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کے نظریہ میں فاسد پر امام کی نماز کی بنا ہے۔ پس نماز صحیح نہ ہوگی۔ اس میں اختلاف ہے۔ تمام صورتوں کو صحیح بھی کہا گیا ہے۔ رہا یہ کہ اگر امام کے نظریہ میں نماز فاسد ہو جبکہ وہ اس کو جانتا نہ ہو اور مقتدی کو اس کی اس حالت کا علم ہو تو اکثر کے نزدیک صحیح ہے۔ اور یہی قول اصح ہے۔ کیونکہ مقتدی امام کی نماز کے جواز کا نظریہ رکھتا ہے اور اس

وَعَدَمِ مُحَاذَاةِ امْرَأَةٍ، وَعَدَمِ تَقَدُّمِهِ عَلَيْهِ بِعَقِبِهِ، وَعِلْمِهِ بِانْتِقَالَاتِهِ وَبِحَالِهِ مِنْ إِقَامَةٍ وَسَفَرٍ، وَمُشَارَكَتِهِ فِي الْأَرْكَانِ، وَكَوْنِهِ مِثْلَهُ أَوْ دُونَهُ فِيهَا،

(5) عورت کا برابر کھڑا نہ ہونا۔ (6) مقتدی کا اپنی ایڑی کے ساتھ امام سے مقدم نہ ہونا۔ (7) امام کے انتقالات کا مقتدی کو علم ہونا۔ (8) امام کی حالت اقامت اور سفر کا علم ہونا۔ (9) ارکان میں امام سے شریک ہونا۔ (10) ارکان میں اور نماز میں مقتدی کا امام کی مثل ہونا یا اس سے کم درجہ ہونا۔

کے حق میں معتبر اس کی اپنی رائے ہے۔ ''رحمتی''۔

4644۔ (قولہ: وَعَدَمُ مُحَاذَاةِ امْرَأَةٍ) آئندہ شروط کے ساتھ عورت کے مرد کے برابر کھڑا نہ ہونا۔

4645۔ (قولہ: وَعَدَمُ تَقَدُّمِهِ عَلَيْهِ بِعَقِبِهِ) اگر مقتدی اپنی ایڑی کو امام کے برابر رکھے تو جائز ہے اگرچہ مقتدی کی انگلیاں آگے بھی ہوں مقتدی کے پاؤں کی ایڑی کے امام کے پاؤں سے بڑا ہونے کی وجہ سے جبکہ قدم کا اکثر حصہ مقدم نہ ہو۔ جیسا کہ آگے (مقولہ 4792 میں) آئے گا۔ اور ''امداد الفتاح'' میں ہے: امام اپنی ایڑی کے ساتھ مقتدی کی ایڑی سے مقدم ہوتا ہے۔ یہ اقتدا کی صحت کے لئے شرط ہے حتیٰ کہ اگر مقتدی کی ایڑی امام کی ایڑھی سے مقدم نہ ہو لیکن اس کا پاؤں بہت لمبا ہو۔ پس اس کی انگلیاں امام کی انگلیوں سے آگے ہوں تو جائز ہے جیسا کہ اگر مقتدی اپنے امام سے لمبا ہو وہ اپنے امام سے آگے سجدہ کرے۔ اور حتی کا قول آخر تک مساوات کو شامل ہے۔ پس متن میں تقدم کا لفظ غیر مقصود ہے۔ ''رحمتی''۔

4646۔ (قولہ: وَعِلْمُهُ بِانْتِقَالَاتِهِ) یعنی سننے یا امام کو دیکھنے یا بعض مقتدیوں کو دیکھنے کی وجہ سے علم ہو ''رحمتی''۔ اگرچہ مکان ایک نہ ہو۔ ''طحطاوی''۔

4647۔ (قولہ: وَبِحَالِهِ الخ) یعنی مقتدی کو اپنے امام کی حالت کا علم ہو کہ وہ مقیم ہے یا مسافر ہے۔ فراغت سے پہلے یا فراغت کے بعد۔ یہ اس صورت میں ہے کہ اگر شہر یا دیہات میں چار رکعتوں والی نماز میں دو رکعتیں پڑھیں۔ پس اگر شہر اور قریہ سے باہر ہے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ وہ مسافر ہے۔ پس اس کو سہو پر محمول نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر اس نے مطلق اقتدا کی۔ اس کی مکمل بحث ان شاء اللہ (مقولہ 6416 میں) صلاۃ المسافر میں آئے گی۔

4648۔ (قولہ: وَمُشَارَكَتُهُ فِي الْأَرْكَانِ) یعنی نماز کے فعل کے اصل میں شریک ہو یہ اس سے اعم ہے کہ وہ امام کے ساتھ ارکان کو ادا کرے یا اس کے بعد ادا کرے۔ نہ کہ اس سے پہلے ادا کرے۔ مگر جب وہ اپنے امام کو اس رکن میں پالے۔ پہلا ظاہر ہے اور دوسرا جیسا کہ اگر امام نے رکوع کیا اور سر اٹھالیا پھر مقتدی نے رکوع کیا تو اس کی اقتدا صحیح ہوگی اور تیسرا اس کے برعکس ہے تو اقتدا صحیح نہ ہوگی مگر جب رکوع کرے اور رکوع میں باقی ہو حتیٰ کہ اس کا امام اس کو رکوع میں پائے تو اس متابعت کے وجود کی وجہ سے اقتدا صحیح ہوگی، جو اقتدا کی حقیقت ہے۔ ہم نے (مقولہ 4023 میں) واجبات الصلوٰۃ کے آخر میں متابعت پر کلام کی تحقیق کی ہے ادھر رجوع کرو۔

4649۔ (قولہ: وَكَوْنُهُ مِثْلَهُ أَوْ دُونَهُ فِيهَا) یعنی ارکان میں اس کی مثل ہو یا اس سے کم ہو۔ پہلے کی مثال رکوع

وَفِي الشَّرَائِطِ كَمَا بُسِطَ فِي الْبَحْرِ، قِيلَ وَثُبُوتُهَا بِ (ارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ) وَمِنْ حِكْمَتِهَا نِظَامُ الْأُلْفَةِ وَتَعَلُّمُ الْجَاهِلِ مِنَ الْعَالِمِ (هِيَ أَفْضَلُ مِنَ الْأَذَانِ) عِنْدَنَا
جیسا کہ ''البحر'' میں تفصیل سے ہے۔ اور بعض علما نے فرمایا: اور امامت کا ثبوت، وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو) سے ہے اور اس امامت کی حکمت الفت کا نظام ہے اور جاہل کا عالم سے سیکھنا ہے۔ امامت ہمارے نزدیک اذان سے افضل ہے۔

اور سجدہ کرنے والے کا اپنے جیسے کی اقتدا کرنا۔ اور رکوع وسجود کا اشارہ کرنے والا اس کی مثل ہے اور دوسرے کی مثال اشارہ کرنے والے کا رکوع وسجود کرنے والے کی اقتدا کرنا۔ اس سے اقوی حالت میں ہونے سے احتراز کیا ہے جیسے رکوع وسجود کرنے والے کا اشارہ کے ساتھ نماز پڑھنے والے کی اقتدا کرنا۔ ''حلبی''۔

4650۔ (قولہ: وَفِي الشَّرَائِطِ) اس کا فیھا پر عطف ہے یعنی مقتدی کا شرائط میں امام کی مثل ہونا یا اس سے کم ہو۔ پہلے کی مثال، تمام شرائط کے جامع کا اپنے جیسے کی اقتدا کرنا اور برہنہ شخص کا برہنہ کی اقتدا کرنا اور دوسرے کی مثال برہنہ شخص کا کپڑے پہننے والے کی اقتدا کرنا۔ اس سے شرائط میں مقتدی کا اقویٰ حالت میں ہونے سے احتراز کیا ہے جیسے کپڑے پہننے والے کا برہنہ کی اقتدا کرنا۔ ''حلبی''۔

میں کہتا ہوں: ''القنیہ'' میں تاسیس النظر کے حوالے سے ہے: آزاد عورت کا ننگے سر لونڈی کی اقتدا کرنا جائز ہونا چاہئے کیونکہ لونڈی کے حق میں سر شرمگاہ نہیں ہے۔ پس وہ مرد کے سر کی طرح ہے۔ تامل۔

4651۔ (قولہ: كَمَا بُسِطَ فِي الْبَحْرِ) اس سے مراد وہ ہے جو انہوں نے دس شروط ذکر کی ہیں۔ لیکن یہ ''البحر'' کے اصل نسخوں میں موجود نہیں ہیں یہ اس کے بعض نسخوں کے حاشیہ میں موجود ہیں جو مؤلف کے خط کی طرف منسوب ہے۔

امامت کا ثبوت

4652۔ (قولہ: قِيلَ وَثُبُوتُهَا الخ) اور بعض علما نے فرمایا: اس کا معنی ہے جھکنے والوں کے ساتھ جھکو۔ جیسا کہ ''تفسیر البیضاوی'' میں ہے۔ ''حلبی''۔

امام کی حکمت اور افضلیت

4653۔ (قولہ: نِظَامُ الْأُلْفَةِ) نماز کے اوقات میں پڑوسیوں کے درمیان ملاقات کے حصول کی وجہ سے الفت کا نظام پیدا ہوتا ہے۔ ''البحر''۔

الالفۃ، ھمزہ کے ضمہ کے ساتھ الائتلاف کا اسم ہے۔ ''حلبی عن القاموس''۔

4654۔ (قولہ: هِيَ أَفْضَلُ مِنَ الْأَذَانِ) یعنی معتمد قول پر۔ بعض نے اس کے الٹ کہا ہے۔ بعض نے مساوات کا قول کیا ہے۔

خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ قَالَهُ الْعَيْنِيُّ، وَقَوْلُ عُمَرَ لَوْلَا الْخِلَافَةُ لَأَذَّنْتُ أَيْ مَعَ الْإِمَامَةِ، إِذْ الْجَمْعُ أَفْضَلُ وَقَالَ بَعْضُهُمْ أَخَافُ إِنْ تَرَكْتُ الْفَاتِحَةَ أَنْ يُعَاتِبَنِي الشَّافِعِيُّ أَوْ قَرَأْتُهَا يُعَاتِبُنِي أَبُو حَنِيفَةَ فَاخْتَرْتُ الْإِمَامَةَ (وَالْجَمَاعَةُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ لِلرِّجَالِ) قَالَ الزَّاهِدِيُّ أَرَادُوا بِالتَّأْكِيدِ الْوُجُوبَ

امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ اس سے مختلف ہے۔ یہ علامہ ''عینی'' نے کہا ہے۔ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قول کہ اگر خلافت کی مصروفیت نہ ہوتی تو میں اذان دیتا۔ اس کا مطلب ہے امامت کے ساتھ اذان بھی دیتا کیونکہ جمع کرنا افضل ہے۔ بعض نے کہا: میں ڈرتا ہوں اگر فاتحہ ترک کرتا ہوں تو امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ مجھ سے ناراض ہوں گے اور سورۂ فاتحہ پڑھتا ہوں تو امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ ناراض ہوں گے۔ پس میں نے امامت کو اختیار کیا۔ جماعت مردوں کے لئے سنت مؤکدہ ہے۔ ''الزاہدی'' نے کہا: تاکید سے علما نے وجوب مراد لیا ہے

4655۔(قولہ: خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ) (مقولہ 3416 میں) ہم نے باب الآذان میں امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب سے دو تصحیح شدہ قول بیان کئے تھے۔ ایک ہمارے قول کی طرح ہے اور دوسرا اس کے برعکس ہے۔

4656۔(قولہ: وَقَوْلُ عُمَرَ الخ) یعنی اس میں اذان کی افضلیت پر کوئی دلالت نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے مراد دونوں کو جمع کرنا ہے لیکن امور عامہ سے خلیفہ کی مشغولیت اوقات اذان کے مراقبہ سے مانع ہے اسی وجہ سے امامت پر اکتفا کیا۔

4657۔(قولہ: وَقَالَ بَعْضُهُمْ الخ) یہ ''الفخر الرازی'' نے سورۃ المومنون کی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ ''البحر'' میں فرمایا: اس نقل پر اطلاع سے پہلے بعینہ اسی معنی کی وجہ سے میں نے امامت کو اختیار کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا مفاد یہ ہے کہ امامت اقتدا سے افضل ہے۔

جماعت کا شرعی حکم

4658۔(قولہ: قَالَ الزَّاهِدِيُّ الخ) سنیت اور وجوب کے قول کے درمیان یہ توفیق ہے۔ اور بیان یہ ہے کہ ان دونوں اقوال سے مراد ایک ہے۔ جماعت کے ترک کی وجہ سے شدید وعید جو اخبار میں موجود ہے اس سے فقہا کے استدلال کرنے کی وجہ سے۔ ''النہر'' میں ''المفید'' کے حوالہ سے ہے: جماعت واجب ہے اور سنت ہے۔ کیونکہ اس کا وجوب سنیت سے ثابت ہے۔

اور یہ وتر کی سنیت کی روایت کے بارے میں جواب کی طرح ہے کہ ان کا وجوب سنت سے ثابت ہے۔ ''النہر'' میں فرمایا: یہ اس بات پر اتفاق کا تقاضا کرتا ہے کہ بلا عذر اس کا ایک مرتبہ ترک کرنا گناہ کا باعث ہے جبکہ یہ عراقی علما کا قول ہے اور خراسانی علما کے نزدیک وہ گناہگار ہوگا جب ترک کو عادت بنالے گا۔ اسی طرح ''القنیہ'' میں ہے۔

''شرح المنیہ'' میں فرمایا: احکام وجوب پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ بلا عذر جماعت کے تارک کو تعزیر لگائی جاتی ہے اور اس کی شہادت رد کی جاتی ہے اور اس کے پڑوسی اس پر خاموش رہنے سے گنہگار ہوتے ہیں۔ کبھی اس طرح تطبیق دی جاتی ہے

إِلَّا فِي جُمُعَةٍ وَعِيدٍ فَشَرْطٌ وَفِي التَّرَاوِيحِ سُنَّةٌ كِفَايَةٍ، وَفِي وِتْرِ رَمَضَانَ مُسْتَحَبَّةٌ عَلَى قَوْلٍ وَفِي وِتْرِ غَيْرِهِ

مگر جمعہ اور عید میں جماعت شرط ہے۔ اور تراویح میں سنت کفایہ ہے۔ اور رمضان کے وتر میں ایک قول پر جماعت مستحب ہے۔

کہ ہمیشہ ترک کرنے کے ساتھ متقید ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول لا یشهدون الصلوٰة(1) کا ظاہر ہے۔ دوسری حدیث میں ہے یصلون فی بیوتھم (وہ اپنے گھروں میں نماز پڑھتے ہیں (2))۔ مضارع کی اسناد کا ظاہر یہی مفہوم دیتا ہے جیسے بنو فلاں یاکلون البر یعنی ان کی عادت گندم کھانا ہے۔ پس واجب کبھی حاضر ہونا ہے۔ اور سنت مؤکدہ وہ ہوتی ہے مواظبت جس کے قریب ہوتی ہے۔

اس پر وہ اعتراض وارد ہوتا ہے جو ''النہر'' کے حوالہ سے (اس مقولہ میں) گزر چکا ہے مگر یہ جواب دیا جاتا ہے کہ عراقیوں کا قول کہ ''ایک مرتبہ جماعت ترک کرنے سے گنہگار ہوتا ہے''۔ اس قول پر مبنی ہے کہ بعض مشائخ کے نزدیک یہ فرض عین ہے جیسا کہ ''الزیلعی'' وغیرہ نے اس کو نقل کیا ہے یا اس قول پر مبنی ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے جیسا کہ ''القنیہ'' میں ''الطحاوی'' اور ''الکرخی'' اور ایک جماعت سے یہ نقل کیا ہے۔ جب تمام لوگ ایک مرتبہ بلا عذر ترک کریں گے تو گنہگار ہوں گے۔

4659۔ (قولہ: فَشَرْطٌ) یہ عید کے وجوب کے قول پر مبنی ہے۔ رہا اس کی سنیت کا قول تو اس میں جماعت سنت ہوگی جیسا کہ ''الحلبہ'' اور ''البحر'' میں ہے۔ پھر ''البحر'' میں فرمایا: مخفی نہیں کہ جماعت دونوں اقوال میں سے ہر قول پر صحت کی شرط ہے یعنی اس کے وقوع کی صحت کے لئے شرط ہے واجب ہے یا سنت ہے۔ فافہم۔

نماز تراویح، وتر اور نوافل میں جماعت کا شرعی حکم

4660۔ (قولہ: سُنَّةٌ كِفَايَةٍ) یعنی ہر اہل محلہ پر۔ کیونکہ ''منیۃ المصلی'' میں تراویح کی بحث میں ہے کہ تراویح کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا سنت علی سبیل الکفایہ ہے حتیٰ کہ اگر تمام اہل محلہ نے تراویح کی جماعت کو ترک کر دیا تو انہوں نے سنت کو ترک کیا اور اس میں انہوں نے برا کیا۔ اگر لوگوں میں سے ایک مرد پیچھے رہا اور اس نے گھر میں نماز پڑھی تو اس نے فضیلت کو ترک کیا۔

4661۔ (قولہ: عَلَى قَوْلٍ) اور دوسرے قول پر مستحب نہیں ہے بلکہ وتر کو گھر میں اکیلا پڑھے اور ان دونوں اقوال کی تصحیح کی گئی ہے۔ ادراک الفریضہ سے پہلے دوسرے قول کی ترجیح آئے گی کیونکہ وہ مذہب ہے۔

4662۔ (قولہ: وَفِي وِتْرِ غَيْرِهِ) رمضان کے علاوہ وتر کی جماعت کی کراہت ہے یہی مشہور ہے۔ ''القدوری'' نے اپنی مختصر میں یہ ذکر کیا ہے اور اس کے علاوہ میں عدم کراہت ذکر کی ہے۔ ''الحلبہ'' میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ پہلا قول مواظبت پر محمول ہے اور دوسرا کبھی پڑھ لینے پر محمول ہے۔ مکمل بحث (مقولہ 5929 میں) آگے آئے گی۔

1۔ سنن ترمذی، کتاب الصلوٰۃ، باب فیمن یسمع النداء فلا یجیب، جلد 1، صفحہ 166، حدیث نمبر 201

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، فی التشدید فی ترک الجماعۃ، جلد 1، صفحہ 223، حدیث نمبر 462

وَتَطَوُّعٍ عَلَى سَبِيلِ التَّدَاعِي مَكْرُوهَةٌ، وَسَنُحَقِّقُهُ وَيُكْرَهُ تَكْرَارُ الْجَمَاعَةِ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ فِي مَسْجِدِ مَحَلَّةٍ لَا فِي مَسْجِدِ طَرِيقٍ أَوْ مَسْجِدٍ لَا إِمَامَ لَهُ وَلَا مُؤَذِّنَ

رمضان کے علاوہ میں اور دعوت دے کر نوافل میں جماعت مکروہ ہے۔ اور محلہ کی مسجد میں اذان اور اقامت کے ساتھ جماعت کا تکرار مکروہ ہے۔ راستہ کی مسجد میں یا ایسی مسجد میں جس کا امام اور موذن نہ ہو اس میں جماعت کا تکرار مکروہ نہیں ہے۔

4663۔ (قولہ: عَلَى سَبِيلِ التَّدَاعِي) چار یا زیادہ ایک آدمی کی اقتدا کریں۔

4664۔ (قولہ: وَسَنُحَقِّقُهُ) یعنی ادراک الفریضہ سے پہلے ہم (مقولہ 5929 میں) اس کی تحقیق کریں گے۔

''الحلبۃ'' میں فرمایا: رہی چاند گرہن کی نماز میں جماعت، تو اہل مذہب میں سے جم غفیر کے کلام کا ظاہر، اس کی کراہت ہے۔ اور ''شرح الزاہدی'' میں ہے: بعض علما نے فرمایا: ہمارے نزدیک جائز ہے لیکن سنت نہیں ہے۔

مسجد میں جماعت کا تکرار

4665۔ (قولہ: وَيُكْرَهُ) ''الکافی'' کے قول لا یجوز جائز نہیں اور ''المجمع'' کے قول لا یباح مباح نہیں اور ''شرح الجامع الصغیر'' کے قول انہ بدعۃ یہ بدعت کی وجہ سے جماعت کا تکرار مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ ''رسالۃ السندی'' میں ہے۔

4666۔ (قولہ: بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ) ''الخزائن'' میں شارح کی عبارت اس تمام کی جامع ہے جو یہاں ہے۔ اس کی نص یہ ہے: محلہ کی مسجد میں اذان اور اقامت کے ساتھ جماعت کا تکرار مکروہ ہے مگر جب پہلے اس محلہ کے علاوہ دوسرے لوگوں نے اذان اور اقامت کے ساتھ نماز پڑھ لی ہو یا اہل محلہ نے نماز پڑھ لی ہو آہستہ آذان دینے کے ساتھ (تو جماعت کا تکرار مکروہ نہیں)۔ اور اگر اہل محلہ اذان اور اقامت کے بغیر جماعت کا تکرار کریں یا راستہ کی مسجد میں تکرار ہو تو بالا جماع جائز ہے جیسا کہ ایسی مسجد میں جماعت کا تکرار جائز ہے جس کا امام اور موذن نہ ہو اور لوگ اس میں گروہ گروہ بن کر نماز پڑھیں۔ کیونکہ افضل یہ ہے کہ ہر فریق علیحدہ اذان اور اقامت کے ساتھ نماز پڑھے۔ جیسا کہ ''امالی قاضی خان'' میں ہے۔ اور اسی طرح ''الدرر'' میں ہے۔

محلہ کی مسجد سے مراد وہ مسجد ہے جس کا امام اور جماعت معلوم ہو جیسا کہ ''الدرر'' وغیرہا میں ہے۔ ''المنح'' میں فرمایا: محلہ کے ساتھ مختص مسجد کی قید لگانا، سڑک کے کنارے والی مسجد سے احتراز ہے۔ اور اذان ثانی کی قید لگانا یہ اس صورت سے احتراز ہے کہ جب محلہ کی مسجد میں بغیر اذان کے جماعت نے نماز پڑھی ہو کیونکہ وہ بالا جماع مباح ہے۔

پھر امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ جو کراہت کی نفی کرتے ہیں ان کے خلاف استدلال میں فرمایا کہ ہماری دلیل یہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک قوم کے درمیان صلح کرانے کے لئے نکلے، پھر آپ مسجد کی طرف لوٹے جبکہ اہل مسجد نماز پڑھ چکے تھے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر تشریف لائے اپنے گھر والوں کو جمع کیا اور انہیں نماز پڑھائی اگر جماعت کا تکرار جائز ہوتا تو گھر میں نماز کو مسجد میں جماعت پر ترجیح نہ دیتے۔ نیز اس طرح اطلاق میں معنی جماعت کو کم کرنا ہے کیونکہ لوگ جمع نہیں ہوں گے جب وہ

(وَأَقَلُّهَا اثْنَانِ) وَاحِدٌ مَعَ الْإِمَامِ
جماعت کے کم از کم دو افراد ہیں۔ امام کے ساتھ ایک شخص

جان لیں گے کہ جماعت ان سے فوت نہیں ہوگی۔ رہی سڑک (کے کنارے) مسجد تو اس میں لوگ برابر ہوتے ہیں کسی ایک فریق کے لئے اختصاص نہیں اس کی مثل ''البدائع'' وغیرھا میں ہے۔

اس استدلال کا مقتضا محلہ کی مسجد میں تکرار کی کراہت ہے اگر چہ بغیر اذان کے ہو۔ اس کی تائید وہ کرتا ہے جو ''الظہیریہ'' میں ہے: اگر مسجد میں ایک جماعت داخل ہو جبکہ اس مسجد والے نماز پڑھ چکے تھے تو یہ لوگ علیحدہ علیحدہ نماز پڑھیں اور یہی ظاہر الروایہ ہے۔ یہ (اس مقولہ میں) گزشتہ اجماع کی حکایت کے مخالف ہے۔ اس وجہ سے العلامہ الشیخ ''رحمۃ اللہ السندی'' شاگرد محقق ''ابن الہمام'' نے اپنے رسالہ میں ذکر کیا ہے کہ اہل الحرمین، متعدد ائمہ اور جماعات مترتبہ کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں وہ بالاتفاق مکروہ ہے۔ اور بعض مشائخ سے صراحۃً اس کا انکار بھی منقول ہے جب وہ 551 میں مکہ مکرمہ حج کے موقع پر حاضر ہوئے تھے۔ ان علما میں سے ''الشریف الغزنوی'' ہے۔ اور ذکر کیا کہ بعض مالکی علما نے مذاہب اربعہ پر اس کے عدم جواز کا فتویٰ دیا اور احناف، شوافع، مالکی علما کی جماعت سے بھی اس کا انکار منقول ہے جو 551 میں حج پر حاضر ہوئے تھے۔ ''الرملی'' نے ''حاشیۃ البحر'' میں اس کو برقرار رکھا ہے۔

لیکن اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ مکی یا مدنی مسجد جیسی مسجد کے لئے معلوم جماعت نہیں ہوتی اس پر محلہ کی مسجد کا صدق نہیں آتا بلکہ وہ تو سڑک کی مسجد کی طرح ہے۔ اور پہلے (اس مقولہ میں) گزر چکا ہے کہ اس میں جماعت کے تکرار میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ پس غور کرنا چاہئے۔ اس کو یاد رکھو اور باب الاذان میں ہم نے ''شرح المنیہ'' کے آخر کے حوالہ سے (مقولہ 3482 میں) پہلے ذکر کیا ہے اور ''شرح المنیہ'' نے امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ جب جماعت پہلی ہیئت پر نہ ہو تو دوسری جماعت مکروہ نہیں۔ اور یہی صحیح ہے۔ اور محراب سے ہٹ جانا ہیئت کو مختلف بنا دیتا ہے۔ اسی طرح ''البزازیہ'' میں ہے۔ اور ''التتارخانیہ'' میں ''الولوالجیہ'' کے حوالہ سے ہے کہ ہم اس کو لیتے ہیں (یعنی اس پر عمل کرتے ہیں)۔

جماعت کے لیے کم از کم درکار افراد

4667۔ (قولہ: وَأَقَلُّهَا اثْنَانِ) جماعت کے لئے کم از کم دو افراد ہیں کیونکہ حدیث شریف ہے: (1) دو اور اس سے اوپر جماعت ہیں۔ اس حدیث کو ''امام السیوطی'' نے ''الجامع الصغیر'' میں روایت کیا ہے اور اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ''البحر'' میں فرمایا: جماعت، اجتماع سے ماخوذ ہے اور اجتماع جن افراد سے متحقق ہوتا ہے ان میں سے کم از کم دو ہیں اور یہ جمعہ کے علاوہ میں حکم ہے۔ کیونکہ جمعہ کے کم از کم افراد امام کے سوا ایسے تین افراد ہیں جو امامت کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ جمعہ کی مثل عید کی نماز ہے۔ کیونکہ فقہا کا قول ہے کہ عید کی نماز کے لئے صحت اور ادا کے اعتبار سے وہی شرائط ہیں جو جمعہ کے لئے ہیں سوائے خطبہ کے۔ ''فافہم''

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوٰۃ، باب الاثنان فما فوقھما جماعۃ، جلد 1، صفحہ 308، حدیث نمبر 961

وَلَوْ مُمَيِّزًا أَوْ مَلَكًا أَوْ جِنِّيًّا فِي مَسْجِدٍ أَوْ غَيْرِهِ وَتَصِحُّ إِمَامَةُ الْجِنِّيِّ أَشْبَاهٌ (وَقِيلَ وَاجِبَةٌ وَعَلَيْهِ الْعَامَّةُ) أَيْ عَامَّةُ مَشَايِخِنَا وَبِهِ جَزَمَ فِي التُّحْفَةِ وَغَيْرِهَا

خواہ وہ عاقل بچہ ہو یا فرشتہ ہو یا جن ہو مسجد میں ہو یا باہر ہو اور جن کی امامت صحیح ہے۔ ''اشباہ''۔ اور بعض علما نے کہا: جماعت واجب ہے اور اس پر ہمارے اکثر مشائخ کا نظریہ ہے۔ ''التحفہ'' وغیرھا میں اس پر جزم کیا ہے۔

4668۔ (قولہ: وَلَوْ مُمَيِّزًا) یعنی ایک مقتدی اگر چہ عاقل بچہ ہو۔ ''السراج'' میں فرمایا: اگر کسی نے قسم اٹھائی کہ وہ جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھے گا پھر اس نے عقلمند بچے کی امامت کرائی تو حانث ہو جائے گا۔

اور غیر عاقل کا کوئی اعتبار نہیں ''بحر''۔ ''طحطاوی'' نے فرمایا: اس سے مستنبط ہوتا ہے کہ فرض پڑھنے والے کے پیچھے نفل پڑھنے والے کی اقتدا سے جماعت کا ثواب حاصل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بچہ نفل پڑھنے والا ہوتا ہے۔ نفل پڑھنے والے کا اپنے جیسے کی اقتدا کا حکم میں نے نہیں دیکھا کیا اس کا ثواب منفرد پر زیادہ ہوتا ہے؟ پس اس کی تنقیح ہونی چاہئے۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ اگر نوافل کی جماعت تداعی کے طور پر نہ ہو۔ کیونکہ صحیحین کی حدیث ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کی دادی ملیکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کھانے پر بلایا (1) جو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تیار کیا تھا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تناول فرمایا پھر فرمایا: اٹھو میں تمہیں نماز پڑھاؤں۔ میں اٹھا اس چٹائی کی طرف جو زیادہ دیر پڑے رہنے کی وجہ سے سیاہ ہو چکی تھی میں نے اس کو پانی سے صاف کیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر کھڑے ہوئے اور میں اور یتیم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہوئے اور بوڑھی ہمارے پیچھے کھڑی ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں پھر سلام پھیرا۔ پس اگر اقتدا افضل نہ ہوتی تو آپ انہیں اس کا حکم نہ دیتے۔ تامل۔

4669۔ (قولہ: فِي مَسْجِدٍ أَوْ غَيْرِهِ) ''القنیہ'' میں فرمایا: علما نے گھر میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں اختلاف کیا ہے۔ اصح یہ ہے کہ گھر میں جماعت کے ساتھ مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھنے کی طرح ہے مگر افضلیت میں فرق ہے۔

جنوں کی امامت کا حکم

4670۔ (قولہ: وَتَصِحُّ إِمَامَةُ الْجِنِّيِّ) جن کی امامت صحیح ہے کیونکہ وہ بھی مکلف ہے بخلاف فرشتے کی امامت کے کیونکہ وہ نفل پڑھنے والا ہوتا ہے۔ اور جبریل کی امامت تعلیم کی خصوصیت کے لئے تھی۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اعادہ کا احتمال بھی ہے۔ ''طحطاوی''۔

4671۔ (قولہ: أَشْبَاهٌ) جنوں کے احکام کی بحث میں اس کی عبارت اس طرح ہے۔ ان احکام میں سے یہ ہے کہ جنوں کے ساتھ جماعت منعقد ہوتی ہے یہ ''السیوطی'' نے صاحب ''آکام المرجان'' کے حوالہ سے ذکر کیا ہے جو ہمارے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوۃ، باب الصلوۃ علی الحصیر، جلد 1، صفحہ 225، حدیث نمبر 367

صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب جواز الجماعۃ فی النافلۃ، جلد 1، صفحہ 660، حدیث نمبر 1103

قَالَ فِي الْبَحْرِ وَهُوَ الرَّاجِحُ عِنْدَ أَهْلِ الْمَذْهَبِ (فَتُسَنُّ أَوْ تَجِبُ)
''البحر'' میں فرمایا: اہل مذہب کے نزدیک یہی قول راجح ہے۔ پھر جماعت سنت ہے یا واجب ہے۔

اصحاب (احناف) میں سے ہیں۔ امام احمد کی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے جو انہوں نے جنوں کے واقعہ میں ابن مسعود سے روایت کی ہے۔ اس میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے (1) تو ان میں سے دو شخصوں نے آپ کو پایا اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم پسند کرتے ہیں کہ آپ ہماری نماز میں ہماری امامت کرائیں۔ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پیچھے ان کی صف بنائی پھر ہمیں نماز پڑھائی پھر سلام پھیرا۔ اس کی نظیر وہ ہے جو ''السبکی'' نے ذکر کیا ہے کہ جماعت ملائکہ کے ساتھ بھی حاصل ہوتی ہے۔ اور اس پر مسئلہ متفرع فرمایا کہ اگر کسی نے کھلی فضا میں آذان اور اقامت کے ساتھ اکیلے نماز پڑھی پھر اس نے قسم اٹھائی کہ اس نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھی ہے تو وہ حانث نہ ہوگا۔ ان احکام میں سے ہے کہ جن کے پیچھے نماز کا صحیح ہونا ہے۔ یہ ''آکام المرجان'' میں ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: جو ''السبکی'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے وہ اس حدیث سے ماخوذ ہے کہ ''مسافر جب اذان دیتا ہے (2) اور اقامت کہتا ہے تو اس کے پیچھے اللہ کے ایسے لشکر نماز پڑھتے ہیں جن کی دونوں طرفیں دکھائی نہیں دیتیں۔ اس حدیث کو ''عبدالرزاق'' نے روایت کیا ہے۔ اس کا مقتضا اس پر قراءت کے جہراً پڑھنے کا وجوب ہے لیکن باب الاذان میں ہم نے ''التتارخانیہ'' کے حوالہ سے (مقولہ 3457 میں) تصریح پیش کی ہے کہ اس کا حکم جہر اور سر میں منفرد کا حکم ہے۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ قسم اٹھانے سے حانث ہو جائے گا۔ کیوں کہ اس نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔ خصوصاً قسمیں ہمارے نزدیک عرف پر مبنی ہیں اور وہ عرفاً اور شرعاً منفرد ہے ورنہ وہ امام کے احکام حاصل کرتا۔ اس بنا پر کہ سابق فصل میں (مقولہ 4514 میں) گزر چکا ہے کہ اس پر جہر لازم نہیں مگر جب امامت کی نیت کرے۔ اسی طرح شروط الصلوٰۃ میں گزر چکا ہے کہ وہ اس میں حانث نہیں ہوگا کہ وہ کسی کی امامت نہیں کرائے گا جب تک کہ وہ امامت کی نیت نہیں کرے گا۔ اور حدیث میں اس کی اقتدا کی تصریح نہیں ہے۔ اور اگر یہ مراد ہو تو شاید جماعت کا انعقاد ملائکہ اور جنوں کی اقتدا کے ساتھ ہوگا اور وہ اس کے احکام کو تب حاصل کرے گا جب فرشتے اور جن ظاہر صورت پر ہوں۔ اسی وجہ سے اگر کوئی جن عورت سے جماع کرے اور عورت لذت پائے تو عورت پر غسل لازم نہ ہوگا جیسا کہ ''الخانیہ'' میں ہے مگر جب اسے انزال ہو جائے (تو عورت پر غسل لازم ہوگا) جیسا کہ ''الفتح'' میں ہے یا وہ جن اس عورت کے پاس انسانی شکل میں آئے جیسا کہ ''الحلبہ'' میں ہے۔ اسی طرح جن کی امامت کے بارے میں کہا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

جماعت کو حقیر سمجھتے ہوئے اس کا تارک مردود الشہادہ ہوگا

4672۔ (قولہ: قَالَ فِي الْبَحْرِ الخ) یہ تمام اقوال سے اعدل اور اقویٰ ہے۔ اسی وجہ سے ''الاجناس'' میں فرمایا: اس

1۔ مسند احمد بن حنبل، جلد 1، صفحہ 458 2۔ مصنف عبدالرزاق، الرجل یصلی باقامۃ وحدہ، جلد 1، صفحہ 511، حدیث نمبر 1955

ثَمَرَتُهُ تَظْهَرُ فِي الْإِثْمِ بِتَرْكِهَا مَرَّةً (عَلَى الرِّجَالِ الْعُقَلَاءِ الْبَالِغِينَ الْأَحْرَارِ الْقَادِرِينَ عَلَى الصَّلَاةِ بِالْجَمَاعَةِ مِنْ غَيْرِ حَرَجٍ)

اس کا ثمرہ ایک مرتبہ جماعت کو ترک کرنے کی وجہ سے گناہ میں ظاہر ہوتا ہے عقلاء، بالغ، آزاد، بغیر کسی عذر کے جماعت کے ساتھ نماز پر قادر مردوں پر (جماعت واجب یا سنت ہے)۔

کی شہادت قبول نہ ہوگی جب وہ جماعت کو استخفافا مجانۃً ترک کرے گا۔ رہا سہواً یا تاویل کے ساتھ جماعت کو ترک کرنے جیسے امام اہل ھوا سے ہو یا وہ مقتدی کے مذہب کی رعایت نہ کرتا ہو تو پھر اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔

4673۔ (قولہ: ثَمَرَتُهُ الخ) اختلاف کی تحقیق پر یہ مبنی ہے۔ رہا اس پر جو ''الزاہدی'' کے حوالہ سے (مقولہ 4658 میں) گزر چکا ہے تو کوئی اختلاف نہیں ہے۔

4674۔ (قولہ: بِتَرْكِهَا مَرَّةً) یعنی بغیر عذر کے۔ یہ عراقی علما کے نزدیک ہے۔ اور خراسانی علما کے نزدیک وہ گنہگار ہوگا جب وہ جماعت کے ترک کا عادی ہوگا جیسا کہ ''القنیہ'' میں ہے اور یہ (مقولہ 4658 میں) گزر چکا ہے۔

4675۔ (قولہ: الْبَالِغِينَ) اس کے ساتھ مقید کیا ہے کیونکہ الرجل سے کبھی مطلق مذکر مراد ہوتا ہے خواہ بالغ ہو یا بالغ نہ ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: وَإِنْ كَانُوْا إِخْوَةً رِّجَالًا (النساء: 176)

اور اسی طرح حدیث میں ہے: الحقوا الفرائض باھلھا فما ابقت فلاولی رجل ذکر(1)۔ فرائض کو ان کے مستحق کو پہنچاؤ اور پھر فرائض سے جو میراث بچ جائے اس کا مستحق مذکر آدمی (عصبہ) ہے۔ یہاں رجل کو ذکر کے ساتھ مقید کیا تاکہ صرف بالغ مراد ہونا دور کیا جائے اس بنا پر کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ وارث نہ ہوتے تھے مگر وہ جو جنگ کیلئے مستعد ہوتے تھے چھوٹے بچے میراث کے حقدار نہ ہوتے تھے۔ ''فافہم''۔

4676۔ (قولہ: الْأَحْرَارِ) پس غلام پر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا واجب نہیں۔ یہ باب الجمعہ میں (مقولہ 6820 میں) آئے گا اگر اس کے آقا نے اسے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی اجازت دی ہو تو واجب ہوگی۔ بعض علما نے فرمایا: غلام کو اختیار دیا جائے گا۔ ''البحر'' میں اس کو ترجیح دی ہے۔

میں کہتا ہوں: یہاں بھی اختلاف جاری ہونا چاہیے۔ ''تامل''۔

عذر کے سبب ترک جماعت کا حکم

4677۔ (قولہ: مِنْ غَيْرِ حَرَجٍ) جماعت کے سنت یا واجب ہونے کی یہ قید ہے۔ پس عذر کی وجہ سے گناہ اٹھ جاتا ہے اور اس کے ترک میں رخصت دی جاتی ہے لیکن اس سے افضلیت فوت ہو جاتی ہے اسی دلیل کی وجہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب میراث الوالدین من ابیہ وامہ، جلد 3، صفحہ 678، حدیث نمبر 6235
صحیح مسلم، کتاب الفرائض، باب الحقوا الفرائض باھلھا، جلد 2، صفحہ 535، حدیث نمبر 3078

وَلَوْ فَاتَتْهُ نُدِبَ طَلَبُهَا فِي مَسْجِدٍ آخَرَ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ
اگر کسی سے جماعت فوت ہو جائے تو دوسری مسجد میں اس کا طلب کرنا مستحب ہے سوائے مسجد حرام وغیرہ کے۔

ابن ام مکتوم نابینا کو فرمایا جب اس نے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت طلب کی: میں تیرے لئے رخصت نہیں پاتا (1)۔ ''الفتح'' میں فرمایا: یعنی ایسی رخصت نہیں پاتا جو تیرے لئے حاضری کے بغیر جماعت کی فضیلت حاصل کرے۔ نابینا پر جماعت کے ساتھ حاضری واجب نہیں۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبان بن مالک کو جماعت ترک کرنے کی رخصت دی (2)۔

لیکن ''نور الایضاح'' میں ہے: جب عذروں میں سے کوئی عذر اسے جماعت سے روک دے جبکہ اس کی نیت جماعت کی حاضری کی ہو اگر اسے عذر نہ ہوتا تو اس کے لئے جماعت کا ثواب ہوگا۔

ظاہر یہ ہے کہ عذر سے مراد وہ عذر ہے جو جماعت سے مانع ہو جیسے مرض، بڑھاپا، فالج۔ بخلاف بارش، کیچڑ، سردی اور نابینا ہونا۔

جماعت فوت ہونے کی صورت میں دوسری مساجد میں طلب جماعت کا حکم

4678۔ (قولہ: وَلَوْ فَاتَتْهُ نُدِبَ طَلَبُهَا) دوسری مساجد میں جماعت کو طلب کرنا ہمارے اصحاب کے نزدیک بلا اختلاف واجب نہیں۔ بلکہ اگر دوسری مسجد میں جماعت کے لئے آئے تو یہ بہتر ہے۔ اگر وہ اپنے محلہ کی مسجد میں اکیلا نماز پڑھ لے تو یہ اچھا ہے۔ ''القدوری'' نے ذکر کیا ہے کہ وہ اپنے اہل کو جمع کرے اور انہیں نماز پڑھا دے یعنی اور وہ جماعت کا ثواب پالے گا۔ اسی طرح ''الفتح'' میں ہے۔ ''الشرنبلالی'' نے اس پر اس طرح اعتراض کیا ہے کہ یہ جماعت کے وجوب کے منافی ہے۔ ''حلبی'' نے اس کا جواب اس طرح دیا ہے کہ جماعت کا وجوب حرج کے نہ ہونے کے وقت ہے اور دور کی جگہوں میں جماعت کو تلاش کرنا حرج ہے جو مخفی نہیں۔ نیز اپنے محلہ کی مسجد سے تجاوز کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی مخالفت بھی ہے کہ مسجد کے پڑوسی کی نماز نہیں ہے مگر مسجد میں (3)۔

اس میں یہ ہے کہ اطلاق کا ظاہر استحباب ہے اگر چہ قریب کے مکان کی طرف ہو۔ اور مع ما فی مجاوزۃ کا قول تو کہا جاتا ہے کہ اس کا محل اس صورت میں ہے جب محلہ کی مسجد میں جماعت ہوتی ہو کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ محلہ کی مسجد میں جب جماعت نہ ہوتی ہو اور دوسری مسجد میں جماعت ہوتی ہو کوئی شک نہیں کرتا کہ جماعت والی مسجد افضل ہے۔ اس بنا پر کہ علما کا افضل میں اختلاف ہے کیا محلہ کی مسجد کی جماعت یا جامع مسجد کی جماعت افضل ہے؟ جیسا کہ ''البحر'' میں ہے۔ ''طحطاوی''۔

میں کہتا ہوں: ''الخانیہ'' میں ہے: اگر اس کے گھر کی مسجد میں موذن نہ ہو تو وہ خود مسجد کی طرف جائے اس میں اذان

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب التشدید فی ترك الجماعۃ، جلد 1، صفحہ 224، حدیث نمبر 465، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، باب التغلیظ فی التخلف عن الجماعۃ، جلد 1، صفحہ 259، حدیث نمبر 783
2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان من مات علی التوحید، جلد 1، صفحہ 116، حدیث نمبر 97
3۔ سنن دار قطنی، کتاب الصلوٰۃ، باب الحث لجار المسجد علی الصلوٰۃ فیہ الا من عذر، جلد 1، صفحہ 420

وَنَحْوَهُ (فَلَا تَجِبُ عَلَى مَرِيضٍ وَمُقْعَدٍ وَزَمِنٍ وَمَقْطُوعِ يَدٍ وَرِجْلٍ مِنْ خِلَافٍ) أَوْ رِجْلٍ فَقَطْ، ذَكَرَهُ الْحَدَّادِيُّ (وَمَفْلُوجٍ وَشَيْخٍ كَبِيرٍ عَاجِزٍ وَأَعْمَى) وَإِنْ وَجَدَ قَائِدًا

اور جماعت واجب نہیں مریض، اپاہج اور طویل مریض پر اور اس کا جس کا ہاتھ اور پاؤں مخالف سمت سے کٹے ہوئے ہوں یا صرف پاؤں کٹا ہوا ہو۔ یہ "الحدادی" نے ذکر کیا ہے۔ اور جماعت واجب نہیں مفلوج، بہت بوڑھے عاجز پر اور نابینے پر اگرچہ نابینا راہنمائی کرنے والا بھی پائے

دے اور نماز پڑھے اگرچہ ایک آدمی بھی ہو۔ کیونکہ گھر کی مسجد (محلہ کی مسجد) کا اس پر حق ہے۔ پس وہ اس کا حق ادا کرے۔ ایسی مسجد کا موذن جس کی مسجد میں اگر کوئی نہ آتا ہو تو وہ اذان اور اقامت کہے اور اکیلا نماز پڑھے یہ دوسری مسجد میں نماز پڑھنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

پھر وہ ذکر کیا ہے جو "الفتح" کے حوالہ سے (اسی مقولہ میں) گزر چکا ہے۔ شاید جو گزر چکا ہے وہ اس صورت میں ہو کہ جب لوگ اس مسجد میں نماز پڑھ چکے ہوں تو پھر اسے اختیار ہوگا بخلاف اس صورت کے جب اس میں کسی نے نماز نہ پڑھی ہو۔ کیونکہ حق اس پر اور تمام لوگوں پر متعین ہو چکا ہے۔ پس "طحطاوی" کا قول قد یقال الخ غیر مسلم ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

4679۔ (قولہ: وَنَحْوَهُ) "القنیہ" میں ہے: "سوائے مسجد حرام اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے"۔ اور اس کو "شرح المنیہ" کے آخر میں "مختصر البحر" کی طرف منسوب کیا ہے۔ پھر فرمایا: مسجد اقصیٰ کی بھی استثنا ہونی چاہئے کیونکہ مسجد حرام میں لاکھ نمازوں کا ثواب ہے۔ مسجد نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہزار نمازوں کا ثواب ہے اور مسجد اقصیٰ میں پانچ سو نمازوں کا ثواب ہے۔ اور محلہ کی مسجد کی بھی استثنا ہونی چاہئے اس دلیل پر جو (سابقہ مقولہ میں) ہم نے ابھی بیان کی ہے۔

وہ اعذار جن کے سبب جماعت میں شمولیت ضروری نہیں

4680۔ (قولہ: وَمُقْعَدٍ وَزَمِنٍ) "المغرب" میں فرمایا: المقعد وہ ہے جسم میں بیماری کی وجہ سے اس میں حرکت نہیں ہوتی گویا بیماری نے اسے بٹھا دیا ہے اور اطبا کے نزدیک یہی زمن ہے۔ اور بعض نے فرق کیا ہے۔ فرمایا: مقعد وہ ہوتا ہے جس کے اعضاء میں تشنج ہوتا ہے اور الزمن وہ ہوتا ہے جس میں مرض لمبی ہوگئی ہو۔ اور النزاع کی فصل میں فرمایا: الزمن وہ ہوتا ہے جس کی مرض ایک زمانہ طویل ہوگئی ہو۔ اور بعض علما نے فرمایا: امام "ابوحنیفہ" رحمۃ اللہ علیہ سے الزمن سے مراد، اپاہج، نابینا، جس کے دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں کٹے ہوئے ہوں، مفلوج لنگڑا جو چل نہ سکتا ہو اور جس کے پاؤں شل ہوں مروی ہے۔

4681۔ (قولہ: وَمَفْلُوجٍ) اس سے مراد وہ شخص ہے جس کو فالج ہو اور یہ انسان کی ایک طرف کا ڈھیلا ہو جانا ہے۔ بلغمی خلط (بلغمی مواد) کے گرنے کی وجہ سے جس سے اس کی روح کے راستے بند ہو جاتے ہیں۔ "قاموس"۔

4682۔ (قولہ: وَجَدَ قَائِدًا) اور اسی طرح اپاہج کا حکم ہے اگر وہ غنی ہو اس کے لئے سواری اور خادم ہو تو "امام صاحب" رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان دونوں پر جماعت واجب نہیں۔ "صاحبین" رحمہما اللہ کا نظریہ اس کے خلاف ہے "الحلبہ عن

(وَلَا عَلَى مَنْ حَالَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا مَطَرٌ وَطِينٌ وَبَرْدٌ شَدِيدٌ وَظُلْمَةٌ كَذٰلِكَ) وَرِيحٌ
اور جماعت واجب نہیں اس پر جس کیلئے بارش اور مٹی، سخت سردی، ظلمت حائل ہو۔ اسی طرح رات کے وقت آندھی حائل ہو

المحیط"۔"الفتح" میں ذکر کیا ہے کہ ظاہر ہے کہ اس میں اتفاق ہے۔ اختلاف جمعہ میں ہے جماعت میں اختلاف نہیں ہے۔ لیکن کتب مشہورہ میں اس کے خلاف لکھا گیا ہے۔"حلبہ"۔

4683۔(قولہ: وَلَا عَلَى مَنْ حَالَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا مَطَرٌ وَطِينٌ) حائل ہونے کے ذکر سے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ بارش سے مراد کثیر بارش ہے جیسا کہ جمعہ کی نماز میں اس کو مقید کیا ہے۔ اسی طرح کیچڑ کا حکم ہے۔ اور"الحلبہ" میں ہے: "ابو یوسف" رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ میں نے امام"ابو حنیفہ" رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کیچڑ میں چل کر جانے کی صورت میں جماعت کا کیا حکم ہے۔ انہوں نے فرمایا: میں جماعت کے ترک کو پسند نہیں کرتا۔ اور امام"محمد" رحمۃ اللہ علیہ نے"الموطا" میں فرمایا: حدیث میں رخصت ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جب زمین گیلی ہو تو نماز گھروں میں پڑھو(1)۔ یہاں النعال سے مراد سخت زمینیں ہیں۔ اور"شرح الزاہدی" میں"شرح التمر تاشی" کے حوالہ سے ہے کہ بارش، برف باری، کیچڑ اور سخت سردی کے عذر ہونے میں اختلاف ہے۔ امام"ابو حنیفہ" رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اگر تکلیف شدید ہو تو معذور ہو گا۔"الحسن" نے فرمایا: یہ روایت اس کو مفید ہے کہ جمعہ اور جماعت اس میں برابر ہیں۔ اس طرح نہیں جو بعض نے گمان کیا ہے کہ یہ جماعت میں عذر ہیں...... کیونکہ یہ سنت ہے...... جمعہ میں عذر نہیں کیونکہ یہ مؤکد فرائض میں سے ہے۔

"شرح شیخ اسماعیل" میں"ابن الملقن""الشافعی سے مروی ہے کہ مشہور یہ ہے کہ النعال، نعل کی جمع ہے اور اس سے مراد سخت زمین ہے اور اس کو ذکر کے ساتھ خاص کیا ہے۔ کیونکہ تھوڑی تری اسے گیلا کر دیتی ہے بخلاف نرم زمین کے وہ پانی کو جذب کر لیتی ہے۔ اور بعض علما نے فرمایا: النعال سے مراد جوتے ہیں۔

4684۔(قولہ: وَبَرْدٌ شَدِيدٌ) سخت گرمی کا ذکر نہیں کیا۔ میں نے علما میں سے کسی کو نہیں دیکھا جس نے گرمی کا ذکر کیا ہو۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ سخت گرمی غالباً ظہر کی نماز کے وقت ہوتی ہے اور اس میں ٹھنڈا کرنے کی سنیت کو ہمارے لئے کافی بنایا گیا ہے۔ ہاں کہا جاتا ہے کہ اگر امام اس سنت کو ترک کر دے اور اول وقت میں ظہر کی نماز پڑھے تو سخت گرمی عذر ہو گی۔ تامل۔

4685۔(قولہ: وَظُلْمَةٌ كَذٰلِكَ) یعنی سخت اندھیرا۔ ظاہر یہ ہے کہ چراغ وغیرہ جلانے کی تکلیف نہیں دی جائے گی اگرچہ چراغ جلانا ممکن بھی ہو۔ سخت تاریکی سے مراد ایسی تاریکی ہے جس کی وجہ سے مسجد کا راستہ دکھائی نہ دے۔ پس وہ نابینا کی طرح ہو گا۔

4686۔(قولہ: وَرِيحٌ) یعنی سخت آندھی مراد ہے اور یہ رات کے وقت عذر ہو گی کیونکہ رات کے وقت زیادہ مشقت

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰة، باب الجمعة فی الیوم المطیر، جلد 1 صفحہ 392، حدیث نمبر 894،
مسند امام احمد بن حنبل، جلد 5 صفحہ 74

لَيْلًا لَا نَهَارًا، وَخَوْفٌ عَلَى مَالِهِ، أَوْ مِنْ غَرِيمٍ أَوْ ظَالِمٍ، أَوْ مُدَافَعَةُ أَحَدِ الْأَخْبَثَيْنِ، وَإِرَادَةُ سَفَرٍ، وَقِيَامُهُ بِمَرِيضٍ، وَحُضُورُ طَعَامٍ (تَتُوقُهُ) نَفْسُهُ ذَكَرَهُ الْحَدَّادِيُّ، وَكَذَا اشْتِغَالُهُ بِالْفِقْهِ لَا بِغَيْرِهِ، كَذَا جَزَمَ بِهِ الْبَاقَانِيُّ تَبَعًا الْبَهْنَسِيِّ أَيْ إِلَّا إِذَا وَاظَبَ تَكَاسُلًا

نہ کہ دن کے وقت اور اس پر جماعت واجب نہیں جسے اپنے مال پر خوف ہو، یا قرض خواہ یا ظالم کا خوف ہو، پیشاب اور پاخانہ میں سے کسی ایک کو روکے ہوئے ہو، سفر کا ارادہ ہو، مریض کی دیکھ بھال کر رہا ہو۔ ایسا کھانا حاضر ہو جس کی طرف نفس مشتاق ہو یہ ''الحدادی'' نے ذکر کیا ہے۔ اسی طرح فقہ کے ساتھ مشغولیت ہو نہ کہ کسی اور علم سے۔ اسی طرح جزم کیا ہے ''البقانی'' نے ''البہنسی'' کی تبع میں یعنی مگر جب ہمیشہ سستی کرتا ہو۔

ہوتی ہے دن کے وقت نہیں۔

4687۔ (قولہ: عَلَى مَالِهِ) یعنی چور وغیرہ سے مال کا خوف ہو جب کہ دکان کو یا گھر کو بند کرنا ممکن نہ ہو۔ اسی سے کھانے کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو جو ہانڈی میں ہے یا روٹی کا خوف ہو جو تنور میں ہے۔ تامل۔

اور دیکھو کیا یہ اپنے مال کی قید دوسرے کے مال سے احتراز کے لئے ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ احتراز کے لئے نہیں ہے کیونکہ اس کے لئے نماز کا توڑنا جائز ہے خصوصاً اگر اس کے پاس امانت ہو جیسے ودیعت یا عاریۃً یا رھن ہو جس کی حفاظت اس پر واجب ہے۔ تامل۔

4688۔ (قولہ: مِنْ غَرِيمٍ) یعنی جب وہ تنگدست ہو اس کے پاس اتنا مال نہ ہو جو اس کے قرض کے لئے کافی ہو ورنہ وہ ظالم ہوگا۔

4689۔ (قولہ: أَوْ ظَالِمٍ) اسے اپنے نفس یا مال پر خوف ہو۔

4690۔ (قولہ: الْأَخْبَثَيْنِ) اور اسی طرح ہوا۔

4691۔ (قولہ: وَإِرَادَةُ سَفَرٍ) نماز کھڑی ہو جائے اور اسے قافلہ کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو ''بحر''۔ رہا خود سفر کرنا تو یہ عذر نہیں ہے جیسا کہ ''القنیہ'' میں ہے۔

4692۔ (قولہ: وَقِيَامُهُ بِمَرِيضٍ) یعنی اس کے غائب ہونے سے مریض کو مشقت اور وحشت ہو۔ اسی طرح ''الامداد'' میں ہے۔

4693۔ (قولہ: تَتُوقُهُ نَفْسُهُ) یعنی کھانے کی طرف نفس مشتاق ہو۔ ''مصباح''۔ خواہ وہ کھانا شام کو ہو یا اس کے علاوہ ہو کیونکہ اس کا دل اس سے مشغول ہوگا۔ ''امداد''۔ اس کی مثل پینے کا حکم ہے۔ اور ظاہر میں کھانے کے قریب حاضر ہونے کا حکم اس کے موجود ہونے کی طرح ہے کیونکہ علت پائی جاتی ہے۔ اس کی شوافع نے تصریح کی ہے۔

4694۔ (قولہ: وَكَذَا اشْتِغَالُهُ بِالْفِقْهِ الخ) ''نور الایضاح'' کی عبارت اس طرح ہے کہ ''جماعت کے ساتھ

فَلَا يُعْذَرُ، وَيُعَزَّرُ وَلَوْ بِأَخْذِ الْمَالِ يَعْنِي بِحَبْسِهِ عَنْهُ مُدَّةً وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ إِلَّا بِتَأْوِيلِ بِدْعَةِ الْإِمَامِ

پس اسے معذور نہیں سمجھا جائے گا اور اسے تعزیر دی جائے گی اگرچہ اس سے مال لے کر ہو۔ یعنی کچھ مدت اس سے مال روک کر۔ اور اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی مگر وہ امام کی بدعت کی تاویل کے ساتھ

فقہ کا تکرار جماعت کے وجوب کو فوت کرتا ہے''۔ اور یہ قید میں نے کسی دوسرے کے ہاں نہیں دیکھی۔ اور ''القنیہ'' میں ہے جو ''نجم الائمہ'' کی تصنیف ہے اس میں اس شخص کی طرف اشارہ کیا جو جماعت میں حاضر نہیں ہوتا۔ کیونکہ فقہ کے تکرار میں اس کا وقت مستغرق ہوتا ہے وہ معذور نہیں ہوگا اور اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ پھر دوبارہ اس کے لئے اشارہ فرمایا کہ وہ معذور ہوگا بخلاف لغت کے تکرار کرنے والے کے۔ پھر دونوں کے درمیان توفیق دی کہ پہلا قول سستی کرتے ہوئے ترک پر مواظبت پر محمول ہے اور دوسرا اس کے علاوہ پر۔ یہ وہ ہے جس پر الشارح چلے ہیں اپنے اس قول ای الا الخ میں۔

4695۔ (قولہ: فَلَا يُعْذَرُ، وَيُعَزَّرُ) پہلا ذال کے ساتھ ہے اور دوسرا زا کے ساتھ ہے۔

4696۔ (قولہ: يَعْنِي بِحَبْسِهِ عَنْهُ الخ) ''البحر'' میں ''البزازیہ'' کے حوالہ سے اس کی تصریح کی ہے۔ ''الرحمتی'' نے کہا: علما نے فرمایا: یہ ایسی چیز ہے جو معلوم ہوتی ہے اور چھپائی جاتی ہے کیونکہ ظالم لوگ مال لینے کے شکاری ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ جب ان کے پھندے میں واقع ہوتا ہے تو ان سے نہیں لیا جاتا۔ بعض اوقات وہ انسان کے لئے ایسا گناہ ثابت کرتے ہیں جو اس نے کیا نہیں ہوتا تاکہ اس کے مال تک پہنچ جائیں۔

تتمہ

تمام اعذار جو متن اور شرح میں گزرے ہیں وہ بیس (20) ہیں جن کو میں نے اس طرح نظم کیا ہے:

اعذارُ ترك جماعةٍ عشرونَ قد ۔۔۔ اودعتُها فى عقد نظم كالدرر

مرض واقعاد عمى و زمانة ۔۔۔ مطر وطين ثم برد قد اضر

قطع لرجل مع يد او دونها ۔۔۔ فلج و عجز الشيخ قصد للسفر

خوف على مال كذا من ظالم ۔۔۔ او دائن و شهى اكل قد حضر

و الريح ليلا ظلمة تمريض ذى ۔۔۔ الم مدافعة لبول او قذر

ثم اشتغا لا بغير الفقه فى ۔۔۔ بعض من الاوقات عذر معتبر

جماعت ترک کرنے کے بیس اعذار ہیں میں نے موتیوں کی طرح انہیں نظم کے ہار میں پرو دیا ہے۔ مرض، اپاہج ہونا، نابینا ہونا، دائمی مرض کا ہونا، بارش ہونا، کیچڑ ہونا، نقصان دہ سردی کا ہونا، ہاتھ اور پاؤں کٹا ہوا ہونا یا صرف پاؤں کٹا ہوا ہونا، فالج ہونا، بہت بوڑھا ہونا، سفر کا قصد کرنا، مال پر ظالم سے خوف ہونا یا قرض خواہ سے خوف ہونا، کھانے کا اشتہا ہونا جو آ چکا ہو۔ رات کے وقت آندھی ہونا، تاریکی ہونا، بیمار کی تیمارداری میں ہونا، پیشاب یا پاخانہ کا روکنا، فقہ میں مشغول ہونا بعض

أَوْ عَدَمِ مُرَاعَاتِهِ (وَالْأَحَقُّ بِالْإِمَامَةِ) تَقْدِيمًا بَلْ نَصْبًا مَجْمَعُ الْأَنْهُرِ (الْأَعْلَمُ بِأَحْكَامِ الصَّلَاةِ) فَقَطْ صِحَّةً وَفَسَادًا بِشَرْطِ اجْتِنَابِهِ لِلْفَوَاحِشِ الظَّاهِرَةِ، وَحِفْظِهِ قَدْرَ فَرْضٍ، وَقِيلَ وَاجِبٍ، وَقِيلَ سُنَّةٍ

یا امام کے اس کے مذہب کی رعایت نہ کرنے کی تاویل کے ساتھ جماعت میں شریک نہ ہوتا تو اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔ امامت کا زیادہ حقدار مقدم کرنے ''مجمع الانہر''۔ بلکہ دائمی امام ہونے کے اعتبار سے وہ ہے جو صرف صحت وفساد کے اعتبار سے نماز کے احکام کو زیادہ جاننے والا ہو بشرطیکہ وہ ظاہری برائیوں سے اجتناب کرنے والا ہو اور فرض کی مقدار اس کی حفاظت کرنے والا ہو۔ اور بعض نے کہا: واجب کی مقدار حفاظت کرنے والا ہو۔ بعض نے کہا: سنت کی مقدار اوقات معتبر ہے۔

4697۔ (قولہ: أَوْ عَدَمِ مُرَاعَاتِهِ) یعنی امام مقتدی کے مذہب کی رعایت نہ کرتا ہو جس میں نماز باطل ہوتی ہو جیسا کہ اس کا بیان (مقولہ 4766 میں) آگے آئے گا۔

امامت کے استحقاق کی شرائط

4698۔ (قولہ: تَقْدِيمًا) یعنی جو اس کے ساتھ حاضر ہوں۔

4699۔ (قولہ: بَلْ نَصْبًا) مقرر امام کے لئے۔

4700۔ (قولہ: بِأَحْكَامِ الصَّلَاةِ فَقَطْ) یعنی اگرچہ وہ بقیہ علوم میں متبحر نہ ہو صرف نماز کے احکام کو جاننے والا ہو تو وہ متبحر سے اولیٰ ہے اسی طرح ''شرح الارشاد'' کے حوالہ سے ''زاد الفقیر'' میں ہے۔

4701۔ (قولہ: بِشَرْطِ اجْتِنَابِهِ) اسی طرح ''المجتبیٰ'' کے حوالہ سے ''الدرایہ'' میں ہے۔ اور ''الکافی'' وغیرہ کی عبارت اس طرح ہے کہ سنت کو زیادہ جاننے والا اولیٰ ہے مگر یہ کہ اس پر اس کے دین کے بارے میں طعن کیا جاتا ہو۔ کیونکہ لوگ ایسے شخص کی اقتدا کرنے میں رغبت نہیں رکھتے۔

4702۔ (قولہ: قَدْرَ فَرْضٍ) اس کو ''الکافی'' کے قول سے ''البحر'' کی تبع میں لیا ہے ''اتنی مقدار جس سے نماز جائز ہوتی ہو''۔ اس بنا پر کہ تجوز بمعنی تصح ہو، بمعنی تحل نہ ہو۔

4703۔ (قولہ: وَقِيلَ وَاجِبٍ) ''البحر'' میں اس کو بطور بحث ذکر کیا ہے۔ لیکن اس کو ''الکافی'' کے کلام سے لینا ممکن ہے۔ کیونکہ الجواز کا اطلاق، الحل کے معنی میں ہوتا ہے بلکہ ''شیخ اسماعیل'' نے فرمایا: مذکور جواز کو اس پر محمول کرنا چاہئے جو عدم کراہت کو شامل ہے۔ پس اس صورت میں یہ تیسرے قول کی طرف لوٹے گا۔

4704۔ (قولہ: وَقِيلَ سُنَّةٍ) اس کا قائل ''الزیلعی'' ہے۔ اور یہی ''المبسوط'' کا ظاہر ہے جیسا کہ ''النہر'' میں ہے اور اس پر ''الفتح'' میں چلے ہیں۔ ''الطحطاوی'' نے فرمایا: یہی اظہر ہے۔ کیونکہ یہ تقدیم اولیت کی بنا پر ہے۔ پس اس کے لئے سنت کی رعایت کرنا زیادہ مناسب ہے۔

(ثُمَّ الْأَحْسَنُ تِلَاوَةً) وَتَجْوِيدًا (لِلْقِرَاءَةِ، ثُمَّ الْأَوْرَعُ) أَيِ الْأَكْثَرُ اتِّقَاءً لِلشُّبُهَاتِ وَالتَّقْوَى اتِّقَاءُ الْمُحَرَّمَاتِ (ثُمَّ الْأَسَنُّ) أَيِ الْأَقْدَمُ إِسْلَامًا،

حفاظت کرنے والا ہو۔ پھر (امامت کا زیادہ حقدار) وہ ہے جو قراءت کی تلاوت اور تجوید کے اعتبار سے خوبصورت ہو پھر جو زیادہ متقی ہو۔ یعنی شبہات سے زیادہ بچنے والا ہو۔ تقویٰ سے مراد محرمات سے بچنا ہے پھر جو عمر میں بڑا ہو یعنی اسلام کے اعتبار سے مقدم ہو۔

4705۔(قولہ: ثُمَّ الْأَحْسَنُ تِلَاوَةً وَتَجْوِيدًا) اس سے یہ ظاہر فرمایا کہ فقہا کے قول أقرأ (زیادہ قاری) سے مراد یہ ہے کہ جو زیادہ تجوید کے ساتھ پڑھنے والا ہو۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسے قرآن زیادہ یاد ہو اگرچہ ''البحر'' میں متبادر اس مفہوم کو لیا ہے۔ تلاوت میں حسن کا مطلب یہ ہے کہ وہ حروف اور وقف اور قراءت سے متعلق احکام کو زیادہ جاننے والا ہو۔ ''قہستانی''۔ ''طحطاوی''۔

4706۔ (قولہ: أَيِ الْأَكْثَرُ اتِّقَاءً لِلشُّبُهَاتِ) شبہ سے مراد یہ ہے کہ جس معاملہ کی حلت و حرمت مشتبہ ہو جائے۔ ورع کو تقویٰ لازم ہے لیکن تقویٰ کو ورع لازم نہیں۔ الزھد، شبہ میں وقوع کے خوف سے حلال چیز کو ترک کر دینا۔ یہ الورع سے اخص ہے۔ اور سنت میں ورع کا ذکر نہیں ہے بلکہ وطن سے ہجرت جب منسوخ ہو گئی تو اس سے مراد ورع کے ساتھ گناہوں کی ہجرت مراد لی گئی۔ پس ہجرت واجب نہیں مگر جو دار الحرب میں مسلمان ہوا ہو جیسا کہ ''المعراج'' میں ہے۔ ''طحطاوی''۔

4707۔(قولہ: أَيِ الْأَقْدَمُ إِسْلَامًا) یہ صاحب ''البحر'' نے استنباط کیا ہے۔ اور ''النہر'' میں اس کی متابعت کی ہے ''البدائع'' کی تعلیل سے کہ ''جس کی عمر اسلام میں لمبی ہو گی وہ طاعت میں زیادہ ہو گا''۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ عمر رسیدہ سے مراد عمر کے اعتبار سے بڑا ہونا ہے جیسا کہ حدیث کی بعض روایات میں ہے۔ فاکبرھم سنا(1) اکثر کتب سے یہی مفہوم ہے۔ پس کلام اصلی مسلمان میں ہو گی۔ ہاں سوائے بخاری کے محدثین کی جماعت نے یہ حدیث تخریج کی ہے فاقدمھم اسلاما (سب سے مقدم وہ ہو گا جو اسلام کے اعتبار سے مقدم ہو گا)۔ اس بنا پر یہ ترجیح کا دوسرا سبب ہو گا اس شخص میں جس نے اپنا اسلام پیش کیا۔ پس اس نوجوان کو مقدم کیا جائے گا جس نے اسلام میں پرورش پائی ایسے بوڑھے شخص پر مقدم کیا جائے گا جس نے ابھی اسلام قبول کیا۔ اگر دونوں اصل سے مسلمان ہوں یا دونوں اکٹھے مسلمان ہوں تو ازروئے عمر کے جو بڑا ہو گا اسے مقدم کیا جائے گا۔ کیونکہ ''الزیلعی'' میں ہے: جو عمر کے اعتبار سے بڑا ہو گا وہ ازروئے دل اور عادت کے اعتبار سے زیادہ خشوع والا ہو گا اور حرمت کے اعتبار سے عظیم ہو گا، لوگ اس کی اقتدا میں زیادہ رغبت رکھیں گے۔ پس اس کو مقدم کرنے میں جماعت کی کثرت ہو گی۔ یہ یاد رکھو اور مصنف عمر پر ورع کو مقدم کرنے کے قول پر چلے ہیں۔ متون اور بہت سی کتب میں یہی مذکور ہے ''المحیط'' میں اس کے برعکس ہے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب من احق بالامامۃ، جلد 1، صفحہ 669، حدیث نمبر 1129

فَيُقَدَّمُ شَابٌّ عَلَى شَيْخٍ أَسْلَمَ، وَقَالُوا يُقَدَّمُ الْأَقْدَمُ وَرَعًا وَفِي النَّهْرِ عَنْ الزَّادِ وَعَلَيْهِ يُقَاسُ سَائِرُ الْخِصَالِ، فَيُقَالُ يُقَدَّمُ أَقْدَمُهُمْ عِلْمًا وَنَحْوَهُ، وَحِينَئِذٍ فَقَلَّمَا يُحْتَاجُ لِلْقُرْعَةِ (ثُمَّ الْأَحْسَنُ خُلُقًا) بِالضَّمِّ أُلْفَةً بِالنَّاسِ (ثُمَّ الْأَحْسَنُ وَجْهًا) أَيْ أَكْثَرُهُمْ تَهَجُّدًا زَادَ فِي الزَّادِ ثُمَّ أَصْبَحُهُمْ أَيْ أَسْمَحُهُمْ وَجْهًا، ثُمَّ أَكْثَرُهُمْ حَسَبًا

پس نوجوان کو اس بوڑھے پر مقدم کیا جائے گا جو ابھی اسلام لایا ہو۔ فقہا نے فرمایا: اس کو مقدم کیا جائے گا جو تقویٰ کے اعتبار سے مقدم ہوگا۔ اور ''النہر'' میں ''الزاد'' کے حوالہ سے ہے کہ تمام خصال کو اس پر قیاس کیا جائے گا۔ پس کہا جائے گا کہ اس کو مقدم کیا جائے گا جو علم وغیرہ کے اعتبار سے مقدم ہوگا اس صورت میں قرعہ اندازی کی ضرورت نہیں ہوگی۔ پھر وہ امامت کا زیادہ مستحق ہوگا جو اخلاق کے اعتبار سے بہتر ہوگا۔ خلق خا کے ضمہ کے ساتھ ہے یعنی جو لوگوں سے الفت کرنے والا ہوگا پھر جو چہرہ کے اعتبار سے خوبصورت ہوگا یعنی جو تہجد زیادہ پڑھنے والا ہوگا۔ الزاد میں یہ زائد ذکر کیا ہے کہ پھر جس کے چہرے پر بشاشت و مسکراہٹ ہو پھر جو حسب کے اعتبار سے زیادہ ہو

4708۔ (قولہ: عَنْ الزَّادِ) یعنی ''ابن الہمام'' کی ''زاد الفقیر''۔

4709۔ (قولہ: بِالضَّمِّ) یعنی خا کے ضمہ کے ساتھ رہا اس کا فتحہ تو مابعد سے یہی مراد ہے۔

4710۔ (قولہ: أَكْثَرُهُمْ تَهَجُّدًا) یہ ملزوم سے تفسیر ہے۔ کیونکہ کثرت تہجد کو چہرے کی خوبصورتی لازم ہے۔ کیونکہ حدیث شریف ہے کہ ''جس کی رات کی نماز زیادہ ہوتی ہے دن کے وقت اس کے چہرے کا حسن زیادہ ہوا'' (1)۔ اگرچہ محدثین کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے۔ ''البدائع'' میں ہے: اس تکلف کی ضرورت نہیں بلکہ یہ اپنے ظاہر پر باقی ہے۔ کیونکہ چہرے کا حسن اور ملاحت کثرت جماعت کا سبب ہے۔ جیسا کہ ''البحر'' میں ہے۔ ''حلبی''۔

4711۔ (قولہ: زَادَ فِي الزَّادِ الخ) میں کہتا ہوں: اس میں زیادتی نہیں ہے۔ خلق کے بعد الزاد کی عبارت اس طرح ہے: اگر تمام برابر ہوں تو جو چہرے کے اعتبار سے خوبصورت ہوگا۔ ''الکافی'' میں اس کو رات کو نماز پڑھنے والے کے ساتھ مقید فرمایا ہے۔ پھر اگر اس میں بھی برابر ہوں تو جو نسب کے اعتبار سے اشرف ہے۔

4712۔ (قولہ: أَيْ أَسْمَحُهُمْ وَجْهًا) یعنی ہر ملنے والے کو بشاشت و مسکراہٹ کے ساتھ ملتا ہو یہ اس حسن سے مختلف ہے جو اعضاء کے تناسب میں ہوتا ہے۔ یہ ''حلبی'' نے فائدہ ذکر کیا ہے۔

4713۔ (قولہ: ثُمَّ أَكْثَرُهُمْ حَسَبًا) ظاہر یہ ہے کہ حسب با کے ساتھ ہے نہ کہ نون کے ساتھ۔ یہی ''عبد الرزاق'' نے اپنی شرح میں لکھا ہے۔ ''البحر'' میں فرمایا: ''الفتح'' میں چہرے کی صباحت پر حسب کو مقدم کیا ہے۔

''القاموس'' میں ہے: حسب وہ ہوتا ہے جو تو اپنے آباء کے مفاخر سے شمار کرتا ہے یا مال یا دین یا کرم یا فعل میں شرف

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوٰۃ، باب ماجاء فی قیام اللیل، جلد 2، صفحہ 416، حدیث نمبر 1322

(ثُمَّ الْأَشْرَفُ نَسَبًا) زَادَ فِي الْبُرْهَانِ ثُمَّ الْأَحْسَنُ صَوْتًا وَفِي الْأَشْبَاهِ قُبَيْلَ ثَمَنِ الْمِثْلِ ثُمَّ الْأَحْسَنُ زَوْجَةً ثُمَّ الْأَكْثَرُ مَالًا، ثُمَّ الْأَكْثَرُ جَاهًا (ثُمَّ الْأَنْظَفُ ثَوْبًا) ثُمَّ الْأَكْبَرُ رَأْسًا وَالْأَصْغَرُ عُضْوًا، ثُمَّ الْمُقِيمُ عَلَى الْمُسَافِرِ، ثُمَّ الْحُرُّ الْأَصْلِيُّ عَلَى الْمُعْتَقِ ثُمَّ الْمُتَيَمِّمُ عَنْ حَدَثٍ عَلَى الْمُتَيَمِّمِ عَنْ جَنَابَةٍ

پھر جونسب کے اعتبار سے اشرف ہو۔ ''البرہان'' میں یہ زائد ذکر کیا ہے پھر جو آواز کے اعتبار سے خوبصورت ہو۔ ''الاشباہ'' میں ثمن المثل سے تھوڑا پہلے ذکر کیا ہے کہ پھر جس کی بیوی خوبصورت ہو، پھر جس کا مال زیادہ ہو، پھر جس کی جاہ وحشمت زیادہ ہو، پھر جس کا لباس زیادہ صاف ہو، پھر جس کا سر بڑا ہو اور اعضاء کے اعتبار سے چھوٹا ہو، پھر مقیم مسافر پر مقدم ہوگا، پھر اصلی آزاد، آزاد کئے گئے غلام سے مقدم ہوگا، پھر حدث کی وجہ سے تیمم کرنے والا جنابت کی وجہ سے تیمم کرنے والے پر مقدم ہوگا۔

کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

4714۔ (قولہ: ثُمَّ الْأَحْسَنُ زَوْجَةً) کیونکہ غالباً وہ اپنی زوجہ سے زیادہ محبت کرتا ہے اور پاکدامن ہوتا ہے۔ کیونکہ دوسری عورتوں سے اس کا تعلق کم ہوتا ہے۔ یہ معاملہ دوستوں یا قریبی رشتہ داروں یا پڑوسیوں سے معلوم ہوگا۔ کیونکہ یہ مراد نہیں کہ ان میں سے ہر ایک اپنی بیوی کے اوصاف بیان کرے حتیٰ کہ معلوم ہو کہ کون زوجہ کے اعتبار سے بہتر ہے۔

4715۔ (قولہ: ثُمَّ الْأَكْثَرُ مَالًا) کیونکہ مال کی کثرت کے ساتھ جبکہ مذکورہ اوصاف بھی ہوں تو اسے قناعت اور عفت نصیب ہوگی پس لوگ اس میں زیادہ رغبت رکھیں گے۔

4716۔ (قولہ: ثُمَّ الْأَكْبَرُ رَأْسًا) کیونکہ یہ عقل کی بڑائی کی دلیل ہے یعنی اس کے اعضا کی مناسبت کے ساتھ ہو۔ لیکن اگر سر بہت بڑا ہو اور اعضا چھوٹے ہوں تو یہ اس کے مزاج کے اختلال پر دلالت ہوگی جو اس کے عقل کے عدم اعتدال کو مستلزم ہے۔ حاشیہ ''ابوالسعود'' میں ہے: ''اس مقام پر بعض علما سے ایسی چیزیں منقول ہیں جن کا ذکر کرنا ہی مناسب نہیں چہ جائیکہ ان کو لکھا جائے''۔ گویا یہ اس کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو کہا گیا ہے کہ عضو سے مراد ذکر (آلہ تناسل) ہے۔

4717۔ (قولہ: ثُمَّ الْمُقِيمُ عَلَى الْمُسَافِرِ) بعض علما نے فرمایا: یہ دونوں برابر ہیں ''بحر''۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ اگرچہ جماعت مسافروں کی ہو ''فلیتامل''۔ اور یہ اس وقت تک ہے جب نماز کا وقت باقی ہو ورنہ چار رکعتوں والی نماز میں مقیم کی مسافر کی اقتدا کرنا صحیح نہیں جیسا کہ (مقولہ 4884 میں) آگے آئے گا۔

4718۔ (قولہ: ثُمَّ الْمُتَيَمِّمُ عَنْ حَدَثٍ عَلَى الْمُتَيَمِّمِ عَنْ جَنَابَةٍ) اسی طرح ''الحلوانی'' نے اس کا جواب دیا ہے جس طرح ''التتمہ'' میں ہے۔ ''الفیض'' اور ''جامع الفتاویٰ'' میں اس پر جزم کیا ہے۔ اسی طرح ''الشیخ اسماعیل'' کی کتاب ''الاحکام'' میں ہے۔ اس کی مثل ''التتارخانیہ'' میں ہے۔ اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ حدث، جنابت سے خفیف ہے۔ لیکن ''منیۃ المفتی'' میں ہے۔ جنابت سے تیمم کرنے والا حدث سے تیمم کرنے والے سے امامت کا زیادہ حقدار ہے۔ ''النہر'' میں اس کو ''منیۃ المفتی'' کے حوالہ سے اس پر اکتفا کرتے ہوئے نقل کیا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے اس کی طہارت زیادہ قوی

فَائِدَةٌ لَا يُقَدَّمُ أَحَدٌ فِي التَّزَاحُمِ إِلَّا بِمُرَجِّحٍ، وَمِنْهُ السَّبْقُ إِلَى الدَّرْسِ وَالْإِفْتَاءِ وَالدَّعْوَى، فَإِنْ اسْتَوَوْا فِي الْمَجِيءِ أُقْرِعَ بَيْنَهُمْ كَلَامُ الْأَشْبَاهِ وَفِي الْفَصْلِ الثَّانِي وَالثَّلَاثِينَ مِنْ حَظْرِ التَّتَارْخَانِيَّةِ وَفِي طَلَبَةِ الْعِلْمِ يُقَدَّمُ السَّابِقُ؛ فَإِنْ اخْتَلَفُوا وَثَمَّةَ بَيِّنَةٌ فِيهَا، وَإِلَّا أُقْرِعَ كَمَجِيئِهِمْ مَعًا كَمَا فِي الْحَرْقَى وَالْغَرْقَى إذَا لَمْ يُعْرَفْ الْأَوَّلُ وَيُجْعَلُ كَأَنَّهُمْ مَاتُوا مَعًا وَفِي مَحَاسِنِ الْقُرَّاءِ لِابْنِ وَهْبَانَ وَقِيلَ إنْ لَمْ يَكُنْ لِلشَّيْخِ مَعْلُومٌ جَازَ أَنْ يُقَدِّمَ مَنْ شَاءَ، وَأَكْثَرُ مَشَايِخِنَا عَلَى تَقْدِيمِ الْأَسْبَقِ، وَأَوَّلُ مَنْ سَنَّهُ ابْنُ كَثِيرٍ

(فائدہ) کسی امر میں لوگ مزاحم ہوں تو کسی کو دوسروں پر مقدم نہیں کیا جائے گا مگر کسی ترجیح دینے والے قرینہ سے، اور اسباب ترجیح میں سے سبق کی طرف پہلے آنا اور فتویٰ لینے کے لئے پہلے آنا اور دعویٰ کے لئے پہلے آنا ہے۔ اگر آنے میں تمام برابر ہوں تو ان میں قرعہ اندازی کی جائے گی۔ ''اشباہ'' کا کلام ختم ہوا۔ اور ''التاتر خانیہ'' کے باب الحظر کی بتیسویں 32 فصل میں ہے کہ علم پڑھنے والے طلبا میں پہلے آنے والے کو مقدم کیا جائے گا اگر وہ آگے، پیچھے آئیں اور وہاں کوئی دلیل ہو تو فبہا ورنہ قرعہ ڈالا جائے گا جیسے وہ اکٹھے آئے ہوں تو قرعہ ڈالا جاتا ہے جیسا کہ جلنے والے اور غرق ہونے والوں کے بارے میں جب معلوم نہ ہو کہ پہلے کون جلا ہے یا غرق ہوا ہے تو یوں سمجھا جاتا ہے کہ وہ اکٹھے مرے ہیں۔ اور ''محاسن القراء'' میں ہے جو ''ابن ہبان'' کی کتاب ہے: ''بعض علما نے فرمایا: جب شیخ کو معلوم نہ ہو کہ پہلے کون آیا ہے تو جائز ہے کہ وہ جس کو چاہے پہلے سبق پڑھا دے۔ اور اکثر مشائخ پہلے آنے والے کو مقدم کرنے کا نظریہ رکھتے ہیں سب سے پہلے ''ابن کثیر'' نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا۔

ہے۔ کیونکہ یہ غسل کے قائم مقام ہے حدث اس کو باطل نہیں کرتا۔

کسی امر میں مزاحم لوگوں کے درمیان ترجیح کے اسباب

4719۔(قولہ: وَمِنْهُ) یعنی ترجیح دینے والے اسباب سے۔

4720۔(قولہ: وَالْإِفْتَاءِ) بہتر استفتا (فتویٰ طلب کرنا) ہے۔

4721۔(قولہ: وَالدَّعْوَى) یعنی قاضی کے سامنے دعویٰ پیش کرنے میں جو پہلے آئے۔

4722۔(قولہ: أُقْرِعَ بَيْنَهُمْ) جب وہ جھگڑا کریں۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ اولویت کے طور پر ہے۔

4723۔(قولہ: كَمَا فِي الْحَرْقَى وَالْغَرْقَى) تشبیہ اس میں ہے کہ جب ترتیب معلوم نہ ہو جیسے اکٹھے مرے ہیں سمجھا جاتا ہے۔ قرعہ میں تشبیہ نہیں ہے کیونکہ جلنے والوں اور غرق ہونے والوں میں قرعہ نہیں ڈالا جاتا۔ ''حلبی''۔

4724۔(قولہ: مَعْلُومٌ) یعنی واقف کی جہت سے یا طلبہ کی طرف سے کوئی قرینہ نہ ہو۔ ''حلبی''۔

4725۔(قولہ: جَازَ أَنْ يُقَدِّمَ مَنْ شَاءَ) کیونکہ شیخ کے لئے جائز ہے کہ وہ اصلاً انہیں نہ پڑھائے۔ ''حلبی''۔

4726۔(قولہ: وَأَوَّلُ مَنْ سَنَّهُ ابْنُ كَثِيرٍ) ''السمہودی'' نے ''جوہر العقدین'' میں فرمایا: روایت کیا گیا ہے کہ

(فَإِنْ اسْتَوَوْا يُقْرَعُ) بَيْنَ الْمُسْتَوِيَيْنِ (أَوْ الْخِيَارُ إِلَى الْقَوْمِ) فَإِنْ اخْتَلَفُوا اُعْتُبِرَ أَكْثَرُهُمْ؛ وَلَوْ قَدَّمُوا غَيْرَ الْأَوْلَى أَسَاءُوا بِلَا إِثْمٍ (وَ) اعْلَمْ أَنَّ (صَاحِبَ الْبَيْتِ) وَمِثْلُهُ إِمَامُ الْمَسْجِدِ الرَّاتِبُ (أَوْلَى بِالْإِمَامَةِ مِنْ غَيْرِهِ) مُطْلَقًا (إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَعَهُ سُلْطَانٌ أَوْ قَاضٍ فَيُقَدَّمُ عَلَيْهِ) لِعُمُومِ وِلَايَتِهِمَا،

اگر تمام لوگ برابر ہوں تو برابر لوگوں میں قرعہ ڈالا جائے گا یا قوم جس کو پسند کرے گی۔ اگر لوگوں کا اختلاف ہو تو اکثر کا اعتبار کیا جائے گا اگر لوگوں نے غیر اولیٰ کو آگے کر دیا تو بغیر گناہ کے اچھا کرنے والے نہ ہوں گے۔ اور جان لو کہ گھر کا مالک اور اس کی مثل مسجد کا مقرر امام دوسروں سے امامت کا مطلقاً زیادہ مستحق ہے مگر یہ کہ اس کے ساتھ سلطان یا قاضی ہو تو اسے اس پر مقدم کیا جائے گا۔ کیونکہ سلطان اور قاضی کی ولایت کو عموم حاصل ہے۔

ایک انصاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کرنے کے لئے آیا پھر اسی حالت میں ثقیف کا ایک شخص آ گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ثقفی! انصاری سوال کرنے کے لئے تجھ سے پہلے آیا ہے(1) (ابھی) بیٹھ جا تاکہ میں تیری حاجت سے پہلے انصاری کی حاجت پوری کر دوں۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے اور ''ابن کثیر'' اس میں تابع ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں جس کو معلوم ہو اور جس کو معلوم نہ ہو۔ ہاں جب دونوں اکٹھے حاضر ہوں تو پھر ذی معلوم اور غیر معلوم کے درمیان فرق ممکن ہے ''رحمتی''۔ یعنی قرعہ ڈالا جائے گا اگر اس کو معلوم ہو ورنہ جس کو چاہے مقدم کرے۔

4727۔ (قولہ: اُعْتُبِرَ أَكْثَرُهُمْ) یہ ظاہر نہیں ہوتا مگر امام مقرر کرنے میں ورنہ ہر ایک اس کے پیچھے نماز پڑھے جس کو وہ پسند کرے۔ ''طحطاوی''۔ لیکن اس میں جماعت کا تکرار ہو گا اور اس میں جو مسئلہ ہے وہ گزر چکا ہے۔

4728۔ (قولہ: أَسَاءُوا بِلَا إِثْمٍ) ''التتارخانیہ'' میں فرمایا: اگر دو آدمی فقہ اور صلاح میں برابر ہوں مگر ان میں سے ایک زیادہ قاری ہو پھر لوگوں نے دوسرے کو مقدم کر دیا تو انہوں نے اچھا نہیں کیا اور انہوں نے سنت کو ترک کیا لیکن وہ گنہگار نہ ہوں گے کیونکہ انہوں نے ایک صالح شخص کو مقدم کیا ہے اور اسی طرح امارت اور حکومت میں حکم ہے۔ رہی خلافت جو امامت کبریٰ ہے تو افضل کو ترک کرنا جائز نہیں اور اس پر امت کا اجماع ہے۔ ''فافہم''

4729۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی اگرچہ دوسرے حاضرین اس سے زیادہ علم والے اور زیادہ قاری بھی ہوں۔ اور ''التتارخانیہ'' میں ہے: مہمانوں کی جماعت ایک گھر میں ہو ان میں سے کوئی آگے بڑھنا چاہے تو مالک کو آگے ہونا چاہئے (یعنی وہ خود مالک امامت کرائے) اگر اس نے مہمانوں میں سے کسی کو اس کے علم اور بزرگی کی وجہ سے آگے کر دیا تو یہ افضل ہے اور جب ان میں سے کوئی خود آگے بڑھ جائے تو جائز ہے۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ مالک مہمان کو اس کے اکرام کی وجہ سے اجازت دیتا ہے۔

1۔ مصنف عبدالرزاق، فصل الحج، جلد 5، صفحہ 15، حدیث نمبر 8830

وَصَرَّحَ الْحَدَّادِيُّ بِتَقْدِيمِ الْوَالِي عَلَى الرَّاتِبِ (وَالْمُسْتَعِيرُ وَالْمُسْتَأْجِرُ أَحَقُّ مِنَ الْمَالِكِ) لِمَا مَرَّ (وَلَوْ أَمَّ قَوْمًا وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ، إِنْ) الْكَرَاهَةُ (لِفَسَادٍ فِيهِ أَوْ لِأَنَّهُمْ أَحَقُّ بِالْإِمَامَةِ مِنْهُ كُرِهَ) لَهُ ذَلِكَ تَحْرِيمًا لِحَدِيثِ أَبِي دَاوُد (لَا يَقْبَلُ اللهُ صَلَاةَ مَنْ تَقَدَّمَ قَوْمًا وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ) (وَإِنْ هُوَ أَحَقُّ لَا) وَالْكَرَاهَةُ عَلَيْهِمْ

اور ''الحدادی'' نے مقرر امام پر والی کی تقدیم کی صراحت کی ہے عاریۃً لینے والا یا اجرت پر لینے والا مالک سے زیادہ حقدار ہے اس دلیل کی وجہ سے جوگزر چکی ہے۔ اگر کوئی شخص ایسی قوم کی امامت کرائے جبکہ وہ اسے پسند نہ کرتے ہوں اگر ناپسندیدگی اس امام میں فساد کی وجہ سے ہو یا وہ لوگ اس سے امامت کے زیادہ مستحق ہوں تو اس کے لئے امامت کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ ''ابوداؤد'' کی حدیث ہے: ''اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں فرماتا(1) جس نے قوم کی امامت کرائی جبکہ وہ اسے ناپسند کرتے تھے اور اگر وہ ان سے امامت کا زیادہ مستحق ہو تو کراہت نہیں ہوگی بلکہ کراہت لوگوں پر ہوگی۔

4730۔(قولہ: وَصَرَّحَ الْحَدَّادِيُّ الخ) یہ فائدہ ظاہر کیا ہے یہ حکم اس سلطان کے ساتھ خاص نہیں جس کو ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے اور نہ یہ اس قاضی کے ساتھ خاص ہے جس کو احکام شرعیہ کی ولایت حاصل ہوتی ہے بلکہ ان دونوں کی مثل والی ہے اور مقرر امام اس میں گھر کے مالک کی طرح ہے۔ ''الامداد'' میں فرمایا: رہی یہ صورت کہ جب یہ تمام جمع ہوں تو سلطان مقدم ہوگا پھر امیر، پھر قاضی، پھر گھر والا اگرچہ وہ کرایہ دار بھی ہو اور اسی طرح قاضی کو مسجد کے امام پر مقدم کیا جائے گا۔

4731۔(قولہ: وَالْمُسْتَعِيرُ وَالْمُسْتَأْجِرُ أَحَقُّ) کیونکہ عاریۃً دینا منافع کا مالک بنانا ہے اور عاریۃً دینے والا اس کے لئے رجوع کرنے کا حق ہے بخلاف اجرت پر دینے والے کے لیکن جس وقت تک رجوع نہیں کرتا مستعیر (عاریۃً لینے والا) زیادہ حقدار ہوگا اور کلام اس میں ہے۔ کیونکہ جب وہ رجوع کرے گا تو عاریۃً باقی نہیں رہے گا اور مسئلہ اپنے موضوع سے خارج ہوگیا۔ ''فافہم''

4732۔(قولہ: لِمَا مَرَّ) یعنی لعموم ولایتهما کی دلیل جوگزر چکی ہے لیکن یہ غیر مناسب ہے کیونکہ ولایت کے عموم سے مراد لوگوں کے لئے ولایت کا عموم ہے اور یہ دونوں اس طرح نہیں ہیں۔ پس شارح کو یہ کہنا چاہئے تھا کہ اس حالت میں ان دونوں کے لئے ولایت ہے نہ کہ مالک کے لئے ولایت ہے۔ ''حلبی''۔

4733۔(قولہ: لِحَدِيثِ الخ) اسی طرح ''النہر'' میں بالمعنی مروی ہے۔ اور اس کو ''الحلبی'' کی طرف منسوب کیا ہے جو ''الحلبہ'' کے مصنف ہیں۔ جبکہ ''الحلبہ'' میں اس کو مطول ذکر کیا ہے اور اسے ''البحر'' میں ''الحلبہ'' سے نقل کیا ہے۔

4734۔(قولہ: وَالْكَرَاهَةُ عَلَيْهِمْ) ''الحلبہ'' میں اس پر جزم کیا ہے کہ ''حدیث کی وجہ سے پہلی کراہت تحریمی ہے'' اور اس میں وہ متردد ہیں۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب الرجل یؤم القوم وهم له کارهون، جلد 1، صفحہ 239، حدیث نمبر 501

(وَيُكْرَهُ) تَنْزِيهًا (اِمَامَةُ عَبْدٍ) وَلَوْ مُعْتَقًا قُهُسْتَانِيٌّ عَنِ الْخُلَاصَةِ، وَلَعَلَّهُ لِمَا قَدَّمْنَاهُ مِنْ تَقَدُّمِ الْحُرِّ الْأَصْلِيِّ، إِذِ الْكَرَاهَةُ تَنْزِيهِيَّةٌ فَتَنَبَّهْ (وَأَعْرَابِيٍّ) وَمِثْلُهُ تُرْكُمَانٌ وَأَكْرَادٌ وَعَامِيٌّ (وَفَاسِقٍ وَأَعْمَى)

غلام کی امامت مکروہ تنزیہی ہے اگر چہ وہ آزاد کیا گیا ہو "قہستانی عن الخلاصہ"۔ شاید یہ اس دلیل کی وجہ سے ہے جو ہم نے اصلی آزاد کے تقدم کے متعلق پیش کی ہے کیونکہ کراہت تنزیہی ہے۔ پس آگاہ رہو۔ اور بدو (ان پڑھ) کی امامت مکروہ ہے۔ اس کی مثل ترکمان قوم کے لوگ اور کرد قوم کے لوگ اور عامی انسان ہیں۔ اور فاسق اور اندھے

غلام، بدو، فاسق، اعمٰی اور بدعتی کی امامت کا حکم

4735_(قولہ: وَيُكْرَهُ تَنْزِيهًا) کیونکہ "الاصل" میں ہے کہ ان کے علاوہ کی امامت میرے نزدیک پسندیدہ ہے۔ یہ "البحر" نے "المجتبیٰ" اور "المعراج" کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ پھر فرمایا: ایسے لوگوں کو مقدم کرنا مکروہ ہے اور ان کی اقتدا مکروہ تنزیہی ہے۔ اگر ان کے علاوہ کے پیچھے نماز پڑھنا ممکن ہو تو یہ افضل ہے ورنہ تنہا پڑھنے سے اقتدا اولیٰ ہے۔

4736_(قولہ: وَلَوْ مُعْتَقًا) اس سے لفظ کا حقیقت و مجاز میں استعمال لازم آتا ہے کیونکہ ایک اعتبار سے آزاد کیا ہوا غلام ہوتا ہے مگر یہ کہ مجاز کے عموم کے قبیل سے ہو اس طرح کہ عبد سے مراد وہ شخص ہو جو ایک وقت غلامی کے ساتھ متصف تھا خواہ وہ فی الحال ہو یا ماضی میں تھا۔ "حلبی"۔

4737_(قولہ: وَلَعَلَّهُ) یعنی شاید معتق (آزاد کیا ہوا غلام) کی کراہت کا سبب وہ ہو جو ہم نے پہلے (سابقہ مقولہ میں) پیش کیا، کیونکہ اصلی آزاد کو مقدم کرنا مستحب ہے اور اس کو ترک کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ اسی وجہ سے فرمایا اذ الکراهة الخ اور ایک نسخہ میں والعلة ہے یعنی معتق کی امامت کی کراہت میں علت یہ ہے کہ اصلی آزاد اس کی نسبت امامت کا زیادہ مستحق ہے کیونکہ اس نے غلامی میں پرورش پائی ہے اپنے مولیٰ کی خدمت میں مشغول ہوتے ہوئے علم حاصل کرنے کے لئے فارغ ہی نہیں ہوا۔ "رحمتی"۔

4738_(قولہ: وَأَعْرَابِيٍّ) یہ اعراب کی طرف نسبت ہے لفظاً۔ اس کا کوئی واحد نہیں ہے اور نہ یہ عرب کی جمع ہے جیسا کہ "الصحاح" میں ہے۔ لیکن "الرضی" میں ہے: ظاہر یہ ہے کہ یہ جمع ہے "قہستانی"۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو دیہات میں رہتا ہے خواہ وہ عربی ہو یا عجمی ہو۔ "المصباح" میں عربوں میں سے دیہاتیوں کو اس کے ساتھ خاص کیا ہے۔

4739_(قولہ: وَمِثْلُهُ الخ) یہ اس پر مبنی ہے کہ اعرابی، عجمی کو شامل نہیں ورنہ مناسب و منه تھا اور ان تمام میں علت جہالت کا غلبہ ہے۔

4740_(قولہ: وَفَاسِقٌ) یہ فسق سے مشتق ہے اور اس کا معنی استقامت سے نکلنا ہے۔ شاید اس سے مراد وہ شخص ہے جو گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہے جیسے شرابی، زانی، سود خور وغیرہ۔ اسی طرح "البرجندی" میں ہے "اسماعیل"۔ اور "المعراج" میں ہے: ہمارے اصحاب نے فرمایا: فاسق کی اقتدا کرنا مناسب نہیں مگر جمعہ میں کیونکہ جمعہ کے علاوہ نمازوں میں

وَنَحْوُهُ الْأَعْشَى نَهْرٌ (إِلَّا أَنْ يَكُونَ) أَيْ غَيْرُ الْفَاسِقِ (أَعْلَمَ الْقَوْمِ) فَهُوَ أَوْلَى (وَ مُبْتَدِعٍ)

اور اس طرح وہ شخص جس کو بہت کم نظر آتا ہو، ان کی امامت بھی مکروہ ہے ''نہر''۔ مگر فاسق کے علاوہ یہ لوگ قوم سے زیادہ علم والے ہوں تو یہ اولیٰ ہوں گے

دوسرا امام وہ پالیتا ہے۔

''الفتح'' میں فرمایا: اس بنا پر امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے مفتی بہ قول پر جمعہ میں بھی اقتدا مکروہ ہے جب شہر میں جمعہ متعدد مقامات پر ہوتا ہو۔ کیونکہ اس سے پھرنے کا راستہ موجود ہے۔

4741۔ (قولہ: وَنَحْوُهُ الْأَعْشَى) رات اور دن کے وقت جسے تھوڑا نظر آتا ہو۔ ''قاموس''۔ یہ ''النہر'' میں اندھے کی تعلیل کو لیتے ہوئے بطور بحث ذکر کیا ہے۔ نابینے کی علت یہ تھی کہ وہ نجاست سے نہیں بچ سکتا۔

4742۔ (قولہ: أَيْ غَيْرُ الْفَاسِقِ) اس میں صاحب ''البحر'' کی متابعت کی ہے۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا: ''المحیط'' وغیرہ میں اندھے کی امامت کی کراہت کو اس سے مقید کیا ہے کہ وہ قوم میں سے افضل نہ ہو۔ اگر وہ افضل ہو تو وہ اولیٰ ہے۔ پھر ذکر فرمایا کہ اس قید کو غلام، بدو اور ولد الزنا میں بھی جاری ہونا چاہئے۔ اور ''النہر'' میں اس سے تنازع کیا ہے کہ ''الہدایہ'' میں ان میں جہالت کے غلبہ کے ساتھ کراہت کی علت بیان کی ہے۔ اور یہ علت بیان کی ہے کہ ان کو مقدم کرنے میں جماعت کی تنفیر ہے۔ دوسری علت کا تقاضا جہالت کے انتفا کے ساتھ بھی کراہت کا ثبوت ہے لیکن اندھے کے بارے میں خاص نص ہے۔ وہ ''ابن ام مکتوم'' اور ''عتبان'' کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ طیبہ میں اپنا خلیفہ بنانا ہے اور یہ دونوں نابینا صحابی تھے (1)۔ کیونکہ مردوں میں سے کوئی ایسا باقی نہیں رہا تھا جو ان سے زیادہ اصلاح والا ہوتا یہ مناسب ہے۔ کیونکہ فقہا نے مطلق بیان کیا ہے اور نابینے کی استثنا پر اکتفا کیا ہے۔

اور اس کا حاصل یہ ہے کہ مصنف کا قول الا ان یکون اعلم القوم نابینے کے ساتھ خاص ہے۔ رہے دوسرے تو ان کے علم کے باوجود کراہت منتفی نہ ہوگی۔ لیکن ''البحر'' میں جو بحث کی ہے ''الاختیار'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ کیونکہ فرمایا: اگر کراہت کی علت نہ ہوتی تو اعرابی، شہری سے افضل ہوتا، غلام آزاد سے افضل ہوتا اور ولد الزنی، ولد الرشد سے اور نابینا، بصیر سے افضل ہوتا۔ پس حکم ضد کے ساتھ ہوتا۔ ''البہنسی'' کی ''شرح الملتقی'' میں اور ''شرح درر البحار'' میں اسی طرح ہے۔

شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو مقدم کرنے سے جماعت کی تنفیر زائل ہو جائے گی جب وہ دوسروں سے افضل ہوگا بلکہ تنفیر دوسروں کو مقدم کرنے میں ہوگی۔ رہا فاسق تو اس کی تقدیم کی کراہت میں فقہا نے یہ علت بیان کی ہے کہ وہ اپنے دینی معاملات کا اہتمام نہیں کرتا۔ نیز اس کو امامت کے لئے مقدم کرنے میں اس کی تعظیم ہے جبکہ شرعاً ان پر اس کی اہانت واجب ہے۔ یہ مخفی نہیں کہ وہ جب دوسروں سے زیادہ علم والا ہو تو علت زائل نہ ہوگی۔ کیونکہ اس سے امن نہیں کہ وہ لوگوں کو بغیر طہارت کے نماز پڑھا دے۔ پس وہ بدعتی کی طرح ہے اس کی امامت ہر حال میں مکروہ ہے۔ ''شرح المنیہ'' میں اس پر چلے

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب امامۃ الاعمی، جلد 1 صفحہ 239، حدیث نمبر 503

(وَمُبْتَدِعٍ) أَيْ صَاحِبِ بِدْعَةٍ وَهِيَ اعْتِقَادُ خِلَافِ الْمَعْرُوفِ عَنِ الرَّسُولِ لَا بِمُعَانَدَةٍ بَلْ بِنَوْعِ شُبْهَةٍ وَكُلُّ مَنْ كَانَ مِنْ قِبْلَتِنَا (لَا يُكَفَّرُ بِهَا)

اور بدعتی کی امامت بھی مکروہ ہے اور بدعت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی معروف (قول وفعل) کے خلاف اعتقاد رکھنا یہ دشمنی کی بنا پر نہ ہو بلکہ کسی شبہ کی وجہ سے ہو۔ وہ تمام فرقے جو ہمارے قبلہ کو اختیار کرتے ہیں ان کی تکفیر نہیں کی جائے گی

ہیں کہ اس کو مقدم کرنے کی کراہت، کراہت تحریمی ہے اس وجہ سے جو ہم نے ذکر کی ہے۔ فرمایا: اور اسی وجہ سے امام ''مالک'' کے نزدیک اور ایک روایت میں امام ''احمد'' کے نزدیک اس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ اسی وجہ سے الشارح نے المصنف کی عبارت میں حیلہ کیا ہے اور غیر فاسق پر استثنا کو محمول کیا ہے۔

بدعت کی پانچ اقسام

4743۔ (قولہ: أَيْ صَاحِبِ بِدْعَةٍ) یعنی حرام بدعت والا، ورنہ بدعت کبھی واجب ہوتی ہے جیسے گمراہ فرقوں کے رد کے لئے دلائل قائم کرنا، اور کتاب وسنت کو سمجھانے والی نحو کو سیکھنا۔ کبھی بدعت مستحب ہوتی ہے جیسے مدرسہ، چھاؤنی اور ہر اچھا کام کرنا جو صدر اول میں نہیں تھا۔ اور کبھی بدعت مکروہ ہوتی ہے جیسے مساجد کو مزین کرنا۔ اور کبھی بدعت مباحہ ہوتی ہے جیسے لذیذ کھانے، پینے اور لباس میں وسعت کرنا جیسا کہ المناوی کی ''شرح الجامع الصغیر'' میں ''تہذیب النووی'' کے حوالہ سے ہے۔ اور اس کی مثل ''البرکلی'' کی کتاب ''الطریقہ المحمدیہ'' میں ہے۔

4744۔ (قولہ: وَهِيَ اعْتِقَادُ الخ) اس تعریف کو ''الخزائن'' کے حاشیہ میں حافظ ''ابن حجر'' کی ''شرح النخبہ'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور مخفی نہیں کہ اعتقاد اس کو بھی شامل ہے جس کے ساتھ عمل ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ جو کسی عمل کو دین بناتا ہے تو ضروری ہے کہ وہ اس کا اعتقاد بھی رکھتا ہے جیسے پاؤں پر شیعہ حضرات کا مسح کرنا اور خفین پر مسح کرنے سے انکار کرنا وغیرہ۔ اس صورت میں یہ ''الشمنی'' کی تعریف کے مساوی ہو جائے گی کہ بدعت یہ ہے رسول اللہ ﷺ سے علم یا عمل یا حال میں سے ملنے والے حق کے خلاف کوئی نئی چیز پیدا کرنا کسی شبہ اور استحسان کی وجہ سے اور اسے دین مستقیم اور صراط مستقیم بنایا گیا ہو۔ فافہم۔

4745۔ (قولہ: لَا بِمُعَانَدَةٍ) رہی یہ صورت کہ اگر وہ ادلہ قطعیہ کی مخالفت کرے جس میں قطعاً کوئی شبہ نہیں ہے جیسے حشر کا انکار یا عالم کے حادث ہونے وغیرہ کا انکار تو وہ قطعاً کافر ہے۔

4746۔ (قولہ: بَلْ بِنَوْعِ شُبْهَةٍ) یعنی اگرچہ شبہ فاسدہ بھی ہو جیسے رویت کے منکر کا قول کہ اللہ تعالیٰ اپنے جلال اور عظمت کی وجہ سے دیکھا نہیں جائے گا۔

4747۔ (قولہ: وَكُلُّ مَنْ كَانَ مِنْ قِبْلَتِنَا لَا يُكَفَّرُ بِهَا) یعنی مذکورہ بدعت جس کی بنیاد کسی شبہہ کی وجہ سے ہو تو اس کی وجہ سے انہیں کافر نہیں کہا جائے گا۔

کیونکہ اس شخص کے کفر میں تو کوئی اختلاف نہیں جو ضروریات دین میں سے کسی چیز کی مخالفت کرتا ہے۔ مثلاً عالم کا حدوث،

حَتَّى الْخَوَارِجُ الَّذِينَ يَسْتَحِلُّونَ دِمَاءَنَا وَأَمْوَالَنَا وَسَبَّ الرَّسُولِ، وَيُنْكِرُونَ صِفَاتِهِ تَعَالَى وَجَوَازَ رُؤْيَتِهِ لِكَوْنِهِ عَنْ تَأْوِيلٍ وَشُبْهَةٍ بِدَلِيلِ قَبُولِ شَهَادَتِهِمْ،

حتیٰ کہ ان خارجیوں کو بھی کافر نہیں کہا جائے گا جو ہمارے خون اور مال کو حلال سمجھتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کے اصحاب) کی گستاخی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رؤیت کے جواز کا انکار کرتے ہیں تاویل اور شبہ کی بنا پر اس کی وجہ سے کہ ان کی گواہی قبول کی جاتی ہے

اجساد کا حشر، جزئیات کے علم کی نفی اگرچہ وہ اہل قبلہ سے ہو تمام عمر طاعات پر گزاری ہو۔ جیسا کہ ''شرح التحریر'' میں ہے۔

4748۔ (قولہ: حَتَّى الْخَوَارِجُ) اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اہل حق کے اعتقادات سے خارج ہو گئے۔ اس سے صرف وہ خاص فرقہ مراد نہیں جنہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر خروج کیا تھا اور انہوں نے آپ کو (نعوذ باللہ) کافر کہا تھا۔ پس خوارج میں معتزلہ شیعہ وغیرہم شامل ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کے گستاخ کا حکم

4749۔ (قولہ: سَبَّ الرَّسُولِ) اکثر نسخوں میں اسی طرح ہے۔ اور ''الخزائن'' میں میں نے الشارح کے خط میں اسی طرح دیکھا ہے اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والا قطعاً کافر ہے۔ درست عبارت: وسب اصحاب الرسول ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو گالی دینے والا۔ اور محشی نے اس کو شیخین حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے علاوہ کے ساتھ قید کیا ہے۔ کیونکہ باب المرتد میں آئے گا کہ ان حضرات کو یا ان میں سے کسی ایک کو برا بھلا کہنے والا کافر ہے۔ میں کہتا ہوں: یہ اس گستاخی پر محمول ہوگا جو بغیر کسی شبہ کے ہو۔ کیونکہ ''شرح المنیہ'' میں اس کی تصریح کی ہے کہ جس نے ان دونوں کو برا بھلا کہا یا ان کی خلافت کا انکار کیا جبکہ اس کی بنا کسی شبہ پر ہے تو اسے کافر نہیں کہا جائے گا اگرچہ اس کا قول اس کی ذات کی حد میں کفر ہے۔ کیونکہ وہ صحابہ پر اتہام لگا کر اجماع کی حجیت کا انکار کرتے ہیں۔ پس بہر حال یہ شبہ تھا اگرچہ باطل ہے بخلاف اس کے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ حضرت علی (نعوذ باللہ) الہ ہے اور جبریل سے غلطی ہوئی۔ کیونکہ یہ کسی شبہ کی وجہ سے اور اجتہاد میں پوری کوشش صرف کرنے کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ مخفی خواہش ہے۔ مکمل بحث ''شرح المنیہ'' میں ہے ادھر رجوع کرو۔ میں نے اس مقام کی اپنی کتاب ''تنبیه الولاة والحکام علی احکام شاتم خیر الانام او احد اصحابه الکرام علیه وعلیهم الصلوۃ والسلام'' میں وضاحت کی ہے۔

4750۔ (قولہ: لِكَوْنِهِ عَنْ تَأْوِيلٍ) یہ لا یکفر بہا کے قول کی علت ہے۔ المحقق ''ابن الہمام'' نے ''التحریر'' کے اواخر میں فرمایا: بدعتی کی جہالت ان معتزلہ کی طرح ہے زائدہ صفات عذاب قبر، شفاعت، کبیرہ گناہ کے مرتکب کے اسلام سے خروج اور رؤیت کے ثبوت کے منکر ہیں۔ ان کا یہ عذر معتبر نہیں۔ کیونکہ کتاب اللہ اور سنت صحیحہ سے دلائل واضح ہیں لیکن ان کو کافر نہیں کہا جاتا۔ کیونکہ ان کی دلیل قرآن یا حدیث یا عقل سے ہے اور اہل قبلہ کی تکفیر سے منع بھی کیا گیا ہے اور ان کی

إِلَّا الْخَطَّابِيَّةَ وَمِنَّا مَنْ كَفَّرَهُمْ (وَإِنْ) أَنْكَرَ بَعْضَ مَا عُلِمَ مِنَ الدِّينِ ضَرُورَةً (كَفَرَ بِهَا) كَقَوْلِهِ إِنَّ اللهَ تَعَالَى جِسْمٌ كَالْأَجْسَامِ وَإِنْكَارُهُ صُحْبَةَ الصِّدِّيقِ

سوائے خطابیہ فرقہ کے۔ اور ہم میں سے کچھ نے ان کو کافر قرار دیا ہے اور اگر کوئی کسی ایسی چیز کا انکار کرے جو دین سے ہونا ضرورۃً معلوم ہو تو اس کی وجہ سے کافر کہا جائے گا جیسے کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے جس طرح دوسرے اجسام ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار کرے

شہادت کی قبولیت پر اجماع ہے اور مسلمان کے خلاف کافر کی شہادت قبول نہیں ہوتی۔ اور ''الخطابیہ'' کی شہادت کی عدم قبولیت کی وجہ ان کا کفر نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے کہ جھوٹی گواہی دینا ان کے دین کا حصہ ہے اس کے لئے جو ان کے نظریہ اور عقیدہ پر ہو وہ یا وہ قسم اٹھادے کہ وہ حق کو ثابت کرنے والا ہے۔ یہ بھی ان کے دین سے ہے۔

اس پر اعتراض وارد کیا گیا ہے کہ گناہ کو مباح سمجھنا کفر ہے۔ اور اس کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ جب وہ مکابرہ (ہٹ دھرمی) اور عدم دلیل کی وجہ سے ہو بخلاف اس کے جو دلیل شرعی پر موقوف ہو۔ اور بدعتی اپنے تمسک (دلیل) میں خطا کرنے والا ہوتا ہے ہٹ دھرمی کی بنا پر ایسا نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اسرار کو بہتر جانتا ہے۔

4751۔ (قولہ: وَمِنَّا مَنْ كَفَّرَهُمْ) یعنی ہم اہل سنت و جماعت سے بعض علما نے خوارج کو کافر کہا ہے یعنی اصحاب بدعت کو یا یہ مراد ہے کہ ہم احناف میں سے بعض علما نے خوارج کو کافر کہا ہے۔ یہ فائدہ ظاہر فرمایا کہ ہمارے نزدیک معتمد اس کے خلاف ہے۔ ''البحر'' میں ''الخلاصہ'' کے حوالہ سے ایسی فروع نقل فرمائی ہیں جو ان میں سے بعض کے کفر پر دلالت کرتی ہیں۔ پھر فرمایا: حاصل یہ ہے کہ ''مذہب، مخالفین میں سے کسی کی اس مسئلہ میں عدم تکفیر ہے جو دین کے اصول معلومہ سے ضرورۃً ثابت نہیں ہے''۔ ''فافہم''

4752۔ (قولہ: كَقَوْلِهِ إِنَّ اللهَ تَعَالَى جِسْمٌ كَالْأَجْسَامِ) اور اسی طرح اگر کالاجسام نہ بھی کہے تو یہی حکم ہے۔ رہا یہ کہ اگر اس نے کہا: جسم ہے، اجسام کی طرح نہیں تو پھر کافر نہیں کہا جائے گا۔ کیونکہ اس میں نہیں ہے مگر جسم کے لفظ کا اطلاق جو نقص کا وہم دیتا ہے۔ پھر لا کالاجسام کا قول کر کے اس نے اس وہم کو دور کر دیا۔ پس اب صرف اطلاق باقی رہ گیا اور یہ معصیت ہے۔ اور اس کی مکمل بحث ''البحر'' میں آئے گی۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت کے منکر کا حکم

4753۔ (قولہ: وَإِنْكَارُهُ صُحْبَةَ الصِّدِّيقِ) کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ (التوبہ: 40) کی تکذیب ہے۔ اور ''الفتح'' میں ''الخلاصہ'' کے حوالہ سے ہے: اگر ابوبکر الصدیق یا حضرت عمر کی خلافت کا انکار کیا تو وہ کافر ہے۔

شاید اس سے مراد ان کے خلافت کے استحقاق کا انکار ہے اور یہ صحابہ کے اجماع کے مخالف ہے نہ کہ ان کے لئے خلافت کے وجود کا انکار ہے۔ ''بحر''۔ اور خلافت کے انکار کی وجہ سے کفر کو اس صورت کے ساتھ مقید کرنا چاہئے جب وہ کسی

(فَلَا يَصِحُّ الِاقْتِدَاءُ بِهِ أَصْلًا) فَلْيُحْفَظْ (وَوَلَدِ الزِّنَا) هَذَا إِنْ وُجِدَ غَيْرُهُمْ وَإِلَّا فَلَا كَرَاهَةَ بَحْرٌ بَحْثًا وَفِي النَّهْرِ عَنْ الْمُحِيطِ صَلَّى خَلْفَ فَاسِقٍ أَوْ مُبْتَدِعٍ نَالَ فَضْلَ الْجَمَاعَةِ وَكَذَا تُكْرَهُ خَلْفَ أَمْرَدَ

تو اصلاً اس کی اقتدا صحیح نہ ہوگی۔ پس اس کو یاد رکھنا چاہئے۔ اور ولد الزنا کی امامت بھی مکروہ ہے یہ اس وقت ہے اگر ان کے علاوہ کوئی اور شخص نہ ہو ورنہ کراہت نہیں ''البحر'' میں بحثاً ذکر ہے۔ اور ''النہر'' میں ''المحیط'' کے حوالہ سے ہے کہ جس نے فاسق یا بدعتی کے پیچھے نماز پڑھی اس نے جماعت کی فضیلت کو پالیا۔ اور اسی طرح خوبصورت لڑکے،

شبہ کی وجہ سے نہ ہو جیسا کہ ''شرح المنیہ'' کے حوالہ سے (مقولہ 4749 میں) گزر چکا ہے بخلاف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحبت کے انکار کے۔

4754۔ (قولہ: أَصْلًا) یہ تاکید ہے۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ اس حالت میں جائز ہے اور اس حالت میں جائز نہیں کیونکہ یہاں احوال نہیں ہیں۔ ''حلبی''۔

4755۔ (قولہ: وَوَلَدُ الزِّنَا) کیونکہ اس کا باپ نہیں ہوتا جو اس کی تربیت کرے اور اسے آداب سکھائے اور اسے تعلیم دے، پس اس پر جہالت غالب ہوتی ہے۔ ''بحر''۔ یا لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں۔

4756۔ (قولہ: هَذَا) اس کا مشار الیہ مذکور لوگوں کی امامت کی کراہت میں سے جو ذکر کیا گیا ہے۔

4757۔ (قولہ: إِنْ وُجِدَ غَيْرُهُمْ) یعنی کوئی دوسرا شخص پایا جائے جو ان سے امامت کا زیادہ حقدار ہے۔

4758۔ (قولہ: بَحْرٌ بَحْثًا) تو جان چکا ہے کہ یہ ''الاختیار'' وغیرہ کے حوالہ سے جو منقول ہے اس کے موافق ہے۔

4759۔ (قولہ: نَالَ فَضْلَ الْجَمَاعَةِ) یہ فائدہ ظاہر فرمایا کہ ان دونوں کے پیچھے نماز پڑھنا علیحدہ پڑھنے سے بہتر ہے لیکن اس طرح فضیلت نہیں پائے گا جیسے متقی اور صالح شخص کے پیچھے پاتا ہے۔ کیونکہ حدیث شریف ہے: ''جس نے کسی متقی عالم کے پیچھے نماز پڑھی گویا اس نے نبی کے پیچھے نماز پڑھی''(1)۔

''الحلبہ'' میں اس حدیث کے متعلق فرمایا: تخریج کرنے والوں نے اس حدیث کو نہیں پایا ہاں ''حاکم'' نے ''مستدرک'' میں مرفوع حدیث نقل فرمائی ہے: ''کہ تمہیں پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری نماز قبول فرمائے تو تمہارے نیک لوگ تمہاری امامت کرائیں کیونکہ وہ تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان وفد ہیں''(2)۔

خوبصورت لڑکے کی امامت

4760۔ (قولہ: وَكَذَا تُكْرَهُ خَلْفَ أَمْرَدَ) ظاہر یہ ہے کہ اس کے پیچھے نماز پڑھنا بھی مکروہ تنزیہی ہے۔ ظاہر یہی ہے جیسا کہ ''الرحمتی'' نے فرمایا: امرد سے مراد خوبصورت چہرے والا ہے کیونکہ وہ فتنہ کا محل ہے۔ کیا یہاں بھی یہ کہا جائے گا کہ جب وہ قوم سے زیادہ علم والا ہوگا تو کراہت ختم ہو جائے گی۔ اگر کراہت کی علت شہوت کا خدشہ ہو...... جو کہ زیادہ ظاہر ہے

1۔ البنایہ فی شرح الہدایہ، کتاب الصلوٰۃ فی الامامۃ، جلد 2، صفحہ 331، 2۔ المعجم الکبیر للطبرانی، جلد 20، صفحہ 328، حدیث نمبر 777

وَسَفِيهٍ وَمَفْلُوجٍ، وَأَبْرَصَ شَاعَ بَرَصُهُ، وَشَارِبِ الْخَمْرِ وَآكِلِ الرِّبَا وَنَمَّامٍ، وَمُرَاءٍ وَمُتَصَنِّعٍ
بیوقوف، مفلوج، برص کا مریض جس کا برص پھیل چکا ہو، شراب پینے والا، سود کھانے والا، چغلخور، ریا کاری کرنے والا، تصنع کرنے والا

......تو پھر کراہت ختم نہ ہوگی اور اگر کراہت کی علت جہالت کا غلبہ ہو یا اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے لوگوں کی نفرت ہو تو ہاں پھر کراہت ختم ہو جائے گی۔''فتامل''

ظاہر یہ ہے جس کے چہرے پر بال آئے ہوں وہ شکیل ہو شہوت کا باعث ہو تو وہ بھی امرد کی طرح ہے۔

اس کو یاد رکھو۔ اور'' حاشیہ المدنی'' میں'' الفتاویٰ العفیفیة'' کے حوالہ سے ہے کہ علامہ شیخ ''عبدالرحمٰن بن عیسیٰ'' المرشدی سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو بیس سال کی عمر کو پہنچ گیا ہو اور بال اگنے کی حد سے تجاوز کر گیا ہو اور اس کے چہرے پر بال نہ اگے ہوں تو کیا وہ امردیت کی حد سے نکل جائے گا خصوصاً جبکہ اس کی ٹھوڑی پر چند بال اگے ہوں جو اس بات کی غمازی کرتے ہوں کہ یہ گول داڑھی والوں میں سے نہیں ہے کیا امامت میں اس کا حکم کامل مردوں کی طرح ہے یا نہیں تو شیخ عبدالرحمٰن نے جواب دیا کہ علامہ شیخ ''احمد بن یونس'' المعروف ''ابن الشلبی'' جو علما متاخرین احناف میں سے ہے سے اس مسئلہ کی مثل کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے بغیر کراہت کے جواز کا جواب دیا، تیرے لئے یہ اسوہ کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اسی طرح مفتی ''محمد تاج الدین القلعی'' سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے اسی طرح جواب دیا۔

4761۔(قولہ: وَسَفِيهٍ) جو شرع یا عقل کے تقاضا کے مطابق اچھی طرح تصرف نہ کر سکتا ہو جیسا کہ ''الحجر'' میں اس کا ذکر آئے گا۔''طحطاوی''۔

4762۔(قولہ: وَمَفْلُوجٍ، وَأَبْرَصَ شَاعَ بَرَصُهُ) اور اسی طرح لنگڑا جو قدم کے بعض حصہ پر کھڑا ہوتا ہے، ان کے علاوہ دوسروں کی اقتدا بہتر ہے'' تاترخانیہ''۔ اور اسی طرح اجذم'' برجندی''۔ اور اسی طرح جس کا ذکر کٹا ہوا ہو، پیشاب کو روکنے والا اور جس کا ایک ہاتھ ہو ان کی اقتدا کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔''فتاویٰ الصوفیہ عن التحفہ''۔ ظاہر یہ ہے کہ علت نفرت ہے۔ اسی وجہ سے برص والے کو برص کے پھیلنے کے ساتھ مقید کیا ہے تا کہ وہ ظاہر ہو اور مفلوج، ہاتھ کٹے ہوئے اور ذکر کٹے ہوئے کی کراہت طہارت کے عدم اکمال کی وجہ سے ہے اور پیشاب روکنے والے کی نماز کی کراہت کی وجہ سے ہے۔

4763۔(قولہ: وَشَارِبِ الْخَمْرِ...... الی قولہ ...... وَمُتَصَنِّعٍ) یہ (فاسق) کے ساتھ تکرار ہے''حلبی''۔ النمام وہ ہوتا ہے جو فساد کی جہت سے لوگوں کے درمیان کلام کو نقل کرتا ہے اور یہ کبائر میں سے ہے۔ اس کی بات کو قبول کرنا انسان پر حرام ہے۔

المرائی وہ ہوتا ہے جو یہ قصد کرتا ہے کہ لوگ اسے دیکھیں خواہ اس نے طاعات کی تحسین کا تکلف کیا ہو یا نہیں۔

متصنع جو طاعات کو خوبصورت کرنے کا تکلف کرتا ہے۔

یہ پہلے سے اخص ہے۔''طحطاوی''۔

وَمَنْ أَمَّ بِأُجْرَةٍ قُهُسْتَانِيٌّ زَادَ ابْنُ مَلِكٍ وَمُخَالِفٍ كَشَافِعِيٍّ؟ لَكِنْ فِي وِتْرِ الْبَحْرِ إِنْ تَيَقَّنَ الْمُرَاعَاةَ لَمْ يُكْرَهْ، أَوْ عَدَمَهَا لَمْ يَصِحَّ، وَإِنْ شَكَّ كُرِهَ

اور اجرت پر امامت کرانے والا ان سب کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ ''قہستانی''۔ اور ''ابن مالک'' نے اس کا اضافہ کیا ہے کہ جو مسلک کا مخالف ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے جیسے شافعی۔ لیکن ''البحر'' کے باب الوتر میں ہے: اگر یقین ہو کہ وہ حنفی مسلک کی رعایت کرتا ہے تو پھر شافعی کے پیچھے حنفی کی نماز مکروہ نہیں اور اگر رعایت نہ کرتا ہو تو پھر اقتدا صحیح نہیں اور اگر شک ہو تو مکروہ ہے۔

4764۔ (قولہ: وَمَنْ أَمَّ بِأُجْرَةٍ) یعنی ایسا امام جو اجرت پر لیا گیا ہوتا کہ وہ ایک سال یا ایک مہینہ امامت کرائے گا۔ اس میں سے وہ نہیں جو واقف اس پر شرط کرتا ہے۔ کیونکہ وہ صدقہ ہے اور اس کی معونت ہے۔ ''رحمتی''۔ یعنی وہ صدقہ کے مشابہ ہوتا ہے اور اجرت کے مشابہ ہوتا ہے جیسا کہ انشاء اللہ باب الوقف میں (مقولہ 21679 میں) آئے گا اس بنا پر کہ مفتی بہ متاخرین کا مذہب تعلیم قرآن، امامت اور اذان پر اجرت کا جواز ضرورت کی وجہ سے ہے۔ لیکن صرف تلاوت پر اور بقیہ طاعات پر اجرت لینا جن کی اسے ضرورت نہیں مذکور مسئلہ کے خلاف ہے کیونکہ یہ اصلاً جائز نہیں جیسا کہ ہم کتاب الاجارہ میں ان شاء اللہ (مقولہ 29867 میں) اس کو ثابت کریں گے۔

4765۔ (قولہ: لَكِنْ فِي وِتْرِ الْبَحْرِ الخ) یعنی معتمد قول ہے کیونکہ محققین اس کی طرف مائل ہوتے ہیں اور مذہب کے قواعد اس پر گواہ ہیں۔ بہت سے مشائخ نے فرمایا: اگر اختلاف کی جگہ میں رعایت کرنا اس کی عادت ہو تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔ یہ ''السندی'' نے ذکر کیا ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ اس بنا پر ہے کہ اعتبار مقتدی کی رائے کا ہے اور یہی اصح ہے۔ بعض نے فرمایا: امام کی رائے کا اعتبار ہے۔ اس نظریہ پر ایک جماعت ہے۔ ''النہایہ'' میں فرمایا: یہ زیادہ قیاس کے موافق ہے۔ اس بنا پر اقتدا صحیح ہو گی اگرچہ وہ احتیاط نہ کرتا ہو جیسا کہ (مقولہ 5632 میں) باب الوتر میں آئے گا۔

امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے پیروکار کی اقتدا کا مطلب

4766۔ (قولہ: إِنْ تَيَقَّنَ الْمُرَاعَاةَ لَمْ يُكْرَهْ) یعنی اس نماز میں شروط، ارکان میں سے فرائض میں رعایت کرنے کا یقین ہو تو مکروہ نہیں ہے اگرچہ واجبات اور سنن میں رعایت نہ بھی کرے جیسا کہ یہ ''البحر'' کے کلام کا سیاق ہے۔ ''شرح المنیہ'' کے کلام کا ظاہر یہی ہے۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا: رہی فروع میں مخالفت کی اقتدا جیسے شافعی پس جائز ہو گی جب تک اس سے ایسی بات معلوم نہ ہو جو مقتدی کے اعتقاد میں نماز کو فاسد نہ کرتی ہو۔ اس پر اجماع ہے اور کراہت میں اختلاف ہے۔

نماز فاسد کرنے والی چیز کے ساتھ مقید کیا دوسری چیز کے ساتھ نہیں جیسا کہ تو نے ملاحظہ کیا اور ''ملا علی القاری'' کے رسالہ ''الاهتداء فی الاقتداء'' میں ہے۔ عامة المشائخ جواز کی طرف گئے ہیں جبکہ وہ اختلاف کی جگہ احتیاط کرتا ہو ورنہ نہیں۔

....

مطلب یہ ہے کہ رعایت کرنے والے کی اقتدا بلا کراہت جائز ہے۔ اور رعایت نہ کرنے والے کی اقتدا کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ اور رعایت کے اہم مواقع یہ ہیں: قَی، نکسیر، حجامت اور فصد کے بعد وضو کرتا ہو، نہ کہ ایسی صورتوں میں جو امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سنت ہوں اور ہمارے نزدیک مکروہ ہوں جیسے انتقالات میں ہاتھوں کو اٹھانا اور بسم اللہ کا جہراً پڑھنا اور اس کا مخفی پڑھنا یہ اور اس کی امثال اس میں اختلاف عہدہ سے نکلنا ممکن نہیں ہو۔ پس ہر ایک اپنے مذہب کی پیروی کرتا ہے۔

''الخیر الرملی'' کے حاشیہ ''الاشباہ'' میں ہے: ''میرا دل جس کی طرف مائل ہے وہ عدم کراہت کا قول ہے جب اس سے کوئی مفسد متحقق نہ ہو''۔

محشی نے بحث کی ہے کہ اگر معلوم ہو کہ وہ فروض، واجبات اور سنن میں رعایت کرتا ہے تو کراہت نہیں ہے۔ اور اگر معلوم ہو کہ وہ ان تینوں میں رعایت کو ترک کرتا ہے تو صحیح نہیں ہے اور اگر اس کو کچھ معلوم نہ ہو تو مکروہ ہے۔ کیونکہ بعض چیزیں جن کا ترک ہمارے نزدیک واجب ہے امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس فعل کا کرنا سنت ہے۔ پس ظاہر ہے وہ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کا پیروکار ہے وہ ایسا کرے گا اگر معلوم ہو کہ وہ واجبات اور سنن میں رعایت نہیں کرتا تو اس صورت میں بھی مکروہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ جب واجب کے ترک کے احتمال کے وقت مکروہ ہے تو یقیناً اس کے ترک کے وقت بدرجہ اولیٰ مکروہ ہوگا، اگر صرف تیسری (سنن) صورت میں رعایت کا ترک معلوم ہو تو اسے اقتدا کرنی چاہئے کیونکہ جماعت واجب ہے پس اسے کراہت تنزیہی پر مقدم کیا جائے گا۔

العلامہ ''البیری'' اپنے رسالہ میں محشی سے اس کی طرف سبقت لے گئے ہیں۔ انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ انفراد افضل ہے ایسے امام کی اقتدا سے۔ فرمایا: اس میں شک نہیں کہ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کا پیروکار نماز میں ایسی چیزوں کو لائے گا جن کی وجہ سے ہمارے نزدیک نماز کا اعادہ واجب ہے یا مستحب ہے۔ لیکن دوسرے عالم نے اپنے رسالہ میں اس کا رد کیا ہے جبکہ ہم وہ چیز تمہیں سنا چکے ہیں جو رد کی تائید کرتی ہے۔ ہاں شیخ ''خیر الدین'' نے ''الرملی الشافعی'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ وہ مخالف مذہب والے کی اقتدا کی کراہت کا قول وہاں کرتے ہیں جہاں دوسرے شخص کو امام بنانا ممکن ہو، اس کے باوجود جماعت انفراد سے افضل ہے اور اس کو جماعت کی فضیلت حاصل ہو گی۔ اس کے ساتھ ''الرملی الکبیر'' نے فتویٰ دیا۔ ''السبکی''، ''الاسنوی'' وغیرہما نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ الشیخ ''خیر الدین'' نے کہا: حاصل یہ ہے کہ ان کے نزدیک اس میں اختلاف ہے جو ان کے لئے صحت، فساد اور افضلیت کے اعتبار سے ہماری اقتدا کرنے میں علت ہے ہماری بھی اس کی مثل ان پر علت ہے۔ تو سن چکا ہے جس پر ''الرملی'' نے اعتماد کیا اور جس کے ساتھ انہوں نے فتویٰ دیا۔

فقیر اس کی مثل کہتا ہے اس مسئلہ میں جو شافعی کے پیچھے حنفی کی اقتدا سے متعلق ہے اور منصف فقیہ اس کو تسلیم کرے گا۔

وانا رملیُّ فقهِ الحنفی　　لامِرا بعد اتفاق العالمین

اور میں حنفی فقہ کا رملی ہوں دونوں مذہب کے علما کے اتفاق کے بعد کوئی جھگڑا نہیں۔

......	......	......	......	...	......	...	...	......	...	...

یعنی دونوں مذہب کے دونوں علما کے اتفاق کے بعد کوئی جھگڑا نہیں۔

دونوں علما سے مراد رملی حنفی اور رملی شافعی رحمۃ اللہ علیہما ہیں۔

پس یہ حاصل ہوا کہ فرائض میں رعایت کرنے والے مخالف کی اقتدا انفراد سے افضل ہے جب وہ دوسرا امام نہ پائے ورنہ موافق کی اقتدا افضل ہے۔

جب شافعی، حنفی سے پہلے نماز پڑھے تو کیا شافعی کے ساتھ نماز پڑھنا افضل ہے یا نہیں؟

یہ مسئلہ باقی ہے کہ جب مسجد میں متعدد جماعتیں ہوتی ہیں اور حنفی شخص کی موجودگی میں شوافع کی جماعت کھڑی ہو جائے۔ ''طحطاوی'' نے رسالہ ''لابن نجیم'' کے حوالہ سے لکھا ہے کہ افضل شافعی کی اقتدا ہے بلکہ تاخیر مکروہ ہے۔ کیونکہ اس مسجد میں جماعت کا تکرار معتمد مذہب پر ہمارے نزدیک مکروہ ہے مگر جب پہلی جماعت اس مسجد والوں نے نہ کرائی ہو یا پہلی جماعت مکروہ طریقہ پر کرائی گئی ہو۔ کیونکہ حنفی، شافعی کی نماز کی حالت میں دو حالتوں سے خالی نہیں ہوگا یا تو وہ سنن میں مشغول ہوگا تا کہ حنفی امام کا انتظار کرے اور یہ ممنوع ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جب نماز کھڑی ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز نہیں (1)۔ یا وہ بیٹھا رہے گا یہ بھی مکروہ ہے کیونکہ اس نے جماعت سے اعراض کیا ہے حالانکہ مختار مذہب پر شافعی مسلک والوں کی جماعت میں شرکت مکروہ نہیں ہے۔

اس کی طرح ''حاشیہ المدنی'' میں شیخ کے والد شیخ ''محمد اکرم'' اور خاتمۃ المحققین السید ''محمد امین میر بادشاہ'' اور ''الشیخ اسماعیل الشروانی'' کے حوالہ سے ہے۔ ان علما نے ترجیح دی ہے کہ نماز پہلی جماعت کے ساتھ افضل ہے۔ اور فرمایا: الشیخ ''عبداللہ العفیف'' نے اپنے ''الفتاویٰ العفیفیۃ'' میں شیخ ''عبدالرحمٰن المرشدی'' کے حوالہ سے فرمایا: ہمارے شیخ شیخ الاسلام مفتی مکہ مکرمہ، الشیخ ''علی بن جار اللہ بن ظہیرہ'' الحنفی ہمیشہ شوافع کے ساتھ نماز پڑھتے تھے ان کی جماعت کے پہلے ہونے کے وقت اور میں ان کی اقتدا میں اپنے شیخ کی اقتدا کرتا تھا۔

اور علامہ الشیخ ''ابراہیم البیری'' نے ان کی مخالفت کی ہے اس بنا پر کہ ان کی اقتدا مکروہ ہے۔ کیونکہ وہ واجبات اور سنن میں احناف کی مراعات نہیں کرتے۔ اور افراد افضل ہے اگر وہ اپنے مذہب کے امام کو نہ پائے۔ اور العلامہ الشیخ ''رحمۃ اللہ السندی'' جو ''ابن الہمام'' کے شاگرد ہیں انہوں نے بھی ان کی مخالفت کی ہے۔ فرمایا: ان کی اقتدا نہ کرنے میں احتیاط ہے اگر چہ وہ (احناف کے مسلک کی) رعایت کرتا بھی ہو۔ اور اسی طرح ''ملا علی القاری'' نے اس کے بعد فرمایا جو ہم نے ان سے شوافع کی اقتدا کی عدم کراہت روایت کی ہے کہ ''اگر ہر مذہب کا ایک امام ہو جیسا کہ ہمارے زمانے میں ہے تو موافق امام کی اقتدا افضل ہے وہ پہلے نماز پڑھائے یا بعد میں پڑھائے اس بنا پر کہ اس کو عامۃ المسلمین نے پسند کیا ہے اور اہل الحرمین، اہل

1۔ صحیح مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین، باب کراھیۃ شروع النافلۃ بعد شروع الموذن، جلد 1، صفحہ 705، حدیث نمبر 1210

سنن ترمذی، کتاب الصلوٰۃ، باب ماجاء فی اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ، جلد 1، صفحہ 272، حدیث نمبر 386

(وَ) يُكْرَهُ تَحْرِيمًا (تَطْوِيلُ الصَّلَاةِ) عَلَى الْقَوْمِ زَائِدًا عَلَى قَدْرِ السُّنَّةِ فِي قِرَاءَةٍ وَأَذْكَارٍ رَضِيَ الْقَوْمُ أَوْ لَا لِإِطْلَاقِ الْأَمْرِ بِالتَّخْفِيفِ نَهْرٌ وَفِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ ظَاهِرُ حَدِيثِ مُعَاذٍ

اور لوگوں پر نماز کو قراءت اور اذکار میں سنت کی مقدار سے زائد پڑھ کر طویل کرنا مکروہ تحریمی ہے خواہ لوگ راضی ہوں یا نہ ہوں کیونکہ تخفیف کا حکم مطلق ہے ''نہر''۔ ''الشرنبلالیہ'' میں ہے: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ظاہر یہ ہے

القدس، اہل مصر اور اہل شام کے جمہور مومنین نے اس پر عمل کیا ہے اور جو ان سے جدا ہوا اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

اور وہ چیز جس کی طرف دل مائل ہوتا ہے وہ مخالف مذہب والے کی اقتدا میں عدم کراہت ہے جبکہ وہ فرائض میں رعایت کرنے والا نہ بھی ہو۔ کیونکہ بہت سے صحابہ اور تابعین ائمہ مجتہدین تھے۔ مذاہب کے اختلاف کے باوجود ایک امام کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ اور اگر وہ صفوں سے دور اپنے امام کا انتظار کرے تو جماعت سے اعراض نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ معلوم ہے کہ وہ اس جماعت کا ارادہ کرتا ہے جو اس جماعت سے اکمل ہے۔ رہا ایک مسجد میں متعدد جماعت کی کراہت تو ہم (مقولہ 4665 میں) باب کے آغاز میں کلام کر چکے ہیں۔

نماز کو قراءت اور اذکار کے ساتھ سنت کی مقدار سے زائد پڑھ کر طویل کرنے کا حکم

4767۔ (قولہ: تَحْرِيمًا) یہ ''البحر'' میں تخفیف کے امر سے اخذ کیا ہے جو آئندہ (مقولہ 4769 میں) حدیث میں ہے۔ فرمایا: امر کا صیغہ وجوب کے لئے ہوتا ہے مگر کسی پھیرنے والے قرینہ کی وجہ سے دوسرے معانی میں استعمال ہوتا ہے اور غیر پر ضرر داخل کرنے کی وجہ سے دوسرے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس پر ''النہر'' میں جزم فرمایا ہے۔

4768۔ (قولہ: زَائِدًا عَلَى قَدْرِ السُّنَّةِ) اس کو ''البحر'' میں ''السراج'' اور ''المضمرات'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ فرمایا: ''اس کو ''الفتح'' میں بطور بحث ذکر کیا ہے نہ اس طرح جیسا کہ بعض ائمہ نے گمان کیا ہے۔ پس فجر میں تھوڑی سی تلاوت کرے جیسے اس کے علاوہ (نمازوں میں تھوڑی قراءت کرتا ہے)''۔

4769۔ (قولہ: لِإِطْلَاقِ الْأَمْرِ بِالتَّخْفِيفِ) جو بخاری اور مسلم کی حدیث میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھائے تو تخفیف کرے (1) کیونکہ نمازیوں میں کمزور، بیمار اور بوڑھے ہوتے ہیں اور جب اکیلے نماز پڑھے تو جتنی چاہے طویل کرے''۔

الشارح نے اس میں صاحب ''البحر'' کی متابعت کی ہے۔ ''الشیخ اسماعیل'' نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ امر کی تعلیل جو انہوں نے ذکر کی ہے وہ عدم کراہت کو مفید ہے جب قوم راضی ہو یعنی جب وہ محصور ہوں۔ اور ''البحر'' کی کلام کو غیر محصور لوگوں پر محمول کیا جائے گا۔ تامل۔

4770۔ (قولہ: وَفِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ) یہ زائدا علی قدر السنۃ کے قول کے مقابل ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب فی التخفیف الصلوۃ، جلد 1 صفحہ 306، حدیث نمبر 673

......	......	......	......	......	......	......	......	......	......	......

مطلقاً قوم کی حالت کے مطابق پڑھے اگرچہ وہ مسنون قراءت سے کم بھی ہو۔ اور اس میں نظر ہے اس لئے کہ یہ اس کے مخالف ہے جو "السراج" اور "المضمرات" سے منقول ہے جیسا کہ (مقولہ 4768 میں) گزر چکا ہے۔ اور دوسرا اس لئے کہ قدر مسنون کمزور کی نماز سے زائد نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ اس بات کو جانتے ہوئے یہ تلاوت کرتے تھے کہ آپ کی اقتدا میں ضعیف اور بیمار ہے۔ آپ ﷺ مسنون قراءت ترک نہ فرماتے تھے مگر ضرورت کے وقت۔ تیسرا اس لئے کہ جب حضرت معاذ کی قراءت کی جب ان کی قوم نے نبی کریم ﷺ سے شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ تو لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کرنے والا ہے (2)۔ ان کی قراءت مسنون مقدار سے زائد تھی۔ "الکمال" نے "الفتح" میں فرمایا: ہم نے بحث کی کہ تطویل وہ ہے جو مسنون قراءت سے زائد ہو۔ کیونکہ اس سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کی قراءت مسنونہ تھی۔ پس ضروری ہے کہ جس سے منع کیا گیا ہے وہ آپ ﷺ کے معمول کے علاوہ تھی مگر ضرورت کے لئے مسنون قراءت سے کم پڑھی جا سکتی ہے۔ اور حضرت معاذ کی قراءت، اس وقت جب حضور ﷺ نے انہیں فرمایا تھا مسلم کی روایت کے مطابق سورۂ بقرہ تھی کہ حضرت معاذ نے سورۂ بقرہ شروع کی تو ایک مسلمان نے نماز کو چھوڑ دیا اور سلام پھیر دیا پھر اکیلے نماز پڑھی اور چلا گیا اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد کہ جب تو لوگوں کو امامت کرائے تو سورہ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا، سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى، اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ، وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى پڑھا کر۔ کیونکہ یہ عشاء کی نماز تھی اور حضرت معاذ کی قوم کا عذر ان میں متحقق تھا، یہ ان کی طرف سے سستی نہیں تھی۔ پس ان میں سے ان سورتوں کا حکم دیا۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فجر کی نماز میں معوذتین پڑھیں۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو صحابہ نے عرض کی حضور نے نماز مختصر فرمائی۔ فرمایا: میں نے بچے کے رونے کی آواز سنی تو مجھے اندیشہ ہوا کہ اس کی ماں پریشان ہوگی (3)۔ ملخصاً۔

پس ان کے کلام سے ظاہر ہوا کہ مسنون سے کم نہ کرے مگر ضرورت کے لئے جیسے بچے کے رونے کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے معوذتین تلاوت فرمائیں۔ اور حضرت معاذ کی حدیث سے ظاہر ہوا کہ جماعت کے ضعف کی وجہ سے مسنون قراءت سے کم نہ کرے۔ کیونکہ عشا کی نماز میں مسنون سے کم متعین نہیں فرمائی بلکہ مسنون سے زیادہ پڑھنے کی وجہ سے انہیں منع فرمایا حالانکہ ان کی قوم میں عذر متحقق ہو چکا تھا۔ پس "الشرنبلالی" نے حدیث کی وجہ سے جس کو غلبہ دیا ہے اور "الکمال" نے کلام کو جس پر محمول کیا ہے وہ ظاہر نہیں ہے۔ ہاں "البحر" میں باب الوتر اور نوافل میں تراویح پر کلام کرتے وقت "المجتبیٰ" کی طرف نسبت کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ حضرت الحسن نے امام "ابوحنیفہ" رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ "جب سورۂ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب القرأۃ فی العشاء، جلد 1، صفحہ 505، حدیث نمبر 759

سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوٰۃ، باب من امر قوما فلیخفف، جلد 1، صفحہ 312، حدیث نمبر 975

2۔ صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب من اخف الصلوٰۃ عند بکاء، جلد 1، صفحہ 344، حدیث نمبر 666

صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب امر الائمۃ بتخفیف الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 510، حدیث نمبر 772

أَنَّهُ لَا يَزِيدُ عَلَى صَلَاةِ أَضْعَفِهِمْ مُطْلَقًا وَلِذَا قَالَ الْكَمَالُ إِلَّا لِضَرُورَةٍ، وَصَحَّ (أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قَرَأَ بِالْمُعَوِّذَتَيْنِ فِي الْفَجْرِ حِينَ سَمِعَ بُكَاءَ صَبِيٍّ) (وَ) يُكْرَهُ تَحْرِيمًا (جَمَاعَةُ النِّسَاءِ) وَلَوْ فِي التَّرَاوِيحِ فِي غَيْرِ صَلَاةِ جِنَازَةٍ (لِأَنَّهَا لَمْ تُشْرَعْ مُكَرَّرَةً)، فَلَوْ انْفَرَدْنَ تَفُوتُهُنَّ بِفَرَاغِ إِحْدَاهُنَّ؛ وَلَوْ أَمَّتْ فِيهَا رِجَالًا

کہ وہ مطلقاً اپنے کمزور مقتدی کی نماز پر زائد نہ کرے۔ اسی وجہ سے ''الکمال'' نے فرمایا: مگر ضرورت کی وجہ سے (مسنون قراءت سے کم کرسکتا ہے) اور یہ صحیح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز میں معوذ تین کی قراءت کی جب بچے کے رونے کی آواز سنی۔ اور عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے اگرچہ تراویح میں ہو سوائے نماز جنازہ کے۔ کیونکہ جنازہ بار بار مشروع نہیں ہے۔ اگر وہ علیحدہ علیحدہ پڑھیں گی تو ایک کے جنازہ پڑھنے سے فارغ ہونے کے ساتھ باقی عورتوں سے جنازہ فوت ہو جائے گا۔ اگر عورت نے نماز جنازہ کی امامت کرائی جس میں مرد بھی تھے

فاتحہ کے بعد فرضی نماز میں تین آیات پڑھیں تو اس نے اچھا کیا برا نہیں کیا''۔ لیکن جو ہم نے کہا ہے یہ اس کے منافی نہیں۔ کیونکہ واجب مقدار کی قراءت کے ساتھ اس نے اچھا کیا اور برا نہیں کیا یعنی وہ کراہت شدیدہ کی طرف نہیں پہنچا۔ ''فتامل''

عورتوں کی جماعت کے احکام

4771۔ (قولہ: وَيُكْرَهُ تَحْرِيمًا) ''الفتح'' اور ''البحر'' میں اس کی تصریح کی ہے۔

4772۔ (قولہ: وَلَوْ التَّرَاوِيحَ) یہ فائدہ ظاہر فرمایا کہ کراہت ہر اس صورت میں ہے جس میں مردوں کی جماعت مشروع ہے خواہ وہ فرض ہو یا نفل ہو۔

4773۔ (قولہ: لِأَنَّهَا لَمْ تُشْرَعْ مُكَرَّرَةً) ''الفتح'' میں فرمایا: جان لو کہ عورتوں کی جماعت نماز جنازہ میں مکروہ نہیں۔ کیونکہ وہ فریضہ ہے اور تقدم کا ترک مکروہ ہے۔ پس معاملہ فرض فعل کے لئے مکروہ فعل کرنے اور مکروہ فعل کے لئے فرض کے ترک کے درمیان رہا۔ پس پہلا امر واجب ہے بخلاف جنازہ کے علاوہ عورت کی جماعت کے۔ اور اگر عورتیں علیحدہ علیحدہ نماز پڑھیں اور ان میں سے ایک جنازہ پہلے پڑھ لے گی تو دوسریوں کی نماز نفل ہوگی۔ اور جنازہ کے ساتھ نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ پس اس عورت کی جنازہ سے فراغت باقی عورتوں کی نماز کے لئے فرضیت کے فساد کا موجب ہے جیسے پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کرنا فرضیت کے فساد کا موجب ہے اس شخص کے لئے جس نے اخیری قعدہ ترک کر دیا۔ اور اس کی مثل ''البحر'' وغیرہ میں ہے۔

اور اس کا مفاد یہ ہے کہ نماز جنازہ میں ان کی جماعت واجب ہے جبکہ وہاں عورتوں کے علاوہ کوئی نہ ہو۔ شاید اس کی وجہ باقی عورتوں کی نماز کی فرضیت کے فساد کو بچانا ہے جب ان میں سے کوئی ایک سبقت لے جائے۔ اور ''البحر'' میں ہے کہ مرد اگر علیحدہ علیحدہ نماز پڑھیں تو اس میں اس کی مثل لازم آتا ہے (یعنی دوسرے مردوں کی نماز نفل ہو جائے گی اور جنازہ میں نفل نہیں ہے)۔ پس جنازہ میں مردوں کی جماعت کا وجوب لازم آتا ہے حالانکہ اس کی تصریح کی گئی ہے کہ نماز جنازہ میں

لَا تُعَادُ لِسُقُوطِ الْفَرْضِ بِصَلَاتِهَا إِلَّا إِذَا اسْتَخْلَفَهَا الْإِمَامُ وَخَلْفَهُ رِجَالٌ وَنِسَاءٌ فَتَفْسُدُ صَلَاةُ الْكُلِّ (فَإِنْ فَعَلْنَ تَقِفُ الْإِمَامُ وَسَطَهُنَّ)

تو نماز جنازہ کا اعادہ نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کی نماز کے ساتھ فرض ساقط ہو گیا مگر جب امام عورت کو خلیفہ بنائے جبکہ اس کے پیچھے مرد اور عورتیں تھیں تو تمام کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر وہ جماعت کرائیں تو امام ان کے درمیان میں کھڑی ہو۔

جماعت واجب نہیں۔ ''فتامل''

4774۔(قولہ: لَا تُعَادُ) کیونکہ اگر دوبارہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی تو وہ نفل مکروہ واقع ہوگی۔ ''طحطاوی''۔

4775۔(قولہ: بِصَلَاتِهَا) اس کے ساتھ مقید کیا ہے کیونکہ مردوں کی نماز تو منعقد ہی نہیں ہوئی۔

4776۔(قولہ: إِلَّا إِذَا اسْتَخْلَفَهَا) یہ لا تعاد کے قول سے استثنا ہے۔ یہ جنازہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ جنازہ کے علاوہ نماز بھی یہی حکم رکھتی ہے۔

4777۔(قولہ: فَتَفْسُدُ صَلَاةُ الْكُلِّ) رہے مرد اور امام تو ان کی نماز اس لئے فاسد ہوگی کیونکہ عورت کے پیچھے مردوں کی اقتدا صحیح نہیں ہے اور رہی عورتیں اور امامت کرانے والی عورت تو ان کی نماز اس لئے فاسد ہوگی کیونکہ وہ کامل تحریمہ میں داخل ہوئی تھیں جب وہ ناقص تحریمہ کی طرف منتقل ہوئیں تو جائز نہ ہوا گویا وہ ایک فرض سے دوسرے فرض کی طرف منتقل ہو گئیں جیسا کہ ''البحر'' میں ہے۔ ''حلبی''۔

تعلیل کا ظاہر فساد کا تقاضا کرتا ہے اگرچہ صرف عورتیں ہی ہوں۔ یہ فائدہ ''ابو السعود'' نے لکھا ہے ''طحطاوی''۔ اور ظاہر مفہوم یہ ہے کہ علت یہ ہے کہ امام اپنے خلیفہ کا مقتدی بن جاتا ہے پس ان کی نماز فاسد ہو جاتی ہے جو اس کے پیچھے تھے۔ بلکہ علت یہ ہے کہ اس نے ایسے شخص کو خلیفہ بنایا جو خلیفہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا تو اس امام کی نماز فاسد ہوگی تو جو اس کے پیچھے تھے ان کی نماز بھی فاسد ہو گئی۔ ''رحمتی''۔

4778۔(قولہ: تَقِفُ الْإِمَامُ) تا کے ساتھ تقف ہے۔ کیونکہ اس کا فاعل امام ہے اور یہاں وہ مؤنث حقیقی ہے۔ ''ملا علی القاری'' نے فرمایا: تذکیر جائز ہے کیونکہ مصدر بمعنی مفعول ہے یعنی جس کی اقتدا کی جاتی ہے۔ اور ''النہر'' میں ہے: امام وہ ہوتا ہے جس کی اقتدا کی جاتی ہے خواہ وہ مذکر ہو یا مؤنث ہو۔ اور بعض نسخوں میں الامامۃ ہے اور ھا کا ترک درست ہے۔ کیونکہ یہ اسم ہے وصف نہیں۔

4779۔(قولہ: وَسَطَهُنَّ) ''المغرب'' میں ہے: الوَسَط سین کی حرکت کے ساتھ۔ کسی چیز کی دونوں طرفوں کا درمیان جیسے دائرہ کا مرکز۔ اور سین کے سکون کے ساتھ ہو تو دائرہ کے داخل کا اسم مبہم مراد ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ظرف تھا۔ پہلی صورت ہو تو مبتدا، فاعل اور مفعول بہ بنایا جاتا ہے۔ اور ''ضیاء الحلوم'' میں ہے: الوسط سین کے سکون کے ساتھ ظرف مکان ہے اور سین کے فتحہ کے ساتھ اسم ہے۔ تو کہتا ہے وسط راسه دهن۔ سین کے سکون اور طا کے فتحہ کے ساتھ، پس یہ

فَلَوْ تَقَدَّمَتْ أَثِمَتْ إِلَّا الْخُنْثَى فَيَتَقَدَّمُهُنَّ (كَالْعُرَاةِ) فَيَتَوَسَّطُهُمْ إِمَامُهُمْ وَيُكْرَهُ جَمَاعَتُهُمْ تَحْرِيمًا فَتْحٌ (وَيُكْرَهُ حُضُورُهُنَّ الْجَمَاعَةَ) وَلَوْ لِجُمُعَةٍ وَعِيدٍ وَوَعْظٍ (مُطْلَقًا) وَلَوْ عَجُوزًا لَيْلًا (عَلَى الْمَذْهَبِ) الْمُفْتَى بِهِ لِفَسَادِ الزَّمَانِ،

اگر عورت آگے کھڑی ہو تو گنہگار ہوگی مگر خنثیٰ (خسرہ) عورتوں سے آگے کھڑا ہو۔ جس طرح برہنہ لوگ ہوں تو ان کا امام ان کے درمیان کھڑا ہوتا ہے اور ان کی جماعت مکروہ تحریمی ہے۔ ''فتح''۔ اور عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے اگرچہ جمعہ، عید اور وعظ میں ہو۔ مطلقاً اگرچہ بوڑھی ہو، رات کا وقت ہو، مفتی بہ مذہب پر کیونکہ زمانہ خراب ہوگیا ہے۔

ظرف ہے۔ اور جب تو سین کو فتحہ دے گا اور طا کو رفع دے گا اور تو کہے گا وَسَطُ رَاسِہ دھن۔ پس یہ اسم ہے۔

میں کہتا ہوں: اس بنا پر یہاں فتحہ اور سکون جائز ہے کیونکہ امام جب نصف صف میں کھڑی ہوئی تو سچ ہے کہ وہ وسط میں ہے سین کے سکون کے ساتھ اور وہ وسط کا عین ہے سین کی حرکت کے ساتھ۔ پہلی صورت میں اس کا نصب ظرفیت کی بنا پر ہوگا اور دوسری صورت میں حالیت کی بنا پر ہوگا کیونکہ وہ متوسطة کے معنی میں ہے۔ فافہم۔

4780۔ (قولہ: فَلَوْ تُقَدِّمَتْ أَثِمَتْ) یہ فائدہ ظاہر فرمایا کہ امام عورت کا درمیان میں کھڑا ہونا واجب ہے جس طرح ''الفتح'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ اور نماز صحیح ہے۔ اور وہ جب درمیان میں ہوگی تو کراہت زائل نہ ہوگی۔ فقہا نے درمیان میں کھڑے ہونے کی راہنمائی اس لئے فرمائی۔ کیونکہ آگے کھڑے ہونے سے اس میں کراہت کم ہے جیسا کہ ''السراج'' میں ہے۔ ''بحر''۔

4781۔ (قولہ: فَيَتَقَدَّمُهُنَّ) کیونکہ اگر خسرہ ان کے درمیان میں کھڑا ہو کر نماز پڑھے گا تو عورتوں کے برابر کھڑے ہونے کی وجہ سے اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اسے مذکر تصور کرنے کی تقدیر پر۔ یعنی عورتوں کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔

4782۔ (قولہ: فَيَتَوَسَّطُهُمْ) اس کے ساتھ اس طرف اشارہ فرمایا کہ ننگے لوگوں اور عورتوں میں تشبیہ ہر اعتبار سے نہیں ہے بلکہ افراد میں اور امام کے درمیان میں کھڑے ہونے میں ہے۔ ورنہ برہنہ لوگ بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں اور یہ افضل ہے جبکہ عورتیں کھڑے ہو کر نماز پڑھتی ہیں جیسا کہ ''البحر'' میں ہے۔

4783۔ (قولہ: وَلَوْ عَجُوزًا لَيْلًا) یہ اطلاق کا بیان ہے یعنی خواہ وہ نوجوان ہو یا بوڑھی ہو دن ہو یا رات ہو۔

4784۔ (قولہ: عَلَى الْمَذْهَبِ الْمُفْتَى بِهِ) یعنی متاخرین کے مذہب پر۔ ''البحر'' میں فرمایا: کہا جاتا ہے کہ یہ فتویٰ جس پر متاخرین نے اعتماد کیا۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے مذہب کے مخالف ہے۔ کیونکہ فقہا نے نقل کیا ہے کہ نوجوان عورت مطلقاً اتفاقاً منع کی جائے گی۔ رہی بوڑھی عورتیں تو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظہر، عصر اور جمعہ کے علاوہ نمازوں میں ان کا حاضر ہونا جائز ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک مطلقاً بوڑھی عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا

وَاسْتَثْنَى الْكَمَالُ بَحْثًا الْعَجَائِزَ الْمُتَفَانِيَةَ (كَمَا تُكْرَهُ إِمَامَةُ الرَّجُلِ لَهُنَّ فِي بَيْتٍ لَيْسَ مَعَهُنَّ رَجُلٌ غَيْرُهُ وَلَا مَحْرَمٌ مِنْهُ) كَأُخْتِهِ (أَوْ زَوْجَتِهِ أَوْ أَمَتِهِ، أَمَّا إِذَا كَانَ مَعَهُنَّ وَاحِدٌ مِمَّنْ ذُكِرَ أَوْ أَمَّهُنَّ فِي الْمَسْجِدِ لَا) يُكْرَهُ بَحْرٌ (وَيَقِفُ الْوَاحِدُ) وَلَوْ صَبِيًّا،

''الکمال'' نے بطور بحث فرتوت بوڑھی عورتوں کی استثنا کی ہے۔ اسی طرح مرد کا عورتوں کی امامت کرانا مکروہ ہے ایسے گھر میں جس میں ان کے ساتھ دوسرا مرد نہ ہو اور امام کی کوئی محرم عورت بھی نہ ہو جیسے امام کی بہن یا اس کی بیوی یا اس کی لونڈی۔ رہا یہ کہ جب ان کے ساتھ ان لوگوں میں سے کوئی ایک ہو جن کا ذکر کیا گیا ہے یا مسجد میں عورتوں کی امامت کرائے تو مکروہ نہیں ہے، ''بحر''۔ ایک آدمی (امام کے ساتھ) کھڑا ہوا اگرچہ عاقل بچہ بھی ہو۔

جائز ہے۔ پس تمام نمازوں میں بوڑھی عورتوں کو منع کرنے کا فتویٰ دینا تمام کے قول کے مخالف ہے۔ پس اعتماد ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر ہے۔

''النہر'' میں فرمایا: اس میں نظر ہے بلکہ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے حامل کے قیام کی وجہ سے منع کیا ہے۔ اور وہ حامل شہوت کی زیادتی ہے اس بنا پر کہ فاسق لوگ مغرب کے وقت نہیں پھیلتے۔ کیونکہ وہ کھانے میں مشغول ہوتے ہیں اور فجر اور عشا کے وقت سوئے ہوئے ہوتے ہیں۔ پس جب ان کے فسق کے غلبہ کی وجہ سے ان اوقات میں ان کا پھیلنا فرض کیا جائے گا جیسا کہ ہمارے زمانہ میں ہے۔ بلکہ فساق کا ان اوقات میں زیادہ کوشش کرنا ہے تو ان اوقات میں منع کرنا ظہر کے وقت سے زیادہ ظاہر ہے۔

میں کہتا ہوں: اس میں جو لطیف تو ریہ ہے وہ مخفی نہیں۔ ''الشیخ اسماعیل'' نے فرمایا: یہ انتہائی خوبصورت کلام ہے۔

4785۔ (قولہ: وَاسْتَثْنَى الْكَمَالُ الخ) یعنی متاخرین نے جو فتویٰ دیا اس سے ''کمال'' نے استثنا فرمایا بوڑھی عورتوں کا کیونکہ ان میں سابقہ علت نہیں پائی جاتی۔ پس اس میں حکم امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر باقی ہوگا۔ فافہم۔

4786۔ (قولہ: لَيْسَ مَعَهُنَّ رَجُلٌ غَيْرُهُ) اس کا ظاہر یہ ہے کہ اجنبیہ کے ساتھ خلوت دوسری اجنبیہ عورت کے وجود سے منتفی نہیں ہوتی اور دوسرے مرد کی موجودگی کے ساتھ منتفی ہوتی ہے۔ تامل۔

4787۔ (قولہ: كَأُخْتِهِ) یہ شارح کے کلام سے ہے جیسا کہ میں نے یہ متعدد نسخوں میں دیکھا ہے۔ اسی طرح ''الخزائن'' میں شارح کے خط سے دیکھا ہے جہاں انہوں نے اس کو سیاہی کے ساتھ لکھا ہے اور یہ فائدہ ظاہر فرمایا کہ محرم سے مراد وہ ہے جس کا رحم سے رشتہ ہو۔ کیونکہ فقہا نے فرمایا: رضاعی بہن اور نوجوان سالی کے ساتھ خلوت مکروہ ہے۔

4788۔ (قولہ: أَوْ زَوْجَتِهِ أَوْ أَمَتِهِ) رجلٌ یا (محرم) پر عطف کی بنا پر یہ مرفوع ہیں۔ اختہ پر عطف کی بنا پر مجرور نہیں کیونکہ تو نے جان لیا ہے کہ یہ متن سے نہیں ہے۔ اس وقت محرم کی تغلیب کے دعویٰ کی ضرورت نہیں۔

4789۔ (قولہ: فِي الْمَسْجِدِ) کیونکہ مسجد میں خلوت کا تحقق نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے اگر وہ مسجد میں اپنی بیوی کے

أَمَّا الْوَاحِدَةُ فَتَتَأَخَّرُ (مُحَاذِيًا) أَيْ مُسَاوِيًا (لِيَمِينِ إِمَامِهِ) عَلَى الْمَذْهَبِ، وَلَا عِبْرَةَ بِالرَّأْسِ بَلْ بِالْقَدَمِ، فَلَوْ صَغِيرًا فَالْأَصَحُّ مَا لَمْ يَتَقَدَّمْ أَكْثَرُ قَدَمِ الْمُؤْتَمِّ لَا تَفْسُدُ، فَلَوْ وَقَفَ عَنْ يَسَارِهِ

رہی ایک عورت تو وہ پیچھے کھڑی ہو۔ (ایک آدمی) امام کی دائیں جانب برابر کھڑا ہو مذہب کے مطابق اور اعتبار سر کا نہیں بلکہ قدم کا ہے اگرچہ چھوٹا ہو۔ اصح یہ ہے کہ جب تک مقتدی کا اکثر قدم امام کے قدم سے آگے نہ ہوگا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ پس اگر وہ امام کی بائیں جانب کھڑا ہوگا

ساتھ جمع ہو تو خلوت شمار نہ ہوگی جیسا کہ آگے آئے گا۔ ''رحمتی''۔

4790۔ (قوله: أَمَّا الْوَاحِدَةُ فَتَتَأَخَّرُ) اگر امام کے ساتھ ایک آدمی ہو تو اسے اپنی دائیں جانب کھڑا کرے اور عورت ان کے پیچھے کھڑی ہو اور اگر دو آدمی ہوں تو انہیں اپنے پیچھے کھڑا کرے اور عورت ان کے پیچھے کھڑی ہو''بحر''۔ عورت کا پیچھے ہونا اس کا محل ہے جب وہ مرد کی اقتدا کرے نہ اپنی مثل عورت کی جب اقتدا کرے۔''طحطاوی عن البرجندی''۔

4791۔ (قوله: عَلَى الْمَذْهَبِ) امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول اس کے خلاف ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ مقتدی اپنے پاؤں کی انگلیاں امام کی ایڑھی کے پاس رکھے۔''بحر''۔ اور امام اسے اس کا حکم دے یعنی اسے دائیں طرف کھڑا ہونے کا حکم دے۔ اگر امام کے شروع کرنے کے بعد مقتدی آئے تو ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کرے۔ کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بائیں جانب کھڑے ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دائیں طرف کھڑا کیا(1)۔''سراج''۔

مقتدی کا اکثر قدم امام سے آگے ہو تو نماز کا حکم

4792۔ (قوله: بَلْ بِالْقَدَمِ) اگر قدم کے ساتھ مقتدی امام کے برابر ہو اور مقتدی کا سجدہ امام کے سجدہ سے آگے واقع ہو مقتدی کے لمبا ہونے کی وجہ سے تو اسے مضر نہیں۔ قدم کے ساتھ برابری کا مطلب ہے ایڑھی کے ساتھ برابری۔ پس امام پر مقتدی کی انگلیوں کا تقدم مضر نہیں جب ایڑھی کے ساتھ اس کے برابر ہو جب کہ دونوں قدموں کے درمیان زیادہ تفاوت نہ ہو۔ اگر مقتدی کا پاؤں زیادہ لمبا ہو اس طرح کہ مقتدی کے پاؤں بڑا ہونے کی وجہ سے مقتدی کا اکثر قدم آگے ہو تو صحیح نہیں ہے جیسا کہ اس کی طرف مالم یتقدم الخ کے قول سے اشارہ کیا ہے۔''البحر'' میں فرمایا:''المصنف'' نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ اعتبار قدم کا ہے سر کا نہیں ہے۔ اگر امام مقتدی سے قد کے اعتبار سے چھوٹا ہو مقتدی کا سر امام سے آگے واقع ہوتا ہو تو جائز ہے اس کے بعد کہ اس کا پاؤں برابر ہو یا تھوڑا پیچھے ہو۔ اسی طرح عورت کے برابر ہونے میں ہے جیسا کہ آگے آئے گا اور اگر پاؤں چھوٹا اور بڑا ہونے کے اعتبار سے متفاوت ہوں تو پنڈلی اور ٹخنے کا اعتبار ہوگا۔

اور اصح یہ ہے کہ جب تک مقتدی کا اکثر قدم آگے نہ ہو تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی جیسا کہ''المجتبیٰ'' میں ہے۔

اور جو الشارح نے ذکر کیا ہے وہ (اس مقولہ میں) گزشتہ قول کے مخالف نہیں ہے جیسا کہ گمان کیا گیا ہے۔''رحمتی''۔

1۔ سنن ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب الرجل یصلی و معه رجل، جلد 1، صفحہ 173، حدیث نمبر 215

كُرِهَ (اتِّفَاقًا وَكَذَا) يُكْرَهُ (خَلْفَهُ عَلَى الْأَصَحِّ) لِمُخَالَفَةِ السُّنَّةِ

تو بالاتفاق مکروہ ہے۔ اور اسی طرح اصح قول پر ایک مقتدی کا امام کے پیچھے کھڑا ہونا مکروہ ہے کیونکہ اس نے سنت کی مخالفت کی۔

اور ''القہستانی'' میں ہے: یہ اشارہ کرنے والے کے علاوہ میں ہے اور اشارہ کرنے والے میں سر کا اعتبار ہے حتیٰ کہ اس کا سر امام کے سر سے پیچھے ہو اور اس کے پاؤں امام کے پاؤں سے آگے ہو تو صحیح ہے اور اس کے برعکس صحیح نہیں ہے جیسا کہ الزاہدی وغیرہ میں ہے۔

میں کہتا ہوں: رأسه خلف امامه کا قول قید نہیں ہونا چاہئے بلکہ اسی طرح حکم ہے جب اس کا سر امام کے سر کے برابر ہو (اس مقولہ میں) گزشتہ قیاس پر۔ اور یہ ہونا چاہئے صحیح کے پیچھے اشارہ کرنے والے مقتدی میں اور اشارہ کرنے والے کے پیچھے اشارہ کرنے والے مقتدی میں۔ اور ان میں سے ہر ایک بیٹھا ہوا ہو یا چت لیٹا ہوا ہو اور اس کے پاؤں قبلہ کی طرف ہوں۔ رہا یہ کہ اگر وہ پہلو کے بل لیٹا ہوا ہو تو شرط ہے کہ مقتدی امام کی پیٹھ کے پیچھے پہلو کے بل ہو یہاں اصلاً سر کا اعتبار نہ ہوگا۔

نوٹ: شارح کے کلام میں قدم مفرد ہے جس طرح دوسروں کی کلام میں ہے۔ یہ اس بات کو مفید ہے کہ برابری ایک پاؤں کے ساتھ معتبر ہے۔ میں نے اس کی تصریح نہیں دیکھی۔

ظاہر یہ ہے کہ اگر وہ ایک پاؤں پر سہارا لئے ہوئے ہے تو اس کا اعتبار ہوگا اور اگر دونوں قدموں پر معتمد ہے، پھر ان میں سے ایک امام کے پاؤں کے برابر ہے دوسرا پیچھے ہے تو صحت میں کوئی کلام نہیں اور اگر دوسرا پاؤں امام کے پاؤں سے آگے ہے تو کیا برابر والے پاؤں کا اعتبار کرتے ہوئے اقتدا صحیح ہوگی یا آگے والے قدم کا اعتبار کرتے ہوئے نماز صحیح نہ ہوگی۔ یہ محل نظر ہے۔ مبیح پر مانع کی ترجیح کے اعتبار سے دوسرا قول ظاہر ہے جیسا کہ علما نے اس صورت میں کہا ہے کہ اگر شکار کے قوائم میں سے ایک حِلّ میں ہو اور دوسرا حرم میں ہو۔ اور میں نے شوافع کی کتب میں ترجیح کا اختلاف دیکھا ہے۔

فرع: ''منیۃ المصلی'' میں فرمایا: جس نے چھت پر امام کی اقتدا کی اور وہ امام کے سر کے برابر کھڑا ہو تو ''الحلوانی'' نے ذکر کیا ہے کہ یہ جائز نہیں اور ''السرخسی'' نے ذکر کیا ہے کہ یہ جائز ہے۔

کیا اساءت، کراہت سے کم ہے یا اس سے زیادہ ہے

4793۔ (قولہ: كُرِهَ اتِّفَاقًا) ظاہر یہ ہے کراہت تنزیہی ہے کیونکہ ہدایہ وغیرہ میں اس کی علت سنت کی مخالفت کے ساتھ بیان کی ہے۔ اور ''الکافی'' میں ہے: جائز ہے اور اس نے اچھا نہیں کیا۔ اور اسی طرح ''الزیلعی'' نے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔ لیکن ہم نے (مقولہ 4037 میں) نماز کی سنن کی بحث کے آغاز میں فقہا کی عبارات کا اختلاف پیش کیا تھا کہ اساءت کراہت سے کم ہے یا اس سے زیادہ ہے۔ اور ہم نے اس طرح تطبیق دی تھی کہ اساءت کراہت تحریمی سے کم ہے اور کراہت تنزیہی سے زیادہ ہے۔ پس ادھر رجوع کرو۔

(وَالزَّائِدُ) يَقِفُ (خَلْفَهُ) فَلَوْ تَوَسَّطَ اثْنَيْنِ كُرِهَ تَنْزِيهًا وَتَحْرِيمًا لَوْ أَكْثَرَ، وَلَوْ قَامَ وَاحِدٌ بِجَنْبِ الْإِمَامِ وَخَلْفَهُ صَفٌّ كُرِهَ إِجْمَاعًا

اور ایک سے زائد مقتدی امام کے پیچھے کھڑے ہوں۔ پس اگر امام دو آدمیوں کے درمیان کھڑا ہوا تو مکروہ تنزیہی ہوگا اور اگر زیادہ مقتدیوں کے درمیان کھڑا ہوا تو مکروہ تحریمی ہوگا۔ اور اگر ایک شخص امام کے پہلو میں کھڑا ہوا جبکہ اس کے پیچھے ایک صف ہے تو یہ بالاجماع مکروہ ہے۔

4794۔ (قولہ: وَالزَّائِدُ يَقِفُ خَلْفَهُ) ''الوقایہ'' کی تبع میں ''الکنز'' کے قول والاثنان خلفه سے عدول کیا۔ کیونکہ یہ دو کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ مراد ایک سے زائد ہیں دو ہوں یا زیادہ ہوں۔ ہاں اکثر کا حکم اولیٰ سمجھا جاتا ہے۔ اور ''القہستانی'' میں ہے: ''اور اس کی کیفیت یہ ہے کہ ایک اس کے پیچھے سامنے کھڑا ہوا اور دوسرا اس کی دائیں جانب جب زائد دو ہوں اور اگر تیسرا آ جائے تو وہ پہلے کے بائیں جانب کھڑا ہو اور چوتھا دوسرے کی دائیں جانب کھڑا ہو اور پانچواں تیسرے کی بائیں جانب کھڑا ہو اور اسی طرح آگے''۔

اس میں اشارہ ہے کہ شروع ہونے کے بعد زائد آئے تو وہ امام کے پیچھے کھڑا ہو اور پہلا مقتدی پیچھے آ جائے۔ اس کی مکمل بحث (مقولہ 4797 میں) قریب ہی آئے گی۔

امام کا مقتدیوں کے درمیان کھڑے ہونے کا حکم

4795۔ (قولہ: كُرِهَ تَنْزِيهًا) ایک روایت میں ہے مکروہ نہیں ہے اور پہلا قول اصح ہے جیسا کہ ''الامداد'' میں ہے۔

4796۔ (قولہ: وَتَحْرِيمًا لَوْ أَكْثَرَ) یہ فائدہ ظاہر فرمایا کہ امام کا صف سے آگے ہونا واجب ہے جیسا کہ ''الہدایہ'' اور ''الفتح'' میں فائدہ ظاہر فرمایا ہے۔

4797۔ (قولہ: كُرِهَ إِجْمَاعًا) یعنی مقتدی کے لئے مکروہ ہے۔ امام پر اس میں سے کچھ نہ ہوگا اور مقتدی پچھلے پاؤں پیچھے آنے سے کراہت سے نکل جائے گا اگر ظاہر قول پر جگہ تنگ نہ ہو۔ یہ فقہا کے اس قول کے ساتھ ملا کر دیکھ کہ اگر امام کے ساتھ دکان میں ایک شخص ہو اور باقی دکان سے باہر ہوں تو مکروہ نہیں۔ مخالفت زائل ہو جاتی ہے اس طرح کہ دوسرے مسئلہ کا موضوع یہ ہو کہ جب مقتدی امام کے پیچھے ہو۔ ''طحطاوی''۔

میں کہتا ہوں: میں نے ایک کی تصریح نہیں دیکھی۔ فقہا نے دکان پر امام کے اکیلے کھڑے ہونے کی کراہت کی تصریح کی ہے اور اگر اس کے ساتھ کچھ لوگ ہوں تو مکروہ نہیں۔ پس بعض کو جماعت پر محمول کرنے کے ساتھ توفیق ممکن ہے۔ پس جو یہاں ہے اس کے منافی نہیں اور ایک آدمی کے اکیلے پیچھے کھڑے ہونے کی کراہت کی تصریح کی ہے اگرچہ اگلی صف میں جگہ نہ بھی پائے۔ تامل۔

(وَيَصُفُّ) أَيْ يَصُفُّهُمُ الْإِمَامُ بِأَنْ يَأْمُرَهُمْ بِذَلِكَ قَالَ الشُّمُنِّيُّ وَيَنْبَغِي أَنْ يَأْمُرَهُمْ بِأَنْ يَتَرَاصُّوا وَيَسُدُّوا الْخَلَلَ وَيُسَوُّوا مَنَاكِبَهُمْ وَيَقِفُ وَسَطًا

اور وہ صف بنائے یعنی امام مقتدیوں کو صف بنانے کا حکم دے کر صف بنائے۔ ''الشمنی'' نے کہا: امام کو چاہئے کہ وہ لوگوں کو حکم دے کہ وہ آپس میں مل کر کھڑے ہوں، درمیان میں خلل کو بند کریں اور اپنے کندھے برابر کریں اور امام خود صف کے درمیان میں کھڑا ہو۔

تتمہ: جب کسی نے امام کی اقتدا کی پھر دوسرا شخص آ گیا تو امام اپنے سجدہ والی جگہ پر آگے چلا جائے۔ اسی طرح ''مختارات النوازل'' میں ہے۔ اور ''القہستانی'' میں ''الجلابی'' سے روایت ہے کہ مقتدی دائیں طرف کو چھوڑ کر پیچھے کی طرف آئے جب دوسرا شخص آ جائے۔ اور ''الفتح'' میں ہے: اگر ایک نے دوسرے کی اقتدا کی پھر تیسرا آ جائے تو وہ تکبیر کہنے کے بعد مقتدی کو پیچھے کھینچ لے اور اگر تکبیر سے پہلے کھینچ لیا تو بھی کچھ مضر نہیں۔ اور بعض نے فرمایا: امام آگے بڑھے۔

اور اس کا مقتضا یہ ہے کہ تیسرا پیچھے اقتدا کرے۔ اور امام کے آگے بڑھنے کے قول کا مقتضیٰ یہ ہے کہ وہ پہلے مقتدی کے پہلو میں کھڑا ہو اور جو ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جب تیسرا شخص آئے تو مقتدی کو پیچھے آنا چاہئے۔ پس اگر پہلا مقتدی پیچھے آ جائے تو فبہا ورنہ تیسرا شخص اسے کھینچ لے اگر اس کی نماز کے فاسد کرنے کا اندیشہ نہ ہو۔ اگر دوسرے مقتدی نے امام کی بائیں جانب اقتدا کی تو امام دونوں کو پیچھے کھڑا ہونے کا اشارہ کرے۔ یہ امام کے آگے جانے سے بہتر ہے کیونکہ وہ متبوع ہے۔ نیز پیچھے صف بنانا مقتدیوں کے فعل سے ہے نہ کہ امام کے فعل سے۔ پس امام کا اپنی جگہ قائم رہنا بہتر ہے اور مقتدی کا پیچھے جانا بہتر ہے اس کی تائید کرتا ہے وہ جو ''الفتح'' میں صحیح مسلم کے حوالہ سے ہے۔ حضرت ''جابر'' نے فرمایا: میں ایک غزوہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے میں آیا حتیٰ کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اپنی دائیں جانب پھیر دیا۔ ''ابن صخر'' آیا حتیٰ کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے پکڑا اور ہمیں پیچھے کر دیا حتیٰ کہ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پیچھے کھڑا کر دیا (1)۔

یہ تمام امکان کے وقت ہے ورنہ ممکن متعین ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ تب ہے جب امام قعدہ اخیرہ میں نہ ہو ورنہ تیسرا شخص امام کی بائیں جانب اقتداء کرے، نہ آگے اور نہ پیچھے۔

4798۔ (قولہ: الْخَلَلَ) خلل سے مراد دو چیزوں کے درمیان خلا ہے۔ ''قاموس''۔ یہ جَبَل کے وزن پر ہے۔ ''طحطاوی''۔

امام کا محراب میں کھڑا ہونا سنت ہے

4799۔ (قولہ: وَيَقِفُ وَسَطًا) ''المعراج'' میں ہے کہ ''مبسوط بکر'' میں ہے کہ سنت یہ ہے کہ وہ محراب میں

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزھد، باب حدیث جابر، جلد 3، صفحہ 799، حدیث نمبر 5378

وَخَيْرُ صُفُوفِ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا
اور مردوں کی صفوں میں سے بہتر صف

کھڑا ہوتا کہ دو طرفیں برابر ہوں۔ اور اگر وہ صف کی ایک جانب میں کھڑا ہوا تو مکروہ ہے۔ اور اگر گرمیوں والی مسجد سردیوں والی مسجد کے ساتھ ہو اور مسجد بھر جائے تو امام دیوار کی جانب میں کھڑا ہوتا کہ قوم اس کی دونوں طرفوں میں ہو۔ اور اصح وہ ہے جو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں ناپسند کرتا ہوں کہ امام دوستونوں کے درمیان یا ایک زوایہ میں مسجد کے کونے میں یا ستون کی طرف کھڑا ہو کیونکہ یہ امت کے عمل کے خلاف ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: امام کو درمیان میں کرو اور خلل کو بند کرو (1)، جب دونوں طرفیں برابر ہوں تو مقتدی امام کی دائیں جانب کھڑا ہو اگر اس کے لئے ممکن ہو۔ اور اگر صف میں کوئی خالی جگہ پائے تو اسے پر کرے ورنہ انتظار کرے حتیٰ کہ کوئی دوسرا شخص آ جائے۔ پس وہ دونوں اس کے پیچھے کھڑے ہوں اور اگر کوئی دوسرا نہ آئے حتیٰ کہ امام رکوع میں چلا جائے تو اسے پسند کرے جو لوگوں میں سے اس مسئلہ کو جانتا ہو۔ پس اسے پیچھے کھینچے اور وہ دونوں پیچھے کھڑے ہوں۔ اور اگر کوئی اس مسئلہ کو جاننے والا نہ پائے تو ضرورت کی وجہ سے صف کے پیچھے امام کے سامنے کھڑا ہو جائے۔ اور اگر بغیر عذر کے اکیلا پیچھے کھڑا ہوگا تو ہمارے نزدیک اس کی نماز صحیح ہو جائے گی۔ امام ''احمد'' کا قول اس کے خلاف ہے۔

امام کے محراب کے علاوہ کھڑے ہونے کی کراہت

نوٹ: اوالی سارية (یعنی ستون کی طرف کھڑا ہونا) کے قول سے امام کے محراب کے علاوہ کھڑے ہونے کی کراہت سمجھی جاتی ہے۔ اور اس کی تائید اس سے پہلے والا قول کرتا ہے کہ محراب میں کھڑا ہونا سنت ہے۔ اسی طرح دوسری جگہ ان کا قول ہے کہ سنت ہے کہ امام صف کے درمیان سامنے کھڑا ہو کیا تو نے ملاحظہ نہیں کیا کہ محرابیں مساجد کے وسط میں ہی بنائی گئی ہیں اور یہ امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کے لئے متعین کی گئی ہیں۔

ظاہر یہ ہے کہ یہ جماعت کثیرہ کے مقرر امام میں حکم ہے تاکہ وسط میں اس کا عدم قیام لازم نہ آئے۔ پس اگر یہ لازم نہ آئے تو مکروہ نہیں۔ ''تامل''

فرع: ''البدائع'' میں کعبہ میں نماز کی بحث میں ذکر کیا ہے کہ امام کے لئے افضل یہ ہے کہ وہ مقام ابراہیم میں کھڑا ہو۔

پہلی صف کی فضیلت

4800۔ (قولہ: وَخَيْرُ صُفُوفِ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا) کیونکہ اخبار میں مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب جماعت پر رحمت نازل فرماتا ہے تو سب سے پہلے امام پر نازل فرماتا ہے پھر اس سے تجاوز کر کے اس پر نازل ہوتی ہے جو امام کے پیچھے پہلی صف میں ہوتا ہے پھر دائیں طرف پھر بائیں طرف پھر دوسری صف کی طرف تجاوز کرتی ہے۔ اس کی مکمل بحث ''البحر'' میں ہے۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب مقام الامام من الصف، جلد 1، صفحہ 265، حدیث نمبر 583

....

نوٹ: ''المعراج'' میں فرمایا: افضل یہ ہے کہ دوسری صف میں کھڑا ہو جب اسے کسی کو تکلیف پہنچانے کا اندیشہ ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی مسلمان کی اذیت کے خوف سے پہلی صف کو ترک کر دیا تو اس کے لئے پہلی صف کا اجر دوہرا کر دیا جائے گا (1)۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کو لیا ہے۔ اور امکان کے باوجود پہلی صف کو ترک کرنے کی کراہت میں اختلاف ہے۔

یعنی اگر ایذا کے خوف کے بغیر پہلی صف کو ترک کیا اور یہ حکم شروع ہونے سے پہلے ہے اور اگر وہ نماز شروع کر چکے ہوں اور پہلی صف میں خالی جگہ ہو تو اس کے لئے صف کو چیرنا جائز ہے جیسا کہ قریب ہی (مقولہ 4804 میں) آئے گا۔

قرب کے ایثار کا جواز

''الحموی'' کے حاشیہ ''الاشباہ'' میں ''المضمرات عن النصاب'' کے حوالہ سے ہے کہ اگر کوئی شخص پہلی صف میں سبقت لے جا چکا ہو پھر عمر کے اعتبار سے اس سے بڑا شخص آ جائے یا کوئی اہل علم آ جائے تو اسے اس کی تعظیم کے لئے پیچھے آ جانا چاہئے اور اسے آگے کرنا چاہئے۔ یہ بلا کراہت قرب کے ایثار کے جواز کو مفید ہے۔ شوافع کا نظریہ اس کے خلاف ہے۔ ''الاشباہ'' میں فرمایا: میں نے اپنے اصحاب کے ہاں یہ مسئلہ نہیں دیکھا اور العلامہ ''البیری'' نے ایسی فروع نقل کی ہیں جو عدم کراہت پر دلالت کرتی ہیں اور اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر: 9) اور وہ اپنے نفسوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں حاجت ہو۔ اور اس کی دلیل صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشروب پیش کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ نوش فرمایا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں جانب سب سے چھوٹا فرد بیٹھا تھا...... اور وہ ابن عباس تھے...... اور بائیں جانب بزرگ لوگ بیٹھے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکے سے فرمایا: کیا تو مجھے اجازت دیتا ہے کہ میں (یہ بچا ہوا مشروب) ان کو دے دوں؟ تو اس لڑکے نے کہا: نہیں اللہ کی قسم۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مشروب اس غلام کو عطا فرما دیا (2) کیونکہ اس میں شک نہیں کہ اجازت طلب کرنے کا مقتضا بلا کراہت اس کی مشروعیت ہے اگرچہ اس کے غیر کا افضل ہونا جائز ہے۔

میں کہتا ہوں: اس مسئلہ کو اسکے ساتھ مقید کرنا چاہئے کہ جب اس قربت کو ایسی چیز لاحق ہو جو اس قربت سے افضل ہو جیسے اہل علم اور بزرگوں کا احترام۔ جیسا کہ سابق فرع اور حدیث نے یہ فائدہ ظاہر کیا ہے یہ دونوں اس پر دلیل ہیں کہ یہ پہلی صف میں کھڑے ہونے سے افضل ہے اور برتن اس کو عطا کرنے سے جس کا یہ حق ہے اور وہ وہ ہے جو دائیں طرف ہے۔ پس قربت کا ایثار، یہ قربت سے ایسی چیز کی طرف انتقال ہوگا جو اس سے افضل ہے اور وہ مذکور احترام ہے۔ رہا یہ کہ اگر وہ اپنی جگہ پر صف میں ایسے شخص کو ترجیح دے جو اس طرح تعظیم کا مستحق نہیں ہے تو یہ بغیر داعیہ کے قربت سے اعراض ہوگا اور یہ شرعاً مطلوب کے خلاف ہے۔ اور ''النہر'' میں جو قول ہے اسکو اس پر محمول کرنا چاہئے۔ ''نہر'' میں اس طرح ہے کہ جان لو کہ شوافع نے ذکر کیا ہے کہ قربت کا ایثار

1۔ مجمع الزوائد، باب من ترك الصف الاول مخافة ان يؤذی مسلما، جلد 2، صفحہ 259، حدیث 2536

2۔ صحیح بخاری، کتاب المساقاۃ، باب فی الشرب، جلد 1، صفحہ 991، حدیث نمبر 2180

فِي غَيْرِ جِنَازَةٍ ثُمَّ وَثُمَّ: وَلَوْ صَلَّى عَلَى رُفُوفِ الْمَسْجِدِ إِنْ وَجَدَ فِي صَحْنِهِ مَكَانًا كُرِهَ

صف نماز جنازہ کے علاوہ میں پہلی صف ہے پھر دوسری پھر تیسری، اگر کسی نے مسجد کے طاق میں نماز پڑھی اگر وہ مسجد کے صحن میں جگہ پاتا تھا

مکروہ ہے جیسا کہ اگر کوئی پہلی صف میں ہو پھر جب تکبیر کہی گئی تو اس نے دوسروں کو ترجیح دی۔ ہمارے قواعد اس کا انکار نہیں کرتے۔

پہلی صف پر کلام

دوسری تنبیہ: ''البحر'' میں باب الجمعہ کے آخر میں ہے: فقہا نے پہلی صف کے بارے میں کلام کی۔ بعض نے فرمایا: بالکونی میں جو امام کے پیچھے ہوتی ہے۔ بعض نے کہا: جو بالکونی سے متصل ہوتی ہے۔ ''ابو اللیث الفقیہ'' نے اس کو لیا ہے۔ کیونکہ عام لوگوں کو بالکونی میں داخل ہونے سے روکا جاتا ہے۔ پس عام لوگ تو پہلی صف کی فضیلت پانے تک نہیں پہنچ سکیں گے۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ بالکونی ان کے زمانہ میں اس کمرے کا نام ہے جو مسجد کی قبلہ والی دیوار کے اندر ہوتا ہے۔ اس میں امرا جمعہ پڑھتے تھے اور دشمن کے خوف کی وجہ سے لوگوں کو اس میں داخل ہونے سے روکتے تھے۔ اس بنا پر پہلی صف کے بارے میں اختلاف ہوا کہ کیا وہ پہلی صف ہے جو امام سے متصل اندر داخل ہے یا جو اس بالکونی سے باہر ہے۔ فقیہ ''ابو اللیث'' نے دوسرے قول کو لیا عام لوگوں پر وسعت کرتے ہوئے تاکہ ان سے فضیلت فوت نہ ہو۔ اس سے بدرجہ اولیٰ معلوم ہوا کہ دمشق کی بالکونی کی مثل جو مسجد کے وسط میں قبلہ والی دیوار سے باہر ہے اس میں پہلی صف وہ ہوتی ہے جو اس بالکونی کے اندر امام سے متصل ہوتی ہے اور جو اس کی دونوں طرفوں سے مقصورہ سے باہر دیوار کے آغاز سے آخر تک اس کے ساتھ متصل ہوتی ہے۔ پس مقصورہ (بالکونی) کے بنانے سے صف منقطع نہیں ہوتی جس طرح اس سے صف منقطع نہیں ہوتی جو اس بالکونی کے اندر ہوتا ہے۔ شوافع نے اس کی تصریح کی ہے۔ اس بنا پر اگر کوئی بالکونی کے اندر دوسری صف میں کھڑا ہو پہلی صف کے مکمل ہونے سے پہلے جو بالکونی سے باہر ہے تو مکروہ ہوگا۔ یہ پہلی صف کی تعریف سے اخذ کیا گیا ہے جو امام کے پیچھے ہوتی ہے۔ یعنی وہ دوسرے مقتدی کے پیچھے نہیں ہے۔ جو دوسری صف میں باب المنبر کے سامنے کھڑا ہوگا وہ پہلی صف سے ہوگا کیونکہ وہ کسی دوسرے مقتدی کے پیچھے نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

نماز جنازہ میں آخری صف میں کھڑا ہونا افضل ہے

4801۔ (قولہ: فِي غَيْرِ جِنَازَةٍ) رہا جنازہ میں تو اس کی آخری صف بہتر ہے۔ کیونکہ اس میں تواضع کا اظہار ہے۔ نیز لوگ سفارشی ہیں اور آخری صف ان کی سفارش کی قبولیت کی زیادہ لائق ہے۔ نیز جنازہ میں مطلوب صفوف کی تعداد ہے اگر پہلی صف کو فضیلت دی جائے تو لوگ قلت کی وجہ سے پیچھے جانے سے انکار کریں گے۔ ''رحمتی''۔

4802۔ (قولہ: ثُمَّ وَثُمَّ) یعنی پھر دوسری صف، تیسری صف سے افضل ہے اور جنازہ میں پھر وہ صف افضل ہے جو

كُرِهَ كَقِيَامِهِ فِي صَفٍّ خَلْفَ صَفٍّ فِيهِ فُرْجَةٌ قُلْت وَبِالْكَرَاهَةِ أَيْضًا صَرَّحَ الشَّافِعِيَّةُ قَالَ السُّيُوطِيُّ فِي بَسْطِ الْكَفِّ فِي إتْمَامِ الصَّفِّ وَهَذَا الْفِعْلُ مُفَوِّتٌ

تو یہ مکروہ ہے جیسے ایسی صف کے پیچھے صف میں کھڑا ہونا مکروہ ہے جس میں خالی جگہ موجود ہو۔ میں کہتا ہوں شوافع نے بھی کراہت کی تصریح کی ہے۔ امام ''سیوطی'' نے ''بسط الکف فی اتمام الصف'' میں فرمایا:

آخری سے متصل ہے۔ اس کی وجہ وہ ہے جو گزر چکی ہے۔ ''رحمتی''۔

4803۔ (قولہ: كُرِهَ) مکروہ ہے۔ کیونکہ اس میں صفوں کا مکمل کرنا چھوڑا گیا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ مبلغ مسجد کے طاق میں نماز پڑھے جمعہ کے دن کی مثل تا کہ اس کی آواز مسجد کی اطراف تک پہنچے تو مکروہ نہیں۔

4804۔ (قولہ: كَقِيَامَةِ فِي صَفٍّ الخ) کیا اس میں کراہت تنزیہی ہے یا تحریمی ہے دوسری صورت کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد راہنمائی کرتا ہے کہ جس نے صف کو توڑا اللہ تعالیٰ اسے توڑ دے (1)۔ ''طحطاوی''۔

یہ مسئلہ باقی ہے کہ جب تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد پہلی صف میں خالی جگہ دیکھے تو کیا اس کی طرف چلا جائے، میں نے اسکی تصریح نہیں دیکھی۔ اطلاق کا ظاہر یہ ہے کہ وہ چلا جائے۔ اور اس کے مسئلہ کو مفید ہے جو صف سے دوسرے کو کھینچتا ہے جیسا کہ ہم نے پہلے (مقولہ 4799 میں) بیان کیا ہے۔ اسے چاہئے کہ اس کی بات قبول کرے تا کہ کھینچنے والے سے کراہت منتفی ہو۔ پس اپنی ذات سے کراہت دور کرنے کے لئے چلنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ فتامل۔ پھر میں نے ''الذخیرہ'' کے حوالہ سے ''حلبہ'' کے مفسدات صلوٰۃ میں دیکھا کہ اگر وہ دوسری صف میں ہو اور وہ پہلی صف میں خالی جگہ دیکھے تو اس کی طرف چلا جائے اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ کیونکہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھڑے ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''صفوف میں مل کر کھڑا ہوا کرو'' (2) اور اگر تیسری صف میں خالی جگہ دیکھے اور اس کی طرف چل کر جائے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ یہ عمل کثیر ہے اور امر کے صیغہ کے ساتھ تعلیل کا ظاہر یہ ہے کہ اس سے تیسری صف میں ہونے کے باوجود پہلی صف کی طرف چلنا مطلوب ہے۔ تامل۔

فائدہ: ''الاشباہ'' میں فرمایا: جب امام کو رکوع میں پائے تو اس کا شروع ہونا (نماز میں) آخر صف میں تا کہ رکعت مل جائے یہ صف میں پہنچنے سے افضل ہے۔ رہی یہ صورت کہ اگر وہ آخری صف کو نہ پائے تو اکیلا کھڑا نہ ہو بلکہ صف کی طرف چل کر جائے اگر اس میں خالی جگہ پائے اگرچہ رکعت فوت بھی ہو جائے جیسا کہ ''شرح المنیہ'' کے آخر میں معلل بیان کیا گیا ہے کہ مکروہ کا ترک کرنا، فضیلت کے پانے سے اولیٰ ہے۔ تامل۔ اور اس کی شہادت یہ بھی ہے کہ ''ابوبکرہ'' نے صف کے پیچھے رکوع کیا پھر صف کی طرف آہستہ آہستہ چلتے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: اللہ تعالیٰ تیری (نماز میں شرکت کی)

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب تسویۃ الصفوف، جلد 1، صفحہ 261، حدیث نمبر 570

2۔ سنن نسائی، کتاب الامامۃ، باب حث الامام علی رص الصفوف، جلد 1، صفحہ 310، حدیث نمبر 305

وَهٰذَا الْفِعْلُ مُفَوِّتٌ لِفَضِيلَةِ الْجَمَاعَةِ الَّذِي هُوَ التَّضْعِيفُ لَا لِأَصْلِ بَرَكَةِ الْجَمَاعَةِ، فَتَضْعِيفُهَا غَيْرُ بَرَكَتِهَا، وَبَرَكَتُهَا هِيَ عَوْدُ بَرَكَةِ الْكَامِلِ مِنْهُمْ عَلَى النَّاقِصِ وَلَوْ وَجَدَ فُرْجَةً فِي الْأَوَّلِ لَا الثَّانِي لَهُ خَرْقُ الثَّانِي لِتَقْصِيرِهِمْ، وَفِي الْحَدِيثِ (1) (مَنْ سَدَّ فُرْجَةً غُفِرَ لَهُ) وَصَحَّ (خِيَارُكُمْ أَلْيَنُكُمْ مَنَاكِبَ فِي الصَّلَاةِ) (2)

یہ فعل جماعت کی اس فضیلت کوفوت کرنے والا ہے جو کہ ثواب کا کئی گناہ ہونا ہے نہ کہ جماعت کی برکت کی اصل کوفوت کرنے والا ہے۔ پس ثواب کا کئی گنا ہونا، جماعت کی برکت کے علاوہ چیز ہے اور جماعت کی برکت ان میں سے کامل کی برکت کا ناقص پر لوٹنا ہے۔ اور اگر کوئی پہلی صف میں خالی جگہ پائے دوسری میں نہیں تو اسے دوسری صف کو چیرنا جائز ہے کیونکہ انہوں نے کوتاہی کی اور حدیث میں ہے: جس نے خالی جگہ بند کی اس کی بخشش کردی جائے گی۔ اور صحیح حدیث میں ہے کہ تم میں سے بہتر وہ لوگ ہیں جو نماز میں کندھوں کے اعتبار سے نرم ہیں۔

حرص کو زیادہ کرے اور پھر ایسا نہ کرنا (3)۔

4805۔ (قولہ: وَهٰذَا الْفِعْلُ مُفَوِّتٌ الخ) یہ شوافع کا مذہب ہے کیونکہ ان کے نزدیک جماعت کی فضیلت کی شرط یہ ہے کہ وہ بلا کراہت ادا کی جائے گی اور ہمارے نزدیک کئی گنا ثواب کو پالے گا اور کراہت یا حرمت کا مقتضا اسے لازم ہوگا جیسا کہ اگر کسی نے غصب شدہ زمین میں نماز پڑھی۔ ''رحمتی''۔ اور اسی طرح ''الطحطاوی'' میں ہے۔

صفوں میں خالی جگہ پر کرنے کے لیے گردنیں پھلانگنا جائز ہے

4806۔ (قولہ: لِتَقْصِيرِهِمْ) یہ اس کو مفید ہے کہ کلام اس صورت میں ہے جب وہ نماز کو شروع کر چکے ہوں اور ''القنیہ'' میں ہے: کوئی شخص صف کے آخر میں کھڑا ہوا اس کے درمیان اور دوسری طرفوں کے درمیان خالی جگہ ہے تو آنے والے کے لئے جائز ہے کہ وہ اس کے سامنے سے گزرے تا کہ وہ صف میں پہنچ جائے۔ کیونکہ اس نے اپنی حرمت کو خود ساقط کیا ہے۔ پس سامنے سے گزرنے والا گنہگار نہ ہوگا۔ اس پر دلیل وہ حدیث ہے جو ''الفردوس'' میں ابن عباس عن النبی کی سند سے مروی ہے کہ جس نے صف میں خالی جگہ دیکھی تو اسے اس کو بند کرنا چاہئے (4) وہ اگر ایسا نہیں کرے گا پھر گزرنے والے گزرے اور اس کی گردن پھلانگ کر گزرے کیونکہ اس کی حرمت نہیں رہی یعنی گزرنے والا اس کی گردن پھلانگے جس نے خالی جگہ کو بند نہیں کیا۔

4807۔ (قولہ: أَلْيَنُكُمْ مَنَاكِبَ فِي الصَّلَاةِ) مفہوم یہ ہے کہ صف میں داخل ہونے کا ارادہ کرنے والا جب اپنا ہاتھ نمازی کے کندھے پر رکھے تو وہ اس کے لئے نرم ہو جائے۔ ''طحطاوی عن المناوی''۔

1۔ الترغیب والترہیب، جلد 1، صفحہ 322　　2۔ المعجم الکبیر، جلد 12، صفحہ 405، حدیث نمبر 13494

3۔ صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب اذا رکع دون الصف، جلد 1، صفحہ 373، حدیث نمبر 741

سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب الرجل یرکع دون الصف، جلد 1، صفحہ 265، حدیث نمبر 585

4۔ مجمع الزوائد، فیمن وجد فرجۃ فی صف فلم یفسدھا، جلد 2، صفحہ 259، حدیث نمبر 2535

وَبِهٰذَا يُعْلَمُ جَهْلُ مَنْ يَسْتَنْسِكُ عِنْدَ دُخُولِ دَاخِلٍ بِجَنْبِهِ فِي الصَّفِّ وَيَظُنُّ أَنَّهُ رِيَاءٌ كَمَا بُسِطَ فِي الْبَحْرِ، لَكِنْ نَقَلَ الْمُصَنِّفُ وَغَيْرُهُ عَنْ الْقُنْيَةِ وَغَيْرِهَا مَا يُخَالِفُهُ، ثُمَّ نَقَلَ تَصْحِيحَ عَدَمِ الْفَسَادِ فِي مَسْأَلَةِ مَنْ جُذِبَ مِنْ الصَّفِّ فَتَأَخَّرَ، فَهَلْ ثَمَّ فَرْقٌ؟ فَلْيُحَرَّرْ (الرِّجَالَ)

اس سے اس شخص کی جہالت معلوم ہوگئی جو صف میں کسی کے داخل ہونے کے وقت اپنے پہلو کو سخت کر لیتا ہے اور وہ یہ گمان کرتا ہے کہ (دوسرے کو صف میں جگہ دینا) ریا ہے جیسا کہ ''البحر'' میں تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ لیکن المصنف وغیرہ نے ''القنیہ'' وغیرہ کے حوالہ سے وہ نقل کیا ہے جو اس کے مخالف ہے پھر اس کے مسئلہ میں عدم فساد کی تصحیح نقل کی ہے جو صف سے کھینچا جاتا ہے پھر وہ پیچھے آجاتا ہے۔ پس کیا اس میں اور پہلے مسئلہ میں کوئی فرق ہے۔ تنقیح ہونی چاہئے۔

4808۔(قولہ: كَمَا بُسِطَ فِي الْبَحْرِ) ''البحر'' نے ''الفتح'' سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کے لئے جگہ کھلی کرنا ریا ہے کیونکہ یہ اس کے لئے حرکت کرنا ہے بلکہ یہ تو فضیلت کے پانے پر اعانت ہے اور صف میں فرجہ (خالی جگہ) کو پر کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس کو ادا کرنا ہے۔ اس میں احادیث مشہور اور کثیر ہیں۔

4809۔(قولہ: لَكِنْ نَقَلَ الْمُصَنِّفُ وَغَيْرُهُ الخ) جو ''البحر'' اور ''الفتح'' میں حدیث سے استنباط کیا ہے اس پر استدراک ہے، کیونکہ یہ مسئلہ میں منقول کے مخالف ہے۔ اور ''المنح'' میں یہ ذکر کرنے کے بعد کہ اگر دوسرا اس کو کھینچ لے تو وہ پیچھے آجائے۔ اصح قول میں اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ مصنف کی عبارت یہ ہے: ''القنیہ'' میں ہے: تنہا نماز پڑھنے والے کو کہا گیا آگے ہو جا تو وہ اس کے حکم سے آگے گیا یا کوئی شخص صف کی خالی جگہ میں داخل ہوا پھر نمازی آگے ہوا حتیٰ کہ اس پر مکان کھلا کر دیا تو اس کی نماز فاسد ہوگئی۔ مناسب یہ ہے کہ وہ تھوڑی دیر ٹھہر جائے پھر اپنی رائے سے آگے بڑھے۔ ''شرح القدوری'' میں اس کی یہ علت بیان کی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے امر کے علاوہ کی پیروی ہے۔ میں کہتا ہوں: جو پیچھے آگیا اس کی نماز کی تصحیح میں سے جو گزر چکا ہے وہ ''القنیہ'' کے مسئلہ میں عدم فساد کی تصحیح کو مفید ہے کیونکہ اس کے کھینچنے کی وجہ سے اس کے پیچھے آنے سے اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی اور کوئی تفصیل بیان نہیں فرمائی کہ وہ اس کے امر سے ہو یا اس کے امر سے نہ ہو مگر یہ کہ اس کو اس پر محمول کیا جائے کہ وہ اس کے امر سے پیچھے نہیں آیا تھا۔ پس یہ دوسرا مسئلہ ہو جائے گا۔ ''فتامل''۔ المصنف کا کلام ختم ہوا۔

اور اس کا حاصل یہ ہے کہ دونوں مسئلوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے مگر یہ کہ پہلے مسئلہ کو اس پر محمول کیا جائے کہ وہ صرف کھینچنے سے پیچھے آیا بغیر امر (حکم) کے اور دوسرا مسئلہ اس پر محمول کیا جائے کہ جب اس کے لئے اس نے اس کے حکم سے جگہ کھلی کی تو دوسرے مسئلہ میں اس کی نماز فاسد ہوگئی۔ کیونکہ یہ مخلوق کے حکم کی پیروی ہے اور یہ نماز کے منافی ہے بخلاف پہلے مسئلہ کے۔

4810۔(قولہ: فَهَلْ ثَمَّ فَرْقٌ؟) تو نے المصنف کے کلام سے جان لیا کہ اگر دونوں مسئلوں میں حکم کے بغیر پیچھے آیا تو ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں اور دونوں میں تصحیح وارد ہے اور اگر ایک میں حکم سے پیچھے آیا تو پھر فرق ہوگا اور وہ مخلوق کے حکم کو اس کا قبول کرنا ہے۔ پس دونوں مسئلوں کا موضوع مختلف ہوگا۔

ظَاهِرُهُ يَعُمُّ الْعَبِيْدَ (ثُمَّ الصِّبْيَانَ) ظَاهِرُهُ تَعَدُّدُهُمْ، فَلَوْ وَاحِدًا دَخَلَ الصَّفَّ (ثُمَّ الْخَنَاثَى ثُمَّ النِّسَاءَ) قَالُوا الصُّفُوفُ الْمُمْكِنَةُ اثْنَا عَشَرَ،

امام پہلے مردوں کی صف بنائے۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ یہ غلاموں کو بھی شامل ہے۔ پھر بچوں کی صف بنائے۔ اس کا ظاہر بچوں کا متعدد ہونا ہے۔ اور اگر بچہ ایک ہو تو وہ صف میں داخل ہو۔ پھر خسروں کی صف بنائے۔ پھر عورتوں کی صف بنائے۔ فقہا نے ممکنہ صفیں بارہ بنائی ہیں۔

اس کو یاد کرو۔ اور الشرنبلالی نے ''شرح الوہبانیہ'' میں وہ ذکر کیا ہے جو ''القنیہ'' اور ''شرح القدوری'' کے حوالہ سے (سابقہ مقولہ میں) گزرا ہے۔ پھر اس کا رد کیا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی پیروی ہے۔ پس اسے مضر نہیں لیکن یہ مخفی نہیں کہ دونوں فرعی مسئلوں میں مخالفت ظاہراً باقی ہے۔ گویا شارح نے اس فرق کی صحت کا جزم نہیں کیا جس کو مصنف نے ظاہر فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے فرمایا فلیحرر (تنقیح ہونی چاہئے)۔ اور مکروہات الصلوٰۃ میں اور مفسدات صلوٰۃ میں اس پر جزم کیا ہے جو ''القنیہ'' میں ہے ''شرح المنیہ'' کی تبع کرتے ہوئے۔ اور علامہ ''طحطاوی'' نے فرمایا: اگر تفصیل بیان کی جاتی اس کے درمیان کہ اس نے الشارع علیہ السلام کے حکم کی پیروی کی تو نماز فاسد نہ ہوگی اس کے درمیان کہ اس نے داخل ہونے والے کی رعایت کرتے ہوئے داخل ہونے والے کے حکم کی پیروی کی شارع کے امر کو دیکھے بغیر تو اس کی نماز فاسد ہوگی تو یہ بہتر ہوتا۔

4811۔ (قولہ: ظَاهِرُهُ يَعُمُّ الْعَبِيْدَ) اس طرف اشارہ فرمایا کہ بلوغ حریت پر مقدم ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''تم میں سے اصحاب عقل و دانش میرے قریب ہوں'' (1)۔ یعنی بالغ لوگ۔ جو ''ابن امیر حاج'' سے نقل ہے وہ اس کے مخالف ہے کیونکہ انہوں نے آزاد بچوں کو بالغ غلاموں پر مقدم کیا ہے۔ ''حلبی عن البحر''۔ ہاں آزاد بالغ کو غلام بالغ پر اور آزاد بچے کو غلام بچے پر آزاد بالغہ کو بالغہ لونڈی پر آزاد بچی کو لونڈی بچی پر مقدم کیا جائے گا۔

4812۔ (قولہ: فَلَوْ وَاحِدًا دَخَلَ الصَّفَّ) یہ ''البحر'' میں بطور بحث ذکر کیا ہے فرمایا: اسی طرح اگر مقتدی ایک مرد اور ایک لڑکا ہو تو دونوں کی اپنے پیچھے صف بنائے۔ کیونکہ حضرت انس کی حدیث ہے: میں نے اور یتیم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے صف بنائی اور بوڑھی ہمارے پیچھے تھی۔ اور یہ ایک عورت کے خلاف ہے کیونکہ عورت مطلقاً پیچھے ہوگی جیسا کہ متعدد عورتیں پیچھے کھڑی ہوتی ہیں، اس کی وجہ مذکور حدیث ہے۔

ممکنہ صفوں کی تعداد اور احکام

4813۔ (قولہ: اثْنَا عَشَرَ) کیونکہ مقتدی یا مذکر ہوگا، یا مؤنث ہوگا یا خنثی ہوگا۔ ہر صورت پر یا بالغ ہوگا یا بالغ نہیں ہوگا۔ پھر ہر صورت پر یا آزاد ہوگا یا آزاد نہیں ہوگا۔ ''حلبی''۔

پس آزاد بالغوں کو مقدم کیا جائے گا پھر ان کے لڑکوں کو پھر بالغ غلاموں کو پھر ان کے لڑکوں کو پھر آزاد بڑے خنثوں کو

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب تسویۃ الصفوف واقامتھا، جلد 1، صفحہ 485، حدیث نمبر 704

سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب من یستحب ان یلی الامام، جلد 1، صفحہ 263، حدیث نمبر 577

لَكِنْ لَا يَلْزَمُ صِحَّةُ كُلِّهَا لِمُعَامَلَةِ الْخَنَاثَى بِالْأَضَرِّ (وَإِذَا حَاذَتْهُ) وَلَوْ بِعُضْوٍ وَاحِدٍ، وَخَصَّهُ الزَّيْلَعِيُّ

لیکن ان تمام صفوں کی صحت لازم نہیں۔ کیونکہ خسروں کا معاملہ مضر ہے۔ جب عورت برابر کھڑی ہو مرد کے اگر چہ ایک عضو کے ساتھ......اور ''الزیلعی'' نے اس کو

پھران کے چھوٹوں کو پھر بڑے غلام خنثوں کو پھران کے چھوٹوں کو پھر آزاد بڑی عورتوں کو پھران کی چھوٹی عورتوں کو پھر بڑی لونڈیوں کو پھر چھوٹی لونڈیوں کو جیسا کہ ''الحلبہ'' میں ہے۔

4814۔(قولہ: لَكِنْ لَا يَلْزَمُ الخ) ''الحلبہ'' سے (گزشتہ مقولہ میں) جو ہم نے خناثی کی چار صفوف بنانے میں سے نقل کیا ہے اس کا یہ جواب ہے۔ کیونکہ متن میں مذکور ترتیب پر ممکنہ صفوف کا بیان مراد ہے اگر چہ تمام صحیح نہیں ہیں۔ کیونکہ ''الامداد'' میں ہے: خنثی کے لیے صحیح نہیں کہ اپنے جیسے کے برابر کھڑا ہو اور نہ اس سے متاخر ہو۔ کیوں کہ یہ احتمال موجود ہے کہ مقدم مؤنث ہے اور یہ احتمال بھی ہے کہ برابر والا مؤنث ہے۔ پھر کہا: شرط ہے کہ خناثی کی ایک صف ہو ہر دو کے درمیان خالی جگہ ہو یا کوئی چیز حائل ہو تا کہ محاذاۃ نہ ہو۔ یہ اس میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ کے ساتھ اس کے لئے احسان کیا۔ پس شارح نے جو ذکر کیا ہے وہ جواب ہے اعتراض نہیں۔ فافہم۔

یقیناً ظاہر ہوا کہ صحیح صفوف نو ہیں۔ لیکن ''حلبی'' نے ذکر کیا ہے کہ جس کے ساتھ برابر عورت کھڑی ہوگی اس کی نماز کے افساد میں مکلف ہونا شرط آگے آئے گا۔ اور خنثی عورت کی طرح ہے جیسا کہ ''الامداد'' میں ہے۔ اور خنثی کا تقدم محاذاۃ کے حکم میں ہے بلکہ وہ محاذاۃ کے افراد سے ہے جیسا کہ ''البحر'' میں ہے۔ پس اس وقت خنثوں کی ایک صف بنانا شرط نہ ہوگا مگر جب وہ بالغ ہوں۔ پس امام ان کی ایک صف بنا دے اور احرار اور غلام فرجہ کی شرط یا حائل کی شرط کے ساتھ برابر ہیں۔ رہے ان میں سے بچے تو ان کے احرار کی دوسری صف بنائی جائے گی۔ پھر ان کے غلاموں کی تیسری صف بنائی جائے گی حریت کو ترجیح دیتے ہوئے۔ کیونکہ ان کے بعض کے بعض کے برابر کھڑے ہونے سے فساد نہیں ہے یا ان کے بعض کے آگے ہونے سے فساد نہیں ہے بخلاف ان کے بالغوں کے۔ اس بنا پر صفوف گیارہ ہوں گی۔ یہ اس کا ماحصل ہے جو المحشی نے ذکر کیا ہے۔ فافہم۔

میں کہتا ہوں: ''القنیہ'' میں تصریح کی ہے کہ خنثی کا خنثی کی اقتدا کرنے میں دو روایتیں ہیں۔ اور جواز کی روایت استحسان ہے قیاس نہیں۔ اور جواز کی روایت سے لازم آتا ہے کہ اس کی نماز اپنے جیسے کے برابر کھڑے ہونے سے باطل نہ ہوگی اور نہ اس سے مقدم کھڑے ہونے سے باطل ہوگی خواہ وہ بالغ ہو یا نہ ہو۔ اس بنا پر جو ''الامداد'' کے حوالہ سے (اس مقولہ میں) گزرا ہے اس کی کوئی حاجت نہیں۔ ہاں الشارح نے ''البحر'' کی تبع میں عدم جواز کی روایت پر جزم کیا ہے جو آگے آئے گی۔ فتامل۔

محاذہ کے احکام

4815۔(قولہ: خَصَّهُ الزَّيْلَعِيُّ الخ) کیونکہ ''الزیلعی'' نے فرمایا: اصح قول میں محاذاۃ میں معتبر پنڈلی اور ٹخنا ہے۔ اور بعض علما نے قدم کا اعتبار کیا ہے۔ پس بعض کے قول کے مطابق اگر وہ مرد سے پاؤں کے کچھ حصہ کے ساتھ پیچھے کھڑی ہوئی تو

....

نماز فاسد ہوگی اگر چہ اس کی پنڈلی اور اس کا ٹخنا، مرد کی پنڈلی اور ٹخنا سے متاخر ہے اور اصح قول پر نماز فاسد نہ ہوگی اگر چہ اس کا بعض قدم، مرد کے بعض قدم کے برابر ہے اس طرح کہ عورت کے قدم کی انگلیاں مثلاً مرد کے ٹخنا کے پاس ہیں۔ تامل۔

اس کو یاد رکھو۔ وخصہ "الزیلعی" کے قول کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ولو بعضو واحد کا قول اس سے خارج ہے جو "الزیلعی" نے ذکر کیا ہے۔ پس یہ اس مسئلہ میں تیسرا قول ہوگا جیسا کہ "البحر" میں اس کو سمجھا ہے اور "الزیلعی" کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تیسرا قول نہیں ہے ورنہ وہ اس کو ذکر کرتے بلکہ عورت کے عضو سے مراد عورت کا قدم ہے اور مرد کے عضو سے مراد کوئی عضو ہے۔ اس قول کی بنا پر جس کی تصریح "النہایہ" میں کی ہے۔ اور اس کی نص یہ ہے: ہم نے مطلقاً محاذاۃ کی شرط لگائی ہے تا کہ تمام اعضا کو شامل ہو جائے یا بعض اعضاء کو شامل ہو جائے۔ کیونکہ "الخلاصہ" میں "فوائد القاضی ابی علی النسفی" پر پھیرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔ محاذاۃ تب ہوگی کہ عورت کا کوئی عضو مرد کے کسی عضو کے برابر ہو جائے حتیٰ کہ اگر عورت بالکونی پر ہو اور مرد اس کے نیچے اس کے برابر ہو اگر مرد اس کے کسی عضو کے برابر ہوا تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس صورت کو متعین فرمایا تا کہ عورت کا قدم مرد کے برابر ہو۔ کیونکہ ان یحاذی عضو منہا کے قول سے مراد عورت کا قدم ہے اس کے علاوہ نہیں۔ کیونکہ عورت کے قدم کے علاوہ کسی حصہ کی مرد کے کسی حصہ سے برابری مرد کی نماز کے فساد کا موجب نہیں۔ "فتاویٰ الامام قاضی خان" میں فصل من یصح الاقتداء بہ و مَنْ لا یصح کے درمیان اس پر نص ہے۔ فرمایا: جب عورت گھر میں اپنے خاوند کے ساتھ نماز پڑھے اگر اس کا پاؤں، خاوند کے پاؤں کے برابر ہو تو جماعت کے ساتھ دونوں کی نماز جائز نہیں اور اگر چہ عورت کے پاؤں خاوند کے پاؤں سے پیچھے ہوں مگر یہ کہ عورت بہت لمبی ہو سجدہ میں عورت کا سر، خاوند کے سر سے آگے واقع ہوتا ہو تو دونوں کی نماز جائز ہوگی۔ کیونکہ اعتبار قدم کا ہے۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ حرم کے شکار کے پاؤں حرم سے باہر ہوں اور سر حرم کے اندر ہو تو اسے پکڑنا حلال ہے اور اگر اس کے برعکس ہو تو حلال نہیں۔ "النہایہ" کا کلام ختم ہوا۔ "السراج" نے اس کو نقل کیا ہے اور اس کو ثابت رکھا ہے۔

"قہستانی" میں ہے: محاذاۃ (برابری) یہ ہے کہ عورت کا پاؤں مرد کے اعضا میں سے کسی عضو کے برابر ہو۔ پس قدم اس کے مفہوم سے ماخوذ ہے اس قول کی بنا پر جو "المطرزی" سے منقول ہے۔ پس اس کے قدم کے علاوہ کسی عضو کا مرد کے کسی عضو کے برابر ہونا نماز کو فاسد کرنے والا نہیں۔

جو ہم نے ذکر کیا ہے اس سے مذکورہ بالکونی والے مسئلہ میں پاؤں کے ساتھ محاذاۃ کا وجود ثابت ہوا۔ "البحر" میں جو گمان کیا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ انہوں نے عضو اور قدم سے تعبیر کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا بخلاف اس کے جو "البحر" میں گمان کیا ہے اگر عورت مرد سے قدم کے اعتبار سے پیچھے ہو تو دونوں کی نماز صحیح ہے۔ اگر چہ عورت کے بعض اعضا کی برابر مرد کے قدم یا اس کے علاوہ کسی عضو سے رکوع و سجود میں برابری نہیں ہے اور نہ مرد کے پاؤں کی عورت کے کسی عضو سے برابری ہے بلکہ عورت کے صرف قدم کا مرد کے کسی عضو سے برابری مانع ہے۔

بِالسَّاقِ وَالْكَعْبِ (امْرَأَةٌ) وَلَوْ أَمَةً (مُشْتَهَاةٌ) حَالًا كَبِنْتِ تِسْعٍ مُطْلَقًا وَثَمَانٍ وَسَبْعٍ لَوْ ضَخْمَةً أَوْ مَاضِيًا كَعَجُوزٍ (وَلَا حَائِلَ بَيْنَهُمَا) أَقَلُّهُ قَدْرُ ذِرَاعٍ فِي غِلَظِ إِصْبَعٍ، أَوْ فُرْجَةٌ تَسَعُ رَجُلًا

پنڈلی اور ٹخنے کے ساتھ خاص کیا ہے خواہ وہ عورت لونڈی ہو جبکہ وہ عورت قابل شہوت ہو اس وقت جیسے نو سال کی لڑکی مطلقاً اور آٹھ اور سات سال کی لڑکی اگر وہ موٹی ہو یا وہ عورت گزشتہ زمانہ میں قابل شہوت تھی جیسی بوڑھی عورت جبکہ مرد اور عورت کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو اور حائل چیز کم از کم ہاتھ کی مقدار ہو اور موٹائی میں انگلی کی مقدار ہو یا اتنی خالی جگہ ہو جس میں ایک آدمی کھڑا ہو سکتا ہو

نوٹ: ''البحر'' میں محاذاۃ کی اس تفسیر پر اعتراض کیا ہے جو ''الزیلعی'' نے ذکر کی ہے کہ وہ قاصر ہے۔ کیونکہ وہ تقدم کو شامل نہیں حالانکہ فقہا نے تصریح کی ہے کہ ایک عورت تین آدمیوں کی نماز کو فاسد کرتی ہے جب وہ صف میں کھڑی ہو، اس کی نماز بھی فاسد ہوتی ہے جو اس کی دائیں جانب ہوتا ہے اور اس کی بھی فاسد ہوتی ہے جو اس کی بائیں جانب ہوتا ہے اور اس کی بھی جو اس کے پیچھے ہوتا ہے۔ پس صحیح تفسیر محاذاۃ کی وہ ہے جو ''المجتبیٰ'' میں ہے۔ وہ برابری مفسد ہے کہ عورت مرد کے پہلو میں بغیر کسی حائل کے کھڑی ہو یا عورت مرد کے آگے کھڑی ہو۔

''النہر'' میں اس کا جواب اس طرح دیا ہے کہ عورت اپنے پیچھے والے کی نماز توڑ دیتی ہے جب وہ اس کے برابر کھڑا ہو جیسا کہ ''الزیلعی'' نے اس کے ساتھ مقید کیا ہے۔ اور ''السراج'' میں بھی اس کو ذکر کیا ہے۔ اور ''الحاکم الشہید'' نے اپنی ''الکافی'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ اس کی مکمل بحث عنقریب (مقولہ 4819 میں) آئے گی۔

4816_(قولہ: امْرَأَةٌ) اس کا مفہوم یہ ہے کہ خنثیٰ مشکل نماز کو فاسد نہیں کرتا۔ ''التتارخانیہ'' میں اس کی تصریح کی ہے۔

4817_(قولہ: وَلَوْ أَمَةً) اور اس کی مثل خنثیٰ ہے جیسا کہ ہم نے ''الامداد'' کے حوالہ سے پہلے یہ پیش کیا ہے ''حلبی''۔ اور امۃً کے ساتھ مبالغہ کی کوئی ضرورت نہیں اور شاید ولو أمَتہٗ ہاء ضمیر کے ساتھ ہو ''طحطاوی''۔ اور ''الخزائن'' میں اس کی عبارت یہ ہے: ولو محرمَہٗ او زوجتہ و خرج بہ الامرد یعنی اگرچہ اس کی محرم عورت ہو یا اس کی بیوی ہو اور اس سے بے ریش لڑکا خارج ہو گیا۔

4818_(قولہ: كَبِنْتِ تِسْعٍ مُطْلَقًا) اس کا لاحق اس کی تفسیر کرتا ہے۔ ''البحر'' میں فرمایا: فقہا کا قابل شہوت لڑکی کی حد کے بارے میں اختلاف ہے۔ ''الزیلعی'' وغیرہ نے اس کی تصحیح کی کہ سات سال جو کہا گیا ہے یا نو سال جو کہا گیا ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ معتبر یہ ہے کہ وہ حقوق زوجیت ادا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو اس طرح کہ وہ موٹی بھاری بھر کم ہو۔ عبلہ اس عورت کو کہتے ہیں جس کی تخلیق مکمل ہو۔ پس شارح کا کلام معتمد نہیں کیونکہ ہمارے زمانہ میں نو سال کی لڑکی وطی کی طاقت نہیں رکھتی۔ ''طحطاوی''۔

4819_(قولہ: أَوْ فُرْجَةٌ تَسَعُ رَجُلًا) اس کا عطف (حائل) پر ہے لیکن یہ منون ہے۔ کیونکہ اس کا وصف جملہ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ''حلبی''۔ اور ''معراج الدرایہ'' میں ہے: اگر مرد اور عورت کے درمیان اتنی خالی جگہ ہو کہ اس میں

....

مرد یا ستون آ سکتا ہوتو بعض علما نے فرمایا: نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اسی طرح جب وہ مرد کے سامنے کھڑی ہو اور ان کے درمیان اتنا فاصلہ ہوتو نماز فاسد نہ ہوگی۔

''البحر'' میں اس پر اعتراض کیا ہے اس کے ساتھ کہ ہمارے اصحاب سے جس کی نقل پر فقہا نے اتفاق کیا ہے کہ عورت اپنے اردگرد والے آدمیوں کی نماز کو توڑ دیتی ہے۔ ایک وہ جو اس کی دائیں جانب ہے اور ایک وہ جو بائیں جانب ہے۔ اور اسی طرح کا حکم ہے دو اور تین عورتوں کا۔ اور اسی طرح پیچھے والے کی نماز کو فاسد کر دیتی ہے۔ پس ایک عورت اپنے پیچھے والے آدمی کی نماز کو فاسد کر دیتی ہے۔ اور اگر دو عورتیں ہوں تو دو آدمیوں کی نماز کو فاسد کر دیں گی۔ اور اگر تین ہوں تو آخر صف تک تین تین آدمیوں کی نماز کو فاسد کر دیں گی۔ اور اگر مردوں اور امام کے درمیان عورتوں کی صف ہو تو مردوں کی اقتدا صحیح نہیں ہے۔ فرمایا: اس کے اشکال کی وجہ یہ ہے کہ جو مرد اس عورت کے پیچھے ہے یا وہ صف جو ان کے پیچھے ہے، اس کے درمیان اور عورت کے درمیان مرد کے کھڑے ہونے کی جگہ کی مقدار فاصلہ ہو۔ اور خالی جگہ کو فقہا نے حائل کی طرح بنایا ہے اس میں جو اس کی دائیں جانب ہے یا بائیں جانب ہے۔ پس متعین ہو گیا یہ اس پر محمول ہے کہ جب مرد عورت کے پیچھے بغیر خالی جگہ کے ہو بالکل عورت کے برابر کھڑا ہو اس طرح کے اس کے درمیان اور مرد کے درمیان مرد کے کھڑے ہونے کی جگہ نہ ہو۔ اسی وجہ سے ''السراج'' میں فرمایا: اگر عورت صف کے درمیان میں کھڑی ہو تو اس کی نماز فاسد ہوگی جو اس کی دائیں جانب تھا اور جو اس کی بائیں جانب تھا اور جو بالکل اس کے پیچھے تھا باقیوں کی نماز فاسد نہ ہوگی اور پچھلے آدمی کی نماز کے فساد کیلئے شرط ہے کہ وہ اس کے پیچھے کھڑا ہو۔ یہ فرجہ (خالی جگہ) کے وجود سے احتراز ہے۔ اسی طرح ''الزیلعی'' اور ''الحاکم الشہید'' نے اس کی تصریح کی ہے۔ ہم نے قریب ہی ''النہر'' کے حوالہ سے (مقولہ 4815 میں) پیش کیا ہے۔ اور ''النہر'' میں یہ فائدہ ظاہر کیا ہے کہ فساد کے لئے محاذاۃ کی شرط ایک عورت کے تقدم کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ عورتوں کی صف کا بھی اسی طرح حکم ہے یعنی جہاں مردوں کی صفیں برابر نہ ہوں تو فساد نہ ہوگا۔

حاصل یہ ہے کہ پیچھے والے کی نماز فاسد کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ بالکل اس کے پیچھے کھڑا ہو وہ آدمی کے کھڑے ہونے کی جگہ کی مقدار اس کے دائیں بائیں نہ ہو مطلق اس کے پیچھے ہونا مراد نہیں۔ ''البحر'' کی مراد محاذاۃ پر حمل کی تعیین سے وہ ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ وہ محاذاۃ سے مراد نہیں جو محشی نے سمجھا ہے کہ آدمی عورت کے پیچھے کھڑا ہو اس طرح کہ اس کا چہرہ اس عورت کی پیٹھ کے قریب ہو، اس طرح کہ اس کے اور اس عورت کے درمیان آدمی کے کھڑے ہونے کی مقدار جگہ نہ ہو۔ کیونکہ فقہا کی مراد یہ ہے کہ عورت اس مرد کی نماز کو فاسد کرتی ہے جو اس کے پیچھے صف میں کھڑا ہے اور دو صفوں کے درمیان آدمی کے کھڑے ہونے کی جگہ سے زیادہ فاصلہ ہونا ضروری ہے۔ یہ اشکال کا منشا ہے اور صاحب ''البحر'' نے اپنے جواب پر ''السراج'' وغیرہ کی عبارت سے استشہاد کیا ہے جس میں صفوں کی تصریح ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اس کی مراد عورت کی محاذاۃ کی شرط اس شخص کیلئے ہے جو پچھلی صف میں ہے۔ پس جو ہم نے ذکر کیا ہے اس پر حمل متعین ہو گیا ورنہ یہ لازم آئے گا کہ مردوں

(فِي صَلَاةٍ) وَإِنْ لَمْ تَتَّحِدْ كَنِيَّتِهَا ظُهْرًا بِمُصَلِّي عَصْرٍ عَلَى الصَّحِيحِ سِرَاجٌ، فَإِنَّهُ يَصِحُّ نَفْلًا عَلَى الْمَذْهَبِ بَحْرٌ، وَسَيَجِيءُ (مُطْلَقَةٍ) خَرَجَ الْجِنَازَةُ (مُشْتَرَكَةٍ)

(وہ عورت ایسی) نماز میں (مرد کے برابر کھڑی ہو) اگرچہ (دونوں کی) نماز ایک نہ ہو جیسے عورت نے ظہر کی نماز کی نیت کی ہو عصر پڑھنے والے کے پیچھے صحیح قول پر۔ ''سراج''۔ کیونکہ عورت کی نماز مذہب صحیح پر نفل کے اعتبار سے صحیح ہے ''بحر''۔ اور یہ مسئلہ آگے آئے گا (جو نماز) مطلقہ ہو اس شرط سے نماز جنازہ خارج ہوگئی (مرد اور عورت کا) تحریمہ میں مشترکہ ہونا۔

کی ایک صف کی نماز کے علاوہ کسی صف کی نماز فاسد نہ ہو۔ اور صرف عورتوں کے پیچھے والی صف میں سے تین آدمیوں کی نماز کے علاوہ کسی کی نماز فاسد نہ ہوگی۔

4820۔ (قوله: فِي صَلَاةٍ وَإِنْ لَمْ تَتَّحِدْ) یہ نماز کے عموم کی طرف اشارہ ہے (جیسا کہ) ''القہستانی'' نے اپنے اس قول کے ساتھ ذکر کیا ہے: فريضة واجبة او سنة الخ، یعنی خواہ وہ نماز فرض، واجب ہو یا نفل ہو یا وہ نماز امام کے حق میں فرض ہو مقتدیوں کے حق میں نفل ہو۔ فرمایا: اس میں اشارہ ہے کہ مجنونہ (پاگل) کے برابر کھڑے ہونے سے نماز فاسد نہیں ہوتی کیونکہ اس کی نماز حقیقت میں نماز نہیں ہے۔

4821۔ (قوله: عَلَى الصَّحِيحِ) یہ محذوف کے متعلق ہے۔ اس کی تقدیر اس طرح ہے: فسدت صلاتهما۔ (دونوں کی نماز فاسد ہوگئی)۔ ''حلبی''۔

یہ شیخین کے قول کی بنا پر ہے کہ نماز کی اصل، اس کے وصف کے بطلان کے ساتھ باطل نہیں ہوتی۔ پس جب عورت کی ظہر کی نماز صحیح نہ ہوئی تو بطور نفل صحیح ہوگی۔ پس یہ اصل صلاۃ کی حیثیت سے متحدہ ہے اگرچہ فرضیت کے وصف کے ساتھ امام اس پر زائد ہے۔ پس وان لم تتحد یعنی عورت کی نیت کے اعتبار سے صورۃً متحد نہیں۔ رہا امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول کہ وصف کے بطلان کے ساتھ اصل باطل ہو جاتا ہے۔ پس عورت جس کے برابر کھڑی ہوگی اس کی نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ وہ نماز پڑھنے والی نہیں ہے۔ ''البحر'' میں اس کو مذہب کے خلاف بنایا ہے۔ اس پر کلام آگے (مقولہ 4906 میں) آئے گی۔ رہا وہ جو ''المنح'' میں یہ قول ہے کہ ''یہ اقتدا کے فساد کے وقت اصل صلاۃ کی بقا پر متفرع ہے'' یہ گویا قلم کی سبقت ہے کیونکہ اقتدا صحیح ہے۔ عورت کی فرضیت کی نیت فاسد ہوئی اور امام کی نماز کی اصل میں عورت کی اقتدا باقی ہے اور وہ نفل ہے اگرچہ فرضیت کے وصف کے ساتھ امام اس پر زائد ہے جیسا کہ ہم نے کہا ہے۔ یہ ''الرحمتی'' نے فائدہ ظاہر کیا ہے۔

4822۔ (قوله: وَسَيَجِيءُ) یعنی اس قول میں واذا فسد الاقتداء لا يصح شروعه في صلاة نفسه۔

4823۔ (قوله: مُطْلَقَةٌ) اور یہ وہ نماز ہے جو رب تعالیٰ کے لئے مناجاۃ کے طور پر معہود ہے اور یہ رکوع وسجود والی نماز ہے یا عذر کی وجہ سے اشارہ والی نماز ہے۔ ''بحر''۔

4824۔ (قوله: خَرَجَ الْجِنَازَةُ) اور اسی طرح سجدہ تلاوت بھی اس قید سے خارج ہو گیا جیسا کہ ''شرح المنیہ'' وغیرہ

فَمُحَاذَاةُ الْمُصَلِّيَةِ لِمُصَلٍّ لَيْسَ فِي صَلَاتِهَا مَكْرُوهَةٌ لَا مُفْسِدٌ فَتْحٌ (تَحْرِيمَةً) وَإِنْ سُبِقَتْ بِبَعْضِهَا (وَأَدَاءً) وَلَوْ حُكْمًا

پس نماز پڑھنے والی عورت کا ایسے شخص کے برابر کھڑا ہونا جو اس کی نماز میں نہیں، تو نہ نماز کے لئے مکروہ ہے اور نہ مفسد ہے ''الفتح''۔ اگرچہ بعض نماز اس سے پہلے ادا کی گئی ہو...... اور (نماز کا اشتراک ہو) ادا کے اعتبار سے اگرچہ حکماً ہو

میں ہے۔ فی صلاۃ کے قول کے ساتھ اس کا نکالنا مناسب ہے اور اس کے ساتھ سجدہ شکر کو لاحق کرنا چاہئے۔ اسی طرح سجدہ سہو ہے۔ کیونکہ اس میں حالت قیام میں قدم اور پنڈلی کی محاذاۃ کا تحقق نہیں ہوتا۔ تامل۔

4825۔ (قولہ: فَمُحَاذَاةُ الخ) اس کو تحریمۃ کے قول کے بعد ذکر کرنا بہتر تھا جیسا کہ ''شرح المنیہ'' میں ہے۔ کیونکہ اس صورت سے اشتراک کو تحریمہ کے ساتھ مقید کرنے کے ساتھ احتراز ہے جیسا کہ ہم (مقولہ 4828 میں) ذکر کریں گے۔ نہ کہ مطلق اشتراک کے ساتھ۔ ورنہ مثلاً نماز کے اتحاد میں اشتراک تو اس صورت میں موجود ہے۔

4826۔ (قولہ: لَيْسَ فِي صَلَاتِهَا) اس طرح کہ دونوں (مرد عورت) علیحدہ علیحدہ نماز پڑھ رہے ہوں یا ایک امام کا مقتدی ہو اور دوسرا مقتدی نہ ہو۔ ''شرح المنیہ''۔

4827۔ (قولہ: مَكْرُوهَةٌ) ظاہر یہ ہے کہ یہ کراہت تحریمہ ہے کیونکہ وہ شہوت کی جگہ ہے اور طاری پر کراہت ہے۔ میں کہتا ہوں: ''معراج الدرایہ'' میں ہے کہ ''شیخ الاسلام'' نے کراہت کی جگہ الاساءۃ کو ذکر کیا ہے اور کراہت زیادہ فحش ہے۔

4828۔ (قولہ: تَحْرِيمَةً) تحریمۃ میں اشتراک یہ ہے کہ عورت اپنی نماز کی بنا اس کی نماز پر کرے جس کے وہ برابر کھڑی ہے یا اس کے امام کی نماز پر کرے جس کے برابر وہ کھڑی ہے۔ ''بحر''۔ اور تو نے اس کے ذریعے اس کا محترز جان لیا جو ہم نے (مقولہ 4825 میں) بھی ذکر کیا ہے۔

4829۔ (قولہ: وَإِنْ سُبِقَتْ بِبَعْضِهَا) یعنی بعض نماز پہلے ہو چکی ہو۔ صحیح قول پر یہ شرط نہیں کہ عورت نماز کے آغاز کو پائے بلکہ اگر ایک یا دو رکعت ہو چکی ہو پھر وہ بقیہ نماز میں مرد کے برابر کھڑی ہو تو اس کی نماز کو فاسد کر دے گی۔ ''بحر''۔ خواہ اس نے اس سے پہلے تکبیر کہی ہو جس کے ساتھ وہ کھڑی ہوئی ہے یا اس کے ساتھ تکبیر کہی ہو یا اس کے بعد تکبیر کہی ہو۔ ''حلبی''۔

4830۔ (قولہ: وَأَدَاءً) اس طرح کہ ان میں سے ایک دوسرے کا امام ہو یا دونوں کے لئے امام ہو اس میں جس کو وہ حقیقۃً ادا کر رہے ہیں جیسے مدرک یا حکماً ادا کر رہے ہیں جیسے لاحق ''حلبی''۔ اور تادیۃ کہنا بہتر تھا تا کہ قضا کے لئے اس کے مقابلہ کا وہم نہ ہوتا حالانکہ عورت ہر نماز میں فاسد کرتی ہے۔ ''نہر''۔

''صدر الشریعہ'' نے یہاں دو چیزیں ذکر کی ہیں (1) ادا کا ذکر تحریمہ کے ذکر سے مستغنی کر دیتا ہے کیونکہ ادا میں شرکت، بغیر تحریمہ میں شرکت کے پائی ہی نہیں جاتی۔ (2) تحریمہ میں شرکت شرط نہیں ہے۔ کیونکہ امام جب کسی شخص کو خلیفہ بناتا ہے پھر عورت اس خلیفہ کی اقتدا کرتی ہے اور وہ اس شخص کے برابر کھڑی ہو جاتی ہے جس نے پہلے امام کی اقتدا کی تھی تو اس شخص کی

كَلَاحِقَيْنِ بَعْدَ فَرَاغِ الْإِمَامِ، بِخِلَافِ الْمَسْبُوقَيْنِ وَالْمُحَاذَاةِ فِي الطَّرِيقِ

جیسے امام کے فارغ ہونے کے بعد دونوں لاحق ہوں بخلاف مسبوقوں کے اور بخلاف راستہ میں برابر ہونے کے (اور محاذاۃ (برابری) جو مرد کی نماز کی مفسد ہے

نماز فاسد ہو جاتی ہے حالانکہ ان کے درمیان تحریمہ میں شرکت نہیں ہے۔ ''النہر'' میں پہلے جواب یہ دیا ہے کہ فقہا نے التحریمہ میں شرکت کا ذکر کیا ہے کیونکہ ادا میں شرکت تحریمہ پر موقوف ہے اور کسی شے پر نص اور شے کے لازم کے درمیان فرض ہے۔ اور ''شرح المنیہ'' میں اس کا جواب اس طرح دیا ہے کہ یہ اس سے احتراز ہے کہ اگر ان میں سے ہر ایک ایسے امام کی اقتدا کرے جو اس امام کے علاوہ ہے جس کی ایک نماز میں دوسرے نے اقتدا کی ہے۔ کیونکہ ادا کے اعتبار سے دونوں شریک ہیں۔ کیونکہ ان پر صادق آتا ہے کہ جو وہ ادا کر رہے ہیں اس میں دونوں کا ایک امام ہے لیکن دونوں تحریمہ میں شریک نہیں ہیں۔

میں کہتا ہوں: اس میں نظر ہے کیونکہ مراد یہ ہے کہ ان دونوں کے لئے امام ایک ہے ''تامل''۔ اور دوسرے کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ تقدیراً امام اور مقتدی کے درمیان شرکت ثابت ہے اس بنا پر کہ خلیفہ کی تحریمہ پہلے امام کی تحریمہ پر مبنی ہے۔ پس تحریمہ کے اعتبار سے دونوں کے درمیان شرکت حاصل ہے۔

4831۔ (قولہ: كَلَاحِقَيْنِ) یعنی ان دونوں میں سے ایک عورت ہے۔ پس اگر وہ ادا کی حالت میں مرد کے برابر کھڑی ہوگئی تو اس کی نماز فاسد ہوگئی اور اگرچہ امام کے فارغ ہونے کے بعد ہو کیونکہ ادا حکمی کے اعتبار سے نماز میں دونوں کا اشتراک ہے۔

4832۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْمَسْبُوقَيْنِ) یہ واو کے قول کا محترز ہے۔ کیونکہ یہ دونوں اگرچہ تحریمہ کے اعتبار سے شریک ہیں لیکن ادا کے اعتبار سے شریک نہیں۔ کیونکہ مسبوق اپنی قضا شدہ نماز میں منفرد ہوتا ہے مگر ان مسائل میں جن میں سے یہ مسئلہ نہیں ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔ اور اس کی مثال یہ ہے کہ اگر ان میں سے ایک مسبوق ہو اور دوسرا لاحق ہو جیسا کہ ''حلبی'' نے فائدہ ظاہر کیا ہے۔ رہا یہ کہ دونوں مسبوق لاحق ہوں تو ''الفتح'' میں فرمایا: اس میں تفصیل ہے اگر وہ دونوں تیسری رکعت میں اقتدا کریں پھر دونوں کو حدث لاحق ہو جائے پھر وہ دونوں جائیں اور وضو کریں پھر قضا نماز میں عورت مرد کے برابر کھڑی ہو جائے، اگر مرد پہلی یا دوسری رکعت میں ہو اور عورت امام کی تیسری اور چوتھی رکعت میں ہو تو دونوں میں شرکت کے پائے جانے کی وجہ سے نماز فاسد ہوگی۔ کیونکہ دونوں ان دونوں میں لاحق ہیں۔ اور اگر عورت تیسری اور چوتھی میں اس کے برابر ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ شرکت نہیں ہے۔ کیونکہ دونوں مسبوق ہیں۔ یہ اس بنا پر ہے کہ لاحق مسبوق وجوبی طور پر پہلے اسے قضا کرتا ہے جس میں اسے حدث لاحق ہوا تھا پھر وہ قضا کرتا ہے جو امام اس سے پہلے پڑھ چکا تھا۔ اس کے اعتبار سے نماز فاسد ہوگی اگرچہ اس کا عکس صحیح ہے ہمارے نزدیک۔ لیکن امام ''زفر'' اس کے خلاف ہیں۔

4833۔ (قولہ: الْمُحَاذَاةِ فِي الطَّرِيقِ) یہ المسبوقین پر معطوف ہے یعنی نماز فاسد ہو جائے گی جب طہارت کے لئے جاتے ہوئے راستہ میں عورت مرد کے برابر ہو جائے گی اس صورت میں جب انہیں حدث لاحق ہو گیا تھا اصح قول میں۔

(وَاتَّحَدَتْ الْجِهَةُ) فَلَوْ اخْتَلَفَتْ كَمَا فِي جَوْفِ الْكَعْبَةِ وَلَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ فَلَا فَسَادَ (فَسَدَتْ صَلَاتُهُ) لَوْ مُكَلَّفًا وَإِلَّا لَا (إنْ نَوَى) الْإِمَامُ وَقْتَ شُرُوعِهِ لَا بَعْدَهُ (إمَامَتَهَا)

اس میں یہ بھی شرط ہے کہ دونوں کی جہت ایک ہو۔ پس اگر جہت مختلف ہو جیسے کعبہ کے جوف میں اور تاریک رات میں تو فساد نہیں ہے۔ پس (ان تمام شرائط کے پائے جانے کی صورت میں) مرد کی نماز فاسد ہوگی اگر وہ مکلف (عاقل بالغ) ہو اگر مکلف نہ ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی ...... اگر امام نے نماز شروع کرتے وقت عورت کی امامت کی نیت کی ہو۔ شروع ہونے کے بعد اس کی نیت نہ کی ہو۔

کیونکہ وہ قضا میں مشغول نہیں ہیں بلکہ نماز کی اصلاح کے ساتھ مشغول ہیں نہ کہ نماز کی حقیقت کے ساتھ مشغول ہیں اگرچہ دونوں نماز کی حرمت میں ہیں۔ کیونکہ نماز کی حقیقت قیام اور قراءت الخ ہے۔ اور اس میں سے کوئی چیز ثابت نہیں ہے۔ پس ادا کے اعتبار سے شرکت نہ پائی گئی۔ اس کی مکمل بحث ''الفتح'' میں ہے۔

4834۔ (قولہ: كَمَا فِي جَوْفِ الْكَعْبَةِ) اس کے ساتھ مقید کیا ہے۔ کیونکہ محاذاۃ ممکن نہیں کعبہ کے باہر جہت کے اختلاف کے ساتھ۔

4835۔ (قولہ: مُظْلِمَةٍ) اس طرح کہ دونوں نے تحری کر کے نماز پڑھی ان میں سے ہر ایک علیحدہ جہت پر تھا۔

4836۔ (قولہ: فَسَدَتْ صَلَاتُهُ) یہ واذا حاذتہ کے قول کا جواب ہے یعنی مرد کی نماز فاسد ہوگئی عورت کی نماز فاسد نہ ہوئی اگر وہ مرد امام نہیں تھا۔ ''نہر''۔ اگر وہ شخص امام تھا تو سب کی نماز فاسد ہوگئی مگر یہ کہ جب وہ عورت کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ کرے جیسا کہ آگے (مقولہ 4843 میں) آئے گا۔ ''البحر'' میں فرمایا: فسدت صلاتہ کے قول سے اس طرف اشارہ فرمایا کہ اگر وہ عورت امام کی تکبیر سے متصل اس کی اقتدا کرتی اس کے ساتھ برابر کھڑی ہو کر جبکہ امام نے اس کی امامت کی نیت بھی کی ہوتی تو امام کی تحریمہ منعقد ہی نہ ہوگی۔ یہی صحیح ہے جیسا کہ ''الخانیہ'' میں ہے کہ نماز کا مفسد یہ ہے کہ جب متصل شروع کی تو انعقاد ہی ممنوع ہوا۔

4837۔ (قولہ: لَوْ مُكَلَّفًا) کیونکہ مرد کی نماز کا فساد اس وجہ سے ہے۔ کیونکہ وہ عورت کو پیچھے کرنے کا مخاطب تھا جب اس نے اسے پیچھے نہ کیا تو اس نے فرض المقام ترک کر دیا۔ ''الفتح'' میں فرمایا: اس تعلیل میں اشارہ ہے عقل اور بلوغ کی شرط کی طرف۔ کیونکہ خطاب مکلفین کے افعال کے ساتھ متعلق ہوتا ہے۔ اسی طرح ''الجامع'' کی بعض شروح میں ہے اس بنا پر عورت کے بچے کے برابر کھڑے ہونے سے بچے کی نماز فاسد نہ ہوگی۔

4838۔ (قولہ: إنْ نَوَى الْإِمَامُ) ''البحر'' میں فرمایا: سابق اشتراک کے ذکر کی وجہ سے اس قید کی ضرورت نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں: مخفی نہیں کہ اس سے نیت کا اشتراط نہیں سمجھا جاتا اگرچہ اس کے علم کے بعد یہ اس کو لازم ہے۔

4839۔ (قولہ: لَا بَعْدَهُ) اس کا ظاہر یہ ہے کہ عورت کے برابر کھڑے ہونے سے عورت کی نماز اس صورت میں صحیح ہے۔ کیونکہ بقا میں جو معاف ہوتا ہے وہ ابتدا میں معاف نہیں ہوتا۔ ''طحطاوی''۔

وَإِنْ لَمْ تَكُنْ حَاضِرَةً عَلَى الظَّاهِرِ، وَلَوْ نَوَى امْرَأَةً مُعَيَّنَةً أَوْ النِّسَاءَ إلَّا هَذِهِ عَمِلَتْ نِيَّتُهُ (وَإِلَّا) يَنْوِهَا (فَسَدَتْ صَلَاتُهَا)
اگر چہ ظاہر قول پر وہ حاضر نہ بھی ہو اور اگر امام نے معین عورت یا بہت سی عورتوں کی نیت کی ہو سوائے اس عورت کے تو امام کی نیت عمل کرے گی اور اگر امام نے اس کی نیت نہ کی ہو گی تو عورت کی نماز فاسد ہو گی

میں کہتا ہوں: ''القنیہ'' میں شرف الائمۃ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: امام کا عورتوں کی امامت کی نیت کرنا شروع کے وقت معتبر ہے اس کے بعد معتبر نہیں۔

اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ یہ عورتوں کی اقتدا کی صحت میں شرط ہے۔ پس اگر امام نے نماز شروع کرنے کے بعد عورت کی امامت کی نیت کی تو عورت کی اقتدا صحیح نہ ہو گی۔ پس جس کے برابر وہ کھڑی ہو گی اس کی نماز فاسد نہ ہو گی۔ تامل

4840۔ (قولہ: عَلَى الظَّاهِرِ) مسئلہ میں دونوں روایتیں حکایت کرنے کے بعد صاحب ''البحر'' کی طرف سے ہی استظہار ہے۔ اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ''الجامع'' کی تلخیص پر اس کی شرح میں ''الفارسی'' نے الاشتراط کو قیل کے ساتھ حکایت کیا ہے۔

4841۔ (قولہ: عَمِلَتْ نِيَّتُهُ) پس نہ مستثناۃ اور نہ غیر معینہ نماز کو فاسد کرے گی کیونکہ اس کی اقتدا صحیح نہیں ہے۔

4842۔ (قولہ: فَسَدَتْ صَلَاتُهَا) اس کا ظاہر یہ ہے کہ وہ عورت نہ فرض میں شروع ہونے والی ہے اور نہ نفل میں شروع ہونے والی ہے۔ ''القنیہ'' میں دوسرے میں دو روایتیں حکایت کی ہیں۔ یعنی آئندہ آنے والی عبارت کی بنا پر جب اقتدا فاسد ہو گی تو کیا اس کا اپنی نماز میں شروع ہونا صحیح ہے یا نہیں۔ اس پر کلام آگے (مقولہ 4901 میں) آئے گی۔

اس اطلاق کا ظاہر یہ ہے کہ عورت کی نماز امام جب اس کی امامت کی نیت نہ کرے تو جمعہ اور عیدین میں بھی صحیح نہیں ہے۔ پس ان دونوں میں بھی نیت شرط ہے۔ ''النہر'' میں فرمایا: کثیر کا یہی قول ہے مگر اکثر ان دونوں میں شرط نہ ہونے کے نظریہ پر ہیں اور یہی اصح ہے جیسا کہ ''الخلاصہ'' میں ہے۔ اور ''الزیلعی'' نے اکثر کو اشتراط پر رکھا ہے اور جنازہ میں عدم شرط پر اجماع ہے۔

اور صلاتہا میں ضمیر کے مرجع کا ظاہر برابر کھڑی ہونے والی عورت ہے یعنی جو امام یا مقتدی کے برابر کھڑی ہوئی اگر وہ کسی کے برابر کھڑی نہ ہوتی تو اس کی اقتدا صحیح تھی اگر چہ امام نے اس کی نیت نہ کی ہو مگر جب عورتوں کی امامت کی نفی کر دے، جیسا کہ ''القہستانی'' میں ہے۔ اور اس وقت عورت کی اقتدا کی صحت کے لئے امام کا اس کی امامت کی نیت کرنا شرط نہیں مگر جب وہ برابر کھڑی ہو اور اگر برابر کھڑی نہ ہو تو نیت کرنا شرط نہیں۔ المصنف نے ''النیہ'' کی بحث میں پہلے ذکر کیا ہے کہ اس میں اختلاف ہے۔ اور ہم نے وہاں ''الحلبہ'' کے حوالہ سے (مقولہ 3756 میں) ذکر کیا تھا کہ اس کا آگے نہ بڑھنا اور امام یا مقتدی میں سے کسی کے برابر نہ ہونا شرط ہے۔ پس اگر وہ آگے ہو گئی اور برابر کھڑی ہو گی تو اس کی اقتدا باقی نہ رہے گی اور اس کی نماز مکمل نہ ہو گی۔

اور ''النہایہ'' میں یہاں ذکر کیا ہے کہ یہ امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا قول ہے۔ اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا

كَمَا لَوْ أَشَارَ إِلَيْهَا بِالتَّأْخِيرِ فَلَمْ تَتَأَخَّرْ لِتَرْكِهَا فَرْضَ الْمَقَامِ فَتْحٌ وَشَرَطُوا كَوْنَهَا عَاقِلَةً، وَكَوْنَهُمَا فِي مَكَانٍ وَاحِدٍ فِي رُكْنٍ كَامِلٍ،

جیسے مرد نے عورت کو پیچھے کرنے کا اشارہ کیا اور وہ پیچھے نہ ہوئی کیونکہ عورت نے فرض مقام کو ترک کیا ہے۔ ''فتح''۔ اور علماء نے اس عورت کے عاقلہ ہونے کی شرط لگائی ہے اور دونوں مرد، عورت کے ایک مکان میں ایک رکن کامل میں ہونے کی شرط لگائی ہے۔

دوسرا قول مطلقا نیت کا اشتراط ہے اور عمل دوسرے قول پر ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ اسی لئے ''المختار'' کے متن میں اس قول کو مطلق بیان کیا ہے کہ عورت مردوں کی نماز میں داخل نہ ہوگی مگر یہ کہ امام اس کی نیت کرے۔ اس کی مثل ''المجمع'' کا متن ہے۔

4843۔ (قولہ: كَمَا لَوْ أَشَارَ إِلَيْهَا بِالتَّأْخِيرِ) ''الفتح'' میں فرمایا: ''الذخیرۃ'' اور ''المحیط'' میں ہے: جب نماز کے شروع کرنے اور اس کی امامت کی نیت کرنے کے بعد جب وہ برابر کھڑی ہوئی تو مرد کے لئے ایک یا دو قدم تقدم کے ساتھ اسے پیچھے کرنا ممکن نہیں۔ کیونکہ اس میں کراہت ہے۔ پس وہ اسے اشارہ کے ساتھ اور اس کے مشابہ عمل کے ساتھ اسے پیچھے کرے جب وہ ایسا کرے گا تو اس نے اسے پیچھے کر دیا۔ پس عورت پر پیچھے ہونا لازم ہے اگر وہ پیچھے نہ ہوگی تو اس نے فرض مقام کو ترک کیا۔ پس عورت کی نماز فاسد ہوگی مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی۔

بعد ماشرع کے قول سے یہ استفادہ کیا گیا ہے کہ اگر وہ عورت امام کے نماز شروع کرنے سے پہلے حاضر ہو اور اس کی امامت کی نیت کی جبکہ وہ اس کے محاذی تھی اور اس نے اس کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا تھا تو بھی مرد کی نماز فاسد ہوگی۔ پس پیچھے کرنے کا اشارہ اس وقت مفید ہے جب وہ نماز شروع کرنے کے بعد حاضر ہوئی جبکہ اس نے اس کی امامت کی نیت بھی کر لی تھی۔ امام ''الطحطاوی'' نے فرمایا: ظاہر یہ ہے کہ امام قید نہیں ہے یعنی اگر نماز شروع ہونے کے بعد مقتدی کے برابر کھڑی ہوگئی اور اس نے اس کو اشارہ کیا اور وہ پیچھے نہ ہٹی تو عورت کی نماز فاسد ہوگی مقتدی کی نہیں۔ اور مناسب ہے کہ اسے شروط میں شمار کیا جائے۔ اس طرح کہا جائے کہ اس نے عورت کی طرف تاخر کا اشارہ نہیں کیا جب وہ امام کے شروع کرنے کے بعد حاضر ہوئی اور مناسب ہے کہ یہ بالغہ عورت کے بارے میں ہو اور رہی اس کے علاوہ عورت تو وہ فرضیت مقام کی مکلف نہیں۔ فتامل۔

4844۔ (قولہ: وَشَرَطُوا كَوْنَهَا عَاقِلَةً) فی صلاۃ کے قول کی وجہ سے اس قید کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ مجنونہ کی نماز منعقد ہی نہیں ہوتی۔ ''نہر''۔ اور ہم نے یہ ''القہستانی'' کے حوالہ سے پہلے (مقولہ 4820 میں) ذکر کیا ہے۔

4845۔ (قولہ: وَكَوْنَهُمَا فِي مَكَانٍ وَاحِدٍ) حتیٰ کہ اگر ایک دکان پر اوپر ہو اور دوسرا زمین پر ہو تو مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی ''شرح المنیۃ''۔ یہ اگرچہ محاذاۃ سے معلوم ہے مگر مشائخ نے اس کو وضاحت کے لئے ذکر کیا ہے۔ ''نہر عن المعراج''۔

4846۔ (قولہ: فِي رُكْنٍ كَامِلٍ) امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بالفعل ایک رکن کی ادا میں اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رکن کی مقدار۔ اور ''الخانیہ'' میں ہے: برابر کھڑی ہونے سے نماز فاسد ہوگی برابری کم ہو یا زیادہ ہو۔ ''البحر''

فَالشُّرُوطُ عَشَرَةٌ (وَ مُحَاذَاةُ الْأَمْرَدِ الصَّبِيحِ) الْمُشْتَهَى (لَا يُفْسِدُهَا عَلَى الْمَذْهَبِ) تَضْعِيفٌ لِمَا فِي جَامِعِ الْمَحْبُوبِيِّ وَ دُرَرِ الْبِحَارِ مِنَ الْفَسَادِ لِأَنَّهُ فِي الْمَرْأَةِ غَيْرُ مَعْلُولٍ بِالشَّهْوَةِ، بَلْ بِتَرْكِ فَرْضِ الْمَقَامِ كَمَا حَقَّقَهُ ابْنُ الْهُمَامِ (وَلَا يَصِحُّ اقْتِدَاءُ رَجُلٍ بِامْرَأَةٍ) وَ خُنْثَى (وَصَبِيٍّ مُطْلَقًا)

پس کل شروط دس ہیں۔ امرد خوبصورت مشتہی لڑکے کے برابر کھڑا ہونا ظاہر مذہب پر نماز کو فاسد نہیں کرتا۔ یہ ضعیف قرار دینا ہے اس قول کو جو ''جامع المحبوبی'' اور ''درر البحار'' میں نماز کے فساد کے بارے میں ہے۔ کیونکہ عورت میں (نماز کا فساد) شہوت کے ساتھ معلول نہیں ہے بلکہ فرض مقام کے ترک کے ساتھ معلول ہے جیسا کہ ''ابن الہمام'' نے اس کی تحقیق فرمائی ہے۔ مرد کی اقتدا عورت، خنثیٰ اور نابالغ لڑکے کے پیچھے صحیح نہیں ہے

میں فرمایا: المصنف کے اطلاق کا ظاہر اس کا اختیار ہے۔

4847۔ (قولہ: فَالشُّرُوطُ عَشَرَةٌ) پس شروط دس ہیں بلکہ اس سے زیادہ ہیں۔ کیونکہ پہلے یہ بھی گزر چکا ہے کہ جس کے ساتھ عورت کھڑی ہو وہ مکلف ہو اور اس کی زیادتی کے ساتھ جو ہم نے پہلے (مقولہ 4843 میں) ذکر کیا ہے کہ اسے وہ پیچھے ہٹنے کا اشارہ نہ کرے جب وہ نماز کے شروع ہونے کے بعد آئے۔

امرد کے برابر کھڑا ہونے کے احکام

4848۔ (قولہ: الصَّبِيحِ الْمُشْتَهَى) اس کے ساتھ مقید کیا ہے کیونکہ یہ اختلاف کا محل ہے ورنہ غیر شکیل اور غیر مشتہی تو بالاتفاق نماز کو فاسد نہیں کرتا۔

4849۔ (قولہ: غَيْرُ مَعْلُولٍ بِالشَّهْوَةِ) یعنی فساد کی علت شہوت نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے بوڑھی بدصورت عورت کے ساتھ اور محرم کے ساتھ جیسے والدہ اور بیٹی کے ساتھ نماز کو فاسد قرار دیا ہے۔ رہا عدم فساد اس میں جو حد شہوت کو نہیں پہنچی جیسے سات سال کی لڑکی تو وہ عورتوں کے درجہ سے کم ہے۔ پس ان کو پیچھے کرنے کا حکم ظاہراً اس کو شامل نہیں ہے۔ یہ میرے لئے ظاہر ہوا ہے۔ فتامله۔

عورت، خنثیٰ اور نابالغ کی اقتدا کے احکام

4850۔ (قولہ: وَلَا يَصِحُّ اقْتِدَاءُ الخ) المرأۃ سے مراد ایسی مؤنث ہے جو بالغہ اور نابالغہ کو شامل ہے جیسے خنثیٰ سے مراد وہ ہے جو دونوں کو شامل ہے۔ رہا الرجل تو اگر اس سے مراد بالغ ہے تو اس کے مفہوم کا تقاضا یہ ہے کہ لڑکے کی اقتدا عورت اور خنثیٰ کے پیچھے صحیح ہے۔ اور اگر اس سے مراد مذکر لیا گیا ہے تو یہ فائدہ دیا کہ لڑکے کی لڑکے کے پیچھے اقتدا صحیح نہیں ہے اور یہ دونوں غیر واقع ہیں۔ پس عبارت میں درست یہ کہنا تھا کہ لایصح اقتداء ذکر بانثی و خنثی ولا رجل بصبی یعنی مذکر کی اقتدا مؤنث اور خنثیٰ کے پیچھے صحیح نہیں اور مرد کی لڑکے کے پیچھے صحیح نہیں۔ یہ ''حلبی'' نے اپنے شیخ ''السید علی البصیر'' کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔

وَلَوْفِي جِنَازَةٍ
اگرچہ جنازہ

میں کہتا ہوں: حاصل یہ ہے کہ امام اور مقتدی میں سے ہر ایک یا مذکر ہوگا یا مؤنث ہوگا یا خنثیٰ ہوگا۔ پھر ان میں سے ہر ایک بالغ ہوگا یا نابالغ ہوگا۔ پس مذکر بالغ کی امامت سب کے لئے صحیح ہے اور اس کی اقتدا صحیح نہیں ہے مگر اپنے جیسے کے پیچھے اور بالغہ مؤنث کی امامت صرف مؤنث کے لئے مطلقاً کراہت کے ساتھ صحیح ہے۔ اور اس کی اقتدا مرد اور اپنے جیسی عورت اور خنثیٰ بالغ کے پیچھے صحیح ہے اور مکروہ ہے۔ کیونکہ اس کے مؤنث ہونے کا احتمال ہے اور خنثیٰ بالغ اس کی امامت مطلقاً صرف مونث کے لئے صحیح ہے۔ مرد کیلئے اور اس کی مثل جیسے کے لئے صحیح نہیں۔ کیونکہ اس کے مؤنث ہونے اور مقتدی کے مذکر ہونے کا احتمال ہے۔ اور خنثیٰ کا مرد کی اور اپنے مثل کی اقتدا کرنا صحیح ہے۔ مطلقاً مؤنث کی اقتدا کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ اس کے مذکر ہونے کا احتمال ہے۔ رہا غیر بالغ تو اگر وہ مذکر ہوگا تو اس کی امامت اپنے جیسے مذکر، مؤنث اور خنثیٰ کے لئے صحیح اور مطلقاً مذکر کے پیچھے اس کا اقتدا کرنا صحیح ہے۔ اور اگر وہ مؤنث ہو تو اس کی امامت صرف اپنے جیسے کے لئے صحیح ہے۔ اور رہا لڑکے کیلئے تو یہ محتمل ہے اور نابالغہ کی اقتدا تمام کے پیچھے صحیح ہے اور اگر وہ خنثیٰ ہو تو اس کی امامت اپنے جیسی مؤنث کے لئے صحیح ہے نہ کہ بالغہ کے لئے اور نہ مذکر کے لئے یا خنثیٰ کے لئے مطلقاً۔ اور اس کی اقتدا مطلقاً فقط مذکر کے پیچھے صحیح ہے۔ یہ میرے لئے ظاہر ہوا قواعد سے اخذ کرکے۔

کیا واجب کفایہ صرف لڑکے کے ادا کرنے سے ساقط ہو جاتا ہے

4851۔(قولہ: وَلَوْفِي جِنَازَةٍ) یہ بیان ہے اس اطلاق کا جو لڑکے کے پیچھے اقتدا کی طرف راجع ہے۔ ''الاستروشنی'' نے کہا: لڑکا جب نماز جنازہ میں امامت کرائے تو اس کو جائز نہیں ہونا چاہئے اور یہی ظاہر ہے۔ کیونکہ جنازہ فروض کفایہ میں سے ہے۔ اور لڑکا فرض کی ادا کے اہل میں سے نہیں ہے۔ لیکن اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ جب لڑکا سلام کا جواب دیتا ہے جب کسی قوم پر سلام کیا جاتا ہے تو وہ جواب تسلیم کیا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کی تعلیل کا مقتضا یہ ہے کہ صرف لڑکا نماز جنازہ پڑھے تو بالغ لوگوں کی طرف سے اس کی نماز کی وجہ سے وجوب ساقط نہیں ہوتا چہ جائیکہ وہ امام ہو۔

اور ''شرح التحریر'' میں ذکر فرمایا کہ وہ کتب المذہب میں اس پر آگاہ نہیں ہوا اور اصول المذہب کا ظاہر عدم سقوط ہے یعنی کیونکہ فقہا کا قول ہے کہ لڑکا اہل وجوب میں سے نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: گزشتہ سلام کے مسئلہ کے ساتھ اس پر اعتراض کیا جاتا ہے اور فقہا نے مراھق (قریب البلوغ) لڑکے کی اذان بلا کراہت جائز ہونے کی تصریح کی ہے حالانکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اذان واجب ہے۔ اور مشہور یہ ہے کہ اذان سنت مؤکدہ ہے، گناہ کے لاحق ہونے میں واجب کے قریب ہے۔ اور فقہا نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ اگر بڑا لڑکا جمعہ کے دن خطبہ دے اور کوئی بالغ لوگوں کو نماز پڑھائے تو جائز ہے۔ اور فقہا نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ لڑکے کا ذبیحہ حلال ہے جبکہ وہ ذبح اور

وَنَفْلٍ عَلَى الْأَصَحِّ
اور نفل نماز میں ہو اصح قول کے مطابق۔

بِسْمِ اللّٰهِ کو جانتا ہو یعنی وہ جانتا ہو کہ بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اسی طرح ''الاستروشنی'' نے اس کی تصریح کی ہے کہ لڑکا جب میت کو غسل دے تو جائز ہے۔ یعنی اس سے وجوب ساقط ہو جائے گا۔ پس میت پر اس کے نماز پڑھنے سے وجوب کا سقوط بدرجہ اولیٰ ہوگا۔ کیونکہ یہ دعا ہے اور مکلفین کی نسبت قبولیت کے یہ زیادہ قریب ہے۔ شاید فقہا کا قول کہ ''وہ اہل وجوب میں سے نہیں ہے'' اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اس کا مکلف نہیں ہے۔ اور یہ منافی نہیں کہ اس کا وقوع واجب کے طور پر ہو اور اس کے فعل سے مکلفین سے وجوب کا سقوط ہو۔ اور اس کی تائید وہ کرتا ہے جس کی ''الفتح'' میں المرتدین کے باب میں تصریح کی ہے کہ علما کا اس پر اتفاق ہے کہ لڑکا اگر شہادتین کا اقرار کرے تو وہ فرض واقع ہوگا اس کو بلوغت کے بعد دوسرے اقرار کی تجدید لازم نہیں۔ حتیٰ کہ اس کے قول پر بھی جو بچے پر ایمان کے وجوب کی نفی کرتا ہے۔ پس وہ مسافر کی طرح ہو گیا اس پر جمعہ واجب نہیں ہوتا اور اگر وہ جمعہ پڑھ لے تو اس سے اس کا فرض ساقط ہو جاتا ہے۔

اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ اسلام میں ہے کیونکہ اس کے ساتھ نفل نہیں ہوتا۔ پس یہ واقع نہ ہوگا مگر فرض۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں مراد اس کا اثبات ہے کہ وہ اہل اداء الفرض سے ہے، اس کے ساتھ وہ ثابت ہو چکا ہے۔ پس اس کی مثل نماز جنازہ کے بارے میں کہا جائے گا۔ کیونکہ اس کے ساتھ بھی نفل نہیں ہوتا اور لڑکے کی اذان، خطبہ، تسمیہ اور اس کا سلام کا جواب دینے پر اکتفا اس کی نماز جنازہ کے اکتفا کی دلیل ہے۔ ہاں یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر وہ وقت میں نماز پڑھے پھر اسی وقت میں بالغ ہو جائے تو وہ اس نماز کا اعادہ کرے۔ کیونکہ اس کی پہلی نماز نفل واقع ہوئی۔ کبھی اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ جب معتبر آخر وقت ہے...... اور اس میں وہ بالغ تھا...... تو اس پر اس نماز کا اعادہ لازم ہے۔ کیونکہ اس پر وجوب کا سبب موجود ہے اور وہ وقت جس میں اس نے پہلے نماز پڑھی تھی وہ وجوب کا سبب نہیں تھا گویا اس نے وجوب کے سبب سے پہلے نماز پڑھی پس اس کو فرض بنانا ممکن نہیں رہا نماز جنازہ تو اس کا سبب جنازہ کا حاضر ہونا ہے اور وہ اس کے بلوغ سے پہلے موجود ہے۔ پس اس کی طرف سے اس کا فرض واقع ہونا ممکن ہے۔

یہ تمام اس صورت میں ہے جس میں بلوغ شرط نہیں۔ پس یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ اگر لڑکا حج کرے تو بالغ ہونے کے بعد اسے دوبارہ حج لازم ہوتا ہے۔ کیونکہ حجۃ الاسلام کی شرط میں سے بلوغ اور حریت ہے بخلاف نفل حج کے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے اس کی امامت جنازہ میں بھی صحیح نہیں ہے اگرچہ ہم اس کی نماز کی صحت اور مکلفین سے جنازہ کے وجوب کے سقوط کا قول کرتے ہیں۔ کیونکہ بالغوں کی امامت کی صحت کی شروط میں سے بلوغ ہے۔ یہ میرے لئے ظاہر ہوا اس محل کی تقریر میں۔ اس کو غنیمت سمجھ کیونکہ اس کتاب کے علاوہ کسی کتاب میں تو یہ تحقیق نہیں پائے گا۔ سب تعریفیں اللہ کے لئے جو بادشاہ ہے اور بہت زیادہ بخشش فرمانے والا ہے۔

4852۔ (قولہ: وَنَفْلٍ عَلَى الْأَصَحِّ) ''الہدایہ'' میں فرمایا: تراویح اور سنن مطلقہ میں بلخ کے مشائخ نے نابالغ

(وَكَذَا لَا يَصِحُّ الِاقْتِدَاءُ بِمَجْنُونٍ مُطْبِقٍ أَوْ مُتَقَطِّعٍ فِي غَيْرِ حَالَةِ إِفَاقَتِهِ أَوْ سَكْرَانَ) أَوْ مَعْتُوهٍ ذَكَرَهُ الْحَلَبِيُّ (وَلَا طَاهِرٍ بِمَعْذُورٍ) هَذَا (إِنْ قَارَنَ الْوُضُوءُ الْحَدَثَ أَوْ طَرَأَ عَلَيْهِ) بَعْدَهُ (وَصَحَّ لَوْ تَوَضَّأَ عَلَى الِانْقِطَاعِ وَصَلَّى كَذَلِكَ) كَاقْتِدَاءٍ بِمُفْتَصِدٍ أَمِنَ خُرُوجَ الدَّمِ؛ وَكَاقْتِدَاءِ امْرَأَةٍ بِمِثْلِهَا، وَصَبِيٍّ بِمِثْلِهِ، وَمَعْذُورٍ بِمِثْلِهِ وَذِي عُذْرَيْنِ بِذِي عُذْرٍ،

اسی طرح دائمی مجنون یا جس کا دائمی جنون نہ ہو، افاقہ کی حالت کے علاوہ میں ان کی اقتدا صحیح نہیں۔ اور نشے والے یا نیم پاگل کی اقتدا درست نہیں یہ ''الحلبی'' نے ذکر کیا ہے۔ اور معذور کے پیچھے طاہر کی اقتدا درست نہیں یہ اس صورت میں ہے کہ اگر حدث وضو سے متصل ہو یا وضو کے بعد اس پر حدث طاری ہو۔ اور اقتدا صحیح ہے اگر حدث کے انقطاع پر وضو کیا۔ اور اسی طرح نماز پڑھی جیسے پچھنے لگانے والے کے پیچھے اقتدا صحیح ہے جسے خون نکلنے کا امن ہو اور جیسے صحیح ہے عورت کی اقتدا اپنے جیسی کے پیچھے اور لڑکے کی اقتدا اپنے جیسے کے پیچھے اور معذور کی اپنے جیسے کے پیچھے اور دو عذروں والے کی اقتدا ایک عذر والے کے پیچھے صحیح ہے۔

لڑکے کی امامت کو جائز قرار دیا ہے اور ہمارے مشائخ نے جائز قرار نہیں دیا۔ اور بعض علما نے امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مطلق نفل میں اختلاف ثابت کیا ہے۔ مختار یہ ہے کہ تمام نمازوں میں لڑکے کی امامت جائز نہیں۔ اور سنن مطلقہ سے مراد سنن رواتب (سنن مؤکدہ) ہیں۔ اور ایک روایت میں عید کی نماز ہے۔ اور اسی طرح وتر ہیں اور چاند گرہن اور سورج گرہن کی نمازیں ہیں اور نماز استسقا ہے ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک۔ ''فتح''۔

4853۔ (قولہ: بِمَجْنُونٍ مُطْبِقٍ) با کے کسرہ کے ساتھ۔ اور یہ نسبت مجازی ہے۔ کیونکہ المطبق جنون ہے نہ کہ مجنون۔ یہ تیرے اس قول کی طرح ہے ضربٌ مؤلم۔ کیونکہ مولم مارنے والا ہوتا ہے نہ کہ ضرب۔ اس کے پیچھے اقتدا صحیح نہیں کیونکہ اس کی نماز ہی نہیں ہے کیونکہ نیت کا تحقق ہی نہیں ہے اور طہارت ہی نہیں ہے۔

4854۔ (قولہ: فِي غَيْرِ حَالَةِ إِفَاقَتِهِ) رہا افاقہ کی حالت میں تو اقتدا صحیح ہے جیسا کہ ''البحر'' میں ''الخلاصہ'' کے حوالہ سے مروی ہے۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ نماز سے پہلے افاقہ متحقق نہ ہو تو اقتدا صحیح نہیں ہے حتیٰ کہ اگر اس سے جنون اور افاقہ معلوم ہو اور نماز کے وقت اس کی حالت معلوم نہ ہو تو اقتدا صحیح نہیں ہے۔ اور مناسب ہے کہ اگر اس کے جنون کے بعد اس کا افاقہ معلوم ہو تو اقتدا صحیح ہونا چاہئے۔ اور اصل کے استصحاب...... اور وہ صحت ہے...... کی وجہ سے جنون کے لوٹنے کے احتمال کا اعتبار نہیں ہے...... کیونکہ جنون ایک عارض مرض ہے۔

4855۔ (قولہ: أَوْ مَعْتُوهٍ) اس سے مراد ناقص العقل شخص ہے۔ اور بعض علما نے فرمایا: جنون کے بغیر مدہوش شخص ہے۔ اسی طرح ''المغرب'' میں ہے۔ اور فقہا نے اس کو لڑکے کے حکم میں بنایا ہے۔

معذور کی اقتدا کے احکام

4856۔ (قولہ: وَمَعْذُورٍ بِمِثْلِهِ الخ) یعنی اگر دونوں کا عذر متحد ہو اور اگر ان کا عذر مختلف ہو تو جائز نہیں جیسا کہ

لَا عَكْسِهِ كَذِي انْفِلَاتِ رِيحٍ بِذِي سَلَسٍ لِأَنَّ مَعَ الْإِمَامِ حَدَثًا وَنَجَاسَةً وَمَا فِي الْمُجْتَبَى الِاقْتِدَاءُ بِالْمُمَاثِلِ صَحِيحٌ إِلَّا ثَلَاثَةً الْخُنْثَى الْمُشْكِلَ وَالضَّالَّةُ وَالْمُسْتَحَاضَةُ

اس کے برعکس صحیح نہیں جس کی ہوا خارج ہوتی ہو اس کا سلس بول والے کی اقتدا کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ امام کے ساتھ حدث اور نجاست دونوں ہیں اور جو ''المجتبیٰ'' میں ہے کہ ایک جیسے افراد کی اقتدا ایک دوسرے کے پیچھے صحیح ہے مگر تین شخصوں کی ایک دوسرے کے پیچھے اقتدا صحیح نہیں۔ (۱) خنثیٰ مشکل (۲) جس کو ایام حیض معلوم نہ ہوں (۳) اور مستحاضہ،

''الزیلعی'' اور ''الفتح'' وغیرہما میں ہے۔ اور ''السراج'' میں ہے: جس کو سلسل بول کی مرض ہے وہ اپنے مثل کے پیچھے نماز پڑھے۔ رہا یہ کہ جس کو سلسل بول اور ہوا کے نکلنے کی بیماری ہو جب اس کے پیچھے معذور نماز پڑھے تو جائز نہیں کیونکہ امام دو عذروں والا ہے اور مقتدی ایک عذر والا ہے اس کی مثل ''الجوہرہ'' میں ہے۔

مذکور تعلیل کا ظاہر یہ ہے کہ عذر کے اتحاد سے مراد اثر کا اتحاد ہے نہ کہ عین کا اتحاد ورنہ تمثیل میں یہ کہنا کافی تھا۔ رہا یہ کہ جس کی ہوا خارج ہوتی ہے اس کے پیچھے جب نماز پڑھے۔ شارح کو تعلیل میں یہ کہنا چاہئے تھا کہ ان دونوں کے عذر کے اختلاف کی وجہ سے۔ اسی وجہ سے ''البحر'' میں فرمایا: اس کا ظاہر یہ ہے کہ سلسل البول اور زخم متحد کے قبیل سے ہیں۔ اسی طرح سلسل البول اور استطلاق بطن (پیٹ جاری ہونا) متحد کے قبیل سے ہیں یعنی اثر میں دونوں متحد ہونے کی وجہ سے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک حدث اور نجاست ہے اگرچہ سلس، زخم کا عین نہیں ہے۔ لیکن ''النہر'' میں یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ سلس بول والے کی ہوا خارج کرنے والے کے پیچھے اقتدا کے جواز کا تقاضا کرتا ہے جبکہ واقع میں ایسا نہیں۔ کیونکہ ان دونوں کا عذر مختلف ہے۔ یہ اس پر مبنی ہے کہ اتحاد سے مراد عین کا اتحاد ہے۔ اور جو ''شرح المنیہ الکبیر'' میں ہے اس کا ظاہر بھی یہی ہے۔ اور اسی طرح ''الحلبہ'' میں تصریح کی ہے کہ سلس البول والے کی اقتدا زخم والے کے پیچھے صحیح نہیں ہے جس کا خون رکتا نہیں ہے یا اس کے برعکس بھی صحیح نہیں ہے۔ اور فرمایا: جیسا کہ یہ مذہب ہے۔ پس معذور کی اقتدا اپنے جیسے کے پیچھے جائز ہے جب دونوں کا عذر متحد ہو۔ اور جائز نہیں اگر عذر مختلف ہو اور اس سے معلوم ہوا کہ سب سے بہتر وہ ہے جو ''النہر'' میں ہے اور شارح کے لئے اپنی عادت پر اس کی متابعت کرنی چاہئے تھی۔ اور جو انہوں نے یہاں کیا ہے اس میں انہوں نے صاحب ''البحر'' کی متابعت کی ہے اسی طرح وہ ہے جس پر ''الخزائن'' میں چلے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا: معذور کی اقتدا اپنے جیسے معذور کے پیچھے صحیح ہے اگر دونوں کا عذر متحد ہو جیسے سلس البول والا اپنے مثل کے پیچھے یا ہوا خارج کرنے والے کے پیچھے یا پیٹ بہنے والے کے پیچھے پڑھے۔ اور اقتدا صحیح نہیں اگر عذر مختلف ہو جیسے ہوا خارج کرنے والے کا سلس البول والے کے پیچھے اقتدا کرنا کیونکہ امام کے ساتھ حدث اور نجس ہے کیونکہ یہ مذہب کے خلاف ہے جیسا کہ تو جان چکا ہے۔

4857۔ (قولہ: وَمَا فِي الْمُجْتَبَى) یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر آنے والا قول ای لاحتمال الحیض ہے یعنی جو ''المجتبیٰ'' میں ہے اس کی تفسیر اس کے ساتھ کی گئی ہے۔

4858۔ (قولہ: الِاقْتِدَاءُ) بعض نسخوں میں اس طرح ہے اور بعض نسخوں میں الاقتداء کا لفظ ساقط ہے۔

أَيْ لِاحْتِمَالِ الْحَيْضِ: فَلَوْ انْتَفَى صَحَّ (وَ) لَا (حَافِظِ آيَةٍ مِنْ الْقُرْآنِ بِغَيْرِ حَافِظٍ لَهَا) وَهُوَ الْأُمِّيُّ، وَلَا أُمِّيٍّ بِأَخْرَسَ لِقُدْرَةِ الْأُمِّيِّ عَلَى التَّحْرِيمَةِ

یعنی حیض کے احتمال کی وجہ سے اور اگر احتمال نہ ہو تو اقتدا صحیح ہے۔ اور جس کو قرآن کی ایک آیت یاد ہے اس کی اقتدا اس کے پیچھے صحیح نہیں جسے ایک آیت بھی یاد نہیں اور وہ ان پڑھ ہے۔ اور ان پڑھ کے لئے گونگے کی اقتدا کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ ان پڑھ تکبیر تحریمہ کہنے پر قادر ہے۔

4859۔ (قولہ: أَيْ لِاحْتِمَالِ الْحَيْضِ) یعنی مقتدی کے مذکر ہونے اور امام کے مؤنث ہونے کے احتمال کی وجہ سے۔ پھر یہ الضالۃ (جس کا خون ہمیشہ سے جاری ہو اور وہ حیض کی عادت بھول گئی ہو) میں ظاہر ہے۔ ''القنیہ'' میں اس قول کے ساتھ اس کی تصریح کی ہے کہ جنہوں نے الضالۃ کی الضالۃ کے پیچھے اقتدا کو جائز قرار دیا ہے انہوں نے فحش غلطی کی ہے۔ کیونکہ اس کی اقتدا حائض کے پیچھے ہونے کا احتمال ہے۔

اور رہی مستحاضہ میں تو یہ مشکل ہے۔ کیونکہ مستحاضہ حقیقۃً حائض ہونے کا احتمال نہیں رکھتی جیسے وہ عورت جس کا خون حیض میں دس دنوں سے اور نفاس میں چالیس دنوں سے تجاوز کر گیا ہے مگر یہ مراد لی جائے جیسے جس کے خون کا آغاز ہوا تین دنوں سے پہلے کیونکہ وہ صرف خون دیکھنے کے ساتھ نماز کو ترک کرے گی پھر اگر تین دن مکمل ہوں گے تو فبہا ورنہ وہ پچھلے دنوں کی نماز قضا کرے گی۔ پس یہ تین دنوں سے پہلے ہے جس کی حالت حیض اور استحاضہ کا احتمال رکھتی ہے۔ اور اسی طرح حیض کی جس کی عادت متعین ہے جب اس کا خون اس کی عادت سے تجاوز کرے گا تو پھر احتمال ہے کہ وہ دس دنوں پر ختم ہو جائے۔ تو وہ حائض شمار ہو گی یا دس دنوں سے زیادہ ہو جائے تو مستحاضہ ہو گی۔ پس اس جیسی کے لئے اس کی اقتدا کرنا جائز نہیں۔ اور ''الرحمتی'' نے فرمایا: ''المجتبیٰ'' میں جو میں نے دیکھا ہے وہ یہ ہے کہ مستحاضہ کی مستحاضہ کے پیچھے اقتدا جائز ہے اور ضالہ کی ضالہ کے پیچھے جائز نہیں جیسے خنثیٰ مشکل کی مشکل کے پیچھے اقتدا جائز نہیں۔ اور اس میں کوئی اشکال نہیں۔ اور شاید صاحب ''البحر'' کا نسخہ محرفہ (تبدیل شدہ) ہے اور فقہا نے اس پر اس کی اقتدا کی ہے۔ ''تامل''۔ لیکن ''القہستانی'' میں جو ہے وہ اس کے موافق ہے جو یہاں ہے۔

اس کو یاد کرو۔ اور ''القنیہ'' میں خنثیٰ مشکل کے بارے میں دو روایتیں ذکر کی ہیں۔

4860۔ (قولہ: فَلَوْ انْتَفَى) یعنی احتمال نہ ہو۔ ''حلبی''۔

4861۔ (قولہ: بِغَيْرِ حَافِظٍ لَهَا) یہ اس کو بھی شامل ہے جو ایک آیت یا ایک آیت سے زیادہ یاد کئے ہوئے ہے لیکن ایسی غلطی کے ساتھ جو معنی کو خراب کر دینے والی ہے۔ کیونکہ ''البحر'' میں ہے: ہمارے نزدیک امی وہ ہے جو فرض قراءت صحیح نہ کر سکتا ہو اور امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ ہے جو فاتحہ اچھی طرح نہ پڑھ سکتا ہو۔

گونگے اور امی کی اقتدا کے احکام

4862۔ (قولہ: وَلَا أُمِّيٍّ بِأَخْرَسَ) رہا گونگے کا گونگے کے پیچھے اقتدا کرنا یا امی کا امی کے پیچھے اقتدا کرنا تو صحیح

فَصَحَّ عَكْسُهُ (وَ) لَا (مَسْتُورِ عَوْرَةٍ بِعَارٍ) فَلَوْ أَمَّ الْعَارِي عُرْيَانًا وَلَابِسِينَ فَصَلَاةُ الْإِمَامِ وَمُمَاثِلِهِ جَائِزَةٌ اتِّفَاقًا، وَكَذَا ذُو جُرْحٍ بِمِثْلِهِ وَبِصَحِيحٍ (وَ) لَا (قَادِرٍ عَلَى رُكُوعٍ وَسُجُودٍ بِعَاجِزٍ عَنْهُمَا) لِبِنَاءِ الْقَوِيِّ عَلَى الضَّعِيفِ (وَ) لَا (مُفْتَرِضٍ بِمُتَنَفِّلٍ وَبِمُفْتَرِضٍ فَرْضًا آخَرَ)

پس اس کے برعکس صحیح ہے اور جس کی شرمگاہ ڈھانپی ہوئی ہے اس کا ننگے کی اقتدا کرنا صحیح نہیں۔ پس ننگے شخص نے ننگوں اور کپڑے پہننے والوں کی امامت کرائی تو امام کی نماز اور جو اس کی مثل (ننگے) ہیں ان کی نماز بالاتفاق جائز ہے۔ اور اسی طرح زخم والے شخص کا اپنے مثل اور صحیح شخص کی اقتدا کرنا صحیح ہے۔ اور رکوع و سجود پر قادر شخص کا رکوع و سجود سے عاجز شخص کی اقتدا کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ قوی کی ضعیف پر بنا ہے۔ اور اقتدا درست نہیں فرض پڑھنے والے کی نفل پڑھنے والے کے پیچھے اور دوسرے فرض پڑھنے والے کے پیچھے۔

ہے۔''طحطاوی عن ابی السعود''۔

4863۔(قولہ: فَصَحَّ عَكْسُهُ) یہ تعلیل پر تفریع ہے کہ تحریمہ پر امی کی قدرت اس پر دلیل ہے کہ وہ گونگے سے قوی حالت میں ہے۔ پس گونگے کا امی کی اقتدا کرنا صحیح ہے اور گونگے کی امی کے لئے اقتدا کرنا صحیح نہیں۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب امی تکبیر تحریمہ کہنے پر قادر نہ ہو تو ہر ایک کی دوسرے کے پیچھے اقتدا صحیح ہے۔ تامل۔

4864۔(قولہ: اتِّفَاقًا) بخلاف امی، جب وہ کسی امی (ان پڑھ) کی یا قاری کی امامت کرائے تو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تمام کی نماز فاسد ہے۔ کیونکہ امی کی نماز کو قراءت کے ساتھ بنانا ممکن تھا جب وہ قاری کے پیچھے پڑھتا۔ کیونکہ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہوتی ہے۔ اور امام کی طہارت اور امام کا ستر عورت مقتدی کے لئے طہارت اور ستر عورت حکماً نہیں پس دونوں مسئلے جدا جدا ہیں۔''بحر''۔

4865۔(قولہ: وَكَذَا ذُو جُرْحٍ بِمِثْلِهِ وَبِصَحِيحٍ) اس تعبیر میں شارح نے صاحب ''البحر'' کی متابعت کی ہے اور بہتر مثلہ و صحیحا ہے۔ کیونکہ تقدیر اس طرح ہے کہ اس طرح اگر زخم والا اپنے جیسے اور صحیح کی امامت کرائے۔ اور امّ فعل متعدی بنفسہ ہے۔''حلبی''۔

4866۔(قولہ: بِعَاجِزٍ عَنْهُمَا) یعنی ایسے شخص کے پیچھے جو کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر رکوع و سجود کے ساتھ اشارہ کرتا ہو بخلاف اس کے اگر وہ دونوں کو بیٹھ کر ادا کرتا ہو تو اقتدا صحیح ہوگی جیسے کہ آگے (مقولہ 5139 میں) آئے گا۔''الطحطاوی'' نے کہا: اعتبار سجدہ سے عجز کا ہے حتیٰ کہ اگر سجدہ سے عاجز ہو اور رکوع پر قادر ہو تو اشارہ کرے۔

متنفل کے پیچھے مفترض کی اقتدا کا حکم

4867۔(قولہ: وَبِمُفْتَرِضٍ فَرْضًا آخَرَ) برابر ہے کہ دونوں کے فرض اسم یا صفت کے اعتبار سے جدا جدا ہوں جیسے کل کی ظہر پڑھنے والے کا آج کی ظہر پڑھنے والے کی اقتدا کرنا۔ بخلاف اس کے جب تمام کی ایک دن کی ایک نماز فوت ہو

لِأَنَّ اتِّحَادَ الصَّلَاتَيْنِ شَرْطٌ عِنْدَنَا وَصَحَّ (أَنَّ مُعَاذًا كَانَ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفْلًا وَبِقَوْمِهِ فَرْضًا) وَلَا (بِنَاذِرٍ) بِمُتَنَفِّلٍ وَلَا بِمُفْتَرِضٍ وَلَا بِنَاذِرٍ لِأَنَّ كُلًّا مِنْهُمَا كَمُفْتَرِضٍ فَرْضًا آخَرَ

کیونکہ ہمارے نزدیک دونوں نمازوں کا اتحاد شرط ہے۔ اور یہ صحیح ہے کہ حضرت معاذ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نفل پڑھتے تھے اور اپنی قوم کے ساتھ فرض پڑھتے تھے۔ اور اقتدا درست نہیں ہے نذر ماننے والے کی نفل پڑھنے والے کے پیچھے اور نہ فرض پڑھنے والے کے پیچھے اور نہ نذر ماننے والے کے پیچھے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے فرض پڑھنے والے کی طرح ہے

گئی ہو تو اقتدا جائز ہے۔ اور اسی طرح اگر کسی نے عصر کی دو رکعتیں پڑھیں پھر سورج غروب ہو گیا۔ پھر آخری دو رکعتوں میں دوسرے شخص نے اس کی اقتدا کی کیونکہ نماز ایک ہے اگرچہ یہ مقتدی کے لئے قضا ہے۔ ''جوہرہ''۔

4868۔ (قولہ: لِأَنَّ اتِّحَادَ الصَّلَاتَيْنِ الخ) باب کی ابتدا میں ہم نے (مقولہ 4642 میں) دونوں کے اتحاد کا معنی بیان کر دیا ہے۔

4869۔ (قولہ: وَصَحَّ أَنَّ مُعَاذًا الخ) ہمارے ائمہ کے نزدیک صحیح اور راجح یہی ہے۔ اور یہ اس کا جواب ہے جو امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے فرض پڑھنے والے کا نفل پڑھنے والے کے پیچھے اقتدا کے جواز کا استدلال کیا ہے۔ یہ وہ حدیث ہے جو صحیحین میں ہے کہ حضرت معاذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھتے تھے پھر واپس اپنی قوم کے پاس جاتے تھے اور انہیں وہی نماز پڑھاتے تھے۔ جواب یہ ہے کہ حضرت معاذ کی جب قوم نے شکایت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا: اے معاذ، فتنہ میں ڈالنے والا نہ بن یا تو میرے ساتھ نماز پڑھا (1) کر یا اپنی قوم پر تخفیف کیا کر۔ اس حدیث کو امام ''احمد'' نے روایت کیا ہے۔ ''حافظ ابن تیمیہ'' نے کہا: اس میں نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی اقتدا کی منع کی دلیل ہے۔ کیونکہ یہ اس پر دلیل ہے کہ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھے گا تو اس کی امامت ممتنع ہو گی اور بالاجماع نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نفلی نماز پڑھنے کی صورت میں اس کی امامت ممتنع نہ ہو گی۔ پس معلوم ہوا کہ جو نماز وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پڑھتے تھے وہ نفل تھی۔

امام القرطبی نے ''المفہم'' میں فرمایا: حدیث اس پر دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت معاذ کی نماز نفل تھی اور اپنی قوم کے ساتھ ان کی نماز فرض تھی۔ اس کی مکمل بحث ''حاشیہ نوح آفندی'' اور ''فتح القدیر'' میں ہے۔

4870۔ (قولہ: وَلَا بِنَاذِرٍ) کیونکہ نذر واجب ہے پس ضعیف پر قوی کی بنا لازم آئے گی۔ ''حلبی''۔

4871۔ (قولہ: لِأَنَّ كُلًّا الخ) یہ اخیری دو مسئلوں کی علت ہے کیونکہ نذر مانی ہوئی نماز فرض ہے یا واجب۔ ''الشرنبلالی'' نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔ فافہم۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب القرأۃ فی العشاء، جلد 1، صفحہ 505، حدیث نمبر 759

سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوٰۃ، باب من ام قوما فلیخفف، جلد 1، صفحہ 312، حدیث نمبر 975

إِلَّا إِذَا نَذَرَ أَحَدُهُمَا عَيْنَ مَنْذُورِ الْآخَرِ لِلِاتِّحَادِ (وَ) لَا (نَاذِرٍ بِحَالِفٍ) لِأَنَّ الْمَنْذُورَةَ أَقْوَى فَصَحَّ عَكْسُهُ، وَبِحَالِفٍ وَمُتَنَفِّلٍ،

مگر جب ایک دوسرے کی نذر کے عین کی نذر مانے تو اتحاد صلاۃ کی وجہ سے اقتدا صحیح ہوگی۔ اور نذر والے کی اقتدا قسم اٹھانے والے کے پیچھے صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ نذر مانی ہوئی نماز زیادہ قوی ہے۔ پس اس کے برعکس صحیح ہے۔ اور نذر ماننے والے کا نہ قسم اٹھانے والے کے پیچھے اور نفل پڑھنے والے کے پیچھے اقتدا کرنا صحیح ہے۔

4872۔(قولہ: إِلَّا إِذَا نَذَرَ أَحَدُهُمَا) مثلاً اس طرح کہے ایک کے نذر ماننے کے بعد کہ میں نے وہی نذر مانی جو فلاں نے مانی۔ ''شرح المنیہ''۔

4873۔(قولہ: لِلِاتِّحَادِ) جب اس نے اپنے ساتھی والی نذر مانی تو گویا دونوں نے ایک نماز کی نذر مانی بخلاف اس کے جب ان میں سے ہر ایک علیحدہ نماز کی نذر مانے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک نے اپنی نذر کے ساتھ جو واجب کیا وہ دوسرے کی نذر سے مختلف ہے اور کسی کی نذر مانی ہوئی نماز دوسرے کی نذر مانی ہوئی نماز سے اقویٰ نہیں ہے۔

4874۔(قولہ: لِأَنَّ الْمَنْذُورَةَ أَقْوَى) یعنی جس نماز کی قسم اٹھائی گئی ہے اس سے نذر مانی ہوئی نماز اقویٰ ہے۔ کیونکہ قسم کے ساتھ وہ نماز نفل ہونے سے خارج نہیں ہوتی۔ کیا تو نے ملاحظہ نہیں کیا کہ وہ تخییر پر باقی ہے۔ اگر وہ چاہے تو نماز پڑھے اور قسم کو پورا کرلے۔ اور اگر چاہے تو نماز ترک کردے اور قسم کا کفارہ دے دے۔ اسی وجہ سے قسم اٹھانے والے کی اقتدا قسم اٹھانے والے اور نفل پڑھنے والے کے پیچھے جائز ہے۔ اور ''البحر'' کی تبع میں ''المنح'' میں جو واقع ہے کہ وہ وجوب عارض ہے یہ غیر صحیح ہے۔ اسی وجہ سے شارح نے اس سے اضراب کیا ہے۔ ''رحمتی''۔

میں کہتا ہوں: اسکی تائید وہ کرتا ہے جو فقہا نے کتاب الایمان میں صراحت سے لکھا ہے کہ جس پر قسم کھائی گئی ہے اگر وہ فرض ہے تو اسے پورا کرنا واجب ہے اور اگر وہ نافرمانی ہے تو اس کو توڑنا واجب ہے یا اس کے علاوہ بہتر ہو تو توڑنا راجح ہے اگر برابر ہو تو پورا کرنا راجح ہے۔ تامل

4875۔(قولہ: فَصَحَّ عَكْسُهُ) کیونکہ اس میں قوی پر ضعیف کی بنا ہے اور یہ جائز ہے۔ ''طحطاوی''۔

4876۔(قولہ: وَبِحَالِفٍ) اس کا عطف اس الناذر پر ہے جس کو عکسہ کا قول اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے۔ پس تقدیر عبارت اس طرح ہے فصح اقتداء حالف بناذر و بحالف ''حلبی''۔ اور نماز کی قسم اٹھانے کی صورت یہ ہے...... جیسا کہ ''الخلاصہ'' میں ہے...... کہ وہ یہ کہے کہ اللہ کی قسم میں دو رکعتیں پڑھوں گا۔ ''بحر''۔ قسم اٹھانے والے کی قسم اٹھانے والے کے پیچھے اقتدا صحیح ہے۔ کیونکہ تو جان چکا ہے کہ حلف کے ساتھ وہ نماز نفل ہونے سے خارج نہیں ہوتی۔ پس یہ نفل پڑھنے والے کی اپنے مثل کے پیچھے اقتدا ہوئی اور ''شرح المنیہ'' میں اس کی علت اس قول کے ساتھ بیان فرمائی ہے کہ واجب قسم کو پورا کرنا ہے۔ پس دونوں نمازیں فی نفسہما نفل باقی رہیں۔

4877۔(قولہ: وَمُتَنَفِّلٍ) اس کا عطف بحالف پر ہے یعنی قسم اٹھانے والے کی اقتدا نفل پڑھنے والے کے پیچھے

وَمُصَلِّيَا رَكْعَتَيْ طَوَافٍ كَنَاذِرَيْنِ؛ وَلَوْ اشْتَرَكَا فِي نَافِلَةٍ فَأَفْسَدَاهَا صَحَّ الِاقْتِدَاءُ لَا إنْ أَفْسَدَاهَا مُنْفَرِدَيْنِ؛ وَلَوْ صَلَّيَا الظُّهْرَ وَنَوَى كُلٌّ إمَامَةَ الْآخَرِ صَحَّتْ لَا إنْ نَوَيَا الِاقْتِدَاءَ، وَالْفَرْقُ لَا يَخْفَى (وَ) لَا (لَاحِقٍ وَ) لَا (مَسْبُوقٍ بِمِثْلِهِمَا) لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّ الِاقْتِدَاءَ فِي مَوْضِعِ الِانْفِرَادِ مُفْسِدٌ كَعَكْسِهِ

اورطواف کی دو دو رکعتیں پڑھنے والے نذر ماننے والوں کی طرح ہیں۔اوراگر دو آدمی نوافل میں شریک ہوں پھر دونوں ان نوافل کوتوڑ دیں تو اقتدا صحیح ہوگی۔اور اقتدا صحیح نہ ہوگی اگر وہ علیحدہ علیحدہ نوافل کوتوڑ دیں۔اور اگر دونوں نے ظہر کی نماز پڑھی اور ہر ایک نے دوسرے کی امامت کی نیت کی تو صحیح ہوئی۔اور صحیح نہ ہوگی اگر دونوں نے اقتدا کی نیت کی اور فرق مخفی نہیں۔اور اقتدا درست نہیں لاحق اور مسبوق کی اپنے مثل کے پیچھے کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انفراد کی جگہ میں اقتدا مفسد ہے جیسے اقتدا کی جگہ میں انفراد مفسد ہے۔

صحیح ہے۔کیونکہ جس پرقسم اٹھائی گئی ہے وہ نفل ہے۔''حلبی''۔اور''البحر'' میں جوقول ہے کہ یہ کہا جائے گا کہ قسم کو پورا کرنے کی تحقیق کی وجہ سے واجب ہے۔پس نفل پڑھنے والے کے پیچھے جائز نہیں ہونی چاہئے تو اس کا جواب جان چکا ہے۔

4878۔(قولہ: مُصَلِّيَا) یہ مصل کا تثنیہ ہے اور یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر کناذرین کا قول ہے یعنی سبب کے اختلاف کی وجہ سے ایک کی دوسرے کے پیچھے اقتدا صحیح نہیں۔کیونکہ ایک کا طواف دوسرے کے طواف سے مختلف ہے جیسا کہ''البحر'' میں ہے''حلبی''۔اور جو''الخانیہ'' میں ہے کہ نفل پڑھنے والے کے پیچھے نفل پڑھنے والے کی اقتدا کے قائم مقام صحیح ہے ظاہر یہ ہے کہ یہ طواف کی دو رکعتوں کی سنیت کے قول پر مبنی ہے۔اور اس کی تائید وہ کرتا ہے جو''البحر'' میں اس قول سے بحث کی ہے کہ ان رکعتوں کی سنیت کے قول پر اقتدا صحیح ہونی چاہئے۔

4879۔(قولہ: صَحَّ الِاقْتِدَاءُ) یعنی اتحاد کی وجہ سے۔پس یہ اس طرح ہے جیسے ان میں سے ایک کی نذر دوسرے کی نذر کا عین ہے۔''حلبی''۔

4880۔(قولہ: لَا إنْ أَفْسَدَاهَا مُنْفَرِدَيْنِ) کیونکہ سبب مختلف ہے جیسے دو نذر ماننے والے ہیں۔

4881۔(قولہ: وَالْفَرْقُ لَا يَخْفَى) وہ یہ ہے کہ امام اپنے حق میں منفرد ہے اور وہ امام نہیں ہوگا مگر دوسرے کی اقتدا کرنے سے۔پس وہ دونوں منفرد باقی رہے۔رہا مقتدی تو اس کی نماز صحیح نہیں مگر اقتدا کی نیت کے ساتھ۔اور اقتدا اس کے پیچھے صحیح نہیں جس نے غیر پر اپنی نماز کی بنا کی نیت کی ہو۔

4882۔(قولہ: بِمِثْلِهِمَا) اسی طرح لاحق کے لئے مسبوق کی اقتدا کرنا درست نہیں اور اس کا برعکس بھی درست نہیں۔''حلبی''۔

4883۔(قولہ: الِاقْتِدَاءَ فِي مَوْضِعِ الِانْفِرَادِ) اور مسبوق کا مسبوق یا لاحق کی اقتدا کرنے میں جاری ہوتا ہے اور کعکسہ کا قول یعنی اقتدا کی جگہ میں انفراد لاحق کا لاحق یا مسبوق کی اقتدا کرنے میں جاری ہوتا ہے۔کیونکہ لاحق جب

(وَ) لَا (مُسَافِرٍ بِمُقِيمٍ بَعْدَ الْوَقْتِ فِيمَا يَتَغَيَّرُ بِالسَّفَرِ) كَالظُّهْرِ، سَوَاءٌ أَحْرَمَ الْمُقِيمُ بَعْدَ الْوَقْتِ أَوْ فِيهِ، فَخَرَجَ فَاقْتَدَى الْمُسَافِرُ (بَلْ) إِنْ أَحْرَمَ (فِي الْوَقْتِ) فَخَرَجَ صَحَّ (وَ أَتَمَّ) تَبَعًا لِإِمَامِهِ، أَمَّا بَعْدَ الْوَقْتِ فَلَا يَتَغَيَّرُ فَرْضُهُ فَيَكُونُ اقْتِدَاءً بِمُتَنَفِّلٍ فِي حَقِّ قَعْدَةٍ أَوْ قِرَاءَةٍ بِاقْتِدَائِهِ

اور مسافر کی اقتدا مقیم کے پیچھے صحیح نہیں وقت کے بعد اس نماز میں جن میں سفر کی وجہ سے تغیر ہوتا ہے جیسے ظہر کی نماز ہے خواہ مقیم نے وقت کے بعد یا وقت میں تکبیر تحریمہ کہی ہو پھر وقت نکل گیا تو مسافر نے اقتدا کی بلکہ اگر وقت میں تکبیر کہی پھر وقت نکل گیا تو صحیح ہے اور وہ نماز کو مکمل کرے اپنے امام کی تبع کی وجہ سے۔ اور رہا وقت کے بعد تو اس کے فرض تبدیل نہیں ہوتے۔ پس قعدہ یا قراءت کے حق میں اس کی نفل پڑھنے والے کے پیچھے اقتدا ہوگی

اپنے امام کے بغیر اقتدا کا قصد کرتا ہے تو گویا وہ اولاً اپنے امام سے منفرد تھا پھر اس نے اقتدا کی پس صحیح ہے کہ وہ اقتدا کی جگہ میں منفرد ہوا۔ ''حلبی''۔

مسافر کا وقت کے بعد مقیم کی اقتدا کا حکم

4884۔ (قولہ: وَ لَا مُسَافِرٍ بِمُقِيمٍ) یعنی مسافر کا مقیم کی وقت کے بعد اقتدا کرنا صحیح نہیں۔ اس کا بیان یہ ہے کہ مسافر کی نماز مکمل کرنے کے قابل ہے جب تک وقت باقی ہے اس طرح کہ مسافر اقامت کی نیت کرے۔ یا وہ مقیم کی اقتدا کر لے۔ پس وہ اپنے امام کے تابع ہوگا اور وہ سبب کے بقا کی وجہ سے نماز کو مکمل کرے گا اور سبب وقت ہے۔ جب وقت نکل جائے گا تو مسافر کے ذمہ دو رکعتیں ہی مقرر ہو گئیں۔ پس اقامت یا اس کے علاوہ کسی طرح نماز کو مکمل کرنا ممکن نہیں۔ حتیٰ کہ وہ اپنے شہر میں اس نماز کی قضا دو رکعتیں ہی کرے گا۔ اور جب وقت کے بعد مقیم کی اقتدا کرے گا تو اس نے وقت کے بعد یا وقت کے اندر اقتدا کی ہو تو صحیح نہیں ہے اس وجہ سے جو ہم نے بیان کی اور جو آگے آئے گی بخلاف اس کے جب وہ وقت میں مقیم کی اقتدا کرے تو وہ نماز کو مکمل کرے اس وجہ سے جو ہم نے بیان کی۔

4885۔ (قولہ: فِيمَا يَتَغَيَّرُ بِالسَّفَرِ) یہ فجر اور مغرب کی نمازوں سے احتراز ہے۔ کیونکہ ان میں مسافر کی وقت میں اور وقت کے بعد مقیم کی اقتدا صحیح ہے کیونکہ ان میں تغیر نہیں ہوتا۔

4886۔ (قولہ: فَخَرَجَ) اس کا عطف او فیہ کے قول پر ہے۔ کیونکہ او عاطفہ عامل کے قائم مقام ہے اور وہ احرم ہے اور فاقتدی کا قول احرم پر معطوف ہے۔

4887۔ (قولہ: بَلْ إِنْ أَحْرَمَ) یعنی مسافر مقتدی مقیم کی اقتدیٰ کرے اور اقتدیٰ کی جگہ احرم سے تعبیر کیا تاکہ اس بات پر متنبہ کریں کہ وقت میں صرف تحریمہ کا ادراک اقتدا کی صحت اور اتمام کے لزوم میں کافی ہے۔ فافہم

4888۔ (قولہ: فَيَكُونُ) عدم تغیر پر تفریع ہے۔ ''حلبی''۔

4889۔ (قولہ: بِاقْتِدَائِهِ) الباء تصویر کیلئے ہے۔

فِي شَفْعٍ أَوَّلٍ أَوْ ثَانٍ (وَ) لَا (نَازِلٍ بِرَاكِبٍ) وَلَا رَاكِبٍ بِرَاكِبِ دَابَّةٍ أُخْرَى، فَلَوْ مَعَهُ صَحَّ

پہلے یا دوسرے شفع میں مقیم کی اقتدا کرنے کی وجہ سے۔ اور اقتدا صحیح نہیں زمین پر ہونے والے کی سوار کے پیچھے اور سوار کی سوار کے پیچھے جو دوسری سواری پر ہو پس اگر اس کے ساتھ سواری پر ہو تو اقتدا صحیح ہے

4890۔ (قولہ: فِي شَفْعٍ أَوَّلٍ أَوْ ثَانٍ) یہ نشر مرتب ہے یعنی جب وہ پہلے شفع ''دو رکعتیں'' میں مقیم کی اقتدا کرے گا تو پہلے قعدہ کے حق میں فرض پڑھنے کی نفل والے کے پیچھے اقتدا ہوگی۔ کیونکہ پہلا قعدہ مسافر پر فرض ہے کیونکہ وہ اس کی نماز کا آخر ہے اور مقیم کے حق میں وہ نفل ہے۔ کیونکہ اس کے حق میں یہ پہلا قعدہ ہے اور فقہا نے یہاں نفل کا اطلاق فرض کے علاوہ پر کیا ہے۔ اور وہ واجب ہے۔ کیونکہ نفل کا معنی زائد ہے۔ اور واجب فرض پر زائد ہے۔ اور جب وہ دوسرے شفع میں مقیم کی اقتدا کرے گا تو قراءت کے اعتبار سے فرض پڑھنے والے کی نفل والے کے پیچھے اقتدا ہوگی۔ کیونکہ اس شفع میں مسافر کی نماز کی نسبت سے قراءت فرض ہے مقیم کے لئے نفل ہے خواہ مقیم نے پہلی دو رکعتوں میں قراءت کی...... یہ ظاہر ہے...... یا صرف آخری دو رکعتوں میں کی ہو۔ کیونکہ قراءت کا محل پہلی دو رکعتیں ہیں۔ پس وہ ان کے ساتھ لاحق ہوگی اور حکماً دوسری دو رکعتیں قراءت سے خالی ہوں گی اور فرض پڑھنے والے کے پیچھے نفل پڑھنے والے کی اقتدا کا اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ ''النہایہ'' میں ہے ان نوافل نے امام کی نماز کی تبع کی وجہ سے فرض کا حکم حاصل کر لیا۔ اسی وجہ سے اگر اقتدا کے بعد نماز کو فاسد کر دیا تو وہ چار رکعتیں ہی قضا کرے گا۔

نوٹ: اس سے اخذ کیا جاتا ہے کہ اگر مقیم لوگ مسافر امام کی اقتدیٰ کریں اور اس نے اقامت کی نیت کے بغیر انہیں پوری نماز پڑھا دی اور انہوں نے اس کی متابعت کی تو ان کی نماز فاسد ہوگی۔ کیونکہ وہ آخری دو رکعتوں میں متنفل ہے۔ اس پر علامہ ''الشرنبلالی'' نے اپنے رسالہ میں ''المسائل الاثنی عشریہ'' میں تنبیہ کی ہے اور ذکر کیا ہے کہ یہ مسائل اس کے لئے واقع ہوئے ہیں اور انہوں نے ان کو کسی کتاب میں نہیں دیکھا ہے۔

میں کہتا ہوں: ''الرملی'' نے ان کو ''الظہیریہ'' کے حوالہ سے باب المسافر میں نقل کیا ہے۔ اور ہم (مقولہ 6625 میں) بھی ان کو باب المسافر میں ذکر کریں گے۔

4891۔ (قولہ: وَلَا نَازِلٍ بِرَاكِبٍ الخ) اور اسی طرح اس کا برعکس ہے۔ اور ان مسائل میں علت مکان کا اختلاف ہے۔ اور صحیح ہے اگر اس کے ساتھ ایک سواری پر ہو۔ کیونکہ اس صورت میں مکان متحد ہے۔ اسی طرح ''الامداد'' میں ہے۔ اور پیدل کی سوار کے پیچھے اقتدا میں ایک دوسرا مانع بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ رکوع و سجود کرنے والا ایسے شخص کی اقتدا کرنے والا ہے جو رکوع و سجود کا اشارہ کرتا ہے مگر یہ کہ زمین پر جو ہے وہ بھی اشارہ کرنا والا ہو۔

پھر یہ اس پر دلیل ہے کہ مکان کا اختلاف اقتدا کے مانع ہے اگرچہ اس میں امام کی حالت کا اشتباہ نہ بھی ہو کیونکہ اشتباہ حائل میں معتبر ہے مکان کے اختلاف میں نہیں جیسا کہ الله تعالیٰ کی توفیق سے اس کی تحقیق آگے (مقولہ 4909 میں) آئے گی۔ فافہم

(وَ) لَا (غَيْرِ الْأَلْثَغِ بِهِ) أَيْ بِالْأَلْثَغِ (عَلَى الْأَصَحِّ) كَمَا فِي الْبَحْرِ عَنِ الْمُجْتَبَى. وَحَرَّرَ الْحَلَبِيُّ وَابْنُ الشِّحْنَةِ أَنَّهُ بَعْدَ بَذْلِ جُهْدِهِ دَائِمًا حَتْمًا كَالْأُمِّيِّ،

اور جو توتلا نہیں اس کی توتلے کے پیچھے اقتداء صحیح نہیں ہے۔ اصح قول پر جیسا کہ ''البحر'' میں ''المجتبیٰ'' کے حوالہ سے ہے۔ ''الحلبی'' اور ''ابن الشحنہ'' نے تنقیح کی ہے کہ توتلا ہمیشہ اپنی کوشش صرف کرنے کے بعد حتمی طور پر امی کی طرح ہے

توتلے کی اقتدا کا حکم

4892۔(قولہ: وَلَا غَيْرِ الْأَلْثَغِ بِهِ) یہ لام کے بعد ثا کے ساتھ ہے اور یہ اللثغ (ثا کی حرکت کے ساتھ) سے مشتق ہے۔ ''المغرب'' میں فرمایا: یہ وہ شخص ہوتا ہے جس کی زبان سین سے ثا کی طرف پھر جاتی ہے۔ اور بعض نے فرمایا: جس کی زبان راء سے غین کی طرف یا لام کی طرف یا یا کی طرف پھر جاتی ہے۔ ''القاموس'' میں یہ زائد ہے کہ جس کی زبان ایک حرف سے دوسرے حرف کی طرف پھر جاتی ہے۔

4893۔(قولہ: عَلَى الْأَصَحِّ) یعنی ''الخلاصہ'' میں ''الفضلی'' کے حوالہ سے جو مذکور ہے وہ اس کے خلاف ہے کہ توتلے کی امامت جائز ہے۔ کیونکہ جو وہ کہتا ہے وہ ایک لغت ہوگئی۔ اس کی مثل ''التاتر خانیہ'' میں ہے۔ اور ''الظہیریہ'' میں ہے: توتلے کا دوسروں کو امامت کرانا جائز ہے۔ بعض علما نے فرمایا: جائز نہیں۔ اسی طرح ''الخانیہ'' میں ''الفضلی'' کے حوالہ سے ہے۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ وہ اس کی امامت کی صحت پر اعتماد کرتے ہیں۔ اور اسی طرح صاحب ''الحلبہ'' نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ فرمایا: کیونکہ بہت سے مشائخ نے اس کو مطلق ذکر کیا ہے یہ قید نہیں لگائی کہ مناسب ہے کہ وہ دوسروں کی امامت نہ کرائے۔ اور اس وجہ سے جو ''خزانۃ الاکمل'' میں ہے: اور فافاء کی امامت مکروہ ہے۔ لیکن احوط عدم صحت ہے جیسا کہ اس پر مصنف چلے ہیں اور اپنی منظومہ میں تحفۃ الاقران میں اس کو نظم کیا ہے اور ''الخیر الرملی'' نے اس کے ساتھ فتویٰ دیا ہے۔ اور اپنے فتاویٰ میں فرمایا: راجح مفتی بہ توتلے کی امامت، غیر توتلے کے لئے صحیح نہیں ہے اور ابیات کے ساتھ اس کا جواب دیا ہے۔

امامة الالثغ للمغاير تجوز عند البعض من اكابر

وقد اباه اكثر الاصحاب لما لغيره من الصواب

توتلے کی امامت غیر توتلے کے لئے بعض اکابر کے نزدیک جائز ہے۔

جبکہ اکثر اصحاب نے اس کا انکار کیا ہے کیونکہ دوسرا قول درست ہے۔

اور یہ بھی فرمایا:

امامة الالثغ للفصيح فاسدة فی الراجح الصحيح

کہ توتلے کی امامت فصیح کے لئے راجح صحیح قول میں فاسد ہے۔

4894۔(قولہ: دَائِمًا) یعنی رات کے اوقات میں اور دن کے اطراف میں۔ پس جب تک وہ تصحیح الفاظ اور تعلم کی

فَلَا يَؤُمُّ إِلَّا مِثْلَهُ، وَلَا تَصِحُّ صَلَاتُهُ إِذَا أَمْكَنَهُ الِاقْتِدَاءُ بِمَنْ يُحْسِنُهُ أَوْ تَرَكَ جُهْدَهُ أَوْ وَجَدَ قَدْرَ الْفَرْضِ مِمَّا لَا لَثَغَ فِيهِ، هَذَا هُوَ الصَّحِيحُ الْمُخْتَارُ فِي حُكْمِ الْأَلْثَغِ،

پس وہ امامت نہ کرائے مگر اپنے جیسے کی۔ اور توتلے کی نماز صحیح نہیں ہے جب اسے ایسے شخص کی اقتدا ممکن ہو جو اچھی تلاوت کرسکتا ہو یا توتلا کوشش ترک کر دے یا فرض کی مقدار تلاوت پائے جس میں وہ تتلاتا نہیں ہے۔ توتلے کے حکم میں یہی صحیح مختار ہے۔

کوشش کرتا رہے گا تو اس کی نماز جائز ہو گی۔ اور اگر اس نے کوشش ترک کر دی تو اس کی نماز فاسد ہے جیسا کہ ''المحیط'' وغیرہ میں ہے۔ ''الذخیرہ'' میں فرمایا: میرے نزدیک یہ مشکل ہے کیونکہ جو چیز خلقۃً ہوتی ہے بندہ اس کو تبدیل کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔ اس کی مکمل بحث ''شرح المنیہ'' میں ہے۔

4895۔ (قولہ: حَتْمًا) یعنی ضروری کوشش۔ یہ اس پر فرض کیا گیا ہے۔ ''طحطاوی''۔

4896۔ (قولہ: فَلَا يَؤُمُّ إِلَّا مِثْلَهُ) اس میں یہ احتمال ہے کہ مثلیت مطلق توتلے میں مراد لی گئی ہو۔ پس اس کی اقتدا صحیح ہے جو را مہملہ کو غین معجمہ میں تبدیل کر دیتا ہے۔ ایسے شخص کے پیچھے جو را کو لام سے بدل دیتا ہے اور یہ احتمال ہے کہ توتلے کے خصوص میں مثلیت مراد لی گئی ہو۔ پس جو را کو غین سے بدلتا ہے وہ اقتدا نہ کرے مگر اس کی جو را کو غین سے بدلتا ہے یہی ظاہر ہے جیسے عذر کا اختلاف ہے تو ادھر رجوع کرنا چاہئے۔ ''حلبی''۔

4897۔ (قولہ: إِذَا أَمْكَنَهُ الِاقْتِدَاءُ بِمَنْ يُحْسِنُهُ) یعنی جب اس کے لئے ایسے شخص کی اقتدا ممکن ہو جو اس کو اچھا پڑھتا ہو جس کو وہ تتلا کر پڑھتا ہے یا جو قرآن کو اچھا پڑھتا ہو۔ یہ اس پر مبنی ہے کہ امی (ان پڑھ) کو جب اقتدا ممکن ہو تو اس پر اقتدا لازم ہے...... اس میں ایسی کلام ہے جس کو تو جان لے گا (مقولہ 4973 میں) اور اس پر مبنی ہے کہ جب وہ کوشش ترک کر دے۔ کیونکہ تو جان چکا ہے کہ جب تک وہ تصحیح میں لگا ہوا ہے اور وہ اس پر قادر نہیں ہے تو اس کی نماز جائز ہے۔ اور اگر اس نے کوشش ترک کر دی تو اس کی نماز فاسد ہے۔ اور اس کو اس کے ساتھ مقید کرنا ضروری ہے کہ جب وہ اس میں سے فرض کی مقدار قراءت پر قادر نہ ہو جس میں اس کا توتلاپن نہیں ہے۔ اگر وہ اس مقدار پر قادر ہے اور اس نے اس کو پڑھا تو اسے اقتدا لازم نہیں ہے اور پوری جہد کو صرف کرنا لازم ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

4898۔ (قولہ: أَوْ تَرَكَ جُهْدَهُ) یعنی اقتدا کے بغیر نماز پڑھی جبکہ وہ اس میں سے مفروض قراءت پر قادر نہیں تھا جس میں اس کا توتلاپن نہیں ہے۔ رہا یہ کہ اگر وہ اقتدا کرے یا وہ ایسی تلاوت کرے جس میں اس کا توتلاپن نہیں ہے تو اس کی نماز صحیح ہے اگرچہ اس نے تصحیح کی کوشش ترک کر دی ہو۔

4899۔ (قولہ: أَوْ وَجَدَ قَدْرَ الْفَرْضِ الخ) یعنی بغیر اقتدا کے نماز پڑھی اور اس فرض مقدار کو نہیں پڑھا اور نہ صحیح ہو گی۔ اور ''الولوالجیہ'' میں ہے: اگر اس کے لئے ممکن ہو قرآن میں سے ایسی آیات پڑھے جس میں توتلے حروف نہیں ہیں تو ایسا

وَكَذَا مَنْ لَا يَقْدِرُ عَلَى التَّلَفُّظِ بِحَرْفٍ مِنَ الْحُرُوفِ أَوْ لَا يَقْدِرُ عَلَى إِخْرَاجِ الْفَاءِ إِلَّا بِتَكْرَارٍ (وَ) اعْلَمْ أَنَّهُ (إِذَا فَسَدَ الِاقْتِدَاءُ) بِأَيِّ وَجْهٍ كَانَ (لَا يَصِحُّ شُرُوعُهُ فِي صَلَاةِ نَفْسِهِ) لِأَنَّهُ قَصَدَ الْمُشَارَكَةَ وَهِيَ غَيْرُ صَلَاةِ الِانْفِرَادِ (عَلَى) الصَّحِيحِ مُحِيطٌ،

اور اسی طرح وہ ہے جو حرف میں سے کسی حرف کا تلفظ نہیں کر سکتا یا وہ فا کو نکالنے پر قادر نہیں ہوتا مگر تکرار کے ساتھ۔ جان لو کہ جب کوئی اقتدا کو فاسد کر دے خواہ وہ کسی وجہ سے ہو تو اس کا اپنی نماز میں شروع ہونا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس نے مشارکت کا قصد کیا تھا اور صحیح قول پر مشارکت علیحدہ نماز پڑھنے کے علاوہ ہے۔ ''محیط''۔

کر لے مگر فاتحہ الکتاب پڑھے کیونکہ نماز میں وہ اس کو ترک نہیں کر سکتا۔

4900۔ (قولہ: وَكَذَا مَنْ لَا يَقْدِرُ عَلَى التَّلَفُّظِ بِحَرْفٍ مِنَ الْحُرُوفِ) اس کا ماقبل پر عطف ہے اس بنا پر کہ توتلا سین اور را کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ ''المغرب'' کے حوالہ سے (مقولہ 4892 میں) جو گزر رہا ہے اس سے معلوم ہو چکا ہے۔ اور یہ الرھمن الرھیم اور الشیتان الرجیم، الآلمین، ایاک نا بد و ایاک نستئین، السرا، أنأمت۔ ان تمام کا حکم وہی ہے جو گزر چکا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی طرف سے کوشش کرتا رہے ورنہ اس کے ساتھ اس کی نماز نہ ہوگی۔

جب توتلا پن تھوڑا ہو

''الخیر الرملی'' سے اس کے متعلق پوچھا گیا جب توتلا پن تھوڑا ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ انہوں نے ہمارے ائمہ کے لئے یہ مسئلہ نہیں دیکھا اور شوافع نے اس کی تصریح کی ہے کہ اگر وہ تھوڑا ہو (مثلاً) وہ کسی حرف کو صاف ادا نہ کرتا ہو تو یہ توتلا پن مؤثر نہ ہوگا۔ فرمایا: ہمارے قواعد اس کا انکار نہیں کرتے۔

اور اس کے ساتھ الشارح کے شاگرد مرحوم شیخ ''اسماعیل الحائک'' مفتی دمشق الشام نے فتویٰ دیا ہے۔

4901۔ (قولہ: بِأَيِّ وَجْهٍ كَانَ) یعنی امام کی اہلیت، امامت کی مفقود ہونے کی وجہ سے ہو جیسے عورت اور بچہ امام ہو یا امام میں مقتدی کی نسبت سے کوئی شرط مفقود ہونے کی وجہ سے ہو جیسے معذور اور برہنہ شخص امام ہو یا امام میں مقتدی کی نسبت کوئی رکن مفقود ہونے کی وجہ سے ہو جیسے اشارہ کرنے والا اور امی (ان پڑھ) امام ہو یا دو نمازوں کے اختلاف کی وجہ سے ہو جیسے فرض پڑھنے والے کے پیچھے نفل پڑھنے والا اور اس جیسے گزشتہ مسائل۔

4902۔ (قولہ: فِي صَلَاةِ نَفْسِهِ) یعنی ایسی نماز میں جو اس کے حق میں مستقل ہو اس میں امام کے تابع نہ ہو نہ فرض میں اور نہ نفل میں جیسا کہ اس پر ''الزیلعی'' کی تفصیل دلالت کرتی ہے جیسا کہ ''حلبی'' نے فائدہ ذکر کیا ہے۔ اسی طرح الشارح کی تعلیل اس پر دلالت کرتی ہے ان کا نفل میں تبدیل ہونے کا قول حکایت کرنا۔

4903۔ (قولہ: وَهِيَ غَيْرُ صَلَاةِ الِانْفِرَادِ) کیونکہ اس کے لئے ایسے احکام میں جو اس کے احکام سے مختلف ہے جس کا اس نے قصد کیا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ جب اس کا اس نماز میں شروع ہونا صحیح نہیں ہے تو اس کے علاوہ بھی صحیح نہیں ہے۔

وَادَّعَى فِي الْبَحْرِ أَنَّهُ (الْمَذْهَبُ) قَالَ الْمُصَنِّفُ لَكِنْ كَلَامُ الْخُلَاصَةِ يُفِيدُ أَنَّ هَذَا قَوْلُ مُحَمَّدٍ خَاصَّةً قُلْت وَقَدْ ادَّعَى فِيمَا مَرَّ بَعْدَ تَصْحِيحِ السِّرَاجِ بِخِلَافِهِ أَنَّ الْمَذْهَبَ انْقِلَابُهَا نَفْلًا فَتَأَمَّلْ، وَحِينَئِذٍ فَالْأَشْبَهُ مَا فِي الزَّيْلَعِيِّ أَنَّهُ مَتَى فَسَدَ لِفَقْدِ شَرْطٍ كَطَاهِرٍ بِمَعْذُورٍ لَمْ تَنْعَقِدْ أَصْلًا، وَإِنْ لِاخْتِلَافِ الصَّلَاتَيْنِ تَنْعَقِدُ نَفْلًا غَيْرَ مَضْمُونٍ، وَثَمَرَتُهُ الِانْتِقَاضُ بِالْقَهْقَهَةِ

''البحر'' میں دعویٰ کیا ہے کہ یہی مذہب ہے۔ المصنف نے فرمایا: ''الخلاصہ'' کا کلام اس بات کو مفید ہے کہ یہ خاص امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ میں کہتا ہوں: ''السراج'' کی تصحیح کے بعد جو گزر چکا ہے اس میں اس کے خلاف کا دعویٰ کیا ہے کہ مذہب یہ ہے کہ وہ نماز نفل میں بدل جاتی ہے۔ پس تو غور کر، اس وقت اشبہ وہ ہوگا جو ''الزیلعی'' میں ہے کہ جب کسی شرط کے مفقود ہونے کی وجہ سے فاسد ہو جائے گی جیسے پاک شخص کا معذور کی اقتدا کرنا تو نماز اصلاً منعقد ہی نہ ہوگی اگرچہ دونوں نمازوں کے اختلاف کی وجہ سے بطور نفل غیر مضمون منعقد ہو جاتی ہے۔ اس کا ثمرہ قہقہہ کے ساتھ نماز کا ٹوٹنا ہے۔

4904۔ (قولہ: وَادَّعَى فِي الْبَحْرِ أَنَّهُ الْمَذْهَبُ) یعنی جس کو ''المحیط'' میں صحیح کہا ہے اور اس پر متن میں مصنف چلے ہیں۔

4905۔ (قولہ: لَكِنْ كَلَامُ الْخُلَاصَةِ الخ) ''الخلاصہ'' کی عبارت یہ ہے: ہر وہ جگہ جس میں اقتدا صحیح نہیں کیا وہ اپنی نماز کو شروع کر سکتا ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نہیں شروع کر سکتا اور امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شروع کر سکتا ہے۔

4906۔ (قولہ: قُلْت وَقَدْ ادَّعَى) یعنی صاحب ''البحر'' نے (مقولہ 4821 میں) متن کے قول فی صلاۃ کے ذکر کے وقت محاذاہ کے مسئلہ میں دعویٰ کیا ہے اور بعد تصحیح السراج بخلافه کا قول۔ یعنی یہاں جو ''البحر'' میں دعویٰ کیا ہے کہ یہی مذہب ہے اس کے خلاف ہے۔ بہتر با کا حذف تھا یا لام تقویت کے ساتھ اس کا بدلنا ہے کیونکہ یہ تصحیح کا مفعول ہے۔

اور قولہ: ''ان المذهب'' ادعی کا مفعول ہے۔

حاصل یہ ہے کہ صاحب ''البحر'' نے گزشتہ مسئلہ میں جو ''السراج'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ عورت ظہر کی نماز کی امام کی اقتدا کرے اور امام عصر پڑھ رہا ہو اور عورت اس کے برابر کھڑی ہوگئی تو امام کی نماز صحیح قول پر باطل ہو جائے گی۔ اور فرمایا: کیونکہ عورت کا اقتدا کرنا اگرچہ فرض کے اعتبار سے صحیح نہیں مذہب پر نفل کے اعتبار سے صحیح ہے۔ پس یہ فرض پر نفل کی بنا ہوگی۔

اس میں صریح ہے کہ جب فرض کی اقتدا فاسد ہوگئی تو شروع ہونا فاسد نہ ہوا بلکہ نفل کے ساتھ اقتدا باقی ہے ورنہ امام کی نماز اس عورت کے برابر کھڑے ہونے سے فاسد نہ ہوگی۔ اور اس کی تصریح یہ ہے کہ یہ مذہب اس کے مخالف ہے جو انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ مذہب وہ ہے جو ''المحیط'' میں شروع ہونے کی عدم صحت سے ذکر کیا گیا ہے۔

4907۔ (قولہ: وَحِينَئِذٍ فَالْأَشْبَهُ) یعنی جب ''البحر'' کے کلام میں جو مذہب تھا اس کی نقل میں اختلاف ہوا اور کسی

....

ایک نقل کو مہمل کرنا ممکن نہیں تو قواعد کے زیادہ مطابق وہ ہے جو''الزیلعی'' میں ہے جو دونوں قولوں کے مناسب ہے۔ان دونوں کے درمیان توفیق حاصل ہو جاتی ہے کہ''المحیط'' نے جس کی تصحیح کی ہے کہ مطلق شروع ہونا صحیح نہیں ہے اس کو اس پر محمول کیا جائے کہ جب اقتدا کا فساد کسی شرط کے مفقود ہونے کی وجہ سے ہو یا کسی ایسی وجہ سے ہو جس سے مقتدی کی نماز کا فساد لازم آتا ہو۔اور''السراج'' میں جس کی تصحیح ہے کہ نفل کی اقتدا صحیح ہے اور فساد وصف کا ہے یعنی صرف فرضیت فاسد ہوئی اس کو اس پر محمول کیا جائے کہ جب دونوں نمازوں کا اختلاف ہو۔پس اگر اس نماز میں قہقہہ لگایا تو پہلی وجہ میں اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا اور دوسری وجہ میں ٹوٹ جائے گا۔

پھر تم جان لو کہ الشارح نے جو دعویٰ کیا ہے کہ یہ اشبہ ہے۔''البحر'' میں اس کا رد کیا ہے۔کیونکہ انہوں نے فرمایا: اس تفصیل کو رد کرتا ہے وہ جو''الحاکم'' نے اپنی''الکافی'' میں ذکر کیا ہے کہ عورت جب ظہر کی نماز پڑھنے والے کے پیچھے عصر کی نماز کی نیت کرے تو اس کی نماز جائز نہیں اور امام پر اس کی نماز کو فاسد نہیں کرے گی۔''انتہی'' یہ دو نمازوں کے اختلاف کی وجہ سے شروع ہونے کی عدم صحت میں صریح ہے۔اور''الحاکم'' نے ایک دوسرے مقام پر کہا ہے: ایک قاری شخص امی کی نماز میں نفل پڑھنے کی غرض سے داخل ہوا یا عورت کی نماز میں داخل ہوا یا جنبی کی نماز میں داخل ہوا یا وضو کے بغیر نماز پڑھنے والے پر داخل ہوا پھر اس نے نماز کو فاسد کر دیا تو اس پر اس نماز کی قضا نہیں ہے کیونکہ وہ مکمل نماز میں داخل نہیں ہوا۔

''الحاکم'' کی''الکافی''، امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی کلام مجموعہ ہے جو انہوں نے ظاہر الروایہ کتب میں بیان کیا ہے۔پس اس سے معلوم ہوا کہ مذہب وہ ہے جس کی تصحیح''المحیط'' نے کی ہے کہ شروع ہونا صحیح نہیں ہے۔کیونکہ''الکافی'' امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی کلام کا مجموعہ ہے جو انہوں نے اپنی ظاہر الروایت کتب میں بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ہاں پہلی فرع کا ظاہر اس کا مؤید ہے جو''المحیط'' میں ہے۔اور''السراج'' کے حوالہ سے جو گزرا ہے اس کے مخالف ہے۔رہی فرع ثانی تو''المحیط'' تصحیح کی مؤید نہیں بلکہ اس میں معاملہ الٹ ہے۔کیونکہ''ثم افسدھا'' کا قول شروع ہونے کی صحت میں صریح ہے اور لانه لم يدخل في صلاة تامة کا قول اس کا مؤید ہے کیونکہ یہ اس کو مفید ہے کہ ناقص نماز میں وہ داخل ہوا یعنی غیر مضمون نفل میں۔اسی وجہ سے فرمایا: اس پر قضا نہیں ہے۔اس فرع میں جو''الزیلعی'' کی تفصیل ہے اس کا رد ہے۔کیونکہ اس میں فساد شرط کے مفقود ہونے کی وجہ سے ہے۔باوجود اس کے کہ اس کا شروع ہونا صحیح ہے جیسا کہ تو نے جان لیا ہے۔میں نے''الرحمتی'' کو دیکھا انہوں نے اسی طرح ذکر کیا ہے جو میں نے ذکر کیا ہے۔سب تعریفیں الله کے لئے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ اپنی نماز میں شروع ہونا صحیح ہے اس پر محمول ہے جو''السراج'' میں ہے اور''الکافی'' کی دونوں فروع میں سے جو دوسری فرع ہے۔اور دوسری روایت یہ ہے اصلاً شروع ہونا صحیح نہیں ہے۔اور یہ اس پر محمول ہے جو''المحیط'' میں ہے اور جو پہلی فرع ہے۔اور یہی اصح ہے جیسا کہ''القہستانی'' نے''المضمرات'' کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔''النہر'' میں ذکر کیا ہے کہ جو''السراج'' میں ہے اس پر بہت سے علما نے جزم کیا ہے۔

(وَيَمْنَعُ مِنَ الِاقْتِدَاءِ) صَفٌّ مِنَ النِّسَاءِ بِلَا حَائِلٍ قَدْرَ ذِرَاعٍ أَوْ ارْتِفَاعُهُنَّ قَدْرَ قَامَةِ الرَّجُلِ مِفْتَاحُ السَّعَادَةِ

اور اقتدا سے مانع ہے عورتوں کی صف بغیر حائل ایک ہاتھ کی مقدار یا آدمی کی قامت کی مقدار ان کا بلند ہونا ''مفتاح السعادۃ''۔

وہ چیزیں جو اقتدا سے مانع ہیں

4908۔(قولہ: صَفٌّ مِنَ النِّسَاءِ) اس سے مراد تین عورتوں سے زائد ہیں۔ کیونکہ تین سے زائد تعداد ان کے پیچھے والے تمام لوگوں کی اقتدا کے مانع ہے۔ ورنہ اس میں تفصیل ہے اس دلیل کی وجہ سے جس کا حاصل ہم نے ''البحر'' کے حوالہ سے (مقولہ 4819 میں) پیش کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہمارے اصحاب سے اس کی نقل پر فقہا کا اتفاق ہے ایک عورت اردگرد کے دو مردوں اور پیچھے والے ایک مرد کی نماز کو فاسد کرتی ہے اور دو عورتیں، اردگرد کے دو مردوں اور پیچھے والے دو مردوں کی نماز فاسد کرتی ہیں اور تین عورتیں اردگرد کے دو مردوں کی نماز اور آخری صف تک پیچھے والے تین تین آدمیوں کی نماز کو فاسد کرتی ہیں۔ اگر مردوں اور امام کے درمیان عورتوں کی صف ہو تو امام کے پیچھے مردوں کی اقتدا صحیح نہ ہوگی۔ اس صف کو حائل بنایا جائے گا۔

4909۔(قولہ: بِلَا حَائِلٍ) منع کی قید ہے اور او ارتفاعھن کا قول حائل پر عطف کی وجہ سے مجرور ہے اور ''مفتاح السعادۃ'' کی عبارت اس طرح ہے: ''الینابیع'' میں ہے: اگر دیوار پر مردوں کی صف ہو اور عورتوں کی صف ان کے آگے ہو یا عورتوں کی صف حائط پر ہو اور مردوں کی صف ان کے پیچھے ہو اگر دیوار آدمی کی قامت کی مقدار ہو تو مردوں کی نماز جائز ہوگی اور اگر اس سے کم مقدار ہو تو جائز نہ ہوگی۔ اگر عورتوں کی مکمل صف ہو اور دونوں صفوں کے درمیان کوئی حائل نہ ہو تو پیچھے والوں کی نماز فاسد ہو جائے گی اگرچہ بیس صفیں ہوں۔ اور اگر عورتوں اور مردوں کے درمیان فاصل ہو تو مردوں کی نماز فاسد نہ ہوگی اور وہ حائل کجاوہ پچھلے حصہ کی مقدار ہے یا گاڑھی ہوئی لکڑی کی مقدار ہے یا ایک ہاتھ کی مقدار حائط ہے۔

اور اس کا حاصل یہ ہے کہ جب عورتوں کی صف مردوں کی صف سے آگے ہو تو اقتدا سے مانع ہے مگر جب ایک صف آدمی کی قامت کی مقدار بلند حائط پر ہو یا دونوں صفوں کے درمیان اونٹ کے کجاوہ کے پیچھے والے حصہ کی مقدار حائل ہو یا گاڑھی گئی لکڑی کی مقدار حائل ہو یا ایک ہاتھ کی مقدار دیوار حائل ہو۔ یہ اس کے مخالف ہے جو ''الخانیہ'' اور ''البحر'' وغیرہما میں ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک قوم نے مسجد کی بالکونی پر نماز پڑھی اور ان کے نیچے مقابلہ میں عورتیں ہوں تو مردوں کی نماز جائز ہوگی۔ کیونکہ جگہ متحد نہیں ہے بخلاف اس صورت کے جب مردوں کے آگے عورتیں ہوں تو نماز فاسد ہے۔ کیونکہ مردوں کے درمیان اور امام کے درمیان عورتوں کی صف حائل ہو تو یہ اقتدا کے مانع ہے۔

''الولوالجیہ'' میں ہے: ایک قوم نے مسجد کی بالکونی پر نماز پڑھی اور ان کے نیچے ان کے آگے عورتوں کی صف تھی تو مردوں کی نماز جائز نہ ہوگی کیونکہ درمیان میں عورتوں کی صف آ گئی اور یہ مردوں کی اقتدا سے مانع ہے اور اسی طرح راستے کا حکم ہے۔

أَوْ (طَرِيقٌ تَجْرِي فِيهِ عَجَلَةٌ) آلَةٌ يَجُرُّهَا الثَّوْرُ (أَوْ نَهْرٌ تَجْرِي فِيهِ السُّفُنُ) وَلَوْ زَوْرَقًا
یا ایسے راستہ کا حائل ہونا جس میں بیل گاڑی گزر سکتی ہو عجلہ بیل گاڑی کو کہتے ہیں یا ایسی نہر حائل ہو جس میں کشتی چلتی ہو اگرچہ وہ چھوٹی کشتی ہو

یہ اپنے اطلاق کی وجہ سے صریح ہے کہ بلند ہونا عورتوں کی صف میں غیر معتبر ہے۔ اور ''المعراج'' میں ''المبسوط'' کے حوالہ سے ہے کہ اگر عورتوں کی مکمل صف ہو اور ان کے پیچھے مردوں کی صف ہو تو استحساناً تمام صفوں کی نماز فاسد ہوگی۔ قیاس یہ تھا کہ صرف ایک صف کی نماز فاسد ہوتی لیکن حضرت عمر کی مرفوع اور موقوف حدیث کی وجہ سے استحساناً ایسا کہا گیا ہے۔ امام اور مقتدی کے درمیان نہر ہو یا راستہ ہو یا عورتوں کی صف ہو تو مقتدی کی نماز نہیں ہوتی۔ یہ صریح ہے کہ عورتوں کی صف میں حائل غیر معتبر ہے۔ صرف مردوں کی پہلی صف کی نماز فاسد ہوگی کیونکہ وہ پچھلے لوگوں اور عورتوں کی صف کے درمیان حائل ہو گئی جیسا کہ قیاس ہے۔ پس ظاہر ہوا الشارح نے جو حائل اور ارتفاع کے اعتبار کا ذکر کیا ہے وہ اس بارے میں ہے جس میں عورتوں کی مکمل صف نہ ہو جیسے ایک عورت اور دو عورتیں۔ رہی مکمل صف تو اثر کی اتباع کی وجہ سے قیاس سے خارج ہے۔ یہ میرے لئے ظاہر ہوا پس تو غور و خوض کر۔ واللہ اعلم۔

4910۔ (قولہ: أَوْ طَرِيقٌ) نافذ راستہ۔ یہ ''ابوالسعود'' نے اپنے شیخ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ ''طحطاوی''۔

میں کہتا ہوں: یہ مفہوم ہوتا ہے اس سے جو بہت سی کتب میں طریق عام (عام راستہ) کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ''التتارخانیہ'' میں ہے: سرحد اور سرائے کی مسجد میں راستہ مانع نہیں ہے کیونکہ وہ طریق عام نہیں ہوتا۔

4911۔ (قولہ: تَجْرِي فِيهِ عَجَلَةٌ) یعنی جس راستہ میں بیل گاڑی گزر سکتی ہو۔ بعض نسخوں میں تمر سے تعبیر کیا ہے۔ العجلہ، عین اور جیم کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ اور ''الدرر'' میں ہے: وہ راستہ جس میں بیل گاڑی اور خچر یا گدھے بوجھ اٹھا کر گزرتے ہوں۔ وقر (قاف کے ساتھ) کی جمع اوقار ہے۔ ''المغرب'' میں ہے: اس کا اکثر استعمال خچر یا گدھے کے بوجھ کے لئے ہوتا ہے جیسے وسق اونٹ کے بوجھ میں استعمال ہوتا ہے۔

4912۔ (قولہ: أَوْ نَهْرٌ تَجْرِي فِيهِ السُّفُنُ) یعنی ایسی نہر جس میں کشتی کا چلنا ممکن ہو اس کی مثل تمر فیہ عجلۃ کے قول میں کہا جائے گا ''طحطاوی''۔ رہا تالاب یا حوض اگر وہ ایسی حالت میں ہو کہ اگر اس کی ایک طرف نجاست گرے تو دوسری جانب ناپاک ہو جائے تو وہ اقتدا سے مانع نہیں ورنہ مانع ہے۔ الصفار نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ ''اسماعیل'' عن ''المحیط''۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ کتاب الطہارت میں مذکور بڑا حوض اقتدا سے مانع ہے جب اس کے اردگرد صفیں متصل نہ ہوں جیسا کہ آئندہ مقولہ میں آئے گا۔

4913۔ (قولہ: وَلَوْ زَوْرَقًا) زا کی تقدیم کے ساتھ۔ چھوٹی کشتی جیسا کہ ''القاموس'' میں ہے۔ ''الملتقط'' میں ہے: جب وہ انتہائی تنگ راستہ کی طرح ہو تو مانع ہے اور اگر اس طرح ہو کہ اس کی مثل راستہ نہ ہو تو مانع نہیں خواہ اس میں پانی ہو یا نہ ہو۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: وہ نہر جس کے اندر اونٹ چلتا ہو اور اس میں پانی ہو تو وہ اقتدا سے مانع ہے اور اگر خشک

وَلَوْفِي الْمَسْجِدِ (أَوْ خَلَاءٌ) أَيْ فَضَاءٌ (فِي الصَّحْرَاءِ) أَوْ فِي مَسْجِدٍ كَبِيرٍ جِدًّا كَمَسْجِدِ الْقُدْسِ (يَسَعُ صَفَّيْنِ)

اگرچہ وہ نہر مسجد میں ہو یا خلا یعنی فضا ہو صحرا میں یا بڑی مسجد میں جیسے مسجد بیت المقدس، اتنا خلا کہ دو صفوں

ہو اور صفیں متصل ہوں تو جائز ہے۔''اسماعیل''۔

4914۔(قولہ: وَلَوْفِي الْمَسْجِدِ) اس کی ''الدرر'' اور ''الخانیہ'' وغیرہما میں تصریح کی ہے۔

4915۔(قولہ: أَوْ خَلَاءٌ) مد کے ساتھ۔ وہ جگہ جہاں کچھ نہ ہو۔ ''قاموس''۔

4916۔(قولہ: أَوْ فِي مَسْجِدٍ كَبِيرٍ جِدًّا الخ) ''الامداد'' میں فرمایا: عیدگاہ میں فاصلہ مانع نہیں اگرچہ زیادہ بھی ہو۔ اور جنازہ گاہ میں اختلاف ہے۔ اور ''النوازل'' میں ہے اس کو مسجد کی طرح بنایا ہے اگر مسجد بڑی ہو تو فاصلہ مانع نہیں مگر خوارزم کی قدیم جامع مسجد۔ اس کا چوتھائی حصہ چار ہزار ستونوں پر مشتمل ہے اور جامع القدس شریف یعنی جو تین مساجد پر مشتمل ہے اقصیٰ، صخرہ، بیضا۔ اسی طرح ''البزازیہ'' میں ہے اور اس کی مثل ''المنیہ'' میں ہے۔

رہا ''الدرر'' میں یہ قول کہ مسجد میں کھلی جگہ اقتدا کے مانع نہیں ہے۔ اور بعض نے فرمایا: مانع ہے۔ یہ اگرچہ اس کا فائدہ دیتا ہے معتمد عدم منع ہے لیکن یہ بہت بڑی مسجد کے علاوہ پر محمول ہوگا جیسے جامع خوارزم اور جامع قدس اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی ہے۔ اور ''القہستانی'' میں ہے: البیت (کمرہ) صحرا کی طرح ہے۔ اور اصح قول یہ ہے کہ مسجد کی طرح ہے اس وجہ سے اس میں صفوں کے اتصال کے بغیر اقتدا جائز ہے جیسا کہ ''المنیہ'' میں ہے۔ الدار (گھر) کا حکم ذکر نہیں کیا۔ لیکن صحرا اور بہت بڑی مسجد کے ساتھ تقیید کا ظاہر یہ ہے کہ گھر، کمرہ کی طرح ہے۔ تامل۔ پھر میں نے ''جواہر الفتاویٰ'' کے حوالے سے ''حاشیۃ المدنی'' میں دیکھا کہ ''قاضی خان'' سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: اس میں فقہا کا اختلاف ہے۔ بعض نے اس کی مقدار ساٹھ ہاتھ مقرر کی ہے۔ اور بعض نے فرمایا: اگر وہ چالیس ہاتھ ہو تو بڑا گھر ہے ورنہ چھوٹا ہے۔ اور یہی مختار ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ بڑا گھر صحرا کی طرح ہے اور چھوٹا مسجد کی طرح ہے اور بڑے گھر کی تقدیر میں مختار قول چالیس ہاتھ ہے۔ ''البحر'' میں ''المجتبیٰ'' کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ مسجد کے صحن کا حکم مسجد کا ہے۔ پھر فرمایا: اس سے معلوم ہوا کہ الشیخونیہ خانقاہ کے صحن میں اس امام کی اقتدا جو محراب میں ہے صحیح ہے اگرچہ صفیں متصل نہ بھی ہوں۔ کیونکہ صحن مسجد کا فنا ہے۔ اسی طرح اس کی اقتدا صحیح ہے جو خلاوی سفلیہ میں ہے۔ کیونکہ ان کے دروازے مسجد کے فنا میں ہیں۔ اس کی مکمل عبارت آگے آئے گی۔ اور ''الخزائن'' میں ہے: مسجد کا فنا وہ ہے جو اس سے متصل ہے اور اس کے درمیان اور مسجد کے درمیان راستہ نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مدرسہ الکلاسہ اور مدرسہ الکاملیہ دمشق میں اموی مسجد کے فنا سے ہیں۔ کیونکہ ان کے دروازے اس کے صحن میں ہیں۔ اسی طرح تینوں مشاہد جو اس کے اندر ہیں وہ بدرجہ اولیٰ اس کے فنا سے ہیں۔ اسی طرح باب البرید کا صحن اور وہ دکانیں ہیں جو اس کے اندر ہیں وہ بھی اس کے فنا میں داخل ہیں۔

4917۔(قولہ: يَسَعُ صَفَّيْنِ) یہ خلاء کی صفت ہے۔ صفین کی تقیید کی ''الخلاصہ''، ''الفیض'' اور ''المبتغیٰ'' میں تصریح ہے۔ اور ''الواقعات الحسامیہ'' اور ''خزانۃ الفتاوی'' میں ہے: اس کے ساتھ فتویٰ دیا جاتا ہے ''اسماعیل''۔ اور ''الدرر''

فَأَكْثَرَ إِلَّا إِذَا اتَّصَلَتْ الصُّفُوفُ فَيَصِحُّ مُطْلَقًا، كَأَنْ قَامَ فِي الطَّرِيقِ ثَلَاثَةٌ، وَكَذَا اثْنَانِ عِنْدَ الثَّانِي لَا وَاحِدٌ اتِّفَاقًا لِأَنَّهُ لِكَرَاهَةِ صَلَاتِهِ صَارَ وُجُودُهُ كَعَدَمِهِ فِي حَقِّ مَنْ خَلْفَهُ

یا اس سے زیادہ صفوں کی گنجائش ہو مگر جب صفیں متصل ہوں تو مطلقاً اقتدا صحیح ہے جیسا کہ راستہ میں تین آدمی کھڑے ہو جائیں۔ اور اسی طرح امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو آدمی کھڑے ہو جائیں ایک آدمی کا کھڑا ہونا بالاتفاق درست نہیں۔ کیونکہ اس کی نماز مکروہ ہے اس کا وجود پیچھے والوں کے حق میں نہ ہونے کی طرح ہے۔

میں یہ جو تقیید ہے کہ خلا جس میں صف بنانا ممکن ہو یہ غیر مفتی بہ ہے۔ تامل۔

4918۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا اتَّصَلَتْ الصُّفُوفُ) استثنا، راستہ اور نہر کی طرف لوٹ رہی ہے خلا کی طرف نہیں۔ کیونکہ صفوف جب صحرا میں متصل ہوں گی تو خلا نہیں پایا جائے گا۔ اسی طرح اگر راستہ کے طول پر صفیں بنائیں تو صحیح ہے جب امام اور قوم کے درمیان اتنی مقدار جگہ نہ ہو جس میں بیل گاڑی گزر سکتی ہو اور اسی طرح ہر دو صفوں کے درمیان اتنی جگہ نہ ہو۔ اسی طرح ''الخانیہ'' وغیرہما میں ہے۔

فرع: اگر کوئی صحرا میں امامت کرائے اور اس کے پیچھے بہت سی صفیں ہوں، پھر تیسری صف نے پہلی صف سے پہلے تکبیر کہی تو جائز ہے۔ ''قنیہ'' من باب مسائل متفرقہ۔

4919۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی اگرچہ وہاں راستہ یا نہر بھی ہو۔ ''ح''۔

4920۔ (قولہ: كَأَنْ قَامَ فِي الطَّرِيقِ ثَلَاثَةٌ) ''النہر'' میں صفوں کے اتصال کی صورت اس طرح ہے کہ لوگ اس پل کے اوپر کھڑے ہو جائیں جو نہر کے اوپر بنا ہوا ہے یا ان کشتیوں میں کھڑے ہو جائیں جو نہر میں باندھی ہوئی ہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ اس کے حق میں ہے جو پل کے محاذی (پیچھے برابر) نہ ہو۔ رہا وہ جو پل کے محاذی ہے اور اس کے درمیان اور (امام جہت سے) آخری صف کے درمیان زیادہ کھلی جگہ نہ ہو تو اقتدا صحیح ہے۔ پھر فقہا کے اطلاق کا ظاہر یہ ہے کہ جب نہر پر پل ہو تو صفوں کا متصل ہونا ضروری ہے اگرچہ نہر مسجد کے اندر ہی ہو جیسا کہ دمشق میں جامع جو نقرز میں ہے۔

4921۔ (قولہ: وَكَذَا اثْنَانِ عِنْدَ الثَّانِي) اصح امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جیسا کہ ''السراج'' میں ہے۔ اور اسی طرح امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جمعہ میں اور محاذاۃ میں دو جمع کی طرح ہیں حتیٰ کہ اگر عورتیں دو ہوں تو پیچھے والے ہر صف کے دو دو آدمیوں کی نماز کو فاسد کر دیں گی۔ ''المنظومہ النسفیہ'' میں ''مقالات ابی یوسف'' میں ہے۔

واثنان فی الجُمعةِ جَمْعٌ و کذا سدُّ الطریق و محاذاۃ النساء

جمعہ میں دو جمع ہیں اسی طرح راستہ کو بند کرنا اور عورتوں کا برابر کھڑا ہونا۔

تتمہ

صحرا میں لوگوں نے نماز پڑھی اور صفوں کے درمیان میں ایک خالی جگہ ہے جہاں کوئی بھی کھڑا نہیں ہوا اور وہ خالی جگہ

(وَالْحَائِلُ لَا يَمْنَعُ) الِاقْتِدَاءَ (إِنْ لَمْ يَشْتَبِهْ حَالُ إِمَامِهِ) بِسَمَاعٍ أَوْ رُؤْيَةٍ وَلَوْ مِنْ بَابٍ مُشَبَّكٍ يَمْنَعُ الْوُصُولَ فِي الْأَصَحِّ (وَلَمْ يَخْتَلِفِ الْمَكَانُ) حَقِيقَةً كَمَسْجِدٍ وَبَيْتٍ فِي الْأَصَحِّ قُنْيَةٌ،

حائل چیز (امام اور مقتدی کے درمیان) اقتدا کے مانع نہیں اگر امام کی حالت مشتبہ نہ ہو سننے کے ساتھ یا دیکھنے کے ساتھ اگرچہ سوراخوں والے دروازہ سے ہو جو امام تک پہنچنے سے مانع ہو۔ اصح قول میں اور حقیقۃً مکان مختلف نہ ہو جیسے مسجد اور گھر اصح قول میں ''قنیہ''۔

دس در دس کے بڑے حوض کی مقدار ہے۔ اگر اس خالی جگہ کے اردگرد صفیں متصل ہیں تو جو لوگ اس خالی جگہ کے پیچھے ہیں ان کی نماز جائز ہے اور اگر وہ خالی جگہ چھوٹے حوض کی مقدار ہو تو اقتدا کی صحت کے مانع نہیں ہے۔ اسی طرح ''الفیض'' میں ہے۔ اور اس کی مثل ''التتارخانیہ'' میں ہے۔

4922۔ (قولہ: بِسَمَاعٍ) یعنی امام کو سننے سے یا مکبر کو سننے سے امام کی حالت مشتبہ نہ ہو۔ ''تتارخانیہ''۔

4923۔ (قولہ: رُؤْيَةٍ) الرؤیۃ کو سماع کی طرح ہونا چاہئے اس میں کوئی فرق نہیں وہ امام کے انتقالات کو دیکھے یا کسی مقتدی کے انتقالات کو دیکھے۔ ''حلبی''۔

4924۔ (قولہ: فِي الْأَصَحِّ) اس بنا پر کہ معتبر اشتباہ اور عدم اشتباہ ہے جیسا کہ آگے (مقولہ 4930 میں) آئے گا نہ کہ امام تک پہنچنے یا نہ پہنچنے کا اعتبار ہے۔

4925۔ (قولہ: وَلَمْ يَخْتَلِفِ الْمَكَانُ) یعنی مقتدی اور امام کا مکان مختلف نہ ہو اور اس کا حاصل یہ ہے کہ عدم اشتباہ اور عدم اختلاف مکان شرط قرار دیا گیا ہے۔ اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر اشتباہ اور اختلاف میں سے ہر ایک پایا جائے یا صرف ایک پایا جائے تو اقتدا کے مانع ہوگا لیکن صرف مکان کے اختلاف کی وجہ سے منع اس میں کلام ہے جو آگے (مقولہ 4929 میں) آئے گی۔

4926۔ (قولہ: كَمَسْجِدٍ وَبَيْتٍ) کیونکہ مسجد ایک مکان ہے۔ اسی وجہ سے اس میں خلا کے ساتھ فاصلہ کا اعتبار نہیں کیا جاتا مگر جب بہت بڑی مسجد ہو۔ اسی طرح گھر کا حکم اس میں مسجد کا حکم ہے نہ صحرا کے حکم میں ہے جیسا کہ ہم نے ''القہستانی'' کے حوالہ سے پہلے (مقولہ 4916 میں) ذکر کیا ہے۔ اور ''التتارخانیہ'' میں ''المحیط'' کے حوالہ سے ہے کہ ''السرخسی'' نے ذکر کیا ہے کہ جب چوڑی دیوار پر دروازہ اور کھڑکی نہ ہو تو اس میں ایک روایت کے مطابق امام کا حال مشتبہ ہونے کی وجہ سے اقتدا ممنوع ہے اور ایک روایت میں ہے کہ ممنوع نہیں ہے اور مکہ میں اس پر لوگوں کا عمل ہے۔ کیونکہ امام مقام ابراہیم پر کھڑا ہوتا ہے اور بعض لوگ دوسری جانب کعبہ کے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں ان کے درمیان اور امام کے درمیان کعبہ ہوتا ہے اور کسی فقیہ نے اس سے ان کو منع نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ منبر جب اردگرد سے بند ہو تو اس کے قریب والے کی اقتدا کے مانع نہیں جبکہ انتقالات کا اشتباہ نہ ہو بخلاف ان کے جنہوں نے علماروم میں سے منع کا فتویٰ دیا ہے اور اس میں دروازہ کھولنے کا حکم دیا ہے۔

وَلَا حُكْمًا عِنْدَ اتِّصَالِ الصُّفُوفِ؛ وَلَوْ اقْتَدَى مِنْ سَطْحِ دَارِهِ الْمُتَّصِلَةِ بِالْمَسْجِدِ لَمْ يَجُزْ لِاخْتِلَافِ الْمَكَانِ دُرَرٌ وَبَحْرٌ وَغَيْرُهُمَا وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ لَكِنْ تَعَقَّبَهُ فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ وَنَقَلَ عَنْ الْبُرْهَانِ وَغَيْرِهِ

اور نہ حکماً مکان مختلف ہو جیسے صفوف کے اتصال کے وقت۔ اگر کسی نے مسجد سے متصل اپنے گھر کی چھت سے امام کی اقتدا کی تو مکان کے اختلاف کی وجہ سے اقتدا جائز نہیں ''الدرر'' اور ''البحر'' وغیرھما۔ اور المصنف نے اسکو قائم رکھا ہے لیکن ''الشرنبلالیہ'' میں اس کا تعاقب کیا ہے اور ''البرہان'' وغیرہ سے نقل کیا ہے

4927۔ (قولہ: عِنْدَ اتِّصَالِ الصُّفُوفِ) یعنی راستہ میں یا نہر کے پل پر، کیونکہ نہر یا راستہ کے پائے جانے کے ساتھ مکان مختلف ہے اور صفوں کے اتصال کے وقت حکماً مکان ایک ہو جاتا ہے۔ پس اقتدا مانع نہ ہوگی جیسا کہ پہلے (مقولہ 4918 میں) گزر چکا ہے۔ گویا المصنف کے کلام میں حائل سے ایسی چیز مراد لی ہے جو دیوار وغیرہ کو شامل ہے جیسے راستہ اور نہر کیونکہ اگر اس سے مراد صرف دیوار ہوتی تو یہاں اس کلام کا ذکر مناسب نہ ہوتا۔ ''تامل''

4928۔ (قولہ: دُرَرٌ) اس کی عبارت اس طرح ہے: امام اور مقتدی کے درمیان حائل اگر اس حیثیت سے ہو کہ امام کا حال مشتبہ ہوتا ہو تو اقتدا مانع ہے ورنہ مانع نہیں مگر یہ کہ مکان مختلف ہو۔ ''قاضی خان'' نے فرمایا: جب کوئی دیوار پر کھڑا ہو جو اس کے گھر اور مسجد کے درمیان ہو اور امام کا حال اس پر مشتبہ نہ ہو تو اقتدا صحیح ہوگی۔ اور اگر اپنے گھر کی چھت پر کھڑا ہو اور اس کا گھر مسجد سے متصل ہو تو اقتدا صحیح نہیں ہوگی اگرچہ اس پر امام کی حالت مشتبہ نہ بھی ہو۔ کیونکہ مسجد اور اس کے گھر کی چھت کے درمیان زیادہ تخلل ہے پس مکان مختلف ہو گیا۔ رہا مسجد کے ساتھ والے کمرہ میں جس میں مخل نہیں مگر دیوار اور مکان مختلف نہیں ہے اور مکان کے اتحاد کے وقت اقتدا صحیح ہے مگر جب اس پر امام کی حالت مشتبہ ہو۔

میں کہتا ہوں: ''الدرر'' کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ مکان کا اختلاف مطلقاً اقتدا سے مانع ہے اور جب مکان متحد ہو پھر اگر اشتباہ حاصل ہو تو اقتدا مانع ہے ورنہ مانع نہیں اور جو ''قاضی خان'' سے نقل کیا ہے وہ اس میں صریح ہے۔

4929۔ (قولہ: لَكِنْ تَعَقَّبَهُ فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ الخ) ''الشرنبلالیہ'' میں اس پر تعاقب کیا ہے جہاں انہوں نے ذکر فرمایا ہے کہ جو ''الخانیہ'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ اگر مسجد سے متصل گھر کی چھت پر کھڑا ہو تو صحیح نہیں ہے۔ یہ صحیح قول کے خلاف ہے۔ کیونکہ ''الظہیریہ'' میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اقتدا صحیح ہے۔ نیز ''البرہان'' میں ہے کہ اگر ان دونوں کے درمیان بڑی دیوار حائل ہو جس کی وجہ سے امام تک پہنچنا ممکن نہ ہو لیکن اس پر سماع یا انتقالات کو دیکھنے کی وجہ سے امام کی حالت مشتبہ نہ ہو تو صحیح قول میں اقتدا کی صحت کے مانع نہیں اور یہی ''شمس الائمہ الحلوانی'' کا مختار قول ہے۔

''الشرنبلالی'' کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ معتبر صرف اشتباہ اور عدم اشتباہ ہے نہ کہ مکان کا اختلاف معتبر ہے۔ اگر اشتباہ حاصل ہو تو اقتدا منع ہے خواہ مکان متحد ہو یا نہ ہو ورنہ اقتدا منع نہیں۔ العلامہ ''نوح افندی'' نے اس پر اس طرح اعتراض کیا ہے کہ حضرت ''النعمان'' کے مذہب سے مشہور یہ ہے کہ مکان کے اختلاف کے وقت اقتدا جائز نہیں۔ اور ''الظہیریہ'' کے مسئلہ

....

میں مکان مختلف ہے جیسا کہ ''قاضی خان'' نے اس کی تصریح کی ہے پس صحیح یہ ہے کہ اقتدا صحیح نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ خود ''الشرنبلالی'' نے ''الامداد'' میں اس طرح تصریح کی ہے کہ زمین پر کھڑے ہونے والے کی اقتدا سوار کے پیچھے صحیح نہیں اور اس کے برعکس بھی صحیح نہیں اور سوار کی سوار کے پیچھے صحیح نہیں جبکہ وہ دوسری سواری پر سوار ہو۔ کیونکہ مکان مختلف ہے مگر جب مقتدی امام کی سواری پر سوار ہو تو اقتدا صحیح ہے۔ اسی طرح فقہا نے یہ ذکر کیا ہے کہ جس کو نماز میں حدث لاحق ہو جائے پھر وہ خلیفہ بنائے پھر وہ وضو کرے تو اسے واپس آنا لازمی ہے تاکہ اپنے خلیفہ کے ساتھ نماز کو مکمل کرے اگر ان کے درمیان کوئی ایسی چیز پائی جائے جو اقتدا کے مانع ہو تاکہ مکان مختلف نہ ہو۔

رہا وہ چھت والا مسئلہ جس کی ''الظہیریہ'' میں تصحیح کی گئی ہے اس کا ظاہر یہ ہے کہ وہ اس بنا پر ہے کہ سطح (چھت) مسجد سے متصل ہو پس اس وقت اقتدا صحیح ہوگی۔ اور جو ''الخانیہ'' میں ہے وہ عدم اتصال پر مبنی ہے اس دلیل کی وجہ سے کہ ''خانیہ'' میں اقتدا کی منع کی علت کثرت تخلل اور اختلاف مکان بیان کی ہے یعنی اس لئے کہ گھر کا صحن چھت اور مسجد کے درمیان فاصل ہے۔ یہ اس کو مفید ہے کہ اگر یہ نہ ہوتا تو اقتدا صحیح ہوتی اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے جو ''البدائع'' میں ہے۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا: اگر مسجد سے متصل چھت پر ہو جن کے درمیان راستہ نہ ہو پھر وہ امام کی اقتدا کرے تو ہمارے نزدیک اس کی اقتدا صحیح ہے کیونکہ جب گھر کی چھت متصل ہوگی تو مسجد کی چھت کے تابع ہوگی اور مسجد کی سطح کا حکم مسجد کا حکم ہے۔ پس یہ مسجد کے جوف میں اس کی اقتدا کی طرح ہے جب اس پر امام کی حالت مشتبہ نہ ہو۔

تو نے ملاحظہ فرمایا کہ صحت کی کیسے اتصال کے ساتھ علت بیان کی ہے جیسے ''الخانیہ'' میں علت بیان کی ہے کہ اتصال کے نہ ہونے کی وجہ سے اقتدا نہ ہوگی۔ اور صاحب ''الہدایہ'' نے ''مختارات النوازل'' میں جزم کیا ہے اعتبار اشتباہ کا ہے۔ پھر اس کے بعد فرمایا: اگر وہ اپنے گھر کی چھت پر کھڑا ہوا اور امام کی اقتدا کی اگر ان کے درمیان کوئی حائل نہیں ہے اور راستہ بھی نہیں ہے تو اقتدا صحیح ہے۔

پس جو ''ظہیریہ'' میں ہے اس کو اس پر محمول کرنا متعین ہو گیا کہ جب حائل نہ ہو جیسا کہ ہم نے کہا ہے۔ پس مکان کے اتحاد کی وجہ سے اقتدا صحیح ہوگی۔ رہا وہ جو ''الشرنبلالی'' نے ''البرہان'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے تو اس میں اقتدا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ مکان مختلف ہے۔ کیونکہ دیوار کے تخلل کی وجہ سے مکان مختلف نہیں ہوتا جیسا کہ ہم نے ''قاضی خان'' کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔ اور ''التتارخانیہ'' میں ہے: اگر کوئی اپنے کمرہ کی چھت پر نماز پڑھے جو کمرہ مسجد سے متصل ہو تو شمس الائمہ ''الحلوانی'' نے ذکر کیا ہے: اقتدا جائز ہے۔ کیونکہ جب وہ کمرہ مسجد سے متصل ہے تو وہ زیادہ سخت حالت والا نہیں ہوگا اس سے جس کے گھر اور مسجد کے درمیان دیوار ہے۔ اور اگر کسی نے اس منزل کی مثل میں نماز پڑھی جبکہ وہ امام یا مکبر کی تکبیر سن رہا تھا تو جائز ہے۔ پس اس طرح چھت پر قیام کا حکم ہے۔

جو ثابت ہو چکا ہے اس سے واضح ہوا کہ مکان کا اختلاف اقتدا کی صحت کے لئے مانع ہے اگرچہ بغیر اشتباہ کے ہو اور

أَنَّ الصَّحِيحَ اعْتِبَارُ الِاشْتِبَاهِ فَقَطْ قُلْت وَفِي الْأَشْبَاهِ وَ زَوَاهِرِ الْجَوَاهِرِ وَمِفْتَاحِ السَّعَادَةِ أَنَّهُ الْأَصَحُّ وَفِي النَّهْرِ عَنْ الزَّادِ أَنَّهُ اخْتِيَارُ جَمَاعَةٍ مِنْ الْمُتَأَخِّرِينَ (وَصَحَّ اقْتِدَاءُ مُتَوَضِّئٍ) لَا مَاءَ مَعَهُ (بِمُتَيَمِّمٍ)

کہ صحیح صرف اشتباہ کا اعتبار ہے۔ میں کہتا ہوں ''الاشباہ''، ''زواہر الجواہر'' اور ''مفتاح السعادۃ'' میں ہے یہی قول اصح ہے اور ''النہر'' میں ''الزاد'' کے حوالہ سے ہے کہ یہی متاخرین کی جماعت کا اختیار ہے۔ اور وضو کرنے والے کی اقتدا...... جس کے ساتھ پانی نہیں...... تیمم کرنے والے کے پیچھے صحیح ہے

اشتباہ کے وقت اقتدا صحیح نہیں ہے اگرچہ مکان متحد ہو۔ پھر میں نے ''الرحمتی'' کو دیکھا انہوں نے اس کو ثابت کیا ہے۔ پس اس تحریر کو غنیمت سمجھو۔

4930۔ (قولہ: أَنَّ الصَّحِيحَ اعْتِبَارُ الِاشْتِبَاهِ فَقَطْ) یعنی مکان کے اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں اس بنا پر جو ''الشرنبلالی'' نے سمجھا ہے حالانکہ یہ مراد نہیں۔ کیونکہ تو جان چکا ہے کہ مکان کا اختلاف مانع ہے۔ اور مراد تطبیق دینا ہے حضرت ''الحسن'' کی ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کو کہ دیوار اقتدا کے مانع ہے اور ''الاصل'' کی روایت کو کہ مانع نہیں ہے۔ بعض علما نے فرمایا: اس کے پہنچنے اور نہ پہنچنے کے اعتبار سے ہے۔ ''شمس الائمۃ'' نے اشتباہ اور عدم اشتباہ کا اعتبار اختیار کیا ہے۔ اور یہ وہ ہے جس کو متاخرین کی جماعت نے اختیار کیا ہے اور ہم نے بھی ''مختارات النوازل'' اور ''البدائع'' کے حوالہ سے (سابقہ مقولہ میں) پیش کیا ہے۔ اور ''الخانیہ'' میں ہے: اقتدا متابعت ہے اور اشتباہ کے ہوتے ہوئے متابعت ممکن نہیں اور وہ چیز جو اس اختیار کی تصحیح کرتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کے حجرہ میں نماز پڑھتے تھے (1) اور لوگ آپ کی نماز کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور ہم جانتے ہیں کہ صحابہ کرام حجرہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے پر قادر نہیں تھے۔

4931۔ (قولہ: وَمِفْتَاحِ السَّعَادَةِ) اور بعض نسخوں میں یہ زیادتی ہے ''ومجمع الفتاویٰ''، ''والنصاب'' و ''الخانیہ''۔

وہ لوگ جن کی اقتدا صحیح ہے

4932۔ (قولہ: وَصَحَّ اقْتِدَاءُ مُتَوَضِّئٍ بِمُتَيَمِّمٍ) یعنی شیخین کے نزدیک اس بنا پر کہ خلفیت ان کے نزدیک دونوں طہارت کے ذرائع یعنی پانی اور مٹی کے درمیان ہے اور دونوں طہارتیں برابر ہیں۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: نماز جنازہ کے علاوہ میں صحیح نہیں ہے اس بنا پر کہ ان کے نزدیک خلیفت دونوں طہارتوں کے درمیان ہے۔ پس قوی کی ضعیف پر بنا لازم آئے گی۔ اس کی مکمل بحث ''الاصول'' میں ہے۔ ''بحر''۔

4933۔ (قولہ: لَا مَاءَ مَعَهُ) یعنی مقتدی کے پاس پانی نہ ہو اگر اس کے ساتھ پانی ہوگا تو اس کی اقتدا صحیح نہ ہوگی یہ قید فرع پر مبنی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب وضو کرنے والا تیمم کرنے والے کی اقتدا میں نماز میں پانی دیکھے گا جس کو امام نے نہیں دیکھا تو مقتدی کی نماز فاسد ہوگی۔ کیونکہ پانی کے پائے جانے کی وجہ سے وہ امام کی نماز کے فساد کا اعتقاد رکھتا ہوگا۔ اور امام

1۔ صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب اذا کان بین الامام والقوم حائط، جلد 1، صفحہ 352، حدیث نمبر 687

وَلَوْ مَعَ مُتَوَضِّئٍ بِسُؤْرِ حِمَارٍ مُجْتَبَى (وَغَاسِلٍ بِمَاسِحٍ) وَلَوْ عَلَى جَبِيرَةٍ (وَقَائِمٍ بِقَاعِدٍ) يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ:

اگر چہ وہ گدھے کے جھوٹے کے ساتھ وضو کرنے والا ہو۔ ''مجتبیٰ''۔ اور دھونے والے کی اقتدا مسح کرنے والے کے پیچھے صحیح ہے اگر چہ پٹی پر کرنے والا ہو اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کی بیٹھنے والے کے پیچھے صحیح ہے جو رکوع و سجود کر رہا ہو۔

زفر کے نزدیک مقتدی کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ فساد کو اس پر محمول کرنا چاہئے کہ جب اسے امام کے متعلق گمان ہو کہ اسے پانی کی موجودگی کا علم ہے۔ کیونکہ امام کی نماز کے فساد کا اعتقاد اس پر ہوگا۔ اسی طرح ''الفتح'' میں ہے۔ اور ''الحلبہ'' اور ''البحر'' میں اس کو ثابت کیا ہے۔ اور ''النہر'' میں اس کی مخالفت کی ہے۔ الشیخ ''اسماعیل'' نے اس کی متابعت کی ہے کہ ''الزیلعی'' نے نماز کے بطلان کی علت یہ بیان کی ہے کہ اس کا امام، پانی پر اس کے خبر دینے کے ساتھ قادر ہے۔ پس امام کی نماز کے فساد کا اعتقاد اس مذکورہ قدرت پر مبنی ہے۔ اور مناسب ہے جیسا کہ ''الحلبہ'' میں کہا ہے مسئلہ کو اس کے ساتھ مقید کرنا کہ جب امام کا تیمم پانی نہ ہونے کی وجہ سے ہو۔ رہا یہ کہ اس کا تیمم مرض وغیرہ کی وجہ سے پانی کے استعمال سے عاجز ہو تو مطلقاً اقتدا صحیح ہے۔ کیونکہ پانی کا وجود اس وقت اس کے تیمم کو باطل نہیں کرے گا۔

نوٹ: ''النہر'' میں ''المحیط'' کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ یہاں فساد سے مراد وصف کا فساد ہے حتیٰ کہ اگر مقتدی نے قہقہہ لگایا تو شیخین کے نزدیک مقتدی کا وضو ٹوٹ جائے گا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ مختلف ہے۔ فرمایا: جو ''الزیلعی'' نے اختیار کیا اس کی بنا پر اصل کو بھی باطل ہونا چاہئے۔ کیونکہ فساد شرط کے مفقود ہونے کی وجہ سے ہے اور وہ شرط طہارت ہے۔ اس پر (مقولہ 4907 میں) کلام گزر چکی ہے۔

4934۔ (قولہ: وَلَوْ مَعَ مُتَوَضِّئٍ بِسُؤْرِ حِمَارٍ) یعنی اگر چہ تیمم کرنے والا تیمم اور ایسے جھوٹے پانی کے ساتھ وضو کو جمع کرنے والا ہو جس کی طہارت میں شک ہوتا ہے۔ اور یہاں مبالغہ کی کوئی وجہ نہیں۔ اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر اس نے پہلے وضو کے ساتھ نماز ادا کی تو دوبارہ صرف تیمم کے ساتھ نماز ادا کرتے وقت اس کی اقتدا صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کے ساتھ فرض کی ادائیگی کا تحقق نہیں ہے۔ ''طحطاوی''۔

4935۔ (قولہ: وَلَوْ عَلَى جَبِيرَةٍ) بہتر قول وہ ہے جو ''الخزائن'' میں ہے: على خف او جبيرة۔ کیونکہ یہاں بھی مبالغہ کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ پٹی پر مسح بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ کیونکہ مسح ماتحت کے لئے غسل کی طرح ہے۔ اس بنا پر کہ ''النہر'' میں ماسح کے شمول کو مستبعد سمجھا ہے اور اس کو مفہوم کے اعتبار سے اولیٰ بنایا ہے یعنی یہ دلالۃً داخل ہے منطوقاً داخل نہیں۔

4936۔ (قولہ: وَقَائِمٍ بِقَاعِدٍ) یعنی کھڑا ہونے والا رکوع و سجود کرنے والا یا اشارہ کرنے والا بیٹھنے والے کو رکوع و سجود کرنے کے ساتھ مقید کیا ہے۔ کیونکہ اگر وہ اشارہ سے نماز پڑھنے والا ہو تو بالاتفاق اس کی اقتدا جائز نہیں۔ اور اختلاف نفل کے علاوہ میں ہے اور نوافل میں بالاتفاق جائز ہے اگر چہ اصح قول میں تراویح میں ہو جیسا کہ ''البحر'' میں ہے۔

(لِأَنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى آخِرَ صَلَاتِهِ قَاعِدًا وَهُمْ قِيَامٌ وَأَبُو بَكْرٍ يُبَلِّغُهُمْ تَكْبِيرَهُ(1)) وَبِهِ عُلِمَ جَوَازُ رَفْعِ الْمُؤَذِّنِينَ أَصْوَاتَهُمْ فِي جُمُعَةٍ وَغَيْرِهَا يَعْنِي أَصْلَ الرَّفْعِ، أَمَّا مَا تَعَارَفُوهُ فِي زَمَانِنَا فَلَا يَبْعُدُ أَنَّهُ مُفْسِدٌ، إذْ الصِّيَاحُ مُلْحَقٌ بِالْكَلَامِ فَتْحٌ

کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری نماز بیٹھ کر پڑھائی جبکہ صحابہ کرام کھڑے ہوئے تھے اور ابوبکر لوگوں کو تکبیر پہنچا رہے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ وغیرہ میں مؤذنوں کا اپنی آوازوں کا بلند کرنا جائز ہے یعنی آواز بلند کرنے کی اصل ہے۔ رہا وہ معاملہ جو ہمارے زمانہ میں متعارف ہے بعید نہیں کہ وہ مفسد ہے۔ کیونکہ چیخنا کلام کے ساتھ ملحق ہے۔ ''فتح''۔

4937۔ (قولہ: لِأَنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى) اس پر کلام ''الفتح'' اور ''حاشیہ نوح'' وغیرہما میں تفصیل سے ہے اور ہمارے لئے غرض احکام کی معرفت ہے۔

حاجت کے وقت مبلغ کا اپنی آواز بلند کرنے کا جواز

4938۔ (قولہ: الصِّيَاحُ مُلْحَقٌ بِالْكَلَامِ) ''الفتح'' میں اس کے بعد فرمایا: آگے آئے گا کہ جب کسی مصیبت کی وجہ سے رونا بلند کرے تو نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ یہ مصیبت کے اظہار کے لئے تعرض ہے۔ اور اگر صراحۃً مصیبت کا اظہار کرے کہے وامصیبتاہ تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور یہ آواز بلند کرنا اس کے قائم مقام ہے۔ یہاں معلوم ہوا کہ اس کا قصد اس سے لوگوں کو تعجب میں ڈالنا ہے۔ اور اگر اس نے کہا: میری خوبصورت آواز اور اس میں میرے خوبصورت انداز سے تعجب کرو تو وہ نماز کو فاسد کر دے گا اور حروف کا حصول تلحین (غلطی) لازم ہے۔ ''ملخصاً''

''النہر'' میں اس کو ثابت رکھا ہے۔ اور ''الحلبہ'' میں اس کو پسند کیا ہے۔ اور فرمایا: جو وضاحت کی ہے اور فائدہ ظاہر کیا ہے وہ بہت عمدہ ہے۔ اور میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس کا تعاقب کیا ہو۔ سوائے ''السید احمد الحموی'' کے انہوں نے اپنے رسالہ ''القول البلیغ فی حکم التبلیغ'' میں فرمایا کہ ''السراج'' میں تصریح کی ہے کہ امام جب حاجت سے زیادہ آواز بلند کرے تو اس نے اچھا نہیں کیا۔

قیاس چار سو ہجری کے بعد ختم ہو گیا ہے۔ پس کسی کے لئے قیاس کرنا جائز نہیں۔ اور اساءۃ کراہت سے کم درجہ ہے۔ اور یہ فساد کا موجب نہیں ہوتی۔ اور اس کو رونے پر قیاس کرنا غیر ظاہر ہے۔ کیونکہ یہ اپنے صیغہ کے ساتھ ذکر ہے اور یہ دل کے ارادہ کے ساتھ تبدیل نہیں ہوتا۔ اور نماز کے لئے مفسد ملفوظ ہے نہ کہ دل کا ارادہ ہے اس بنا پر کہ قیاس چار سو ہجری کے بعد ختم ہو چکا ہے۔ پس اس کے بعد کسی کو ایک مسئلہ کو دوسرے مسئلہ پر قیاس کرنا جائز نہیں جیسا کہ ''ابن نجیم'' نے اپنے رسائل میں ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس میں نظر ہے۔ کیونکہ ''الکمال'' نے فساد کی بنیاد صرف آواز بلند کرنے کو نہیں بنایا تا کہ اس پر وہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب استخلاف الامام اذا عرض کہ عذر، جلد 1، صفحہ 470، حدیث نمبر 683

(وَقَائِمٍ بِأَحْدَبَ) وَإِنْ بَلَغَ حَدَبُهُ الرُّكُوعَ عَلَى الْمُعْتَمَدِ،

اور کھڑے ہونے والے کی کبڑے کے پیچھے اقتدا صحیح ہے اگر چہ اس کا کبڑا پن معتمد قول پر رکوع تک پہنچا ہوا ہو

اعتراض وارد ہو جو''السراج'' میں ہے بلکہ فساد کی بنیاد انہوں نے اس بلند آواز پر رکھی ہے جو چیخنے کے ساتھ ملحق ہے۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا وہ لوگ ضرورت سے زیادہ چیخنے میں مبالغہ کرتے ہیں نغموں کی خوبصورتی میں مشغول ہوتے ہیں موسیقی کی صنعت کے اظہار کے لئے نہ کہ عبادت کو قائم کرنے کے لئے ایسا کرتے ہیں اور چیخنا کلام کے ساتھ ملحق ہے۔ اور''قیاسه الخ'' کا قول ساقط کلام ہے۔ کیونکہ جو انہوں نے ذکر کیا ہے وہ امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جس پر انہوں نے عدم فساد کی بنیاد رکھی ہے اس مسئلہ میں کہ اگر نمازی اپنے امام کے علاوہ کسی کو لقمہ دے یا مؤذن کا جواب دے یا اسے کوئی خوشخبری سنائی گئی تو اس نے جواباً اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہا یا کوئی متعجب بات سنی تو جواب کے قصد پر سبحان اللہ کہا وغیرہ جو مفسدات صلاۃ میں آئے گا۔ ان تمام مسائل میں مذہب نماز کا فساد ہے۔ اور یہی طرفین کا قول ہے۔ کیونکہ یہ پہلی صورت میں تعلیم و تعلم ہے اور باقی مسائل میں کلام جواب کے طور پر ذکر کی گئی ہے اور اس کا احتمال ہے۔ کیونکہ امام''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لوگوں کے کلام سے ہونے کا دارومدار ایسے لفظ کا ہونا ہے جس سے معنی کا فائدہ اٹھایا گیا ہو جو نماز کے اعمال سے نہ ہو نہ اس کا اس افادہ کے لئے وضع کیا گیا ہونا ہے اور عزیمت کے ساتھ اس کا متغیر نہ ہونا ممنوع ہے۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ جنبی جب ثنا کے قصد سے پڑھے تو جائز ہے۔ اور امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کی اصل مذکور پر کئی اشیاء کو بطور اعتراض وارد کیا گیا ہے جیسے اگر کہا یایحیی خذ الکتاب، ایسے شخص کو کہا جس کا نام یحییٰ ہے اور اس کے علاوہ مسائل جن کا بیان ان کے محل پر (مقولہ 5251 میں) آئے گا۔ اور امام''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فساد کا دارومدار لفظ کا ہونا ہے جس سے ایسا معنی مفید ہو جو نماز کے اعمال سے نہ ہو۔ یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے جس کے تحت افراد جزئیہ داخل ہیں۔ ان میں سے ہمارا یہ مسئلہ بھی ہے۔ کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ جب اس نے ذکر کا قصد نہیں کیا بلکہ اس نے اس سے اعجاب اور موسیقی کی خوبصورتی کے لئے آواز کو بلند کرنے میں مبالغہ کیا تو اس سے ایسے معنی کا فائدہ ہوا جو نماز کے اعمال میں سے نہیں ہے یہ قیاس کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ اس کی تصریح ہے جس کو مجتہد کا کلام اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے یا اس پر مساوات کی دلالت کے طور پر اس پر دلیل ہے۔ پس حق وہی ہے جو محقق''ابن الہمام'' اور ان کے متبعین ائمہ نے کہا ہے جیسا کہ میں نے اپنے رسالہ میں پہلے تفصیلی کلام کی ہے جس کا نام میں نے''تنبیه ذوی الافهام علی حکم التبلیغ خلف الامام'' رکھا۔ فافہم۔ ہم نے تبلیغ کے متعلقہ مسائل سنن الصلاۃ کی بحث کے آغاز میں (مقولہ 4044 میں) بیان کئے ہیں ادھر رجوع کریں۔

4939۔ (قولہ: وَقَائِمٍ بِأَحْدَبَ) یہاں قائم رکوع و سجود کرنے والے اور اشارہ کرنے والے پر بھی صادق آتا ہے۔ ''حلبی''۔ اور''حلبی'' میں''قاموس'' کے حوالہ سے ہے: الحدب کا معنی ہے پیٹھ کا باہر نکلنا اور سینہ اور پیٹ کا اندر داخل ہونا۔ یہ باب فرح سے ہے۔

4940۔ (قولہ: عَلَى الْمُعْتَمَدِ) یہ امام''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اور عامۃ العلماء نے

وَكَذَا بِأَعْرَجَ وَغَيْرُهُ أَوْلَى (وَمُومٍ بِمِثْلِهِ) إلَّا أَنْ يُومِئَ الْإِمَامُ مُضْطَجِعًا وَالْمُؤْتَمُّ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا هُوَ الْمُخْتَارُ (وَمُتَنَفِّلٍ بِمُفْتَرِضٍ فِي غَيْرِ التَّرَاوِيحِ) فِي الصَّحِيحِ خَانِيَّةٌ،

اسی طرح لنگڑے کے پیچھے اقتدا صحیح ہے اور اس کے علاوہ امام بہتر ہے اور اشارہ کرنے والی کی اپنے جیسے کے پیچھے اقتدا صحیح ہے مگر یہ کہ امام لیٹ کر اشارہ کرنے والا ہو اور مقتدی بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر اشارہ کرنے والا ہو تو اقتدا صحیح نہ ہوگی۔ یہی مختار قول ہے اور فرض پڑھنے والے کے پیچھے نفل پڑھنے والے کی اقتدا صحیح ہے تراویح کے علاوہ میں صحیح قول پر خانیہ۔

اس قول کو لیا ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول اس سے مختلف ہے۔ ''الظہیریہ'' میں امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تصحیح کی ہے اور اس کا ضعف مخفی نہیں۔ کیونکہ وہ بیٹھنے والے سے ادنیٰ حالت میں نہیں ہے۔ اس کی مکمل بحث ''البحر'' میں ہے۔

4941۔(قولہ: وَغَيْرُهُ أَوْلَى) یہ مبتدا خبر ہیں یعنی لنگڑے کے علاوہ امام بہتر ہے جیسا کہ ''البحر'' میں ہے۔ اور مخفی نہیں کہ یہ حکم لنگڑے کے ساتھ خاص نہیں بلکہ تیمم کرنے والے، بیٹھنے والے اور کبڑے امام سے دوسرا امام بہتر ہے۔ ''حلبی''۔

4942۔(قولہ: وَمُومٍ بِمِثْلِهِ) خواہ امام کھڑے ہو کر اشارہ کر رہا ہو یا بیٹھ کر اشارہ کر رہا ہو۔ ''بحر''۔

4943۔(قولہ: إِلَّا أَنْ يُومِئَ الخ) یہ جائز نہیں کیونکہ مقتدی کی حالت قوی ہے۔ ''بحر''۔

4944۔(قولہ: وَمُتَنَفِّلٍ بِمُفْتَرِضٍ) یہ نہیں کہا جائے گا کہ نفل فرض کے مغایر ہوتا ہے کیونکہ نفل مطلق ہے اور فرض مقید ہے اور مطلق مقید کا جز ہوتا ہے۔ پس نفل فرض کا متغایر نہیں ''شرح المنیہ''۔ آخری دو رکعتوں میں قراءت اگرچہ نفل میں فرض ہے اور فرض میں نفل ہے مگر اقتدا کی وجہ سے اس کی نماز نے امام کی نماز کی تبع کی وجہ سے فرض کا حکم پالیا۔ اسی وجہ سے اگر اس نے اقتدا کے بعد نماز کو توڑ دیا تو چار قضا کرے گا جیسا کہ ہم ''النہایہ'' کے حوالہ سے (مقولہ 4890 میں) بیان کیا ہے۔

''القہستانی'' نے کہا: ''و متنفلٍ بمفترض'' کے قول میں اس بات کی طرف اشارہ ہے نفل کی جماعت مکروہ نہیں جب امام فرض اور مقتدی نفل ادا کر رہا ہو۔ مگر وہ اس وقت ہے جب امام اور مقتدی تمام نوافل ادا کر رہے ہوں۔

میں کہتا ہوں: اس کی دلیل حضرت معاذ کی حدیث میں گزر چکی ہے۔

4945۔(قولہ: فِي غَيْرِ التَّرَاوِيحِ) رہا تراویح میں تو فرض پڑھنے والے کے پیچھے اقتدا صحیح نہیں ہے اس بنا پر کہ یہ تراویح ہیں بلکہ اس بنا پر صحیح ہے کہ یہ نفل مطلق ہیں۔ ''حلبی''۔

4946۔(قولہ: فِي الصَّحِيحِ خَانِيَّةٌ) میں کہتا ہوں: ''الخانیہ'' میں یہ باب صلاۃ التراویح میں ذکر کیا ہے۔ اور فرمایا: اگر تراویح کی نیت کی یا وقت کی سنت کی نیت کی یا رمضان میں رات کے قیام کی نیت کی تو جائز ہے۔ اور اگر نماز کی نیت کی یا نفل نماز کی نیت کی تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے جس طرح فرضوں کی سنتوں کے بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ بعض فقہا نے فرمایا: اس کے ساتھ سنن کی ادائیگی جائز ہے۔ اور بعض نے کہا: جائز نہیں۔ اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ یہ مخصوص نماز ہے۔ پس ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کے لئے صفت کی رعایت کرنا واجب ہے۔ وہ سنت کی یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی نیت کرے جیسا کہ فرض کی سنتوں میں ہوتا ہے۔ اس بنا پر جب تراویح پڑھتے ہوئے فرض پڑھنے

وَكَأَنَّهُ لِأَنَّهَا سُنَّةٌ عَلَى هَيْئَةٍ مَخْصُوصَةٍ، فَيُرَاعَى وَضْعُهَا الْخَاصُّ لِلْخُرُوجِ عَنْ الْعُهْدَةِ فُرُوعٌ صَحَّ اقْتِدَاءُ مُتَنَفِّلٍ بِمُتَنَفِّلٍ، وَمَنْ يَرَى الْوِتْرَ وَاجِبًا

گویا یہ ایک مخصوص طریقہ پر سنت ہے۔ پس ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کے لئے اس کی خاص وضع کی رعایت رکھی جائے گی۔ نفل پڑھنے والے کی اقتدا نفل پڑھنے والے کے پیچھے صحیح ہے اور جو وتر کو واجب خیال کرتا ہے اس کی اس کے پیچھے اقتدا صحیح ہے

والے کی اقتدا کرے گا یا ایسے شخص کی اقتدا کرے گا جو تراویح کے علاوہ کوئی نفل پڑھ رہا ہو تو اس میں فقہا کا اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ جائز نہیں۔ اس کی مثل ''الخلاصہ'' اور ''الظہیریہ'' میں ہے۔

''البحر'' میں مقتدیا بمن یصلی المکتوبۃ کے قول پر اشکال وارد کیا ہے کہ یہ قوی پر ضعیف کی بنا ہے یعنی اس کا مقتضا جواز ہے۔ اور ''الشرنبلالیہ'' میں اس کا جواب دیا ہے کہ یہ ''خانیہ'' کی عبارت میں نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: گویا کاتب کے ساقط کرنے کی وجہ سے اس کے نسخہ میں نہیں ہے ورنہ میں نے ''خانیہ'' میں یہ عبارت دیکھی ہے۔ اور یہ جواب دیا ہے کہ جواز کی نفی سے مراد کمال کی نفی ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا بعد مخفی نہیں بلکہ اس کا جواب یہ ہے انہوں نے عدم جواز کی تصحیح کی بنا پر تراویح اور سنن مؤکدہ میں نیت کی تعیین کی شرط کے قول پر رکھی ہے جیسا کہ اس کا صریح قول ہے فعلی ھذا الخ۔ اور مخفی نہیں کہ امام جب فرض پڑھ رہا ہو یا دوسرے نفل پڑھ رہا ہو تو اس سے تراویح کی نیت نہیں پائی گئی۔ پس وہ اس کی نیت کے ساتھ ادا نہ ہوں گی اگر چہ مقتدی نے ان کو متعین کیا بھی ہے جیسا کہ العلامہ ''قاسم'' نے اپنے ''فتاویٰ'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ اس بنا پر سنن موکدہ میں ان کے ساتھ فرض پڑھنے والے یا دوسرے نفل پڑھنے والے کے پیچھے اقتدا صحیح نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ تراویح کی تخصیص غیر محل ہے اور ''الخانیہ'' میں تراویح کو اس لئے خاص کیا ہے کیونکہ تراویح کیلئے باب باندھا گیا تھا۔ تامل۔

پھر تم جان لو کہ جو یہاں المصنف نے ذکر کیا ہے وہ اس کے مخالف ہے جو شروط صلاۃ میں انہوں نے اس قول کے ساتھ پیش کیا ہے۔ و کفی مطلق نیۃ الصلوٰۃ لنفلٍ و سنۃٍ و تراویح اور شارح نے وہاں ذکر کیا ہے کہ یہی معتمد ہے اور ہم نے ''البحر'' کے حوالہ سے (مقولہ 4953 میں) نقل کیا ہے کہ یہ ''ظاہر الروایہ'' ہے اور عام مشائخ کا قول ہے۔ ''الہدایہ'' وغیرھا نے اس کی تصحیح کی ہے اور ''الفتح'' میں اس کو ترجیح دی ہے اور اس قول کو محققین کی طرف منسوب کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس بنا پر تراویح وغیرھا میں فرض پڑھنے والے کے پیچھے اقتدا صحیح ہے اور اس کی مثل سنن موکدہ ہیں جیسا کہ ''الخانیہ'' کی عبارت اس کو مفید ہے۔ ''تامل''

4947۔ (قولہ: وَكَأَنَّهُ لِأَنَّهَا سُنَّةٌ الخ) اس میں ''المنح'' میں مصنف کی متابعت کی ہے اور یہ تعلیل ''الخانیہ'' کے کلام میں (مقولہ 4946 میں) گزر چکی ہے کہ یہ تراویح اور اس کے علاوہ سنن میں تعیین کا ارادہ کیا۔ کیونکہ ان کا قول ہے: سنت کی نیت کرے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی نیت کرے۔ ''فافہم''

بِمَنْ يَرَاهُ سُنَّةً وَمَنْ اقْتَدَى فِي الْعَصْرِ وَهُوَ مُقِيمٌ بَعْدَ الْغُرُوبِ بِمَنْ أَحْرَمَ قَبْلَهُ لِلِاتِّحَادِ (وَإِذَا ظَهَرَ حَدَثُ إِمَامِهِ) وَكَذَا كُلُّ مُفْسِدٍ فِي رَأْيِ مُقْتَدٍ

جو وتر کو سنت خیال کرتا ہے اور جس نے عصر میں غروب آفتاب کے بعد اقتدا کی دراں حالیکہ وہ مقیم تھا ایسے شخص کے پیچھے جس نے غروب آفتاب سے پہلے تکبیر تحریمہ کہہ لی تھی۔ کیونکہ تینوں مسئلوں میں نماز متحد ہے۔ جب امام کا حدث ظاہر ہو جائے اور اسی طرح مقتدی کی رائے میں ہر مفسد ظاہر ہو جائے

4948۔ (قولہ: بِمَنْ يَرَاهُ سُنَّةً) بشرطیکہ وہ ایک سلام کے ساتھ وتر پڑھائے۔ کیونکہ صحیح مقتدی کی رائے کا اعتبار ہے۔ اور اس کے مقابلہ پر یہ قول ہے کہ مطلقاً صحیح ہے۔ اور تیسرا قول باقی ہے اور وہ یہ ہے کہ مطلقاً صحیح نہیں ہے۔ اس کی مکمل بحث ''حلبی'' میں ہے۔

4949۔ (قولہ: وَهُوَ مُقِيمٌ) یہ شرط اس لئے لگائی کیونکہ اگر مسافر ہوگا تو وقت کے نکلنے کے بعد اس کی اقتداء چار رکعتوں والی نماز میں مقیم کے پیچھے صحیح نہیں ہوگی۔ اور بعد الغروب کا قول اقتدیٰ کی ظرف ہے اور بمن کا قول اقتدیٰ کے متعلق ہے اور احرم قبلہ کا قول یعنی غروب سے پہلے خواہ وہ مقیم تھا یا مسافر تھا۔ ''حلبی''۔

اس مسئلہ کی نظیر یہ ہے کہ جس نے ظہر کی نماز میں ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کا اعتقاد رکھتے ہوئے اقتدا کی ایسے شخص کے پیچھے جو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا اعتقاد رکھتے ہوئے نماز پڑھا رہا ہے۔ اداء وقضاء میں تخالف مضر نہیں۔

4950۔ (قولہ: لِلِاتِّحَادِ) یعنی تین صورتوں میں مقتدی کی نماز کا امام کی نماز سے متحد ہونے کی وجہ سے۔ پہلی صورت تو ظاہر ہے۔ رہی دوسری صورت اس لئے درست ہے کیونکہ ہر ایک حقیقت میں وتر ادا کرنے والا ہے اور ایک کا سنت ہونے کا اعتقاد اور دوسرے کا واجب ہونے کا اعتقاد امر عارض ہے جو دونوں نمازوں کے اختلاف کا موجب نہیں۔ رہی تیسری صورت تو وہ اس لئے درست ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک آج کی عصر ادا کر رہا ہے۔ ہاں امام کی نماز ادا ہے کیونکہ اس نے غروب سے پہلے تکبیر تحریمہ کہی تھی اور مقتدی کی نماز قضا ہے کیونکہ اس نے غروب آفتاب کے بعد تکبیر تحریمہ کہی۔ اور اتنی مقدار میں اختلاف اقتدا کے لئے مانع نہیں۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ قضا کی نیت کے ساتھ ادا صحیح ہے اور اس کے برعکس بھی صحیح ہے۔ ''حلبی''۔

4951۔ (قولہ: وَإِذَا ظَهَرَ حَدَثُ إِمَامِهِ) یعنی جب گواہوں کی شہادت کے ساتھ ظاہر ہو کہ وہ بے وضو تھا اور اس نے وضو کرنے سے پہلے نماز پڑھی ہے یا اس کے خود خبر دینے سے اس کا بے وضو ہونا ظاہر ہوا اور وہ عادل تھا تو نماز کا اعادہ لازم ہے ورنہ مستحب ہے جیسا ''النہر'' میں ''السراج'' کے حوالہ سے ہے۔

4952۔ (قولہ: وَكَذَا كُلُّ مُفْسِدٍ فِي رَأْيِ مُقْتَدٍ) یہ اس کی طرف اشارہ ہے کہ حدث قید نہیں ہے اگر مصنف اس طرح کہتا جس طرح ''النہر'' میں ہے۔ اگر ظاہر ہوا کہ امام کے ساتھ ایسی چیز لاحق ہے جو نماز کی صحت کے مانع ہے تو بہتر ہوتا تاکہ اس صورت کو بھی شامل ہوتا جو شرط یا رکن کی وجہ سے مخل ہوتی ہے۔ اور یہ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اعتبار مقتدی کی

(بَطَلَتْ فَيَلْزَمُ إِعَادَتُهَا) لِتَضَمُّنِهَا صَلَاةَ الْمُؤْتَمِّ صِحَّةً وَفَسَادًا (كَمَا يَلْزَمُ الْإِمَامَ إِخْبَارُ الْقَوْمِ إِذَا أَمَّهُمْ وَهُوَ مُحْدِثٌ أَوْ جُنُبٌ) أَوْ فَاقِدُ شَرْطٍ أَوْ رُكْنٍ

تو اس کی نماز باطل ہے اور اس کا اعادہ لازم ہے۔ کیونکہ امام کی نماز مقتدی کی نماز کو صحت وفساد کے اعتبار سے اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے جس طرح کہ امام پر لازم ہے کہ وہ قوم کو بتائے جب وہ ان کی امامت کرا چکا ہو جبکہ وہ بے وضو تھا یا جنبی تھا یا شرط یا رکن کو نہ پانے والا تھا۔

رائے کا ہے۔ حتیٰ کہ اگر مقتدی کو امام کی طرف سے ایسی چیز معلوم ہو جو اس کے اعتقاد میں مانع نماز ہے جبکہ امام کا نظریہ اس سے مختلف ہے تو مقتدی نماز کا اعادہ کرے گا۔ اور اس کے الٹ صورت ہو تو اعادہ نہیں کرے گا جب امام اس کو نہ جانتا ہو۔ اور اگر کسی نے دوسرے کی اقتدا کی جب کہ وہاں خون کا قطرہ تھا ان میں سے ہر ایک یہ کہتا ہے کہ یہ اس کے ساتھی سے ہے تو مقتدی نماز کا اعادہ کرے۔ کیونکہ مقتدی کی نماز ہر حال میں فاسد ہے جیسا کہ ''البزازیہ'' کے حوالہ سے ''النہر'' میں ہے۔

4953۔ (قولہ: بَطَلَتْ) یعنی ظاہر ہوا کہ نماز منعقد ہی نہیں ہوئی اگر حدث امام کی تکبیر سے پہلے تھا یا مقتدی کی تکبیر سے متصل تھا یا امام کی تکبیر کے بعد مقتدی کی تکبیر سے پہلے تھا۔ رہا یہ کہ جب حدث کا لاحق ہونا مقتدی کی تکبیر سے متاخر تھا تو اولاً نماز منعقد ہوئی پھر حدث کے وجود کے وقت باطل ہوئی۔

4954۔ (قولہ: فَيَلْزَمُ إِعَادَتُهَا) اعادہ سے مراد فرض کو لانا ہے بطلت کے قول کے قرینہ کی وجہ سے۔ اعادہ سے مراد اصطلاحی اعادہ نہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ فساد کے علاوہ کسی خلل کی وجہ سے جس کو پہلے ادا کیا گیا ہے اس کی مثل کو لانا۔

4955۔ (قولہ: لِتَضَمُّنِهَا) یعنی امام کی نماز کے ضامن ہونے کی وجہ سے۔ بہتر اس کی تصریح تھا۔ اس کے ساتھ حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے: الامام ضامن (امام ضامن ہے(1)) کیونکہ اس سے مراد کفالت نہیں ہے بلکہ تضمن مراد ہے بایں معنیٰ کہ امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن ہے۔ اسی وجہ سے ان دونوں کی عدم مغایرت کو شرط قرار دیا گیا ہے۔ پس جب امام کی نماز صحیح ہوگی تو مقتدی کی نماز بھی صحیح ہوگی مگر کسی دوسرے مانع کی وجہ سے۔ اور جب امام کی نماز فاسد ہوگی تو مقتدی کی نماز بھی فاسد ہوگی۔ کیونکہ جب کوئی چیز فاسد ہوتی ہے تو جو اس کے ضمن میں ہوتی ہے وہ بھی فاسد ہو جاتی ہے۔

وہ مقامات جن میں امام کی نماز فاسد ہوتی ہے مقتدی کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔

4956۔ (قولہ: وَهُوَ مُحْدِثٌ) یعنی اس کے اعتقاد میں وہ بے وضو ہے۔ رہا یہ کہ اگر اس کا حدث وغیرہ مقتدیوں کے اعتقاد پر ہو تو اسے خبر دینا لازم نہیں۔ ہاں ''التتارخانیہ'' میں ''الحجہ'' کے حوالہ سے ہے کہ امام کو عورتوں کو چھونے اور اختلاف کی جگہ سے حتیٰ الوسع اجتناب کرنا چاہئے۔

4957۔ (قولہ: أَوْ فَاقِدُ شَرْطٍ) یہ خاص پر عام کا عطف ہے۔ ''الامداد'' میں فرمایا: ہم نے بطلان کے ظہور کو شرط یا

1۔ سنن ترمذی، کتاب الصلوٰۃ، باب ان الامام ضامن والموذن موتمن، جلد 1، صفحہ 161، حدیث نمبر 191

سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، ما یجب علی الموذن من تعاهد الوقت، جلد 1، صفحہ 470، حدیث نمبر 683

وَهَلْ عَلَيْهِمْ إِعَادَتُهَا إِنْ عَدْلًا، نَعَمْ وَإِلَّا نُدِبَتْ، وَقِيلَ لَا لِفِسْقِهِ بِاعْتِرَافِهِ: وَلَوْ زَعَمَ أَنَّهُ كَافِرٌ لَمْ يُقْبَلْ مِنْهُ لِأَنَّ الصَّلَاةَ دَلِيلُ الْإِسْلَامِ وَأُجْبِرَ عَلَيْهِ

اور کیا مقتدیوں پر اس نماز کا اعادہ واجب ہے۔ اگر امام عادل تھا تو ہاں اعادہ واجب ہے ورنہ اعادہ مستحب ہے۔ بعض فقہاء نے فرمایا: اعادہ واجب نہیں۔ کیونکہ اپنے اعتراف کی وجہ سے وہ فاسق ہو گیا۔ اور اگر وہ کہے کہ وہ کافر تھا تو اس کا یہ قول قبول نہ ہوگا۔ کیونکہ نماز اسلام کی دلیل ہے۔ اور اس کو مجبور کیا جائے گا

رکن کے فوت ہونے کے ساتھ مقید کیا ہے۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اگر مفسد طاری ہو تو مقتدی اپنی نماز کا اعادہ نہ کرے جیسے امام مرتد ہو جائے یا ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے کے بعد جمعہ کی طرف چلا اور اس نے سعی کی مقتدیوں نے سعی نہیں کی تو صرف اس کی نماز فاسد ہو گی جیسا کہ ''العنایہ'' میں ہے۔ اسی طرح اگر سجدہ تلاوت کی طرف امام لوٹا مقتدیوں کے بکھر جانے کے بعد جیسا کہ ہم ذکر کریں گے۔

میں کہتا ہوں: اس کی مثل ہم (مقولہ 5108 میں) بارہ مسائل میں ذکر کریں گے اگر قوم نے امام سے پہلے سلام پھیر دیا تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد۔ پھر ان بارہ مسائل میں سے کوئی مسئلہ لاحق ہوا تو صرف اس کی نماز باطل ہو گی۔ اور اسی طرح جب امام نے سجدہ سہو کیا اور قوم نے سجدہ سہو نہ کیا پھر اس کو کوئی مسئلہ لاحق ہوا جیسا کہ ''البحر'' میں ہے۔ یہ جملہ مسائل ہیں جن میں امام کی نماز فاسد ہوتی ہے جبکہ مقتدی کی نماز صحیح ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ سابقہ قاعدہ نہیں ٹوٹتا کیونکہ یہ فساد امام کی نماز پر طاری ہوا امامت سے فراغت کے بعد۔ پس حقیقت میں نہ امام ہے نہ مقتدی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

4958۔(قولہ: وَهَلْ عَلَيْهِمْ إِعَادَتُهَا) یعنی اگر نماز کا بطلان اس کے اپنے بتانے سے ظاہر ہو۔ یہ المصنف کے قول فیلزم اعادتہا کی تفصیل ہے۔

4959۔(قولہ: وَقِيلَ لَا لِفِسْقِهِ) یعنی فاسق کی خبر دیانات میں غیر مقبول ہے۔ اور یہ اس صورت پر محمول ہے جب وہ جان بوجھ کر ایسا کرنے والا ہو جیسا کہ اس کی طرف باعترافہ کا قول اشارہ کرتا ہے۔ اور ''البزازیہ'' کے حوالہ سے ''النہر'' میں یہ قول ہے اگر چہ یہ احتمال ہے کہ انہوں نے یہ تقویٰ کی بنا پر کہا ہو کہ وہ اعادہ کریں۔

4960۔(قولہ: لِأَنَّ الصَّلَاةَ دَلِيلُ الْإِسْلَامِ) یہ دلیل ہے کہ وہ مسلمان تھا اور اس نے اپنے اس قول میں جھوٹ بولا ہے کہ اس نے لوگوں کو نماز پڑھائی تو وہ کافر تھا۔ اور یہ کلام اس کی طرف سے ردّۃ ہے۔ پس اس کو اسلام پر مجبور کیا جائے گا اور یہ گزشتہ قول کے منافی نہیں جو کتاب الصلوٰۃ کے آغاز میں (مقولہ 3135 میں) گزر چکا ہے کہ نماز کی وجہ سے اس کے اسلام کا حکم نہیں لگایا جائے گا مگر یہ کہ وہ وقت میں مقتدی بن کر نماز ادا کرے بخلاف اس کے جب وہ امام یا منفرد ہو کر نماز پڑھے۔ کیونکہ یہ اس کافر کے متعلق ہے جو اصلی ہو جس کا کفر معلوم ہو۔ اور جو یہاں ہے وہ اس طرح نہیں ہے۔ کیونکہ جس کی حالت سے ہم ناواقف ہیں اس کے لئے ہم اسلام کی گواہی دیں گے جب وہ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے گا(1)

1۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب استقبال القبلۃ، جلد 1، صفحہ 228، حدیث نمبر 378

(بِالْقَدْرِ الْمُمْكِنِ) بِلِسَانِهِ أَوْ (بِكِتَابٍ أَوْ رَسُولٍ عَلَى الْأَصَحِّ) لَوْ مُعَيَّنِينَ وَإِلَّا لَا يَلْزَمُهُ بَحْرٌ عَنْ الْمِعْرَاجِ وَصَحَّحَ فِي مَجْمَعِ الْفَتَاوَى عَدَمَهُ مُطْلَقًا لِكَوْنِهِ عَنْ خَطَأٍ مَعْفُوٍّ عَنْهُ، لَكِنَّ الشُّرُوحَ مُرَجَّحَةٌ عَلَى الْفَتَاوَى (وَإِذَا اقْتَدَى أُمِّيٌّ وَقَارِئٌ بِأُمِّيٍّ) تَفْسُدُ صَلَاةُ الْكُلِّ

اور امام خبر دے اپنے مقتدیوں کو زبان کے ساتھ یا کتاب کے ساتھ یا پیغام رساں کے ذریعے اصح قول پر اگر مقتدی متعین ہوں ورنہ اس پر لازم نہیں ''بحر عن المعراج''۔ ''مجمع الفتاویٰ'' میں مطلقاً عدم اخبار کی تصحیح کی ہے کیونکہ وہ ایسی خطا کی وجہ سے ہے جو معاف ہے لیکن شروح کو فتاویٰ پر ترجیح دی گئی ہے۔ جب ان پڑھ اور قاری، ان پڑھ کی اقتدا کریں تو تمام کی نماز فاسد ہوگی۔

جیسا کہ حدیث میں ہے بلکہ صرف سلام کرنے کی وجہ سے ہم اس کے اسلام کی گواہی دیں گے جیسا کہ آیت میں ہے۔ اسی وجہ سے فرمایا: نماز اسلام کی دلیل ہے اور یہ نہیں کہا کہ وہ نماز کی وجہ سے مسلمان ہو گیا۔ ''فافہم''

4961۔ (قولہ: بِالْقَدْرِ الْمُمْكِنِ) یہ اخبار کے متعلق ہے اور علی الاصح کا قول یلزم کے متعلق ہے۔

4962۔ (قولہ: لَوْ مُعَيَّنِينَ) یعنی مقتدی معلوم ہوں۔ ''حلبی'' نے فرمایا: اگر بعض معلوم ہوں تو اس کا بتانا لازم ہے۔

4963۔ (قولہ: إِلَّا) یعنی اگر تمام یا بعض مقتدی متعین نہ ہو تو بتانا لازم نہیں۔

4964۔ (قولہ: وَصَحَّحَ فِي مَجْمَعِ الْفَتَاوَى) اسی طرح ''الزاہدی'' نے ''القنیہ'' میں اور ''الحاوی'' نے اس کی تصحیح کی ہے۔ اور فرمایا: امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

4965۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی خواہ فساد مختلف ہو یا متفق علیہ ہو جیسا کہ ''القنیہ'' اور ''الحاوی'' میں ہے۔

4966۔ (قولہ: لِكَوْنِهِ عَنْ خَطَأٍ مَعْفُوٍّ عَنْهُ) یعنی امام نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔ پس اس کی نماز صحیح نہیں ہے اور اس کا فعل دوبارہ لازم ہے۔ کیونکہ اسے مفسد کا علم ہو چکا ہے۔ رہی مقتدیوں کی نماز تو وہ بھی اگرچہ صحیح نہیں ہے لیکن ان پر اعادہ لازم نہیں۔ کیونکہ انہیں مفسد کا علم نہیں ہے اور ان کا اسے بتانا لازم نہیں کیونکہ اس نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔ ''فافہم''

4967۔ (قولہ: لَكِنَّ الشُّرُوحَ) یعنی جیسے ''المعراج''۔ یہ ''ہدایہ'' کی شرح ہے اور اس کو ''البحر'' میں بھی ''المجتبیٰ''، ''شرح القدوری'' للزاھدی کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ تامل۔

4968۔ (قولہ: تَفْسُدُ صَلَاةُ الْكُلِّ) یعنی امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تمام کی نماز فاسد ہوگی۔ اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک صرف قاری کی نماز فاسد ہوگی۔ کیونکہ وہ قدرت کے باوجود قراءت کے فرض کو ترک کرنے والا ہے۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ ان پڑھ لوگوں نے بھی قدرت کے باوجود قراءت کو ترک کیا۔ کیونکہ وہ دونوں قاری کو مقدم کر کے قراءت پر قادر تھے۔ کیونکہ نماز میں اتفاق اور جماعت میں رغبت حاصل ہوئی ''شرح المنیہ''۔ اور تفسد کے قول سے اس قول کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قاری کا امام کی نماز میں شروع ہونا صحیح ہے اور جب قراءت کا وقت آئے گا تو اس کی نماز

لِلْقُدْرَةِ عَلَى الْقِرَاءَةِ بِالِاقْتِدَاءِ بِالْقَارِئِ سَوَاءٌ عَلِمَ بِهِ أَوْ لَا نَوَاهُ أَوْ لَا عَلَى الْمَذْهَبِ (أَوْ اسْتَخْلَفَ الْإِمَامُ أُمِّيًّا فِي الْأُخْرَيَيْنِ) وَلَوْ فِي التَّشَهُّدِ أَمَّا بَعْدَهُ فَتَصِحُّ لِخُرُوجِهِ بِصُنْعِهِ (تَفْسُدُ صَلَاتُهُمْ) لِأَنَّ كُلَّ رَكْعَةٍ صَلَاةٌ فَلَا تَخْلُو عَنْ الْقِرَاءَةِ وَلَوْ تَقْدِيرًا (وَصَحَّتْ لَوْ صَلَّى كُلٌّ مِنْ الْأُمِّيِّ وَالْقَارِئِ وَحْدَهُ)

کیونکہ قاری کی اقتدا کر کے قراءت پر وہ قادر تھے خواہ امام کو قاری کا علم ہو یا نہ ہو۔ امام نے قاری کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو مذہب پر۔ یا امام نے آخری دو رکعتوں میں امی (ان پڑھ) کو خلیفہ بنایا اگر چہ تشہد میں خلیفہ بنایا رہا اس کے بعد خلیفہ بنانا تو نماز صحیح ہوگی۔ کیونکہ وہ اپنے فعل سے نماز سے باہر آیا تو تمام کی نماز فاسد ہوگی۔ کیونکہ ہر رکعت نماز ہے اور وہ قراءت سے خالی نہیں ہے۔ اگر چہ تقدیراً ہو اور نماز صحیح ہے اگر ان پڑھ اور قاری اپنی اپنی نماز علیحدہ پڑھیں۔

فاسد ہوگی۔ اور ''الذخیرۃ'' میں اس کے عدم یعنی صحیح نہ ہونے کی تصحیح کی ہے۔ پس قہقہہ کے ساتھ اس کی طہارت نہ ٹوٹے گی۔ اس کی مکمل بحث ''الزیلعی'' اور ''البحر'' میں ہے۔

4969۔ (قولہ: عَلَى الْمَذْهَبِ) اس کی وجہ یہ ہے کہ فرائض میں علم و جہالت کے درمیان حالت مختلف نہیں ہوتی ''بحر'' اور جب علم شرط نہیں تو نیت بدرجہ اولیٰ شرط نہیں ہوگی۔ ''زیلعی''۔

4970۔ (قولہ: فِي الْأُخْرَيَيْنِ) خواہ پہلی دو رکعتوں میں قراءت کی ہو یا ایک میں قراءت کی ہو یا کسی میں بھی نہ کی ہو۔ پہلی صورت میں امام ''زفر'' کا اختلاف ہے۔ اور ایک روایت امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی ہے۔ اور اخیری دونوں صورتیں متفق ہیں جیسے اگر پہلی دو رکعتوں میں ان پڑھ کو خلیفہ بنایا۔ یہ آئندہ باب میں ''حلبی'' نے ذکر کیا ہے۔

4971۔ (قولہ: لِخُرُوجِهِ بِصُنْعِهِ) اور یہ فعل خلیفہ بنانا ہے اور یہی صحیح ہے۔ بعض نے فرمایا: ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی اور یہ بارہ مسائل سے ہے۔ ''حلبی عن العنایۃ''

4972۔ (قولہ: وَلَوْ تَقْدِيرًا) اور امی کے حق میں تقدیر نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں اہلیت ہی معدوم ہے۔ پس اس نے ایسے شخص کو خلیفہ بنایا جو امامت کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا۔ پس تمام کی نماز فاسد ہوئی۔ رہی امام کی نماز تو وہ عمل کثیر ہے اور قوم کی نماز اس کی نماز پر مبنی ہے۔ ''بحر''۔

4973۔ (قولہ: وَصَحَّتْ) یہ و اذا اقتدی الخ کے قول کا محترز ہے۔ اور الصحیح کے قول کے ذریعے ''ابو حازم'' کے قول سے احتراز کیا کہ امی کی نماز پہلے مسئلہ پر قیاس کرتے ہوئے جائز نہیں۔ کیونکہ وہ قاری کی اقتدا کر کے قراءت پر قدرت رکھتا ہے اور ''الہدایہ'' میں پہلے قول کی تصحیح کی ہے۔ اور فرمایا: کیونکہ ان دونوں سے جماعت میں رغبت ظاہر نہیں ہوئی۔

اور اس کا حاصل یہ ہے کہ قراءت پر قدرت اقتدا کے ساتھ معتبر ہے جہاں ان دونوں سے جماعت میں رغبت ظاہر ہو جیسا کہ ''الکفایہ'' میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک سے جماعت میں رغبت ضروری ہے حتیٰ کہ اگر ایک کی طرف سے رغبت حاصل ہوئی تو کافی نہیں ہے۔ اس کے ساتھ وہ اعتراض دور ہو گیا جو ''حلبی''

فِي الصَّحِيحِ (بِخِلَافِ حُضُورِ الْأُمِّيِّ بَعْدَ افْتِتَاحِ الْقَارِئِ إِذَا لَمْ يَقْتَدِ بِهِ وَصَلَّى مُنْفَرِدًا فَإِنَّهَا تَفْسُدُ فِي الْأَصَحِّ) لِمَا مَرَّ

صحیح قول میں بخلاف اس کے کہ ان پر قاری کے شروع کرنے کے بعد امی (ان پڑھ) حاضر ہو جبکہ وہ اس کی اقتدا نہ کرے اور علیحدہ نماز پڑھے تو نماز فاسد ہوگی۔ اصح قول میں اس وجہ سے جو گزر چکا ہے۔

میں ہے کہ جو "الہدایہ" کے حوالہ سے ذکر کیا ہے وہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اگر امی نے اپنے جیسے کی اقتدا کی اور قاری نے اکیلے نماز پڑھی تو دونوں ان پڑھ لوگوں کی نماز صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ جماعت میں ان دونوں کی رغبت ظاہر ہے۔

اور "الکافی" کے حوالہ سے جو "الفتح" میں ہے وہ بھی اسی اشکال کو دور کرتا ہے کہ جب اس کے پڑوس میں قاری ہو اس پر نہ اس کا طلب کرنا ہے اور نہ اس کا انتظار کرنا ہے۔ کیونکہ اس پر اس کو ولایت نہیں ہے تا کہ وہ اس کو لازم کرے۔ قدرت ثابت ہوگی جب وہ اسے موجود پائے اور اطاعت کرنے والا پائے۔ اور "شرح المنیہ" میں "المحیط" کے حوالہ سے ہے کہ جب قاری مسجد کے دروازہ پر ہو یا مسجد کے پڑوس میں ہو اور ان پڑھ مسجد میں اکیلے نماز پڑھے تو بلا اختلاف جائز ہے۔ اور اسی طرح جب قاری، ان پڑھ کی نماز کے علاوہ نماز میں ہو تو بھی ان پڑھ کی نماز جائز ہے۔ اور ان پڑھ بالاتفاق قاری کی فراغت کا انتظار نہیں کرے گا۔ رہا یہ کہ اگر ان میں سے ہر ایک مسجد کی ایک طرف میں ہو اور ان کی نماز متوافق ہو تو قاضی "ابو حازم" نے ذکر کیا ہے کہ جائز نہیں ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جائز ہے۔ کیونکہ قاری کی طرف سے جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے میں رغبت ظاہر نہیں ہوئی۔ پس جب ان پڑھ جماعت میں رغبت رکھے اور قاری نہ رکھے تو اس پر اس کا طلب کرنا لازم نہیں وہ اکیلے نماز پڑھ لے۔ یا دوسرے راغب ان پڑھ کے پیچھے اقتدا کر لے۔ کیونکہ اس دوسری روایت پر بھی قاری کی رغبت ضروری ہے اور یہ روایت ہے جس کی تصحیح "الہدایہ" کے حوالہ سے (اسی مقولہ میں) گزری ہے۔ فافہم۔

جان لو کہ یہاں الشارح نے جس کی تصحیح کی ہے وہ گزشتہ مسئلہ کے مخالف ہے جو تو تلے کے بارے میں تھا کہ جب اس کو اقتدا ممکن ہو تو اسے اقتدا کرنا لازم ہے۔ "فتامل"

4974۔ (قولہ: فَإِنَّهَا تَفْسُدُ فِي الْأَصَحِّ لِمَا مَرَّ) یعنی یہ جو گزرا ہے کہ قاری کی اقتدا کر کے قراءت پر وہ قادر ہے۔ اور اس مسئلہ کی تصحیح کو "النہایہ" میں ذکر کیا ہے اور یہ اس کے مخالف ہے جس کی "الہدایہ" میں (مقولہ 4973 میں) تصحیح کی ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے والا مسئلہ اس صورت کو بھی شامل ہے جب دونوں اکٹھی نماز شروع کریں یا ان پڑھ پہلے شروع کرے پھر قاری شروع کرے یا اس کے الٹ ہو۔ اور "الفتح" میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ جو "الہدایہ" میں ہے وہ ان تینوں صورتوں میں سے پہلی اور دوسری صورت پر محمول ہے۔ اور اس میں نظر ہے۔ کیونکہ "الہدایہ" کی تعلیل جماعت میں رغبت کے ظہور کا نہ ہونا الٹ صورت کو بھی شامل ہے۔ پس یہ اس کے مخالف ہے جو "النہایہ" میں ہے جو اقتدا کے ساتھ قراءت پر قدرت کے اعتبار پر مبنی ہے اگرچہ دونوں سے جماعت میں رغبت ظاہر نہ ہو۔

میرے لئے یہ ظاہر ہوا کہ یہ قاضی "ابو حازم" کے قول پر مبنی ہے۔ العلامہ "نوح افندی" نے کلام کے بعد ذکر کیا ہے کہ

(وَ) اعْلَمْ أَنَّ (الْمُدْرِكَ مَنْ صَلَّاهَا كَامِلَةً مَعَ الْإِمَامِ،

اور جان لو کہ مدرک وہ ہوتا ہے جو امام کے ساتھ مکمل نماز پڑھے

میں کہتا ہوں: ہمارے لئے اس تمام کلام سے جو ظاہر ہوا وہ یہ ہے کہ بعض علما اس طرف گئے ہیں کہ ان پڑھ کی نماز کے فساد کا موجب قراءت پر قدرت کے باوجود قراءت کا ترک ہے جماعت میں رغبت کے ظہور کے بعد۔ اور صاحب ''الہدایہ'' اور ان کے متبعین اس کی طرف مائل ہوئے ہیں۔ اور بعض علما اس طرف گئے ہیں امی کی نماز کے فساد کا موجب قاری کی اقتدا کر کے قراءت پر قدرت کے باوجود قراءت کا ترک کرنا ہے خواہ جماعت کی نماز میں رغبت ظاہر ہوئی یا ظاہر نہ ہوئی۔ اس کی طرف صاحب ''النہایہ'' اور ان کے ہم خیال مائل ہوئے ہیں۔ تحقیق اول وہ ہے جو ''الہدایہ'' میں ہے۔ اسی وجہ سے اکثر علما کا کلام اس پر واقع ہوا ہے۔

اصح قول کی نسبت صحیح قول کو لینا بہتر ہے

پھر اس کو تائید بخشی ہے اس سے جو ''شرح المنیہ'' کے حوالہ سے کتاب کے آغاز میں گزر چکا ہے کہ صحیح کو لینا اصح کے لینے سے بہتر ہے۔ کیونکہ اول کا مقابل فاسد ہے اور دوسرے کا مقابل صحیح ہے۔ پس الاصح کا قائل الصحیح کے قائل کے موافق ہے اس کے برعکس نہیں۔ اور جس پر دونوں متفق ہوں کہ یہ صحیح ہے اس کو لینا اولی ہے۔

تتمہ

پہلے گزر چکا ہے کہ ان پڑھ کا گونگے کی اقتدا کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ اُمی (ان پڑھ) تحریمہ پر قادر ہے۔ اور اس کا الٹ صحیح ہے اور گونگا امی سے بری حالت میں ہے۔ پس اس میں مذکورہ احکام جاری ہوں گے۔

فرع

العلامہ ''قاسم'' سے ''الفتاویٰ'' میں پوچھا گیا اس گونگے شخص کے بارے میں جس نے امام کی بعض نماز کو پایا اور بعض اس سے فوت ہوگئی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی نماز فاسد ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے۔ اور امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول صحیح ہے۔ پھر میں نے یہ مسئلہ ''الذخیرۃ'' میں دیکھا اس کا فرض ان پڑھ میں ہے۔

مقتدی کی اقسام اور احکام

4975۔ (قولہ: وَ اعْلَمْ أَنَّ الْمُدْرِكَ) اس کا حاصل یہ ہے کہ مقتدی کی چار اقسام ہیں۔ (1) مدرک۔ (2) صرف لاحق۔ (3) صرف مسبوق۔ (4) لاحق مسبوق۔ اور مدرک نہ لاحق ہوتا ہے اور نہ مسبوق۔ یہ ''البحر'' اور ''الدرر'' کی تبع میں مدرک کی تعریف کی بنا پر ہے کہ جس نے امام کے ساتھ کامل نماز پڑھی۔ یعنی امام کے ساتھ تمام رکعتوں کو پایا خواہ اس نے امام کے ساتھ تحریمہ پائی یا پہلی رکعت کے رکوع میں سے کسی جز کو پایا یہاں تک کہ امام کے ساتھ اخیری قعدہ بیٹھا خواہ اس کے ساتھ سلام پھیرا یا امام سے پہلے سلام پھیرا۔ اور رہا وہ جو مدرک کی تعریف ''النہر'' میں ہے کہ مدرک وہ ہے جس

وَاللَّاحِقَ مَنْ فَاتَتْهُ) الرَّكَعَاتُ (كُلُّهَا أَوْ بَعْضُهَا) لَكِنْ (بَعْدَ اقْتِدَائِهِ) بِعُذْرٍ كَغَفْلَةٍ وَزَحْمَةٍ وَسَبْقِ حَدَثٍ وَصَلَاةِ خَوْفٍ وَمُقِيمٍ ائْتَمَّ بِمُسَافِرٍ، وَكَذَا بِلَا عُذْرٍ؛ بِأَنْ سَبَقَ إِمَامَهُ فِي رُكُوعٍ وَسُجُودٍ

اور لاحق وہ ہوتا ہے کہ جس کی اقتدا کے بعد تمام رکعتیں یا بعض رکعتیں فوت ہو جائیں کسی عذر کی وجہ سے جیسے غفلت اور بھیڑ، حدث کا لاحق ہونا، خوف کی نماز اور مقیم کا مسافر کی اقتدا کرنا۔ اسی طرح بلا عذر جیسا کہ وہ رکوع و سجود میں اپنے امام سے سبقت لے جائے

نے امام کی نماز کے اول کو پایا، تو یہ کبھی لاحق بھی ہوتا ہے۔ اس بنا پر کہا جاتا ہے مقتدی یا مدرک ہوگا یا مسبوق اور ان میں سے ہر ایک لاحق ہوگا یا لاحق نہیں ہوگا۔ جان لو کہ المدرک اور اللاحق کے درمیان فرق اصطلاحی ہے لغت میں ان میں سے ہر ایک پر دوسرے کا اطلاق ہوتا ہے۔

4976۔ (قولہ: مَنْ فَاتَتْهُ الرَّكَعَاتُ الخ) فوات سے مراد یہ ہے کہ اس نے تمام رکعتیں امام کے ساتھ نہ پڑھیں اس طرح کہ اس نے ان میں سے کوئی چیز امام کے ساتھ نہ پڑھی یا بعض رکعتیں پڑھیں۔ پس اس میں مسافر کے پیچھے مقیم مقتدی بھی داخل ہیں کیونکہ اس سے اقتدا کے بعد امام کی نماز سے کوئی چیز فوت نہیں ہوئی لیکن اس نے اپنی نماز کا بعض امام کے ساتھ پڑھا۔ پس وہ بقیہ نماز میں لاحق ہوگا۔ یہ میرے لئے ظاہر ہوا ہے۔ پس اس میں غور و فکر کر۔

4977۔ (قولہ: بَعْدَ اقْتِدَائِهِ) یہ فاتتہ کے متعلق ہے۔ پھر اگر اس کی اقتدا نماز کے آغاز میں ہو پھر اس کی کبھی تمام نماز فوت ہو جاتی ہے اس طرح کہ اقتدا کے بعد وہ آخر تک سویا رہا اور کبھی بعض نماز فوت ہو جاتی ہے۔ اور اگر مثلاً اس کی اقتدا دوسری رکعت ہو تو اس کی بعض نماز فوت ہوگئی اور وہ لاحق، مسبوق ہوگا۔ پہلا صرف لاحق ہے۔ ہاں ''النہر'' کی گزشتہ تعریف پر وہ مدرک لاحق ہوگا۔ ''فافہم''

4978۔ (قولہ: بِعُذْرٍ) یہ فاتتہ کے متعلق ہے۔

4979۔ (قولہ: وَزَحْمَةٍ) مثلاً جمعہ میں لوگوں کی بھیڑ ہو اور وہ امام کے ساتھ پہلی رکعت ادا کرنے پر قادر نہ ہوا اور باقی پر قادر ہوا تو پہلے وہ رہ جانے والی رکعت ادا کرے گا پھر امام کی متابعت کرے گا۔

4980۔ (قولہ: سَبْقِ حَدَثٍ) یعنی مقتدی کو حدث لاحق ہو گیا۔ اسی طرح امام کیلئے ہے جب خلیفہ نے امام کے وضو کی طرف جانے کی حالت میں بعض نماز ادا کر دی۔ ''طحطاوی''۔

4981۔ (قولہ: وَصَلَاةِ خَوْفٍ) یعنی پہلے گروہ میں ایک رکعت ادا کرے۔ رہا دوسری رکعت میں تو وہ مسبوق ہو گا۔ ''حلبی''

4982۔ (قولہ: مُقِيمٍ) یعنی آخری دو رکعتوں کے اعتبار سے وہ لاحق ہے۔ اور کبھی یہ مسبوق بھی ہوتا ہے جیسا کہ جب مسافر امام کی نماز کا پہلا حصہ فوت ہو جائے۔ ''طحطاوی''۔

فَإِنَّهُ يَقْضِي رَكْعَةً،
تو وہ ایک رکعت قضا کرے گا

اگر مقتدی رکوع یا سجود یا دونوں کو امام کے ساتھ ادا کرے یا امام سے پہلے یا امام کے بعد ادا کرے

4983_(قولہ: فَإِنَّهُ يَقْضِي رَكْعَةً) کیونکہ امام سے پہلے رکوع و سجود لغو ہیں۔ پس جو اس نے دوسری رکعت میں ادا کیا وہ پہلی رکعت کی طرف منتقل ہو جائے گا اور جو تیسری رکعت میں ادا کرے گا وہ دوسری کی طرف منتقل ہو جائے گا اور جو چوتھی میں ادا کرے گا وہ تیسری کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ پس اس پر ایک رکعت باقی ہے جس میں وہ لاحق ہے۔

اس کو یاد رکھو''الخانیہ'' وغیرہا میں مسئلہ کو پانچ صورتوں پر ذکر کیا ہے۔

1- امام سے پہلے رکوع و سجود کرے۔ یہ وہ ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔

2- رکوع و سجود کو امام کے بعد ادا کرے یہ ظاہر ہے۔

3- رکوع امام کے ساتھ ادا کرے اور سجدہ امام سے پہلے کرے تو وہ دو رکعتیں قضا کرے گا۔ کیونکہ دوسری رکعت کا رکوع لغو ہوگا۔ کیونکہ یہ پہلی رکعت کے رکوع کے بعد بغیر سجدہ کے واقع ہوا ہے اس پر ایک رکعت باقی ہے پھر تیسری رکعت کا رکوع امام کے ساتھ معتبر ہے۔ امام کی چوتھی رکعت کا سجدہ اس کے رکوع کے ساتھ لاحق ہوگا۔ پس اس پر دوسری اور چوتھی رکعت ہوگی۔ پس وہ دو رکعتیں قضا کرے گا۔ کیونکہ پہلی رکعت کا سجدہ لغو ہے۔ پس دوسری رکعت کا سجود پہلی رکعت کی طرف منتقل ہو جائے گا اور دوسری رکعت بغیر سجود کے ہوگی تو وہ باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ اس کا قیام و رکوع بغیر سجدہ کے باقی ہے۔ پھر جب امام کے ساتھ تیسری رکعت کا رکوع کیا اور امام سے پہلے سجدہ کیا تو اس کا سجدہ بھی لغو ہو گیا۔ جب چوتھی رکعت میں ایسا کیا تو اس کا سجدہ تیسری رکعت کی طرف منتقل ہو گیا اور چوتھی رکعت باطل ہو گئی۔ پس اس نے دو رکعتیں پڑھیں اور دو رکعتیں بغیر قراءت کے قضا کرے گا۔

4- وہ امام سے پہلے رکوع کرے اور امام کے ساتھ سجدہ کرے تو وہ چار بغیر قراءت کے ادا کرے گا۔ کیونکہ امام کے ساتھ سجدہ، جن میں اس سے پہلے امام کے ساتھ رکوع نہ ہو تو غیر معتبر ہے۔

5- رکوع اور سجود کو امام سے پہلے ادا کرے۔ اور امام ان دونوں میں اس کو پالے۔ یہ جائز ہے لیکن مکروہ ہے۔ ملخصاً۔

میں کہتا ہوں: تیسری صورت میں تیسری رکعت کا سجود دوسری رکعت کی طرف منتقل نہیں ہوا بلکہ وہ رکعت باطل ہو گئی۔ کیونکہ اس میں سوائے قیام و رکوع کے باقی نہیں رہا جو پہلی رکعت کے مکمل ہونے سے پہلے حاصل ہوئے اس وجہ سے وہ رکعت باطل ہوئی اور تیسری رکعت کے سجود کے ساتھ مکمل نہ ہوئی جیسا ''الحجۃ'' کے حوالہ سے ''التتارخانیہ'' کے فرع سے اخذ کیا گیا ہے: ''اگر امام کے ساتھ رکوع کیا اور سجدہ پر قادر نہ ہوا حتیٰ کہ امام کھڑا ہو گیا پھر اس نے امام کے ساتھ دوسری رکعت پڑھی اور اس میں چار سجدے کئے تو ان میں سے دو سجدے پہلی رکعت کے لئے ہوں گے اور دوسری رکعت کا اعادہ کرے گا۔ کیونکہ قیام اور دوسرا

وَحُكْمُهُ كَمُؤْتَمٍّ فَلَا يَأْتِي بِقِرَاءَةٍ وَلَا سَهْوٍ وَلَا يَتَغَيَّرُ فَرْضُهُ بِنِيَّةِ إِقَامَةٍ، وَيَبْدَأُ بِقَضَاءِ مَا فَاتَهُ عَكْسَ الْمَسْبُوقِ ثُمَّ يُتَابِعُ إِمَامَهُ إِنْ أَمْكَنَهُ إِدْرَاكُهُ وَإِلَّا تَابَعَهُ، ثُمَّ صَلَّى مَا نَامَ فِيهِ بِلَا قِرَاءَةٍ،

اس کا حکم مقتدی جیسا ہوگا۔ پس وہ اس رکعت میں نہ قراءت کرے گا اور نہ سہو کرے گا اور اس کے فرض اقامت کی نیت سے متغیر نہ ہوں گے اور پہلے اس نماز کو ادا کرے گا جو فوت ہوئی۔ مسبوق کے برعکس پھر اپنے امام کی اتباع کرے گا اگر اس کا پانا ممکن ہوگا ورنہ امام کی متابعت کرے گا پھر وہ نماز بلا قراءت ادا کرے گا جس میں وہ سو گیا تھا

رکوع وہ نماز میں سے شمار نہیں کئے جائیں گے۔ کیونکہ وہ دونوں پہلی رکعت کے مکمل ہونے سے پہلے حاصل ہوئے ہیں۔

4984۔(قولہ: وَحُكْمُهُ) یعنی لاحق کا حکم۔

4985۔(قولہ: عَكْسُ الْمَسْبُوقِ) یعنی مذکورہ چاروں فروع میں مسبوق کا الٹ کرے گا۔ کیونکہ مسبوق جب فوت شدہ نماز کو قضا کرتا ہے تو وہ قراءت کرتا ہے جب اس میں بھول جائے تو سجدہ سہو کرتا ہے اور اس کے فرض متغیر ہو جاتے ہیں اگر وہ مسافر ہو اور اقامت کی نیت کرے۔ اور وہ فوت شدہ کی قضا سے پہلے وہ اپنے امام کی اتباع کرتا ہے۔ فافہم۔ اور وہ ''النہر'' میں دوسری مذکورہ صورتوں میں لاحق کی مخالفت کرتا ہے۔ ''البدائع'' میں فرمایا: اگر لاحق نے وضو کیا اور اس کا امام فارغ ہو چکا تھا اور وہ دوسری رکعت میں قعدہ نہیں بیٹھا تھا تو وہ بھی اس رکعت میں اپنے امام کی موافقت میں قعدہ نہ بیٹھے اس صورت میں جو قعدہ سے اعلیٰ ہے اور وہ قیام ہے کیونکہ تقدیراً امام کے پیچھے ہے۔

4986۔(قولہ: ثُمَّ يُتَابِعُ) اس کا عطف یبدء پر ہے۔

4987۔(قولہ: إِنْ أَمْكَنَهُ إِدْرَاكُهُ) یہ و یبدء ثم یتابع کے قول کی قید ہے اور والا تابعہ الخ کا قول اس شرط کے مفہوم کے ساتھ تصریح ہے صحیح نہیں ہے۔ اور درست ان امکنہ ادراکہ کے قول کو اس قول کے ساتھ بدلنا ہے ان ادرکہ مع اسقاط ما بعدہ۔ اور تعبیر کا حق یہ کہنا ہے ویبدء بقضاء ما فاتہ بلا قراءۃ عکس المسبوق ثم یتابع امامہ ان ادرکہ ثم ما سبق بہ الخ۔ یعنی پہلے بغیر قراءت کے مسبوق کے برعکس فوت شدہ کو قضا کرے پھر اپنے امام کی اتباع کرے اگر اس کو پالے پھر وہ قضا کرے جو پہلے امام پڑھ چکا تھا۔

اور ''شرح المنیہ'' میں ہے: اس کا حکم یہ ہے کہ پہلے فوت شدہ کو قضا کرے پھر امام کی اتباع کرے اگر وہ فارغ نہ ہو چکا ہو۔ اور ''الفتح'' میں ہے: جب وہ وضو کرے اور واپس آئے تو پہلے وہ پڑھے جس کے ساتھ امام سبقت لے جا چکا ہے پھر امام کو نماز میں پائے تو اس کے ساتھ نماز ادا کرے۔ اور ''البحر'' میں ہے: اس کا حکم یہ ہے کہ پہلے اس فوت شدہ کو قضا کرے جو عذر کی وجہ سے فوت ہوئی پھر امام کی اتباع کرے اگر وہ فارغ نہیں ہوا۔ یہ واجب ہے شرط نہیں ہے حتیٰ کہ اگر اس کے برعکس کیا تو نماز صحیح ہوگی۔ پس اگر وہ تیسری رکعت میں سو گیا اور چوتھی رکعت میں جاگا تو وہ تیسری رکعت کو بلا قراءت ادا کرے اور جب اس سے فارغ ہو تو امام کے ساتھ چوتھی رکعت ادا کرے اور اگر امام اس سے فارغ ہو چکا ہو تو بغیر قراءت کے اکیلے ادا

ثُمَّ مَا سُبِقَ بِهِ بِهَا إِنْ كَانَ مَسْبُوقًا أَيْضًا، وَلَوْ عَكَسَ صَحَّ وَأَثِمَ لِتَرْكِ التَّرْتِيبِ

پھر جو اس سے پہلے پڑھی گئی تھی اگر وہ مسبوق بھی ہو اور اگر اس کے برعکس کیا تو بھی نماز صحیح ہوگی اور ترتیب ترک کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔

کرے۔ پس اگر امام کی متابعت کی پھر امام کے سلام کے بعد تیسری رکعت ادا کی تو صحیح ہوگی اور گنہگار ہوگا۔ اس کی مثل ''الشرنبلالیہ'' اور ''شرح الملتقی للباقانی'' میں ہے۔ یہ وہ مقام ہے جس پر تنبیہ سے اس کتاب کے تمام محشی غافل رہے۔ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو درست کا الہام فرمانے والا ہے۔

4988۔ (قولہ: ثُمَّ مَا سُبِقَ بِهِ بِهَا الخ) یعنی پھر لاحق قراءت کے ساتھ وہ نماز ادا کرے جو اس سے پہلے پڑھی جا چکی تھی اگر وہ مسبوق بھی ہو اس طرح کہ امام کی نماز کے دوران میں اس نے اقتدا کی پھر مثلاً وہ سو گیا۔ یہ چوتھی قسم کا بیان ہے اور یہ مسبوق لاحق ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ وہ نماز پڑھے جب بیدار ہو جس میں وہ سو گیا تھا پھر امام کی اتباع کرے اس میں جو امام کے ساتھ پائے پھر فوت شدہ کی قضا کرے۔

اس کا بیان یہ ہے جیسا کہ ''شرح المنیہ'' اور ''شرح المجمع'' میں ہے کہ اگر چار رکعتوں والی نماز میں سے ایک رکعت پہلے پڑھی جا چکی ہو اور دو رکعتوں میں وہ سو گیا ہو تو پہلے وہ اس نماز کو ادا کرے جس میں وہ سو گیا تھا پھر امام کے ساتھ جس نماز کو پائے پھر جو اس سے پہلے امام پڑھ چکا تھا۔ پس وہ پہلے وہ رکعت پڑھے گا جس میں وہ امام کے ساتھ سو گیا تھا اور امام کی متابعت میں بیٹھے۔ کیونکہ وہ امام کی دوسری رکعت ہے پھر دوسری رکعت ادا کرے جس میں وہ سو گیا تھا اور قعدہ بیٹھے۔ کیونکہ یہ اس کی دوسری ہے۔ پھر وہ ادا کرے جس میں بیدار ہوا اور اپنے امام کی متابعت میں قعدہ کرے۔ کیونکہ یہ چوتھی رکعت ہے اور یہ تمام بغیر قراءت کے ہیں۔ کیونکہ یہ مقتدی ہے۔ پھر وہ رکعت سورۂ فاتحہ اور ایک سورت کے ساتھ پڑھے گا جو اس سے پہلے پڑھی جا چکی تھی۔ اصل یہ ہے کہ لاحق امام کی نماز کی ترتیب پر پڑھے گا اور مسبوق امام کے فارغ ہونے کے بعد پہلے پڑھی گئی نماز کی قضا کرے گا۔

4989۔ (قولہ: وَلَوْ عَكَسَ) یعنی پہلے وہ ادا کرے جس میں سو گیا تھا پھر جو امام کے ساتھ پائے یا پہلے وہ ادا کرے جو اس سے پہلے پڑھی جا چکی تھی پھر جو امام کے ساتھ پائے پھر جس میں سو گیا تھا یا پہلے وہ ادا کرے جو اس سے پہلے پڑھی جا چکی تھی پھر جس میں سو گیا تھا پھر جو امام کے ساتھ پائے جیسا کہ ''شرح المجمع'' میں ہے۔

میں کہتا ہوں: عکس صورتوں میں سے دو صورتیں باقی ہیں وہ یہ کہ پہلے وہ پڑھے جو امام کے ساتھ پائے پھر جس میں سو گیا تھا پھر جو اس سے پہلے ادا ہو چکی تھی یا پہلے وہ پڑھے جو امام کے ساتھ پائے پھر جو اس سے پہلے ادا ہو چکی تھی پھر جس میں سو گیا تھا۔

4990۔ (قولہ: صَحَّ وَأَثِمَ) امام ''زفر'' کا قول اس کے خلاف ہے۔ ان کے نزدیک صحیح نہیں ہے اور ہمارے نزدیک صحیح ہے۔ کیونکہ رکعتوں کے درمیان ترتیب فرض نہیں ہے۔ کیونکہ یہ تمام نماز میں فعل مکرر ہے اور یہ واجب ہے۔

(وَالْمَسْبُوقُ مَنْ سَبَقَهُ الْإِمَامُ بِهَا أَوْ بِبَعْضِهَا وَهُوَ مُنْفَرِدٌ) حَتَّى يُثْنِيَ وَيَتَعَوَّذَ وَيَقْرَأَ، وَإِنْ قَرَأَ مَعَ الْإِمَامِ لِعَدَمِ الِاعْتِدَادِ بِهَا لِكَرَاهَتِهَا مِفْتَاحُ السَّعَادَةِ (فِيمَا يَقْضِيهِ) أَيْ بَعْدَ مُتَابَعَتِهِ لِإِمَامِهِ، فَلَوْ قَبْلَهَا فَالْأَظْهَرُ الْفَسَادُ، وَيَقْضِي أَوَّلَ صَلَاتِهِ فِي حَقِّ قِرَاءَةٍ،

مسبوق وہ ہوتا ہے جس سے امام تمام نماز یا بعض نماز میں سبقت لے گیا ہو اور مسبوق منفرد ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ ثنا، تعوذ اور قراءت کرے گا اگرچہ امام کے ساتھ قراءت کر چکا ہو کیونکہ اس کی کراہت کی وجہ سے اس قراءت کا شمار نہ ہوگا ''مفتاح السعادہ''۔ ان رکعتوں میں جو وہ قضا کرے گا یعنی اپنے امام کی متابعت کے بعد، اگر امام کی فراغت سے پہلے اس پہلی نماز کو ادا کرے گا تو اظہر قول فساد کا ہے۔ اور مسبوق قراءت کے حق میں اپنی نماز کا اول ادا کرے گا

4991۔ (قولہ: وَالْمَسْبُوقُ مَنْ سَبَقَهُ الْإِمَامُ بِهَا) یعنی جس سے امام تمام رکعتوں میں سبقت لے گیا ہو مثلاً اس نے امام کی اقتدا اخیری رکوع کے بعد کی ہے اور او ببعضها کا قول اس سے مراد بعض رکعات ہیں۔

4992۔ (قولہ: حَتَّى يُثْنِيَ الخ) یہ تفریع ہے اس قول پر منفرد فیما یقضیه بعد فراغ امامه پس وہ ثنا اور تعوذ پڑھے گا۔ کیونکہ تعوذ قراءت کے لئے ہے اور قراءت کرے گا۔ کیونکہ وہ قراءت کے حق میں اپنی نماز کا اول ادا کر رہا ہے جیسا کہ آگے (مقولہ 4994 میں) آئے گا حتیٰ کہ اگر وہ قراءت ترک کر دے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اس کے احکام میں سے ہے جو (مقولہ 4832 میں) گزر چکا ہے کہ اگر مسبوقۃ اس کے ساتھ کھڑی ہوگئی اس نماز کی ادائیگی کے وقت جب وہ اس نماز کو قضا کر رہے تھے جو ان سے پہلے امام پڑھ چکا تھا تو مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اقامت کی نیت سے اس کے فرض متغیر نہ ہوں گے۔ اور بقیہ نماز کو ادا کرتے وقت بھول جائے گا تو سجدہ سہو لازم ہوگا جیسا کہ آگے آئے گا۔ اور اس کے علاوہ مسائل جو متن اور شرح میں آئیں گے۔ آئندہ باب میں ''البحر'' میں اس کے احکام کی وضاحت کی ہے۔

4993۔ (قولہ: أَيْ بَعْدَ مُتَابَعَتِهِ لِإِمَامِهِ الخ) یہ یقضیه کے متعلق ہے یعنی پہلی نماز کے قضا کا محل امام کی متابعت کے بعد ہے اس میں جس کو وہ امام کے ساتھ پائے۔ یہ لاحق کے برعکس ہے جیسا کہ پہلے (مقولہ 4988 میں) گزر چکا ہے۔ لیکن یہاں اگر وہ الٹ کرے گا مثلاً جو پہلے پڑھی جا چکی ہے اس کو پہلے قضا کرے گا پھر اپنے امام کی متابعت کرے گا۔ تو اس میں دو قول ہیں جن کی تصحیح کی گئی ہے۔ ''البحر'' میں اور الشارح نے ان کی تبع میں فساد کے قول کو غلبہ دیا ہے۔ فرمایا: یہ قاعدہ کے موافق ہے یعنی فقہا کے قول کے موافق ہے۔ اور اقتدا کی جگہ میں انفراد مفسد ہے جیسے اس کے الٹ میں ہے۔ لیکن ''البزازیہ'' کے حوالہ سے ''الخیر الرملی'' کے حاشیہ میں ہے: پہلا قول یعنی عدم فساد اقوی ہے کیونکہ ترتیب ساقط ہوئی ہے۔ اور ''شرح الشیخ اسماعیل'' میں ''جامع الفتاویٰ'' کے حوالہ سے ہے: متاخرین کے نزدیک جائز ہے اور اس پر فتویٰ ہے۔ ''الفیض'' میں اس پر جزم کیا ہے۔

4994۔ (قولہ: وَيَقْضِي أَوَّلَ صَلَاتِهِ فِي حَقِّ قِرَاءَةٍ الخ) یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جیسا کہ ''المبسوط للسرخسی''

وَآخِرَهَا فِي حَقِّ تَشَهُّدٍ؛ فَمُدْرِكُ رَكْعَةٍ مِنْ غَيْرِ فَجْرٍ يَأْتِي بِرَكْعَتَيْنِ بِفَاتِحَةٍ وَسُورَةٍ وَتَشَهُّدٍ بَيْنَهُمَا، وَبِرَابِعَةِ الرُّبَاعِيِّ بِفَاتِحَةٍ فَقَطْ، وَلَا يَقْعُدُ قَبْلَهَا (إِلَّا فِي أَرْبَعٍ) فَكَمُقْتَدٍ أَحَدُهَا (لَا يَجُوزُ الِاقْتِدَاءُ بِهِ) وَإِنْ صَحَّ اسْتِخْلَافُهُ فِي حَدِّ ذَاتِهِ لَا حَالَةَ الْقَضَاءِ، فَلَا اسْتِثْنَاءَ أَصْلًا كَمَا زَعَمَ فِي الْأَشْبَاهِ

اور تشہد کے آخر میں آخر ادا کرے گا۔ پس فجر کے علاوہ ایک رکعت کو پانے والا دو رکعتیں فاتحہ اور سورہ اور ان کے درمیان تشہد کے ساتھ پڑھے گا اور چار رکعتوں والی نماز میں چوتھی رکعت کو صرف سورۂ فاتحہ کے ساتھ ادا کرے گا اور اس سے پہلے یعنی تیسری رکعت کے بعد قعدہ نہیں کرے گا۔ مگر چار مسائل میں مسبوق مقتدی کی طرح ہے اس کی اقتدا جائز نہیں اگرچہ اس کو مسبوق ہونے کی حالت میں خلیفہ بنانا جائز ہے نہ کہ حالت قضا میں خلیفہ بنانا جائز ہے۔ پس اصلاً استثنا نہیں ہے جیسا کہ ''الاشباہ'' میں گمان کیا ہے۔

میں ہے۔ اور ''الخلاصہ''، ''شرح الطحاوی''، ''الاسبیجابی''، ''الفتح''، ''الدرر'' اور ''البحر'' وغیرہم میں اس پر اکتفا کیا ہے۔ اور ''السراج'' میں اسی طرح اختلاف ذکر کیا ہے۔ لیکن ''الجلابی'' کی صلاۃ میں ہے: یہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کا قول ہے۔ اس کی مکمل بحث ''شرح الشیخ اسماعیل'' میں ہے۔ اور ''الفیض'' میں ''المستصفی'' کے حوالہ سے ہے کہ اگر امام کو چار رکعتوں والی نماز کی چوتھی رکعت میں پایا تو وہ دو رکعتیں سورۂ فاتحہ اور ایک سورت کے ساتھ ادا کرے گا پھر تشہد پڑھے گا پھر تیسری رکعت امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سورہ فاتحہ کے ساتھ ادا کرے گا۔ اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے فرمایا: ایک رکعت سورۂ فاتحہ اور ایک سورت کے ساتھ ادا کرے گا اور تشہد پڑھے گا پھر پہلی دو رکعتیں سورۂ فاتحہ کے ساتھ اور ایک سورت کے ساتھ پڑھے گا اور ان دو میں سے دوسری خاص سورۂ فاتحہ کے ساتھ پڑھے گا۔ فقہا کے کلام کا ظاہر امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر اعتماد ہے۔

4995۔ (قولہ: وَتَشَهُّدٍ بَيْنَهُمَا) ''شرح المنیہ'' میں فرمایا: اگر قعدہ نہ کیا تو استحساناً جائز ہے قیاساً جائز نہیں اور اس کو سجدہ لازم نہیں کیونکہ من وجہ وہ رکعت پہلی ہے۔

4996۔ (قولہ: إِلَّا فِي أَرْبَعٍ) یہ اس قول وھو منفرد فیما یقضیہ سے استثنا ہے۔

4997۔ (قولہ: لَا يَجُوزُ الِاقْتِدَاءُ بِهِ) اسی طرح اس کا کسی غیر کی اقتدا کرنا جائز نہیں جیسا کہ ''الفتح'' وغیرہ میں ہے اس زیادتی کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ منفرد بھی اسی طرح ہوتا ہے۔

4998۔ (قولہ: وَإِنْ صَحَّ اسْتِخْلَافُهُ) یعنی جب امام کو حدث لاحق ہو گیا پھر اس نے مسبوق کو خلیفہ بنا دیا تو صحیح ہے۔ یہ مسئلہ ''الدرر'' میں ذکر کیا ہے اور ''البحر'' میں اس پر اعتراض کیا ہے کہ حالۃ القضاء میں مسبوق کے بارے میں کلام ہو رہی ہے اور حالت قضا میں اس کا خلیفہ بنانا متصور نہیں۔ ''النہر'' میں اس کا جواب دیا ہے اس کے ساتھ جس کی طرف الشارح نے فی حد ذاتہ کے قول سے اشارہ کیا ہے یعنی وان صح استخلافہ کی ضمیر کا مرجع مسبوق ہے جبکہ وہ مسبوق ہے۔ حالۃ قضاء میں ہونے کی قید کے ساتھ نہیں جس میں کلام ہو رہی ہے کیونکہ حالت قضا میں اس کو خلیفہ بنانا ممکن ہی نہیں۔

4999۔ (قولہ: فَلَا اسْتِثْنَاءَ أَصْلًا) یعنی جو ''الاشباہ'' میں ہے کہ فقہا کا قول کہ ''مسبوق کی اقتدا جائز نہیں'' اس

نَعَمْ لَوْ نَسِيَ أَحَدُ الْمَسْبُوقِينَ فقضى مُلَاحِظًا لِلْآخَرِ بِلَا اقْتِدَاءٍ صَحَّ (وَ) ثَانِيهَا (يَأْتِي بِتَكْبِيرَاتِ التَّشْرِيقِ إجْمَاعًا وَ) ثَالِثُهُمَا (لَوْ كَبَّرَ يَنْوِي اسْتِئْنَافَ صَلَاتِهِ وَقَطْعَهَا يَصِيرُ مُسْتَأْنِفًا وَقَاطِعًا) لِلْأُولَى، بِخِلَافِ الْمُنْفَرِدِ كَمَا سَيَجِيءُ (وَ) رَابِعُهَا (لَوْ قَامَ إلَى قَضَاءِ مَا سُبِقَ بِهِ وَعَلَى الْإِمَامِ سَجْدَتَا سَهْوٍ) وَلَوْ قَبْلَ اقْتِدَائِهِ

ہاں اگر دو مسبوقوں میں سے ایک بھول گیا پھر اس نے بغیر اقتدا کے دوسرے کو دیکھ کر بقیہ نماز ادا کی تو صحیح ہوگا۔ اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ بالا جماع مسبوق تکبیرات التشریق کہے گا۔ اور تیسرا مسئلہ یہ ہے اگر تکبیر کہے اور اپنی نماز کو نئے سرے سے ادا کرے اور اس نماز کو قطع کرنے کی نیت کرے گا تو نئے سرے سے پڑھنے والا اور پہلی نماز کو قطع کرنے والا ہوگا بخلاف منفرد کے جیسا کہ آگے آئے گا۔ اور چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ اگر مسبوق پہلی نماز کو ادا کرنے کے لئے کھڑا ہو گیا جبکہ امام پر سجدہ سہو تھا اور اگر اس کی اقتدا سے پہلے تھا

سے استثنا کی گئی ہے کہ اس کا خلیفہ بنانا جائز ہے۔ یہ اپنے محل میں نہیں کیونکہ اس کو خلیفہ بنانے کی صحت امام کے سلام پھیرنے سے پہلے ہے اور اس کی اقتدا کی عدم صحت اس کے بعد ہے۔ پس استثنا نہیں ہے۔ تعجب صاحب ''البحر'' پر ہے کیونکہ انہوں نے ''الدرر'' پر اعتراض کیا ہے (سابقہ مقولہ میں) گزشتہ عبارت کے ساتھ اور ''اشباہ'' میں اس پر جزم کیا ہے۔

5000۔ (قولہ: نَعَمْ لَوْ نَسِيَ) اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر دو آدمیوں نے اکٹھی امام کی اقتدا کی جو امام اپنی بعض نماز پڑھ چکا تھا جب وہ دونوں بقیہ نماز کی قضا کیلئے اٹھے تو ایک بھول گیا کہ کتنی رکعتیں اس کی رہ گئیں تھی پھر اس نے بغیر اقتدا کے دوسرے کو دیکھتے ہوئے نماز ادا کی تو صحیح ہے۔ جیسا کہ ''الخانیہ'' اور ''الفتح'' میں ہے۔ ''القنیہ'' کا ظاہر اس کے خلاف ہے۔ اور ''الوہبانیہ'' میں جس پر چلے ہیں کہ نماز فاسد ہے اس کے خلاف ہے۔ ''جامع الفتاویٰ'' میں اس پر جزم کیا ہے۔ ''ابن الشحنة'' نے دوسرے کی اقتدا پر محمول کر کے توفیق دی ہے یا یہ شاذ قول ہے اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

5001۔ (قولہ: إجْمَاعًا) یعنی اس کے باوجود کہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک منفرد تکبیرات تشریق نہیں پڑھے گا۔

5002۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْمُنْفَرِدِ) کیونکہ وہ نئے سرے سے پڑھنے والا نہیں ہوتا کیونکہ دوسری ہر اعتبار سے پہلی کا عین ہے۔ رہا مسبوق تو وہ ایک نماز سے منتقل ہوتا ہے جس میں وہ ایک وجہ سے منفرد تھا۔ دوسری نماز کی طرف جس میں ہر اعتبار سے اس میں منفرد ہے تو یہ نماز پہلی نماز سے متغایر ہوئی۔

5003۔ (قولہ: وَلَوْ قَبْلَ اقْتِدَائِهِ) یہ سہو کے متعلق ہے یعنی اگرچہ امام کو سہو اس کے اقتدا کرنے سے پہلے لاحق ہوا ہو کیونکہ سہو امام کی تحریمہ میں کمی کا موجب ہے۔ اور یہ بھی امام کی تحریمہ پر بنا کئے ہوئے ہے۔ پس نقصان اس کی نماز میں بھی داخل ہو گیا۔ اسی وجہ سے اگر وہ اس کے ساتھ سجدہ نہ کرتا تو اس پر اپنی نماز کے آخر میں سجدہ واجب ہوتا۔ جیسا کہ آگے آئے گا کیونکہ اس نقصان کو سوائے سجدہ کے کوئی نہیں اٹھا سکتا۔

(فَعَلَيْهِ أَنْ يَعُودَ) وَيَنْبَغِي أَنْ يَصْبِرَ حَتَّى يَفْهَمَ أَنَّهُ لَا سَهْوَ عَلَى الْإِمَامِ. وَلَوْ قَامَ قَبْلَ السَّلَامِ هَلْ يُعْتَدُّ بِأَدَائِهِ، إِنْ قَبْلَ قُعُودِ الْإِمَامِ قَدْرَ التَّشَهُّدِ لَا، وَإِنْ بَعْدَهُ نَعَمْ

تو اس پر لازم ہے کہ وہ لوٹ آئے اور مناسب ہے کہ وہ صبر کرے حتیٰ کہ سمجھ لے کہ امام پر سجدہ نہیں ہے۔ اور اگر سلام سے پہلے کھڑا ہو گیا تو کیا اس کی ارکان کی ادائیگی شمار ہو گی۔ اگر تشہد کی مقدار امام کے بیٹھنے سے پہلے کھڑا ہو گیا تو نہیں اور اگر اس کے بعد کھڑا ہوا تو ہاں شمار ہو گا۔

5004۔ (قولہ: فَعَلَيْهِ أَنْ يَعُودَ) یعنی جب تک سجدہ کے ساتھ رکعت کو مقید نہ کیا ہو۔ جیسا کہ آگے آئے گا اور جب وہ متابعت کی طرف لوٹے گا تو اس نے چھوڑ دیا جو اس نے قراءت اور قیام میں ادا کیا تھا۔ کیونکہ وہ اس کے منفرد ہونے سے پہلے واقع ہوا ہے۔ حتیٰ کہ اگر لوٹنے کے بغیر اس پر بنا کرے گا تو اس کی نماز فاسد ہو گی جیسا کہ ''شرح المنیہ'' میں ہے۔

5005۔ (قولہ: وَيَنْبَغِي أَنْ يَصْبِرَ) یعنی ایک سلام یا دونوں سلام کے بعد کھڑا نہ ہو بلکہ ان کے بعد امام کے فارغ ہونے کا انتظار کرے جیسا کہ ''الفیض''، ''الفتح'' اور ''البحر'' میں ہے۔ ''الزندویستی'' نے اپنی ''النظم'' میں فرمایا: وہ ٹھہرا رہے حتیٰ کہ امام اپنے نوافل کی طرف کھڑا ہو جائے یا محراب کے ساتھ ٹیک لگا لے اگر اس نماز کے بعد نفل نہ ہوں۔

''الحلبہ'' میں فرمایا: یہ لازم نہیں ہے بلکہ مقصود یہ سمجھنا ہے کہ امام پر سہو نہیں ہے یا کوئی ایسا عمل پایا جائے جو حرمت نماز کو قطع کر دے۔

''الفتح'' میں بطور بحث اس کو اس کے ساتھ مقید کیا ہے کہ جب اس نے ایسے امام کی اقتدا کی ہو جو سلام کے بعد سجدہ سہو کا نظریہ رکھتا ہے۔ اور جب ایسے امام کی اقتدا کی ہو جو سلام سے پہلے سجدہ سہو کا نظریہ رکھتا ہو تو انتظار نہیں کرے گا۔ ''البحر'' میں اس پر اعتراض کیا ہے کہ ائمہ کے درمیان اختلاف اولویت میں ہے۔ کبھی امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ سلام کے بعد سجدہ کرنے کو اختیار کرتے ہیں تا کہ جائز پر عمل ہو جائے اسی وجہ سے اس کے انتظار کرنے کو مطلق رکھا ہے۔

اس میں بعد ہے کیونکہ ان کے مذہب میں ظاہر مستحب کی رعایت کرنا ہے۔

5006۔ (قولہ: إِنْ قَبْلَ قُعُودِ الْإِمَامِ) اس کو امام کے بیٹھنے کے ساتھ مقید کیا ہے۔ کیونکہ اگر اس نے امام سے پہلے سجدہ سے سر اٹھا لیا اور تشہد کی مقدار بیٹھا اور پھر امام کے تشہد کی مقدار بیٹھنے سے پہلے کھڑا ہو گیا تو اس کے بیٹھنے کا اعتبار نہ ہو گا۔ حتیٰ کہ اگر وہ مدرک ہو گا اور اس صورت میں سلام پھیر دیا تو اس کی نماز صحیح نہ ہو گی پھر تشہد کی مقدار سے مراد عبدہ و رسولہ تک جلدی جلدی پڑھنے کی مقدار ہے نہ بالفعل اس کی قراءت ہے جیسا کہ نماز کے فرائض میں گزر چکا ہے۔

5007۔ (قولہ: لَا) یعنی امام کے بیٹھنے سے پہلے قیام و قراءت میں سے جو ادا کیا ہے اس کا شمار نہیں کیا جائے گا۔ اس کا شمار ہو گا جو اس نے امام کے اتنی مقدار بیٹھنے کے بعد ادا کیا۔ ''الفتح'' میں فرمایا: اگر وہ تشہد کی مقدار سے پہلے کھڑا ہو گیا۔ ''النوازل'' میں فرمایا: اگر امام کے تشہد سے فارغ ہونے کے بعد اتنی قراءت کی جس کے ساتھ نماز جائز ہوتی ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ یہ اس مسبوق کے بارے میں ہے جس کی ایک یا دو رکعتیں رہ گئی ہوں۔ اور اگر تین رکعتیں رہ گئی ہوں پھر امام کے

وَكُرِهَ تَحْرِيمًا إِلَّا لِعُذْرٍ كَخَوْفِ حَدَثٍ، وَخُرُوجِ وَقْتِ فَجْرٍ وَجُمُعَةٍ وَعِيدٍ وَمَعْذُورٍ، وَتَمَامِ مُدَّةِ مَسْحٍ، وَمُرُورِ مَارٍّ بَيْنَ يَدَيْهِ: فَإِنْ فَرَغَ قَبْلَ سَلَامِ إِمَامِهِ ثُمَّ تَابَعَهُ فِيهِ صَحَّتْ (وَلَوْ لَمْ يَعُدْ كَانَ عَلَيْهِ أَنْ يَسْجُدَ) لِلسَّهْوِ (فِي آخِرِ صَلَاتِهِ) اسْتِحْسَانًا، قَيَّدَ بِالسَّهْوِ

مسبوق کا امام کے تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد کھڑا ہو جانا مکروہ تحریمی ہے مگر مکروہ تحریمی نہیں کسی عذر کی وجہ سے جیسے حدث لاحق ہونے کا خوف ہو، فجر کے وقت کے نکلنے کا خوف ہو، جمعہ، عید کے وقت کے نکلنے کا خوف ہو، معذور کو وقت نکلنے کا خوف ہو، مسح کی مدت کے مکمل ہونے کا خوف ہو، سامنے سے گزرنے والے کا خوف ہو، اگر امام کے سلام سے پہلے فارغ ہو گیا پھر سلام میں امام کی متابعت کی تو نماز صحیح ہوگی اور اگر مسبوق نہ لوٹے تو استحساناً اس پر اپنی نماز کے آخر میں سجدہ سہو ہوگا۔ سہو کے ساتھ مقید کیا

تشہد کے بعد اس سے قیام پایا گیا ہو تو جائز ہے اگر چہ اس نے تلاوت نہ بھی کی ہو کیونکہ وہ بقیہ دو رکعتوں میں قراءت کرے گا اور قراءت دو رکعتوں میں فرض ہے۔ اس کی تمام بحث ''المنیہ'' اور اس کی شرح کے سہو میں ہے۔ یہ اس بنیاد پر ہے کہ امام کے فارغ ہونے سے پہلے مسبوق کے قیام کا شمار نہیں کیا جائے گا گویا وہ کھڑا ہی نہیں ہوا اور اس کے بعد اس کے قیام کا اعتبار ہوگا۔ اگر اس وقت اس سے قراءت اور قیام پایا گیا تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں جیسا ''الرملی'' میں ہے۔

5008۔ (قولہ: وَكُرِهَ تَحْرِيمًا) یعنی امام کے تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد مسبوق کا کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ سلام میں اس کو متابعت واجب تھی۔

5009۔ (قولہ: كَخَوْفِ حَدَثٍ) یعنی حدث لاحق ہونے کا خوف ہو۔

5010۔ (قولہ: وَخُرُوجِ) اس کا عطف حدث پر ہے۔

5011۔ (قولہ: وَجُمُعَةٍ وَعِيدٍ وَمَعْذُورٍ) ان کا عطف (فجر) پر ہے۔ ''حلبی''۔

5012۔ (قولہ: وَتَمَامِ) اس کا عطف حدث پر ہے۔ اسی طرح مرور کا عطف حدث پر ہے۔ ''حلبی''۔

5013۔ (قولہ: فَإِنْ فَرَغَ) یعنی جب امام کے تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد مسبوق کھڑا ہوا پھر اپنی پہلی بقیہ نماز پڑھی اور اس نماز سے امام کے سلام سے پہلے فارغ ہو گیا پھر سلام میں امام کی متابعت کی تو بعض علما نے فرمایا: اس کی نماز فاسد ہے۔ اور بعض نے کہا: فاسد نہیں ہے۔ اور اس پر فتویٰ ہے۔ کیونکہ اگر چہ مفارقت کے بعد اس کا اقتدا کرنا مفسد ہے لیکن یہ مفسد فراغت کے بعد ہے۔ پس یہ اس حالت میں جان بوجھ کر حدث لاحق کرنے کی طرح ہے ''فتح''، ''بحر''۔ تعلیل کا مقتضا یہ ہے کہ متابعت صرف سلام میں تھی۔ جیسا کہ الشارح کے کلام کا بھی ظاہر ہے۔ پس اگر اس نے قعدہ اور تشہد میں امام کی متابعت کا قصد کیا تو اس کی نماز فاسد ہوگی کیونکہ یہ فراغت سے پہلے اقتدا ہے۔

5014۔ (قولہ: وَلَوْ لَمْ يَعُدْ) یہ فعلیہ ان یعود کے قول کا مقابل ہے۔

5015۔ (قولہ: قَيَّدَ بِالسَّهْوِ) یعنی وعلی الامام سجدتا سھو کے قول میں سہو سے مقید کیا۔

لِأَنَّ الْإِمَامَ لَوْ تَذَكَّرَ سَجْدَةً صُلْبِيَّةً أَوْ تِلَاوِيَّةً فُرِضَتْ الْمُتَابَعَةُ، وَهَذَا كُلُّهُ قَبْلَ تَقْيِيدِ مَا قَامَ إِلَيْهِ بِسَجْدَةٍ، أَمَّا بَعْدَهُ فَتَفْسُدُ فِي صُلْبِيَّةٍ مُطْلَقًا، وَكَذَا فِي تِلَاوِيَّةٍ، وَسَهْوٍ إِنْ تَابَعَ وَإِلَّا لَا

کیونکہ امام کو اگر نماز کا سجدہ یا سجدہ تلاوت یاد آیا تو متابعت فرض ہے۔ اور یہ تمام سجدہ کے ساتھ رکعت کو مقید کرنے سے پہلے ہے۔ رہا سجدہ کے بعد تو سجدہ صلبیہ کی صورت میں مطلقا نماز فاسد ہوگی۔ اور اسی طرح سجدہ تلاوت اور سجدہ سہو میں بھی اگر وہ امام کی متابعت کرے گا اور اگر امام کی متابعت نہیں کرے گا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

5016۔ (قولہ: فُرِضَتْ الْمُتَابَعَةُ) کیونکہ فرض میں متابعت فرض ہے۔ رہا سجدہ صلبیہ (نماز کا سجدہ) میں تو ظاہر ہے۔ رہا سجدہ تلاوت تو یہ بھی قعدہ اخیرہ کو اٹھا دیتا ہے اور قعدہ فرض ہے۔ پس اس میں متابعت فرض ہے۔ ''حلبی''۔

حاصل یہ ہے کہ جب وہ رکعت کے لئے کھڑا ہوا اور اسے سجدہ کے ساتھ مقید نہیں کیا تو وہ منفرد نہ ہوگا اور وہ اسے چھوڑ دے گا اور اگر اس نے امام کی متابعت نہ کی تو اس کی نماز فاسد ہوگی۔ ''الفتح'' وغیرہ میں یہاں فساد کا اطلاق کیا ہے۔ لیکن ''الذخیرہ'' میں سجدہ تلاوت کے یاد آنے میں تفصیل ذکر کی ہے اس طرح کہ اگر اس میں امام کی متابعت نہ کی تو دیکھا جائے گا اگر اس سے اتنی مقدار قیام اور قراءت پائی گئی ہے دوسرے قعدہ سے امام کے فارغ ہونے کے بعد جس کے ساتھ نماز جائز ہو سکتی ہے تو اس کی نماز جائز ہوگی ورنہ نہیں۔ کیونکہ امام کے سجدہ تلاوت کی طرف لوٹنے کے ساتھ قعدہ اخیرہ اٹھ گیا۔ پس وہ اس طرح ہوگیا گویا وہ امام کے تشہد سے فارغ ہونے سے پہلے بقیہ نماز کو ادا کرنے کی طرف کھڑا ہوا۔

اور نماز کے سجدہ میں اس کی مثل ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ رکن ہے۔ پس اس میں عدم متابعت مطلقا مفسد ہے بخلاف سجدہ تلاوت کے کیونکہ وہ واجب ہے۔ تامل۔

5017۔ (قولہ: هَذَا كُلُّهُ) یعنی مسبوق کا لوٹنا، اور سجدہ سہو اور نماز کے سجدہ اور سجدہ تلاوت میں مسبوق کا امام کی اتباع کرنا۔ ''حلبی''۔

5018۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی امام کی متابعت کرے یا نہ کرے کیونکہ وہ منفرد ہوگیا حالانکہ اس پر دو رکن باقی تھے۔ سجدہ اور قعدہ۔ اور وہ رکعت کو مکمل کرنے کے بعد امام کی متابعت سے عاجز ہے۔ ''فتح''، ''البحر''۔

5019۔ (قولہ: إِنْ تَابَعَ) متابعت میں ایسی چیز کو چھوڑنا ہے جو چھوڑنے کو قبول نہیں کرتی۔

5020۔ (قولہ: وَإِلَّا لَا) یعنی اگر سجدہ تلاوت اور سجدہ سہو میں امام کی متابعت نہیں کی تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ رہا سجدہ سہو میں تو اس لئے کہ وہ واجب ہے قعدہ کو نہیں اٹھاتا اور تشہد کو اٹھاتا ہے اور یہ بھی واجب ہے۔ اور متابعت کا واجب میں ترک فساد کا موجب نہیں۔ رہا سجدہ تلاوت تو وہ واجب ہے اور اس کا قعدہ کو اٹھانا مسبوق کے انفراد کے استحکام کے بعد تھا۔ پس وہ اسے لازم نہ ہوگا۔ ''حلبی''۔

یعنی قعدہ کے اٹھانے میں امام کا حکم اسے لازم نہیں جیسے اگر امام قعدہ کو مکمل کرنے کے بعد مرتد ہو جائے یا جماعت کے

وَلَوْ سَلَّمَ سَاهِيًا إِنْ بَعْدَ إِمَامِهِ لَزِمَهُ السَّهْوُ وَإِلَّا لَا وَلَوْ قَامَ إِمَامُهُ لِخَامِسَةٍ فَتَابَعَهُ، إِنْ بَعْدَ الْقُعُودِ تَفْسُدُ وَإِلَّا لَا حَتَّى يُقَيِّدَ الْخَامِسَةَ بِسَجْدَةٍ وَلَوْ ظَنَّ الْإِمَامُ السَّهْوَ فَسَجَدَ لَهُ فَتَابَعَهُ فَبَانَ أَنْ لَا سَهْوَ

اور اگر مسبوق نے بھول کر سلام پھیرا اگر وہ امام کے سلام کے بعد پھیرا تو اس پر سجدہ سہو لازم ہے ورنہ سجدہ سہو لازم نہیں۔ اور اگر مسبوق کا امام پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہوا پھر مسبوق نے اس کی متابعت کی اگر امام کے قعدہ بیٹھنے کے بعد ہے تو مسبوق کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر امام قعدہ اخیرہ نہ بیٹھا تھا تو مسبوق کی نماز فاسد نہ ہوگی حتیٰ کہ وہ سجدہ کے ساتھ پانچویں رکعت کو مقید کر دے۔ اور اگر امام نے سہو کا گمان کیا پھر سجدہ سہو کیا۔ پھر مسبوق نے اس کی متابعت کی پھر ظاہر ہوا کہ اس پر سہو نہیں تھا

ساتھ ظہر پڑھنے کے بعد جمعہ کی طرف چلے تو اس کے حق میں وہ ترک ہوا۔ مقتدیوں کے حق میں ترک نہ ہوا۔ اس کی مکمل بحث ''الفتح'' اور سہو ''البدائع'' میں ہے۔

5021۔ (قولہ: وَلَوْ سَلَّمَ سَاهِيًا) اس کے ساتھ مقید کیا ہے کیونکہ اگر امام کے ساتھ سلام پھیرا اس گمان پر کہ امام کے ساتھ اس پر سلام ہے تو یہ سلام عمد ہے۔ پس نماز فاسد ہوگی جیسا کہ ''البحر'' میں ''ظہیریہ'' کے حوالہ سے ہے۔

5022۔ (قولہ: لَزِمَهُ السَّهْوُ) کیونکہ وہ اس حالت میں منفرد ہے۔

5023۔ (قولہ: وَإِلَّا لَا) یعنی اگر امام کے ساتھ یا امام سے پہلے سلام پھیرا تو سجدہ سہو لازم نہ ہوگا کیونکہ وہ ان دونوں حالتوں میں مقتدی ہے۔ ''حلبی''۔

اور ''شرح المنیہ'' میں ''المحیط'' کے حوالہ سے ہے: یہ اگر پہلے میں امام کے سلام سے متصل سلام پھیرا تو اس پر سہو نہیں کیونکہ وہ اس کے ساتھ مقتدی ہے اور امام کے سلام کے بعد سلام پھیرا تو سجدہ سہو لازم ہوگا کیونکہ وہ منفرد ہے۔ پھر فرمایا: اس بنا پر معیت سے مراد اس کی حقیقت لی جاتی ہے اور یہ نادر الوقوع ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ غالب سجود کا لزوم ہے کیونکہ اغلب عدم معیت ہوتی ہے۔ یہ وہ ہے جس سے اکثر لوگ غافل ہیں۔ پس اس کے لئے بیدار ہونا چاہئے۔

5024۔ (قولہ: إِنْ بَعْدَ الْقُعُودِ) یعنی امام کے قعدہ اخیرہ کرنے کے بعد۔

5025۔ (قولہ: تَفْسُدُ) یعنی مسبوق کی نماز۔ کیونکہ وہ انفراد کی جگہ میں اقتدا ہے اور اس کے بغیر مسبوق کی اقتدا مفسد ہے جیسا کہ (مقولہ 4999 میں) گزر چکا ہے۔

5026۔ (قولہ: وَإِلَّا) یعنی اگر وہ قعدہ نہ بیٹھا اور مسبوق نے اس کی متابعت کی تو مسبوق کی نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ امام جس کی طرف کھڑا ہوا ہے وہ چھوڑنے کے مقام پر ہے اور نماز مکمل نہیں ہوئی ہے پس اگر اس نے پانچویں رکعت کے سجدہ کے ساتھ مقید کر دیا تو اس کی نماز نفل ہوگئی۔ اگر وہ چھٹی رکعت ملا دے تو مسبوق کو چاہئے کہ وہ اس کی اتباع کرے پھر پہلی بقیہ

فَالْأَشْبَهُ الْفَسَادُ لِاقْتِدَائِهِ فِي مَوْضِعِ الِانْفِرَادِ
تو اشبہ یہ ہے کہ نماز فاسد ہے کیونکہ افراد کی جگہ میں اس نے اقتدا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

نماز قضا کرے۔ اس کی نماز بھی امام کی نماز کی طرح نفل ہو جائے گی اور اس کو اگر فاسد کر دیا تو اس پر قضا نہ ہوگی۔ کیونکہ اس میں وہ قصداً مشروع نہیں ہوا۔ ''رحمتی''۔

5027۔ (قولہ: فَالْأَشْبَهُ الْفَسَادُ) اور ''الفیض'' میں ہے: بعض علما نے فرمایا: اس کی نماز فاسد نہ ہوگی اور اس کے ساتھ فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ''البحر'' میں ''الظہیریہ'' کے حوالہ سے ہے کہ الفقیہ ''ابو اللیث'' نے فرمایا: ہمارے زمانے میں نماز فاسد نہیں ہوگی۔ کیونکہ قرا میں جہالت غالب ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

بَابُ الِاسْتِخْلَافِ

اِعْلَمْ أَنَّ لِجَوَازِ الْبِنَاءِ ثَلَاثَةَ عَشَرَ شَرْطًا كَوْنُ الْحَدَثِ سَمَاوِيًّا مِنْ بَدَنِهِ، غَيْرَ مُوجِبٍ لِغُسْلٍ،

نیابت کے احکام

یہ جان لیں کہ بنا کے جائز ہونے کے لئے تیرہ شرطیں ہیں وہ حدث سماوی ہو، اس کے بدن سے واقع ہو، غسل کو واجب نہ کرے،

اس باب کی باب امامت کے ساتھ مناسبت ظاہر ہے۔ اسی وجہ سے اس کے ساتھ عنوان رکھا جب کہ اس عنوان سے عدول کیا جو ''ہدایہ'' وغیرہا میں ہے۔ وہ باب الحدث فی الصلاۃ ہے۔ ''ہدایہ'' وغیرہا کا عنوان بالسبب ہے عنوان بالحکم نہیں۔ پہلا عنوان (باب الاستخلاف) زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ وہ عنوان بالحکم ہے۔ جب نائب بنانا اس امر کے ساتھ مشروط ہے کہ حدث ایسا نہ ہو جو بنا کے مانع ہوتا ہے تو شارح نے بنا کی شروط کا ذکر کیا ہے کیونکہ یہ حقیقت میں نائب کی جانب سے اسی پر بنا ہے جو امام نے نماز ادا کی تھی۔

بنا کی شرائط

5028۔ (قولہ: كَوْنُ الْحَدَثِ سَمَاوِيًّا) وہ ایسا حدث ہوتا ہے جس میں بندے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ اسی طرح اس کے سبب میں بندے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا، جس طرح شرح میں آیا ہے۔ پہلی قید (سماوی) کے ساتھ وہ صورت نکل گئی کہ اگر اس نے جان بوجھ کر حدث لاحق کیا اور دوسری قید کے ساتھ وہ صورت نکل گئی اگر وہ زخم لگانے، دانت کے کاٹنے یا ایک ایسے آدمی سے پتھر کے گرنے کے سبب ہو جو چھت وغیرہ پر چل رہا ہو۔ ''فافہم''

5029۔ (قولہ: مِنْ بَدَنِهِ) اس قول سے، اس سے احتراز کیا ہے کہ اسے خارج سے ایسی نجاست پہنچی ہو جو مانع ہو۔ اس صورت میں حدث کا اطلاق نجاست پر کیا ہے۔ جبکہ یہ تسامح ہے کیونکہ ایسی نجاست جو نماز کے مانع ہو، جو غیر ارادی حدث کے علاوہ ہو، بنا کے مانع ہوتی ہے خواہ وہ نجاست اس کے بدن سے واقع ہو یا خارج سے لاحق ہو۔ جس طرح ''البحر'' وغیرہ میں ہے۔ نیز نجاست تو اس میں داخل ہی نہیں کیونکہ کلام، حدث کے بارے میں ہے۔ بعض اوقات یہ قول کیا جاتا ہے کہ اس قول کے ساتھ جنون سے احتراز کیا ہے۔ کیونکہ یہ ایسا حدث ہے جو بدن سے واقع نہیں ہوتا جب وہ جن کی جانب سے ہو، نہ کہ مرض کی وجہ سے ہو ورنہ وہ بدن سے ہوگا جس طرح غشی۔ ''تامل''۔

5030۔ (قولہ: غَيْرَ مُوجِبٍ لِغُسْلٍ) اس قید سے وہ صورت خارج ہو گئی جس سے سوچ و بچار کرنے کی صورت میں انزال ہو گیا۔

وَلَا نَادِرِ وُجُودٍ وَلَمْ يُؤَدِّ رُكْنًا مَعَ حَدَثٍ أَوْ مَشْيٍ وَلَمْ يَفْعَلْ مُنَافِيًا أَوْ فِعْلًا لَهُ مِنْهُ بُدٌّ، وَلَمْ يَتَرَاخَ بِلَا عُذْرٍ كَزَحْمَةٍ، وَلَمْ يَظْهَرْ حَدَثُهُ السَّابِقُ كَمُضِيِّ مُدَّةِ مَسْحِهِ، وَلَمْ يَتَذَكَّرْ فَائِتَةً وَهُوَ ذُو تَرْتِيبٍ وَلَمْ يُتِمَّ الْمُؤْتَمُّ فِي غَيْرِ مَكَانِهِ

اس کا وجود نادر نہ ہو، اس نے کوئی رکن حدث کی حالت میں ادا نہ کیا ہو، اس نے کوئی رکن چلتے ہوئے ادا نہ کیا ہو۔ اور اس نے نماز کے منافی کوئی فعل نہ کیا ہو یا ایسا فعل نہ کیا ہو جس کے بغیر بھی چارہ کار تھا، اس نے عذر کے بغیر تاخیر نہ کی ہو۔ جیسے بھیڑ، اس کا سابقہ حدث ظاہر نہ ہوا ہو، جس طرح اس کے مسح کی مدت کا گزر جانا، اسے فوت شدہ نماز یاد نہ آئی ہو جبکہ وہ صاحب ترتیب ہو، مقتدی نے اپنی جگہ کے علاوہ میں نماز مکمل نہ کی ہو۔

5031۔(قوله: وَلَا نَادِرِ وُجُودٍ) اس قید کے ساتھ قہقہہ اور اغماء وغیرہ خارج ہو گیا۔

5032۔(قوله: وَلَمْ يُؤَدِّ رُكْنًا مَعَ حَدَثٍ) اس قید سے وہ صورت خارج ہو گئی جب اسے حدث، سجدہ کی حالت میں لاحق ہوا تو اس نے ادائیگی کے ارادہ سے اپنا سر اٹھایا یا جاتے ہوئے قراءت کی۔

5033۔(قوله: أَوْ مَشْيٍ) جب اس نے لوٹتے ہوئے قراءت کی تو وہ اس قید سے خارج ہو جائے گا۔

5034۔(قوله: وَلَمْ يَفْعَلْ مُنَافِيًا) اس سے وہ فعل خارج ہو جائے گا جب اس نے سماوی حدث کے بعد جان بوجھ کر حدث لاحق کیا۔

5035۔(قوله: أَوْ فِعْلًا لَهُ مِنْهُ بُدٌّ) اس سے وہ خارج ہو جائے گا کہ اگر اس نے دور کے پانی کی طرف تجاوز کیا جو دو صفوں سے زیادہ مقدار میں تھا اور یہ دور جانا عذر کے بغیر تھا۔

5036۔(قوله: وَلَمْ يَتَرَاخَ) اگر اس نے کسی عذر کی وجہ سے ایک رکن کی ادائیگی تک تاخیر کی جیسے بھیڑ ہو یا خون آ گیا تھا۔ بے شک ایسا آدمی نماز کی بنا کر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر اس کا حدث نیند کی حالت میں واقع ہو وہ ایک زمانہ تک ٹھہرا رہا پھر وہ بیدار ہوا۔ کیونکہ اسی حالت پر ٹھہرے رہنے کی وجہ سے نماز میں فساد، حدث کے ساتھ نماز کے ایک جز کی ادائیگی کے پائے جانے کی وجہ سے ہے جبکہ سونے والا اپنی حالت نیند میں کسی بھی شے کو ادا کرنے والا نہیں ہوتا۔ ''شرح المنیہ''۔

5037۔(قوله: كَمُضِيِّ مُدَّةِ مَسْحِهِ) اس کے مسح کی مدت گزر جائے اور جیسے تیمم کرنے والا پانی دیکھ لے اور مستحاضہ کا وقت نکل جائے۔ ''بحر''۔

5038۔(قوله: وَلَمْ يَتَذَكَّرْ فَائِتَةً الخ) اگر اسے فوت شدہ نماز یاد آ جائے تو اس کی بنا حتمی طور پر صحیح نہ ہو گی (بلکہ موقوفاً صحیح ہو گی) بلکہ کبھی صحیح ہو گی اور کبھی صحیح نہ ہو گی۔ کیونکہ اگر اس نے یاد آنے کے بعد اسے قضا کیا، جس طرح مشروع ہے تو وقتی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر اسے موخر کیا یہاں تک کہ چھٹی نماز کا وقت گزر گیا تو وہ صاحب ترتیب نہیں رہے گا۔ پس بنا صحیح ہو گی۔ ''فافہم''۔

5039۔(قوله: وَلَمْ يُتِمَّ الْمُؤْتَمُّ فِي غَيْرِ مَكَانِهِ) مؤتم کا لفظ اس امام کو شامل ہے جسے حدث لاحق ہوا اور اس نے

وَلَمْ يَسْتَخْلِفْ الْإِمَامُ غَيْرَ صَالِحٍ لَهَا (سَبَقَ الْإِمَامَ حَدَثٌ) سَمَاوِيٌّ، لَا اخْتِيَارَ لِلْعَبْدِ فِيهِ وَلَا فِي سَبَبِهِ
اور اس امام نے ایسے آدمی کو خلیفہ نہ بنایا ہو جو امامت کی صلاحیت نہ رکھتا ہو امام کو ساوی حدث لاحق ہو گیا۔ جس میں بندے کا کوئی اختیار نہیں تھا اور نہ اس کے سبب میں کوئی اختیار تھا

کسی کو خلیفہ بنایا ہو۔ کیونکہ اب وہ اپنے نائب کی اقتدا کرنے والا ہوتا ہے جب اس نے وضو کیا اور اس کا امام اپنی نماز سے فارغ نہیں ہوا تو اس پر لازم ہے کہ وہ لوٹ آئے اور اپنے امام کے پیچھے اپنی نماز کو مکمل کرے۔ اگر ان کے درمیان ایسی چیز ہو جو اقتدا کے مانع ہو یہاں تک کہ اگر اس نے اسی جگہ نماز کو مکمل کیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ جہاں تک منفرد آدمی کا تعلق ہے اسے اختیار ہوگا کہ وہ واپس لوٹ آئے یا واپس نہ لوٹے۔

5040۔ (قولہ: غَيْرَ صَالِحٍ لَهَا) جیسے بچہ، عورت اور امی: جب اس نے ان میں سے کسی کو نائب بنایا تو اس کی نماز اور قوم کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ ایسا عمل کثیر ہے جو نماز کے اعمال میں سے نہیں۔ ان شروط کے متعلق مکمل گفتگو (مقولہ 5128 میں) آئے گی۔

5041۔ قولہ: (سَبَقَ الْإِمَامَ حَدَثٌ) امام کو حقیقۃً حدث لاحق ہو گیا اگر اسے حدث کے لاحق ہونے کا گمان ہوا پھر حدث کا نہ ہونا ظاہر ہوا۔ عنقریب آ گے (مقولہ 5069 میں) آئے گا کہ اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اگر وہ مسجد سے نکل گیا جب اس نے کسی کو اپنا نائب بنایا تھا۔ کیونکہ یہ عمل کثیر ہے۔

5042۔ (قولہ: لَا اخْتِيَارَ لِلْعَبْدِ فِيهِ الخ) یہ ساوی کی صفت کاشفہ ہے۔ ''ح''۔

میں کہتا ہوں: ان کی کلام سے ظاہر یہ ہے کہ یہاں طرفین کے نزدیک، عبد سے مراد نمازی اور اس کے علاوہ ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس سے مراد نمازی ہے۔ ''حاشیہ نوح'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے۔ اگر نمازی کو حدث لاحق ہو جائے جبکہ اس کا کوئی عمل دخل نہ ہو جیسے اسے مٹی کا کوئی روڑا لگا تو اسے زخمی کر دیا، تو طرفین کے نزدیک وہ بنا نہیں کر سکے گا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ بنا کرے گا۔ کیونکہ اس میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں۔ پس وہ ساوی حدث کی طرح ہو گیا۔ طرفین کی رائے ہے۔ یہ ایسا حدث ہے جو بندوں کے عمل سے واقع ہوا ہے۔ اس کا وجود غالب نہیں ہوتا۔ پس اسے ساوی کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا۔ اگر چھت سے اس پر مٹی کا روڑا آ پڑا یا وہ ایک درخت کے نیچے نماز پڑھ رہا تھا تو اس پر امرود یا بہی کا دانہ آ گرا اور اسے زخمی کر دیا یا اسے مسجد کا پڑا کانٹا لگا اور اس کا خون نکال دیا تو ایک قول یہ کیا گیا ہے، وہ بنا کرے گا کیونکہ یہ امر واقع ہوا، مگر اس میں بندے کا عمل داخل نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ یہ بھی اختلاف پر مبنی ہے کیونکہ اس چیز کا گرنا اس کے رکھنے اور اس کے اگانے کے سبب ہے۔ ''الظہیریہ'' میں کہا: اگر چھت سے مٹی کا روڑا گرا جس نے اس کے سر کو زخمی کر دیا یا اگر یہ کسی گزرنے والے کے گزرنے سے ہوا تو وہ نئے سرے سے نماز پڑھے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے، اگر کسی گزرنے والے سے نہ ہو تو ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ بغیر کسی اختلاف کے بنا کرے اور ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ اختلاف پر مبنی ہے اور یہی قول صحیح ہے۔

كَسَفَرِ جَلَةٍ مِنْ شَجَرَةٍ، وَكَحَدَثِهِ مِنْ نَحْوِ عُطَاسٍ عَلَى الصَّحِيحِ (غَيْرِ مَانِعٍ لِلْبِنَاءِ) كَمَا قَدَّمْنَاهُ (وَلَوْ بَعْدَ التَّشَهُّدِ) لِيَأْتِيَ بِالسَّلَامِ (اسْتَخْلَفَ)

جیسے درخت سے بہی گری، اور اسے حدث لاحق ہو گیا چھینک وغیرہ سے۔ یہ صحیح قول کے مطابق ہے۔ یہ نماز کی بنا کے مانع نہیں جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اگر چہ یہ تشہد کے بعد ہو، تا کہ وہ سلام کہے۔ وہ اپنا نائب بنائے

خیر رملی نے ''الظہیریہ'' کا کلام ذکر کرنے کے بعد کہا: میں کہتا ہوں: اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ صحیح یہ ہے کہ مطلقاً بنا نہ کی جائے۔ اس پر بہی کے گرنے کو قیاس کیا جاتا ہے اگر جھنجھوڑنے سے گرے تو یہ امر اختلاف پر مبنی ہے۔ ورنہ یہ قول کیا جائے گا کہ وہ بغیر کسی اختلاف کے بنا کرے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ ایسا امر ہے جس میں اختلاف ہے۔

5043۔ (قولہ: كَسَفَرِ جَلَةٍ الخ) یہ منفی کی تمثیل ہے۔ یہ وہ امر ہے جس میں بندے کا اختیار ہوتا ہے۔ ''البحر'' میں بہی کے گرنے اور چھت سے پکی اینٹ کے گرنے سے زخمی ہونے کی صورت میں اختلاف کو نقل کیا ہے۔ پھر یہ قول نقل کیا ہے کہ جب چھینک مارنے یا کھانسنے سے حدث لاحق ہوا تو نماز کی بنا کرنا صحیح نہیں۔ ''رملی'' نے ''شرح المنیہ'' سے نقل کیا ہے۔ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ کھانسنے سے حدث لاحق ہو جائے تو بنا نہ ہوگی، چھینکنے کا معاملہ مختلف ہے اور جو کچھ ''شرنبلالیہ'' میں ہے اور ''محشی'' نے جس کی پیروی کی ہے کہ ''البحر'' میں ہے کہ دونوں صورتوں میں بنا صحیح ہے یہ امر واقع نہیں۔ فافہم

5044۔ (قولہ: غَيْرِ مَانِعٍ لِلْبِنَاءِ) یہ حدث کی صفت ہے۔ اس قول کے ساتھ وہ حدث خارج ہو گیا جب وہ بنا کے مانع ہو اس طرح کہ حدث ان تیرہ چیزوں میں سے کسی کی ضد میں سے ہو وہ، وہ ہے جس کی طرف اپنے اس قول كما قدمناه کے ساتھ اشارہ کیا ہے۔ ''ح''۔

5045۔ (قولہ: لِيَأْتِيَ بِالسَّلَامِ) ''ابن کمال'' نے کہا: ''ہدایہ'' میں اس کی تصریح کی ہے، یہ اس امر میں صریح ہے کہ دونوں ائمہ کا کوئی اختلاف نہیں کیونکہ سلام کے واجب ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں۔

اس قول کے ساتھ ''صدر الشریعہ'' اور ''منلا خسرو'' کے رد کا ارادہ کیا ہے۔ کیونکہ دونوں نے اس کی یہ علت بیان کی ہے کہ اس کی نماز مکمل نہیں ہوئی۔ کیونکہ آپنے عمل کے ساتھ نمازی کا نماز سے نکلنا ''امام صاحب'' کے نزدیک فرض ہے جبکہ ایسا عمل نہیں پایا گیا جبکہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک نماز مکمل ہو گئی۔ یعنی وہ کسی کو اپنا نائب نہیں بنائے گا ''یعقوبیہ'' میں بھی اس کا رد کیا ہے کہ یہ بعض مشائخ کا قول ہے۔ صاحب ''ہدایہ'' کے کلام میں اشارہ ہے کہ مختار قول ''امام کرخی'' کا ہے۔ وہ یہ ہے کہ نمازی کا اپنے عمل سے نماز سے نکلنا بالاتفاق فرض نہیں۔

5046۔ (قولہ: اسْتَخْلَفَ) اس قول کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ خلیفہ بنانا یہ امام کا حق ہے یہاں تک کہ اگر قوم نے نائب بنایا تو خلیفہ، امام کا ہی خلیفہ ہو گا۔ جس نے لوگوں کے خلیفہ کی اقتدا کی اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اگر خلیفہ (نائب) نے کسی اور کو آگے کر دیا، اگر اس نے یہ قبول کر لیا کہ وہ پہلے کی جگہ کھڑا ہو جبکہ وہ پہلا مسجد میں ہو تو یہ جائز ہو گا۔ اگر قوم نے کسی کو آگے کیا یا وہ خود بخود آگے ہو گیا، کیونکہ امام نے نائب نہیں بنایا تھا تو یہ جائز ہو جائے گا، اگر وہ پہلے کے

أَيْ جَازَ لَهُ ذَلِكَ وَلَوْ فِي جِنَازَةٍ بِإِشَارَةٍ أَوْ جَرٍّ لِمِحْرَابٍ، وَلَوْ لِمَسْبُوقٍ، وَيُشِيرُ بِأُصْبُعٍ لِبَقَاءِ رَكْعَةٍ وَبِأُصْبُعَيْنِ لِرَكْعَتَيْنِ، وَيَضَعُ يَدَهُ عَلَى رُكْبَتِهِ لِتَرْكِ رُكُوعٍ، وَعَلَى جَبْهَتِهِ لِسُجُودٍ، وَعَلَى فَمِهِ لِقِرَاءَةٍ، وَعَلَى جَبْهَتِهِ وَلِسَانِهِ لِسُجُودِ تِلَاوَةٍ، أَوْ صَدْرِهِ لِسَهْوٍ (مَا لَمْ يُجَاوِزْ الصُّفُوفَ لَوْ فِي الصَّحْرَاءِ)

یعنی اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنا نائب بنائے اگرچہ جنازہ میں ہو، یہ نائب بنانا اشارہ کے ساتھ ہو یا محراب کی طرف کھینچنے کے ساتھ ہو اگرچہ مسبوق کو ہی ہو۔ اور وہ ایک انگلی کے ساتھ اشارہ کرے ایک رکعت کے باقی رہنے کے لیے۔ اور دو انگلیوں کے ساتھ اشارہ کرے گا دو رکعتوں کے لئے اور اپنا ہاتھ گھٹنے پر رکھے گا رکوع کے رہ جانے کے لئے اور اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھے گا سجدہ کے رہ جانے کے لئے اور منہ پر ہاتھ رکھے قراءت کے لئے اور اپنی پیشانی اور زبان پر ہاتھ رکھے سجدہ تلاوت کے لئے اور سینہ پر ہاتھ رکھے سجدہ سہو کے لئے۔ وہ نائب بنائے گا جب تک وہ صفوف سے تجاوز نہ کرے اگر وہ صحرا میں ہو،

مسجد سے نکلنے سے پہلے اس کی جگہ کھڑا ہو گیا۔ اگر وہ مسجد سے نکل گیا تو امام کے علاوہ سب کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ ''الخانیہ'' میں اسی طرح ہے۔ اگر دو آدمی آگے بڑھے تو سبقت لے جانے والا اولی ہوگا۔ اگر قوم نے دونوں کو آگے کیا تھا تو اعتبار اکثر کا ہوگا۔ اگر دونوں برابر ہوں تو سب کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس کی مکمل بحث ''النہر'' میں ہے۔

5047۔ (قولہ: أَيْ جَازَ لَهُ ذَلِكَ) اس کے لیے یہ جائز ہے یہاں تک کہ اگر پانی مسجد میں ہو تو وہ وضو کرے گا اور بنا کرے گا اور نائب بنانے کی ضرورت نہ ہوگی۔ جس طرح ''زیلعی'' نے ذکر کیا ہے۔ اگر وہ مسجد میں نہ ہو تو افضل نائب بنانا ہے جس طرح ''المستصفی'' میں ہے۔ ''متون'' کا ظاہر معنی یہ ہے کہ سب کے حق میں نائب بنانا افضل ہے۔ ''ابن ملک'' کی ''شرح المجمع'' میں جو قول ہے کہ امام پر ضروری ہے کہ وہ قوم کی نماز کی حفاظت کی خاطر نائب بنائے۔ اس میں نظر ہے ''بحر''۔ بعض اوقات اس کا جواب اس قول سے دیا جاتا ہے جو ''النہر'' میں ہے کہ وقت کی تنگی کے وقت اس کا وجوب مناسب ہے۔

5048۔ (قولہ: وَلَوْ فِي جِنَازَةٍ) یہی اصح ہے ''نہر'' میں ''السراج'' سے مروی ہے۔

5049۔ (قولہ: بِإِشَارَةٍ) یہ ان کے قول استخلف کے متعلق ہے۔ ''الفتح'' میں کہا: جس کی پشت کبڑی ہو اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنی ناک کو پکڑ کر اشارہ کرے یعنی وہ یہ وہم دلائے کہ اسے نکسیر آئی ہے۔

5050۔ (قولہ: وَلَوْ لِمَسْبُوقٍ) اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ جو مقتدی ابتدا سے ہی امام کے ساتھ شریک تھا اسے نائب بنانا اولی ہے۔ جس طرح آگے (مقولہ 5144 میں) آئے گا ساتھ ہی اس کی وضاحت ہوگی کہ مسبوق کیا کرے۔

5051۔ (قولہ: وَيُشِيرُ الخ) یہ اس وقت ہے جب نائب کو علم نہ ہو۔ مگر جب وہ جانتا ہو تو اس کی کوئی حاجت نہیں۔ ''بحر''۔

5052۔ (قولہ: لِسُجُودٍ) یعنی سجود کے ترک کرنے کی طرف یہ اشارہ ہے۔ اسی طرح اس کے مابعد معطوفات کا معاملہ ہے۔ ''ح''۔

مَا لَمْ يَتَقَدَّمْ فَحَدُّهُ السُّتْرَةُ أَوْ مَوْضِعُ السُّجُودِ عَلَى الْمُعْتَمَدِ كَالْمُنْفَرِدِ (وَمَا لَمْ يَخْرُجْ مِنَ الْمَسْجِدِ) أَوْ الْجَبَّانَةِ أَوْ الدَّارِ

جب تک آگے کی طرف نہ بڑھے۔ کیونکہ آگے کی حد سترہ یا سجدہ کی جگہ ہے۔ یہی قابل اعتماد قول ہے۔ جس طرح اکیلے نماز پڑھنے والے کا معاملہ ہے اور جب تک وہ مسجد سے نہ نکلے۔ یا جبانہ یا دار سے نہ نکلے

5053۔(قولہ: مَا لَمْ يَتَقَدَّمْ الخ) یہ اس قول کی تخصیص ہے جو متن میں ہے جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔ اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ اس کی حد صفیں ہیں اگر وہ دائیں، بائیں یا پیچھے جائے۔ اگر وہ آگے جاتا ہے تو اس کی حد سترہ ہے یا سجدہ کی جگہ ہے اگر سترہ نہ ہو۔ ''الفتح'' میں کہا: یہ توجیہہ مناسب ترین ہے۔ ''البدائع'' میں ہے: یہ صحیح ہے۔ ''البحر'' میں کہا: جو ''ہدایہ'' میں ہے کہ جب امام کے سامنے سترہ نہ ہو تو معتبر اس کا اس قدر چلنا ہے جس قدر اس کے پیچھے کی جانب صفیں ہیں۔ یہ قول ضعیف ہے۔

لیکن ''خیر رملی'' نے کہا: اکثر کتابیں اسی قول پر اعتماد کرتی ہیں کہ جو قول ''ہدایہ'' میں ہے تو وہ قول ضعیف کیسے ہوسکتا ہے۔

5054۔(قولہ: كَالْمُنْفَرِدِ) کیونکہ اس میں معتبر چاروں جوانب سے سجدہ کی جگہ ہے۔ مگر جب وہ سامنے کی طرف چلے اور اس کے سامنے سترہ ہو تو اس کے اندر کی جگہ کو مسجد کا حکم دے دیا جائے گا۔ ''بحر'' میں ''البدائع'' سے مروی ہے۔

5055۔(قولہ: وَمَا لَمْ يَخْرُجْ مِنَ الْمَسْجِدِ) جب وہ باہر نکلا تو اس کی نماز باطل ہوگئی تو خلیفہ بنانا صحیح نہ ہوگا۔ اگرچہ صفوف متصل ہوں اور وہ ان کے درمیان میں ہو۔ کیونکہ دارومدار نکلنے پر ہے۔ یہ شیخین کے نزدیک ہے۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک باہر سے نائب بنانا صحیح ہے۔ اس کے ساتھ ''کمال'' اور دوسرے علما نے تصریح کی ہے۔ ''خلاصہ'' میں نائب بنانے کے صحیح ہونے کا قول، شیخین کا قول قرار دیا ہے۔ اور صحیح نہ ہونے کا قول، امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول قرار دیا ہے۔ ''شرنبلالیہ'' میں اسی طرح ہے۔ ''ح''۔

اصح کے قول کے مطابق نماز کے باطل ہونے سے مراد قوم اور نائب کی نماز کا باطل ہونا ہے۔ جس طرح ''البحر'' وغیرہ میں ہے کیونکہ وہ منفرد کے حکم میں ہے۔

تنبیہ

''القنیہ'' میں ''شرح بکر'' وغیرہ سے منقول ہے۔ بڑی مساجد جس طرح مسجد منصور یہ ہے اور مسجد بیت المقدس ہے ان کا حکم صحرا کا حکم ہے۔

5056۔(قولہ: أَوْ الْجَبَّانَةِ) یہ صحرا میں نماز پڑھنے کی عام جگہ ہے۔ ''مغرب''۔

5057۔(قولہ: أَوْ الدَّارِ) ''زیلعی'' اور ''البحر'' میں اسی طرح اسے مطلق ذکر کیا ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد صغیرہ ہے کیونکہ ہم ''موانع اقتدا'' میں پہلے بیان کر چکے ہیں کہ صغیرہ مسجد کی طرح ہے اور کبیرہ صحرا کی طرح ہے اور مختار مذہب یہ ہے کہ کبیرہ، مسجد میں اندازہ چالیس ذراع ہوتا ہے۔ ''تامل''

(لَوْ كَانَ يُصَلِّي فِيهِ) لِأَنَّهُ عَلَى إمَامَتِهِ مَا لَمْ يُجَاوِزْ هَذَا الْحَدَّ، وَلَمْ يَتَقَدَّمْ أَحَدٌ وَلَوْ بِنَفْسِهِ مَقَامَهُ نَاوِيًا الْإِمَامَةَ وَإِنْ لَمْ يُجَاوِزْهُ،

اگر وہ اس میں نماز پڑھ رہا ہو۔ کیونکہ وہ اپنی امامت پر ہے جب تک اس حد سے تجاوز نہیں کرتا اور کوئی ایک خود ہی امام کی جگہ کی طرف آگے نہیں بڑھتا۔ جبکہ وہ امامت کی نیت کرنے والا ہو اگر اس نے اس مذکورہ حد سے تجاوز نہ کیا

5058۔(قولہ: لَوْ كَانَ يُصَلِّي فِيهِ) یعنی مذکورہ چیزوں میں سے کسی ایک میں نماز پڑھ رہا ہو۔''ح''

5059۔(قولہ: مَا لَمْ يُجَاوِزْ هَذَا الْحَدَّ) یعنی صحرا، مسجد وغیرہ۔ جب وہ اس سے تجاوز کر جائے گا تو امام امامت سے نکل جائے گا۔ ورنہ امامت سے نہیں نکلے گا۔''ابن مالک'' نے کہا: یہاں تک کہ اگر کسی انسان نے اس امام کی اقتدا کی جب تک وہ وضو سے پہلے مسجد یا صفوں میں تھا تو اس کی اقتدا جائز ہوگی۔

5060۔(قولہ: وَلَمْ يَتَقَدَّمْ أَحَدٌ وَلَوْ بِنَفْسِهِ) اس قول کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ جب امام نے اسے آگے کیا یا قوم میں سے کسی نے اسے آگے کیا یا وہ خود بخود آگے ہو گیا تو وہ نائب بن جائے گا۔ جس طرح ہم پہلے (مقولہ 5046 میں)''النہر'' سے بیان کر چکے ہیں۔

5061۔(قولہ: مَقَامَهُ) یہ محذوف عامل کا معمول ہے۔ یعنی اس کے قائم مقام اس کی جگہ کھڑا ہو جائے یہ یتقدم کا معمول نہیں۔ کیونکہ یہ نہیں کہا جاتا تقدمتُ مقامَ زید۔ اور نہ ہی یہ قول کیا جاتا ہے ولا قعدتُ مجلسَ عمرو۔ کیونکہ دونوں کا مادہ متحد نہیں۔

یہ چیز ذہن نشین کر لو اس کی جگہ کھڑے ہونے کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اس سے قبل وہ اس کا نائب نہیں ہوتا لیکن یہ اس وقت ہوگا جب نائب نے اسی لحہ امامت کی نیت نہ کی ہو کیونکہ''الخانیہ'' وغیرہا میں ہے: ایک امام کو حدث لاحق ہوا تو اس نے آخری صف سے ایک آدمی کو آگے بھیجا پھر وہ مسجد سے نکل گیا، اگر نائب نے اسی وقت امامت کی نیت کر لی تھی تو وہ امام ہو جائے گا تو جو نمازی اس نائب سے آگے ہوگا اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اگر اس نے اس وقت امام کی نیت کی جب وہ پہلے امام کی جگہ کھڑا ہوا اور پہلا امام مسجد سے باہر نکل گیا اس سے قبل کہ نائب اس کی جگہ پہنچتا تو ان سب کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ امام کی جگہ، امام سے خالی ہے۔ نائب اور قوم کی نماز کے جواز کی شرط یہ ہے کہ خلیفہ محراب تک پہنچ جائے قبل اس کے کہ امام مسجد سے نکل جائے۔ جب خلیفہ نے اسی وقت امامت کی نیت کر لی اور امام مسجد سے نکل گیا قبل اس کے کہ خلیفہ محراب تک پہنچا تو ان کی نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ مسجد امام سے خالی نہیں۔

5062۔(قولہ: نَاوِيًا الْإِمَامَةَ) یہ قید لگائی ہے کیونکہ''الدرایہ'' میں ہے: روایات اس پر متفق ہیں کہ خلیفہ امام نہیں بنتا جب تک وہ امامت کی نیت نہ کرے۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ نیت کے بغیر اس کا پہلے کی جگہ کھڑا ہونا کافی نہیں۔

5063۔(قولہ: وَإِنْ لَمْ يُجَاوِزْ الخ) یعنی اگر وہ مذکورہ حد سے تجاوز نہ کرے۔ یہ ان کے قول ولم یتقدم احد الخ کے مفہوم پر مبالغہ ہے یعنی سابقہ امام، امام ہی رہے گا جب تک کوئی ایک اس کی جگہ کھڑا نہ ہو جبکہ وہ امامت کی نیت کرنے

حَتّٰى لَوْتَذَكَّرَ فَائِتَةً أَوْ تَكَلَّمَ لَمْ تَفْسُدْ صَلَاةُ الْقَوْمِ لِأَنَّهُ صَارَ مُقْتَدِيًا

یہاں تک کہ اسے کوئی فوت شدہ نماز یاد آ گئی یا اس نے کلام کی تو قوم کی نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ وہ مقتدی ہو جاتا ہے۔

والا ہو۔ جب وہ نائب آگے چلا گیا تو پہلا امامت سے نکل جائے گا اور وہ اس کی اقتدا کرنے والا ہوگا اگرچہ وہ مذکورہ حد سے تجاوز نہ کرے۔

5064۔(قولہ: حَتّٰى لَوْتَذَكَّرَ) یہ مفہوم مذکور پر تفریع ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب کوئی ایک اس کی جگہ کی طرف بڑھ گیا تو پہلا امام، امامت سے نکل گیا اور وہ خلیفہ کا مقتدی ہو جائے گا خواہ پہلا امام مسجد وغیرہ سے تجاوز کر گیا تھا یا اس نے تجاوز نہ کیا تھا۔ اور اس کا قول لانہ صار مقتدیا یہ ان کے قول لم تفسد صلاۃ القوم کی علت ہے۔ یعنی وہ ان کا امام ہونے سے نکل گیا اگرچہ وہ مسجد وغیرہ سے نہ نکلا ہو۔ پس اس سابقہ امام کا کلام اور اس کا جان بوجھ کر حدث واقع کرنا وغیرہ ان کو کچھ نقصان نہیں دے گا۔ علما نے ''البحر'' میں جو قول ذکر کیا ہے اس کے ساتھ اس میں اشکال پیدا ہوا ہے: ''جب اس نے کسی کو نائب بنایا تو امام محض اس عمل سے امامت سے خارج نہیں ہوگا۔ اس وجہ سے اگر کسی نے اس لمحہ وضو سے پہلے اس کی اقتدا کی تو وہ صحیح کی صحیح پر اقتدا ہوگی۔ جس طرح ''المحیط'' میں ہے۔ اسی وجہ سے ''الظہیریہ'' اور ''الخانیہ'' میں کہا: اگر امام نے مسجد میں وضو کیا اور اس کا نائب محراب میں کھڑا تھا اور اس نے کوئی رکن ادا نہ کیا تھا تو وہ نائب کو پیچھے کر دے گا اور امام آگے ہو جائے گا۔ اگر پہلا امام مسجد سے نکل گیا اور اس نے وضو کیا پھر وہ مسجد کی طرف لوٹا اور اس کے نائب نے کوئی رکن ادا نہ کیا تھا تو امام دوسرا ہوگا۔

''النہر'' میں اس میں تطبیق دی ہے کہ علما نے جو ذکر کیا ہے اسے اس پر محمول کیا ہے جب خلیفہ پہلے امام کی جگہ نہ کھڑا ہو جبکہ وہ امامت کی نیت کرنے والا ہو اور جو یہاں قول ہے اسے اس پر محمول کیا ہے جب وہ امام کی جگہ کھڑا ہو چکا ہو اور اس نے امامت کی نیت کر دی ہو۔

میں کہتا ہوں: جو کچھ ''ظہیریہ'' اور ''خانیہ'' میں ہے وہ اس کے مخالف ہے۔ بعض اوقات اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ وہ امامت سے خارج نہیں ہوگا جب تک وہ مسجد میں ہے یہاں تک کہ دوسرا امام پہلے کی جگہ کھڑا نہ ہو جائے۔ اگر وہ پہلے امام کی جگہ کھڑا ہو جائے جبکہ وہ امامت کی نیت کرنے والا ہو تو وہ امام بن جائے گا۔ لیکن جب تک اس نے رکن ادا نہ کیا تو اس کی امامت ہر اعتبار سے متاکد نہ ہوگی یہاں تک کہ جب پہلے نے مسجد سے نکلنے سے پہلے ہی وضو کر لیا تو امامت پہلے امام کی طرف منتقل ہو جائے گی کیونکہ خلیفہ کی امامت متاکد نہیں ہوئی۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب وہ نماز کے منافی عمل کرے یا دوسرے امام نے رکن ادا کر دیا ہو تو دوسرے کے لئے امامت قطعی طور پر ثابت ہو جائے گی اور انتقال امامت نہیں ہوگا۔

تنبیہ

جو قول گزر چکا ہے اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ خلیفہ بنانے کی تین شرطیں ہیں (1) بنا کی گزشتہ تمام شرطیں جمع ہوں، (2) یہ امام کی مذکورہ حد سے تجاوز کرنے سے پہلے ہو، (3) خلیفہ، نائب بننے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

وَلَوْ كَانَ الْمَاءُ فِي الْمَسْجِدِ لَمْ يَحْتَجْ لِلِاسْتِخْلَافِ (وَاسْتِئْنَافُهُ أَفْضَلُ) تَحَرُّزًا عَنْ الْخِلَافِ (وَيَتَعَيَّنُ) الِاسْتِئْنَافُ إنْ لَمْ يَكُنْ تَشَهَّدَ

اور اگر پانی مسجد میں ہو تو وہ خلیفہ بنانے کا محتاج نہیں اور اس کا نئے سرے سے نماز شروع کرنا افضل ہے تا کہ اختلاف سے بچا جائے۔ اور نئے سرے سے نماز کا شروع کرنا متعین ہو جائے گا اگر اس نے تشہد نہیں پڑھا تھا

یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ استخلاف کا حکم یہ ہے کہ دوسرا امام بن جائے اور پہلا امامت سے خارج ہو جائے۔ اور امامت سے نکلنے کی صورت یہ ہے کہ وہ دوسرے امام کا مقتدی بن جائے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ دوسرا امام بن جاتا ہے اور پہلا امامت سے نکل جاتا ہے جب دو امروں میں سے ایک امر واقع ہو۔ یا تو دوسرا پہلے کی جگہ کھڑا ہو جائے جب کہ وہ امام کی نماز کی نیت کرنے والا ہو یا پہلا مسجد سے نکل جائے۔ یہاں تک کہ اگر اس نے کسی کو نائب بنایا جبکہ وہ ابھی مسجد میں تھا اور خلیفہ اس کی جگہ کھڑا نہیں ہوا تھا تو وہ ابھی امام ہو گا۔ یہاں تک کہ اگر ایک آدمی آیا اور اس امام کی اقتدا کی تو اس کی اقتدا صحیح ہو گی اگر اس نے اپنی نماز کو فاسد کر دیا تو سب کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ مکمل بحث ''البدائع'' میں ہے۔

فرع

''التتارخانیہ'' میں ''الصیرفیہ'' سے مروی ہے: ''اگر اس نے پہاڑ کی چوٹی پر قوم کی امامت کی اور ہوا نے اسے نیچے پھینک دیا اور یہ معلوم نہ ہو کہ وہ زندہ ہے یا مردہ ہے؟ اور انہوں نے فی الحال کسی کو نائب نہیں بنایا تو ان کی نماز فاسد ہو جائے گی''۔

5065۔ (قولہ: لَمْ يَحْتَجْ لِلِاسْتِخْلَافِ) کیونکہ یہ قول (مقولہ 5064 میں) گزر چکا ہے کہ یہ جائز ہے متعین نہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی امامت پر باقی ہے۔ پس مسجد امام سے خالی نہیں۔ یہ صورت مختلف ہو گی جب وہ مسجد سے نکلا کیونکہ قوم کی نماز فاسد ہو جاتی ہے کیونکہ اس کی جگہ امام سے خالی ہے۔ بعض نسخوں میں زیادتی پائی جاتی ہے اور وہ یہ ہے اگر اس نے کسی کو نائب بنایا تو اس کی نماز فاسد نہ ہو گی۔

5066۔ (قولہ: وَاسْتِئْنَافُهُ أَفْضَلُ) یعنی وہ ایسا عمل کرے جو نماز کو قطع کر دے پھر وہ وضو کے بعد نماز کو شروع کرے۔ ''شرنبلالیہ'' میں ''کافی'' سے منقول ہے اور ''حاشیہ ابو مسعود'' میں ان کے شیخ سے مروی ہے: ''اگر اس نے وہ عمل نہ کیا جو نماز کو قطع کر دے بلکہ وہ فوراً گیا، وضو کیا پھر تکبیر کہی جبکہ وہ نئے سرے سے نماز کی نیت کرنے والا تھا وہ نئے سرے سے نماز شروع کرنے والا نہ ہو گا بلکہ نماز کی بنا کرنے والا ہو گا''۔

میں کہتا ہوں: یہ منفرد میں ظاہر ہے کیونکہ اس نے جس کی نیت کی وہ ہر اعتبار سے اس کی عین صلوٰۃ ہے۔ امام یا مقتدی کا معاملہ مختلف ہے۔ ''تامل''۔

5067۔ (قولہ: إنْ لَمْ يَكُنْ تَشَهَّدَ) یعنی اگر وہ تشہد کی مقدار نہ بیٹھا۔ اگر یہ امر تشہد کے بعد واقع ہوا تو اس کی نماز فاسد نہ ہو گی کیونکہ نماز مکمل ہو چکی ہے یہاں تک کہ اس آدمی کے قول کے مطابق جو نماز سے اپنے عمل سے نکلنے کو فرض قرار

(لِجُنُونٍ أَوْ حَدَثٍ عَمْدًا) أَوْ خُرُوجِهِ مِنْ مَسْجِدٍ بِظَنِّ حَدَثٍ (أَوْ احْتِلَامٍ) بِنَوْمٍ أَوْ تَفَكُّرٍ أَوْ نَظَرٍ أَوْ مَسِّ بِشَهْوَةٍ
جنون کی وجہ سے، جان بوجھ کر حدث لاحق کرنے کی وجہ سے یا حدث کے گمان سے مسجد سے نکلنے کی صورت میں۔ یا نیند، تفکر، نظر یا شہوت کے ساتھ چھونے کی صورت میں احتلام ہو جائے۔

دیتے ہیں۔ جہاں تک جان بوجھ کر حدث لاحق کرنے کا تعلق ہے تو یہ ظاہر ہے۔ جہاں تک جنون، اغما اور احتلام کا تعلق ہے تو جو آدمی ان سے موصوف ہوتا ہے وہ اضطراب یا ٹھہرنے سے خالی نہیں ہوتا جس کے ساتھ وہ نماز کا ایک جز حدث کے ساتھ ادا کرنے والا ہوتا ہے۔ جیسی بھی صورت حال ہو اس کی جانب سے عمل موجود ہوتا ہے جس طرح ''البحر'' وغیرہ میں ہے لیکن یہ اعتراض کیا گیا کہ مراد ایسے عمل کا عمداً وجود ہے جو نماز کے منافی ہو جبکہ ان میں سے کوئی بھی عمل عمداً موجود نہیں۔ جس طرح ''شرح العلامہ المقدسی'' میں ہے۔

5068۔ (قولہ: أَوْ خُرُوجِهِ مِنْ مَسْجِدٍ) مراد متقدم حد سے تجاوز کرنا ہے۔ یہ اس سے عام ہے کہ وہ صحرا میں ہو، مسجد میں ہو، جبانہ (عیدگاہ وغیرہ) میں ہو یا دار (حویلی) میں ہو۔

5069۔ (قولہ: بِظَنِّ حَدَثٍ) اس طرح کہ کوئی چیز نکلی تو اس نے گمان کیا کہ وہ مثلاً خون ہے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ ظن کی کوئی دلیل نہ ہو، اس طرح کہ ہوا وغیرہ کے نکلنے سے اسے شک ہو تو وہ انحراف کی صورت میں نئے سرے سے نماز شروع کرے گا۔ یہ قیاس پر عمل کرنے کی بنا پر ہے۔ لیکن میں نے اسے کسی سے منقول نہیں دیکھا۔ ''بحر''۔ حدث کے ظن کی قید لگائی ہے کیونکہ اگر اسے گمان ہو کہ اس نے نماز وضو کے بغیر شروع کی یا اس کے مسح کی مدت ختم ہو گئی ہے، یا اس پر کوئی فوت شدہ نماز ہے یا اس نے سراب دیکھا تو اس نے اسے پانی گمان کیا جبکہ وہ تیمم کرنے والا تھا یا اس نے اپنے کپڑوں میں سرخی دیکھی تو اس نے اسے نجاست گمان کیا تو اس نے منہ پھیر لیا تو انحراف کے ساتھ ہی اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اگرچہ وہ مسجد سے نہ نکلا ہو۔ کیونکہ وہ نماز چھوڑنے کے طریقہ پر پھرا ہے۔ اسی وجہ سے اگر وہ امر متحقق ہو گیا جس کا اس نے وہم کیا تھا تو وہ نئے سرے سے نماز شروع کرے گا۔ یہی قاعدہ ہے۔ اور کسی کو نائب بنانا مسجد سے نکلنے کی طرح ہے کیونکہ یہ عمل کثیر ہے۔ پس نماز باطل ہو جائے گی۔ ''بحر''۔

یعنی اگر اس نے کسی کو خلیفہ بنایا پھر یہ امر واضح ہو گیا کہ اسے حدث لاحق نہیں ہوا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اگرچہ وہ مسجد سے نہ نکلا ہو۔ کیونکہ عذر کے بغیر کثیر عمل واقع ہوا ہے۔ جب اسے عذر کا جو وہم ہوا تھا وہ متحقق ہوا تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ عذر کے قائم ہونے کی وجہ سے عمل غیر مفسد ہے۔ پس کسی کو خلیفہ بنانا مسجد سے نکلنے کی طرح ہے جس کے صحیح ہونے کے لئے اصلاح کا ارادہ اور عذر کا قائم ہونا ضروری ہے۔ ''العنایہ'' میں اسی طرح ہے۔

5070۔ (قولہ: أَوْ احْتِلَامٍ الخ) زیادہ بہتر کلام یہ تھی او موجب غسل۔ تاکہ یہ قول حیض کو بھی شامل ہو جائے۔ ''قہستانی''۔ احتلام سے منی کا نکلنا ہے کیونکہ نیند کے بغیر منی کا نکلنا اسے احتلام نہیں کہتے۔ اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا کہ

(أَوْ إِغْمَاءٍ أَوْ قَهْقَهَةٍ) لِنُدْرَتِهَا (وَكَذَا) يَجُوزُ لَهُ أَنْ (يَسْتَخْلِفَ إِذَا حُصِرَ عَنْ قِرَاءَةِ قَدْرِ الْمَفْرُوضِ) لِحَدِيثِ (أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ(1)

یا غشی کی وجہ سے یا قہقہہ کی وجہ سے کیونکہ یہ امور شاذ ونادر واقع ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس کے لئے خلیفہ بنانا جائز ہے جب وہ فرض کی مقدار میں قراءت سے محصور ہو جائے کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس کے متعلق حدیث ہے۔

نیند بذات خود مفسد صلاۃ نہیں لیکن یہ اس وقت ہے جب عمداً نہ ہو۔ کیونکہ ''حاشیہ نوح آفندی'' میں ہے: نیند یا تو عمداً ہوگی یا عمداً نہیں ہوگی، پہلی وضو کو توڑ دیتی ہے اور نماز کی بنا کے مانع ہے۔ دوسری کی دو قسمیں ہیں جو وضو کے لئے ناقض نہیں اور بنا کے مانع نہیں۔ جس طرح کھڑے کھڑے، رکوع کی حالت میں یا سجدہ کی حالت میں ہو جائے۔ اور جو نیند وضو کو توڑ دیتی ہے اور بنا کے مانع نہیں ہوتی جس طرح مریض جب وہ پہلو کے بل نماز پڑھے اور سو جائے۔ صحیح قول کے مطابق اس کا وضو ٹوٹ جائے گا اور اسے نماز کی بنا کرنے کی اجازت ہے۔ اور ایسی نیند جس میں ارادہ نہ ہو وہ بالاتفاق بنا کے مانع نہیں خواہ وہ وضو کو توڑ دے یا وضو کو نہ توڑے۔ ارادہ کے ساتھ نیند کا معاملہ مختلف ہے۔ ''ملخص''

5071۔ (قولہ: لِنُدْرَتِهَا) یعنی جان بوجھ کر حدث کی صورت میں وہ جو نماز کے منافی عمل کر رہا ہے وہ نادر ہے۔

5072۔ (قولہ: إِذَا حُصِرَ) یہ لفظ دوسرے حرف کے کسرہ کے ساتھ ہے اور اس کا پہلا حرف مفتوح یا مضموم ہے۔ مفتوح کی صورت میں یہ معروف کا صیغہ ہوگا اور مضموم کی صورت میں مجہول کا صیغہ ہوگا اس کی وضاحت ''البحر'' میں ہے۔

5073۔ (قولہ: عَنْ قِرَاءَةِ قَدْرِ الْمَفْرُوضِ) اگر اس نے اتنی قراءت کر لی جس کے ساتھ نماز جائز ہو جاتی ہے تو بالاجماع خلیفہ بنانا جائز نہیں جس طرح ''ہدایہ''، ''درر'' اور کثیر کتب مذہب میں ہے۔ ''البحر'' میں کہا: ''المحیط'' میں قیل کے صیغہ کیساتھ ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ مذہب مطلق ہے اس پر اعتماد ہونا چاہئے۔ کیونکہ علما نے اس میں تصریح کی ہے کہ مقتدی اپنے امام کو لقمہ دے تو صحیح قول کے مطابق نماز فاسد نہیں ہوگی خواہ امام نے اتنی قراءت کر لی ہو جس کے ساتھ نماز جائز ہو جاتی ہے یا جس کے ساتھ نماز جائز نہیں ہوتی۔ اسی طرح یہاں خلیفہ بنانا مطلقاً جائز ہوتا ہے۔

''شرنبلالیہ'' میں اس کی تائید اس قول سے کی ہے جو ''شرح الجامع الصغیر'' میں ہے کہ یہاں خلیفہ بنانا نماز کو فاسد نہیں کرتا جس طرح لقمہ دینا فاسد نہیں کرتا۔ لقمہ دینا اگر فاسد کرتا ہے تو اس لئے نہیں کہ یہ عمل کثیر ہے بلکہ اس لئے کہ اس کی ضرورت نہیں۔ جبکہ یہاں اس کی ضرورت ہے۔

''شرنبلالیہ'' میں کہا: ضرورت واجب اور مسنون کے بجالانے کی ہے۔

اس کے ساتھ وہ اعتراض اٹھ جاتا ہے جو ''النہر'' میں ہے کہ دونوں میں فرق ہے کہ یہاں ضرورت کے بغیر خلیفہ بنانا عمل کثیر ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الاذان، انما جعل الامام لیؤتم بہ، جلد 1، صفحہ 336، حدیث نمبر 646، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

فَإِنَّهُ لَمَّا أَحَسَّ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُصِرَ عَنِ الْقِرَاءَةِ فَتَأَخَّرَ فَتَقَدَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَتَمَّ الصَّلَاةَ، فَلَوْ لَمْ يَكُنْ جَائِزًا لَمَا فَعَلَهُ بَدَائِعُ وَقَالَا تَفْسُدُ، وَبِعَكْسِ الْخِلَافِ لَوْ حُصِرَ بِبَوْلٍ أَوْ غَائِطٍ، وَلَوْ عَجَزَ عَنْ رُكُوعٍ وَسُجُودٍ هَلْ يَسْتَخْلِفُ كَالْقِرَاءَةِ؟ لَمْ أَرَهُ

کیونکہ جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کو محسوس کیا تو قراءت کرنا مشکل ہو گیا آپ پیچھے ہٹ آئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ گئے اور نماز کو مکمل کیا اگر یہ جائز نہ ہوتا تو ایسا نہ کرتے۔ "بدائع"۔ "صاحبین" رحمہما اللہ فرماتے ہیں نماز فاسد ہو جائے گی، اس اختلاف کے برعکس صورتحال ہوگی اگر وہ بول یا غائط کی وجہ سے قراءت سے رک جائے۔ اگر وہ رکوع اور سجود سے عاجز آ جائے تو کیا قراءت سے عاجز آنے کی طرح وہ خلیفہ بنائے گا؟ میں نے ایسا قول نہیں دیکھا۔

میں کہتا ہوں: بعض اوقات کہا جاتا ہے کہ حاجت واجب میں مسلمہ ہے، اسی وجہ سے سلام کی ادائیگی کے لئے وہ خلیفہ بنائے گا۔ جہاں تک مسنون کا تعلق ہے وہاں حاجت نہیں۔ "الہدایہ" میں جو قول ہے ما تجوز به الصلوة اسے اس پر محمول کیا جائے گا جو واجب کو شامل ہو۔ جس طرح ہم نے باب الامامہ کے شروع میں پہلے بیان کر دیا ہے کہ "کافی" کے قول، اعلم (زیادہ علم والے) کو مقدم کیا جائے گا اس شرط کے ساتھ کہ اسے اتنا یاد ہو جس کے ساتھ نماز جائز ہوتی ہے" کو محمول کیا جائے گا جو عدم کراہت کو شامل ہو۔ "تامل"۔

5074۔ (قوله: فَإِنَّهُ لَمَّا أَحَسَّ) "البدائع" کی عبارت ہے "کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت مرض میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لوگوں کو جماعت کرایا کرتے تھے۔ وہ مرض جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہان فانی سے پردہ فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ آرام محسوس فرمایا تو آپ مسجد میں تشریف لائے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا"۔ الخ

5075۔ (قوله: لَمَا فَعَلَهُ) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا عمل نہ کرتے۔ پس جو عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جائز ہے۔ وہ آپ کی امت کے لئے بھی جائز ہے۔ یہی اصل ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے لئے اسوہ ہیں۔ "بدائع"۔

5076۔ (قوله: وَقَالَا تَفْسُدُ) کیونکہ اس کا وجود شاذ و نادر ہوتا ہے پس یہ جنابت کی طرح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ "صاحبین" رحمہما اللہ کے نزدیک وہ قراءت کے بغیر نماز کو مکمل کرے گا۔ "البحر" میں کہا: ظاہر یہ ہے کہ "صاحبین" رحمہما اللہ سے دو روایتیں ہیں۔

5077۔ (قوله: وَبِعَكْسِ الْخِلَافِ) پس "صاحبین" رحمہما اللہ کے نزدیک خلیفہ بنانا جائز ہے۔ "امام صاحب" کے نزدیک جائز نہیں۔ "ط"۔

5078۔ (قوله: لَوْ حُصِرَ) یعنی بول کی وجہ سے نماز کو جاری رکھنا ممکن نہ رہے۔

5079۔ (قوله: لَمْ أَرَهُ) جس طرح "باقانی" کی "شرح الملتقی" میں بعض افاضل سے اس لفظ کے ساتھ مروی ہے

(لِخَجَلٍ) أَيْ لِأَجْلِ خَجَلٍ أَوْ خَوْفٍ اعْتَرَاهُ (وَلَا) يَسْتَخْلِفُ إجْمَاعًا (لَوْ نَسِيَ الْقِرَاءَةَ أَصْلًا) لِأَنَّهُ صَارَ أُمِّيًّا (أَوْ أَصَابَهُ) عُطِفَ عَلَى الْمَنْفِيِّ (بَوْلٌ كَثِيرٌ) أَيْ نَجَسٌ مَانِعٌ مِنْ غَيْرِ سَبْقِ حَدَثِهِ، فَلَوْ مِنْهُ فَقَطْ بَنَى

یعنی شرمندگی کی وجہ سے یا اس خوف کی وجہ سے جو اسے طاری ہوا اور بالاجماع نائب نہیں بنائے گا اگر وہ اصلاً قراءت بھول گیا کیونکہ وہ امی ہو چکا ہے یا اسے کثیر پیشاب لگ جائے۔ ''اصابہ'' کا عطف منفی (لونسی) پر ہے۔ بول کثیر سے مراد ایسی نجاست ہے جو نماز کے مانع ہو جو اس حدث کے علاوہ ہو جو اسے لاحق ہو، اگر صرف اس سابق حدث سے ہو تو وہ نماز کی بنا کرے گا۔

هذه المسألة لم نظفر بنقلها۔

میں نے ''شارح'' کے خط سے ''الخزائن'' کے حاشیہ میں دیکھا ہے۔

میں کہتا ہوں: ان کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ خلیفہ بنانا جائز نہیں کیونکہ علما نے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ خلیفہ بنانے کا امر خلاف قیاس ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کی تائید وہ قول کرتا ہے جو ''البحر'' میں ہے کیونکہ کہا: قراءت سے رک جانے کی قید لگائی ہے کیونکہ اگر امام کو پیٹ میں شدید درد ہو تو اس نے کسی آدمی کو نائب بنایا تو یہ جائز نہ ہوگا۔ اگر وہ بیٹھ گیا اور اس نے اپنی نماز مکمل کر لی تو اس کی نماز جائز ہو جائے گی۔

اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ اگر وہ درد کی وجہ سے قیام یا رکوع و سجود سے عاجز آ گیا تو وہ بیٹھ کر نماز کو مکمل کرے گا کیونکہ کھڑا آدمی بیٹھے امام کی اقتدا کر سکتا ہے پس نائب بنانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ فافہم

نیابت کے عدم جواز کی صورتیں

5080۔ (قولہ: وَلَا يَسْتَخْلِفُ) وہ نائب نہیں بنائے گا اور نہ ہی وہ بنا کرے گا اگر وہ اکیلا ہو، کیونکہ وہ امی ہو چکا ہے پس قوم کی نماز باطل ہو گئی۔ ''طحطاوی'' نے ''البحر'' سے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: میں نے یہ عبارت ''البحر'' میں نہیں دیکھی اور میں نے اس پر جو تعلیق کی ہے اس میں لکھا ہے کہ قوم کی نماز کا حکم ذکر نہیں کیا اور نہ اس کی نماز کا حکم ذکر کیا۔ جہاں تک ان کی نماز کا تعلق ہے تو اس کا فساد ظاہر ہے کیونکہ ان کا امام امی ہو چکا ہے۔ جہاں تک امام کی نماز کا تعلق ہے تو ''الذخیرہ'' کی ساتویں فصل میں ہے کہ قاری نے جب بعض نماز کو پڑھا پھر وہ قراءت بھول گیا اور امی ہو گیا تو ''امام صاحب'' کے نزدیک اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور وہ نئے سرے سے نماز پڑھے گا۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کے مطابق اس کی نماز فاسد نہ ہوگی اور اس پر بطور استحسان بنا کرے گا یہی امام زفر کا قول ہے۔

5081۔ (قولہ: عُطِفَ عَلَى الْمَنْفِيِّ) یعنی اس کا عطف اس پر ہے متن میں جس پر حرف نفی داخل ہے۔ وہ یہ قول ہے لونسی۔

5082۔ (قولہ: فَلَوْ مِنْهُ) یعنی صرف حدث کی سبقت لے جانے کی صورت ہو تو وہ بنا کرے گا۔ اگر اس کی جانب

(أَوْ كَشَفَ عَوْرَتَهُ فِي الِاسْتِنْجَاءِ) أَوْ الْمَرْأَةُ ذِرَاعَهَا لِلْوُضُوءِ (إِذَا لَمْ يُضْطَرَّ لَهُ) فَلَوْ اُضْطُرَّ لَمْ تَفْسُدْ (أَوْ قَرَأَ فِي حَالَةِ الذَّهَابِ أَوْ الرُّجُوعِ) لِأَدَائِهِ رُكْنًا مَعَ حَدَثٍ أَوْ مَشْيٍ، بِخِلَافِ تَسْبِيحٍ فِي الْأَصَحِّ

یا اس نے استنجا کرتے وقت اپنی شرمگاہ کو ننگا کر دیا ہو یا عورت نے وضو کے لئے اپنے بازو کھول دیئے ہوں جب وہ اس کے لئے مجبور نہ ہوا گر وہ مجبور ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی یا اس نے جانے اور آنے کی حالت میں قراءت کی۔ کیونکہ نے حدث کی حالت میں یا چلتے ہوئے ایک رکن ادا کیا ہے۔ صحیح ترین قول کے مطابق تسبیح کا معاملہ مختلف ہے۔

سے حدث سبقت لے گیا ہو اور خارج سے بھی کوئی مانع واقع ہو تو وہ بنا نہیں کرے گا۔'' بحر''۔

5083۔(قوله: (إِذَا لَمْ يُضْطَرَّ لَهُ) الخ) ''الخانیہ'' میں کہا: امام ابوعلی نسفی نے کہا: اگر وہ اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ پائے تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ بصورت دیگر جیسے اس کے لئے استنجا اور نجاست کو دور کرنا قمیص کے نیچے سے ممکن ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اسی طرح عورت ہے، اس کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ وضو میں اپنی ستر کی جگہ کو کھول دے اور اعضاء سے کپڑا اٹھا دے جب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ پائے۔ بعض علما نے کہا: جس مرد نے وضو میں اپنی شرمگاہ سے پردہ ہٹایا تو وہ بنا نہیں کرے گا اسی طرح عورت ہے۔ صحیح پہلا قول ہے۔ کیونکہ عورت کے لئے نماز پر بنا کرنے کا جواز نص سے ثابت ہے، ساتھ ہی یہ ظاہر ہے کہ وہ وضو میں اس حصہ سے کپڑا ہٹائے گی جس کو ڈھانپنا ضروری ہے۔

''نوح آفندی'' نے کہا: ''زیلعی'' نے دوسرے قول کی تصحیح کی ہے اور ''قاضی خان'' کی تصحیح پر اعتماد کرنا اولیٰ ہے۔ اسی وجہ سے ''مصنف'' یعنی ''صاحب الدرر'' نے اسے اختیار کیا ہے۔

لیکن ''الفتح'' میں ''زیلعی'' سے مروی ہے کہ مطلقاً فاسد ہونا یہ ظاہر مذہب ہے۔

5084۔(قوله: لِأَدَائِهِ رُكْنًا) یہ قول اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ حدث حالت قیام میں لاحق ہو چکا ہے کیونکہ قراءت کسی اور رکن میں نہیں ہوتی۔ پھر میں نے ''المعراج'' میں ''المجتبیٰ'' سے دیکھا ہے: ''اسے حالت قیام میں حدث لاحق ہوا تو اس نے جاتے ہوئے یا آتے ہوئے تسبیح کہی تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ اگر اس نے قراءت کی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اگر رکوع یا سجدہ میں حدث لاحق ہوا تو قراءت کے ساتھ اس کی نماز فاسد نہ ہوگی'' میں نے ''کافی النسفی'' میں اس کی مثل دیکھا ہے۔ ''فليحفظ''۔

5085۔(قوله: مَعَ حَدَثٍ أَوْ مَشْيٍ) یہ لف نشر مرتب ہے۔ ''ح''۔

5086۔(قوله: فِي الْأَصَحِّ) یہ قرأ اور بخلاف التسبيح کے متعلق ہے۔ اس کا مقابل جس طرح ''زیلعی'' میں ہے: ''انه لو قرأ ذاهبا تفسد الخ اس نے جاتے ہوئے قراءت کی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور واپس آتے ہوئے قراءت کی تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ ایک قول اس کے برعکس کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اگر رکوع کی حالت میں اسے حدث لاحق ہوا اور اس نے یہ کہتے ہوئے سر اٹھایا سمع الله لمن حمده تو وہ بنا نہیں کرے گا''۔

مراد یہ ہے اگر اس نے اس سر اٹھانے سے انصراف (نماز سے پھرنے) کا ارادہ کیا ادا کا ارادہ نہ کیا ہو، ورنہ نماز فاسد ہو

(أَوْ طَلَبَ الْمَاءَ بِالْإِشَارَةِ، أَوْ شَرَاهُ بِالْمُعَاطَاةِ، لِلْمُنَافَاةِ، أَوْ جَاوَزَ مَاءً إِلَى آخَرَ إِلَّا قَدْرَ صَفَّيْنِ، أَوْ لِنِسْيَانٍ، أَوْ زَحْمَةٍ، أَوْ كَوْنِهِ بِئْرًا

یا اس نے اشارہ سے پانی طلب کیا یا باہم مبادلہ کے ساتھ اسے خرید افاسد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ منافات پائی جارہی ہے یا ایک پانی کو چھوڑ کر دوسرے پانی کی طرف تجاوز کیا مگر یہ تجاوز دو صفوں کے برابر تھا، پانی کو بھول گیا تھا، بھیڑ تھی یا وہ پہلا پانی کنواں تھا۔

جائے گی اگر چہ اس نے کسی کو نہ سنایا ہو جس طرح آنے والے (مقولہ 5165) سے معلوم ہو جائے گا۔

5087۔(قولہ: أَوْ طَلَبَ الْمَاءَ بِالْإِشَارَةِ) ''الدرر'' کے متن میں اسی طرح ہے اس کی مثل ''الخانیہ'' اور ''سراجیہ'' میں ہے۔ ''شرنبلالی'' نے اس میں اس مسئلہ کے ساتھ اشکال ذکر کیا ہے کہ جو آدمی نمازی کے سامنے سے گزرے تو نمازی اسے ہاتھ کے اشارہ سے روک سکتا ہے اور اس مسئلہ کے ساتھ اشکال ذکر کیا ہے کہ نمازی سے کسی شے کا مطالبہ کیا جائے تو وہ اپنے ہاتھ یا سر سے نعم یا لا کا اشارہ کرے تو نماز فاسد نہیں ہوتی اور اس مسئلہ کے ساتھ کہ ابن امیر حاج نے ''الحلبہ'' میں ذکر کیا ہے کہ نمازی جب ہاتھ کے اشارہ سے سلام کا جواب دے تو اس کے ساتھ نماز کے فساد کا قول معروف نہیں کہ اہل مذہب میں سے کسی نے اسے نقل کیا ہو۔ بلکہ مشائخ سے اس کے عدم فساد کا قول منقول ہے۔ ''البحر'' میں کہا: یہی حق ہے بعض مشائخ نے اس کا ذکر بطور استنباط کیا ہے۔ جس طرح اس کی وضاحت آنے والے باب (مقولہ 5156) میں ہوگی ''شرنبلالی'' میں کہا: یہ کوئی بعید نہیں کہ اشارہ سے پانی کے طلب سے نماز فاسد نہ ہو، جس طرح اشارہ کے ساتھ سلام وغیرہ کا جواب دینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ ''رحمتی'' نے جواب دیا: اشارہ کے ساتھ پانی کو طلب کرنا اور اس کا قبول کرنا یہ سب مل کر عمل کثیر بن جاتے ہیں کیونکہ یہ عقد ہبہ ہوتا ہے یا عقد اجارہ ہوتا ہے جو کہ نماز کے منافی ہے جس طرح ایک ہاتھ سے دینے اور دوسرے ہاتھ سے لینے کی صورت میں خریداری ہوتی ہے۔ یہ اشارہ کے ساتھ سلام کا جواب دینے کی طرح نہیں۔ یہ قول ہر اس شخص کے لئے ہے جو تدبر کرے۔

5088۔(قولہ: بِالْمُعَاطَاةِ) یہ قید لگائی کیونکہ ایجاب وقبول کے ساتھ فساد ظاہر ہو جاتا ہے۔ ''درر''

5089۔(قولہ: لِلْمُنَافَاةِ) یہ دونوں مسئلوں کی علت ہے ''شرنبلالیہ'' میں کہا ہے یہ عمل کثیر کی دو تفسیر میں سے ایک پر مبنی ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی اسے دیکھنے والا اسے دیکھے تو اسے شک نہ ہو کہ وہ نماز میں ہے۔

5090۔(قولہ: أَوْ لِنِسْيَانٍ) یہ اور اس کا مابعد مستثنیٰ پر معطوف ہے اور وہ قدر ہے۔ ''ح''۔

''شرح المنیہ'' میں کہا: اگر اس نے حوض میں وضو کی جگہ پائی تو اس نے ایک جگہ کی طرف تجاوز کیا اگر یہ عذر کی وجہ سے تھا، جس طرح پہلا مکان تنگ ہو تو نماز پر بنا کرے ورنہ وہ بنا نہ کرے۔ اگر اس نے حوض کا قصد کیا اور اس کی منزل میں اس سے زیادہ قریب پانی ہو، اگر دوری دو صفوں کی مقدار میں ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اگر اس سے زیادہ دوری ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اگر اس کی عادت حوض سے وضو کرنا ہو اور وہ اس پانی کو بھول جائے جو اس کے گھر میں تھا اور وہ حوض کی طرف گیا تو وہ بنا کرے گا۔ اگر پانی بعید ہو اور اس کے قریب کنواں ہو تو کنویں کو ترک کر دے کیونکہ مختار مذہب کے مطابق پانی نکالنا یہ بنا کے مانع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اگر دوسرا پانی نہ ہو تو پھر یہ بنا کے مانع نہیں۔

لِأَنَّ الِاسْتِقَاءَ يَمْنَعُ الْبِنَاءَ عَلَى الْمُخْتَارِ (أَوْ مَكَثَ قَدْرَ أَدَاءِ رُكْنٍ) وَإِنْ لَمْ يَنْوِ الْأَدَاءَ (بَعْدَ سَبْقِ الْحَدَثِ) إِلَّا لِعُذْرٍ كَنَوْمٍ وَرُعَافٍ (وَإِذَا سَاغَ لَهُ الْبِنَاءُ تَوَضَّأَ) فَوْرًا بِكُلِّ سُنَّةٍ (وَبَنَى عَلَى مَا مَضَى) بِلَا كَرَاهَةٍ (وَيُتِمُّ صَلَاتَهُ ثَمَّةَ) وَهُوَ أَوْلَى تَقْلِيلًا لِلْمَشْيِ (أَوْ يَعُودُ إِلَى مَكَانِهِ) لِيَتَّحِدَ مَكَانُهَا (كَمُنْفَرِدٍ) فَإِنَّهُ مُخَيَّرٌ، وَهَذَا كُلُّهُ

کیونکہ کنوئیں سے پانی لینا مختار مذہب کے مطابق بنا کے مانع ہے یا وہ ایک رکن کی ادائیگی تک رکا رہا اگرچہ حدث کے لاحق ہونے کے بعد اس نے ادائیگی کی نیت نہ کی ہو مگر عذر کی وجہ سے جیسے نیند اور نکسیر اور جب بنا کرنا اس کے لئے جائز ہے تو وضو کی ہر سنت کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ فوراً وضو کرے۔ اور سابقہ نماز پر بغیر کراہت کے بنا کرے اور وہاں ہی اپنی نماز مکمل کرے یہ چلنے میں قلت پیدا کرنے کے لئے اولیٰ ہے یا اپنی جگہ کی طرف لوٹ آئے تا کہ اس کا مکان متحد ہو جس طرح اکیلے نماز پڑھنے والا ہوتا ہے کیونکہ اسے اختیار دیا گیا ہے۔ یہ سب اس وقت ہے

5091۔ (قوله: عَلَى الْمُخْتَارِ) یعنی اگرچہ اس کے پاس اس کے علاوہ پانی نہ ہو جس طرح تجھے علم ہے۔ فافہم۔

5092۔ (قوله: إِلَّا لِعُذْرٍ) اسی طرح اگر وہ سوچے کہ کسی آدمی کو نماز کے لئے آگے کھڑا کرے جبکہ سوچ و بچار کی حالت میں کھڑا ہونے کے وقت وہ ادائیگی کی نیت نہ کرے جس طرح ''تاتارخانیہ'' میں ہے۔

5093۔ (قوله: تَوَضَّأَ) یعنی اگر پانی پائے تو وضو کرے ورنہ وہ تیمم کرے جس طرح تیمم کے بارے میں ان کے قول سے معلوم ہے اَوْ عِيْدٍ ولو بناء ''رملی''۔

میں کہتا ہوں: بلکہ ''البدائع'' میں یہاں تصریح کی ہے اور کہا: کیونکہ تیمم کے ساتھ نماز کی ابتدا جائز ہے پس بنا بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ اگر اس نے تیمم کیا پھر پانی پایا، اگر اس نے اپنی جگہ کی طرف لوٹ آنے کے بعد پانی پایا تو نئے سرے سے نماز شروع کرے، اگر اس سے پہلے راستہ میں پائے تو بھی اسی طرح کرے اور استحسان یہ ہے کہ وہ وضو کرے اور بنا کرے۔

5094۔ (قوله: فَوْرًا) یعنی عذر کے بغیر ایک رکن کی ادائیگی کی مقدار ٹھہرے بغیر، جس طرح ماقبل سے یہ معلوم ہو چکا ہے۔

5095۔ (قوله: بِكُلِّ سُنَّةٍ) یعنی وضو کی سنتوں میں سے ہر سنت کے ساتھ کیونکہ یہ وضو کو کامل کرنے والی چیزوں میں سے ایک ہے۔ پس یہ وضو کے توابع میں سے ہے پس یہ بھی اسی چیز کا متحمل ہوگا اصل جس کو متحمل تھا، ''بدائع''۔ اگر اس نے چار دفعہ اعضا کو دھویا تو وہ بنا نہ کرے۔ ''تاتارخانیہ''۔

5096۔ (قوله: بِلَا كَرَاهَةٍ) یہ پہلے (مقولہ 5066 میں) گزر چکا ہے کہ (نئے سرے سے نماز پڑھنا) افضل ہے۔

5097۔ (قوله: كَمُنْفَرِدٍ) اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا کہ پہلی گفتگو امام کے بارے میں ہے۔ جہاں تک مقتدی کا معاملہ ہے اس کا ذکر بعد میں کیا۔

5098۔ (قوله: وَهَذَا كُلُّهُ) یعنی امام کو اختیار ہے کہ وہ اپنی جگہ کی طرف لوٹے یا نہ لوٹے۔

(اِنْ فَرَغَ خَلِیفَتُهُ وَاِلَّا عَادَ اِلَی مَكَانِهِ) حَتْمًا لَوْ بَيْنَهُمَا مَا يَمْنَعُ الِاقْتِدَاءَ (كَالْمُقْتَدِی اِذَا سَبَقَهُ الْحَدَثُ) (وَ) اعْلَمْ أَنَّهُ (اِنْ تَعَمَّدَ عَمَلًا يُنَافِيهَا بَعْدَ جُلُوسِهِ قَدْرَ التَّشَهُّدِ) وَلَوْ بَعْدَ سَبْقِ حَدَثِهِ (تَمَّتْ) لِتَمَامِ فَرَائِضِهَا، نَعَمْ تُعَادُ لِتَرْكِ وَاجِبِ السَّلَامِ

اگر اس کا نائب فارغ ہو جائے ورنہ وہ اپنے مکان کی طرف لازمی طور پر لوٹ آئے اگر دونوں کے درمیان ایسی چیز ہو جو اقتدا سے مانع ہو جس طرح ایک مقتدی ہوتا ہے جب اسے حدث لاحق ہو جائے۔ یہ جان لو اگر وہ جان بوجھ کر کوئی عمل اس وقت کرے جب وہ تشہد کی مقدار بیٹھ چکا ہو اگر یہ حدث لاحق ہونے کے بعد ہو تو اس کی نماز مکمل ہو جائے گی کیونکہ اس کے فرائض مکمل ہو چکے ہیں ہاں نماز کا اعادہ کیا جائے گا کیونکہ سلام جو واجب ہے وہ ترک ہوا ہے۔

5099۔ (قولہ: وَاِلَّا عَادَ اِلَی مَكَانِهِ) یعنی اسی جگہ جہاں وہ پہلے تھا یا اس کے قریب جگہ جہاں اقتدا صحیح ہے۔ کیونکہ خلیفہ بنانے کے ساتھ وہ امامت سے خارج ہو چکا ہے اور وہ خلیفہ کا مقتدی بن چکا ہے۔ جس طرح (مقولہ 5064 میں) گزر چکا ہے۔

5100۔ (قولہ: لَوْ بَيْنَهُمَا مَا يَمْنَعُ الِاقْتِدَاءَ) کیونکہ اقتدا کے لئے شرط یہ ہے کہ جگہ (امام اور مقتدی کی) ایک ہو۔ ''بدائع''۔

5101۔ (قولہ: كَالْمُقْتَدِی) یعنی از روئے اصل۔

5102۔ (قولہ: اِنْ تَعَمَّدَ عَمَلًا يُنَافِيهَا) وہ نماز کے منافی ہو جیسے قہقہہ۔ اگر اس نے تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد جان بوجھ کر یہ عمل کیا تو اس کی نماز مکمل ہو گی اگر چہ امام کا وضو باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ قہقہہ نماز کے دوران واقع ہوا۔ قوم کا وضو باطل نہیں ہو گا کیونکہ وہ نماز سے فارغ اس لئے ہوئے کہ ان کے امام کو حدث لاحق ہو چکا ہے۔ اس کی مکمل بحث ''البحر'' میں ہے۔ عنقریب اس کا ذکر آگے (مقولہ 5158 میں) آئے گا۔

5103۔ (قولہ: وَلَوْ بَعْدَ سَبْقِ حَدَثِهِ) ''زیلعی'' نے اس کا ذکر کیا ہے اور اس میں اختلاف کا ذکر نہیں کیا۔ اور اس قول میں اس قول کا رد ہے جو ''الحلبہ'' میں ہے کہ ''امام صاحب'' کے نزدیک نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ وہ اپنے عمل سے خود نہیں نکلا ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک نماز باطل نہیں ہو گی۔ رد کی دلیل وہ ہے جو ''البحر'' میں ہے جب اس نے حدث لاحق ہونے کے بعد کوئی منافی کام کیا تو وہ نماز سے اپنے عمل کے ساتھ خارج ہو گیا۔

5104۔ (قولہ: تَمَّتْ) یہاں تمت سے مراد ''صحت'' ہے کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ واجب کے ترک کرنے کی وجہ سے وہ ناقص ہے۔ ''ط''۔

5105۔ (قولہ: نَعَمْ تُعَادُ) یعنی وجوبی طور پر اس کا اعادہ کیا جائے گا۔ ''ط''

(وَلَوْ) وُجِدَ الْمُنَافِي (بِلَا صُنْعِهِ) قَبْلَ الْقُعُودِ بَطَلَتْ اتِّفَاقًا، وَلَوْ (بَعْدَهُ بَطَلَتْ) فِي الْمَسَائِلِ الِاثْنَيْ عَشْرِيَّةَ عِنْدَهُ

اگر اس نمازی کے عمل کے بغیر قعدہ سے قبل نماز کے منافی کوئی عمل پایا گیا تو بالاتفاق نماز باطل ہو جائے گی۔ اگر وہ منافی عمل، تشہد کی مقدار قعدہ کرنے کے بعد واقع ہو تو ''امام صاحب'' کے نزدیک بارہ مسائل میں نماز باطل ہو جائے گی۔

5106۔(قولہ: وُجِدَ الْمُنَافِي) یعنی اس ساوی حدث کے علاوہ جو گزر چکا ہے کیونکہ اگرچہ وہ قیاسی طور پر نماز کے منافی ہے لیکن شرع نے اسے غیر منافی تسلیم کیا ہے۔ ''حلبی'' نے اسے بیان کیا ہے۔

5107۔(قولہ: بِلَا صُنْعِهِ) یہ ان کے قول تعمد کے مقابل ہے۔

5108۔(قولہ: وَلَوْ بَعْدَهُ بَطَلَتْ) یعنی تشہد کی مقدار قعدہ کرنے کے بعد اس نے یہ عمل کیا۔ یہ قول اسے بھی شامل ہے کہ اگر امام نے سلام پھیر دیا جبکہ اس پر سجدہ سہو ہو تو ان میں سے کوئی ایک عارضہ واقع ہوا جن کا ذکر آگے آنے والا ہے اگر اس نے سجدہ سہو کیا تو نماز باطل ہو جائے گی اگر سجدہ سہو نہ کیا تو نماز باطل نہ ہوگی۔ اگر قوم نے امام سے پہلے سلام پھیر دیا، جبکہ امام تشہد کی مقدار قعدہ کر چکا تھا تو اسے ان میں سے کوئی عارضہ لاحق ہوا تو امام کی نماز باطل ہوگی قوم کی نماز باطل نہ ہوگی۔ اسی طرح حکم ہوگا جب امام نے سجدہ سہو کیا اور قوم نے سجدہ نہ کیا پھر اسے ایسا عارضہ لاحق ہوا۔ ''بحر''۔

المسائل الاثنی عشریۃ (بارہ مسائل)

5109۔(قولہ: فِي الْمَسَائِلِ الِاثْنَيْ عَشْرِيَّةَ) یہ نسبت مشہور ہوگئی ہے جبکہ اہل عربیہ کے نزدیک یہ غلط ہے کیونکہ مرکب عدد علمی میں یا نسبت اس کے پہلے جز کے ساتھ لگائی جاتی ہے۔ پس خمسۃ عشر مرد یا کسی اور کا نام ہو تو خمسی عشر کہے گا اور جو علم نہ ہو تو اس کے پہلے جز کی طرف یا کی نسبت نہیں لگائی جائے گی۔ ''بحر ونہر''۔

5110۔(قولہ: عِنْدَهُ) یعنی امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک۔ ''امام صاحب'' کے نزدیک نماز کے باطل ہونے کی دلیل وہ ہے جسے ''بردعی'' نے ذکر کیا ہے کہ نمازی کے عمل سے نماز سے نکلنا یہ ''امام صاحب'' کے نزدیک فرض ہے۔ کیونکہ اس سے نکلے بغیر کسی دوسرے فرض کی ادائیگی ممکن نہیں۔ اور وہ امر جس کے ساتھ ہی کسی دوسرے فرض تک رسائی ممکن ہو وہ امر بھی فرض ہوتا ہے۔ ''امام کرخی'' نے کہا: یہ غلط ہے کیونکہ خروج کبھی معصیت ہوتا ہے جس طرح جان بوجھ کر حدث لاحق کرنا۔ اگر یہ فرض ہوتا تو اسی کے ساتھ خاص ہوتا جو قربت ہے اور وہ سلام ہے۔ علما میں اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ اپنے عمل سے نکلنا فرض نہیں۔ ''امام صاحب'' نے ان مسائل میں نماز کے باطل ہونے کا قول کسی اور وجہ سے کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آنے والے عوارض فرض کو تبدیل کر دیتے ہیں۔ جس طرح متیمم کا پانی دیکھنا، بے شک اس کا فرض تیمم تھا، وہ وضو کی طرف بدل گیا ہے۔ باقی مسائل بھی اسی طرح ہیں۔ کلام کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ یہ نماز کو قطع کرنے والا ہے اس کا مغیر نہیں۔ جان بوجھ کر حدث واقع کرنا، قہقہہ لگانا اور ان کی مثل امور نماز کو باطل کرنے والے ہیں نماز کے مغیر نہیں۔ ''البحر'' میں اس کی تائید اس قول سے کی

وَقَالَا صَحَّتْ، وَرَجَّحَهُ الْكَمَالُ وَفِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ وَالْأَظْهَرُ قَوْلُهُمَا بِالصِّحَّةِ فِي الِاثْنَيْ عَشْرِيَّةَ وَهِيَ مَا ذَكَرَهُ بِقَوْلِهِ (كَمَا تَبْطُلُ) لَوْ فَرَّعَ بِالْفَاءِ كَمَا فِي الدُّرَرِ لَكَانَ أَوْلَى (بِقُدْرَةِ الْمُتَيَمِّمِ عَلَى الْمَاءِ) وَأَمَّا مَسْأَلَةُ رُؤْيَةِ الْمُتَوَضِّئِ الْمُؤْتَمِّ بِمُتَيَمِّمٍ الْمَاءَ

اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا: نماز صحیح ہو جائے گی۔ الکمال نے اس قول کو راجح قرار دیا ہے۔ ''شرنبلالیہ'' میں ہے بارہ مسائل میں ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کا صحت کا قول زیادہ ظاہر ہے۔ اور وہ مسائل یہ ہیں جن کا ذکر اپنے قول کما تبطل سے کیا ہے اگر فا کے ساتھ تفریع لاتے تو زیادہ بہتر ہوتا جس طرح ''الدرر'' میں ہے تیمم کرنے والا پانی پر قادر ہو جائے۔ جہاں تک اس مسئلہ کا تعلق ہے کہ وہ آدمی جس نے وضو کیا ہوا ور اس نے متیمم کی اقتدا کی ہو، وہ پانی دیکھ لے

ہے جو ''المجتبیٰ'' میں ہے اس پر ہمارے اصحاب میں سے محقق ہیں اور اسی کی ''شمس الائمہ'' نے تصحیح کی ہے لیکن ہم نے پہلے (مقولہ 3905 میں) فرائض الصلوٰۃ میں ''علامہ شرنبلالی'' کی ''المسائل البهية الذكية على الاثنى عشرية'' سے ''بردعی'' کی کلام کی تائید نقل کی ہے۔ ''صاحب ہدایہ'' نے اسی کو اپنایا کہ نمازی کا اپنی نماز سے اپنے عمل سے نکلنا فرض ہے۔ شارحین، عام مشائخ، اکثر محققین، امام نسفی نے ''وافی''، ''کافی''، ''کنز'' میں اس کی شروح، ''صاحب المجمع'' اور امام اہل سنت ''ابو منصور ماتریدی'' نے آپ کی پیروی کی ہے۔

5111۔ (قولہ: وَرَجَّحَهُ الْكَمَالُ الخ) میں کہتا ہوں: ''کمال'' نے ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کو صراحۃً راجح قرار نہیں دیا۔ انہوں نے امام کے کلام کی توجیہ میں بحث کی ہے، اسی طریقہ پر جس طریقہ پر ''بردعی'' اور ''کرخی'' نے کہا ہے۔ جس طرح میں نے ''البحر'' کی تعلیق میں وضاحت کی ہے۔

5112۔ (قولہ: وَفِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ وَالْأَظْهَرُ قَوْلُهُمَا الخ) میں کہتا ہوں: شرنبلالی نے اپنے رسالہ میں اسے ''البرہان'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ پھر اس کا رد کیا ہے اس کے ظاہر ہونے کی بھی کوئی وجہ نہیں چہ جائیکہ اس کے اظہر ہونے کی دلیل ہو۔ کیونکہ انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے جس میں اس پر کوئی دلالت نہیں۔ اس پر طویل رد کرنے کے بعد ''شرنبلالی'' نے کہا: یہ ثابت شدہ امر ہے کہ عبادت کی صحت میں احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھا جائے تاکہ اس کے ساتھ مکلف کا ذمہ پورا ہو جائے۔ احتیاط ''امام صاحب'' کے قول میں ہے کہ نماز باطل ہو جائے گی۔

میں کہتا ہوں: متون اسی قول پر ہیں۔

5113۔ (قولہ: لَكَانَ أَوْلَى) کیونکہ ان کی کلام وہم دلاتی ہے کہ ان کا قول ولو بلا صنعه بعده بطلت یہ بارہ مسائل کے علاوہ میں مفروض ہے جبکہ یہ ان بارہ مسائل کے ساتھ اور جو آگے والے مزید مسائل (مقولہ 5136 میں) لاحق کئے گئے ہیں ان کے ساتھ مخصوص ہیں۔

5114۔ (قولہ: وَأَمَّا مَسْأَلَةُ الخ) ''زیلعی'' نے ''کنز'' پر جو اعتراض کیا یہ اس کا جواب ہے کہ متیمم کی قید لگانا فائدہ

فَفِيهَا خِلَافُ زُفَرَ فَقَطْ وَتَنْقَلِبُ نَفْلًا (وَمُضِيِّ مُدَّةِ مَسْحِهِ إنْ وَجَدَ مَاءً) وَلَمْ يَخَفْ تَلَفَ رِجْلِهِ مِنْ بَرْدٍ، وَإِلَّا فَيَمْضِي (عَلَى الْأَصَحِّ) كَمَا مَرَّ فِي بَابِهِ (وَتَعَلُّمُ أُمِّيٍّ آيَةً) أَيْ تَذَكُّرِهِ أَوْ حِفْظِهِ بِلَا صُنْعٍ

تو اس میں صرف امام زفر کا اختلاف ہے اور وہ نماز نفل ہو جائے گی۔ اور مسح کی مدت کا گزر جانا اگر وہ پانی پائے اور سردی کی وجہ سے پاؤں کے تلف ہونے کا خوف نہ ہو ورنہ اصح قول کے مطابق وہ نماز جاری رکھے گا جس طرح اس کے باب میں یہ گزر چکا ہے۔ اور اُمی کا آیت کو سیکھ لینا، یعنی اسے یاد آ جانا کسی عمل کے بغیر یا اسے یاد کر لینا

مند نہیں۔ کیونکہ وضو کرنے والا جو متیمم کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے اگر وہ اپنی نماز میں پانی دیکھ لے تو اس کی بھی نماز باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ اسے علم ہے کہ اس کا امام اس کی خبر دینے سے پانی پر قادر ہے۔ اور امام کی نماز مکمل ہے کیونکہ اس کو پانی پر قدرت حاصل نہیں۔ اگر اس نے کہا ہوتا: والمقتدی بہ تو یہ اسے بھی عام ہوتا۔ ''البحر'' میں اس کا جواب دیا کہ مقتدی کی نماز اصلاً باطل نہیں ہوئی بلکہ وصفاً باطل ہوئی ہے۔ ''النہر'' میں اس کا رد کیا ہے کہ ''مصنف'' نے بطلان کا لفظ معنی اعم میں استعمال کیا ہے اور وہ فرض کا معدوم کرنا ہے، اصل باقی رہے یا نہ رہے۔ پھر کہا: اولی وہ ہے جو ''عینی'' نے کہا: متیمم کی اقتدا کرنے والے کے مسئلہ میں صرف امام زفر کا اختلاف ہے۔ جبکہ ان مسائل میں اختلاف ''امام صاحب'' اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے درمیان مقدر ہے۔

شارح کا قول وَتَنْقَلِبُ نَفْلًا یہ ''البحر'' کے جواب کو بھی پیش نظر رکھ رہا ہے۔ اس میں جو کچھ ضعف ہے تو اسے جان چکا ہے۔ ''حلبی'' نے اسے بیان کیا ہے۔

5115۔ (قولہ: فَفِيهَا خِلَافُ زُفَرَ) کیونکہ انہوں نے نماز کے فاسد نہ ہونے کا قول کیا ہے۔ جس طرح ہم نے سابقہ باب (مقولہ 4933) میں اسے بیان کیا ہے۔

5116۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ فِي بَابِهِ) یہ بھی (مقولہ 2470 میں) گزرا ہے کہ جب وہ مسح کی مدت کے مکمل ہونے کے بعد پاؤں دھونے کے لئے پانی نہ پائے جبکہ وہ نماز میں ہو تو زیادہ مناسب نماز کا فساد ہے۔ کیونکہ حدث پاؤں کی طرف سرایت کر گیا ہے۔ کیونکہ پانی کا نہ ہونا یہ نجاست کے سرایت کرنے سے مانع نہیں۔ پھر وہ اس کے لئے تیمم کرے اور نماز پڑھے۔ یہ ''زیلعی'' نے کہا ہے۔ ''فتح القدیر'' اور ''شرح المنیہ'' میں اس کی پیروی کی ہے۔ ہم یہ بھی پہلے (مقولہ 2470 میں) بیان کر آئے ہیں۔ جب اسے سردی کی وجہ سے پاؤں کے تلف ہو جانے کا خوف ہو تو ہم پہلے سابقہ مسح کے بطلان اور دوسرے مسح کے نئے سرے سے لازم ہونے کا جو قول کر آئے ہیں یہ خلف یعنی پٹی (پھٹی) کو بھی عام ہوگا۔ پس مناسب یہ ہے کہ دونوں قیدوں میں سے کوئی بھی قید نہ لگائی جائے۔

5117۔ (قولہ: بِلَا صُنْعٍ) اس طرح کہ اس نے مثلاً قاری سے سورہ اخلاص سنی اور محض سماع سے اس نے اس سورت کو یاد کر لیا۔ اس قول کے ساتھ اس امر سے احتراز کیا ہے کہ اگر اس نے قاری کی تعلیم سے یاد کیا ہو۔ کیونکہ اس صورت میں وہ عمل کثیر ہے، اس طرح وہ اپنے عمل سے نماز سے نکلنے والا ہو جائے گا۔ پس اختلاف واقع نہیں ہوگا۔

(وَلَوْ كَانَ) الْأُمِّيُّ (مُقْتَدِيًا بِقَارِئٍ عَلَى مَا عَلَيْهِ الْأَكْثَرُ لَكِنْ فِي الظَّهِيرِيَّةِ صَحَّحَ الصِّحَّةَ قَالَ الْفَقِيهُ وَبِهِ نَأْخُذُ (وَوُجُودُ الْعَارِي سَاتِرًا) تَصِحُّ بِهِ الصَّلَاةُ وَمِثْلُهُ لَوْ صَلَّى بِنَجَاسَةٍ فَوَجَدَ مَا يُزِيلُهَا أَوْ أُعْتِقَتْ الْأَمَةُ وَلَمْ تَتَقَنَّعْ فَوْرًا

اگرچہ امی، قاری کی اقتدا کرنے والا ہو اس پر اکثر علماء ہیں۔ لیکن ''الظہیریہ'' میں نماز کی صحت کا قول کیا ہے۔ ''فقیہ'' نے کہا ہم اسی کو اپناتے ہیں۔ اور بے لباس کا ستر کرنے والی چیز یعنی کپڑے کا پالینا اس کے ساتھ نماز صحیح ہوگی۔ اور اسی کی مثل ہے اگر اس نے نجاست کے ساتھ نماز پڑھی تو اس نے اس چیز کو پالیا جو اس نجاست کو زائل کر دے۔ یا لونڈی کو آزاد کر دیا گیا اور اس نے فوراً سر کو نہ ڈھانپا۔

5118۔ (قولہ: وَلَوْ كَانَ الْأُمِّيُّ الخ) اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ امی سے مراد اس سے عام ہے کہ وہ امام ہو، منفرد ہو، امی کا مقتدی ہو یا قاری کا مقتدی ہو۔

5119۔ (قولہ: عَلَى مَا عَلَيْهِ الْأَكْثَرُ) کیونکہ ایسی نماز جو حقیقی قراءت کے ساتھ ہو وہ اس نماز سے فضیلت والی ہوتی ہے جو حکمی قراءت کے ساتھ ہو۔ پس بنا ممکن نہ ہوگی، ''بحر''۔ بعض اوقات اس کو تسلیم نہیں کیا جاتا کیونکہ مقتدی قاری سے قراءت صرف حکماً ہی ہوا کرتی ہے۔ ''نہر''۔

5120۔ (قولہ: قَالَ الْفَقِيهُ الخ) ''فقیہ'' سے مراد ''امام ابواللیث'' ہے۔ یہاں کی مثل ''خزانۃ السروجی'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ ''الجوہرۃ'' میں ہے لا تبطل اجماعاً، ''رملی''۔ ''اسماعیل'' نے ''الولوالجیہ'' میں اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ''البحر'' میں کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے۔ پس نماز کا اول اور اس کا آخر کامل ہو گیا اور کامل کی کامل پر بنا جائز ہے۔

5121۔ (قولہ: تَصِحُّ بِهِ الصَّلَاةُ) اس طرح کہ وہ کپڑا طاہر ہو یا نجس ہو اور اس کے پاس ایسی چیز ہو جس کے ساتھ وہ کپڑے کو پاک کر سکے یا اس کے پاس ایسی چیز نہیں، مگر اس کپڑے کا چوتھائی پاک ہے۔ ''نہر''۔ اگر پاک اس سے بھی کم تھا یا مکمل ناپاک تھا تو نماز باطل نہ ہوگی۔ کیونکہ جس امر کا حکم دیا گیا ہے وہ پاکیزہ کپڑے کے ساتھ ستر کا اہتمام کرنا ہے۔ پس اس کپڑے کا وجود اس کے عدم کی طرح ہے۔ اگر وہ تصح کی بجائے تجب کا لفظ ذکر کرتے تو یہ زیادہ بہتر ہوتا۔ کیونکہ اس کی عبارت اس کو جامع ہے اگر وہ سب ناپاک ہوتا؛ کیونکہ اس میں نماز صحیح ہے، ساتھ ہی اگر وہ ننگے نماز پڑھے تو نماز باطل نہ ہوگی کیونکہ ناپاک کپڑے میں نماز پڑھنا واجب نہیں بلکہ اسے اختیار ہے۔ ''ابوسعود، طحطاوی''۔

5122۔ (قولہ: أَوْ أُعْتِقَتْ الْأَمَةُ) ''حاشیہ المدنی'' میں ہے ہمارے مرحوم شیخ سید محمد امین میرغنی نے ''زیلعی'' پر اپنے حاشیہ میں کہا: میں کہتا ہوں اس مسئلہ کو کثیر شارحین نے بارہ مسائل کے ساتھ ملحق کر کے ذکر کیا ہے۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ اس آزاد کی گئی لونڈی کے لئے ستر کا فرض ہونا یہ اس کی آزادی کے وقت سے بطور اقتصار لازم ہے، بطور استناد لازم نہیں۔ پس ستر کا نہ ہونا قاطع نماز ہے اور قاطع اس کے اوقات میں ہو یا غیر اوقات میں ہو یہ باطل کرنے والا ہوتا

(وَنَزْعِ الْمَاسِحِ خُفَّهُ) الْوَاحِدَ (بِعَمَلٍ يَسِيرٍ) فَلَوْ بِكَثِيرٍ تَتِمُّ اتِّفَاقًا

اور تھوڑے سے عمل کے ساتھ مسح کرنے والے کا ایک موزہ کو اتار دینا، اگر عمل کثیر کے ساتھ وہ موزہ اتارے تو بالاتفاق نماز مکمل ہو جائے گی۔

ہے، یہاں یہ اپنے اوقات میں ہے۔ کیونکہ یہ ارکان کے مکمل ہونے کے بعد ہے۔ پس اس کی نماز صحیح ہوگی اگرچہ وہ اسی وقت پردہ نہ کرے، جو بے لباس ہے جب وہ کپڑے پائے تو اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس پر پردہ کرنے کی فرضیت شروع ہونے سے پہلے لازم ہے پس اس حالت میں کپڑے کا پایا جانا ماقبل کے لئے مغیر ہو گا پس یہ باطل کرنے والا ہو گا۔

''زیلعی'' نے باب شروط الصلوٰۃ میں یہاں کے قول کے خلاف قول ذکر کیا ہے کیونکہ کہا: اگر لونڈی کو اس کی حالت نماز میں آزاد کر دیا گیا یا اسے نماز میں حدث کے بعد اور وضو کرنے سے پہلے آزاد کر دیا گیا یا اس کے بعد اس نے اسی ساعت تھوڑے سے عمل کے ساتھ سر پر کپڑا ڈال لیا اور اپنی نماز پر بنا کی، اگر اس نے آزادی کے علم کے بعد ایک رکن ادا کیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ قیاس تو یہ ہے کہ پہلی صورت میں بھی اس کی نماز باطل ہو جائے جس طرح ایک بے لباس آدمی ہے جب وہ اپنی نماز میں کپڑا پائے۔

استحسان کی دلیل یہ ہے کہ ستر کا فرض نماز میں لازم ہوا ہے جبکہ وہ اس کو بجالائی ہے اور جو بے لباس تھا اس پر ستر کا فرض نماز میں شروع ہونے سے پہلے لازم ہوا تھا تو وہ نئے سرے سے نماز پڑھے گا۔ جس طرح متیمم نئے سرے سے نماز پڑھے گا جب وہ نماز میں پانی پائے۔ ''انتہی''۔ ان کی کلام سے معلوم ہو گیا کہ اس لونڈی کی نماز صحیح ہو جائے گی اگر تشہد کے بعد اسے آزاد کیا گیا اور اس نے پردہ نہ کیا۔

میں کہتا ہوں: بعض اوقات یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ان مسائل میں اصل یہ ہے کہ ہر وہ عمل جو نماز کو فاسد کر دیتا ہے اگر نماز کے دوران نمازی کے عمل سے پایا جائے تو عمل اس کو فاسد کر دیتا ہے جب تشہد کے بعد اس کے عمل کے بغیر پایا جائے یہ معنی ہمارے اس مسئلہ میں بھی موجود ہے۔

یہ اعتراض نہ کیا جائے گا کہ پردہ کو فی الحال ترک کرنا اس کے عمل سے نماز کو فاسد کرنے والا ہے کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ فساد پہلے سبب کی طرف منسوب ہے، اور وہ آزادی کے ساتھ پردہ کا لازم ہونا ہے جس طرح تھوڑے سے عمل کے ساتھ موزے کے اتارنے میں ہے۔ کیونکہ یہ بھی نمازی کے عمل کے ساتھ ہے جبکہ علما نے اس کا اعتبار نہیں کیا بلکہ انہوں نے سابقہ سبب کا اعتبار کیا ہے اور وہ سابقہ حدث کے ساتھ دھونے کا لازم ہونا ہے۔ یہ امر میرے لئے ظاہر ہوا۔ ''فتامل''

5123۔ (قولہ: خُفَّهُ الْوَاحِدَ) ''المنح'' میں کہا: ''الکنز'' میں جو تثنیہ کے لفظ کے ساتھ واقع ہوا ہے اس سے یہ اولیٰ ہے۔ کیونکہ ایک موزہ میں حکم اسی طرح ہے۔ کیونکہ یہ ثابت ہے کہ موزے کا اتارنا ناقض وضو ہے۔

5124۔ (قولہ: بِعَمَلٍ يَسِيرٍ) اس طرح کہ وہ موزہ کھلا تھا اس کو اتارنے کے لئے کسی مشقت کی ضرورت نہ تھی۔ ''بحر''۔

5125۔ (قولہ: تَتِمُّ اتِّفَاقًا) کیونکہ اس موزے کا اتارنا اس کے عمل سے وقوع پذیر ہوا۔

(وَقُدْرَةِ مُومِ عَلَى الْأَرْكَانِ، وَتَذَكُّرِ فَائِتَةٍ عَلَيْهِ أَوْ عَلَى إِمَامِهِ وَهُوَ صَاحِبُ تَرْتِيبٍ) وَالْوَقْتُ مُتَّسِعٌ (وَتَقْدِيمِ الْقَارِئِ أُمِّيًا مُطْلَقًا، وَقِيلَ لَا فَسَادَ لَوْ كَانَ) اسْتِخْلَافُهُ (بَعْدَ التَّشَهُّدِ بِالْإِجْمَاعِ، وَهُوَ الْأَصَحُّ) كَمَا فِي الْكَافِي لِأَنَّهُ عَمَلٌ كَثِيرٌ

اور اشارہ کرنے والے کا ارکان کی ادائیگی پر قادر ہونا، اپنی یا امام پر فوت شدہ نماز کا یاد آ جانا جبکہ وہ صاحب ترتیب ہو جب کہ وقت وسیع ہو۔ اور قاری کا امی کو آگے کھڑا کرنا مطلقا، ایک قول یہ کیا گیا ہے اگر اس نے تشہد کے بعد نائب بنایا تو بالاجماع نماز فاسد نہ ہوگی یہی قول صحیح ہے، جس طرح ''کافی'' میں ہے کیونکہ یہ عمل کثیر ہے

5126۔ (قولہ: وَقُدْرَةُ مَأْمُومٍ عَلَى الْأَرْكَانِ) کیونکہ اس کی نماز کا آخر اقوی ہے پس اس کی بنا ضعیف پر جائز نہیں۔ ''بحر''۔

5127۔ (قولہ: وَتَذَكُّرُ فَائِتَةٍ الخ) یعنی نمازی کو اپنی فوت شدہ نماز کا یاد آ جانا اگر وہ منفرد ہو یا امام ہو یا اپنے امام پر جو فوت شدہ نماز ہے وہ یاد آ جانا اگر وہ مقتدی ہو۔ اور اس کا قول وھو یعنی جس پر مطلقاً فوت شدہ نماز ہو۔ ''السراج'' میں ہے پھر ''امام صاحب'' کے نزدیک یہ نماز قطعاً باطل نہ ہوگی بلکہ وہ موقوف رہے گی۔ اگر اس نے اس کے بعد پانچ نمازیں پڑھ لیں جبکہ اسے فوت شدہ نماز یاد تھی تو وہ سب نمازیں جائز ہو جائیں گی۔

''البحر'' میں کہا: ''مصنف'' کا بطلان کی لڑی میں اس کا ذکر کرنا یہ اس پر اعتماد ہے جس کا ذکر باب الفوائت میں کریں گے۔

5128۔ (قولہ: وَتَقْدِيمُ الْقَارِئِ أُمِّيًا) اس صورت میں جب قاری امام ہو اور اسے حدث لاحق ہو جائے۔

5129۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی خواہ اس نے امی کو تشہد کی مقدار، قعدہ کے بعد آگے کیا ہو یا اس سے پہلے آگے امام بنایا ہو دوسرے قول کا قرینہ ہے۔ اس میں یہ ہے کہ تشہد سے پہلے اسے نائب بنایا ہو تو یہ بالاتفاق نماز کو فاسد کرنے والا ہے خواہ یہ پہلی دو رکعتوں میں ہوا ہو یا آخری دو رکعتوں میں ہوا ہو، اس نے دونوں رکعتوں میں قراءت نہ کی یا ایک میں قراءت نہ کی۔ اسی طرح اگر اس نے دونوں میں سے ہر ایک میں قراءت کی۔ امام زفر نے اس سے اختلاف کیا ہے اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے جس طرح اس باب سے پہلے (مقولہ 4970 میں) گزر چکا ہے، یہ ان مسائل میں سے نہیں جن میں ہم اس وقت گفتگو کر رہے ہیں۔ کیونکہ جو اختلاف بارہ مسائل میں ''امام صاحب'' اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے درمیان واقع ہے وہ صرف تشہد کے بعد میں ہے۔ پس صحیح، اطلاق یعنی مطلقاً کے لفظ کا حذف ہے۔ اور اس کا یہ کہنا ہے و قیل لا فساد بالاجماع ''حلبی'' نے اسے بیان کیا ہے۔

5130۔ (قولہ: وَهُوَ الْأَصَحُّ) ''النہر'' میں کہا: ''ابو جعفر'' اور ''فخر الاسلام'' نے اسے اختیار کیا ہے اور ''کافی'' وغیرہ میں اس کی تصحیح کی ہے ''الفتح'' میں کہا: یہ قول مختار ہے۔

5131۔ (قولہ: لِأَنَّهُ عَمَلٌ كَثِيرٌ) یہاں اس کی ضرورت نہیں کیونکہ اسے ایسے امام کی ضرورت نہیں جو امام بننے کی

(وَطُلُوعِ الشَّمْسِ فِي الْفَجْرِ) وَزَوَالِهَا فِي الْعِيدِ، وَدُخُولِ وَقْتٍ مِنْ الثَّلَاثَةِ عَلَى مُصَلِّي الْقَضَاءِ (وَدُخُولِ وَقْتِ الْعَصْرِ) بِأَنْ بَقِيَ فِي قَعْدَتِهِ إلَى أَنْ صَارَ الظِّلُّ مِثْلَيْهِ (فِي الْجُمُعَةِ) بِخِلَافِ الظُّهْرِ فَإِنَّهَا لَا تَبْطُلُ (وَزَوَالِ عُذْرِ الْمَعْذُورِ) بِأَنْ لَمْ يَعُدْ فِي الْوَقْتِ الثَّانِي وَكَذَا خُرُوجُ وَقْتِهِ (وَسُقُوطِ جَبِيرَةٍ عَنْ بُرْءٍ) (وَ) اعْلَمْ أَنَّهُ (لَا تَنْقَلِبُ الصَّلَاةُ فِي هَذِهِ الْمَوَاضِعِ) الْعِشْرِينَ

اور فجر کی نماز میں سورج کا طلوع ہونا اور عید کی نماز میں سورج کا ڈھل جانا اور قضا نماز پڑھنے والے پر تین اوقات میں سے ایک وقت کا داخل ہو جانا۔ اور عصر کے وقت کا داخل ہو جانا اس طرح کہ وہ اپنے قعدہ میں ہو یہاں تک کہ سایہ، جمعہ کی نماز میں دو مثل تک ہو جائے۔ ظہر کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ ظہر کی نماز باطل نہیں ہوگی۔ اور معذور کے عذر کا زائل ہو جانا اس طرح کہ وہ دوسرے وقت میں نہ لوٹے۔ اسی طرح اس کے وقت کا نکلنا اور صحت یابی کے بعد پٹی کا گرنا۔ یہ جان لو کہ ان بیس مواقع پر صلاحیت نہیں رکھتا۔ ''نہر''۔

5132۔ (قولہ: مِنْ الثَّلَاثَةِ) وہ سورج کا طلوع ہونا، سورج کا نصف النہار پر ہونا اور اس کا غروب ہونا ہے۔

5133۔ (قولہ: بِأَنْ بَقِيَ الخ) ''کافی'' میں جو اعتراض کیا ہے اس کے رد کی طرف اشارہ ہے کہ اگر ایک مثل سایہ ہونے سے قبل اس نے نماز کو شروع کیا پھر قعود کے بعد سایہ اس تک پہنچ گیا تو بالاتفاق نماز باطل نہ ہوگی۔ جہاں تک ''امام صاحب'' کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عصر کا وقت داخل نہیں ہوا اور جہاں تک ''صاحبین'' رحمہما اللہ کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان تمام مسائل میں وہ نماز کے فاسد نہ ہونے کا قول کرتے ہیں۔ تو جواب اس مسئلہ کی صورت بیان کرنے کے ساتھ دیا جس کا انہوں نے ذکر کیا تھا تاکہ اختلاف متحقق ہو جائے۔

5134۔ (قولہ: بِأَنْ لَمْ يَعُدْ الخ) اس کی طرف اشارہ کیا کہ امر موقوف ہے۔ جب وہ عذر قعود کے بعد منقطع ہو گیا اور جس وقت میں اس نے نماز پڑھی تھی اس کے بعد کامل وقت میں وہ عذر منقطع ہی رہا تو اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایسا انقطاع ہے جو صحت یابی ہے تو امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فساد ظاہر ہو جاتا ہے۔ پس وہ اس کی قضا کرے گا ورنہ محض انقطاع اس پر دلالت نہیں کرتا۔ کیونکہ دوسرے وقت میں اگر وہ عذر دوبارہ لوٹ آئے تو نماز صحیح ہوگی۔ ''بحر''

5135۔ (قولہ: وَكَذَا خُرُوجُ وَقْتِهِ) قابل اعتماد یہی ہے کہ معذور کی طہارت وقت کے نکلنے کے ساتھ باطل ہو جاتی ہے۔

5136۔ (قولہ: الْعِشْرِينَ) بیس ہونے کی وجہ یہ ہے کیونکہ بارہ مسائل پر آٹھ مسائل کا اضافہ کیا ہے وہ یہ ہیں۔ پانی کا پانا جس کے ساتھ وہ کپڑے کی نجاست کو زائل کر دے، لونڈی کا دوپٹہ اوڑھنا، امام کے ذمہ فوت شدہ نماز کا یاد آ جانا، عید کی نماز میں سورج کا ڈھل جانا، قضا میں تین اوقات میں سے کسی وقت کا داخل ہونا اور آٹھواں ہے معذور کے وقت کا نکل جانا۔ ''البحر'' میں حیلہ کیا اور پہلے اور دوسرے مسئلہ کو عاری کے مسئلہ کی طرف، اوقات مکروہ کے داخل ہونے والے مسائل کو طلوع کی

(نَفْلًا إِذَا بَطَلَتْ إِلَّا) فِي ثَلَاثٍ (فِيمَا إِذَا تَذَكَّرَ فَائِتَةً أَوْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ أَوْ خَرَجَ وَقْتُ الظُّهْرِ فِي الْجُمُعَةِ) كَمَا فِي الْجَوْهَرَةِ زَادَ فِي الْحَاوِي

جب نماز باطل ہو جائے تو نفل نہیں بنتی مگر تین مواقع میں نفل بن جاتی ہے۔ جب اسے فوت شدہ نماز یاد آ جائے یا سورج طلوع ہو جائے یا جمعہ کی نماز میں ظہر کا وقت خارج ہو جائے جس طرح ''جوہرہ'' میں ہے۔ ''الحاوی'' میں یہ زائد مسئلہ ذکر کیا ہے:

طرف اور آخری مسئلہ کو سابقہ حدث کے ظاہر ہونے کی طرف جو مدت مسح کے گزرنے والے مسئلہ میں ہے اور یہ مسئلہ باقی رہ گیا جس میں امام کے ذمہ فوت شدہ نماز اسے یاد آ جائے۔ محشی نے اسے اس مسئلہ کی طرف لوٹا دیا ہے کہ اسے وہ نماز یاد آ جائے جو اس مقتدی کے ذمہ ہے اور عید میں زوال شمس کا مسئلہ باقی رہ گیا ہے۔ اسے سورج کے طلوع ہونے کے مسئلہ کی طرف لوٹایا ہے۔ اس میں جو تکلف ہے وہ مخفی نہیں کیونکہ پہلے اور دوسرے مسئلہ میں فساد پانی کے پانے اور غلامی کے زوال کی وجہ سے ہے، کپڑے کے پائے جانے کی وجہ سے نہیں۔ کیونکہ کپڑا تو پہلے بھی موجود تھا اگر تداخل کے اعتبار کو تسلیم کیا جائے، جیسے انہوں نے ذکر کیا تو لازم آئے گا کہ وقت عصر کے داخل ہونے کے مسئلہ کو سورج کے طلوع ہونے کے مسئلہ کے ساتھ شمار نہ کیا جائے۔ کیونکہ دونوں میں سے ایک دوسرے سے غنی کر دیتا ہے اور یہ لازم آتا ہے کہ تین مسائل میں سے ایک پر اقتصار کرے۔ وہ متیمم کے پانی پر قدرت، مدت مسح کا گزر جانا اور خف کا اتر جانا۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک میں سابقہ حدث ظاہر ہو گیا ہے بلکہ غیر میں بھی تداخل ممکن ہو گا جس طرح تامل سے معاملہ ظاہر ہو گا۔ اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ علما نے اس کا اعتبار نہیں کیا۔ اسی وجہ سے ''زیلعی'' نے ان مسائل پر اضافہ کیا جن مسائل کو علما نے ذکر کیا تھا۔ اور ان کی ''الفتح''، ''الدرر'' اور ''شیخ ابن شعبان'' نے ''شرح المجمع'' میں پیروی کی ہے۔ ''الذخیرہ'' میں اسی طرح کیا ہے جس طرح ''شرنبلالی'' نے اپنے ''رسالہ'' میں ذکر کیا ہے۔ اور ان پر سو سے زائد مسائل کا ذکر کیا کیونکہ ان مسائل، اور علما نے جو مسائل ذکر کئے ہیں ان میں قدر مشترک موجود ہے اور وہ اصل موجود ہے جس پر بارہ مسائل کے باطل ہونے کی بنیاد ہے۔ وہ اصل یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو نماز کو فاسد کر دیتی ہے جب وہ نماز کے درمیان نمازی کے عمل سے واقع ہو تو وہی چیز نماز کو فاسد کر دے گی، جب آخری قعدہ کے بعد وہ اس کے عمل کے بغیر واقع ہو ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک وہ فاسد نہ کرے گی۔ فافہم۔

5137۔ (قولہ: إِذَا بَطَلَتْ) جس طرح (مقولہ 4933 میں) گزر چکا ہے بطلان سے مراد وہ چیز ہے جو اصل اور وصف دونوں کے بطلان کو شامل ہو یا صرف وصف کے بطلان کو شامل ہو۔

5138۔ (قولہ: فِيمَا إِذَا تَذَكَّرَ فَائِتَةً) جو فوت شدہ نماز اس کے ذمہ تھی یا اس کے امام کے ذمہ تھی جبکہ تو جان چکا ہے کہ امر فوت شدہ نماز کے یاد کرنے پر موقوف ہے پس وہ فی الحال نفل نہ بنے گی۔ ''ح''۔

5139۔ (قولہ: زَادَ فِي الْحَاوِي الخ) یعنی ''حاوی قدسی'' میں صلوٰۃ المسافر سے تھوڑا پہلے۔

میں کہتا ہوں: اصحاب متون اور دوسرے علما نے باب صلوٰۃ المریض میں جو ذکر کیا ہے وہ اس میں اشکال پیدا کرتا ہے کہ

وَالْمُومِئُ إِذَا قَدَرَ عَلَى الْأَرْكَانِ وَيُزَادُ مَسْأَلَةُ الْمُؤْتَمِّ بِمُتَيَمِّمٍ كَمَا قَدَّمْنَا وَالظَّاهِرُ أَنَّ زَوَالَهَا فِي الْعِيدِ وَدُخُولَ الْأَوْقَاتِ الْمَكْرُوهَةِ فِي الْقَضَاءِ كَذَلِكَ وَلَمْ أَرَهُ (وَلَوْ اسْتَخْلَفَ الْإِمَامُ مَسْبُوقًا) أَوْ لَاحِقًا أَوْ مُقِيمًا وَهُوَ مُسَافِرٌ (صَحَّ)

''اور اشارہ کرنے والا جب ارکان کی ادائیگی پر قادر ہو جائے'' اور اس مقتدی کا مسئلہ زائد ذکر کیا جاتا ہے جو متیمم کی اقتدا کرنے والا ہو جس طرح ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ عید میں سورج کا ڈھل جانا اور قضا میں اوقات مکروہ کا داخل ہونا اسی طرح ہے، میں نے اسے نہیں دیکھا۔ اگر امام نے مسبوق، لاحق یا مقیم کو خلیفہ بنایا جبکہ امام مسافر تھا تو یہ صحیح ہوگا۔

اگر اس نے کچھ نماز اشارہ کے ساتھ پڑھی پھر وہ رکوع وسجود پر قادر ہو گیا تو وہ نئے سرے سے نماز پڑھے گا۔ شارحین نے یہ ذکر کیا ہے کہ یہ ہمارے تینوں ائمہ کا متفق علیہ نقطہ نظر ہے۔ امام زفر نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ یہ اختلاف اس اختلاف پر مبنی ہے کہ کیا رکوع وسجود کرنے والا اشارہ کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔ ہمارے نزدیک ایسی اقتدا جائز نہیں جس طرح یہاں بنا جائز نہیں۔ امام زفر کے نزدیک یہ جائز ہے۔ اس میں کوئی خفا نہیں کہ نئے سرے سے نماز کا لازم ہونا تقاضا کرتا ہے کہ نماز اپنے اصل کے اعتبار سے فاسد ہو جائے۔ مگر یہ کہا جائے: وہ نئے سرے سے نماز پڑھے گا اگر وہ نماز فرض ہو، جس کا معنی یہ ہے کہ فرض کا اعادہ لازم ہے لیکن ان کا نئے سرے سے نماز کے لازم ہونے کو مطلق ذکر کرنا، یہ فرض اور نفل سب کو شامل ہوگا۔ اس پر یہ امر دلالت کرتا ہے کہ اختلاف کی بنیاد اس اختلاف پر مبنی ہے کہ رکوع وسجود کرنے والا اشارہ کرنے والے کی اقتدا کر سکتا ہے؟ کیونکہ وہ نہ فرض میں صحیح ہے اور نہ ہی نفل میں صحیح ہے۔ ''فلیتامل''۔

5140۔ (قولہ: وَيُزَادُ) جو فرض نفل ہو جاتے ہیں ان پر اضافہ کیا ہے۔ یہ مراد نہیں کہ یہ ان مسائل میں سے ہے جو ''امام صاحب'' اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے درمیان مختلف فیہ ہیں جس طرح ہم نے اسے پہلے (مقولہ 5114 میں) بیان کیا ہے۔ ''ح''۔

میں کہتا ہوں: جب ''شارح'' کی مراد یہ ہے تو اس پر یہ لازم تھا کہ ان مسائل کے ذکر کو مکمل کرتے جن مسائل میں فرض نفل ہو جاتے ہیں۔ جس طرح ''حاوی'' میں ہے کہ ان میں سے یہ مسئلہ ہے کہ اس نے آخری قعدہ، مسبوق کا رکوع اور اس کا سجدہ ترک کیا جب اس نے امام کو دوسرے سجدہ میں پایا قبل اس کے وہ اس میں اس کی متابعت کرتا۔

5141۔ قولہ: وَالظَّاهِرُ الخ، جس کو غالب جانا وہ ظاہر ہے۔ کیونکہ اوقات مکروہ ابتداءً نفل کے انعقاد کے منافی نہیں تو بقاءً کیسے منافی ہوں گے؟ ''حلبی'' اور ''طحطاوی'' نے اسے بیان کیا ہے۔

5142۔ (قولہ: وَهُوَ مُسَافِرٌ) یعنی جب امام مسافر ہو یہ ان کے قول او مقیما کی قید ہے۔

5143۔ (قولہ: صَحَّ) صحیح اس لئے ہے کیونکہ دونوں تکبیر تحریمہ میں شریک ہیں۔ ''بحر''۔

وَالْمُدْرِكُ أَوْلَى، وَلَوْ جَهِلَ الْكَمِّيَّةَ قَعَدَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ احْتِيَاطًا وَلَوْ مَسْبُوقًا بِرَكْعَتَيْنِ فَرَضْنَا الْقَعْدَتَيْنِ،

اور جو پہلی رکعت سے امام کے ساتھ شامل تھا اسے خلیفہ بنانا بدرجہ اولی صحیح ہوگا۔ اور اگر وہ مقدار سے ناواقف ہے تو ہر رکعت میں بطور احتیاط بیٹھے۔ اگر امام دو رکعت پہلے پڑھ چکا ہے تو ہم نے دو قعدوں کو فرض کیا،

مدرک کو نائب بنانا اولی ہے

5144۔ (قولہ: وَالْمُدْرِكُ أَوْلَى) کیونکہ وہ امام کی نماز کو مکمل کرنے پر زیادہ قادر ہے، ''بحر''۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ امام کے لئے اولی یہ ہے کہ وہ مدرک کے علاوہ کو نائب نہ بنائے اور غیر کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ نیابت کو قبول نہ کرے۔

5145۔ (قولہ: وَلَوْ جَهِلَ الْكَمِّيَّةَ الخ) اس میں اجمال ہے، اس کی وضاحت اس طرح ہے جس طرح ''النہر'' میں ہے کہ اگر اسے امام کی نماز کی مقدار کا علم ہے اور سب مقتدی، مسبوق ہیں تو نائب وہاں سے نماز شروع کرے جہاں سے امام نے انتہا کی تھی ورنہ ایک رکعت مکمل کرے اور قعدہ کرے پھر کھڑا ہو اور اپنی نماز کو مکمل کرے اور قوم اس کی اتباع نہ کرے بلکہ اس کے فارغ ہونے تک صبر کریں اور ان کے ذمہ جو نماز تھی وہ اس کو اکیلے اکیلے پڑھیں اور یہ نائب ہر رکعت پر بطور احتیاط قعدہ کرے۔ ''الظہیریہ'' میں یہ قید لگائی ہے ''جب امام کو حدث لاحق ہو جائے جبکہ وہ کھڑا ہو''۔ ''البحر'' میں کہا: علما نے اس صورت کو بیان نہیں کیا جب اسے حدث لاحق ہوا تھا اور وہ بیٹھا ہوا تھا اور نائب کو امام کی نماز کی مقدار کا علم نہیں تھا۔ علما نے جو کہا ہے اس پر قیاس کرتے ہوئے یہ چاہئے کہ نائب دو رکعتیں تنہا پڑھے جبکہ لوگ بیٹھے ہوئے ہوں، جب وہ فارغ ہو جائے تو وہ کھڑے ہو جائیں اور تمام چار رکعات پڑھیں اور نائب باقی پڑھے اور دوسرے لوگ اس کے فارغ سے پہلے قضا میں مشغول نہ ہوں۔

یہ جان لو کہ لاحق ان نمازیوں کو اشارہ کرے گا کہ وہ اس کی پیروی نہ کریں یہاں تک کہ وہ نائب اس سے فارغ ہو جائے جو اس کی نماز کا حصہ فوت ہو گیا تھا۔ کیونکہ اس پر واجب ہے کہ پہلے اس جگہ سے نماز شروع کرے جہاں سے اس کی نماز فوت ہوئی پھر لوگ اس کی اتباع کریں اور یہ ان کو سلام پھیروائے۔ اگر اس امام نے کسی واجب کو ترک کیا ہو تو وہ کسی اور کو آگے کرے تاکہ وہ سلام پھیرے۔ جہاں تک مقیم کا تعلق ہے تو وہ دو رکعتوں کے بعد مسافر کو آگے کرے جو ان کو سلام پھروائے پھر مقیم لوگ قراءت کے بغیر الگ الگ نماز کو مکمل کریں یہاں تک کہ اگر انہوں نے اس کے قیام کے بعد اس کی اقتدا کی تو نماز باطل ہو جائے گی۔

5146۔ (قولہ: احْتِيَاطًا) کیونکہ ہر رکعت کے بارے میں یہ احتمال موجود ہے کہ وہ امام کی نماز کی آخری رکعت ہو۔ ''ح''۔

5147۔ (قولہ: فَرَضْنَا الْقَعْدَتَيْنِ) کیونکہ پہلا قعدہ اس کے امام پر فرض تھا جبکہ یہ اس کے قائم مقام ہے اور دوسرا قعدہ اس پر فرض ہے۔

وَلَوْ أَشَارَ لَهُ أَنَّهُ لَمْ يَقْرَأْ فِي الْأُولَيَيْنِ فُرِضَتْ الْقِرَاءَةُ فِي الْأَرْبَعِ (فَلَوْ أَتَمَّ) الْمَسْبُوقُ (صَلَاةَ الْإِمَامِ قَدَّمَ مُدْرِكًا لِلسَّلَامِ، ثُمَّ) لَوْ (أَتَى بِمَا يُنَافِيهَا) كَضَحِكٍ (تَفْسُدُ صَلَاتُهُ دُونَ الْقَوْمِ الْمُدْرِكِينَ) لِتَمَامِ أَرْكَانِهَا (وَكَذَا تَفْسُدُ صَلَاةُ مَنْ حَالُهُ كَحَالِهِ) لِلْمُنَافِي فِي خِلَالِهَا (وَكَذَا) تَفْسُدُ (صَلَاةُ الْإِمَامِ الْأَوَّلِ (الْمُحْدِثِ إِنْ لَمْ يَفْرُغْ، فَإِنْ فَرَغَ) بِأَنْ تَوَضَّأَ وَلَمْ يَفُتْهُ شَيْءٌ لَا تَفْسُدُ

اگر امام نے اس نائب کو اشارہ کیا کہ اس نے پہلی دو رکعتوں میں قراءت نہیں کی تو چاروں رکعتوں میں قراءت فرض ہو جائے گی۔ اگر مسبوق نے امام کی نماز کو مکمل کیا تو سلام کے لئے وہ مدرک کو آگے کرے گا، پھر اگر اس نے ایسا عمل کیا جو نماز کے منافی ہو جیسے ضحک تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی قوم کی نماز فاسد نہیں ہوگی جو پہلی رکعت سے امام کے ساتھ ہیں کیونکہ ان کے ارکان مکمل ہو چکے ہیں۔ اور اسی طرح اس کی نماز فاسد ہو جائے گی جس کی حالت اس کی حالت جیسی ہوگی۔ کیونکہ اس کی نماز کے دوران نماز کے منافی عمل پایا گیا۔ اسی طرح پہلے امام کی نماز فاسد ہو جائے گی جس کو حدث لاحق ہوا تھا اگر وہ فارغ نہ ہوا ہو، اگر فارغ ہو گیا تھا اس طرح کہ اس نے وضو کیا اور اس کی کوئی چیز فوت نہ ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی

پہیلی: وہ کون سا نمازی ہے جس پر فرض کی چار رکعات میں قراءت فرض ہے؟

5148۔ (قولہ: فُرِضَتْ الْقِرَاءَةُ فِي الْأَرْبَعِ) کیونکہ جب اس نے پہلی دو رکعتوں میں امام کے نائب کے طور پر قراءت کی تو یہ قراءت پہلی دو رکعتوں کے ساتھ لاحق ہو گئی۔ پس آخری دو رکعت قراءت سے خالی ہو گئیں تو یہ ہو گیا کہ گویا نائب نے آخری دو میں قراءت نہیں کی تو اس سے جو رکعتیں پہلے پڑھی جا چکی تھیں ان میں قراءت اس پر لازم تھی جس طرح مسبوق کا حکم ہے۔ کیونکہ وہ جن رکعتوں کی قضا کر رہا ہے ان میں وہ منفرد ہے۔ اسی وجہ سے بطور پہیلی یہ سوال کیا جاتا ہے کہ وہ کون سا نمازی ہے جس پر فرض کی چار رکعتوں میں قراءت فرض ہے؟

5149۔ (قولہ: قَدَّمَ مُدْرِكًا لِلسَّلَامِ) تا کہ وہ مقتدیوں کو سلام کہلوائے اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے جو اس کی نماز رہ گئی ہے وہ پہلے اس کی قضا نہ کرے۔ اگر اس نے اس طرح کیا تو اس کی نماز کے فساد میں تصحیح کا اختلاف ہے۔ شارح نے سابقہ باب میں پہلے ذکر کیا ہے کہ زیادہ ظاہر نماز کا فاسد ہونا ہے۔

5150۔ (قولہ: ثُمَّ لَوْ أَتَى الخ) یعنی امام کی نماز کے مکمل کرنے کے بعد اس نے عمل کیا، خواہ وہ مدرک کو آگے کھڑا کرے یا کسی اور کو آگے کھڑا کرے۔

5151۔ (قولہ: لِتَمَامِ أَرْكَانِهَا) یعنی پہلی رکعت سے امام کے ساتھ شامل ہونے والے لوگوں کی نماز کے ارکان مکمل ہو چکے ہیں۔ پس منافی اس کو کچھ نقصان نہیں دے گا۔ مسبوق کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس پر وہ نماز باقی ہے جو اس سے پہلے پڑھی جا چکی ہے۔ پس نماز کے منافی عمل اس کی نماز کے دوران واقع ہوا۔

فِي الْأَصَحِّ لِمَا مَرَّ أَنَّهُ كَمَوْتِهِ (وَتَفْسُدُ صَلَاةُ مَسْبُوقٍ) عِنْدَ الْإِمَامِ (بِقَهْقَهَةِ إِمَامِهِ وَحَدَثِهِ الْعَمْدِ فِي) أَيْ بَعْدَ (قُعُودِهِ قَدْرَ التَّشَهُّدِ) إِلَّا إِذَا قَيَّدَ رَكْعَتَهُ بِسَجْدَةٍ لِتَأَكُّدِ انْفِرَادِهِ (وَلَوْ تَكَلَّمَ) إِمَامُهُ (أَوْ خَرَجَ مِنْ مَسْجِدِهِ لَا) تَفْسُدُ اتِّفَاقًا

صحیح ترین قول کے مطابق اس دلیل کی وجہ سے جو گزر چکی ہے۔ اور ''امام صاحب'' کے نزدیک مسبوق کی نماز فاسد ہو جاتی ہے امام کے قہقہہ اور اس کے جان بوجھ کر حدث لاحق کرنے کے ساتھ، اس صورت میں کہ تشہد کی مقدار قعدہ کرنے کے بعد وہ ایسا عمل کرے۔ مگر جب وہ اپنی رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کرے کیونکہ اس کا اکیلے نماز پڑھنا مؤکد ہو چکا ہے اگر اس کے امام نے کلام کی یا وہ مسجد سے نکل گیا تو بالاتفاق نماز فاسد نہ ہوگی

5152۔ (قولہ: فِي الْأَصَحِّ) یہ ان کے قول ان لم یفرغ کی طرف راجع ہے، ''الہدایہ'' میں کہا: پہلا امام اگر فارغ ہو گیا تھا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ اگر فارغ نہیں ہوا تھا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ یہی زیادہ صحیح ہے۔

اصح کا لفظ استعمال کر کے ''ابوحفص'' کی روایت سے احتراز کیا ہے کہ اس کی بھی نماز مکمل ہو جائے گی کیونکہ وہ نماز کے شروع کو پانے والا ہے۔ گویا یہ روایت کاتب کی غلطی ہے کیونکہ انہوں نے مسئلہ میں تفصیل بیان کی پھر دونوں کے بارے میں کہا: یہ مکمل ہے، تفصیل کا ظاہر معنی ایک دوسرے سے مختلف ہونا ہے۔ ''معراج''۔

5153۔ (قولہ: لِمَا مَرَّ) یعنی بارہ مسائل سے تھوڑا پہلے۔ ''ح''، ''زیلعی'' نے کہا: کیونکہ جب اس نے اسے نائب بنایا تو امام اس کا مقتدی ہو گیا پس امام کی نماز کے فاسد ہونے کے ساتھ اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اسی وجہ سے اگر نائب کے نماز سے فارغ ہونے سے پہلے اس نے اپنے گھر میں باقی ماندہ نماز پڑھی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ امام کے فارغ ہونے سے پہلے اکیلے نماز پڑھنا جائز نہیں ہوتا۔

ہم نے پہلے (مقولہ 5063 میں) اس پر مفصل گفتگو ان لم یجاوزہ کے قول کے ضمن میں کر دی ہے۔

5154۔ (قولہ: عِنْدَ الْإِمَامِ) یہ ''امام صاحب'' کے نزدیک ہے اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوتی ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کلام اور مسجد سے نکلنے پر قیاس کرتے ہیں۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ منہی اور مفسد میں فرق کرتے ہیں جس طرح (مقولہ 5158 میں) آئے گا۔

5155۔ (قولہ: أَيْ بَعْدَ) یہ مراد کا بیان ہے ورنہ علما نے اس کا ذکر نہیں کیا کہ فی، بعد کے معنی میں آتا ہے۔ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ مضاف کو مقدر مانا جائے تقدیر کلام یہ ہے فی آخر قعودہ۔

5156۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا قَيَّدَ الخ) اس کی صورت یہ کہ امام کے سلام سے قبل وہ کھڑا ہو گیا اور اس نے ایک رکعت پڑھ لی۔ ظاہر یہ ہے یہ صورت اس سے قبل مسئلہ میں بھی جاری ہوگی پس اس کے ساتھ اس کے قول و کذا تفسد صلاۃ من حالہ کحالہ کو مقید کیا جائے گا۔

لِأَنَّهُمَا مُنْهِيَانِ لَا مُفْسِدَانِ، وَلِذَا يَلْزَمُ الْمُدْرِكِينَ السَّلَامُ وَيَقُومُونَ فِي الْقَهْقَهَةِ بِلَا سَلَامٍ

کیونکہ یہ دونوں امر نماز کو انتہا تک پہنچانے والے ہیں نماز کو فاسد کرنے والے نہیں۔ اسی وجہ سے جو امام کے ساتھ پہلی رکعت میں شامل ہوں ان کو سلام لازم ہوتا ہے اور قہقہہ کی صورت میں سلام کے بغیر وہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔

5157۔ (قولہ: لِأَنَّهُمَا مُنْهِيَانِ الخ) یعنی دونوں نماز کو مکمل کرنے والے ہیں جس طرح ''الفتح'' میں ہے۔ ''العنایہ'' میں ہے: منہی اس فعل کو کہتے ہیں شرع نے جسے نماز سے فارغ ہونے کے وقت تکبیر تحریمہ کو اٹھانے والا شمار کیا ہے جس طرح سلام اور نمازی کا اپنے عمل سے نماز سے نکلنا۔

جہاں تک قہقہہ اور حدث عمد کا تعلق ہے یہ دونوں مفسد ہیں کیونکہ یہ دونوں نماز کی شرط کو ختم کرنے والے ہیں اور وہ شرط، طہارت ہے۔ پس یہ دونوں امام کی نماز کے اس جز کو فاسد کرنے والے ہیں۔ جس کے ساتھ وہ ملتے ہیں۔ پس مقتدی مسبوق کی نماز کا بھی وہی جز فاسد ہو جائے گا، ابھی مسبوق پر کئی فرض باقی ہیں پس ان فرائض کی بنا، فاسد پر ممکن نہیں۔ امام اور مدرک کا معاملہ مختلف ہے۔

پہیلی: وہ کون سا نمازی ہے جس پر سلام لازم نہیں؟

5158۔ (قولہ: وَلِذَا الخ) کیونکہ کلام اور مسجد سے نکلنا یہ دونوں منہی ہیں مفسد نہیں تو ان مقتدیوں پر سلام لازم ہوگا جو پہلی رکعت سے امام کے ساتھ شامل ہیں۔ اگر ان کا امام قہقہہ لگا دے یا جان بوجھ کر حدث لاحق کر دے تو اس کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ ایسے مقتدی سلام کے بغیر کھڑے ہو جائیں گے کیونکہ یہ دونوں مفسد ہیں۔ اس بارہ میں پہیلی پوچھی جاتی ہے: وہ کون سا نمازی ہے جس پر سلام نہیں ہے؟ ''البحر'' میں ہے: اگر قوم نے امام کے قہقہہ کے بعد قہقہہ لگایا تو اس امام پر وضو لازم ہوگا مقتدیوں پر وضو لازم نہیں ہوگا کیونکہ امام کے حدث سے وہ نماز سے نکل چکے تھے اگر امام کے سلام پھیرنے کے بعد وہ قہقہہ لگائیں تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد نماز سے نہیں نکلتے۔ پس ان کی طہارت باطل ہو جائے گی۔ اگر وہ سب اکٹھے قہقہہ لگائیں یا صرف مقتدی قہقہہ لگائیں پھر امام قہقہہ لگائے تو سب پر وضو ہوگا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ امام جب جان بوجھ کر حدث لاحق کرے تو وہ بالاتفاق نماز سے نکل جائیں گے اسی وجہ سے وہ سلام نہیں پھیریں گے اور امام کے سلام سے وہ مقتدی نماز سے نہیں نکلیں گے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ جہاں تک امام کے کلام کرنے کا تعلق ہے تو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت سلام کی طرح ہے، پس وہ سلام پھیریں گے اور قہقہہ کے ساتھ ان کی طہارت ختم ہو جائے گی۔ ایک روایت میں کلام، حدث عمد کی طرح ہے نہ سلام لازم ہے اور نہ ہی اس قہقہہ کے ساتھ وضو ٹوٹے گا۔ ''المحیط'' میں یہ اسی طرح ہے۔

ہم پہلے (مقولہ 1197 میں) نواقض الوضوء میں ''الفتح'' سے بیان کر چکے ہیں: امام کے جان بوجھ کر کلام کرنے کے بعد اگر اس مقتدی نے قہقہہ لگایا تو اس کی طہارت فاسد ہو جائے گی جس طرح صحیح ترین قول کے مطابق امام کے سلام کے بعد

(بِخِلَافِ الْمُدْرِكِ) فَإِنَّهُ كَالْإِمَامِ اتِّفَاقًا (وَلَوْ لَاحِقًا، فَفِي فَسَادِ صَلَاتِهِ تَصْحِيحَانِ) صَحَّحَ فِي السِّرَاجِ الْفَسَادَ وَفِي الظَّهِيرِيَّةِ عَدَمَهُ وَظَاهِرُ الْبَحْرِ وَالنَّهْرِ تَأْيِيدُ الْأَوَّلِ (وَلَوْ أَحْدَثَ الْإِمَامُ) لَا خُصُوصِيَّةَ لَهُ فِي هَذَا الْمَقَامِ (فِي رُكُوعِهِ أَوْ سُجُودِهِ تَوَضَّأَ وَبَنَى وَأَعَادَهُمَا) فِي الْبِنَاءِ عَلَى سَبِيلِ الْفَرْضِ (مَا لَمْ يَرْفَعْ رَأْسَهُ) مِنْهُمَا (مُرِيدًا لِلْأَدَاءِ، أَمَّا إِذَا رَفَعَ) رَأْسَهُ (مُرِيدًا بِهِ أَدَاءَ رُكْنٍ فَلَا) يَبْنِي بَلْ تَفْسُدُ

مدرک کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ وہ بالاتفاق امام کی طرح ہے۔ اگر وہ لاحق ہو تو اس کی نماز کے فاسد ہونے میں دو تصحیحیں ہیں۔ ''سراج'' میں فساد کو صحیح قرار دیا اور ''الظہیریہ'' میں عدم فساد کو صحیح قرار دیا اور ''البحر'' کا ظاہر پہلے قول کی تائید کرتا ہے۔ اگر امام کو اس کے رکوع یا اس کے سجدہ میں حدث لاحق ہو جائے، اس مسئلہ کو یہاں ذکر کرنے کی کوئی خصوصیت نہیں، تو امام وضو کرے، نماز کی بنا کرے اور بطور فرض، بنا میں دونوں کا اعادہ کرے جب تک ادا کے ارادہ سے دونوں سے اپنے سر کو نہ اٹھائے مگر جب وہ ایک رکن کی ادائیگی کے ارادے سے اپنے سر کو اٹھائے۔ تو وہ بنا نہ کرے بلکہ نماز فاسد ہو جائے گی۔

وہ قہقہہ لگائے۔ ''الخلاصہ'' میں اس کے خلاف ہے۔ ''الخانیہ'' میں بھی اس کی تصحیح ہے وہاں شارح اسی پر گامزن ہوئے ہیں۔

5159۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْمُدْرِكِ) یہ ان کے قول و تفسد صلاۃ مسبوق بقهقهة امامه وحدثه العمد کے ساتھ مرتبط ہے۔

5160۔ (قولہ: وَفِي الظَّهِيرِيَّةِ عَدَمُهُ) کہا: کیونکہ سونے والا گویا امام کے پیچھے ہے اور امام کی نماز مکمل ہو چکی ہے اسی طرح سونے والے کی نماز تقدیراً اسی طرح مکمل ہو چکی ہے۔

''البحر'' میں کہا: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ امام پر کوئی چیز باقی نہیں، لاحق کا معاملہ مختلف ہے۔

5161۔ (قولہ: تَأْيِيدُ الْأَوَّلِ) میں کہتا ہوں: اس کی تائید وہ قول بھی کرتا ہے جس کو ''مصنف'' نے اس سے پہلے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے کہ محدث امام کی نماز فاسد ہو جائے گی اگر وہ فارغ نہ ہوا ہو۔ اور شارح نے ''ہدایہ'' کی پیروی میں اس کی تصحیح کی ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ اس میں کوئی خفا نہیں کہ وہ لاحق ہے۔ پھر میں نے ''النہر'' میں دیکھا اس نے اسی کی مثل ذکر کیا۔

5162۔ (قولہ: لَا خُصُوصِيَّةَ لَهُ) امام کی کوئی خصوصیت نہیں بلکہ مقتدی اور منفرد دونوں کا حکم اسی طرح ہے۔ اگر امام کی بجائے لفظ مصلی کے ساتھ اسے تعبیر کرتے جس طرح ''النہر''، ''العینی'' اور ''مسکین'' میں ہے تو زیادہ بہتر ہوتا۔

5163۔ (قولہ: عَلَى سَبِيلِ الْفَرْضِ) کیونکہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رکن کی تکمیل اس سے منتقل ہونے کے ساتھ ہوتی ہے اور حدث کے ساتھ منتقل ہونا متحقق نہیں ہوتا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگرچہ وہ فرض، انتقال سے پہلے مکمل ہو چکا ہے لیکن جلسہ اور قومہ ان کے نزدیک فرض ہے۔ پس یہ طہارت کے بغیر متحقق نہیں ہوتے۔ پس دونوں مذہبوں کے مطابق اعادہ ضروری ہے۔ یہاں تک کہ اگر اس نے اعادہ نہ کیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ ''حلبی'' نے ''زیلعی'' سے نقل کیا ہے۔

5164۔ (قولہ: مَا لَمْ يَرْفَعْ الخ) یہ ان کے قول بنی کے ساتھ مرتبط ہے یہ تینوں صورتوں پر صادق آتا ہے اس

وَلَوْ لَمْ يُرِدْ الْأَدَاءَ فَرِوَايَتَانِ كَمَا فِي الْكَافِي وَفِي الْمُجْتَبَى وَيَتَأَخَّرُ مُحْدَوْدِبًا وَلَا يَرْفَعُ مُسْتَوِيًا فَتَفْسُدُ (وَلَوْ تَذَكَّرَ) الْمُصَلِّي (فِي رُكُوعِهِ أَوْ سُجُودِهِ) أَنَّهُ تَرَكَ (سَجْدَةً) صُلْبِيَّةً أَوْ تِلَاوِيَّةً

اور اگر اس نے ادا کا ارادہ نہ کیا ہو تو دو روایتیں ہیں جس طرح ''کافی'' میں ہے اور ''مجتبیٰ'' میں ہے، وہ کبڑی حالت میں پیچھے ہٹے اور سیدھا نہ ہو، اگر ایسا کرے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اگر نمازی کو اپنے رکوع یا اپنے سجدہ میں یاد آیا کہ اس نے رکعت کا سجدہ یا تلاوت کا سجدہ چھوڑ دیا ہے

نے اصلاً سر نہ اٹھایا بلکہ کبڑا ہونے کی حالت میں چلا، نماز چھوڑنے کے ارادے سے سر اٹھایا یا کسی شے کا اصلاً ارادہ نہ کیا۔ ان صورتوں میں وہ بنا کرے گا اور نماز فاسد نہ ہوگی جس طرح آنے والے قول سے یہ ماخوذ ہے۔

5165۔ (قولہ: وَلَوْ لَمْ يُرِدْ الْأَدَاءَ) یعنی اپنے سر کے اٹھانے کے ساتھ ادا کا ارادہ نہ کیا سمع اللہ کہنے یا تکبیر کہنے کی صورت میں۔ کیونکہ ''کافی'' کی عبارت اسی طرح ہے: اگر حالت رکوع میں اسے حدث لاحق ہو گیا اور اس نے سمع اللہ لمن حمدہ کہتے ہوئے سر اٹھایا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اگر اس نے سجدہ سے سر اٹھایا اور اللہ اکبر کہا جبکہ اس کے ساتھ رکن کی ادائیگی کا ارادہ کر رہا تھا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اگر اس نے اس کے ساتھ ادا کا ارادہ نہ کیا تو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے اس میں دو روایتیں ہیں۔

''شرح المنیہ'' میں ہے اگر اسے حالت رکوع میں حدث لاحق ہوا اور اس نے سمع اللہ لمن حمدہ کہتے ہوئے سر اٹھایا تو وہ بنا نہیں کرے گا۔ کیونکہ سر اٹھانے کی ضرورت اس لئے ہوتی ہے کہ نمازی اس سے پھر جائے۔ محض سر کو اٹھانا مانع نہیں، جب اس کے ساتھ سمع اللہ لمن حمدہ مل گیا تو ادائیگی کا ارادہ اس کے ساتھ مل گیا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: اگر اس کو حالت سجدہ میں حدث لاحق ہو گیا تو تکبیر کہتے ہوئے اٹھا، یہ نیت کرتے ہوئے کہ اس کا سجدہ مکمل ہو گیا ہے یا کسی شے کی نیت نہ کی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اگر صرف انصراف کی نیت کرتا ہے تو پھر نماز فاسد نہ ہوگی۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ اور اللہ اکبر کہتے ہوئے سر اٹھائے تو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق نماز فاسد ہو جائے گی خواہ اس نے اس کے ساتھ ادائیگی کی نیت کی یا ادائیگی کی نیت نہ کی، مگر جب وہ اس سے صرف انصراف کی نیت کرے۔ کیونکہ سمع اللہ لمن حمدہ یا اللہ اکبر یہ ادائیگی کے ارادہ کی نشانی ہے یہ انصراف کے صریح ارادہ کے معارض نہیں۔ اور محض سر اٹھانا جو سمع اللہ لمن حمدہ، اللہ اکبر اور نیت کی ادائیگی کے بغیر ہو یہ مفسد نہیں کیونکہ سر اٹھانے کی مجبوری ہے۔

5166۔ (قولہ: فَتَفْسُدُ) یعنی اگر اس نے ادائیگی کا ارادہ کیا یا تکبیر کہتے ہوئے سر کو اٹھایا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ بصورت دیگر یہ قول اس قول کے مخالف ہو جائے گا جس کو ہم نے نقل کیا ہے۔ ''تامل''۔

ظاہر یہ ہے کہ اس کی یہ قید بھی لگائی جاتی کہ قبلہ سے پھرنے سے قبل جب وہ سیدھا کھڑا ہو۔

5167۔ (قولہ: تَذَكَّرَ الخ) رکوع یا سجود کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر اس نے آخری قعدہ میں سجدہ کو یاد کیا اور اس

فَانْحَطَّ مِنْ رُكُوعِهِ بِلَا رَفْعٍ أَوْ رَفَعَ مِنْ سُجُودِهِ (فَسَجَدَهَا) عَقِبَ التَّذَكُّرِ (أَعَادَهُمَا) أَيْ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ (نَدْبًا) لِسُقُوطِهِ بِالنِّسْيَانِ وَسَجَدَ لِلسَّهْوِ وَلَوْ أَخَّرَهَا لِآخِرِ صَلَاتِهِ قَضَاهَا فَقَطْ (وَلَوْ أَمَّ وَاحِدًا) فَقَطْ (فَأَحْدَثَ الْإِمَامُ) أَيْ وَخَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ وَإِلَّا فَهُوَ عَلَى إِمَامَتِهِ كَمَا مَرَّ

تو اوپر اٹھے بغیر رکوع سے سجدہ میں چلا گیا یا اپنے سجدہ سے اوپر اٹھا۔ تو اس نے یاد آنے کے بعد سجدہ کیا تو وہ بطور استحباب رکوع اور سجود کا اعادہ کرے۔ کیونکہ نسیان کے ساتھ اعادہ کا وجوب ساقط ہو گیا ہے، اور سجدہ سہو کرے۔ اگر اس نے اسے نماز کے آخر تک موخر کیا تو صرف سجدہ کی قضا کرے اور اگر اس نے صرف ایک آدمی کی امامت کی اور امام کو حدث لاحق ہو گیا اور وہ مسجد سے نکل گیا، ورنہ وہ امامت پر رہے گا جس طرح گزر چکا ہے

نے سجدہ کیا تو دوبارہ قعدہ کرے گا، ''نہر''۔ کیونکہ قعدہ مشروع نہیں مگر یہ نماز کے افعال کو ختم کرنے والے کے طور پر مشروع ہے۔ اور سجدہ کے ساتھ اس نے اس سے احتراز کیا ہے کہ اگر وہ رکوع میں یاد کرے کہ اس نے سورت نہ پڑھی تھی تو وہ قراءت کی طرف لوٹ آیا تو رکوع کا اعادہ کرے کیونکہ اس میں ترتیب فرض ہے۔ ''بحر''۔

5168۔ (قولہ: فَانْحَطَّ مِنْ رُكُوعِهِ) یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق صحیح ہے جہاں تک امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا تعلق ہے تو وہ بطور فرض رکوع کا اعادہ کرے گا کیونکہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قومہ فرض ہے۔ ''ح''۔

5169۔ (قولہ: أَوْ رَفَعَ مِنْ سُجُودِهِ) رفع کی قید لگائی کیونکہ صحیح یہ ہے کہ سجدہ سر اٹھانے سے مکمل ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ بیٹھنے کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ ''رحمتی'' فافہم۔

5170۔ (قولہ: فَسَجَدَهَا) اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ یاد آنے کے بعد سجدہ واجب نہیں کیونکہ ''البحر'' میں ''الفتح'' سے مروی ہے: اسے حق حاصل ہے کہ یاد آنے کے بعد وہ متروکہ سجدہ کی قضا کرے اور اسے یہ بھی حق حاصل ہے کہ نماز کے آخر تک اس کو موخر کر لے۔ پس وہاں اس کی قضا کرے گا۔

5171۔ (قولہ: لِسُقُوطِهِ) یعنی اعادہ کا وجوب ساقط ہو گیا ہے جو ترتیب کے وجوب پر مبنی تھا۔ کیونکہ نماز کے افعال میں سے جو افعال مکرر مشروع ہیں ان میں ترتیب واجب ہے۔ جان بوجھ کر ترتیب چھوڑے گا تو گناہگار ہو گا۔ اور نسیان کے ساتھ ترتیب ساقط ہو جائے گی اور سجدہ سہو کے ساتھ کمی پوری ہو جائے گی۔

5172۔ (قولہ: وَلَوْ أَخَّرَهَا) یہ ان کے قول عقب التذکر کا مفہوم ہے جس طرح ''النہر'' میں ہے۔ ''ح''۔

5173۔ (قولہ: قَضَاهَا فَقَطْ) یعنی رکوع اور سجود کے اعادہ کے بغیر وہ اس کی قضا کرے گا۔ اعادہ نہ بطور فرض، نہ بطور واجب اور نہ ہی بطور ندب ہے بلکہ اگر اس نے آخری قعدہ کے درمیان یا اس کے بعد سجدہ کیا تو اس قعدہ کا اعادہ بطور فرض کرے گا۔ اسی دلیل کی وجہ سے جو ہم نے پہلے بیان کی ہے۔ ''ح''۔ اور اس پر سجدہ سہو لازم ہو گا کیونکہ وہ امور جو متکرر ہیں ان کی ترتیب ترک کی ہے۔ ''ط''۔

5174۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی ان کے قول واستئنافہ افضل سے تھوڑا پہلے ہے۔

(تَعَيَّنَ الْمَأْمُومُ لِلْإِمَامَةِ لَوْ صَلَحَ لَهَا) أَيْ لِإِمَامَةِ الْإِمَامِ (بِلَا نِيَّةٍ) لِعَدَمِ الْمُزَاحِمِ (وَإِلَّا) يَصْلُحْ كَصَبِيٍّ (فَسَدَتْ صَلَاةُ الْمُقْتَدِي) اِتِّفَاقًا (دُونَ الْإِمَامِ عَلَى الْأَصَحِّ) لِبَقَاءِ الْإِمَامِ إمَامًا وَالْمُؤْتَمِّ بِلَا إمَامٍ (هَذَا إذَا لَمْ يَسْتَخْلِفْهُ، فَإِنْ اسْتَخْلَفَهُ فَصَلَاةُ الْإِمَامِ وَالْمُسْتَخْلَفِ) كِلَيْهِمَا (بَاطِلَةٌ) اتِّفَاقًا (وَلَوْ أَمَّ رَجُلٌ

تو مقتدی امامت کے لیے متعین ہو جائے گا اگر وہ امام کی امامت کے اہل ہو۔ نیت کے بغیر کیونکہ مزاحم موجود نہیں۔ اور اگر وہ امامت کی صلاحیت نہ رکھتا ہو جس طرح بچہ، تو بالاتفاق مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی امام کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ یہ صحیح ترین قول ہے۔ کیونکہ امام، امام کے طور پر باقی رہا ہے اور مقتدی امام کے بغیر ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب وہ اسے نائب نہ بنائے۔ اگر وہ اسے نائب بنائے تو امام اور خلیفہ دونوں کی نماز بالاتفاق باطل ہو جائے گی۔ اگر ایک آدمی نے

5175۔ (قولہ: تَعَيَّنَ الْمَأْمُومُ لِلْإِمَامَةِ) یہاں تک کہ اگر اس نے اپنی نماز کو فاسد کر دیا تو اس دوسرے کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ اگر دوسرے نے اسے فاسد کر دیا تو پہلے کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ امامت اس کی طرف پھر چکی ہے۔ اگر تیسرا آدمی آیا اور اس نے دوسرے کی اقتدا کی، پھر دوسرے کو حدث لاحق ہو گیا تو تیسرا اپنے لئے امام بن جائے گا۔ اگر دونوں کے واپس آنے سے یا ایک کے واپس آنے سے پہلے، تیسرے کو حدث لاحق ہو گیا تو پہلے دونوں کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ دونوں مقتدی بن چکے تھے۔ جب ان کا امام مسجد سے نکل گیا تو مکان کی جدائی متحقق ہو گئی تو شرط کے فوت ہو جانے سے اقتدا فاسد ہو جائے گی۔ اور وہ شرط جگہ کا ایک ہونا ہے۔ اگر دونوں میں سے ایک لوٹ آیا اور مسجد میں داخل ہوا پھر تیسرا نکل گیا تو ان سب کی نماز جائز ہو جائے گی۔ کیونکہ واپس لوٹنے والا ان کا امام بن گیا ہے کیونکہ وہ متعین ہو چکا ہے۔ اگر دونوں واپس لوٹ آئے پھر اگر تیسرے کے مسجد سے نکلنے سے پہلے دونوں میں سے ایک نے دوسرے کو آگے کیا تو وہ امام ہو گیا ورنہ دونوں کی نماز فاسد ہو گئی۔ کیونکہ دونوں میں سے ایک امام نہیں بنا کیونکہ مرجح کے بغیر تعارض موجود ہے۔ تو تیسرا امام باقی رہا جب وہ نکل جائے گا تو اقتدا کی شرط فوت ہو گئی، وہ جگہ کا ایک ہونا ہے، اور دونوں کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ ''بدائع''۔

5176۔ (قولہ: بِلَا نِيَّةٍ) یہ ان کے قول تعین کے متعلق ہے۔

5177۔ (قولہ: عَلَى الْأَصَحِّ) ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ صرف امام کی نماز فاسد ہوگی اور ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ دونوں کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ ''ح''۔

5178۔ (قولہ: لِبَقَاءِ الْإِمَامِ إمَامًا الخ) ''الذخیرہ'' میں کہا: ایک کا امامت کے لئے متعین ہونا، یہ نماز کے صحیح ہونے کی ضرورت کی بنا پر ہے۔ یہاں اسے امام بنانا نماز کو فاسد کرنا ہے۔ پس مقتدی اسی طرح باقی رہا کہ مسجد میں اس کا کوئی امام نہیں پس نماز فاسد ہو گی۔

5179۔ (قولہ: فَإِنْ اسْتَخْلَفَهُ) یعنی تشہد کی مقدار قعدہ سے قبل خلیفہ بنایا۔ ورنہ وہ اپنے عمل سے نماز سے خارج ہونے والا ہوگا۔ ''ط''۔

(رَجُلًا فَأَحْدَثَا وَخَرَجَا مِنَ الْمَسْجِدِ تَمَّتْ صَلَاةُ الْإِمَامِ وَبَنَى عَلَى صَلَاتِهِ وَفَسَدَتْ صَلَاةُ الْمُقْتَدِي) لِمَا مَرَّ (أَخَذَهُ رُعَافٌ يَمْكُثُ إِلَى انْقِطَاعِهِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وَيَبْنِي) لِمَا مَرَّ والله أعلم

دوسرے آدمی کی امامت کرائی تو دونوں کو حدث لاحق ہو گیا اور دونوں مسجد سے نکل گئے تو امام کی نماز مکمل ہو جائے گی اور وہ اپنی نماز کی بنا کرے گا اور مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی اسی دلیل کی وجہ سے جو گزر چکی ہے۔ اسے نکسیر نے آلیا وہ اس کے انقطاع تک ٹھہرے پھر وضو کرے اور بنا کرے اسی دلیل کی وجہ سے جو گزر چکی ہے۔ اللہ اعلم۔

5180۔(قولہ: لِمَا مَرَّ) وہ ان کا یہ قول ہے لِبَقَاءِ الْإِمَامِ الخ۔"ح"۔

5181۔(قولہ: لِمَا مَرَّ) یعنی "مصنف" کے قول او مکث قدر اداء رکن بعد سبق الحدث کے ہاں شارح کے قول الا لعذر کنوم و رعاف میں گزر چکا ہے۔"ح"۔

بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّلَاةَ وَمَا يُكْرَهُ فِيهَا

عَقَّبَ الْعَارِضَ الِاضْطِرَارِيَّ بِالِاخْتِيَارِيِّ (يُفْسِدُهَا التَّكَلُّمُ) هُوَ النُّطْقُ بِحَرْفَيْنِ أَوْ حَرْفٍ مُفْهِمٍ كَعِ وَقِ أَمْرًا

مفسدات نماز کے احکام

اضطراری عارض کے بعد اختیاری عارض کو ذکر کیا ہے۔ گفتگو نماز کو فاسد کر دیتی ہے۔ تکلم سے مراد دو حرف یا فہم عطا کرنے والے ایک حرف کا تکلم ہے جیسے ع (یاد کر) ق (بچا) یہ امر کے صیغے ہیں۔

عبادات میں فساد اور بطلان برابر ہے کیونکہ دونوں سے مراد یہ ہے کہ عبادت، عبادت ہونے سے خارج ہو چکی ہے کیونکہ بعض فرائض فوت ہو چکے ہیں۔ جو امر وصف کو فوت کرے، جبکہ شروط وارکان فرائض باقی ہوں، اسے علما نے کراہت سے تعبیر کیا ہے۔ معاملات کا معاملہ مختلف ہے جس طرح اصول میں معروف ہے۔ ''شرح المنیہ''۔

5182۔ (قولہ: عَقَّبَ الْعَارِضَ) مفسدات صلاۃ یہ نماز کی صحت پر واقع ہونے والے عوارض ہیں لیکن ان میں سے کچھ اضطراری ہیں جس طرح سابقہ باب میں مذکور حدث کا لاحق ہونا تھا۔ ان میں سے کچھ اختیاری ہوتے ہیں جس طرح گفتگو وغیرہ جو یہاں ذکر ہوں گے۔ اسی وجہ سے ایک کو دوسرے کے بعد ذکر کیا اور ایک کی دوسرے پر تقدیم کی وجہ بیان نہیں کی۔ ''النہر'' میں اسے بیان کیا کہ اضطرار، عارضیت میں زیادہ مؤثر ہے۔ یعنی اضطرار لاحق ہونے میں اصل ہے۔ ''حلبی'' نے اسے بیان کیا ہے۔

5183۔ (قولہ: يُفْسِدُهَا التَّكَلُّمُ) یعنی کلام نماز کو فاسد کر دیتی ہے۔ نماز کی مثل سجدہ سہو، سجدہ تلاوت اور سجدہ شکر ہے، اس کے قول کے مطابق جس نے سجدہ شکر کا قول کیا۔ ''طحطاوی'' نے ''حموی'' سے نقل کیا ہے۔

5184۔ (قولہ: هُوَ النُّطْقُ بِحَرْفَيْنِ الخ) یعنی ادنیٰ گفتگو جس پر لفظ کلام واقع ہوتا ہے وہ دو حرفوں سے مرکب ہوتا ہے۔ جس طرح ''قہستانی'' میں ''الجلابی'' سے مروی ہے۔ ''البحر'' میں کہا: ''المحیط'' میں ہے: ایسی پھونک جس سے حروف تہجی سنائی دیں، طرفین کے نزدیک وہ بھی نماز کو فاسد کرنے والی ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ کلام ایسے منظوم اور مسموع حروف کا نام ہے جو مخرج کلام سے ہوں۔ کیونکہ کسی دوسرے کو سمجھانا اسی کے ساتھ واقع ہوتا ہے۔ ادنیٰ صورت جس کے ساتھ حروف منظوم ہوتے ہیں وہ دو حرف ہیں انتہیٰ۔ یہ کہنا چاہئے: اس کی ادنیٰ صورت دو حرف ہیں یا ایک ایسا حرف ہے جو معنی کو سمجھائے جیسے ''ع'' امر کا صیغہ ہے۔ اسی طرح ''ق''۔ کیونکہ ان دونوں کے ساتھ نماز کا فساد ظاہر ہے۔

وَلَوِ اسْتَعْطَفَ كَلْبًا أَوْ هِرَّةً أَوْ سَاقَ حِمَارًا لَا تَفْسُدُ لِأَنَّهُ صَوْتٌ لَا هِجَاءَ لَهُ (عَمْدُهُ وَسَهْوُهُ قَبْلَ قُعُودِهِ قَدْرَ التَّشَهُّدِ سِيَّانِ)

اگراس نے کتے یا بلی کو مائل کرنا چاہا یا گدھے کو ہانکا تو نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ یہ آواز ہے اس کا کوئی ہجہ نہیں۔ تشہد کی مقدار قعدہ کرنے سے قبل وہ عمداً کلام کرے یا بھول کر، دونوں برابر ہیں

میں کہتا ہوں: بعض اوقات یہ قول کیا جاتا ہے: بے شک ''ع'' اور ''ق'' امر کے صیغے تقدیراً کئی حروف کو جامع ہیں مگر قواعد صرفیہ کی بنا پر وہ حذف ہو گئے ہیں۔ وہ کلام مذکور میں داخل ہیں۔ بلکہ یہ نحوی کلام ہے۔ شاید شارح نے اسی وجہ سے اسے یقین کے ساتھ ذکر کیا ہے اس پر متنبہ نہیں کیا کہ یہ صاحب ''البحر'' کی بحث ہے۔ ''فتدبر''۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک مہمل حرف کو کلام نہیں کہتے۔ پس یہ ''ہندیہ'' اور ''زیلعی'' کے قول ان الکلام مفسد قلیلا کان او کثیرا میں داخل نہ ہوگا جس طرح یہ مخفی نہیں۔ فافہم

5185۔ (قولہ: وَلَوِ اسْتَعْطَفَ كَلْبًا الخ) جس کے حروف تہجی نہ ہوں جس طرح ''الفتاوی الہندیہ'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ شارح کی اس قول لانہ صوت لا ھجاء لہ کے ساتھ تعلیل اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ''ح''۔

لیکن ''الجوہرہ'' میں ہے: کلام مفسد وہ ہے جو لوگوں کے فہم میں معروف ہو خواہ اس کے ساتھ حروف حاصل ہوں یا حروف حاصل نہ ہوں یہاں تک کہ اگر اس نے ایسا قول کیا جس کے ساتھ گدھے کو ہانکا جاتا ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

''زیلعی'' نے اس میں اختلاف ذکر کیا ہے کیونکہ ''کنز'' کے قول والتنحنح بلا عذر کے ہاں کہا: اگر اس نے نماز میں پھونک ماری اگر اسے سنا گیا ہو تو نماز باطل ہو جائے گی ورنہ وہ باطل نہ ہوگی۔ اور مسموع (جس کو سنا جائے) وہ ہوتی ہے بعض علما کے نزدیک جس کے ہجے ہوتے ہیں جیسے اف، تف اور غیر مسموع اس کے خلاف ہوتی ہے۔ ''حلوانی'' اسی طرف مائل ہوئے ہیں۔ بعض، مسموع پھونک کے لئے یہ شرط نہیں لگاتے کہ اس کے حروف تہجی ہوں۔ ''خواہر زادہ'' اسی طرف گئے ہیں اسی تعبیر پر حکم ہوگا جب اس نے پرندہ وغیرہ کو جھڑکا یا اسے بلایا ایسی آواز کے ساتھ جس کو سنا جاتا ہو۔

لیکن جو (مقولہ 5184 میں) طرفین کے نزدیک کلام کی تعریف گزر چکی ہے وہ اس کی تائید کرتی ہے کہ مسموع اسے کہتے ہیں جس کے حروف تہجی ہوں۔ ''بدائع''، ''فیض''، ''شرح المنیہ'' اور ''خلاصہ'' میں اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ہاں ''شرنبلالی'' نے اس کے ساتھ اشکال کا ذکر کیا ہے کہ جس کے ساتھ گدھے کو ہانکا جاتا ہے اس کے ساتھ نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اس پر عمل کثیر کی آنے والی تعریف (مقولہ 5296 میں) صادق آتی ہے۔

5186۔ (قولہ: عَمْدُهُ وَسَهْوُهُ الخ) یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ دونوں میں قعدہ کے بعد فرق ہے ساتھ ہی نماز کے فاسد نہ کرنے میں برابر ہیں۔ اگر اس قول ''سیان'' کو ساقط کر دیتے تو عمدہ و سہوہ یہ تکلم سے بدل ہوتے اور کلام اس اعتراض سے محفوظ ہو جاتی۔ ''ح''۔

وَسَوَاءٌ كَانَ نَاسِيًا أَوْ نَائِمًا أَوْ جَاهِلًا أَوْ مُخْطِئًا أَوْ مُكْرَهًا هُوَ الْمُخْتَارُ

خواہ وہ نسیان کی حالت میں کرے، سوئے ہوئے کرے، جہالت کی بنا پر کرے یا خطا کرے یا اسے مجبور کیا جائے یہی مختار ہے۔

سہو اور نسیان میں فرق

5187۔ (قولہ: كَانَ نَاسِيًا) اس نے لوگوں سے کلام کا قصد کیا جبکہ وہ یہ بھول گیا کہ وہ نماز میں ہے، ''نہر''۔ سہو اور نسیان کے درمیان فرق میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ابن امیر حاج کی ''شرح التحریر'' میں ہے: فقہا، اصولیین اور اہل لغت اس طرف گئے ہیں کہ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ حکماء نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ سہو سے مراد ہے صورت کا مدرکہ سے زائل ہو جانا جبکہ حافظہ میں باقی رہے۔ اور نسیان سے مراد ہے دونوں سے اکٹھے زائل ہو جانا۔ اور اس کے حصول کے لئے سبب جدید کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ نسیان سے مراد اس چیز کا یاد نہ رہنا جو یاد تھی۔ اور سہو سے مراد اس سے غفلت ہے جو یاد تھی یا یاد نہ تھی۔ پس نسیان سہو سے اخص مطلق ہے۔

5188۔ (قولہ: أَوْ نَائِمًا) یہ ان مسائل میں سے ایک ہے جن میں سونے والا، بیدار کے حکم میں ہوتا ہے اور وہ پچیس مسائل ہیں شارح نے جن کو ''الملتقی'' کی ''شرح'' میں نظم کے انداز میں ذکر کیا ہے۔

5189۔ (قولہ: أَوْ جَاهِلًا) اسے علم نہ ہو کہ کلام نماز کے لئے مفسد ہے۔ ''ح''۔

5190۔ (قولہ: أَوْ مُخْطِئًا) اس طرح کہ اس نے قراءت کا ارادہ کیا یا ذکر کا ارادہ کیا تو اس کی زبان پر لوگوں کی کلام جاری ہوگئی۔ ''ح''۔ اس کی وضاحت زلۃ القاری کے مسئلہ میں (مقولہ 5355 میں) آئے گی۔

5191۔ (قولہ: أَوْ مُكْرَهًا) اس طرح کہ اسے کسی نے کلام پر مجبور کیا۔ او مضطرا کا قول نہیں کیا جس طرح اسے کھانسی، چھینک یا ڈکار غالب آ گیا۔ کیونکہ وہ مفسد صلاۃ نہیں کیونکہ اس سے بچنا متعذر ہے۔ ''البحر'' میں کہا: مذکورہ کلام میں تورات، انجیل اور زبور کی قراءت ہے۔ وہ نماز کو فاسد کر دے گی جس طرح ''مجتبیٰ'' میں ہے۔ ''الاصل'' میں کہا: یہ جائز نہیں۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اگر وہ تسبیح کے مشابہ ہو تو جائز ہے۔

''النہر'' میں کہا: میں کہتا ہوں: ''المجتبیٰ'' میں جو قول ہے اسے اس پر محمول کرنا چاہئے جو اس سے بدلی جا چکی ہو اگر وہ ذکر یا تنزیہ (اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا) نہ ہو جبکہ یہ قول پہلے گزر چکا ہے کہ جو بدلی ہوئی نہیں اس کا جنبی پر قراءت کرنا حرام ہے۔

5192۔ (قولہ: هُوَ الْمُخْتَارُ) یہ قول، مذکور تعمیم کی طرف راجع ہے۔ لیکن اس کے تمام افراد کی طرف نسبت کے اعتبار سے نہیں بلکہ اونائما کے قول کی طرف راجع ہے کیونکہ ہمارے نزدیک اس میں اختلاف ہے۔ ''النہر'' میں کہا: بہت سے مشائخ نے اس کے فساد کا قول کیا ہے۔ یہی مختار ہے۔ ''فخر الاسلام'' نے جسے اختیار کیا ہے وہ اس سے مختلف ہے۔ جہاں تک باقی ماندہ مسائل کا تعلق ہے میں نے کسی عالم کو نہیں دیکھا جس نے اس میں اختلاف ذکر کیا ہو جو ہمارے ائمہ کے درمیان ہو بلکہ اس میں ہمارے غیر کا اختلاف ہے۔

وَحَدِيثُ (رُفِعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأُ) مَحْمُولٌ عَلَى رَفْعِ الْإِثْمِ وَحَدِيثُ ذِي الْيَدَيْنِ مَنْسُوخٌ بِحَدِيثِ مُسْلِمٍ (إِنَّ صَلَاتَنَا هَذِهِ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ)

اور وہ حدیث جس میں ہے: میری امت سے خطا کو اٹھا لیا گیا ہے، اسے گناہ کے ختم کرنے پر محمول کیا جائے گا اور ''ذوالیدین'' والی حدیث، مسلم شریف کی حدیث: بے شک ہماری اس نماز میں لوگوں کی کلام میں سے کوئی بھی شے مناسب نہیں، کے ساتھ منسوخ ہے۔

5193۔(قولہ: رُفِعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأُ) ''الفتح'' میں کہا: کتب حدیث میں اس طرح روایت واقع نہیں بلکہ ان میں روایت ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے ان الله وضع عن امتی الخطأ والنسیان وما استکرهوا علیہ۔ اسے ''ابن ماجہ''، ''ابن حبان'' اور ''حاکم'' نے روایت کیا (1)۔ ''حاکم'' نے کہا: یہ شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔ ''ح''۔

5194۔(قولہ: عَلَى رَفْعِ الْإِثْمِ) یہ اخروی حکم ہے دنیوی حکم مراد نہیں۔ جو فساد ہے، تا کہ مقتضی کا عموم لازم نہ آئے ''حلبی'' نے ''البحر'' سے روایت کیا ہے۔

5195۔(قولہ: وَحَدِيثُ ذِي الْيَدَيْنِ) ان کا نام حضرت خرباق تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ یا ایک ہاتھ نسبتاً لمبا تھا۔ ان کے الفاظ یہ تھے أَقَصُرَتِ الصَّلَاةُ أَمْ نَسِيتَ (2)، کیا نماز مختصر ہوگئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟ فرمایا: نہ میں بھولا اور نہ ہی نماز مختصر ہوئی۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! بلکہ آپ بھول گئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے فرمایا: کیا ذوالیدین نے سچ کہا ہے؟ صحابہ نے اشارہ کیا: جی ہاں۔ ''زیلعی''۔ ''طحطاوی''۔

5196۔(قولہ: مَنْسُوخٌ بِحَدِيثِ مُسْلِمٍ الخ) اس سے مراد وہ روایت ہے جسے امام مسلم نے حضرت معاویہ بن حکم سلمی سے نقل کیا ہے۔ کہا: بَيْنَا أَنَا أُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ عَطَسَ رَجُلٌ من القوم فقلتُ له: رحمك الله فَرَمَانِي الْقَوْمُ بِأَبْصَارِهِمْ فَقُلْتُ: و اثُكْلَ أُمَّاهُ مَا شَأْنُكُمْ تَنْظُرُونَ إِلَيَّ؟ فَجَعَلُوا يَضْرِبُونَ بِأَيْدِيهِمْ عَلَى أَفْخَاذِهِمْ فَلَمَّا رَأَيْتُهُمْ يُصَمِّتُونَنِي سَكَتُّ فلما صَلَّى رسولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم دَعَانِي فَبِأَبِي هُوَ وَأُمِّي مَا رَأَيْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ أَحْسَنَ تَعْلِيمًا مِنْهُ فَوَاللهِ مَا كَهَرَنِي وَلَا ضَرَبَنِي وَلَا شَتَمَنِي ثُمَّ قَالَ: إِنَّ هَذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ إِنَّمَا هُوَ التَّسْبِيحُ وَالتَّكْبِيرُ وَقِرَاءَةُ قرآنٍ (3) ''كذا فی الفتح و شرح المنية''۔ اسی اثنا میں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ لوگوں میں سے ایک آدمی کو چھینک آئی تو میں نے اسے دعا دی ''رحمك الله'' لوگوں نے مجھے ترچھی نظروں سے دیکھا۔ میں نے کہا افسوس۔ تمہیں کیا ہوگیا ہے تم مجھے اس طرح دیکھ رہے ہو۔ انہوں نے اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر مارنے شروع کر دیئے جب میں نے انہیں دیکھا کہ وہ مجھے خاموش کرا رہے ہیں تو میں خاموش ہوگیا جب رسول اللہ

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب طلاق المکرہ والناسی، جلد 1، صفحہ 634، حدیث 2034

2۔ صحیح بخاری، کتاب السھو، من لم یتشھد فی سجدتی السھو، جلد 1، صفحہ 544، حدیث نمبر 1152، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، تحریم الکلام فی الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 559، حدیث نمبر 886، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

(إلَّا السَّلَامَ سَاهِيًا) لِلتَّحْلِيلِ أَيْ لِلْخُرُوجِ مِنْ الصَّلَاةِ (قَبْلَ تَمَامِهَا عَلَى ظَنِّ إكْمَالِهَا) فَلَا يُفْسِدُ (بِخِلَافِ السَّلَامِ عَلَى إنْسَانٍ) لِلتَّحِيَّةِ، أَوْ عَلَى ظَنِّ أَنَّهَا تَرْوِيحَةٌ مَثَلًا. أَوْ سَلَّمَ قَائِمًا فِي غَيْرِ جِنَازَةٍ (فَإِنَّهُ يُفْسِدُهَا)

مگر تحلیل کے لئے بھول کر سلام کہے یعنی نماز کے مکمل ہونے سے قبل، نماز سے نکلنے کے لئے سلام کہہ دے جبکہ اس کا گمان ہو کہ نماز مکمل ہو چکی ہے تو یہ سلام نماز کو فاسد نہیں کرے گا۔ جب وہ تحیہ کے لئے کسی کو سلام کہے یا یہ گمان کرے کہ یہ مثلاً تراویح ہے یا جنازہ کے علاوہ نماز میں وہ کھڑے کھڑے سلام پھیر دے یہ مطلقاً نماز کو فاسد کر دے گا

صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تو آپ نے مجھے بلایا میرے ماں باپ آپ پر قربان میں نے آپ سے پہلے، اور نہ ہی آپ کے بعد، آپ سے بہتر معلم دیکھا اللہ کی قسم نہ آپ نے مجھے جھڑکا، نہ مجھے مارا اور نہ ہی مجھے گالی دی۔ پھر کہا: اس نماز میں لوگوں کی کلام، مناسب وموزوں نہیں یہ نماز تسبیح تکبیر اور قرآن کی قراءت ہے۔ ''الفتح'' اور ''شرح المنیۃ'' میں اسی طرح ہے۔

نسخ کو اس وجہ سے تسلیم نہ کیا گیا کہ ذوالیدین والی حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے جبکہ حضرت ابو ہریرہ بعد میں اسلام لائے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا یہ جائز ہے کہ انہوں نے یہ روایت کسی اور صحابی سے نقل کی ہو اور وہ خود حاضر نہ ہوں۔ اس کی مکمل بحث ''زیلعی'' میں ہے ''البحر'' میں کہا: یہ جواب صحیح نہیں کیونکہ ''صحیح مسلم'' میں یوں مروی ہے: اسی اثنا میں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا اور واقعہ کا ذکر کیا، یہ ان کے حاضر ہونے میں صریح ہے۔ میں نے اس کا شافی جواب نہیں دیکھا۔

میں کہتا ہوں: میرا گمان ہے ''صاحب البحر'' پر حضرت ذوالیدین والی حدیث حضرت معاویہ بن حکم کی حدیث کے ساتھ مشتبہ ہوگئی ہے ہم نے اسے صحیح مسلم سے نقل کیا ہے۔ فلیراجع

5197۔(قولہ: سَاهِيًا) اس قول سے ان کا قول علی ظن اکمالها غنی کر دیتا ہے۔

5198۔(قولہ: أَوْ عَلَى ظَنِّ) اس کا عطف علی انسان پر ہے۔ فافہم۔

5199۔(قولہ: أَنَّهَا تَرْوِيحَةٌ مَثَلًا) یعنی وہ عشاء کی نماز پڑھ رہا تھا تو اس نے گمان کیا کہ یہ تراویح ہے۔ اسی کی طرح ہے اگر اس نے ظہر کی دو رکعتیں پڑھیں تو اس نے یہ گمان کرتے ہوئے سلام پھیر دیا کہ وہ مسافر ہے یا نماز جمعہ ہے یا نماز فجر ہے۔

5200۔(قولہ: أَوْ سَلَّمَ قَائِمًا) یعنی یہ گمان کرتے ہوئے کہ اس نے نماز کو مکمل کر دیا۔ ''بحر''۔

5201۔(قولہ: فَإِنَّهُ يُفْسِدُهَا) یعنی تینوں صورتوں میں یہ نماز کو فاسد کر دے گا۔ جہاں تک انسان کو سلام کرنے کا تعلق ہے تو یہ امر ظاہر ہے۔ جہاں تک اس سلام کا تعلق ہے کہ یہ گمان کیا جائے کہ یہ نماز تراویح ہے تو اس نے دو رکعتوں کے اختتام پر نماز کو قطع کرنے کا ارادہ کیا ہے جب وہ اس کو مکمل کرنے کا گمان رکھتا ہو تو معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے گمان کے مطابق چار رکعتوں پر نماز کو قطع کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ جہاں تک کھڑے ہو کر سلام کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ قعود کی

مُطْلَقًا، وَإِنْ لَمْ يَقُلْ عَلَيْكُمْ (وَلَوْ سَاهِيًا) فَسَلَامُ التَّحِيَّةِ مُفْسِدٌ مُطْلَقًا، وَسَلَامُ التَّحْلِيلِ إِنْ عَمْدًا (وَرَدُّ السَّلَامِ) وَلَوْ سَهْوًا (بِلِسَانِهِ) لَا بِيَدِهِ بَلْ يُكْرَهُ عَلَى الْمُعْتَمَدِ

اگرچہ اس نے ''علیکم'' کا لفظ نہ کہا۔ اگرچہ وہ سلام بھول کر ہو۔ پس تعظیم کا سلام، مطلقاً نماز کو فاسد کرنے والا ہے اور تحلیل کا سلام مفسد ہوگا۔ اگر عمداً ہو اور سلام کا جواب دینا زبان سے اگرچہ بھول کر ہو نماز کو فاسد کر دیتا ہے، نہ کہ ہاتھ سے بلکہ قابل اعتماد قول کے مطابق ایسا کرنا مکروہ ہے۔

حالت میں سلام میں سہو، معاف ہے کیونکہ قعود کی حالت اس کا محل ہے۔ قیام کا معاملہ مختلف ہے اسی وجہ سے نماز جنازہ میں کھڑے ہونے کی حالت میں سہو، معاف ہے کیونکہ اس میں کھڑے ہونا سلام کا محل ہے۔ ''ح''۔

5202۔ (قولہ: مُطْلَقًا) اس کی تفسیر ان کا قول وان لم یقل: علیکم اور ان کا قول ولو ساھیاً کرتا ہے۔ ''ح''۔

5203۔ (قولہ: فَسَلَامُ التَّحِيَّةِ الخ) یہ وہ چیز ہے جسے ''البحر'' میں بحث کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔ پھر ''البدائع'' میں اسے صراحۃً دیکھا۔ ''الکنز'' وغیرہ میں سلام کے ساتھ جو مطلقاً فساد کا قول کیا ہے، اس میں اور ''المجمع'' وغیرہ میں عمداً سلام کی جو قید لگائی ہے، اس میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ پہلے کو سلام تحیہ پر محمول کیا جائے گا اور دوسرے کو سلام تحلیل پر محمول کیا جائے گا۔ اور ان کے قول ان عمداً میں یہ داخل ہوگا وہ اس صورت میں ہے کہ وہ اسے مثلاً نماز تراویح گمان کرے اور سلام پھیر دے کیونکہ اس نے جان بوجھ کر سلام پھیرا ہے جس طرح (مقولہ 5199 میں) گزر چکا ہے۔ اس سے اس نے اختلاف کیا ہے جس نے وہم کیا۔

5204۔ (قولہ: لَا بِيَدِهِ) ہاتھ سے سلام کا جواب دیا تو نماز کو فاسد نہیں کرے گا۔ اس قول سے اس نے اختلاف کیا ہے جس نے اسے امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا کہ یہ نماز کو فاسد کرنے والا ہے۔ اگرچہ اہل مذہب میں سے کسی سے ایسی روایت معروف نہیں۔ بے شک اہل مذہب اختلاف کے ذکر کے بغیر نماز کے فاسد ہونے کا قول کرتے ہیں۔ بلکہ ''طحطاوی'' کا یہ صریح کلام ہے کہ یہ ہمارے تینوں ائمہ کا قول ہے۔ گویا اس قائل نے ان کے قول: ولا یرد بالاشارۃ انہ مفسد سے یہ سمجھا ہے۔ ابن امیر حاج حلبی کی ''حلبہ'' میں اسی طرح ہے۔ ''البحر'' میں ان کے قول: فانہ لم یعرف الخ پر اس سے اعتراض کیا ہے کہ اس قول کو صاحب ''المجمع'' نے نقل کیا ہے اور وہ متاخرین اہل مذہب میں سے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ حق یہ ہے کہ نماز کا فاسد ہونا مذہب میں ثابت نہیں۔ ''الظہیریہ'' وغیرھا میں جو قول ہے اس سے بعض مشائخ نے استنباط کیا ہے کہ اگر اس نے سلام کی نیت سے مصافحہ کیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور کہا: اس تعبیر کی بنا پر جب اس نے اشارہ کے ساتھ سلام کا جواب دیا تو بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔ نماز کے فاسد نہ ہونے پر وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح کیا جس طرح ''ابوداؤد'' نے اسے روایت کیا(1) اور ''ترمذی'' نے اس کی تصحیح کی۔ ''المنیہ'' میں اس کی تصریح کی کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل جواز کے لئے تھا آپ کے فعل کو کراہت سے موصوف نہیں کیا جا سکتا۔ جس طرح

1۔ سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب رد السلام فی الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 347، حدیث نمبر 790، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

نَعَمْ لَوْ صَافَحَ بِنِيَّةِ السَّلَامِ قَالُوا تَفْسُدُ، كَأَنَّهُ لِأَنَّهُ عَمَلٌ كَثِيرٌ وَفِي النَّهْرِ عَنْ صَدْرِ الدِّينِ الْغَزِّيِّ (طويل)

سَلَامُكَ مَكْرُوهٌ عَلَى مَنْ سَتَسْمَعُ وَمِنْ بَعْدِ مَا أُبْدِي يُسَنُّ وَيُشْرَعُ

مُصَلٍّ وَتَالٍ ذَاكِرٍ وَمُحَدِّثٍ خَطِيبٍ وَمَنْ يُصْغِي إِلَيْهِمْ وَيَسْمَعُ

ہاں اگر اس نے سلام کی نیت سے مصافحہ کیا۔علماء نے کہا: نماز فاسد ہو جائے گی گویا وہ عمل کثیر ہے''النھر'' میں صدر الدین غزی سے یہ اشعار منقول ہیں۔

تیسرا سلام کہنا مکروہ ہے اسے جس کو تو سنے گا۔جن کو میں ظاہر کرنے والا ہوں ان کے علاوہ کو سلام کہنا سنت اور مشروع ہے۔ نماز پڑھنے والا، تلاوت کرنے والا، ذکر کرنے والا، حدیث بیان کرنے والا، خطبہ دینے والا اور جوان سب کی طرف کان لگانے والا اور سننے والا ہے۔

''حلبہ'' میں اسے ثابت کیا ہے۔

5205۔(قولہ: قَالُوا تَفْسُدُ) اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے جسے ''البحر'' میں بحث کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔ظاہر یہ ہے کہ مصافحہ اور ہاتھ کا سلام کے جواب دینے کا حکم برابر ہے، وہ نماز کا فاسد نہ ہونا ہے، ان احادیث کی وجہ سے جو اس بارے میں وارد ہوئیں۔شارح کا قول کانہ میں اس کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر ''النہر'' وغیرہ میں کیا ہے کہ یہ معناً تعلیل ''زیلعی'' وغیرہ کی تعلیل سے اولیٰ ہے کہ یہ کلام ہے کیونکہ ہاتھ سے سلام کا جواب دینا معناً کلام بھی ہے۔فتدبر۔اللہ تعالیٰ کی ذات ہی توفیق دینے والی ہے۔''الخزائن'' کے حاشیہ میں ''شارح'' کے ہاتھ سے لکھا میں نے اسی طرح دیکھا ہے۔

وہ مقامات جہاں سلام کہنا مکروہ ہے

5206۔(قولہ: سَلَامُكَ مَكْرُوهٌ) الفاظ کے ظاہر سے مکروہ تحریمی ثابت ہوتا ہے۔''ط'' عنقریب بعض میں گناہ کی تصریح (مقولہ 5226 میں) آئے گی۔

5207۔(قولہ: وَمِنْ بَعْدِ مَا أُبْدِي الخ) یہ ابدی فعل مضارع رباعی ہے جس کا معنی ہے یعنی میں ظاہر کروں گا اور معنی ہے جن کو ذکر کروں گا اس کا غیر سنت ہے۔ان کا یہ قول والزیادۃ تنفع اس کے مناقض نہیں۔کیونکہ یہ صاحب ''النہر'' کی کلام میں سے ہے جس طرح تو عنقریب (مقولہ 5224 میں) اسے پہچانے گا۔فافہم۔

5208۔(قولہ: ذَاكِرٍ) علما میں سے بعض نے ''واعظ'' کے ساتھ اس کی تفسیر بیان کی ہے کیونکہ واعظ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اور لوگوں کو اس کے ساتھ نصیحت کرتا ہے۔ظاہر یہ ہے کہ یہ اعم ہے جو انسان کسی بھی حوالے سے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو اسے سلام کرنا مکروہ ہے۔''رحمتی''۔

5209۔(قولہ: خَطِيبٍ) یہ تمام خطبوں کو جامع ہے۔''ط''۔

5210۔(قولہ: وَمَنْ يُصْغِي إِلَيْهِمْ) یعنی جن لوگوں کا ذکر کیا گیا وہ ان کو توجہ سے سن رہا ہو۔اگرچہ نماز کی تلاوت

مُکَرِّرِ فِقْهٍ جَالِسٍ لِقَضَائِهِ	وَمَنْ بَحَثُوا فِي الْفِقْهِ دَعْهُمْ لِيَنْفَعُوا
مُؤَذِّنٍ أَيْضًا أَوْ مُقِيمٍ مُدَرِّسٍ	كَذَا الْأَجْنَبِيَّاتِ الْفَتِيَّاتِ امْنَعْ
وَلُعَّابِ شِطْرَنْجٍ وَشِبْهٍ بِخُلْقِهِمْ	وَمَنْ هُوَ مَعْ أَهْلٍ لَهُ يَتَمَتَّعُ

''فقہ کا تکرار کرنے والا۔ قضا کے لئے بیٹھنے والا۔ اور جو فقہ میں بحث کر رہے ہیں ان کو چھوڑ دو تا کہ وہ فائدہ اٹھائیں۔ نیز اذان دینے والا، اقامت کہنے والا، مدرس جو تدریس کر رہا ہو اور اسی طرح اجنبی نوجوان عورتیں سلام نہ دینے میں سب سے ممنوع ہیں۔ اور اسے جو شطرنج کھیلنے والا ہو اور ان کے افعال کی مشابہت کرنے والا ہو اور اسے جو اپنے اہل کے ساتھ لطف اندوز ہونے والا ہے''۔

کو سن رہا ہو جب وہ بلند آواز سے قراءت کرے کیونکہ وہ تلاوت کرنے والے میں داخل ہے۔''ط''۔

5211۔(قولہ: مُکَرِّرِ فِقْهٍ) یعنی اسے یاد کر رہا ہو یا اسے سمجھ رہا ہو۔

5212۔(قولہ: جَالِسٍ لِقَضَائِهِ) ہمارے بعض مشائخ نے والیوں اور امراء کو قاضی پر قیاس کیا ہے۔ شمس الائمہ سرخسی نے کہا: صحیح یہ ہے کہ ان میں فرق ہے۔ رعیت امراء اور والیوں کو سلام کرتی ہے اور جھگڑا پیش کرنے والے، قاضیوں کو سلام پیش نہیں کرتے۔ فرق یہ ہے کہ سلام زائروں کا تحفہ ہوتا ہے اور جھگڑا پیش کرنے والے، قاضی کی ملاقات کے لئے نہیں آتے۔ رعیت کا معاملہ مختلف ہوتا ہے اس وجہ سے اگر قاضی ملاقات کے لئے بیٹھے گا تو جھگڑا پیش کرنے والے اسے سلام کہیں گے اور اگر امیر جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کے لئے بیٹھے گا تو وہ اسے سلام نہیں کریں گے۔''تتارخانیہ'' کی کتاب الکراہیہ کے آٹھویں باب میں اسی طرح ہے۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ جھگڑا پیش کرنے والے جب مفتی کے پاس حاضر ہوں گے وہ اسے سلام پیش نہیں کریں گے۔'' تامل''۔

5213۔(قولہ: وَمَنْ بَحَثُوا فِي الْفِقْهِ)''النہر'' کی عبارت فی العلم ہے۔''الضیاء'' میں مذاکرۃ العلم ہے۔ پس یہ ہر علم شرعی کو عام ہوگا۔

5214۔(قولہ: أَيْضًا) یہ لفظ ضرورت کی بنا پر ہمزہ وصلی کے ساتھ ہے۔''ط''۔

5215۔(قولہ: مُدَرِّسٍ) علم شرعی کے درس کا شیخ، اس کا قرینہ وہ ہے جسے ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔

بوڑھی عورت سے مصافحہ کرنا جب شہوت سے امن ہو

5216۔(قولہ: الْفَتِيَّاتِ) یہ فتیۃ کی جمع ہے اس کا معنی نوجوان عورت ہے۔ اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ بوڑھی عورتوں کو سلام کہنا جائز ہے بلکہ شہوت سے امن ہو تو ان سے مصافحہ کرنا بھی جائز ہوتا ہے۔

5217۔(قولہ: وَلُعَّابُ) لام پر ضمہ ہے اور عین مہملہ مشدد ہے یہ لاعب کی جمع ہے۔

5218۔(قولہ: وَشِبْهٌ) اس میں شین کے نیچے کسرہ ہے یعنی جوان کے خلق و عادات کے مشابہ ہو۔ مراد یہ ہے جو

وَدَعْ كَافِرًا أَيْضًا وَمَكْشُوفَ عَوْرَةٍ وَمَنْ هُوَ فِي حَالِ التَّغَوُّطِ أَشْنَعُ
وَدَعْ آكِلًا إِلَّا إِذَا كُنْتَ جَائِعًا وَتَعْلَمُ مِنْهُ أَنَّهُ لَيْسَ يَمْنَعُ

اور کافر کو بھی چھوڑ دے اور جس کی شرمگاہ ننگی ہو اور جو قضائے حاجت کر رہا ہو اس کو سلام کہنا بہت برا ہے۔ اور کھانا کھانے والے کو چھوڑ دے مگر جب تو بھوکا ہو اور تو اس کے بارے میں جانتا ہے کہ وہ نہیں روکے گا۔

فسق میں ان کے مشابہ ہو، نافرمان لوگوں میں سے جس سے بھی تعلق رکھتا ہو جس طرح جو آدمی جوا کھیلتا ہو، شراب نوشی کرتا ہو، لوگوں کی غیبت کرتا ہو، کبوتر اڑاتا ہو یا گانے گاتا ہو، شطرنج سے کھیلنے پر متنبہ کیا۔ جس میں اختلاف ہے جبکہ جو اس سے بڑھ کر ہو وہ بدرجہ اولیٰ اس حکم میں ہوگا۔ الحظر والاباحۃ میں (مقولہ 33461 میں) آئے گا کہ فاسق کو سلام کہنا مکروہ ہے اگر وہ فاسق معلن ہو ورنہ سلام کہنا مکروہ نہیں ہوگا۔

''فصول العلامی'' میں ہے: مزاح کرنے والے، جھوٹ اور لغو کلام کرنے والے شیخ کو سلام نہیں کہے گا اور نہ اسے سلام کہے گا جو لوگوں کو گالیاں دیتا ہو، اجنبی عورتوں کے چہرے دیکھتا ہو، نہ ہی فاسق معلن کو سلام کہے گا، نہ ہی ایسے آدمی کو سلام کہے گا جو نغمے گاتا ہو یا کبوتر اڑاتا ہو جب تک ان کی توبہ معروف نہ ہو۔ وہ ایسی قوم کو سلام کرے گا جو معصیت کا کام کر رہے ہوں یا وہ شطرنج سے کھیل رہے ہوں یہ نیت کرتے ہوئے کہ جب معصیت میں وہ پڑے ہوئے ہوں اس سے ان کو غافل کر دے۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر ہے اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک یہ مکروہ ہے مقصود ان کی حقارت کا بیان ہے۔

ان کے قول مالم تعرف توبتھم کا ظاہر معنی یہ ہے کہ مراد ہے کہ انہیں سلام کرنا مکروہ ہے جب وہ معصیت نہ کر رہے ہوں۔ جہاں تک معصیت کرنے کی حالت کا تعلق ہے تو اس میں مذکورہ اختلاف ہے۔

5219۔ (قولہ: يَتَمَتَّعُ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے جو جماع کے مقدمات کو عام ہے۔ ''ط''

5220۔ (قولہ: وَدَعْ كَافِرًا) مگر جب تجھے اس سے حاجت ہو تو اسے سلام کہنا مکروہ نہیں جس طرح باب الحظر والاباحۃ میں (مقولہ 33429 میں) آئے گا۔

5221۔ (قولہ: وَمَكْشُوفَ عَوْرَةٍ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے اگر ضرورت کی بنا پر پردہ ہٹایا ہو۔ ''ط''۔

5222۔ (قولہ: حَالِ التَّغَوُّطِ) اس کی مراد ہے جو بول کو (بھی) عام ہے۔ ''ط''۔

5223۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا كُنْتَ الخ) غور کرو اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ جبکہ لقمہ منہ میں رکھنے کی حالت میں سلام کہنا مکروہ ہے جس طرح ''المجتبیٰ'' کے باب الحظر والاباحۃ میں ہے: جو حقیقت میں سلام کا جواب دینے سے عاجز ہو اسے سلام کہنا مکروہ ہے جیسے جو کھانے میں یا قضائے حاجت میں مشغول ہو یا جو شرعاً عاجز ہو جیسے نماز اور قرآن کی قراءت میں مشغول ہو اگر کوئی آدمی ایسے آدمی کو سلام کہے تو وہ جواب کا مستحق نہ ہوگا۔

وَقَدْ زِدْتُ عَلَيْهِ الْمُتَفَقِّهَ عَلَى أُسْتَاذِهِ كَمَا فِي الْقُنْيَةِ، وَالْمُغَنِّيَ، وَمُطَيِّرَ الْحَمَامِ، وَأَلْحَقْتُهُ فَقُلْتُ (طویل)

كَذٰلِكَ أُسْتَاذٌ مُغَنٍّ مُطَيِّرٌ فَهٰذَا خِتَامٌ وَالزِّيَادَةُ تَنْفَعُ

وَصَرَّحَ فِي الضِّيَاءِ بِوُجُوبِ الرَّدِّ فِي بَعْضِهَا

اور میں نے اس پر اضافہ کیا کہ طالب فقہ اپنے استاذ پر جس طرح ''القنیہ'' میں ہے مغنی، کبوتر اڑانے والا میں نے اسے لاحق کیا اور کہا اسی طرح استاذ، مغنی اور کبوتر اڑانے والا یہ اختتام ہے اور زیادتی نفع دینے والی ہے۔ اور ''ضیا'' میں ان بعض امور میں سلام کے جواب کے واجب ہونے کی تصریح کی ہے

5224_(قولہ: وَقَدْ زِدْتُ عَلَيْهِ الْمُتَفَقِّهَ عَلَى أُسْتَاذِهِ الخ) بعض نسخوں میں اسی طرح پایا جاتا ہے یہ صاحب ''النہر'' کی عبارت کا تتمہ ہے اور مذکورہ شعر اس کی نظم میں سے ہے۔

5225_(قولہ: كَذٰلِكَ أُسْتَاذٌ) اس میں ہے کہ صحابہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہا کرتے تھے۔ ''حلبی'' نے اپنے شیخ سے نقل کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت سلام کہنا مکروہ ہوگا جب وہ تعلیم میں مشغول ہو جس طرح آگے آئے گا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سابقہ شعر کے لفظ مدرّس میں داخل ہے اسی طرح مغنی اور پرندے اڑانے والا دونوں و شبہ بخلقھم میں داخل ہے۔ جس طرح ہم نے اس پر (مقولہ 5218 میں) متنبہ کیا ہے لیکن غرض ان چیزوں کا ذکر ہے جن کی تصریح ان کے کلام میں ہے ورنہ سابقہ اشعار میں اشیاء ایک دوسرے میں داخل ہیں جن میں سے بعض کا ذکر دوسرے بعض سے غنی کر دیتا ہے۔ ہمارے ''شیخ المشائخ شہاب احمد المنینی'' نے چند اور چیزوں کا اضافہ کیا ہے۔ جس طرح ''رحمتی'' نے ان سے نقل کیا ہے اور اپنے ان اشعار میں نظم کیا۔

اور اضافہ کر زندیق، ٹھٹھا کرنے والے بوڑھے، لغو کلام کرنے والے اور ایسے جھوٹے کو جو اپنے جھوٹ کو عام کرتا ہے

اور جو بازار میں عورتوں کو جان بوجھ کر دیکھتا ہے اور جس کی عادت ہے جانوروں کو گالیاں دینا اور جسے جھڑکا جاتا ہے

اور جو لوگ مسجد میں اپنی نماز اور اپنی تسبیح کے لئے بیٹھے ہوں یہ بعض علما سے سنا گیا ہے۔

جو وہاں تلبیہ کہتا ہے اسے نہ بھول علما نے اس کی تصریح کی اے میرے ساتھی! عارف بن جا تو فضیلت والا اور رفعت والا بنا دیا جائے گا۔

وہ مقامات جہاں سلام کا جواب دینا واجب نہیں

5226_(قولہ: وَصَرَّحَ فِي الضِّيَاءِ الخ) ''روضۃ الزندویستی'' سے نقل کیا گیا ہے۔ ''حلبی'' نے اس کی عبارت نقل کی ہے اس کا حاصل یہ ہے جو لوگ خطبہ، نماز، قراءت قرآن، مذاکرہ علم، اذان یا اقامت میں مشغول ہوں انہیں جو سلام کہے گا وہ گناہگار ہوگا۔ پہلی دو قسم کے لوگوں پر جواب دینا واجب نہیں کیونکہ سلام کا جواب، نماز کو باطل کر دیتا ہے اور خطبہ، نماز کی طرح ہے اور باقی امور میں وہ جواب دیں گے۔ کیونکہ دونوں فضیلتوں، یعنی سلام کا جواب دینے اور جس امر میں وہ ہیں، ان کو جمع کرنا

وَبِعَدَمِهِ فِي قَوْلِهِ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِجَزْمِ الْمِيمِ

اور سلام علیکم میں جب میم مجزوم ہو تو سلام کا جواب واجب نہ ہونے کی تصریح کی ہے۔

ممکن ہے جبکہ سلام کا جواب کسی امر کو قطع نہیں کرتا تو جواب دینا واجب ہوگا۔ ''حلبی'' نے کہا: اس تعلیل سے نظم میں مذکورہ باقی ماندہ مسائل کا حکم معلوم ہو جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: لیکن ''البحر'' میں ''الزیلعی'' سے ایسا قول منقول ہے جو اس کے خلاف ہے کیونکہ انہوں نے کہا: نمازی، قاری اور قاضی یا فقہ میں بحث یا قضائے حاجت کے لئے جو بیٹھا ہوا سے سلام کہنا مکروہ ہے۔ اگر کوئی انہیں سلام کہے تو ان پر سلام کا جواب دینا واجب نہیں کیونکہ یہ سلام کا محل نہیں۔

اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ ہر وہ محل جس میں سلام مشروع نہ ہو ایسے محل میں سلام کا جواب واجب نہیں۔ ''شرح الشرعۃ'' میں ہے: فقہا نے بعض مواقع پر سلام کا جواب واجب نہ ہونے کی تصریح کی ہے۔ قاضی، جب دو جھگڑا کرنے والے اسے سلام کریں۔ فقیہ استاذ، جب اس کا شاگرد ہو یا کوئی اور درس کے اوقات میں سلام کرے، سائل کا سلام اور وہ آدمی جو قرآن کی قراءت کر رہا ہو اور جو دعا میں مشغول ہو اور وہ لوگ جو مسجد میں تسبیح، قراءت اور ذکر کے لئے بیٹھے ہوں ان کو سلام کہا جائے گا تو اس سلام کا جواب واجب نہیں۔

''بزازیہ'' میں ہے امام، مؤذن اور خطیب پر سلام کا جواب واجب نہیں۔ یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر ہے یہی صحیح قول ہے۔

فاسق کو سلام کا جواب دینا واجب ہونا چاہئے کیونکہ اسے جو سلام کہنے کی کراہت ہے وہ زجر کے لئے ہے تو یہ کراہت اس پر وجوب کے منافی نہیں۔ ''تامل''۔

یہ یاد کر لو۔ جلال الدین سیوطی نے ان مواضع کو نظم کیا ہے جن میں سلام کا جواب دینا واجب نہیں۔ شارح نے ''الخزائن'' کے حاشیہ میں انہیں نقل کیا ہے۔ کہا:

سلام کا جواب واجب ہے مگر اس پر واجب نہیں جو نماز یا کھانے میں مشغول ہو
یا پینے، قراءت، دعا، ذکر، خطبہ یا تلبیہ میں مشغول ہو
یا انسان کی قضائے حاجت، اقامت یا اذان میں مشغول ہو
یا جب بچہ، نشہ میں مدہوش یا نوجوان عورت سلام کرے جن کے جواب دینے سے فتنہ کا اندیشہ ہو
یا فاسق، اونگھنے والا، سویا ہوا سلام کہے یا جماع یا فیصلہ کی حالت ہو
یا وہ آدمی حمام میں ہو، مجنون ہو تو اسے سلام کہا جائے یہ کل اکیس ہیں۔

5227۔(قولہ: بِجَزْمِ الْمِيمِ) گویا یہ اس لئے ہے کہ اس نے سنت کی مخالفت کی ہے اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ میم کو تنوین اور الف لام تعریف کے بغیر رفع دے تو یہ میم کی جزم کی طرح ہے کیونکہ اس صورت میں بھی وہ سنت کی خلاف ورزی

(وَالتَّنَحْنُحُ) بِحَرْفَيْنِ (بِلَا عُذْرٍ) أَمَّا بِهِ بِأَنْ نَشَأَ مِنْ طَبْعِهِ فَلَا (أَوْ) بِلَا (غَرَضٍ صَحِيحٍ) فَلَوْ لِتَحْسِينِ صَوْتِهِ أَوْ لِيَهْتَدِيَ إِمَامُهُ أَوْ لِلْإِعْلَامِ أَنَّهُ فِي الصَّلَاةِ فَلَا فَسَادَ عَلَى الصَّحِيحِ

اور عذر کے بغیر دو حرفوں سے کھنکھارنا یہ نماز کو فاسد کر دیتا ہے مگر جب عذر کے ساتھ کھنکھارے اس طرح کہ اس کی طبیعت سے ایسا کرنا پیدا ہوا ہو تو نماز کو فاسد نہیں کرتا یا کسی غرض صحیح کے بغیر کھانسے تو بھی نماز کو فاسد کر دے گا۔ اگر وہ اس لئے کھنکھارتا ہے کہ وہ آواز کو اچھا کرے یا اس کا امام ہدایت پا جائے یا اس امر سے آگاہ کرنے کے لئے کہ وہ حالت نماز میں ہے تو صحیح قول کے مطابق نماز فاسد نہ ہوگی۔

کرنے والا ہے۔''ح''۔

میں کہتا ہوں: عربوں سے سلامُ علیکم تنوین کے بغیر سنا گیا ہے۔''مغنی اللبیب'' میں اُل کے حذف یا مضاف کی تقدیر کے ساتھ تخریج کی ہے یعنی سلامُ اللہ لیکن ''الظہیریہ'' میں کہا: سلام کا لفظ السلام علیکم یا سلام علیکم یعنی تنوین کے ساتھ ہے ان دو صورتوں کے علاوہ سلام نہیں جس طرح جہال کہتے ہیں۔

''تتارخانیہ'' میں بعض اصحاب نے امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ سلام اللہ علیکم یہ دعا ہے تحیہ نہیں ہے۔ ہم سلام کی باقی ماندہ ابحاث ''کتاب الحظر والاباحۃ'' میں ذکر کریں گے۔

5228۔ (قولہ: وَالتَّنَحْنُحُ) تنحنح یہ ہے کہ ایک آدمی کہے اح یہ ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہو یا ضمہ کے۔''بحر''

5229۔ (قولہ: بِحَرْفَيْنِ) دو حرفوں سے زائد کے ساتھ کھنکھارے یعنی بدرجہ اولی نماز کو فاسد کر دے گا اس کا حکم بھی اس سے معلوم ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ وہم دلاتا ہے کہ اگر دو حرفوں سے زائد سے، عذر کے ساتھ ہو تو وہ بھی نماز کو فاسد کر دیتا ہے''النہایہ'' میں ''المحیط'' سے جو قول مروی ہے وہ اس کے مخالف ہے۔ اگر وہ کھنکھارنے پر مجبور نہ ہو بلکہ وہ حلق کی اصلاح کے لئے ایسا کرتا ہے تا کہ قراءت اس کے لئے ممکن ہو اگر اس کے لئے حروف ظاہر ہو جائیں جس طرح اس کا قول اُح اُح ہے اور اس نے اس کے لئے تکلف سے کام لیا تو فقیہ ''اسماعیل زاہد'' کہا کرتے تھے: طرفین کے نزدیک یہ عمل نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں حروف ہجی ہیں۔ صحیح قول اس کے خلاف ہے جس طرح آگے (مقولہ 5231 میں) آئے گا۔

5230۔ (قولہ: بِأَنْ نَشَأَ مِنْ طَبْعِهِ) اس طرح کہ وہ کھانسنے اور کھنکھارنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

5231۔ (قولہ: عَلَى الصَّحِيحِ) کیونکہ وہ اپنی قراءت کو درست کرنے کے لئے ایسا کرتا ہے۔ پس یہ عمل معناً قراءت میں سے ہوگا جس طرح نماز کی بنا کے لئے چل کر جانا۔ اگر چہ وہ نماز میں سے نہیں ہے لیکن یہ نماز کی اصلاح کے لئے ہے پس معناً یہ نماز میں ہے۔ ''شرح المنیہ'' میں ''کفایہ'' سے منقول ہے۔ لیکن یہ قول اسے شامل نہیں جب وہ یہ بتانے کے لئے ایسا کرے کہ وہ نماز میں ہے یا اس کا امام صحیح صورت کو پالے۔ قیاس تو یہ ہے کہ تمام صورتوں میں نماز فاسد ہو جائے مگر جب وہ ایسا کرنے پر مجبور ہو جائے۔ جس طرح امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ کیونکہ یہ کلام ہے اور کلام

(وَالدُّعَاءُ بِمَا يُشْبِهُ كَلَامَنَا) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ (وَالْأَنِينُ) هُوَ قَوْلُهُ أَهْ بِالْقَصْرِ (وَالتَّأَوُّهُ) هُوَ قَوْلُهُ آهِ بِالْمَدِّ (وَالتَّأْفِيفُ) أُفِّ أَوْ تُفِّ

اور اس کی دعا جو لوگوں کی کلام کے مشابہ ہو وہ نماز کو فاسد کر دیتی ہے۔ امام شافعی نے اس سے اختلاف کیا ہے اور انین نماز کو فاسد کر دیتا ہے اور انین سے مراد اہ کہنا ہے جبکہ ہمزہ پر قصر ہو۔ اور تاوہ نماز کو فاسد کر دیتا ہے اور تاوہ سے مراد آہ کہنا ہے۔ اور تافیف نماز کو فاسد کر دیتی ہے اس سے مراد اف یا تف کہنا ہے۔

ہر حال میں نماز کو فاسد کرنے والی ہے۔ جس طرح یہ قول (مقولہ 5183 میں) گزر چکا ہے۔ گویا علما نے اس کے ساتھ قیاس سے عدول کیا ہے اور نماز کے فاسد نہ ہونے کے قول کو صحیح قرار دیا ہے جب وہ صحیح غرض کے لئے ہو۔ کیونکہ نص موجود ہے شاید جو ''الحلبہ'' میں ''سنن ابن ماجہ'' سے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں میری دو دفعہ حاضری ہوتی تھی ایک رات کے وقت اور دوسری دن کے وقت۔ جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا جبکہ آپ نماز پڑھ رہے ہوتے تھے تو آپ میرے لئے کھنکھارتے۔ ایک روایت میں ہے سبحان اللہ آپ میرے لئے تسبیح کہتے (1) ''حلبہ'' میں ان دونوں اعمال کو حالات کے مختلف ہونے پر محمول کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اعلم

5232۔ (قولہ: وَالدُّعَاءُ بِمَا يُشْبِهُ كَلَامَنَا) اس سے مراد ہے جو نہ قرآن میں ہو نہ سنت میں ہو اور نہ بندوں سے اس کی طلب محال ہو اگر وہ قرآن و حدیث میں وارد ہو یا اس کی طلب بندوں سے محال ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ جس طرح ''البحر'' میں ''التجنیس'' سے مروی ہے۔ نماز کی سنن میں اس پر گفتگو (مقولہ 4429 میں) گزر چکی ہے۔ ''فراجعہ''۔

5233۔ (قولہ: خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ) اس قول کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مذکورہ دعا کے ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ اس میں جو اختلاف ہے اس پر تنبیہ ہو جائے جبکہ دعا کلام میں داخل ہے۔

5234۔ (قولہ: وَالتَّأَوُّهُ الخ) ''شرح المنیہ'' میں کہا ہے: اس طرح کہ اس نے کہا: اوہ ہمزہ مفتوح اور واؤ مشددہ مفتوحہ اور ہمزہ مضموم اور واؤ ساکن یا اس نے کہا: آہ۔ یعنی ہمزہ کی مد کے ساتھ۔

''حلبہ'' میں اس میں تیرہ لغتیں ذکر کی ہیں۔ ''البحر'' میں ان کا ذکر کیا ہے۔

5235۔ (قولہ: وَالتَّأْفِيفُ الخ) ''الحلبہ'' میں کہا: اف یہ اتضجر کا اسم فعل ہے۔ اس میں چالیس تک لغات ہیں۔ فا مخفف، مشدد، منون اور غیر منون آئی ہے۔ بعض اوقات یہ لفظ مصدر کے طور پر آتا ہے۔ جس سے دعا مراد ہوتی ہے۔ اس کے آخر میں کبھی تا آتی ہے اور کبھی تا نہیں آتی۔ پس اسے ایسے فعل کے ساتھ نصب دی جاتی ہے جس فعل کا مضمر کرنا واجب ہوتا ہے۔ بعض اوقات تف کا لفظ اف کی اتباع میں بطور مرادف ذکر کیا جاتا ہے۔ اسی کے بارے میں شاعر کا شعر ہے۔

افا و تفا لمن مودته ان غبت عنه سويعة زالت

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، باب الاستئذان، جلد 2، صفحہ 486، حدیث نمبر 3697، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

(وَالْبُكَاءُ بِصَوْتٍ) يَحْصُلُ بِهِ حُرُوفٌ (لِوَجَعٍ أَوْ مُصِيبَةٍ) قَيْدٌ لِلْأَرْبَعَةِ إِلَّا لِمَرِيضٍ لَا يَمْلِكُ نَفْسَهُ عَنْ أَنِينٍ وَتَأَوُّهٍ لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ كَعُطَاسٍ وَسُعَالٍ وَجُشَاءٍ وَتَثَاؤُبٍ وَإِنْ حَصَلَ حُرُوفٌ لِلضَّرُورَةِ

اور ایسی آواز کے ساتھ رونا جس سے حروف حاصل ہوں یہ رونا درد کی وجہ سے ہو یا مصیبت کی وجہ سے یہ چاروں کے لئے قید ہیں مگر ایسا مریض جو انین اور تاوہ سے اپنے آپ کو نہ روک سکے کیونکہ اس وقت اس کی حیثیت چھینک، کھانسی، ڈکار اور جمائی کی طرح ہوتی ہے اگر چہ حروف حاصل ہوں یہ ضرورت کی بنا پر ہے۔

ان مالت الريح هكذا او كذا مالت مع الريح اينما مالت

اف اور تف ہے اس کی محبت پر اگر تو اس سے غائب ہو تو لمحہ بھر میں زائل ہو جاتی ہے۔

اگر ہوا اس طرح یا اس طرح مائل ہوتی ہے تو وہ محبت بھی ہوا کے ساتھ مائل ہو جاتی ہے جہاں ہوا مائل ہوتی ہے۔

کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ '' تف '' کا لفظ اسماء تافیف میں سے نہیں ہے۔'' تامل''

5236۔(قوله: وَالْبُكَاءُ) جب یہ لفظ الف مقصورہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی آنسو کا نکلنا ہے اور جب الف ممدودہ کے ساتھ ہو تو اس کے ساتھ آواز بھی شامل ہوتی ہے جس طرح صحاح میں ہے ''مصنف'' کا قول ''بصوت'' پہلے (جب بکا الف مقصورہ کے ساتھ ہو) کی تقیید اور دوسرے کی توضیح کے لئے ہے۔'' اسماعیل''۔

5237۔(قوله: يَحْصُلُ بِهِ حُرُوفٌ) ''الفتح''، ''النہایہ'' اور ''السراج'' میں اسی طرح ہے۔ ''النہر'' میں کہا: آواز کے بغیر آنسوؤں کا نکلنا یا ایسی آواز جس کے ساتھ حروف نہ ہوں تو یہ نماز کے لئے مفسد نہیں۔

5238۔(قوله: إِلَّا لِمَرِيضٍ الخ) ''المعراج'' میں کہا: پھر اگر انین ایسے درد کی وجہ سے ہو جس کے نتیجہ میں اس کا روکنا ممکن ہے تو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول مروی ہے وہ نماز کو توڑ دے گی۔ اگر ایسے درد کی وجہ سے ہے جس سے اس سے روکنا ممکن نہیں تو یہ نماز کو قطع نہیں کرے گی۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے اگر مرض خفیف ہو تو انین نماز کو توڑ دے گی ورنہ نماز کو نہ توڑے گی کیونکہ انین کے بغیر بیٹھنا ممکن ہی نہیں۔ ''محبوبی'' نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔

5239۔(قوله: وَإِنْ حَصَلَ حُرُوفٌ) یعنی ان تمام مذکورہ امور کے وقت حروف حاصل ہوں جس طرح ''معراج'' میں ہے۔ لیکن یہ قید لگائی جانی چاہئے کہ جب وہ حروف زائدہ کے نکالنے کا تکلف نہ کرے۔ جس طرح چھینک مارنے والے وغیرہ کی طبیعت تقاضا کرتی ہے۔ جس طرح اس نے جمائی لیتے ہوئے کہا: ھاہ ھاہ: جبکہ وہ اسے بار بار کر رہا ہو کیونکہ اسے اس امر سے حدیث میں منع کیا ہے (1)۔ تامل

اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا اگر حروف حاصل نہ ہوں تو مطلقاً نماز فاسد نہ ہوگی جس طرح اگر اسے کھانسی آئے اور اس کی سانس سے آواز ظاہر ہو جو ناک سے نکلتی ہے جبکہ اس کی آواز میں حروف نہ ہوں۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب ما جاء فی التثاؤب، جلد 3، صفحہ 539، حدیث نمبر 4373، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

(لَا لِذِكْرِ جَنَّةٍ أَوْ نَارٍ) فَلَوْ أَعْجَبَتْهُ قِرَاءَةُ الْإِمَامِ فَجَعَلَ يَبْكِي وَيَقُولُ بَلَى أَوْ نَعَمْ أَوْ آرِيْ لَا تَفْسُدُ سِرَاجِيَّةٌ لِدَلَالَتِهِ عَلَى الْخُشُوعِ (وَ) يُفْسِدُهَا (تَشْمِيتُ عَاطِسٍ) لِغَيْرِهِ (بِيَرْحَمُكَ اللهُ وَلَوْ مِنَ الْعَاطِسِ لِنَفْسِهِ لَا)

یہ رونا وغیرہ جنت یا جہنم کے ذکر کی وجہ سے ہوتو نماز فاسد نہ کرے گا۔ اگر امام کی قراءت اسے خوش کرے اور وہ رونے لگے اور کہنے لگے کیوں نہیں، ہاں یا آری (ہاں) تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ خشوع پر دلالت کرتا ہے اگر کوئی آدمی کسی دوسرے فرد کی چھینک پر کہے یرحمك اللہ تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اگر یہ لفظ چھینک مارنے والا اپنے لئے کہتا ہے تو نماز فاسد نہ ہوگی

5240۔(قولہ: لَا لِذِكْرِ جَنَّةٍ أَوْ نَارٍ) کیونکہ انین وغیرہ جب دونوں جنت اور دوزخ کے ذکر کی وجہ سے ہو تو یہ یوں ہو جائے گا گویا اس نے کہا: اے اللہ! میں تجھ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور میں تجھ سے جہنم کی پناہ مانگتا ہوں۔ اگر اس نے اس امر کی تصریح کر دی تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی اگر یہ امور درد یا مصیبت کی وجہ سے ہوں تو گویا وہ کہہ رہا ہے، میں مصیبت زدہ ہوں میری مدد کرو۔ اگر اس نے اس کی تصریح کر دی تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ ''کافی'' میں اسی طرح ہے۔ ''درر''۔

5241۔(قولہ: أَوْ آرِيْ) یہ فارسی کا لفظ ہے نعم کے معنی میں ہے جس طرح ''فتاوی ہندیہ'' میں اس کی تصریح کی ہے یہ لفظ ہمزہ ممدودہ کے فتحہ، را کے کسرہ اور یا کے سکون کے ساتھ ہے۔ ''ح''۔

5242۔(قولہ: لِدَلَالَتِهِ عَلَى الْخُشُوعِ) اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا اگر وہ حسن نغمہ سے لذت حاصل کر رہا تھا تو بھی نماز کو فاسد کر دے گا۔ ''ط''۔

5243۔(قولہ: تَشْمِيتُ) یہ لفظ سین اور شین دونوں کے ساتھ آتا ہے جبکہ دوسری لغت افصح ہے۔ ''درر''۔

5244۔(قولہ: لِغَيْرِهِ) اس میں انہوں نے صاحب ''النہر'' کی پیروی کی ہے۔ زیادہ صحیح اس کو ساقط کرنا ہے کیونکہ تشمیت مصدر ہے جو اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے۔ اس کا فاعل محذوف ہے۔ وہ مصلی ہے لیکن اسے زائد ذکر کیا تا کہ یہ ان کے قول ولو العاطس لنفسہ کے مقابل ہو۔ اس کی تاویل یہ ہے کہ ان کا قول لغیرہ یہ عاطس سے بدل ہے۔ کیونکہ اس میں اضافت لام کے معنی میں ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی تشمیتہ لعاطس معنی یہ ہوگا تشمیت المصلی لغیرہ نمازی اپنے غیر کے لئے یرحمك اللہ کہے۔ فافہم۔

5245۔(قولہ: بِيَرْحَمُكَ اللهُ) یہ قید لگائی ہے کیونکہ سامع (سننے والا) اگر کہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اگر اس نے اس لفظ کو ذکر کرنے کے ساتھ جواب کا قصد کیا تھا تو مشائخ نے اختلاف کیا ہے اگر اس نے تعلیم کا ارادہ کیا تھا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اگر دونوں میں سے کسی چیز کا بھی ارادہ نہ کیا تو بالاتفاق نماز فاسد نہ ہوگی۔ ''نہر''۔ ''شرح المنیہ'' میں مطلقاً فاسد نہ ہونے کو صحیح قرار دیا ہے کیونکہ یہ لفظ جواب کے طور پر متعارف نہیں۔ ان کا قول یہ ہے بخلاف الجواب السار بها۔ ہا ضمیر سے مراد حمد لہ ہے اگر وہ خوش کن خبر کے جواب میں الحمد للہ کہے تو نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ خوش کن خبر کے جواب میں الحمد للہ کہنا متعارف ہے۔

5246۔(قولہ: وَلَوْ مِنَ الْعَاطِسِ لِنَفْسِهِ لَا) یعنی اگر اس نے اپنے لئے کہا: یرحمك اللہ یا نفسی اے میرے

وَبِعَكْسِهِ التَّأْمِينُ بَعْدَ التَّشْمِيتِ
اور یرحمك الله کے بعد آمین کہے تو معاملہ مختلف ہوگا۔

نفس! اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ کیونکہ جب یہ غیر کو خطاب نہیں تو یہ لوگوں کا کلام متصور نہ ہوگا۔ جس طرح جب اس نے کہا: یرحمنی الله۔ ''بحر''۔

5247۔ (قولہ: وَبِعَكْسِهِ التَّأْمِينُ الخ) اس کی صورت وہ ہے جو ''الظہیریہ'' میں ہے: دو آدمی نماز پڑھتے ہیں ان میں سے ایک چھینک مارتا ہے، ایک آدمی جو نماز سے باہر ہے وہ کہتا ہے یرحمك الله تو دونوں اکٹھے کہتے ہیں ''آمین'' تو چھینک مارنے والے کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ دوسرے کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ کیونکہ نماز سے باہر شخص نے دوسرے نمازی کے لئے دعا نہیں کی یعنی اسے جواب نہیں دیا۔

''الذخیرہ'' میں جو قول ہے ''جب ایک نمازی نے ایسے آدمی کی دعا پر آمین کہی جو نماز میں نہیں تھا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی''۔

یہ قول یہ فائدہ دے رہا ہے کہ اس آمین کہنے والے کی نماز فاسد ہو جاتی ہے جو چھینک مارنے والا نہیں اور یہ کوئی بعیدی امر نہیں جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ ''بحر''۔

''النہر'' میں اس کا جواب دیا ہے ہم اس امر کو تسلیم نہیں کرتے کہ دوسرا نمازی اس کی دعا پر آمین کہنے والا ہے کیونکہ وہ دعا تو پہلے کے آمین کہنے کے ساتھ منقطع ہو چکی ہے تعلیل اسی امر کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ جب دعا چھینک مارنے والے کے لئے ہے تو اس کی تامین، داعی کے جواب کے طور پر متعین ہو گئی۔ پس دوسرے نمازی کی آمین جواب نہ بنی۔ جب آمین کہنے والا ایک ہو تو اس کی آمین جواب کے طور پر متعین ہوگی۔ جس طرح ''الذخیرہ'' کے مسئلہ میں ہے۔ علامہ مقدسی نے اس کا جواب دیا: ''الذخیرہ'' میں جو قول ہے اسے اس پر محمول کیا جائے گا کہ جب نماز سے باہر شخص، نمازی کے حق میں دعا کرے تا کہ اس کی آمین اس کا جواب بنے۔ مگر جب نماز سے باہر شخص کسی اور کے لئے دعا کرے تو اس کا جواب ظاہر نہ ہوگا پس نماز فاسد نہ ہوگی۔

شارح جو ذکر کریں گے وہ اس کے منافی ہے کہ اگر کسی آدمی نے کسی کے حق میں یا اس کے خلاف بددعا کی تو نمازی نے کہا: آمین۔ تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ ''البحر'' میں ''المبتغی'' سے مروی ہے: اگر ایک نمازی نے دوسرے نمازی سے وَلَا الضَّآلِّيْنَ (الفاتحہ: 7) (اور نہ گمراہوں کا) کے الفاظ سنے تو اس نے کہا: آمین تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نماز فاسد ہو جائے گی۔ متاخرین کا یہی مذہب ہے۔

یہ قول اس کی تائید کرتا ہے جو ''النہر'' میں جواب دیا ہے کیونکہ آمین کہنے والا ایک ہے تو اس کی آمین جواب کے طور پر متعین ہوگی اگرچہ اس کے حق میں دعا نہ ہو۔ اسی وجہ سے شارح نے اس قول پر اعتماد نہیں کیا جو ''البحر'' میں ہے۔ فافہم۔

(وَجَوَابُ خَبَرٍ سُوءٍ (بِالِاسْتِرْجَاعِ عَلَى الْمَذْهَبِ) لِأَنَّهُ بِقَصْدِ الْجَوَابِ صَارَ كَكَلَامِ النَّاسِ (وَكَذَا) يُفْسِدُهَا (كُلُّ مَا قُصِدَ بِهِ الْجَوَابُ) كَأَنْ قِيلَ أَمَعَ اللهِ إِلٰهٌ؟ فَقَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ.

اور بری خبر پر اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کہنا مذہب کے مطابق نماز کو فاسد کر دے گا۔ کیونکہ جواب کا قصد کرنے کے ساتھ وہ لوگوں کی کلام کی طرح ہو گیا ہے۔ اور اسی طرح نماز کو فاسد کرے گا ہر وہ قول جس کے ساتھ جواب کا قصد کیا جائے۔ جس طرح اگر یہ کہا جائے کیا اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ تو اس نے کہا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

5248۔ (قولہ: وَجَوَابُ خَبَرٍ سُوءٍ) سؤ کا لفظ سین کے ضمہ کے ساتھ خبر کی صفت ہے۔ یہ ساء یسوء سوءاً سے مشتق ہے۔ استرجاع سے مراد اس کا یہ قول ہے اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ پھر اس سے نماز کے فاسد ہونے کا قول، یہ طرفین کا قول ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ جس طرح ''الہدایہ'' اور ''الکافی'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ کیونکہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ جو ثنا یا قرآن ہے وہ نیت کے ساتھ متغیر نہیں ہوتا۔ اور طرفین کے نزدیک وہ متغیر ہو جاتا ہے۔ جس طرح ''نہایہ'' میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا یہ قول متفق علیہ ہے۔ ''غایۃ البیان'' میں اسے عامۃ المشائخ کی طرف منسوب کیا ہے۔ ''الخانیہ'' میں ہے: یہ ظاہر ہے۔ لیکن ''البحر'' میں ذکر کیا ہے کہ اگر اسے خوش کن خبر دی گئی تو اس نے کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ تو اس میں اختلاف ہے۔ پھر کہا: شاید فرق اس بنا پر ہے کہ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ مصیبت کے ظاہر کرنے کے لئے ہے اور نماز مصیبت کے اظہار کے لئے مشروع نہیں۔ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ یہ اظہار شکر کے لئے ہے اور نماز اس کے لئے مشروع کی گئی ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ ''الحلبہ'' سے ماخوذ ہے اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر اگر یہ فرق صحیح ہو تو مذکورہ قاعدہ ٹوٹ جائے گا۔ ''الہدایہ'' وغیرہا میں جو کچھ ہے وہ اولیٰ ہے کہ پہلی فرع بھی مذکورہ اختلاف پر مبنی ہے اسی وجہ سے ''شرح المنیۃ الکبیر'' میں اسی پر گامزن ہوئے ہیں۔ فلیتامل

5249۔ (قولہ: عَلَى الْمَذْهَبِ) ''الظہیریہ'' میں نماز کے فاسد نہ ہونے کی جو تصحیح کی ہے یہ اس کا رد ہے۔ کیونکہ وہ ایسی تصحیح ہے جو مشہور کے مخالف ہے۔ اور یہ رد ہے اس کا جو ''المجتبیٰ'' میں ہے کہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے قول کے مطابق اذکار میں سے کسی شے کے ساتھ بھی نماز میں فساد واقع نہیں ہوتا جن کے ساتھ جواب کا قصد کیا جاتا ہے''۔ کیونکہ یہ قول متون، شروح اور فتاویٰ کے مخالف ہے۔ ''الحلبہ'' اور ''البحر'' میں اسی طرح ہے۔ فافہم

5250۔ (قولہ: لِأَنَّهُ الخ) طرفین کے نزدیک نماز کے فاسد ہونے کی وجہ کی وضاحت ہے۔ کیونکہ دارومدار اس کا لفظ ہونا ہے جس سے ایسا معنی حاصل ہو جو نماز کے اعمال میں سے نہیں، نہ کہ اس لئے اس کے افادہ کے لئے اسے وضع کیا گیا۔ ''فتح''۔

5251۔ (قولہ: كُلُّ مَا قُصِدَ بِهِ الْجَوَابُ) یعنی طرفین کے نزدیک ثنا، لوگوں کی کلام بن جاتی ہے جب کلام کا قصد کیا جائے۔ جس طرح قراءت، خطاب کے ارادہ سے قرآن سے نکل جاتی ہے۔ اس چیز کے ساتھ جواب جو ثنا نہیں وہ

أَوْ مَا مَالُكَ فَقَالَ الْخَيْلُ وَالْبِغَالُ وَالْحَمِيرُ، أَوْ مِنْ أَيْنَ جِئْتَ؟ فَقَالَ وَبِئْرٍ مُعَطَّلَةٍ وَقَصْرٍ مَشِيدٍ (أَوْ الْخِطَابُ ك)

یا پوچھا گیا تیرا مال کون سا ہے؟ تو اس نے کہا: الخیل والبغال والحمیر یا پوچھا گیا تو کہاں سے آیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا و بئر معطلۃ و قصر مشید۔ یا خطاب کا قصد کیا ہو۔

بالاتفاق نماز کے لئے مفسد ہے۔ ''غرر الافکار'' میں اسی طرح ہے۔ ''الدرر'' میں اسی طرح ہے۔ کیونکہ کہا: تحمید وغیرہ کی قید لگائی کیونکہ ایسی چیز کے ساتھ جواب، جو ثنا نہیں، بالاتفاق نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔

میں کہتا ہوں: جو ثنا نہیں، سے مراد ہے جو قرآن میں سے نہ ہو۔ مگر جو قرآن میں سے ہے جب اس کے ساتھ جواب کا قصد کیا جاتا ہو تو اس میں بھی اختلاف ہوگا۔ اگر وہ ثنا نہ ہو جیسے اس کا قول الخیل والبغال والحمیر ہے۔ اس کی دلیل وہ ہے جسے ہم نے (پہلے مقولہ 5248 میں) ''النہایہ'' سے بیان کیا ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اصل یہ ہے کہ جو ثنا یا قرآن ہو وہ نیت سے متغیر نہیں ہوتا۔ اور طرفین کے نزدیک وہ متغیر ہو جاتا ہے۔ اگر یہ سوال کیا گیا تیرا مال کیا ہے؟ تو وہ کہے الابل والبقر والعبید مثلاً تو بالاتفاق نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ نہ قرآن ہے اور نہ ہی ثنا ہے۔ مگر جب اس نے خوش کن خبر پر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے ساتھ جواب دیا یا عجیب خبر پر سبحان اللہ یا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ جواب دیا تو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ ثنا ہے اگرچہ قرآن نہیں۔ جواب کے قصد کے ساتھ اس سے احتراز کیا ہے کہ اگر وہ اس آدمی کے لئے سبحان اللہ کہے جس نے اندر داخل ہونے کی اجازت چاہی تو نمازی نے یہ بتانے کے لئے وہ نماز میں ہے سبحان اللہ کہا یا اس نے اپنے امام کو تنبیہ کرنے کے لئے سبحان اللہ کہا اگرچہ نیت کے ساتھ طرفین کے نزدیک اس کی تغییر لازم آتی ہے مگر حدیث صحیح کے ساتھ یہ قیاس سے خارج ہے: اذا نابت احدکم نائبۃ و ھو فی الصلاۃ فلیسبح (1) جب تم میں سے کسی کو کوئی مصیبت واقع ہو جائے جبکہ وہ نماز میں ہو تو وہ سبحان اللہ کہے۔ ''البحر'' میں کہا: جس کو جواب کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے وہ وہ ہے جو ''المجتبیٰ'' میں ہے: اگر اس نے سبحان اللہ کہا یا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا۔ جب کہ وہ کسی فعل سے زجر کا ارادہ کرتا ہو یا کسی فعل کے امر کا ارادہ رکھتا ہو تو ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ اگر وہ سبحان اللہ نہ کہے بلکہ بلند آواز سے قراءت کرے تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ وہ قراءت کا قصد کرتا ہے کیونکہ اس نے زجر یا امر کا قصد صرف آواز کو بلند کرنے کے ساتھ کیا ہے۔ ''تامل''۔

5252۔ (قولہ: أَوْ الْخِطَابُ الخ) یہ بالاتفاق نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔ یہ ان چیزوں میں سے ہے جو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے اصول پر بطور نقض اعتراض وارد کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ قرآن ہے۔ اسے بطور خطاب وضع نہیں کیا گیا جس سے نمازی نے خطاب کیا ہے۔ خطاب کے ارادہ سے اس کلام کو قرآن ہونے سے خارج کیا اور اسے لوگوں کی کلام میں سے بنا دیا۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، تقدیم الجماعۃ من یصلی بھم، جلد 1، صفحہ 475، حدیث نمبر 689، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

قَوْلِهِ لِمَنْ اسْمُهُ يَحْيَى أَوْ مُوسَى (يَا يَحْيَى خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ) أَوْ وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَى (مُخَاطِبًا لِمَنْ اسْمُهُ ذَلِكَ) أَوْ لِمَنْ بِالْبَابِ (وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا)

(فُرُوعٌ) سَمِعَ اسْمَ اللهِ تَعَالَى فَقَالَ جَلَّ جَلَالُهُ أَوْ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى عَلَيْهِ، أَوْ قِرَاءَةَ الْإِمَامِ فَقَالَ صَدَقَ اللهُ وَرَسُولُهُ تَفْسُدُ إِنْ قَصَدَ جَوَابَهُ لَوْ سَمِعَ ذِكْرَ الشَّيْطَانِ فَلَعَنَهُ تَفْسُدُ، وَقِيلَ لَا،

جس طرح اس نے اس آدمی کے لئے یہ قول کیا جس کا نام یحییٰ یا موسیٰ تھا۔ اے یحییٰ! کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لو یا اے موسیٰ! تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ جبکہ اس نے اس سے خطاب کیا ہو جس کا یہ نام ہو یا جو دروازے پر ہو اسے خطاب ہو، جو اس میں داخل ہوا وہ امن میں ہے۔

فروع: اس نے اللہ تعالیٰ کا نام سنا تو کہا جل جلالہ یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنا تو آپ پر درود پڑھا یا امام کی قراءت کو سنا تو کہا، اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے۔ اگر اس نے اس سے جواب کا قصد کیا ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر اس نے شیطان کا ذکر سنا اور نمازی نے اس پر لعنت کی تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا نماز فاسد نہیں ہوگی۔

5253۔ (قولہ: كَقَوْلِهِ لِمَنْ اسْمُهُ يَحْيَى أَوْ مُوسَى) مصنف کا قول مخاطبا لمن اسمہ ذلک اس قول سے غنی کر دیتا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی اگرچہ مخاطب اس نام سے موسوم نہ ہو جب وہ اس آدمی کو خطاب کا ارادہ کرنے والا ہو۔ ''ط''۔

5254۔ (قولہ: أَوْ لِمَنْ بِالْبَابِ الخ) شاید اسے خطاب میں سے بنانے کی وجہ یہ ہے، جبکہ اس میں ندا اور خطاب کا لفظ نہیں، کیونکہ یہ ادخل کے معنی میں ہے۔

5255۔ (قولہ: تَفْسُدُ إِنْ قَصَدَ جَوَابَهُ) ''البحر'' میں یہ ذکر کیا: اگر نمازی نے اسی طرح کے کلمات ادا کئے جس طرح کے کلمات موذن نے ادا کئے تھے، اگر نمازی نے جواب کا ارادہ کیا تھا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ یہی حکم ہوگا اگر اس کی نیت نہ ہو کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ اس نے اس کے ساتھ جواب دینے کا ارادہ کیا ہے۔ یہی صورت حال ہوگی جب اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنا تو اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا تو یہ جواب ہوگا۔

اس سب گفتگو پر وہ تفصیل اشکال پیدا کرتی ہے (جو مقولہ 5245 میں) گزر چکی ہے کہ جس نے چھینک مارنے والے کو سنا تو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہا۔ ''تامل''۔

اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اگر اس نے جواب کا قصد نہ کیا بلکہ ثنا اور تعظیم کا قصد کیا تو نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نفس تعظیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف، نماز کے منافی نہیں۔ جس طرح ''شرح المنیہ'' میں ہے۔

5256۔ (قولہ: وَقِيلَ لَا) ''البحر'' میں اسے یقین سے ذکر کیا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ اس امر پر مبنی ہے جب وہ جواب کا قصد نہ کرے۔ ورنہ جو (مقولہ 5254 میں) گزرا ہے وہ اس میں اشکال پیدا کرے گا۔ ''تامل''۔

وَلَوْ حَوْقَلَ لِدَفْعِ الْوَسْوَسَةِ إِنْ لِأُمُورِ الدُّنْيَا تَفْسُدُ، لَا لِأُمُورِ الْآخِرَةِ، وَلَوْ سَقَطَ شَيْءٌ مِنَ السَّطْحِ، فَبَسْمَلَ أَوْ دُعِيَ لِأَحَدٍ أَوْ عَلَيْهِ فَقَالَ آمِينَ تَفْسُدُ وَلَا يَفْسُدُ الْكُلُّ عِنْدَ الثَّانِي وَالصَّحِيحُ قَوْلُهُمَا عَمَلًا بِقَصْدِ الْمُتَكَلِّمِ، حَتَّى لَوِ امْتَثَلَ أَمْرَ غَيْرِهِ فَقِيلَ لَهُ تَقَدَّمْ فَتَقَدَّمَ أَوْ دَخَلَ فُرْجَةَ الصَّفِّ أَحَدٌ فَوَسَّعَ لَهُ فَسَدَتْ، بَلْ يَمْكُثُ سَاعَةً ثُمَّ يَتَقَدَّمُ بِرَأْيِهِ قُهُسْتَانِيٌّ مَعْزِيًّا لِلزَّاهِدِيِّ وَمَرَّ

اگر اس نے وسوسہ کو دور کرنے کے لئے لا حول ولا قوۃ پڑھا، اگر تو امور دنیا کے وسوسہ کی وجہ سے یہ پڑھا تھا تو نماز فاسد ہو جائے گی، اگر امور آخرت کے بارے میں وسوسہ دور کرنے کے لئے پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اگر چھت میں سے کوئی چیز گری تو اس نے بِسْمِ اللهِ پڑھی یا کسی کے حق میں یا کسی کے خلاف دعا کی گئی تو اس نے آمین کہی تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ ''اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ سب امور نماز کو فاسد نہیں کریں گے۔ صحیح، طرفین کا قول ہے۔ کیونکہ متکلم کے قصد پر عمل کیا جائے گا یہاں تک کہ اگر اس نے غیر کے امر کی اطاعت کی تو اسے کہا گیا، آگے بڑھ، تو وہ آگے بڑھا یا صف کی کھلی جگہ میں داخل ہوا تو اس نے اس کے لئے جگہ کو کھلا کر دیا تو نماز فاسد ہوگی بلکہ وہ ایک لمحہ رکے پھر وہ اپنی رائے پر آگے بڑھے ''قہستانی'' جبکہ اسے ''زاہدی'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ قول گزر چکا ہے

5257۔ (قولہ: فَبَسْمَلَ) ''البحر'' میں جو قول گزرا ہے وہ اس میں اشکال پیدا کرتا ہے: ''اگر اسے کسی بچھو نے ڈس لیا یا اسے درد لاحق ہوا تو اس نے کہا: بِسْمِ اللهِ۔ تو ایک قول یہ کیا گیا کہ نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ یہ قول انین کی طرح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ یہ لوگوں کا کلام نہیں۔ ''النصاب'' میں ہے: اس پر فتویٰ ہے۔ ''الظہیریہ'' میں اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر اس نے کہا یا رب۔ جس طرح ''ذخیرہ'' میں ہے۔

5258۔ (قولہ: فَقَالَ آمِينَ) ہم نے اس بارے میں قریب ہی (مقولہ 5247 میں) گفتگو کی ہے۔

5259۔ (قولہ: وَلَا يَفْسُدُ الْكُلُّ) یہ سب امور نماز کو فاسد نہیں کریں گے مگر جب وہ خطاب کا ارادہ کرے۔ جس طرح پہلے (مقولہ 5251 میں) گزر چکا ہے۔

5260۔ (قولہ: حَتَّى لَوِ امْتَثَلَ الخ) یہ بالفعل اطاعت ہے۔ اسی کی مثل ہوگا اگر وہ بالقول اطاعت کرے۔ وہ وہ ہے جو ''البحر'' میں ''القنیہ'' سے مروی ہے کہ ایک بڑی مسجد ہے جس میں موذن بلند آواز سے تکبیرات کہتا ہے، اس میں ایک آدمی داخل ہوا جس نے موذن کو حکم دیا کہ وہ بلند آواز سے تکبیر کہے جبکہ امام اسی وقت رکوع میں گیا تو موذن نے بلند آواز سے تکبیر کہی، اگر اس نے امر کے جواب کا قصد کیا تو اس کی نماز فاسد ہوگی۔

5261۔ (قولہ: أَوْ دَخَلَ فُرْجَةَ الخ) اس میں قابل اعتماد قول یہ ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی۔ ''ط''۔

5262۔ (قولہ: وَمَرَّ) باب الامامۃ میں ویصف الرجال کے ہاں گزر چکا ہے اور ہم پہلے ہی (مقولہ 4810 میں) ''شرنبلالی'' سے قول نقل کر چکے ہیں کہ نماز فاسد نہ ہوگی اس کے بارے میں مکمل گفتگو وہاں (مقولہ 4809 میں) ہو چکی ہے۔

وَيَأْتِي فَتَنَبَّهُ وَقَيَّدَ بِقَصْدِ الْجَوَابِ لِأَنَّهُ لَوْ لَمْ يُرِدْ جَوَابَهُ، بَلْ أَرَادَ إِعْلَامَهُ بِأَنَّهُ فِي الصَّلَاةِ لَا تَفْسُدُ اتِّفَاقًا ابْنُ مَلَكٍ وَ مُلْتَقًى (وَفَتْحُهُ عَلَى غَيْرِ إِمَامِهِ) إِلَّا إِذَا أَرَادَ التِّلَاوَةَ وَكَذَا الْأَخْذُ إِلَّا إِذَا تَذَكَّرَ فَتَلَا قَبْلَ تَمَامِ الْفَتْحِ (بِخِلَافِ فَتْحِهِ عَلَى إِمَامِهِ) فَإِنَّهُ لَا يُفْسِدُ

اور آگے آئے گا۔ اس پر متنبہ رہ۔ جواب کے قصد کی قید لگائی کیونکہ اس نے جواب کا ارادہ نہیں کیا بلکہ اس نے اعلام کا ارادہ کیا کہ وہ نماز میں ہے تو بالاتفاق نماز فاسد نہ ہوگی۔ ''ابن ملک'' اور ''ملتقی''۔ اور ایک نمازی کا اپنے امام کے علاوہ کو لقمہ دینا نماز کو فاسد کر دے گا مگر جب وہ تلاوت کا ارادہ کرے۔ اسی طرح لقمہ لینا نماز کو فاسد کر دے گا مگر جب اسے یاد آئے اور وہ لقمہ مکمل ہونے سے قبل تلاوت کرے۔ اپنے امام کو لقمہ دینے کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ یہ لقمہ دینے والے اور لقمہ لینے والے کی نماز کو ہر حال میں

5263۔ (قوله: وَيَأْتِي) یعنی اس باب میں مصنف کے قول و رد السلام بیدہ کے ہاں آئے گا۔

5264۔ (قوله: وَفَتْحُهُ عَلَى غَيْرِ إِمَامِهِ) کیونکہ یہ ضرورت کے بغیر تعلیم و تعلم ہے۔ ''بحر''۔ یہ قول اسے بھی شامل ہے جب ایک مقتدی دوسرے مقتدی کو لقمہ دے، اکیلے نماز پڑھنے والے کو لقمہ دے، جو نماز نہیں پڑھ رہا اس کو لقمہ دے، اپنے امام کے علاوہ کسی اور امام کو لقمہ دے۔ اور یہ قول اسے بھی شامل ہے جب امام اور تنہا نماز پڑھنے والا کسی بھی شخص کو لقمہ دے شرط یہ ہے اگر اس نے تعلیم کا ارادہ کیا ہو تلاوت کا ارادہ نہ کیا ہو۔ ''نہر''۔

5265۔ (قوله: وَكَذَا الْأَخْذُ) یعنی نمازی جو غیر امام سے لقمہ لے، جو بھی اسے لقمہ دے، یہ بھی نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔ جس طرح ''البحر'' میں ''الخلاصہ'' سے مروی ہے۔ یا امام ایسے آدمی کا لقمہ لے جو اس کی نماز میں نہیں۔ جس طرح ''البحر'' میں ''القنیہ'' سے مروی ہے۔

5266۔ (قوله: إِلَّا إِذَا تَذَكَّرَ الخ) ''القنیہ'' میں کہا: امام کے لئے قراءت میں اضطراب واقع ہوا تو اسے اس آدمی نے لقمہ دیا جو اس کی نماز میں نہ تھا اور اسے خود یاد آ گیا، اگر لقمہ مکمل ہونے سے پہلے وہ تلاوت میں شروع ہو گیا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی ورنہ اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ اس کا یاد کرنا لقمہ کی طرف منسوب ہوگا۔ ''بحر''۔

''الحلبہ'' میں کہا: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ اگر یاد اور لقمہ اکٹھے حاصل ہوئے تو یاد آنا لقمہ سے حاصل نہیں ہوا تو نماز کو اس کے ساتھ فاسد کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ وہ قراءت میں تاخیر سے شروع ہوا جبکہ ابھی لقمہ مکمل نہ ہوا تھا۔ اگر یاد آنا لقمہ کے بعد ہو مگر مکمل ہونے سے پہلے حاصل ہو تو ظاہر یہ ہے کہ وہ لقمہ سے یاد آیا ہے۔ اور یاد آنے کی نسبت اس لقمہ کی طرف ضروری ہے۔ پس نماز فاسد ہو جائے گی اس پر توقف کئے بغیر کہ وہ لقمہ مکمل ہونے سے قبل قراءت میں شروع ہو۔ ملخص۔

میں کہتا ہوں: جو کہنا مناسب ہے وہ یہ ہے کہ اگر لقمہ کے سبب سے یاد آنا حاصل ہوا تو مطلقاً نماز فاسد ہو جائے گی۔ یعنی خواہ لقمہ مکمل ہونے سے قبل وہ قراءت میں شروع ہوا یا اس کے بعد شروع ہوا۔ کیونکہ تعلم پایا گیا ہے۔ اگر اسے خود ہی یاد

(مُطْلَقًا) لِفَاتِحٍ وَآخِذٍ بِكُلِّ حَالٍ إِلَّا إِذَا سَمِعَهُ الْمُؤْتَمُّ مِنْ غَيْرِ مُصَلٍّ فَفَتَحَ بِهِ تَبْطُلُ صَلَاةُ الْكُلِّ، وَيَنْوِي الْفَتْحَ لَا الْقِرَاءَةَ

مطلقاً فاسد نہیں کرتا۔ لقمہ دینے والے اور لقمہ لینے والے کے لئے ہر حال میں مگر جب مقتدی، غیر نمازی سے سنے اور امام کو اس کے ساتھ لقمہ دے تو تمام کی نماز باطل ہو جائے گی وہ لقمہ کی نیت کرے، قراءت کی نیت نہ کرے۔

آ گیا، لقمہ کے سبب سے یا د نہیں آیا تو مطلقاً نماز فاسد نہ ہوگی۔ جب یہ امر متحقق ہو چکا کہ اسے خود یاد آیا، یہ ظاہر ہونا کہ یہ لقمہ سے حاصل ہوا ہے، یہ مؤثر نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ دیانت کے امور میں سے ہے قضا کے امور میں سے نہیں یہاں تک کہ یہ ظاہر پر مبنی ہو۔ کیا تو نہیں دیکھتا اگر اس نے اپنے امام کے علاوہ کو لقمہ دیا جبکہ وہ قراءت کا قصد کرتا تھا، تعلیم کا قصد نہیں کرتا تھا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ جبکہ اس کا ظاہر حال تعلیم ہے۔ اسی طرح حکم ہوگا اگر اس نے اسی طرح کا قول کیا، جس طرح مؤذن نے قول کیا تھا اور جواب دینے کا قصد نہ کیا۔ فلیتامل۔

5267۔ (قولہ: مُطْلَقًا) اس کی تفسیر مابعد کلام سے کی ہے۔

5268۔ (قولہ: بِكُلِّ حَالٍ) خواہ امام اتنی قراءت کر چکا تھا جس کے ساتھ نماز جائز ہو جاتی ہے یا نماز جائز نہیں ہوتی، وہ دوسری آیت کی طرف منتقل ہو گیا تھا یا نہیں، لقمہ بار ہا واقع ہوا تھا یا نہیں۔ یہی اصح ہے۔ ''نہر''۔

5269۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا سَمِعَهُ الْمُؤْتَمُّ الخ) ''البحر'' میں ''القنیہ'' سے مروی ہے: اگر مقتدی نے ایسے آدمی سے سنا جو اس نماز میں نہیں تھا، اسے سن کر اپنے امام کو لقمہ دیا تو ضروری ہے کہ تمام کی نماز باطل ہو جائے۔ کیونکہ یہ تلقین نماز کے باہر سے ہے۔ ''النہر'' میں اسے ثابت رکھا ہے۔

اس کی وجہ وہ ہے کہ مقتدی نے جب خارج سے تلقین حاصل کی تو اس کی نماز باطل ہو گئی۔ جب اس نے اپنے امام کو لقمہ دیا اور امام نے اس کا لقمہ لے لیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ لیکن ''حلبی'' نے کہا: یہ قول اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ اگر اس نے نمازی سے سنا اگرچہ وہ اس کی نماز نہ پڑھ رہا تھا۔ اور اسی کے ساتھ اپنے امام کو لقمہ دیا تو نماز باطل نہ ہو۔ جبکہ ایسا قول باطل ہے جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ مگر جب ان کے قول من غیر مصل سے من غیر مصل صلاتہ مراد لیا جائے۔

5270۔ (قولہ: وَيَنْوِي الْفَتْحَ لَا الْقِرَاءَةَ) یہی قول صحیح ہے۔ کیونکہ مقتدی کو قراءت سے منع کر دیا گیا ہے اور اپنے امام کو لقمہ دینا کوئی ممنوع نہیں۔ ''بحر''۔

تتمہ: جس لحہ امام بھولے اسی لحہ لقمہ دینا مکروہ ہے۔ جس طرح یہ مکروہ ہے کہ امام، مقتدی کو لقمہ دینے پر مجبور کر دے۔ بلکہ وہ دوسری آیت کی طرف منتقل ہو جائے، اس کے دوسری آیت کے ملانے سے ایسی چیز لازم نہیں آتی جو نماز کو فاسد کرے یا وہ دوسری سورت کی طرف منتقل ہو جائے یا وہ رکوع کرے جب اس نے فرض قراءت کے برابر قراءت کر لی ہو۔ جس طرح ''زیلعی'' وغیرہ نے اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے: جب اس نے مستحب قراءت کے برابر قراءت کر لی ہو جس طرح ''کمال'' نے اسے راجح قرار دیا ہے کہ یہی دلیل سے ظاہر ہے۔ ''البحر'' اور ''النہر'' میں اسے ثابت رکھا

(وَلَوْ جَرَى عَلَى لِسَانِهِ نَعَمْ) أَوْ آرِي (إِنْ كَانَ يَعْتَادُهَا فِي كَلَامِهِ تَفْسُدُ) لِأَنَّهُ مِنْ كَلَامِهِ (وَإِلَّا لَا) لِأَنَّهُ قُرْآنٌ (وَأَكْلُهُ وَشُرْبُهُ مُطْلَقًا) وَلَوْ سِمْسِمَةً نَاسِيًا (إِلَّا إِذَا كَانَ بَيْنَ أَسْنَانِهِ مَأْكُولٌ) دُونَ الْحِمَّصَةِ كَمَا فِي الصَّوْمِ، هُوَ الصَّحِيحُ، قَالَهُ الْبَاقَانِيُّ (فَابْتَلَعَهُ)

اگر اس کی زبان پر نعم یا آری کا لفظ جاری ہو گیا۔ اگر وہ اپنی کلام میں اس کا عادی ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ اس کی کلام میں سے ہے۔ ورنہ نہیں کیونکہ وہ قرآن ہے۔ اس کا کھانا اور پینا مطلقاً نماز کو فاسد کر دیتا ہے اگر چہ وہ ایک تل ہو اور بھول کر ہو۔ مگر جب چنے سے کم کھائی جانے والی چیز دانتوں کے درمیان ہو جس طرح روزہ میں ہے، یہ ''باقانی'' نے کہا، اور اسے نگل لیا ہو۔

ہے۔ ''شرح المنیہ'' میں اس سے منازع کیا ہے اور قدر واجب کو راجح قرار دیا ہے کیونکہ یہ شدت سے متأکد ہے۔

5271۔ قولہ: أَوْ آرِي، یہ فارسی زبان کا کلمہ ہے جس طرح ''شرح المنیہ'' میں ہے۔ یہ لفظ ہمزہ کی مد اور را کے کسرہ کے ساتھ ہے جس کا معنی نعم ہے۔ جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

5272۔ (قولہ: لِأَنَّهُ مِنْ كَلَامِهِ) کیونکہ عادی ہونا اس کے کلام کی دلیل ہے۔

5273۔ (قولہ: لِأَنَّهُ قُرْآنٌ) یہ نعم میں ظاہر ہے۔ آری میں بھی اسی طرح ہے یہ اس روایت کے مطابق ہے کہ قرآن، معنی کا نام ہے۔ جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے جس میں قرآن، نظم اور معنی کا نام ہے تو اس کے مطابق ظاہر نہیں۔

تنبیہ

''الاشباہ'' کی پہیلیوں میں واقع ہے: وہ کون سا نمازی ہے جس نے نعم کہا اور اس کی نماز فاسد نہ ہوئی؟ تو کہہ: جو آدمی اپنی کلام میں اس کا عادی ہو گیا۔ ''الخزائن'' میں کہا: اس میں اشتباہ ہے یعنی ان پر حکم مشتبہ ہو گیا اگر سبقت قلم نہ ہو۔

5274۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی خواہ وہ چیز کثیر ہو یا قلیل ہو، جان بوجھ کر وہ یہ عمل کرے یا بھول کر کرے۔ اسی وجہ سے کہا: اگر چہ وہ ایک تل ہو اور بھول کر کھائے۔ اسی کی مثل حکم ہوگا اگر اس کے منہ میں ایک قطرہ پانی کا گرے تو وہ اس کو نگل جائے۔ جس طرح ''البحر'' میں ہے۔

5275۔ (قولہ: الْحِمَّصَةِ) یہ لفظ حا کے کسرہ اور میم مشددہ کے ساتھ ہے وہ مکسور ہو یا مفتوح ہو۔ ''ح''۔

5276۔ (قولہ: قَالَهُ الْبَاقَانِيُّ) ''شرح الملتقی'' میں ہے اور اس کی نص ہے: ''بقالی'' نے کہا: صحیح یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اس کے ساتھ نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے۔

''زیلعی''، ''خلاصہ'' اور ''بدائع'' کی تبع میں اسی پر گامزن ہوئے۔ ''النہر'' میں کہا: ''الخانیہ'' میں اسے بعض کا قول قرار دیا ہے۔ ان میں سے بعض علما نے کہا: جو منہ بھر کر نہ ہو وہ نماز کے لئے مفسد نہیں۔ اور نماز اور روزے میں فرق کیا ہے۔ ''زیلعی'' میں جو قول ہے وہ اولیٰ ہے۔

أَمَّا الْمَضْغُ فَمُفْسِدٌ كَسُكَّرٍ فِي فِيهِ يَبْتَلِعُ ذَوْبَهُ (وَ) يُفْسِدُهَا (انْتِقَالُهُ مِنْ صَلَاةٍ إِلَى مُغَايِرَتِهَا) وَلَوْ مِنْ وَجْهٍ

جہاں تک چبانے کا تعلق ہے تو وہ نماز کو فاسد کر دیتا ہے جیسے اس کے منہ میں شکر ہو تو اس کے پگھلے ہوئے مادہ کو نگل جائے۔ اور اس کی نماز کو فاسد کر دے گا اس کا ایک نماز سے دوسری نماز کی طرف منتقل ہونا، جو پہلی نماز کے مغائر ہو اگرچہ یہ انتقال من وجہ ہو۔

5277۔ (قولہ: أَمَّا الْمَضْغُ فَمُفْسِدٌ) چبانا اگر زیادہ ہو تو یہ نماز کے لئے مفسد ہوگا۔ اس کی تقدیر تین دفعہ لگا تار چبانا ہے۔ جس طرح اس کے غیر میں ہے۔ ''شرح المنیہ'' میں اسی طرح ہے۔ ''البحر'' میں ''المحیط'' وغیرہ سے مروی ہے: اگر اس نے مصطگی کو زیادہ دفعہ چبایا تو اس کی نماز فاسد ہوگی اور یہی صورتحال ہوگی اگر اس کے منہ میں اھلیلجۃ (چبائی جانے والی چیز) ہو اور اس نے اسے منہ میں پھرایا۔ اگر اس میں سے کوئی چیز اس کے حلق میں تھوڑی سی داخل ہوگئی اس کے منہ میں پھرائے بغیر تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ اگر یہ عمل کثرت سے واقع ہوا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

5278۔ قولہ: كَسُكَّرٍ الخ، اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا کہ نماز کو فاسد کرنے والا عمل یا تو زیادہ چبانا ہے یا ماکول کے عین کا پیٹ تک پہنچنا ہے۔ طعم (ذائقہ) کا معاملہ مختلف ہے۔ ''البحر'' میں ''الخلاصہ'' سے نقل کیا ہے: اگر اس نے کوئی میٹھی چیز کھائی اور اس کے عین کو نگل گیا، پس وہ نماز میں داخل ہوا تو اس نے اس کی مٹھاس کو اپنے منہ میں پایا اور اسے نگل لیا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ اگر اس نے فانیذ یا شکر اپنے منہ میں رکھی اور اسے نہ چبایا، لیکن وہ نماز پڑھ رہا ہے جبکہ مٹھاس اس کے پیٹ تک پہنچ رہی ہے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

5279۔ (قولہ: يُفْسِدُهَا انْتِقَالُهُ الخ) یعنی تکبیر کے ساتھ وہ اپنے دل سے مذکورہ انتقال کی نیت کرلے۔ ''النہر'' میں کہا: جیسے اس نے مثلاً ظہر کی ایک رکعت نماز پڑھ لی، پھر تکبیر کے ساتھ اس نے عصر یا نفل نماز کو شروع کر دیا، اگر وہ صاحب ترتیب تھا تو وہ شیخین کے نزدیک نفل نماز میں شروع ہونے والا ہوگا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے یا وہ صاحب ترتیب نہ تھا اس طرح کہ تنگی یا کثرت کی وجہ سے اس کی ترتیب ساقط ہوگئی تو اس کا عصر کی نماز میں شروع ہونا صحیح ہوگا۔ کیونکہ اس نے ایسی چیز کو حاصل کرنے کی نیت کی جو پہلے حاصل نہ تھی۔ پس وہ اول نماز سے خارج ہو گیا۔ تو پہلی سے نکلنے کا دارومدار مغایر میں شروع کا صحیح ہونا ہے اگرچہ من وجہ ہو۔ اسی وجہ سے اگر وہ منفرد ہو اور اس نے تکبیر کہی، وہ اقتدا کی نیت کرتا ہو یا اس کے برعکس کی یا وہ عورتوں کی امامت کی نیت کرتا ہو تو پہلی نماز فاسد ہوگی اور وہ دوسری نماز میں شروع ہونے والا ہوگا۔ اسی طرح حکم ہوگا اگر وہ نفل یا واجب کی نیت کرے یا وہ جنازہ میں شروع ہو تو دوسرا جنازہ لایا گیا تو اس نے دونوں کی نیت کرتے ہوئے تکبیر کہی یا دوسرے جنازہ کی نیت کرتے ہوئے تکبیر کہی تو وہ دوسرے نماز جنازہ میں شروع ہونے والا ہو جائے گا۔ ''فتح القدیر'' میں اسی طرح ہے۔

حَتَّى لَوْ كَانَ مُنْفَرِدًا، فَكَبَّرَ يَنْوِي الِاقْتِدَاءَ أَوْ عَكْسَهُ صَارَ مُسْتَأْنِفًا بِخِلَافِ نِيَّةِ الظُّهْرِ بَعْدَ رَكْعَةِ الظُّهْرِ، إلَّا إذَا تَلَفَّظَ بِالنِّيَّةِ فَيَصِيرُ مُسْتَأْنِفًا مُطْلَقًا (وَقِرَاءَتُهُ مِنْ مُصْحَفٍ) أَيْ مَا فِيهِ قُرْآنٌ (مُطْلَقًا) لِأَنَّهُ تَعَلُّمٌ

یہاں تک کہ اگر وہ اکیلا ہو تو اس نے تکبیر کہی جس کے ساتھ وہ اقتدا کی نیت کرے یا اس کے برعکس کرے تو وہ نئے سرے سے نماز پڑھنے والا ہوگا۔ ظہر کی ایک رکعت کے بعد وہ ظہر کی ہی نیت کرے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ مگر جب وہ نیت کا تلفظ کرے تو وہ مطلقاً نماز کو شروع کرنے والا ہو جائے گا۔ اور اس کا مصحف سے مطلقاً پڑھنا یعنی جس میں قرآن ہو یہ نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔ کیونکہ یہ تعلم ہے۔

5280۔ (قولہ: أَوْ عَكْسَهُ) یہ لفظ نصب کے ساتھ منفرداً پر معطوف ہے۔ ''ح''۔

5281۔ (قولہ: بِخِلَافِ نِيَّةِ الظُّهْرِ الخ) یعنی وہ تکبیر کے ساتھ ظہر کی نیت کرے جس طرح (مقولہ 5279 میں) گزر چکا ہے۔ ''البحر'' میں کہا: ''یعنی اگر اس نے ظہر کی ایک رکعت پڑھی تو اس نے تکبیر کہی تو وہ بعینہ ظہر کی نماز کے لئے نئے سرے سے نیت کرے تو اس نے جو نماز ادا کر لی تھی وہ فاسد نہ ہوگی۔ بلکہ وہ رکعت اس کی نماز میں شمار ہوگی یہاں تک کہ اگر اس نے اس کے بعد تین رکعات پڑھیں اور ان کے آخر میں نہ بیٹھا یہاں تک کہ چوتھی رکعت پڑھی تو نماز فاسد ہوگی اور دوسری نیت لغو ہوگئی۔

5282۔ (قولہ: مُطْلَقًا) خواہ وہ مغایرہ کی طرف منتقل ہوا یا متحدہ کی طرف منتقل ہوا۔ کیونکہ نیت کا تلفظ ایسی کلام ہے جو پہلی نماز کے لئے مفسد ہے پس دوسری دفعہ شروع ہونا صحیح ہو گیا۔

5283۔ (قولہ: أَيْ مَا فِيهِ قُرْآنٌ) اسے عام ذکر کیا ہے تاکہ یہ محراب کو بھی شامل ہو۔ کیونکہ جب اس نے وہ پڑھا جو مصحف میں ہے تو صحیح قول کے مطابق نماز فاسد ہوگئی۔ ''بحر''۔

5284۔ (قولہ: مُطْلَقًا) وہ قلیل ہو یا کثیر، وہ امام ہو یا منفرد، وہ امی ہو جس سے قراءت ممکن ہی نہیں یا اس طرح نہ ہو۔

5285۔ (قولہ: لِأَنَّهُ تَعَلُّمٌ) نماز کے فاسد ہونے میں علما نے امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کی دو علتیں ذکر کی ہیں۔ ان دونوں میں سے ایک یہ ہے کہ مصحف اٹھانا، اسے دیکھنا اور اوراق کو الٹنا یہ عمل کثیر ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ مصحف سے تلقن ہے تو یہ ایسے ہی ہو گیا جس طرح اس نے کسی اور شخص سے تلقن کیا۔ دوسری وجہ میں مصحف رکھا ہو یا اٹھایا ہوا ہو، میں کوئی فرق نہیں اور پہلی وجہ میں دونوں میں فرق کیا جائے گا۔ ''کافی'' میں دوسری وجہ کو صحیح قرار دیا ہے۔ یہ ''سرخسی'' کی تصحیح کی پیروی میں کیا ہے اس تعبیر کی بنا پر اگر وہ قراءت پر قادر نہ ہو۔ مگر مصحف سے قراءت کرنے پر ہی قراءت پر قادر ہو تو اس نے قراءت کے بغیر نماز پڑھی۔ ''فضلی'' نے ذکر کیا: اس کی نماز جائز ہو جائے گی۔ اور ''الظہیریہ'' میں عدم صحت کو صحیح قرار دیا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ پہلی وجہ جو ضعیف ہے اس پر متفرع ہے۔ ''بحر''۔

إِلَّا إِذَا كَانَ حَافِظًا لِمَا قَرَأَهُ وَقَرَأَ بِلَا حَمْلٍ، وَقِيلَ لَا تَفْسُدُ إِلَّا بِآيَةٍ، وَاسْتَظْهَرَهُ الْحَلَبِيُّ وَجَوَّزَهُ الشَّافِعِيُّ بِلَا كَرَاهَةٍ، وَهُمَا بِهَا لِلتَّشَبُّهِ بِأَهْلِ الْكِتَابِ، أَيْ إِنْ قَصَدَهُ، فَإِنَّ التَّشَبُّهَ بِهِمْ لَا يُكْرَهُ فِي كُلِّ شَيْءٍ، بَلْ فِي الْمَذْمُومِ وَفِيمَا يُقْصَدُ بِهِ التَّشَبُّهُ، كَمَا فِي الْبَحْرِ

مگر وہ اس کا حافظ ہو جس کی قراءت کر رہا ہے اور اسے اٹھانے کے بغیر قراءت کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوگی مگر جب ایک آیت اس سے پڑھے۔ ''حلبی'' نے اسے ظاہر روایت قرار دیا ہے۔ امام شافعی نے اسے کراہت کے بغیر جائز قرار دیا ہے اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اسے کراہت کے ساتھ جائز قرار دیا ہے۔ کیونکہ اہل کتاب کے ساتھ تشبہ ہے۔ یعنی اگر وہ تشبہ کا قصد کرے۔ کیونکہ ہر امر میں ان کے ساتھ تشبہ مکروہ نہیں بلکہ مذموم امور میں تشبہ، اور ایسے امور میں تشبہ جن میں ان کے ساتھ تشبہ کا قصد کیا جائے مکروہ ہے۔ جس طرح ''البحر'' میں ہے۔

5286۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا كَانَ الخ) کیونکہ یہ قراءت اس کے حافظ کی طرف منسوب ہوگی مصحف سے تلقن کی طرف منسوب نہیں ہوگی۔ اور حمل (اٹھانے) کے بغیر محض دیکھنا یہ نماز کے لئے مفسد نہیں۔ کیونکہ فساد کی دونوں وجہیں موجود نہیں۔ یہ مصنف کے اطلاق سے مستثنیٰ ہے۔ یہ ''رازی'' کا قول ہے۔ ''سرخسی'' اور ''ابونصر صفار'' نے اس کی پیروی کی ہے۔ ''الفتح''، ''النہایہ'' اور ''التبیین'' میں اسی کو جزم و یقین سے بیان کیا ہے۔ ''البحر'' میں کہا: یہی ذیشان ہے جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ اسی وجہ سے شارح نے اسے جزم و یقین سے بیان کیا ہے۔

5287۔ (قولہ: وَقِيلَ الخ) یہ مصنف کے اطلاق کے لئے دوسری قید لگائی ہے۔ ''شرح المنیہ'' میں ''حلبی'' کی عبارت ہے: ''الکتاب'' میں قلیل اور کثیر میں فرق نہیں کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ جب تک فاتحہ کی مقدار قراءت نہ کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ جب تک اس نے ایک آیت نہ پڑھی، یہی اظہر ہے۔ کیونکہ یہ اتنی مقدار ہے جس کے ساتھ نماز جائز ہو جاتی ہے۔

5288۔ (قولہ: وَهُمَا بِهَا) ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کراہت کے ساتھ جواز کا قول کیا ہے۔

اہل کتاب کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا

5289۔ (قولہ: فَإِنَّ التَّشَبُّهَ بِهِمْ لَا يُكْرَهُ فِي كُلِّ شَيْءٍ) کیونکہ ہم کھاتے پیتے ہیں جس طرح وہ کھاتے ہیں۔ ''بحر'' میں ''قاضی خان'' کی ''شرح الجامع الصغیر'' سے مروی ہے۔ ''ذخیرہ'' میں کتاب التحری سے تھوڑا پہلے جو قول ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے۔ ہشام نے کہا: میں نے امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے پاؤں میں ایسے جوتے دیکھے جو کیلوں سے سیئے گئے تھے۔ میں نے کہا: کیا آپ اس لوہے کے استعمال میں کوئی حرج نہیں دیکھتے؟ فرمایا: نہیں۔ میں نے کہا: سفیان اور ثور بن یزید دونوں اسے مکروہ جانتے ہیں کیونکہ اس میں راہبوں کے ساتھ مشابہت ہے۔ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے جوتے پہنا کرتے تھے جن پر بال ہوتے جبکہ یہ بھی راہبوں کا لباس ہے۔ پس آپ نے اشارہ کیا کہ ایسی چیز میں مشابہت کی صورت، جس میں

(وَ) يُفْسِدُهَا (كُلُّ عَمَلٍ كَثِيرٍ) لَيْسَ مِنْ أَعْمَالِهَا وَلَا لِإِصْلَاحِهَا، وَفِيهِ أَقْوَالٌ خَمْسَةٌ

اور ایسا ہر عمل نماز کو فاسد کر دیتا ہے جو نہ نماز کے اعمال میں سے ہو اور نہ ہی اس کی اصلاح کے لئے ہو۔ اس میں پانچ اقوال ہیں۔

بندوں کی بھلائی ہو وہ نقصان نہیں دیتی کیونکہ زمین میں طویل مسافت کا طے کرنا اسی کے ساتھ ممکن ہے۔

اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ تشبہ سے مراد اصل فعل ہے یعنی ارادہ کے بغیر مشابہت کی صورت پائی جائے۔

5290۔(قولہ: لَيْسَ مِنْ أَعْمَالِهَا) یہ اس سے احتراز ہے کہ اگر وہ ایک رکوع یا ایک سجدہ کا اضافہ کرے۔ کیونکہ یہ عمل کثیر ہے جو مفسد نہیں کیونکہ یہ نماز میں سے ہے۔ مگر اسے چھوڑ دیا جائے گا کیونکہ رکعت سے کم میں یہی طریقہ ہے۔ ''ط''۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ عمل کثیر کی تعریف جو مصنف نے ذکر کی ہے اس پر اس قید کی ضرورت نہیں۔ ''تامل''۔

5291۔(قولہ: وَلَا لِإِصْلَاحِهَا) اس قید کے ساتھ حدث لاحق ہونے کی صورت میں وضو اور چلنا خارج ہو گیا ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں نماز کو فاسد نہیں کرتیں۔ ''ط''۔

میں کہتا ہوں: یہ زائد ذکر کرنا چاہیے: اور نہ ہی وہ عمل جو کسی عذر کی وجہ سے کیا گیا ہو یہ سانپ یا بچھو کو عمل کثیر کے ساتھ قتل کرنے سے احتراز ہے۔ یہ دو قولوں میں سے ایک قول کے مطابق ہے جس طرح آگے (مقولہ 5494 میں) آئے گا۔ مگر جب یہ قول کیا جائے کہ یہ نماز کی اصلاح کے لئے ہے کیونکہ اس فعل کا ترک، بعض اوقات نماز کے فساد کی طرف لے جاتا ہے۔ ''تامل''۔

عمل کثیر میں ائمہ کے اقوال

5292۔(قولہ: وَفِيهِ أَقْوَالٌ خَمْسَةٌ الخ) ''البدائع'' میں اس کی تصحیح کی ہے اور ''زیلعی'' اور ''الولوالجی'' نے ان کی موافقت کی ہے۔ ''المحیط'' میں ہے: یہ احسن ہے۔ ''صدر شہید'' نے کہا: یہ صحیح ہے۔ ''الخانیہ'' اور ''الخلاصہ'' میں کہا: یہ عام علما کا اختیار ہے: ''المحیط'' وغیرہ میں کہا: ''ثلجی'' نے اسے ہمارے اصحاب سے روایت کیا ہے۔ ''حلبہ''۔

دوسرا قول: وہ عمل جو عادةً دونوں ہاتھوں سے کیا جائے وہ کثیر ہے اگرچہ وہ عمل ایک ہاتھ سے کیا جا رہا ہو۔ جس طرح عمامہ باندھنا، پائجامہ پہننا۔ اور جو کام ایک ہاتھ سے کیا جاتا ہو وہ قلیل ہے۔ اگرچہ وہ دونوں سے کیا جا رہا ہو۔ جس طرح پائجامہ اتارنا، ٹوپی پہننا اور اس کا اتارنا۔ مگر جب وہ تین دفعہ پے در پے کرے۔ ''البحر'' میں اسے ضعیف قرار دیا ہے کہ یہ اس عمل کے بارے میں وضاحت کرنے سے قاصر ہے جس کو ہاتھ سے نہیں کیا جاتا۔ جس طرح چبانا اور بوسہ لینا۔

تیسرا قول: پے در پے تین حرکات، کثیر عمل ہے بصورت دیگر وہ قلیل ہے۔

چوتھا قول: وہ فاعل کا مقصود ہو اس طرح کہ وہ اپنے لئے علیحدہ مجلس خاص کر دے۔ ''تتارخانیہ'' میں کہا ہے: یہ قائل ایک ایسی عورت سے استدلال کرتا ہے جس نے نماز پڑھی تو اس کے خاوند نے اسے مس کیا یا شہوت کے ساتھ بوسہ لیا یا بچے نے اس کے پستان کو چھوا اور دودھ نکل آیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

أَصَحُّهَا (مَا لَا يَشُكُّ) بِسَبَبِهِ (النَّاظِرُ) مِنْ بَعِيدٍ (فِي فَاعِلِهِ أَنَّهُ لَيْسَ فِيهَا) وَإِنْ شَكَّ أَنَّهُ فِيهَا أَمْ لَا فَقَلِيلٌ، لَكِنَّهُ يُشْكِلُ بِمَسْأَلَةِ الْمَسِّ وَالتَّقْبِيلِ، فَتَأَمَّلْ (فَلَا تَفْسُدُ بِرَفْعِ يَدَيْهِ فِي تَكْبِيرَاتِ الزَّوَائِدِ

اصح یہ ہے کہ ان میں سے وہ ایسا عمل ہے جس کے سبب سے دور سے دیکھنے والا ایسا عمل کرنے والے کے بارے میں شک میں نہیں ہوتا کہ وہ نماز میں نہیں۔ اور اگر دیکھنے والے کو یہ شک ہو کہ وہ نماز میں ہے یا نہیں تو وہ عمل قلیل ہوگا۔ لیکن چھونے اور بوسہ لینے کے مسئلہ سے اس میں اشکال پیدا ہوتا ہے۔ فتامل۔ مذہب کے مطابق زائد تکبیرات میں ہاتھ اٹھانے سے

پانچواں قول: نمازی کی رائے کی طرف سپرد ہوگا۔ اگر وہ اس عمل کو کثیر گمان کرے تو وہ عمل کثیر ہوگا ورنہ وہ عمل قلیل ہوگا۔ ''قہستانی'' نے کہا: یہ سب کو شامل ہے اور امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے زیادہ قریب ہے۔ کیونکہ وہ اس جیسے امور میں کسی چیز کی تعیین نہیں کرتے۔ بلکہ جو آدمی اس میں مبتلا ہوتا ہے اس کے سپرد کر دیتے ہیں۔

''شرح المنیہ'' میں کہا: لیکن یہ مضبوط نہیں۔ اور اس جیسے امور کو عوام کی رائے کے سپرد کر دینا مناسب نہیں۔ اکثر فروع یا تمام، پہلے دو اقوال پر متفرع ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ دونوں میں سے دوسرا قول، پہلے قول سے خارج نہیں۔ کیونکہ جو عمل عادۃً دونوں ہاتھوں سے کیا جاتا ہے تو دیکھنے والے کا ظن غالب یہ ہوتا ہے کہ وہ نماز میں نہیں۔ اسی طرح اس کا قول ہے جو پے در پے تین دفعہ عمل کرنے کے تکرار کا اعتبار کرتا ہے۔ کیونکہ ظن غالب اس کے ساتھ حاصل ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے جمہور مشائخ نے اسے اختیار کیا ہے۔

5293۔ (قولہ: مَا لَا يَشُكُّ الخ) یعنی ایسا عمل جس کو دیکھنے والا شک نہیں کرتا بلکہ اسے ظن غالب یہ ہوتا ہے کہ وہ آدمی حالت نماز میں نہیں۔ ''شرح المنیہ''۔ ما کا لفظ عمل کے معنی میں ہے۔ بسببہ میں ضمیر اس عمل کی طرف لوٹ رہی ہے اور الناظر، یشک کا فاعل ہے۔ مراد یہ ہے کہ جسے نماز کے شروع ہونے کا علم نہ ہو جس طرح ''الحلبہ'' اور ''البحر'' میں ہے۔ ''البدائع'' اور ''النہر'' کی اتباع میں شارح کے قول سے من بعید اسی کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ قریبی پر عادۃً حال مخفی نہیں ہوتا۔ فافہم

5294۔ (قولہ: وَإِنْ شَكَّ) یعنی امر اس پر مشتبہ ہو جائے اور وہ متردد ہو۔

5295۔ (قولہ: لَكِنَّهُ يُشْكِلُ بِمَسْأَلَةِ الْمَسِّ وَالتَّقْبِيلِ) یعنی اگر اس نے نماز پڑھنے والی کو شہوت سے چھوا یا شہوت کے بغیر اس کا بوسہ لیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی جبکہ عورت کی جانب سے کوئی فعل نہیں پایا گیا۔ جس طرح فروع میں (مقولہ 5316 میں) اس کے جواب کے ساتھ آئے گا اصل اشکال صاحب ''حلبہ'' کی جانب سے ہے ''البحر'' میں اس کی پیروی کی ہے۔ مراد بوسہ لینے والے اور چھونے والے کی نماز نہیں کیونکہ اس کا فساد لوگوں میں سے کسی پر بھی مخفی نہیں۔ فافہم۔

5296۔ (قولہ: فَلَا تَفْسُدُ الخ) یہ اصح قول پر تفریع ہے۔ وہ روایت اس سے مختلف ہے جسے ''مکحول'' نے امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے: اگر وہ رکوع کرتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت اپنے ہاتھوں کو اٹھائے تو نماز فاسد ہو

عَلَى الْمَذْهَبِ) وَمَا رُوِيَ مِنَ الْفَسَادِ فَشَاذٌّ (وَ) يُفْسِدُهَا (سُجُودُهُ عَلَى نَجِسٍ) وَإِنْ أَعَادَهُ عَلَى طَاهِرٍ فِي الْأَصَحِّ بِخِلَافِ يَدَيْهِ وَرُكْبَتَيْهِ عَلَى الظَّاهِرِ (وَ) يُفْسِدُهَا (أَدَاءُ رُكْنٍ) حَقِيقَةً اتِّفَاقًا (أَوْ تَمَكُّنُهُ) مِنْهُ

نماز فاسد نہ ہوگی۔ نماز کے فاسد ہونے کا جو قول مروی ہے وہ شاذ ہے۔ نمازی ناپاک چیز پر سجدہ کرے تو یہ سجدہ اس کی نماز کو فاسد کر دے گا، اگر چہ وہ طاہر چیز پر سجدہ کا اعادہ کرے۔ یہی اصح قول ہے۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب اس نے اپنے دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے ناپاک جگہ پر رکھے تو ظاہر مذہب کے مطابق نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور نماز کو فاسد کر دیتا ہے ایک رکن کو حقیقت میں ادا کرنا، بالاتفاق یا سنت طریقہ پر اس کے ادا کرنے کی قدرت ہونا،

جائے گی، کیونکہ جو چیز نماز کو فاسد کرتی ہے وہ عمل کثیر ہے اور اس نمازی کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جاتا کہ وہ نماز میں نہیں۔ یہ ہاتھوں کا اٹھانا اس طرح نہیں۔ ''کافی'' میں اسی طرح ہے۔ ہاں ایسا کرنا مکروہ ہوگا کیونکہ یہ ایسا زائد عمل ہے جو نماز کے تتمہ میں سے نہیں، ''شرح المنیہ''۔ انہیں زائد تکبیرات کا نام دینا یہ اصطلاح کے خلاف ہے۔ کیونکہ زائد تکبیرات اصطلاح میں عید کی تکبیرات کو کہتے ہیں۔

5297۔ (قولہ: وَيُفْسِدُهَا سُجُودُهُ عَلَى نَجِسٍ) یعنی جب سجدہ اس نے نجاست پر کیا ہو جبکہ اصلاً کوئی چیز حائل نہ ہو۔ اگر اس نے اپنی ہتھیلی یا آستین پر سجدہ کیا تو سجدہ فاسد ہوگا، نماز فاسد نہ ہوگی، یہاں تک کہ اگر اس نے اس سجدہ کا اعادہ پاک چیز پر کیا تو سجدہ جائز ہو جائے گا۔ جس طرح شارح نے اسے فصل اذا اراد الشروع میں پہلے بیان کر دیا ہے۔ لیکن ہم نے وہاں پہلے (مقولہ 4282 میں) بیان کیا ہے کہ ایسی رکاوٹ جو متصل ہو وہ حائل تسلیم نہیں کی جاتی۔ کیونکہ وہ نمازی کے تابع ہوتی ہے ورنہ یہ لازم آتا کہ اس کے ساتھ سجدہ کرنا صحیح نہ ہوتا اگر چہ وہ پاکیزہ چیز پر سجدہ کرے۔ اور اس نماز کا صحیح ہونا لازم ہوگا جبکہ وہ اس نجاست پر کھڑا تھا جو اس کے موزے کے نیچے تھی۔ وہاں اس پر مکمل کلام گزر چکی ہے اس کی طرف رجوع کر لیجئے۔

5298۔ (قولہ: فِي الْأَصَحِّ) یہ ظاہر روایت ہے جس طرح ''حلبہ''، ''بدائع'' اور ''امداد'' میں ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اگر اس نے پاکیزہ چیز پر سجدہ کا اعادہ کیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ یہ قول اس بنا پر ہے کہ ناپاک چیز پر سجدہ کرنے سے سجدہ فاسد ہوتا ہے ان کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوتی۔ جبکہ طرفین کے نزدیک نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس کا جز فاسد ہو چکا ہے اور نماز تقسیم کو قبول نہیں کرتی جس طرح ''شرح المنیہ'' میں ہے۔ ''السراج'' میں ایک دوسری روایت ذکر کی ہے وہ یہ ہے کہ اگر وہ پاکیزہ چیز پر دوبارہ سجدہ کرتا ہے تو ہمارے تینوں اصحاب کے نزدیک نماز جائز ہو جائے گی۔ امام زفر نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ہم نے ''فصل الشروع'' میں پہلے (مقولہ 4287 میں) بیان کر دیا ہے کہ یہ ''نوادر'' کی روایت ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ فروع اور اصول کی عام کتب پہلی روایت پر ہیں۔

5299۔ (قولہ: عَلَى الظَّاهِرِ) یعنی ظاہر روایت کے مطابق نماز فاسد نہ ہوگی۔ کیونکہ ہاتھوں اور گھٹنوں کو سجدہ میں رکھنا شرط نہیں۔ پس ان دونوں کو سجدہ کی حالت میں رکھنا اصلاً مفسد نماز نہیں۔ پس نجاست پر ان دونوں کے رکھنے کا یہی حکم

بِسُنَّتِهِ، وَهُوَ قَدْرُ ثَلَاثِ تَسْبِيحَاتٍ (مَعَ كَشْفِ عَوْرَةٍ أَوْ نَجَاسَةٍ) مَانِعَةٍ أَوْ وُقُوعٍ لِزَحْمَةٍ فِي صَفِّ نِسَاءٍ أَوْ أَمَامَ إِمَامٍ (عِنْدَ الثَّانِي) وَهُوَ الْمُخْتَارُ فِي الْكُلِّ لِأَنَّهُ أَحْوَطُ قَالَهُ الْحَلَبِيُّ (وَصَلَاتُهُ عَلَى مُصَلًّى مُضَرَّبٍ نَجِسِ الْبِطَانَةِ)

جبکہ یہ تین تسبیحات کی مقدار ہے، جبکہ جسم کا وہ حصہ ننگا ہو جائے جس کا ڈھانپنا ضروری تھا یا ایسی نجاست سے لگ جانے کے ساتھ جو نماز کے مانع ہو یا وہ بھیڑ کی وجہ سے عورتوں کی صف میں یا امام سے آگے چلا جائے۔ یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ تمام مسائل میں یہی مختار ہے کیونکہ اس میں زیادہ احتیاط ہے۔ یہ ''حلبی'' کا قول ہے۔ اور اس کا نماز پڑھنا ایسی جائے نماز پر جو سلی ہوئی ہو جس کا استر ناپاک ہو (نماز کو فاسد کر دیتا ہے)۔

ہے۔ لیکن ہم باب شروط الصلاۃ کے شروع میں (مقولہ 3556 میں) نماز کے فاسد ہونے کو کئی کتب سے بیان کر چکے ہیں۔ ''النہر'' میں ہے: یہی مناسب ہے کیونکہ عام متون مطلق ہیں۔ ''شرح المنیہ'' میں اس کی یہ علت بیان کی ہے کہ عضو کے ساتھ نجاست لگ جائے تو یہ نجاست اٹھانے کے قائم مقام ہو جاتی ہے اگرچہ اس عضو کا رکھنا فرض نہ ہو۔ اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ یہاں جو ''الدرر'' کی پیروی میں قول کیا ہے وہ ضعیف ہے جس پر ''نوح آفندی'' نے متنبہ کیا۔

5300۔ (قولہ: عِنْدَ الثَّانِي) یعنی امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ، امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں۔ ''حلبہ''۔

5301۔ (قولہ: فِي الْكُلِّ) یعنی ستر کے کھل جانے اور اس کے مابعد، جو مسائل مذکور ہیں ان سب میں یہی مذہب مختار ہے۔ ''شرح المنیۃ'' میں شرط ثالث (تیسری) پر کلام کے آخر میں اسے اس امر کے ساتھ مقید کیا ہے کہ جب وہ اس کے عمل کے بغیر ہو۔ کہا: جب ان میں سے کوئی امر، اس کے اپنے عمل سے واقع ہو تو علما کے نزدیک اس کی نماز فی الحال فاسد ہو جائے گی جس طرح ''القنیۃ'' میں ہے۔ شارح باب شروط الصلاۃ میں اسی پر گامزن ہوئے ہیں۔

''الخانیۃ'' وغیرھا میں ایسا قول ہے جو اس کے عدم پر دلالت کرتا ہے ''الحلبہ'' میں کہا: زیادہ مناسب پہلا قول ہے۔ وہاں اس پر تمام کلام گزر چکی ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

سلے ہوئے کپڑے پر نماز کا حکم

5302۔ (قولہ: وَصَلَاتُهُ عَلَى مُصَلًّى مُضَرَّبٍ) مضرب کا معنی سلا ہوا ہے۔ نماز فاسد ہو گی جب نماز کے مانع نجاست اس کے کھڑا ہونے یا اس کی پیشانی کی جگہ ہو یا اس کے ہاتھوں یا اس کے گھٹنوں کی جگہ ہو۔ جیسا (مقولہ 5299 میں) گزر چکا ہے۔ پھر یہ قول امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ یہ جائز ہے۔ بعض مشائخ نے یوں تطبیق دی ہے کہ پہلے قول کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ وہ کپڑا ایسا ہو جو اطراف اور درمیان سے سلا ہوا ہو۔ اور دوسرا قول اس پر محمول ہے کہ وہ صرف اطراف سے سلا ہوا ہو۔ اور مخیط سے مراد وہ ہوتا ہے جس کی اطراف سلی ہوئی ہوں اس کا

بِخِلَافِ غَيْرِ مُضَرَّبٍ وَمَبْسُوطٍ عَلَى نَجِسٍ إِنْ لَمْ يَظْهَرْ لَوْنٌ أَوْ رِيحٌ

وہ جائے نماز جو مضرب نہ ہو اور نجاست پر بچھی ہو اس کا معاملہ مختلف ہوگا اگر رنگ یا بو ظاہر نہ ہو۔

وسط سلا ہوا نہ ہو۔ کیونکہ وہ دو کپڑوں کی طرح ہے جس کے نیچے والا نجس اور اوپر والا طاہر ہو۔ اس وقت اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ ''المجمع'' میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔ ان میں سے کچھ وہ علما ہیں جنہوں نے اختلاف کو ثابت کیا ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جیسی بھی صورت ہو وہ جائز ہے اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں۔ ''التجنیس'' میں ہے: اصح یہ ہے کہ مضرب جائے نماز میں اختلاف ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ غیر مضرب میں اصح یہ ہے کہ بالاتفاق یہ جائز ہے۔ یہ تیسرا قول ہے۔ ''البدائع'' میں دوسرے قول کو بیان کرنے کے بعد کہا: اس تعبیر کی بنا پر اگر اس نے چکی کے پتھر، دروازے، موٹی قالین یا ملعب پر نماز پڑھی جس کا اوپر والا حصہ پاک اور اس کا باطن ناپاک تھا امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک محل کے متحد ہونے کو دیکھنے کی وجہ سے نماز جائز نہ ہوگی۔ پس اس کا ظاہر اور اس کا باطن برابر ہو گئے جس طرح موٹا کپڑا ہوتا ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز جائز ہوگی۔ کیونکہ اس نے پاک جگہ نماز پڑھی ہے جس طرح ایک پاک کپڑا ہو جس کے نیچے ناپاک کپڑا ہو۔ موٹے کپڑے کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ رطوبت دوسری سمت کی طرف نکل جاتی ہے۔

اس کا ظاہر یہ ہے کہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دی جائے۔ اور یہ زیادہ مناسب ہے۔ ''الخانیہ'' میں کپڑے کے مسئلہ میں امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو راجح قرار دیا ہے کہ یہ احتیاط کے زیادہ قریب ہے۔ اس کی مکمل بحث ''حلبہ'' میں ہے۔ ''المنیہ'' اور اس کی شرح میں ذکر کیا ہے: جب نجاست کچی یا پکی اینٹ کی نچلی جانب ہو اور وہ اس کے ظاہر پر نماز پڑھے تو یہ عمل جائز ہوگا۔ یہی حکم ہوگا اگر لکڑی موٹی ہو اس طرح کہ یہ ممکن ہو کہ اسے دو حصوں میں چیرا جائے، ایک حصہ وہ ہو جس میں نجاست ہے اور ایک حصہ وہ ہے جو دوسرا ہے ورنہ نماز جائز نہ ہوگی۔

''الحلبہ'' میں ذکر کیا ہے کہ کچی اینٹ اور پکی اینٹ کا مسئلہ گزشتہ اختلاف پر مبنی ہے۔ ''الخانیہ'' میں اس کے جواز کا قول کیا ہے۔ یہ اس کے اختیار کی طرف اشارہ ہے یہ بہت اچھی توجیہ ہے۔ اسی طرح لکڑی کا مسئلہ اسی اختلاف پر مبنی ہے اور زیادہ مناسب یہ ہے کہ اس پر نماز پڑھنا مطلقاً جائز ہے پھر کئی وجوہ سے اس کی تائید کی۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

5303۔ (قولہ: وَمَبْسُوطٍ عَلَى نَجِسٍ) ''المنیہ'' میں کہا: جب زمین پر نجاست لگ جائے وہ اس کے اوپر گارا یا گچ پھیلا دے اور اس پر نماز پڑھے تو نماز جائز ہوگی۔ یہ کپڑے کی طرح نہیں۔ اگر اس نے اس پر مٹی بچھائی، اس پر گارا نہ پھیلایا اگر وہ مٹی قلیل ہو اس طرح کہ اگر وہ اسے سونگھے تو نجاست کی بو پائے تو نماز جائز نہ ہوگی ورنہ نماز جائز ہوگی۔

اس کی شرح یعنی ''شرح المنیۃ الکبیر'' میں ہے: اسی طرح کپڑا ہے جب اسے خشک نجاست پر پھیلایا گیا اگر وہ کپڑا رقیق ہو اس طرح کہ اس کے نیچے والا نظر آتا ہو یا اس سے نجاست کی بو پائی جاتی ہو اس تقدیر کی بنا پر کہ اس کی بو ہو تو اس پر نماز پڑھنا جائز نہ ہوگی۔ اگر وہ کپڑا موٹا ہو اس طرح کہ وہ اس طرح نہ ہو (یعنی بو نہ ہو، نظر نہ آتا ہو) تو نماز جائز ہوگی۔

پھر یہ امر مخفی نہیں کہ مراد یہ ہے کہ جب نجاست اس کے قدموں کے نیچے ہو یا اس کے سجدہ کی جگہ ہو کیونکہ اس صورت

(وَتَحْوِيلُ صَدْرِهِ عَنِ الْقِبْلَةِ) اتِّفَاقًا (بِغَيْرِ عُذْرٍ) فَلَوْ ظَنَّ حَدَثَهُ فَاسْتَدْبَرَ الْقِبْلَةَ، ثُمَّ عَلِمَ عَدَمَهُ إِنْ قَبْلَ خُرُوجِهِ مِنَ الْمَسْجِدِ لَا تَفْسُدُ وَبَعْدَهُ فَسَدَتْ

اور اس کا اپنے سینے کو قبلہ سے پھیر دینا عذر کے بغیر تو بالاتفاق نماز کو فاسد کر دے گا۔ اگر اسے حدث کا گمان ہوا تو اس نے قبلہ کی طرف پشت کی، پھر اسے حدث نہ ہونے کا علم ہوا اگر یہ مسجد سے نکلنے سے پہلے تھا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اس کے بعد ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

میں وہ یا تو نجاست پر کھڑا ہوگا یا نجاست پر سجدہ کرنے والا ہوگا کیونکہ کپڑا اس امر کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ وہ درمیان میں حائل ہو سکے۔ مانع، بو کی ذات نہیں یہاں تک کہ وہ معارض آئے۔ جب اس کے قریب ہی نجاست پڑی ہو جس کی بو کو وہ سونگھ رہا ہو تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ فافہم۔

5304۔ (قولہ: وَتَحْوِيلُ صَدْرِهِ) جہاں تک اس کے تمام یا بعض چہرے کے پھیرنے کا تعلق ہے تو یہ مکروہ ہے مفسد نہیں۔ یہی قابل اعتماد قول ہے۔ جس طرح مکروہات میں (مقولہ 5330 میں) آئے گا۔

5305۔ (قولہ: بِغَيْرِ عُذْرٍ) ''البحر'' میں باب شروط الصلاۃ میں کہا: حاصل کلام یہ ہے کہ مذہب یہ ہے کہ جب اس نے اپنے سینے کو پھیر دیا تو نماز فاسد ہو جائے گی جب عذر نہ ہو، اگرچہ وہ مسجد میں ہو۔ جس طرح عام کتب اسی کے مطابق ہیں۔ اسے مطلق ذکر کیا ہے پس یہ شامل ہوگا اگر وہ پھرنا قلیل ہو یا کثیر ہو۔ اور یہ اس صورت میں ہے جب وہ اپنے اختیار سے ایسا کرے ورنہ اگر وہ ایک رکن کی مقدار ٹھہرا رہا تو نماز فاسد ہو جائے گی ورنہ نماز فاسد نہ ہوگی۔ جس طرح ''شرح المنیہ'' کی فصل المکروہات میں ہے۔

5306۔ (قولہ: فَلَوْ ظَنَّ حَدَثَهُ الخ) یہ بغیر عذر کے قول سے احتراز ہے۔

5307۔ (قولہ: لَا تَفْسُدُ) یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے ''شرح المنیہ'' اور شارح کا قول و بعدہ فسدت یعنی بالاتفاق نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ مکان کا اختلاف، نماز کو باطل کرنے والا ہے مگر جب عذر ہو۔ مسجد اپنے اکناف کے الگ ہونے اور اطراف کے دور ہونے کے باوجود ایک مکان کی طرح ہے۔ جب تک وہ مسجد میں ہوگا۔ نماز فاسد نہ ہوگی مگر جب وہ امام ہو اور اس نے اپنی جگہ کسی دوسرے کو نائب بنا دیا ہو پھر اسے علم ہوا کہ اسے حدث لاحق نہیں ہوا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اگرچہ وہ مسجد سے نہ نکلا ہو۔ کیونکہ بے موقع نائب بنانا یہ نماز کے منافی ہے۔ جس طرح عذر کے ہوتے ہوئے مسجد سے نکلنا یہ جائز ہے جبکہ عذر نہیں پایا گیا۔ اسی طرح اگر اس نے گمان کیا کہ اس نے وضو کے بغیر نماز شروع کر دی تھی تو اس نے نماز کو چھوڑ دیا، پھر علم ہوا کہ وہ تو وضو سے تھا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اگرچہ وہ مسجد سے نہ نکلا ہو۔ کیونکہ اس کا یہ پھرنا نماز کے چھوڑنے کے طریقہ پر تھا۔ صحرا میں صفوں کی جگہ اس کے لئے مسجد کے حکم میں ہوگی۔ اس کی مکمل بحث ''شرح المنیہ'' میں شرط الرابع کے آخر میں ہے اور سابقہ باب میں (مقولہ 5069 میں) یہ بحث گزر چکی ہے۔

(فُرُوعٌ) مَشَى مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ هَلْ تَفْسُدُ؟ إنْ قَدْرَ صَفٍّ، ثُمَّ وَقَفَ قَدْرَ رُكْنٍ، ثُمَّ مَشَى وَوَقَفَ كَذَلِكَ وَهَكَذَا لَا تَفْسُدُ، وَإِنْ كَثُرَ مَا لَمْ يَخْتَلِفْ الْمَكَانُ، وَقِيلَ لَا تَفْسُدُ حَالَةَ الْعُذْرِ مَا لَمْ يَسْتَدْبِرْ الْقِبْلَةَ اسْتِحْسَانًا ذَكَرَهُ الْقُهُسْتَانِيُّ، وَهَلْ يُشْتَرَطُ فِي الْمُفْسِدِ الِاخْتِيَارُ؟ فِي الْخَبَّازِيَّةِ نَعَمْ

فروع: وہ قبلہ کی طرف چلا، کیا نماز فاسد ہو جائے گی؟ اگر یہ چلنا ایک صف کی مقدار ہو، پھر وہ ایک رکن کی مقدار رک گیا، پھر وہ چلا اور اسی طرح ٹھہرا اسی طرح اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ اگرچہ یہ عمل کثیر ہو جائے جب تک مکان مختلف نہ ہو۔ اور ایک قول یہ کیا گیا ہے: حالت عذر میں نماز فاسد نہ ہوگی جب تک وہ قبلہ کی طرف پشت نہ کرے۔ یہ بطور استحسان ہے۔ ''قہستانی'' نے اس کا ذکر کیا ہے کیا مفسد میں اختیار شرط ہے؟ ''خبازیہ'' میں ہے ہاں۔

تنبیہ

''المنیہ'' میں باب المفسدات میں ذکر کیا: اگر اس نے حدث کے گمان سے قبلہ سے رخ پھیرا، پھر اس کی مخالف صورت اس پر ظاہر ہوئی تو نماز فاسد ہو جائے گی اگرچہ وہ مسجد سے نہ نکلا ہو۔ ''المنیہ'' کی شرح میں اس کی یہ علت بیان کی کہ اس کا قبلہ کی طرف پشت کرنا نماز کی اصلاح کی ضرورت کے بغیر واقع ہوا ہے پس یہ نماز کو فاسد کر دے گا۔

یہ قول اس کے مخالف ہے جو قول، عام کتب سے (مقولہ 5305 میں) گزرا ہے مگر جب اسے ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر محمول کیا جائے یا اس امام پر جس کو نائب بنایا گیا۔ ''تامل''

نماز میں چلنے کا بیان

5308۔ (قولہ: وَإِنْ كَثُرَ) یعنی اگر وہ اس حالت میں کثیر صفوں کی مقدار چلتا رہا۔ وھکذا کے قول کے ساتھ اس کا استدراک کیا گیا ہے۔

5309۔ (قولہ: مَا لَمْ يَخْتَلِفْ الْمَكَانُ) اس طرح کہ وہ مسجد سے نکلا یا صفوف سے تجاوز کیا۔ اگر نماز صحرا میں ہو رہی ہو تو اس وقت نماز فاسد ہو جائے گی جس طرح اگر وہ دو صفیں ایک ہی دفعہ چلا۔ ''شرح المنیہ'' میں ہے: یہ اس پر مبنی ہے کہ قلیل فعل نماز کو فاسد نہیں کرتا جب تک وہ فعل پے در پے بار بار واقع نہ ہو۔ اور یہ اس امر پر مبنی ہے کہ مکان کا اختلاف، نماز کو باطل کر دیتا ہے جب وہ نماز کی اصلاح کے لئے نہ ہو۔ یہ اس وقت ہے جب اس کے سامنے صفیں ہوں۔ مگر جب وہ امام ہو تو وہ اپنے سجدہ کی جگہ سے آگے بڑھ جائے اگر وہ جگہ اتنی مقدار میں ہو جو اس کے اور اس صف کے درمیان ہوتی ہے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اگر وہ زیادہ ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اگر وہ اکیلا ہو تو اعتبار سجدہ کی جگہ کا ہوگا۔ اگر اس نے سجدہ کی جگہ سے تجاوز کیا تو نماز فاسد ہو جائے گی ورنہ نماز فاسد نہ ہوگی۔ بیت (کمرہ) عورت کے لئے اسی طرح ہے جس طرح مسجد ہوتی ہے۔ یہ ''ابوعلی نسفی'' کے نزدیک ہے اور دوسرے علما کے نزدیک صحرا کی طرح ہے۔

5310۔ (قولہ: وَقِيلَ لَا تَفْسُدُ حَالَةَ الْعُذْرِ) یعنی اگرچہ چلنا کثیر ہو جائے اور مکان مختلف ہو جائے۔ کیونکہ

....

''الحلبہ'' میں ''الذخیرہ'' سے مروی ہے: روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے دو رکعتیں پڑھیں جبکہ اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے تھے پھر وہ ان کے ہاتھ سے کھسک گئی تو گھوڑا قبلہ کی جانب چلا تو آپ نے اس کا پیچھا کیا یہاں تک کہ اس کی لگام پکڑ لی پھر پچھلے پاؤں اپنی جگہ پر آ گئے یہاں تک کہ باقی ماندہ دو رکعتیں پڑھیں (1)۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''السیر الکبیر'' میں کہا: ہم اسے ہی اپناتے ہیں۔ پھر اس حدیث میں قبلہ کی جانب تھوڑا یا زیادہ چلنے میں کوئی فرق نہیں۔ مشائخ میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے ظاہر کو لیا اور بطور استحسان، فساد کا حکم نہیں لگا یا وہ چلنا قلیل ہو یا کثیر ہو۔ قیاس یہ ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی جب چلنا کثیر ہو۔ حدیث نے حالت عذر کو خاص کیا ہے پس عذر کی حالت کے علاوہ میں قیاس پر عمل کیا جائے گا۔ ''امام سغدی'' نے اپنے استاذ سے جواز کے قول کو بیان کیا ہے اس صورت میں جب وہ قبلہ کی طرف چلے اور وہ غازی ہو۔ یہی حکم حاجی کا ہے اور ہر اس مسافر کا ہے جس کا سفر عبادت ہو۔ بعض مشائخ نے حدیث کی تاویل کی ہے۔ پھر اس کی تاویل میں اختلاف کیا ہے۔ تو ایک قول یہ کیا گیا: اس کی تاویل یہ ہے جب اس نے صفوں یا سجدہ کی جگہ سے تجاوز نہ کیا ہو ورنہ نماز فاسد ہو جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب اس کا چلنا متلاحق (لگا تار) نہ ہو بلکہ ایک قدم پھر ایک قدم ہو۔ اگر اس کا چلنا متلاحق ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی اگر چہ وہ قبلہ کی طرف پشت نہ کرے کیونکہ یہ عمل کثیر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی تاویل ہے جب وہ اتنا چلا جس قدر دو صفوں میں مقدار ہوتی ہے جس طرح علما نے اس آدمی کے بارے میں کہا: جس نے پہلی صف میں کھلی جگہ دیکھی وہ آدمی اس کی طرف چلا اور اس خلا کو پر کر دیا۔ اگر خلا پر کرنے والا دوسری صف میں تھا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ اگر تیسری صف میں تھا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ ملخص۔

''الظہیریہ'' میں یہ نص قائم کی کہ مختار مذہب یہ ہے کہ جب اس کا چلنا زیادہ ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

یہ ذہن نشین کر لو۔ ''الحلبہ'' میں فصل المکروہات میں ذکر کیا ہے: مذہب کے قواعد جو ادلہ شرعیہ کی طرف منسوب ہیں وہ جس امر کا تقاضا کرتے ہیں اور بعض صور جزئیہ میں جو تصریح واقع ہے وہ یہ ہے کہ چلنا، اس امر سے خالی نہیں ہوگا یا تو وہ بلا عذر ہوگا یا عذر کے ساتھ ہوگا۔ پہلی صورت میں اگر وہ کثیر اور پے در پے ہو تو نماز فاسد ہو گی اگر چہ وہ قبلہ کی طرف پشت نہ کرے۔ اگر وہ کثیر ہو پے در پے نہ ہو بلکہ اس کا چلنا مختلف رکعات میں ہو یا تھوڑا ہو، اگر اس نے قبلہ کی طرف پشت کی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ ضرورت کے بغیر نماز کے منافی پایا گیا۔ ورنہ نماز فاسد نہ ہوگی اور یہ عمل مکروہ ہوگا۔ کیونکہ یہ امر معروف ہے کہ جس کا کثیر، نماز کو فاسد کر دیتا ہے اس کا قلیل بلا ضرورت مکروہ ہوتا ہے۔ اگر یہ چلنا عذر کے ساتھ ہو، اگر یہ حدث لاحق ہونے کی صورت میں طہارت کے لئے ہو یا نماز خوف میں ہو تو یہ نماز کو فاسد نہ کرے گا اور یہ مکروہ نہ ہوگا۔ یہ چلنا قلیل ہو یا کثیر ہو، وہ قبلہ کی طرف پشت کرے یا پشت نہ کرے۔ اگر مذکورہ وجوہات کے علاوہ کے لئے ہو، اگر اس کے ساتھ

1۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الصلاۃ، باب من تقدم او تاخر فی صلاتہ من موضع الی موضع، جلد 2، صفحہ 266

صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، ابواب العمل فی الصلاۃ، باب اذا انفلتت الدابۃ فی الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 535، حدیث نمبر 1135

وَقَالَ الْحَلَبِيُّ لَا، فَإِنَّ مَنْ دُفِعَ أَوْ جَذَبَتْهُ الدَّابَّةُ خُطُوَاتٍ أَوْ وُضِعَ عَلَيْهَا أَوْ أُخْرِجَ مِنْ مَكَانِ الصَّلَاةِ أَوْ مَصَّ ثَدْيَهَا ثَلَاثًا أَوْ مَرَّةً وَنَزَلَ لَبَنُهَا أَوْ مَسَّهَا بِشَهْوَةٍ أَوْ قَبَّلَهَا بِدُونِهَا فَسَدَتْ. لَا لَوْ قَبَّلَتْهُ وَلَمْ يَشْتَهِهَا،

اور ''حلبی'' نے کہا: اختیار شرط نہیں۔ بے شک جسے دھکا دیا گیا یا جسے چوپائے نے چند قدم کھینچا یا اسے چوپائے پر رکھا گیا یا اسے نماز کی جگہ سے نکال دیا گیا یا اس نے عورت کے پستان کو تین دفعہ چھوا یا ایک دفعہ چھوا اور اس کا دودھ اتر آیا یا اسے شہوت کے ساتھ چھوا یا شہوت کے بغیر اس کا بوسہ لیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اگر عورت نے مرد کو چھوا اور مرد کو شہوت نہ آئی تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

ہی وہ قبلہ کی طرف پشت کرے تو نماز فاسد ہو جائے گی یہ قلیل ہو یا کثیر ہو۔ اگر وہ اس کی طرف پشت نہ کرے، اگر یہ چلنا قلیل ہو تو یہ نماز کو فاسد نہ کرے گا اور یہ عمل مکروہ ہوگا۔ اگر کثیر متلاحق ہو تو نماز کو فاسد کر دے گا۔ جہاں تک غیر متلاحق کا تعلق ہے تو اس کے مفسد ہونے یا مکروہ ہونے میں اختلاف ہے۔ ''تامل''، ملخص۔

اس باب میں کہا: جو امر ظاہر ہوتا ہے کہ کثیر غیر متلاحق، مفسد نماز نہیں اور نہ ہی مکروہ ہے اگر وہ عذر کی وجہ سے ہو۔ یہ حکم مطلقاً ہے۔

5311۔ (قولہ: وَقَالَ الْحَلَبِيُّ لَا) ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے تفریع کے لئے اس پر اعتماد کیا ہے۔ ''ط''۔

5312۔ (قولہ: خُطُوَاتٍ) یعنی وہ دھکا دینے یا کھینچنے کی وجہ سے تین قدم پے در پے چلا اس کے بغیر کہ وہ اپنے آپ پر قابو رکھتا ہو۔ ''البحر'' میں ''الظہیریہ'' سے مروی ہے: اگر دابہ نے اسے کھینچا یہاں تک کہ اسے سجدہ کی جگہ سے دور کر دیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

5313۔ (قولہ: أَوْ وُضِعَ عَلَيْهَا) یعنی ایک آدمی نے اسے اٹھایا اور اسے سواری پر رکھ دیا تو نماز فاسد ہو جائے گی ظاہر یہ ہے کہ یہ اس لئے ہے کہ عمل کثیر پایا گیا۔ ''تامل''۔ مگر جب اسے اس کی جگہ سے اٹھایا پھر اسے رکھا یا اسے پھینک دیا پھر وہ کھڑا ہو گیا اور اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا جبکہ قبلہ سے نہیں پھرا تھا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ جس طرح ''تتارخانیہ'' میں ہے۔

5314۔ (قولہ: أَوْ أُخْرِجَ مِنْ مَكَانِ الصَّلَاةِ) جبکہ ساتھ ہی قبلہ سے پھیر دیا جس طرح ''البحر'' میں ہے۔ ''ط''۔

میں کہتا ہوں: میں نے اسے ''البحر'' میں نہیں دیکھا نیز تحویل قبلہ، نماز کے لئے مفسد ہے جب یہ ایک رکن کی ادائیگی کی مقدار میں ہو اگرچہ وہ اپنی جگہ پر ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ مطلقاً ہے۔ اور علت، مکان کا اختلاف ہے اگر وہ مقتدی ہو، یا علت، عمل کثیر ہونا ہے۔ ''تامل''۔

5315۔ (قولہ: أَوْ مَصَّ ثَدْيَهَا ثَلَاثًا الخ) یہ تفصیل ''الخانیہ'' اور ''الخلاصہ'' میں مذکور ہے۔ اور یہ کثیر کی اس تفسیر پر مبنی ہے جو تین پے در پے اعمال پر مشتمل ہو۔ اس پر اعتماد نہیں۔ ''المحیط'' میں ہے: اگر دودھ نکل آیا تو نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ یہ دودھ پلانا ہے ورنہ نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور عدد کی قید نہیں لگائی۔ اور ''معراج'' میں اس کی تصحیح کی ہے۔ ''حلبہ''، ''بحر''۔

5316۔ (قولہ: أَوْ مَسَّهَا الخ) تعبیر کا حق یہ ہے کہ وہ کہتے او مست او قبلت یہ مجہول کے صیغے ہیں جس طرح اس

وَالْفَرْقُ أَنَّ فِي تَقْبِيلِهِ مَعْنَى الْجِمَاعِ مَعَهُ حَجَرٌ فَرَمَى بِهِ طَائِرًا لَمْ تَفْسُدْ، وَلَوْ إِنْسَانًا تَفْسُدُ كَضَرْبٍ وَلَوْ مَرَّةً، لِأَنَّهُ مُخَاصَمَةٌ أَوْ تَأْدِيبٌ أَوْ مُلَاعَبَةٌ، وَهُوَ عَمَلٌ كَثِيرٌ ذَكَرَهُ الْحَلَبِيُّ

فرق یہ ہے کہ مرد کے بوسہ لینے میں جماع کا معنی موجود ہے۔ نمازی کے پاس پتھر ہے تو اس نے وہ پتھر پرندے کو مارا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ اگر وہ انسان ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ جس طرح وہ کسی کو مارے اگرچہ ایک ہی دفعہ ہو۔ کیونکہ یہ مخاصمت ہے، تادیب ہے یا دل لگی ہے اور یہ عمل کثیر ہے۔ ''حلبی'' نے اسے ذکر کیا ہے۔

کی سابقہ نظائر میں ہے کیونکہ یہ دفع پر معطوف ہے جو من کا صلہ واقع ہو رہا ہے۔ اور مسئلہ کا ذکر ''الخلاصہ'' میں اس قول لو کانت المراۃ فی الصلاۃ فجامعھا زوجھا الخ کے ساتھ کیا ہے۔ اگر عورت نماز میں ہو، اس کے خاوند نے اس عورت سے جماع کیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اگرچہ منی کا انزال نہ ہو۔ اسی طرح اگر اس نے شہوت کے ساتھ یا شہوت کے بغیر بوسہ لیا یا اسے چھوا۔ کیونکہ یہ جماع کے معنی میں ہے۔ مگر جب عورت نے نمازی کا بوسہ لیا اور مرد اس کی خواہش نہ کرتا تھا تو اس مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی۔

5317۔ (قولہ: وَالْفَرْقُ الخ) محقق ابن ہمام پر فرق کی وجہ مخفی رہی۔ اسی طرح ''صاحب الحلبہ'' اور ''البحر'' پر فرق کی وجہ مخفی رہی۔ ''شرح المنیہ'' میں کہا: ''الخلاصہ'' میں فرق کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس مرد کا بوسہ لینا جماع کے معنی میں ہے یعنی خاوند یہ جماع کا فعل کرنے والا ہے۔ پس خاوند کی جانب سے جماع کے دواعی کا لانا جماع کے معنی میں ہے۔ اگر مرد نے عورت سے جماع کیا اگرچہ دونوں رانوں کے درمیان ہو تو عورت کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اسی طرح جب مرد نے اسے مطلقاً بوسہ دیا کیونکہ بوسہ جماع کے دواعی میں سے ہے۔ اسی طرح اگر اس مرد نے عورت کو شہوت کے ساتھ چھوا۔ عورت کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ جماع اس کا فعل نہیں، پس جماع کے دواعی کا بجالانا یہ جماع کے معنی میں نہیں ہوگا جب تک مرد کو اشتہا نہ ہو۔ ''الخلاصہ'' میں ہے: اگر مرد نے مطلقہ رجعیہ کی فرج کی طرف شہوت سے دیکھا تو وہ رجوع کرنے والا ہوگا۔ ایک روایت کے مطابق اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ یہی مختار ہے۔ یہ مذکورہ فرق پر اشکال پیدا کرتا ہے کیونکہ اس نے وہ عمل کیا جو جماع کے دواعی میں سے ہے اس وجہ سے وہ رجوع کرنے والا ہوگا۔ مگر جب یہ کہا جائے: نماز کا فساد، ایسے دواعی کے ساتھ متعلق ہے جو فعل ہیں نظر اور فکر نہیں۔ جہاں تک نظر اور فکر کا تعلق ہے تو یہ نماز کو فاسد نہیں کرتے اسی وجہ سے جو گزر چکی ہے۔ کیونکہ دونوں سے بچنے کا کوئی امکان نہیں۔ باقی اعضاء کا معاملہ مختلف ہے۔

یہ امر ذہن نشین کر لو۔ ''البحر'' میں ''شرح الزاہدی'' سے ذکر کیا ہے کہ اگر اس نے نماز پڑھنے والی عورت کا بوسہ لیا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ اس کی مثل ''الجوہرہ'' میں ہے پس اس تعبیر کی بنا پر کوئی فرق نہیں۔

5318۔ (قولہ: ذَكَرَهُ الْحَلَبِيُّ) اس کی عبارت ''المنیہ'' کے متن کے ساتھ یہ ہے: اگر نمازی نے کسی انسان کو ایک ہاتھ سے آلہ کے بغیر مارا یا اسے سوٹے وغیرہ سے مارا تو اس کی نماز فاسد ہوگی۔ ''المحیط'' وغیرہ میں اسی طرح ہے۔ کیونکہ یہ مخاصمت ہے یا تادیب ہے یا دل لگی ہے۔ پہلی تفسیر، جس پر جمہور علما ہیں میں یہ عمل کثیر ہے۔

بَقِیَ مِنَ الْمُفْسِدَاتِ ارْتِدَادٌ بِقَلْبِهٖ وَمَوْتٌ
نماز کے مفسدات میں سے دل سے ارتداد اور موت باقی رہ گئے ہیں۔

پھر متن کے ساتھ ایک اور محل میں کہا: اگر نمازی نے پتھر لیا اور ایک پرندہ وغیرہ کو مارا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ یہ عمل کثیر ہے۔ اگر اس کے پاس پتھر ہو اور وہ پرندے وغیرہ کو مارے تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ یہ عمل قلیل ہے۔ لیکن اس نے غلط کام کیا کیونکہ وہ نماز کے علاوہ عمل میں مشغول ہوا۔ اگر نمازی نے وہ پتھر جو اس کے پاس تھا کسی انسان کو مارا چاہیے کہ اس کی نماز فاسد ہو جائے، اس پر قیاس کرتے ہوئے جب وہ کسی ڈنڈے یا ہاتھ سے مارے۔ کیونکہ اس میں مخاصمت موجود ہے اسی دلیل کی بنا پر جو گزر چکی ہے۔

میں کہتا ہوں: لیکن ''تتارخانیہ'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے: یہ تفصیل اس کے خلاف ہے جو ''الاصل'' میں ہے۔ کیونکہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاصل'' میں ذکر کیا کہ اس کی نماز مکمل ہے اور اس میں فرق نہیں کیا جب پتھر اس کے ہاتھ میں ہو یا اس نے پتھر زمین سے اٹھایا ہو۔

''الحلبہ'' میں ہے کہ ''الخانیہ'' کا ظاہر اس کی ترجیح کا فائدہ دیتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اطلاق کا ذکر کیا پھر تفصیل کو قیل کے ساتھ بیان کیا۔

5319۔ (قولہ: بَقِیَ مِنَ الْمُفْسِدَاتِ الخ) میں کہتا ہوں: ان میں سے یہ بھی باقی رہ گیا ہے کہ عورت شروط کے ساتھ مرد کے بالمقابل کھڑی ہو جائے، اور ایسے آدمی کو خلیفہ بنایا جائے جو امامت کی صلاحیت نہ رکھتا ہو، اور امام کسی کو خلیفہ بنائے بغیر مسجد سے نکل جائے، حدث لاحق ہونے کے بعد نمازی ایک رکن کی مقدار ٹھہرا رہا ہو، وہ ایک رکن حدث یا چلتے ہوئے ادا کرے، ایسا مقتدی جسے حدث لاحق ہو چکا ہو وہ اپنی نماز محل اقتدا کے علاوہ میں مکمل کرے۔ یہ سب اس باب سے پہلے گزر چکا ہے۔ اسی طرح یہ (مقولہ 5127 میں) گزر چکا ہے کہ صاحب ترتیب کو فوت شدہ نماز یاد آ جائے، اور قعدہ سے قبل اس کے عمل کے بغیر نماز کے منافی کوئی عمل پایا جائے ان پر سب کا اتفاق ہے۔ اور ان کے بعد بارہ مسائل میں ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق نماز فاسد ہوتی ہے لیکن ان میں سے بعض فرضیت کے وصف کو فاسد کر دیتے ہیں اصل نماز کو فاسد نہیں کرتے۔ جس طرح اس نے آخری قعدہ سے قبل پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کر دیا۔

5320۔ (قولہ: ارْتِدَادٌ بِقَلْبِهٖ) اس طرح کہ اس نے کفر کی نیت کی اگرچہ تھوڑے وقت کے بعد یا اسی چیز کا اعتقاد رکھا جو کفر تھا۔ ''ط''۔

5321۔ (قولہ: وَمَوْتٌ) میں کہتا ہوں: اس کا ثمرہ امام میں ظاہر ہوتا ہے۔ اگر امام آخری قعدہ کے بعد مر گیا تو اس کی اقتدا کرنے والوں کی نماز باطل ہو جائے گی اور نئے سرے سے نماز شروع کرنا انہیں لازم ہوگا۔ قعدہ کے بعد موت واقع ہونے سے نماز کے بطلان کا مسئلہ، وہ مسئلہ ہے جس کا ذکر ''شرنبلالی'' نے کیا ہے جسے بارہ مسائل پر زائد کیا۔ کفارہ کے وجوب میں ثمرہ ظاہر نہیں ہوتا جب وہ نمازوں کے کفارہ کے بارے میں نماز کی وصیت کرے۔ کیونکہ معتبر آخری وقت ہے جب وہ

وَجُنُونٌ وَإِغْمَاءٌ، وَكُلُّ مُوجِبٍ لِوُضُوءٍ وغُسْلٍ وَتَرْكُ رُكْنٍ بِلَا قَضَاءٍ، وَشَرْطٍ بِلَا عُذْرٍ، وَمُسَابَقَةُ الْمُؤْتَمِّ بِرُكْنٍ لَمْ يُشَارِكْهُ فِيهِ إِمَامُهُ، كَأَنْ رَكَعَ وَرَفَعَ رَأْسَهُ قَبْلَ إِمَامِهِ وَلَمْ يُعِدْهُ مَعَهُ أَوْ بَعْدَهُ

اور جنون اور غشی اور ہر ایسا عارضہ جو وضو اور غسل کو واجب کر دے، اور رکن کو قضا کے بغیر ترک کر دینا، اور عذر کے بغیر شرط کو ترک کرنا، اور مقتدی کا ایک رکن پہلے ادا کرنا جس میں اس کا امام شریک نہ ہو، جیسے اس نے رکوع کیا اور اپنے امام سے قبل سر اٹھالیا اور امام کے ساتھ یا اس کے بعد رکوع کا اعادہ نہ کیا

آخری وقت میں اہل ادا میں سے نہ تھا پس نماز اس پر واجب نہ ہوگی۔ ''الخانیہ'' میں کہا: اس نے آخری وقت میں سفر کیا تو اس پر سفر کی نماز لازم ہوگی اگر چہ وقت اتنا ہی باقی ہو جس میں نماز کے کچھ حصہ کے ادا کرنے کی گنجائش ہو۔ کیا تو نہیں دیکھتا اگر وہ مر جاتا یا اس پر طویل غشی طاری ہو جاتی یا افاقہ کے بغیر جنون اسے لاحق ہو جاتا یا آخر وقت میں عورت کو حیض آ جاتا تو مکمل نماز ساقط ہو جاتی؟ جب وہ سفر کرتا ہے تو اس کی بعض نماز ساقط ہو جاتی ہے۔ فافہم۔

5322۔ (قولہ: وَجُنُونٌ وَإِغْمَاءٌ) جب اسے وقت میں افاقہ ہوگا تو اس کی ادائیگی واجب ہوگی اور اس کے بعد قضا واجب ہوگی جب تک جنون اور غشی ایک دن رات سے زیادہ نہ ہو جس طرح باب صلاۃ المریض کے آخر میں آئے گا۔

5323۔ (قولہ: وَكُلُّ مُوجِبٍ لِوُضُوءٍ) اس میں ''صاحب النہر'' کی پیروی کی ہے۔ ''البحر'' میں ہے کہ بعض اوقات ناقص وضو نماز کے لئے مفسد نہیں ہوتا۔ جس طرح وہ آدمی جسے غیر ارادی طور پر حدث لاحق ہو جس طرح یہ قول گزر چکا ہے۔ پس اولیٰ ''البحر'' کا قول ہے: و کل حدث عمد۔ ''ط''۔

5324۔ (قولہ: وَتَرْكُ رُكْنٍ بِلَا قَضَاءٍ) جس طرح اگر وہ رکعت کا سجدہ ترک کرے اور سجدہ کرنے سے قبل سلام پھیر دے۔ اس پر قضا کا اطلاق بطور مجاز ہے۔

5325۔ (قولہ: بِلَا عُذْرٍ) عذر کے بغیر شرط چھوڑے تو نماز فاسد ہوگی۔ مگر عذر کے ساتھ، جیسے پردہ والی کوئی چیز نہ پائے، نجاست سے پاکیزگی عطا کرنے والی کوئی چیز نہ پائے یا قبلہ کی جانب منہ کرنے پر وہ قادر نہ ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ ''ط''۔

5326۔ (قولہ: وَمُسَابَقَةُ الْمُؤْتَمِّ الخ) یہ ان کے قول و ترك ركن کے تحت داخل ہے، اس کا ذکر کیا کیونکہ اس نے صورۃً رکن ادا کیا ہے لیکن اس رکن کا شمار نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے امام سے پہلے یہ رکن ادا کیا ہے۔ فافہم۔

5327۔ (قولہ: كَأَنْ رَكَعَ الخ) یہاں پانچ صورتیں ہیں وہ یہ ہیں: اگر اس نے تمام رکعات میں امام سے پہلے رکوع اور سجود کیا پس قراءت کے بغیر اس پر رکعت کی قضا لازم ہوگی۔ اگر رکوع امام کے ساتھ کیا اور سجدہ اس سے پہلے کیا تو اس پر دو رکعتیں لازم ہوں گی۔ اگر رکوع امام سے پہلے کیا اور سجدہ امام کے ساتھ کیا تو چاروں رکعتوں کی قراءت کے بغیر قضا کرے گا۔ اگر امام کے بعد رکوع اور سجود کیا تو یہ صحیح ہوگا۔ اسی طرح اگر مقتدی نے یہ عمل پہلے کیا اور امام نے دونوں میں مقتدی کو پالیا لیکن یہ مکروہ ہوگا۔ اس کی وضاحت ''الامداد'' میں ہے۔ ہم نے باب الامامۃ کے آخر میں (مقولہ 4983 میں) اسے پہلے بیان کر دیا ہے۔

وَسَلَّمَ مَعَ الْإِمَامِ وَمُتَابَعَةُ الْمَسْبُوقِ إِمَامَهُ فِي سُجُودِ السَّهْوِ بَعْدَ تَأَكُّدِ انْفِرَادِهِ، أَمَّا قَبْلَهُ فَتَجِبُ مُتَابَعَتُهُ، وَعَدَمُ إِعَادَتِهِ الْجُلُوسَ الْأَخِيرَ بَعْدَ أَدَاءِ سَجْدَةٍ صُلْبِيَّةٍ أَوْ تِلَاوِيَّةٍ تَذَكَّرَهَا بَعْدَ الْجُلُوسِ، وَعَدَمُ إِعَادَةِ رُكْنٍ أَدَّاهُ نَائِمًا، وَقَهْقَهَةُ إِمَامِ الْمَسْبُوقِ بَعْدَ الْجُلُوسِ الْأَخِيرِ وَمِنْهَا مَدُّ الْهَمْزِ فِي التَّكْبِيرِ

اور امام کے ساتھ سلام پھیر دے۔ اور مسبوق کا سجدہ سہو میں امام کی متابعت کرنا جبکہ مسبوق کا انفراد، متأ کد ہو چکا ہو۔ جہاں تک اس سے قبل کا تعلق ہے تو امام کی متابعت واجب ہے۔ اور قعدہ کے بعد اسے جو نماز کا سجدہ یا سجدہ تلاوت یاد آیا تھا اس کے ادا کرنے کے بعد اس نے آخری قعدہ کا اعادہ نہ کیا ہو تو یہ نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔ اور جس رکن کو سو کر ادا کیا تھا اس رکن کا اعادہ نہ کرنا، اور آخری قعدہ کے بعد مسبوق کے امام کا قہقہہ لگانا یہ نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔ انہیں میں سے تکبیر میں ہمزہ کو مد کے ساتھ پڑھنا ہے۔

5328۔ (قولہ: وَسَلَّمَ مَعَ الْإِمَامِ) یہ قید لگائی ہے کیونکہ سلام وغیرہ، جو نماز کے منافی ہیں، سے پہلے فساد ظاہر نہیں ہوتا کیونکہ نماز کا ترک متحقق نہیں ہوتا۔

5329۔ (قولہ: بَعْدَ تَأَكُّدِ انْفِرَادِهِ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اس کی قضا کے لئے کھڑا ہوا جو اس کی نماز فوت ہو چکی تھی۔ یہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد عمل ہوا یا تشہد کی مقدار اس کے قعدہ کرنے کے بعد اور سلام سے پہلے کھڑا ہو گیا تھا اور اس نے رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کر دیا، جب امام کو سجدہ سہو یاد آیا اور مسبوق نے اس امام کی متابعت کی تو اس مسبوق کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

5330۔ (قولہ: فَتَجِبُ مُتَابَعَتُهُ) اگر اس نے متابعت نہ کی تو اس کی نماز جائز ہو جائے گی۔ کیونکہ واجب سجدہ میں متابعت کا ترک نماز کو فاسد نہیں کرتا اور وہ اپنی قضا سے فارغ ہونے کے بعد سجدہ سہو کرے گا۔

5331۔ (قولہ: وَعَدَمُ إِعَادَتِهِ الْجُلُوسَ) یہ قول، رکن کے ترک کی طرف لوٹتا ہے، اور قول عدم اعادۃ رکن اداہ نائما یہ ترک شرط کی طرف لوٹتا ہے۔ یہی اختیار (پسندیدہ) ہے۔ ''ط''۔

5332۔ (قولہ: وَقَهْقَهَةُ إِمَامِ الْمَسْبُوقِ) یعنی جب امام نے تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد قہقہہ لگایا تو اس کی نماز اور اس کے پیچھے جو ابتدا سے اقتدا کر رہا تھا اس کی نماز مکمل ہو گئی اور اس کے پیچھے مسبوق کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ ارکان کے مکمل ہونے سے قبل مفسد واقع ہوا ہے۔ مگر جب مسبوق، امام کے سلام پھیرنے سے قبل کھڑا ہو گیا اور رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کر لیا تو نماز فاسد نہ ہو گی کیونکہ مسبوق کا انفراد متأ کد ہو چکا تھا۔ جس طرح سابقہ باب میں گزر چکا ہے۔

5333۔ (قولہ: فِي التَّكْبِيرِ) تکبیر سے مراد ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف انتقال کی تکبیر ہے۔ جہاں تک احرام کی تکبیر کا تعلق ہے تو اس میں شروع ہونا صحیح نہیں۔ اور نماز کا فساد نماز میں شروع ہونے کی صحت پر مترتب ہوتا ہے۔ فافہم۔

كَمَا مَرَّ وَمِنْهَا الْقِرَاءَةُ بِالْأَلْحَانِ إِنْ غَيَّرَ الْمَعْنَى، وَإِلَّا لَا إِلَّا فِي حَرْفِ مَدٍّ وَلِينٍ إِذَا فَحُشَ، وَإِلَّا لَا بَزَّازِيَّةٌ وَمِنْهَا زَلَّةُ الْقَارِئِ

جس طرح گزر چکا ہے۔ اور مفسدات صلوۃ میں سے ہے قراءت کو الحان کے ساتھ پڑھنا اگر معنی کو تبدیل کر دے، ورنہ نہیں۔ مگر جب حرف مدہ اور حرف لین میں الحان زیادہ کرے۔ ورنہ نہیں، ''بزازیہ''۔ اور نماز کے مفسدات میں سے قاری کا غلط پڑھنا ہے۔

5334۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی باب صفۃ الصلاۃ میں گزر چکا ہے۔''ح''۔

5335۔ (قولہ: بِالْأَلْحَانِ) یعنی نغمات۔ اس کا حاصل ہے، جس طرح ''الفتح'' میں ہے، نغمہ کی رعایت کرتے ہوئے حرکات میں اشباع کا قاعدہ جاری کرنا۔

5336۔ (قولہ: إِنْ غَيَّرَ الْمَعْنَى) جس طرح اگر وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کو پڑھے اور حرکات میں اشباع کرے یہاں تک کہ دال کے بعد واؤ لائے اور لام اور ھا کے بعد یا لائے اور را کے بعد الف لائے۔ اسی کی مثل مبلغ کا قول رابنالك الحامد یعنی را کے بعد الف پڑھے۔ کیونکہ راب یہ ماں کا خاوند ہوتا ہے۔ جس طرح ''صحاح'' اور ''قاموس'' میں ہے۔ اور زوجہ کے بیٹے کو ربیب کہتے ہیں۔

5337۔ (قولہ: وَإِلَّا لَا إِلَّا الخ) یعنی اگر وہ معنی میں تبدیلی نہ کرے تو نماز میں کوئی فساد نہیں ہوگا۔ مگر حرف مدہ اور حرف لین میں اگر وہ ایسا کرے اور وہ فحش ہو جائے اگرچہ معنی تبدیل نہ کرے تو بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔ حروف مدہ اور حروف لین سے مراد تین حروف علت ہیں جو الف، واؤ اور یا ہے جب وہ ساکن ہو اور اس سے پہلے ایسی حرکت ہو جو اس کی ہم جنس ہو۔ اگر وہ حرکت ہم جنس نہ ہو تو یہ حروف علت اور حروف لین تو ہوں گے مگر حروف مدہ نہ ہوں گے۔

تتمہ: جو ذکر کیا ہے اس سے یہ سمجھ آتا ہے کہ الحان کے ساتھ قراءت جب کلمہ کو اس کی وضع سے تبدیل نہ کرے اور اس سے حروف کی تطویل حاصل نہ ہو یہاں تک کہ ایک حرف دو حرف نہ بن جائیں بلکہ محض تحسین آواز اور تزئین قراءت ہو تو یہ کوئی نقصان نہ دے گی بلکہ ہمارے نزدیک نماز کے اندر اور نماز کے باہر ایسا کرنا مستحب ہے۔ جس طرح ''تتارخانیہ'' میں ہے۔

قاری کے غلط پڑھنے کے مسائل

5338۔ (قولہ: وَمِنْهَا زَلَّةُ الْقَارِئِ) ''شرح المنیہ'' میں کہا ہے: یہ جان لو کہ یہ فصل، اہم فصلوں میں سے ایک ہے۔ یہ فصل ایسے قواعد پر مبنی ہے جو اختلاف سے پیدا ہوئے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا کوئی قاعدہ نہیں جس پر یہ فصل مبنی ہو۔ بلکہ جب ان قواعد کا علم ہوگا تو ہر فرع کا بھی علم ہو جائے گا کہ یہ کس قاعدہ پر مبنی ہے اور کس قاعدہ سے یہ مخرج ہے۔ اور ان کی تخریج بھی ممکن ہو جائے گی جن کا ذکر نہیں کیا گیا۔ پس ہم کہتے ہیں۔

قاری کو غلطی یا تو اعراب میں ہوگی، یعنی حرکات اور سکون میں ہوگی، اسی میں مشدد کو مخفف پڑھنا، مد کو قصر اور اسی طرح

....

ان کے برعکس ہے، یا غلطی حروف میں ہوگی اس طرح کہ ایک حرف دوسرے حرف کی جگہ رکھ دیا جائے، حرف کی زیادتی کر دے، اس میں کمی کر دے یا اسے مقدم کر دے، اسے مؤخر کر دے، یا یہ غلطی کلمات میں ہوگی، یا اسی طرح جملوں میں ہوگی، یا وقف و وصل میں ہوگی۔

متقدمین کے نزدیک اس کا قاعدہ یہ ہے کہ جو غلطی معنی کو یوں تبدیل کر دے کہ اس کا اعتقاد کفر ہو تمام صورتوں میں وہ نماز کو فاسد کر دے گی۔ خواہ وہ قرآن میں ہو یا قرآن میں نہ ہو مگر جو معنی میں تبدیلی ہو کہ جملوں کو وقف تام کے ساتھ الگ الگ کرنے میں تبدیلی ہوتی ہے اگر تبدیلی اس طرح نہ ہو۔ پس اگر اس کی مثل قرآن میں ہو اور معنی بعید اور واضح متغیر ہو تو وہ بھی نماز کو فاسد کر دے گا جس طرح هٰذَا الْغُرَابِ (المائدہ: 31) (اس کوے) کی جگہ هذا الغبار پڑھے۔ اور اسی طرح جب اس کی مثل قرآن میں نہ ہو اور نہ ہی اس کا کوئی معنی ہو جس طرح السَّرَآىِٕرُ ۝ (الطارق) (راز) کی جگہ السرائل پڑھے۔ اگر اس کی مثل قرآن میں ہو اور معنی بعید ہو لیکن واضح متغیر نہ ہو تب بھی امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس میں زیادہ احتیاط ہے۔ بعض مشائخ نے کہا: نماز، عموم بلوی کی وجہ سے فاسد نہ ہوگی۔ یہ امام ''ابویوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اگر اس کی مثل قرآن میں نہ ہو اور اس کے ساتھ معنی متغیر نہ ہو جیسے وہ قَوّٰمُوْنَ (النساء: 34) (محافظ و نگران) کی جگہ قیامین پڑھے تو اختلاف، مذکورہ اختلاف کے برعکس ہوگا۔ نماز کے فاسد نہ ہونے میں معتبر، معنی کا زیادہ تبدیل نہ ہونا ہے۔ امام ''ابویوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرآن میں اسی کی مثل ہو اور طرفین کے نزدیک معنی میں موافقت ہو۔ یہ ائمہ متقدمین کے قواعد تھے۔

جہاں تک ائمہ متاخرین کا تعلق ہے جس طرح ابن مقاتل، ابن سلام، اسماعیل زاہد، ابوبکر بلخی، ہندوانی، ابن فضل اور حلوانی ہیں۔ علما نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ اعراب میں خطا مطلقاً نماز کو فاسد نہیں کرتی اگرچہ اس کا اعتقاد کفر ہو۔ کیونکہ اکثر لوگ اعراب کی وجوہ میں تمیز نہیں کر سکتے۔ قاضی خان نے کہا: متاخرین نے جو فرمایا ہے اس میں زیادہ وسعت ہے اور متقدمین نے جو فرمایا اس میں زیادہ احتیاط ہے۔

اگر غلطی حرف کو دوسرے حرف سے بدلنے میں ہو، اگر بغیر کسی مشقت کے دونوں میں فرق کرنا ممکن ہو جیسے صاد اور طا اس طرح کہ وہ صالحات کی جگہ طالحات پڑھے تو علما نے اس پر اتفاق کیا کہ یہ نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔ اگر تمیز کرنا مشقت کے ساتھ ہی ممکن ہو جس طرح ظاء اور ضاد، صاد اور سین تو اکثر علما کی رائے ہے کہ عموم بلوی کی وجہ سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور بعض اس کا اعتبار کرتے ہیں کہ دو حرفوں کے درمیان فرق کرنا مشکل ہے یا مشکل نہیں۔ بعض اس کا اعتبار کرتے ہیں کہ مخرج قریب ہے یا کہ نہیں۔ لیکن فروع ان میں سے کسی پر بھی منضبط نہیں۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ متقدمین کے قول کو اپنایا جائے کیونکہ ان کے قواعد منضبط ہیں اور ان کا قول زیادہ احتیاط والا ہے۔ اکثر فروع جو ''فتاویٰ'' میں مذکور ہیں اس پر واقع ہیں۔ اسی کی مثل ''الفتح'' میں ہے۔ اس کی مکمل بحث آگے (مقولہ 5353 میں) آئے گی۔

فَلَوْ فِي إِعْرَابٍ أَوْ تَخْفِيفِ مُشَدَّدٍ وَعَكْسِهِ،
اگر خطا اعراب میں ہو یا مشدد کو مخفف کرنے اور اس کے برعکس

5339۔ (قولہ: فَلَوْ فِي إِعْرَابٍ) جس طرح قَوَامًا (الفرقان) (اعتدال سے) کے فتح کی جگہ کسرہ پڑھا جائے اور نَعْبُدُ (الفاتحہ: 4) کی با کے ضمہ کو فتحہ پڑھا جائے۔ اس کی مثال جو معنی کو تبدیل کر دیتا ہے جیسے انما یخشی اللہ من عبادہ العلما میں لفظ اللہ۔ اسم جلالت۔ کی ہا کو مضموم اور العلما کے ہمزہ کو فتحہ کے ساتھ پڑھے یہ متقدمین کے نزدیک نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔ متاخرین نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ ابن مقاتل اور جوان کے ساتھی علما ہیں وہ اسی طرف گئے ہیں کہ یہ نماز کو فاسد نہیں کرتا۔ جبکہ پہلا قول زیادہ احتیاط والا ہے اور اسی میں زیادہ وسعت ہے۔ اسی طرح ابن ہمام کی ''زاد الفقیر'' میں ہے۔ اسی طرح ہے و عصی آدم ربہ پہلے اسم کو نصب اور دوسرے کو رفع دیا جائے یہ عام علما کے نزدیک نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔ اسی طرح فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ (النمل) (پس تباہ کن پتھراؤ تھا (بارہا) ڈرائے جانے والوں پر) میں منذرین کے ذال کو کسرہ کے ساتھ پڑھا جائے اور اِيَّاكَ نَعْبُدُ (الفاتحہ: 4) (تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں) میں کاف کو مکسور پڑھے اور المصور کو واؤ کے فتحہ کے ساتھ پڑھے مگر جب وہ را کو نصب دے یا اس پر وقف کرے، ''النوازل'' میں ہے کسی صورت میں بھی نماز فاسد نہ ہوگی اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ''بزازیہ''، ''خلاصہ''۔

5340۔ (قولہ: أَوْ تَخْفِيفِ مُشَدَّدٍ) ''بزازیہ'' میں کہا: اگر معنی کو تبدیل نہ کرے جیسے وَ قُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا (الاحزاب) (اور جان سے مار ڈالے جائیں گے) یہ نماز کو فاسد نہیں کرے گا اگر وہ معنی کو تبدیل کر دے جیسے بِرَبِّ النَّاسِ (الناس) (سب انسانوں کے پروردگار کی)۔ وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ (الاعراف: 160) (اور ہم نے سایہ کر دیا ان پر بادل کا) اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ (یوسف: 53) (بیشک نفس تو حکم دیتا ہے برائی کا) اس میں علما نے اختلاف کیا ہے جبکہ عام علما نے کہا یہ نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔

''الفتح'' میں ہے: عام مشائخ کی رائے ہے کہ مد اور شد کو ترک کرنا یہ اعراب میں خطا کی طرح ہے اسی وجہ سے کثیر علما نے کہا کہ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الفاتحہ: 1) (مرتبۂ کمال تک پہنچانے والا ہے، سارے جہانوں کا) اور اِيَّاكَ نَعْبُدُ (الفاتحہ: 4) (تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں) میں تخفیف کی صورت میں قراءت کے ساتھ نماز فاسد ہو جائے گی۔ مگر ایا جب یا کی تخفیف کے ساتھ ہو تو اس کا معنی سورج ہے، جبکہ اصح قول یہ ہے کہ یہ نماز کو فاسد نہیں کرتا، یہ ایا مشددہ میں قلیل لغت ہے اور متاخرین کے قول کے مطابق اس کی ضرورت نہیں۔ اسی پر بنا کرتے ہوئے علما نے لفظ اکبر کے ہمزہ کو مد کے ساتھ پڑھنے کی صورت میں نماز کو فاسد کیا ہے، جس طرح یہ پہلے گزر چکا ہے۔

5341۔ (قولہ: وَعَكْسِهِ) ''شرح المنیہ'' میں کہا: مخفف کو مشدد پڑھنے کا حکم اختلاف اور تفصیل میں اسی طرح ہے جس طرح اس کے برعکس میں تھا۔ اگر اس نے افعیّینا کو تشدید یا اھدنا الصراط کو لام کے اظہار کے ساتھ پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

أَوْ بِزِيَادَةِ حَرْفٍ فَأَكْثَرَ نَحْوُ الصِّرَاطِ الَّذِينَ، أَوْ بِوَصْلِ حَرْفٍ بِكَلِمَةٍ نَحْوُ إِيَّاكَ نَعْبُدُ،
یا ایک یا زیادہ حرف، زائد کرنے کی صورت میں خطا ہو۔ جیسے وہ قراءت کرے الصراط الذین یا غلطی حرف کو کلمہ کیساتھ ملانے سے ہو جیسے وہ قراءت کرے ایاك نعبد

میں کہتا ہوں: ''بزازیہ'' میں فساد کو یقین کے ساتھ ذکر کیا ہے جب اس نے فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ (المؤمنون) (تو یہی لوگ حد سے بہت زیادہ تجاوز کرنے والے ہیں) کو مشدد پڑھا۔

5342۔(قولہ: أَوْ بِزِيَادَةِ حَرْفٍ) ''بزازیہ'' میں کہا: اگر اس نے ایک ایسے حرف کا اضافہ کیا جو معنی کو تبدیل نہیں کرتا تو طرفین کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی اور امام ''ابو یوسف'' رحلیٹھایہ سے دو روایتیں مروی ہیں جس طرح اگر اس نے پڑھا وانھی عن المنکر یعنی یا کی زیادتی کے ساتھ قراءت کی اور یتعد حدودہ یدخلھم نارا میں یا کی زیادتی کے ساتھ قراءت کی۔ اگر اس نے معنی کو تبدیل کر دیا تو یہ نماز کو فاسد کر دے گا جیسے وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوثَةٌ ۝ (الغاشیہ) (اور قیمتی قالین بچھے ہوں گے) کی جگہ زرابیب پڑھا۔ اور مَّثَانِيَ (الزمر:23) کی جگہ مثانین قراءت کی، اسی طرح والقرآن الحکیم وانك لمن المرسلین واؤ کی زیادتی کے ساتھ قراءت کی تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

یعنی اس لئے کیونکہ اس نے جواب قسم کو قسم بنا دیا جس طرح ''الخانیہ'' میں ہے، لیکن ''المنیہ'' میں ہے: چاہئے کہ نماز فاسد نہ ہو۔ اس کی شرح میں کہا: کیونکہ یہ تغییر فاحش نہیں اور یہ قرآن ہونے سے خارج نہیں، اسے قسم بنانا صحیح ہے اور جواب محذوف ہے جس طرح وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝ (النازعات) (قسم ہے (فرشتوں کی) جو غوطہ لگا کر (جان) کھینچنے والے ہیں) میں ہے کیونکہ اس کا جواب محذوف ہے۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ زرابیب اور مثانین کی مثل متاخرین کے نزدیک بھی نماز کو فاسد کر دیتی ہے۔ کیونکہ انہوں نے اسی میں اختلاف کا ذکر نہیں کیا۔

5343۔(قولہ: أَوْ بِوَصْلِ حَرْفٍ بِكَلِمَةٍ الخ) ''بزازیہ'' میں کہا: صحیح یہ ہے کہ یہ نماز کو فاسد نہیں کرتا۔

''المنیہ'' میں ہے: عام علما کے قول کے مطابق یہ نماز کو فاسد نہیں کرتا اور بعض علما کے نزدیک نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔ بعض علما نے فرق کیا ہے کہ اگر اسے علم ہو کہ قرآن کیسے ہے مگر اس کی زبان پر یہ جاری ہو گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی اگر وہ یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ قرآن اسی طرح ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس کی ''شرح'' میں کہا: ظاہر یہ ہے کہ یہ اختلاف اس وقت ہے جب ایا وغیرہ پر سکتہ کرے ورنہ عاقل کو نہیں چاہئے کہ وہ اس میں فساد کا وہم کرے۔

تتمہ: بعض کلمات کو بعض سے قطع کرنے کی صورت میں ''حلوانی'' نے فتوی دیا کہ یہ مفسد ہے۔ عام علما نے کہا: یہ نماز کو فاسد نہیں کرے گا کیونکہ اس میں عموم بلوی پایا جاتا ہے جس طرح کہ نفس ٹوٹ جاتا ہے اور انسان بھول جاتا ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر اگر اس نے یہ قصداً کیا تو چاہئے کہ یہ نماز کو فاسد کر دے۔ اور بعض علما نے کہا: اگر پورے کلمہ کا ذکر مفسد ہو تو اس کے بعض کا ذکر بھی اسی طرح مفسد ہوگا ورنہ نہیں۔ ''قاضی خان'' نے کہا: یہی صحیح ہے۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ عمد میں اسے اپنایا جائے اور

أَوْ بِوَقْفٍ وَابْتِدَاءٍ لَمْ تَفْسُدْ وَإِنْ غَيَّرَ الْمَعْنَى، بِهِ يُفْتَى بَزَّازِيَّةٌ إِلَّا تَشْدِيدَ (رَبِّ الْعَالَمِينَ)، وَ (إِيَّاكَ نَعْبُدُ) فَبِتَرْكِهِ تَفْسُدُ، وَلَوْ زَادَ كَلِمَةً

یا غلطی، وقف اور ابتدا کی صورت میں ہوتو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اگر چہ یہ معنی کو تبدیل کر دے۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ''بزازیہ''۔ مگر رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اور اِيَّاكَ نَعْبُدُ کی تشدید (کا معاملہ مختلف ہے) اس کے ترک سے نماز فاسد ہوجائے گی۔ اگراس نے کلمہ کوزائد کیا

ضرورت میں عام علما کے قول کو اپنایا جائے۔ اس کی مکمل بحث ''شرح المنیہ'' میں ہے۔

5344۔ (قولہ: أَوْ بِوَقْفٍ وَابْتِدَاءٍ) ''بزازیہ'' میں کہا: ابتدا اگر معنی کو واضح تبدیل نہ کردے تو یہ نماز کو فاسد نہ کرے گی جیسے جزا سے پہلے شرط پر وقف کرنا اور جزا سے ابتدا کرنا۔ اسی طرح موصوف اور صفت میں اس طرح کرنا۔ اگر یہ معنی کو تبدیل کر دے جیسے شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ پھر اِلَّا هُوَ (آل عمران: 18) (شہادت دی اللہ تعالیٰ نے (اس بات کی کہ) بیشک نہیں کوئی خدا سوائے اس کے) پڑھے تو عام مشائخ کے نزدیک یہ نماز کو فاسد نہ کرے گا کیونکہ عوام تمیز نہیں کر سکتے اگراس نے وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ (البقرہ: 113) (اور کہتے ہیں یہودی) پر وقف کیا پھر مابعد سے آغاز کیا تو بالاجماع نماز فاسد نہ ہوگی۔

''شرح المنیہ'' میں ہے: صحیح یہ ہے کہ اس سب میں نماز فاسد نہیں ہوتی۔

5345۔ (قولہ: وَإِنْ غَيَّرَ الْمَعْنَى بِهِ يُفْتَى بَزَّازِيَّةٌ) اس کا ظاہر یہ ہے کہ ''بزازیہ'' میں اس کا ذکر کیا ہے ان تمام صورتوں میں جن کا ذکر ہو چکا ہے، جبکہ معاملہ اس طرح نہیں، بے شک انہوں نے اس کا ذکر اعراب میں غلطی کے حوالے سے کیا ہے۔ ہم نے آپ کے لئے ''بزازیہ'' کی عبارت ان تمام صورتوں (مقولہ 5345) میں ذکر کر دی ہے۔ فتدبر

5346۔ (قولہ: إِلَّا تَشْدِيدَ رَبِّ الخ) ''الخانیہ'' میں اسے ابوعلی نسفی کی طرف منسوب کیا ہے۔ پھر کہا: عام مشائخ کی رائے ہے کہ تشدید اور مد کو ترک کرنا، اعراب میں خطا کی طرح ہے۔ یہ متاخرین کے قول میں نماز کو فاسد نہیں کرتا۔ ''بزازیہ'' میں ہے: اگر اس نے اِيَّاكَ اور رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں تشدید کو ترک کیا تو مختار مذہب یہ ہے کہ تمام مواقع میں عام علما کے نزدیک یہ نماز کو فاسد نہیں کرے گا۔

ہم پہلے ہی (مقولہ 5340 میں) ''الفتح'' سے یہ قول نقل کر چکے ہیں کہ یہ قول اصح ہے۔ شارح جس پر چلے ہیں وہ قول ضعیف ہے کیونکہ اس کے ذکر کی کوئی وجہ نہیں، جبکہ انہوں نے اس صورت میں نماز کے فاسد نہ ہونے کو اپنایا ہے جس میں وہ معنی کو تبدیل کر دے، کیونکہ کوئی فرق باقی نہیں رہا۔ ''تامل''۔

5347۔ (قولہ: وَلَوْ زَادَ كَلِمَةً) یہ جان لو کہ زائد کلمہ یا تو قرآن میں ہوگا یا قرآن میں نہیں ہوگا، ہر صورت میں یا وہ معنی کو تبدیل کر دے گا یا معنی میں تبدیلی پیدا نہیں کرے گا۔ اگر معنی میں تبدیلی پیدا کر دے تو مطلقاً یہ نماز کو فاسد کر دے گا جیسے عمل صالحا و کفر فلهم اجرهم اور جیسے واما ثمود فهدیناهم و عصیناهم۔ اگر وہ معنی کو تبدیل نہ کرے، اگر وہ قرآن

أَوْ نَقَصَ كَلِمَةً أَوْ نَقَصَ حَرْفًا، أَوْ قَدَّمَهُ أَوْ بَدَّلَهُ بِآخَرَ
یا کلمہ میں کمی کی۔ یا کسی حرف کو کم کر دیا یا اسے مقدم کر دیا یا اسے کسی دوسرے حرف سے بدل دیا۔

میں ہوگا جیسے و بالوالدین احسانا و برا۔ تو علما کے قول میں نماز کو فاسد نہیں کرے گا۔ ورنہ جیسے فاكهة و نخل و تفاح و رمان اور شارح کی آنے والی مثال، نماز کو فاسد نہ کرے گی۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز کو فاسد کر دے گی۔ کیونکہ یہ قرآن میں سے نہیں۔ ''الفتح'' وغیرہ میں اسی طرح ہے۔

5348۔ (قولہ: أَوْ نَقَصَ كَلِمَةً) بعض نسخوں میں اسی طرح ہے۔ شارح نے اس کی کوئی مثال بیان نہیں کی۔ ''شرح المنیہ'' میں کہا: اگر آیت میں سے ایک کلمہ کو ترک کیا اگر اس نے معنی میں تبدیلی پیدا نہ کی جیسے وجزاء سيئة مثلها میں دوسرے سیئۃ کو ترک کر دیا تو یہ نماز کو فاسد نہ کرے گا۔ اور اگر یہ معنی میں تبدیلی کر دے جیسے فما لهم يؤمنون اس میں لا کو ترک کیا تو عام علما کے نزدیک یہ نماز کو فاسد کر دے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے ''نہیں''۔ صحیح پہلا قول ہے۔

5349۔ (قولہ: أَوْ نَقَصَ حَرْفًا) یہ جان لو کہ وہ حرف یا تو اصول کلمہ میں سے ہوگا یا اصول کلمہ میں سے نہیں ہوگا۔ ہر صورت میں وہ معنی کو تبدیل کر دے گا یا معنی کو تبدیل نہیں کرے گا۔ اگر وہ معنی کو بدل دے جیسے وہ خلقنا کو خا کے بغیر پڑھے اور جعلنا کو جیم کے بغیر پڑھے تو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور جیسے ما خلق الذكر و الانثى کو ما خلق سے پہلے واؤ کے حذف کے ساتھ پڑھے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ علما نے کہا: امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ جو پڑھا جا رہا ہے وہ قرآن میں موجود ہے۔ ''خانیہ'' اگر وہ معنی کو تبدیل کرے جیسے ترخیم کے طریقہ پر حذف ہو ان شروط کے ساتھ جو لغت عربیہ میں جائز ہیں جیسے یا مال، يٰمٰلِكُ (الزخرف: 77) (اے مالک!) میں تو بالاجماع یہ نماز کو فاسد نہ کرے گی۔

تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا بغیر الف کے پڑھنا نماز کو فاسد نہیں کرتا

اسی کی مثل تعالیٰ میں سے یا کو حذف کر دینا ہے تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا (الجن: 3) اعلیٰ و ارفع ہے ہمارے رب کی شان۔ بالاتفاق نماز فاسد نہ ہوگی جس طرح ''شرح المنیہ'' میں ہے اسی کی مثل ''تتارخانیہ'' میں ہے مگر اتفاق کا ذکر نہیں کیا۔

5350۔ (قولہ: أَوْ قَدَّمَهُ) ''الفتح'' میں کہا: اگر قَسْوَرَةٍ ۝ (المدثر) (شیر)۔ کو قوسرۃ سے بدل دیا تو نماز فاسد ہو جائے گی ورنہ نماز فاسد نہ ہوگی یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے۔ اس کی مثل فَانْفَجَرَتْ (البقرہ: 60) (تو فوراً بہہ نکلے) کو انفرجت سے بدلنا ہے۔

5351۔ (قولہ: أَوْ بَدَّلَهُ بِآخَرَ) یا تو اس لئے بدل دے گا کہ وہ عاجز ہو جیسے وہ ہکلا ہو، ہم اس کا حکم پہلے (مقولہ 4892 میں) ''باب الامامۃ'' میں بیان کر آئے ہیں یا یہ تبدیلی خطا کے طور پر ہو اس وقت جب اس نے معنی کو نہ بدلا۔ اگر اس کی مثل قرآن میں ہو جیسے ان المسلمون تو یہ نماز کو فاسد نہیں کرے گا ورنہ جیسے قیامین بالقسط اور جیسے شارح کی مثال ہے،

نَحْوُ مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَاسْتَحْصَدَ، تَعَالَى جَدُّ رَبِّنَا، انْفَرَجَتْ بَدَلَ، انْفَجَرَتْ، أَيَابٍ بَدَلَ، أَوَّابٍ، لَمْ تَفْسُدْ مَا لَمْ يَتَغَيَّرِ الْمَعْنَى، إِلَّا مَا يَشُقُّ تَمْيِيزُهُ كَالضَّادِ وَالظَّاءِ، فَأَكْثَرُهُمْ لَمْ يُفْسِدْهَا

جیسے من ثمرہ اذا اثمر واستحصد، تعال جد ربنا قراءت کی اور فانفجرت کی بجائے انفرجت قراءت کی اواب کی بجائے ایاب قراءت کی تو نماز فاسد نہ ہوگی جب تک معنی نہ بدلے۔ مگر جس کی تمیز کرنا شاق ہو جس طرح ضاد اور ظاہے تو اکثر علماء نے اس میں نماز کو فاسد قرار نہیں دیا۔

طرفین کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ اگر وہ معنی تبدیل کر دے تو طرفین کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی اگر اس کی مثل قرآن میں نہ ہو۔ اگر اس نے اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ (فاطر) کو شین معجمہ کے ساتھ قراءت کی تو بالاتفاق نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس کی مکمل بحث ''الفتح'' میں ہے۔

5352۔ (قولہ: نَحْوُ مِنْ ثَمَرِهٖ) (الانعام: 141) (اس کے پھل سے) یہ لف نشر مرتب کے طریقہ پر ہے۔

5353۔ (قولہ: إِلَّا مَا يَشُقُّ الخ) ''الخانیہ'' اور ''الخلاصہ'' میں کہا: جب اس نے ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف ذکر کیا اور معنی کو تبدیل کر دیا تو اس میں اصل یہ ہے کہ اگر مشقت کے بغیر دونوں میں فصل ممکن ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اگر دونوں میں فرق و فصل مشقت کے ساتھ ممکن ہو، جیسے ظا اور ضاد، جب دونوں پر نقطہ ہو، صاد اور سین، جب دونوں نقطوں کے بغیر ہوں، طا اور تا تو اکثر علما نے فرمایا: نماز فاسد نہ ہوگی۔

''خزانۃ الاکمل'' میں ہے قاضی ابو عاصم نے کہا: اگر اس نے یہ جان بوجھ کر کیا تو نماز فاسد ہو جائے گی اگر وہ اس کی زبان پر جاری ہو گیا یا وہ تمیز کو نہیں پہچانتا تو نماز فاسد نہ ہوگی یہی مختار ہے ''حلبہ''۔ ''بزازیہ'' میں ہے: یہ اقوال میں سے سب سے مناسب قول ہے، یہی مختار ہے۔

''تتارخانیہ'' میں ''حاوی'' سے مروی ہے: صفار سے حکایت کیا گیا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ خطا جب حروف میں داخل ہو تو وہ نماز کو فاسد نہ کرے گی۔ کیونکہ اس میں عموم بلوی ہے کیونکہ وہ حروف کو مشقت سے ہی صحیح پڑھ سکتے ہیں۔

اس میں ہے: جب دو حرفوں میں نہ اتحاد مخرج ہو اور نہ ہی قرب مخرج ہو مگر اس میں عموم بلوی ہو جس طرح صاد کی جگہ ذال اور زال کی جگہ زا اور ضاد کی جگہ ظا تو بعض مشائخ کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی۔

میں کہتا ہوں: اس تعبیر کی بنا پر یہ چاہئے کہ ثا کو سین اور قاف کو ہمزہ سے بدلنے میں نماز فاسد نہ ہو جس طرح ہمارے زمانہ کے عوام کی لغت ہے۔ کیونکہ وہ ان دونوں میں تمیز نہیں کرتے اور ان پر ذال اور زا میں تمیز کرنا بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔ خصوصاً یہ قاضی ابو عاصم اور صفار کے قول کے مطابق بہت ہی مشکل ہے۔ یہ متاخرین کا قول ہے۔ تو نے یہ جان لیا ہے کہ یہ زیادہ وسعت والا ہے اور متقدمین کے قول میں زیادہ احتیاط ہے۔ ''شرح المنیہ'' میں کہا: اسی کو محققین نے صحیح قرار دیا ہے اور اس پر تفریع بٹھائی ہے، تو جو تو پسند کرتا ہے اس پر عمل کر اور احتیاط اولیٰ ہوتی ہے خصوصاً نماز کے معاملہ میں کیونکہ یہ وہ پہلی چیز

وَكَذَا لَوْ كَرَّرَ كَلِمَةً؛ وَصَحَّحَ الْبَاقَانِيُّ الْفَسَادَ إِنْ غَيَّرَ الْمَعْنَى نَحْوُ رَبِّ رَبِّ الْعَالَمِينَ لِلْإِضَافَةِ كَمَا لَوْ بَدَّلَ كَلِمَةً بِكَلِمَةٍ وَغَيَّرَ الْمَعْنَى نَحْوُ إِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَنَّاتٍ؛ وَتَمَامُهُ فِي الْمُطَوَّلَاتِ (وَلَا يُفْسِدُهَا نَظَرُهُ إِلَى مَكْتُوبٍ وَفَهْمُهُ)

اور اسی طرح اگر اس نے ایک کلمہ کو مکرر پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر معنی کو تبدیل کر دیا تو ''باقانی'' نے نماز کے فاسد ہونے کی تصحیح کی ہے جیسے وہ رب رب العالمین قراءت کرے یہ فساد اضافت کی وجہ سے ہے جس طرح وہ ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ سے بدل دے اور وہ معنی کو تبدیل کر دے جیسے وہ قراءت کرے ان الفجار لفی جنات اس کی مکمل بحث ''مطولات'' میں ہے۔نمازی کا کسی لکھی ہوئی چیز کو دیکھنا اور اس کا سمجھنا نماز کو فاسد نہیں کرتا

ہے جس پر بندے کا محاسبہ کیا جائے گا۔

5354۔(قولہ: وَكَذَا لَوْ كَرَّرَ كَلِمَةً الخ) ''الظہیریہ'' میں کہا ہے: اگر کلمہ کو مکرر ذکر کیا، اگر اس کے ساتھ معنی تبدیل نہ ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی۔اگر معنی متغیر ہو گیا جیسے رب رب العالمین اور مالک مالک یوم الدین تو بعض علما نے کہا: نماز فاسد نہ ہوگی۔صحیح یہ ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی۔یہ ایسی فصل ہے جس میں جلد بازی نہیں کی جانی چاہئے۔اس میں فرق مضاف اور مضاف الیہ کی معرفت کے ساتھ واقع ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا ظاہر یہ ہے کہ فساد کا دارومدار اس کی معرفت پر ہوتا ہے۔اگر وہ اسے نہ پہچانتا ہو یا اس نے اضافت کے معنی کا قصد نہ کیا ہو اور اس کی طرف اس کی زبان سبقت لے گئی ہو یا اس نے محض کلمہ کے تکرار کا قصد کیا ہوتا کہ حروف کے مخارج کی تصحیح کرے تو چاہئے کہ نماز فاسد نہ ہو۔اسی طرح حکم ہونا چاہئے اگر وہ کسی شے کا قصد نہ کرے کیونکہ یہ صورت اضافت کا احتمال رکھتی ہے اور تاکید کا احتمال بھی رکھتی ہے۔اور اضافت کے احتمال کی صورت میں پہلا، محذوف کی طرف مضاف ہونے کا احتمال رکھتا ہے جس پر مابعد دلالت کرتا ہے۔جس طرح ان کے قول میں یہ ثابت ہے یا زیدُ زیدَ الیعملات۔اور احتمال کی صورت میں نماز کا فساد منتفی ہو جائے گا، کیونکہ خطا کا یقین نہیں۔ہاں اگر اس نے ہر کلمہ کے مابعد کی طرف اضافت کا قصد کیا ہے تو نماز کے فساد میں کوئی شک نہیں بلکہ اسے کافر قرار دیا جائے گا۔یہ امر میرے لئے ظاہر ہوا ہے۔فتامله

5355۔(قولہ: كَمَا لَوْ بَدَّلَ الخ) اس کی چار صورتیں ہیں۔کیونکہ وہ کلمہ جسے وہ لایا ہے یا تو وہ معنی کو بدل دے گا یا معنی کو نہیں بدلے گا۔اور ہر صورت میں یا تو وہ قرآن میں سے ہوگا یا قرآن میں سے نہیں ہوگا۔اگر وہ کلمہ معنی کو تبدیل کر دے تو یہ نماز کو فاسد کر دے گا۔مگر اس میں سب کا اتفاق ہے کہ وہ پڑھے فلعنة الله على الموحدين۔اور شارح کی مثال میں یہ قول صحیح کے مطابق ہے کیونکہ یہ لفظ قرآن میں موجود ہے۔''الفتح'' وغیرہ میں فساد کو اس کے ساتھ مقید کیا ہے جب وہ وقف تام نہ کرے۔مگر جب وہ وقف کرے پھر کہے لفی جنات تو نماز فاسد نہ ہوگی۔جب اس نے معنی کو تبدیل نہ کیا تو نماز فاسد نہ ہو گی۔لیکن الرحمٰن الکریم میں بالاتفاق نماز فاسد نہ ہوگی۔اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا ان المتقین لفی بساتین میں اختلاف ہے جس طرح پہلے (مقولہ 5338 میں) گزر چکا ہے۔اسی نوع سے نسب کی تغییر ہے جیسے مریم ابنة غیلان تو

وَلَوْ مُسْتَفْهِمًا وَإِنْ كُرِهَ (وَمُرُورُ مَارٍّ فِي الصَّحْرَاءِ أَوْ فِي مَسْجِدٍ كَبِيرٍ بِمَوْضِعِ سُجُودِهِ) فِي الْأَصَحِّ (أَوْ) مُرُورُهُ (بَيْنَ يَدَيْهِ) إِلَى حَائِطِ الْقِبْلَةِ

اگر چہ وہ سمجھنے کی خواہش رکھتا ہو اگر چہ اس کا یہ عمل کرنا مکروہ ہے اور صحرا میں یا بڑی مسجد میں سجدہ کی جگہ سے کسی کا گزرنا نماز کو فاسد نہیں کرتا یہ اصح قول ہے۔ یا اس کا نمازی کے سامنے سے قبلہ کی جانب دیوار تک گزرنا

بالاتفاق نماز فاسد ہو جائے گی۔ اسی طرح عیسیٰ بن لقمان ہے۔ کیونکہ جان بوجھ کر اس قسم کا ذکر کرنا کفر ہے۔ موسیٰ بن لقمان کا معاملہ مختلف ہے۔ جس طرح ''الفتح'' میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

5356۔ (قولہ: وَلَوْ مُسْتَفْهِمًا) اس کے ساتھ اس امر کی نفی کی طرف اشارہ کیا جو کہا گیا: اگر وہ اسے سمجھنا چاہتا ہے تو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔ ''البحر'' میں کہا: صحیح یہ ہے کہ بالاتفاق نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ نمازی کی جانب سے کوئی فعل واقع نہیں ہوا اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اختلاف کا شبہ ہے۔ علما نے کہا: فقیہ کو چاہئے کہ وہ اپنی تعلیق کا جز، حالت نماز میں اپنے سامنے نہ رکھے کیونکہ بعض اوقات اس کی نظر اس پر جا پڑتی ہے جو اس جز میں ہوتا ہے، پس وہ اس کو سمجھ لیتا ہے تو اس میں اختلاف کا شبہ داخل ہو جاتا ہے یعنی اگر وہ جان بوجھ کر ایسا کرے، کیونکہ یہی اختلاف کا محل ہے۔

5357۔ (قولہ: وَإِنْ كُرِهَ) کیونکہ وہ اس چیز میں مشغول ہوتا ہے جو نماز کے اعمال میں سے نہیں۔ مگر جب اس کی نظر اس پر بلا ارادہ جا پڑے اور وہ اس کو سمجھ جائے تو نماز مکروہ نہ ہوگی۔ ''ط''۔

5358۔ (قولہ: بِمَوْضِعِ سُجُودِهِ) یعنی نمازی کے قدم کی جگہ سے اس کی سجدہ کی جگہ تک جس طرح ''الدرر'' میں ہے یہ قید اپنی مابعد قیود کے ساتھ گناہ کے لئے ہے ورنہ نماز کا فساد مطلقاً منتفی ہے۔

5359۔ (قولہ: فِي الْأَصَحِّ) یہ وہی جسے ''شمس الائمہ''، ''قاضی خان'' اور ''صاحب ہدایہ'' نے پسند کیا ہے۔ ''المحیط'' میں اسے مستحسن قرار دیا ہے۔ ''زیلعی'' نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اس کے مقابل وہ ہے جسے ''تمرتاشی'' اور ''صاحب البدائع'' نے صحیح قرار دیا ہے اور جسے ''فخر الاسلام'' نے اختیار کیا ہے۔ ''النہایہ'' اور ''الفتح'' میں اسے راجح قرار دیا ہے۔ اس سے مراد جگہ کی اتنی مقدار سے آگے گزرنا ہے کہ نمازی کی نظر گزرنے والے پر جا پڑے اگر وہ خشوع کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہو یعنی وہ نمازی اپنی نظر اپنی سجدہ کی جگہ پر ہی رکھے ہوئے ہے۔ ''العنایہ'' میں پہلے قول کو دوسرے قول کی طرف لوٹایا ہے۔ اس طرح کہ سجدہ کی جگہ کو نمازی کے قریبی جگہ پر محمول کیا ہے۔ ''البحر'' میں اس کی مخالفت کی ہے اور پہلے قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ جو میں نے ''البحر'' پر تعلیقات لکھی ہیں ان میں ''التجنیس'' سے ایسی بحث لکھی ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے جو ''العنایہ'' میں ہے پس اس کی طرف رجوع کر لو۔

5360۔ (قولہ: إِلَى حَائِطِ الْقِبْلَةِ) یعنی اس کے قدموں کی جگہ سے دیوار تک اگر اس کے سامنے سترہ نہ ہو۔ اگر اس کے سامنے سترہ ہو تو اس سترہ کے آگے سے گزرنا کچھ نقصان نہیں دیتا۔ جس طرح اس کی وضاحت آئے گی۔

(فِي بَيْتٍ وَ (مَسْجِدٍ) صَغِيرٍ، فَإِنَّهُ كَبُقْعَةٍ وَاحِدَةٍ (مُطْلَقًا) وَلَوِ امْرَأَةً أَوْ كَلْبًا (أَوْ) مُرُورُهُ (أَسْفَلَ مِنَ الدُّكَّانِ أَمَامَ الْمُصَلِّي لَوْ كَانَ يُصَلِّي عَلَيْهَا) أَيِ الدُّكَّانِ (بِشَرْطِ مُحَاذَاةِ بَعْضِ أَعْضَاءِ الْمَارِّ بَعْضَ أَعْضَائِهِ،

کمرہ میں اور چھوٹی مسجد میں کیونکہ یہ مطلقاً ایک قطعہ زمین کی طرح ہے اگرچہ وہ عورت ہو یا کتا ہو۔ یا وہ نمازی کے سامنے سے گزرے اس چبوترے کے نیچے سے اگر نمازی اس چبوترے کے اوپر نماز پڑھ رہا ہو تو یہ نماز کو فاسد نہ کرے گا اس میں شرط یہ ہے کہ گزرنے والے کے بعض اعضا نمازی کے بعض اعضا کے بالمقابل ہوں

5361۔ (قوله: فِي بَيْتٍ) اس کا ظاہر معنی ہے اگرچہ وہ کمرہ بڑا ہو۔ ''قہستانی'' میں ہے: چاہیے کہ چھوٹی مسجد کے حکم میں دار اور بیت بھی داخل ہو۔

5362۔ (قوله: و مَسْجِدٍ صَغِيرٍ) یہ وہ مسجد ہوتی ہے جو ساٹھ ذراع سے کم ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ جو چالیس ذراع سے کم ہو۔ یہی مختار مذہب ہے جس طرح اس کی طرف ''الجواہر'' میں اشارہ کیا ہے۔ ''قہستانی''۔

5363۔ (قوله: فَإِنَّهُ كَبُقْعَةٍ وَاحِدَةٍ) یعنی اس حیثیت سے کہ اس میں دو صفوں کی مقدار کا فاصلہ اقتدا سے مانع نہیں بنایا گیا اسے ایک مکان کے قائم مقام رکھا گیا ہے۔ بڑی مسجد کا معاملہ مختلف ہے، کیونکہ اس میں اسے مانع بنایا گیا ہے۔ اسی طرح یہاں نمازی کے سامنے جتنی جگہ ہے اسے قبلہ کی دیوار تک ایک مکان بنایا گیا ہے۔ مسجد کبیر اور صحرا کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ اگر اسے اس طرح بنایا گیا تو گزرنے والے پر گناہ ہوگا پس گناہ کو سجدہ کی جگہ پر محدود کیا جائے گا۔ اس محل کی وضاحت میں میرے لئے یہی ظاہر ہوا ہے۔

5364۔ (قوله: وَلَوِ امْرَأَةً أَوْ كَلْبًا) یہ قول مطلقاً کا بیان ہے، اس کے ساتھ ''الظاہریہ'' کے قول کے رد کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ عورت، کتے اور گدھے کا نمازی کے سامنے سے گزرنا نماز کو توڑ دیتا ہے اور امام احمد کے قول کا رد ہے جو یہ فرماتے ہیں کہ سیاہ کتا گزرے تو یہ نماز کو قطع کر دیتا ہے اور اس قول کے ساتھ اس روایت کی طرف اشارہ ہے کہ جو اس بارے میں روایت کی گئی ہے وہ منسوخ ہے(1) جس طرح ''الحلبہ'' میں اسے ثابت کیا ہے۔

5365۔ (قوله: أَوْ مُرُورُهُ الخ) اس کا عطف مرور ماز پر ہے یعنی ان چیزوں کا گزرنا بھی نماز کو فاسد نہیں کرتا اگرچہ نمازی کے سامنے سے گزرنے والا گنہگار ہوگا۔ مصنف کا قول: بشرط الخ یہ گناہ کے لئے قید ہے جس طرح پہلے (مقولہ 5358 میں) گزر چکا ہے۔ ''قہستانی'' نے کہا: دکان سے مراد بلند جگہ ہے جس طرح چھت اور چار پائی ہے۔ یہ لفظ دال کے ضمہ اور کاف کی تشدید کے ساتھ ہے۔ اصل میں یہ فارسی ہے اور معرب ہے۔ جس طرح ''الصحاح'' میں ہے۔ یا یہ عربی ہے اور دکنت المتاع سے مشتق ہے جب تو سامان میں سے بعض کو بعض پر ترتیب سے رکھے جس طرح ''مقاییس'' میں ہے۔

5366۔ (قوله: بَعْضِ أَعْضَاءِ الْمَارِّ الخ) ''شرح المنیۃ'' میں ہے: یہ امر مخفی نہیں کہ مراد گزرنے والے کے اعضاء کا نمازی کے تمام اعضاء کے بالمقابل مراد نہیں۔ یہ اس وقت تک نہیں ہوتا، مگر جب گزرنے کا مکان اور نماز کا مکان، بلندی

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب ما یقطع الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 272، حدیث نمبر 602، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

وَكَذَا سَطْحٌ وَسَرِيرٌ وَكُلُّ مُرْتَفِعٍ) دُونَ قَامَةِ الْمَارِّ وَقِيلَ دُونَ السُّتْرَةِ كَمَا فِي غُرَرِ الْأَذْكَارِ (وَإِنْ أَثِمَ الْمَارُّ)
اسی طرح نماز کے فاسد نہ ہونے کا حکم ہے چھت، چارپائی اور ہر بلند جگہ پر نماز پڑھنے کا جو گزرنے والے کی قامت سے کم بلند ہو۔ اور ایک قول یہ کیا گیا ہے وہ اونچائی سترہ سے کم ہے جس طرح ''غرر الاذکار'' میں ہے اگر چہ گزرنے والا گنہگار ہوگا۔

اور پستی میں ایک ہو بلکہ بعض اعضا کا بعض اعضا کے مقابل ہونا مراد ہے۔ اور اس پر صادق آئے گا کہ گزرنے والے کا سر نمازی کے دونوں قدموں کے برابر ہو جائے۔

لیکن ''قہستانی'' میں ہے: اعضا کے اعضا کے بالمقابل ہونے میں گزرنے والے کے تمام اعضا اور نمازی کے تمام اعضاء برابر ہوں۔ یہی قول صحیح ہے، جس طرح ''التتمہ'' میں ہے، جس طرح بعض علما نے کہا یا اس کے اکثر اعضا برابر ہوں۔ جس طرح دوسرے علما نے کہا۔ جس طرح ''کرمانی'' میں ہے اس میں اس امر کا شعور دلایا جا رہا ہے اگر ان کے اقل یا نصف کے مقابل ہو تو مکروہ نہ ہوگا۔ ''الزاد'' میں ہے یہ مکروہ ہوگا۔ جب گزرنے والے کا نصف اسفل، نمازی کے نصف اعلیٰ کے مقابل ہوگا جس طرح گزرنے والا گھوڑے پر ہو۔ ''تامل''۔

5367۔ (قولہ: وَقِيلَ دُونَ السُّتْرَةِ) یعنی ذراع سے کم۔ ''البحر'' میں کہا: یہ غلط ہے، کیونکہ اگر یہ اس طرح ہو تو سوار کا سامنے سے گزرنا مکروہ نہ ہوتا۔ اس کی مثل ''الفتح'' میں ہے۔

5368۔ (قولہ: وَإِنْ أَثِمَ الْمَارُّ) یہ نماز کے فاسد نہ ہونے میں مبالغہ ہے کیونکہ گناہ، نماز کے فساد کو مستلزم نہیں۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ وہ گنہگار ہوگا اگر چہ نمازی کے لئے کوئی سترہ نہ ہو۔ ہم عنقریب (مقولہ 5385 میں) اس کا ذکر کریں گے جو اس کا فائدہ دے گا کہ نمازی پر کوئی گناہ نہیں۔ لیکن ''حلبہ'' میں کہا: بعض فقہا نے بیان کیا کہ یہاں چار صورتیں ہیں۔

1- گزرنے والے کے لئے نمازی کے سامنے گزرنے کے علاوہ گنجائش تھی اور نمازی گزرنے کے مانع نہیں ہوا۔ پس گزرنے والا گناہ میں خاص ہوگا نمازی پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔

2- اس کے مقابل صورت حال۔ وہ یہ ہے نمازی گزرنے کے مانع ہوا اور گزرنے والے کے لئے گزرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا پس نمازی خاص کر گنہگار ہوگا گزرنے والا گناہگار نہ ہوگا۔

3- نمازی گزرنے کے مانع ہوا اور گزرنے والے کے لئے اس کے علاوہ گنجائش تھی تو دونوں گناہگار ہوں گے، نمازی اس لئے گناہگار ہوگا کہ وہ گزرنے کے درپے ہوا اور گزرنے والا اس لئے کہ اس کے لئے ممکن تھا کہ وہ ایسا نہ کرے مگر اس کے باوجود اس نے ایسا کیا۔

4- نمازی اس کے مانع نہ ہوا اور گزرنے والے کے لئے گزرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا تو کوئی بھی گناہگار نہ ہوگا۔ شیخ تقی الدین بن دقیق العید نے اسی طرح نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ''الحلبہ'' کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ ہمارے مذہب کے قواعد اس کے منافی نہیں کیونکہ انہوں نے اس کا ذکر کیا اور اسے ثابت رکھا۔ اور بعض علما نے اسے ''البدائع'' کی طرف منسوب کیا۔ میں نے ''البدائع'' میں اسے نہیں دیکھا۔ اگر یہ

....

''البدائع'' میں ہوتا تو ''حلبہ'' میں اسے ''الشافعیہ'' سے نقل نہ کرتے۔ فافہم

ظاہر یہ ہے کہ دوسری صورت یہ بنتی ہے کہ اگر نمازی مسجد کے دروازے کے پاس جماعت کے کھڑے ہونے کے وقت نماز پڑھے۔ کیونکہ گزرنے والے کو حق حاصل ہے کہ وہ اس کی گردن کو پھلانگتے ہوئے گزرے جس طرح آگے آئے گا۔ اور اگر نمازی اپنی زمین میں نماز پڑھے جبکہ عام لوگوں کے راستہ کی طرف منہ کئے ہوئے ہو تو یہ تیسری صورت بن جائے گی۔ کیونکہ گزرنے والے کو ٹھہرنے کا حکم ہے۔ اگرچہ وہ کوئی اور راستہ نہ پائے۔ جس طرح احادیث کے اطلاق سے ظاہر ہوتا ہے جب تک وہ گزرنے پر مجبور نہ ہو۔ یہ اس وقت ہے جب کشادگی اور گنجائش سے مراد وقوف کا امکان ہو اگرچہ وہ کوئی اور راہ نہ پائے۔ مگر جب مندوحہ سے مراد کسی دوسرے راستے کی سہولت یا نمازی کے پیچھے سے گزرنے کا امکان یا اس سے دور ہو کر گزرنے کا امکان ہو اور گنجائش نہ ہونے کی صورت میں گزرنا معدوم ہو تو اس وقت کہا جائے گا: اگر اس تفسیر کی بنا پر گزرنے والے کے لئے گنجائش ہو تو یہ تیسری صورت میں سے بھی ہوگا۔ ورنہ یہ دوسری صورت میں سے ہوگا۔ پہلی تفسیر کی تائید ان کا یہ قول واما المار فلمرورہ مع امکان ان لا یفعل کرتا ہے۔ اسی طرح علما کے عام لوگوں کے راستہ میں نماز کے مکروہ ہونے کی یہ علت بیان کرنا کہ اس میں لوگوں کو گزرنے سے منع کرنا لازم آتا ہے۔ کیونکہ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ لوگوں کے لئے گزرنا جائز نہیں۔ ورنہ منع کا کوئی معنی نہیں۔ مگر جب منع سے مراد حسی منع ہو، شرعی منع نہ ہو۔ یہ زیادہ ظاہر ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر اگر اس نے عام لوگوں کے راستہ میں نماز پڑھی تو اس کی نماز محترم نہ ہوگی۔ جس طرح اس آدمی کی نماز محترم نہیں ہوتی جو صف میں خلا ہونے کے باوجود پیچھے نماز پڑھتا ہے۔ پس اس نمازی کی تعدی کی وجہ سے لوگوں کو گزرنے سے نہیں روکا جائے گا۔ فلیتامل۔

تنبیہ

''حاشیہ المدنی'' میں ذکر کیا: کعبہ کے اندر، مقام ابراہیم کے پیچھے اور مطاف کے حاشیہ کے پیچھے، نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کو نہیں روکا جائے گا۔ کیونکہ امام احمد اور ابوداؤد نے مطب بن ابی وداعہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی سہم کے دروازے کے قریب نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جبکہ لوگ آپ کے سامنے سے گزر رہے تھے جبکہ آپ کے سامنے سترہ نہیں تھا(1)۔ جو ظاہر ہوتا ہے وہ یہ کہ گزرنے والے طواف کرنے والے تھے کیونکہ طواف نماز ہے تو یہ اسی طرح ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نمازیوں کی صفیں ہیں۔ ''انتہیٰ''

اس کی مثل ''البحر العمیق'' میں ہے اسے عزالدین بن جماعہ امام طحاوی کی ''مشکلات الآثار'' باب بیان مشکل ما روی عنہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المرور بین یدی المصلی فی البیت الحرام سے روایت کی ہے اور منلا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''المنسک الکبیر'' میں اسے نقل کیا ہے۔ سنان آفندی نے بھی اسے اپنی ''منسک'' میں اسے نقل کیا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی تائید کتاب الحج کے باب الاحرام میں (مقولہ 10045 میں) آئے گی۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب المناسک (فی مکۃ)، جلد 1 صفحہ 725، حدیث نمبر 1724

لِحَدِيثِ الْبَزَّارِ لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ مَاذَا عَلَيْهِ مِنْ الْوِزْرِ لَوَقَفَ أَرْبَعِينَ خَرِيفًا (فِي ذَلِكَ) الْمُرُورِ لَوْ بِلَا حَائِلٍ وَلَوْ سِتَارَةٌ تَرْتَفِعُ إذَا سَجَدَ وَتَعُودُ إذَا قَامَ وَلَوْ كَانَ فُرْجَةٌ فَلِلدَّاخِلِ أَنْ يَمُرَّ عَلَى رَقَبَةِ مَنْ لَمْ يَسُدَّهَا؛

کیونکہ بزار کی حدیث ہے: اگر گزرنے والا جانتا کہ اس پر کس قدر بوجھ ہوگا تو وہ چالیس خریف ٹھہرا رہتا گزرنے والا گزرنے کی اس صورت میں گناہگار ہوگا جو کسی پردے کے بغیر ہوا گر وہ پردہ ہو جو اٹھ جاتا ہے جب نمازی سجدہ کرتا ہے اور پھر لوٹ آتا ہے جب وہ نمازی کھڑا ہوتا ہے۔ اور اگر خلا ہو تو مسجد میں داخل ہونے والے کے لئے جائز ہے کہ اس آدمی کی گردن کو پھلانگے جس نے اس خلا کو پر نہیں کیا۔

5369۔ (قولہ: لِحَدِيثِ الْبَزَّارِ الخ) ''الحلبہ'' میں اس کا ذکر کیا کہ حدیث ''صحیحین'' میں ان الفاظ کے ساتھ ہے۔ لو يعلم المار بين يدى المصلى ماذا عليه لكان ان يقف اربعين خير اله من ان يمر بين يديه الخ(2) اگر نمازی کے سامنے سے گزرنے والا جانتا ہوتا کہ اس پر کیا گناہ ہے تو اس کا چالیس تک کھڑے رہنا اس کے سامنے سے گزرنے سے بہتر ہوتا۔ ابونضر، جو اس حدیث کے راویوں میں سے ایک ہے، نے کہا: میں نہیں جانتا کہ چالیس دن، ماہ یا سال کہا۔ ''بزار'' نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور کہا: چالیس سال۔ ''بخاری'' کی بعض روایات میں ماذا عليه من الاثم ہے۔ حدیث میں لفظ خریف کا معنی سال ہے، اسے یہ نام ایک موسم کے اعتبار سے دیا گیا ہے۔

5370۔ (قولہ: فِي ذَلِكَ) یہاں لفظ فی سببیت کے لئے ہے۔

5371۔ (قولہ: وَلَوْ سِتَارَةٌ تَرْتَفِعُ) یعنی جب وہ سجدہ کرتا ہے تو سر کی حرکت سے وہ سترہ زائل ہو جاتا ہے۔ یہ ایسی صورت ہے جس کا ذکر ''سعدی جلبی'' نے ''صاحب ہدایہ'' کے جواب کے طور پر کیا ہے کیونکہ ''صاحب ہدایہ'' نے یہ اختیار کیا ان الحد موضع السجود۔ جس طرح مصنف اسی راہ پر چلے ہیں۔ تو ''سعدی جلبی'' پر یہ اعتراض کیا گیا کہ حائل جیسے دیوار یا ستون کے ہوتے ہوئے گزرنا مکروہ نہیں اور حائل کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ سجدہ کی جگہ ہو۔ ''سعدی جلبی'' نے جواب دیا یہ جائز ہے کہ پردہ معلق ہو، جب وہ رکوع یا سجدہ کرے تو نمازی کا سر اسے حرکت دے گا اور اسے سجدہ کی جگہ سے زائل کر دے گا اور جب وہ کھڑا ہوتا ہے یا بیٹھتا ہے تو سترہ پھر لوٹ آتا ہے۔

اس کی صورت یہ ہے کہ پردہ کپڑے وغیرہ کا ہو جیسے وہ چھت سے لٹک رہا ہو پھر وہ آدمی اس کے قریب نماز پڑھتا ہے جب وہ آدمی سجدہ کرتا ہے تو وہ سترہ اس کی پشت پر آ جاتا ہے اور اس کا سجدہ اس کے باہر ہو جاتا ہے۔ جب وہ کھڑا ہوتا ہے یا بیٹھتا ہے تو وہ زمین پر لٹک جاتا ہے اور اس کے لئے سترہ بنا دیتا ہے۔ ''تامل''۔

5372۔ (قولہ: وَلَوْ كَانَ فُرْجَةٌ الخ) کان تامہ ہے اور فرجۃ اس کا فاعل ہے۔ ''القنیہ'' میں کہا: وہ مسجد میں صف کے پیچھے کھڑا ہوا، اس کے اور صفوں کے درمیان خالی جگہیں تھیں تو داخل ہونے والے کے لیے جائز ہے کہ وہ آگے گزر جائے تا کہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب اثم المار بین یدی المصلی، جلد 1، صفحہ 271، حدیث نمبر 480

صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، منع المار بین یدی المصلی، جلد 1، صفحہ 535، حدیث نمبر 835

لِأَنَّهُ أَسْقَطَ حُرْمَةَ نَفْسِهِ، قُنْيَةٌ (وَيَغْرِزُ) نَدْبًا بَدَائِعُ (الْإِمَامُ)

کیونکہ اس نے اپنے نفس کی حرمت کو خود ساقط کیا ہے۔''قنیہ''۔ اور امام بطور استحباب سترہ گاڑے گا،''بدائع''

صفوں تک جا پہنچے۔ کیونکہ اس نے اپنے نفس کی حرمت کو ساقط کیا تو نمازی کے سامنے سے گزرنے والا گناہگار نہیں ہوگا۔ ''الفردوس'' (مسند فردوس میں نہیں، مترجم) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت ذکر کی ہے وہ اس کی تائید کرتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے صف میں خلا دیکھا تو خود اسے پر کرے اگر اس نے ایسا نہ کیا تو ایک گزرنے والا گزرے تو وہ اس کی گردن کو پھلانگے، کیونکہ ایسے آدمی کے لئے کوئی حرمت نہیں (1)۔ یعنی جس نے اس خلا کو پر نہیں کیا گزرنے والا اس کی گردن کو پھلانگے۔

میں کہتا ہوں: یہاں پھلانگنے سے مراد اس کی گردن کو روندنا نہیں کیونکہ بعض اوقات یہ عمل اس کے قتل کی طرف لے جاتا ہے اور یہ عمل جائز نہیں۔ بلکہ اس سے مراد ہے کہ اس کی گردن کے اوپر سے قدم گزارے۔ جب اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہے تو اس کے لیے گزرنے کا بدرجہ اولیٰ حق ہے۔ فافہم۔

پھر یہ مسئلہ ان کے قول وان اثم الماز کے لئے استثنا کے قائم مقام ہے۔ گزشتہ تفصیل (مقولہ 5368 میں) آپ جان چکے ہیں۔ اس سے اس کو بھی مستثنیٰ کیا جاتا ہے جس کو ہم پہلے (مقولہ 5368 میں) بیان کر چکے ہیں کہ جو کعبہ کے اندر، مقام ابراہیم اور مطاف کے حاشیہ کے پیچھے نمازی کے سامنے سے گزرے۔

تتمہ: ''غریب الروایہ'' میں ہے بڑی نہر سترہ نہیں۔ اسی طرح بڑا حوض سترہ نہیں۔ کنواں سترہ ہے۔ ایک آدمی، نمازی کے سامنے سے گزرنے کا ارادہ کرے اگر اس کے پاس کوئی شے ہو تو وہ اسے نمازی کے سامنے رکھے پھر وہ گزرے اور اسے لے لے۔ اگر دو آدمی گزریں، ان میں سے ایک نمازی کے سامنے کھڑا ہو اور دوسرا گزر جائے اور دوسرا بھی اسی طرح کرے گا اور دونوں گزر جائیں گے۔ اگر اس کے پاس سواری ہو تو وہ سوار ہو کر گزرے تو گناہگار ہوگا۔ اگر وہ اترے اور سواری کو سترہ بنائے اور گزر جائے تو وہ گناہگار نہیں ہوگا۔ اگر دو آدمی بالمقابل گزریں تو جو نمازی کی جانب ہوگا وہ گناہگار ہوگا۔ ''قنیہ''

میں کہتا ہوں: جب اس کے پاس عصا ہو جو زمین پر خود نہیں ٹھہرتا تو اس نے اپنے ہاتھ میں اسے پکڑے رکھا اور اس کے پیچھے سے گزر گیا۔ کیا اس کے لئے یہ کافی ہے؟ میں نے اس کو کہیں نہیں دیکھا۔

5373۔ (قولہ: نَدْبًا) کیونکہ حدیث طیبہ ہے: جب تم میں سے کوئی ایک نماز پڑھے تو سترہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے اور کسی کو اپنے سامنے سے نہ گزرنے دے۔ اسے حاکم اور امام احمد اکابر وغیرہما نے روایت کیا ہے۔ حدیث ہے اذا صلی احد کم الخ (2)۔ ''المنیہ'' میں سترہ نہ گاڑنے کی کراہت کی صراحت کی ہے۔ یہ کراہت تنزیہی ہے۔ امر کو اس کے حقیقی معنی سے پھیرنے والی وہ روایت ہے جسے ابوداؤد نے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے رأینا النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

1۔ المعجم الکبیر للطبرانی، جلد 11، صفحہ 104، حدیث نمبر 11184

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، الدنو من السترۃ، جلد 1، صفحہ 270، حدیث نمبر 596/598

وَكَذَا الْمُنْفَرِدُ (فِي الصَّحْرَاءِ) وَنَحْوِهَا (سُتْرَةٌ بِقَدْرِ ذِرَاعٍ) طُولًا (وَغِلَظِ أُصْبُعٍ) لِتَبْدُوَ لِلنَّاظِرِ (بِقُرْبِهِ) دُونَ ثَلَاثَةِ أَذْرُعٍ (عَلَى) حِذَاءِ (أَحَدِ حَاجِبَيْهِ)

اوراسی طرح منفرد سترہ گاڑے گا۔صحراوغیرہا میں ایک ہاتھ لمبا اور انگلی کے برابر موٹا۔تاکہ دیکھنے والے کے لئے ظاہر ہو، وہ سترہ نمازی سے تین ذراع سے کم فاصلے پر گاڑا جائے، وہ سترہ نمازی کے دونوں ابروؤں میں سے ایک ابرو کے بالمقابل ہو

فی بادیة الخ (1)۔ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جنگل میں دیکھا آپ نماز پڑھ رہے تھے جبکہ آپ کے سامنے سترہ نہیں تھا۔اور وہ روایت امر کو حقیقی معنی سے پھیر رہی ہے جسے امام احمد نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک کھلی جگہ نماز پڑھی جبکہ ان کے سامنے سترہ نہیں تھا۔جس طرح ''شرنبلالیہ'' میں ہے۔

سترہ کے احکام

5374۔(قولہ: وَكَذَا الْمُنْفَرِدُ) اسی طرح مقتدی بطور استحباب سترہ گاڑے جہاں تک مقتدی کا تعلق ہے تو امام کا سترہ اسے کافی ہوگا۔جس طرح آگے (مقولہ 5393 میں) آئے گا۔

5375۔(قولہ: وَنَحْوِهَا) یعنی ہر ایسی جگہ جہاں سے گزرنے کا خوف ہو۔''البحر'' میں ''الحلبہ'' سے نقل کیا ہے: صحرا کی قید لگائی کیونکہ یہی وہ محل ہوتا ہے جس میں عموماً گزرنا واقع ہوتا ہے ورنہ ظاہر یہ ہے کہ اس جگہ سترہ کو ترک کرنا جس جگہ سے گزرنے کا خوف ہو وہ جگہ کوئی بھی ہو مکروہ ہوتا ہے۔

5376۔(قولہ: بِقَدْرِ ذِرَاعٍ) یہ اس کے اقل کا بیان ہے۔''ط''۔ظاہر یہ ہے کہ مراد ہاتھ کا ذراع ہے جس طرح شافعیہ نے اس کی تصریح کی ہے وہ دو بالشت ہے۔

5377۔(قولہ: وَغِلَظِ أُصْبُعٍ) ''الہدایہ'' میں اسی طرح ہے۔لیکن ''البدائع'' میں سترہ کی موٹائی کے بیان کو قول ضعیف قرار دیا ہے۔اور اس کی چوڑائی کا کوئی اعتبار نہیں۔اور ظاہر یہی ہے کہ یہی مذہب ہے،''بحر''۔اس کی تائید وہ قول کرتا ہے جسے حاکم نے روایت کیا ہے اور کہا علی شرط مسلم۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سترہ کجاوے کی پچھلی جانب کے برابر ہونا کافی ہے اگرچہ بال برابر باریک ہو (2)۔مؤخرة، یہ لفظ میم کے ضمہ، ہمزہ ساکنہ اور خا معجمہ کے کسرہ کے ساتھ ہے۔مراد وہ لکڑی ہے جو اونٹ کے کجاوے کی پچھلی جانب ہوتی ہے۔جس طرح ''حلبہ'' میں ہے۔

5378۔(قولہ: بِقُرْبِهِ) یہ یغرز کے متعلق ہے یا یہ محذوف کے متعلق ہے جو سترہ کی صفت ہے یا اس سے حال ہے۔

5379۔(قولہ: دُونَ ثَلَاثَةِ أَذْرُعٍ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ دون کے لفظ کی جگہ قدر کا لفظ ذکر کرتے۔کیونکہ ''البحر'' میں ''الحلبہ'' سے مروی ہے: سنت یہ ہے کہ نمازی اور سترہ کے درمیان تین ہاتھ کا فاصلہ نہ ہو۔''ط''۔

1۔سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب الکلب لا یقطع الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 277، حدیث نمبر 616

2۔المستدرک للحاکم، جلد 1، صفحہ 252۔کنز العمال، کتاب الصلوٰۃ، باب السترہ، جلد 8، صفحہ 210، حدیث 22588

لَا بَیْنَ عَیْنَیْهِ وَالْأَیْمَنُ أَفْضَلُ (وَلَا یَکْفِی الْوَضْعُ وَلَا الْخَطُّ) وَقِیلَ یَکْفِی فَیَخُطُّ طُولًا، وَقِیلَ کَالْمِحْرَابِ

نہ کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ہو جبکہ دائیں ابرو کے بالمقابل ہونا افضل ہے، اسے زمین پر رکھ دینا کافی نہیں اور نہ ہی خط کھینچنا کافی ہے۔ اور ایک قول یہ کیا گیا ہے خط کافی ہے پس وہ لمبائی کی صورت میں خط لگائے۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ محراب کی طرح خط لگائے

یہ مسئلہ باقی رہ گیا ہے کہ کیا سترہ کی طرف نماز پڑھنے کی سنت کے حصول کے لئے یہ شرط ہے۔ یہاں تک کہ اگر وہ تین ہاتھ سے زائد ہو تو اس کی نماز سترہ کی طرف نہ ہوگی یا یہ مستقل سنت ہے؟ میں نے اس قول کو نہیں دیکھا۔

5380۔ (قولہ: وَالْأَیْمَنُ أَفْضَلُ) ''زیلعی'' نے اس کی تصریح کی ہے۔

5381۔ (قولہ: وَلَا یَکْفِی الْوَضْعُ) یعنی جب سترہ زمین میں گاڑنا ممکن نہ ہو تو اسے زمین پر رکھنا کافی نہیں۔ یہ وہ قول ہے جسے ''الہدایہ'' میں اختیار کیا ہے۔ ''غایۃ البیان'' میں اسے امام ''ابوحنیفہ'' رطیشلیہ اور امام ''محمد'' رطیشلیہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ ایک جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے، ان میں سے ''قاضی خان'' بھی ہیں یہ تعلیل بیان کرتے ہوئے کہ یہ مقصود کا فائدہ نہیں دیتا۔ ''بحر''۔

5382۔ (قولہ: وَلَا الْخَطُّ) یعنی زمین میں خط لگانا کافی نہیں جب وہ کوئی ایسی چیز نہ پائے جس کو وہ سترہ بنائے۔ یہ ان دو روایتوں میں سے ایک روایت پر ہے کہ یہ مسنون نہیں۔ بہت سے مشائخ اس پر چلے ہیں۔ ''الہدایہ'' میں اسے اختیار کیا ہے کیونکہ اس کے ساتھ مقصود حاصل نہیں ہوتا کیونکہ یہ دور سے ظاہر نہیں ہوتا۔

5383۔ (قولہ: وَقِیلَ یَکْفِی) یعنی سترہ رکھنا اور خط لگانا کافی ہے یعنی اس کے ساتھ سنت حاصل ہو جاتی ہے۔ پس سترہ رکھنا سنت ہے۔ جس طرح ''قدوری'' نے امام ''ابویوسف'' رطیشلیہ سے نقل کیا ہے۔ پھر کہا گیا: وہ سترہ کو لمبائی کی صورت میں رکھے گا چوڑائی کی صورت میں نہیں رکھے گا تاکہ وہ گاڑنے کی مثل ہو جائے۔ خط لگانا سنت ہے جس طرح امام ''محمد'' رطیشلیہ سے دوسری روایت مروی ہے کیونکہ حضرت ابوداؤد کی حدیث ہے: اگر اس کے پاس عصا نہ ہو تو وہ خط لگائے (1)۔ یہ ضعیف ہے لیکن فضائل میں اس پر عمل کرنا جائز ہے۔ اسی وجہ سے ابن ہمام نے کہا: اتباع میں سنت اولیٰ ہے ساتھ ہی فی الجملہ یہ ظاہر ہوتا ہے کیونکہ مقصود دل کو خیال کے ساتھ مربوط کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ منتشر نہ ہو۔ ''البحر'' اور ''شرح المنیہ'' میں یہ اسی طرح ہے۔ ''الحلبہ'' میں کہا: بعض اوقات اسی کی تضعیف امام احمد، ابن حبان وغیرہما کی تصحیح کے معارض آ جاتی ہے۔

5384۔ (قولہ: فَیَخُطُّ طُولًا الخ) ''شرح المنیہ'' میں فرمایا: ابوداؤد نے کہا: بعض علما نے فرمایا کہ خط لمبائی کی صورت میں لگایا جائے گا۔ جب کہ بعض علما نے فرمایا: چوڑائی کی صورت میں چاند کی طرح۔ ''نووی'' نے ذکر کیا ہے: پہلا قول مختار ہے تاکہ وہ سترہ کے سائے کی مثل ہو جائے۔ ''بحر''۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب الخط اذا لم یجد عصا، جلد 1، صفحہ 268، حدیث نمبر 591

(وَيَدْفَعُهُ) هُوَ رُخْصَةٌ، فَتَرْكُهُ أَفْضَلُ بَدَائِعِ قَالَ الْبَاقَانِيُّ فَلَوْ ضَرَبَهُ فَمَاتَ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، خِلَافًا لَنَا عَلَى مَا يُفْهَمُ مِنْ كُتُبِنَا (بِتَسْبِيحٍ) أَوْ جَهْرٍ بِقِرَاءَةٍ

اور وہ گزرنے والے کو تسبیح کے ذریعے روکے، یہ عمل رخصت ہے، اس کو ترک کرنا افضل ہے ''بدائع''۔ ''باقانی'' نے کہا: اگر نمازی نے گزرنے والے کو مارا اور وہ گزرنے والا مر گیا تو امام شافعی کے نزدیک اس نمازی پر کوئی چیز لازم نہ ہوگی، ہماری کتب سے جو مفہوم اخذ ہوتا ہے اس کے خلاف ہے۔ یا بلند آواز سے قراءت کرنے کے ساتھ روکے

تنبیہ

علما نے اس کا ذکر نہیں کیا جب اس کے ساتھ سترہ نہ ہو، جبکہ اس کے پاس کپڑا یا کتاب ہے، کیا اسے اپنے سامنے رکھنا کافی ہوگا؟ ظاہر یہی ہے ہاں۔ جس طرح ابن ہمام کی اس تعلیل سے اخذ ہوتا ہے جو ابھی گزری ہے۔ اسی طرح اگر اس نے اپنا کپڑا پھیلایا اور اس پر نماز پڑھی۔ پھر ان کی کلام سے یہ مفہوم ہے کہ جب سترہ گاڑنا ممکن ہو تو اسے رکھنا کافی نہیں اور سترہ رکھنے کے ممکن ہونے کی صورت میں خط کافی نہیں ہوگا۔

5385۔ (قولہ: وَيَدْفَعُهُ) یعنی جب کوئی آدمی نمازی کے سامنے سے گزرے اور اس کے سامنے سترہ نہ ہو یا نمازی کے سامنے سترہ ہو اور وہ نمازی اور سترہ کے درمیان سے گزرے۔ جس طرح ''الحلبہ'' اور ''البحر'' میں ہے۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ گزرنے والا گناہگار ہوگا اگر سترہ نہ ہو۔ جس طرح ہم نے پہلے (مقولہ 5368 میں) بیان کیا ہے۔ ''تتارخانیہ'' میں ہے: جب گزرنے والے کو دوسرا آدمی روکے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا خواہ وہ آدمی نماز میں ہو یا نہ ہو۔

5386۔ (قولہ: فَلَوْ ضَرَبَهُ الخ) جب مارنے کے علاوہ اسے روکنا ممکن نہ ہو۔ کیونکہ شافعیہ نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ روکنے والے پر لازم ہے کہ وہ آسان ترین طریقہ تلاش کرے جس طرح حملہ آور کو روکنے میں ہوتا ہے۔

5387۔ (قولہ: خِلَافًا لَنَا الخ) یعنی ہمارے قریب کی کتب سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ امام شافعی نے جو کہا ہے وہ ہمارے قول کے خلاف ہے۔ کیونکہ انہوں نے ہماری کتب میں تصریح کی ہے کہ یہ رخصت ہے۔ اور عزیمت یہ ہے کہ اس سے تعرض نہ کیا جائے۔ جب یہ رخصت ہے تو سلامتی کے وصف کے ساتھ یہ متقید ہوگی۔ ''رحمتی'' نے اسے بیان کیا ہے بلکہ ان کا قول ہے: اشارہ پر زیادتی نہ کی جائے گی اس میں صریح ہے کہ رخصت صرف اشارہ کرنا ہے اور مقاتلہ کی اصلاً اجازت نہیں۔ جہاں تک حدیث فليقاتله فانه شيطان (1) میں مقاتلہ کا امر ہے یہ منسوخ ہے۔ کیونکہ ''زیلعی'' میں ''سرخسی'' سے مروی ہے کہ اس کا امر ابتداء پر محمول ہے جب نماز میں عمل مباح تھا، جب قتال کرنا نماز میں ہمارے نزدیک ماذون نہیں تو اس کا قتل کرنا جنایت ہوگا۔ اس کا حکم دیت یا قصاص، لازم ہوگا۔ فافہم۔

5388۔ (قولہ: أَوْ جَهْرٍ بِقِرَاءَةٍ) ''البحر'' میں جہری نماز کی بحث کرتے ہوئے اسے خاص کر ذکر کیا ہے اور نمازوں

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب منع المار بين يدى المصلى، جلد 1، صفحہ 534، حدیث نمبر 832

(أَوْ إِشَارَةٍ) وَلَا يُزَادُ عَلَيْهَا عِنْدَنَا، قُهُسْتَانِيٌّ (لَا بِهِمَا) فَإِنَّهُ يُكْرَهُ، وَالْمَرْأَةُ تُصَفِّقُ لَا بِبَطْنٍ عَلَى بَطْنٍ، وَلَوْ صَفَّقَ أَوْ سَبَّحَتْ لَمْ تَفْسُدْ، وَقَدْ تَرَكَا السُّنَّةَ، تَتَارْخَانِيَّةٌ (وَكَفَتْ سُتْرَةُ الْإِمَامِ) لِلْكُلِّ

یا اسے اشارہ کے ساتھ روکے۔ اور ہمارے نزدیک اس پر اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ اور ان دونوں کو جمع نہ کرے اور عورت ایک ہتھیلی کے باطن کو دوسری ہتھیلی کے باطن پر مار کر تالی نہیں بجائے گی۔ اگر مرد نے تالی بجائی یا عورت نے تسبیح کہی تو نماز فاسد نہ ہوگی جبکہ دونوں نے سنت طریقہ کو ترک کیا ''تتارخانیہ''۔ امام کا سترہ تمام مقتدیوں کے لئے کافی ہے۔

میں سے جس کو بلند آواز سے ادا کیا جاتا ہے، اس تعبیر کی بنا پر مراد جہر سے آواز کو زیادہ بلند کرنا ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ یہ سری نمازوں کو شامل ہو کیونکہ اس جہر کی اجازت ہے پس یہ مکروہ نہ ہوگا کیونکہ تھوڑا سا جہر معاف ہے۔ اور مکروہ وہ ہوتا ہے جس کے ساتھ نماز جائز ہو جاتی ہے۔ یہ اصح قول ہے جس طرح ''البحر'' کے کتاب السہو میں ہے۔ جب سری نماز میں ایک یا دو کلمے جہر سے پڑھنے جائز ہیں تو مقصود حاصل ہو گیا اور محذور لازم نہ ہوا ''فتدبر''۔

5389۔ (قولہ: أَوْ إِشَارَةٍ) یعنی ہاتھ، سر یا آنکھ سے اشارہ کرے۔ ''بحر''۔

5390۔ (قولہ: وَلَا يُزَادُ عَلَيْهَا) اشارہ پر ان چیزوں کے ساتھ اضافہ نہیں کیا جائے گا جن کا ذکر کیا گیا۔ کپڑے کو پکڑنے اور تکلیف دہ ضرب کے ساتھ اسے نہیں روکا جائے گا جس طرح ''قہستانی'' میں ''تمرتاشی'' سے مروی ہے۔ اس سے یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ نماز عمل کثیر کے ساتھ فاسد ہو جاتی ہے۔ اس میں جو دو قول ہیں ان میں سے ایک کے مطابق سانپ کو قتل کرنے کا معاملہ مختلف ہے۔ جس طرح آگے (مقولہ 5494 میں) آئے گا۔

5391۔ (قولہ: لَا بِهِمَا) یعنی تسبیح اور اشارہ دونوں کو جمع نہیں کرے گا۔ کیونکہ دونوں میں سے ایک کفایت کر جاتا ہے اور دونوں کو جمع کرنا مکروہ ہے۔ جس طرح ''ہدایہ'' میں جو کچھ ہے یہ اس کی تحریف ہے۔ جس طرح شارح نے ''الخزائن'' کے حاشیہ میں بیان کیا ہے۔

5392۔ (قولہ: لَا بِبَطْنٍ عَلَى بَطْنٍ) بلکہ وہ دائیں ہاتھ کی انگلیوں کی پشت کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کے باطن کو مارے جس طرح ''البحر'' وغیرہ میں ''غایۃ البیان'' سے مروی ہے۔ لیکن اس کی وجہ ظاہر نہیں، کیونکہ دائیں ہاتھ کے باطن کو بائیں ہاتھ کی پشت پر مارنا اس میں عمل قلیل ہے۔ گویا اس نے شارح کو مجبور کیا کہ وہ عبارت کو بدل دیں اور محل کراہت پر نص قائم کریں۔ اور وہ ایک ہتھیلی کو دوسری ہتھیلی پر مارنا ہے۔ ''رحمتی''۔

5393۔ (قولہ: لِلْكُلِّ) یعنی سب جن کا ذکر پہلے ہوا۔ اس تعبیر کی بنا پر اگر کوئی چھوٹی مسجد میں صف کے قبلہ کی جانب سے گزرے تو یہ مکروہ نہیں ہوگا جب امام کا سترہ ہو۔ اور تعمیم کا ظاہر مسبوق کو بھی شامل ہے۔ ''قہستانی'' نے اس کی تصریح کی ہے۔ اس کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اشارہ پر اکتفا کیا جائے اگرچہ یہ امام کے فارغ ہونے کے بعد ہو ورنہ اس کا فائدہ کیا ہوگا؟

بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے: اس کا فائدہ اس امر پر تنبیہ ہے کہ یہ ابتدا سے نماز میں شامل ہونے والے کی طرح ہے۔ نماز میں داخل ہونے سے قبل اس سے سترہ گاڑنے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا اگرچہ یہ لازم آتا ہے کہ امام کے سلام پھیرنے کے

(وَلَوْ عُدِمَ الْمُرُورُ وَالطَّرِيقُ جَازَ تَرْكُهَا) وَفِعْلُهَا أَوْلَى (وَكُرِهَ) هَذِهِ تَعُمُّ التَّنْزِيهِيَّةَ الَّتِي مَرْجِعُهَا خِلَافُ الْأَوْلَى، فَالْفَارِقُ الدَّلِيلُ، فَإِنْ نَهْيًا ظَنِّيَّ الثُّبُوتِ وَلَا صَارِفَ فَتَحْرِيمِيَّةٌ

اور اگر گزرنا اور راستہ، معدوم ہو تو سترہ کا ترک کرنا جائز ہوگا اور سترہ بنانا اولی ہے اور مکروہ ہے یہ کراہت تنزیہی کو عام ہے جس کا مرجع خلاف اولی ہے، دونوں میں فرق کرنے والی دلیل ہوا گر ایسی نہی جو ظنی الثبوت ہو اور اسے کوئی پھیرنے والی چیز نہ ہو تو مکروہ تحریمی ہوگی

بعد وہ سترہ کے بغیر منفرد ہو جائے۔ کیونکہ اعتبار نماز شروع کرنے کے وقت کا ہوگا اور نماز شروع کرنے کے وقت وہ امام کے سترہ سے سترہ کرنے والا ہے۔ ''تامل''۔

5394۔ (قولہ: وَلَوْ عُدِمَ الْمُرُورُ الخ) یعنی اگر وہ ایسی جگہ نماز پڑھے جس میں کوئی آدمی نہیں گزرتا اور وہ راستہ کی طرف منہ نہیں کئے ہوئے تو سترہ کا ترک کرنا مکروہ نہیں۔ کیونکہ سترہ اس لئے بنایا جاتا ہے تا کہ گزرنے والے سے حجاب ہو۔ ''البحر'' میں ''الحلبہ'' سے نقل کیا ہے: یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس حال میں سترہ بنایا جائے اگر چہ کسی دوسرے مقصود کی وجہ سے سترہ کو ترک کرنا مکروہ نہ ہو اور وہ اپنی نظر کو اس سے آگے کی طرف جانے سے روکتا ہے اور دل کو خیال سے مربوط کرتا ہے۔

علما نے اپنے اس قول کے ساتھ قید لگائی ہے کہ وہ راستہ کی طرف منہ کئے ہوئے نہ ہو۔ کیونکہ عام لوگوں کے راستہ میں نماز مکروہ ہے خواہ وہ سترہ کے ساتھ ہو یا سترہ کے بغیر ہو۔ کیونکہ راستہ کو گزرنے کے لئے تیار کیا جاتا ہے تو اسے ایسے کام میں مشغول کرنا جائز نہیں جو اس راستہ کا شغل نہ ہو۔ جس طرح ''المحیط'' میں ہے۔ اس کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ کراہت تحریم کے لئے ہے اس کی مکمل بحث ''البحر'' میں ہے۔

نماز کے مکروہات

مکروہ تحریمی اور مکروہ تنزیہی میں فرق

5395۔ (قولہ: هَذِهِ تَعُمُّ التَّنْزِيهِيَّةَ الخ) ''البحر'' میں کہا: اس باب میں مکروہ کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔ مکروہ تحریمی۔ جب علما مطلق مکروہ کا لفظ ذکر کرتے ہیں تو ان کی مراد یہی ہوتی ہے۔ جس طرح ''الفتح'' کی کتاب الزکاۃ میں ہے۔ اور یہ ذکر کیا کہ یہ واجب کے رتبہ میں ہے۔ مکروہ تحریمی ثابت نہیں ہوتا مگر ایسی دلیل سے جس سے واجب ثابت ہوتا ہے۔ یعنی مکروہ تحریمی ایسی نہی سے ثابت ہوتا ہے جس کا ثبوت ظنی ہو یا جس کی دلالت ظنی ہو۔ کیونکہ واجب ایسے امر سے ثابت ہوتا ہے جس کا ثبوت یا دلالت ظنی ہو۔

۲۔ مکروہ تنزیہی۔ اس کا مرجع یہ ہوتا ہے کہ اس کا ترک کرنا اولیٰ ہوتا ہے۔ علما اکثر مکروہ کا ذکر کرتے ہیں جس طرح ''الحلبہ'' میں اس کا ذکر کیا ہے، جب وہ مکروہ کا ذکر کریں تو اس کی دلیل میں نظر کرنا ضروری ہے۔ اگر وہ نہی ظنی ہو تو مکروہ تحریمی کا حکم

وَإِلَّا فَتَنْزِيهِيَّةٌ (سَدْلُ) تَحْرِيمًا لِلنَّهْيِ (ثَوْبِهِ) أَيْ إرْسَالُهُ بِلَا لُبْسٍ مُعْتَادٍ وَكَذَا الْقَبَاءُ بِكُمٍّ إلَى وَرَاءٍ ذَكَرَهُ الْحَلَبِيُّ؛

ورنہ مکروہ تنزیہی ہوگی۔ اپنے کپڑے کا سدل کرنا یعنی معمول کے طریقہ سے پہننے کی بجائے اسے لٹکانا، مکروہ تحریمی ہے کیونکہ اس بارے میں نہی موجود ہے۔ اور اسی طرح قبا زیب تن کرنا جبکہ اس کی آستین پشت کی جانب ہو، ''حلبی'' نے اسے ذکر کیا ہے،

لگایا جائے گا مگر کوئی ایسی دلیل موجود ہو جو نہی کی حرمت سے ندب کی طرف پھیر دے۔ اگر دلیل نہی نہ ہو بلکہ اس ترک کا فائدہ دے جو غیر جازم ہو تو وہ مکروہ تنزیہی ہوگا۔

میں کہتا ہوں: خاص نہی کی دلیل کے بغیر بھی اسے پہچانا جاتا ہے، اس طرح کہ وہ ترک واجب یا ترک سنت کو متضمن ہو۔ پس پہلا مکروہ تحریمی ہوگا اور دوسرا مکروہ تنزیہی ہوگا۔ لیکن تنزیہی، شدت اور تحریمی سے قربت میں متفاوت ہوتی ہے جس انداز میں سنت متاکد ہوتی ہے۔ کیونکہ استحباب کے مراتب متفاوت ہوتے ہیں جس طرح سنت، واجب اور فرض کے مراتب متفاوت ہوتے ہیں، اسی طرح اس کی اضداد کی حالت ہوگی۔ جس طرح ''شرح المنیہ'' میں بیان کیا ہے۔ مکروہات کے آخر میں (مقولہ 5507 میں) اس کی وضاحت آئے گی۔

5396۔ (قولہ: وَإِلَّا فَتَنْزِيهِيَّةٌ) یہ قول ان کے قول فان نهیا کی طرف راجع ہے۔ یعنی اگر وہ نہی نہ ہو بلکہ ایسے ترک کا فائدہ دے جو غیر جازم ہے اور یہ ان کے قول ولا صارف کی طرف راجع ہے۔ یعنی اگر نہی تو ہو مگر تحریم سے پھیرنے والی دلیل موجود ہو تو دونوں صورتوں میں کراہت تنزیہی ہوگی۔ جس طرح تو نے ''البحر'' کی عبارت سے جانا ہے۔ فافہم۔

5397۔ (قولہ: تَحْرِيمًا لِلنَّهْيِ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ اسے مضاف الیہ یعنی ثوبہ سے موخر کرتے۔ ''ط''۔

5398۔ (قولہ: أَيْ إرْسَالُهُ بِلَا لُبْسٍ مُعْتَادٍ) ''شرح المنیہ'' میں کہا: سدل سے مراد کپڑا پہنے بغیر اسے لٹکانا ہے کیونکہ یہ بدیہی ہے کہ قمیص وغیرہ کے ذیل کو لٹکانا سدل نہیں کہلاتا۔

ان کے قول ونحو میں پگڑی کا شملہ بھی شامل ہے۔ ''البحر'' میں کہا: ''کرخی'' نے اس کی تفسیر بیان کی کہ وہ اپنا کپڑا سر یا اپنے کندھوں پر رکھے اور اس کے اطراف اپنے پہلو پر لٹکا دے جب اس نے پائجامہ نہ پہنا ہو تو اس کی کراہت شرمگاہ کے ننگا ہو جانے کے احتمال کی وجہ سے ہوگی۔ اگر اس نے پائجامہ پہنا ہو تو اس کی کراہت اہل کتاب کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ہوگی، یہ مطلقاً مکروہ ہے خواہ وہ تکبر کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے۔

پھر ''البحر'' میں کہا: ان کی کلام کا ظاہر تقاضا کرتا ہے کہ اس میں کوئی فرق نہیں کہ کپڑا نیچے گرنے سے محفوظ ہو یا نہ ہو۔ اس تعبیر کی بنا پر بڑی چادر کو سر پر رکھنا مکروہ ہوگا۔ اس کی وضاحت ''شرح الوقایہ'' میں کی ہے یعنی جب اسے گردن پر نہ لپیٹے ورنہ کوئی سدل نہیں۔

5399۔ (قولہ: وَكَذَا الْقَبَاءُ بِكُمٍّ إلَى وَرَاءٍ) یعنی جس طرح رومی قبا ہوتی ہے جس کی آستینوں کے لئے بازو سے

كَشَدٍّ وَمِنْدِيلٍ يُرْسِلُهُ مِنْ كَتِفَيْهِ، فَلَوْ مِنْ أَحَدِهِمَا لَمْ يُكْرَهْ كَحَالَةِ عُذْرٍ وَخَارِجِ صَلَاتِهِ فِي الْأَصَحِّ، وَفِي الْخُلَاصَةِ إِذَا لَمْ يُدْخِلِ الْيَدَ فِي كُمِّ الْفَرَجِيِّ الْمُخْتَارُ أَنَّهُ لَا يُكْرَهُ، وَهَلْ يُرْسِلُ الْكُمَّ أَوْ يُمْسِكُ؟

جیسے دوپٹہ اور رومال جسے وہ اپنے دونوں کندھوں سے نیچے چھوڑ دیتا ہے۔ اگر وہ ایک کندھے سے چھوڑتا ہے تو مکروہ نہ ہوگا جس طرح عذر کی حالت ہو اور نماز سے باہر ہو۔ یہی اصح قول ہے۔ ''الخلاصہ'' میں ہے: جب وہ اپنے ہاتھ فرجیہ (کپڑا جو قبا کی طرح ہوتا ہے) کی آستین میں داخل نہ کرے مختار یہ ہے کہ وہ مکروہ نہ ہوگا اور کیا وہ آستین کو چھوڑ دے یا پکڑ لے؟

او پر سوراخ بنائے جاتے ہیں، جب نمازی اپنا ہاتھ اس سوراخ سے نکالے اور مثلاً آستین اپنی پشت کی جانب چھوڑ دے تو یہ بھی مکروہ ہوگا۔ کیونکہ اس پر سدل کا صدق آتا ہے کیونکہ یہ پہننے کے بغیر ڈھیلا چھوڑ دینا ہے کیونکہ آستین کا پہننا اس میں ہاتھ داخل کرنے کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ''شرح المنیہ'' میں ہے۔

5400۔ (قولہ: كَشَدٍّ) یہ ایسی شے ہے جس کو کندھوں پر رکھنے کا معمول ہے جس طرح ''البحر'' میں ہے۔ یہ شال کی مثل ہے۔

5401۔ (قولہ: فَلَوْ مِنْ أَحَدِهِمَا لَمْ يُكْرَهْ) یہ قول اس قول کے مخالف ہے جو ''البحر'' میں ہے۔ کیونکہ دوپٹہ میں ذکر کیا کہ اگر اس نے اس کی ایک جانب اپنے سینے پر لٹکائی اور ایک جانب اپنی پشت پر لٹکائی تو یہ مکروہ ہوگا۔

5402۔ (قولہ: وَخَارِجِ صَلَاتِهِ فِي الْأَصَحِّ) یعنی جب وہ تکبر کے لئے نہ ہو تو اصح یہ ہے کہ یہ مکروہ نہیں۔ ''النہر'' میں کہا: یعنی مکروہ تحریمی نہ ہوگا ورنہ جو قول گزر چکا ہے اس کا مقتضا یہ ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہوگا۔

اور جو قول گزر رہا ہے وہ یہ قول ہے لانہ صنیع اهل الكتاب۔ شیخ اسماعیل نے کہا: اس میں بحث ہے کیونکہ ان کی کلام سے ظاہر یہ ہے کہ اس کے فعل کا اہل کتاب کے ساتھ خاص کرنا، اس میں معتبر یہ ہے کہ یہ عمل نماز میں ہو پس مشابہت اور اس کا مکروہ ہونا، نماز سے باہر ظاہر نہیں ہوگا۔

5403۔ (قولہ: فِي الْخُلَاصَةِ) یہ ان کے قول و كذا القباء الخ پر استدراک ہے، ''ح''۔ لیکن ''شرح المنیہ'' میں کہا: ''الخلاصہ'' میں ہے: نمازی جب شقہ یا فرجیہ پہنے ہوئے ہو اور وہ اپنے ہاتھ آستین میں داخل نہ کرے تو متاخرین نے مکروہ ہونے میں اختلاف کیا ہے۔ مختار قول یہی ہے کہ یہ مکروہ نہیں۔ ''بزازی'' کے سوا کسی نے ان کی موافقت نہیں کی۔ صحیح وہ ہے جس کو قاضی خان نے اپنایا ہے جبکہ جمہور کا کہنا ہے کہ یہ مکروہ ہے۔ کیونکہ جب اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنی آستینوں میں داخل نہیں کیا تو اس پر سدل کا اسم صادق آئے گا کیونکہ یہ کپڑا زیب تن کئے بغیر اسے لٹکانا ہے۔

''الخزائن'' میں کہا: بلکہ ابو جعفر نے ذکر کیا ہے: اگر اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اس کی آستینوں میں داخل کیا اور اس کے وسط کو نہ باندھا یا بٹن نہ لگائے تو وہ گناہگار ہوگا کیونکہ یہ سدل کے مشابہ ہے۔

میں کہتا ہوں: لیکن ''الحلبہ'' میں کہا: اس میں اعتراض ظاہر و باہر ہے بعد اس کے اس کے نیچے قمیض زیب تن کئے ہوئے ہو یا قمیض جیسی کوئی چیز پہنے ہوئے ہو جو بدن کے ستر کا اہتمام کرتی ہے، بلکہ اس کے وسط کو باندھنے کے مکروہ ہونے

خِلَافٌ وَالْأَحْوَطُ الثَّانِي قُهُسْتَانِيٌّ (وَ) كُرِهَ (كَفُّهُ) أَيْ رَفْعُهُ وَلَوْ لِتُرَابٍ كَمُشَمِّرِ كُمٍّ أَوْ ذَيْلٍ
اس میں اختلاف ہے، زیادہ محتاط دوسرا قول ہے، ''قہستانی''۔ اور کپڑے کو اوپر اٹھانا مکروہ ہے اگر چہ مٹی کی وجہ سے ہو، جیسے مکروہ ہے آستین چڑھائے یا دامن سمیٹے نماز میں داخل ہو۔

میں اختلاف کیا گیا ہے جبکہ اس آدمی نے قمیض وغیرہ پہنی ہو۔ ''العتابیہ'' میں ہے: یہ مکروہ ہے کیونکہ یہ اہل کتاب کا عمل ہے۔ ''الخلاصہ'' میں ہے یہ مکروہ نہیں۔ ''نور الایضاح'' میں اس کے مکروہ نہ ہونے کو یقین کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

5404۔ (قولہ: وَالْأَحْوَطُ الثَّانِي) اس کی وجہ ظاہر نہیں بلکہ اس میں کپڑے کو روکنا اور ہاتھوں کو سنت سے غافل کرنا لازم آتا ہے، ''رحمتی''۔ اسی وجہ سے ''البحر'' میں کہا: اس میں جو کچھ ہے وہ مخفی نہیں۔ بلکہ زیادہ محتاط اس کا پہننا ہے۔ کیونکہ جمہور سے یہ قول گزرا ہے کہ اس میں ہاتھوں کو داخل نہ کرنا مکروہ ہے۔

5405۔ (قولہ: أَيْ رَفْعُهُ) خواہ کپڑے کا اٹھانا سامنے سے ہو یا پیچھے کی جانب سے سجدہ میں نیچے جاتے ہوئے کرے، ''بحر''۔ ''خیر رملی'' نے جو بیان کیا ہے وہ یہ فائدہ دیتا ہے کہ اس میں کراہت تحریمی ہے۔

5406۔ (قولہ: وَلَوْ لِتُرَابٍ) ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ مٹی سے اس کے بچانے میں کوئی حرج نہیں۔ ''بحر'' میں ''المجتبیٰ'' سے مروی ہے۔

5407۔ (قولہ: كَمُشَمِّرِ كُمٍّ أَوْ ذَيْلٍ) یعنی جس طرح وہ نماز میں داخل ہو جبکہ وہ اپنی آستین یا دامن چڑھائے ہوئے ہو اس کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ کراہت اوپر اٹھانے کے ساتھ خاص نہیں جبکہ وہ نماز میں ہو۔ جس طرح ''شرح المنیہ'' میں بیان کیا ہے۔ لیکن ''القنیہ'' میں کہا: اس آدمی کے بارے میں اختلاف کیا گیا جو نماز پڑھتا ہے جبکہ اس نے اپنی آستینوں کو کسی کام کے لئے چڑھایا تھا جو کام وہ نماز سے قبل کر رہا تھا یا اس کی ہیئت یہ ہے۔

اور اسی میں سے ایک صورت یہ ہے کہ اگر وہ نماز کے لئے وضو کرے، پھر امام کے ساتھ رکعت پانے کے لئے وہ جلدی کرے، جب وہ نماز میں اسی طرح داخل ہو، ہم نے اس کی کراہت کا قول کیا ہے تو کیا عمل قلیل کے ساتھ نماز میں اپنی آستینوں کو نیچے کرنا افضل ہے یا ان کو اسی طرح ترک کرنا افضل ہے؟

میں نے اس بارے میں کوئی قول نہیں دیکھا، زیادہ ظاہر پہلا قول ہے۔ اس کی وجہ آنے والے قول کی دلیل ہے ولو سقطت قلنسوته فاعادتها افضل۔ ''تامل''

اسے ذہن نشین کر لو۔ ''الخلاصہ'' اور ''المنیہ'' میں کراہت کی یہ قید لگائی ہے کہ وہ اپنی دونوں آستینوں کو کہنیوں تک چڑھانے والا ہو۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ اس سے تھوڑی چڑھائی ہوئی ہوں تو مکروہ نہیں۔ ''البحر'' میں کہا: ظاہر اس کا مطلق ہونا ہے کیونکہ کف ثوب تمام صورتوں میں موجود ہے۔ اس کی مثل ''الحلبہ'' میں ہے۔

''شرح المنیۃ الکبیر'' میں اسی طرح کہا: کہنیوں کی قید اتفاقی ہے، کہا: یہ اس صورت میں ہے کہ اس نے دونوں آستینوں کو نماز سے باہر چڑھایا پھر اسی طرح نماز میں شروع ہو گیا۔ اگر اس نے آستین کو چڑھایا جبکہ وہ نماز میں تھا تو نماز فاسد ہو گی

(وَعَبَثُهُ بِهِ) أَيْ بِثَوْبِهِ (وَبِجَسَدِهِ) لِلنَّهْيِ إلَّا لِحَاجَةٍ وَلَا بَأْسَ بِهِ خَارِجَ الصَّلَاةِ (وَصَلَاتُهُ فِي ثِيَابِ بِذْلَةٍ)

اور نمازی کا اپنے کپڑے سے اور اپنے جسم سے کھیلنا مکروہ ہے۔ کیونکہ نہی پائی جارہی ہے مگر ضرورت کی بنا پر ایسا کرسکتا ہے۔ نماز سے باہر اس طرح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور اس کا روزمرہ کے میلے کچیلے کپڑوں

کیونکہ یہ عمل کثیر ہے۔

5408۔ (قولہ: وَعَبَثُهُ) یہ ایسا فعل ہے جو ایسی غرض کے لئے ہو جو صحیح نہ ہو۔ ''العنایۃ'' میں کہا: اس کا حاصل یہ ہے کہ ہر ایسا عمل جو نمازی کے لئے فائدہ مند ہو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس کی اصل وہ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کو نماز میں پسینہ آیا تو آپ نے اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھا۔ عرق فی صلاتہ الخ۔ کیونکہ یہ پسینہ آپ کو اذیت دے رہا تھا پس پسینہ پونچھنا مفید عمل تھا۔ اور موسم گرما میں کان اذا قام الخ جب آپ سجدہ سے اٹھتے تو اپنے کپڑے دائیں یا بائیں جانب جھاڑتے تھے کیونکہ یہ عمل مفید ہے تاکہ صورت باقی نہ رہے جب کہ وہ مفید نہیں، وہ عبث ہے۔

کیلا تبقی صورۃ قول کا معنی ہے کہ وہ لباس سرین کی صورت کی حکایت بیان نہ کرے جس طرح ''الحواشی السعدیہ'' میں ہے۔ مٹی کیلئے کپڑا جھاڑنے کی اجازت نہیں ''البحر'' میں ''الحلبہ'' سے جو قول مروی ہے وہ اس پر بطور اعتراض وارد نہیں ہوتا جب اس کیلئے کپڑے کو اٹھانا مکروہ ہے، وہ کپڑا اس لئے اٹھاتا ہے کہ اسے مٹی نہ لگے تو مٹی کیلئے اسے جھاڑنا مفید عمل نہ ہوگا۔

5409۔ (قولہ: لِلنَّهْيِ) نہی سے مراد وہ روایت ہے جسے قضاعی نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے: ان اللہ کرہ لکم ثلاثا العبث فی الصلاۃ والرفث فی الصیام والضحک فی المقابر، اللہ تعالیٰ نے تین چیزیں تمہارے لئے مکروہ کی ہیں۔ نماز میں کھیلنا، روزہ کی حالت میں یاوہ گوئی کرنا اور قبرستان میں ہنسنا۔ یہ مکروہ تحریمی ہے جس طرح ''البحر'' میں ہے۔

5410۔ (قولہ: إلَّا لِحَاجَةٍ) اس نے جسم کو کھجلایا کسی چیز کو اس نے کھایا اور اس نے اسے تکلیف دی اور پسینہ پونچھا جو اسے تکلیف دے رہا تھا اور اس کے دل کو غافل کر رہا تھا، یہ اگر عمل کثیر کے بغیر ہو۔ ''الفیض'' میں کہا: ایک رکن میں تین دفعہ ایک ہاتھ سے کھجلانا نماز کو فاسد کر دیتا ہے اگر وہ ہر دفعہ ہاتھ کو اٹھائے۔

''الجوہرۃ'' میں ''الفتاوی'' سے مروی ہے: علما نے کھجلانے میں اختلاف کیا ہے: کیا (ہاتھ کا) جانا اور لوٹنا ایک دفعہ شمار ہوگا یا جانا ایک دفعہ اور لوٹنا دوسری دفعہ ہوگا؟

5411۔ (قولہ: وَلَا بَأْسَ بِهِ خَارِجَ صَلَاةٍ) نماز سے باہر اس میں کوئی حرج نہیں۔ جہاں تک ''ہدایہ'' میں ہے من اللہ حرام، یہ حرام ہے۔ تو ''سروجی'' نے کہا: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ نماز سے باہر اپنے کپڑے یا اپنے بدن سے کھیلنا اولیٰ کے خلاف ہے اور یہ حرام نہیں۔ حدیث نے یہ قید لگائی ہے کہ یہ نماز میں ہو۔ ''بحر''۔

5412۔ (قولہ: وَصَلَاتُهُ فِي ثِيَابِ بِذْلَةٍ) بذلہ با کے کسرہ اور ذال معجمہ کے ساتھ ہے جس کا معنی ضرورت اور روزمرہ کا استعمال ہے۔ لفظ مهنة کا اس پر عطف، عطف تفسیری ہے۔ یہ میم کے فتحہ اور اس کی کسرہ کے ساتھ ہے جبکہ ہا ساکن

1۔ المعجم الکبیر للطبرانی، جلد 11، صفحہ 399، حدیث 12122 2۔ کتاب الزہد عبداللہ بن مبارک، جز 11، صفحہ 424، حدیث 1557

يَلْبَسُهَا فِي بَيْتِهِ (وَمَهْنَةٍ) أَيْ خِدْمَةٍ، إنْ لَهُ غَيْرُهَا وَإِلَّا لَا (وَأَخْذُ دِرْهَمٍ) وَنَحْوِهِ (فِي فِيهِ لَمْ يَمْنَعْهُ مِنْ الْقِرَاءَةِ) فَلَوْ مَنَعَهُ تَفْسُدُ (وَصَلَاتُهُ حَاسِرًا) أَيْ كَاشِفًا (رَأْسَهُ لِلتَّكَاسُلِ) وَلَا بَأْسَ بِهِ لِلتَّذَلُّلِ، وَأَمَّا الْإِهَانَةُ بِهَا فَكُفْرٌ

جن کو وہ اپنے گھر میں پہنتا ہے اور محنت مزدوری کے کپڑوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، اگر اس کے پاس اور کپڑے ہوں، ورنہ مکروہ نہیں۔ اور درہم وغیرہ کا اپنے منہ میں رکھنا جو قراءت سے مانع نہ ہو مکروہ ہے۔ اگر وہ درہم قراءت سے مانع ہو تو یہ نماز کو فاسد کردے گا۔ اور اس کا سستی کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اگر وہ عاجزی اور انکساری کی وجہ سے ایسا کرتا ہے تو کوئی حرج نہیں۔ جہاں تک نماز کی اہانت کے ارادہ سے ایسا کرنے کا تعلق ہے تو یہ کفر ہے۔

ہے اور اصمعی نے کسرہ کا انکار کیا ہے، ''حلبہ''۔ ''البحر'' میں کہا: ''شرح وقایہ'' میں اس کی تفسیر اس سے کی کہ جسے وہ اپنے گھر میں پہنتا ہے اور وہ پہن کر معزز لوگوں کے پاس نہیں جاتا۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے۔

5413۔ (قولہ: لَمْ يَمْنَعْهُ مِنْ الْقِرَاءَةِ) ''الحلبہ'' میں کہا: زیادہ بہتر یہ قول تھا بحيث يمنعه من سنة القراءة جس طرح ''الخلاصہ'' میں ذکر کیا ہے، یہاں تک کہ اگر یہ قراءت میں مخل نہ ہو تو مکروہ نہ ہوگا جس طرح ''البدائع'' میں ہے۔ پھر ''قاضی خان'' کا قول ہے: اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ نماز پڑھے جبکہ اس کے منہ میں دراہم یا دنانیر ہوں جو اسے قراءت سے مانع نہ ہوں۔ یہ قول اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ کراہت تنزیہی ہے۔

5414۔ (قولہ: فَلَوْ مَنَعَهُ) اگر وہ اس طرح روکے کہ وہ خاموش ہو جائے یا ایسے الفاظ بولے جو قرآن نہ ہوں۔ ''شرح المنیہ''

5415۔ (قولہ: لِلتَّكَاسُلِ) یعنی سستی کی وجہ سے۔ اس طرح کہ وہ سر ڈھانپنے کو بوجھ سمجھتا ہو اور وہ اسے نماز میں کوئی اہم امر نہ خیال کرتا ہو تو اس نے اس وجہ سے سر کے ڈھانپنے کو ترک کر دیا۔ یہ ان کے قول تھاونا بالصلاۃ کا معنی ہے۔ اس کا معنی، نماز کو حقیر اور خفیف جاننا نہیں۔ کیونکہ ایسا کرنا تو کفر ہے۔ ''شرح المنیہ''۔ ''الحلبہ'' میں کہا: کسل کا اصل معنی، ارادہ کے نہ ہوتے ہوئے عمل کو ترک کرنا ہے۔ اگر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے عمل کو ترک کرے تو اسے عجز کہتے ہیں۔

5416۔ (قولہ: وَلَا بَأْسَ بِهِ لِلتَّذَلُّلِ) ''شرح المنیہ'' میں کہا: اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اولی یہ ہے کہ اس طرح نہ کرے اور وہ اپنے دل سے خشوع اور عاجزی کا اظہار کرے۔ کیونکہ تذلل اور خشوع دل کے افعال ہیں۔

''الامداد'' میں اس قول کے ساتھ اعتراض کیا ہے جو ''التجنیس'' میں ہے کہ اس کے لئے یہ مستحب ہے۔ کیونکہ نماز کا دارومدار خشوع پر ہے۔

خشوع کا مفہوم

میں کہتا ہوں: اس میں اختلاف کیا گیا کہ خشوع دل کے افعال میں سے ہے جیسے خوف، یا اعضاء کے افعال میں سے

وَلَوْ سَقَطَتْ قَلَنْسُوَتُهُ فَإِعَادَتُهَا أَفْضَلُ إِلَّا إِذَا احْتَاجَتْ لِتَكْوِيرٍ أَوْ عَمَلٍ كَثِيرٍ (وَصَلَاتُهُ مَعَ مُدَافَعَةِ الْأَخْبَثَيْنِ) أَوْ أَحَدِهِمَا (أَوْ لِرِيحٍ) لِلنَّهْيِ

اور اگر اس کی ٹوپی گر جائے تو ٹوپی کو دوبارہ سر پر رکھ لینا افضل ہے۔ مگر جب اسے بل دینے یا عمل کثیر کی ضرورت ہو اور دونوں حاجتوں کی قضا یا دونوں میں سے ایک یا ہوا کو روک کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس بارے میں نہی موجود ہے۔

ہے، جیسے سکون، یا دونوں کے افعال میں سے ہے؟ ''الحلبہ'' میں کہا: زیادہ مناسب پہلی تعبیر ہے، عارفین کا اس پر اجماع نقل کیا گیا ہے، اس کے لوازم میں سے عاجزی کا ظہور، آنکھ کا جھکا ہونا، آواز کا پست کرنا اور اطراف کا سکون ہے، اس وقت اس کے حسن کشف کا قول کرنا کوئی بعید نہیں جب وہ خشوع بالقلب کے ثبوت سے پیدا ہو۔ ''الفتاوی العتابیۃ'' میں بیان کیا ہے: اگر اس نے عذر کی وجہ سے ایسا کیا تو یہ مکروہ نہ ہوگا ورنہ اس میں متن میں مذکورہ تفصیل ہوگی جبکہ وہ حسن ہے۔ بعض مشائخ سے مروی ہے کہ گرمی اور تخفیف کی وجہ سے ایسا کرنا مکروہ ہوگا۔ انہوں نے گرمی کو عذر نہیں بنایا اور یہ کوئی بعید نہیں۔ ملخص۔

5417۔ (قولہ: وَلَوْ سَقَطَتْ قَلَنْسُوَتُهُ الخ) اس سے مراد وہ چیز ہے جو سر پر پہنی جاتی ہے جس طرح ''شرح المنیہ'' میں ہے۔ قلنسوتہ کا لفظ بعض نسخوں سے ساقط ہے۔ اس مسئلہ کو ''شرح المنیہ'' میں ''الحجہ'' سے ان امور میں ذکر کیا ہے جو نماز کو فاسد کر دیتے ہیں اور ''الدرر'' میں ''تاتارخانیہ'' سے مروی ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ اس ٹوپی کو دوبارہ سر پر رکھنے کی فضیلت اس صورت میں ہے جب وہ اس کے ترک میں عاجزی کا قصد نہ کرے جیسے یہ قول گزر چکا ہے۔

5418۔ (قولہ: وَصَلَاتُهُ مَعَ مُدَافَعَةِ الْأَخْبَثَيْنِ الخ) اخبثین سے مراد بول اور براز ہے۔ ''الخزائن'' میں کہا: خواہ نماز میں شروع ہونے کے بعد یہ عارضہ لاحق ہو یا اس سے پہلے یہ عارضہ ہو، اگر وہ اسے غافل کرے تو وہ نماز کو قطع کر دے اگر وقت کے فوت ہونے کا خوف نہ ہو۔ اگر وہ نماز کو اسی حالت میں مکمل کریگا تو گناہگار ہوگا کیونکہ ابو داؤد نے اسے روایت کیا ہے لا یحل لاحد یؤمن باللہ والیوم الآخر ان یصلی الخ (1)۔ جو آدمی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے حلال نہیں کہ وہ نماز پڑھے جبکہ اسے حاجت ہو یہاں تک کہ وہ اس سے ہلکا ہو جائے (قضائے حاجت سے فارغ ہو جائے)۔ حاقن سے مراد جو پیشاب کو روکے ہوئے ہو اس کی مثل حاقب ہے یعنی براز کو روکنے والا اور حازق ہے یعنی دونوں کو روکنے والا ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ہوا کو روکنے والا۔

جو گناہ کا ذکر کیا ہے اس کی تصریح ''شرح المنیہ'' میں کی ہے اور کہا: کیونکہ اس نے مکروہ تحریمی کے ساتھ نماز ادا کی ہے۔

یہ صورت باقی ہے جب اسے جماعت کے فوت ہو جانے کا خوف ہو اور وہ اس جماعت کے علاوہ کوئی اور جماعت نہیں پاتا تو کیا وہ نماز کو قطع کر دے، جس طرح وہ نماز کو قطع کر دیتا ہے جب وہ اپنے کپڑے پر درہم کی مقدار نجاست دیکھتا ہے تا کہ اسے دھو دے، یا نماز کو قطع نہ کرے، جس طرح نجاست ایک درہم سے کم ہو؟ صحیح پہلا قول ہے کیونکہ جماعت کی سنت کو ترک

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب ایصلی الرجل وھو حاقن، جلد 1، صفحہ 62، حدیث نمبر 83

(وَعَقْصُ شَعْرِهِ) لِلنَّهْيِ عَنْ كَفِّهِ وَلَوْ بِجَمْعِهِ أَوْ إِدْخَالِ أَطْرَافِهِ فِي أُصُولِهِ قَبْلَ الصَّلَاةِ: أَمَّا فِيهَا فَيُفْسِدُ (وَقَلْبُ الْحَصَا) لِلنَّهْيِ

اور نمازی کا اپنے بالوں کا جوڑا بنانا مکروہ ہے کیونکہ انہیں نیچے لٹکنے سے روکنے کے بارے میں نہی ہے اگرچہ یہ جوڑا بنانا نماز سے قبل جمع کرنے کی صورت میں ہو یا بالوں کی اطراف کو اس کی جڑوں میں داخل کرنے کی صورت میں ہو۔ مگر حالت نماز میں ایسا کرے تو یہ نماز کو فاسد کردے گا۔ اور سنگریزوں کو الٹ پلٹ کرنا یہ مکروہ ہے کیونکہ اس کے بارے نہی ہے

کرنا، کراہت کے ساتھ ادا کرنے سے اولیٰ ہے، جس طرح وہ درہم کی مقدار دھونے کے لئے وہ نماز کو توڑ دیتا ہے، کیونکہ یہ واجب ہے تو اس کا اس طرح عمل کرنا سنت کے ادا کرنے سے اولیٰ ہے۔ اس سے کم دھونے کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ یہ مستحب ہے پس وہ اس کے لئے سنت مؤکدہ کو ترک نہیں کرے گا۔ ''شرح المنیہ'' میں اسی طرح ثابت ہے۔

تنبیہ

''الحلبہ'' میں بحث ذکر کی ہے: نماز جنازہ کے فوت ہونے کا خوف، فرض نماز میں وقت کے فوت ہونے کے خوف کی طرح ہے۔ اور یہ ذکر کیا کہ کراہت تمام نمازوں میں جاری ہوگی اگرچہ وہ نماز نفل ہو۔

5419۔(قوله: وَعَقْصُ شَعْرِهِ الخ) یعنی بالوں کی مینڈھیاں بنانا اور انہیں باٹنا۔ مراد یہ ہے کہ وہ اپنی چوٹی کو جوڑا بنائے اور گوند کے ساتھ اسے باندھے یا وہ مینڈھیوں کو اپنے سر کے گرد لپیٹ دے جس طرح عورتیں بعض اوقات کرتی ہیں یا وہ اپنے تمام بالوں کو گدی کی جانب جمع کردے اور دھاگے یا کپڑے کے ٹکڑے کے ساتھ جمع کردے تا کہ جب وہ سجدہ کرے تو زمین تک نہ پہنچیں۔ یہ سب مکروہ ہے۔ کیونکہ طبرانی نے روایت کیا ہے نهى ان يصلي الرجل و رأسه معقوص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع کیا کہ آدمی نماز پڑھے جبکہ اس کے سر پر بالوں کا جوڑا بنا ہو(1)۔ اور صحاح ستہ کے مؤلفین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت نقل کی ہے امرت ان اسجد على سبعة اعضاء و ان لا اكف شعرا ولا ثوبا،(2) مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات اعضا پر سجدہ کروں اور میں بالوں کا جوڑا نہ بناؤں اور کپڑے کو نہ روکوں۔ ''شرح المنیۃ''۔ ''الحلبہ'' نے امام نووی سے روایت نقل کی ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے۔ پھر کہا: احادیث کے سیاق کے زیادہ مشابہ یہ ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے لیکن اگر مکروہ تنزیہی پر اجماع ثابت ہو گیا تو قول اس کے متعلق متعین ہو جائے گا۔

5420۔(قوله: أَمَّا فِيهَا فَيُفْسِدُ) کیونکہ بالاجماع یہ عمل کثیر ہے۔ ''شرح المنیۃ''۔

5421۔(قوله: لِلنَّهْيِ) یہ وہ روایت ہے جسے ''عبد الرزاق'' نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، سالت النبي صلی اللہ علیہ وسلم عن كل شيء حتى سالته عن مسح الحصا فقال واحدة او دع(3)، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہر شے کے

1۔ سنن ترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ماجاء في كراهية كف الشعر في الصلاة، جلد 1، صفحہ 250، حدیث نمبر 350

2۔ صحیح بخاری، کتاب الآذان، باب السجود على سبعة اعظم، جلد 1، صفحہ 384، حدیث نمبر 767

3۔ مصنف عبد الرزاق، مسح الحصا، جلد 2، صفحہ 39، حدیث نمبر 2403

(إِلَّا لِسُجُودِهِ) التَّامِّ فَيُرَخَّصُ (مَرَّةً) وَتَرْكُهَا أَوْلَى (وَفَرْقَعَةُ الْأَصَابِعِ) وَتَشْبِيكُهَا وَلَوْ مُنْتَظِرًا لِصَلَاةٍ أَوْ مَاشِيًا إِلَيْهَا لِلنَّهْيِ

مگر مکمل سجدہ کرنے کے لئے ایک دفعہ ایسا کرنے کی رخصت ہے اور اس کا ترک کرنا اولیٰ ہے۔ اور انگلیوں کو چٹخانا اور ان کا جال بنانا مکروہ ہے اگر چہ وہ نماز کا انتظار کر رہا ہو یا اس کی طرف چل کر جا رہا ہو۔ کیونکہ اس کے بارے میں نہی ہے۔

بارے میں پوچھا یہاں تک کہ میں نے کنکریوں پر ہاتھ مارنے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: ایک دفعہ یا اسے چھوڑ دو۔ چھ ائمہ نے حضرت معیقیب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تو کنکریوں پر ہاتھ نہ مار جبکہ تو نماز پڑھ رہا ہو اگر تیرے لئے ایسا کرنا ضروری ہو تو ایک دفعہ ایسا کرلے (1)۔ ''شرح المنیہ''۔

5422۔ (قولہ: إِلَّا لِسُجُودِهِ التَّامِّ الخ) یعنی اس کے لئے سنت طریقہ کے مطابق پیشانی رکھنا (زمین پر) ممکن نہ ہو مگر اس طریقہ سے۔ یہاں التام کی قید لگائی ہے کیونکہ اگر پیشانی میں واجب مقدار رکھنا ممکن نہ ہو مگر اسی طریقہ سے تو وہ مقدار متعین ہو جائے گی اگر چہ ایک دفعہ سے زیادہ ہو۔

جب حکم سنت اور بدعت میں متردد ہو تو سنت کا ترک اولیٰ ہے

5423۔ (قولہ: وَتَرْكُهَا أَوْلَى) کیونکہ جب حکم، سنت اور بدعت میں متردد ہو تو سنت کا ترک، بدعت کے کرنے پر راجح ہوگا جبکہ نماز میں شروع ہونے سے قبل ہموار کرنا ممکن تھا۔ ''بحر''۔

5424۔ (قولہ: وَفَرْقَعَةُ الْأَصَابِعِ) یہ انگلیوں کو دبانا اور انہیں کھینچنا ہے یہاں تک کہ وہ آواز دے۔ اور انگلیوں کی تشبیک سے مراد یہ ہے کہ ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کرنا۔ ''بحر''۔

5425۔ (قولہ: لِلنَّهْيِ) اس سے مراد وہ روایت ہے جسے ''ابن ماجہ'' نے مرفوعاً نقل کیا ہے لا تفرقع اصابعك و انت تصلی (2)، اپنی انگلیوں کو نہ چٹخا جبکہ تو نماز پڑھ رہا ہو۔ ''المجتبیٰ'' میں ایک حدیث روایت کی انه نهی ان یفرقع الرجل اصابعه الخ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر سے منع کیا کہ ایک آدمی اپنی انگلیوں کو چٹخائے جبکہ وہ مسجد میں بیٹھا نماز کا انتظار کر رہا ہو۔ ایک روایت میں ہے: جب وہ نماز کی طرف چل کر جا رہا ہو۔ امام احمد، ابو داؤد وغیرہما نے مرفوع روایت نقل کی ہے۔ اذا توضا احدکم فاحسن وضوءه ثم خرج عامدا الی المسجد فلا یشبك بین یدیه فانه فی صلاۃ (3) جب تم میں سے کوئی ایک وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے پھر مسجد کا قصد کرتے ہوئے نکلے تو وہ اپنی انگلیوں کا جال نہ بنائے۔ کیونکہ وہ حالت نماز میں ہے۔ ''المعراج'' میں اس امر پر اجماع نقل کیا ہے کہ حالت نماز میں انگلیوں کو چٹخانا اور ان کا جال بنانا مکروہ ہے۔ اور

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب کراهة مع مسح الحصی، جلد 1، صفحہ 567، حدیث نمبر 899

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب اقامة الصلاة، باب مایکره فی الصلاة، جلد 1، صفحہ 306، حدیث نمبر 945، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب فی الهدی والمشی، جلد 1، صفحہ 227، حدیث نمبر 475

وَلَا يُكْرَهُ خَارِجَهَا لِحَاجَةٍ (وَالتَّخَصُّرُ) وَضْعُ الْيَدِ عَلَى الْخَاصِرَةِ لِلنَّهْيِ (وَيُكْرَهُ خَارِجَهَا) تَنْزِيهًا

اور نماز سے باہر ضرورت کے وقت مکروہ نہیں۔ اور تخصر یعنی کولہے پر ہاتھ رکھنا مکروہ ہے کیونکہ اس بارے میں نہی ہے اور نماز سے باہر ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

یہ بھی چاہئے کہ مذکورہ نہی کی وجہ سے وہ مکروہ تحریمی ہو''حلبہ'' اور''بحر''۔

5426۔(قولہ: وَلَا يُكْرَهُ خَارِجَهَا لِحَاجَةٍ) نماز کے خارج سے مراد جو نماز کے توابع میں سے نہ ہو۔ کیونکہ نماز کے لئے جانا اور مسجد میں بیٹھنا نماز کی وجہ سے ہوتا ہے تو یہ نماز کے حکم میں ہوگا۔ جس طرح صحیحین کی حدیث کی وجہ سے گزر چکا ہے لا یزال احدکم فی صلاۃ ما دامت الصلاۃ تحبسہ(1)۔ تم میں سے ایک اس وقت تک نماز میں ہوتا ہے جب تک نماز اس کو روکے رکھے۔ یہاں حاجت سے مراد انگلیوں کو راحت پہنچانا ہے۔ اگر حاجت کے بغیر ہو بلکہ بطور کھیل ہو تو یہ مکروہ تنزیہی ہوگا۔ اور نماز کے باہر انگلیوں کے چٹخانے کی کراہت پر نص ہے۔ جہاں تک جال بنانے کا تعلق ہے تو''الحلبہ'' میں کہا: میں اس بارے میں اپنے مشائخ سے کسی چیز پر آگاہ نہیں ہوا۔ ظاہر یہ ہے کہ اگر یہ عبث کے علاوہ ہو بلکہ غرض صحیح کے لئے ہو اگرچہ وہ انگلیوں کو آرام پہنچانے کے لئے ہو تو یہ مکروہ نہ ہوگا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے۔ فرمایا: المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضہ بعضا(2)۔ مومن مومن کے لئے عمارت کی طرح ہے اس کا بعض بعض کو مضبوط کرتا ہے۔ اور اپنی انگلیوں کا جال بنایا کیونکہ یہ ایک معنی کی تمثیل کے فائدہ کے لئے ہے اور وہ اس صورت حسیہ کے ساتھ باہم قوت حاصل کرنا اور باہم مدد حاصل کرنا ہے۔

5427۔(قولہ: وَالتَّخَصُّرُ الخ) کیونکہ صحیحین وغیرہما میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں تخصر سے منع کیا(3) ایک روایت میں تخصر کی جگہ الاختصار ہے اور دوسری روایت میں عن ان یصلی الرجل مختصراً ہے اس میں کئی تاویلات ہیں ان میں سے زیادہ مشہور وہ ہے جسے شارح نے ذکر کیا ہے اس کی تمام وضاحت''شرح المنیۃ'' اور''البحر'' میں ہے۔''البحر'' میں کہا: جو امر ظاہر ہوتا ہے کہ نماز میں کراہت تحریمی ہے کیونکہ مذکورہ نہی موجود ہے۔

اور کیونکہ اس میں ہاتھ رکھنے میں جو سنت ہے اس کا ترک لازم آتا ہے جس طرح''ہدایہ'' میں ہے۔ لیکن دوسری علت مکروہ تحریمی کا تقاضا نہیں کرتی ہاں اس کراہت کا تقاضا کرتی ہے کہ ہاتھ کو کولہے کے علاوہ دوسرے عضو پر رکھا جائے۔

5428۔(قولہ: لِلنَّهْيِ) اس سے مراد وہ روایت ہے جسے امام ترمذی نے حضرت انس سے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایاك والالتفات فی الصلاۃ فان الالتفات فی الصلاۃ هلکة فان کان لا بد ففی

1۔ صحیح بخاری، کتاب الآذان، باب من جلس فی المسجد، جلد 1، صفحہ 324، حدیث نمبر 619

2۔ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب تشبیك الاصابع، جلد 1، صفحہ 262، حدیث نمبر 459

3۔ صحیح بخاری، کتاب العمل فی الصلاۃ، باب الخصر فی الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 539، حدیث نمبر 1143

(وَالِالْتِفَاتُ بِوَجْهِهِ) كُلِّهِ (أَوْ بَعْضِهِ) لِلنَّهْيِ وَبِبَصَرِهِ يُكْرَهُ تَنْزِيهًا، وَبِصَدْرِهِ تَفْسُدُ كَمَا مَرَّ (وَقِيلَ) قَائِلُهُ ''قَاضِي خَانَ'' (تَفْسُدُ بِتَحْوِيلِهِ وَالْمُعْتَمَدُ لَا)

اور اپنے پورے چہرے یا بعض چہرے کے ساتھ متوجہ ہونا مکروہ ہے کیونکہ اس بارے میں نہی وارد ہے اور اپنی آنکھ کے ساتھ متوجہ ہونا مکروہ تنزیہی ہے اور سینہ کے ساتھ متوجہ ہونے سے نماز فاسد ہو جائے گی جس طرح قول گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے قائل ''قاضی خان'' ہے منہ پھیرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے جبکہ قابل اعتماد قول یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوتی۔

التطوع لا فی الفریضة (1)۔ نماز میں کسی اور چیز کی طرف متوجہ ہونے سے بچو کیونکہ نماز میں کسی اور چیز کی طرف متوجہ ہونا ہلاکت ہے اگر ضروری ہو تو نفل نماز میں ایسا کرے فریضہ میں اس طرح نہ کرے۔ امام بخاری نے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ھو اختلاس یختلسه الشیطان من صلاۃ العبد (2)۔ یہ جھپٹا ہے جو شیطان، بندے کی نماز سے جھپٹا مار کر لے جاتا ہے۔ ''الغایہ'' میں قید لگائی ہے کہ یہ عذر کی وجہ سے نہ ہو۔ چاہئے کہ یہ مکروہ تحریمی ہو جس طرح احادیث کا ظاہر ہے، ''بحر''۔

5429۔ (قوله: بِبَصَرِهِ يُكْرَهُ تَنْزِيهًا) یعنی چہرہ اصلاً پھیرے بغیر وہ آنکھ سے دیکھے تو یہ مکروہ تنزیہی ہوگا۔ ''زیلعی'' اور ''باقانی'' کی ''شرح الملتقی'' میں ہے: یہ مباح ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آنکھ کے کنارے سے دیکھا کرتے تھے (3)۔

جو یہاں ہے وہ اس کے منافی نہیں کیونکہ اسے حاجت نہ ہونے پر محمول کیا جائے گا یا مباح سے مراد وہ ہے جو شرعاً ممنوع نہیں۔ اور خلاف اولیٰ ممنوع نہیں ہوتا۔ ''تامل''

5430۔ (قوله: وَبِصَدْرِهِ تَفْسُدُ) سینہ پھیرنے کے ساتھ نماز فاسد ہو جائے گی۔ یعنی جب وہ عذر کے بغیر ہو جس طرح اس کی وضاحت مفسدات الصلاۃ میں (مقولہ 5305 میں) گزر چکی ہے۔

5431۔ (قوله: وَقِيلَ الخ) ''الخلاصہ'' میں بھی یہ کہا ہے۔ زیادہ مناسب وہ ہے جو عام کتب میں ہے کہ یہ مکروہ ہے، نماز کے لئے مفسد نہیں۔ ''المنیہ'' اور ''الذخیرہ'' میں عدم فساد کی یہ قید لگائی ہے کہ اسی ساعت قبلہ رو ہو جائے۔ ''البحر'' میں کہا: گویا ''الفتاوی'' میں اور عام کتب میں جو کچھ ہے اس میں یہ تطبیق دی ہے کہ پہلے قول کو اس پر محمول کیا جائے گا جب وہ اسی لحہ قبلہ رو نہ ہو اور دوسرے قول کو اس پر محمول کیا جائے گا جب وہ اسی لحہ قبلہ رو ہو جائے، گویا اس نے دیکھا کہ پہلا عمل کثیر ہے اور دوسرا عمل قلیل ہے جبکہ یہ تطبیق بعید ہے کیونکہ اس قلیل پر دوام اختیار کرنا اسے کثیر نہیں بناتا۔ بے شک اس کا کثیر سینے کو پھیر دینا ہے۔

میں کہتا ہوں: میرے لئے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ جب اس نے تمام چہرے کے ساتھ دائیں یا بائیں اپنے التفات کو لمبا کر دیا اور دور سے ایک آدمی اسے دیکھے جسے اس میں شک نہیں ہوتا کہ وہ نماز میں نہیں۔ ''تامل''۔

1۔ سنن ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ما ذکر فی الالتفات فی الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 353، حدیث نمبر 537

2۔ صحیح بخاری، کتاب الآذان، باب الالتفات فی الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 361، حدیث نمبر 709

3۔ سنن ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ما ذکر فی الالتفات فی الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 353، حدیث نمبر 536

(وَإِقْعَاؤُهُ) كَالْكَلْبِ لِلنَّهْيِ
اور کتے کے بیٹھنے کی طرح بیٹھنا مکروہ ہے کیونکہ نہی موجود ہے۔

5432۔ (قولہ: وَإِقْعَاؤُهُ الخ) ''النہر'' میں کہا: کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتے کی بیٹھنی سے منع کیا ہے (1) امام طحاوی نے اس کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ وہ اپنی سرین پر بیٹھے، اپنی دونوں رانوں کو کھڑا کرے۔ اپنے دونوں گھٹنوں کو اپنے سینے سے لگائے جبکہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھے۔ اور امام کرخی نے اس کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ وہ اپنے دونوں قدموں کو کھڑا کرے اور اپنی ایڑیوں پر بیٹھے اور زمین پر اپنے دونوں ہاتھوں کو رکھے۔ اصح قول جس پر عام لوگ ہیں۔ وہ پہلا قول ہے یعنی یہی حدیث میں مراد ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ امام کرخی نے جو قول کیا ہے وہ مکروہ نہیں۔ ''الفتح'' میں اسی طرح ہے۔ ''البحر'' میں کہا: چاہئے کہ کراہت، پہلی تفسیر کی بنا پر تحریمی ہو اور دوسرے قول کی بنا پر تنزیہی ہو۔ میں کہتا ہوں: دوسری تفسیر کی بنا پر یہ تنزیہی ہے اس پر بنا کرتے ہوئے کہ یہ فعل اقعاء نہیں۔ کراہت اس لئے ہے کہ بیٹھنے کا جو مسنون طریقہ ہے اسے ترک کر دیا ہے جس طرح ''البدائع'' میں اس کی علت بیان کر دی ہے۔ اگر امام کرخی کے قول کی بنا پر اقعاء کی تفسیر بیان کی جائے تو احکام برعکس ہو جائیں گے۔ ''کلام النہر''۔

حاصل یہ ہے کہ اقعاء دو چیزوں کی وجہ سے مکروہ ہے۔ ایک وجہ یہ ہے کہ اس سے منع کیا گیا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں بیٹھنے کا جو مسنون طریقہ ہے اس کو ترک کیا ہے۔ اگر اقعاء کی تفسیر اس قول سے کی جائے جو امام طحاوی نے کیا ہے جبکہ یہی اصح ہے تو یہ مکروہ تحریمی ہوگا۔ کیونکہ اس سے خصوصاً نہی کی گئی ہے۔ اور امام کرخی نے جو قول کیا ہے اس معنی کی بنا پر یہ مکروہ تنزیہی ہوگا کیونکہ اس میں مسنون طریقہ کے بیٹھنے کو ترک کیا ہے۔ یہ مکروہ تحریمی نہ ہوگا کیونکہ اس سے خصوصی طور پر نہی نہیں کی گئی۔ اگر اس کی تفسیر اس قول سے کی جائے جو امام کرخی نے قول کیا ہے تو مذکورہ حکم اس کے برعکس ہو جائے گا۔

میں کہتا ہوں: ''مغرب'' میں امام طحاوی کی تفسیر جو گزر چکی ہے اس کے ذکر کرنے کے بعد کہا: فقہا کی تفسیر یہ ہے کہ وہ اپنی دونوں سرینوں کو دونوں سجدوں کے درمیان اپنی ایڑیوں پر رکھے جبکہ یہی عقب الشیطان ہے۔ ''البدائع'' میں امام کرخی کی طرف سے منسوب کیا ہے اور کہا: یہی عقب الشیطان ہے جس سے حدیث میں منع کیا گیا ہے، جس حدیث کو امام مسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے۔ انه كان ينهى عن عقب الشيطان، و ان يفترش الرجل ذراعيه افتراش السَّبُعِ (2)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عقب شیطان سے منع کرتے اور اس سے منع کرتے کہ ایک آدمی اپنے دونوں بازوؤں کو زمین پر بچھائے جس طرح درندہ زمین پر بچھاتا ہے۔ ایک روایت میں عن عقبة الشيطان کے الفاظ ہیں یہ بھی مکروہ ہے۔ جس طرح ''الحلبہ'' وغیرہا میں ہے۔ علامہ قاسم نے اپنے فتاوی میں کہا: جہاں تک قدموں کے کھڑا کرنے کا تعلق ہے اور ایڑیوں پر بیٹھنے کا تعلق ہے تو یہ بغیر کسی ایسے اختلاف کے ہر بیٹھنے میں مکروہ ہے جس کو ہم پہچانتے ہیں۔ مگر امام نووی نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الصلاۃ، باب الجلوس بین السجدتین، جلد 1، صفحہ 287، حدیث نمبر 884

2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب ما یجمع صفۃ الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 529، حدیث نمبر 818

(وَافْتِرَاشُ) الرَّجُلِ (ذِرَاعَيْهِ) لِلنَّهْيِ (وَصَلَاتُهُ إِلَى وَجْهِ إِنْسَانٍ) كَكَرَاهَةِ اسْتِقْبَالِهِ فَالِاسْتِقْبَالُ لَوْ مِنْ الْمُصَلِّي فَالْكَرَاهَةُ عَلَيْهِ، وَإِلَّا فَعَلَى الْمُسْتَقْبِلِ

اور آدمی کا اپنے دونوں بازوؤں کو زمین پر بچھانا مکروہ ہے کیونکہ اس بارے میں نہی موجود ہے اور نمازی کا کسی انسان کے چہرے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے جس طرح نمازی کے بالمقابل ہونا مکروہ ہے۔ اگر یہ عمل نمازی کی جانب سے ہوگا تو کراہت نمازی پر لازم ہوگی ورنہ اس پر کراہت لازم ہوگی جو نمازی کی طرف منہ کرنے والا ہے

سے ایک قول ذکر کیا ہے کہ دونوں سجدوں میں یہ مستحب ہے۔

5433۔ (قولہ: وَافْتَرَاشُ الرَّجُلِ ذِرَاعَيْهِ الخ) یعنی افتراش سے مراد حالت سجدہ میں دونوں ہاتھوں کو زمین پر بچھانا ہے۔ رجل کی قید ابھی جو حدیث گزری ہے اس کی اتباع میں لگائی ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ عورت اس طرح کرتی ہے۔ ''البحر'' میں کہا: ایک قول یہ کیا گیا اسے اس سے منع کیا گیا کیونکہ یہ کسلان، لاپرواہی کرنے والے کی صفت ہے ساتھ ہی اس میں درندوں اور کتوں کے ساتھ مشابہت ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ مذکورہ نہی کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہے کیونکہ اس سے پھیرنے والی کوئی چیز نہیں۔

کسی آدمی کا دوسرے آدمی کی طرف جب کہ وہ نماز پڑھ رہا ہو منہ کرنا

5434۔ (قولہ: وَصَلَاتُهُ إِلَى وَجْهِ إِنْسَانٍ) صحیح بخاری میں ہے و کرہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان یستقبل الرجل و ہو یصلی (1)۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے مکروہ خیال کیا کہ کوئی آدمی دوسرے آدمی کی طرف منہ کرے جبکہ وہ نماز پڑھ رہا ہو۔ قاضی عیاض نے عام علما سے حکایت بیان کی ہے اور اس کی مکمل بحث ''حلبہ'' میں ہے۔ ''شرح المنیہ'' میں ہے: اس معنی پر اس حدیث کو محمول کیا جائے گا جسے بزار نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا جو دوسرے آدمی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نمازی کو دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا (2) اور یہ دوبارہ نماز پڑھنے کا امر، کراہت کو زائل کرنے کے لئے تھا۔ کیونکہ یہ اس نماز کے بارے میں حکم ہے جسے کراہت کے ساتھ ادا کیا گیا ہو یہ نماز کے فاسد ہونے کی وجہ سے نہیں تھا۔

ظاہر یہ ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے اس وجہ سے جس کا ذکر کیا گیا۔ اور اسی وجہ سے جو ''الحلبہ'' میں امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہا: اگر وہ جاہل تھا تو میں نے اسے تعلیم دی اور اگر وہ عالم تھا تو میں نے اسے ادب سکھایا۔ اور ایک وجہ یہ ہے کہ یہ صورت کی عبادت کے مشابہ ہے۔

5435۔ (قولہ: كَكَرَاهَةِ اسْتِقْبَالِهِ) ضمیر، مصلی (نمازی) کے لئے ہے۔ اس ترکیب میں مصدر اپنے مفعول

1۔ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب استقبال الرجل صاحبہ او غیرہ فی صلاۃ، جلد 1، صفحہ 272

2۔ مسند بزار البحر الزخار، جلد 2، صفحہ 253، حدیث نمبر 661

وَلَوْ بَعِيدًا وَلَا حَائِلَ (وَرَدُّ السَّلَامِ بِيَدِهِ) أَوْ بِرَأْسِهِ كَمَا مَرَّ فَرْوعٌ لَا بَأْسَ بِتَكْلِيمِ الْمُصَلِّي وَإِجَابَتِهِ بِرَأْسِهِ كَمَا لَوْ طُلِبَ مِنْهُ شَيْءٌ أَوْ أُرِيَ دِرْهَمًا وَقِيلَ أَجَيِّدٌ؟ فَأَوْمَأَ بِنَعَمْ أَوْ لَا؟

اگر چہ وہ دور ہو اور کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ اور نمازی کا اپنے ہاتھ یا اپنے سر سے سلام کا جواب دینا مکروہ ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ فروع: نمازی اپنے سر سے کلام کرے اور اس کا جواب دے تو اس میں کوئی حرج نہیں جس طرح اگر اس سے کوئی چیز طلب کی جائے یا اسے درہم دکھایا جائے اور پوچھا جائے: کیا یہ عمدہ ہے؟ تو وہ نعم یا لا کا اشارہ کرے

کی طرف مضاف ہے۔ ''ط''۔

5436۔ (قولہ: وَلَوْ بَعِيدًا وَلَا حَائِلَ) ''شرح المنیہ'' میں ہے اگر دونوں کے درمیان تیسرا آدمی ہو جس کی پشت نمازی کے چہرے کی طرف ہو تو یہ مکروہ نہ ہوگا کیونکہ کراہت کا سبب منتفی ہو چکا ہے اور وہ تصویر کی عبادت کے ساتھ مشابہت ہے۔

اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ کراہت نہیں ہوگی اگر چہ مواجہت، حالت قیام میں ہو جائے۔ جس طرح ''النہر'' اور ''الحلبہ'' میں ہے۔ اور ''حلبہ'' میں اسے ظاہر روایت قرار دیا ہے کہ بیٹھنے والا نمازی کے لئے سترہ ہوگا اس حیثیت میں کہ اس بیٹھنے والے کے آگے سے گزرنا مکروہ نہیں ہوتا پس اس طرح یہاں یہ حائل ہوگا۔

میں کہتا ہوں: لیکن ''ذخیرہ'' میں امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول جو ''الاصل'' میں ہے اسے نقل کیا ہے: اگر امام چاہے تو وہ لوگوں کی طرف منہ کر لے جب اس کے بالمقابل کوئی آدمی نماز نہ پڑھ رہا ہو۔ پھر کہا: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں کوئی فرق ذکر نہیں کیا جب نمازی پہلی صف میں ہو یا پچھلی صف میں ہو یہ ظاہر مذہب ہے۔ کیونکہ جب اس کا چہرہ قیام کی حالت میں امام کے چہرے کے بالمقابل ہو تو یہ مکروہ ہوگا اگر چہ درمیان میں کئی صفیں ہوں۔

پھر میں نے ''خیر رملی'' کو دیکھا کہ انہوں نے ایسا جواب دیا جو اعتراض کو ختم نہیں کرتا۔ اظہر یہ ہے کہ جو قول ''شرح المنیہ'' سے گزرا ہے وہ ظاہر الروایہ کے خلاف پر مبنی ہے۔ ''فتامل''

5437۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی مفسدات صلاۃ میں اور پہلے (مقولہ 5204 میں) یہ بیان کر چکے ہیں کہ اس میں کراہت تنزیہی ہے۔

5438۔ (قولہ: وَإِجَابَتِهِ بِرَأْسِهِ) ''الامداد'' میں کہا: اسی کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حدیث وارد ہے (1)۔ یہی حکم ہے جب ایک آدمی نمازی سے کلام کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ (آل عمران: 39) کیا نمازی سلام کا جواب نماز کے بعد دے گا؟ ''خطابی'' اور ''طحاوی'' نے ذکر کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت عبد اللہ بن مسعود کو جواب دیا تھا (2)۔ ''مجمع الروایات'' میں اسی طرح ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب من اجاب الفتیا باشارۃ الید، جلد 1، صفحہ 100، حدیث نمبر 84

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب رد السلام فی الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 347، حدیث نمبر 788

أَوْ قِيلَ كَمْ صَلَّيْتُمْ؟ فَأَشَارَ بِيَدِهِ أَنَّهُمْ صَلَّوْا رَكْعَتَيْنِ، أَمَّا لَوْ قِيلَ لَهُ تَقَدَّمْ فَتَقَدَّمَ، أَوْ دَخَلَ أَحَدٌ الصَّفَّ فَوَسَّعَ لَهُ فَوْرًا فَسَدَتْ، ذَكَرَهُ الْحَلَبِيُّ وَغَيْرُهُ، خِلَافًا لِمَا مَرَّ عَنْ الْبَحْرِ (وَ) كُرِهَ (التَّرَبُّعُ) تَنْزِيهًا: لِتَرْكِ الْجِلْسَةِ الْمَسْنُونَةِ (بِغَيْرِ عُذْرٍ) وَلَا يُكْرَهُ خَارِجَهَا، لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ جُلُّ جُلُوسِهِ مَعَ أَصْحَابِهِ التَّرَبُّعَ وَكَذَا عُمَرُ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ، (وَالتَّثَاؤُبُ)

یا اس سے پوچھا جائے: کتنی رکعت تو نے نماز پڑھی؟ تو وہ ہاتھ سے اشارہ کرے کہ اس نے دو رکعت نماز پڑھی ہے۔ اگر اسے کہا جائے: آگے بڑھو تو آگے بڑھ گیا یا ایک آدمی صف میں داخل ہوا تو اس نے فوراً اس کے لئے جگہ کو کھلا کر دیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ ''حلبی'' وغیرہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ''البحر'' سے جو قول گزرا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ چوکڑی مار کر بیٹھنا مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ اس نے بغیر عذر کے سنت طریقہ سے بیٹھنے کو ترک کیا ہے۔ نماز سے باہر یہ مکروہ نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ اکثر چوکڑی مار کر بیٹھا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول مبارک بھی یہی تھا۔ اور جمائی لینا مکروہ ہے۔

5439۔ (قولہ: أَمَّا لَوْ قِيلَ الخ) یہ وہی گفتگو ہے جس کے بارے میں و فتحه علی غیر امامه سے تھوڑا پہلے وعدہ کیا تھا اور ہم نے پہلے (مقولہ 4810 میں) اس کے ضعف کا بیان ''شرنبلالی'' سے بیان کر دیا تھا۔ ''ح''۔

5440۔ (قولہ: خِلَافًا لِمَا مَرَّ عَنْ الْبَحْرِ) یعنی باب الامامہ میں گزر چکا ہے۔ ہم نے پہلے مقولہ 4808 میں اس پر گفتگو کر دی ہے۔ پس رجوع کیجئے۔

5441۔ (قولہ: لِتَرْكِ الْجِلْسَةِ الْمَسْنُونَةِ) یہ اس کے مکروہ تنزیہی کی علت ہے کیونکہ اس میں خاص نہی نہیں تا کہ وہ تحریمی بنے۔ ''بحر''۔

5442۔ (قولہ: بِغَيْرِ عُذْرٍ) عذر کے بغیر مکروہ ہے اور عذر کے ساتھ اس طرح بیٹھے تو مکروہ نہیں کیونکہ عذر کی وجہ سے واجب کو ترک کر دیا جاتا ہے۔ پس سنت پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔ ''صحیح بن حبان'' میں جو یہ ذکر کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چوکڑی مار کر نماز پڑھا کرتے تھے (1) اسے عذر پر محمول کیا جائے گا یا جواز کی تعلیم کے لئے ایسا کرتے تھے۔ ''بحر''۔

5443۔ (قولہ: لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ) ''شرح المنیہ'' میں ''ابن ہمام'' سے نقل کیا ہے اور ''البحر'' میں ''صاحب الکنز'' وغیرہ سے نقل کیا ہے اور اس کے مکروہ ہونے کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے یہ جابروں کا فعل ہے اس کو رد کر دیا گیا۔ ہاں ''شرح المنیہ'' میں ہے کہ گھٹنوں پر بیٹھنا اولیٰ ہے کیونکہ یہ تواضع کے زیادہ قریب ہے۔ ''تامل''

جمائی کے احکام

5444۔ (قولہ: وَالتَّثَاؤُبُ) ''المصباح'' میں ہے تثاؤب کا لفظ الف ممدودہ اور واؤ کے ساتھ عام ہے۔ ''مختار الصحاح'' میں ہے تثاءبت بالمد، ولا تقل: تثاوبت۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح ''الحلبہ'' اور ''البحر'' میں ہے: ایسا سانس

1۔ سنن نسائی، کتاب قیام اللیل، باب صلاۃ القاعد، جلد 1، صفحہ 602، حدیث نمبر 1642

....

لینا جس سے منہ کھل جائے تا کہ ان بخارات کو دور کیا جائے جو جبڑے کے پٹھوں میں رکے ہوتے ہیں۔ یہ جمائی معدہ کے بھر جانے اور بدن کے بوجھل ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی سبب سے اسے شیطان کی جانب سے قرار دیا گیا ہے۔ جس طرح صحیحین کی حدیث میں ہے قال: والتثاؤب من الشیطان فاذا تثاءب احدکم فلیکظم ما استطاع(1) کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جمائی شیطان کی جانب سے ہے جب تم میں سے کوئی ایک جمائی لے تو جس قدر طاقت ہو وہ اپنے منہ کو بند کرے۔ مسلم کی روایت میں فلیمسک بیدہ علی فیہ، فان الشیطان ید خلہ۔ وہ اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھے کیونکہ شیطان اس کے منہ میں داخل ہوتا ہے۔ اور ہاتھ کے ساتھ آستین کو لاحق کیا گیا۔ یہ اس وقت ہے جب اس کے لئے ہاتھ سے روکنا ممکن نہ ہو۔ ''الخلاصہ'' میں اس کی تصریح کی ہے: اگر جمائی کے وقت اس کے لئے ممکن ہو کہ وہ اپنے دانت کے ساتھ اپنے ہونٹ کو پکڑے تو وہ اس طرح نہ کرے اور وہ اپنے ہاتھ یا کپڑے کے ساتھ اپنے منہ کو ڈھانپے تو یہ مکروہ ہوگا۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح مروی ہے۔ ''البحر'' میں کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ منہ کو ڈھانپنا منع ہے جس طرح ابوداؤد (2) وغیرہ نے اسے ذکر کیا ہے۔ اسے ضرورت کی بنا پر مباح کیا گیا ہے۔ اور جب اسے روکنا ممکن ہو تو کوئی ضرورت نہیں۔ پھر ''المجتبیٰ'' میں ہے کہ وہ اپنے دائیں ہاتھ سے اپنے منہ کو ڈھانپے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ قیام میں اپنے دائیں ہاتھ سے اور اس کے علاوہ میں بائیں ہاتھ سے ڈھانپے۔

میں کہتا ہوں: قیل کی وجہ اظہر ہے، کیونکہ یہ عمل شیطان کو دور کرنے کے لئے کیا جاتا ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ یہ ناپاکی کو زائل کرنے کی طرح ہے لہٰذا یہ بائیں ہاتھ کے ساتھ زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ لیکن حالت قیام میں بائیں ہاتھ سے جمائی روکنے کی صورت میں عمل کثیر کا واقع ہونا لازم آتا ہے کیونکہ دونوں ہاتھوں کو حرکت دینا لازم آتا ہے تو دائیں ہاتھ سے جمائی کو روکنا زیادہ بہتر ہوگا۔ ہم نے ''الضیاء'' سے آداب الصلاۃ میں یہ قول پہلے (مقولہ 4076 میں) نقل کر دیا ہے کہ یہ بائیں ہاتھ کی پشت کے ساتھ کرے۔ ''الحلبہ'' میں بعض علما سے یہ مروی ہے اسے دونوں ہاتھوں کے استعمال میں اختیار ہے اگر وہ دائیں ہاتھ سے روکے تو اس کے ظاہر اور باطن کے ساتھ روکنے کا اختیار ہوگا اگر بائیں ہاتھ سے جمائی روکے تو پھر اس کے ظاہر یعنی پشت سے روکے۔

میں نے یہاں کسی کو نہیں دیکھا جس نے کراہت سے تعرض کیا ہو کہ کیا یہ مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی ہے؟ مگر آداب الصلاۃ میں پہلے گزر چکا ہے کہ جمائی کے وقت اس کا منہ کو بند کرنا مستحب ہے۔ اور اس وقت منہ بند کرنے کو ترک کرنا مندوب ہے۔ جہاں تک نفس جمائی کا تعلق ہے اگر وہ اس کے عمل کے بغیر طبیعت سے پیدا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور اگر وہ جان بوجھ کر ایسا کرے تو یہ مکروہ تحریمی ہوگا کیونکہ یہ عبث ہے۔ جبکہ یہ قول (مقولہ 5411 میں) گزر چکا ہے کہ عبث نماز میں مکروہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزھد، باب تشمیت العاطس و کراھۃ التثاؤب، جلد 3 صفحہ 790، حدیث نمبر 61-5360

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی السدل فی الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 254، حدیث نمبر 548

وَلَوْ خَارِجَهَا، ذَكَرَهُ مِسْكِينٌ لِأَنَّهُ مِنَ الشَّيْطَانِ، وَالْأَنْبِيَاءُ مَحْفُوظُونَ مِنْهُ (وَ تَغْمِيضُ عَيْنَيْهِ) لِلنَّهْيِ إِلَّا لِكَمَالِ الْخُشُوعِ (وَقِيَامُ الْإِمَامِ فِي الْمِحْرَابِ لَا سُجُودُهُ فِيهِ) وَقَدَمَاهُ خَارِجَهُ، لِأَنَّ الْعِبْرَةَ لِلْقَدَمِ (مُطْلَقًا)

اگرچہ یہ نماز کے باہر ہو "مسکین" نے اسے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ یہ شیطان کی جانب سے ہے۔ جبکہ انبیاء اس سے محفوظ ہیں۔ اور نمازی کا آنکھوں کو بند کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس سے منع کیا گیا ہے مگر جب وہ کمال خشوع کی وجہ سے کرے۔ اور امام کا محراب میں مطلقاً قیام مکروہ ہے اس کا محراب میں سجدہ کرنا مکروہ نہیں جبکہ اس کے قدم اس محراب سے باہر ہوں کیونکہ اعتبار قدموں کا ہوتا ہے۔

تحریمی ہے اور اس کے باہر مکروہ تنزیہی ہے۔

5445۔ (قولہ: وَلَوْ خَارِجَهَا) کیونکہ گزشتہ حدیث مطلق ہے۔ بعض روایات میں جو نماز کی قید ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ اس میں کراہت شدید ہوتی ہے پس دونوں کے درمیان کوئی منافات نہیں۔ "تامل"۔

5446۔ (قولہ: وَالْأَنْبِيَاءُ مَحْفُوظُونَ مِنْهُ) ہم نے پہلے (مقولہ 4078 میں) آداب الصلاۃ میں بیان کر دیا ہے کہ دل میں اس کو عظیم المرتبہ جاننا جمائی کے دور کرنے میں مجرب ہے۔

5447۔ (قولہ: لِلنَّهْيِ) حدیث طیبہ میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی نماز میں کھڑا ہو تو وہ اپنی آنکھوں کو بند نہ کرے (1) اسے ابن عدی نے روایت کیا ہے مگر اس کی سند میں ضعف ہے۔ "البدائع" میں اس کی یہ علت بیان کی ہے: سنت یہ ہے کہ وہ اپنی نظر سجدہ کی جگہ پر رکھے اور آنکھیں بند کرنے میں وہ اسے ترک کر رہا ہے۔

پھر ظاہر یہ ہے کہ کراہت تنزیہی ہے "الحلبہ" اور "البحر" میں اسی طرح ہے، گویا نہی کی علت وہ ہے جو "البدائع" سے گزر چکی ہے اور یہی اسے مکروہ تحریمی سے پھیرنے والی ہے۔

5448۔ (قولہ: إِلَّا لِكَمَالِ الْخُشُوعِ) اس طرح کہ اسے خشوع کے فوت ہو جانے کا خوف ہو اس کا سبب یہ ہے کہ وہ ایسی چیز دیکھ رہا ہے جو دل کو پراگندہ کرے پس یہ مکروہ نہیں۔ بلکہ بعض علما نے کہا: یہ اولیٰ ہے اور یہ بعید نہیں "حلبہ" اور "بحر"۔

امام کا محراب میں کھڑے ہونے کے احکام

5449۔ (قولہ: لِأَنَّ الْعِبْرَةَ لِلْقَدَمِ) اسی وجہ سے اس کے مکان کی طہارت شرط ہے یہی ایک روایت ہے۔ سجدہ کی جگہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں دو روایتیں ہیں۔ اسی طرح اگر اس نے قسم اٹھائی وہ فلاں کے گھر میں داخل نہیں ہو گا تو دونوں قدم اس میں رکھنے سے حانث ہو جائے گا اگرچہ باقی بدن اس کے باہر ہو۔ اور شکار جب اس کے دو قدم حرم میں ہوں اور اس کا سر باہر ہو تو وہ حرم کا شکار ہو گا۔ اس میں جزا ہو گی۔ "بحر"۔

5450۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یہ ان کے قول و قیام الامام فی المحراب کی طرف راجع ہے۔ اطلاق کی تفسیر مابعد سے

1۔ المعجم الکبیر للطبرانی، جلد 11، صفحہ 34، حدیث نمبر 10956

وَإِنْ لَمْ یَشْتَبِہْ حَالُ الْإِمَامِ إِنْ عُلِّلَ بِالتَّشَبُّہِ، وَإِنْ بِالِاشْتِبَاہِ وَلَا اشْتِبَاہَ فَلَا اشْتِبَاہَ فِی نَفْیِ الْکَرَاھَۃِ (وَانْفِرَادُ الْإِمَامِ عَلَی الدُّکَّانِ)

اگر چہ امام کا حال مشتبہ نہ ہو اگر علت اہل کتاب کے ساتھ مشابہت کی ٹھہرائی جائے، اگر علت امام کی حالت کے مشتبہ ہونے کو ٹھہرائی جائے جبکہ امام کی حالت مشتبہ نہ ہو تو کراہت کی نفی میں کوئی اشتباہ نہیں اور امام کا چبوترے پر [illegible] کھڑے ہونا مکروہ ہے۔

کی گئی ہے، اسی طرح کا حکم ہوگا خواہ محراب مسجد میں ہے، جس طرح تسلسل سے عادت چلی آ رہی ہے یا اس میں نہ ہو، جس طرح ''البحر'' میں ہے۔

5451۔ (قولہ: إِنْ عُلِّلَ بِالتَّشَبُّہِ الخ) یہ کراہت کے لئے قید ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''الجامع الصغیر'' میں کراہت کی تصریح کی ہے اور کوئی تفصیل بیان نہیں کی۔ مشائخ نے اس کے سبب میں اختلاف کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا سبب یہ ہے کہ امام مقتدیوں سے مکان میں ممتاز ہے کیونکہ محراب دوسرے کمرے کے معنی میں ہے۔ یہ اہل کتاب کا طریقہ ہے۔ ''ہدایہ'' میں اسی سبب پر اکتفا کیا ہے۔ امام سرخسی نے اسے ہی پسند کیا ہے اور کہا: یہی زیادہ مناسب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا حال دائیں، بائیں جانب جو مقتدی ہیں ان پر مشتبہ ہو جاتا ہے پہلے سبب کی بنا پر یہ مطلقاً مکروہ ہے اور دوسرے سبب کی بنا پر اشتباہ نہ ہونے کی صورت میں مکروہ نہیں۔ اور ''الفتح'' میں دوسرے سبب کی تائید کی ہے کہ امام کا مکان میں ممتاز ہونا یہ مطلوب ہے اور اس کا آگے کھڑا ہونا واجب ہے اور اس کی غایت یہ ہے دونوں ملتیں اس میں متفق ہیں۔ ''الحلبہ'' میں اسے ہی پسند کیا ہے اور اس کی تائید کی ہے۔ لیکن ''البحر'' میں اس سے منازعہ کیا ہے کہ ظاہر روایت کا مقتضا مطلق کراہت ہے اور امام کا مطلوب امتیاز اس کے آگے کھڑا ہونے سے حاصل ہو جاتا ہے جبکہ وہ کسی اور جگہ کھڑا نہ ہو۔ اسی وجہ سے ''الولوالجیہ'' وغیرھا میں کہا: جب مسجد مقتدیوں پر تنگ نہ ہو تو امام کے لئے ایسا کرنا مناسب نہیں کیونکہ یہ دو مکانوں کے جدا ہونے کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ یعنی مکان کے اختلاف کی حقیقت جواز کے مانع ہے۔ پس اختلاف کا شبہ کراہت کو واجب کرتا ہے۔ محراب اگرچہ مسجد میں سے ہے پس اس کی صورت اور ہیئت نے اختلاف کے شبہ کا تقاضا کیا ہے۔ ملخص

میں کہتا ہوں: محراب اس لئے بنایا گیا تا کہ امام کے کھڑا ہونے کے محل کی علامت ہو، تا کہ وہ صف کے وسط میں کھڑا ہو جس طرح سنت ہے۔ اس لئے نہیں بنایا گیا کہ وہ اس کے اندر کھڑا ہو۔ اگرچہ محراب مسجد کے حصہ میں سے ہے لیکن دوسرے مکان کے مشابہ ہے پس اس نے کراہت کو لازم کیا۔ اور اس کلام کا حسن مخفی نہیں۔ فافہم۔ لیکن یہ پہلے گزر چکا ہے کہ مشابہت افعال مذمومہ میں اور ان افعال میں جن میں تشبہ کا قصد کیا گیا ہو مکروہ ہے مطلقاً مکروہ نہیں۔ شاید یہ مذموم افعال میں سے ہے۔ ''تامل''

یہ ذہن نشین کر لو۔ ''رملی'' کے ''حاشیہ البحر'' میں ہے۔ ان کی کلام سے جو امر ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے۔ ''تامل''

لِلنَّهْيِ، وَقُدِّرَ الِارْتِفَاعُ بِذِرَاعٍ، وَلَا بَأْسَ بِمَا دُونَهُ، وَقِيلَ مَا يَقَعُ بِهِ الِامْتِيَازُ وَهُوَ الْأَوْجَهُ ذَكَرَهُ الْكَمَالُ وَغَيْرُهُ (وَكُرِهَ عَكْسُهُ) فِي الْأَصَحِّ

کیونکہ اس کے بارے میں نہی موجود ہے اور ایک ذراع بلند ہونے کا اندازہ لگایا گیا ہے اور اس سے کم بلند ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اور ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس کے ساتھ امتیاز واقع ہو۔ یہی زیادہ مناسب ہے اسے ''کمال'' وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ اور اصح قول کے مطابق اس کے برعکس مکروہ ہے۔

تنبیہ

''معراج الدرایہ'' کے باب الامامہ میں ہے: اصح وہ ہے جو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: میں امام کے لیے یہ ناپسند کرتا ہوں کہ وہ دوستونوں کے درمیان، زاویہ، مسجد کے کونہ میں یا ایک ستون کے پاس کھڑا ہو کیونکہ یہ امت کے عمل کے خلاف ہے۔

اس میں یہ بھی ہے کہ سنت یہ ہے کہ امام صف کے درمیان کے بالمقابل کھڑا ہو۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ محراب مساجد کے درمیان بنائے جاتے ہیں جبکہ محراب امام کے کھڑا ہونے کی جگہ کے طور پر معین ہوتے ہیں؟

''تتارخانیہ'' میں ہے: یہ مکروہ ہے کہ امام محراب کے علاوہ کسی اور جگہ کھڑا ہو مگر ضرورت کی بنا پر ایسا کر سکتا ہے۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ امام اگر محراب کو ترک کر دے اور کسی اور جگہ کھڑا ہو تو یہ مکروہ ہے اگرچہ اس کا قیام صف کے درمیان ہو۔ کیونکہ یہ امت کے عمل کے خلاف ہے، یہ کلام اس امام میں ظاہر ہے جو معین ہو۔ دوسرے امام اور منفرد کے لئے نہیں۔ اس فائدہ کو غنیمت جانو کیونکہ سوال اسی کے بارے میں ہے اور اس کے باب میں کوئی نص نہیں۔

5452۔ (قولہ: لِلنَّهْيِ) نہی سے مراد وہ روایت ہے جسے امام حاکم نے نقل کیا ہے نهى ان يقوم الامام فوق و يبقى الناس خلفه (1)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر سے منع کیا کہ امام بلند کھڑا ہو اور لوگ اس کے پیچھے ہوں۔ علما نے اس کی یہ علت بیان کی ہے کہ یہ اہل کتاب کے ساتھ مشابہت ہے کیونکہ وہ اپنے امام کے لئے چبوترہ بناتے۔ ''بحر''۔ یہ تعلیل تقاضا کرتی ہے کہ یہ کراہت تنزیہی ہے۔ جبکہ حدیث اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ یہ کراہت تحریمی ہے مگر جب کوئی قرینہ اسے تحریمی سے پھیر دے۔ تامل ''رملی''۔

میں کہتا ہوں: شاید اسے پھیرنے والا قرینہ نہی کی وہ تعلیل ہے جو مذکور ہے۔ ''تامل''۔

5453۔ (قولہ: وَقِيلَ الخ) یہ ظاہر روایت ہے جس طرح ''البدائع'' میں ہے ''البحر'' میں کہا: حاصل کلام یہ ہے کہ تصحیح میں اختلاف ہے۔ اولی یہ ہے کہ ظاہر روایت اور حدیث کے اطلاق پر عمل کیا جائے۔ ''الحلبہ'' میں اسے ہی ترجیح دی ہے۔

5454۔ (قولہ: فِي الْأَصَحِّ) یہ ظاہر روایت ہے۔ کیونکہ اگرچہ اس میں اہل کتاب کے ساتھ مشابہت نہیں لیکن اس میں امام کی تذلیل ہے کیونکہ پوری جماعت اس سے اوپر ہے۔ ''شرح المنیہ'' میں اسے بیان کیا ہے۔ گویا شارح نے ''الدرر''

1۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی مقام الامام، جلد 3، صفحہ 109

وَهَذَا كُلُّهُ (عِنْدَ عَدَمِ الْعُذْرِ) كَجُمُعَةٍ وَعِيدٍ، فَلَوْ قَامُوا عَلَى الرُّفُوفِ وَالْإِمَامُ عَلَى الْأَرْضِ أَوْ فِي الْمِحْرَابِ لِضِيقِ الْمَكَانِ لَمْ يُكْرَهْ، لَوْ كَانَ مَعَهُ بَعْضُ الْقَوْمِ فِي الْأَصَحِّ، وَبِهِ جَرَتْ الْعَادَةُ فِي جَوَامِعِ الْمُسْلِمِينَ، وَمِنْ الْعُذْرِ إرَادَةُ التَّعْلِيمِ أَوْ التَّبْلِيغِ كَمَا بُسِطَ فِي الْبَحْرِ

یہ سب اس صورت میں ہے جب عذر نہ ہو جیسے جمعہ اور عید کا معاملہ ہے۔ اگر مقتدی بالا خانوں پر کھڑے ہوں اور امام زمین پر ہو یا محراب میں ہو کیونکہ مکان تنگ ہو تو یہ مکروہ نہیں اگر امام کے ساتھ کچھ لوگ ہوں۔ یہ اصح کے قول کے مطابق ہے۔ اور مسلمانوں کی جامع مسجدوں میں یہی معمول ہے۔ اور عذر میں سے تعلیم یا تبلیغ کا ارادہ ہے۔ جس طرح ''البحر'' میں اسے تفصیل سے بیان کیا ہے۔

کی اتباع میں ''البدائع'' کے قول سے تصحیح کو اخذ کیا ہے۔ ظاہر روایت کا جواب صحیح ہونے کے زیادہ قریب ہے۔ اس کے مقابل ''طحاوی'' کا قول ہے کہ مشابہت نہ ہونے کی وجہ سے مکروہ نہیں۔ ''الخانیہ'' میں یہ کہتے ہوئے اس پر چلے ہیں: اس پر عام مشائخ ہیں۔ ''طحطاوی'' نے کہا: شاید یہ کراہت تنزیہی ہو کیونکہ نہی صرف پہلی صورت میں وارد ہوئی ہے۔

5455۔ (قولہ: وَهَذَا كُلُّهُ) کراہت تینوں مسائل میں ہے نہ کہ مصنف کے ظاہر کلام سے جو وہم ہوتا ہے کہ ان کا قول عند عدم العذر صرف یہ ان کے قول و کرہ عکسہ کے لئے قید ہے۔ فافہم۔

5456۔ (قولہ: كَجُمُعَةٍ وَعِيدٍ) یہ عذر کی مثال ہے جبکہ یہ مضاف کی تقدیر پر ہے جیسے کنجمۃ جمعۃ وعید۔

5457۔ (قولہ: فَلَوْ قَامُوا الخ) جمعہ اور عید میں عذر کے ہوتے ہوئے مکروہ نہ ہونے پر تفریع ہے۔ ''المعراج'' میں کہا: شیخ الاسلام نے ذکر کیا: یہ مکروہ ہوگا جب عذر نہ ہو، مگر جب عذر ہو تو مکروہ نہیں۔ جس طرح جمعہ میں جب قوم چھت پر ہو اور ان میں سے بعض زمین پر ہوں کیونکہ مکان کی تنگی ہے۔ ''حلوانی'' نے ''ابولیث'' سے حکایت بیان کی ہے: ضرورت کے وقت امام کے لئے محراب میں کھڑا ہونا مکروہ نہیں اس طرح کہ مسجد قوم پر تنگ ہو۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ ان کا قول والامام علی الارض سے مراد ہے کہ کچھ لوگ بھی امام کے ساتھ زمین پر ہوں۔

5458۔ (قولہ: لَوْ كَانَ الخ) یہ ان کے قول و انفراد الامام علی الدکان سے احتراز ہے۔ ''البحر'' میں کہا: انفراد کی قید لگائی کیونکہ اگر بعض لوگ امام کے ساتھ ہوں تو ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ مکروہ ہے اور صحیح ترین قول یہ ہے کہ مکروہ نہیں اکثر علاقوں میں تمام مسلمانوں میں یہی معمول چل رہا ہے۔

اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ یہ مکروہ نہیں اگرچہ عذر کے بغیر ہو ورنہ یہ ماقبل میں داخل ہوگا۔ ''تامل''۔

5459۔ (قولہ: وَمِنْ الْعُذْرِ الخ) یعنی بلند جگہ کھڑا ہونے میں عذر میں سے یہ ہے۔ ''البحر'' میں اس کی حکایت کی ہے اور ''حلبہ'' کی تبع میں ہے جو امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت ہے۔

میں کہتا ہوں: ''المعراج'' میں ہے جس کی نص یہ ہے: ہمارے قول کے موافق امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے مگر جب

وَقَدَّمْنَا كَرَاهَةَ الْقِيَامِ فِي صَفٍّ خَلْفَ صَفٍّ فِيهِ فُرْجَةٌ لِلنَّهْيِ، وَكَذَا الْقِيَامُ مُنْفَرِدًا وَإِنْ لَمْ يَجِدْ فُرْجَةً بَلْ يَجْذِبُ أَحَدًا مِنَ الصَّفِّ ذَكَرَهُ "ابْنُ الْكَمَالِ"، لَكِنْ قَالُوا فِي زَمَانِنَا تَرْكُهُ أَوْلَى فَلِذَا قَالَ فِي الْبَحْرِ يُكْرَهُ وَحْدَهُ إِلَّا إِذَا لَمْ يَجِدْ فُرْجَةً

اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ایک ایسی صف کے پیچھے صف میں کھڑا ہونا جس میں کھڑا ہونے کی گنجائش تھی مکروہ ہے کیونکہ اس بارے میں نہی موجود ہے۔ اسی طرح اکیلا کھڑا ہونا اگرچہ کشادگی نہ پائے بلکہ صف میں سے ایک آدمی کو پیچھے کھینچ لے۔ اسے "ابن کمال" نے ذکر کیا ہے۔ لیکن علماء نے کہا: ہمارے زمانے میں اس کو ترک کر دینا اولیٰ ہے۔ اسی وجہ سے "البحر" میں کہا: ایک مقتدی کا اکیلے صف کے پیچھے کھڑا ہونا مکروہ ہے مگر جب وہ اگلی صف میں جگہ نہ پائے۔

امام لوگوں کو نماز کے افعال کی تعلیم دینا چاہتا ہو یا مقتدی قوم کو تبلیغ کرنا چاہتا ہو تو اس وقت ہمارے نزدیک یہ مکروہ نہیں۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے جس طرح امام کے لئے عذر کے بغیر الگ بلند جگہ پر کھڑا ہونا مکروہ ہے تو مقتدی کے لئے بھی الگ کھڑا ہونا مکروہ ہوگا اگرچہ امام کے ساتھ ایک طائفہ موجود ہو۔ فافہم

5460۔ (قولہ: وَقَدَّمْنَا الخ) یعنی باب الامامۃ میں قول ویصف الرجال کے ہاں بیان کر آئے ہیں کیونکہ کہا: اگر اس نے مسجد کی چھت پر نماز پڑھی اگر وہ صف میں جگہ پاتا ہو تو یہ مکروہ ہوگا جس طرح ایسی صف کے پیچھے صف میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا مکروہ ہے جس میں جگہ ہو۔ شاید اس کے ساتھ یہ اشارہ کرتے ہوں کہ اگر مذکورہ عذر نہ ہو تو مقتدی کا الگ کھڑے ہونا مکروہ ہوگا۔

5461۔ (قولہ: لَكِنْ قَالُوا الخ) قائل صاحب "قنیہ" ہے کیونکہ انہوں نے بعض کتب کی طرف منسوب کیا۔ ایک آدمی جماعت میں شامل ہونے کے لئے آیا اور اس نے صف میں جگہ نہ پائی۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ تنہا کھڑا ہو جائے اور اسے معذور سمجھا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ صف سے ایک آدمی کو اپنی طرف کھینچے گا اور اسی کے پہلو میں کھڑا ہو جائے گا۔ اصح وہ قول ہے جسے ہشام نے امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ وہ امام کے رکوع کرنے تک انتظار کرے اگر کوئی آدمی آ جائے تو ٹھیک ورنہ اپنی طرف ایک آدمی کھینچ لے یا صف میں داخل ہو جائے۔ پھر "القنیہ" میں کہا: ہمارے زمانے میں اکیلے کھڑے ہو جانا اولیٰ ہے کیونکہ عوام میں جہالت کا غلبہ ہے جب وہ اسے کھینچے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

"الخزائن" میں کہا: میں کہتا ہوں: یہ امر اس کی طرف تفویض کر دیا جائے گا جو اس میں مبتلی ہوا۔ اگر وہ مقتدیوں میں سے کسی ایسے آدمی کو دیکھتا ہے جو دین یا درستی کی وجہ سے کوئی اذیت محسوس نہیں کرتا تو اس کے پہلو میں کھڑا ہو جائے یا عالم کو دیکھتا ہے تو اسے پیچھے کھینچ لے ورنہ الگ کھڑا ہو جائے۔

میں کہتا ہوں: یہ بات اچھی تطبیق ہے جسے "ابن وہبان" نے "شرح منظومتہ" سے اپنایا ہے۔

5462۔ (قولہ: فَلِذَا قَالَ الخ) یعنی کھینچنے کا ذکر نہیں کیا اسی دلیل کی وجہ سے جو گزر چکی ہے۔

(وَلُبْسُ ثَوْبٍ فِيهِ تَمَاثِيلُ) ذِي رُوحٍ، وَأَنْ يَكُونَ فَوْقَ رَأْسِهِ أَوْ بَيْنَ يَدَيْهِ أَوْ (بِحِذَائِهِ) يَمْنَةً أَوْ يَسْرَةً أَوْ مَحَلَّ سُجُودِهِ (تِمْثَالٌ)

اور ایسا کپڑا پہننا مکروہ ہے جس میں ذی روح چیز کی تصاویر ہوں۔ اور یہ مکروہ ہے کہ نمازی کے سر، اس کے سامنے اور اس کے بالمقابل دائیں، بائیں یا سجدہ کی جگہ تصویر ہو۔

ایسا کپڑا جس میں ذی روح کی تصاویر ہوں پہننے کا حکم

5463۔ (قولہ: وَلُبْسُ ثَوْبٍ فِيهِ تَمَاثِيلُ) دوسرے علما کے قول تصاویر سے عدول کیا ہے کیونکہ ''مغرب'' میں ہے: صورت کا لفظ عام ہے جو ذی روح اور غیر ذی روح کے لئے بولا جاتا ہے اور تمثال کا لفظ ذی روح کی مثال کے لئے خاص ہے۔ اور آگے آئے گا کہ غیر ذی روح کی تصویر مکروہ نہیں۔ ''قہستانی'' نے کہا: اس میں اس بات کا شعور دلایا ہے کہ سر کی تصویر مکروہ نہیں جبکہ اس میں اختلاف ہے جس طرح تصویر کے ہاتھ میں پکڑنے میں اختلاف ہے۔ ''المحیط'' میں اسی طرح ہے۔ ''البحر'' میں کہا: ''الخلاصہ'' میں ہے کپڑے پر تصاویر مکروہ ہیں۔ اس کپڑے میں وہ نماز پڑھے یا نماز نہ پڑھے۔ کلام ختم ہوئی۔ یہ کراہت تحریمی ہے۔ نووی کا جو شرح مسلم میں قول ہے اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ حیوان کی تصویر حرام ہے۔ اور کہا: برابر ہے کہ وہ اسے اس لئے بنائے کہ اس کی تذلیل کی جائے یا کسی اور مقصد کے لئے بنایا جائے اور اسے بنانا ہر حال میں حرام ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ مشابہت ہے۔ خواہ وہ تصویر کپڑے میں ہو، قالین میں ہو، درہم میں ہو، برتن میں ہو، دیوار میں ہو یا کسی اور چیز میں ہو۔ کلام ختم ہوئی۔ پس چاہئے کہ وہ حرام ہو مکروہ نہ ہو اگر اجماع ثابت ہو جائے یا تواتر کی وجہ سے دلیل کی قطعیت ثابت ہو جائے۔ کلام ''البحر'' مخلصا۔ ان کے قول فینبغی کا ظاہر معنی یہ ہے کہ ''الخلاصہ'' پر اعتراض کیا جائے جو انہوں نے اسے مکروہ کا نام دیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ''الخلاصہ'' کی مراد یہ ہے وہ اسے پہنے ہوئے ہو جس کی تصریح ''متون'' میں کی گئی ہے۔ اس کی دلیل ''الخلاصہ'' میں وہ قول ہے جو اس کے بعد ہے جو گزر چکا ہے: مگر جب وہ اس کے ہاتھ میں ہو جبکہ وہ نماز پڑھ رہا ہو تو مکروہ نہ ہو گا۔ اور ''نووی'' کا کلام تصویر بنانے کے بارے میں ہے۔ اس کی حرمت سے اس میں نماز کی حرمت لازم نہیں آتی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ تصویر بنانا حرام ہے اگرچہ تصویر چھوٹی ہو جس طرح درہم پر ہوتی ہے، ہاتھ میں ہوتی ہے، پوشیدہ ہوتی ہے یا اس کی تذلیل کی جاتی ہے مگر اس کے ساتھ نماز حرام نہیں ہوتی بلکہ مکروہ بھی نہیں ہوتی۔ کیونکہ تصویر کی حرمت کی علت اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ مشابہت ہے اور یہ ان تمام میں موجود ہے جن کا ذکر کیا گیا اور اس کے ساتھ نماز کے مکروہ ہونے کی علت مشابہت اختیار کرنا ہے جبکہ یہ اس میں مفقود ہے جس کا ذکر کیا گیا۔ جس طرح آگے آئے گا۔ اس کی وضاحت کو غنیمت جانو۔

5464۔ (قولہ: فَوْقَ رَأْسِهِ) یعنی چھت میں ہو۔ ''معراج''۔

5465۔ (قولہ: تِمْثَالٌ) یعنی وہ تصویر دیوار میں یا کسی اور چیز میں نقش ہو یا وہ رکھی گئی ہو یا معلق ہو۔ جس طرح

وَلَوْفِي وِسَادَةٍ مَنْصُوبَةٍ لَا مَفْرُوشَةٍ (وَاخْتُلِفَ فِيمَا إِذَا كَانَ) التِّمْثَالُ (خَلْفَهُ وَالْأَظْهَرُ الْكَرَاهَةُ وَ) لَا يُكْرَهُ (لَوْ كَانَتْ تَحْتَ قَدَمَيْهِ) أَوْ مَحَلَّ جُلُوسِهِ لِأَنَّهَا مُهَانَةٌ (أَوْ فِي يَدِهِ)

اگر چہ وہ تصویر ایسے تکیہ میں ہو جو لٹکا یا گیا ہو وہ بچھایا نہ گیا ہو۔ اور اس میں اختلاف کیا گیا ہے جب تصویر پیچھے ہو۔ زیادہ ظاہر تو یہ ہے کہ یہ مکروہ ہو۔ اور نماز مکروہ نہ ہو گی اگر وہ تصویر نمازی کے قدموں کے نیچے یا اس کے بیٹھنے کی جگہ میں ہو کیونکہ اس کی تذلیل کی گئی ہے۔ یا وہ تصویر اس کے ہاتھ میں ہو۔

''المنیہ'' اور اس کی ''شرح'' میں ہے۔

میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ صلیب کو بھی تصویر کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا اگر چہ وہ ذی روح کی تصویر نہ ہو کیونکہ اس میں نصاریٰ کے ساتھ مشابہت ہے۔ مذموم امر میں ان کے ساتھ مشابہت مکروہ ہے اگر چہ اس کا قصد نہ کیا ہو۔ جس طرح پہلے (مقولہ 5451 میں) گزر چکا ہے۔

5466۔ (قولہ: مَنْصُوبَةٍ) اس طرح کہ روندی نہ جاتی ہو اور اس پر ٹیک نہ لگائی جاتی ہو۔ ''الہدایہ'' میں کہا: اگر تصویر ایسے تکیہ پر ہو جسے نیچے پھینکا گیا ہو یا ایسی قالین پر ہو جو بچھایا گیا تو مکروہ نہیں کیونکہ اس تصویر کو روندا جاتا ہے۔ مگر جب تکیہ دیوار کے ساتھ لٹکا یا گیا ہو یا وہ تصویر پردہ پر ہو تو معاملہ مختلف ہے کیونکہ یہ اس کے لئے تعظیم ہے۔

5467۔ (قولہ: وَالْأَظْهَرُ الْكَرَاهَةُ) لیکن اس میں کراہت کم ہے کیونکہ اس میں کوئی تعظیم نہیں اور نہ ہی کوئی مشابہت ہے۔ ''معراج''۔ ''البحر'' میں ہے کہ علما نے کہا: سب سے شدید کراہت اس صورت میں ہے جب وہ نمازی کے سامنے قبلہ کی جانب ہو پھر وہ جو نمازی کے سر پر ہو پھر وہ جو دائیں جانب ہو پھر وہ جو بائیں جانب دیوار پر ہو پھر وہ جو نمازی کی پچھلی جانب دیوار یا پردے پر ہو۔

میں کہتا ہوں: گویا وہ تصویر جو نمازی کے پیچھے ہے اس میں تعظیم نہیں اگر چہ وہ تصویر دیوار پر ہو یا پردے پر ہو۔ اس کو پشت کے پیچھے رکھنے میں اس کی تذلیل ہے پس یہ تعظیم کے معارض ہے جو اس کے لٹکانے میں ہے۔ اگر وہ تصویر ایسی قالین پر ہو جو نیچے بچھایا گیا ہو اس کا معاملہ مختلف ہے جبکہ اس نے اس پر سجدہ نہ کیا ہو تو ایسی تصویر ہر اعتبار سے ذلیل کی گئی ہے۔ اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ تمام مسائل میں کراہت کی علت یا تو تعظیم ہے یا مشابہت ہے۔ جو قول آگے (مقولہ 5480 میں) آ رہا ہے اس کے خلاف ہے۔

5468۔ (قولہ: وَ لَا يُكْرَهُ) لایکرہ کو مقدر مانا ہے جبکہ مصنف کا آنے والا قول لا موجود ہے کیونکہ فاصلہ طویل ہو چکا ہے پس آنے والا لا اس کی تاکید ہو گا۔ فافہم۔

5469۔ (قولہ: تَحْتَ قَدَمَيْهِ) یہ صورتحال ہو گی اگر وہ تصویر ایسی قالین پر ہو جو روندی جاتی ہو یا ایسے تکیہ پر ہو جس پر ٹیک لگائی جاتی ہو جس طرح ''البحر'' میں ہے۔ المرفقہ سے مراد ایسا تکیہ ہے جس پر ٹیک لگائی جاتی ہے۔ جس طرح ''المغرب'' میں ہے۔

عِبَارَةُ الشُّمُنِّيِّ بَدَنِهِ؛ لِأَنَّهَا مَسْتُورَةٌ بِثِيَابِهِ (أَوْ عَلَى خَاتَمِهِ) بِنَقْشٍ غَيْرِ مُسْتَبِينٍ قَالَ فِي الْبَحْرِ وَمُفَادُهُ كَرَاهَةُ الْمُسْتَبِينِ لَا الْمُسْتَتِرِ بِكِيسٍ أَوْ صُرَّةٍ أَوْ ثَوْبٍ آخَرَ، وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ (أَوْ كَانَتْ صَغِيرَةً) لَا تَتَبَيَّنُ تَفَاصِيلُ أَعْضَائِهَا لِلنَّاظِرِ قَائِمًا وَهِيَ عَلَى الْأَرْضِ،

''شمنی'' کی عبارت ہے: اگر وہ تصویر اس کے بدن میں ہو کیونکہ وہ تصویر اس کے کپڑوں کے ساتھ چھپ جاتی ہے یا وہ اس کی انگوٹھی پر ہو ایسے نقش کے ساتھ جو غیر واضح ہو۔ ''البحر'' میں کہا: اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے جو تصویر واضح ہو وہ مکروہ ہے جو بٹوے، تھیلی یا دوسرے کپڑے میں چھپی ہو وہ مکروہ نہیں۔ مصنف نے اسے ثابت رکھا ہے یا وہ تصویر چھوٹی ہو جس کے اعضاء کی تفاصیل اس دیکھنے والے کے لئے واضح نہ ہو جو کھڑا ہو جبکہ تصویر زمین پر ہو۔

5470۔ (قولہ: عِبَارَةُ الشُّمُنِّيِّ الخ) اس قول کے ساتھ، اس اشکال کی طرف اشارہ کیا جو پہلی عبارت میں ہے وہ یہ ہے کہ جب وہ تصویر ہاتھ میں ہوگی تو وہ تصویر ہاتھ رکھنے کی سنت سے مانع ہوگی، جبکہ یہ عمل تصویر کے بغیر مکروہ ہے تو تصویر کے ساتھ کیا صورتحال ہوگی؟ مگر جب یہ مراد لی جائے کہ وہ اسے نہ پکڑے بلکہ وہ تصویر اس کے ہاتھ کے ساتھ معلق ہو وغیرہ۔ ''شرح المنیہ'' میں اسی طرح ہے اس جیسی کلام سے یہ ارادہ کیا اگر وہ تصویر اس کے ہاتھ میں نقش کی گئی ہو۔ ''المعراج'' میں ہے جس آدمی کے ہاتھ میں تصاویر ہوں ان کی امامت مکروہ نہیں کیونکہ وہ کپڑوں سے چھپی ہوتی ہیں وہ واضح اور ظاہر نہیں ہوتیں۔ پس یہ تصاویر اسی طرح ہو گئیں جس طرح انگوٹھی کے نقش کی صورت میں ہو۔ اس کی مثل ''البحر'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے۔

اور اس کا ظاہر معنی مکروہ نہ ہونا ہے اگرچہ تصویر گودنے کے ساتھ ہو۔ اور یہ اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ یہ نجس نہیں جس طرح ہم نے باب الانجاس کے آخر میں واضح کیا ہے اس کی طرف رجوع کیجئے۔

5471۔ (قولہ: غَيْرِ مُسْتَبِينٍ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اس سے مراد وہی ہے جو چھوٹی کی تفسیر کی وضاحت (مقولہ 5475 میں) میں آئے گا۔ ''تامل''۔

5472۔ (قولہ: وَمُفَادُهُ) یعنی تعلیل سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ وہ تصویر چھپی ہوئی ہو۔

5473۔ (قولہ: لَا الْمُسْتَتِرِ بِكِيسٍ أَوْ صُرَّةٍ) اس طرح کہ اس نے نماز پڑھی اور اس کے پاس بٹوا یا ایسی تھیلی تھی جس میں دنانیر یا دراہم تھے جن میں چھوٹی تصاویر تھیں پس ان کے پوشیدہ ہونے کی وجہ سے مکروہ نہیں۔ ''بحر''۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ اگر وہ ظاہر ہوں تو نماز مکروہ ہوگی۔ جبکہ چھوٹی تصویر کے ہوتے ہوئے نماز مکروہ نہیں ہوتی۔ جس طرح آگے (مقولہ 5474 میں) آئے گا لیکن گھر میں تصویر کا رکھنا مکروہ تنزیہی ہے۔ ''نہر''۔

5474۔ (قولہ: أَوْ ثَوْبٍ آخَرَ) یعنی وہ کپڑا جس میں تصویر ہو اس کے اوپر ایک اور کپڑا ہو جو اس کو چھپائے ہوئے ہو پس اس میں نماز پڑھنا مکروہ نہیں کیونکہ وہ تصویر کپڑے کے ساتھ چھپ گئی ہے۔ ''بحر''

5475۔ (قولہ: لَا تَتَبَيَّنُ الخ) یہ اس قول سے زیادہ مضبوط ہے جو ''قہستانی'' میں ہے کیونکہ اس میں کہا: وہ دیکھنے

ذَكَرَهُ الْحَلَبِيُّ (أَوْ مَقْطُوعَةَ الرَّأْسِ أَوْ الْوَجْهِ) أَوْ مَمْحُوَّةَ عُضْوٍ لَا تَعِيشُ بِدُونِهِ (أَوْ لِغَيْرِ ذِي رُوحٍ لَا) يُكْرَهُ لِأَنَّهَا لَا تُعْبَدُ

''حلبی'' نے اس کا ذکر کیا یا جس کا سر، چہرہ کٹا ہو۔ یا ایسا عضو مٹا دیا گیا ہو جس کے بغیر وہ زندہ نہ رہ سکے۔ یا وہ تصویر جو غیر ذی روح کی ہو تو مکروہ نہیں کیونکہ اس کی عبادت نہیں کی جاتی۔

والے کے لئے ظاہر نہیں ہوتی مگر جب کامل صورت میں اسے دیکھا جائے جس طرح ''کرمانی'' میں ہے یا وہ دور سے اس کے لئے ظاہر نہ ہوتی ہو جس طرح ''المحیط'' میں ہے۔ پھر کہا: لیکن ''الخزانہ'' میں ہے کہ اگر تصویر پرندے جتنی ہو تو مکروہ ہے اگر پرندے سے چھوٹی ہو تو مکروہ نہیں۔

5476۔ (قولہ: أَوْ مَقْطُوعَةَ الرَّأْسِ) خواہ اصل میں اس کا سر کاٹ دیا گیا ہو یا اس کا سر تو تھا مگر مٹا دیا گیا۔ خواہ اس سر کا کاٹنا دھاگے کے ساتھ ہو جو پورے سر پر سیا گیا یہاں تک کہ اس کا اثر باقی نہ رہا یا مٹی کے ساتھ اس پر لیپ کر دیا گیا یا اسے کھرچ دیا گیا یا اسے دھو دیا گیا کیونکہ عادت میں سر کے بغیر تصویر کی عبادت نہیں کی جاتی۔ جہاں تک جسم سے سر کو دھاگے کے ساتھ کاٹنے کا تعلق ہے جبکہ سر اپنی حالت پر باقی رہے تو یہ کراہت کی نفی نہیں کرے گا کیونکہ پرندوں میں سے کچھ ایسے ہوتے ہیں جن کو طوق پہنایا جاتا ہے پس اس کے ساتھ سر کا کاٹنا متحقق نہ ہوگا۔ سر کی قید لگائی کیونکہ دونوں ابروؤں یا دونوں آنکھوں کے زائل کرنے کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ ان چیزوں کے بغیر بھی اس کی عبادت کی جاتی ہے۔ اسی طرح دونوں ہاتھوں یا دونوں پاؤں کے کاٹنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ ''بحر''۔

5477۔ (قولہ: أَوْ مَمْحُوَّةَ عُضْوٍ الخ) یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے۔ کیا یہ اس کی مثل ہوگا اگر اس کے بطن میں سوراخ ہو؟ ظاہر یہ ہے اگر سوراخ بڑا ہو جس کے ساتھ اس کا نقص ظاہر ہوتا ہو تو ہاں حکم اس طرح ہوگا ورنہ نہیں۔ جس طرح سوراخ اس لئے ہوتا ہے تاکہ عصا اس میں رکھا جائے جس عصا کے ساتھ اس کو ٹھہرایا جائے جس طرح خیالی تصویر جس کے ساتھ کھیلا جاتا ہے کیونکہ اس کے باوجود وہ مکمل صورت باقی رہتی ہے۔ ''تامل''۔

5478۔ (قولہ: أَوْ لِغَيْرِ ذِي رُوحٍ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک سائل کے لئے فرمان ہے: اگر تو ضروری ہی تصویر بنانے والا ہے تو درخت کی تصویر بنا اور ایسی چیز کی تصویر بنا جس کی روح نہ ہو (1)۔ اسے شیخین نے روایت کیا ہے۔ درخت پھل دار ہو یا پھل دار نہ ہو اس میں کوئی فرق نہیں۔ مجاہد نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

5479۔ (قولہ: لِأَنَّهَا لَا تُعْبَدُ) یعنی ان مذکورہ تصویروں کی عبادت نہیں کی جاتی پس مشابہت حاصل نہ ہوگی۔

اگر یہ سوال کیا جائے سورج، چاند، ستاروں اور سرسبز درخت کی پوجا کی گئی ہے۔

ہم کہیں گے ان کے عین کی عبادت کی گئی ان کی تصویر کی عبادت نہیں کی گئی پس اسی وجہ سے ان چیزوں کے عین کی

1۔ صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینة، باب تحریم تصویر صورة الحیوان، جلد 3، صفحہ 170، حدیث نمبر 3995

وَخَبَرُ جِبْرِيلَ مَخْصُوصٌ بِغَيْرِ الْمُهَانَةِ كَمَا بَسَطَهُ ابْنُ الْكَمَالِ

اور حضرت جبریل امین کے متعلق جو روایت ہے وہ مخصوص ہو گی ایسی تصویر کے بارے میں جس کی اہانت نہ کی گئی ہو۔ جس طرح ''ابن کمال'' نے اسے کھول کر بیان کیا ہے۔

طرف منہ کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ ''معراج''۔ کیونکہ ان کے عین کی عبادت کی گئی۔ اگر ان کی تصویر بنائے اور ان کی تصویر کی طرف منہ کرے تو معاملہ مختلف ہو گا۔

5480۔ (قولہ: وَخَبَرُ جِبْرِيلَ الخ) اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت جبریل کا یہ کہنا ہے ہم ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو اور نہ ہی ایسے گھر میں داخل ہوتے ہیں جس میں تصویر ہو (1)۔ اسے امام مسلم نے کتاب اللباس والزینۃ میں روایت کیا ہے۔ یہ اس جواب کی طرف اشارہ ہے جو ایک اعتراض کا دیا جاتا ہے۔ اعتراض یہ ہے اگر سابقہ مسئلہ میں کراہت کی علت اس محل کا ہونا ہے جس میں نماز واقع ہوتی ہے، اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے، کیونکہ جگہوں میں سے سب سے بری جگہ ایسی جگہ ہے جہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے، چاہئے کہ نماز مکروہ ہو اگرچہ تصویر ایسی ہو جس کی اہانت کی جارہی ہو کیونکہ اس کا قول ولا صورۃ، نکرہ ہے جو سیاق نفی میں واقع ہے پس وہ عام ہو گا اگر علت صورت کی عبادت کے ساتھ مشابہت ہے تو نماز مکروہ نہ ہو گی مگر جب وہ نمازی کے سامنے ہو یا سر کے اوپر ہو۔

جواب یہ ہے کہ علت پہلا امر ہے، جہاں تک دوسرے امر کا تعلق ہے تو وہ کراہت کی شدت کا فائدہ دیتی ہے مگر مذکورہ نص کا عموم خاص ہے جب اس کی اہانت نہ ہو رہی ہو کیونکہ ابن حبان اور نسائی نے روایت کی ہے۔ استاذن جبریل علیه السلام على النبي صلى الله عليه وسلم فقال ادخل فقال كيف ادخل وفي بيتك ستر فيه تصاوير فان كنت لابد فاقطع رؤوسها او اقطعها وسائد او اجعلها بسطا الخ (2)۔ حضرت جبریل امین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اندر آجاؤ حضرت جبریل نے کہا: میں کیسے داخل ہوں جبکہ آپ کے گھر میں ایسا پردہ ہے جس میں تصاویر ہیں اگر ضرور ایسا کرنے والے ہیں تو ان تصویروں کے سروں کو کاٹ دیں یا انہیں کاٹ کر تکیے بنا دیں یا انہیں نیچے بچھانے والی چادریں بنا دیں۔ یوں اس پر یہ اعتراض وارد ہو گا جب وہ تصاویر ایسی چادر پر ہوں جو سجدہ کی جگہ ہے۔ جبکہ یہ (مقولہ 5467 میں) گزر چکا ہے کہ یہ مکروہ ہے، جبکہ یہ فرشتوں کے داخل ہونے کے مانع نہیں، اس میں مشابہت نہیں کیونکہ بت پرست بتوں پر سجدہ نہیں کرتے بلکہ وہ انہیں کھڑا کرتے ہیں اور ان کی طرف دیکھتے ہیں، مگر جب یہ کہا جائے اس میں حالت قیام اور حالت رکوع میں بتوں کی عبادت کے ساتھ مشابہت کی صورت موجود ہے اگر وہ اس تصویر پر سجدہ کرے تو یہ اس کی تعظیم ہو گی۔ ''حلبہ'' اور ''بحر'' سے ملخص ہے۔

میں کہتا ہوں: جو ان کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ علت یا تو تعظیم ہے یا مشابہت ہے جس طرح ہم پہلے (مقولہ 5463

1۔ صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان، جلد 3، صفحہ 163، حدیث نمبر 3977

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس والزینۃ، باب فی الصور، جلد 3، صفحہ 205، حدیث نمبر 3627

وَاخْتَلَفَ الْمُحَدِّثُونَ فِي امْتِنَاعِ مَلَائِكَةِ الرَّحْمَةِ بِمَا عَلَى النَّقْدَيْنِ، فَنَفَاهُ عِيَاضٌ، وَأَثْبَتَهُ النَّوَوِيُّ

محدثین نے اس امر میں اختلاف کیا ہے کہ رحمت کے فرشتے وہاں نہیں آتے جہاں دونوں نقدیوں پر تصویر ہو قاضی عیاض نے اس کی نفی کی ہے اور نووی نے اسے ثابت رکھا ہے۔

میں) بیان کر چکے ہیں۔ تعظیم عام ہے جیسے وہ تصویر اس کی دائیں جانب ہو، بائیں جانب ہو یا سجدہ کی جگہ ہو۔ کیونکہ ان صورتوں میں کوئی مشابہت نہیں بلکہ ان میں تعظیم کا پہلو ہے۔ جس صورت میں تصویر کی تعظیم اور بت پرستوں کے ساتھ مشابہت کی صورت ہو اس میں کراہت شدید ہوگی۔ اس وجہ سے کراہت کے مراتب میں فرق ہوگا۔ جس طرح (مقولہ 5467 میں) گزر چکا ہے۔ حضرت جبریل امین والی روایت کی علت تعظیم سے بیان کی گئی ہے اس کی دلیل دوسری حدیث وغیرہ ہے۔ ملائکہ کا داخل نہ ہونا وہ اس لئے تھا کہ تصویر، تعظیم کی جگہ میں تھی۔ نماز کے مکروہ ہونے کی علت تصویر کی تعظیم سے بیان کرنا یہ فرشتوں کے داخل نہ ہونے کی علت سے اولیٰ ہے۔ کیونکہ تعظیم بعض اوقات لاحق ہوتی ہے کیونکہ تصویر جب ایسی چادر پر ہو جو زمین پر بچھائی گئی ہو تو اس کی تذلیل کی جارہی ہوگی، وہ داخل ہونے سے مانع نہ ہوگی۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر وہ اس چادر پر نماز پڑھے اور اس پر سجدہ کرے تو نماز مکروہ ہوگی۔ کیونکہ اس کا یہ فعل اس صورت کی تعظیم ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ فرشتے اس لاحق ہونے والے فعل کے ساتھ داخل ہونے سے نہیں رکتے۔ جہاں تک ''الفتح'' میں ''شرح عتاب'' سے مروی ہے: ''اگر وہ تصویر نمازی کے پیچھے ہو یا پاؤں کے نیچے ہو تو نماز مکروہ نہ ہوگی۔ لیکن نماز مکروہ ہوگی کیونکہ حدیث کی وجہ سے گھر میں تصویر رکھنا مکروہ ہے''۔ پس اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ فرشتے داخل ہونے سے رک جاتے ہیں اگرچہ تصویر کی اہانت کی جارہی ہو اور تصویر جو بچھائی ہوئی چادر میں ہو اس کا مکروہ ہونا یہ اس حدیث کے خلاف ہے جو مخصص ہے۔ جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

5481۔ (قولہ: فِي امْتِنَاعِ مَلَائِكَةِ الرَّحْمَةِ) رحمت کے فرشتوں کی قید لگائی۔ کیونکہ حفظہ فرشتے انسان سے جدا نہیں ہوتے مگر جب انسان جماع کرتا ہے اور بیت الخلا میں جاتا ہے۔ شرح البخاری میں اسی طرح ہے۔ چاہئے کہ حفظہ سے مراد کراماً کاتبین اور ان سے عام ہوں جو جنوں سے انسان کی حفاظت کرتے ہیں، ''نہر''۔ اسے دیکھیے جو ہم نے قراءت کی فصل سے قبل (مقولہ 4473 میں) بیان کیا ہے۔

5482۔ (قولہ: فَنَفَاهُ عِيَاضٌ) یعنی انہوں نے کہا: بے شک احادیث تخصیص کا فائدہ دیتی ہیں، ''بحر''۔ یہ ہمارے علما کے کلام کا ظاہر معنی ہے کیونکہ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ جو عمل نماز میں کراہت میں مؤثر نہ ہو تو اس کا باقی رکھنا مکروہ نہیں۔ ''الفتح'' وغیرہ میں تصریح کی ہے کہ چھوٹی تصویر گھر میں مکروہ نہیں۔ کہا: یہ نقل کیا گیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی پر دو مکھیوں کی تصاویر تھیں۔ اگر وہ تصویر فرشتوں کے داخل ہونے کے مانع ہوتو اسے گھر میں رکھنا مکروہ ہوگا کیونکہ وہ گھر جگہوں میں سے سب سے برا ہوگا۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اس تصویر کا جس کی تذلیل کی جاتی ہے۔ جس طرح (مقولہ 5480 میں) گزر چکا ہے۔ گزشتہ حدیث (مقولہ 5480 میں) میں یہ حضرت جبریل کے قول کا صریح معنی ہے: یا اس

(وَ) كُرِهَ تَنْزِيهًا (عَدُّ الْآيِ وَالسُّوَرِ وَالتَّسْبِيحِ
اور مکروہ تنزیہی ہے مطلقاً آیات، سورتوں اور تسبیحات کو

پردے کو کاٹ کر تکیے بنادو یا اسے چادریں بنادو۔ مگر جو قول ''شرح عتاب'' سے (مقولہ 5480 میں) گزرا ہے اس میں جو کچھ ہے اسے آپ جان چکے ہیں۔

تنبیہ

یہ سب کچھ تصویر رکھنے کے بارے میں ہے جہاں تک تصویر بنانے کا تعلق ہے تو وہ مطلقاً جائز نہیں کیونکہ یہ الله تعالیٰ کی تخلیق کے ساتھ مشابہت ہے۔ جس طرح (مقولہ 5463 میں) گزر چکا ہے۔

خاتمہ: ''النہر'' میں کہا: ''الخلاصہ'' میں اس شخص کے لیے اسے جائز قرار دیا ہے کہ جس نے غیر کے گھر میں صورت دیکھی کہ وہ اسے زائل کردے چاہئے کہ یہ امر اس پر واجب ہو۔ اگر اس نے کسی مصور کو اجرت پر لیا تو اس کے لئے کوئی اجرت نہ ہو گی۔ کیونکہ مصور کا عمل معصیت ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح مروی ہے، اگر ایک آدمی نے ایک کمرے کو گرایا جس میں تصاویر تھیں تو وہ اس کمرے کی قیمت کا ضامن ہوگا جبکہ وہ تصاویر سے خالی ہو۔

عنقریب باب متفرقات البیوع کے متن اور شرح میں (مقولہ 24874 میں) آئے گا جس کی نص یہ ہے: ایک آدمی نے پکی مٹی کا ایک بیل یا گھوڑا خریدا تا کہ بچہ اس سے مانوس ہو تو یہ صحیح نہ ہوگا اور اس کی کوئی قیمت نہ ہوگی اور اس کو تلف کرنے والا اس کی قیمت کا ضامن نہیں ہوگا۔ اس کے برعکس قول بھی کیا گیا ہے کہ اسے خریدنا صحیح ہوگا اور وہ ضامن ہوگا، ''قنیہ''۔ ''المجتبیٰ'' کے باب الحظر کے آخر میں امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے گڑیا کی بیع جائز ہے اور بچیوں کا اس کے ساتھ کھیلنا جائز ہے۔

5483۔ (قولہ: وَ كُرِهَ تَنْزِيهًا) ''البحر'' میں اسے اسی طرح ''ابن امیر حاج'' کی ''الحلبہ'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ پھر کہا: لیکن ''النہایہ'' کے قول کا ظاہر ہے: یہ مباح نہیں کیونکہ یہ مکروہ تحریمی ہے۔ ''النہر'' میں اس کا جواب دیا ہے کہ مکروہ تنزیہی، مباح نہیں ہوتا یعنی اس کی دونوں طرفیں مساوی نہیں۔ ''رملی'' نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ غالب یہ ہے کہ وہ غیر مباح کو محرم یا مکروہ تحریمی پر اطلاق کرتے ہیں اگرچہ اسے مذکورہ پر بھی بولا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: ''الدرر'' کا قول للنھی عنه اس کی تائید کرتا ہے لیکن اس کے محشی نوح آفندی نے کہا: میرے پاس جو کتب موجود ہیں ان میں سے میں نے صریح نہی نہیں پائی۔

اسی وجہ سے ان کے علاوہ نے صرف اس تعلیل پر اکتفا کیا ہے کہ یہ افعال نماز میں سے نہیں، اگر اس میں کوئی خاص نہی ہوتی تو ضرور اس کا ذکر کرتے۔ ہاں ''الحلبہ'' میں ذکر کیا ہے جس کے بارے میں ''اصبہانی'' نے روایت کیا ہے کہ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض نماز میں آیات کے شمار کرنے سے منع کیا ہے اور نفلی نماز میں اس کی رخصت دی ہے (1) لیکن ''الحلبہ'' میں

1۔ البنایہ للاصبہانی، جلد 1، صفحہ 556

بِالْیَدِ فِی الصَّلَاۃِ مُطْلَقًا) وَلَوْ نَفْلًا، أَمَّا خَارِجَھَا فَلَا یُکْرَہُ کَعَدِّہِ بِقَلْبِہِ أَوْ بِغَمْزِہِ أَنَامِلَہُ، وَعَلَیْہِ یُحْمَلُ مَا جَاءَ مِنْ صَلَاۃِ التَّسْبِیحِ

نماز میں ہاتھ سے گننا اگر چہ نماز نفل ہو، جہاں تک نماز سے باہر کا تعلق ہے تو یہ مکروہ نہیں۔ جس طرح وہ اسے اپنے دل میں شمار کرتا ہے یا اپنے پوروں کو دبانے کے ساتھ شمار کرتا ہے اور نماز تسبیح میں جو شمار کرنے کا ذکر ہے اسے اسی پر محمول کیا جائے گا۔

کہا: اگر یہ ثابت ہو جائے تو نفلی نماز میں مکروہ نہ ہونے کا قول راجح ہو جائے گا ورنہ مطلقاً مکروہ نہ ہونے کا قول راجح ہو جائے گا جس کراہت سے مراد کراہت تنزیہی ہو۔

جب نہی ثابت نہیں تو وہ تاویل جو ''النہایہ'' میں ہے وہ اس کے ساتھ متعین ہو جائے گی جو ''النہر'' میں ہے اسی وجہ سے شارح اس پر گامزن ہوئے ہیں۔ ''فتدبر''۔

5484۔ (قولہ: بِالْیَدِ) یعنی اپنی انگلی کے ساتھ یا اس تسبیح کے ساتھ جسے وہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہو جس طرح ''البحر'' میں ہے۔

5485۔ (قولہ: وَلَوْ نَفْلًا) یہ اطلاق کا بیان ہے۔ ظاہر روایت میں یہ ہمارے اصحاب کے اتفاق کے ساتھ ہے ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما سے ظاہر روایت کے علاوہ میں ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا نوافل میں اختلاف ہے اور فرائض میں مکروہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ ''نہر''۔

5486۔ (قولہ: فَلَا یُکْرَہُ) یہ ظاہر روایت ہے اور یہی اصح ہے اور بعض علما نے اسے مکروہ قرار دیا ہے، ''نہر''۔ پہلے قول کی تائید وہ روایت کرتی ہے جسے امام ترمذی نے کتاب الدعوات میں ذکر کیا ہے۔ اور امام نووی نے اس کی سند کو حضرت یسیرہ سے حسن قرار دیا ہے۔ حضرت یسیرہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں فرمایا: علیکن بالتسبیح والتقدیس واعقدن بالانامل فانھن مسؤلات مستنطقات ولا تغفلن فتنسین الرحمۃ(1) تم پر تسبیح اور تقدیس لازم ہے اور پوروں سے اسے گنا کرو کیونکہ ان سے سوال کیا جائے گا اور ان سے نطق کا مطالبہ کیا جائے گا اور تم غافل نہ ہو جاؤ۔ کہ تم رحمت کو بھول جاؤ اس کی مکمل بحث ''الحلبہ'' میں ہے۔

5487۔ (قولہ: کَعَدِّہِ الخ) یعنی جیسے وہ نماز میں دل میں شمار کرتا ہے۔ یہ ان کے قول بالید سے احتراز ہے۔ ''البحر'' میں کہا: جہاں تک انگلیوں کے سروں کو دبانے یا دل سے یاد کرنے کا تعلق ہے تو یہ بالاتفاق مکروہ نہیں اور زبان سے شمار کرنا بالاتفاق نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔

اور یہ جو قول کیا گیا ہے کہ دل سے گننا یہ مکروہ ہے کیونکہ یہ خشوع میں مخل ہے تو اس میں واضح اعتراض کی گنجائش ہے جس طرح ''الحلبہ'' میں ہے۔

1۔ سنن ترمذی، کتاب الدعوات، باب فضل التسبیح والتهلیل والتقدیس، جلد 2، صفحہ 786، حدیث نمبر 3507

(فَرْعٌ) لَا بَأْسَ بِاتِّخَاذِ الْمِسْبَحَةِ لِغَيْرِ رِيَاءٍ كَمَا بَسَطَهُ فِي الْبَحْرِ (لَا) يُكْرَهُ (قَتْلُ حَيَّةٍ أَوْ عَقْرَبٍ)

فرع: ریا کے بغیر تسبیح پکڑنے میں کوئی حرج نہیں۔ جس طرح ''البحر'' میں اسے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ سانپ یا بچھو کو قتل کرنا مکروہ نہیں

آلہ تسبیح پر کلام

5488۔ (قولہ: لَا بَأْسَ بِاتِّخَاذِ الْمِسْبَحَةِ) مسبحة یہ میم کے کسرہ کے ساتھ ہے جس سے مراد تسبیح کا آلہ ہے۔ ''البحر''، ''الحلبہ'' اور ''الخزائن'' میں میم کے بغیر ہے۔ ''المصباح'' میں کہا: سبحہ سے مراد ایسے گھونگے ہیں جو لڑی میں پروئے گئے ہوں۔ یہ تعبیر اس کا تقاضا کرتی ہے کہ یہ لفظ عربی ہو۔ ازہری نے کہا: یہ نیا کلمہ ہے اس کی جمع اسی طرح ہے جس طرح غرفة کی جمع غرف آتی ہے۔

شرع میں یہ مشہور ہے کہ سُبحہ کا اطلاق نفل پر ہوتا ہے۔ ''المغرب'' میں کہا: کیونکہ اس میں تسبیح کی جاتی ہے۔ اور جواز کی دلیل وہ روایت ہے جسے ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے اور کہا: یہ صحیح الاسناد ہے۔ یہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک عورت کے پاس گئے جبکہ اس عورت کے سامنے گٹھلیاں اور سنگریزے پڑے ہوئے تھے جن کے ساتھ وہ تسبیح کر رہی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں تجھے ایسے امر کی خبر دیتا ہوں جو تجھ پر اس امر سے زیادہ آسان ہے یا زیادہ افضل ہے؟ فرمایا: سبحان اللہ عدد ما خلق فی السماء الخ (1)۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان میں جو مخلوق پیدا کی اس کی مقدار میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے زمین میں جو مخلوق پیدا کی اس کی مقدار میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہوں۔ اور جو مخلوق ان دونوں کے درمیان ہے اس کی تعداد کے برابر اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہوں اور جس مخلوق کا وہ خالق ہے اس کی تعداد کے برابر اس کی پاکی بیان کرتا ہوں اور اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کی کبریائی ہے اسی کی مثل لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے اور اسی کی مثل لاحول ولا قوة الا باللہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو اس سے منع نہ کیا بلکہ اسے ایسے امر کی طرف راہنمائی کی جو اس کے لئے زیادہ آسان اور زیادہ فضیلت کا باعث ہے۔ اگر یہ امر مکروہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے واضح کر دیتے۔ تسبیح اس حدیث کے مضمون سے زائد کچھ نہیں صرف گٹھلی کو دھاگے میں جمع کر دیا جاتا ہے۔ اور اس کی مثل کا اثر منع میں ظاہر نہیں ہوتا۔ یہ امر شک وشبہ سے بالا ہے کہ تسبیح کا اپنانا اور اس پر عمل صالح صوفیاء وغیرہم کی جماعت سے منقول ہے۔ مگر جب اس پر ریا اور شہرت مرتب ہو تو اس بارے میں ہماری گفتگو نہیں۔ یہ حدیث بھی اس مخصوص ذکر کی اس ذکر پر افضلیت کی گواہی دیتی ہے جو اس وضع سے خالی ہو اگرچہ تھوڑا سا تکرار ہو۔ ''الحلبہ'' اور ''البحر'' میں اسی طرح ہے۔

5489۔ (قولہ: لَا يُكْرَهُ قَتْلُ حَيَّةٍ أَوْ عَقْرَبٍ) کیونکہ شیخین کی حدیث ہے: نماز میں اسودین یعنی سانپ اور بچھو کو

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب التسبیح بالحصی، جلد 1، صفحہ 545، حدیث نمبر 1282

إِنْ خَافَ الْأَذَى، إِذِ الْأَمْرُ لِلْإِبَاحَةِ؛ لِأَنَّهُ مَنْفَعَةٌ لَنَا، فَالْأَوْلَى تَرْكُ الْحَيَّةِ الْبَيْضَاءِ لِخَوْفِ الْأَذَى (مُطْلَقًا) وَلَوْ بِعَمَلٍ كَثِيرٍ

اگر اس کی اذیت کا خوف ہو۔ کیونکہ امر، اباحت کے لئے ہے کیونکہ اس میں ہمارے لئے منفعت ہے۔ اولیٰ یہ ہے کہ سفید سانپ کو چھوڑ دیا جائے۔ کیونکہ اذیت کا خوف ہوتا ہے سانپ اور بچھو کے مارنے کا حکم مطلق ہے اگرچہ عمل کثیر کے ساتھ ہو

قتل کرو (1)، ''نہر''۔ جہاں تک جوں اور مچھر کو مارنے کا تعلق ہے اس کا ذکر عنقریب (مقولہ 5506 میں) آئے گا۔

5490۔ (قولہ: إِنْ خَافَ الْأَذَى) اس طرح کہ وہ نمازی کے سامنے سے گزرے اور نمازی کو اس سے خوف لاحق ہو ورنہ اسے مارنا مکروہ ہوگا۔ ''البحر'' میں ''الحلبہ'' سے مروی ہے بچھو کو بائیں جوتے سے مارنا مستحب ہے اگر ممکن ہو۔ کیونکہ حضرت ابوداؤد کی حدیث اسی طرح ہے۔ سانپ کو اس پر قیاس کیا جائے گا۔

5491۔ (قولہ: إِذِ الْأَمْرُ لِلْإِبَاحَةِ) یہ اس سوال کا جواب ہے جو کیا جاتا ہے کہ جب قتل کا امر ہے تو دونوں کا قتل کیوں مستحب نہیں ہے؟ ''ط''۔

5492۔ (قولہ: فَالْأَوْلَى الخ) جب قتل کا حکم ہماری منفعت کی وجہ سے ہے تو جس سے اذیت کا ڈر ہو تو اس کو ترک کرنا اولیٰ ہوگا۔ وہ سفید سانپ کا قتل ہے جو سیدھا چلتا ہے کیونکہ وہ جن ہوتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اقتلوا ذا الطفیتین والأبتر، و ایاکم والحیۃ البیضاء فانھا من الجن (2)۔ تم دھاری والے اور دم کٹے سانپ کو قتل کرو اور سفید سانپ سے بچو کیونکہ یہ جنوں میں سے ہوتا ہے۔ جس طرح ''المحیط'' میں ہے۔

امام طحاوی نے کہا: تمام سانپوں کو قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنوں سے وعدہ لیا تھا کہ وہ آپ کی امت کے گھروں میں داخل نہ ہوں گے۔ جب وہ گھروں میں داخل ہوئے تو انہوں نے وعدے کو توڑ دیا پس ان کے لئے کوئی عہد نہیں۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ انہیں ڈرایا جائے اور کہا جائے اللہ تعالیٰ کے حکم سے واپس چلا جا اگر وہ ایسا کرنے سے انکار کر دے تو اسے قتل کر دے۔ یعنی نماز کے علاوہ میں اسے ڈرائے (3)۔ ''بحر''۔

''الحلبہ'' میں کہا: کئی علما نے امام طحاوی کی موافقت کی ہے اور ان علما میں سے آخری ہمارے شیخ یعنی ابن ہمام نے فرمایا: حق یہ ہے کہ حلت ثابت ہے مگر اولیٰ یہ ہے کہ اس سے رک جائے جس میں جنوں کی علامت ہو، یہ رکنا حرمت کی وجہ سے نہیں بلکہ ایسی ضرر کو دور کرنے کے لیے ہے جس کا ان کی جانب سے وہم ہوتا ہے۔ طفیتان یہ طا مہملہ اور فا کے سکون کے ساتھ ہے اس سے مراد ایسے دو سیاہ خط ہیں جو سانپ کی پشت پر ہوتے ہیں۔ ابتر سے مراد افعی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ ایک جنس ہے گویا اس کی دم کٹی ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ نیلے رنگ کا سانپ ہوتا ہے اس کی دم کٹی ہوتی ہے جب

1۔ سنن ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی قتل الحیۃ والعقرب، جلد 1، صفحہ 253، حدیث نمبر 355

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب قتل الحیۃ، جلد 3، صفحہ 616، حدیث نمبر 4572

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب قتل الحیۃ، جلد 3، صفحہ 619، حدیث نمبر 4576

عَلَى الْأَظْهَرِ، لَكِنْ صَحَّحَ الْحَلَبِيُّ الْفَسَادَ (وَ) لَا تُكْرَهُ (صَلَاةٌ إلَى ظَهْرِ قَاعِدٍ) أَوْ قَائِمٍ وَلَوْ (يَتَحَدَّثُ) إلَّا إذَا خِيفَ الْغَلَطُ بِحَدِيثِهِ (و) لَا إلَى (مُصْحَفٍ أَوْ سَيْفٍ

یہ اظہر قول کے مطابق ہے لیکن ''حلبی'' نے نماز کے فاسد ہونے کی تصحیح کی ہے۔ اور نماز مکروہ نہیں ایسے آدمی کی پشت کی طرف منہ کر کے جو بیٹھا ہوا ہے یا کھڑا ہے اگر چہ وہ بات چیت کر رہا ہو مگر جب نمازی کو اس کی گفتگو سے غلطی کا خوف ہو، اور مصحف یا تلوار کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا

حاملہ اسے دیکھتی ہے تو اس کا حمل گر جاتا ہے۔

5493۔ (قولہ: عَلَى الْأَظْهَرِ) امام سرخسی نے اسی طرح کہا ہے اور کہا: کیونکہ یہ ایسا عمل ہے جس میں نمازی کے لئے رخصت ہے، یہ حدث کے لاحق ہونے کے بعد چلنے کی طرح ہے۔ ''بحر''۔

5494۔ (قولہ: لَكِنْ صَحَّحَ الْحَلَبِيُّ الْفَسَادَ) کیونکہ ابن ہمام کی تبع میں کہا: جو امر ظاہر ہوتا ہے اس میں حق، نماز کا فاسد ہونا ہے۔ قتل کا حکم اس امر کو مستلزم نہیں کہ اس کے ہوتے ہوئے نماز صحیح ہو جس طرح نماز خوف میں ہوتا ہے، بلکہ اس کی مثل میں امر اس عمل کے کرنے کا مباح ہونا ہے اگر چہ وہ نماز کو فاسد کرنے والا ہو۔

اور ابن ہمام کی کلام ''الحلبہ''، ''البحر'' اور ''النہر'' میں نقل کی ہے اور اس پر اسے ثابت رکھا ہے اور انہوں نے کہا: سرخسی نے جسے ذکر کیا ہے اس کا ''نہایہ'' میں رد کیا ہے کیونکہ یہ اس کے مخالف ہے جس پر ''الجامع الصغیر'' کی شروح کے عام راوی اور ''مبسوط شیخ الاسلام'' کے شروح نقل کرنے والے ہیں کہ عمل کثیر مباح نہیں ہے۔

5495۔ (قولہ: إلَى ظَهْرِ قَاعِدٍ الخ) الظهر کی قید لگائی ہے۔ یہ چہرہ کی طرف منہ کرنے سے احتراز ہے۔ کیونکہ چہرہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ جس طرح (مقولہ 5434 میں) گزر چکا ہے۔ اور مصنف کے قول یتحدث میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اگر وہ گفتگو نہ کر رہا ہو تو بدرجہ اولیٰ نماز مکروہ نہ ہوگی۔ اسی وجہ سے شارح نے ولو کا لفظ زائد ذکر کیا ہے۔ ''شرح المنیۃ'' میں ہے: اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا کہ اس آدمی کے قول کی نفی کی جائے گی جو گفتگو کرنے والوں کے سامنے نماز پڑھنے کی کراہت کا قول کرتا ہے اور اسی طرح سونے والوں کے سامنے نماز پڑھنے کی کراہت کا قول کرتا ہے اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کی گئی ہے لا تصلوا خلف نائم ولا متحدث (1)۔ سونے والے اور گفتگو کرنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھو، وہ ضعیف ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث صحیح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کے نوافل ادا فرمایا کرتے تھے جبکہ میں آپ کے اور قبلہ کے درمیان آڑی سو رہی ہوتی تھی جب آپ وتر نماز کا ارادہ کرتے تو آپ مجھے جگا دیتے تو میں وتر پڑھا کرتی تھی (2)۔ دونوں محدثین نے اسے صحیحین میں روایت کیا ہے۔ (بخاری۔ باب الصلاۃ خلف النائم۔ مسلم۔ باب الاعتراض بین یدی المصلی) یہ حدیث تقاضا کرتی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ سوئی ہوئی ہوتی تھیں۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ الی المتحدثین والنیام، جلد 1، صفحہ 269، حدیث نمبر 595

2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب الاعتراض بین یدی المصلی، جلد 1، صفحہ 538، حدیث نمبر 842

مُطْلَقًا أَوْ شَمْعٍ أَوْ سِرَاجٍ أَوْ نَارٍ تُوقَدُ) لِأَنَّ الْمَجُوسَ إِنَّمَا تَعْبُدُ الْجَمْرَ لَا النَّارَ الْمُوقَدَةَ "قُنْيَةٌ" (أَوْ عَلَى بِسَاطٍ فِيهِ تَمَاثِيلُ إِنْ لَمْ يَسْجُدْ عَلَيْهَا)

مطلقاً مکروہ نہیں، شمع یا چراغ کی روشن آگ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا مکروہ نہیں۔" کیونکہ مجوسی انگاروں کی عبادت کرتے ہیں روشن آگ کی عبادت نہیں کرتے۔"قنیۃ"۔ یا ایسی چادر پر جس میں تصاویر ہوں جبکہ ان پر سجدہ نہ کرے اسی دلیل کی وجہ سے

اور جو مسند بزار میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیت ان اصلی الی النیام و المتحدثین۔ مجھے اس سے منع کیا گیا ہے کہ میں سوئے ہوئے لوگوں اور باتیں کرنے والوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھوں۔ یہ حدیث اس پر محمول ہوگی جب ان لوگوں کی آوازیں ہوں جن آوازوں سے غلطی یا غافل ہونے کا خوف ہے، اور سونے والوں کے بارے میں یہ خوف ہو کہ ان سے ایسی چیز ظاہر ہو جو اس کو ہنسا دے۔

5496۔ (قولہ: مُطْلَقًا) وہ (مصحف وغیرہ) کسی چیز سے لٹک رہا ہو یا نہ لٹک رہا ہو۔ اور اس کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ"الکنز" وغیرہ کا قول معلق قید نہیں۔"شرح المنیہ" میں ہے مکروہ نہ ہونے کی وجہ یہ ہے بعض اشیاء کی طرف منہ کرنے کی کراہت، اس شے کے عبادت گزاروں کے ساتھ مشابہت کا اعتبار کرنے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جبکہ مصحف اور تلوار کی کسی نے عبادت نہیں کی۔ اہل کتاب جو مصحف کی طرف منہ کرتے ہیں یہ قراءت کے لئے ہوتا ہے عبادت کے لئے نہیں ہوتا۔ امام"ابوحنیفہ" رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قراءت کے لئے اس کی طرف منہ کرنا مکروہ ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کے معلق ہونے کی قید لگائی ہے۔ اور تلوار کا حرب کا آلہ ہونا یہ اللہ تعالیٰ کے حضور آہ وزاری کے حال کے مناسب ہے کیونکہ نماز نفس اور شیطان کے ساتھ محاربہ کی حالت ہے۔ اسی وجہ سے عبادت کی جگہ کو محراب کہا جاتا ہے۔

5497۔ (قولہ: أَوْ شَمْعٍ) زیادہ مناسب میم پر فتحہ ہے اور اس پر سکون ضعیف ہے جبکہ یہ مستعمل ہے"ابن قتیبہ" نے یہ کہا ہے۔ اور مکروہ نہ ہونا ہی مختار قول ہے جس طرح"غایۃ البیان" میں ہے۔ چاہیے کہ اس پر اتفاق کیا جائے اگروہ شمع اس کی اطراف میں ہو جس طرح رمضان کی راتوں میں معمول ہے،"بحر"۔ یعنی امام کے حق میں۔ مگر قوم میں سے جو شمع کے مقابل ہو گا تو اسے کراہت لاحق ہوگی۔ یہ مختار مذہب کے مقابل ہے۔"رملی"۔

5498۔ (قولہ: لِأَنَّ الْمَجُوسَ الخ) پہلے جو تین چیزیں گزری ہیں ان کی یہ علت ہے۔"ط"۔

5499۔ (قولہ: قُنْيَةٌ) اسے"القنیہ" میں کتاب الکراہۃ میں ذکر کیا ہے اس کی نص ہے:"صحیح یہ ہے کہ نمازی کا نماز پڑھنا مکروہ نہیں جبکہ اس کے سامنے شمع یا سراج ہو کیونکہ کسی نے بھی ان دونوں کی عبادت نہیں کی۔ مجوسی انگاروں کی عبادت کرتے ہیں روشن آگ کی پوجا نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ یہ قول کیا گیا: روشن آگ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا مکروہ نہیں"۔

اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ موقدہ سے مراد ایسی آگ ہے جس کا شعلہ ہو۔ لیکن"العنایہ" میں کہا: ان میں سے بعض نے کہا: شمع یا چراغ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے جس طرح اس کے سامنے انگیٹھی ہو جس میں انگارے یا روشن آگ ہو۔

لِمَا مَرَّ (فُرُوعٌ) يُكْرَهُ اشْتِمَالُ الصَّمَّاءِ وَالِاعْتِجَارُ وَالتَّلَثُّمُ وَالتَّنَخُّمُ وَكُلُّ عَمَلٍ قَلِيلٍ بِلَا عُذْرٍ: كَتَعَرُّضٍ لِقَمْلَةٍ قَبْلَ الْأَذَى

جو گزر چکی ہے۔ فروع: اشتمال صماء، اعتجار، ڈھاٹا باندھنا اور زور سے رینٹھ نکالنا مکروہ ہے اور عذر کے بغیر ہر عمل قلیل مکروہ ہے جس طرح جوں نے تکلیف نہ دی ہو تو پہلے ہی اسے مارنا۔

اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ روشن آگ میں کراہت متفق علیہا ہے جس طرح انگارے میں ہے۔

5500۔ (قولہ: لِمَا مَرَّ) یہ نماز کے مکروہ نہ ہونے کی علت ہے اور وہ یہ ہے کہ ان تصاویر کی تذلیل کی جاتی ہے۔ ''ح''۔

5501۔ (قولہ: يُكْرَهُ اشْتِمَالُ الصَّمَّاءِ) اس کے مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے (1)۔ اشتمال الصماء کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنا کپڑا لے اور اپنے پورے جسم یعنی سر سے لے کر قدم تک اسے ڈھانپ لے اور اس کی کسی جانب کو اوپر اٹھا ہوا نہ رہنے دے جس سے اپنے ہاتھ کو باہر نکال لے۔ اسے یہ نام دیا گیا کیونکہ ایسا کوئی سوراخ نہیں ہوتا جس سے وہ اپنا ہاتھ نکالے جس طرح سخت چٹان ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے وہ ایک کپڑے کو اپنے اوپر لپیٹ لے اس پر کوئی تہبند نہ ہو یہ یہودیوں کا اشتمال ہے، ''زیلعی''۔ نہی کی علت کا ظاہر یہ ہے کہ یہ کراہت تحریمی ہے جس طرح اس کی نظائر میں (مقولہ 5398 میں) گزر چکا ہے۔

5502۔ (قولہ: وَالِاعْتِجَارُ) یہ مکروہ ہے کیونکہ اس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نہی موجود ہے۔ اعتجار سے مراد ہے سر کو باندھنا یا اپنی پگڑی کو اپنے سر پر لپیٹنا اور درمیانی حصہ کو ننگا چھوڑ دینا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے وہ اپنی پگڑی سے نقاب بنائے اور اپنی ناک کو ڈھانپ لے یا تو گرمی کی وجہ سے، ٹھنڈک کی وجہ سے یا تکبر کی وجہ سے۔ ''امداد''۔ اس کی کراہت بھی تحریمی ہے اسی دلیل کی وجہ سے جو گزر چکی ہے۔

5503۔ (قولہ: وَالتَّلَثُّمُ) اس سے مراد نماز میں ناک اور منہ کا ڈھانپنا ہے کیونکہ یہ مجوسیوں کا طریقہ ہے جب وہ آگ کی پرستش کرتے ہیں۔ ''زیلعی''۔ ''طحطاوی'' نے ''ابو سعود'' سے یہ نقل کیا ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے۔

5504۔ (قولہ: وَالتَّنَخُّمُ) اس سے مراد ہے عذر کے بغیر شدت سے سانس لینے کے ساتھ رینٹھ نکالنا ہے۔ اس کا حکم وہی ہے جو کھانسنے میں تفصیلی طور پر بیان ہو چکا ہے۔ جس طرح ''شرح المنیہ'' میں ہے یعنی اگر وہ عذر کے بغیر ہو اور اس سے دو حرف یا زیادہ حرف نکل جائیں تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ بعض نسخوں میں ہے والتختم۔ اس سے مراد عمل قلیل کے ساتھ حالت نماز میں انگوٹھی پہننا ہے۔

5505۔ (قولہ: وَكُلُّ عَمَلٍ قَلِيلٍ الخ) عمل قلیل اور عمل کثیر میں فرق (مقولہ 5292 میں) گزر چکا ہے۔

5506۔ (قولہ: كَتَعَرُّضٍ لِقَمْلَةٍ الخ) ''النہر'' میں کہا: ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جوں کو مارنا مکروہ ہے۔ امام

1۔ صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب النہی عن اشتمال الصماء والاحتباء، جلد 3، صفحہ 160، حدیث نمبر 3966

وَتَرْكُ كُلِّ سُنَّةٍ وَمُسْتَحَبٍّ
اور ہر سنت اور مستحب کو ترک کرنا مکروہ ہے۔

''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اسے قتل کرنا میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے یعنی جس نے جو بھی کیا اس میں کوئی حرج نہیں۔ شاید ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اختیار کیا کہ وہ جوں کو مٹی میں دفن کر دے کیونکہ اس طریقہ سے وہ اس سے بچ جائے گا کہ جوں مارنے والے کے ہاتھ کو خون پہنچے یا اس کے کپڑے کو خون لگے اگرچہ وہ اسے معاف ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب جوں یا اس جیسی چیز نمازی کو اذیت پہنچانے کے درپے ہو ورنہ اسے پکڑنا بھی مکروہ ہے چہ جائیکہ کوئی دوسری صورت ہو۔ یہ سب مسجد سے باہر کی صورتحال ہے جہاں تک مسجد کا تعلق ہے تو اسے قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں، اس کی شرط یہ ہے کہ جوں اس کو اذیت پہنچانے کے درپے ہو۔ وہ اسے دفن کرنے یا دوسرے طریقہ سے مسجد میں نہ پھینکے مگر جب اسے غالب گمان ہو کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اسے پالے گا۔ اس تفصیل سے ان اقوال میں تطبیق حاصل ہو جائے گی، جو پہلے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہو چکے ہیں کہ وہ حالت نماز میں اسے دفن کر دے یعنی جب وہ مسجد سے باہر ہو اور یہ قول جو آپ سے مروی ہے کہ اگر اس نے مسجد میں اسے دفن کیا تو اس نے غلط کام کیا۔

''الامداد'' میں امام سیوطی کی ''الینبوع'' سے وہ ''ابن عماد'' سے روایت کرتے ہے جوں اگر مردہ ہو تو اسے مسجد میں پھینکنا حرام ہے کیونکہ وہ نجس ہے۔ اگر وہ زندہ ہو تو ''کتب مالکیہ'' میں اسی طرح ہے کیونکہ اس طرح اسے بھوکا رکھنے کے ساتھ عذاب دینا ہے۔ مچھر کا مسئلہ مختلف ہے کیونکہ وہ مٹی کھاتا ہے اس تعبیر کی بنا پر مسجد کے علاوہ میں بھی زندہ جوں کو پھینکنا حرام ہوگا۔

''الامداد'' میں کہا: ہماری کتب میں تصریح کی گئی ہے کہ مسجد میں جوں کا چھلکا یعنی مرنے کے بعد اس کا جسم پھینکنا جائز نہیں۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ اس کی علت مسجد کو گندا کرنا ہے ورنہ ہمارے نزدیک اس کی تصریح یہ ہے کہ جس میں بہنے والا خون نہ ہو جب وہ پانی میں مرجائے تو اسے ناپاک نہیں کرتا۔

سنت، مستحب، مکروہ اور خلاف اولیٰ کا بیان

5507۔ (قولہ: وَتَرْكُ كُلِّ سُنَّةٍ وَمُسْتَحَبٍّ) سنت کی دو قسمیں ہیں۔ (1) سنت ہدی۔ یہ سنت مؤکدہ ہے۔ (2) سنت زوائد۔ مستحب اس کا غیر ہے وہی مندوب ہے یا یہ دونوں دو الگ الگ قسمیں ہیں۔ بعض اوقات اس پر سنت کا اطلاق کیا جاتا ہے ہم نے اس سب کی تحقیق سنن الوضوء (مقولہ 995 میں) کر دی ہے۔ ''البحر'' میں قول وعلی بساط فیہ تصاویر کے ہاں کہا: حاصل یہ ہے اگر سنت مؤکدہ قوی ہو تو یہ بعید نہیں کہ اس کا ترک مکروہ تحریمی ہو۔ اگر وہ سنت، غیر مؤکدہ ہو تو اس کا ترک مکروہ تنزیہی ہو۔ جہاں تک مستحب یا مندوب کا تعلق ہے تو اس کا ترک اصلاً مکروہ نہ ہو۔ کیونکہ علما کا قول ہے قربانی کے دن مستحب یہ ہے کہ وہ پہلے نہ کھائے مگر قربانی کے گوشت میں سے کھائے۔ اگر وہ کسی اور چیز سے کھاتا ہے تو یہ مکروہ نہیں ہوگا۔ پس مستحب کے ترک سے کراہت کا ثبوت لازم نہیں آتا۔ مگر اس پر ان کا یہ قول المکروہ تنزیھا مرجعہ الی خلاف الاولی

وَحَمْلُ الطِّفْلِ، وَمَا وَرَدَ نُسِخَ بِحَدِیثِ (إِنَّ فِی الصَّلَاۃِ لَشُغْلًا)

اور بچے کو اٹھانا مکروہ ہے اور اس بارے میں جو حدیث وارد ہے وہ اس حدیث، بے شک نماز میں ایک ایسا عمل ہے جو دوسرے امور کے مانع ہے، کے ساتھ منسوخ ہے۔

اشکال پیدا کرتا ہے کہ مکروہ تنزیہی کا مرجع خلاف اولیٰ ہوتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مستحب کا ترک خلاف اولیٰ ہے۔

میں کہتا ہوں: ''البحر'' میں صلاۃ العید میں مسالۃ الأکل کے ہاں یہ تصریح کی ہے کہ مستحب کے ترک سے کراہت کا ثبوت لازم نہیں آتا کیونکہ اس کے لئے خاص دلیل کا پایا جانا ضروری ہے۔

''التحریر اصولی'' میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ خلاف اولیٰ وہ ہوتا ہے جس میں نہی کا صیغہ نہ ہو، جس طرح چاشت کی نماز کو ترک کرنا۔ مکروہ تنزیہی کا معاملہ مختلف ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ خلاف اولیٰ اعم ہے۔ ہر مکروہ تنزیہی، خلاف اولیٰ ہے اس کے برعکس نہیں۔ کیونکہ خلاف اولیٰ بعض اوقات مکروہ نہیں ہوتا جہاں کوئی خاص دلیل نہیں۔ جس طرح چاشت کی نماز کو ترک کرنا۔ اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ مستحب کے ترک کے خلاف اولیٰ کی طرف راجع ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مکروہ ہو۔ مگر خاص نہی کے ساتھ ایسا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ کراہت، حکم شرعی ہے پس اس کے لئے دلیل کا ہونا ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

5508۔(قولہ: وَحَمْلُ الطِّفْلِ) یعنی ضرورت کے بغیر بچے کو اٹھانا مکروہ ہے۔

5509۔(قولہ: وَمَا وَرَدَ الخ) یہ ایک سوال کا جواب ہے کہ وہ کیسے مکروہ ہوگا جبکہ صحیحین اور دوسری کتب میں حضرت ابوقتادہ سے مروی ہے کان یصلی و ھو حامل امامۃ بنت زینب بنت النبی الخ(1) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے جبکہ آپ حضرت زینب جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی تھیں کی بیٹی حضرت امامہ کو اٹھائے ہوتے جب آپ سجدہ کرتے تو اسے اتار دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو اسے اٹھا لیتے۔

اس حدیث کے کئی جواب دیئے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک جواب وہ ہے جسے شارح نے ذکر کیا ہے کہ یہ اس حدیث کے ساتھ منسوخ ہے جس حدیث کا انہوں نے ذکر کیا ہے۔ جبکہ اس جواب کو رد کر دیا گیا کہ ان فی الصلاۃ لشغلاً(2) یہ حدیث ہجرت سے پہلے کی ہے اور حضرت امامہ کا قصہ ہجرت کے بعد کا ہے۔ اور ان جوابوں میں سے ایک جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس فعل کا وقوع مکروہ نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر کی ضرورت تھی۔ کیونکہ کوئی ایسا آدمی نہ تھا جو اس بچی کی حفاظت کرتا یا عمل کے ذریعے اس کی وضاحت کرنا تھی کہ یہ فعل نماز کو فاسد کرنے والا نہیں۔ ہمارے زمانہ میں بھی حکم اسی کی مثل ہوگا یعنی ضرورت کے وقت اس قسم کا عمل کرنا ہم میں سے کسی کے لئے مکروہ نہیں۔ جہاں تک حاجت کے بغیر کا تعلق ہے تو یہ مکروہ ہوگا۔

محقق ابن امیر حاج نے اس جگہ ''الحلبہ'' میں طویل گفتگو کی پھر کہا: عمل سے شرعی حکم کی وضاحت، یہی صحیح ہے جس سے

1۔صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب اذا حمل جاریۃ صغیرۃ علی عنقہ، جلد 1، صفحہ 273، حدیث نمبر 486

2۔سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب رد السلام فی الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 347، حدیث نمبر 788

وَيُبَاحُ قَطْعُهَا لِنَحْوِ قَتْلِ حَيَّةٍ،
اور نماز کو توڑنا مباح ہے ان امور کی وجہ سے جیسے سانپ کو قتل کرنے کے لئے،

عدول نہیں کیا جا سکتا جس طرح امام نووی نے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ ان میں سے بعض علمانے ذکر کیا ہے کہ عمل سے شرعی حکم کی وضاحت کرنا، یہ قول کے ساتھ وضاحت کرنے سے اولیٰ ہے۔ اور آپ کا یہ عمل، جواز کے بیان کیلئے ہے اور اس امر کی وضاحت کیلئے کہ انسان پاکیزہ ہے اور اس کے پیٹ میں جو نجاست ہے وہ معاف ہے۔ کیونکہ وہ نجاست اپنے معدن میں ہے اور بچوں کے کپڑے اور ان کے جسم پاک ہیں یہاں تک کہ ان میں نجاست متحقق ہو جائے۔ اور اس امر کو واضح کرنے کیلئے کہ افعال جب پے در پے واقع نہ ہوں تو وہ نماز کو باطل نہیں کرتے چہ جائیکہ عمل قلیل نماز کو باطل کرے الی غیر ذلک۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

تتمہ

مکروہات میں سے کچھ چیزیں باقی رہ گئی ہیں جن کا ''المنیہ''، ''نور الایضاح'' وغیرہما میں ذکر کیا ہے۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں۔ ایسی چیز کی موجودگی میں نماز پڑھنا جو دل کو غافل کر دے اور خشوع میں مخل ہو۔ جیسے زینت، لہو اور لعب۔ اسی وجہ سے ایسا کھانا حاضر ہو جس کی طرف طبیعت مائل ہو تو نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ عنقریب کتاب الحج میں باب القران سے تھوڑا پہلے (مقولہ 10226 میں) آئے گا کہ نمازی کے لئے یہ مکروہ ہے کہ وہ اپنا جوتا اپنے پیچھے رکھے کیونکہ اس کا دل اس میں مشغول رہے گا۔ ان مکروہات میں سے وہ ہے جو ''الخزائن'' میں ہے کہ ناک اور منہ کو ڈھانپنا، نماز کے لئے دوڑنا، فرض نماز میں دیوار یا عصا پر ٹیک لگانا جبکہ عذر نہ ہو تو نفل میں ٹیک لگانا صحیح ترین قول کے مطابق مکروہ نہیں، رکوع میں جاتے اور اس سے اٹھتے ہوئے ہاتھوں کو اٹھانا، اور جو نماز کے فاسد ہونے کا قول کیا گیا ہے وہ شاذ ہے، قراءت کو رکوع میں مکمل کرنا، قیام کی حالت کے علاوہ میں قراءت کرنا، امام سے پہلے سر کو اٹھانا اور اسے زمین پر رکھنا، جہاں نجاست کا گمان ہو وہاں نماز پڑھنا جیسے مقبرہ اور حمام مگر جب اس میں سے جگہ کو دھو لے اور وہاں تصویر نہ ہو یا وہ اس جگہ نماز پڑھے، جہاں کپڑے اتارے جاتے ہیں یا قبرستان میں ایسی جگہ ہو جو نماز کے لئے تیار کی گئی ہو اور وہاں نہ کوئی قبر ہو اور نہ ہی نجاست ہو جس طرح ''الخانیہ'' میں ہے۔

یہ مکمل بحث اوقات مکروہہ کی بحث میں گزر چکی ہے۔ ''قہستانی'' میں ہے: قبر کی جہت میں نماز پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں مگر جب قبر اس کے سامنے ہو اس طرح کے وہ خشوع کرنے والوں کی نماز پڑھ رہا ہو تو اس کی نظر قبر پر جا پڑے جس طرح ''المضمرات'' کے کتاب الجنائز میں ہے۔

وہ صورتیں جن میں نماز کو توڑنا جائز ہے

5510۔ (قولہ: وَيُبَاحُ قَطْعُهَا) یعنی اگر نماز فرض ہو جس طرح ''الامداد'' میں ہے۔

5511۔ (قولہ: لِنَحْوِ قَتْلِ حَيَّةٍ) اس طرح کہ وہ عمل کثیر کے ساتھ سانپ کو قتل کرے یہ اس پر مبنی ہے۔ جو قول (مقولہ 5494 میں) گزر چکا ہے کہ عمل کثیر کے ساتھ نماز کا فاسد ہونا صحیح ہے۔

وَنَدِّ دَابَّةٍ، وَفَوْرِ قِدْرٍ، وَضَيَاعِ مَا قِيمَتُهُ دِرْهَمٌ لَهُ أَوْ لِغَيْرِهِ وَيُسْتَحَبُّ لِمُدَافَعَةِ الْأَخْبَثَيْنِ، وَلِلْخُرُوجِ مِنَ الْخِلَافِ إِنْ لَمْ يَخَفْ فَوْتَ وَقْتٍ أَوْ جَمَاعَةٍ

جانور کے بھاگ جانے کی وجہ سے، ہنڈیا کے جوش مارنے کی وجہ سے اور ایسی چیز کے ضائع ہونے کی وجہ سے جس کی قیمت ایک درہم ہو وہ اس نمازی کی ہو یا کسی اور کی ہو۔ دونوں حاجتوں کے دباؤ کی صورت میں نماز کو توڑنا مستحب ہے اور اختلاف سے نکلنے کے لئے نماز کو توڑ دینا مستحب ہے اگر وقت کے یا جماعت کے فوت ہونے کا خوف نہ ہو۔

5512۔ (قولہ: وَنَدِّ دَابَّةٍ) یعنی سواری بھاگ جائے اسی طرح نماز توڑنا مباح ہے اگر ریوڑ پر بھیڑیے کے حملے کا خوف ہو۔ ''نور الایضاح''۔

5513۔ (قولہ: وَفَوْرِ قِدْرٍ) ظاہر یہ ہے کہ یہ مابعد کے ساتھ مقید ہے کہ ایسی چیز فوت ہو جس کی قیمت ایک درہم ہو خواہ وہ ہنڈیا میں ہو، وہ چیز اس کی ہو یا کسی اور کی ہو۔ ''رحمتی''۔

5514۔ (قولہ: وَضَيَاعِ مَا قِيمَتُهُ دِرْهَمٌ) ''مجمع الروایات'' میں کہا: کیونکہ درہم سے جو کم ہے وہ حقیر ہے پس وہ درہم سے کم کے لئے نماز کو قطع نہ کرے۔ لیکن ''المحیط'' میں ''الکفالہ'' میں ذکر کیا ہے کہ ایک دانق کے بدلے محبوس کرنا جائز ہے تو نماز کو توڑنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ یہ دوسرے آدمی کے مال میں ہے جہاں تک اس کے اپنے مال کا تعلق ہے تو وہ نماز کو قطع نہ کرے۔ اصح قول یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں جائز ہے۔ اس کی مکمل بحث ''الامداد'' میں ہے۔ ''الفتح'' میں جس رائے کو اپنایا ہے وہ ایک درہم کی قید ہے۔

5515۔ (قولہ: وَيُسْتَحَبُّ لِمُدَافَعَةِ الْأَخْبَثَيْنِ) ''مواہب الرحمٰن'' اور ''نور الایضاح'' میں اسی طرح ہے لیکن یہ اس کے مخالف ہے جس کو ہم پہلے ''الخزائن'' اور ''شرح المنیہ'' سے (مقولہ 5509 میں) نقل کر چکے ہیں۔ اگر وہ اس کے دل کو نماز اور خشوع سے غافل کرے تو وہ نماز کو مکمل کرے تو وہ گناہگار ہوگا۔ کیونکہ وہ نماز کو کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کر رہا ہے۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ ایسی حالت میں نماز کو قطع کرنا واجب ہے، مستحب نہیں۔ گزشتہ حدیث لایحل لاحد یؤمن باللہ والیوم الآخر ان یصلی وھو حاقن حتی یتخفف (مقولہ 5418 میں) اس پر دلالت کرتی ہے۔ مگر جو یہاں قول ہے اسے اس پر محمول کیا جائے جب وہ اسے غافل نہ کرے۔ لیکن کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ یہ نماز کے قطع کرنے کو جائز کرنے والا نہیں۔ فلیتامل۔ پھر میں نے ''شرنبلالی'' کو دیکھا کہ انہوں نے نماز کے قطع کرنے کو مندوب کہا جس طرح یہاں ہے اس کے بعد کہا: حدیث کا مقتضا نماز کے قطع کرنے کو واجب قرار دیتا ہے۔

5516۔ (قولہ: وَلِلْخُرُوجِ مِنَ الْخِلَافِ) اس کی عبارت ''الخزائن'' میں ہے: اور ایسی نجاست کو زائل کرنے کے لئے جو نماز کے مانع نہ ہو کیونکہ اختلاف سے نکلنا مستحب ہے۔ جو قول یہاں ہے وہ اعم ہے کیونکہ یہ ایسی صورت کو بھی شامل ہے جب اس مرد کو اجنبی عورت مس کرے۔

5517۔ (قولہ: إِنْ لَمْ يَخَفْ الخ) یہ قول وللخروج الخ کی طرف راجع ہے جہاں تک دونوں حاجتیں جب دباؤ ڈال

وَیَجِبُ لِإِغَاثَۃِ مَلْهُوفٍ وَغَرِيقٍ وَحَرِيقٍ لَا لِنِدَاءِ أَحَدِ أَبَوَيْهِ بِلَا اسْتِغَاثَۃٍ إِلَّا فِي النَّفْلِ، فَإِنْ عَلِمَ أَنَّهُ يُصَلِّي لَا بَأْسَ أَنْ لَا يُجِيبَهُ، وَإِنْ لَمْ يَعْلَمْ أَجَابَهُ

اور نماز کا توڑنا واجب ہے مظلوم، غرق ہونے والے اور آگ میں جلنے والے کی مدد کے لئے۔ اگر آباء میں سے کوئی ایک مدد طلب کرنے کے بغیر بلائے تو نماز قطع کرنا واجب نہیں۔ مگر نفل میں ان کو جواب دینا واجب ہے۔ اگر آبا میں سے بلانے والے کو علم ہو کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے تو جواب نہ دینے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر علم نہ ہو تو اسے جواب دے۔

رہی ہوں تو ہم نے پہلے ''شرح المنیہ'' سے (مقولہ 5418 میں) بیان کر دیا ہے صحیح یہ ہے کہ وہ نماز کو قطع کر دے اگرچہ جماعت فوت ہو جائے جس طرح وہ نماز کو قطع کر دیتا ہے تا کہ درہم کی مقدار نجاست کو دھوئے۔

5518۔ (قولہ: وَیَجِبُ) کلام سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ اس وقت نماز توڑنا فرض ہے۔ ''ط''۔

5519۔ (قولہ: لِإِغَاثَۃِ مَلْهُوفٍ) خواہ وہ نمازی کو مدد کے لئے متعین کرے یا اپنی مدد کے لئے کسی کو متعین نہ کرے جب وہ نمازی اس کی مدد کرنے پر قادر ہو یہی حکم ہوگا جب نابینا کے کنوئیں میں گرنے کا خوف ہو مثلاً جب اس کا ظن غالب ہو کہ وہ کنویں میں گر جائے گا۔ ''امداد''۔

5520۔ (قولہ: لَا لِنِدَاءِ أَحَدِ أَبَوَيْهِ الخ) ابوین سے مراد اصول ہیں اگرچہ وہ اوپر چلے جائیں۔ اس کے سیاق کا ظاہر معنی یہ ہے کہ جواب دینے کے واجب ہونے کی نفی ہے پس یہ ندب اور جواز کی بقا پر صادق آئے گا۔ ''ط''۔

میں کہتا ہوں: ''الفتح'' کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اس میں جواز کی نفی ہے۔ ''الامداد'' میں اپنے اس قول کے ساتھ اس کی تصریح کی ہے لا یجوز قطعھا بنداء احد ابویہ الخ۔ یعنی آبا میں سے کوئی ایک مدد طلب کرنے کے بغیر بلائیں تو نماز کا قطع کرنا جائز نہیں کیونکہ نماز کو قطع کرنا ضرورت کے وقت ہی جائز ہوتا ہے۔ ''طحاوی'' نے کہا: یہ فرض نماز میں ہے۔ اگر وہ نفلی نماز پڑھ رہا ہے اگر والدین میں سے کوئی ایک جانتا ہے کہ یہ نماز میں ہے اور اسے ندا دے دی تو جواب نہ دے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ اگر انہیں اس کے نماز میں ہونے کا علم نہ ہو تو جواب دے۔

5521۔ (قولہ: إِلَّا فِي النَّفْلِ) یعنی نفلی نماز پڑھ رہا ہو تو وجوبی طور پر جواب دے گا اگرچہ وہ مدد نہ چاہتے ہوں۔ کیونکہ بنی اسرائیل کے عبادت گزار پر ملامت کی گئی کہ اس نے جواب نہ دیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جس کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ فقیہ ہوتا تو جواب دیتا (1)۔ یہ اس صورت میں ہے جب اسے معلوم نہیں کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے۔ اگر اسے علم ہو کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے تو پھر جواب دینا واجب نہیں۔ لیکن جواب دینا اولیٰ ہے۔ جس طرح ان کے قول لابأس الخ سے مستفاد ہوتا ہے۔ شارح کا قول فان علم یہ مستثنیٰ کے حکم کی تفصیل ہے۔ ''ط''۔

بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ یہاں لابأس اس لئے ہے تا کہ اس اعتراض کو دور کیا جائے جس کا وہم کیا جاتا ہے کہ اس

1۔ صحیح بخاری، کتاب العمل فی الصلاۃ، باب اذا دعت الام، جلد 1، صفحہ 533، حدیث نمبر 1130

(وَيُكْرَهُ) تَحْرِيمًا (اسْتِقْبَالُ الْقِبْلَةِ بِالْفَرْجِ)
مکروہ تحریمی ہے قبلہ کی طرف شرمگاہ کو کرنا

کے جواب نہ دینے اور اس کے نافرمان ہونے میں حرج ہے تو یہ اس امر کا فائدہ نہیں دے گا کہ جواب دینا اولیٰ ہے۔ اس کی مکمل بحث باب ادراك الفريضة میں (مقولہ 5948 میں) آئے گی۔

نماز کے توابع میں سے مکروہ چیزوں کا بیان

5522۔ (قولہ: وَيُكْرَهُ الخ) جب نماز میں کراہت کے بیان سے فارغ ہوئے تو نماز سے باہر جو چیزیں مکروہ ہیں جو نماز کے توابع میں سے ہیں ان میں شروع ہوئے۔

5523۔ (قولہ: تَحْرِيمًا) کیونکہ چھ ائمہ حدیث نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے اذا اتيتم الغائط الخ(2)۔ جب تم قضائے حاجت کے لئے آؤ تو نہ قبلہ رو ہو اور نہ ہی اس کی طرف پشت کرو بلکہ مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرو۔

فائدہ: مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنے کا حکم اہل مدینہ کے اعتبار سے ہے۔ اسی وجہ سے دونوں روایتوں میں سے اصح قبلہ کی طرف پشت کرنا بھی مکروہ ہے جس طرح اس کی طرف منہ کرنا مکروہ ہے۔ ''بحر''۔

5524۔ (قولہ: اسْتِقْبَالُ الْقِبْلَةِ بِالْفَرْجِ) فرج کا لفظ مرد اور عورت کے قُبل کو عام ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ قبلہ سے مراد اس کی جہت ہے جس طرح نماز میں ہے۔ یہ گزشتہ حدیث کا ظاہر معنی ہے اور ظاہر یہ ہے کہ فرج کی قید لگانا اس امر کا فائدہ دیتا ہے جس کی شافعیہ نے تصریح کی کہ اگر ایک آدمی نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور اپنے آلہ تناسل کو قبلہ سے پھیر دیا تو مکروہ نہ ہو گا۔ اس کے برعکس کا معاملہ مختلف ہے۔ جس طرح ہم باب الاستنجاء میں پہلے بیان کر آئے ہیں۔ وہاں یہ بھی پہلے گزر چکا ہے کہ مکروہ بول و براز کے لئے قبلہ کی طرف منہ کرنا یا پشت کرنا ہے۔ اگر استنجا کے لئے ایسا ہو تو مکروہ تحریمی نہیں ہو گا۔ ''النہایہ'' میں ہے: اگر ایک آدمی اس سے غافل ہو گیا اور قضائے حاجت کے لئے بیٹھ گیا پھر اس نے اپنے نفس کو اس طرح پایا تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر انحراف کرنا ممکن ہو تو پھر جائے۔ کیونکہ اسے موجبات رحمت میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ اگر وہ اس طرح نہ کرے تو کوئی حرج نہیں۔

گویا امکان کے وقت، وجوب ساقط ہو گیا۔ کیونکہ نسیان کے ساتھ ابتداءً ساقط ہوا۔ اور آلودہ ہونے کا خوف ہے اس لئے بھی وجوب ساقط ہو گیا۔ وہاں یہ بھی گزرا ہے کہ سورج اور چاند کی طرف منہ کرنا مکروہ ہے، کیونکہ یہ دونوں الله تعالیٰ کی واضح نشانیوں میں سے ہیں اور اس لئے بھی کہ دونوں کے ساتھ فرشتے ہوتے ہیں۔ جس طرح ''السراج'' میں ہے۔ اور ہم یہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ اس میں کراہت تنزیہی ہے جب تک خاص نہی وارد نہ ہو۔ اور مراد ان دونوں کے عین کی طرف منہ کرنا ہے ان کی جہت اور ان کی روشنی کی طرف منہ کرنا نہیں۔ یہ مکمل بحث وہاں پہلے ہی گزر چکی ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

1۔ سنن ترمذی، کتاب الطہارۃ، باب فی النھی عن استقبال القبلة، جلد 1، صفحہ 46، حدیث نمبر 8

وَلَوْ(فِي الْخَلَاءِ) بِالْمَدِّ بَيْتُ التَّغَوُّطِ، وَكَذَا اسْتِدْبَارُهَا (فِي الْأَصَحِّ كَمَا كُرِهَ) لِبَالِغٍ (إِمْسَاكُ صَبِيٍّ) لِيَبُولَ (نَحْوَهَا، وَ) كَمَا كُرِهَ (مَدُّ رِجْلَيْهِ فِي نَوْمٍ أَوْ غَيْرِهِ إِلَيْهَا) أَيْ عَمْدًا لِأَنَّهُ إِسَاءَةُ أَدَبٍ قَالَهُ مُنْلَا بَاكِيرٌ (أَوْ إِلَى مُصْحَفٍ أَوْ شَيْءٍ مِنَ الْكُتُبِ الشَّرْعِيَّةِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ عَلَى مَوْضِعٍ مُرْتَفِعٍ عَنِ الْمُحَاذَاةِ) فَلَا يُكْرَهُ قَالَهُ الْكَمَالُ (وَ) كَمَا كُرِهَ

اگر چہ وہ بیت الخلا میں ہو۔ ''الخلاء'' جوالف ممدودہ کے ساتھ ہے اس سے مراد قضائے حاجت کی جگہ ہے۔ اسی طرح صحیح ترین قول میں اس کی طرف پشت کرنا مکروہ ہے۔ جس طرح بالغ آدمی کے لئے مکروہ ہے ایک بچے کو پکڑنا تا کہ وہ قبلہ کی طرف پیشاب کرے۔ جس طرح نیند یا اس کے علاوہ میں قبلہ کی طرف جان بوجھ کر پاؤں پھیلانا مکروہ ہے کیونکہ یہ بے ادبی ہے۔ یہ ''منلا باکیر'' نے قول کیا ہے۔ یا مصحف یا کتب شرعیہ میں سے کسی شے کی طرف پاؤں کرنا مکروہ ہے مگر جب وہ ایسی جگہ پر ہو جو بالمقابل ہونے سے بلند ہو تو مکروہ نہیں۔ جس طرح کمال نے کہا ہے۔ جس طرح مسجد کا دروازہ بند کرنا مکروہ ہے

5525۔ (قولہ: كَمَا كُرِهَ لِبَالِغٍ) اس سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ یہ عمل مکروہ تحریمی ہے۔ ''ط''۔

5526۔ (قولہ: إِمْسَاكُ صَبِيٍّ لِيَبُولَ نَحْوَهَا) یعنی قبلہ کی جہت میں بچہ پیشاب کرے۔ بالغ پر یہ حرام ہے کہ وہ بچے سے ایسا عمل کرائے جس کا کرنا صغیر پر حرام ہو جب وہ بالغ ہو۔ اسی طرح باپ پر یہ حرام ہے کہ اس بچے کو ریشم یا زیور پہنائے اگر وہ بچہ مذکر ہو۔ یا اسے شراب وغیرہ پلائے۔

5527۔ (قولہ: مَدُّ رِجْلَيْهِ) یا ایک پاؤں پھیلانا۔ مذکورہ حکم میں بالغ، بچہ کی مثل ہے۔ ''ط''۔

5528۔ (قولہ: أَيْ عَمْدًا) یعنی بغیر عذر کے۔ جہاں تک عذر یا بھول کر ایسا کرنے کا تعلق ہے تو یہ مکروہ نہیں۔ ''ط''۔

5529۔ (قولہ: لِأَنَّهُ إِسَاءَةُ أَدَبٍ) اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ یہ کراہت تنزیہی ہے۔ ''ط''۔ لیکن ہم باب الاستنجاء میں ''رحمتی'' سے (مقولہ 3049 میں) نقل کر چکے ہیں کہ عنقریب یہ آئے گا کہ قبلہ کی طرف پاؤں پھیلانے کی صورت میں اس کی شہادت رد کر دی جائے گی۔ یہ قول مکروہ تحریمی کا تقاضا کرتا ہے۔ ''فلیحرر''۔

5530۔ (قولہ: إِلَّا أَنْ يَكُونَ) مصحف اور کتب میں سے جن کا ذکر ہوا۔ جہاں تک قبلہ کا تعلق ہے تو یہ آسمان تک ہے۔

5531۔ (قولہ: مُرْتَفِعٍ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اگر چہ بلندی تھوڑی سی ہو۔ ''ط''۔

میں کہتا ہوں: یعنی جس کے ساتھ عرف میں بالمقابل ہونا ختم ہو جاتا ہے، یہ قرب و بعد میں مختلف ہو جاتا ہے، کیونکہ بعد کی صورت میں تھوڑا سا بلند ہونے کی صورت میں بالمقابل ختم نہیں ہوتا۔ ظاہر یہ ہے کہ کثیر بعد کی صورت میں مطلقاً کراہت نہیں۔ ''تامل''۔

(غَلْقُ بَابِ الْمَسْجِدِ) إِلَّا لِخَوْفٍ عَلَى مَتَاعِهِ، بِهِ يُفْتَى (وَ) كُرِهَ تَحْرِيمًا (الْوَطْءُ فَوْقَهُ، وَالْبَوْلُ وَالتَّغَوُّطُ) لِأَنَّهُ مَسْجِدٌ إِلَى عَنَانِ السَّمَاءِ

مگر جب مسجد کے سامان کے بارے میں خوف ہو۔اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔اور مسجد کے اوپر وطی کرنا، پیشاب کرنا اور براز کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ یہ آسمان کی سطح تک مسجد ہے۔اور عذر کے بغیر مسجد کو راستہ بنانا مکروہ ہے۔

مسجد کے احکام

5532۔(قولہ: غَلْقُ بَابِ الْمَسْجِدِ) زیادہ فصیح، اغلاق ہے کیونکہ''قاموس''میں ہے غلق الباب يغلقه لغة ردية في اغلقه یعنی مجرد سے اس معنی میں فعل کو لانا ایک ردی لغت ہے۔

''البحر''میں کہا: یہ مکروہ ہے کیونکہ یہ نماز سے روکنے کے مشابہ ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ (البقرہ:114) اس ارشاد سے ہمارے زمانہ کے بعض مدرسین کی جہالت معلوم ہو جاتی ہے جو ان مدرسین کو مسجد میں تدریس سے روکتے ہیں جو اس مسجد میں تدریس کے لئے مقرر ہوا۔اس کی مکمل بحث اس میں یعنی ''البحر''میں ہے۔

5533۔(قولہ: إِلَّا لِخَوْفٍ عَلَى مَتَاعِهِ) یہ قید بزماننا کی قید سے اولیٰ ہے کیونکہ دارومدار ضرر کے خوف پر ہے۔ اگر ہمارے زمانہ میں خوف تمام اوقات میں ثابت ہے تو یہ حکم اسی طرح ثابت ہوگا۔مگر نماز کے اوقات میں مسجد کا دروازہ بند کرنا جائز نہیں ہوگا۔اگر خوف نہ ہو تو مسجد کا دروازہ بند کرنا جائز نہ ہوگا۔اگر بعض اوقات میں خوف ہو تو بعض اوقات میں ایسا کرنا جائز ہوگا۔''الفتح''میں اسی طرح ہے''العنایہ''میں ہے: دروازہ بند کرنے کی تدبیر اہل محلہ کے ذمہ ہے۔کیونکہ جب وہ ایک آدمی پر جمع ہو جائیں اور وہ اسے متولی بنالیں اگرچہ قاضی کے امر کے بغیر ہو تو وہ متولی بن جائے گا۔''بحر''و''نہر''۔

5534۔(قولہ: الْوَطْءُ فَوْقَهُ) وطی سے مراد جماع ہے۔''خزائن''۔ جہاں تک قدم کے ساتھ اس کے اوپر روندنا مکروہ نہیں مگر کعبہ میں مکروہ ہے۔کیونکہ کوئی عذر نہیں پایا جا رہا ہے۔اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ کعبہ کے اوپر نماز پڑھنے کے مکروہ ہونے کا قول کیا گیا ہے۔پھر میں نے''قہستانی''کو دیکھا انہوں نے''المفید''سے نقل کیا ہے کہ مسجد کی چھت پر چڑھنا مکروہ ہے اور اس پر نماز کے پڑھنے کا مکروہ ہونا بھی لازم آتا ہے۔''فلیتامل''۔

5535۔(قولہ: لِأَنَّهُ مَسْجِدٌ) جو قول اوپر مذکور ہوا ہے اس کے مکروہ ہونے کی علت ہے۔''زیلعی''نے کہا ہے: اسی وجہ سے جو آدمی مسجد کی چھت پر ہے اس کا مسجد کے اندر والے امام کی اقتدا کرنا صحیح ہے جب وہ امام سے آگے نہ ہو۔اور چھت پر چڑھنے سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا۔جنبی، حائض اور نفاس والی عورت کے لئے اس چھت پر کھڑا ہونا حلال نہیں۔اگر اس نے قسم اٹھائی کہ وہ اس گھر میں داخل نہیں ہوگا تو وہ اس گھر کی چھت پر کھڑا ہوا تو حانث ہو جائے گا۔

5536۔(قولہ: إِلَى عَنَانِ السَّمَاءِ) عنان یہ عین کے فتحہ کے ساتھ ہے۔اسی طرح الی تحت الثری کا لفظ ہے جس

(وَاتِّخَاذُهُ طَرِيقًا بِغَيْرِ عُذْرٍ) وَصَرَّحَ فِي الْقُنْيَةِ بِفِسْقِهِ بِاعْتِيَادِهِ (وَإِدْخَالُ نَجَاسَةٍ فِيهِ) وَعَلَيْهِ (فَلَا يَجُوزُ الِاسْتِصْبَاحُ بِدُهْنٍ نَجِسٍ فِيهِ)

اور ''القنیۃ'' میں اس کی تصریح کی ہے کہ جو آدمی اسے عادت بنائے وہ فاسق ہو جائے گا۔ اور مسجد میں نجاست لے جانا مکروہ ہے۔ اور اس تعبیر کی بنا پر مسجد میں ناپاک تیل سے چراغ جلانا جائز نہیں۔

طرح ''البیری'' میں ''الاسبیجابی'' سے مروی ہے۔ ایک مسئلہ باقی رہ گیا ہے اگر جگہ وقف کرنے والے نے مسجد کے نیچے بیت الخلا بنایا تو کیا یہ جائز ہوگا۔ جس طرح محلۃ الشحم کی مسجد میں ہے جو دمشق میں ہے؟ میں نے اس بارے میں صریح قول نہیں دیکھا۔ ہاں کتاب الوقف کے متن میں (مقولہ 21365 میں) آئے گا اگر اس نے مسجد کے نیچے ضروریات کے لئے تہہ خانہ بنایا تو یہ جائز ہے۔ ''تامل''

مسجد میں راستہ بنانے کا حکم

5537۔ (قولہ: وَاتِّخَاذُهُ طَرِيقًا) لفظ اتخاذ سے جو تعبیر کیا ہے یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ایک یا دو دفعہ گزرنے سے فاسق نہیں ہوگا۔ اسی وجہ سے ''القنیہ'' میں بالاعتیاد کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ ''نہر''۔ ''القنیہ'' میں ہے: وہ مسجد میں داخل ہوا جب درمیان پہنچا تو شرمندہ ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ وہ اس دروازہ کے علاوہ سے نکلے جس سے نکلنے کا قصد کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ نماز پڑھے پھر نکلنے میں اسے اختیار ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اگر وہ محدث ہو تو جہاں سے داخل ہوا تھا وہاں سے ہی نکلے تاکہ جو جنایت کی تھی اسے معدوم کر دے۔

5538۔ (قولہ: بِغَيْرِ عُذْرٍ) اگر عذر کے ساتھ ہو تو یہ جائز ہے اور ہر روز ایک دفعہ تحیۃ المسجد کے نوافل پڑھے۔ ''بحر'' میں ''الخلاصہ'' سے مروی ہے یعنی جب بار بار داخل ہوا تھا تو ایک دفعہ تحیۃ المسجد پڑھنا کافی ہے۔

5539۔ (قولہ: بِفِسْقِهِ) وہ اعتکاف کی نیت کے ساتھ فسق سے نکل جائے گا اگرچہ وہ مسجد میں نہ ٹھہرے۔ ''طحطاوی'' نے ''شرنبلالی'' سے نقل کیا ہے۔

5540۔ (قولہ: وَإِدْخَالُ نَجَاسَةٍ فِيهِ) ''الاشباہ'' میں عبارت ہے: مسجد میں ایسی نجاست کا داخل کرنا جس سے مسجد کے آلودہ ہونے کا خوف ہو۔

اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اگر وہ نجاست خشک ہو تو یہ جائز ہے لیکن ''الفتاوی الہندیہ'' میں ہے: وہ آدمی مسجد میں داخل نہ ہو جس کے بدن پر نجاست ہو۔

5541۔ (قولہ: وَعَلَيْهِ فَلَا يَجُوزُ الخ) علیہ کا لفظ زائد ذکر کیا۔ یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ قول فلا یجوز جو ذکر کیا ہے متقدمین کی کتب میں اس کی تصریح نہیں۔ علامہ قاسم نے اس قول کی بنا اس پر رکھی ہے جو علما نے تصریح کی ہے کہ مسجد میں نجاست کا داخل کرنا جائز نہیں اور اسے مقید بنایا ہے کیونکہ علما کا قول ہے انّ الدّھن النجس یجوز الاستصباح بہ۔

وَلَا تَطْيِينُهُ بِنَجِسٍ (وَلَا الْبَوْلُ) وَالْفَصْدُ (فِيهِ وَلَوْ فِي إِنَاءٍ) وَيَحْرُمُ إِدْخَالُ صِبْيَانٍ وَمَجَانِينَ حَيْثُ غَلَبَ تَنْجِيسُهُمْ، وَإِلَّا فَيُكْرَهُ، وَيَنْبَغِي لِدَاخِلِهِ تَعَاهُدُ نَعْلِهِ وَخُفِّهِ، وَصَلَاتُهُ فِيهِمَا أَفْضَلُ

اور ناپاک مٹی سے لیپ کرنا جائز نہیں اور نہ ہی مسجد میں پیشاب کرنا اور فصد کرنا جائز ہے اگرچہ وہ برتن میں ہو۔ بچوں اور پاگلوں کو مسجد میں داخل کرنا حرام ہے جب ان کے نجاست پھیلانے کا غالب گمان ہو ورنہ انہیں مسجد میں لے جانا مکروہ ہوگا۔ اور جو آدمی مسجد میں داخل ہو اسے چاہئے کہ اپنے جوتے اور اپنے موزے کی نجاست سے دیکھ بھال کرے اور جوتے، موزے میں نماز پڑھنا افضل ہے۔

جس طرح ''البحر'' میں یہ بیان کیا ہے۔

5542۔ (قولہ: وَلَا تَطْيِينُهُ بِنَجِسٍ) ''الفتاوی الہندیہ'' میں ہے: مکروہ ہے کہ مسجد کو ایسی مٹی سے لیپ کیا جائے جس کو ناپاک پانی سے تر کیا گیا ہو۔ گوبر کا معاملہ مختلف ہے جب اس میں مٹی ملائی جائے۔ کیونکہ اس میں ضرورت ہوتی ہے وہ ایسی غرض کا حصول ہے جو اس کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ ''سراجیہ'' میں اسی طرح ہے۔

5543۔ (قولہ: وَالْفَصْدُ) ''الاشباہ'' میں بحث کرتے ہوئے ذکر کیا اور کہا: جہاں تک مسجد میں برتن میں فصد کرانے کا تعلق ہے تو میں نے اس بارے میں کوئی قول نہیں دیکھا۔ چاہئے کہ اس میں کوئی فرق نہ ہو۔ یعنی فصد کرانے اور پیشاب کرنے میں کوئی فرق نہ ہو۔ اسی طرح مسجد میں دبر سے ہوا خارج نہ کرے جس طرح ''الاشباہ'' میں ہے۔ سلف کا اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ جب وہ اس کا محتاج ہو تو مسجد سے باہر نکل آئے۔ یہی اصح قول ہے۔ ''حموی'' نے تمرتاشی کی ''شرح الجامع الصغیر'' سے یہ نقل کیا ہے۔

5544۔ (قولہ: وَيَحْرُمُ الخ) کیونکہ ''منذری'' نے مرفوع حدیث نقل کی ہے۔ جنبوا مساجدکم صبیانکم و مجانینکم و بیعکم و شراءکم و رفع اصواتکم و سل سیوفکم و اقامة حدودکم و جمروها فی الجمع واجعلوا علی ابوابها المطاهر الخ(1)۔ اپنی مساجد کو اپنے بچوں، اپنے مجنون افراد، اپنی خرید و فروخت، اپنی آوازوں کو بلند کرنے، تلواروں کے سونتنے اور اپنی حدود کو قائم کرنے سے علیحدہ رکھو۔ جمعہ کے موقع پر انہیں خوشبو کی دھونی دو اور اس کے دروازوں پر مطاہر رکھو۔ مطاہر، مطہرۃ (میم کے کسرہ کے ساتھ) کی جمع ہے اور میم پر فتحہ بھی ایک لغت ہے، اس سے مراد ایسا برتن ہے جس کے ساتھ طہارت حاصل کی جاتی ہے جس طرح ''المصباح'' میں ہے۔ حرمت سے مراد مکروہ تحریمی ہے کیونکہ دلیل ظنی ہے جہاں تک اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ الآیۃ (البقرہ: 125) یہ ارشاد اس کا احتمال رکھتا ہے کہ اہل شرک کے اعمال سے اسے پاک رکھو۔ ''تامل''۔ اس تعبیر کی بنا پر شارح کے قول والا فیکرہ سے مراد مکروہ تنزیہی ہوگا۔ ''تامل''۔

جوتے اور موزے پہن کر نماز پڑھنے کا حکم

5545۔ (قولہ: وَصَلَاتُهُ فِيهِمَا) یعنی جوتے اور موزے جبکہ دونوں پاک ہوں۔ یہ افضل ہے کیونکہ اس میں

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، باب ما یکرہ فی المساجد، جلد 1، صفحہ 247، حدیث نمبر 741

(لَا) يُكْرَهُ مَا ذُكِرَ (فَوْقَ بَيْتٍ) جُعِلَ (فِيهِ مَسْجِدٌ) بَلْ وَلَا فِيهِ، لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمَسْجِدٍ شَرْعًا (وَ) أَمَّا (الْمُتَّخَذُ لِصَلَاةِ جِنَازَةٍ أَوْ عِيدٍ) فَهُوَ (مَسْجِدٌ فِي حَقِّ جَوَازِ الِاقْتِدَاءِ) وَإِنْ انْفَصَلَ الصُّفُوفُ رِفْقًا بِالنَّاسِ (لَا فِي حَقِّ غَيْرِهِ) بِهِ يُفْتَى نِهَايَةٌ

جن امور کا ذکر کیا گیا ہے ان کا اسی کمرے کی چھت پر کرنا مکروہ نہیں جس میں مسجد بنائی گئی ہو۔ بلکہ اس میں ایسا کرنا مکروہ نہیں کیونکہ شرعی طور پر وہ مسجد نہیں۔ مگر جسے نماز جنازہ یا نماز عید کے لئے بنایا گیا ہو تو وہ اقتدا کے جواز کے حق میں مسجد ہے اگرچہ دونوں میں انفصال ہو۔ یہ لوگوں کے حق میں نرمی کی بنا پر ہے۔ اقتدا کے علاوہ کے حق میں وہ مسجد نہیں۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے، ''نہایہ''۔

یہودیوں کی مخالفت ہے۔ ''تتارخانیہ''۔ حدیث طیبہ میں ہے کہ اپنے جوتوں میں نماز پڑھو اور یہودیوں کے ساتھ مشابہت اختیار نہ کرو (1) اسے طبرانی نے روایت کیا ہے جس طرح ''الجامع الصغیر'' میں اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حنابلہ کی ایک جماعت نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ سنت ہے اگرچہ وہ انہیں پہن کر راستوں پر چلتا ہو۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ یہ پہن کر مدینہ طیبہ کے راستوں میں چلا کرتے تھے پھر ان کو پہن کر نماز پڑھا کرتے تھے۔

میں کہتا ہوں: لیکن جب ان جوتوں کے ذریعے مسجد کے فرش کے آلودہ ہونے کا خوف ہو تو پھر جوتے نہیں پہننے چاہئیں اگرچہ وہ جوتے پاک ہوں۔ جہاں تک مسجد نبوی کا تعلق ہے تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فرش پر سنگریزے بچھے ہوتے تھے۔ ہمارے زمانے کا معاملہ مختلف ہے۔ شاید ''عمدۃ المفتی'' میں جو قول ہے کہ مسجد میں جوتے پہن کر داخل ہونا سوء ادبی ہے یہی اس کا محل ہے۔ ''تامل''۔

5546۔ (قولہ: لَا يُكْرَهُ مَا ذُكِرَ) یعنی وطی، بول اور براز کرنے کا جو ذکر ہوا وہ مکروہ نہیں۔ ''نہر''

5547۔ (قولہ: فَوْقَ بَيْتٍ الخ) یعنی گھر کی جائے نماز کے اوپر یعنی وہ جگہ جو شخص اپنے گھر میں نفل کے لئے تیار کی گئی ہے اس طرح کہ اس کا محراب بنایا جائے، اسے صاف کیا جائے اور اسے خوشبو لگائی جائے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا (2) پس ہر مسلمان کے لئے گھر میں ایسی جگہ بنانا مستحب ہے جس طرح ''کرمانی'' وغیرہ میں ہے۔ ''قہستانی'' میں یہ اسی طرح ہے جس طرح اس نے ایسی چھت پر بول کیا جس میں مصحف تھا یہ مکروہ نہیں جس طرح ''جامع البرہانی'' میں ہے۔ ''معراج''۔

5548۔ (قولہ: بِهِ يُفْتَى نِهَايَةٌ) ''النہایہ'' کی عبارت ہے فتویٰ کے لئے مختار یہ ہے کہ اقتدا کے جواز کے حق میں یہ مسجد ہے۔ لیکن ''البحر'' میں کہا: اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اس میں وطی، پیشاب کرنا اور براز کرنا جائز ہے اور اس کے ضعف میں کوئی خفا نہیں کیونکہ بنانے والے نے اسے اس کے لئے تیار نہیں کیا۔ پس چاہئے کہ یہ جائز نہ ہو اگرچہ ہم اس کے مسجد نہ ہونے کا حکم لگائیں۔ اس کا فائدہ باقی ماندہ احکام اور جنبی و حائضہ کے اس میں داخل ہونے کے حلال ہونے میں ظاہر ہوگا۔

1۔ المعجم الکبیر للطبرانی، جلد 7، صفحہ 270، حدیث نمبر 7164

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، باب تطہیر المساجد و تطییبہا، جلد 1، صفحہ 250، حدیث نمبر 749-750

(فَحَلَّ دُخُولُهُ لِجُنُبٍ وَحَائِضٍ) كَفِنَاءِ مَسْجِدٍ وَرِبَاطٍ وَمَدْرَسَةٍ وَمَسَاجِدِ حِيَاضٍ وَأَسْوَاقٍ لَا قَوَارِعَ

جنبی، حائضہ کے لئے حلال ہے وہ فناء مسجد، خانقاہ اور مدرسہ میں داخل ہو۔ اور ان کا حوضوں کی جائے نماز اور بازاروں کی جائے نماز میں داخل ہونا جائز ہے۔ شارع عام کی مساجد میں داخل ہونا جائز نہیں

اس مختار قول کے مقابل وہ قول ہے ہے جس کی تصحیح ''المحیط'' میں جنازہ گاہ کے متعلق کی ہے۔ کہ جنازہ گاہ کے لئے اصلاً مسجد کا حکم نہیں۔ اور ''تاج الشریعہ'' نے جس کی تصحیح کی ہے وہ یہ ہے کہ عید گاہ کے لئے مساجد کا حکم ہے۔ اس کی مکمل بحث ''شرنبلالیہ'' میں ہے۔

فناء مسجد کا حکم

5549۔ (قولہ: كَفِنَاءِ مَسْجِدٍ) فناسے مراد ایسا مکان ہے جو مسجد کے ساتھ متصل ہو جس مکان اور مسجد کے درمیان کوئی راستہ نہ ہو۔ پس یہ اس کی طرح ہے جسے نماز جنازہ یا عید کے لئے بنایا گیا ہو۔ ان امور میں جن کا ذکر کیا گیا کہ اس میں اقتدا جائز ہے اور جنبی وغیرہ کا اس میں داخل ہونا حلال ہے جس طرح ''شرح المنیہ'' کے آخر میں ہے۔

5550۔ (قولہ: وَرِبَاطٍ) رباط سے مراد وہ جگہ ہے جو فقرا، صوفیہ کے رہنے کے لئے بنائی جاتی تھی اسے خانقاہ اور تکیہ کہتے ہیں۔ ''رحمتی''۔

5551۔ (قولہ: وَمَدْرَسَةٍ) اس سے مراد وہ جگہ ہے جو طالبعلموں کے رہنے کے لئے بنائی جاتی ہے اور اس کے لئے ایک مدرس معین کیا جاتا ہے اور درس کے لئے ایک مکان بنایا جاتا ہے۔ لیکن جب اس میں ایک مسجد ہو تو اس کا حکم دوسری مساجد کی طرح ہوگا۔ ''القنیہ'' کے کتاب الوقف میں ہے: وہ مساجد جو مدرسوں میں ہوتی ہیں وہ مساجد ہیں کیونکہ وہ طلباء لوگوں کو ان مساجد میں نماز پڑھنے سے نہیں روکتے اور جب انہیں بند کر دیا جائے تو اس میں وہاں کے رہنے والوں کی ہی جماعت ہوتی ہے۔

''الخانیہ'' میں ہے: ایک حویلی ہے جس میں مسجد ہے وہ حویلی والے لوگوں کو اس مسجد میں نماز پڑھنے سے نہیں روکتے اگر حویلی کو بند کر دیا جائے تو اس حویلی میں جو لوگ رہتے ہیں ان کی جماعت ہوتی ہے تو یہ مسجد جماعت والی مسجد ہوگی، اس کے لئے مسجد کے احکام ثابت ہوں گے، جیسے بیع کا حرام ہونا اور جنبی وغیرہ کا اس میں داخل ہونا حرام ہوگا۔ ورنہ حرام نہیں ہوگا اگرچہ وہ لوگوں کو اس مسجد میں نماز پڑھنے سے نہ روکتے ہوں۔

5552۔ (قولہ: وَمَسَاجِدِ حِيَاضٍ) مسجد حوض سے مراد وہ چبوترہ ہے جسے وہ حوض کی ایک جانب بنا دیتے ہیں یہاں تک کہ اگر کوئی اس حوض سے وضو کرے تو اس جگہ نماز پڑھ لے۔ ''ح''۔

5553۔ (قولہ: وَأَسْوَاقٍ) ایسے بازار جو آگے نہ کھلتے ہوں۔ تجار، نماز پڑھنے کے لئے چبوترہ سا بنا دیتے ہیں۔ ''ح''۔ یہ اسی طرح ہوتا ہے جو تاجروں کی دکان میں چبوترہ سا بنا دیا جاتا ہے۔

5554۔ (قولہ: لَا قَوَارِعَ) کیونکہ یہ مسجد مذکورہ جائے نمازوں کی طرح نہیں۔ ''شرح المنیہ'' کے اواخر میں کہا: وہ

(وَلَا بَأْسَ بِنَقْشِہِ خَلَا مِحْرَابَہُ) فَإِنَّہُ یُکْرَہُ؛ لِأَنَّہُ یُلْھِی الْمُصَلِّیَ وَیُکْرَہُ التَّکَلُّفُ بِدَقَائِقِ النُّقُوشِ وَنَحْوِھَا خُصُوصًا فِی جِدَارِ الْقِبْلَۃِ قَالَہُ الْحَلَبِیُّ وَفِی حَظْرِ الْمُجْتَبَی

اور محراب کے علاوہ مسجد میں نقش و نگار بنانے میں کوئی حرج نہیں محراب میں نقش و نگار بنانا مکروہ ہے کیونکہ یہ نمازی کو غافل کر دیتے ہیں۔ اور باریک بینی پر مشتمل نقش و نگار وغیرہ کا اہتمام کرنا مکروہ ہے خصوصاً قبلہ کی دیوار میں ایسا کرنا مکروہ ہے۔ یہ ''حلبی'' کا قول ہے۔ ''المجتبیٰ'' کے باب الحظر میں ہے:

مساجد جو شاہراہوں پر ہوتی ہیں جن میں مستقل جماعت نہیں ہوتی وہ مسجد کے حکم میں ہوتی ہیں لیکن ان میں اعتکاف نہیں کیا جانا چاہئے۔

مسجد کی تزئین وآرائش اور لا باس کا بیان

5555۔ (قولہ: وَلَا بَأْسَ الخ) اس تعبیر میں جس طرح ''شمس الائمہ'' نے کہا: اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ نقش و نگار بنانے پر اجر نہیں ہوگا۔ یکفیہ ان ینجو رأسا برأس اور اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنا نقصان کئے بغیر نجات پا جائے۔

''النہایہ'' میں کہا: کیونکہ لا بأس کا لفظ اس پر دلیل ہے کہ مستحب اس کے علاوہ ہے کیونکہ بأس سے مراد شدت ہے۔ اسی وجہ سے ''الہندیہ'' کے باب الحظر میں ''المضمرات'' سے قول نقل کیا ہے کہ فقرا پر اس مال کو صرف کرنا افضل ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی وجہ سے مکروہ ہے ان من اشراط الساعۃ ان تزین المساجد (1)۔ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ مساجد کو مزین کیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ مستحب ہے کیونکہ اس میں مسجد کی تعظیم ہے۔

5556۔ (قولہ: لِأَنَّہُ یُلْھِی الْمُصَلِّیَ) یعنی سجدہ کی جگہ کی طرف نظر کرنے میں خشوع میں یہ خلل کا باعث ہوتا ہے۔ ''البدائع'' میں مستحبات الصلاۃ میں تصریح کی ہے کہ نماز میں خشوع کرنا چاہئے اور اس کی نظر سجدہ گاہ تک جانی چاہئے۔ ''الاشباہ'' میں اسی طرح تصریح کی ہے کہ نماز میں خشوع مستحب ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں کراہت تنزیہی ہے۔ فافہم۔

5557۔ (قولہ: وَیُکْرَہُ التَّکَلُّفُ الخ) متن میں نقش و نگار بنانے کے بارے میں جو بأس کی نفی کی تھی اس کی تخصیص ہے۔ اسی وجہ سے ''الفتح'' میں کہا: ہمارے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں اور کراہت کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ دقیق نقوش بنانے میں تکلف سے کام لیا جائے خصوصاً محراب میں۔ فافہم۔

5558۔ (قولہ: وَنَحْوِھَا) جیسے قیمتی لکڑی اور سفید لکڑی جیسے اسبیداج (کاشغری سفیدہ)۔ ''ط''۔

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، باب تشیید المساجد، جلد 1، صفحہ 245، حدیث 730

وَقِيلَ يُكْرَهُ فِي الْمِحْرَابِ دُونَ السَّقْفِ وَالْمُؤَخَّرِ انْتَهَى۔ وَظَاهِرُهُ أَنَّ الْمُرَادَ بِالْمِحْرَابِ جِدَارُ الْقِبْلَةِ فَلْيُحْفَظْ (بِجِصٍّ وَمَاءِ ذَهَبٍ) لَوْ (بِمَالِهِ) الْحَلَالِ (لَا مِنْ مَالِ الْوَقْفِ) فَإِنَّهُ حَرَامٌ (وَضَمِنَ مُتَوَلِّيهِ لَوْ فَعَلَ) النَّقْشَ أَوْ الْبَيَاضَ، إلَّا إذَا خِيفَ طَمَعُ الظَّلَمَةِ فَلَا بَأْسَ بِهِ، كَافِي، وَإِلَّا إذَا كَانَ لِإِحْكَامِ الْبِنَاءِ، أَوْ الْوَاقِفُ فَعَلَ مِثْلَهُ لِقَوْلِهِمْ إنَّهُ يُعْمَرُ الْوَقْفُ كَمَا كَانَ، وَتَمَامُهُ فِي الْبَحْرِ

ایک قول یہ کیا گیا ہے محراب میں ایسا کرنا مکروہ ہے چھت اور پچھلی دیوار میں ایسا کرنا مکروہ نہیں۔ انتہی۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ محراب سے مراد قبلہ کی دیوار ہے۔ پس اسے یاد رکھا جانا چاہئے وہ نقش چونے اور سونے کے پانی سے ہوں اگر وہ حلال مال سے ہوں۔ وہ وقف کے مال سے ایسا نہیں کرا سکتا ہے کیونکہ یہ حرام ہے۔ اگر متولی نے نقش و نگار بنوائے یا سفیدی کروائی تو وہ ضامن ہوگا۔ مگر جب ظالموں کی طمع کا خوف ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔ "کافی"۔ مگر جب یہ عمل عمارت کی مضبوطی کے لئے ہو یا واقف نے اسی طرح کیا ہو۔ کیونکہ علماء کا قول ہے کہ وقف کو اسی طرح تعمیر کیا جائے گا جس طرح وہ تھا اس کی مکمل بحث "البحر" میں ہے۔

5559۔ (قولہ: وَظَاهِرُهُ الخ) تعلیل کا ظاہر معنی یہ ہے کہ یہ نمازی کو غافل کرتا ہے۔ اسی طرح یہ قول چھت اور پچھلی دیوار کو خارج کرتا ہے کیونکہ اس کا سبب غافل نہ کرنا ہے۔ پس یہ قول فائدہ دے گا کہ مکروہ قبلہ کی مکمل دیوار ہے کیونکہ غافل کرنے کی علت امام کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ باقی ماندہ پہلی صف کے لوگوں کا حکم اسی طرح ہوگا۔ اسی وجہ سے "فتاویٰ ہندیہ" میں کہا: ہمارے بعض مشائخ نے محراب اور قبلہ کی دیوار پر نقش کو مکروہ جانا ہے کیونکہ یہ نمازی کے دل کو غافل کرتا ہے۔ اسی کی مثل دائیں یا بائیں دیوار کے بارے میں کہا جاتا ہے کیونکہ یہ دیوار اس کے قریبی کو غافل کرتا ہے۔

5560۔ (قولہ: لَوْ بِمَالِهِ الْحَلَالِ) "تاج الشریعہ" نے کہا: اگر اس نے اس میں خبیث مال یا ایسا مال خرچ کیا جس کا سبب خبیث اور طیب تھا تو یہ مکروہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ پاکیزہ کو ہی قبول کرتا ہے پس اس کے گھر کو ایسی چیز سے آلودہ کرنا مکروہ ہے جسے وہ قبول نہیں کرتا۔ "شرنبلالیہ"۔

5561۔ (قولہ: إلَّا إذَا خِيفَ الخ) اس کی صورت یہ ہے کہ اس کے پاس مسجد کے اموال جمع ہو گئے اور وہ مسجد تعمیر سے مستغنی ہے اگر ایسی صورت نہ ہو تو وہ ضامن ہوگا۔ جس طرح "قہستانی" میں "النہایہ" سے مروی ہے۔

5562۔ (قولہ: وَتَمَامُهُ فِي الْبَحْرِ) کیونکہ کہا: علما نے مسجد کی قید لگائی کیونکہ مسجد کے علاوہ کے نقش ضمان کو واجب کریں گے۔ مگر جب اسے اس لئے تیار کیا گیا ہے کہ منافع حاصل ہوں اس طرح کا عمل کرنے سے اجرت زائد ہو جاتی ہے تو پھر کوئی حرج نہیں۔ مسجد سے مراد مسجد کا اندر کا حصہ ہے۔ پس یہ قول فائدہ دیتا ہے کہ مسجد کے باہر کا حصہ مزین کرنا مکروہ ہے۔ جہاں تک وقف کے مال میں سے ہونے کا تعلق ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ متولی کے لئے اس طرح کا عمل کرنا مطلقاً جائز نہیں۔ کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں خصوصاً جب ملازمین کو محروم کرنے کا قصد کیا جائے جس طرح ہم نے اپنے زمانہ میں دیکھا ہے۔

(فُرُوعٌ) أَفْضَلُ الْمَسَاجِدِ مَكَّةُ، ثُمَّ الْمَدِينَةُ ثُمَّ الْقُدْسُ، ثُمَّ قُبَا،

فروع: مساجد میں سے افضل مکہ کی مسجد پھر مدینہ کی مسجد ہے۔ پھر مسجد قدس، پھر مسجد قبا،

مطلب فی افضل المساجد

5563۔ (قولہ: أَفْضَلُ الْمَسَاجِدِ مَكَّةُ) یعنی مکہ مکرمہ کی مسجد سب سے افضل ہے مابعد کلام الاقدم تک اسی طرح ہے۔ ''ح''۔ علامہ احمد بن عماد کی ''تسہیل القاصد'' میں ہے: زمین کی مساجد میں سے سب سے افضل کعبہ ہے کیونکہ لوگوں کے لئے یہ سب سے پہلا گھر ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے بنایا گیا پھر وہ مسجد ہے جو اس کو محیط ہے۔ کیونکہ یہ سب سے قدیمی مسجد ہے۔ پھر مدینہ طیبہ کی مسجد ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے صلاۃ فی مسجدی ھذا تعدل الف صلاۃ فیما سواہ الا المسجد الحرام (1) میری اس مسجد میں ایک نماز مسجد حرام کے علاوہ مسجد میں ایک ہزار نماز کے برابر ہے۔

''البیری'' میں ہے: مسجد حرام، جس میں یہ مذکورہ کئی گنا ثواب ہے، اس کی مراد میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حرم کا علاقہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ کعبہ اور حطیم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ کعبہ اور جو اس کے اردگرد مسجد ہے۔ امام نووی نے اسے یقین سے بیان کیا ہے اور کہا یہی ظاہر ہے۔ شیخ ولی الدین عراقی نے کہا: ثواب کا کئی گنا ہونا یہ اسی مسجد کے ساتھ خاص نہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی بلکہ یہ کئی گناہ ثواب اس تمام حصہ کو شامل ہے جو اس مسجد میں شامل کیا گیا۔ بلکہ ہمارے اصحاب کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ یہ پورے مکہ کو بلکہ پورے اس حرم کو شامل ہے جس کا شکار کرنا حرام ہے جس طرح امام نووی نے اس قول کی تصحیح کی ہے۔ ہمارے شیخ المشائخ محمد بن ظہیرہ قرشی حنفی مکی نے جو بیان کیا ہے وہ گفتگو ختم ہوئی۔ ملخص۔

تنبیہ

یہ کئی گنا ثواب فرض نماز کے ساتھ خاص ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے صلاۃ احدکم فی بیتہ افضل من صلاتہ فی مسجدی ھذا الا المکتوبۃ الخ (2)۔ تم میں سے کسی ایک کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا میری اس مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے مگر فرض نماز۔ مگر اس حدیث اور پہلی حدیث کے درمیان تعارض واقع ہوا ہے۔ ابن رشد مالکی نے ''القواعد'' میں امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے جس طرح ''الحلبہ'' میں ''غایۃ السروجی'' سے مروی ہے۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

5564۔ (قولہ: ثُمَّ الْقُدْسُ) کیونکہ یہ ان تین مساجد میں سے ایک ہے جن کی طرف سفر کرنے کا حکم ہے اور جن میں نماز کی ادائیگی کی صورت میں زیادہ اجر کی نص ہے۔

5565۔ (قولہ: ثُمَّ قُبَا) یہ لفظ الف ممدودہ اور الف مقصورہ کے ساتھ ہے۔ یہ منصرف اور غیر منصرف ہے۔ قاف مضموم ہے۔ ''ط''۔ کیونکہ یہ وہ مسجد ہے جسے پہلے روز سے ہی تقویٰ پر بنایا گیا ہے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فضل الصلاۃ بمسجدی مکۃ والمدینۃ، جلد 2، صفحہ 290، حدیث نمبر 2519

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، صلاۃ الرجل التطوع فی بیتہ، جلد 1، صفحہ 386، حدیث نمبر 880

ثُمَّ الْأَقْدَمُ، ثُمَّ الْأَعْظَمُ: ثُمَّ الْأَقْرَبُ، وَمَسْجِدُ أُسْتَاذِهِ لِدَرْسِهِ أَوْ لِسَمَاعِ الْأَخْبَارِ أَفْضَلُ اتِّفَاقًا: وَمَسْجِدُ حَيِّهِ أَفْضَلُ مِنَ الْجَامِعِ

پھر سب سے قدیمی، پھر سب سے بڑی، پھر سب سے قریبی اور اپنے استاذ کی مسجد جو اس کے درس یا احادیث کے سماع کے لئے ہو بالاتفاق افضل ہے اور نمازی کے محلے کی مسجد جامع سے افضل ہے۔

5566۔(قولہ: ثُمَّ الْأَقْدَمُ، ثُمَّ الْأَعْظَمُ) ''الحلبہ'' میں ''الأجناس'' سے اسی طرح مروی ہے۔ ''البحر'' میں بیت المقدس کی مسجد کے بعد جوامع کا ذکر ہے پھر محلہ کی مساجد کا پھر شارع عام کی مساجد کا کیونکہ شارع عام کی مسجد رتبہ میں کم ہے کیونکہ اس میں اعتکاف نہیں کیا جاتا جب اس کا معلوم امام اور موذن نہ ہو پھر گھروں کی مساجد ہیں کیونکہ گھروں کی مساجد میں عورتیں ہی اعتکاف کر سکتی ہیں۔

''قہستانی'' میں ہے: شارع عام کی مساجد وہ ہیں جو صحرا میں بنائی گئی ہوں جن میں موذن اور امام نہیں ہوتا جن کو اس کام کے لئے معین کیا گیا۔ جس طرح ''جلابی'' میں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ بیت المقدس کی مسجد کے بعد وہ بڑی جامع مساجد ہیں جو کثیر جماعت کو جمع کرنے والی ہوں۔ لیکن ان میں سے جو قدیمی ہوگی وہ افضل ہے جیسے مسجد قبا پھر اعظم یعنی جس میں کثیر جماعت آسکتی ہو پھر اسی طرح جو اس سے کم بڑی ہو پھر سب سے قریبی پھر قریبی۔ ''شرح المنیہ'' کے آخر میں الأجناس سے جو قول نقل کیا ہے اس کے بعد کہا: پھر سب سے قدیمی افضل ہے کیونکہ اسے حکماً سبقت حاصل ہے مگر جونئی مسجد ہے وہ اس کے گھر کے زیادہ قریبی ہو کیونکہ اس وقت وہ افضل ہے کیونکہ اسے حقیقتاً اور حکماً سبقت حاصل ہے۔ ''الواقعات'' میں اسی طرح ہے۔ ''الخانیہ''، ''منیۃ المفتی'' وغیرہما میں ہے کہ سب سے قدیمی افضل ہے۔ اگر قدیمی ہونے میں دونوں برابر ہوں تو پھر زیادہ قریبی افضل ہے۔ اگر دونوں اس میں برابر ہوں اور دونوں میں سے ایک کی قوم زیادہ ہو اگر وہ خود فقیہ ہو جس کی اقتدا کی جاتی ہو تو وہ اس مسجد میں جائے جس میں افراد کی تعداد تھوڑی ہوتا کہ اس کی وجہ سے ان کی تعداد زیادہ ہو جائے ورنہ اسے اختیار ہوگا۔ افضل یہ ہے کہ اس مسجد کو اپنایا جائے جس کا امام زیادہ فقیہ اور زیادہ صالح ہو۔ اور محلے کی مسجد اگرچہ اس میں تعداد کم ہو یہ جامع مسجد سے افضل ہے اگرچہ اس کی جماعت کثیر ہو۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ زیادہ قدیمی کو زیادہ قریبی پر مقدم کرنے میں اختلاف ہے۔ لیکن ''الخانیہ'' کی عبارت اس طرح ہے: جب اس کی منزل میں دو مسجدیں ہوں تو وہ زیادہ قدیمی کی طرف جائے۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ یہ تفصیل محلے کی مسجد کے بارے میں ہے۔

5567۔(قولہ: أَفْضَلُ اتِّفَاقًا) زیادہ قدیمی اور جن مساجد کا ذکر بعد میں ہوا وہ بالاتفاق افضل ہیں کیونکہ وہ نماز اور سماع کی دو فضیلتوں کو جامع ہے۔ ''ط''۔

محلے کی مسجد جامع مسجد سے افضل ہے

5568۔(قولہ: وَمَسْجِدُ حَيِّهِ أَفْضَلُ مِنَ الْجَامِعِ) یعنی جامع سے مراد وہ مسجد ہے جس کی جماعت، محلہ کی مسجد

وَالصَّحِيحُ أَنَّ مَا أُلْحِقَ بِمَسْجِدِ الْمَدِينَةِ مُلْحَقٌ بِهِ فِي الْفَضِيلَةِ، نَعَمْ تَحَرِّي الْأَوَّلِ أَوْلَى، وَهُوَ مِائَةٌ فِي مِائَةِ ذِرَاعٍ، ذَكَرَهُ مُنْلَا عَلِيٌّ فِي شَرْحِ لُبَابِ الْمَنَاسِكِ وَيَحْرُمُ فِيهِ السُّؤَالُ، وَيُكْرَهُ فِيهِ الْإِعْطَاءُ، وَقِيلَ إنْ تَخَطَّى، وَإِنْشَادُ ضَالَّةٍ أَوْ شِعْرٍ إلَّا مَا فِيهِ ذِكْرٌ

اور صحیح یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کی مسجد کے ساتھ جو اضافہ کیا گیا ہے وہ فضیلت میں اس کے ساتھ لاحق ہوگا۔ ہاں ابتدائی حصہ کو تلاش کرنا اولیٰ ہے، وہ سو ہاتھ لمبی اور سو ہاتھ چوڑی ہے۔ اسے منلا علی نے ''شرح لباب المناسک'' میں ذکر کیا ہے اس میں سوال کرنا حرام ہے اور اس میں عطا کرنا مکروہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اگر وہ گردنیں پھلانگے اور گمشدہ چیز کا اعلان کرنا یا اس میں شعر پڑھنا مکروہ ہے مگر ایسا شعر جس میں نصیحت ہو۔

سے زیادہ ہو۔ یہ ان دو قولوں میں سے ایک ہے جن کو ''القنیہ'' میں بیان کیا ہے۔ اور دوسرا قول اس کے برعکس ہے۔ جو قول یہاں ہے ''شرح المنیہ'' میں اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ جس طرح پہلے (مقولہ 5566 میں) قول گزرا ہے۔ ''المصفی'' اور ''الخانیہ'' میں اسی طرح ہے۔ بلکہ ''الخانیہ'' میں ہے: اگر اس کی منزل کی مسجد کا موذن نہ ہو تو وہ اس مسجد کی طرف جائے اور اذان پڑھے اور نماز پڑھے اگرچہ وہ اکیلا ہی ہو کیونکہ اس آدمی پر اس مسجد کا حق ہے پس وہ اس کو ادا کرے۔

5569۔ (قولہ: وَالصَّحِيحُ الخ) ہم قبلہ کی بحث سے پہلے (مقولہ 3769 میں) شروط الصلاۃ میں اس مسئلہ کو مکمل بیان کر چکے ہیں۔ پس اس کی طرف رجوع کرو۔

مسجد میں بھیک مانگنے اور گم شدہ چیز کے بارے میں سوال کرنے کا حکم

5570۔ (قولہ: وَقِيلَ إنْ تَخَطَّى) یہی وہ بات ہے شارح نے باب الحظر میں جس پر اکتفا کیا ہے کیونکہ کہا: فرع: مسجد میں سوال کرنے والے کو عطا کرنا مکروہ ہے مگر مختار مذہب کے مطابق جب وہ لوگوں کی گردنوں کو نہ پھلانگے کیونکہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے نماز میں اپنی انگوٹھی صدقہ کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد: وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾ (المائدہ) میں مدح کی ہے۔ ''ط''

5571۔ (قولہ: وَإِنْشَادُ ضَالَّةٍ) ضالۃ سے مراد گم شدہ چیز ہے۔ اور انشاد سے مراد اس کے بارے میں سوال کرنا ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے اذا رأيتم من ينشد ضالة فی المسجد فقولوا: لا ردّها الله عليك(1) جب تم دیکھو کہ کوئی مسجد میں گم شدہ شے کا اعلان کر رہا ہے تو کہو اللہ تعالیٰ تجھ پر وہ چیز نہ لوٹائے۔

شعر کہنے کا حکم

5572۔ (قولہ: أَوْ شِعْرٍ الخ) ''الضياء المعنوی'' میں کہا: بیس یعنی لسانی آفات میں سے ایک شعر ہے۔ شعر کے

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب النهی عن نشد الضالة فی المسجد، جلد 1 صفحہ 580، حدیث نمبر 930

....

متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا۔ فرمایا: یہ کلام ہے اس میں سے اچھی، اچھی ہے اور اس میں سے قبیح، قبیح ہے (1)۔ اس کا معنی ہے کہ شعر نثر کی طرح ہے شعر کی مدح کی جائے گی جب نثر کی مدح کی جائے گی اور اس کی مذمت کی جائے گی جب شعر کی مذمت کی جائے گی۔ بدوؤں کے اشعار سننے میں کوئی حرج نہیں۔ اس سے مراد بغیر ترنم کے شعر پڑھنا ہے۔ اور مسلمان کی ہجو کرنا حرام ہے اگرچہ ایسے فعل کی وجہ سے ہو۔ جو اس میں موجود ہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے لان یمتلی جوف احد کم قیحا خیرله من ان یمتلی شعرا (2)، تم میں سے کسی کا پیٹ پیپ سے بھر جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ اس کا پیٹ شعر سے بھرے۔ اور انسان سے جو شعر وعظ، حکم، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور متقین کی صفت کے بارے میں ہو تو وہ اچھا ہے اور جو نیلوں، زمانوں اور قوموں کے بارے میں ہو وہ مباح ہے اور جو ہجو اور بے آبروئی کے بارے میں ہو وہ حرام ہے، جو رخسار، قد اور بالوں کے بارے میں ہو وہ مکروہ ہے۔ ابولیث سمرقندی نے یہ تفصیل بیان کی ہے۔ اور جس آدمی کی جانب سے اشعار بہت زیادہ پڑھے جاتے ہوں اور کہے جاتے ہوں جس پر اس کے مشکل امور واقع ہوتے ہوں اور ایک انسان اسے کمائی کا ذریعہ بناتا ہو تو اس کی مروت کم ہو جائے گی اور اس کی شہادت رد کر دی جائے گی۔ ہم نے باقی ماندہ کلام ''رسم المفتی'' سے پہلے کتاب کے شروع میں (مقولہ 310 میں) کی ہے۔

یہ امر ذہن نشین کر لو۔ جبکہ امام طحاوی نے ''شرح مجمع الآثار'' میں یہ روایت نقل کی ہے انه صلی الله علیه وسلم نهی ان تنشد الاشعار فی المسجد وان تباع فیه السلع وان یتحلق فیه قبل الصلاۃ (3)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے کہ مسجد میں اشعار پڑھے جائیں، اس میں سامان بیچا جائے اور نماز سے قبل اس میں حلقے بنائے جائیں۔ پھر اس حدیث اور اس حدیث میں تطبیق کی جو اس بارے میں وارد ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان کے لئے منبر بچھوایا کہ وہ اس منبر پر بیٹھ کر شعر پڑھیں (4) پہلی حدیث کو اس پر محمول کیا کہ اس سے مراد وہ اشعار ہیں جن کے ساتھ قریش آپ کی ہجو کیا کرتے تھے اور اسی جیسے اشعار جن میں ضرر ہو یا وہ اشعار جو مسجد پر غالب آجائیں یہاں تک کہ مسجد میں جو اکثر لوگ ہیں اس میں مشغول ہو جائیں۔ کہا: اسی طرح خرید و فروخت سے نہی ہے۔ یہاں وہ خرید و فروخت ہے جو مسجد پر غالب آجائے یہاں تک کہ وہ مسجد بازار کی طرح ہو جائے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں حضرت علی شیر خدا کو جوتے سینے سے منع نہیں کیا (5) ساتھ ہی یہ ہے کہ اگر تمام لوگ اس میں جوتے سینے کے لئے جمع ہو جائیں تو یہ مکروہ ہوگا۔ اسی طرح خرید و فروخت، شعر کہنے اور نماز سے قبل حلقہ بنانے کا تعلق ہے جو عمل مسجد پر غالب آجائے وہ مکروہ ہوگا اور جو غالب نہ آئے وہ مکروہ نہیں ہوگا۔

1۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، باب شهادۃ الشعراء، جلد 10، صفحہ 239 2۔ صحیح مسلم، کتاب الشعر، جلد 3، صفحہ 267، حدیث 4243

3۔ سنن نسائی، کتاب المساجد، باب النهی عن تناشد الاشعار، جلد 1، صفحہ 277، حدیث نمبر 708-707

4۔ سنن ترمذی، کتاب الادب، باب ماجاء فی انشاد الشعر، جلد 2، صفحہ 424، حدیث نمبر 2773

5۔ مجمع الزوائد، کتاب المناقب، باب مناقب علی رضی الله عنه، جلد 9، صفحہ 182

وَرَفْعُ صَوْتٍ بِذِکْرٍ إِلَّا لِلْمُتَفَقِّھَةِ، وَالْوُضُوْءُ إِلَّا فِیْمَا أُعِدَّ لِذٰلِكَ

اور ذکر کرتے ہوئے آواز کو بلند کرنا مکروہ ہے مگر جو سمجھنا سمجھانا چاہتا ہو اور مسجد میں وضو کرنا مگر اس جگہ میں جو وضو کے لئے تیار کی گئی ہو۔

بلند آواز سے ذکر کرنا

5573۔(قولہ: وَرَفْعُ صَوْتٍ بِذِکْرٍ الخ) میں کہتا ہوں: صاحب ''البزازیہ'' کا کلام اس بارے میں مضطرب ہے کبھی تو انہوں نے کہا: یہ حرام ہے اور کبھی کہا: یہ جائز ہے۔ ''الفتاوی الخیریہ'' میں ہے: یہ مکروہ ہے اور مستحسن ہے۔ حدیث طیبہ میں ایسا امر آیا ہے جو ذکر بالجہر کے مطالبہ کا تقاضا کرتا ہے وان ذکرنی فی ملاء ذکرتہ فی ملاء خیر منھم (1)۔ اگر بندے نے میرا ذکر جماعت میں کیا تو میں اس بندے کا ذکر اس سے بہتر جماعت میں کروں گا۔ وہاں کچھ احادیث ہیں جو سری ذکر کرنے کا تقاضا کرتی ہیں۔ دونوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ حکم اشخاص اور احوال کے اختلاف کے ساتھ مختلف ہو جاتا ہے۔ جس طرح ان احادیث میں تطبیق دی گئی جن میں بلند آواز اور آہستہ آواز سے قراءت کا ذکر تھا۔ اس کے معارض یہ حدیث خیر الذکر الخفی (2) نہیں۔ بہترین ذکر، ذکر خفی ہے۔ کیونکہ ذکر جہر کی صورت میں ریا، نمازیوں یا سونے والوں کی اذیت کا خوف ہوتا ہے۔ جن چیزوں کا ذکر کیا گیا اگر ذکر ان سے خالی ہو تو بعض اہل علم نے کہا: ذکر جہر افضل ہے کیونکہ اس میں عمل زیادہ ہوتا ہے اور اس کا فائدہ سامعین تک پہنچتا ہے اور ذکر کرنے والے کے دل کو بیدار کرتا ہے، اس کی توجہ کو فکر کے ساتھ جمع کر دیتا ہے، اس کی سمع کو فکر کی طرف پھیر دیتا ہے، اس کی نیند کو دور کرتا ہے اور نشاط میں زیادتی کرتا ہے۔ ملخص۔ تمام گفتگو وہاں موجود ہے اس کی طرف رجوع کیجئے۔

''حاشیہ الحموی'' میں امام ''شعرانی'' سے مروی ہے: سلف و خلف کے علما نے اس پر اجماع کیا ہے کہ مساجد وغیرھا میں جماعت کا ذکر کرنا مستحب ہے مگر یہ کہ ان کا ذکر جہر نمازی یا قاری کے لئے تشویش کا باعث ہو۔

5574۔(قولہ: وَالْوُضُوْءُ) کیونکہ وضو میں استعمال کیا گیا پانی طبعاً آلودہ ہوتا ہے۔ پس مسجد کو اس سے پاک کرنا واجب ہوتا ہے جس طرح رینٹھ اور بلغم سے اسے پاک کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ''بدائع''۔

5575۔(قولہ: إِلَّا فِیْمَا أُعِدَّ لِذٰلِكَ) اس میں غور کرو: کیا واقف کی طرف سے اسے تیار کرنا شرط ہے یا نہیں؟ ''حاشیۃ المدنی'' میں ''الفتاوی العفیفیہ'' سے مروی ہے: یہ گمان نہ کیا جائے کہ بئر زمزم کے اردگرد جگہ میں وضو یا غسل جنابت جائز ہے۔ کیونکہ بئر زمزم کے حریم پر مساجد کا حکم جاری ہوتا ہے پس اس حریم کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا جو مساجد کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ اس میں تھوک کا پھینکنا حرام ہوتا ہے اور اس میں حالت جنابت میں ٹھہرنا حرام ہوتا ہے اور اس میں اعتکاف

1۔ صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب الحث علی ذکر اللہ، جلد 3 صفحہ 556، حدیث نمبر 4842

2۔ مسند ابویعلی، مسند سعد بن ابی وقاص، جلد 1 صفحہ 311، حدیث نمبر 727

وَغَرْسُ الْأَشْجَارِ إِلَّا لِنَفْعٍ كَتَقْلِيلِ نَزٍّ، وَتَكُونُ لِلْمَسْجِدِ وَأَكْلٌ، وَنَوْمٌ إِلَّا لِمُعْتَكِفٍ وَغَرِيبٍ،

اور مسجد میں درختوں کا لگانا مکروہ ہے مگر جب نفع کے لئے ہوں جیسے نمی کو کم کرنے کے لئے۔ اور وہ درخت مسجد کے ہوں گے۔ اور مسجد میں کھانا اور سونا مکروہ ہے مگر معتکف اور مسافر کے لئے جائز ہے

ہو جاتا ہے اور دائیں قدم کو پہلے رکھنا مستحب ہے۔ یہ اس پر مبنی ہے کہ ایک مسجد سے دوسری مسجد میں داخل ہونے والے کے لئے سنت ہے۔

5576۔ (قولہ: كَتَقْلِيلِ النَّزِّ) النز نون کے فتحہ اور کسرہ اور زا معجمہ کے ساتھ ہے۔ زمین سے جو پانی نکل آتا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے نزّت الارض یعنی زمین نمی والی ہوگئی۔ ''الصحاح'' میں اسی طرح ہے۔

مسجد میں درخت لگانے کا حکم

''الخلاصہ'' میں کہا: مسجد میں درخت لگانے میں کوئی حرج نہیں جب اس میں مسجد کا نفع ہو اس طرح کہ مسجد نمی والی ہو اور ستون درختوں کے بغیر مضبوط نہ ہوتے ہوں اس کے علاوہ درخت لگانا جائز نہیں۔

''ہندیہ'' میں ''الغرائب'' سے مروی ہے کہ اگر درخت کے سایہ سے لوگوں کو نفع ہو اور درخت لوگوں کے لئے تنگی کا باعث نہ ہو اور وہ صفوں میں جدائی پیدا نہ کرتا ہو تو درخت لگانے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر اس کے پتوں اور اس کے پھل سے اس کی ذات کو نفع ہو یا وہ صفوں میں جدائی پیدا کرے یا وہ درخت ایسی جگہ ہو کہ اس کے ساتھ گرجا اور مسجد میں مشابہت واقع ہو تو درخت لگانا مکروہ ہوگا۔

اسے محفوظ کرلو۔ میں نے علامہ ''ابن امیر الحاج'' کا مخطوط رسالہ دیکھا جو مسجد اقصیٰ میں درخت لگانے کے متعلق ہے جس نے مسجد اقصیٰ میں درخت لگانے کے جواز کا قول کیا اس کا رد کیا۔ یہ علما کے اس قول سے ماخوذ ہے کہ اگر اس نے مسجد کے لئے درخت لگایا تو اس کا پھل مسجد کا ہوگا۔ تو اس کا رد کیا: اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ درخت لگانا حلال ہے۔ مگر مذکورہ عذر کی بنا پر ایسا کرسکتا ہے۔ کیونکہ جو مسجد نماز وغیرہ کے لئے بنائی گئی اس کو کسی اور امر میں مشغول کرنا ہے اگرچہ مسجد وسیع ہو یا درخت لگانے میں اس کے پھل سے نفع ہو۔ ورنہ مسجد کے قطعہ کو اجارہ پر دینا لازم آتا ہے۔ اس کو باقی رکھنا بھی جائز نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لیس لعرق ظالم حق (1)۔ ظالم کی رگ کا کوئی حق نہیں۔

کیونکہ ظلم سے مراد کسی شے کو اس کے غیر محل میں رکھنا ہے اور یہ اسی طرح ہے اس کے متعلق طویل گفتگو کی ہے۔ میں نے رسالہ کے آخر میں بعض علما کی تحریر دیکھی۔ کہ محقق ابن ابی الشریف شافعی نے ان کی اس مسئلہ میں موافقت کی ہے۔

مسجد میں کھانے، سونے اور ناپسندیدہ بو والی چیز کھا کر آنے کا حکم

5577۔ (قولہ: وَأَكْلٌ، وَنَوْمٌ الخ) جب وہ اس کا ارادہ کرے تو چاہئے کہ وہ اعتکاف کی نیت کرلے اور وہ مسجد میں

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الخراج، باب فی احیاء الموات، جلد 2، صفحہ 447، حدیث نمبر 2671

وَأَكْلُ نَحْوِ ثُومٍ، وَيُمْنَعُ مِنْهُ: وَكَذَا كُلُّ مُؤْذٍ وَلَوْ بِلِسَانِهِ
اور تھوم وغیرہ مسجد میں کھانا مکروہ ہے اور اسے مسجد سے منع کیا جائے گا۔اسی طرح ہر اذیت دینے والے کو اگرچہ زبان سے ہی ہو۔

داخل ہو اور اپنی نیت کے مطابق اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے یا نماز پڑھے پھر جو چاہے کرے۔''فتاوی ہندیہ''(1)۔

5578۔(قولہ: وَأَكْلُ نَحْوِ ثُومٍ، جس طرح پیاز وغیرہ۔جن کی ناپسندیدہ بو ہو۔یہ اس صحیح حدیث کی وجہ سے ہے جو تھوم اور پیاز کھانے والے کے مسجد کے قریب آنے سے نہی کے بارے میں ہے۔

امام عینی نے بخاری کی اپنی شرح میں کہا: میں کہتا ہوں: اس نہی کی علت فرشتوں اور مسلمانوں کو اذیت دینا ہے۔یہ نہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے ساتھ خاص نہیں بلکہ تمام مساجد برابر ہیں۔کیونکہ مساجدنا کے الفاظ مروی ہیں۔اس آدمی نے اختلاف کیا جس نے شذوذ کو اپنایا۔حدیث میں جس پر نص ذکر کی گئی اس کے ساتھ ہر اس چیز کو لاحق کیا جائے گا جس کی بدبو ہو خواہ وہ چیز ماکول ہو یا غیر ماکول ہو۔یہاں تھوم کا خصوصاً ذکر کیا جبکہ دوسری جگہ پیاز اور گیندنا کا بھی ذکر کیا کیونکہ وہ لوگ انہیں کثرت سے کھاتے تھے۔بعض علما نے اس کے ساتھ اس آدمی کو بھی لاحق کیا ہے جس کے منہ سے بدبو آتی ہو یا جسے کوئی ایسا زخم لگا ہو جس کی بو ہو اسی طرح قصاب، مچھلی بیچنے والا، جزام کا مریض اور برص کا مریض بدرجہ اولیٰ اس کے ساتھ لاحق ہوگا۔ ''سحنون'' نے کہا: میں ان دونوں پر جمعہ کے فرض ہونے کا قول نہیں کرتا اور حدیث سے استدلال کیا۔اور حدیث کے ساتھ ہر اس فرد کو لاحق کر دیا جائے گا جو لوگوں کو اپنی زبان سے اذیت دے۔حضرت ابن عمر نے اس کا فتویٰ دیا۔یہ ہر اس فرد کو جلاوطن کر دینے میں اصل ہے جس سے اذیت حاصل ہوتی ہو۔یہ کوئی بعید نہیں کہ اس آدمی کو معذور سمجھا جائے جو اس چیز کھانے میں معذور ہو جس کی بدبو ہو۔کیونکہ ''صحیح ابن حبان'' میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھ سے تھوم کی بو محسوس کی۔فرمایا: تھوم کس نے کھایا ہے؟ میں نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور (گریبان میں) اسے داخل کیا تو آپ نے میرے سینے پر پٹی کو باندھا ہوا پایا۔فرمایا تو معذور ہے(2)''طبرانی'' کی ''الاوسط'' میں روایت ہے میرے سینے میں تکلیف تھی تو میں نے اس کو کھالیا۔اس میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سختی نہیں کی(3) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان و لیقعد فی بیتہ(4) اس میں صریح ہے کہ ان اشیاء کا کھانا جماعت سے پیچھے رہنے میں عذر ہے۔یہاں بھی دو علتیں ہیں۔مسلمانوں کو اذیت اور فرشتوں کو اذیت۔پہلی علت کو دیکھا جائے تو جماعت چھوڑنے اور مسجد میں حاضر ہونے میں وہ معذور ہوگا اور دوسری علت کو دیکھا جائے تو مسجد میں حاضری کے ترک میں معذور ہوگا اگرچہ وہ تنہا ہو۔ملخص۔

میں کہتا ہوں: اس کی وجہ سے معذور ہوتا تو چاہئے کہ یہ قید ذکر کی جاتی جب وہ عذر کی وجہ سے کھائے، یا نماز کے وقت کے

1۔صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب من اکل ثوما، جلد 1، صفحہ 577، حدیث نمبر 926

2۔سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمة، باب فی اکل الثوم، جلد 3، صفحہ 102، حدیث نمبر 3330

3۔سنن ابی داؤد، کتاب الآذان، باب فی اکل الثوم، جلد 3، صفحہ 100، حدیث نمبر 3326

4۔سنن ابی داؤد، کتاب الآذان، باب فی اکل الثوم، جلد 3، صفحہ 100، حدیث نمبر 3326

وَكُلُّ عَقْدٍ إلَّا لِمُعْتَكِفٍ بِشَرْطِهِ، وَالْكَلَامُ الْمُبَاحُ، وَقَيَّدَهُ فِي الظَّهِيرِيَّةِ بِأَنْ يَجْلِسَ لِأَجْلِهِ لَكِنْ فِي النَّهْرِ الْإِطْلَاقُ أَوْجُهُ، وَتَخْصِيصُ مَكَانٍ لِنَفْسِهِ،

اور مسجد میں ہر قسم کی خرید وفروخت مکروہ ہے مگر معتکف کے لئے جائز ہے جبکہ اس کی شرط پائی جاتی ہو اور مباح کلام مکروہ ہے اور ''ظہیریہ'' میں قید لگائی ہے کہ وہ کلام کے لئے ہی مسجد میں بیٹھے تو یہ مکروہ ہے۔ اسے مطلق رکھنا زیادہ مناسب ہے اور مسجد میں کسی جگہ کو اپنے لئے مخصوص کرنا مکروہ ہے

داخل ہونے کے قریب وہ بھول کر کھالے، تاکہ وہ اس عمل کو کرنے والا نہ ہو جو اس کے عمل کی وجہ سے اسے جماعت سے روک دے۔

5579۔ (قولہ: وَكُلُّ عَقْدٍ) ظاہر یہ ہے کہ اس عقد سے مراد عقد مبادلہ ہے تاکہ ہبہ وغیرہ اس سے خارج ہو جائے۔ تامل۔ ''الاشباہ'' وغیرہا میں تصریح کی ہے کہ مسجد میں عقد نکاح مستحب ہے۔ اس کا ذکر کتاب النکاح میں (مقولہ 11124 میں) آئے گا۔

5580۔ (قولہ: بِشَرْطِهِ) یعنی وہ خرید وفروخت تجارت کے لئے نہ ہو بلکہ اس کے لئے ہو جس کی اسے یا اس کے عیال کو ضرورت ہے جبکہ سامان حاضر نہ کیا گیا ہو۔

5581۔ (قولہ: بِأَنْ يَجْلِسَ لِأَجْلِهِ) کیونکہ اس وقت بالاتفاق وہ مباح نہیں ہوگا۔ کیونکہ مسجد امور دنیا کے لئے نہیں بنائی جاتی۔ ''الحلبی'' کی کتاب الصلاۃ میں ہے۔ دنیاوی امور کے بارے میں مباح کلام مساجد میں جائز ہے۔ اگرچہ اولیٰ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو۔ ''تمرتاشی'' میں اسی طرح ہے۔ ''ہندیہ''۔ ''بیری'' نے کہا: جس کی نص یہ ہے: ''المدارک'' میں وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ (لقمان:6) کی تفسیر میں ہے۔ یہاں بات چیت سے مراد ناپسندیدہ بات چیت ہے جس طرح یہ مروی ہے مسجد میں گفتگو نیکیوں کو یوں کھا جاتی ہے جس طرح جانور گھاس کو کھا جاتا ہے(1) (شوکانی نے ''الفوائد المجموع'' میں اسے نقل کیا ہے)۔ پس اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ منع، منکر قول کے ساتھ خاص ہے۔ جہاں تک مباح کلام کا تعلق ہے تو یہ مکروہ نہیں۔ ''المصفی'' میں کہا: گفتگو کے لئے مسجد میں بیٹھنے کی شرعاً اجازت ہے کیونکہ اہل صفہ مسجد میں بیٹھے رہتے تھے وہ وہاں ہی سوتے اور وہاں ہی گفتگو کیا کرتے تھے اسی وجہ سے کسی کو اس سے منع کرنے کا حق نہیں۔ ''الجامع البرہانی'' میں اسی طرح ہے۔ میں کہتا ہوں: اس سے یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ جس امر سے منع کیا گیا تھا جب عبادت کے ارادہ سے مسجد میں داخل ہونے کے بعد پایا جائے تو یہ نہی اسے شامل نہ ہوگی۔

5582۔ (قولہ: الْإِطْلَاقُ أَوْجُهُ) یہ ایسی بحث ہے جو منقول کے مخالف ہے جبکہ اس میں شدت حرج پائی جاتی ہے،'' ط''۔

5583۔ (قولہ: وَتَخْصِيصُ مَكَانٍ لِنَفْسِهِ) کیونکہ یہ خشوع میں مخل ہوتا ہے۔ ''القنیہ'' میں اسی طرح ہے۔ کیونکہ جب وہ اس کا عادی ہو جائے گا پھر اس نے کسی اور جگہ نماز پڑھی تو اس کا دل پہلی جگہ کے ساتھ مشغول رہے گا جب وہ کسی معین جگہ کے ساتھ مالوف نہ ہو تو معاملہ مختلف ہوگا۔

1۔ کشف الخفاء شیخ اسماعیل بن محمد عجلونی حرف الحاء، جلد 1 صفحہ 407، حدیث نمبر 1121

وَلَيْسَ لَهُ إِزْعَاجُ غَيْرِهِ مِنْهُ وَلَوْ مُدَرِّسًا وَإِذَا ضَاقَ
اور اسے حق حاصل نہیں کہ دوسرے کو اس جگہ سے ہٹائے اگر چہ وہ مدرس ہی ہو۔ اور جب جگہ تنگ ہو جائے

5584۔ (قولہ: وَلَيْسَ لَهُ الخ) ''القنیہ'' میں کہا: اس کی مسجد میں ایک معین جگہ ہے جس پر وہ مواظبت اختیار کرتا ہے جبکہ اس جگہ کوئی اور آدمی آ گیا ہے۔ ''اوزاعی'' نے کہا: اسے حق حاصل ہے کہ اس جگہ سے دوسرے کو ہٹا دے۔ جبکہ ہمارے نزدیک اسے اس طرح کرنے کا حق نہیں کیونکہ مسجد کسی کی ملکیت نہیں۔ ''بحر'' میں ''النہایہ'' سے منقول ہے۔

میں کہتا ہوں: چاہئے کہ یہ قید ذکر کی جاتی جب مہلت کے بغیر دوبارہ لوٹ آنے کی نیت سے نہ اٹھا ہو۔ جس طرح اگر وہ وضو کے لئے کھڑا ہوا ہو خصوصاً جب وہ اس میں اپنا کپڑا رکھ گیا ہو کیونکہ اس کا حق پہلے متحقق ہو چکا ہے۔ ''تامل''۔

مباح چیزوں کا بیان

''سرخسی'' کی ''شرح السیر الکبیر'' میں ہے: یہی حکم ہے ہر اس چیز کا جس میں مسلمان برابر کا حق رکھتے ہیں۔ جس طرح سرائے میں پڑاؤ ڈالنا، نماز کے لئے مساجد میں بیٹھنا، حج کے لئے منیٰ میں پڑاؤ ڈالنا یا عرفات میں پڑاؤ ڈالنا۔ یہاں تک کہ اگر ایک آدمی نے کسی ایسی جگہ خیمہ لگایا جس جگہ کوئی اور فروکش ہوتا تھا تو خیمہ لگانے والا اس جگہ کا زیادہ حقدار ہوگا اور دوسرے کو حق حاصل نہیں کہ وہ اس جگہ سے اس کو ہٹائے۔ اگر اس نے ضرورت سے زیادہ جگہ لی تو دوسرے کو زائد جگہ لینے کا حق ہوگا۔ اگر دو آدمیوں نے اس سے مطالبہ کیا تو اس نے ان میں سے ایک کو دینے کا ارادہ کیا، دوسرے کو دینے کا ارادہ نہیں کیا تو اسے حق حاصل ہوگا، اگر ان دونوں میں سے ایک اس میں فروکش ہو گیا تو جس نے پہلے اس جگہ پڑاؤ ڈالا تھا جبکہ اب وہ اس جگہ سے غنی ہے تو اس نے کسی اور کو اس جگہ ٹھہرانے کا ارادہ کیا تو اسے یہ حق نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کے قبضہ پر ایک دوسرا قبضہ واقع ہو چکا ہے جو اس جگہ کی احتیاج کا زیادہ حقدار ہے۔ مگر جب اس نے کہا: میں نے اس کے کہنے پر یہ جگہ قبضہ میں لی تھی۔ اپنے لئے نہیں لی تھی جب اس نے اس کے بارے میں قسم اٹھا دی تو اسے اس جگہ سے نکالنے کا حق ہوگا۔ کیونکہ یہ امر واضح ہو گیا کہ اس کا اس جگہ میں قبضہ اس کے آمر کا قبضہ ہے۔ اور آمر کی حاجت غیر کو اس سے روکتی ہے کہ اس میں اپنا قبضہ ثابت کرے۔ ملخص۔

''خیر رملی'' نے کہا: مسجد کی مثل بازاروں میں بیٹھنے کی جگہیں ہیں جنہیں اہل حرفہ بناتے ہیں۔ جو اس کی طرف سبقت لے گیا وہ اس کا زیادہ حقدار ہے اور اس کے بنانے والے کو کوئی حق نہیں کہ اسے ہٹا دے۔ کیونکہ جب تک وہ اس میں ہے اس کا کوئی حق نہیں، جب وہ اڈا اسے اٹھ گیا تو وہ اس کا غیر اس میں برابر ہیں۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اس کے خلاف ہے جس طرح انہوں نے اپنی کتب میں اسے بیان کیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جو عام لوگوں کو نقصان نہ پہنچائے۔ اگر وہ نقصان دے تو اس میں جو بیٹھنے والا ہے اس کو مطلقاً وہاں سے اٹھا دے۔

5585۔ (قولہ: وَإِذَا ضَاقَ الخ) میں کہتا ہوں: اسی طرح جب وہ تنگ نہ ہو لیکن اس کے بیٹھنے میں صف کو توڑنا لازم آتا ہو۔

فَلِلْمُصَلِّي إِزْعَاجُ الْقَاعِدِ وَلَوْ مُشْتَغِلًا بِقِرَاءَةٍ أَوْ دَرْسٍ، بَلْ وَلِأَهْلِ الْمَحَلَّةِ مَنْعُ مَنْ لَيْسَ مِنْهُمْ عَنِ الصَّلَاةِ فِيهِ، وَلَهُمْ نَصْبُ مُتَوَلٍّ، وَجَعْلُ الْمَسْجِدَيْنِ وَاحِدًا، وَعَكْسُهُ لِصَلَاةٍ لَا لِدَرْسٍ، أَوْ ذِكْرٍ فِي الْمَسْجِدِ عِظَةٌ وَقُرْآنٌ، فَاسْتِمَاعُ الْعِظَةِ أَوْلَى، وَلَا يَنْبَغِي الْكِتَابَةُ عَلَى جُدْرَانِهِ وَلَا بَأْسَ بِرَمْيِ عُشِّ خُفَّاشٍ وَحَمَامٍ لِتَنْقِيَتِهِ

تو نمازی کو حق حاصل ہے کہ بیٹھے ہوئے آدمی کو ہٹا دے اگرچہ وہ تلاوت قرآن یا درس میں مشغول ہو۔ بلکہ اہل محلہ کو یہ حق حاصل ہے کہ جو لوگ اس محلہ کے نہیں، انہیں اس مسجد میں نماز پڑھنے سے روک دیں۔ اور اہل محلہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ متولی کو معین کریں اور دو مسجدوں کو ایک بنا دیں اور اس کے برعکس کر دیں۔ یہ نماز کے لئے کر سکتے ہیں درس یا ذکر کے لئے نہیں کر سکتے۔ مسجد میں وعظ ونصیحت اور تلاوت قرآن ہو رہی ہے تو نصیحت کا سننا زیادہ بہتر ہے۔ مسجد کی دیواروں پر نہیں لکھنا چاہئے۔ مسجد کی صفائی کے لئے چمگادڑ اور کبوتر کے گھونسلے کو باہر پھینکنے میں کوئی حرج نہیں۔

5586۔ (قوله: بَلْ وَلِأَهْلِ الْمَحَلَّةِ الخ) ''القنیہ'' میں کہا: اسی طرح اہل محلہ کو یہ حق حاصل ہے کہ جو لوگ اس محلہ کے نہیں وہ انہیں نماز پڑھنے سے منع کر دیں جب مسجد ان پر تنگ ہو۔

5587۔ (قوله: وَلَهُمْ نَصْبُ مُتَوَلٍّ) اگرچہ متولی، قاضی کے متعین کرنے کے بغیر ہو۔ جس طرح ہم پہلے (مقولہ 5533 میں) ''العنایہ'' سے بیان کر آئے ہیں۔

5588۔ (قوله: لَا لِدَرْسٍ، أَوْ ذِكْرٍ) کیونکہ مسجد اس لئے نہیں بنائی گئی اگرچہ اس میں یہ کام کرنا جائز ہے۔ ''القنیہ'' میں اسی طرح ہے۔

5589۔ (قوله: فَاسْتِمَاعُ الْعِظَةِ أَوْلَى) ظاہر یہ ہے کہ یہ اس کے ساتھ خاص ہے جسے آیات قرآنیہ کے فہم اور اس کے شرعی معانی میں تدبر اور اس کے مواعظ حکمیہ سے نصیحت حاصل کرنے کی قدرت نہ ہو۔ کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ جسے اس پر قدرت حاصل ہو تو اس کا سماع اولیٰ ہوگا بلکہ زیادہ ضروری ہوگا۔ جاہل کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ معلم اور واعظ سے وہ چیز سمجھتا ہے جو قاری سے نہیں سمجھتا تو یہ زیادہ نفع کا باعث ہے۔

5590۔ (قوله: وَلَا يَنْبَغِي الْكِتَابَةُ عَلَى جُدْرَانِهِ) یعنی اس خوف کی وجہ سے وہ نہ لکھے کہ کہیں وہ دیواریں گر جائیں اور وہ تحریر پاؤں سے پامال ہو۔ ''بحر'' میں ''النہایہ'' سے مروی ہے۔

5591۔ (قوله: خُفَّاشٍ) یہ رمان کا وزن ہے۔ اس سے مراد چمگادڑ ہے۔ ''قاموس''۔

5592۔ (قوله: لِتَنْقِيَتِهِ) یہ ایک سوال کا جواب ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اقروا الطیر علی مکناتھا (1)۔ پرندوں کو ان کے انڈوں پر رہنے دو۔ گھونسلے کو اکھیڑنا یہ امر کے خلاف ہے تو اس کا جواب ''اس کی صفائی کے لئے'' سے دیا ہے جبکہ مسجد کی صفائی مطلوب ہے۔ حدیث مساجد کے علاوہ کے ساتھ خاص ہوگی۔ ''ط''۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، باب فی العقیقة، جلد 2، صفحہ 338، حدیث نمبر 2452

بَابُ الْوِتْرِ وَالنَّوَافِلِ

كُلُّ سُنَّةٍ نَافِلَةٌ وَلَا عَكْسَ (هُوَ فَرْضٌ عَمَلًا

وتر اور نوافل کے احکام

ہر سنت نفل ہے اور اس کے برعکس نہیں یہ (وتر) عملاً فرض،

وتر واؤ کے فتحہ اور اس کے کسرہ کے ساتھ ہے، یہ شفع کی ضد ہے۔ نوافل یہ نافلہ کی جمع ہے۔ لغت میں نفل سے مراد زیادتی ہے اور شریعت میں ایسی عبادت کی زیادتی ہے جو ہمارے لئے مشروع کی گئی ہے ہم پر لازم نہیں کی گئی۔ ''ط''۔

5593۔ (قولہ: كُلُّ سُنَّةٍ نَافِلَةٌ) اس باب سے پہلے مکروہات کے آخر میں ہم سنت کی تقسیم (مقولہ 5507 میں) ذکر کر چکے ہیں یعنی مؤکدہ، غیر مؤکدہ۔ ہم نے اسے سنن الوضوء میں بھی تفصیلی بیان کر دیا ہے۔ سب کو نفل کہتے ہیں کیونکہ یہ فرض پر زائد ہے تا کہ اسے مکمل کیا جائے۔ اس کی مراد یہ ہے کہ عنوان میں سنت کی جو تصریح کی گئی اس پر معذرت کی جائے جبکہ یہ باب سنن کے بیان کے لئے باندھا گیا ہے۔

5594۔ (قولہ: وَلَا عَكْسَ) یعنی اس کے برعکس ایسا نہیں۔ یہاں عکس کا لغوی معنی مراد ہے کیونکہ فقیہ کو قواعد منطقیہ میں نظر کرنے کی کوئی غرض نہیں ہوتی۔ پس مراد یہ ہے: ہر نفل سنت نہیں ہوتا کیونکہ ہر وہ نماز جس کو بعینہ طلب نہ کیا جائے وہ نماز نفل ہوتی ہے سنت نہیں ہوتی۔ جس کے عین کو طلب کیا جائے اس کا معاملہ مختلف ہوتا ہے۔ جس طرح رات کی نماز اور چاشت کی نماز مثلاً فافہم۔

فرض علمی، فرض عملی اور واجب

5595۔ (قولہ: هُوَ فَرْضٌ عَمَلًا) یعنی وتر پر عمل کرنا فرض ہوتا ہے۔ عمل، فعل کے معنی میں ہے۔ اس سے مراد ہے کہ عمل میں وتر کے ساتھ وہی معاملہ کیا جاتا ہے جو فرائض کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ پس اس کے ترک کرنے سے گناہگار ہوگا اور اس کے فوت ہونے سے جواز فوت ہو جائے گا (وضاحت بعد میں موجود ہے) اس کی ترتیب، اس کی قضا وغیرہ واجب ہے۔ اور مصنف کا قول عملاً یہ فاعل سے تمیز ہے۔

یہ جان لو کہ فرض کی دو قسمیں ہیں (1) فرض عملی اور فرض علمی (2) صرف فرض عملی۔ پہلی قسم جیسے پانچ نمازیں کیونکہ جہت عمل کے اعتبار سے یہ فرض ہیں۔ ان کا ترک کرنا حلال نہیں اور اس کے فوت ہو جانے سے اس کا جواز فوت ہو جاتا ہے۔ اس قول کا معنی یہ ہے کہ ان پانچ نمازوں میں سے کسی نماز کو ترک کر دیا جائے تو متروکہ نماز کی قضا سے پہلے مابعد نماز کو بجالانا صحیح نہیں۔ اور علم و اعتقاد کے اعتبار سے فرض ہے، اس قول کا معنی یہ ہے کہ نماز کے فرض ہونے کا اعتقاد مومن پر فرض ہے

وَوَاجِبٌ اعْتِقَادًا وَسُنَّةٌ ثُبُوتًا)
اعتقاد کے اعتبار سے واجب اور ثبوت کے اعتبار سے سنت ہے۔

یہاں تک کہ کوئی مسلمان نماز کا انکار کردے تو اسے کافر قرار دے دیا جائے گا۔

دوسری قسم وتر ہے۔ کیونکہ یہ عملاً فرض ہے جس طرح ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ یہ از روئے علم کے فرض نہیں یعنی اس کا اعتقاد فرض نہیں یہاں تک کہ اس کے منکر کو کافر قرار نہیں دیتے۔ کیونکہ اس کی دلیل ظنی اور اس میں اختلاف کا شبہ ہے اسی وجہ سے اسے واجب کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کی مثل چوتھائی سر کا مسح ہے کیونکہ دلیل قطعی نے اصل مسح کا فائدہ دیا۔ جہاں تک اس کے چوتھائی سر کی مقدار کا تعلق ہے تو یہ ظنی ہے، لیکن مجتہد کے ہاں ایسی چیز قائم ہوئی جس نے اس کی دلیل ظنی کو راجع کر دیا یہاں تک کہ وہ قطعی کے قریب ہوگئی۔ پس اس نے اسے فرض کا نام دیا یعنی فرض عملی کا نام دیا اس معنی میں کہ اس کا عمل لازم ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر اس نے اسے ترک کیا اور مثلاً ایک بال پر مسح کیا تو اس کا جواز فوت ہو جائے گا۔ اور یہ فرض عملی نہیں یہاں تک کہ اگر اس نے اس کا انکار کیا تو اس کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ اگر اس نے اصل مسح کا انکار کیا تو معاملہ مختلف ہوگا۔ اس سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ واجب کی بھی دو قسمیں ہیں، کیونکہ جس طرح اس کا اطلاق فرض غیر قطعی پر کیا جاتا ہے، اسی طرح اس کا اطلاق اس پر بھی کیا جاتا ہے جو عمل میں اس سے درجہ سے کم ہو اور سنت سے درجہ میں بلند ہو۔ وہ وہ ہوتا ہے کہ جس کے فوت ہونے سے جواز فوت نہیں ہوتا جس طرح فاتحہ کی قراءت، وتر کا قنوت، عیدین کی تکبیرات اور اکثر واجبات جن کی کمی سجدہ سہو سے پوری ہوجاتی ہے۔ بعض اوقات واجب کا اطلاق بھی فرض قطعی پر کیا جاتا ہے جس طرح ہم نے ''التلویح'' میں فرائض الوضوء کی بحث میں پہلے (مقولہ 735 میں) ذکر کر دیا ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

5596۔ (قولہ: وَوَاجِبٌ اعْتِقَادًا) یعنی اس کا اعتقاد واجب ہے۔ علما کی کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اس کے وجوب کا اعتقاد واجب ہے۔ کیونکہ اگر اس کے وجوب کا اعتقاد واجب نہ ہو تو اس کے فعل کا ایجاب ممکن نہ ہوگا۔ کیونکہ جس کے واجب ہونے کا اعتقاد نہ رکھتا ہو اس کا کرنا واجب نہ ہوگا۔ اسی وجہ سے ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کہ وتر سنت ہے اور اس کی قضا واجب ہے اشکال پیدا کرتا ہے۔ جس طرح آگے (مقولہ 5605 میں) آئے گا۔ اور واجب کے بارے میں جو اصولیوں کا قول ہے وہ بھی اس پر دلالت کرتا ہے: اس کا حکم یہ ہے، عملاً لازم ہے اس علم کی بنا پر لازم نہیں جو یقین پر صادق آتا ہے۔ ان کا قول علی الیقین یہ فائدہ دیتا ہے کہ اس کا حکم یہ ہے کہ یہ عملاً لازم ہے اس بنا پر جو ظن پر صادق آتا ہے۔ پس اس پر لازم آتا ہے کہ وہ اس کی ظنیت کو جانے یعنی یہ واجب ہے۔ ورنہ ان کا قول علی الیقین لغو ہوگا۔ اس وقت ''زیلعی'' کا قول اشکال پیدا کرتا ہے: وجوب کا اعتقاد حنفی پر واجب نہیں۔ مگر اس کا یہ جواب دیا جائے کہ مراد ہے یہ فرض نہیں یہاں تک کہ اگر وہ اس کے وجوب کا اعتقاد نہ رکھے تو اس کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ وجوب کا لفظ فرض کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ فلیتامل۔

5597۔ (قولہ: وَسُنَّةٌ ثُبُوتًا) یعنی اس کا ثبوت سنت سے جانا گیا ہے قرآن سے نہیں جانا گیا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ

بِهَذَا وَفَّقُوا بَيْنَ الرِّوَايَاتِ، وَعَلَيْهِ (فَلَا يُكَفَّرُ) بِضَمٍّ فَسُكُونٍ أَيْ، لَا يُنْسَبُ إِلَى الْكُفْرِ (جَاحِدُهُ)

اس طریقہ پر علماء نے روایات میں تطبیق دی ہے اور اس تطبیق کی بنا پر وتر کے انکار کرنے والے کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا ''یکفر'' یہ یاء کے ضمہ اور مابعد کے سکون کے ساتھ ہے۔یعنی انکار کرنے والے کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔

ارشاد ہے الوتر حق، فمن لم یوتر فلیس منی (1) وتر حق ہے جس نے وتر ادا نہ کئے وہ مجھ سے نہیں۔ یہ ارشاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دفعہ دہرایا۔ اسے ابو داؤد اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اوتروا قبل ان تصبحوا (2)۔ صبح کرنے سے پہلے وتر پڑھو۔ امر وجوب کے لئے ہے۔اس کی مکمل بحث ''شرح المنیہ'' میں ہے۔

5598۔ (قولہ: بَيْنَ الرِّوَايَاتِ) یعنی امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے جو تینوں قول مروی ہیں۔ کیونکہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے: وتر فرض ہے، (2) وتر واجب ہے، (3) وتر سنت ہے۔ تطبیق، تفریق سے اولیٰ ہے تو سب اس وجوب کی طرف راجع ہو گئیں جس کو ''کنز'' وغیرہ میں اپنایا ہے۔ ''البحر'' میں کہا: یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال میں سے آخری قول ہے۔ یہی صحیح ہے۔ ''محیط''۔ یہ اصح ہے۔ ''خانیہ''۔ یہی ان کے مذہب کا ظاہر ہے۔ ''مبسوط''۔

5599۔ (قولہ: وَعَلَيْهِ الخ) یعنی جو تطبیق ذکر کی گئی ہے اس کی بنا پر۔ کیونکہ اگر فرض والی روایت کو اس کے ظاہر پر محمول کیا جائے تو اس کے انکار کرنے والے کو کافر قرار دینا لازم ہے۔ اگر واجب والی روایت کو اس کے ظاہر پر محمول کیا جائے، وہ یہ ہے کہ واجب سے مراد وہ ہے جس کی طرف ذہن جلدی جاتا ہے، وہ وہ ہوتا ہے جس کے فوت ہونے سے جواز فوت نہیں ہوتا اور اس کے ساتھ فرض کا سا معاملہ نہیں کیا جاتا تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ فجر کی نماز اس وتر کے یاد آنے سے فاسد نہ ہو اور نہ ہی اس کے برعکس ہو۔ اگر سنت کی روایت کو اس کے ظاہر معنی پر محمول کیا جائے تو لازم آتا ہے کہ وتر کی قضا نہ کی جائے اور وتر بیٹھ کر اور سوار ہو کر پڑھنا صحیح ہوں۔ مصنف کی تفریع میں لف نشر مرتب ہے۔ فافہم۔

وتر، سنتوں یا اجماع کا منکر

5600۔ (قولہ: إِلَى الْكُفْرِ جَاحِدُهُ) یعنی جو اصل وتر کا انکار کرتا ہے اسے بالاتفاق کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ کافر قرار نہ دینا یہ اس کے سنت ہونے اور اس کے واجب ہونے کو لازم ہے۔ جس طرح ''فتح القدیر'' میں اس کی تصریح کی ہے، ''ح''۔

میں کہتا ہوں: مراد ایسا انکار ہے جس کے ساتھ ادب راسخ ہو گویا اس کا انکار دلیل کے شبہ اور تاویل کی نوع کی وجہ سے ہو۔ پس جو آگے آ رہا ہے وہ اس کے منافی نہیں کہ اگر اس نے سنن کو ترک کر دیا اگر اس نے اسے حق خیال کیا تو گناہگار ہو گا ورنہ اسے کافر قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ علما نے اس کی یہ علت بیان کی ہے کہ یہ بطریقہ استخفاف، ترک ہے۔ جس طرح اسے ''البحر'' میں اسے ''التجنیس''، ''النوازل'' اور ''المحیط'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور کیونکہ ''شرح المنیہ'' میں قول ہے: اس کا انکار کرنے

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب فیمن لم یوتر، جلد 1، صفحہ 519، حدیث نمبر 1209

3۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب صلاۃ اللیل مثنی مثنی، جلد 1، صفحہ 739، حدیث نمبر 1303

وَتَذَكُّرُهُ فِي الْفَجْرِ مُفْسِدٌ لَهُ كَعَكْسِهِ بِشَرْطِهِ
اور فجر کی نماز میں وتر کا یاد آ جانا، یہ فجر کے فرض کو فاسد کر دے گا جس طرح اس کا برعکس، وتر کو فاسد کر دیتا ہے جبکہ اس کی شرط پائی جائے۔

والا کافر قرار نہیں دیا جائے گا مگر جب وہ اسے خفیف جانے اور اس طریقہ سے حق نہ جانے جو سنن میں گزر چکا ہے۔

اور جو قول گزر چکا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ کہے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے اور میں اسے نہیں کروں گا۔

پھر یہ جان لو کہ ''الاشباہ'' میں کہا: اصل وتر اور اضحیہ کے انکار کرنے سے اسے کافر قرار دیا جائے گا۔ اس کی مثل ''القنیہ'' میں ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہاں مراد اس کے وجوب کا انکار ہے۔ ''زیلعی'' نے اس کی جو علت بیان کی کہ وتر، خبر واحد سے ثابت ہے اس کی تائید کرتی ہے۔ کیونکہ خبر واحد کے ساتھ جو ثابت ہے وہ اس کا وجوب ہے نہ کہ اس کی اصل مشروعیت ہے۔ بلکہ یہ اجماع امت سے ثابت ہے اور دین سے اس کا ہونا بدیہی طور پر ثابت ہے۔ شافعیہ میں سے بعض محققین نے اس کی تصریح کی ہے کہ جس نے سنن راتبہ کی مشروعیت یا نماز عیدین کی مشروعیت کا انکار کیا اس کو کافر قرار دیا جائے۔ کیونکہ ان کا دین سے ہونا بدیہی طور پر معلوم ہے۔ فجر کی سنتوں کے بارے (مقولہ 5703 میں) آئے گا کہ اس کے منکر کے بارے میں کفر کا خوف ہے۔

میں کہتا ہوں: شاید مراد ایسا انکار ہے جو کسی تاویل کی وجہ سے ہو ورنہ اس کی مشروعیت میں کوئی خلاف نہیں۔ ''التحریر'' کے باب الاجماع میں اس کی تصریح کی ہے: اجماع قطعی کے حکم کے منکر کو حنفیہ اور ایک طائفہ کے ہاں کافر قرار دیا جاتا ہے۔ ایک طائفہ نے کہا: نہیں۔ یہ بھی تصریح کی کہ جو چیزیں ضروریات دین میں سے ہیں، اس سے مراد وہ امور ہیں جنہیں خاص و عام پہچانتے ہیں کہ یہ دین میں سے ہے جس طرح توحید، رسالت، پانچوں نمازیں اور ان کے اخوات کے اعتقاد کا وجوب، اس کے منکر کو کافر قرار دیا جائے گا۔ اور جو اس طرح نہ ہو تو اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا جس طرح وقوف عرفہ سے پہلے وطی کے ساتھ حج کا فاسد ہونا اور جدہ (دادی) کو چھٹا حصہ دینا وغیرہ یعنی جن امور کے دین میں سے ہونا صرف خواص ہی جانتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس بارے میں ہم گفتگو کر رہے ہیں کہ وتر وغیرہ مشروع ہیں، خواص اور عوام جانتے ہیں کہ یہ بدیہی طور پر دین میں سے ہیں تو اس کے انکار کرنے والے کو یقینی طور پر کافر قرار دیا جائے جب تک وہ تاویل کی وجہ سے انکار نہ کر رہا ہو۔ اسے ترک کرے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ اگر وہ بطور استخفاف ایسا کرتا ہے، جس طرح یہ گزر چکا ہے تو اسے کافر قرار دیا جائے گا۔ اگر ایسا نہ ہو یعنی وہ سستی یا فسق کی وجہ سے تحقیر کے بغیر ایسا کرتا ہے تو اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ یہ امر میرے لئے ظاہر ہوا۔ واللہ اعلم۔

5601۔ (قولہ: مُفْسِدٌ لَهُ) وتر کا یاد آ جانا نماز فجر میں، یہ نماز فجر کو فاسد کر دے گا اور فجر کوئی قید نہیں بلکہ یہ مثال ہے۔

5602۔ (قولہ: كَعَكْسِهِ) یعنی وتر کی نماز میں کسی فرض کو یاد کرنا۔ ''ح''۔

5603۔ (قولہ: بِشَرْطِهِ) وہ وقت کا تنگ نہ ہونا ہے، اور قضا نمازوں کا جمع نہ ہو جانا ہے۔ جہاں تک نسیان کے نہ ہونے کا تعلق ہے تو یہ یہاں صحیح نہیں۔ کیونکہ فرض مسئلہ اس میں ہے جب فجر کی نماز میں اسے وتر یاد آ جائیں یا وتر میں فجر کی نماز

خِلَافًا لَهُمَا (وَ) لَكِنَّهُ (يُقْضَى) وَلَا يَصِحُّ قَاعِدًا وَلَا رَاكِبًا اتِّفَاقًا

صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے لیکن وتر کی قضا کی جاتی ہے۔ بالاتفاق وتر کی نماز بیٹھ کر پڑھنا صحیح نہیں اور نہ ہی سوار ہوکر پڑھنا صحیح ہے۔

یاد آجائے۔''رحمتی'' فافہم۔

5604۔(قوله: خِلَافًا لَهُمَا)''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما اس کے فساد کا حکم نہیں لگاتے کیونکہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک وتر سنت ہیں۔''ط''۔

نماز وتر کی قضا کا حکم

5605۔(قوله: وَلَكِنَّهُ يُقْضَى)''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اس استدراک کی کوئی وجہ نہیں۔اس استدراک کو اتفاقا کے قول کو پیش نظر رکھتے ہوئے لائے ہیں جبکہ ماقبل میں جو اختلاف ہے، اسے پہلے ذکر کیا یعنی وتر کی بالاتفاق وجوبا قضا کی جائے گی۔ جہاں تک ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قضا کا تعلق ہے وہ ظاہر ہے۔ جہاں تک ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کا تعلق ہے، جبکہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما سے ہی ظاہر روایت ہے تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے ہے من نام عن وتر او نسیہ فلیصلہ اذا ذکرہ(1)۔ جو آدمی وتر پڑھے بغیر سو گیا یا اسے بھول گیا تو جب اسے یاد آئے اسے پڑھ لے۔ جس طرح ''البحر'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے۔''الفتح'' اور ''النہر'' میں مابعد قول کے ساتھ اشکال ذکر کیا ہے کہ قضا کا وجوب، یہ وجوب ادا کی فرع ہوتی ہے۔''البحر'' میں اس کے ساتھ جواب دیا جو ''المحیط'' سے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس میں جو ضعف ہے وہ مخفی نہیں کیونکہ قضا کے وجوب پر حدیث کی دلالت ان امور میں سے ہے جو اشکال کو قوی کرتی ہے مگر یہ جواب دیا جائے جب ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک سنت کی دلیل ثابت ہوئی تو ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس کے موافق قول کیا۔ اور جب قضا کی دلیل ثابت ہوئی تو نص کی اتباع میں قضا کا قول بھی کر دیا اگرچہ یہ قیاس کے خلاف ہے۔

5606۔(قوله: وَلَا يَصِحُّ الخ) کیونکہ واجبات، عذر کے بغیر سواری پر صحیح نہیں۔''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک وتر اگرچہ سنت ہے لیکن یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت نوافل، عذر کے بغیر سواری پر ادا کیا کرتے تھے اور جب وتر تک پہنچتے تو سواری سے اترتے اور زمین پر وتر ادا کیا کرتے تھے(2)۔''بحر'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے: بیٹھنا سوار ہونے کی طرح ہے۔

5607۔(قوله: اتِّفَاقًا) یہ قول تینوں مسائل کی طرف راجع ہے۔''ح''۔اختلاف پانچ میں ہے۔فرض نماز میں وتر

1۔سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب فی الدعاء بعد الوتر، جلد 1، صفحہ 523، حدیث نمبر 1219

2۔سنن دار قطنی، باب صفۃ الوتر وانہ لیس بفرض، جلد 2، صفحہ 22

(وَهُوَ ثَلَاثُ رَكَعَاتٍ بِتَسْلِيمَةٍ) كَالْمَغْرِبِ؛ حَتَّى لَوْ نَسِيَ الْقُعُودَ لَا يَعُودُ وَلَوْ عَادَ يَنْبَغِي الْفَسَادُ كَمَا سَيَجِيءُ (وَ) لَكِنَّهُ (يَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ مِنْهُ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُورَةً) احْتِيَاطًا، وَالسُّنَّةُ السُّوَرُ الثَّلَاثُ،

یہ مغرب کی طرح ایک سلام کے ساتھ تین رکعات ہیں یہاں تک کہ اگر وہ قعدہ کو بھول گیا تو وہ قعدہ کی طرف نہیں لوٹے گا۔ اگر وہ قعدہ کی طرف لوٹ آئے تو چاہئے کہ نماز فاسد ہو جائے جس طرح آگے آئے گا لیکن وہ وتر کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور ایک سورت بطور احتیاط قراءت کرے گا۔ اور سنت تین سورتیں ہیں

یاد آجائے ،اس کے برعکس یعنی وتر میں فرض یاد آجائے ،طلوع فجر کے بعد اس کی قضا، نماز عصر کے بعد قضا اور عشا کی نماز فاسد ہو جائے تو وتر کا اعادہ، ''خزائن''۔ یعنی وتر کے سنت ہونے کا قول کیا جائے تو فرض کا فساد لازم نہیں آتا۔ نہ فرض یاد آنے سے وتر فاسد ہوتا ہے۔ مذکورہ دونوں میں قضا نہ ہو سکے گی اور اگر عشا کی نماز کا فساد ظاہر ہو جائے تو وتر کا اعادہ ہو گا۔ وتر کا فساد ظاہر ہو تو فرض کا اعادہ نہ ہو گا۔

5608۔ (قولہ: كَالْمَغْرِبِ) اس قول کے ساتھ یہ فائدہ دیا کہ اس میں پہلا قعدہ واجب ہے اور اس قعدہ میں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود نہیں پڑھے گا۔

5609۔ (قولہ: حَتَّى لَوْ نَسِيَ) یہ ان کے قول کالمغرب پر تفریع ہے اگر وہ نفل نماز جیسی نماز ہو تو جس رکعت کے لئے وہ کھڑا ہوا تھا جب تک اسے سجدہ کے ساتھ مقید نہیں کیا تو اس قعدہ کی طرف پلٹ آئے کیونکہ نماز کی دو رکعتیں علیحدہ نماز ہے۔ ''ط''۔

5610۔ (قولہ: لَا يَعُودُ) یعنی جب وہ سیدھا کھڑا ہو جائے تو واپس قعدہ کی طرف نہ لوٹے۔ کیونکہ قیام جو فرض ہے اس میں مشغول ہو چکا ہے۔

5611۔ (قولہ: كَمَا سَيَجِيءُ) یعنی جس طرح باب سجود السہو میں آئے گا۔ لیکن وہاں نماز کے عدم فساد کو ترجیح دی ہے اور ''البحر'' سے یہ قول نقل کیا ہے کہ یہی حق ہے۔

5612۔ (قولہ: وَلَكِنَّهُ) یہ استدراک ہے اس پر جو ان کے قول کالمغرب سے متوہم ہے اور وہ متوہم یہ ہے کہ وہ اس کی تیسری رکعت میں قراءت نہیں کرے گا۔

5613۔ (قولہ: احْتِيَاطًا) کیونکہ واجب، سنت اور فرض میں متردد ہے پہلے قول یعنی سنت کی طرف دیکھیں تو وتر کی تمام رکعتوں میں قراءت واجب ہے۔ اور دوسرے قول یعنی فرض کو دیکھیں تو قراءت واجب نہیں پس بطور احتیاط قراءت واجب ہوگی۔ ''شرح المنیہ''۔

نماز وتر میں سورۃ الاعلیٰ، سورۃ الکافرون اور سورۃ الاخلاص کی تلاوت سنت ہے

5614۔ (قولہ: وَالسُّنَّةُ السُّوَرُ الثَّلَاثُ) وہ تین سورتیں یہ ہیں سورۃ الاعلیٰ، سورۃ الکافرون اور سورۃ الاخلاص۔

وَزِيَادَةُ الْمُعَوِّذَتَيْنِ لَمْ يَخْتَرْهَا الْجُمْهُورُ (وَيُكَبِّرُ قَبْلَ رُكُوعِ ثَالِثَتِهِ رَافِعًا يَدَيْهِ) كَمَا مَرَّ ثُمَّ يَعْتَمِدُ، وَقِيلَ كَالدَّاعِي
اور معوذتین کی زیادتی کو جمہور نے پسند نہیں کیا۔ اور وتر کی تیسری رکعت کے رکوع سے قبل اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے ہوئے تکبیر کہے جس طرح گزر چکا ہے پھر ہاتھ پکڑے اور ایک قول یہ کیا گیا وہ اس طرح کرے جیسے دعا مانگنے والا کرتا ہے

لیکن ''النہایہ'' میں ہے: ہمیشہ کے لئے انہیں متعین کرنا بعض لوگوں کے اعتقاد، کہ یہ واجب ہے، کی طرف لے جائے گا جبکہ یہ جائز نہیں۔ اگر اس نے کبھی کبھی قراءت کی جیسے آثار وارد ہیں، مواظبت اختیار نہ کی تو یہ حسن ہوگا۔ ''بحر''۔ کیا یہ صرف امام کے حق میں ہے یا اس نے اس کی حتمی رائے قائم کی کہ اس کا غیر جائز نہ ہو؟ ہم نے ''باب الامامہ'' سے تھوڑا پہلے (مقولہ 4592) میں کلام کر دی ہے۔

5615۔ (قولہ: وَزِيَادَةُ الْمُعَوِّذَتَيْنِ الخ) یعنی سورۃ اخلاص کے بعد تیسری رکعت میں۔ ''البحر'' میں ''الحلبہ'' سے قول نقل کیا ہے: السنن وغیرہا میں جو معوذتین کی زیادتی کا جو قول واقع ہے، امام احمد اور ابن معین نے اس کا انکار کیا۔ اور اکثر اہل علم نے اسے اختیار نہیں کیا جس طرح امام ترمذی نے اسے ذکر کیا ہے (1)۔

5616۔ (قولہ: وَيُكَبِّرُ) یعنی وجوبی طور پر تکبیر کہے۔ اس میں دو قول ہیں۔ جس طرح واجبات میں گزر چکا ہے وہاں ہم نے پہلے (مقولہ 4010 میں) ''البحر'' سے نقل کیا ہے۔ انه ینبغی ترجیح عدمه یعنی عدم وجوب کی ترجیح کا قول کرنا چاہئے۔

5617۔ (قولہ: رَافِعًا يَدَيْهِ) یعنی سنت یہ ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں کو اپنے کانوں کے برابر بلند کرے۔ جس طرح تکبیر تحریمہ میں ہوتا ہے۔ اور یہ اسی طرح ہے جس طرح ''الامداد'' میں ''جمع الروایات'' سے مروی ہے: اگر وہ وقت میں وتر پڑھ رہا ہو۔ جہاں تک قضا میں ہاتھ اٹھانے کا تعلق ہے جبکہ لوگوں کے سامنے یہ نماز پڑھی جا رہی ہو تو وہ اپنے ہاتھوں کو نہ اٹھائے تا کہ کوئی بھی اس کی کوتاہی پر مطلع نہ ہو۔

5618۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی اس فصل میں گزر چکا ہے جو فصل اس بارے میں ہے کہ جب وہ نماز میں شروع ہونے کا ارادہ کرے۔ اور یہ ان کے قول ولا یسن رفع الیدین الا فی سبع کے ہاں بحث گزر چکی ہے۔

5619۔ (قولہ: ثُمَّ يَعْتَمِدُ) یعنی اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھے جس طرح حالت قراءت میں ہے۔ ''ح''۔

5620۔ (قولہ: وَقِيلَ كَالدَّاعِي) یعنی امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ اپنے دونوں ہاتھ اپنے سینے تک بلند کرے اور ہتھیلیوں کے باطن آسمان کی طرف ہوں۔ ''امداد''۔ اس روایت کے مطابق ظاہر یہ ہے کہ دعا کے مکمل ہونے تک وہ اپنے ہاتھ اسی طرح رکھے۔ ''تامل''۔

1۔ سنن ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ما یقرأ فی الوتر، جلد 1 صفحہ 290، حدیث نمبر 424-425

(وَقَنَتَ فِيهِ) وَيُسَنُّ الدُّعَاءُ الْمَشْهُورُ، وَيُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِهِ يُفْتَى

اور اس میں دعا مانگے۔ اور مشہور دعا پڑھنا سنت ہے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے گا اسی پر فتویٰ ہے۔

دعائے قنوت کا حکم اور مسائل

5621۔(قولہ: وَقَنَتَ فِيهِ) یعنی وتر میں دعا مانگے اور فیہ میں ضمیر ما قبل الرکوع کی طرف لوٹ رہی ہے۔ مشائخ نے اس قنوت کی حقیقت میں اختلاف کیا ہے جو اس وقت واجب ہے۔ ''المجتبیٰ'' میں نقل کیا کہ اس قنوت سے مراد قیام کی طوالت ہے اس سے دعا مراد نہیں۔ ''الفتاوی الصغریٰ'' میں اس کے برعکس ہے اور اس کی تصحیح ہونی چاہئے۔ ''بحر''۔ ''المغرب'' میں کہا: یہی مشہور ہے اور ان کا قول دعاء القنوت یہ اضافت بیانیہ ہے۔ اسی کی مثل ''الامداد'' میں ہے۔

پھر یہ دعا ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہے ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک سنت ہے جس طرح وتر میں اختلاف ہے۔ جس طرح ''البحر'' اور ''البدائع'' میں ہے۔ لیکن ''غرر الافکار'' میں جو قول ہے اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ ہمارے نزدیک اس کے واجب ہونے میں اختلاف نہیں۔ کیونکہ کہا: ہمارے نزدیک قنوت واجب ہے۔ امام مالک کے نزدیک مستحب ہے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ابعاض میں سے ہے اور امام احمد کے نزدیک سنت ہے۔ ''تامل''۔

فائدہ: ''ابعاض میں سے ہے'' سے مراد یہ ہے کہ سجدہ سہو سے جس کی کمی پوری ہو جاتی ہے جیسے تشہد کیونکہ یہ سنت ہے سجدہ سہو سے اس کی کمی پوری ہو جاتی ہے، ''تقریرات رافعی''، (مترجم)۔

5622۔(قولہ: وَيُسَنُّ الدُّعَاءُ الْمَشْهُورُ) ہم نے ''الواجبات'' کی بحث میں ''النہر'' سے اس کی تصریح پہلے (مقولہ 4009 میں) بیان کر دی ہے۔ اور ''البحر'' میں ''الکرخی'' سے ذکر کیا ہے۔ اس میں قنوت سے مراد مخصوص دعا نہیں کیونکہ صحابہ کرام سے مختلف دعائیں مروی ہیں۔ کیونکہ مخصوص دعا، رقت قلب کو ختم کر دیتی ہے۔ ''اسبیجابی'' نے ذکر کیا ہے کہ یہ ظاہر روایت ہے۔ بعض علما نے کہا: اس میں اللھم انا نستعینک کے سوا کوئی دعا مخصوص نہیں۔ بعض علما نے کہا: افضل دعا مخصوص دعا ہے۔ ''شرح المنیہ'' میں ماثور سے تبرک حاصل کرنے کی بنا پر اسے راجح قرار دیا ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ دوسرا اور تیسرا قول دونوں ایک ہیں۔ دونوں کا حاصل یہ ہے کہ ظاہر روایت یہ ہے کہ یہ غیر ماثور ہے جس طرح ''زیلعی'' کا قول اس کا فائدہ دیتا ہے۔ ''المحیط'' اور ''الذخیرہ'' میں کہا: یعنی ان کے قول اللھم انا نستعینک الخ اور اللھم اھدنا الخ کے علاوہ۔

پس یعنی کا لفظ ظاہر روایت میں امام ''محمد'' کی مراد کا بیان ہے۔ پس یہ قول اس سے خارج نہیں۔ اسی وجہ سے ''شرح المنیہ'' میں کہا: صحیح یہ ہے کہ عدم تعیین ان دعاؤں کے بارے میں ہے جو ماثور نہیں۔ کیونکہ صحابہ نے اس پر اتفاق کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات انسان کی زبان پر ایسی چیز جاری ہو جاتی ہے جو لوگوں کی کلام کے مشابہ ہوتی ہے جب وہ اس کی تعیین نہ کرے۔ پھر ان الفاظ کے اختلاف کا ذکر کیا جو اللھم انا نستعینک میں وارد ہیں الخ پھر یہ ذکر کیا: زیادہ بہتر یہ ہے

وَصَحَّ الْجِدُّ بِالْكَسْرِ بِمَعْنَى الْحَقِّ، مُلْحِقٌ بِمَعْنَى لَاحِقٍ،

اور لفظ جد، جیم کے کسرہ کے ساتھ صحیح ہے جو حق کے معنی میں ہے اور ملحق، لاحق کے معنی میں ہے

کہ اس کے ساتھ یہ ملا دے اللھم اھدنی۔ جہاں تک ان دو دعاؤں کے علاوہ کا تعلق ہے تو اس میں کوئی تعیین نہیں۔ اس بارے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ عذابك الجدّ بالكفار ملحق کے بعد یہ پڑھتے اللھم اغفر للمؤمنين والمؤمنات والمسلمين والمسلمات، والّف بين قلوبهم، واصلح ذات بينهم، وانصرهم على عدوك و عدوهم. اللھم العن كفرة الكتاب الذين يكذبون رسلك ويقاتلون اوليائك، اللھم خالف بين كلمتهم، و زلزل اقدامهم، و انزل عليهم بأسك الذى لا يرد عن القوم المجرمين (1) اس میں سے وہ بھی ہے جسے چار ائمہ حدیث نے نقل کیا ہے اور امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر کے آخر میں کہا کرتے تھے اللھم انی اعوذ برضاك من سخطك، و بمعافاتك من عقوبتك، و اعوذ بك منك لا احصى ثناءً عليك انت كما اثنيت على نفسك (2)۔ اور اس کے علاوہ دوسری دعائیں ہیں جو لوگوں کی کلام کے مشابہ نہیں اور جو آدمی دعائے قنوت اچھی طرح نہ پڑھ سکے تو وہ کہے رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً (البقرہ: 201) ابولیث نے کہا: وہ تین دفعہ اللھم اغفرلی کہے۔ ایک قول یہ کیا گیا وہ تین دفعہ یا رب کہے۔ اسے ''ذخیرہ'' میں ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ ''البحر'' میں جو قول ہے: امام کرخی نے یہ ذکر کیا کہ قنوت میں قیام کی مقدار، سورۃ الانشقاق کے برابر ہے۔ اسی طرح ''الاصل'' میں ذکر کیا۔ یہ افضل کا بیان ہے یا یہ اس قول پر مبنی ہے کہ واجب قنوت، وہ قیام کی طوالت ہے، دعا مراد نہیں۔ ''تامل''۔

یہ ذہن نشین کرلو۔ ''الحلبہ'' میں ذکر کیا کہ جو گزر چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر کے آخر میں فرماتے اللھم انی اعوذ برضاك من سخطك الخ امام نسائی کی بعض روایات میں آیا ہے کہ آپ یہ کلمات کہتے جب آپ نماز سے فارغ ہوتے اور اپنے بستر پر آرام کرتے۔ (کتاب السهو باب نوع آخر من الدعاء)

5623۔ (قولہ: وَصَحَّ الْجِدُّ) ''الحلبہ'' میں کہا: الجدّ اس قول میں ان عذابك الجدّ (3) امام طحاوی کے روایت میں ثابت ہے۔ ''البحر'' میں ہے: یہ ''مراسیل ابی داؤد'' میں ثابت ہے۔ ''شرح النقایہ'' میں جو ''شمنی'' کا قول ہے انه لا يقوله (نمازی یہ نہیں کہے گا) وہ دور ہو جاتا ہے۔

5624۔ (قولہ: مُلْحِقٌ بِمَعْنَى لَاحِقٍ) یہ قول مبتدا، خبر ہے۔ یہ لفظ حا کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ یہی مشہور ہے۔ کئی علما نے یہ بیان کیا کہ یہی اصح ہے۔ اسے فتحہ کے ساتھ بھی کہا گیا ہے۔ یہ قول ''ابن قتیبہ'' وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ ''جوہری'' نے

1۔ السنن الکبریٰ، کتاب الصلاة، باب دعاء القنوت، جلد 2، صفحہ 210

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب قنوت الوتر، جلد 1، صفحہ 521، حدیث نمبر 1215

3۔ شرح معانی الآثار، کتاب الصلاة، باب القنوت فی صلاة الفجر،

وَنَخِفِدُ بِدَالٍ مُهْمَلَةٍ، يَعْنِي نُسْرِعُ، فَإِنْ قَرَأَ بِذَالٍ مُعْجَمَةٍ فَسَدَتْ، خَانِيَّةٌ كَأَنَّهُ لانه كَلِمَةٌ مُهْمَلَةٌ (مُخَافِتًا عَلَى الْأَصَحِّ مُطْلَقًا) وَلَوْ إِمَامًا لِحَدِيثِ (خَيْرُ الدُّعَاءِ الْخَفِيُّ)(1) (وَصَحَّ الِاقْتِدَاءُ فِيهِ)

اور نحفد یہ دال مہملہ کے ساتھ ہے یعنی ہم جلدی کرتے ہیں اگر معجمہ یعنی ذال کے ساتھ پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی، ''خانیہ''۔ کیونکہ یہ مہمل کلمہ ہے۔اس حال میں کہ وہ دعائے قنوت آہستہ پڑھے اصح قول کے مطابق مطلقاً اگرچہ وہ امام ہو۔ کیونکہ حدیث طیبہ ہے: بہترین دعا وہ ہوتی ہے جو مخفی ہو۔اور وتر میں مثلاً شافعی کی اقتدا کرنا صحیح ہے

یہ کہا: علی انه صواب، یہ صحیح ہے۔''الحلبہ'' میں اسی طرح ہے۔ میں کہتا ہوں: بلکہ ''قاموس'' میں ہے: فتحہ احسن ہے یا صحیح ہے۔''تامل''۔

5625۔(قوله: بِمَعْنَى لَاحِقٍ) یعنی ملحق، اَلْحَقَ مزید فیه سے مشتق ہے جو لحق مجرد کے معنی میں ہے۔ ''شرنبلالیہ'' میں ہے: ''مطرزی'' نے تصحیح کی کہ مراد ہے کہ وہ فساق کو کفار کے ساتھ لاحق کرنے والا ہے۔ پہلا قول اولیٰ ہے کیونکہ اس میں اضمار سے احتراز ہے۔اس کی مکمل بحث ''شرنبلالیہ'' میں ہے۔

میں کہتا ہوں: شاید مطرزی جو''المغرب'' کا مصنف ہے، ''زمخشری'' کے شاگرد صاحب ''قنیہ'' کے شیخ ہیں، نے جس قول کی تصحیح کی ہے اس کی بنیاد اپنے فاسد مذہب پر رکھی ہے جو اعتزال کا مذہب ہے کہ مومنوں میں سے نافرمان کفار کی طرح ہمیشہ آگ میں رہیں گے۔

5626۔(قوله: كَأَنَّهُ لانه كَلِمَةٌ مُهْمَلَةٌ) ''البحر'' میں اسی طرح ہے۔لیکن اس میں ہے کہ براق کی صفت میں وارد ہوا ہے له جناحان یحفذ بهما اس کے دو پر ہوتے ہیں یعنی وہ رفتار میں ان سے مدد لیتا ہے۔''ط''۔

5627۔(قوله: عَلَى الْأَصَحِّ) ''المحیط'' میں اسی طرح ہے۔''الہدایہ'' میں ہے۔ یہ مختار ہے۔اس کا مقابل وہ قول ہے جو''الذخیرہ'' میں ہے: علما نے بلاد عجم میں امام کے لئے بلند آواز سے قنوت پڑھنے کو مستحسن قرار دیا ہے تاکہ لوگ سیکھیں۔ بعض علما نے یوں فرق بیان کیا ہے کہ قوم اس کا علم رکھتی ہو تو امام کے لئے پست آواز سے قنوت پڑھنا افضل ہے ورنہ بلند آواز سے قراءت کرنا افضل ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ تفصیل ماقبل سے خارج نہیں ہوتی۔''المنیہ'' میں ہے: جس نے بلند آواز سے دعائے قنوت کو اختیار کیا اس نے قراءت سے کم بلند آواز سے پڑھنے کو اختیار کیا۔

5628۔(قوله: وَلَوْ إِمَامًا) ''الخزائن'' میں کہا: وہ امام ہو یا مقتدی یا منفرد ہو، وہ ادا ہو یا قضا، رمضان میں ہو یا غیر رمضان میں ہو۔

5629۔(قوله: لِحَدِيثِ الخ) اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا کہ دعائے قنوت کو آہستہ پڑھنا واجب نہیں ہے۔''ط''

1۔اس کی تخریج 5573 میں گزر چکی ہے ایضاً شعب الایمان للبیہقی 553

فَفِي غَيْرِهِ أَوْلَى إِنْ لَمْ يَتَحَقَّقْ مِنْهُ مَا يُفْسِدُهَا فِي اعْتِقَادِهِ فِي الْأَصَحِّ كَمَا بَسَطَهُ فِي الْبَحْرِ
تو باقی میں بدرجہ اولیٰ اقتدا صحیح ہوگی، اگر امام سے ایسا امر متحقق نہ ہو جو مقتدی کے اعتقاد میں نماز کو فاسد کردے، صحیح ترین قول کے مطابق۔ جس طرح ''البحر'' میں اس پر

5630۔ (قولہ: فَفِي غَيْرِهِ أَوْلَى) اولیت کی وجہ یہ ہے کہ نیت فرض اور نفل میں ایک ہوتی ہے۔ وتر کا معاملہ مختلف ہے وتر میں نیت مختلف ہوتی ہے۔''ط''۔ کیونکہ وتر میں اس کا امام جو شافعی ہے وہ سنت کی نیت کرتا ہے۔

5631۔ (قولہ: إِنْ لَمْ يَتَحَقَّقْ) اگر مقتدی نے اس امام کو دیکھا کہ اس نے پچھنے لگوائے پھر وہ غائب ہو گیا تو اصح یہ ہے کہ اس کی اقتدا صحیح ہے۔ کیونکہ یہ جائز ہے کہ اس نے بطور احتیاط وضو کیا ہو، اور اس کے بارے میں حسن ظن اولیٰ ہے۔ ''بحر'' میں الزاہدی سے اسی طرح مروی ہے۔

کسی شافعی امام کی اقتدا

5632۔ (قولہ: كَمَا بَسَطَهُ فِي الْبَحْرِ) کیونکہ ذکر کیا: حاصل یہ ہے کہ اگر اس سے احتیاط کا علم ہوا جو ہمارے مذہب میں ہے تو شافعی مذہب کے امام کی اقتدا میں کوئی کراہت نہیں۔ اور اس سے احتیاط کا پتہ نہ چلے تو پھر اقتدا صحیح نہ ہو گی۔ اگر کسی چیز کا علم نہ ہو تو اقتدا مکروہ ہوگی۔ پھر کہا: ''ہدایہ'' کے قول کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اعتبار مقتدی کے اعتقاد کا ہوگا، امام کے اعتقاد کا کوئی اعتبار نہیں یہاں تک کہ اگر اس نے کسی شافعی امام کی اقتدا کی، جس امام کو اس نے دیکھا تھا کہ اس نے عورت کو چھوا تھا اور وضو نہ کیا تھا تو اکثر علما کی رائے ہے کہ اقتدا جائز ہے۔ یہی قول صحیح ہے۔ جس طرح ''الفتح'' وغیرہ میں ہے۔ ''ہندوانی'' اور ایک جماعت نے کہا کہ یہ اقتدا جائز نہیں۔ ''النہایہ'' میں اسے راجح قرار دیا ہے کہ یہ قیاس کے زیادہ موافق ہے کیونکہ مقتدی کے گمان میں امام نماز پڑھنے والا نہیں۔ یہی اصل ہے پس اس کی اقتدا صحیح نہ ہوگی۔ اس قول کو اس کے ساتھ رد کر دیا گیا کہ مقتدی کے حق میں اس کی اپنی رائے معتبر ہے۔ کسی اور کی رائے معتبر نہیں اور اسے اس کے ساتھ رد کر دیا گیا کہ چاہیے کہ امام کی حالت کو تقلید پر محمول کیا جائے تاکہ اس کی نماز کی حرمت (تکبیر تحریمہ) اس کے گمان میں طہارت کے بغیر لازم نہ آئے اگر وہ اس کا قصد کرے۔

''النہر'' میں کہا: ''ہندوانی'' کے قول کے مطابق اقتدا صحیح ہوگی اگرچہ اس میں احتیاط نہیں۔ اور اس کا ظاہر جواز ہے اگرچہ اس نے ہمارے نزدیک بعض شروط کو ترک کیا۔ لیکن علامہ نوح آفندی نے ذکر کیا: اقتدا کے جواز اور عدم جواز میں مقتدی کی رائے کا اعتبار متفق علیہ ہے۔ گزشتہ اختلاف، امام کی رائے کے اعتبار میں ہے۔ حنفی مقتدی جب شافعی امام کے کپڑے میں منی دیکھے تو بالاتفاق اس کی اقتدا جائز نہیں ہوگی۔ اگر تھوڑی سی نجاست دیکھے تو جمہور علما کے نزدیک اقتدا جائز ہو گی۔ بعض کے نزدیک جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق یہ نجاست نماز کے مانع ہے۔ معتبر دونوں کی رائے ہے۔ اس (دونوں کی رائے معتبر ہونے) میں اعتراض کی گنجائش ہے جو قریب ہی ظاہر ہوگا۔

(بِشَافِعِيٍّ) مَثَلًا (لَمْ يَفْصِلْهُ بِسَلَامٍ) لَا إِنْ فَصَلَهُ (عَلَى الْأَصَحِّ) فِيهِمَا لِلِاتِّحَادِ وَإِنِ اخْتَلَفَ الِاعْتِقَادُ

مفصل گفتگو کی ہے۔ اس نے سلام کے ساتھ وتر کی رکعتوں میں جدائی نہ کی ہو۔ اگر اس نے جدائی کی تو اقتدا صحیح نہ ہوگی دونوں میں۔ یہ اصح قول کے مطابق ہے کیونکہ نیت ایک ہے اگرچہ اعتقاد میں اختلاف ہے۔

یہ امر ذہن نشین کرلو۔ ہم نے اقتدا کی باقی ماندہ مباحث، جو مخالف مذہب رکھنے والے کی اقتدا کرنے کی صورت میں ہیں وہ باب الامامہ میں تفصیلاً (مقولہ 4765 میں) ذکر کردی ہیں۔

5633۔ (قولہ: بِشَافِعِيٍّ مَثَلًا) اس قول میں وہ امام بھی داخل ہے جو"صاحبین" رحمہما اللہ کے قول کا اعتقاد رکھتا ہو۔ اور اسی طرح ہر وہ شخص بھی شامل ہے جو وتر کے سنت ہونے کا قائل ہے۔

5634۔ (قولہ: عَلَى الْأَصَحِّ فِيهِمَا) فیہما سے مراد ہے کہ وتر میں شافعی امام کی اقتدا جائز ہے اور سلام کا فاصلہ نہ کرنا شرط ہے۔"الارشاد" میں جو قول ہے وہ اس کے خلاف ہے کہ ہمارے اصحاب کا اجماع ہے کہ شافعی امام کی اقتدا جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں فرض پڑھنے والا، نفل پڑھنے والے کی اقتدا کرتا ہے۔ اور رازی نے جو قول کیا ہے وہ اس کے خلاف ہے کہ اقتدا صحیح ہوگی اگرچہ وہ امام، سلام کے ساتھ فاصلہ کرے اور وہ مقتدی اس امام کے ساتھ باقی ماندہ وتر پڑھے گا کیونکہ اس کا امام اپنے سلام کے ساتھ وتر کی نماز سے خارج نہیں ہوا۔ جبکہ یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں جس طرح اگر وہ ایسے امام کی اقتدا کرے جس کو نکسیر آتی ہو"۔

میں کہتا ہوں: اس کے قول لم یخرج بسلامہ کا معنی ہے کہ اس کا سلام اس کے وتر کو فاسد نہیں کرتا کیونکہ سلام کے بعد جو نماز ہے وہ وتر کا حصہ شمار کی جاتی ہے گویا وہ وتر سے خارج نہیں ہوا۔ یہ"ہندوانی" کے قول پر مبنی ہے کیونکہ اس کا قرینہ کما لو اقتدی الخ ہے۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ معتبر صرف امام کی رائے ہے یہ اس کے مخالف ہے جس کو ہم نے ابھی پہلے (مقولہ 5632 میں)"نوح آفندی" سے نقل کیا ہے۔

5635۔ (قولہ: لِلِاتِّحَادِ الخ) یہ اقتدا کے صحیح ہونے کی علت ہے۔ اور اس کا رد ہے جو"الارشاد" سے گزر چکا ہے جسے اصحاب فتاوی نے"ابن فضل" سے نقل کیا ہے کہ اقتدا صحیح ہے کیونکہ ہر ایک وتر کی نیت کا محتاج ہے۔ پس نماز کی صفت میں اعتقاد کا اختلاف رائیگاں گیا اور صرف اتحاد نیت کا اعتبار کیا گیا۔

"الفتح" میں اشکال ذکر کیا ہے کہ یہ فرض پڑھنے والے کی نفل پڑھنے والے کی اقتدا ہے اگرچہ نیت کے وقت وتر کے سنت ہونے یا سنت نہ ہونے کا خیال اس کے دل میں نہ آیا ہو بلکہ صرف وتر کی نیت کی ہو۔ جس طرح"التجنیس" کے اطلاق کا ظاہر معنی ہے۔ کیونکہ اس کے اعتقاد میں اس کا نفل ہونا ثابت ہے۔ اور"البحر" میں اس کا رد کیا جس کی"تجنیس" میں بھی تصریح کی کہ امام اگر وتر کی نیت کرے جبکہ وہ اسے سنت خیال کرتا ہو تو اس کی اقتدا جائز ہے۔ جس طرح جس نے ظہر کی نماز پڑھی اس آدمی کے پیچھے جو یہ خیال کرتا ہے کہ رکوع سنت ہے۔ اگر وہ نفل کی نیت کے ساتھ نیت کرے تو اقتدا صحیح نہ ہوگی کیونکہ وہ یوں ہو گیا کہ فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کی اقتدا کر رہا ہے۔

(وَ) لِذَا (يَنْوِي الْوِتْرَ لَا الْوِتْرَ الْوَاجِبَ كَمَا فِي الْعِيدَيْنِ) لِلِاخْتِلَافِ (وَيَأْتِي الْمَأْمُومُ بِقُنُوتِ الْوِتْرِ) وَلَوْ بِشَافِعِيٍّ يَقْنُتُ بَعْدَ الرُّكُوعِ

اور اسی وجہ سے وہ صرف وتر کی نیت کرے گا واجب وتر کی نیت نہیں کرے گا جس طرح عیدین میں کرتا ہے کیونکہ اس میں اختلاف ہے۔ اور مقتدی دعائے قنوت پڑھے گا اگر چہ وہ شافعی ہو وہ رکوع کے بعد دعائے قنوت پڑھے گا

شارح نے سلام کے ساتھ عدم فصل کے شرط ہونے کی علت کا ذکر نہیں کیا کیونکہ انہوں نے اس پر اکتفا کیا جس کی طرف پہلے اشارہ کیا کہ اصح مقتدی کے اعتقاد کا اعتبار کرنا ہے اور سلام اس کے اعتقاد میں وتر کو قطع کر دیتا ہے۔ پس اس کی اقتدا فاسد ہوگی اگر چہ اس کے ساتھ اس کا شروع کرنا صحیح ہے کیونکہ ابتدا میں اس میں کوئی مانع نہیں جس طرح ''حلبی'' نے بیان کیا ہے۔

5636۔ (قولہ: وَلِذَا يَنْوِي) اس اختلاف کی وجہ سے جو ان کے قول وان اختلف الاعتقاد سے مفہوم ہے۔ وہ وتر کی نیت کرے۔ ''ط''۔

5637۔ (قولہ: لَا الْوِتْرَ الْوَاجِبَ) جو ان کے قول: وہ یہ نیت نہ کرے کہ وہ واجب ہے، سے یہ سمجھنا چاہیے کہ اس پر وجوب کی تعیین لازم نہیں آتی، نہ اس سے منع کرنا لازم آتا ہے کیونکہ اگر وہ حنفی ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کی نیت کرے تا کہ وہ اس کے اعتقاد کے مطابق ہو جائے اگر وہ حنفی نہ ہو تو یہ نیت اسے کوئی نقصان نہیں دے گی۔ ''بحر''۔

5638۔ (قولہ: لِلِاخْتِلَافِ) یعنی اس کے واجب اور اس کے سنت ہونے میں اختلاف ہے۔ یہ قول صرف للعیدین کی علت ہے۔ اور وتر کی علت کو ان کے قول ولذا سے بیان کیا ہے۔ اگر اس کو حذف کر دیتے تو کچھ نقصان نہ دیتا کیونکہ یہ کاف سے سمجھا جا رہا ہے۔ ''ط''

5639۔ (قولہ: يَأْتِي الْمَأْمُومُ الخ) یہ آنے والے (مقولہ 5664 میں) ان پانچ مسائل میں سے ہے جنہیں مقتدی کرتا ہے اگر امام ان افعال کو کرے مصنف نے ''کنز'' کی تبع میں جس نقطہ نظر کو اپنایا ہے وہ ہی مختار ہے جس طرح ''البحر'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے۔ ''المحیط'' کی عبارت جس طرح ''الحلبہ'' میں ہے: امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ سنت ہے کہ مقتدی بھی دعا پڑھے یہی مختار ہے۔ کیونکہ یہ دوسری دعاؤں کی طرح دعا ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: نہ پڑھے بلکہ آمین کہے کیونکہ اسے قرآن کے ساتھ مشابہت حاصل ہے یہ بطور احتیاط ہے۔

یہ اس میں صریح ہے کہ یہ مقتدی کے لئے سنت ہے واجب نہیں۔ مگر یہ اس پر مبنی ہے جو ''البحر'' سے قول (مقولہ 5621 میں) گزرا ہے۔ ''قنوت'' ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک سنت ہے''۔

5640۔ (قولہ: وَلَوْ بِشَافِعِيٍّ الخ) یعنی وہ استعانت کی دعا کرے گا، ہدایت کی دعا نہیں کرے گا، جو اس کا امام دعا کرتا ہے۔ کیونکہ متابعت مطلق قنوت میں ہے خصوصی دعا میں نہیں۔ جس طرح شیخ ابو سعود نے شیخ عبدالحی سے اسے بیان کیا ہے اگر چہ ''شرنبلالیہ'' میں اس میں توقف کیا ہے۔

لِأَنَّهُ مُجْتَهَدٌ فِيهِ (لَا الْفَجْرِ) لِأَنَّهُ مَنْسُوخٌ (بَلْ يَقِفُ سَاكِنًا عَلَى الْأَظْهَرِ) مُرْسِلًا يَدَيْهِ (وَلَوْ نَسِيَهُ) أَيْ الْقُنُوتَ (ثُمَّ تَذَكَّرَهُ فِي الرُّكُوعِ لَا يَقْنُتُ) فِيهِ لِفَوَاتِ مَحَلِّهِ

کیونکہ یہ ایسا امر ہے جس میں اجتہاد کی گنجائش ہے۔ وہ فجر کی نماز میں دعا نہیں پڑھے گا کیونکہ فجر کی نماز میں دعائے قنوت منسوخ ہو چکی ہے۔ بلکہ وہ اظہر قول کے مطابق اپنے دونوں ہاتھوں کو چھوڑے، ساکن کھڑا رہے گا۔ اگر وہ قنوت کو بھول گیا پھر رکوع میں اسے یاد آیا تو رکوع میں قنوت نہیں پڑھے گا کیونکہ اس کا محل فوت ہو چکا ہے۔

5641۔(قولہ: لِأَنَّهُ مُجْتَهَدٌ فِيهِ) ہم اس کا معنی واجبات الصلاۃ کے آخر میں اس قول و متابعة الامام یعنی الخ کے ہاں (مقولہ 4024 میں) بیان کر چکے ہیں۔

وہاں ہم نے ان امور کی امثلہ کو بیان کیا جن میں اجتہاد کی گنجائش ہے ان میں سے سلام سے پہلے سجدہ سہو، عید کی تکبیرات میں تین سے زائد تکبیرات، رکوع کے بعد دعائے قنوت۔

ظاہر یہ ہے کہ وتر میں رکوع کے بعد متابعت کے وجوب سے مراد یہ ہے کہ اس میں قیام میں متابعت کی جائے، دعا میں متابعت واجب نہیں۔ اگر ہم یہ کہیں کہ یہ مقتدی کے لئے سنت ہے، واجب نہیں۔

5642۔(قولہ: لِأَنَّهُ مَنْسُوخٌ) پس وہ اس طرح ہو جائے گا کہ اگر اس نے جنازہ میں پانچ تکبیریں کہیں تو مقتدی پانچویں تکبیر میں اس کی متابعت نہیں کرے گا۔ ''بحر''۔

5643۔(قولہ: بَلْ يَقِفُ) ایک قول یہ کیا گیا ہے وہ بیٹھ جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ رکوع کو طویل کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ سجدہ کرے گا یہاں تک کہ امام اسے سجدہ میں مل جائے۔ ''شرنبلالیہ''۔

5644۔(قولہ: مُرْسِلًا يَدَيْهِ) کیونکہ ہاتھ پر ہاتھ رکھنا یہ اس طویل قیام کی سنت ہے جس میں ذکر مسنون ہو، یہ ذکر ہمارے نزدیک مسنون نہیں۔

تنبیہ

''الہدایہ'' میں کہا: یہ مسئلہ شافعی امام کی اقتدا کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔ اور جب مقتدی کو امام سے ایسے امر کے بارے میں علم ہو جس کے ہوتے ہوئے مقتدی نماز کے فاسد ہونے کا گمان رکھتا ہے جس طرح فصد وغیرہ ہے تو اقتدا جائز نہ ہوگی۔ اس کے جواز کی دلالت کی وجہ یہ ہے کہ اگر اقتدا صحیح نہ ہوتی تو ہمارے علما کا یہ اختلاف صحیح نہ ہوتا کہ وہ مقتدی خاموش رہے یا امام کی متابعت کرے۔ ''بحر''۔

5645۔(قولہ: لِفَوَاتِ مَحَلِّهِ) کیونکہ یہ دعا صرف قیام میں ہی مشروع ہے۔ پس یہ امر اس کی طرف متعدی نہیں ہوگا جو من وجہ قیام ہو اور من وجہ قیام نہ ہو اور وہ رکوع ہے۔ جہاں تک تکبیرات عید کا تعلق ہے، جب رکوع میں اسے تکبیرات یاد آئیں تو وہ رکوع میں تکبیرات کہہ لے کیونکہ یہ تکبیرات خالص قیام کے ساتھ خاص نہیں کیونکہ یہ نیچے جھکتے ہوئے

(وَلَا يَعُودُ إِلَى الْقِيَامِ) فِي الْأَصَحِّ لِأَنَّ فِيهِ رَفْضَ الْفَرْضِ لِلْوَاجِبِ (فَإِنْ عَادَ إِلَيْهِ وَقَنَتَ وَلَمْ يُعِدْ الرُّكُوعَ لَمْ تَفْسُدْ صَلَاتُهُ)

اور اصح قول کے مطابق وہ قیام کی طرف نہ لوٹے کیونکہ اس میں واجب کے لئے فرض کو چھوڑنا ہے۔ اگر وہ قنوت کی طرف لوٹ آیا، دعائے قنوت پڑھی اور رکوع کا اعادہ نہ کیا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔

بھی کہی جا سکتی ہیں جبکہ صحابہ کے اجماع کے مطابق یہ تکبیرات عید میں شمار کی جا سکتی ہیں۔ جب عذر کے بغیر خالص قیام کے علاوہ میں ان تکبیرات میں سے ایک تکبیر کہی جا سکتی ہے تو عذر کے ہوتے ہوئے باقی تکبیرات عید بدرجہ اولیٰ جائز ہیں۔ ''بحر''۔

میں کہتا ہوں: یہ ''الحلبہ'' سے ماخوذ ہے اور اس کی اصل ''البدائع'' میں ہے۔ لیکن جو یہ ذکر کیا ہے کہ وہ عید کی تکبیرات، رکوع میں کہہ لے۔ اگرچہ اس کی ''البدائع''، ''الذخیرہ'' وغیرھما میں جو تصریح کی ہے وہ اس کے مخالف ہے جس کی صاحب ''البدائع'' نے خود فصل العید میں تصریح کی ہے کہ اگر امام کو پہلی رکعت کے رکوع میں یاد آیا کہ اس نے تکبیرات نہ کہی تھیں تو وہ لوٹ آئے، تکبیرات کہے، اس کا رکوع ختم ہو جائے گا اور وہ قراءت کا اعادہ نہیں کرے گا۔ مقتدی کا معاملہ مختلف ہے اگر اس نے رکوع میں امام کو پایا اور رکعت کے فوت ہونے کا خوف ہوا تو وہ رکوع کرے اور اس رکوع میں تکبیرات کہہ دے۔ فرق یہ ہے کہ اصل میں تکبیرات کا محل خالص قیام ہے لیکن ہم نے مقتدی کے حق میں رکوع کو قیام کے ساتھ لاحق کیا ہے کیونکہ متابعت کے وجوب کی ضرورت ہے۔

دونوں کلاموں میں جو باہم تضاد ہے اسے دیکھو ''البدائع'' میں جو دوبارہ ذکر کیا ہے، ''شرح المنیہ'' میں اسی کو اپنایا ہے۔ پھر تکبیرات جس کی وجہ سے رکوع کو چھوڑ دیا جاتا ہے اس میں اور قنوت میں اس قول کے ساتھ فرق بیان کیا ہے کہ عید کی تکبیر پر اتفاق ہے قنوت میں اتفاق نہیں۔

میں کہتا ہوں: ''الحلبہ'' کے باب صلاۃ العید میں تصریح کی ہے کہ ''البدائع'' میں جسے دوبارہ ذکر کیا ہے یہ ''نوادر'' کی روایت ہے اور ظاہر روایت یہ ہے کہ وہ تکبیر نہیں کہے گا اور اپنی نماز کو جاری رکھے گا۔ وہاں ''البحر'' میں بھی اس کی تصریح کی ہے اس تعبیر کی بنا پر اصلاً اشکال نہیں۔ کیونکہ اس میں اور قنوت میں کوئی فرق نہیں۔ فافہم۔ واللہ اعلم۔

5646۔ (قولہ: وَلَا يَعُودُ إِلَى الْقِيَامِ) اگر تو کہے: اگر وہ دعا نہ پڑھے پھر بھی رکوع سے سر اٹھانے کے ساتھ قیام حاصل ہو چکا ہے۔

ہم کہیں گے یہ قومہ ہے قیام نہیں۔ پس قیام کی طرف نہ لوٹنا، رکوع کے بعد عدم قنوت سے کنایہ ہے۔ کیونکہ قیام لازم ہے اور قنوت ملزوم ہے۔ پس لازم کا ذکر کیا گیا تاکہ اس سے ملزوم کی طرف منتقل ہوا جائے۔ ''ح''۔

5647۔ (قولہ: لِأَنَّ فِيهِ رَفْضَ الْفَرْضِ لِلْوَاجِبِ) ایک قول کے مطابق یہ عمل نماز کو باطل کر دینے والا ہے اور دوسرے قول کے مطابق یہ گناہ کو واجب کرنے والا ہے۔ صحیح دوسرا قول ہے جس طرح باب سجود السہو میں آئے گا۔ ''ح''۔

لِكَوْنِ رُكُوعِهِ بَعْدَ قِرَاءَةٍ تَامَّةٍ (وَسَجَدَ لِلسَّهْوِ) قَنَتَ اولا، لِزَوَالِهِ عَنْ مَحَلِّهِ (رَكَعَ الْإِمَامُ قَبْلَ فَرَاغِ الْمُقْتَدِي) مِنَ الْقُنُوتِ قَطَعَهُ وَ(تَابَعَهُ) وَلَوْلَمْ يَقْرَأْ مِنْهُ شَيْئًا تَرَكَهُ إِنْ خَافَ فَوْتَ الرُّكُوعِ مَعَهُ

کیونکہ اس کا رکوع مکمل قراءت کے بعد ہوا تھا اور وہ سجدہ سہو کرے گا، اس نے دعائے قنوت پڑھی یا نہ پڑھی۔ کیونکہ وہ اپنے محل سے زائل ہوگئی تھی۔ امام نے مقتدی کے قنوت سے فارغ ہونے سے پہلے رکوع کیا تو مقتدی قنوت کو قطع کردے اور امام کی پیروی کرے۔ اور اگر اس نے قنوت میں سے کوئی چیز نہیں پڑھی تھی تو اگر امام کے ساتھ رکوع کے فوت ہونے کا خوف ہو تو قنوت کو ترک کردے۔

5648۔ (قوله: لِكَوْنِ رُكُوعِهِ بَعْدَ قِرَاءَةٍ تَامَّةٍ) یعنی اس کے رکوع میں نقض واقع نہ ہوگا یعنی رکوع ختم نہ ہوجائے گا یہ صورت مختلف ہے اگر اس نے فوت شدہ فاتحہ کو یاد کیا یا سورت کو یاد کیا تو وہ لوٹے گا اور اس کے رکوع میں نقض واقع ہوجائے گا۔ کیونکہ اس کے لوٹنے سے پوری قراءت فرض ہوگئی اور قراءت ورکوع کے درمیان ترتیب فرض ہے، پس اس کا پہلا رکوع ختم ہوجائے گا۔ اگر اس نے رکوع نہ کیا تو نماز باطل ہوجائے گی۔ اگر اس نے رکوع کیا اور دوسرے رکوع میں اسے کسی آدمی نے پالیا تو وہ اس رکعت کو پانے والا ہوجائے گا۔ ''بحر'' ملخصا۔ کیونکہ دوسرا رکوع ہی معتبر ہے کیونکہ پہلا رکوع قراءت کی طرف لوٹنے سے ختم ہو چکا ہے۔ قنوت کی طرف لوٹنے کا معاملہ مختلف ہے۔ یہاں تک کہ اگر وہ لوٹا اور قنوت پڑھا پھر رکوع کیا تو کسی آدمی نے اس کی اقتدا کی تو وہ رکعت کو پانے والا نہیں ہوگا کیونکہ یہ رکوع لغو ہے۔ ''حلبی'' نے ''البحر'' سے جو نقل کیا ہے اور ''طحطاوی'' نے اس کی پیروی کی، اس میں ایسا اختصار ہے جو معنی کو سمجھنے میں مخل ہے۔ فافہم۔ ہم نے فصل القراءۃ میں پہلے (مقولہ 4540 میں) بیان کردیا ہے کہ قراءت کی طرف لوٹنے کے ساتھ قراءت فرض ہوجائے گی پس اس کی طرف رجوع کرو۔

فرع

اس نمازی نے سورت کو ترک کیا فاتحہ کو ترک نہیں کیا پھر اسے یاد آیا، وہ لوٹے اور سورت کی قراءت کرے اور وہ قنوت اور رکوع کا اعادہ کرے گا۔ ''معراج''، ''خانیہ'' وغیرہما۔

5649۔ (قوله: لِزَوَالِهِ عَنْ مَحَلِّهِ) اس سے قبل چاروں صورتوں سے جو مفہوم سمجھا گیا یہ اس کی تعلیل ہے۔ وہ چار صورتیں یہ ہیں اگر اس نے رکوع میں دعا پڑھی یا رکوع سے اٹھنے کے بعد دعا پڑھی، رکوع کا اعادہ کیا یا اعادہ نہ کیا اور جب اس نے اصلاً دعا نہ پڑھی جس طرح ''حلبی'' نے ثابت کیا ہے۔

5650۔ (قوله: قَطَعَهُ وَتَابَعَهُ) کیونکہ یہاں قنوت سے مراد دعا ہے جو قلیل اور کثیر پر صادق آتی ہے۔ اور جو عمل وہ کر چکا ہے وہ واجب کے سقوط میں کافی ہے، اس کی تکمیل مندوب ہے اور متابعت واجب ہے، پس وہ واجب کے لئے مندوب کو ترک کردے گا۔ ''رحمتی''۔

5651۔ (قوله: وَلَوْلَمْ يَقْرَأْ الخ) یعنی اگر امام نے رکوع کیا اور مقتدی نے رکوع میں سے کوئی چیز نہیں پڑھی تھی،

بِخِلَافِ التَّشَهُّدِ؛ لِأَنَّ الْمُخَالَفَةَ فِيمَا هُوَ مِنْ الْأَرْكَانِ أَوْ الشَّرَائِطِ مُفْسِدَةٌ لَا فِي غَيْرِهَا دُرَرٌ (قَنَتَ فِي أُولَى الْوِتْرِ أَوْ ثَانِيَتِهِ سَهْوًا لَمْ يَقْنُتْ فِي ثَالِثَتِهِ) أَمَّا لَوْ شَكَّ أَنَّهُ

تشہد کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ ارکان اور شرائط میں مخالفت نماز کو فاسد کر دیتی ہے۔ دوسری چیزوں میں مخالفت نماز کو فاسد نہیں کرتی،''درر''۔ اس نے وتر کی پہلی یا دوسری رکعت میں سہواً قنوت پڑھا تو تیسری رکعت میں قنوت نہ پڑھے۔ مگر جب اسے شک ہو کہ

اگر اسے رکوع کے فوت ہونے کا خوف ہو تو وہ رکوع کرے بصورت دیگر وہ دعا پڑھے گا اور رکوع کرے گا''خانیہ'' وغیرہا۔ کیا مراد وہ ہے جسے قنوت کہتے ہیں، یا خصوصی دعا ہے جو مشہور ہے؟ ظاہر پہلا قول ہے۔

5652۔ (قولہ: بِخِلَافِ التَّشَهُّدِ) یعنی امام اگر سلام پھیرے یا مقتدی کے تشہد مکمل کرنے سے قبل تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے تو مقتدی اس کی پیروی نہ کرے بلکہ اس کو مکمل کرے۔ کیونکہ یہ واجب ہے جس طرح فصل الشروع فی الصلاۃ میں اسے پہلے بیان کیا ہے۔

فرائض اور واجبات میں امام کی متابعت کا حکم

5653۔ (قولہ: لِأَنَّ الْمُخَالَفَةَ الخ) یہ تعلیل کمزور ہے۔ کیونکہ یہ متابعت مذکورہ کی فرضیت کا تقاضا کرتی ہے۔ ہم نے پہلے (مقولہ 4246 میں)''شرح المنیہ'' سے بیان کیا ہے کہ فرائض اور واجبات میں امام کی متابعت تاخیر کے بغیر واجب ہے جب کوئی اور واجب اس کے معارض نہ ہو۔ پس وہ واجب کو نہیں چھوڑے گا بلکہ اسے بجالائے گا پھر اس کی پیروی کرے گا۔ جب کوئی سنت اس کے معارض ہو تو معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ واجب کو موخر کرنے سے سنت کا ترک اولیٰ ہے۔ یہ اس کے موافق ہے جس کو ہم نے ابھی پہلے (مقولہ 5650 میں) بیان کیا ہے۔ اس وقت قنوت اور تشہد میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ مقتدی کا قنوت کی قراءت کرنا سنت ہے جس طرح ہم نے''المحیط'' سے اس کی تصریح (مقولہ 5639 میں) بیان کی ہے اور رکوع میں اس کی متابعت واجب ہے۔ جب متابعت کے فوت ہو جانے کا خوف ہو تو وہ واجب کے لئے سنت کو ترک کر دے گا۔ جہاں تک تشہد کا تعلق ہے اس کو مکمل کرنا واجب ہے کیونکہ بعض تشہد، تشہد نہیں پس اسے مکمل کرے گا اگر چہ قیام یا سلام میں متابعت فوت ہو گئی۔ کیونکہ ایک ایسا واجب، متابعت کے عارض آ گیا جو واجب اس کے ساتھ مشغول ہونے سے متابعت سے پہلے متأکد ہو چکا تھا۔ پس وہ اس واجب کو متابعت کی وجہ سے فوت نہیں کرے گا اگر چہ متابعت بھی واجب ہے۔ ''الظہیریہ'' میں اس کی تصریح کی ہے''مقتدی تشہد کو مکمل کرے گا جب امام تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوا اگر چہ مقتدی کو خوف ہو کہ اس کی رکعت امام کے ساتھ فوت ہو جائے گی''۔ جب ہم نے کہا: مقتدی کے لئے قنوت کی قراءت واجب ہے۔ اگر اس نے قنوت کا بعض حصہ پڑھ لیا تو اس کے ساتھ اس کا مقصود حاصل ہو جائے گا کیونکہ قنوت کا بعض قنوت ہے۔ اگر ایسا نہ ہو یعنی اس نے قنوت نہ پڑھا ہو تو وہ واجب متأکد نہ ہوا اور رکوع میں متابعت راجح ہو جائے گی۔ کیونکہ اس میں اختلاف ہے کہ کیا

فِي ثَانِيَتِهِ أَوْ ثَالِثَتِهِ كَرَّرَهُ مَعَ الْقُعُودِ فِي الْأَصَحِّ، وَالْفَرْقُ أَنَّ السَّاهِيَ قَنَتَ عَلَى أَنَّهُ مَوْضِعُ الْقُنُوتِ فَلَا يَتَكَرَّرُ بِخِلَافِ الشَّاكِّ، وَرَجَّحَ الْحَلَبِيُّ تَكْرَارَهُ لَهُمَا، وَأَمَّا الْمَسْبُوقُ فَيَقْنُتُ مَعَ إمَامِهِ فَقَطْ، وَيَصِيرُ مُدْرِكًا بِإِدْرَاكِ رُكُوعِ الثَّالِثَةِ

وہ دوسری یا تیسری رکعت میں ہے تو وہ اصح قول کے مطابق قعدہ کے تکرار کے ساتھ قنوت میں تکرار کرے گا۔ فرق یہ ہے کہ بھولنے والے نے دعائے قنوت پڑھی اس شرط پر کہ یہی قنوت کی جگہ ہے تو وہ اس میں تکرار نہیں کرے گا۔ جس کو شک ہوا اس کا معاملہ مختلف ہے۔ ''حلبی'' نے دونوں کے لئے قنوت کے تکرار کو راجح قرار دیا ہے۔ جہاں تک مسبوق کا تعلق ہے تو وہ صرف اپنے امام کے ساتھ قنوت پڑھے گا اور مسبوق تیسری رکعت کے رکوع کے پانے کے ساتھ قنوت کو پانے والا ہوگا۔

مقتدی قنوت پڑھے گا یا خاموش رہے گا؟ فافہم۔

5654۔ (قولہ: فِي ثَانِيَتِهِ أَوْ ثَالِثَتِهِ) یہی صورتحال ہوگی اگر اسے یہ شک پڑ جائے کہ وہ پہلی دوسری یا تیسری رکعت میں ہے۔ ''بحر''۔

5655۔ (قولہ: كَرَّرَهُ مَعَ الْقُعُودِ) یعنی وہ قنوت پڑھے گا اور اس رکعت میں بیٹھے گا جس میں شک حاصل ہوا کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ یہ تیسری رکعت ہے۔ پھر بعد والی رکعت میں بھی اسی طرح کرے گا کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ یہی تیسری رکعت ہو جبکہ وہ رکعت دوسری تھی۔

5656۔ (قولہ: فِي الْأَصَحِّ) ایک قول یہ کیا گیا وہ کسی رکعت میں بھی قنوت نہیں پڑھے گا۔ کیونکہ پہلی رکعت اور دوسری رکعت میں قنوت بدعت ہے۔ پہلے قول کی دلیل یہ ہے کہ قنوت واجب ہے اور جو امر واجب اور بدعت میں متردد ہو وہ اسے بطور احتیاط بجالائے۔ ''بحر'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے۔

5657۔ (قولہ: وَرَجَّحَ الْحَلَبِيُّ تَكْرَارَهُ لَهُمَا) کیونکہ کہا: مگر یہ فرق مفید نہیں۔ کیونکہ اس ظن کا کوئی اعتبار نہیں جس کی خطا ظاہر ہو۔ جب شک کرنے والا قنوت کا اعادہ کرتا ہے اس احتمال کی وجہ سے کہ واجب اپنی جگہ پر واقع نہیں ہوا تو بھول جانے والا کیسے اعادہ نہیں کرے گا جبکہ اسے یقین ہو چکا ہے۔

''الخلاصہ'' میں ''صدر الشہید'' سے تصریح واقع ہوئی ہے کہ بھول جانے والا دوبارہ قنوت پڑھے گا۔ اگر جو گزر چکا ہے وہ ایک روایت ہے تو وہ درایت کے موافق نہیں۔

میں کہتا ہوں: ''الحلبہ'' اور ''البحر'' میں اسی طرح اسے ترجیح دی ہے جس طرح (اسی مقولہ میں) گزر چکا ہے۔

5658۔ (قولہ: فَيَقْنُتُ مَعَ إمَامِهِ فَقَطْ) کیونکہ یہ اس کی نماز کا آخر ہے اور جس کی وہ قضا کرے گا وہ قراءت اور اس کے جو مشابہ امور ہیں اس کے حق میں حکماً نماز کا اول ہے جبکہ مشابہ یہ قنوت ہے اور جب قنوت یقینی طور پر اپنی جگہ پر واقع ہے تو اسے مکرر نہیں پڑھا جائے گا کیونکہ اس کا تکرار غیر مشروع ہے۔ ''شرح المنیہ''

(وَلَا يَقْنُتُ لِغَيْرِهِ) إِلَّا لِنَازِلَةٍ، فَيَقْنُتُ الْإِمَامُ فِي الْجَهْرِيَّةِ،

اور وہ وتر کے علاوہ نماز کے لئے قنوت نہیں پڑھے گا مگر کسی مصیبت کے لئے ایسا کر سکتا ہے۔ پس امام جہری نمازوں میں قنوت پڑھے گا۔

5659۔ (قولہ: وَلَا يَقْنُتُ لِغَيْرِهِ) غیرہ سے مراد غیر وتر ہے۔ یہ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی نفی ہے جو امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ فجر کی نماز میں قنوت پڑھے گا۔

مصیبت واقع ہونے کی صورت میں دعا

5660۔ (قولہ: إِلَّا النَّازِلَةَ) ''الصحاح'' میں کہا: نازلہ سے مراد زمانے کے مصائب میں سے ایک مصیبت ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ طاعون سب سے سخت مصیبت ہے۔ ''اشباہ''۔

5661۔ (قولہ: فَيَقْنُتُ الْإِمَامُ فِي الْجَهْرِيَّةِ) ''البحر'' اور ''شرنبلالیہ'' میں ''شرح النقایہ'' سے، اس میں ''الغایہ'' سے جو قول مروی ہے وہ اس کے موافق ہے کہ اگر مسلمانوں پر کوئی مصیبت آن پڑے تو امام جہری نمازوں میں قنوت پڑھے۔ یہ امام ثوری اور امام احمد کا قول ہے۔

''شرح الشیخ اسماعیل'' میں ''البنایہ'' سے مروی ہے ''جب کوئی مصیبت آ پڑے تو امام جہری نمازوں میں قنوت پڑھے'' لیکن ''الاشباہ'' میں ''الغایہ'' سے مروی ہے ''وہ صبح کی نماز میں قنوت پڑھے''۔ ''شرح المنیہ'' میں جو قول ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے کیونکہ گفتگو کے بعد کہا: ''پس مصائب میں قنوت کی مشروعیت دائمی ہے۔ یہی تعبیر ہوگی اس قنوت کی جو صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد پڑھا۔ یہی ہمارا مذہب ہے اور اس پر جمہور علما ہیں۔ حافظ ابو جعفر طحاوی نے کہا: ہمارے نزدیک مصیبت کے بغیر وہ نماز فجر میں قنوت نہیں پڑھے گا۔ اگر کوئی فتنہ یا آزمائش آن پڑے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ عمل کیا ہے۔ جہاں تک حادثات میں تمام نمازوں میں قنوت کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں صرف امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر اور عصر کی نماز میں قنوت پڑھا جس طرح مسلم میں ہے (1)۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مغرب میں قنوت پڑھا، جس طرح بخاری میں ہے۔ اسے نسخ پر محمول کیا ہے کیونکہ مواظبت اور تکرار وارد نہیں جبکہ یہ دونوں چیزیں فجر کی نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وارد ہیں۔

یہ اس میں صریح ہے کہ ہمارے نزدیک قنوت نازلہ یہ فجر کی نماز کے ساتھ خاص ہے اس کے علاوہ دوسری جہری اور سری نمازوں میں خاص نہیں۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ ان کا قول کہ فجر کی نماز میں قنوت منسوخ ہے، اس کا معنی ہے کہ اس کا عموم حکم منسوخ ہے اس کی اصل منسوخ نہیں۔ جس طرح اس پر ''نوح آفندی'' نے متنبہ کیا۔ امام کی قید لگانے کا ظاہر معنی یہ ہے کہ منفرد قنوت نہیں پڑھے گا۔ کیا مقتدی اس کی مثل ہے یا کہ نہیں؟ کیا یہاں قنوت، رکوع سے پہلے ہے یا بعد میں؟ میں نے اس

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب القنوت فی جمیع الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 972، حدیث نمبر 1134

وَقِيلَ فِي الْكُلِّ (فَائِدَةٌ) خَمْسٌ يُتْبَعُ فِيهَا الْإِمَامُ قُنُوتٌ، وَقُعُودٌ أَوَّلُ،

اور ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ سب نمازوں میں پڑھے۔ فائدہ: پانچ امر ایسے ہیں جن میں امام کی پیروی کی جائے گی: قنوت، پہلا قعدہ،

بارے میں کوئی قول نہیں دیکھا۔ جو امر میرے لئے ظاہر ہوتا ہے کہ مقتدی اپنے امام کی موافقت کرے گا۔ مگر جب وہ قنوت بلند آواز سے پڑھے تو آمین کہے گا، اور وہ رکوع کے بعد قنوت پڑھے گا، اس سے پہلے قنوت نہیں پڑھے گا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے فجر کی نماز کے قنوت پر استدلال کیا ہے جبکہ فجر کی نماز میں قنوت کی رکوع کے بعد تصریح کی گئی ہے ہمارے علما نے اسے قنوت پر محمول کیا ہے جو کسی مصیبت کے واقع ہونے پر ہو۔ پھر میں نے ''شرنبلالی'' کی ''مراقی الفلاح'' میں دیکھا کہ انہوں نے اس امر کی تصریح کی کہ یہ قنوت رکوع کے بعد ہے۔ ''حموی'' نے اسے ظاہر روایت قرار دیا کہ یہ رکوع سے پہلے ہے۔ جبکہ زیادہ ظاہر وہ ہے جو ہم نے کہا ہے۔ واللہ اعلم۔

5662۔ (قولہ: وَقِيلَ فِي الْكُلِّ) تو یہ جان چکا ہے کہ یہ قول صرف امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اور ''البحر'' میں اسے جمہور علما حدیث کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس قول کو علما حدیث کی طرف منسوب کیا جانا چاہئے تا کہ یہ وہم نہ دلائے کہ یہ مذہب میں قول ہے۔

وہ پانچ امور جن میں امام کی پیروی کی جائے گی

5663۔ (قولہ: خَمْسٌ يُتْبَعُ فِيهَا الْإِمَامُ) یعنی اگر امام نے ان افعال کو کیا تو مقتدی ان افعال کو کرے گا ورنہ نہیں کرے گا۔ ''ح''۔ ''شرح المنیہ'' میں کہا: اس نوع میں اصل یہ ہے کہ واجبات میں امام کی فعل میں متابعت کی جائے گی اور اسی طرح ترک میں متابعت کی جائے گی، اگر وہ فعلی یا قولی ہو جس کے بجالانے سے فعلی میں مخالفت لازم ہو۔

5664۔ (قولہ: قُنُوتٌ) ''الفتح''، ''الظہیریہ''، ''الفیض'' اور ''نور الایضاح'' میں جو قول ہے وہ اس کے مخالف ہے: اگر امام نے قنوت کو ترک کیا مقتدی اس کو پڑھے گا، اگر رکوع میں امام کے ساتھ شریک ہونا ممکن ہو۔ ورنہ وہ امام کی پیروی کرے گا۔ ''الفتح'' میں ''قضاء الفوائت'' سے تھوڑا پہلے اس کا دوبارہ ذکر کیا پھر اس کے پیچھے اسے لائے جس کا ذکر شارح نے یہاں ''نظم الزندویستی'' کی طرف منسوب کیا۔ جو امر ظاہر ہوتا ہے وہ تفصیل ہے کیونکہ اس میں دو فضیلتوں کو جمع کرنا لازم آتا ہے۔ ''تامل''۔

5665۔ (قولہ: وَقُعُودٌ أَوَّلُ) ظاہر یہ ہے کہ مقتدی، امام کا انتظار کرے گا یہاں تک کہ امام قیام کے زیادہ قریب ہو جائے۔ کیونکہ اس سے قبل اس کے پلٹ آنے کا امکان ہوتا ہے، پھر وہ امام کی متابعت کرے گا۔ کیونکہ قیام کے زیادہ قریب ہونے پر واپس لوٹے تو دو قولوں میں سے ایک قول کے مطابق اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور دوسرے قول کی بنا پر وہ گناہگار ہوگا۔ مقتدی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ بیٹھے پھر اس کی متابعت کرے۔ کیونکہ وہ ایسا کام کرنے والا ہے جس کا کرنا

وَتَكْبِيرُ عِيدٍ، وَسَجْدَةُ تِلَاوَةٍ، وَسَهْوٍ وَأَرْبَعَةٌ لَا يُتْبَعُ فِيهَا زِيَادَةُ تَكْبِيرِ عِيدٍ، أَوْ جِنَازَةٍ، وَرُكْنٍ، وَقِيَامٌ لِخَامِسَةٍ

عید کی تکبیرات، سجدہ تلاوت اور سجدہ سہو۔ اور چار امور ایسے ہیں جن میں امام کی اتباع نہ کی جائے گی: عید کی تکبیرات میں اضافہ، نماز جنازہ کی تکبیر میں اضافہ، رکن میں اضافہ، پانچویں رکعت کے لئے قیام

امام پر حرام ہے اور عمل فعلی میں اس کی مخالفت کرنے والا ہے۔ جب امام، مقتدی کے تشہد سے فارغ ہونے سے پہلے کھڑا ہو گیا تو معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس صورت میں وہ تشہد کو مکمل کرے گا پھر امام کی متابعت کرے گا۔ کیونکہ تشہد کو مکمل کرنے میں امام کی اس امر میں متابعت ہے جسے امام کرتا ہے۔ فافہم۔

5666۔ (قولہ: وَتَكْبِيرُ عِيدٍ) یعنی جب امام قیام یا رکوع میں تکبیرات نہ پڑھے تو مقتدی بھی نہیں پڑھے گا۔ فافہم۔ ''شرح المنیہ'' میں بحث کی ہے: چاہیے کہ مقتدی رکوع میں اسے بجالائے۔ کیونکہ رکوع میں یہ مشروع ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ واجب فعلی میں امام کی مخالفت کرنے والا نہ ہو جائے۔ پھر اس کا جواب دیا: مسبوق کے لئے رکوع میں اسے مشروع کیا گیا تا کہ اس میں امام کی موافقت حاصل ہو جائے جس کو وہ بجالا چکا ہے۔ جہاں تک یہاں کا تعلق ہے تو اس میں اس کی مخالفت کی تحصیل ہے۔ کہا: یہ دوسری رکعت کی تکبیرات کے بارے میں ہے۔ جہاں تک پہلی تکبیرات کا تعلق ہے تو ان کے بجالانے میں سننے اور خاموش ہونے کا ترک لازم آتا ہے۔

وہ چار امور جن میں امام کی پیروی نہیں کی جائے گی

5667۔ (قولہ: وَأَرْبَعَةٌ لَا يُتْبَعُ) یعنی جب امام ان امور کو کرے تو قوم اس کی اتباع نہ کرے۔ اس نوع میں قاعدہ یہ ہے کہ مقتدی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ بدعت اور منسوخ اور جن امور کا نماز سے تعلق نہیں، ان میں اس کی موافقت کرے۔

5668۔ (قولہ: زِيَادَةُ تَكْبِيرِ عِيدٍ) یعنی جب اس نے تکبیرات عید میں صحابہ کے اقوال پر اضافہ کیا اور مقتدی، امام کی تکبیرات سن رہا تھا۔ جب وہ موذن سے سن رہا تھا تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ غلطی موذن کی جانب سے ہو۔ ''شرح المنیہ''۔

5669۔ (قولہ: أَوْ جِنَازَةٍ) یعنی وہ چار تکبیرات سے زائد تکبیریں کہے۔

5670۔ (قولہ: وَرُكْنٍ) جیسے تیسرے سجدہ کی زیادتی۔

5671۔ (قولہ: وَقِيَامٌ لِخَامِسَةٍ) یہ ان کے قول و رکن کے تحت داخل ہے۔ ''تامل''۔ ''شرح المنیہ'' میں کہا: پھر پانچویں رکعت میں قیام کی صورت میں اگر امام چوتھی رکعت پر بیٹھا تھا تو مقتدی بیٹھ کر امام کا انتظار کرے۔ اگر امام تشہد کے اعادہ کے بغیر سلام پھیر دے تو مقتدی بھی اس کے ساتھ سلام پھیر دے۔ اگر اس نے پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کر دیا تو مقتدی تنہا سلام پھیرے۔ اگر امام چوتھی رکعت پر نہیں بیٹھا تھا، اگر امام لوٹ آئے تو مقتدی اس کی پیروی

وَثَمَانِيَةٌ تُفْعَلُ مُطْلَقًا الرَّفْعُ لِتَحْرِيمَةٍ وَالثَّنَاءُ، وَتَكْبِيرُ انْتِقَالٍ، وَتَسْمِيعٌ، وَتَسْبِيحٌ، وَتَشَهُّدٌ، وَسَلَامٌ، وَتَكْبِيرُ تَشْرِيقٍ

اور آٹھ امور مطلقاً کئے جائیں گے۔ تکبیر تحریمہ کے لئے ہاتھ اٹھانا، ثنا، رکوع و سجود کی طرف منتقل ہونے کی تکبیر، سمع اللہ لمن حمدہ کہنا، تسبیح کہنا، تشہد پڑھنا، سلام کہنا اور تکبیرات تشریق کہنا۔

کرے۔ اور اگر وہ پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کر دے تو ان سب کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور مقتدی کو اس کا اکیلا تشہد اور اکیلا سلام کوئی نفع نہ دے گا۔

وہ آٹھ امور جو مطلقاً کیے جائیں گے

5672۔ (قولہ: وَثَمَانِيَةٌ تُفْعَلُ مُطْلَقًا) یعنی امام ان افعال کو کرے یا نہ کرے اس نوع میں اصل یہ ہے کہ سنن میں فعلاً متابعت واجب نہیں اسی طرح ترک میں متابعت واجب نہیں۔ اسی طرح ایسا واجب قولی ہے جس کے فعل سے واجب فعلی میں مخالفت لازم نہیں آتی۔ جیسے تشہد اور تکبیرات تشریق۔ قنوت اور تکبیرات عیدین کا مسئلہ مختلف ہے۔ کیونکہ دونوں عمل کرنے سے واجب فعلی میں مخالفت لازم آتی ہے۔ اور وہ امام کے رکوع کے ساتھ قیام ہے۔ ''شرح المنیہ''

5673۔ (قولہ: الرَّفْعُ) یعنی تکبیر تحریمہ کے لئے ہاتھوں کو اٹھانا۔

5674۔ (قولہ: وَالثَّنَاءُ) جب تک امام، سورت فاتحہ میں ہو وہ ثنا پڑھے گا۔ اگر امام سورت میں ہے تو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حکم اسی طرح ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی مخالفت کی ہے۔ جبکہ یہ معروف ہے کہ جب اس مقتدی نے امام کو جہری قراءت میں پایا تو وہ ثنا نہیں پڑھے گا۔ ''الفتح'' میں اسی طرح ہے۔ حالت سرّ اس سے مختلف ہے جس پر مصنف فصل الشروع فی الصلاۃ میں اسی پر گامزن ہوئے۔ ہم نے وہاں اس کی تصحیح کو پہلے (مقولہ 4186 میں) بیان کر دیا ہے اور ہم نے وہاں یہ بھی بیان کر دیا کہ اسی پر فتویٰ ہے۔ فافہم۔

5675۔ (قولہ: وَتَكْبِيرُ انْتِقَالٍ) یعنی رکوع و سجود کی طرف منتقل ہونے یا ان سے اٹھنے کی صورت میں۔

5676۔ (قولہ: وَتَسْمِيعٌ) جب امام سمع اللہ لمن حمدہ ترک کر دے تو مقتدی ربنا لک الحمد نہیں چھوڑے گا۔

5677۔ (قولہ: وَتَسْبِيحٌ) یعنی رکوع و سجود میں تسبیح کرے گا۔ جب تک امام ان دونوں میں ہے تو مقتدی اسے بجالائے۔

5678۔ (قولہ: وَتَشَهُّدٌ) یعنی جب امام بیٹھے اور اس نے تشہد نہ پڑھا تو مقتدی اسے پڑھے گا۔ مگر جب امام پہلے قعدہ کو ترک کر دے تو مقتدی اس کی متابعت کرے۔ جس طرح (مقولہ 5665 میں) گزر چکا۔

5679۔ (قولہ: وَسَلَامٌ) جب امام کلام کرے یا مسجد سے نکل جائے تو مقتدی سلام پھیر دے گا۔ مگر جب اس نے جان بوجھ کر حدث لاحق کیا یا اس نے قہقہہ لگایا تو مقتدی سلام نہیں پھیرے گا۔ کیونکہ ان دونوں کی نماز کا آخر فاسد ہو

(وَ سُنَّ) مُؤَكَّدًا (أَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّهْرِ وَ) أَرْبَعٌ قَبْلَ (الْجُمُعَةِ وَ) أَرْبَعٌ (بَعْدَهَا بِتَسْلِيمَةٍ) فَلَوْ بِتَسْلِيمَتَيْنِ

ظہر کی نماز سے قبل چار رکعات اور جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے بعد ایک سلام کے ساتھ چار رکعات پڑھنا سنت ہے۔ اگر وہ دو سلاموں کے ساتھ ہو

گیا ہے۔ ''ط''۔

سنتوں اور نوافل کے بارے میں اقوال

5680۔ (قولہ: وَ سُنَّ مُؤَكَّدًا) یعنی سنت مؤکدہ ہے۔ یعنی اس سے مؤکد طلب کی گئی یہ باقی نوافل پر زیادتی ہے۔ اس وجہ سے سنت مؤکدہ گناہ کے لاحق ہونے میں واجب کے قریب ہے۔ جس طرح ''البحر'' میں ہے۔ سنت کا تارک گمراہ قرار دینے اور ملامت کا مستحق ہے۔ جس طرح ''التحریر'' میں ہے۔ یعنی عذر کے بغیر اس سے اصرار کیا جائے گا جس طرح ان کی شرح میں ہے۔ ہم نے اس کے متعلق باقی ماندہ کلام، سنن الوضوء میں پہلے (مقولہ 829 میں) کر دی ہے۔

5681۔ (قولہ: بِتَسْلِيمَةٍ) کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہر سے پہلے چار، اس کے بعد دو، مغرب کے بعد دو، عشاء کے بعد دو اور فجر سے پہلے دو رکعات پڑھا کرتے تھے (1)۔ اس حدیث کو امام مسلم، ابوداؤد اور امام احمد بن حنبل نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زوال کے بعد چار رکعات ادا کیا کرتے تھے میں نے عرض کی یہ کون سی نماز ہے جس پر آپ دوام اختیار کرتے ہیں؟ فرمایا: یہ ایسی ساعت ہے جس میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، میں پسند کرتا ہوں کہ اس گھڑی میں میرا صالح عمل بلند ہو۔ میں نے عرض کی کیا ان سب رکعات میں قراءت ہے؟ فرمایا: ہاں۔ میں نے عرض کی ایک سلام کے ساتھ یا دو سلاموں کے ساتھ؟ فرمایا: ایک سلام کے ساتھ (2)۔ اسے امام ''طحاوی''، ''ابوداؤد''، ''ترمذی'' اور ''ابن ماجہ'' نے ظہر اور جمعہ میں فرق کئے بغیر ذکر کیا ہے۔ پس ظہر اور جمعہ میں سے ہر ایک کی سنتیں چار ہوں گی۔ ابن ماجہ نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ سے پہلے چار رکعات پڑھا کرتے تھے ان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (سلام سے، فاصلہ نہیں کرتے تھے (3)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے جو جمعہ کی نماز کے بعد نماز پڑھنے والا ہو تو وہ چار رکعات پڑھے (4)۔ اسے ''مسلم'' اور ''زیلعی'' نے روایت کیا ہے۔ ''الامداد'' میں یہ اضافہ کیا ہے: کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: جب تم جمعہ کے بعد نماز پڑھو تو چار رکعات پڑھو۔ اگر کوئی چیز تجھے جلدی میں ڈالے تو مسجد میں دو رکعات پڑھ لے اور دو رکعات اس وقت پڑھ لے جب تو واپس لوٹے (5)۔ اسے امام بخاری کے علاوہ جماعت نے روایت کیا ہے۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب تفریع ابواب التطوع و رکعات السنۃ، جلد 1، صفحہ 456، حدیث نمبر 1060

2۔ سنن ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ عند الزوال، جلد 1، صفحہ 296، حدیث 440

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، باب الصلاۃ قبل الجمعۃ، جلد 1، صفحہ 353، حدیث نمبر 1118

4۔ صحیح مسلم، کتاب الجمعۃ، باب الصلاۃ بعد الجمعۃ، جلد 1، صفحہ 827، حدیث نمبر 1509

5۔ ایضاً، حدیث نمبر 1508

لَمْ تَنُبْ عَنْ السُّنَّةِ، وَلِذَا لَوْ نَذَرَهَا لَا يَخْرُجُ عَنْهُ بِتَسْلِيمَتَيْنِ، وَبِعَكْسِهِ يَخْرُجُ (وَرَكْعَتَانِ قَبْلَ الصُّبْحِ وَبَعْدَ الظُّهْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ) شُرِعَتْ الْبَعْدِيَّةُ لِجَبْرِ النُّقْصَانِ، وَالْقَبْلِيَّةُ لِقَطْعِ

تو یہ سنت کے قائم مقام نہ ہوں گی۔ اور اسی وجہ سے اگر اس نے ان رکعات کی نذر مانی اور دو سلاموں کے ساتھ ان رکعات کو پڑھا تو نذر سے خارج نہیں ہوگا۔ اگر دو دو کر کے نماز پڑھنے کی نذر مانی تو ایک سلام کے ساتھ چار رکعات پڑھیں تو نذر سے خارج ہو جائے گا۔ صبح سے پہلے دو رکعات، ظہر، مغرب اور عشا کے بعد دو رکعات سنن مؤکدہ ہیں۔ بعد کی سنتیں اس لئے مشروع ہیں تا کہ نقصان کو پورا کر دیں۔ اور پہلے کی سنن اس لئے مشروع ہیں کہ شیطان کی طمع

5682۔ (قولہ: لَمْ تَنُبْ عَنْ السُّنَّةِ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ جمعہ کی سنتیں اسی طرح ہیں۔ جو حدیث ابھی گزری ہے اس کی وجہ سے عذر نہ ہونے کی قید لگانا اچھا ہے۔ ''شرنبلالیہ'' میں اسی طرح بحث کی ہے۔ ہم دو اوراق کے بعد (مقولہ 5710 میں) اسے ذکر کریں گے جو اس کی تائید کرے گا۔

5683۔ (قولہ: وَلِذَا) کیونکہ دو سلاموں کے ساتھ وہ چیز تیار نہیں ہوتی جو ایک سلام کے ساتھ ہوتی ہے۔

فائدہ: یہاں دو سلاموں سے مراد ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرنا ہے۔ ''مترجم''۔

5684۔ (قولہ: لَوْ نَذَرَهَا) یعنی اس نے چار رکعات کی نذر مانی اس نے سنت کی قید نہیں لگائی۔ ''الدرر'' کی عبارت ہے: اسی وجہ سے اگر اس نے نذر مانی کہ ایک سلام کے ساتھ چار رکعات پڑھے گا اور اس نے چار رکعات دو سلاموں کے ساتھ پڑھیں تو وہ نذر کو پورا کرنے والا نہیں ہوگا اور اس کے برعکس کیا تو نذر سے فارغ ہو جائے گا۔ ''الکافی'' میں اسی طرح ہے۔ شارح نے اپنا قول بتسلیمۃ ساقط کر دیا ہے اس امر کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ یہ قید نہیں۔ جس طرح یہ ظاہر ہو گا اس سے جو مصنف کے قول وقضی رکعتین لونوی اربعًا الخ کے ہاں (مقولہ 5785 میں) آئے گا۔

فرائض سے پہلے اور بعد میں سنتوں کے مشروع ہونے کی حکمت

5685۔ (قولہ: لِجَبْرِ النُّقْصَانِ) تا کہ آخرت میں یہ اس کے قائم مقام ہو جائے جس کو اس نے عذر کے ساتھ ترک کیا تھا جس طرح نسیان ہے۔ اسی پر خبر صحیح کو معمول کیا جائے گا: نماز، زکوۃ وغیرھما کا فریضہ جب مکمل نہ ہوں تو نفل کے ساتھ مکمل ہو جاتا ہے (1)۔ ''بیہقی'' نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ نفل کے ساتھ تکمیل کا مطلب یہ ہے کہ اس میں جو سنت مطلوب تھی اس میں جو کمی کی تھی۔ یعنی یہ حدیث صحیح کی وجہ سے فرض کے قائم مقام نہیں ہوگا: ایسی فرض نماز جسے وہ مکمل نہیں کرتا، اس نماز پر نفل کو زائد کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ فرض مکمل ہو جاتا ہے (2)۔ پس نفل میں سے جسے پڑھا گیا، اسے اس فریضہ کے لئے تکمیل بنایا گیا، جسے ناقص پڑھا گیا تھا نہ کہ اس نماز کے لئے تکمیل بنایا گیا جس کو ترک کر دیا گیا تھا۔ ''غزالی'' کے کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ مطلقاً نفل کو فرض شمار کیا جائے گا۔ ''ابن عربی'' وغیرہ نے بھی اسی قول کو اپنایا ہے۔ کیونکہ امام احمد بن حنبل کی

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، باب ماجاء فی اول ما یحاسب بہ العبد الصلوۃ، جلد 1، صفحہ 449، حدیث نمبر 1415

2۔ المعجم الکبیر للطبرانی، جلد 18، صفحہ 22، حدیث نمبر 37

طَمَعِ الشَّيْطَانِ (وَيُسْتَحَبُّ أَرْبَعٌ قَبْلَ الْعَصْرِ، وَقَبْلَ الْعِشَاءِ وَبَعْدَهَا بِتَسْلِيمَةٍ) وَإِنْ شَاءَ رَكْعَتَيْنِ، وَكَذَا بَعْدَ الظُّهْرِ لِحَدِيثِ التِّرْمِذِيِّ (مَنْ حَافَظَ عَلَى أَرْبَعٍ قَبْلَ الظُّهْرِ وَأَرْبَعٍ بَعْدَهَا حَرَّمَهُ اللهُ عَلَى النَّارِ) (وَسِتٌّ بَعْدَ الْمَغْرِبِ) لِيُكْتَبَ مِنَ الْأَوَّابِينَ

کوختم کیا جائے۔اور عصر سے پہلے، عشا سے پہلے اور عشا کے بعد چار رکعات ایک سلام کے ساتھ پڑھنا مستحب ہے، اگر چاہے تو دو رکعات مستحب ہیں۔اسی طرح ظہر کے بعد کا معاملہ ہے کیونکہ ترمذی کی حدیث ہے: جس نے ظہر سے پہلے اور ظہر کے بعد چار رکعات پر مواظبت اختیار کی اللہ تعالیٰ اسے آگ پر حرام کر دیتا ہے۔اور مغرب کے بعد چھ رکعات پڑھنا مستحب ہے تا کہ وہ اوابین میں لکھ دیا جائے۔

حدیث اس میں ظاہر ہے۔

فائدہ: حدیث یہ ہے لا ینتقص احد کم من صلاتہ شیئًا الا اتمہا اللہ من سبحتہ۔مترجم۔

یہ ''تحفۃ ابن حجر'' کا ملخص ہے۔اسی کی مثل ''الضیاء'' میں ''السراج'' سے ذکر کیا ہے۔آنے والے باب میں اس کا عنقریب ذکر کریں گے: انہا فی حقہ صلی اللہ علیہ وسلم لزیادۃ الدرجات۔

5686۔(قولہ: لِقَطْعِ طَمَعِ الشَّيْطَانِ) اس طرح کہ وہ کہے کہ اس بندے نے اس کو ترک نہیں کیا جو فرض نہیں، تو اسے کیسے ترک کرے گا جو فرض ہے؟ ''ط''۔

5687۔(قولہ: وَيُسْتَحَبُّ أَرْبَعٌ قَبْلَ الْعَصْرِ) عصر کے لئے سنت مؤکدہ نہیں بنائی گئیں۔کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی گزشتہ حدیث (مقولہ 5681) میں ان کا ذکر نہیں۔''بحر''۔''الامداد'' میں کہا: امام محمد بن حسن اور امام قدوری نے نمازی کو اختیار دیا کہ وہ عصر سے پہلے چار رکعات یا دو رکعات پڑھے۔کیونکہ آثار میں اختلاف ہے۔

5688۔(قولہ: وَإِنْ شَاءَ رَكْعَتَيْنِ) ''منیۃ المصلی'' میں اسی طرح تعبیر کیا ہے۔''الامداد'' میں ''الاختیار'' سے مروی ہے: یہ مستحب ہے کہ وہ عشاء سے پہلے چار رکعات پڑھے۔ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ دو رکعات پڑھے اور اس کے بعد چار رکعات پڑھے۔ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ دو رکعات پڑھے۔ظاہر یہ ہے کہ مذکورہ دو رکعات، دو مؤکدہ رکعات کے علاوہ ہیں۔

5689۔(قولہ: حَرَّمَهُ اللهُ عَلَى النَّارِ) پس وہ جہنم میں اصلاً داخل نہیں ہوگا۔اس کے گناہ اور خطائیں بخش دی جائیں گے۔اللہ تعالیٰ اس بارے میں اس کے مدعیوں کو راضی کر دے گا۔یہ احتمال موجود ہے کہ اس کے جہنم میں داخل نہ ہونا ایسے امر کی توفیق کے سبب ہو جس پر عقاب مترتب نہیں ہوتا۔''ط''۔یا یہ بشارت ہے کہ اس پر سعادت کی مہر لگا دی جائے گی پس وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔

صلاۃ الاوابین

5690۔(قولہ: مِنَ الْأَوَّابِينَ) یہ اواب کی جمع ہے۔یعنی وہ توبہ اور استغفار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع

(بِتَسْلِيمَةٍ) أَوْ ثِنْتَيْنِ أَوْ ثَلَاثٍ، وَالْأَوَّلُ أَدْوَمُ وَأَشَقُّ وَهَلْ تُحْسَبُ الْمُؤَكَّدَةُ مِنَ الْمُسْتَحَبِّ وَيُؤَدِّي الْكُلَّ بِتَسْلِيمَةٍ وَاحِدَةٍ؟ اخْتَارَ الْكَمَالُ نَعَمْ،

یہ چھ رکعات ایک سلام، دو سلام یا تین سلام کے ساتھ پڑھ سکتا ہے۔ جب کہ پہلی صورت زیادہ دائمی اور زیادہ مشقت والی ہے۔ اور کیا مؤکدہ سنتوں کو مستحب میں سے شمار کیا جا سکتا ہے اور سب کو ایک سلام کے ساتھ ادا کیا جا سکتا ہے؟ ''کمال'' نے اسے اختیار کیا ہے کہ ہاں۔

کرنے والا ہے۔

5691۔ (قولہ: بِتَسْلِيمَةٍ أَوْ ثِنْتَيْنِ أَوْ ثَلَاثٍ) ''الدرر'' میں پہلے قول کو یقین سے بیان کیا، ''غزنویہ'' میں دوسرے قول کو یقین سے بیان کیا اور ''التجنیس'' میں تیسرے قول کو یقین سے بیان کیا ہے۔ جس طرح ''الامداد'' میں ہے۔ لیکن ''الغزنویہ'' میں ''التجنیس'' کی مثل ہے۔ ''شرح درر البحار'' میں اسی طرح ہے۔ ''خیر رملی'' نے اس کی وجہ میں یہ بیان کیا ہے کہ جب رکعات چار سے زائد ہو گئیں اور ان رکعات کو ایک سلام کے ساتھ جمع کرنا افضل کے خلاف ہے، کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک افضل یہ ہے کہ چار رکعات اکٹھی پڑھی جائیں، اگر اس نے چار رکعات کے اختتام پر سلام پھیرا تو یہ لازم آئے گا کہ وہ تیسرے شفع میں دو رکعتوں کے اختتام پر سلام پھیرے تو اس میں اس حیثیت سے مخالفت ہو گی۔ پس اس میں مستحب تین سلام ہوں گے تاکہ یہ ایک ہی طریقہ پر نماز ہو۔ کہا: یہ امر میرے لئے ظاہر ہوا اور میں نے اسے غیر سے نہیں دیکھا (یعنی اس کی وضاحت نہیں دیکھی)۔

5692۔ (قولہ: وَالْأَوَّلُ أَدْوَمُ وَأَشَقُّ) کیونکہ اس میں ایک تکبیر تحریمہ پر باقی رہنے کے ساتھ نفس کو زیادہ عرصہ محبوس رکھنا ہے۔ اشق کا عطف اس طرح ہے، جس طرح لازم کا ملزوم پر عطف ہوتا ہے۔ اور ان کی کلام میں پہلے قول کے اختیار کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ اور اس میں جو راز ہے تو پہچان چکا ہے۔

5693۔ (قولہ: هَلْ تُحْسَبُ الْمُؤَكَّدَةُ) یعنی مؤکدہ کو ظہر کے بعد اور عشا کے بعد جو چار رکعات مستحب ہیں ان میں شمار کیا جائے گا اور مغرب کے بعد چھ رکعات جو مستحب ہیں ان میں شمار کیا جائے گا۔ ''بحر''۔

5694۔ (قولہ: اخْتَارَ الْكَمَالُ نَعَمْ) ''کمال'' نے ''فتح القدیر'' میں ذکر کیا ہے کہ ان کے زمانہ کے علما میں یہ اختلاف واقع ہوا کہ چار مستحب رکعات، کیا یہ وہی چار مستقل رکعات ہیں جو دو سنت مؤکدہ کے علاوہ ہیں یا ان دو کے ساتھ چار رکعات ہیں؟ دوسری تعبیر کی صورت میں کیا ایک سلام کے ساتھ وہ ادا کی جا سکتی ہیں یا ادا نہیں کی جا سکتیں؟ ایک جماعت نے کہا: نہیں۔ انہوں نے اسے اختیار کیا کہ جب اس نے چار رکعات ایک سلام یا دو سلاموں کے ساتھ پڑھیں تو یہ سنت اور مندوب کی جانب سے واقع ہو جائیں گی۔ اور اس امر کو اس طرح ثابت کیا کہ اس پر مزید کی گنجائش نہیں۔ ''شرح المنیہ''، ''البحر'' اور ''النہر'' میں اسے ثابت رکھا ہے۔

وَحَرَّرَ إِبَاحَةَ رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ قَبْلَ الْمَغْرِبِ، وَأَقَرَّهُ فِي الْبَحْرِ وَالْمُصَنِّفُ (وَ) السُّنَنُ (آكَدُهَا سُنَّةُ الْفَجْرِ) اتِّفَاقًا، ثُمَّ الْأَرْبَعُ قَبْلَ الظُّهْرِ فِي الْأَصَحِّ

اور مغرب سے قبل دو خفیف رکعتوں کے مباح ہونے کو بیان کیا ہے۔ اور ''البحر'' میں اسے ثابت رکھا ہے اور ''مصنف'' نے بھی اسے ثابت رکھا ہے۔ اور سنتوں میں سے سب سے مؤکدہ بالاتفاق فجر کی سنتیں ہیں۔ پھر ظہر سے پہلے جو چار رکعات ہیں وہ مؤکد ہیں۔ یہ اصح قول کے مطابق ہے۔

5695۔ (قولہ: وَحَرَّرَ إِبَاحَةَ رَكْعَتَيْنِ الخ) کیونکہ انہوں نے یہ ذکر کیا کہ ایک طائفہ نے ان دونوں کے پڑھنے کو مندوب قرار دیا ہے۔ اور کثیر سلف، ہمارے اصحاب اور امام مالک نے اس کا انکار کیا ہے۔ اور اس کے لئے ایسے دلائل سے استدلال کیا جو آنکھ کی سیاہی سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ پھر کہا: اس کے بعد جو ثابت ہے، وہ مندوبیت کی نفی ہے۔ جہاں تک کراہت کے ثبوت کا تعلق ہے تو وہ نہیں، مگر کوئی دوسری دلیل دلالت کرے۔ اور جو یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ اس سے نماز مغرب میں تاخیر لازم آتی ہے تو ہم پہلے ہی ''القنیہ'' سے نقل کر چکے ہیں کہ قلیل، مستثنیٰ ہے۔ اور دو رکعات قلیل پر زائد نہیں ہوتیں جب ان میں اختصار سے کام لیا جائے۔ ہم پہلے (مقولہ 3324) میں مواقیت الصلاۃ میں اس پر کچھ گفتگو کر چکے ہیں۔

فجر، ظہر اور مغرب کی سنتوں کی تاکید

5696۔ (قولہ: آكَدُهَا سُنَّةُ الْفَجْرِ) کیونکہ ''الصحیحین'' میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نوافل میں سے کسی نفل کا اتنا اہتمام نہ فرماتے جتنا اہتمام آپ فجر کی سنتوں کا کرتے (1)۔ مسلم شریف میں ہے: رکعتا الفجر خیر من الدنیا و ما فیھا (2)۔ فجر کی دو رکعتیں دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔ سنن ابوداؤد میں ہے: لا تدعو رکعتی الفجر ولو طردتکم الخیل (3) صبح کی دو رکعتیں نہ چھوڑو اگرچہ گھوڑے تمہیں روند ڈالیں۔ ''بحر''۔

5697۔ (قولہ: فِي الْأَصَحِّ) ''الفتح'' میں اسے مستحسن قرار دیا ہے اور کہا: پھر اس میں اختلاف کیا گیا کہ فجر کی دو سنتوں کے بعد کون سی سنتیں افضل ہیں۔ ''حلوانی'' نے کہا: مغرب کی دو رکعتیں ہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ سفر میں انہیں ترک کیا اور نہ ہی حالت اقامت میں انہیں ترک کیا (4) پھر ان کے بعد وہ سنتیں ہیں جو ظہر کے بعد ہیں۔ کیونکہ یہ متفق علیہا ہیں۔ وہ سنتیں جو ظہر سے پہلے ہیں ان کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ ان کے بارے میں یہ قول کیا گیا ہے کہ یہ اذان اور اقامت کے درمیان فاصلہ کے لئے ہے۔ پھر وہ ہیں جو عشاء کے بعد ہیں۔ پھر وہ ہیں جو ظہر سے پہلے ہیں۔ پھر وہ ہیں جو عصر سے پہلے

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب رکعتی الفجر، جلد 1، صفحہ 457، حدیث نمبر 1063

2۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب استحباب رکعتی سنۃ الفجر، جلد 1، صفحہ 716، حدیث نمبر 1143

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب فی تخفیفھا، جلد 1، صفحہ 458، حدیث نمبر 1067

4۔ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب الرکعتین قبل الظھر، جلد 1، صفحہ 523، حدیث نمبر 1190

سنن ترمذی، کتاب الصلاۃ ما جاء انہ یصلیھا فی البیت، جلد 1، صفحہ 278، حدیث نمبر 398

لِحَدِيثِ مَنْ تَرَكَهَا لَمْ تَنَلْهُ شَفَاعَتِي، ثُمَّ الْكُلُّ سَوَاءٌ (وَقِيلَ بِوُجُوبِهَا، فَلَا تَجُوزُ صَلَاتُهَا قَاعِدًا) وَلَا رَاكِبًا اتِّفَاقًا (بِلَا عُذْرٍ)

اس حدیث مبارکہ کی وجہ سے: جس نے انہیں ترک کیا اسے میری شفاعت نہیں پہنچے گی۔ پھر سب سنتیں برابر ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ سنتیں واجب ہیں، بیٹھ کر انہیں پڑھنا جائز نہیں اور نہ ہی انہیں سوار ہو کر پڑھنا جائز ہے اس پر سب کا اتفاق ہے جب کہ عذر نہ ہو۔

ہیں۔ پھر وہ ہیں جو عشا سے پہلے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ جو سنتیں عشاء کے بعد، ظہر سے پہلے، ظہر کے بعد اور مغرب کے بعد ہیں سب برابر ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ جو ظہر سے پہلے ہیں وہ زیادہ مؤکد ہیں۔ ''محسن'' نے اس کی تصحیح کی ہے جبکہ انہوں نے یہ بہت اچھا قول کیا ہے کیونکہ ان پر جو صریح مواظبت منقول ہے یہ زیادہ قوی ہے بنسبت اس کے جو فجر کی سنتوں کے علاوہ اور سنتوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مواظبت منقول ہے۔

5698۔ (قولہ: لِحَدِيثِ الخ) ''البحر'' میں کہا: ''العنایہ'' اور ''النہایہ'' میں اسی طرح تصحیح کی ہے۔ کیونکہ اس میں معروف وعید ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من ترك اربعا قبل الظهر لم تنله شفاعتي جس نے ظہر سے قبل چار رکعتوں کو ترک کیا اسے میری شفاعت نہ پہنچے گی۔

''طحطاوی'' نے کہا: شاید یہ ارشاد انہیں ترک کرنے سے نفرت دلانے کے لئے ہے یا یہاں خاص شفاعت مراد ہے جو درجات کی بلندی کے حوالے سے ہے۔ جہاں تک شفاعت عظمیٰ کا تعلق ہے تو وہ تمام مخلوقات کو عام ہے۔

5699۔ (قولہ: وَقِيلَ بِوُجُوبِهَا) یہ ''النہایہ'' وغیرہا کا ظاہری معنی ہے۔ ''خزائن''۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح ''البحر'' کا کلام میلان رکھتا ہے۔ کیونکہ کہا: علما نے ایسا قول ذکر کیا ہے جو ان کے واجب ہونے پر دلالت کرتا ہے پھر ان مسائل کا ذکر کیا جو مصنف کی جانب سے متفرع ہوئے۔ اور اس میں اور اکثر کتب میں جو قول ہے کہ یہ سنت موکدہ ہیں میں تطبیق دی ہے کہ یہاں مؤکدہ، واجب کے معنی میں ہے اور جو قول اس کے منافی تھا اس کا جواب دیا ہے۔ اور ہم نے اس پر تعلیق میں، اس میں جو کچھ ضعف ہے اسے لکھ دیا ہے۔

5700۔ (قولہ: اتِّفَاقًا) جہاں تک واجب ہونے کے قول کا اعتبار کیا جائے تو یہ ظاہر ہے۔ جہاں تک ان کے سنت ہونے کے قول کا تعلق ہے تو اس میں ان کے وجوب کے قول اور ان کے زیادہ مؤکد ہونے کے قول کی رعایت کی گئی ہے۔ ''ط''۔

اسے ذہن نشین کر لو۔ ''البحر'' میں ''الخلاصہ'' سے اتفاق کا ذکر کیا ہے اور اسے ثابت رکھا ہے۔ لیکن ''الامداد'' میں جزم و یقین سے منازعہ کیا ہے: جواز، یہ ان کے سنت ہونے کے قول کے اعتبار سے ہے، اور عدم جواز کا قول ان کے واجب ہونے کے اعتبار سے ہے۔ اور اس میں اس قول کا سہارا لیا ہے جو ''زیلعی'' اور ''البرہان'' میں تصریح کی ہے کہ یہ اختلاف پر مبنی ہے۔ پھر کہا: اس کے عدم جواز پر اجماع کی جو حکایت بیان کی گئی ہے وہ مخفی نہیں۔ اور اجماع ان کے مؤکدہ ہونے کے بارے میں ہے۔

عَلَى الْأَصَحِّ وَلَا يَجُوزُ تَرْكُهَا لِعَالِمٍ صَارَ مَرْجِعًا فِي الْفَتَاوَى (بِخِلَافِ بَاقِي السُّنَنِ) فَلَهُ تَرْكُهَا لِحَاجَةِ النَّاسِ إِلَى فَتْوَاهُ (وَيُخْشَى الْكُفْرُ عَلَى مُنْكِرِهَا

یہ اصح قول کے مطابق ہے۔ اور اس عالم کے لئے انہیں ترک کرنا جائز نہیں جو فتاوی میں مرجع ہو۔ باقی سنتوں کا معاملہ مختلف ہے۔ عالم کے لئے ان سنتوں کو ترک کرنا جائز ہے جبکہ لوگوں کو اس کے فتویٰ کی ضرورت ہو۔ اور جو ان کا انکار کرتا ہے اس کے کفر کا خوف ہے۔

لیکن عنقریب جو ہم ''الخانیہ'' سے ان میں اور تراویح میں جو فرق نقل کریں گے وہ اس کے مخالف ہے کہ یہ سنتیں بیٹھ کر پڑھنا صحیح نہیں۔ کیونکہ بغیر کسی اختلاف کے یہ سنت مؤکدہ ہیں۔ ''تامل''۔

5701۔ (قولہ: عَلَى الْأَصَحِّ) مصنف نے المنح میں ''الخانیہ'' کے باب التراویح کی طرف منسوب کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: وہاں ''الخانیہ'' میں جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ اگر اس نے تراویح کی نماز بیٹھ کر پڑھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عذر کے بغیر جائز نہیں۔ کیونکہ امام حسن نے امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے کہ اگر اس نے عذر کے بغیر فجر کی سنتیں بیٹھ کر پڑھیں تو یہ جائز نہ ہوگا۔ تراویح کا معاملہ اسی طرح ہے کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک سنت مؤکدہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جائز ہے۔ یہی صحیح ہے۔ فرق یہ ہے کہ فجر کی سنتیں بغیر کسی اختلاف کے سنت مؤکدہ ہیں۔ اور تراویح تاکید میں ان سے درجہ میں کم ہیں۔ پس دونوں میں برابری جائز نہیں۔

تو جانتا ہے تراویح کی نماز کو بیٹھ کر پڑھنے کے جواز کو صحیح قرار دیا ہے۔ فجر کی سنتوں کو بیٹھ کر پڑھنا جائز قرار نہیں دیا۔ ہاں ان کے کلام کا مقتضا یہ ہے کہ فجر کی سنت میں جواز کا نہ ہونا تسلیم ہے۔

5702۔ (قولہ: فَلَهُ تَرْكُهَا الخ) ظاہر یہ ہے کہ اس کا معنی ہے کہ لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے جب وہ فتویٰ میں مشغول ہو تو وہ ان سنتوں کو ترک کر دے، وہ لوگ جو اس کے پاس جمع ہیں۔ اور چاہئے جب وہ وقت میں فارغ ہو جائے تو انہیں پڑھے۔ فجر کی سنتوں اور دوسری سنتوں میں فرق کا ظاہر یہ ہے کہ اسے جماعت کو ترک کرنے کا حق نہیں۔ کیونکہ جماعت میں شرکت، اسلام کے شعائر میں سے ہے۔ اور جماعت، فجر کی سنتوں سے زیادہ مؤکد ہے۔ اسی وجہ سے جب جماعت کے فوت ہونے کا خوف ہو تو وہ صبح کی سنتوں کو ترک کر دے۔ ''طحطاوی'' نے بیان کیا ہے: چاہئے کہ قاضی اور طالب علم اس طرح ہو خصوصاً مدرس بھی اسی طرح ہو۔

میں کہتا ہوں: مدرس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ طالب کا معاملہ مدرس سے مختلف ہے جب اسے پورا درس یا بعض درس کے فوت ہو جانے کا خوف ہو۔ ''تامل''

سنتوں کی مشروعیت کے منکر کا حکم

5703۔ (قولہ: وَيُخْشَى الْكُفْرُ عَلَى مُنْكِرِهَا) یعنی جو ان سنتوں کی مشروعیت کا انکار کرے اس کے کفر کا اندیشہ

وَتُقْضَى) إِذَا فَاتَتْ مَعَهُ بِخِلَافِ الْبَاقِي (وَلَوْ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ تَطَوُّعًا مَعَ ظَنِّ أَنَّ الْفَجْرَ لَمْ يَطْلُعْ فَإِذَا هُوَ طَالِعٌ) أَوْ صَلَّى أَرْبَعًا فَوَقَعَ رَكْعَتَانِ بَعْدَ طُلُوعِهِ (لَا تُجْزِيهِ عَنْ رَكْعَتَيْهَا عَلَى الْأَصَحِّ) تَجْنِيسٌ لِأَنَّ السُّنَّةَ مَا وَاظَبَ عَلَيْهِ الرَّسُولُ بِتَحْرِيمَةٍ مُبْتَدَأَةٍ (وَتُكْرَهُ الزِّيَادَةُ عَلَى أَرْبَعٍ فِي نَفْلِ النَّهَارِ، وَعَلَى ثَمَانٍ لَيْلًا بِتَسْلِيمَةٍ)

اوران کی قضا کی جائے گی جب وہ اس (فرض) کے ساتھ قضا ہوں۔ باقی سنتوں کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر ایک آدمی نے دو رکعات نماز نفل کی پڑھیں جبکہ اس کا گمان یہ تھا کہ فجر طلوع نہیں ہوئی جبکہ وہ طلوع ہو چکی تھی یا اس نے چار رکعات پڑھیں تو دونوں رکعتیں طلوع فجر کے بعد واقع ہوئیں تو اصح قول کے مطابق یہ سنت کی دو رکعتوں کے قائم مقام نہ ہوں گی، ''تجنیس''۔ کیونکہ سنت وہ نماز ہے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نئی تکبیر تحریمہ کے ساتھ مواظبت اختیار کی۔ اور دن کے نوافل چار سے زیادہ اور رات کے نوافل آٹھ سے زیادہ ایک سلام کے ساتھ مکروہ ہیں۔

ہے، اگر انکار شبہ یا دلیل کی تاویل کی وجہ سے ہو۔ ورنہ ان سنتوں کے انکار کرنے والے کو یقینی طور پر کافر قرار دیا جانا چاہئے۔ کیونکہ وہ ایسے امر کا انکار کر رہا ہے جس پر اجماع ہے، جس کا دین میں سے ہونا بدیہی طور پر معلوم ہے۔ جس طرح ہم نے اسے باب کے شروع میں (مقولہ 5600 میں) بیان کر دیا ہے۔

فجر کی سنتوں کی قضا کا حکم

5704۔ (قولہ: وَتُقْضَى) یعنی زوال سے پہلے ان سنتوں کی قضا کی جائے گی۔ اور مصنف کا قول معہ اسکے ساتھ، ان کا قول تقضی اور فاتت منازعہ کرتا ہے۔ پس ان کی قضا نہ کی جائے گی مگر فرضوں کے ساتھ جب دونوں کا وقت فوت ہو جائے۔ مگر جب اکیلی سنتیں فوت ہوں تو ان کی قضا نہ ہوگی۔ اور طلوع شمس سے پہلے اور زوال شمس کے بعد ان کی قضا نہ ہوگی اگرچہ تبعاً پڑھی جا رہی ہوں۔ یہ صحیح قول کے مطابق ہے۔ ''حلبی'' نے اسے بیان کیا ہے۔ مصنف اگلے باب میں اسے بیان کریں گے۔

5705۔ (قولہ: تَجْنِيسٌ) اس میں ہے کہ ''التجنیس'' میں پہلے مسئلہ میں اس کے جواز کی یہ علت بیان کرتے ہوئے تصحیح کی ہے: سنت نفل ہوتے ہیں۔ پس نفل کی نیت کے ساتھ یہ ادا ہو جائیں گی۔ اور دوسرا مسئلہ میں اس کے عدم جواز کی تصحیح کی ہے یہ علت بیان کرتے ہوئے کہ سنت اسے کہتے ہیں جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت اختیار کی ہو اور آپ کی مواظبت نئی تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہو۔ ہاں صاحب ''الخلاصہ'' نے اس کے برعکس قول کیا ہے۔ پہلے مسئلے میں عدم جواز اور دوسرے مسئلے میں جواز کی تصحیح کی ہے۔ اور اس میں جو ضعف ہے وہ مخفی نہیں۔ کیونکہ جب دوسرے مسئلہ میں جواز ہے تو پہلے میں بدرجہ اولیٰ جواز ہوگا۔ اسی وجہ سے ''النہر'' میں کہا: دونوں مسئلوں میں ''تجنیس'' کی ترجیح زیادہ مناسب ہے۔

ثمان کا لفظ

5706۔ (قولہ: وَعَلَى ثَمَانٍ) ثمان لفظ یمان کے وزن پر ہے۔ یہ عدد ہے یہ نسبت نہیں۔ یا اصل میں ثمن کی طرف

لِأَنَّهُ لَمْ يَرِدْ (وَالْأَفْضَلُ فِيهِمَا الرُّبَاعُ بِتَسْلِيمَةٍ) وَقَالَا فِي اللَّيْلِ الْمَثْنَى أَفْضَلُ، قِيلَ وَبِهِ يُفْتَى

کیونکہ اس سے زیادہ کے بارے میں کوئی حدیث مروی نہیں۔ رات اور دن میں ایک سلام کے ساتھ چار رکعات پڑھنا افضل ہے۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما نے کہا: رات کے وقت دو رکعت، ایک سلام کے ساتھ افضل ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسی پر فتویٰ ہے۔

منسوب ہے۔ کیونکہ یہ ایسا جز ہے جس نے سات کو آٹھ بنا دیا ہے پس یہ جز آٹھ کا آٹھواں ہوا۔ پھر اس کے پہلے حرف کو فتحہ دیا کیونکہ وہ نسبت میں تبدیلی کر دیتے ہیں اور نسبت کی دو یاؤں میں سے ایک کو حذف کر دیا اور اس کے عوض الف دے دیا۔ جس طرح علما، یمن کی طرف نسبت میں کرتے ہیں۔ پس اضافت کے وقت اس کی یا ثابت رہتی ہے جس طرح قاضی کی یا ثابت رہتی ہے۔ پس تو کہتا ہے ثمانی نسوۃ اور ثمانی مائۃ۔ اور رفع یا جر کے وقت تنوین کے ساتھ یا ساقط ہو جاتی ہے اور نصب کے وقت ثابت رہتی ہے۔ ''قاموس''۔

رات اور دن میں ایک سلام کے ساتھ افضل رکعات

5707۔ (قولہ: لِأَنَّهُ لَمْ يَرِدْ) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ وارد نہیں ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے زائد رکعات اکٹھی پڑھی ہوں۔ اس میں اصل توقیف ہے جس طرح ''فتح القدیر'' میں ہے۔ یعنی جب تک مشروع ہونے کی دلیل پر وقوف (آگاہی) نہ ہو تو اس کا کرنا حلال نہیں بلکہ مکروہ ہے۔ یہ بالاتفاق ہے جس طرح ''منیۃ المصلی'' میں ہے۔ یعنی ہمارے تینوں ائمہ سے منقول ہے۔ ہاں متاخر مشائخ میں رات کے وقت آٹھ سے زیادہ رکعات ایک ہی سلام کے ساتھ پڑھنے میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ بعض علما نے کہا: یہ مکروہ نہیں۔ شمس الائمہ سرخسی اسی طرف گئے ہیں۔ ''الخلاصہ'' میں اسی کی تصحیح کی ہے۔ اور ''البدائع'' میں کراہت کی تصحیح کی ہے۔ کہا: اسی پر عام مشائخ ہیں۔ اس کی مکمل بحث ''الحلبہ'' اور ''البحر'' میں ہے۔

5708۔ (قولہ: وَالْأَفْضَلُ فِيهِمَا) یعنی رات اور دن کی دونوں نمازوں میں چار چار رکعات افضل ہیں۔ ''الکنز'' کی عبارت میں رباع ہے۔ یعنی غیر معرف بالام ہے۔ یہی اظہر ہے۔ کیونکہ یہ غیر منصرف ہے، اس میں وصفیت اور عدل کا خاصہ ہے یہ اربع اربع سے معدول ہے، یعنی چار چار رکعات۔ یعنی ایک سلام کے ساتھ چار رکعات۔

5709۔ (قولہ: قِيلَ وَبِهِ يُفْتَى) ''معراج'' میں ''العیون'' کی طرف منسوب ہے۔ ''النہر'' میں کہا: شیخ قاسم نے اس کا رد کیا اس حدیث کے ساتھ، جس کے ساتھ مشائخ نے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں استدلال کیا۔ وہ حدیث ''صحیحین'' کی ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ رمضان میں اور نہ ہی رمضان کے علاوہ میں گیارہ رکعات سے زیادہ نماز ادا فرماتے۔ آپ چار رکعات ادا فرماتے۔ ان کے حسن اور ان کی طوالت کے بارے میں سوال نہ کر۔ پھر آپ چار رکعات ادا فرماتے، ان کے حسن اور ان کی طوالت کے بارے میں سوال نہ کر۔ پھر آپ تین رکعات ادا فرماتے (1)۔ تراویح کی نماز دو دو رکعات ہوتی ہے۔ یہ تخفیف کی بنا پر ہے۔ اور حدیث صلاۃ اللیل مثنی

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ اللیل، جلد 1، صفحہ 726، حدیث نمبر 1269

(وَلَا يُصَلِّيْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْقَعْدَةِ الْأُولَى فِي الْأَرْبَعِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَالْجُمُعَةِ وَبَعْدَهَا) وَلَوْ صَلَّى نَاسِيًا فَعَلَيْهِ السَّهْوُ، وَقِيلَ لَا كذا قال الشُّمُنِّيُّ (وَلَا يَسْتَفْتِحُ إِذَا قَامَ إِلَى الثَّالِثَةِ مِنْهَا) لِأَنَّهَا لِتَأَكُّدِهَا أَشْبَهَتْ الْفَرِيضَةَ (وَفِي الْبَوَاقِي مِنْ ذَوَاتِ الْأَرْبَعِ يُصَلِّي) عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (وَيَسْتَفْتِحُ) وَيَتَعَوَّذُ وَلَوْ نَذْرًا، لِأَنَّ كُلَّ شَفْعٍ صَلَاةٌ (وَقِيلَ) لَا يَأْتِي فِي الْكُلِّ.

ظہر اور جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے بعد چار رکعتوں کے پہلے قعدہ میں نبی کریم ﷺ پر درود نہیں پڑھے گا۔ اگر نمازی نے بھول کر درود پڑھا تو اس پر سجدہ سہو ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سجدہ سہو نہیں ہوگا۔ ''شمنی'' نے اسی طرح کا قول کیا ہے۔ اور جب ان کی تیسری رکعت میں کھڑا ہو تو ثنا نہیں پڑھے گا۔ کیونکہ یہ متأکد ہونے کی وجہ سے فریضہ کی طرح ہوگئی ہیں۔ اور باقی ماندہ چار رکعتوں والی نماز میں وہ نبی کریم ﷺ پر درود پڑھے گا اور ثنا پڑھے گا اور تعوذ پڑھے گا اگرچہ نذر ہوں۔ کیونکہ ہر شفع ،نماز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: سب میں نہیں پڑھے گا۔

مثنی (1)۔ ''رات کی نماز دو دو ہے'' یہ احتمال موجود ہے کہ اس میں سے مراد شفع ہو وتر نہ ہو۔ اور چار رکعات منفصل زیادتی کے ساتھ راجح ہوں گی۔ کیونکہ یہ نفس پر زیادہ مشقت کا باعث ہیں۔ کیونکہ رسول ﷺ کا فرمان ہے: تیرا اجر تیری تھکاوٹ کے مطابق ہے (1)۔ اس پر مکمل گفتگو ''شرح المنیہ'' وغیرہ میں ہے۔

5710۔ (قولہ: وَلَا يُصَلِّيْ الخ) میں کہتا ہوں: ''البحر'' میں باب صفة الصلاۃ میں کہا: امام مسلم نے جو ذکر کیا ہے وہ ظہر سے پہلی کی سنتوں کے بارے میں ہے۔ کیونکہ علما نے اس کی تصریح کی کہ شفیع کا شفعہ اس کے دوسرے شفع کی طرف منتقل ہونے سے باطل نہیں ہوگا۔ اگر وہ اس کو فاسد کر دیتا تو وہ نمازی، چار کی قضا کرتا اور جمعہ سے قبل چار رکعات ان کے مقام و مرتبہ کی ہیں۔ جہاں تک جمعہ کے بعد چار رکعات کا تعلق ہے تو یہ دوسری سنن کی طرح ہیں۔ کیونکہ علما نے ان کے لئے وہ احکام ثابت نہیں کئے اسی کی مثل ''الحلبہ'' میں ہے۔

یہ قول اس کا مؤید ہے جو ''شرنبلالی'' نے بحث کی کہ عذر کی صورت میں دو سلاموں کے ساتھ جائز ہے۔

5711۔ (قولہ: وَلَوْ نَذْرًا) ''القنیہ'' میں اس پر نص قائم کی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نفل ہے، اس پر فرض اور واجب عارض آیا ہے۔ ''طحطاوی'' نے اسے بیان کیا ہے۔

5712۔ (قولہ: لِأَنَّ كُلَّ شَفْعٍ صَلَاةٌ) ہم واجبات کے شروع میں (مقولہ 3956 میں) اسکی وضاحت کر چکے ہیں۔ بعض وجوہ سے مراد وہ ہے جو قریب ہی آئے گا۔

5713۔ (قولہ: وَقِيلَ لَا الخ) ''البحر'' میں کہا: اس میں جو ضعف ہے وہ مخفی نہیں، اور ظاہر پہلا قول ہے۔ ''المنح''

1۔ سنن ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ اللیل مثنی مثنی، جلد 1، صفحہ 356، حدیث نمبر 543

2۔ سنن دار قطنی، کتاب الحج، باب المواقیت، جلد 2، صفحہ 286

میں یہ زائد کہا: اسی وجہ سے ہم نے اس پر اعتماد کیا۔ اور ''القنیہ'' میں جو قول ہے اسے قیل کے ساتھ حکایت کیا۔

تنبیہ

اس مسئلہ میں تیسرا قول باقی رہ گیا ہے جسے ''منیۃ المصلی'' کے باب صفۃ الصلاۃ میں جزم ویقین سے بیان کیا ہے۔ کہا: مگر جب وہ سنت یا نفل ہو تو وہ ابتدا کرے گا جس طرح اس نے پہلی رکعت میں ابتدا کی۔ یعنی وہ ثنا اور تعوذ پڑھے گا۔ کیونکہ ہر شفع علیحدہ نماز ہے۔

نفل کی دو رکعات مکمل نماز ہو یہ عام نہیں

لیکن اس (منیہ) کے شارح نے کہا: اصح یہ ہے کہ وہ (پہلے قعدہ میں) درود نہیں پڑھے گا اور (تیسری رکعت میں) ثنا نہیں پڑھے گا۔ اور ہر شفع کا علیحدہ نماز ہونا یہ تمام احکام میں عام نہیں۔ اسی وجہ سے اگر اس نے پہلے قعدہ کو ترک کر دیا تو نماز فاسد نہ ہو گی۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر نمازی نے ایک شفع کے اختتام پر سجدہ سہو کر لیا تھا تو دوسرے شفع کی اس پر بنا نہیں کرے گا تا کہ درمیان نماز میں سجدہ سہو کے واقع ہونے کی وجہ سے سجدہ باطل نہ ہو جائے۔ اور علما نے اس کی تصریح کی ہے کہ سب ایک نماز ہو جائے گی۔ کیونکہ انہوں نے سجدہ سہو کے وسط میں واقع ہونے کا حکم لگایا ہے۔ پس یہاں یہ بھی کہا جائے گا: وہ درود نہیں پڑھے گا، وہ ثنا نہیں پڑھے گا اور تعوذ نہیں پڑھے گا۔ کیونکہ یہ نماز کے وسط میں واقع ہے۔ کیونکہ اصل یہ ہے کہ سب ایک نماز میں ہو کیونکہ اتصال اور تکبیر تحریمہ کا اتحاد پایا جاتا ہے۔ ثنا وغیرہ پڑھنے کا مسئلہ متقدمین سے مروی نہیں۔ یہ بعض متاخرین کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ ہاں علما نے اس کا اعتبار کیا ہے کہ ہر شفع، قراءت کے حق میں بطور احتیاط علیحدہ نماز ہے۔ اسی طرح جب تک وہ دوسرے شفع کی طرف کھڑا نہیں ہوتا دوسرا شفع اس پر لازم نہیں آتا۔ کیونکہ یہ لزوم اور عدم لزوم میں متردد ہے۔ پس شک کے ساتھ یہ لازم نہیں ہوگا۔ اسی وجہ سے وہ پہلے شفع کے اختتام پر، جب جماعت کھڑی ہو جائے یا خطیب، خطبہ کے لئے نکل آئے تو وہ اسے قطع کر دے گا۔ شفعہ کے بطلان اور دوسرے شفع میں شروع ہونے میں مخیرہ کے اختیار کا حکم اسی طرح ہے۔ کیونکہ شفعہ اور خیار میں سے ہر ایک ثبوت اور عدم ثبوت میں متردد ہے۔ پس یہ شک کے ساتھ ثابت نہیں ہوگا اور ایک شفع سے دوسرے شفع کی طرف فساد کے کراہت نہ کرنے کا حکم اسی طرح ہے۔ کیونکہ شک کے ہوتے ہوئے فساد کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ ''ملخص''

لیکن ان کا قول و کذا فی بطلان الشفعۃ و خیار المخیرۃ صحیح نہیں۔ کیونکہ ہم نے ابھی (مقولہ 5710 میں) جو ''البحر'' اور ''الحلبہ'' سے قول نقل کیا ہے من انھما لا یبطلان بالانتقال الی الشفع الثانی اس سے تو جان چکا ہے انہوں نے خود مواقیت الصلاۃ میں اس کی تصریح کی ہے۔ اور تو نے یہ بھی جان لیا ہے کہ اسے علما نے سنۃ الظہر میں ذکر کیا ہے اور وہ چار رکعات جو جمعہ کے بعد ہیں ان کے لئے یہ ثابت نہیں کیا۔

وَصَحَّحَهُ فِي الْقُنْيَةِ (وَكَثْرَةُ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ أَحَبُّ مِنْ طُولِ الْقِيَامِ) كَمَا فِي الْمُجْتَبَى وَرَجَّحَهُ فِي الْبَحْرِ لَكِنْ نَظَرَ فِيهِ فِي النَّهْرِ مِنْ ثَلَاثَةِ أَوْجُهٍ وَنَقَلَ عَنْ الْمِعْرَاجِ

''القنیہ'' میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اور رکوع و سجود کی کثرت، طویل قیام سے زیادہ محبوب ہے، جس طرح ''المجتبیٰ'' میں ہے۔ اور ''البحر'' میں اسے راجح قرار دیا ہے۔ لیکن ''النہر'' میں تین وجوہ سے اس میں اعتراض کیا ہے۔ لیکن ''المعراج'' سے نقل کیا ہے

رکوع، سجود اور قیام کی افضلیت میں ائمہ کے اقوال

5714۔ (قولہ: وَرَجَّحَهُ فِي الْبَحْرِ) کیونکہ انہوں نے ادلہ کے تعارض کے باوجود جزم و یقین کے ساتھ یہ ذکر کیا ہے۔ ادلہ یہ ہیں۔ جس طرح امام مسلم کی حدیث ہے علیك بكثرة السجود۔ (1) تجھ پر سجود کی کثرت لازم ہے۔ اور حدیث طیبہ ہے اقرب ما یکون العبد من ربه و هو ساجد (2)، بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدہ میں ہو۔ اور مسلم شریف کی یہ حدیث ہے افضل الصلاۃ طول القنوت (3)۔ یہاں طول القنوت سے مراد طویل قیام ہے۔ جس طرح امام احمد اور ابوداؤد کی روایت ہے۔ پھر کہا: جو عبد ضعیف کے لئے ظاہر ہوا کہ کثرت رکوع اور کثرت سجود افضل ہے۔ کیونکہ قیام ان دونوں کے لئے وسیلہ کے طور پر مشروع ہوا ہے۔ اسی وجہ سے جو آدمی ان دونوں سے عاجز ہو، قیام اس سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اور وسیلہ مقصود سے افضل نہیں ہوتا۔ اور اس لئے بھی کہ اگر چہ اس میں قراءت کی کثرت لازم ہوتی ہے لیکن قراءت رکن زائد ہے بلکہ اس کے رکن ہونے میں اختلاف ہے۔ علما نے رکوع، سجود کے رکن ہونے اور ان دونوں کے اصل ہونے میں اتفاق کیا ہے۔ اور فرض کی دو رکعتوں کے بعد قیام قراءت کے بغیر ہوتا ہے۔ ملخص۔

5715۔ (قولہ: مِنْ ثَلَاثَةِ أَوْجُهٍ) 1۔ قیام اگر چہ وسیلہ ہے مگر اس کی طوالت کی افضلیت، اس میں زیادہ قراءت کی وجہ سے ہے۔ اور قراءت، اگر چہ پورے قرآن کو پہنچتی ہے، یہ فرض ہوتی ہے۔ تسبیحات کا معاملہ مختلف ہے۔

2۔ قراءت کا زائد رکن ہونا ان چیزوں میں سے ہے جن کا فضیلت میں کوئی اثر نہیں۔

3۔ مسئلہ کا موضوع نفل ہے۔ اور نفل کی تمام رکعات میں قراءت واجب ہے۔

میں کہتا ہوں: جہاں تک ادلہ کے تعارض کا مسئلہ ہے، اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ سجود سے مراد نماز ہے۔ اور قیام کی طوالت کے افضل ہونے پر اقوی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تھوڑا قیام کرتے آپ گیارہ رکعات سے زیادہ نہ پڑھتے۔ جس طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں (مقولہ 5709 میں) گزرا ہے۔

5716۔ (قولہ: وَنَقَلَ عَنْ الْمِعْرَاجِ الخ) یہ ''البحر'' پر بھی اعتراض ہے کیونکہ کہا: اس مسئلہ میں امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب فضل السجود والحث علیه، جلد 1، صفحہ 522، حدیث نمبر 803

2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب ما یقال فی الرکوع والسجود، جلد 1، صفحہ 518، حدیث نمبر 794

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب اقامة الصلاۃ، باب طول القیام فی الصلوات، جلد 1، صفحہ 447، حدیث نمبر 1410

(أَنَّ هَذَا قَوْلُ مُحَمَّدٍ، وَأَنَّ مَذْهَبَ الْإِمَامِ أَفْضَلِيَّةُ الْقِيَامِ) وَصَحَّحَهُ فِي الْبَدَائِعِ قُلْت وَهَكَذَا رَأَيْته بِنُسْخَتِي الْمُجْتَبَى مَعْزِيًّا لِمُحَمَّدٍ فَقَطْ، فَتَنَبَّهْ، وَهَلْ طُولُ قِيَامِ الْأَخْرَسِ أَفْضَلُ كَالْقَارِئِ؟

کہ یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب قیام کا طویل ہونا افضل ہے۔ اور ''البدائع'' میں اس کی تصحیح کی ہے۔ میں نے کہا: میں نے ''المجتبیٰ'' کے اپنے نسخہ میں صرف امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب دیکھا ہے۔ پس اس پر متنبہ رہو۔ اور کیا گونگے کے لئے طویل قیام افضل ہے جس طرح قاری کے لئے ہوتا ہے؟

مختلف روایت منقول ہے۔ امام طحاوی نے ''شرح الآثار'' میں نقل کیا ہے کہ طویل قیام زیادہ محبوب ہے۔ اور ''المجتبیٰ'' میں ان سے اس کے برعکس نقل کیا ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے: انہوں نے تفصیل بیان کی اور کہا: اگر قرآن کی قراءت رات کے وقت اس کا ورد ہو تو افضل یہ ہے کہ وہ رکعات کی تعداد کو زیادہ کرے ورنہ لمبا قیام افضل ہے۔ کیونکہ پہلی صورت میں قیام مختلف نہیں ہوتا اور رکوع و سجود کی زیادتی اس کے ساتھ ملا دی جاتی ہے۔

اعتراض کی وجہ یہ ہے کہ ان کی کلام کا مقتضا یہ ہے کہ اس مسئلہ میں مذہب کے امام کا قول نہیں بلکہ اس مسئلہ میں امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول ہیں۔

میں کہتا ہوں: میرے لئے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ان دونوں قولوں کا محمل ہے۔ ''تامل''۔

5717۔ (قولہ: وَصَحَّحَهُ فِي الْبَدَائِعِ) اس کی عبارت ہے۔ ہمارے اصحاب نے کہا: طویل قیام افضل ہے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: زیادہ نماز افضل ہے۔ صحیح ہمارا قول ہے۔ پھر کہا: امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: الخ وہی قول جو گزر چکا ہے۔ ان کی کلام کا ظاہر یہ ہے کہ یہ ہمارے تینوں ائمہ کا قول ہے کیونکہ صرف امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے اختلاف کا ذکر کیا ہے۔ امام طحاوی سے جو قول گزر رہا ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے

5718۔ (قولہ: قُلْت الخ) ''المعراج'' میں جو قول ہے اس کی تائید ہے۔ اور متنبہ ہونے کا حکم دیا یہ مصنف پر اعتراض کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے شیخ صاحب ''البحر'' کی اتباع کی ہے۔ اور جس پر متون ہیں، جو امام کا مصحح قول ہے، اس سے عدول کیا ہے۔ بلکہ وہ سب کا قول ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ اسی وجہ سے ''خیر رملی'' نے کہا: میں کہتا ہوں: وہ اپنے شیخ کی اتباع میں بڑے بڑے جلیل القدر علما کی کیسے مخالفت کر سکتے تھے اور اسے متن بنا سکتے تھے۔ جبکہ متن تو مذہب کو نقل کرنے کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ قابل اعتماد مذہب یہ ہے کہ قیام کی طوالت زیادہ محبوب ہو۔ اور اس کا معنی، جس طرح ''شرح المنیہ'' میں ہے، جب وہ زمانہ کا ایک معین حصہ نماز میں صرف کرنے کا ارادہ کرے تو رکعات کو کم رکھتے ہوئے قیام کو طویل کرنا اس کے برعکس سے افضل ہے۔ پس زمانہ کے اس حصہ میں دو رکعت نماز، چار رکعت نماز سے افضل ہے۔ قیاس اسی طرح ہے۔

5719۔ (قولہ: وَهَلْ الخ) بحث صاحب ''النہر'' کی ہے۔ جو امر ظاہر ہوتا ہے کہ کثرت رکوع اور کثرت سجود افضل ہے۔ کیونکہ قیام کی افضلیت، یہ قراءت کے اعتبار سے ہے۔ جبکہ گونگے کے لئے تو کوئی قراءت نہیں۔ ''حلبی'' نے بعض

لَمْ أَرَهُ (وَيُسَنُّ تَحِيَّةُ) رَبِّ (الْمَسْجِدِ، وَهِيَ رَكْعَتَانِ وَأَدَاءُ الْفَرْضِ) أَوْ غَيْرِهِ،
میں نے اس کے بارے میں کوئی دلیل نہیں دیکھی۔ اور مسجد کے رب کے لئے تحیہ کی نماز پڑھنا سنت ہے اور یہ دو رکعتیں ہیں۔ اور فرض یا اس کے علاوہ کی ادائیگی۔

حاشیوں سے اسے نقل کیا ہے۔

''رحمتی'' نے اس کی مخالفت کی ہے کہ گونگا حکماً قاری ہے اسے قاری کا ثواب ملتا ہے۔ جس طرح اس کا حکم ہے جو عبادت کا قصد کرے اور اس عبادت سے عاجز آ جائے۔ ساتھ ہی طریقہ یہ ہے کہ علت جب بعض صورتوں میں پائی جائے تو وہ باقی ماندہ صورتوں میں عام ہو جاتی ہے۔ ''تامل''۔

تحیۃ المسجد کے نوافل

5720۔ (قولہ: وَيُسَنُّ تَحِيَّةُ) شارح نے ''الخزائن'' کے حاشیہ میں لکھا: یہ صاحب ''الخلاصہ'' کا رد ہے کیونکہ انہوں نے ذکر کیا کہ یہ مستحب ہے۔

5721۔ (قولہ: رَبِّ الْمَسْجِدِ) اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ متن میں مضاف محذوف ہے۔ کیونکہ نماز کا مقصود اللہ تعالیٰ کا تقرب ہوتا ہے نہ کہ مسجد کا تقرب ہوتا ہے۔ کیونکہ انسان جب بادشاہ کے محل میں داخل ہوتا ہے تو وہ بادشاہ کو سلام پیش کرتا ہے، اس کے گھر کو سلام پیش نہیں کرتا۔ ''بحر'' میں ''الحلبہ'' سے مروی ہے۔ پھر کہا: اس نماز کے سنت ہونے پر اجماع ہے۔ مگر ہمارے اصحاب اوقات مکروہ میں اسے مکروہ کہتے ہیں۔ کیونکہ ممنوع کا عموم مبیح کے عموم پر مقدم ہوتا ہے۔

5722۔ (قولہ: وَهِيَ رَكْعَتَانِ) ''قہستانی'' میں ہے۔ اور دو رکعتیں یا چار رکعتیں۔ یہ تحیۃ المسجد کے طور پر افضل ہیں۔ مگر جب وہ فجر یا عصر کی نماز کے بعد مسجد میں داخل ہو کیونکہ وہ ان اوقات میں تسبیح کرے گا، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھے گا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے گا تو اس وقت وہ اس طرح مسجد کا حق ادا کرے گا جس طرح ایک آدمی فرض نماز کے لئے مسجد میں داخل ہو تو اس وقت اس نماز کا اسے حکم نہیں دیا گیا۔ جس طرح ''تمرتاشی'' میں ہے۔

5723۔ (قولہ: وَأَدَاءُ الْفَرْضِ أَوْ غَيْرُهُ الخ) ''النہر'' میں کہا: ہر نماز تحیۃ المسجد کے قائم ہو جائے گی جو اس نے مسجد میں داخل ہوتے ہی پڑھی۔ وہ فرض ہو یا سنت۔ ''البنایہ'' میں ''مختصر المحیط'' کی طرف منسوب ہے کہ نمازی کا فرض یا اقتدا کی نیت سے مسجد میں داخل ہونا نماز کے قائم مقام ہو جائے گا۔ اسے نماز تحیۃ المسجد کا حکم دیا جائے گا جب وہ نماز کے علاوہ کے لئے مسجد میں داخل ہو۔ کلام ''النہر''۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مسجد میں داخل ہونے والے سے مطلب یہ ہے کہ وہ مسجد میں نماز پڑھے تا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لئے تحفہ ہو جائے۔ ظاہر یہ ہے کہ امام یا منفرد کا فرض نماز کی نیت سے داخل ہونا تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہوگا جب وہ داخل ہوتے ہی نماز پڑھے۔ ورنہ بیٹھنے کے بعد تحیۃ المسجد پڑھنا لازم ہوگا۔ یہ خلاف اولیٰ ہے جس طرح (مقولہ 5726

وَكَذَا دُخُولُهُ بِنِيَّةِ فَرْضٍ أَوْ اقْتِدَاءٍ (يَنُوبُ عَنْهَا) بِلَا نِيَّةٍ

اور یہی حکم ہوگا جب وہ مسجد میں فرض یا اقتدا کی نیت سے داخل ہوگا تو وہ فرض وغیرہ نیت کے بغیر تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہو جائے گا۔

میں) آئے گا۔ اگر مثلاً اس کا دخول، فرض کی نیت سے ہولیکن اس کی ادائیگی کچھ وقت کے بعد ہو، اسے تحیۃ المسجد کا حکم دیا جائے گا۔ یہ اس کے بیٹھنے سے پہلے ہوگا۔ جس طرح اس کا مسجد میں داخل ہونا نماز کے لئے نہ ہو جس طرح داخل ہونا درس یا ذکر کے لئے ہو۔

جو ہم نے بیان کیا ہے اس سے معلوم ہو گیا کہ جو ''النہر'' میں ''البنایہ'' سے نقل کیا ہے یہ ماقبل کے مخالف نہیں۔ اس کی غایت یہ ہے کہ نماز کو نماز کی نیت سے تعبیر کیا یہ اس پر مبنی ہے جو غالب ہے کہ جو آدمی نماز کے لئے داخل ہوا وہ نماز پڑھے گا۔ اور اس کا یہ معنی نہیں کہ مذکورہ نیت، تحیۃ المسجد نماز کو کافی ہوگی۔ اگر چہ وہ نماز نہ پڑھے جس طرح عبارت کا ظاہر وہم دلاتا ہے۔ جس طرح ''حلبی'' نے بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

فرض نماز میں مشغولیت تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہو جائے گی

5724۔ (قولہ: يَنُوبُ عَنْهَا بِلَا نِيَّةٍ) ''الحلبہ'' میں کہا: اگر مسجد میں داخل ہونے والا فرض نماز میں مشغول ہو گیا جبکہ اس نے تحیۃ المسجد کی نیت نہ کی تھی تو وہ فریضہ تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہو جائے گا۔ کیونکہ مسجد کی تعظیم حاصل ہو چکی ہے۔ جس طرح ''البدائع'' وغیرہ میں ہے۔ اگر اس نے فرض کے ساتھ تحیۃ المسجد کی نیت کی تو ''المحیط'' وغیرہ میں جو ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ شیخین کے نزدیک یہ صحیح ہے اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ نماز میں داخل ہونے والا نہیں ہوگا۔ کیونکہ علما نے کہا: اگر اس نے ظہر اور نفل میں داخل ہونے کی نیت کی تو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ فرض کی جانب سے جائز ہوگا۔ حسن نے امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہی روایت کیا ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ نماز میں داخل ہونے والا نہیں ہوگا۔ کیونکہ فرض، نفل کے ساتھ نماز میں دو مختلف جنسیں ہیں۔ ایک کو دوسرے پر تکبیر تحریمہ میں کوئی غلبہ نہیں۔ جب اس نے دونوں کی نیت کی تو دونوں نیتیں متعارض ہو گئیں تو دونوں نیتیں لغو ہو گئیں۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے فرض اقوی ہے پس ادنی کی نیت ختم ہو جائے گی۔ جس طرح ایک آدمی نے حجۃ الاسلام اور نفل حج کی نیت کی۔ ملخص۔ اس کی مثل ''البحر'' میں ہے۔

میں کہتا ہوں: جو امر میرے لئے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ اختلاف ہمارے مسئلہ میں جاری نہیں ہوتا۔ کیونکہ فریضہ جب تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہو گیا اور فریضہ کے ساتھ مقصود حاصل ہو گیا تو تحیہ، مطلوب کے طور پر باقی نہ رہا۔ کیونکہ مقصود کسی بھی نماز سے مسجد کی تعظیم ہے اور اسے مستقل تحیہ کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ مگر جب وہ غیر نماز کے لئے داخل ہو، جس طرح (مقولہ 5723 میں) گزر چکا ہے، اس وقت جب اس نے فریضہ کے ساتھ تحیہ کی نیت کی تو اس نے اس کی نیت کی جس کو فریضہ اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے اور فریضہ کے ساتھ وہ ساقط ہو گیا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق وہ دوسری جنس کی نیت

وَتَكْفِيهِ لِكُلِّ يَوْمٍ مَرَّةً وَلَا تَسْقُطُ بِالْجُلُوسِ عِنْدَنَا،

اور ہر دن کے لئے ایک دفعہ تحیۃ المسجد کافی ہوگا۔ اور ہمارے نزدیک بیٹھنے سے تحیہ ساقط نہیں ہوگا۔

کرنے والا نہیں۔ جب وہ ظہر کے فرض اور ظہر کی سنت کی نیت کرے مثلاً تو معاملہ مختلف ہوگا۔ فلیتامل۔

بلکہ ایک قائل یہ کہہ سکتا ہے: زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ اس فرض کے ساتھ تحیہ کی نیت کرے تاکہ اسے تحیہ کا ثواب حاصل ہو جائے۔ یعنی اس مسجد میں فرض واقع کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تحیہ اور اس کے گھر کی تعظیم کی نیت کرے۔ کیونکہ فرض کے ساتھ تحیہ کا سقوط اور تحیہ کا مطالبہ نہ ہونا، یہ اس کو مستلزم نہیں کہ تحیہ کے ارادہ کے بغیر ثواب حاصل ہو۔ پھر میں نے شافعیہ میں سے محقق ''ابن حجر'' کو دیکھا کہ انہوں نے ''المنہاج'' کے قول و تحصل بفرض او نفل آخر کے ہاں لکھا جس کی نص یہ ہے: اگرچہ اس نے فرض کے ساتھ تحیہ کی نیت نہ کی۔ کیونکہ اس نے مسجد کی حرمت کو پامال نہیں کیا، جو حرمت مقصود تھی۔ یعنی فرض کی ادائیگی کے ساتھ تحیہ کی طلب ساقط ہو جاتی ہے۔ جہاں تک ثواب کے حصول کا معاملہ ہے تو وجہ اس کا نیت پر موقوف ہونا ہے۔ کیونکہ حدیث طیبہ ہے انما الاعمال بالنیات (1) اور یہ گمان کہ شارع نے تحیہ کے غیر کے فعل کو تحیہ کے فعل کی جگہ رکھا ہے تو ثواب حاصل ہو جائے اگرچہ اس نے نیت نہ کی ہو تو یہ بعید ہے۔ اگر یہ قول کیا جائے کہ ''المجموع'' کا کلام اس کا تقاضا کرتا ہے، اگر وہ تحیہ کے نہ ہونے کی نیت کرے تو بالاتفاق اس سے کوئی شے حاصل نہ ہوگی جس طرح یہ ظاہر ہے۔ یہ اس بحث سے اخذ کیا ہے جس کو بعض علما نے سنۃ الطواف میں بحث کے طور پر ذکر کیا ہے۔ ظہر کے فرض اور سنت کی نیت مثلاً نقصان کا باعث ہوگی کیونکہ وہ سنت مقصود بذاتہ تھی۔ تحیہ کا معاملہ مختلف ہے۔

اور ان کا قول وانما ضرت الخ یہ بعینہ وہی ہے جسے پہلے بطور بحث ذکر کیا ہے۔ وللہ الحمد۔ کیونکہ جو انہوں نے کہا ہے وہ ہمارے مذہب کے قواعد کے خلاف نہیں۔

5725۔ (قولہ: وَتَكْفِيهِ لِكُلِّ يَوْمٍ مَرَّةً) یعنی جب عذر کی وجہ سے مسجد میں اس کا دخول بار بار ہو۔ اس کے اطلاق کا ظاہر یہ ہے کہ اسے اختیار دیا گیا ہے کہ وہ تحیۃ المسجد کو پہلی دفعہ یا آخری دفعہ ادا کرے۔ ''ط''۔

5726۔ (قولہ: وَلَا تَسْقُطُ بِالْجُلُوسِ عِنْدَنَا) کیونکہ علما نے حاکم کے بارے میں کہا جب وہ حکم کے لئے مسجد میں داخل ہو: اگر وہ چاہے تو مسجد میں داخل ہوتے وقت تحیۃ المسجد پڑھ لے یا مسجد سے نکلتے وقت پڑھ لے کیونکہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے جس طرح ''الغایہ'' میں ہے۔ جہاں تک ''صحیحین'' کی حدیث کا تعلق ہے اذا دخل احدکم المسجد فلا یجلس حتی یصلی رکعتین (2)۔ جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ نہ بیٹھے یہاں تک کہ وہ دو رکعات نماز پڑھے۔ یہ روایت کا بیان ہے۔ کیونکہ ابن حبان کی ان کی ''صحیح'' میں حدیث ہے: اے ابوذر! مسجد کے لئے تحیہ ہے اور اس کا تحیہ

1۔ اس کی تخریج گزر چکی ہے۔

2۔ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، اذا دخل احدکم المسجد فلیرکع رکعتین، جلد 1، صفحہ 248، حدیث نمبر 425

بَحْرٌ قُلْتُ وَفِي الضِّيَاءِ عَنِ الْقُوتِ مَنْ لَمْ يَتَمَكَّنْ مِنْهَا لِحَدَثٍ أَوْ غَيْرِهِ يَقُولُ نَدْبًا كَلِمَاتِ التَّسْبِيحِ الْأَرْبَعَ أَرْبَعًا (وَلَوْ تَكَلَّمَ بَيْنَ السُّنَّةِ وَالْفَرْضِ

''بحر'' اور ''الضیاء'' میں ''القوت'' سے مروی ہے۔ جو آدمی حدث یا کسی اور وجہ سے تحیۃ المسجد نہ پڑھ سکے تو وہ بطور استحباب چاروں تسبیح کے کلمات چار دفعہ کہے۔ اور اگر اس نے سنت اور فرض کے درمیان کلام کی

دو رکعتیں ہیں، اٹھو اور وہ پڑھو(1)۔ اس کی مکمل بحث ''حلبہ'' میں ہے۔

5727۔ (قولہ: وَفِي الضِّيَاءِ الخ) اس کی عبارت ہے: بعض علما نے کہا کہ جو مسجد میں داخل ہوا اور تحیۃ المسجد پڑھنا اس کے لئے ممکن نہ ہو، یا تو اسے حدث لاحق ہے یا اسے کوئی مصروفیت ہے یا اس طرح کا کوئی معاملہ ہے، تو اس کے لئے یہ کہنا مستحب ہوگا: سبحان الله، الحمد لله، لا اله الا الله، الله اکبر۔ یہ ابو طالب مکی نے ''قوت القلوب'' میں کہا ہے۔ ہم نے ''قہستانی'' سے اس کی مثل پہلے (مقولہ 5722 میں) بیان کر دیا ہے۔

خاتمہ

مساجد میں سے مسجد حرام کو مستثنیٰ کیا جائے گا اس حوالے سے کہ آفاقی محرم پہلی دفعہ مسجد حرام میں داخل ہو۔ کیونکہ اس محرم آفاقی کا تحیہ طواف ہے، اس میں غور و فکر کی گنجائش ہے، ''الحلبہ'' میں اسی طرح ہے۔ شاید غور و فکر کی وجہ گزشتہ حدیث میں مسجد کا مطلق ہونا ہے۔ ''النہر'' میں ہے: علما نے اس پر اتفاق کیا کہ امام اگر فرض نماز پڑھتا ہے یا موذن اقامت میں شروع ہو گیا تو تحیہ کو ترک کر دے گا اور آفاقی محرم تحیۃ المسجد پر طواف کو مقدم کرے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں سلام کا مسئلہ مختلف ہے۔

میں کہتا ہوں: لیکن ''لباب المناسك'' اور اس کی ''شرح'' میں، جو ملا علی قاری کی ہے، کہ وہ تحیۃ المسجد میں مشغول نہیں ہوگا۔ کیونکہ مسجد شریف کا تحیہ طواف ہے اگر وہ اس کا ارادہ کرے۔ مگر جو ارادہ نہ کرے بلکہ بیٹھنے کا ارادہ کرے تو اس کا معاملہ مختلف ہے۔ یہاں تک کہ وہ تحیۃ المسجد کی دو رکعات نماز پڑھے۔ مگر جب وقت مکروہ ہو تو نہ پڑھے۔

اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ جو طواف کا ارادہ کرتا ہے وہ اصلاً تحیۃ المسجد نہ پڑھے۔ نہ طواف سے پہلے اور نہ ہی طواف کے بعد۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ تحیۃ المسجد اس کی طواف کی رکعتوں میں داخل ہو جاتی ہے۔

سنت کو مسنون محل سے موخر کرنے کا شرعی حکم

5728۔ (قولہ: وَلَوْ تَكَلَّمَ الخ) اسی طرح اگر اس نے اوراد پڑھنے کے ساتھ فاصلہ کیا۔ کیونکہ سنت یہ ہے کہ اللھم انت السلام الخ کے ساتھ فاصلہ کرے۔ یہاں تک کہ اگر اس نے اس سے زائد کیا تو وہ سنت تو ہوں گی مگر اپنے محل مسنون میں نہ ہوں گی۔ جس طرح فصل الجهر بالقراءة سے تھوڑا پہلے (مقولہ 4497 میں) گزر چکا ہے۔

1۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، جلد 9، صفحہ 4۔ ایضاً، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، باب التحیۃ، جلد 8، صفحہ 320، حدیث 23103

لَا يُسْقِطُهَا وَلَكِنْ يَنْقُصُ ثَوَابُهَا) وَقِيلَ تَسْقُطُ (وَكَذَا كُلُّ عَمَلٍ يُنَافِي التَّحْرِيمَةَ عَلَى الْأَصَحِّ) قُنْيَةٌ وَفِي الْخُلَاصَةِ (لَوْ اشْتَغَلَ بِبَيْعٍ أَوْ شِرَاءٍ أَوْ أَكْلٍ أَعَادَهَا وَبِلُقْمَةٍ أَوْ شَرْبَةٍ لَا تَبْطُلُ) وَلَوْ جِيءَ بِطَعَامٍ إنْ خَافَ ذَهَابَ حَلَاوَتِهِ أَوْ بَعْضِهَا تَنَاوَلَهُ ثُمَّ سَنَّنَ، إلَّا إذَا خَافَ فَوْتَ الْوَقْتِ، وَلَوْ أَخَّرَهَا لِآخِرِ الْوَقْتِ لَا تَكُونُ سُنَّةً، وَقِيلَ تَكُونُ

تو یہ کلام سنتوں کو ساقط نہ کرے گی بلکہ سنتوں کے ثواب کو کم کر دے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا: سنتیں [illegible] د جائیں گی۔ اسی طرح ہر ایسا عمل جو تحریمہ کے منافی ہو، اصح قول کے مطابق۔ ''قنیہ''۔ اور ''خلاصہ'' میں ہے: اگر وہ بیع میں، فروخت یا خرید میں مشغول ہوا یا اس نے کھانا کھایا تو سنتوں کا اعادہ کرے۔ ایک لقمہ یا ایک دفعہ پینے سے سنتیں باطل نہ ہوں گی۔ اگر کھانا لایا گیا، اگر اسے کھانے کی حلاوت یا اس کے بعض کی حلاوت کے چلے جانے کا اندیشہ ہو تو کھانا کھالے پھر سنتیں ادا کرے، مگر جب اسے وقت کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو، اگر وہ آخر وقت تک انہیں مؤخر کرے تو وہ سنت نہ ہوں گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ سنت ہوں گی۔

5729۔ (قولہ: وَقِيلَ تَسْقُطُ) یعنی اگر وہ سنتیں فرض سے پہلے ہوں تو ان کا اعادہ کرے۔ اگر وہ فرضوں کے بعد ہوں تو ظاہر یہ ہے کہ یہ نفل ہوتی ہیں۔ اور اس قول کی بنا پر انہیں سنتوں کے اعادہ کا حکم نہ دیا جائے گا۔ ''تامل''

5730۔ (قولہ: وَفِي الْخُلَاصَةِ الخ) ظاہر یہ ہے یہ قول اس پر استدراک ہے جس کی متن میں ''القنیہ'' کی پیروی کرتے ہوئے تصحیح کی ہے۔ کیونکہ ''خلاصہ'' میں اس قول اعادھا کو یقین سے بیان کرنا اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ سنتیں ساقط ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ اس کے بعد یہ قرینہ ہے لا تبطل۔ یعنی ان کا سنت ہونا باطل نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ قول فائدہ دیتا ہے کہ اعادہ اس لئے ہے کیونکہ ان کا سنت ہونا باطل ہو چکا ہے ورنہ مقابلہ صحیح نہ ہوگا۔ ''تامل''۔

5731۔ (قولہ: وَلَوْ جِيءَ بِطَعَامٍ الخ) اس قول کا یہ فائدہ لیا ہے کہ منافی عمل یہ سنت کے ثواب میں کمی کر دے گا یا اسے ساقط کر دے گا اگر عذر کے بغیر ہو، مگر جب کھانا حاضر ہوا اور اسے لذت کے چلے جانے کا خوف ہو، اگر وہ بعد والی سنتوں میں مشغول ہو تو وہ اس کھانے کو کھالے پھر سنتیں پڑھے۔ کیونکہ یہ جماعت کے ترک میں عذر ہے تو سنت کی تاخیر میں بدرجہ اولیٰ عذر ہوگا۔ مگر جب وقت کے نکلنے کے ساتھ سنت کے فوت ہونے کا خوف ہو تو ایسی صورت میں وہ سنتیں پڑھے گا پھر وہ کھانا کھائے گا۔ یہ امر میرے لئے ظاہر ہوا۔

5732۔ (قولہ: وَلَوْ أَخَّرَهَا الخ) یعنی اگر عذر کے بغیر اسے مؤخر کیا، اس کا قرینہ ماقبل ہے۔

5733۔ (قولہ: وَقِيلَ تَكُونُ) ''القنیہ'' میں دونوں قولوں کی حکایت بیان کی ہے۔ اور دوسرے کی تعبیر قیل کے ساتھ نہیں کی بلکہ اسے مؤخر کیا ہے۔ اور اس سے اس کی تضعیف لازم نہیں آتی۔ اور میرے لئے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ یہی اصح ہے۔ اور پہلا قول، اس قول پر مبنی ہے کہ ہر عمل منافی کے ساتھ سنت ساقط ہو جاتی ہیں۔ یہ وہ ہے جس کی حکایت شارح نے قیل کے ساتھ کی ہے مگر اس صورت میں کہ سابقہ اختلاف کو سنت قبلیہ کے ساتھ خاص کیا جائے اور یہ سنت بعدیہ کے ساتھ کیا

(فُرُوعٌ) الْإِسْفَارُ بِسُنَّةِ الْفَجْرِ أَفْضَلُ وَقِيلَ لَا۔ نَذَرَ السُّنَنَ وَأَتَى بِالْمَنْذُورِ

فروع: فجر کی سنتوں کو روشن کر کے پڑھنا افضل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نہیں۔ ایک آدمی نے سنن کی نذر مانی اور نذر مانے ہوئے عمل کو کیا

جائے۔ لیکن یہ امر اسے حقیقت سے بعید کر دیتا ہے کہ اگر اصح قول، قبلیت میں ہو تو تدارک کے امکان کے ساتھ سنت ساقط نہ ہوں گی اس طرح کہ فرض کے ساتھ ملا کر ان کا اعادہ کیا جا سکتا ہے تو بعد والی بدرجہ اولیٰ اسی طرح ہوں گی۔ کیونکہ تدارک کا امکان ہوگا۔ ''فلیتامل''

5734۔ (قولہ: وَقِيلَ لَا) ''البحر'' میں ''الخلاصہ'' سے جو قول مروی ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے: فجر کی رکعتوں میں سنت سورۃ کافرون اور اخلاص کی قراءت ہے اور انہیں اول وقت میں اور گھر میں پڑھے ورنہ مسجد کے دروازے پر پڑھے۔

فجر کی سنتوں کے بعد پہلو کے بل لیٹنا

''شرح المنیہ'' میں کہا: یہ وہ امر ہے جس پر احادیث دلالت کرتی ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: جب موذن فجر کی نماز سے خاموش ہو جاتا اور فجر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے واضح ہو جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھتے اور دو ہلکی سی رکعات پڑھتے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائیں پہلو پر لیٹ جاتے یہاں تک موذن اقامت کے بارے میں اطلاع عرض کرنے کے لئے آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لے جاتے (1)۔ اس کی مکمل بحث اس ''شرح المنیہ'' میں ہے۔

تنبیہ

علما شافعیہ نے فجر کی سنتوں اور اس کے فرضوں کے درمیان پہلو کے بل لیٹنے سے فاصلہ کی تصریح کی ہے۔ وہ اس مذکورہ حدیث اور اس جیسی احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔ ہمارے علما کا کلام اس کے خلاف ہے جبکہ انہوں نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ میں نے موطا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ میں دیکھا ہے: امام مالک نے نافع سے، وہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: انہوں نے ایک آدمی کو دیکھا جس نے فجر کی دو رکعات پڑھیں پھر پہلو کے بل لیٹ گیا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اسے کیا ہوا ہے؟ تو حضرت نافع نے کہا: میں نے عرض کیا: وہ اپنی نماز میں فاصلہ کرتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: سلام سے بہتر فاصلہ کون سا ہے؟ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کو اپناتے ہیں۔ یہی امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے (2)۔

موطا کے شارح محقق ملا علی قاری نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے سلام فصل کے لئے وارد ہوا ہے سلام اس لئے کہ واجب ہے یہ ان تمام اعمال سے افضل ہے جو نماز سے خارج کر دیتے ہیں جیسے کوئی عمل اور کوئی کلام۔ یہ سابقہ کلام کے منافی نہیں اس کی

1۔ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، من انتظر الاقامۃ، جلد 1، صفحہ 313، حدیث نمبر 690

صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب صلاۃ اللیل، جلد 1، صفحہ 725، حدیث نمبر 1266

2۔ موطا امام مالک، کتاب الصلاۃ باب فضل صلاۃ الفجر، صفحہ 92

فَهُوَ السُّنَّةُ، وَقِيلَ لَا
تو وہ سنت ہی ہوں گی۔ایک قول یہ کیا گیا ہے: نہیں۔

وجہ یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز تہجد کے آخر میں فجر کی دو رکعات کے بعد دوبارہ اپنے گھر میں لیٹتے تھے مقصود آرام حاصل کرنا ہوتا۔ پھر کہا: ابن حجر مکی نے ''شرح الشمائل'' میں کہا: شیخین نے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب فجر کی دو رکعات (سنتیں) پڑھتے تو دائیں پہلو پر لیٹ جاتے۔ پس یہ پہلو کے بل لیٹنا فجر کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان اسی وجہ سے سنت ہے۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا جس طرح امام ابوداؤد (1) وغیرہ نے ایسی سند سے روایت کیا جو لاباس بہ ہے۔ اس سے ان لوگوں نے اختلاف کیا ہے جنہوں نے اس سے منازعہ کیا ہے۔ یہ اس کے مندوب ہونے میں صریح ہے جو مسجد میں ہو یا کسی اور جگہ ہو۔ اس سے ان لوگوں نے اختلاف کیا ہے جنہوں نے گھر میں اس کے مندوب ہونے کو خاص کیا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول انها بدعة اور امام نخعی کا قول انها ضجعة الشيطان اور حضرت ابن مسعود کا اس کا انکار کرنا، اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ یہ امر انہیں نہ پہنچا ہو۔ ابن حزم نے اس کے واجب ہونے اور صبح کے فرضوں کے لئے شرط ہونے کا جو قول کیا ہے اس میں افراط سے کام لیا ہے۔

ان جلیل القدر ہستیوں نے جو علم میں بلند مقام پر فائز ہوئے ان تک اس کی خبر کے نہ پہنچنے کے قول کا حقیقت سے بعید ہونا مخفی نہیں۔ خصوصاً حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جو سفر و حضر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے ان کے بارے میں یہ قول حقیقت سے بعید ہے۔ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احوال کے بارے میں جستجو کرتے تھے تاکہ کامل اتباع کریں۔ پس درست یہ ہے کہ ان کے انکار کو اس پر محمول کیا جائے جو علت پہلے گزر چکی ہے۔ یعنی فصل کرنا، یا اسے مسجد میں اہل فضل کے درمیان آپ کے عمل پر محمول کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امر اسے صحیح مقدر کیا جائے تو مسجد میں اس پہلو کے بل لیٹنے پر نہ صریح ہے اور نہ ہی اس میں اشارہ ہے۔ کیونکہ حدیث جس طرح ابوداؤد، ترمذی اور ابن حبان حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا: اذا صلى احدكم ركعتي الفجر فليضطجع على جنبه الايمن جب تم میں سے کوئی فجر کی دو رکعتیں پڑھ لے تو وہ اپنے دائیں پہلو کے بل لیٹ جائے۔ تو مطلق، مقید پر محمول ہوگا۔ اس تعبیر کی بنا پر اگر یہ عمل مسجد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں عام تھا تو ان جلیل القدر افراد پر مخفی نہ ہوتا۔ اور یہاں مقید سے مراد ان کا یہ قول ''فجر کی دو رکعتوں کے بعد گھر میں'' ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلو کے بل گھر میں لیٹنا، یہ آرام کی غرض سے تھا، احکام شرع کی وضاحت کے لئے نہ تھا۔ اگر اس بارے میں امر کی حدیث صحیح ہے، جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ تشریع کے لیے ہے، تو صرف گھر میں اس کی طلب پر محمول کیا جائے گا تاکہ ادلہ میں تطبیق ہو جائے۔ واللہ تعالی اعلم۔

5735۔ (قولہ: فَهُوَ السُّنَّةُ) کیونکہ نذر اس کو سنت ہونے سے خارج نہیں کرتی۔ جس طرح اگر وہ ان سنتوں میں شروع ہو پھر ان کو توڑ دے پھر انہیں ادا کرے تو وہ سنت ہی ہوں گی۔ اور سنت قطع کرنے کی وجہ سے وجوب کا وصف زائد کر

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب الاضطجاع بعد ركعتي الفجر، جلد 1، صفحہ 459، حدیث نمبر 1070

أَرَادَ النَّوَافِلَ يَنْذُرُهَا ثُمَّ يُصَلِّيهَا، وَقِيلَ لَا تَرْكُ السُّنَنِ إنْ رَآهَا حَقًّا أَثِمَ،
وہ نفل کا ارادہ کرتا ہے تو ان کی نذر مان لے پھر انہیں پڑھے۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ ایسا نہ کرے۔ سنن کو حق جانتا ہے پھر ترک کرتا ہے تو گناہگار ہوگا

دیا ہے۔ ''نہر'' میں ''عقد الفوائد'' سے نقل کیا ہے۔

نذر سے نہی کی حدیث

5736۔ (قولہ: أَرَادَ النَّوَافِلَ الخ) ''القنیہ'' میں ہے: نذر کے بعد نفل پڑھنا، نذر کے بغیر اسے پڑھنے سے افضل ہے۔

''البحر'' میں کہا: امام ''مسلم'' نے جو اپنی صحیح میں نذر سے نہی کی روایت کی ہے(1) وہ اس میں اشکال پیدا کرتی ہے۔ یہ اس کے قول کو راجح کرتی ہے جس نے کہا: وہ اس کی نذر نہ مانے۔ لیکن ان میں سے بعض علما نے نہی کو اس نذر پر محمول کیا ہے جو شرط پر معلق ہو۔ کیونکہ شرط کا حصول، عبادت کے عوض کی طرح ہے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے خالص نہ ہوگی۔ جس نے نفل کے نذر مان لینے کا قول کیا ہے اگرچہ یہ شروع کرنے کے ساتھ واجب ہو جاتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ نذر میں شروع ہونا واجب ہو گیا تو اس طرح اسے واجب کا ثواب ملے گا۔ نفل کا معاملہ مختلف ہے۔ عبد ضعیف کے ہاں احسن یہ ہے کہ وہ نوافل کی نذر نہ مانے تا کہ وہ یقینی طور پر نہی کے ذمہ سے بچ سکے۔

میں کہتا ہوں: نہی والی حدیث کے الفاظ جس طرح امام ''بخاری'' نے اپنی ''صحیح'' میں روایت کئے ہیں جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، جس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نذر سے نہی فرمائی۔ فرمایا: انّه لا یردّ شیأ، و انما یستخرج به من البخیل (2)۔ اس سے جو متبادر معنی سمجھ آتا ہے وہ نذر معلق ہے۔ جیسے وہ کہے: اگر اللہ تعالیٰ نے میرے مریض کو شفا عطا فرما دی تو اللہ تعالیٰ کے لئے مجھ پر یہ لازم ہے۔ نہی کی وجہ یہ ہے کہ یہ عمل عوض کے شائبہ سے پاک نہیں۔ کیونکہ اس نے عبادت کو شفا کے مقابلہ میں رکھ دیا ہے۔ اور اس کے نفس نے عبادت کے بارے میں سخاوت نہیں کی۔ کیونکہ اس نے اس غرض پر معلق کیے بغیر یہ عمل نہیں کیا۔ ساتھ ہی یہ احتمال موجود ہے کہ وہ شفا کے حصول میں نذر کو موثر مانتا ہو۔ اسی وجہ سے حدیث میں کہا: وہ کسی شے کو رد نہیں کرتی۔ یہ کلام نہی کی تعلیل کے قائم مقام واقع ہوا ہے۔ نذر غیر معلق کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے حوالے سے محض تبرع و نفل ہے، اور اپنے نفس پر ایسی چیز کو لازم کرنا ہے جس کے بارے میں امکان ہو کہ وہ اس نذر کے بغیر نہ کرتا۔ پس ایسی نذر قربت ہوگی۔ اور اس امر کی دلیل کہ ہمارے نزدیک یہ امر قربت ہے وہ ہے جس کو ''فتح القدیر'' میں کتاب الحج سے تھوڑا پہلے بیان کیا ہے: اگر اعتکاف کی نذر کے بعد وہ مرتد ہو گیا پھر وہ اسلام لایا تو

1۔ صحیح مسلم، کتاب النذر، باب النھی عن النذر، جلد 2، صفحہ 562، حدیث نمبر 3143

2۔ صحیح بخاری، کتاب القدر، القاء النذر العبد الی القدر، جلد 3، صفحہ 627، حدیث نمبر 6118

وَإِلَّا كُفِرَ، وَالْأَفْضَلُ فِي النَّفْلِ
ورنہ کافر ہو جائے گا۔ تراویح کے علاوہ

نذر کا حکم اس پر لازم نہ ہوگا۔ کیونکہ قربت کی نذر بالذات، قربت ہوتی ہے۔ پس یہ باقی عبادات کی طرح ارتداد کے ساتھ باطل ہو جائیں گی۔

اس سے مراد غیر معلق نذر ہے۔ اسی وجہ سے جو ہم نے کہا ہے کیونکہ بخاری کے بعض شارحین نے حدیث میں نہی کو اس آدمی پر محمول کیا ہے جو یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ نذر، اس غرض کے حاصل کرنے میں مؤثر ہے، جس کو اس نذر پر معلق کیا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ عام ہے۔ کیونکہ یہ قول اس نذر کے ساتھ بخیل سے مال نکالا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

تنبیہ

نوافل کی قید لگائی۔ پس اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ سنن میں افضل یہ ہے کہ ان کی نذر نہ مانی جائے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ سنن وہ ہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرائض سے پہلے یا ان کے بعد ادا فرمایا کرتے تھے۔ اور ہم سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی طریقہ سے اتباع کریں جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم عمل کیا کرتے تھے۔ اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منقول نہیں کہ آپ ان کی نذر مانتے تھے۔ اسی وجہ سے کہا گیا یہ نوافل، سنت نہ ہوں گے۔ پس اس میں افضل ان کی نذر نہ ماننا ہے۔ واللہ اعلم۔

5737۔ (قولہ: وَإِلَّا كُفِرَ) یعنی اس طرح کہ اس نے انہیں خفیف جانا۔ پس وہ کہتا ہے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے میں یہ نہیں کرتا۔ ''شرح المنیہ'' یہ ترک کے بارے میں ہے۔ جہاں تک انکار کا تعلق ہے تو ہم نے اس بارے میں گفتگو باب کے شروع میں (مقولہ 5600 میں) کر دی ہے۔

غفلت کا اندیشہ نہ ہو تو نفل نماز گھر میں پڑھنا افضل ہے

5738۔ (قولہ: وَالْأَفْضَلُ فِي النَّفْلِ الخ) یہ قول ان نوافل، جو فریضہ کے بعد ہوتے ہیں یا ان سے پہلے ہوتے ہیں سب کو شامل ہے۔ کیونکہ ''صحیحین'' کی حدیث ہے علیکم بالصلاۃ فی بیوتکم، فان خیر صلاۃ المرء فی بیتہ الا المکتوبۃ(1) تم پر لازم ہے کہ اپنے گھروں میں نماز پڑھو۔ کیونکہ انسان کی سب سے اچھی نماز وہ ہے جو گھر میں ہو مگر فرض نماز۔ ابوداؤد نے حدیث نقل کی ہے صلاۃ المرء فی بیتہ افضل من صلاتہ فی مسجدی ھذا الا المکتوبۃ(2) آدمی کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا میری مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے مگر فرض نماز۔ اس کی مکمل بحث ''شرح المنیہ'' میں ہے۔ یہ نماز گھر میں پڑھنا افضل ہے جب اسے ایسے کام کا خوف نہ ہو جو اس کو نماز سے غافل کر دے۔ اگر وہ گھر کی طرف گیا یا گھر میں ایسی چیز ہے جو اس کے دل کو غافل کر دے اور اس کے خشوع میں کمی کر دے تو اس وقت وہ مسجد میں پڑھے کیونکہ خشوع کا

1۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین باب استحباب صلاۃ النافلۃ، جلد 1، صفحہ 760، حدیث نمبر 1351

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ صلاۃ الرجل التطوع فی بیتہ، جلد 1، صفحہ 386، حدیث نمبر 880

غَيْرِ التَّرَاوِيحِ الْمَنْزِلُ، إِلَّا لِخَوْفِ شُغْلٍ عَنْهَا، وَالْأَصَحُّ أَفْضَلِيَّةُ مَا كَانَ أَخْشَعَ وَأَخْلَصَ (وَنُدِبَ رَكْعَتَانِ بَعْدَ الْوُضُوءِ) يَعْنِي قَبْلَ الْجَفَافِ كَمَا فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ عَنِ الْمَوَاهِبِ (وَ) نُدِبَ (أَرْبَعٌ

نوافل میں افضل، منزل ہے۔ مگر جب ان کو چھوڑ کر کسی اور امر میں مشغول ہونے کا خوف ہے۔ زیادہ صحیح یہ ہے جس میں زیادہ خشوع اور اخلاص ہو وہ افضل ہیں۔ اور وضو کے بعد دو رکعتیں مستحب ہیں یعنی جب کہ جسم ابھی خشک نہ ہوا۔ جس طرح ''شرنبلالیہ'' میں ''مواہب'' سے مروی ہے۔

اعتبار زیادہ راجح ہے۔

5739۔ (قولہ: غَيْرِ التَّرَاوِيحِ) کیونکہ تراویح کو جماعت کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے اور جماعت کا محل مسجد ہے۔ ''شرح المنیہ'' میں تحیۃ المسجد کے نوافل کی استثنا کی ہے جبکہ یہی ظاہر ہے۔

میں کہتا ہوں: نیز احرام اور طواف کی رکعات بھی مستثنیٰ ہوں گی۔ کیونکہ پہلی یعنی احرام کی رکعات کو میقات کے پاس مسجد میں پڑھا جاتا ہے اگر وہاں مسجد ہو جس طرح ''اللباب'' میں ہے۔ اور دوسری یعنی طواف کی رکعات مقام ابراہیم کے پاس پڑھی جاتی ہیں۔ اسی طرح سفر سے واپس آنے کی رکعات ہیں۔ سفر شروع کرنے کے نوافل کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ انہیں گھر میں پڑھا جاتا ہے۔ جس طرح آگے (مقولہ 5749 میں) آئے گا۔ اسی طرح معتکف کے نوافل ہیں۔ اسی طرح وہ نوافل جو تاخیر کے ساتھ فوت ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح نماز کسوف ہے کیونکہ انہیں جماعت کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

وضو کی سنتیں

5740۔ (قولہ: وَنُدِبَ رَكْعَتَانِ بَعْدَ الْوُضُوءِ) مسلم شریف کی حدیث ہے ما من احد يتوضا فيحسن الوضؤ ويصلى ركعتين يقبل بقلبه ووجهه عليهما الا وجبت له الجنة (1) جو آدمی وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے اور دو رکعات نماز پڑھے اور دل اور چہرہ سے ان کی طرف متوجہ رہے اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ ''خزائن''۔ وضو کی مثل غسل ہے جس طرح ''طحطاوی'' نے ''شرنبلالی'' سے نقل کیا ہے۔ اور ان دونوں رکعات میں سورۃ الکافرون اور سورۃ اخلاص کی قراءت کرے جس طرح ''الضیاء'' میں ہے۔ اس میں غور کرو، کیا کوئی اور نماز ان کے قائم مقام ہو جاتی ہے جیسے تحیۃ المسجد یا نہیں؟ پھر میں نے ''شرح لباب المناسک'' میں دیکھا کہ احرام کی دو رکعات کی نماز مستقل سنت ہے جس طرح صلاۃ استخارہ وغیرھا۔ فرض نماز جس کے قائم مقام نہیں ہوتی۔ تحیۃ المسجد اور شکر وضو کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ دونوں کے لئے علیحدہ نماز نہیں جس طرح ''الحجۃ'' میں اسے ثابت کیا ہے۔

چاشت کی سنتیں

5741۔ (قولہ: وَنُدِبَ أَرْبَعٌ الخ) ان کا مندوب ہونا ہی راجح ہے جس طرح ''الغزنویہ''، ''الحاوی''، ''الشرعۃ''،

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب الذکر المستحب عقب الوضوء، جلد 1، صفحہ 314، حدیث نمبر 395

فَصَاعِدًا فِي الضُّحَى) مِنْ بَعْدِ الطُّلُوعِ إِلَى الزَّوَالِ، وَوَقْتُهَا الْمُخْتَارُ بَعْدَ رُبُعِ النَّهَارِ وَفِي الْمُنْيَةِ (أَقَلُّهَا رَكْعَتَانِ، وَأَكْثَرُهَا اثْنَتَا عَشَرَ،

اور چاشت کے وقت طلوع فجر کے بعد، زوال سے پہلے چار یا زائد نفل پڑھنے مستحب ہیں۔ اوران کا مختار وقت دن کے چار نفلوں کے بعد ہے۔ ''المنیہ'' میں ہے اس کی کم سے کم رکعات دو اور زیادہ سے زیادہ بارہ ہیں

''المفتاح''، ''التبیین'' وغیرہا میں جزم و یقین سے بیان کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مستحب نہیں۔ کیونکہ ''صحیح البخاری'' میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اس سے انکار مروی ہے۔ ''اسماعیل'' اوران کے مستحب ہونے پر ''شرح المنیہ'' میں تفصیلی دلائل دیئے ہیں۔

نماز چاشت کا وقت

5742۔ (قولہ: مِنْ بَعْدِ الطُّلُوعِ) ''شرح المنیہ'' کی عبارت ہے۔ من ارتفاع الشمس سورج کے بلند ہونے سے لےکر زوال تک۔

5743۔ (قولہ: وَوَقْتُهَا الْمُخْتَارُ) یعنی جسے اختیار کیا جاتا ہے اوراس کو کرنے کے لئے ترجیح دی جاتی ہے۔ یہ وہ قول ہے جسے ''شرح المنیہ'' میں ''حاوی'' کی طرف منسوب کیا ہے اور کہا: کیونکہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا صلاۃ الاوابین حین ترمض الفصال (1) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ ترمض، یہ تا اور میم کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ یعنی گرمی کی شدت سے جو اس کے پاؤں میں واقع ہوتی ہے اسی وجہ سے بیٹھ جاتا ہے۔

نماز چاشت کی رکعات

5744۔ (قولہ: وَفِي الْمُنْيَةِ أَقَلُّهَا رَكْعَتَانِ) شیخ اسماعیل نے ''غزنویہ''، ''حاوی''، ''شرعۃ'' اور ''سمرقندیہ'' سے اسی کی مثل نقل کیا ہے۔ مصنف نے جو ذکر کیا ہے ''التبیین''، ''المفتاح'' اور ''الدرر'' میں اسی پر گامزن ہوئے ہیں۔ پہلے قول کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دو رکعتوں کی وصیت کی۔ جس طرح ''صحیح بخاری'' میں ہے (2)۔ دوسرے قول کی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کے چار نوافل ادا فرماتے اور اللہ تعالیٰ جتنا چاہتا آپ اس میں اضافہ فرماتے (3)۔ اسے امام مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ بعض محققین نے جس کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یہی تطبیق ہے کہ دو رکعات، اقل مرتبہ والی اور چار، ادنیٰ کمال والی ہیں۔

5745۔ (قولہ: وَأَكْثَرُهَا اثْنَيْ عَشَرَ) کیونکہ اسے امام ترمذی اور امام نسائی نے ایسی سند سے روایت کیا ہے جس میں

1۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب صلاۃ الاوابین حین ترمض الفصال، جلد 1، صفحہ 735، حدیث نمبر 1287

2۔ صحیح بخاری، ابواب التطوع، باب صلاۃ الضحی فی الحضر، جلد 1، صفحہ 523، حدیث نمبر 1108

3۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب استحباب صلاۃ الضحی، جلد 1، صفحہ 711، حدیث نمبر 1225

وَأَوْسَطُهَا ثَمَانٍ) وَهُوَ أَفْضَلُهَا كَمَا فِي الذَّخَائِرِ الْأَشْرَفِيَّةِ، لِثُبُوتِهِ بِفِعْلِهِ وَقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَأَمَّا أَكْثَرُهَا فَبِقَوْلِهِ فَقَطْ، وَهَذَا لَوْ صَلَّى الْأَكْثَرَ بِسَلَامٍ وَاحِدٍ، أَمَّا لَوْ فَصَلَ فَكُلَّمَا زَادَ أَفْضَلُ كَمَا أَفَادَهُ ابْنُ حَجَرٍ فِي شَرْحِ الْبُخَارِيِّ

اور درمیانی آٹھ ہیں یہ ان میں سے افضل ہیں جس طرح ''الذخائر الاشرفیہ'' میں ہے۔ کیونکہ یہ آپ کے فعل اور قول سے ثابت ہے۔ جہاں تک اکثر کا تعلق ہے تو وہ صرف قول سے ثابت ہے۔ یہ اس صورت میں ہے اگر اس نے ایک سلام کے ساتھ اکثر رکعات پڑھیں۔ مگر جب وہ الگ الگ پڑھے تو جتنی بھی زائد پڑھے افضل ہیں۔ جس طرح ابن حجر نے ''شرح بخاری'' میں بیان کیا ہے۔

ضعف ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے چاشت کی بارہ رکعات پڑھیں اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں سونے کا محل بنادے گا(1)۔ یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ ضعیف حدیث پر فضائل میں عمل کرنا جائز ہوتا ہے۔ ''شرح المنیہ'' ایک قول یہ کیا گیا: اس کی زیادہ سے زیادہ آٹھ ہیں۔ ''الحلبہ'' میں اسے امام احمد کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور بعض شافعیوں نے اسے زیادہ سے زیادہ ہونے کی طرف منسوب کیا ہے۔

5746_(قولہ: كَمَا فِي الذَّخَائِرِ الْأَشْرَفِيَّةِ) یہ ''ابن شحنہ'' کی کتاب ہے جو فقہی پہیلیوں کے مولف ہیں۔

5747_(قولہ: لِثُبُوتِهِ الخ) جو اعتراض وارد کیا گیا ہے یہ اس کا جواب ہے کہ اس کا اوسط افضل کیسے ہوگا جبکہ اکثر، اوسط اور زیادتی پر مشتمل ہے اور اس میں مشقت کی زیادتی ہے؟

5748_(قولہ: كَمَا أَفَادَهُ ابْنُ حَجَرٍ الخ) کیونکہ کہا: افضل اور اکثر کے درمیان فرق کا تصور نہیں کیا جا سکتا مگر اس صورت میں جب بارہ رکعات پڑھنے والا ایک سلام کے ساتھ بارہ رکعات ادا کرے۔ کیونکہ یہ اس آدمی کے نزدیک مطلقاً نفل ہوں گے جو یہ کہتا ہے چاشت کی سنتوں میں اکثر تعداد آٹھ رکعتیں ہیں۔ مگر جب وہ ان رکعات کو الگ الگ پڑھے تو وہ چاشت کے نفل پڑھنے والا ہوگا اور جو آٹھ رکعات سے زائد ہیں تو وہ اسی کے مطلقاً نفل ہوں گے، تو اس کے حق میں بارہ رکعات نماز آٹھ رکعات سے افضل ہوگی کیونکہ وہ افضل اور زائد کو بجالایا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا حاصل یہ ہے کہ جس نے کہا: اس کی اکثر رکعات آٹھ ہیں کیونکہ اس کے نزدیک زیادتی ثابت نہیں اگر اس نے بارہ رکعات ایک سلام کے ساتھ پڑھیں تو وہ چاشت کی سنتیں نہ ہوں گی کیونکہ اس نے خلاف مشروع کی نیت کی۔ پس اس کے نزدیک افضل نماز آٹھ رکعات کی نماز ہے۔ مگر اس کے قول کے مطابق جو یہ کہتا ہے ان کی اکثر تعداد بارہ رکعات ہیں۔ کیونکہ فضائل اعمال میں ضعیف پر عمل کرنا جائز ہے۔ جس طرح قول (مقولہ 5745 میں) گزر چکا ہے۔ تو یہ افضل ہوگا جس طرح سب کے نزدیک، اگر وہ دو رکعات یا چار رکعات الگ الگ ایک سلام کے ساتھ پڑھتا ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آٹھ رکعات کا افضل ہونا، اس کے قول پر مبنی ہے جو یہ کہتا ہے کہ یہی اکثر ہیں۔ کیونکہ اس کے

1_سنن ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الضحی، جلد 1، صفحہ 294، حدیث نمبر 435

وَمِنَ الْمَنْدُوبَاتِ رَكْعَتَا السَّفَرِ وَالْقُدُومِ مِنْهُ
اور مندوبات میں سے سفر پر جانے اور سفر سے واپس آنے کی دو رکعات ہیں۔

نزدیک زیادتی ثابت نہیں۔ اس وقت وہ ضعف مخفی نہیں ہوگا جو شارح کی کلام میں ہے۔ کیونکہ وہ اس پر گامزن ہوئے ہیں کہ اس کی اکثر تعداد بارہ رکعات ہیں اور اس نے اوسط کو افضل بنا دیا اس شرط پر کہ اگر ہم کہیں کہ آٹھ اکثر ہیں تو بارہ پر ان کی افضلیت کو اس امر کے ساتھ مقید کرنا، جب وہ بارہ رکعات ایک سلام کے ساتھ پڑھے گا تا کہ وہ نفل مطلق بن جائے، ہمارے مذہب کے قواعد کے موافق نہیں ہوئی۔ بلکہ ہمارے قواعد کے مطابق وہی نماز ہوگی جس کی اس نے نیت کی۔ جس طرح مثلاً اس نے ظہر کی چھ رکعت پڑھیں اور چوتھی رکعات کے اختتام پر بیٹھا تو وہ زائد رکعتیں ماقبل کو صفت فرضیت سے تبدیل نہیں کریں گے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک فرض اور نفل کی تکبیر تحریمہ پر بنا صحیح ہے۔ اور تعداد کی نیت نہ نقصان دیتی ہے اور نہ ہی نفع دیتی ہے۔ جب اس نے چاشت کی نماز آٹھ رکعات سے زائد پڑھی تو زائد نماز مطلق نفل ہو جائیں گے۔ سب مطلقاً نفل نہ ہوں گے۔ اس میں کوئی فرق نہیں کیا جائے گا کہ وہ وصل کر رہا ہے اور فصل کر رہا ہے۔ ہاں اگر سب کو اکٹھے وصل کی صورت میں پڑھے تو دن کے نوافل میں چار رکعات سے زائد ایک سلام کے ساتھ مکروہ ہے۔ اور یہ مکروہ ہوگا اگرچہ چاشت کے زیادہ سے زیادہ نوافل پر زیادتی نہ کرے۔ اس وقت یہ ظاہر نہیں ہوگا کہ آٹھ رکعات افضل ہیں۔ بعض شافعیہ نے یہ جواب دیا ہے کہ آٹھ رکعات کا افضل ہونا اتباع کی وجہ سے ہے۔ یعنی اس لئے کہ یہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے تو اس میں شارع علیہ السلام کی اتباع راجح ہوگی۔ زیادتی کا معاملہ مختلف ہوگا کیونکہ حدیث میں ضعف پایا جا رہا ہے۔ لیکن اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اکثر رکعات والی نماز، اس اوسط کو شامل ہے جس میں اتباع پائی جاتی ہے۔ مگر اسی قول پر بنا کی جائے کہ آٹھ ہی اکثر تعداد ہے۔ اور اگر اس نے ایک سلام کے ساتھ اکثر تعداد کو پڑھا تو نفل مطلقاً واقع ہوگا۔ وہ واقع نہیں ہوگا جس کی اس نے نیت کی۔ یا یہ کہا جائے گا: اس کا معنی ہے کہ آٹھ رکعات میں سے ہر شفع اس شفع سے افضل ہے جو شفع زائد نماز میں سے ہے۔ یہ مجموعہ کو دیکھنے کے اعتبار سے نہیں ہے۔ یہ اس امر کی انتہا ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا۔ واللہ اعلم۔

سفر پر جانے اور اس سے واپس آنے کی دو رکعات

5749۔ (قولہ: رَكْعَتَا السَّفَرِ وَالْقُدُومِ مِنْهُ) حضرت مطعم بن مقدام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ما خلف احد عند اهله افضل من ركعتين يركعهما عندهم حين يريد سفرا (1) کوئی آدمی اپنے اہل کے ہاں ان دو رکعات سے افضل چیز نہیں چھوڑ جاتا، جو دو رکعات ان کے پاس اس وقت پڑھتا ہے جب وہ سفر کا ارادہ کرتا ہے۔ اسے ''طبرانی'' نے روایت کیا ہے۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر سے واپس نہیں آتے تھے مگر دن میں چاشت کے وقت تشریف لاتے۔ جب آپ آتے تو مسجد سے شروع کرتے تو اس مسجد میں دو رکعت نماز ادا فرماتے پھر

1۔ مصنف ابن ابی شیبہ، باب الرجل یرید السفر، جلد 1، صفحہ 424، حدیث نمبر 4879

وَصَلَاةُ اللَّيْلِ
اور رات کے نوافل مستحب ہیں

اس میں بیٹھ جاتے (1)۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ ''شرح المنیہ''۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ سفر پر جانے کی دو رکعات گھر میں اور سفر سے واپس آنے کی دو رکعات مسجد میں ادا کرنے کے ساتھ خاص ہیں۔ شافعیہ نے اسی کی تصریح کی ہے۔

رات کی نماز

5750۔ (قولہ: وَصَلَاةُ اللَّيْلِ) میں کہتا ہوں: یہ دن کے نوافل سے افضل ہیں۔ جس طرح ''جوہرہ'' اور ''نور الایضاح'' میں ہے۔ آیات اور احادیث میں ان کی فضیلت اور ان پر ابھارنے کی تصریح کی ہے۔ ''البحر'' میں کہا: ان میں سے وہ ہیں جو ''صحیح مسلم'' میں مرفوع روایت کی صورت میں موجود ہیں۔ افضل الصلاۃ بعد الفریضۃ صلاۃ اللیل(2)، فریضہ کے بعد افضل نماز رات کی نماز ہے۔ اور ''طبرانی'' نے مرفوع روایت کیا ہے لا بدّ من صلاۃ بلیل ولو حلب شاۃ، و ما کان بعد صلاۃ العشاء فھو من اللیل(3)۔ رات کو نوافل کی نماز ضروری ہے اگرچہ بکری کے ایک دفعہ دوھنے کے وقت میں ہو۔ اور جو نماز عشاء کی نماز کے بعد ہو تو رات کی نماز ہے۔ یہ امر اس کا فائدہ دیتا ہے کہ یہ سنت، عشاء کی نماز کے بعد سونے سے پہلے نوافل ادا کرنے کی صورت میں حاصل ہو جاتی ہے۔

میں کہتا ہوں: ''الحلبہ'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ پھر اس بارے میں کلام کے بعد کہا: پھر یہ امر مخفی نہیں کہ رات کی وہ نماز جس پر برانگیختہ کیا گیا ہے وہ تہجد ہے۔ قاضی حسین جو شافعیہ میں سے ہیں انہوں نے ذکر کیا کہ تہجد اصطلاح میں اس نفل کو کہتے ہیں جو نیند کے بعد ہوتا ہے۔ ''معجم طبرانی'' میں جو حضرت حجاج بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے وہ اس کی تائید کرتی ہے: تم میں سے کوئی ایک گمان کر سکتا ہے جب وہ رات کو نماز پڑھتے ہوئے قیام کرے یہاں تک کہ وہ صبح کر دے کہ اس نے تہجد کیا۔ بے شک تہجد وہ نماز ہے جو آدمی نیند کے بعد اسے پڑھتا ہے۔ مگر اس حدیث کی سند میں ابن لہیعہ ہے۔ اس میں اعتراض کیا جاتا ہے۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ ''طبرانی'' کی پہلی حدیث غالب ہے۔ کیونکہ وہ شارع علیہ السلام کی جانب سے تشریع قولی ہے۔ یہ اس سے مختلف ہے۔ اس سے وہ قول منتفی ہو جاتا ہے جو امام احمد سے مروی ہے: ''قیام اللیل سے مراد مغرب سے طلوع فجر تک قیام ہے''۔ ''ملخص''۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ ''طبرانی'' کی پہلی حدیث یہ اس امر کا بیان ہے کہ اس کا وقت عشاء کی نماز کے بعد کا وقت ہے۔ یہاں تک کہ اگر وہ سو گیا پھر اس نے اس سے پہلے نفل پڑھے تو وہ سنت کو حاصل کرنے والا نہیں ہوگا۔ پس ''طبرانی'' کی دوسری حدیث پہلی حدیث کی مفسر ہوگی۔ یہ اسلوب اس سے اولیٰ ہے کہ تعارض اور ترجیح کو ثابت کیا جائے کیونکہ اس صورت میں کسی ایک پر عمل کا ترک لازم آئے گا، دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اصطلاح پر جاری ہوگا، تیسری وجہ یہ ہے آیات اور احادیث

1۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب استحباب الرکعتین فی المسجد، جلد 1، صفحہ 710، حدیث نمبر 1221

2۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضل صلاۃ المحرم، جلد 2، صفحہ 93، حدیث نمبر 2032

3۔ الترغیب والترہیب، باب الترغیب فی قیام اللیل، جلد 1، صفحہ 430، حدیث نمبر 23

وَأَقَلُّهَا عَلَى مَا فِي الْجَوْهَرَةِ ثَمَانٍ
جس طرح جوہرہ میں ہے ان کی کم سے کم تعداد آٹھ رکعات ہے۔

کے اطلاق کا یہی مفہوم ہے، چوتھی وجہ یہ ہے کہ تہجد سے مراد نیند کو تکلف کے ساتھ زائل کرنا ہے۔ جیسے تاثم یعنی وہ گناہ سے بچا۔ ہاں رات کی نماز اور قیام اللیل یہ تہجد سے عام ہیں۔ امام احمد کے قول پر جو اعتراض کیا جاتا ہے اسی قول کے ساتھ اس کا جواب دیا جاتا ہے۔ یہ امر میرے لئے ظاہر ہوا۔ واللہ اعلم۔

تنبیہ

جو بحث گزر چکی ہے اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ تہجد نفل کے ساتھ ہی حاصل ہوتا ہے۔ اگر ایک آدمی عشا کی نماز کے بعد سو گیا پھر وہ اٹھا اور فوت شدہ نمازوں کو پڑھا تو اسے تہجد کا نام نہیں دیں گے۔ بعض شوافع نے اس میں تردد کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ اسے نفل کے ساتھ مقید کرنا غالب پر مبنی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ کسی نماز کے ساتھ بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ گزشتہ حدیث (جو اسی مقولہ میں گزری ہے، وما کان بعد صلاۃ العشاء فھو من اللیل۔ میں اس کا قول ہے۔

پھر یہ جان لو ان کا رات کے نوافل کو مندوبات میں ذکر کرنا ''الحاوی المقدسی'' میں اسی پر چلے ہیں۔ ''محقق'' نے ''فتح القدیر'' میں اس کے سنت یا مندوب ہونے میں تردد کا اظہار کیا ہے۔ کیونکہ قولی دلائل اس کے مندوب ہونے کا فائدہ دیتے ہیں اور عملی مواظبت، سنت ہونے کا فائدہ دیتی ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نفل پر مواظبت اختیار کرتے وہ نفل سنت بن جاتا۔ لیکن یہ اس پر مبنی ہے کہ یہ آپ کے حق میں نفل تھے۔ جبکہ یہ ایک طائفہ کا قول ہے۔ ایک طائفہ نے کہا: یہ آپ پر فرض تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس پر مواظبت ہمارے حق میں اس کے سنت ہونے کا فائدہ نہ دے گی۔ لیکن مسلم اور دوسری کتب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو روایت مروی ہے وہ اس میں صریح ہے کہ یہ پہلے فرض تھے پھر یہ حکم منسوخ کر دیا گیا (1)۔ اسی وجہ سے ''الحلبہ'' میں کہا: زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ سنت ہے۔

5751۔ (قولہ: وَأَقَلُّهَا عَلَى مَا فِي الْجَوْهَرَةِ ثَمَانٍ) اسے اس قول علی ما فی الجوھرۃ کے ساتھ مقید کیا۔ اور اگر وہ رات کو تین حصوں میں تقسیم کر دے تو درمیانی حصہ میں یہ نماز افضل ہے۔ اگر نصف نصف بنائے تو آخری حصہ میں پڑھنا افضل ہے۔ کیونکہ ''حاوی مقدسی'' میں ہے: وہ نماز پڑھے جو اس پر آسان ہو اگرچہ دو رکعات ہوں۔ اس میں سنت آٹھ رکعات چار سلاموں کے ساتھ ہیں۔

چار سلاموں کی قید ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر مبنی ہے۔ جہاں تک ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے تو یہ قید نہیں۔ جس طرح ''الحلبہ'' میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اس میں یہ بھی کہا: یہ قول اس امر پر مبنی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تہجد کی نماز کم سے کم دو رکعات

1۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب جامع صلاۃ اللیل، جلد 1، صفحہ 734، حدیث نمبر 1285

وَلَوْ جَعَلَهُ أَثْلَاثًا فَالْأَوْسَطُ أَفْضَلُ، وَلَوْ أَنْصَافًا فَالْأَخِيرُ

اور اگر وہ رات کو تین حصوں میں تقسیم کردے تو درمیانی حصہ میں یہ نماز افضل ہے۔ اگر نصف نصف بنائے تو آخری حصہ میں پڑھنا افضل ہے۔

پر مشتمل ہوتی تھی اور اس کی آخری حد آٹھ رکعات تھیں۔ یہ اس سے اخذ کیا ہے جو ''مبسوط سرخسی'' میں ہے۔ پھر اپنے شیخ محقق ''ابن ہمام'' کی تبع میں ایسی احادیث ذکر کیں یہ اس پر ہیں جن کی ''مبسوط'' میں تعیین کی ہے۔ اور اس حدیث کو ذکر کیا، جس کا ذکر ابوداؤد نے کیا جو اس امر پر دال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کی نماز وتر کے علاوہ چار رکعات تھیں (1) مکمل بحث اس میں ہے اس کی طرف رجوع کرو۔ لیکن آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا: جو رات کو بیدار ہوا اور اپنے اہل کو جگایا اور دونوں نے دو رکعات ادا کیں تو دونوں کو ان ذاکرین میں سے لکھ دیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ ذکر کرتے ہیں یا زیادہ ذکر کرتی ہیں (2)۔ ''نسائی''، ''ابن ماجہ'' اور ''ابن حبان'' اپنی ''صحیح'' اور ''حاکم'' نے اسے روایت کیا ہے۔ ''منذری'' نے کہا: ''شیخین'' کی شرط پر صحیح ہے۔

میں کہتا ہوں: پس چاہئے کہ یہ کہا جائے کہ تہجد میں کم سے کم تعداد دو رکعات ہیں۔ اس کا اوسط چار اور اس کا اکثر آٹھ رکعات ہیں۔ واللہ اعلم۔

رات کی نماز کے لیے افضل وقت

5752۔ (قولہ: وَلَوْ جَعَلَهُ أَثْلَاثًا الخ) یعنی اگر وہ ارادہ کرے کہ وہ ایک تہائی قیام کرے اور دو تہائی رات سوئے تو درمیانی تہائی قیام کرنا افضل ہے۔ کیونکہ اس میں غفلت مکمل ہوتی ہے اور اس میں عبادت زیادہ مشکل ہوتی ہے۔ اگر وہ نصف رات قیام کا ارادہ کرے اور نصف رات سوئے تو آخری نصف رات میں قیام کرنا افضل ہے۔ کیونکہ اس میں معاصی عموماً کم ہوتی ہیں۔ اور اس کی دلیل صحیح حدیث ہے: اللہ تعالیٰ ہر رات آسمان دنیا کی طرف نزول اجلال فرماتا ہے یہاں تک کہ رات کا تیسرا حصہ باقی ہوتا ہے تو ارشاد فرماتا ہے: کون ہے جو مجھ سے دعا کرے گا تو میں اس کی دعا قبول کروں، کون ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اسے عطا کروں، کون ہے جو مجھ سے استغفار کرے تو میں اس کو بخش دوں (3)۔ ینزل ربنا کا معنی ہے اس کا امر نازل ہوتا ہے جس طرح سلف صالحین اور بعض اکابر خلف نے اس کی تاویل کی ہے۔ اس کی مکمل بحث ''تحفہ ابن حجر'' میں ہے اور ذکر کیا: درمیانی ایک تہائی میں سے افضل چوتھا یا پانچواں حصہ ہے کیونکہ متفق علیہ حدیث ہے۔ احب الصلاۃ الی اللہ تعالی صلاۃ داؤد کان ینام نصف اللیل، و یقوم ثلثہ، و ینام سدسہ (4)۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے محبوب نماز حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز ہے آپ نصف رات سوتے اور ایک تہائی قیام کرتے اور چھٹا حصہ سو

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ اللیل، جلد 1، صفحہ 493، حدیث نمبر 1155

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، باب من ایقظ اھلہ، جلد 1، صفحہ 417، حدیث نمبر 1324

3۔ صحیح بخاری، کتاب التہجد، باب الدعاء والصلاۃ فی آخر اللیل، جلد 1، صفحہ 511، حدیث نمبر 1077

4۔ صحیح بخاری، کتاب التہجد، باب من نام عند السحر، جلد 1، صفحہ 507، حدیث نمبر 1063

وَأَقَلُّهَا عَلَى مَا فِي الْجَوْهَرَةِ ثَمَانٍ وَإِحْيَاءُ لَيْلَةِ الْعِيدَيْنِ، وَالنِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، وَالْعَشْرِ الْأَخِيرِ مِنْ رَمَضَانَ، وَالْأَوَّلِ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ، وَيَكُونُ بِكُلِّ عِبَادَةٍ تَعُمُّ اللَّيْلَ أَوْ أَكْثَرَهُ
عیدین کی رات، شعبان کے نصف کی رات، رمضان کے آخری دس دن اور ذی الحجہ کی پہلی رات کو زندہ کرنا مستحب ہے۔ اور یہ قیام واحیا ہر عبادت کے ساتھ ہوگا جو پوری رات یا اس کے اکثر حصہ کو عام ہو۔

جاتے۔''الحلبہ'' میں یقین کے ساتھ اسے ذکر کیا ہے۔

تتمہ

''الحلبہ'' میں بھی ذکر کیا جس کا حاصل یہ ہے کہ اس کا تہجد کی نماز عذر کے بغیر چھوڑ دینا مکروہ ہے جس کا وہ عادی بن چکا ہو۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے فرمایا: اے عبداللہ! فلاں کی مثال نہ ہو جانا وہ رات کو قیام کرتا تھا پھر اس کو ترک کر دیا(1)۔ متفق علیہ۔ مکلف کے لئے یہ مناسب ہے کہ اتنا عمل کیا کرے جس کی وہ طاقت رکھتا ہے۔ جس طرح ''صحیحین'' میں ثابت ہے۔ اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر دوام اختیار کیا جائے اگرچہ وہ قلیل ہو(2) اسے ''شیخین'' اور دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے۔

عیدین، نصف شعبان، ذی الحجہ کا پہلا عشرہ اور رمضان کی راتوں کو زندہ کرنا

5753۔(قولہ: وَإِحْيَاءُ لَيْلَةِ الْعِيدَيْنِ) زیادہ بہتر تثنیہ کا صیغہ لیلتی تھا۔ یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی رات۔

5754۔(قولہ: وَالنِّصْفِ) یعنی شعبان کی نصف رات کا احیاء۔

5755۔(قولہ: وَالْأَوَّلِ) مراد لیالی العشر الاول الخ' شرنبلالی'' نے تفصیل سے ''الامداد'' میں بیان کیا جو ان تمام راتوں کی فضیلت میں آیا ہے۔ پس اس کتاب کی طرف رجوع کیجئے۔

5756۔(قولہ: وَيَكُونُ بِكُلِّ عِبَادَةٍ تَعُمُّ اللَّيْلَ أَوْ أَكْثَرَهُ) یہ بعض متقدمین سے منقول ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے وہ امام ابو جعفر محمد بن علی ہیں کہ آپ نے اس کی تفسیر نصف رات سے کی ہے اور کہا: ''جس نے نصف رات کو زندہ کیا (نصف رات کی عبادت کی) تو اس نے پوری رات کو زندہ کیا'' اور ''الحلبہ'' میں ذکر کیا ''احادیث کے اطلاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ مراد پوری رات کو عبادت سے گھیر لینا ہے۔ لیکن صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: ما اعلمہ صلی اللہ علیہ وسلم قام لیلۃ حتی الصباح(3)۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نہیں جانتی کہ آپ نے صبح تک رات کو قیام کیا ہو۔ پس اکثر رات یا نصف رات کا قیام راجح ہوگا۔ لیکن اکثر، حقیقت کے قریب ہوگا جب تک وہ امر ثابت نہ ہو جو

1۔ صحیح بخاری، کتاب التہجد، باب مایکرہ من ترک قیام اللیل، جلد 1، صفحہ 514، حدیث نمبر 1084

2۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضیلۃ العمل الدائم، جلد 1، صفحہ 781، حدیث نمبر 1352

3۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب جامع صلاۃ اللیل، جلد 1، صفحہ 734، حدیث نمبر 1285

وَمِنْهَا رَكْعَتَا الِاسْتِخَارَةِ
اور انہیں مستحبات میں سے استخارہ کی دو رکعتیں ہیں۔

نصف کی تقدیم کا تقاضا کرے۔

''الامداد'' میں ہے: کسی مخصوص عذر کے بغیر تنہا ایک آدمی کے نفل نماز پڑھنے، قرآن حکیم کی تلاوت کرنے، احادیث پڑھنے، انہیں سننے، تسبیح، ثنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود شریف پڑھنے سے قیام حاصل ہو جائے گا۔ جبکہ رات کے اکثر حصہ میں ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایک ساعت قیام کرنے سے بھی یہ حاصل ہو جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رات کی نماز با جماعت پڑھنے سے بھی حاصل ہو جائے گا اور صبح کی نماز جماعت کے عزم سے بھی یہ حاصل ہو جائے گا۔ جس طرح علما نے کہا عیدین کی دونوں راتوں کے احیاء سے یہ حاصل ہو جائے گا۔ صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی تو گویا اس نے نصف رات قیام فرمایا اور جس نے صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی گویا اس نے ساری رات قیام فرمایا(1)۔

تتمہ: ''امداد'' کے قول ''فرادی'' سے اس امر کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر متن میں اس کے قول ویکرہ الاجتماع علی احیاء لیلۃ من ھذہ اللیالی فی المساجد کے بعد کیا ہے۔ اس کی مکمل وضاحت شرح ''امداد'' میں ہے۔ ''حاوی قدسی'' میں اس کے مکروہ ہونے کی تصریح کی ہے اور کہا: ان اوقات میں جن نمازوں کی روایت کی گئی ہے انہیں تنہا پڑھے۔ ہاں تراویح جماعت کے ساتھ پڑھے۔

رغائب کی نماز

''البحر'' میں کہا: وہ نماز رغائب جو رجب کے اول جمعہ میں پڑھی جاتی ہے اس پر اجتماع کا مکروہ ہونا معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ یہ بدعت ہے اور اہل روم اس کی نذر ماننے کا جو حیلہ کرتے ہیں تاکہ نفل و کراہت سے نکل جائیں تو وہ باطل ہے۔ میں کہتا ہوں: ''بزازیہ'' میں اس کی تصریح کی ہے جس طرح ''شارح'' باب کے آخر میں اس کا ذکر کریں گے۔ اس پر ''المنیہ'' کے دونوں شارحین نے تفصیلی گفتگو کی ہے اور یہ تصریح کی ہے کہ اس بارے میں جو روایت کیا گیا ہے وہ سراسر باطل اور موضوع ہے۔ اور ''الحلبہ'' میں خصوصاً اس بارے میں کلام کو طویل ذکر کیا ہے۔ علامہ نور الدین مقدسی کی اس بارے میں اچھی تصنیف ہے جس کا نام ''ردع الراغب عن صلاۃ الرغائب'' ہے۔ اس میں انہوں نے مذاہب اربعہ کے متقدمین اور متاخرین علما کے کلام کو جمع کیا ہے۔

استخارہ کی دو رکعت

5757۔(قولہ: وَمِنْهَا رَكْعَتَا الِاسْتِخَارَةِ) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، فضل صلاۃ العشاء والصبح، جلد 1، صفحہ 657، حدیث نمبر 1099

....

تمام امور میں استخارہ کی تعلیم دیا کرتے تھے جس طرح قرآن کی سورت کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے۔ ''جب تم میں سے کوئی کسی امر کا ارادہ کرے تو فرضوں کے علاوہ دو رکعات پڑھے (1)۔ پھر یہ کہے اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَسۡتَخِیۡرُكَ بِعِلۡمِكَ، وَاَسۡتَقۡدِرُكَ بِقُدۡرَتِكَ، وَاَسۡاَلُكَ مِنۡ فَضۡلِكَ الۡعَظِیۡمِ، فَاِنَّكَ تَقۡدِرُ وَلَا اَقۡدِرُ، وَتَعۡلَمُ وَلَا اَعۡلَمُ وَاَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ، اَللّٰهُمَّ اِنۡ كُنۡتَ تَعۡلَمُ اَنَّ هٰذَا الۡاَمۡرَ خَیۡرٌ لِّیۡ فِیۡ دِیۡنِیۡ وَ مَعَاشِیۡ وَ عَاقِبَةِ اَمۡرِیۡ۔ اَوۡ قَالَ: عَاجِلِ اَمۡرِیۡ وَآجِلِهٖ۔ فَاقۡدُرۡهُ لِیۡ وَ یَسِّرۡهُ لِیۡ، ثُمَّ بَارِكۡ لِیۡ فِیۡهِ، وَاِنۡ كُنۡتَ تَعۡلَمُ هٰذَا الۡاَمۡرَ شَرًّا لِّیۡ فِیۡ دِیۡنِیۡ وَ مَعَاشِیۡ وَ عَاقِبَةِ اَمۡرِیۡ۔ اَوۡ قَالَ: عَاجِلِ اَمۡرِیۡ وَآجِلِهٖ۔ فَاصۡرِفۡهُ عَنِّیۡ وَاصۡرِفۡنِیۡ عَنۡهُ، وَ اقۡدُرۡ لِیَ الۡخَیۡرَ حَیۡثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِیۡ بِهٖ فرمایا: پھر اپنی حاجت کا نام لے۔ امام مسلم کے علاوہ ایک جماعت نے اسے روایت کیا ہے۔ بخاری (کتاب التہجد باب ماجاء فی التطوع)۔ ''شرح المنیہ''۔

اے اللہ میں تجھ سے خیر کو طلب کرتا ہوں کیونکہ تو ہر کام کا انجام جانتا ہے اور تیری قدرت سے قدرت کو طلب کرتا ہوں اور تجھ سے تیرے عظیم فضل کا سوال کرتا ہوں۔ بے شک تو قادر ہے اور میں قدرت نہیں رکھتا۔ اور تو جانتا ہے اور میں علم نہیں رکھتا تو علام الغیوب ہے۔ اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ یہ امر میرے لئے میرے دین، میری معاش اور میرے امر کے انجام میں خیر ہے یا کہا: میرے امر کے جلدی وقوع پذیر ہونے یا دیر سے واقع ہونے میں بہتر ہے تو مجھے اس پر قدرت عطا کر دے اور اسے میرے لئے آسان کر دے۔ پھر میرے لئے اس میں برکت ڈال دے۔ اگر تو جانتا ہے کہ یہ امر میرے لئے میرے دین، میری معاش اور میرے امر کے انجام میں میرے لئے برا ہے یا کہا: میرے امر کے جلد وقوع پذیر ہونے یا دیر سے وقوع پذیر ہونے میں برا ہے تو اسے مجھ سے دور کر دے اور مجھے اس سے دور کر دے۔ اور بھلائی جہاں بھی ہے اسے میرے حق میں مقدر کر دے پھر مجھے اس پر راضی کر دے۔ اور فرمایا اور وہ اپنی حاجت کا ذکر کرے۔ امام مسلم کے علاوہ محدثین کی ایک جماعت نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ''شرح المنیہ''۔

تتمیم

فاقدرہ کا معنی ہے اس کا میرے حق میں فیصلہ کر دے اور اسے میرے لئے تیار کر دے۔ فاقدرہ یہ لفظ دال کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ ہے۔ اور اس کا قول او قال: عاجل امری راوی کی جانب سے اس میں شک ہے۔ علما نے کہا: چاہئے کہ دونوں کو جمع کرے اور کہے و عاقبۃ امری و عاجلہ و آجلہ۔ اور قول و یسمی حاجتہ کے بارے میں امام طحاوی نے کہا: یعنی ھذا الامر کی بجائے وہ اپنی حاجت کا ذکر کرے۔

میں کہتا ہوں: یا وہ اس کے بعد کہے و ھو کذا و کذا وہ اس طرح ہو اور اس طرح ہو۔ علما نے کہا: حج وغیرہ میں استخارہ کو وقت کی تعیین پر محمول کیا جائے گا۔ ''الحلبہ'' میں ہے: مستحب یہ ہے اس دعا کا آغاز اور اس کا اختتام حمد و صلاۃ پر کرے۔

1۔ سنن ترمذی، کتاب الاقامۃ، باب ماجاء فی صلاۃ الاستخارہ، جلد 1، صفحہ 291، حدیث نمبر 442

وَأَرْبَعٌ صَلَاةِ التَّسْبِيحِ بِثَلَاثِمِائَةِ تَسْبِيحَةٍ، وَفَضْلُهَا عَظِيمٌ

اور نماز تسبیح کی چار رکعات تین سو تسبیحات کے ساتھ پڑھنا مستحب ہے۔ اور اس کی فضیلت عظیم ہے۔

''الاذکار'' (امام نووی کی تالیف ہے) میں ہے کہ پہلی رکعت میں سورۃ کافرون، دوسری میں سورۃ اخلاص کی قراءت کرے۔ بعض سلف صالحین سے مروی ہے کہ وہ پہلی رکعت میں وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ...... يُعْلِنُوْنَ ﴿۶۹﴾ (القصص 69-68) آیات کو زائد پڑھے اور دوسری رکعت میں وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ (الاحزاب: 36) کو زائد پڑھے۔ چاہئے کہ وہ اس کا تکرار سات دفعہ کرے۔ کیونکہ ابن سنی نے روایت کیا ہے: اے انس! جب تو کسی امر کا ارادہ کرے تو اپنے رب سے سات بار خیر طلب کر پھر اس کی طرف توجہ کر، جو تیرے دل کی طرف سبقت لے جائے کیونکہ بھلائی اس میں ہے۔ اگر اس کے لئے نماز پڑھنا مشکل ہو تو دعا کے ساتھ استخارہ کرے۔ ''ملخص''۔

''شرح الشرعہ'' میں ہے: مشائخ سے یہ بات سنی گئی ہے کہ یہ چاہئے کہ مذکورہ دعا پڑھنے کے بعد وہ قبلہ رو ہو کر سو جائے اگر وہ اپنی نیند میں سفیدی یا سبزی دیکھے تو وہ امر خیر ہوگا۔ اگر وہ اپنی نیند میں سیاہی یا سرخی دیکھے تو وہ امر شر ہوگا چاہئے کہ اس سے اجتناب کیا جائے۔

نماز تسبیح

5758۔ (قولہ: وَأَرْبَعٌ صَلَاةِ التَّسْبِيحِ الخ) اس نماز کو ایسے وقت میں پڑھے جس میں کراہت نہ ہو یا ہر دن یا ہر رات میں ایک دفعہ پڑھے۔ ورنہ ہر ہفتہ (سات دنوں میں) جمعہ، مہینہ یا عمر میں ایک دفعہ پڑھے۔ اس کے بارے میں حدیث کثرت طرق کی وجہ سے حسن کے درجہ کی ہے۔ جس نے اس کے موضوع ہونے کا قول کیا ہے اس نے گمان کیا ہے۔ اور اس میں بے حد وحساب ثواب ہے اسی وجہ سے بعض محققین نے کہا: اس نماز کی عظیم فضیلت کو نہیں سنتا اور پھر اسے ترک کرتا ہے مگر وہی شخص جو دین کے معاملہ میں سستی اور کاہلی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اور اس کے مستحب ہونے کے بارے میں طعن کہ اس میں نماز کے طریقہ کو تبدیل کیا جاتا ہے، یہ طعن اس کی حدیث کے ضعف کی وجہ سے آتا ہے۔ جب یہ حدیث حسن کے درجہ تک پہنچ گئی تو اس نے اسے ثابت کر دیا اگرچہ اس میں امر (ضعف) موجود تھا۔ یہ چار رکعات ہیں ایک سلام کے ساتھ یا دو سلاموں کے ساتھ۔ وہ ان رکعات میں تین سو دفعہ کہے: سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر۔ ایک روایت میں ولا حول ولا قوۃ الا باللہ کی زیادتی کا ذکر ہے۔

نمازی ہر رکعت میں پچھتر بار کہے۔ ثنا کے بعد پندرہ دفعہ، پھر قراءت کے بعد، رکوع میں، رکوع سے اٹھ کر، دونوں سجدوں میں اور دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ میں دس دس دفعہ جبکہ یہ تسبیحات رکوع اور سجدہ کی تسبیحات کے بعد ہوں گی۔ یہ کیفیت وہ ہے جسے امام ترمذی نے اپنی ''جامع'' میں حضرت عبداللہ بن مبارک سے روایت کی ہے (1)۔ جو امام اعظم ابو حنیفہ کے اصحاب

1۔ سنن ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ التسبیح، جلد 1 صفحہ 298، حدیث نمبر 443

میں سے ہیں، جو علم، زہد اور ورع میں آپ کے ساتھ شریک تھے۔ ''القنیہ'' میں اسی پر اکتفا کیا ہے اور کہا: دونوں روایتوں میں سے یہی مختار ہے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ قیام میں قراءت کے بعد پندرہ دفعہ پر اکتفا کرے اور جو دس دفعہ کی تسبیح باقی رہ گئی ہے وہ اسے دوسرے سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد بجا لائے۔ ''الحاوی القدسی''، ''الحلبہ'' اور ''البحر'' میں اسی پر اکتفا کیا ہے۔ اس کی حدیث زیادہ مشہور ہے۔ لیکن ''شرح المنیہ'' میں کہا: وہ صفت جسے ابن مبارک نے ذکر کیا ہے وہ وہ ہے جسے ''مختصر البحر'' میں ذکر کیا ہے۔ یہ ہمارے مذہب کے موافق ہے کیونکہ اس میں استراحت کے جلسہ کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ ہمارے نزدیک مکروہ ہے۔

میں کہتا ہوں: شاید ''القنیہ'' میں اسی وجہ سے اس طریقہ کو پسند کیا ہے۔ لیکن تیرے علم میں ہے کہ اس کی حدیث کا ثبوت اس کو ثابت کرتا ہے اگرچہ اس میں یہ پہلو موجود ہے۔ پس چاہئے کہ ایک دفعہ ایک طریقہ کو اپنا لیا جائے اور دوسری دفعہ دوسرے طریقہ کو اپنا لیا جائے۔

تتمہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا: کیا آپ اس نماز کے لئے کسی سورت کو جانتے ہیں؟ فرمایا: التکاثر، العصر، الکافرون، الاخلاص۔ بعض علما نے فرمایا: افضل حدید، حشر، صف اور تغابن ہے کیونکہ اس میں مناسبت ہے۔ حضرت ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت میں ہے: وہ رکوع اور سجود کی تسبیح سے شروع کرے پھر متقدمہ تسبیحات پڑھے۔ معلیٰ نے کہا: ظہر سے پہلے اسے پڑھے۔ ''ہندیہ'' میں ''المضمرات'' سے مروی ہے۔ حضرت ابن مبارک سے عرض کیا گیا: اگر ایک آدمی بھول گیا اور اس نے سجدہ کیا، کیا وہ دس دس دفعہ تسبیحات پڑھے گا؟ فرمایا: یہ تین سو تسبیحات ہیں۔ ملا علی قاری نے ''شرح المشکاۃ'' میں کہا: اس کا مفہوم یہ ہے اگر وہ بھول جائے اور محل معین سے تعداد میں کمی کر دے تو دوسرے محل میں ان تسبیحات کو پڑھے تاکہ مطلوبہ عدد مکمل ہو جائے۔

میں کہتا ہوں: اس سے یہ مستفاد ہوا اسے یہ اجازت نہیں کہ اس محل کی طرف رجوع کرے جہاں سے وہ بھولا تھا جبکہ یہ امر ظاہر ہے۔ اور جس طرح بعض شافعیہ نے کہا: چاہئے کہ جو اس نے تسبیحات ترک کی ہیں وہ اس جز میں پڑھ لے جو اس کے ساتھ ملا ہوا ہے اگر وہ چھوٹا نہ ہو۔ اعتدال (قومہ) کی تسبیح سجدہ میں پڑھ لے۔ جہاں تک رجوع کی تسبیح کا تعلق ہے تو وہ سجدہ میں پڑھ لے قومہ میں نہ پڑھے۔ کیونکہ قومہ مختصر جز ہے۔

میں کہتا ہوں: پہلے سجدہ کی تسبیحات بھی اسی طرح ہیں وہ دوسرے سجدہ میں انہیں پڑھے جلسہ میں نہ پڑھے۔ کیونکہ جلسہ کی طوالت ہمارے نزدیک مشروع نہیں۔ جس طرح ''الواجبات'' میں (مقولہ 4021 میں) گزرا ہے۔ ''القنیہ'' میں ہے: اگر دل میں تسبیحات گننے پر قادر ہو تو انگلیوں سے تسبیحات کا شمار نہ کرے ورنہ انگلیاں دبا کر شمار کر لے۔ میں نے علامہ ابن طولون دمشقی حنفی کا ایک مخطوطہ رسالہ دیکھا جس کا نام ''ثمر التشریح فی صلاۃ التسبیح'' ہے۔ جس میں وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ تشہد کے بعد سلام سے پہلے اس نماز میں یہ کہا جاتا ہے: اے اللہ! میں تجھ سے اہل ہدایت

وَأَرْبَعُ صَلَاةِ الْحَاجَةِ، قِيلَ وَرَكْعَتَانِ وَفِي الْحَاوِي (أَنَّهَا اثْنَتَا عَشْرَةَ بِسَلَامٍ وَاحِدٍ) وَبَسَطْنَاهُ فِي الْخَزَائِنِ

اور نماز حاجت کی چار رکعات مستحب ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: دو رکعات ہیں۔ ''الحاوی'' میں ہے: یہ ایک سلام کے ساتھ بارہ رکعات ہیں۔ اور ہم نے اسے ''الخزائن'' میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

کی توفیق، اہل یقین کے اعمال، اہل توبہ کے اخلاص، اہل صبر کے عزم، اہل خشیت کی کوشش، اہل رغبت کی طلب، اہل ورع کی بندگی اور اہل علم کے عرفان کا سوال کرتا ہوں یہاں تک کہ میں تجھ سے ڈروں۔ اے اللہ! میں تجھ سے ایسے خوف کا سوال کرتا ہوں جو مجھے تیری نافرمانی سے روک دے یہاں تک کہ تیری طاعت کرتے ہوئے ایسا عمل کروں جس کے ساتھ تیری رضا کا مستحق بن جاؤں۔ اور یہاں تک کہ تیرے خوف کی وجہ سے توبہ کے ساتھ تیرے ساتھ مخلص ہوں۔ اور یہاں تک کہ تیری محبت کی وجہ سے تیرے لئے اخلاص کو تیرے لئے خالص کروں۔ اور یہاں تک کہ تجھ سے حسن ظن رکھتے ہوئے معاملات میں تجھ پر توکل کروں۔ نور کا خالق ہر عیب سے پاک و مبرا ہے۔

نماز حاجت

5759۔ (قولہ: وَأَرْبَعُ صَلَاةِ الْحَاجَةِ الخ) شیخ اسماعیل نے کہا: مندوبات میں سے نماز حاجت ہے جس کا ذکر ''التجنیس''، ''الملتقط''، ''خزانۃ الفتاوی''، بے شمار فتاوی، ''حاوی'' اور ''شرح المنیہ'' میں ہے۔ جہاں تک ''الحاوی'' کا ذکر ہے تو یہ ذکر کیا کہ یہ بارہ رکعات ہیں۔ اور اس کی ایسی کیفیت بیان کی ہے جس میں گفتگو کی گنجائش ہے۔ جہاں تک ''التجنیس'' وغیرہ کا تعلق ہے تو اس میں ذکر کیا ہے کہ یہ عشاء کے بعد چار رکعات ہیں۔ حدیث مرفوع میں ہے: پہلی رکعت میں ایک دفعہ سورۃ فاتحہ اور تین دفعہ آیت الکرسی اور باقی ماندہ تین رکعات میں سورۃ فاتحہ، سورۃ اخلاص اور معوذتین ایک ایک دفعہ پڑھے۔ یہ چار رکعات اس نمازی کے لئے ان چار رکعات کی طرح ہو جائیں گی جو لیلۃ القدر میں پڑھی جائیں۔ ہمارے مشائخ نے کہا: ہم نے یہ نماز پڑھی تو ہماری ضروریات پوری ہو گئیں۔ ''الملتقط''، ''التجنیس'' اور بے شمار فتاوی میں مذکور ہے۔ ''خزانۃ الفتاوی'' میں اسی طرح ہے۔ جہاں تک ''شرح المنیہ'' کا تعلق ہے تو ذکر کیا: یہ نماز دو رکعتیں ہیں اس کے بارے میں احادیث، الترغیب والترہیب میں مذکور ہیں جس طرح ''البحر'' میں ہے۔ امام ترمذی نے حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یا انسان سے کوئی حاجت ہو تو وہ وضو کرے۔ اور اچھی طرح وضو کرے پھر دو رکعت نماز ادا کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی ثنا کرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے۔ پھر کہے: اللہ تعالیٰ جو حلیم و کریم ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، جو عرش عظیم کا رب ہے، میں اس کی پاکی بیان کرتا ہوں، تمام تر تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، جو عالمین کا رب ہے۔ میں تجھ سے تیری رحمت کے اسباب، تیری مغفرت کے موجبات، ہر نیکی سے غنیمت اور ہر گناہ سے سلامتی کا سوال کرتا ہوں۔ میرے لئے کوئی گناہ نہ چھوڑ مگر تو اسے بخش دے۔ اور کوئی غم نہ چھوڑ مگر اسے دور کر دے۔ اور کوئی حاجت نہ چھوڑ جو تیری رضا کے لئے ہو مگر تو اسے پورا کر دے یا ارحم الراحمین (1)۔

1۔ سنن ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الحاجۃ، جلد 1 صفحہ 297، حدیث نمبر ۴۴۶

(وَتُفْرَضُ الْقِرَاءَةُ) عَمَلًا (فِي رَكْعَتَيْ الْفَرْضِ) مُطْلَقًا أَمَّا تَعْيِينُ الْأُولَيَيْنِ فَوَاجِبٌ عَلَى الْمَشْهُورِ

اور فرض کی مطلقاً دو رکعتوں میں از روئے عمل کے قراءت فرض ہے۔ جہاں تک پہلی دو رکعات کی تعیین کا تعلق ہے تو یہ مشہور کے مطابق واجب ہے۔

میں کہتا ہوں: ''الحلبہ'' کے آخر میں نماز حاجت کی ایک مستقل فصل باندھی ہے اور اس نماز کے بارے میں جو کیفیات، روایات اور دعائیں ہیں ان کا ذکر کیا ہے۔ طویل اور عمدہ گفتگو کی، جس طرح ان کی عادت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے۔ جو اس کا ارادہ کرتا ہے وہ اس کی طرف رجوع کرے۔

خاتمہ

مسافر کو چاہئے کہ وہ ہر منزل میں فروکش ہونے سے پہلے دو رکعات نماز پڑھے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک تھا(1)۔ امام سرخسی نے ''شرح السیر الکبیر'' میں اس پر نص قائم کی ہے اور یہ ذکر کیا ہے: جب کوئی مسلمان قتل جیسی آزمائش میں مبتلا کیا جائے تو یہ مستحب ہے کہ وہ دو رکعات نماز پڑھے جس کے بعد اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے تا کہ اس کا آخری عمل نماز اور استغفار ہو۔ شیخ اسماعیل نے ''شرح الشرعۃ'' سے نقل کیا ہے۔ مندوبات میں سے نماز توبہ، نماز والدین، بارش کے نازل ہونے کے وقت دو رکعات نماز، نفاق کو دور کرنے کے لئے مخفی طریقہ سے دو رکعات نماز، گھر میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت کی نماز تا کہ داخل ہونے اور نکلنے کے فتنہ سے بچا رہے۔ واللہ اعلم۔

5760۔ (قولہ: عَمَلًا) یعنی عمل کے اعتبار سے قراءت فرض ہے اعتقاد کے اعتبار سے فرض نہیں۔ پس اس کے منکر کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ اس میں اختلاف واقع ہے۔ ابوبکر اصم اور سفیان بن عیینہ وغیرہما کے نزدیک یہ سنت ہے۔ حضرت حسن بصری، امام زفر اور مالکیہ میں سے مغیرہ کے نزدیک ایک رکعت میں فرض ہے۔ امام مالک سے ایک روایت میں تین رکعات میں فرض ہے۔ امام شافعی، امام احمد اور امام مالک کا صحیح مذہب یہ ہے کہ چاروں رکعات میں فرض ہے۔ اس کی مکمل بحث ''الحلبہ'' میں ہے۔

5761۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی پہلی دو رکعتوں میں، آخری دو رکعتوں میں یا ایک ایک رکعت میں۔ ''ط''۔

میں کہتا ہوں: بعض اوقات چار رکعتوں والے فرض نماز کی چاروں رکعتوں میں قراءت فرض ہوتی ہے جس طرح باب الاستخلاف میں (مقولہ 5148 میں) گزرا ہے۔ اس صورت میں اگر امام ایسے آدمی کو اپنا نائب بنائے جس کی دو رکعتیں رہتی ہوں اور امام نائب کو یہ اشارہ کرے کہ اس نے پہلی دو رکعتوں میں قراءت نہیں کی۔

5762۔ (قولہ: عَلَى الْمَشْهُورِ) جو یہ قول کیا گیا ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں یہ فرض ہے اس کا رد ہے۔ اور اس کا رد ہے جو یہ کہا گیا کہ یہ پہلی دو رکعات میں افضل ہے۔ لیکن ہم واجبات الصلاۃ میں پہلے (مقولہ 3960 میں) بیان کر چکے ہیں

1۔ حلیۃ الاولیاء، ابن محیریز، جلد 5، صفحہ 148

(وَكُلِّ النَّفْلِ) لِلْمُنْفَرِدِ؛ لِأَنَّ كُلَّ شَفْعٍ صَلَاةٌ، لَكِنَّهُ لَا يَعُمُّ الرُّبَاعِيَّةَ الْمُؤَكَّدَةَ، فَتَأَمَّلْ (وَ) كُلِّ (الْوِتْرِ) احْتِيَاطًا

اور منفرد نمازی کے لئے تمام نوافل میں قراءت فرض ہے۔ کیونکہ ہر شفع نماز ہے۔ لیکن یہ چار رکعتوں والی سنت موکدہ کو عام نہیں۔ ''فتامل''۔ اور وتر کی تمام رکعات میں بطور احتیاط قراءت فرض ہے۔

کہ پہلی دو رکعتوں میں قراءت کے فرض ہونے کا کوئی قائل نہیں۔ یہ وہ مفہوم ہے جو صاحب ''البحر'' نے بعض عبارات سے اخذ کیا ہے۔ ہم نے اس کے متعلق تحقیق پہلے (مقولہ 4890 میں) بیان کر دی ہے۔ فافہم۔

5763۔ (قولہ: لِلْمُنْفَرِدِ) اگرچہ یہ حکماً ہو جس طرح امام کے لئے ہوتا ہے۔ کیونکہ منفرد اپنی رائے اور غیر کے تابع نہ ہونے میں منفرد ہوتا ہے۔ پس مقتدی اس سے خارج ہو گیا۔ پس نفل میں اس پر قراءت فرض نہ ہو گی اگرچہ وہ فرض نماز پڑھنے والے کی اقتدا کر رہا ہو۔ جس طرح ہم نے باب الامامۃ میں اسے بیان کر دیا ہے۔

5764۔ (قولہ: لَكِنَّهُ الخ) نفل کی تمام رکعات میں قراءت کے لازم ہونے کے لیے یہ تعلیل قاصر ہے۔ یہ سنت مؤکدہ جو چار رکعات پر مشتمل ہوں انہیں عام نہیں۔ اس کی وجہ وہ ہے جو مصنف نے پہلے بیان کی ہے کہ وہ پہلے قعدہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود نہیں پڑھے گا اور جب تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو گا تو ثنا نہیں پڑھے گا۔ اگر ان میں سے ہر شفع مکمل نماز ہوتا تو نمازی پہلے قعدہ میں درود پڑھتا اور تیسری رکعت میں ثنا پڑھتا۔ یہ اعتراض صاحب ''البحر'' کا ہے۔

بعض اوقات اس اعتراض کا جواب اس کے ساتھ دیا جاتا ہے جس کی طرف شارح نے وہاں اپنے اس قول کے ساتھ اشارہ کیا ہے: لانها لتاكدها أشبهت الفريضة۔ یعنی اس میں یہ قیاس ہے۔ لیکن جب یہ فریضہ کے مشابہ ہو گئیں تو ان میں جانبین کی رعایت کی گئی۔ تو علما نے اس کی تمام رکعات میں قراءت کو واجب کر دیا، جب مکمل قیام کے بعد سجدہ سے پہلے اسے قعدہ یاد آ گیا قعدہ کی طرف لوٹ آنے کو واجب قرار دیا، اور اگر وہ انہیں فاسد کر دے تو صرف دو رکعتوں کی قضا کو واجب کیا۔ جس طرح ظاہر روایت ہے جس طرح (آنے والے مقولہ میں) عنقریب آئے گا۔ یہ اصل کو دیکھنے کی بنا پر ہے۔ اور علما نے درود اور ثنا سے منع کیا، یہ شبہ کو پیش نظر رکھنے کی وجہ سے ہے، جس طرح علما نے وتروں میں کیا ہے۔ نماز نفل کا ہر شفع مکمل نماز ہے یہ مطلقاً نہیں بلکہ بعض وجوہ کی بنا پر ہے۔ جس طرح اس کی وضاحت (مقولہ 5713 میں) گزر چکی ہے۔ ورنہ یہ لازم آتا ہے کہ پہلے قعدہ کے ترک کرنے کی صورت میں چار رکعتیں صحیح نہ ہوتیں۔ جبکہ استحسان یہ ہے کہ یہ چار رکعتیں صحیح ہو جاتی ہیں کیونکہ ان چار رکعات کو فرض پر قیاس کیا جاتا ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ہاں اگر اس نے نفل کی چھ رکعات یا آٹھ رکعات ایک قعدہ کے ساتھ پڑھیں تو اصح قول یہ ہے کہ یہ جائز نہ ہو گا۔ جس طرح ''الخلاصہ'' میں ہے۔ کیونکہ فرائض میں چھ رکعات نہیں جن کی ادائیگی ایک قعدہ کے ساتھ جائز ہوتی پس امر قیاس کی طرف لوٹ آئے گا۔ جس طرح ''البدائع'' میں ہے اور عنقریب (مقولہ 5819 میں) اس کے خلاف کی تصحیح بھی آئے گی۔

(وَلَزِمَ نَفْلٌ شَرَعَ فِيهِ) بِتَكْبِيرَةِ الْإِحْرَامِ، أَوْ بِقِيَامِ لِثَالِثَةٍ شُرُوعًا صَحِيحًا (قَصْدًا)

اور وہ نفل لازم ہو جائیں گے جن میں شروع ہوا تکبیر تحریمہ کہنے سے یا تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہونے کے ساتھ، جبکہ اس کا شروع ہونا صحیح ہو اور قصداً ہو۔

نفل شروع کرنے سے قضا لازم ہو جائے گی

5765۔ (قولہ: وَلَزِمَ نَفْلٌ الخ) یعنی جس نفل میں شروع ہو چکا تھا وہ لازم ہو جائیں گے یہاں تک کہ جب وہ اس کو فاسد کرے یعنی دو رکعتوں کی قضا لازم ہو جائے گی اگرچہ زیادہ کی اس نے نیت کی۔ جس طرح آگے (مقولہ 5785 میں) آئے گا۔ پھر یہ نماز کے ساتھ خاص نہیں اگرچہ موقع و محل نماز کا ہے۔ ''شرح المنیہ'' میں ہے: یہ جان لو کہ اس نفلی عبادت میں شروع ہونا جو نذر کے ساتھ واجب ہو جاتی ہو اور صحت میں جس کی ابتدا مابعد پر موقوف ہو وہ اس کے مکمل کرنے اور اس کی قضا کے وجوب کا سبب ہے اگر وہ فاسد ہو جائے۔ یہ ہمارے اور امام مالک کے نزدیک ہے۔ اور یہی حضرت ابو بکر صدیق، حضرت ابن عباس، کثیر صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین جیسے حضرت حسن بصری، امام مکحول، امام نخعی وغیرہم کا قول ہے۔ وضو، سجدہ تلاوت، مریض کی عیادت، جہاد کا سفر وغیرہا جو نذر سے واجب نہیں ہوتے اس سے خارج ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ لذاتہ مقصود نہیں۔ اور وہ خارج ہوں گے جس کی ابتدا، صحت میں مابعد پر موقوف نہ ہو۔ جیسے صدقہ اور قراءت۔ اس طرح امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اعتکاف ہے۔ اور اس قول میں نماز، روزہ، حج، عمرہ، طواف اور اعتکاف شیخین کے قول کے مطابق داخل ہوں گے۔

تنبیہ

علما کے کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ محض صحیح طرح نفل شروع کرنے سے قضا لازم ہو جائے گی اگرچہ وہ اسے فی الحال فاسد کر دے۔ ''معراج'' میں ''الصغریٰ'' سے مروی ہے اگر ایک آدمی نے فی الحال نفلی روزہ کو فاسد کر دیا تو اس پر قضا لازم نہ ہوگی۔ اگر اس نے اس فعل کو جاری رکھنے کو پسند کیا پھر اسے فاسد کیا تو اس پر قضا ہوگی۔ میں کہتا ہوں: نماز کے بارے میں یہی حکم ہے اگر ایک عورت نفلوں میں شروع ہوئی پھر اسے حیض آ گیا تو قضا واجب ہوگی۔ اس کی مثل ''شرح الشیخ اسماعیل'' میں ہے۔

سید ابو مسعود نے اسے مظنون نفل پر محمول کیا ہے۔ اور ''قہستانی'' کا کلام اس پر دلالت کرتا ہے۔ اور ''المنح'' کا کلام اسی طرح ہے۔ جس طرح آگے (مقولہ 5773 میں) آئے گا۔

5766۔ (قولہ: أَوْ بِقِيَامِ لِثَالِثَةٍ) یعنی اس نے پہلا شفع صحیح طریقہ پر ادا کیا۔ جب اس نے دوسرے شفع کو فاسد کیا تو صرف دوسرے شفع کی قضا لازم ہوگی اور وہ فساد پہلے شفع کی طرف سرایت نہ کرے گا۔ کیونکہ یہ شفع علیحدہ نماز ہے۔ ''بحر''۔

5767۔ (قولہ: شُرُوعًا صَحِيحًا) اس قول کے ساتھ اس سے احتراز کیا کہ وہ نفلی نماز پڑھنے کی نیت سے اقتدا کرے جیسے امی یا عورت کی اقتدا کرے۔ جس طرح آگے (مقولہ 5772 میں) آئے گا اور مصنف کا قول قصداً اس کے ساتھ اس سے احتراز کیا کہ اگر اسے گمان تھا کہ اس پر فرض لازم ہے پھر اس کے برعکس بات یاد آ گئی۔ جس طرح آگے (مقولہ

إِلَّا إِذَا شَرَعَ مُتَنَفِّلًا خَلْفَ مُفْتَرِضٍ، ثُمَّ قَطَعَهُ وَاقْتَدَى نَاوِيًا ذٰلِكَ الْفَرْضَ بَعْدَ تَذَكُّرِهِ، أَوْ تَطَوُّعًا آخَرَ، أَوْ فِي صَلَاةِ ظَانٍّ، أَوْ أُمِّيٍّ، أَوْ امْرَأَةٍ، أَوْ مُحْدِثٍ

مگر جب وہ فرض پڑھنے والے کے پیچھے نفل نماز کو شروع کرے پھر اس نماز کو قطع کر دے اور یاد آنے کے بعد اس فرض کی نیت کرتے ہوئے اقتدا کرے یا کسی اور نفل کی نیت کرے یا وہ گمان کرنے والے کی نماز میں، امی کی نماز میں، بیوی یا بے وضو کی نماز میں اقتدا کرے۔

5773 میں) آئے گا۔

5768۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا شَرَعَ الخ) یعنی جن نوافل کو قطع کیا تھا اس کی قضا لازم نہ ہوگی۔ اس کی دلیل وہی ہے جس طرح ''البدائع'' میں ہے: اس نے اس نماز کو لازم نہیں کیا تھا مگر اس امام کے ساتھ نماز پڑھنے کو لازم کیا تھا۔ جبکہ اس نے یہ نماز ادا کر دی ہے۔

5769۔ (قولہ: بَعْدَ تَذَكُّرِهِ) یعنی اس فرض کو یاد کرنے کے بعد جو فریضہ اس پر لازم تھا اس کو اس نے ادا نہیں کیا۔

5770۔ (قولہ: أَوْ تَطَوُّعًا آخَرَ) اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ کلام مطلق کرے۔ اس طرح کہ اس نے جس نماز کو قطع کیا نہ اس کی قضا کی نیت کرے اور نہ ہی اس کے غیر کی نیت کرے۔

5771۔ (قولہ: أَوْ فِي صَلَاةِ ظَانٍّ) اس کا عطف شارح کے قول متنفلا پر ہے، یہ مستثنیٰ بھی ہے۔ اس کی صورت اس طرح ہے جس طرح ''تتارخانیہ'' میں ''العیون'' سے ''ابن سماعہ'' کی روایت امام محمد بن حسن سے مروی ہے کہا: ایک آدمی نے ظہر کی نماز شروع کی جب کہ اس کا گمان یہ تھا کہ اس نے ظہر نہیں پڑھی تو ایک اور آدمی اس کی نماز میں داخل ہو گیا جب کہ وہ اپنی نماز سے نفل کا ارادہ کر رہا تھا، پھر امام کو یاد آ گیا کہ اس پر ظہر کے فرض لازم نہیں اس نے اپنی نماز کو چھوڑ دیا تو اس امام پر کوئی نماز لازم نہ ہوگی اور نہ ہی اس پر کوئی نماز لازم ہوگی جس نے اقتدا کی۔

لیکن ''البحر'' میں باب الامامة میں قول و فسد اقتداء رجل بامرأة وصبي کے ہاں ذکر کیا: اس صورت میں مقتدی پر نفل کی ضمانت ہوگی اگر اس نے اسے فاسد کیا یہاں تک کہ اس پر نفل کی قضا لازم ہوگی۔ امام کا معاملہ مختلف ہے۔

یہ جواب ممکن ہے کہ فاسد کرنے سے مراد مقتدی کا اپنی نماز کو فاسد کرنا ہو تو اس کے نماز فاسد کرنے سے اس پر اپنی نماز کی قضا لازم ہوگی۔ امام کے نماز فاسد کرنے سے مقتدی پر قضا لازم نہیں ہوگی۔ پس یہ اس کے مخالف نہیں جو قول گزر چکا ہے لیکن ''السراج'' کے کلام سے جو متبادر معنی سمجھ آتا ہے مراد امام کا نماز کو فاسد کرنا ہے۔ کیونکہ انہوں نے کہا: اگر گمان کرنے والا نماز سے خارج ہو گیا تو نماز سے نکل جانے کی صورت میں ہمارے تینوں ائمہ کے نزدیک اس پر قضا واجب نہ ہوگی اور مقتدی پر قضا واجب ہوگی۔ یا تو اس کی تاویل اسی کے مطابق کی جائے گی جو کچھ ہم نے کہا، ورنہ یہ دوسری روایت ہوگی اور اس سے مختلف ہوگی جس پر شارح چلے ہیں۔ فافہم۔

5772۔ (قولہ: أَوْ أُمِّيٍّ الخ) اس قول کے ساتھ شروعا صحیحا سے احتراز کیا ہے۔ کیونکہ جن افراد کا ذکر کیا گیا ہے

يَعْنِي وَأَفْسَدَهُ فِي الْحَالِ، أَمَّا لَوْ اخْتَارَ الْمُضِيَّ ثُمَّ أَفْسَدَهُ لَزِمَهُ الْقَضَاءُ (وَلَوْ عِنْدَ غُرُوبٍ وَطُلُوعٍ وَاسْتِوَاءٍ) عَلَى الظَّاهِرِ

یعنی اسے فی الحال فاسد کر دیا مگر جس نے اسے جاری رکھنے کو پسند کیا پھر اسے فاسد کیا تو اس پر قضا لازم ہوگی اگر چہ یہ غروب آفتاب، طلوع آفتاب اور آفتاب کے نصف النہار پر آنے کے وقت ہو۔ یہ ظاہر روایت کے مطابق ہے۔

ان کی نماز میں شروع ہونا صحیح نہیں۔ اس وقت استثنا کا کوئی محل نہیں مگر جب محض متن کو دیکھا جائے کیونکہ اس میں یہ قید نہیں۔ فافہم۔ سید ابو سعود نے کہا: امی (ان پڑھ) امام کی اقتدا کی صورت میں قضا واجب ہونی چاہئے اس پر بنا کرتے ہوئے جو گزر چکا ہے کہ نماز کا شروع کرنا صحیح ہے، پھر یہ فاسد ہو جائے گی جب قراءت کا وقت آئے گا۔

5773۔ (قولہ: يَعْنِي: وَأَفْسَدَهُ فِي الْحَالِ) یعنی یاد آنے کی حالت میں۔ یہ قول صرف گمان کرنے والے مسئلہ کی طرف راجع ہے۔ ''المنح'' میں کہا: قصداً کے قول کے ساتھ گمان کی صورت میں نماز میں شروع ہونے سے احتراز کیا ہے۔ جیسے اس نے گمان کیا کہ اس نے فرض نہیں پڑھے تو اس میں شروع ہو گیا تو اسے یاد آیا کہ وہ اسے پڑھ چکا ہے تو وہ نماز جس میں شروع ہوا تھا وہ نفل ہو گئی جس کا مکمل کرنا واجب نہیں۔ یہاں تک کہ اگر اس نے اسے توڑ دیا تو قضا واجب نہ ہوگی۔ ''الصغریٰ'' میں ہے: یہ اس صورت میں ہے جب اس نے فی الحال نماز نفل کو فاسد کر دیا مگر جب اس نے اسے جاری رکھنا پسند کیا پھر اسے فاسد کیا تو اس پر قضا لازم ہوگی۔ کہا: نماز میں یہ حکم اسی طرح ہے۔ ''المجتبیٰ'' میں اسی طرح ہے۔

میں کہتا ہوں: بعض محشیوں نے بھی ''تمرتاشی'' کی ''شرح الجامع'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ لیکن ''التجنیس'' میں روزے کے مسئلہ کی یہ علت بیان کی ہے: کیونکہ جب اس کو جاری رکھا تو وہ یوں ہو گیا گویا اس نے جاری روزے کی اس وقت نیت کی جب وہ زوال سے پہلے ہو تو وہ نفلی روزہ شروع کرنے والا ہوگا پس یہ اس پر واجب ہوگا۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ جب اس نے روزہ جاری رکھنے کے عمل کو اختیار کیا اور وہ نیت کرنے کے وقت میں تھا تو وہ نئی نیت کرنے کے محل میں ہوگا پس یہ روزہ اس پر لازم ہو جائے گا۔ یہ نماز میں واقع نہیں ہو سکتا۔ نماز کو روزہ کے ساتھ لاحق کرنا مشکل ہے۔ ''فلیتامل''۔

5774۔ (قولہ: أَمَّا لَوْ اخْتَارَ الْمُضِيَّ) ظاہر یہ ہے کہ یہ جاری رکھنا محض ارادہ کرنے سے ہوگا۔ اور اس میں جو ضعف ہے تو اس سے آگاہ ہے۔ ''طحطاوی'' نے ابو سعود سے انہوں نے ''حموی'' سے نقل کیا ہے کہ وہ اس نماز کو جاری رکھنے کا اختیار نہیں رکھے گا مگر جب وہ رکعات کو سجدہ کے ساتھ مقید کر دے۔

میں کہتا ہوں: ''حموی'' نے اسے روزے اور نماز کے درمیان جو فرق ہے، جس کا ذکر قریب ہی (آنے والے مقولہ میں) آئے گا، اس سے سمجھا ہے۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ ''فتدبر''۔

5775۔ (قولہ: عَلَى الظَّاهِرِ) یعنی امام سے ظاہر روایت یہی ہے۔ آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ ان اوقات میں نماز شروع کرنے سے نماز لازم نہ ہوگی۔ اس میں وہ اوقات مکروہ میں روزہ شروع کرنے پر قیاس کرتے ہیں۔ ظاہر روایت کے

(فَإِنْ أَفْسَدَهُ حَرُمَ)، لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾ (إِلَّا بِعُذْرٍ، وَوَجَبَ قَضَاؤُهُ) وَلَوْ فَسَادُهُ بِغَيْرِ فِعْلِهِ: كَمُتَيَمِّمٍ رَأَى مَاءً وَمُصَلِّيَةٍ أَوْ صَائِمَةٍ حَاضَتْ. وَاعْلَمْ أَنَّ مَا يَجِبُ عَلَى الْعَبْدِ بِالْتِزَامِهِ نَوْعَانِ مَا يَجِبُ بِالْقَوْلِ، وَهُوَ النَّذْرُ، وَسَيَجِيءُ وَمَا يَجِبُ بِالْفِعْلِ، وَهُوَ الشُّرُوعُ فِي النَّوَافِلِ، وَيَجْمَعُهَا قَوْلُهُ

اگر وہ اسے فاسد کردے تو اس کا یہ عمل حرام ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔ مگر عذر کی صورت میں فاسد کردے تو حرام نہ ہوگا اور اس کی قضا واجب ہوگی۔ اگر چہ اس کا فساد اس نمازی کے عمل کے بغیر ہو۔ جیسے تیمم کرنے والا پانی دیکھ لے اور نماز پڑھنے والی اور روزہ رکھنے والی کو حیض آجائے۔ جان لو بندے پر اس کے لازم کرنے سے جو چیز واجب ہوتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں: جو قول سے واجب ہوتا ہے وہ نذر ہے، اس کا ذکر عنقریب آئے گا۔ اور جو فعل سے واجب ہوتا ہے، وہ نفل میں شروع ہونا ہے۔ ان سب کو یہ شعر جامع ہے۔

مطابق فرق یہ ہے کہ اسے اس میں روزہ رکھنے والا کہنا صحیح ہے۔ اور نماز کی صورت میں اس وقت نمازی کہنا صحیح ہوگا جب وہ سجدہ کرلے۔ اسی وجہ سے جب وہ یہ قسم اٹھائے کہ وہ روزہ نہیں رکھے گا تو صرف شروع کرنے سے حانث ہو جائے گا۔ یہ قسم اٹھائے کہ نماز نہیں پڑھے گا تو معاملہ مختلف ہوگا جس طرح عنقریب ہی آئے گا۔ ان شاء اللہ ''نہر''۔

5776۔ (قولہ: إِلَّا بِعُذْرٍ) یہ قول حرم سے مستثنیٰ ہے۔ یعنی عذر کے وقت اس کا فاسد کرنا حرام نہ ہوگا بلکہ بعض اوقات فاسد کرنا مباح ہوتا ہے، اور بعض اوقات مستحب ہوتا ہے، اور بعض اوقات فاسد کرنا واجب ہوتا ہے۔ جس طرح مکروہات نماز میں اسے بیان کردیا ہے۔ اور جب اس نے نماز کو مکروہ وقت میں شروع کیا تو یہ عذر ہے۔ ''البدائع'' میں ہے: ہمارے نزدیک افضل یہ ہے کہ وہ اسے توڑ دے اگر وہ مکمل کرے تو گناہگار ہوگا اور اس پر قضا نہ ہوگی۔ کیونکہ اس نے نماز اس طرح ادا کی جس طرح وہ واجب ہوئی تھی۔ جب وہ اسے توڑے گا تو قضا لازم ہو جائے گی۔

''البحر'' میں کہا: چاہئے کہ مکروہ تحریمی سے نکلنے کے لئے نماز کا قطع کرنا واجب ہو۔ یہ عمل کو باطل کرنا نہیں کیونکہ یہ باطل کرنا اس لیے ہے تاکہ وہ اسے اکمل صورت میں ادا کرے پس اسے باطل کرنا شمار نہیں کیا جائے گا۔

5777۔ (قولہ: وَوَجَبَ قَضَاؤُهُ) یعنی اگر وہ عذر کی وجہ سے اسے قطع کرے اگر چہ وقت کی کراہت کی وجہ سے ہو۔ جس طرح تجھے علم ہے۔ ''البحر'' میں کہا: اگر اس نے ایک اور مکروہ وقت میں اسے قضا کیا تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ یہ ناقص واجب ہوئی تھی اور اس نے اسے اسی طرح ادا کیا جس طرح وہ واجب ہوئی۔ پس یہ جائز ہوگا جس طرح اگر اس نے اسے اس وقت میں مکمل کیا۔

5778۔ (قولہ: وَسَيَجِيءُ) کتاب الایمان میں (مقولہ 17361 میں) آئے گا۔ ''البحر'' میں اس کے احکام میں سے کچھ کا ذکر کیا ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

5779۔ (قولہ: وَيَجْمَعُهَا) یعنی ان نوافل کو جامع ہے جو شروع کرنے سے واجب ہو جاتے ہیں۔ اس کا قاعدہ و ضابطہ یہ ہے: ہر ایسی عبادت جو نذر کے ساتھ لازم ہو جاتی ہے اور جس کی ابتدا، صحت میں مابعد پر موقوف ہوتی ہے۔ جس طرح

مِنَ النَّوَافِلِ سَبْعٌ تَلْزَمُ الشَّارِعْ أَخْذًا لِذٰلِكَ مِمَّا قَالَهُ الشَّارِعْ
صَوْمٌ صَلَاةٌ طَوَافٌ حَجُّهُ رَابِعْ عُكُوفُهُ عُمْرَةٌ إِحْرَامُهُ السَّابِعْ

نوافل میں سے سات ہیں جو شروع کرنے والے کو لازم ہو جاتے ہیں۔ یہ شارع علیہ السلام کے فرمان سے ماخوذ ہیں۔ روزہ، نماز، طواف اور چوتھا حج ہے، اس کا اعتکاف، عمرہ اور ساتواں اس کا احرام ہے۔

ہم نے پہلے قریب ہی (مقولہ 5765 میں) ''شرح المنیہ'' سے بیان کیا ہے۔

وہ سات قسم کے نوافل جو شروع کرنے والے پر لازم ہو جاتے ہیں

5780_(قولہ: مِنَ النَّوَافِلِ الخ) یہ ایسے اشعار ہیں جنہیں سید ابو سعود نے صدر الدین ابن ابی العز کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ اس نوع سے ہے جسے مولدین کے ہاں موالیا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کی بحر، بحر البسیط ہے۔

5781_(قولہ: قَالَهُ الشَّارِعْ) شارع سے مراد ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس میں اور ماقبل میں جناس تام کا قاعدہ جاری ہو رہا ہے۔

5782_(قولہ: طَوَافٌ) محض نیت کے ساتھ جب طواف میں شروع ہو گیا تو اس پر سات چکر لازم ہو جائیں گے مگر جب وہ اس گمان سے شروع ہوا تھا کہ یہ طواف اس پر لازم ہے۔ جس طرح ''شرح اللباب'' میں ہے۔

5783_(قولہ: عُكُوفُهُ) ''شارح'' عنقریب باب الاعتکاف میں ''مصنف'' وغیرہ سے نقل کریں گے۔ بعض معتبر کتابوں میں جو یہ قول ہے کہ اعتکاف شروع کرنے سے اعتکاف لازم آجاتا ہے وہ ضعیف قول پر مفرع ہے۔ یعنی اس پر متفرع ہے کہ نفلی اعتکاف ایک دن کا ہوتا ہے۔ جہاں تک ظاہر روایت کا تعلق ہے کہ نفلی اعتکاف ایک ساعت ہے تو اس تعبیر کی بنا پر اعتکاف لازم نہیں ہوتا، بلکہ مسجد سے نکلتے ہی ختم ہو جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: لیکن ''البدائع'' میں ذکر کیا ہے کہ اعتکاف میں شروع ہونا اس مقدار کو لازم کرنا ہے جس کے ساتھ ادائیگی متصل ہو۔ جب وہ مسجد سے نکل گیا تو اسی مقدار کا اعتکاف واجب ہوا تھا۔ پس اس سے زائد اعتکاف لازم نہیں ہوتا۔ ''فتامل''۔

ہاں ہم اعتکاف میں ''الفتح'' سے عنقریب (مقولہ 9470 میں) ذکر کریں گے کہ رمضان میں دس دنوں کا اعتکاف چاہئے کہ شروع ہونے کے ساتھ لازم ہو جائے۔

5784_(قولہ: إِحْرَامُهُ) ''لباب المناسک'' میں کہا: اگر ایک آدمی نے حج اور عمرہ کی تعیین کے بغیر احرام کی نیت کی تو یہ صحیح ہوگا اور وہ احرام اس پر لازم ہو جائے گا اور اس کو حق حاصل ہے کہ اس احرام کو جس مقصد کے لئے چاہے بنا دے جبکہ اس نے ان دونوں میں سے کسی کا عمل شروع نہ کیا ہو۔

اس تعبیر کے ساتھ یہ حج اور عمرہ سے مختلف ہوگا اگرچہ دونوں اسے لازم ہوں۔ پس تکرار ختم ہو گیا جس طرح ''حلبی'' نے کہا۔

(وَقَضَى رَكْعَتَيْنِ لَوْ نَوَى أَرْبَعًا) غَيْرَ مُؤَكَّدَةٍ عَلَى اخْتِيَارِ الْحَلَبِيِّ وَغَيْرِهِ (وَنَقَضَ فِي) خِلَالِ (الشَّفْعِ الْأَوَّلِ

اور اگر چار رکعات کی نیت کی تو دو کی قضا کرے گا جبکہ وہ چار رکعات مؤکدہ نہ ہو۔ یہ ''حلبی'' وغیرہ کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے اور اس نے پہلے یا

5785۔ (قولہ: وَقَضَى رَكْعَتَيْنِ) یہ ظاہر روایت ہے۔ ''الخلاصہ'' میں اس امر کی تصحیح کی ہے کہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قول، کہ چار رکعات کی قضا کرے گا، سے طرفین کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ پس اب یہ قول متفق علیہ ہوگا۔ کیونکہ اس نماز کا وجوب، نماز شروع کرنے کے سبب تھا، یہ وجوب وضعا ثابت نہیں، بلکہ وجوب ادا شدہ نماز کی حفاظت کے لئے ثابت ہے جو دو رکعتوں کے مکمل ہونے کے ساتھ حاصل ہے۔ پس ضرورت کے بغیر زیادتی لازم نہ ہوگی، ''بحر''۔

5786۔ (قولہ: لَوْ نَوَى أَرْبَعًا) یہ قید لگائی کیونکہ اگر وہ نفل میں شروع ہوا اور اس نے نیت نہ کی تو بالاتفاق اس پر دو رکعتیں لازم ہوں گی۔ اور شروع کرنے کی قید لگائی کیونکہ اگر اس نے نماز کی نذر مانی اور چار رکعات کی نیت کی تو بغیر کسی اختلاف کے چار رکعات لازم ہوں گی۔ جس طرح ''الخلاصہ'' میں ہے۔ کیونکہ اس میں وجوب کا سبب نذر ہے جو اپنے صیغہ کے ساتھ وضعی طور پر وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ ''بحر''۔

5787۔ (قولہ: عَلَى اخْتِيَارِ الْحَلَبِيِّ وَغَيْرِهِ) کیونکہ ''شرح المنیہ'' میں کہا: مگر جب وہ ان چار رکعات میں شروع ہوا جو ظہر سے پہلے، جمعہ سے پہلے یا جمعہ کے بعد ہوتی ہیں پھر اس نے پہلے شفع یا دوسرے شفع میں نماز کو قطع کر دیا تو بالاتفاق چار رکعات کی قضا لازم ہوگی۔ کیونکہ یہ رکعات ایک سلام کے ساتھ مشروع ہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح منقول ہے۔ پس یہ رکعات ایک نماز کے قائم مقام ہیں۔ اسی وجہ سے وہ پہلے قعدہ میں درود نہیں پڑھے گا اور تیسری رکعت میں ثنا نہیں پڑھے گا۔ اگر ایک آدمی نے شفیع کو بیع کی خبر دی، جبکہ وہ ان رکعات کے پہلے شفع میں تھا تو اس نے نماز کو مکمل کیا تو اس کا شفعہ باطل نہیں ہوگا۔ اسی طرح جسے خیار حاصل ہوا اس کا خیار باطل نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر اس کی بیوی اس نمازی کے کمرہ میں داخل ہوئی جو اس نماز میں تھا تو اس نے ان رکعات کو مکمل کیا تو خلوت صحیح نہ ہوگی۔ اور اگر وہ اسے اس حالت میں طلاق دے دے تو پورا مہر لازم نہیں ہوگا۔ اگر کوئی اور نفل ہوں تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ یہ احکام منعکس ہو جاتے ہیں۔

''البحر'' میں یہ ذکر کیا: یہ ''فضلی'' نے اختیار کیا ہے اور ''النصاب'' میں کہا: یہ اصح ہے۔ کیونکہ شروع کرنے کے ساتھ وہ نماز فرض کے قائم مقام ہو گئی ہے۔ لیکن ''البحر'' میں اس سے پہلے ذکر کیا ہے کہ ان رکعات میں شروع ہونے سے، ہمارے اصحاب سے مروی ظاہر روایت کے مطابق، صرف دو رکعات واجب ہوں گی کیونکہ یہ نفل ہیں۔

میں کہتا ہوں: ''الہدایہ'' وغیرہا کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اسے راجح قرار دیا جائے گا۔

5788۔ (قولہ: فِي خِلَالِ) یہ قید لگائی۔ کیونکہ اگر اس نے پہلے قعدہ کے آخر اور تیسری رکعت کی طرف قیام کے دوران نماز کو توڑ دیا تو اس پر کوئی چیز لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ پہلا شفع قعدہ کے ساتھ مکمل ہو چکا ہے اور دوسرے شفع میں وہ شروع ہی نہیں ہوا۔ مصنف نے بعد میں اس قول کے ساتھ ذکر کیا ولا قضاء لو قعد قدر التشهد ثم نقض۔

أَوْ الثَّانِي) أَيْ وَتَشَهَّدَ لِلْأَوَّلِ، وَإِلَّا يَفْسُدُ الْكُلُّ اتِّفَاقًا وَالْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ شَفْعٍ صَلَاةٌ إلَّا بِعَارِضِ اقْتِدَاءٍ أَوْ نَذْرٍ

دوسرے شفع کے دوران نماز کو توڑ دیا ہو یعنی وہ پہلے شفع میں تشہد کی مقدار بیٹھ چکا ہو ورنہ بالاتفاق تمام نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ ہر شفع نماز ہے مگر اقتدا، نذر

5789_(قولہ: أَوْ الثَّانِي) یعنی اسی طرح وہ دو رکعتوں کی قضا کرے اگر اس نے پہلے شفع کو اس کے قعدہ کے ساتھ مکمل کر لیا ہو، پھر وہ دوسرے شفع میں شروع ہوا اور قعدہ سے قبل اسے توڑ دیا تو وہ صرف دوسرے شفع کی قضا کرے گا کیونکہ پہلا شفع مکمل ہو چکا ہے۔ لیکن پہلے شفع کا اعادہ واجب ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس نے سلام کو ترک کیا ہے جو واجب تھا۔ جبکہ سجدہ سہو کے ساتھ کمی کو پورا نہیں کیا تھا، جس طرح ہر اس نماز کا حکم ہے جس کو واجب کے ترک کے ساتھ ادا کیا ہو۔ یہ ان علما کے اس کلام کے منافی نہیں جو یہاں انہوں نے کی ہے۔ کیونکہ ان کی کلام قضا کے لازم ہونے اور لازم نہ ہونے کے بارے میں ہے جو فساد یا عدم فساد پر مبنی ہے۔ اور اعادہ سے مراد ہے جس فعل کو ایک دفعہ صحیح ادا کیا گیا، مگر اس میں کراہت تھی، اسے کراہت کے بغیر دوبارہ ادا کرنا۔

5790_(قولہ: أَيْ وَتَشَهَّدَ لِلْأَوَّلِ) یہ ان کے قول او الثانی کی قید ہے۔ ''ح''۔ تشہد سے مراد تشہد کی مقدار قعدہ ہے خواہ اس نے تشہد پڑھا یا تشہد نہ پڑھا۔ تو یہ حال کو محل پر اطلاق کرنے سے تعلق رکھتا ہے۔

5791_(قولہ: وَإِلَّا) یعنی اگر اس نے پہلے شفع کا تشہد نہیں پڑھا اور دوسرے شفع کے درمیان اسے توڑ دیا تو تمام نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ پہلا شفع نماز ہوتی اگر پہلا قعدہ پایا جاتا۔ مگر جب پہلا قعدہ نہیں پایا گیا تو چاروں رکعتیں ایک نماز ہوگی۔ ''بحر''۔ شارح نے اسے اپنے قول او ترک قعود اوّل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ''ح''۔

5792_(قولہ: وَالْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ شَفْعٍ صَلَاةٌ) اگر نمازی نے نفل کے لئے تکبیر تحریمہ کہی تو اس پر دو رکعات سے زیادہ نماز لازم نہ ہوگی اگرچہ وہ دو سے زیادہ کی نیت کرے۔ ہمارے اصحاب سے یہی ظاہر روایت ہے۔ ''بحر''۔

5793_(قولہ: إلَّا بِعَارِضِ اقْتِدَاءٍ) یعنی نفلی نماز پڑھنے والا اس کی اقتدا کرے جس پر چار رکعات لازم ہوں۔ جس طرح ایک آدمی ظہر کے فرائض پڑھنے والے کی اقتدا کرے پھر اسے توڑ دے تو وہ چار رکعات کی قضا کرے گا خواہ وہ شروع میں اس کی اقتدا کرے یا آخری قعدہ میں اقتدا کرے۔ کیونکہ اس پر امام کی نماز لازم ہو چکی ہے جو چار رکعات ہیں۔ ''بحر'' اور ''النہر'' میں ''البدائع'' سے مروی ہے۔

5794_(قولہ: أَوْ نَذْرٍ) یعنی اگر اس نے نماز کی نذر مانی اور چار کی نیت کی تو بغیر کسی اختلاف کے اس پر چاروں رکعتیں لازم ہو جائیں گی۔ جس طرح ہم پہلے ''البحر'' سے (مقولہ 5786 میں) نقل کر آئے ہیں۔ ''النہایہ'' میں ''المبسوط'' سے نقل کرتے ہوئے یہ علت بیان کی ہے: اس نے وہ ہی نیت کی، لفظ جس کا احتمال رکھتا ہے۔ کیونکہ صلاۃ کا لفظ دو اور چار رکعتوں کو شامل ہے۔ گویا اس نے کہا: للہ علیّ ان اصلّی اربع رکعات۔

أَوْ تَرْكِ قُعُودٍ أَوَّلَ (كَمَا) يَقْضِي رَكْعَتَيْنِ (لَوْ تَرَكَ الْقِرَاءَةَ
یا پہلے قعدہ کے ترک کرنے کے عارضہ کی وجہ سے شفع مکمل نماز نہ ہوگی۔ جس طرح دو رکعتوں کی قضا کرے گا اگر اس نے

ان کے قول و ر کعتان قبل الصبح سے تھوڑا پہلے (مقولہ 5684 میں) گزر چکا ہے اگر اس نے ایک سلام کے ساتھ چار رکعات نماز پڑھنے کی نذر مانی اور اسے دو سلاموں کے ساتھ پڑھا تو وہ نذر سے خارج نہیں ہوگا۔ اس کے برعکس کا معاملہ مختلف ہے۔ یہاں جو قول ہے اس سے مستفاد یہ ہوتا ہے کہ چار رکعات کی نذر ان رکعات کے لازم ہونے کے لئے کافی ہے اگرچہ اس نے سلام کی قید نہ لگائی ہو۔ پس دو سلاموں کے ساتھ نماز پڑھنے کی صورت میں نذر کی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہوگا۔

5795۔ (قولہ: أَوْ تَرْكِ قُعُودٍ أَوَّلَ) ہر دوگانہ کا علیحدہ نماز ہونا اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کے بعد قعدہ ہو۔ پس قعدہ کے ترک کرنے سے دوگانہ فاسد ہو جائے گا۔ جس طرح امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ یہی قیاس ہے۔ لیکن شیخین کے نزدیک جب قعدہ سے قبل وہ تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا تو اس نے سب کو ایک نماز بنا دیا تو فرض کے مشابہ ہے۔ پس آخری قعدہ فرض ہو گیا۔ یہی استحسان ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر اگر اس نے تین رکعات نفل ایک قعدہ کے ساتھ پڑھے تو مغرب کی نماز پر قیاس کرتے ہوئے جائز ہونی چاہئے۔ لیکن اصح جائز نہ ہونا ہے۔ کیونکہ جس کے ساتھ قعدہ متصل ہے وہ فاسد ہو چکی ہے جبکہ وہ آخری رکعت ہے۔ کیونکہ ایک رکعت کے ساتھ نفل پڑھنا مشروع نہیں۔ پس اس کا ماقبل فاسد ہو جائے گا۔ اگر اس نے ایک قعدہ کے ساتھ چھ رکعات نماز نفل کی پڑھیں، ایک قول یہ کیا گیا: یہ جائز ہوگا، جبکہ اصح قول یہ ہے کہ جائز نہیں۔ کیونکہ استحسان یہ ہے کہ ایک قعدہ کے ساتھ چار رکعات جائز ہیں۔ یہ فرض پر قیاس کرنے کی بنا پر ہے۔ فرضوں میں چھ رکعات نہیں جو ایک قعدہ کے ساتھ ادا کی جاتی ہوں۔ پس امر قیاس کی اصل کی طرف لوٹ جائے گا۔ جس طرح ''البدائع'' میں ہے۔

تنبیہ

چاہئے کہ مذکورہ قاعدہ سے ''حلبی'' وغیرہ کے اختیار پر بنا کرتے ہوئے سنت مؤکدہ کو بھی مستثنیٰ کیا جاتا۔

سولہ مسائل

5796۔ (قولہ: كَمَا يَقْضِي رَكْعَتَيْنِ الخ) ان مسائل میں شروع ہوتے ہیں کہ چار رکعتوں والی نفل نماز، قراءت کے ترک کرنے کے ساتھ فاسد ہو جاتی ہے۔ جبکہ پہلے ان مسائل کا ذکر کیا جو اس کے علاوہ سے فاسد ہوتی تھی۔ یہ وہ مسائل ہیں جن کو آٹھ اور سولہ مسائل کا نام دیا جاتا ہے۔ اس میں اصل یہ ہے کہ پہلے شفع میں شروع ہونے کی صحت، تکبیر تحریمہ کیساتھ ہے اور دوسرے شفع میں تکبیر تحریمہ کی بقا کے ساتھ اس کی طرف قیام میں ہے۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پہلے شفع (دوگانہ) کی دونوں رکعتوں میں قراءت ترک کرنے کے ساتھ تکبیر تحریمہ باقی نہیں رہتی۔ پس دوسرے دوگانہ میں شروع ہونا صحیح نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ اس کو فاسد کرنے سے اس کی قضا لازم نہ ہوگی۔ بلکہ صرف پہلے دوگانہ کی قضا کرے گا۔ کیونکہ قراءت ترک کرنے کے ساتھ اس کی ادا فاسد ہو جائے گی۔ ایک رکعت میں قراءت ترک کرنے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ

فِي شَفْعَيْهِ أَوْ تَرَكَهَا فِي الْأَوَّلِ فَقَطْ
دونوں شفعوں میں قراءت کو ترک کیا یا صرف پہلے شفع میں قراءت کو ترک کیا۔

ادا کو فاسد کرتا ہے تحریمہ کو فاسد نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ پہلے شفع کی قضا واجب ہوگی، جس طرح دونوں رکعتوں میں وہ قراءت ترک کرے، اور دوسرے دوگانہ میں شروع ہونا صحیح ہوگا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام زفر کے نزدیک دوگانہ میں سے ایک رکعت میں قراءت کا ترک، تکبیر تحریمہ اور ادا دونوں کو فاسد کر دیتا ہے، جس طرح دونوں رکعتوں میں وہ قراءت کو ترک کرے۔ پس دوسرے دوگانہ میں اس کا شروع ہونا صحیح نہ ہوگا۔ پس اس کو فاسد کرنے سے قضا لازم نہ ہوگی۔ بلکہ صرف پہلے دوگانہ کی قضا لازم ہوگی۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک رکعت یا دو رکعتوں میں قراءت کا ترک صرف ادا کو فاسد کرتا ہے جبکہ تکبیر تحریمہ باقی رہتی ہے۔ پس دوسرے شفع میں مطلقاً شروع ہونا صحیح ہوگا۔

خلاصۂ کلام

حاصل کلام یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مطلقاً قراءت کے ترک کرنے سے فاسد نہیں ہوتی۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام زفر کے نزدیک مطلقاً قراءت ترک کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور امام اعظم کے نزدیک اصلاً قراءت ترک کرنے سے نماز فاسد ہوتی ہے یعنی ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب دونوں رکعتوں میں قراءت نہ کرے۔ ایک رکعت میں قرأت ترک کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ امام نسفی کے اشعار تمام اقوال کو جامع ہیں۔

تحریمةُ النفلِ لا تبقی اذا تُرکت فیها القراءةُ اصلا عند نعمان
والترك فی رکعة قد عده زفر کالترك اصلا و ایضا شیخ شیبان
وقال یعقوب تبقی کیفما تُرکتُ فیها القراءةُ فاحفظه باتقان

1۔ نفل کی تکبیر تحریمہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک باقی نہیں رہتی جب وہ اس میں اصلاً قراءت کو ترک کر دے۔ 2۔ ایک رکعت میں قراءت کے ترک کو امام زفر نے اصلاً قراءت ترک کرنے کی طرح شمار کیا ہے اسی طرح شیخ شیبان نے کہا ہے۔ 3۔ امام یعقوب نے کہا: ان سب میں قراءت جس طرح بھی ترک کر دی جائے تکبیر تحریمہ باقی رہے گی اسے اچھی طرح یاد کر لے۔

5797۔ (قولہ: فِي شَفْعَيْهِ) پس وہ نمازی طرفین کے نزدیک پہلے دوگانہ کی قضا کرے گا۔ کیونکہ تکبیر تحریمہ باطل ہو چکی ہے اور دوسرے شفع میں اس کا شروع ہونا صحیح نہیں۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ چار رکعات کی قضا کرے گا کیونکہ ان کے نزدیک تکبیر تحریمہ باقی ہے اور قراءت ترک کرنے کی وجہ سے دونوں شفعوں میں ادا فاسد ہو چکی ہے۔

5798۔ (قولہ: فِي الْأَوَّلِ فَقَطْ) یعنی بالاجماع دونوں رکعتوں کی قضا کرے گا۔ طرفین کے ہاں تو اس لئے کیونکہ تکبیر تحریمہ فاسد ہو چکی ہے اور دوسرے شفع میں اس کا شروع ہونا صحیح نہیں، امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں یہ معاملہ ہے کہ اس دوگانہ میں شروع ہونا صحیح ہے تو وہ فاسد نہیں ہوا کیونکہ اس میں قراءت موجود ہے۔ پس وہ صرف پہلے دوگانہ کی قضا کرے گا۔

(أَوْ الثَّانِي أَوْ إِحْدَى) رَكْعَتَيْ (الثَّانِي أَوْ إِحْدَى) رَكْعَتَيْ (الْأَوَّلِ، أَوْ الْأَوَّلِ وَإِحْدَى الثَّانِي لَا غَيْرُ) لِأَنَّ الْأَوَّلَ لَمَّا بَطَلَ لَمْ يَصِحَّ بِنَاءُ الثَّانِي عَلَيْهِ،

یا دوسرے شفع میں قراءت کو ترک کیا یا دوسرے شفع کی دو رکعتوں میں سے ایک رکعت میں قراءت کو ترک کیا یا پہلے شفع کی دو رکعتوں میں سے ایک رکعت میں قراءت کو ترک کیا یا پہلے شفع اور دوسرے شفع کی ایک رکعت میں قراءت کو ترک کیا، کسی اور میں قراءت کو ترک نہ کیا، کیونکہ پہلا شفع جب باطل ہو گیا تو دوسرے شفع کی اس پر بنا صحیح نہ ہوگی۔

5799۔ (قولہ: أَوْ الثَّانِي) یعنی وہ صرف دوسرے دوگانہ کی قضا کرے گا۔ یہ بالا جماع ہے۔ کیونکہ پہلا شفع صحیح ہے۔ دوسرے شفع میں شروع ہونا صحیح ہے اور اس کی ادائیگی میں فساد آ چکا ہے۔ کیونکہ اس میں قراءت کو ترک کیا گیا ہے۔

5800۔ (قولہ: أَوْ إِحْدَى رَكْعَتَيْ الثَّانِي) یعنی وہ صرف دوسرے شفع کی قضا کرے گا۔ یہ بھی بالا جماع ہے۔ اسی دلیل کی وجہ سے جو ہم نے کہا ہے اس کے تحت دو صورتیں ہیں۔ کیونکہ ایک صورت یہ ہے کہ یا تو وہ دوسرے شفع کی پہلی رکعت ہوگی یا اس کی دوسری رکعت ہوگی۔

5801۔ (قولہ: أَوْ إِحْدَى رَكْعَتَيْ الْأَوَّلِ) اس میں بھی دو صورتیں ہیں یعنی بالا جماع صرف اس کی قضا لازم ہوگی کیونکہ اس شفع کی ایک رکعت میں قراءت ترک کرنے سے اس شفع کو فاسد کر دیا ہے، اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی تحریمہ فاسد ہو چکی ہے اور دوسرے شفع میں اس کا شروع ہونا صحیح نہیں، اس لیے پہلے شفع کی قضا لازم ہے۔ اور شیخین کے نزدیک تکبیر تحریمہ باقی ہے اور دوسرے شفع کی ادائیگی صحیح ہے۔

5802۔ (قولہ: أَوْ الْأَوَّلِ وَإِحْدَى الثَّانِي) اس کے تحت بھی دو صورتیں ہیں۔ اگر اس نے پہلے دوگانہ میں اور دوسرے دوگانہ کی پہلی رکعت میں قراءت کو ترک کیا یعنی دوسرے دوگانہ کی پہلی رکعت یا دوسری رکعت میں قراءت کو ترک کیا تو امام اعظم اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ صرف پہلے شفع کی قضا کرے گا۔ کیونکہ تکبیر تحریمہ فاسد ہو چکی ہے اور دوسرے شفع میں اس کا فاسد ہونا صحیح نہیں۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چار رکعات کی قضا کرے گا۔ کیونکہ دوسرے شفع میں اس کا شروع ہونا صحیح ہے اور قراءت ترک کرنے کی وجہ سے دونوں میں ادائیگی فاسد ہو چکی ہے۔

5803۔ (قولہ: لَا غَيْرُ) یہ احتمال موجود ہے کہ یہ قول واحدی الثانی کی قید ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان تمام صورتوں کے لئے قید ہو۔ یعنی وہ ان مذکورہ صوتوں میں دو رکعتوں کی قضا کرے گا باقی صورتوں میں قضا نہیں کرے گا۔ جو صورتیں آگے (مقولہ 5806 میں) آ رہی ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ دو رکعتوں کے لئے قید ہو۔ یعنی وہ صرف دو رکعتوں کی قضا کرے گا کسی اور کی قضا نہیں کرے گا ان تمام صورتوں میں جو گزر چکی ہیں۔

5804۔ (قولہ: لِأَنَّ الْأَوَّلَ الخ) یہ دو رکعتوں کے قضا کے لازم ہونے کی تعلیل ہے کسی اور کی تعلیل نہیں۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق یہ تمام صورتوں میں ہے۔ اس میں اصل کی طرف اشارہ ہے۔ وہ اصل اور قاعدہ یہ ہے

فَهَذِهِ تِسْعُ صُوَرٍ لِلُزُومِ رَكْعَتَيْنِ (وَ) قَضَى (أَرْبَعًا) فِي سِتِّ صُوَرٍ (لَوْ تَرَكَ الْقِرَاءَةَ فِي إِحْدَى كُلِّ شَفْعٍ أَوْ فِي الثَّانِي وَإِحْدَى الْأَوَّلِ)

دو رکعتوں کے لازم ہونے کی یہ نو صورتیں ہیں۔ اور چھ صورتوں میں چار رکعات کی قضا کرے گا۔ اگر اس نے ہر دوگانہ کی ایک رکعت میں قراءت کو ترک کیا یا دوسرے شفع میں اور پہلے شفع کی ایک رکعت میں قراءت کو ترک کیا

جب اصلاً قراءت ترک کرنے کے ساتھ پہلا شفع باطل ہو جائے گا تو اس پر دوسرے شفع کی بنا صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ تکبیر تحریمہ فاسد ہو چکی ہے اس کا مفہوم یہ ہے۔ کہ جب پہلا دوگانہ باطل نہ ہوا تو دوسرے دوگانہ کی بنا اس پر صحیح ہوگی۔ اور یہ امر معلوم ہے کہ ایک رکعت یا دو رکعتوں میں قراءت کا ترک کرنا، اس میں شروع ہونے کے بعد ادائیگی کو فاسد کر دیتا ہے اور قضا کو واجب کر دیتا ہے۔ پس مذکورہ تعلیل کی وضاحت کے ساتھ دو رکعتوں کی قضا، جو مصنف کے اقوال میں ہے، کی وجہ کو بیان کر دیا، کسی اور چیز کو بیان نہیں کیا۔ اقوال یہ ہیں: لو ترك القراءة في شفعيه، او تركها في الاول، او الاول واحدى الثاني کیونکہ ان تمام صورتوں میں اس نے پہلے شفع کو فاسد کر دیا ہے۔ کیونکہ اس میں اصلاً قراءت کو ترک کر دیا ہے۔ پس تکبیر تحریمہ باطل ہو گئی اور دوسرے شفع کی بنا پہلے شفع پر صحیح نہ ہوگی جب بنا صحیح نہ ہوگی تو اس کی قضا لازم نہ ہوگی۔ بلکہ صرف پہلے شفع کی قضا لازم ہوگی کسی اور کی قضا لازم نہ ہوگی۔ مذکورہ تعلیل کے مفہوم سے دو رکعتوں کی قضا کی وجہ کو بیان کیا، اس کے علاوہ کو بیان نہیں کیا جو باقی صورتوں میں ہے۔ یہی مصنف کا قول ہے او الثاني، او احدى الثاني، او احدى الاول کیونکہ ان صورتوں میں ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پہلا شفع باطل نہیں ہوا۔ پس تکبیر تحریمہ باقی رہے گی اور دوسرے شفع میں اس کا شروع ہونا صحیح ہو گا۔ لیکن جب اس نے اس دوگانہ میں قراءت کو ترک کیا یا اس کی ایک رکعت میں قراءت کو ترک کیا تو اس پر صرف اس کی قضا لازم ہوگی۔ اور جب اس نے پہلے دوگانہ کی پہلی رکعت میں قراءت کو ترک کیا تو صرف اس کی قضا لازم ہوگی۔ کیونکہ دوسرے شفع کی بنا صحیح ہے اور اس کی ادائیگی صحیح ہے۔ فافہم۔

5805۔ (قولہ: فَهَذِهِ تِسْعُ صُوَرٍ) کیونکہ مصنف کی کلام میں صراحۃً مذکور صورتیں چھ ہیں۔ لیکن تینوں مواقع پر احدی کا لفظ دوگانہ کی پہلی رکعت یا دوسری رکعت پر صادق آتا ہے پس تین اور صورتیں زائد ہو جاتی ہیں۔

5806۔ (قولہ: لَوْ تَرَكَ الْقِرَاءَةَ فِي إِحْدَى كُلِّ شَفْعٍ) یعنی دونوں دوگانہ کی دو رکعتوں میں قراءت کو ترک کیا۔ اور ہر دوگانہ میں سے ایک رکعت میں قراءت کو ترک کیا۔ اس طرح کہ پہلی رکعت میں تیسری رکعت یا چوتھی رکعت ساتھ قراءت کو ترک کیا یا دوسری رکعت میں تیسری کے ساتھ یا چوتھی کے ساتھ قراءت کو ترک کیا تو یہ چار صورتیں ہیں۔ اور مصنف کے قول واحدی الاول میں دو صورتیں ہیں۔ کیونکہ یہ ایک یا تو پہلی ہوگی یا دوسری ہوگی۔ ان چھ میں وہ شیخین کے نزدیک چار کی قضا کرے گا اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف دو کی قضا کرے گا۔ یہ سابقہ قاعدہ (مقولہ 5796) پر مبنی ہے کہ پہلے شفع میں ایک رکعت میں قراءت ترک کرنے سے تکبیر تحریمہ فاسد ہو جاتی ہے۔ ان چھ صورتوں میں یہ امر پایا گیا ہے۔ پس امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا دوسرے دوگانہ میں شروع ہونا صحیح نہیں۔ جہاں تک شیخین کا تعلق ہے تو اس کے ساتھ تکبیر تحریمہ

وَبِصُورَةِ الْقِرَاءَةِ فِي الْكُلِّ تَبْلُغُ سِتَّةَ عَشَرَ
اور تمام رکعات میں قراءت کرنے کی صورت میں یہ صورتیں سولہ تک جا پہنچتی ہیں۔

فاسد نہیں ہوتی۔ پس شروع ہونا صحیح ہو گیا۔ پس دونوں شفعوں کی قضا لازم ہو گی کیونکہ دونوں کو اس نے فاسد کر دیا ہے۔

امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پہلی چار صورتوں میں چاروں رکعات کی قضا کا واجب ہونا آپ کے گزشتہ اصول (مقولہ 5796) کے موافق ہے۔ لیکن امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ پر اس امر کا انکار کیا کہ انہوں نے امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت کی اور کہا: میں نے آپ سے تجھے یہ روایت کی تھی کہ دو رکعتوں کی قضا لازم نہ ہو گی۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے اس روایت سے رجوع نہ کیا اور امام ابو یوسف کی طرف بھول کی نسبت کی۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے جو روایت کی ہے وہ ظاہر روایت ہے۔ اور مشائخ نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ یہ ان چھ مسائل میں سے ایک مسئلہ ہے جنہیں امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''الجامع الصغیر'' میں امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے، اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کا انکار کیا۔ اس کی مکمل بحث ''البحر'' میں ہے۔

5807۔ (قولہ: وَبِصُورَةِ الْقِرَاءَةِ فِي الْكُلِّ) یعنی تمام رکعات میں۔ علما نے ان صورتوں کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ یہ سب صورتیں صحیح ہیں۔ اور کلام اس کے متعلق ہے جس کی قضا، فساد کی وجہ سے لازم ہوتی ہے۔ کیونکہ اس نے قراءت کو ترک کیا ہے۔ لیکن یہ صورت عقلی تقسیم کا تتمہ ہے۔ کیونکہ یہ اس امر سے خالی نہ ہو گی یا تو اس نے چاروں رکعات میں قراءت کی ہو گی یا چاروں رکعات میں قراءت ترک کی ہو گی یا تین رکعات میں قراءت ترک کی ہو گی۔ اور اس کے تحت چار صورتیں ہیں۔ پس یہ چھ صورتیں ہوں گی۔ یا اس نے دو رکعتوں میں قراءت ترک کی ہو گی۔ یعنی پہلی رکعت کے ساتھ دوسری یا تیسری یا چوتھی رکعت میں قراءت ترک کی ہو گی، یا دوسری رکعت میں تیسری یا چوتھی کے ساتھ قراءت ترک کی ہو گی، یا تیسری رکعت میں چوتھی کے ساتھ قراءت ترک کی ہو گی۔ یہ بھی چھ صورتیں ہیں۔ یا اس نے صرف ایک رکعت میں قراءت ترک کی ہو گی۔ اور اس کے تحت چار صورتیں ہیں۔ یہ کل سولہ صورتیں ہیں۔ میں نے اس ترتیب پر ایک جدول میں انہیں لکھا ہے اس حال میں کہ قراءت کی طرف قاف سے اشارہ کیا ہے اور عدم قراءت کی طرف لا سے اشارہ کیا اور جس کی قضا لازم ہوتی ہے اس کے عدد کی طرف اشارہ کیا ہر سورت میں ہندی عدد کے ساتھ، ہمارے تینوں ائمہ کے مذاہب کے مطابق، ان کے گزشتہ اصولوں کی ترتیب (مقولہ 5796 میں) کو ملحوظ رکھتے ہوئے۔ اگر تو ان کو مضبوط (یاد) کرے تو تیرے لئے ان کا استخراج آسان ہو جائے گا۔ اس جدول کی صورت اس طرح ہے۔

نمبر شمار	ابو حنیفہ	ابو یوسف	محمد	رکعت 1	2	3	4	
١	-	-	-	ق	ق	ق	ق	چاروں میں قراءت کی، قضا نہیں
2	2	4	2	لا	لا	لا	لا	چاروں میں قراءت نہیں کی قضا کی تصریح ہو گی

لَكِنْ بَقِيَ مَا إِذَا لَمْ يَقْعُدْ،

لیکن یہ صورت باقی رہ گئی ہے جب وہ قعدہ نہ کرے،

3	2	4	2	لا	لا	لا	ق	ایک میں قراءت کی
4	2	4	2	لا	لا	ق	لا	ایک میں قراءت کی
5	4	4	2	لا	ق	لا	لا	ایک میں قراءت کی
6	4	4	2	ق	لا	لا	لا	ایک میں قراءت کی
7	2	2	2	لا	لا	ق	ق	دو میں قراءت کی
8	4	4	2	لا	ق	لا	ق	دو میں قراءت کی
9	4	4	2	لا	ق	ق	لا	دو میں قراءت کی
10	4	4	2	ق	لا	لا	ق	دو میں قراءت کی
11	4	4	2	ق	لا	ق	لا	دو میں قراءت کی
12	2	2	2	ق	ق	لا	لا	دو میں قراءت کی
13	2	2	2	لا	ق	ق	ق	تین میں قراءت کی
14	2	2	2	ق	لا	ق	ق	تین میں قراءت کی
15	2	2	2	ق	ق	لا	ق	تین میں قراءت کی
16	2	2	2	ق	ق	ق	لا	تین میں قراءت کی

5808۔(قولہ: لَكِنْ بَقِيَ مَا إِذَا لَمْ يَقْعُدْ) اس کی صورت یہ ہے اس نے پہلی دو رکعتوں میں قراءت کی اور پہلا قعدہ نہ بیٹھا اور آخری دو رکعتوں کو فاسد کر دیا۔ اس کا حکم یہ ہے کہ وہ بالا جماع چار رکعتوں کی قضا کرے گا۔ ''النہر'' میں اسی طرح ہے۔ شارح نے اس کا ذکر دو دفعہ کیا ہے۔ پہلی دفعہ اس قول میں ای: و تشھد للاول والا یفسد الکل اور دوسری دفعہ اس قول میں او ترك قعود اول۔ ''ح''۔

میں کہتا ہوں: آخری دو کو فاسد کرنے سے مراد یہ ہے کہ قراءت ترک کر کے انہیں فاسد کیا۔ کیونکہ کلام، قراءت کے ترک کرنے کے بارے میں ہے۔ شارح نے اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ دو یا چار رکعتوں کی قضا کے بارے میں جو گزرا ہے یہ اس میں مفروض ہے جب وہ دو رکعتوں کے آخر میں قعدہ کرے۔ ورنہ اس پر چار رکعتوں کی قضا بالاتفاق لازم ہو گی۔ کیونکہ جب وہ نہ بیٹھے تو دوسرے شفع کا فساد پہلے شفع کی طرف سرایت کر جائے گا۔ جس طرح ''العنایہ'' کی اتباع میں ''البحر'' میں اس

أَوْ قَعَدَ وَلَمْ يَقُمْ لِثَالِثَةٍ، أَوْ قَامَ وَلَمْ يُقَيِّدْهَا بِسَجْدَةٍ أَوْ قَيَّدَهَا فَتَنَبَّهْ وَمَيِّزِ الْمُتَدَاخِلَ وَحُكْمُ مُؤْتَمٍّ وَلَوْ فِي تَشَهُّدٍ كَإِمَامٍ (وَلَا قَضَاءَ لَوْ نَوَى أَرْبَعًا

یا قعدہ کرے اور تیسری رکعت کے لئے کھڑا نہ ہو، یا کھڑا تو ہو اور اسے سجدہ کے ساتھ مقید نہ کرے، یا اسے سجدہ کے ساتھ مقید کرے۔ پس اس پر متنبہ ہو جا۔ اور باہم متداخل صورتوں کو تمیز دے۔ اور مقتدی کا حکم امام جیسا ہے اگرچہ تشہد میں ہو۔ اور اس پر کوئی قضا نہ ہوگی اگر اس نے چار رکعات کی نیت کی

پر متنبہ کیا ہے۔

5809۔ (قولہ: أَوْ قَعَدَ وَلَمْ يَقُمْ لِثَالِثَةٍ) اس کی صورت یہ ہے اس نے قراءت کو ترک کیا اور قعدہ کیا اور قیام نہ کیا۔ اس کا حکم یہ ہے کہ وہ دو رکعتوں کی قضا کرے گا۔ "النہر" میں اسی طرح ہے۔ "ح"۔

5810۔ (قولہ: أَوْ قَامَ وَلَمْ يُقَيِّدْهَا بِسَجْدَةٍ) اس کی صورت یہ ہے اس نے پہلے شفع میں قراءت کو ترک کیا پھر تیسری رکعت کے لئے اٹھ کھڑا ہوا پھر تیسری رکعت کو سجدہ کیساتھ مقید کرنے سے پہلے نماز کو فاسد کر دیا تو اس کا حکم یہ ہے کہ طرفین کے نزدیک دو رکعتوں کی قضا کرے گا۔ اور امام "ابو یوسف" رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چار رکعتوں کی قضا کرے گا۔ "النہر" میں اسی طرح ہے۔ اور اسی کی مثل حکم ہے جب وہ رکعت کو ایک سجدہ کے ساتھ مقید کرنے کے بعد اسے فاسد کر دے۔ "ح"۔

میں کہتا ہوں: "حلبی" نے ان مواضع میں "النہر" سے جو نقل کیا ہے وہ اس میں موجود ہے۔ گویا وہ "طحطاوی" کے نسخہ سے ساقط ہے۔

پھر جان لو کہ شارح نے آخری دو مسئلوں کے ذکر کے ساتھ جو استدراک کیا ہے ان کا یہاں کوئی محل نہیں۔ کیونکہ کلام رباعیہ کے ایک شفع کے افساد میں ہے یا دونوں شفعوں کے افساد میں ہے جبکہ اس نے قراءت کو ترک کیا ہو۔ جہاں تک ان کے علاوہ کے فاسد کرنے کا تعلق ہے تو وہ وہ ہے جس کا ذکر مصنف نے پہلے اس قول وقضی رکعتین لونوی اربعًا الخ کے ساتھ کیا ہے۔ جس طرح ہم نے وہاں اس پر متنبہ کیا اور یہ دونوں مسئلے اس میں داخل ہیں۔ "فتامل"۔

5811۔ (قولہ: فَتَنَبَّهْ) شاید متنبہ ہونے کا حکم دیا، اس امر کی طرف اشارہ کرنے کیلئے جس کو ہم نے ثابت کیا ہے۔

5812۔ (قولہ: وَمَيِّزِ الْمُتَدَاخِلَ) اس سے مراد وہ ہے جس کی صورت مختلف ہو اور اس کا حکم متحد ہو۔ یہ "العنایہ" کی عبارت ہے۔ کیونکہ انہوں نے صورتوں میں سے سات صورتوں کو باقی ماندہ آٹھ میں داخل کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ متن میں مذکور آٹھ صورتیں ہیں۔ چھ میں دو رکعتیں لازم ہوتی ہیں اور دو میں چار رکعتیں لازم ہوتی ہیں۔ لیکن پہلی چھ تفصیل میں نو ہیں اور دو چھ ہیں۔ پس یہ پندرہ صورتیں ہوئیں۔ "ح"۔

5813۔ (قولہ: وَحُكْمُ مُؤْتَمٍّ الخ) اس کی صورت یہ ہے: ایک آدمی نے دوسرے آدمی کی چار رکعات میں، نفل میں اقتدا کی۔ امام نے پہلی دو میں سے ایک اور دوسری دو میں سے ایک میں قراءت کی تو جس طرح امام پر چار رکعات کی قضا لازم

وَ (قَعَدَ قَدْرَ التَّشَهُّدِ ثُمَّ نَقَضَ) لِأَنَّهُ لَمْ يَشْرَعْ فِي الثَّانِي (أَوْ شَرَعَ فِي فَرْضٍ (ظَانًّا أَنَّهُ عَلَيْهِ) فَذَكَرَ أَدَاءَهُ انْقَلَبَ نَفْلًا غَيْرَ مَضْمُونٍ؛ لِأَنَّهُ شَرَعَ مُسْقِطًا لَا مُلْزِمًا (أَوْ صَلَّى أَرْبَعًا فَأَكْثَرَ وَ (لَمْ يَقْعُدْ بَيْنَهُمَا) اسْتِحْسَانًا؛ لِأَنَّهُ بِقِيَامِهِ جَعَلَهَا صَلَاةً وَاحِدَةً،
اور تشہد کی مقدار بیٹھا پھر نماز کو توڑ دیا۔ کیونکہ وہ دوسرے دوگانہ میں شروع نہ ہوا تھا۔ یا وہ فرضوں میں شروع ہوا جبکہ یہ گمان کرتا تھا کہ یہ فرض اس کے ذمہ لازم ہیں پھر اس کی ادائیگی یاد آ گئی تو وہ نفل ہو جائیں گے۔ اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ کیونکہ اسے ساقط کرنے کے لئے شروع کیا گیا ہے لازم کرنے کے لئے شروع نہیں کیا گیا۔ یا اس نے چار یا زائد رکعات پڑھیں اور درمیان میں نہ بیٹھا۔ یہ بطور استحسان ہے۔ کیونکہ قیام کے ساتھ اس نے اسے ایک نماز بنا دیا۔

ہوگی اسی طرح مقتدی پر چار رکعات لازم ہوں گی اگرچہ تشہد میں وہ امام کی اقتدا کرے۔ اس پر قیاس کر لو۔ ''ح''

5814۔ (قولہ: وَقَعَدَ قَدْرَ التَّشَهُّدِ) یعنی دونوں رکعتوں میں قراءت کی اور تشہد کی مقدار بیٹھا۔

5815۔ (قولہ: أَوْ شَرَعَ فِي فَرْضٍ ظَانًّا الخ) یہ سابقہ قول شرع فیه قصدًا کے مفہوم کی تصریح ہے جس طرح مصنف نے اسے بیان کیا ہے۔ ''ط''۔

5816۔ (قولہ: غَيْرَ مَضْمُونٍ) یعنی اسے قضا لازم نہ ہوگی اگر اسے فی الحال فاسد کر دیا ہو۔ اگر اس نے اسے جاری رکھنے کو اپنایا پھر اسے فاسد کیا تو اس کی قضا اس پر لازم ہو جائے گی۔ جس طرح شارح نے اسے پہلے بیان کیا ہے۔ اور ہم اس پر پہلے (مقولہ 5773 میں) کلام کر چکے ہیں۔ اسی طرح اس پر قضا واجب نہیں ہوگی جو اس میں، اس کی نفل نماز کی نیت سے اقتدا کرے۔ جس طرح ''تاتارخانیہ'' میں ہے۔ اس میں بھی ہم پہلے (مقولہ 5771 میں) گفتگو کر آئے ہیں۔

5817۔ (قولہ: لِأَنَّهُ شَرَعَ مُسْقِطًا الخ) کیونکہ جو یہ گمان کرتا ہے کہ اس پر فرض نماز ہے وہ اس میں شروع ہوتا ہے تا کہ اس کے ذمہ میں جو ہے اسے ساقط کر دے نہ کہ وہ اپنے اوپر کسی اور نماز کو لازم کرنے کے لئے نماز شروع کرتا ہے۔ جب ادائیگی یاد آنے کے ساتھ اس کی نماز نفل ہو گئی تو وہ ایسی نماز ہوگی جس کو اس نے لازم نہیں کیا۔ پس اس کی قضا لازم نہ ہوگی اگر وہ اس کو فاسد کرے۔

5818۔ (قولہ: أَوْ صَلَّى أَرْبَعًا) یعنی تمام رکعات میں قراءت کی۔ ''ح''۔

5819۔ (قولہ: فَأَكْثَرَ) یہ اصح قول کے خلاف ہے۔ جس طرح ہم نے پہلے (مقولہ 5764 میں) ''البدائع'' اور ''الخلاصہ'' سے نقل کیا ہے۔ ''تاتارخانیہ'' میں ہے: اگر اس نے تین رکعات نماز نفل پڑھی اور دو رکعتوں کے اختتام پر قعدہ نہ کیا تو اصح یہ ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی۔ اگر چھ یا آٹھ ایک قعدہ کے ساتھ نفل پڑھے تو اس میں علما نے اختلاف کیا ہے۔ اصح یہ ہے کہ یہ نماز بطور استحسان اور بطور قیاس فاسد ہو جائے گی۔ لیکن تراویح میں علما نے اس کی تصحیح کی ہے کہ اگر اس نے تمام رکعات کو ایک قعدہ کے ساتھ اور ایک سلام کے ساتھ پڑھا تو یہ دو رکعتوں کے قائم مقام ہوں گی۔ پس تصحیح میں اختلاف ہے۔

5820۔ (قولہ: اسْتِحْسَانًا) قیاس یہ ہے کہ پہلا شفع فاسد ہو جاتا ہے جس طرح امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ یہ

فَتَبْقَى وَاجِبَةً، وَالْخَاتِمَةُ هِيَ الْفَرِيضَةُ، وَفِي التَّشْرِيحِ صَلَّى أَلْفَ رَكْعَةٍ وَلَمْ يَقْعُدْ إِلَّا فِي آخِرِهَا صَحَّ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ، وَيَسْجُدُ لِلسَّهْوِ وَلَا يُثْنِي وَلَا يَتَعَوَّذُ فَلْيُحْفَظْ (وَيَتَنَفَّلُ مَعَ قُدْرَتِهِ عَلَى الْقِيَامِ

پس وہ قعدہ واجب رہے گا اور آخری قعدہ فرض رہے گا۔ "التشریح" میں ہے: ایک آدمی نے ہزار رکعات پڑھیں اور قعدہ نہ کیا مگر آخر میں قعدہ کیا تو یہ صحیح ہوگا۔ امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اور وہ سجدہ سہو کرے گا اور وہ ثنا نہیں پڑھے گا اور تعوذ نہیں پڑھے گا پس اسے یاد رکھا جانا چاہئے۔ اور قیام پر قدرت ہوتے ہوئے

اس پر مبنی ہے کہ یہ دوگانہ نماز ہے، پس اس میں قعدہ فرض ہوگا۔

5821۔ (قولہ: فَتَبْقَى وَاجِبَةً الخ) جس طرح اس کی مثل میں ہے جو چار رکعتوں والا فرض ہے کیونکہ اس میں پہلا قعدہ واجب ہوتا ہے اس کے ترک سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ فرض قعدہ جس کے ترک سے نماز باطل ہو جاتی ہے وہ آخری قعدہ ہے۔

5822۔ (قولہ: وَفِي التَّشْرِيحِ) بعض نسخوں میں الترشیح ہے را، شین سے مقدم ہے۔ بعض نسخوں میں توشیح ہے اس میں را کے بدلے واؤ ہے یہی مشہور ہے۔ یہ "سراج ہندی" کی "ہدایہ" کی شرح کا نام ہے۔

5823۔ (قولہ: صَحَّ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ) امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ پہلے قعدہ کے ترک کرنے سے دوگانہ کے فاسد ہونے کا قول کرتے ہیں جس طرح قیاس ہے۔ جبکہ یہ گزر چکا ہے۔ لیکن ان کا قول صح اس پر مبنی ہے کہ جو چار سے زائد ہے وہ استحسان جاری کرنے میں چار کی طرح ہے۔ یہ بعض مشائخ کا قول ہے۔ اس کی تصحیح میں جو اختلاف ہے تو اسے جان چکا ہے۔

5824۔ (قولہ: وَيَسْجُدُ لِلسَّهْوِ) خواہ اس نے قعدہ کو جان بوجھ کر یا بھول کر ترک کیا۔ ہاں جان بوجھ کر ترک کرنے کی صورت میں اسے سجدہ عذر کا نام دیا جائے گا۔ "حلبی" نے "النہر" سے نقل کیا ہے۔ عنقریب یہ آئے گا کہ جان بوجھ کر ایسا کرے تو قابل اعتماد قول سجدہ کا نہ ہونا ہے۔ "ط"۔

5825۔ (قولہ: وَلَا يُثْنِي وَلَا يَتَعَوَّذُ) کیونکہ دونوں، نماز کے شروع میں ہوتے ہیں اور دوگانہ علیحدہ نماز نہیں ہوتی مگر جب وہ پہلے دوگانہ کے لئے قعدہ کرے۔ جب اس نے قعدہ نہ کیا تو تمام نماز کو ایک نماز بنا دیا جائے گا۔ "ح"۔

قیام پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر نوافل پڑھنے کا جواز

5826۔ (قولہ: وَيَتَنَفَّلُ الخ) اصح قول کے مطابق فجر کی سنتوں کے علاوہ میں وہ ایسا کر سکتا ہے۔ جس طرح مصنف نے پہلے اسے بیان کیا ہے۔ سنت تراویح کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ تاکید میں اس سے درجہ میں کم ہیں پس وہ بیٹھ کر بھی صحیح ہیں۔ اگرچہ نسل در نسل جو معمول چلا آ رہا ہے اور سلف صالحین کا جو عمل ہے اس کے خلاف ہے۔ جس طرح "البحر" میں ہے۔ اس میں نذر مانا ہوا نفل داخل ہوگا۔ کیونکہ جب اس نے قیام کا ذکر نہیں کیا تو صحیح قول کے مطابق قیام لازم نہ ہوگا۔ جس طرح "المحیط" میں ہے۔ "فخر الاسلام" نے کہا: یہ صحیح جواب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قیام اسے لازم ہوگا۔ "الفتح"

قَاعِدًا) لَا مُضْطَجِعًا إِلَّا بِعُذْرٍ (ابْتِدَاءً وَ) كَذَا (بِنَاءً) بَعْدَ الشُّرُوعِ بِلَا كَرَاهَةٍ فِي الْأَصَحِّ كَعَكْسِهِ، بَحْرٌ
وہ بیٹھ کر نفل نماز پڑھ سکتا ہے۔ پہلو کے بل نہیں پڑھ سکتا مگر عذر کے ساتھ ایسا کرسکتا ہے۔ وہ ابتداءً نفل بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے اسی طرح شروع کرنے کے بعد بناءً بھی نفل بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے۔ اصح قول کے مطابق اس میں کوئی کراہت نہیں۔ اسی طرح اس کے برعکس بھی کرسکتا ہے،''بحر''۔

میں اسے اختیار کیا ہے۔''نہر''۔

5827۔ (قولہ: قَاعِدًا) یعنی بیٹھنا جس حالت میں بھی ہو، اختلاف افضل میں ہے۔ جس طرح آگے (مقولہ 5835 میں) آئے گا۔

5828۔ (قولہ: لَا مُضْطَجِعًا) اسی طرح اگر اس نے کبڑا ہونے کی حالت میں نماز کو شروع کیا جو رکوع کے قریب تھا تو یہ صحیح نہ ہوگا،''بحر''۔ اور جو یہ ذکر کیا ہے کہ ہمارے نزدیک عذر کے بغیر پہلو کے بل نفل پڑھنا صحیح نہیں تو اسے''البحر'' میں''الاکمل'' سے نقل کیا ہے جو''المشارق'' پر ان کی شرح ہے۔ اور''الخف'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ کمال نے''الفتح'' میں ذکر کیا ہے: ہمارے مذہب میں اس کے جواز کو میں نہیں جانتا۔ یہ فرض میں بیٹھنے سے عاجز آنے کی صورت میں جائز ہوتا ہے۔ لیکن''الامداد'' میں ذکر کیا ہے۔''معراج'' میں اشارہ ہے کہ ہمارے نزدیک جواز میں اختلاف ہے جس طرح شافعیہ کے نزدیک ہے۔

5829۔ (قولہ: ابْتِدَاءً وَ) یہ دونوں اسماء، ظرف زمان ہونے کے اعتبار سے منصوب ہیں۔ کیونکہ یہ وقت کے نائب ہیں یعنی وقت ابتداء و وقت بناء۔''ط''۔

5830۔ (قولہ: كَذَا بِنَاءً الخ) شارح نے کذا کے ساتھ فاصلہ کیا ہے۔ کیونکہ''صاحبین'' رحمہما اللہ کا اس میں اختلاف ہے۔''الخزائن'' میں کہا: بناءً کا معنی یہ ہے کہ کھڑے ہو کر اس نے نماز شروع کی پھر پہلی رکعت یا دوسری رکعت میں عذر کے بغیر بیٹھ گیا۔ یہ بطور استحسان ہے۔''صاحبین'' رحمہما اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ کیا''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ مکروہ ہے؟ اصح یہ ہے کہ مکروہ نہیں۔ جہاں تک پہلے دوگانہ میں بیٹھنے کا تعلق ہے تو اس کا جواز بالاتفاق ہونا چاہئے۔ جس طرح اگر وہ بیٹھ کر شروع کرے پھر کھڑا ہو جائے۔''حلبی'' وغیرہ نے اسی طرح کہا ہے۔

''خزائن'' کے قول (الاصح لا) کے حاشیہ میں لکھا گیا ہے: اس میں''الدرر''،''الوقایہ'' اور''النقایہ'' وغیرہ پر رد ہے۔ کیونکہ انہوں نے کراہت کو جزم و یقین سے بیان کیا ہے۔

5831۔ (قولہ: فِي الْأَصَحِّ) یہ ان کے قول بلا کراھۃ کی طرف راجع ہے۔ جس طرح تیرے علم میں ہے۔ فافہم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول مبارک

5832۔ (قولہ: كَعَكْسِهِ) اس سے مراد ہے اگر اس نے بیٹھ کر نوافل شروع کئے پھر کھڑا ہو گیا تو یہ بالاتفاق جائز ہو گا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل مبارک ہے۔ جس طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھ کر نوافل

وَفِيهِ أَجْرُ غَيْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى النِّصْفِ إِلَّا بِعُذْرٍ

اور بیٹھ کر نفل پڑھنے کی صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کے لئے نصف اجر ہوگا۔ مگر عذر کی صورت میں ہو تو پورا اجر ہوگا۔

شروع کرتے، آپ اپنا ورد پڑھتے یہاں تک کہ دس آیات وغیرہ باقی ہوتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے۔ اور دوسری رکعت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح کیا کرتے تھے (1)۔

''التجنیس'' میں ہے: افضل یہ ہے کہ وہ کھڑا ہو اور کچھ قراءت کرے پھر رکوع کرے تا کہ سنت کے موافق ہو جائے۔ اگر وہ قراءت نہ کرے لیکن سیدھا کھڑا ہو جائے پھر رکوع کرے تو یہ جائز ہوگا۔ اگر وہ سیدھا کھڑا نہ ہو اور رکوع کرے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ کھڑے کھڑے رکوع نہیں ہوتا اور نہ ہی بیٹھے بیٹھے رکوع ہوتا ہے۔ ''بحر''۔

5833۔ (قولہ: وَفِيهِ) ضمیر سے مراد ''البحر'' ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت

5834۔ (قولہ: أَجْرُ غَيْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) جہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعلق ہے تو یہ آپ کے خصائص میں سے ہے کہ قیام پر قدرت ہونے کے باوجود آپ کے بیٹھ کر نفل کھڑے ہونے کی حالت میں نفل کی طرح ہیں۔ ''صحیح مسلم'' میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے میں نے عرض کی: یا رسول اللہ مجھے بیان کیا گیا کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے صلاۃ الرجل قاعدًا علی نصف الصلاۃ، وانت تصلی قاعدًا (2) فرمایا: ہاں۔ لیکن میں تم سے کسی ایک کی طرح نہیں ہوں، ''بحر'' ملخص۔ کیونکہ یہ جواز کے بیان کی تشریح ہے جبکہ یہ آپ پر واجب ہے۔

کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی فضیلت

5835۔ (قولہ: عَلَى النِّصْفِ إِلَّا بِعُذْرٍ) جہاں تک عذر ہونے کی صورت کا تعلق ہے تو اس کا ثواب کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی صورت میں ثواب سے کم نہیں ہوگا۔ کیونکہ کتاب الجہاد میں ''بخاری شریف'' کی حدیث ہے: جب بندہ مریض ہو جائے یا سفر کرے تو اس کے حق میں اس کی مثل ثواب لکھا جاتا ہے جو وہ حالت اقامت اور حالت صحت میں عمل کیا کرتا تھا (3)۔ ''فتح''۔ ''النہایہ'' میں اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ ''البحر'' میں نووی نے بعض علما سے جو حکایت بیان کی ہے اس کے ساتھ اعتراض کیا ہے۔ انه علی النصف مع العذر ایضًا پھر ''المجتبیٰ'' سے نقل کیا ہے: عاجز کا اشارہ کرنا، کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے سے افضل ہے۔ کیونکہ یہ بے بس کی مشقت ہے۔

اس میں جو ضعف ہے وہ مخفی نہیں۔ بلکہ ظاہر مساوات ہے۔ جس طرح ''النہایہ'' میں ہے۔

لیکن ''قہستانی'' نے اس کا ذکر کیا ہے جو ''المجتبیٰ'' میں ہے۔ پھر کہا: لیکن ''الکشف'' میں ہے: شیخ ابو معین نسفی نے کہا:

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ القاعد، جلد 1، صفحہ 357، حدیث نمبر 817

2۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب جواز النافلۃ قائما و قاعدا، جلد 1، صفحہ 724، حدیث نمبر 1264

3۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب یکتب للمسافر، جلد 2، صفحہ 164، حدیث نمبر 2774

(وَلَا يُصَلِّي بَعْدَ صَلَاةٍ) مَفْرُوضَةٍ (مِثْلَهَا) فِي الْقِرَاءَةِ أَوْ فِي الْجَمَاعَةِ، أَوْ لَا تُعَادُ عِنْدَ تَوَهُّمِ الْفَسَادِ

اور فرض نماز کے بعد قراءت یا جماعت میں اسی جیسی نماز نہ پڑھے یا فساد کے وہم کی بنا پر اس کا اعادہ نہ کیا جائے گا۔

معذور لوگوں جیسے اشارہ کرنے والے وغیرہ کی تمام عبادات، گناہ زائل کرنے میں کامل عبادات کے قائم مقام ہوتی ہیں، نہ کہ فضیلت کو جمع کرنے کی صورت میں کامل نماز کے قائم مقام ہوں گی۔

میں کہتا ہوں: یہ بعض علما کے گزشتہ قول کے موافق ہے۔ اس کی تائید ''بخاری شریف'' کی حدیث کرتی ہے: جس نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو وہ افضل ہے اور جس نے بیٹھ کر نماز پڑھی تو اس کے لئے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کے اجر کے مقابلہ میں نصف اجر ہے۔ جس نے لیٹ کر نماز پڑھی اس کے لئے بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے اجر کے نصف اجر ہوگا (1)۔ کیونکہ جو اس میں داخل ہوتا ہے وہ عمومی طور پر عاجز ہوتا ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ لیٹ کر نماز پڑھنا ہمارے نزدیک عذر کے بغیر صحیح نہیں جبکہ اس کے لئے بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے اجر کا نصف بنادیا گیا ہے۔ یہاں زیادہ کلام کی گنجائش ہے جس کو طلب کیا جا سکتا ہے، اس سے جو ہم نے ''البحر'' میں تعلیق لکھی ہے۔

5836۔ (قولہ: وَلَا يُصَلِّي الخ) یہ وہ لفظ ہے جسے ''ابن ابی شیبہ'' نے حضرت عمر سے روایت کیا ہے۔ (2) امام محمد کے کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ ''فتح''۔

5837۔ (قولہ: فِي الْقِرَاءَةِ الخ) جب حدیث کا ظاہر معنی بالاجماع مراد نہیں، کیونکہ ظہر اور عصر کے فرائض ان کی سنتوں کے بعد ادا کئے جاتے ہیں، تو اس کا حمل اخص الخصوص پر واجب ہوگا۔ ''الجامع الصغیر'' میں ہے: یہ ارادہ کیا وہ ظہر کے بعد نفلی نماز نہ پڑھے جس کی دو رکعات قراءت کے ساتھ اور دو رکعات بغیر قراءت کے ہوں تا کہ وہ فرض کی مثل ہو جائے۔ فخر الاسلام نے کہا: اگر اسے اس پر محمول کیا جائے کہ ایسی مسجد میں جماعت کا تکرار ہو جس کے اہل ہیں یا اسے اس پر محمول کیا جائے کہ فساد کے وہم کی بنا پر نماز کی قضا کرے تو یہ صحیح ہوگا۔ ''نہر''۔ اور فخر الاسلام سے جو ذکر کیا ہے اسے ''البحر'' میں بھی ''قاضی خان'' کی ''شرح الجامع الصغیر'' سے نقل کیا ہے۔ پھر ''البحر'' میں کہا: حاصل کلام یہ ہے کہ نماز کا تکرار اگر جماعت کے ساتھ مسجد میں پہلی ہیئت پر ہو تو یہ مکروہ ہے ورنہ اگر ایسے وقت میں ہو جس میں فرض کے بعد نفل مکروہ ہوتے ہیں تو وہ مکروہ ہو گی۔ جس طرح صبح اور عصر کے فرائض کے بعد ہے۔ اگر ادا کردہ نماز میں کسی خلل کی وجہ سے ہو، اگر وہ خلل محقق ہو یا تو واجب کے ترک کرنے کے ساتھ ہو یا مکروہ کے ارتکاب کے ساتھ ہو تو مکروہ نہ ہوگی بلکہ واجب ہوگی۔ جس طرح ''الذخیرہ'' میں اس کی تصریح کی اور کہا: نہی اسے شامل نہ ہوگی۔ اور اگر وہ خلل محقق نہ ہو بلکہ وسوسہ سے پیدا ہو تو وہ مکروہ ہوگی۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب تقصیر الصلاۃ، باب صلاۃ القاعد، جلد 1، صفحہ 500، حدیث نمبر 1048

2۔ نصب الرایہ، کتاب الصلاۃ، فصل فی القراءۃ، جلد 2، صفحہ 144

لِلنَّهْيِ وَمَا نُقِلَ أَنَّ الْإِمَامَ قَضَى صَلَاةَ عُمْرِهِ فَإِنْ صَحَّ نَقُولُ كَانَ يُصَلِّي الْمَغْرِبَ وَالْوِتْرَ أَرْبَعًا بِثَلَاثِ قَعَدَاتٍ (وَيَقْعُدُ) فِي كُلِّ نَفْلِهِ

کیونکہ اس بارے میں نہی موجود ہے۔ اور جو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں نقل کیا گیا ہے کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عمر کی نماز کی قضا کی، اگر یہ صحیح ہو تو ہم کہیں گے آپ مغرب اور وتر کو چار رکعات تین قعدوں کے ساتھ ادا فرماتے۔ اور وہ اپنے تمام نفلوں میں اسی طرح بیٹھے گا

5838۔ (قولہ: لِلنَّهْيِ) یہ ان کے قول ولا یصلی الخ کی علت ہے۔ اور نہی مذکورہ حدیث ہے (جو مقولہ 5836) میں ہے۔

5839۔ (قولہ: وَمَا نُقِلَ الخ) یہ اس سوال کا جواب ہے جو تیسری صورت پر وارد ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ منقول نہی کو اس پر محمول کرنے کے منافی ہے۔ کیونکہ یہ بعید ہے کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے جو نماز پڑھی ہو وہ ایسے خلل پر مشتمل ہو جو محقق ہو یعنی مکروہ ہو یا واجب کا ترک ہو۔ بلکہ ظاہر یہ ہے کہ آپ نے اس نماز کا اعادہ کیا جو آپ نے پڑھی تھی۔ یہ اعادہ محض احتیاط اور فساد کے وہم کی وجہ سے تھا۔ پس آپ کے مذہب میں یہ نہی کو تیسری صورت پر محمول کرنے کے منافی ہوگا۔

پہلا جواب یہ ہے کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نقل صحیح نہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے اگر یہ نقل صحیح ہو تو ہم کہیں گے کہ آپ مغرب اور وتر کی چار رکعات تین قعدوں میں ادا کرتے۔ جس طرح ''البحر'' میں ''مآل الفتاوی'' سے نقل کیا ہے۔ یعنی اس وقت نماز کا اعادہ محض فساد کے وہم کی بنا پر ہوگا جو مکروہ نہ ہوگا۔ پس نہی اس صورت کے علاوہ پر محمول ہوگی۔ لیکن جب نماز اس تعبیر کی بنا پر نفل بننے کا احتمال رکھتی تھی اور تین نفل پڑھنا مکروہ ہیں تو ہم کہتے ہیں آپ مغرب اور وتر کے ساتھ ایک رکعت ملاتے۔ اور اس احتمال کی بنا پر کہ جو نماز آپ نے پہلے پڑھی ہوگی وہ صحیح ہوگی تو یہ نماز نفل ہو جائے گی اور تین رکعات کی انتہا پر قعدہ کی زیادتی اسے باطل نہیں کرتی۔ اور اس کے فاسد ہونے کے احتمال پر یہ نماز ایسا فرض ہو جائے گی جس کی قضا کی گئی ہے اور اس پر ایک رکعت کی زیادتی اسے باطل نہیں کرتی۔ اور یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ جو امر بدعت اور واجب واقع ہونے میں دائر ہو اسے ترک نہیں کیا جائے گا۔ اور جو سنت اور واجب ہونے میں گھومے اس کا معاملہ مختلف ہے۔ لیکن تجھ پر یہ امر مخفی نہیں کہ اعتراض کا جواب پہلا ہے۔ جہاں تک دوسرے جواب کا تعلق ہے۔ وہ اسی کی وضاحت کرنے والا اور اسے پختہ کرنے والا ہے۔ لیکن یہ کچھ فائدہ نہیں دیتا کیونکہ صحت نقل ثابت نہیں۔ اس وقت مناسب قضا کا مکروہ ہونا ہے کیونکہ فساد کا وہم ہے۔ جس طرح ''فخر الاسلام'' اور ''قاضی خان'' نے کہا ہے۔ پس شارح کو چاہیے کہ وہ پہلے جواب پر اقتصار کرتے لیکن میں نے ''تتارخانیہ'' کی فصل قضاء الفوائت میں دیکھا: صحیح یہ ہے کہ یہ قضا جائز ہے مگر فجر اور عصر کی نماز کے بعد صحیح نہیں۔ اور فساد کے شبہ میں کثیر سلف صالحین نے اس طرح کہا ہے۔ اور اس تعبیر پر حدیث کو تیسری صورت پر محمول کرنا صحیح نہیں۔

5840۔ (قولہ: وَيَقْعُدُ فِي كُلِّ نَفْلِهِ الخ) یعنی وہ اپنے تمام نوافل میں اسی طرح بیٹھے گا صرف تشہد میں اس طرح نہیں بیٹھے گا۔ یہ مسئلہ سابقہ مسئلہ کا تتمہ ہے۔ چاہیے یہ تھا کہ اس کا ذکر اس قول ولا یصلی سے پہلے ہوتا۔

(كَمَا فِي التَّشَهُّدِ عَلَى الْمُخْتَارِ) (وَ) يَتَنَفَّلُ الْمُقِيمُ (رَاكِبًا خَارِجَ الْمِصْرِ) مَحَلَّ الْقَصْرِ

جس طرح وہ تشہد میں بیٹھا کرتا ہے۔ یہ مختار مذہب کے مطابق ہے۔ اور مقیم آدمی نفل نماز شہر سے باہر جو نماز قصر کا محل ہو،

5841۔ (قوله: كَمَا فِي التَّشَهُّدِ) یعنی تمام نمازوں کے تشہد۔ اور اسی کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حالت تشہد میں کوئی اختلاف نہیں۔ جس طرح ''البحر'' میں ہے۔

5842۔ (قوله: عَلَى الْمُخْتَارِ) یہ امام زفر کا قول ہے اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت ہے۔ ابولیث نے کہا: اسی پر فتویٰ ہے۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی مروی ہے کہ قعود، چوکڑی مار کر بیٹھنے اور احتباء میں اسے اختیار ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ''البحر'' میں ہے۔ ''النہر'' میں یہ بیان کیا کہ اختلاف افضل کی تعیین میں ہے اور جواز کے حصول میں کوئی شک نہیں وہ کسی صورت میں بھی ہو۔

تنبیہ

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مختار قول کا ظاہر معنی یہ ہے کہ حالت قراءت میں وہ اپنے دونوں ہاتھ اپنی دونوں رانوں پر رکھے جس طرح وہ حالت تشہد میں کرتا ہے۔ لیکن شارح کی کلام میں اذا اراد الشہوع کی فصل کے تحت ان کے قول ووضع یمینہ علی یسارہ کے بیان میں ''مجمع الانہار'' سے مروی گزر چکا ہے کہ قیام سے مراد عام ہے۔ کیونکہ بیٹھنے والا بھی اسی طرح کرتا ہے یعنی وہ اپنا دائیں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتا ہے۔ ''حاشیہ المدنی'' میں ہے اور ''منلا علی قاری کا قول ''النقایہ'' کے قول فی کل قیام میں اسی کی تائید کرتا ہے۔ یعنی وہ قیام حقیقی ہو یا حکمی ہو جس طرح جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے''۔

چوپائے پر نماز

5843۔ (قوله: وَيَتَنَفَّلُ الْمُقِيمُ الخ) یعنی عذر کے بغیر مقیم سوار ہو کر نوافل پڑھے۔ نفل کو مطلق ذکر کیا ہے یہ فجر کی سنتوں کے علاوہ تمام سنت مؤکدہ کو شامل ہوگا۔ جس طرح (مقولہ 5701 میں) گزر چکا ہے۔ مقیم کا ذکر کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مسافر کا حکم بدرجہ اولیٰ اسی طرح ہے۔ اور نفل کا لفظ ذکر کر کے فرض اور واجب کی تمام انواع سے احتراز کیا ہے جیسے وتر اور منذور، اور جو شروع کرنے اور فاسد کرنے سے لازم ہوتے ہیں، نماز جنازہ، اور سجدہ تلاوت جس کی آیت زمین پر تلاوت کی گئی ہو۔ یہ عذر کے بغیر سواری پر جائز نہیں کیونکہ اس میں کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔ جس طرح ''البحر'' میں ہے۔

5844۔ (قوله: رَاكِبًا) بالاجماع پیدل چلنے والے کی نماز جائز نہیں ہوتی۔ ''بحر'' میں ''المجتبیٰ'' سے مروی ہے۔

5845۔ (قوله: خَارِجَ الْمِصْرِ) یہی مشہور ہے، شیخین کے نزدیک یہ شہر میں جائز ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ کیونکہ یہ خشوع کے مانع ہے۔ اس کی مکمل بحث ''الحلبہ'' میں ہے۔

5846۔ (قوله: مَحَلَّ الْقَصْرِ) یہ نصب کے ساتھ خارج المصر سے بدل ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ یہ قول دیہات اور خیموں کے خارج کو شامل ہے ''ح''۔ یعنی وہ محل جس میں نمازی کے لئے قصر کرنا جائز ہوتا ہے۔ یہی قول صحیح ہے۔ ''بحر''۔

(مُومِئًا) فَلَوْ سَجَدَ اُعْتُبِرَ إِيمَاءً؛ لِأَنَّهَا إِنَّمَا شُرِعَتْ بِالْإِيمَاءِ (إِلَى أَيِّ جِهَةٍ تَوَجَّهَتْ دَابَّتُهُ) وَلَوْ ابْتِدَاءً عِنْدَنَا، أَوْ عَلَى سَرْجِهِ نَجَسٌ كَثِيرٌ عِنْدَ الْأَكْثَرِ،

سوار ہوکر اشاروں سے پڑھ سکتا ہے۔ اگر وہ سجدہ کرے گا تو اشارہ کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ اشارہ کے ساتھ مشروع کی گئی ہے جس جہت بھی اس کی سواری کا منہ ہو اگرچہ وہ نماز کی ابتدا کرے، یہ ہمارے نزدیک ہے۔ یا اس کی زمین پر کثیر نجاست ہو یہ اکثر علما کے نزدیک ہے۔

ایک قول کیا گیا ہے: جب وہ ایک میل تجاوز کر جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب دو فرسخ تجاوز کر جائے یا تین فرسخ تجاوز کر جائے۔ ''قہستانی''۔

5847۔ (قولہ: مُومِئًا) اس لفظ کے آخر میں ہمزہ یا کی بنسبت زیادہ آتا ہے۔ ''المغرب'' میں کہا: تو کہتا ہے: او مأت الیہ، تو او میت الیہ نہیں کہتا۔ بعض اوقات عرب اومی ہمزہ کے بغیر استعمال کرتے ہیں۔

5848۔ (قولہ: فَلَوْ سَجَدَ) اگر اس نے ایسی شے پر سجدہ کیا جسے اس نے اپنے سامنے رکھا تھا یا زین پر سجدہ کیا تو یہ اشارہ ہوگا۔ اس میں یہ لازم ہے کہ اس کا سجدہ زیادہ پست ہو۔

5849۔ (قولہ: إِلَى أَيِّ جِهَةٍ تَوَجَّهَتْ دَابَّتُهُ) اگر اس نے سجدہ ایسی سمت میں کیا جس کی طرف اس کی سواری کا منہ نہیں تھا تو ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے یہ جائز نہیں ہوگا۔ ''بحر'' میں ''السراج'' سے مروی ہے۔

5850۔ (قولہ: وَلَوْ ابْتِدَاءً عِنْدَنَا) یعنی ہمارے نزدیک نماز شروع کرتے وقت قبلہ رو ہونا شرط نہیں۔ کیونکہ جب کعبہ کی سمت کے علاوہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا جائز ہے تو اس سمت کے علاوہ کی طرف منہ کر کے نماز شروع کرنا جائز ہے ''بحر''۔ اس کے ساتھ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے احتراز کیا ہے کیونکہ آپ ارشاد فرماتے ہیں: ابتدا میں یہ شرط ہے کہ قبلہ کی طرف منہ کرے جس طرح ''شرنبلالیہ'' میں ہے۔ ''ح''۔

میں کہتا ہوں: ''الحلبہ'' میں ''غایۃ السروجی'' سے نقل کیا ہے: یہ ''ابن مبارک'' کی روایت ہے جسے ''جوامع الفقہ'' میں ذکر کیا ہے۔ پھر احادیث کے ذکر کے بعد ذکر کیا کہ حرج نہ ہونے کی وجہ سے زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ مستحب ہے تا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث پر عمل ہو جائے (1) پھر کہا: ''ابن ملقن شافعی'' نے کہا: امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور ابو ثور کے نزدیک وہ بطور استحباب قبلہ کی طرف منہ کر کے شروع کرے پھر جیسے چاہے نماز پڑھے۔

5851۔ (قولہ: أَوْ عَلَى سَرْجِهِ الخ) اس کی مثل حکم رکاب (سوار کے پاؤں رکھنے کی جگہ) اور سواری کا ہے۔ کیونکہ ضرورت موجود ہے۔ یہ ظاہر مذہب ہے اور یہی اصح ہے۔ جب نجاست اس کی ذات پر ہو تو معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کے باقی رکھنے میں کوئی ضرورت نہیں۔ پس ''النہر'' میں جو قول ہے من ان القیاس یقتضی عدم المنع بما علیہ ساقط ہو گیا۔ (قیاس یہ تقاضا کرتا ہے کہ جو نمازی پر نجاست ہے وہ مانع نہیں) ''ط''۔ میں کہتا ہوں: اس تعبیر کی بنا پر وہ ناپاک جوتا اتار دے۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب التطوع علی الراحلۃ، جلد 1، صفحہ 442، حدیث نمبر 1036

وَلَوْ سَيَّرَهَا بِعَمَلٍ قَلِيلٍ لَا بَأْسَ بِهِ (وَإِذَا افْتَتَحَ) النَّفْلَ (رَاكِبًا ثُمَّ نَزَلَ بَنَى، وَفِي عَكْسِهِ لَا) لِأَنَّ الْأَوَّلَ أُدِّيَ أَكْمَلَ مِمَّا وَجَبَ وَالثَّانِي بِعَكْسِهِ (وَلَوْ افْتَتَحَهَا خَارِجَ الْمِصْرِ ثُمَّ دَخَلَ الْمِصْرَ أَتَمَّ عَلَى الدَّابَّةِ) بِإِيمَاءٍ (وَقِيلَ لَا) بَلْ يَنْزِلُ وَعَلَيْهِ الْأَكْثَرُ قَالَهُ الْحَلَبِيُّ، وَقِيلَ يُتِمُّ رَاكِبًا مَا لَمْ يَبْلُغْ مَنْزِلَهُ قُهُسْتَانِيٌّ،

اور اگر عمل قلیل کے ساتھ سواری کو چلایا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور جب ایک آدمی نے نفلی نماز سوار ہو کر شروع کی پھر وہ اتر پڑا تو نماز پر بنا کر لے۔ اور اس کے برعکس کیا تو بنا نہ کرے۔ کیونکہ پہلے نے اسے اکمل صورت میں ادا کیا جو اس پر واجب ہوا تھا اور دوسرے نے اس کے برعکس کیا ہے۔ اگر ایک آدمی نے نماز کو شہر سے باہر شروع کیا پھر شہر میں داخل ہوا تو اشارے کے ساتھ اپنی نماز سواری پر مکمل کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایسا نہ کرے بلکہ نیچے اترے۔ اس پر علماء کی اکثریت ہے۔ یہ ''حلبی'' نے کہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ سوار ہو کر نماز کو مکمل کرے جب تک اپنے گھر تک نہ پہنچے۔ ''قہستانی''۔

5852۔ (قولہ: وَلَوْ سيرهَا الخ) ''النہر'' میں بحث کرتے ہوئے ذکر کیا: یہ ان کے اس قول سے ماخوذ ہے جب اس نے اپنے پاؤں کو حرکت دی یا اپنی سوای کو مارا تو اس میں کوئی حرج نہیں، جب وہ زیادہ نہ ہو۔

میں کہتا ہوں: ''الذخیرہ'' میں جو قول ہے وہ اس پر دلالت کرتا ہے: اگر وہ خود ہی چل پڑتی ہے تو نمازی کی جانب سے ہانکنا درست نہیں بصورت دیگر اگر وہ اسے ہانکے تو کیا نماز فاسد ہو جائے گی؟ فرمایا: اگر نمازی کے پاس چھڑی ہو اور نمازی نے اس کے ساتھ اسے ڈرایا ہو اور اسے مہمیز کیا ہو تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔

5853۔ (قولہ: ثُمَّ نَزَلَ) یعنی عمل قلیل کے ساتھ اتر پڑا اس طرح کہ اپنے پاؤں کو دہرا کیا اور دوسری جانب نیچے اتر آیا۔ ''فتح''۔

5854۔ (قولہ: وَفِي عَكْسِهِ) اس طرح کہ اسے اٹھایا گیا اور سواری پر رکھ دیا گیا۔ ''فتح''۔

5855۔ (قولہ: لِأَنَّ الْأَوَّلَ الخ) اس کی وجہ یہ ہے کہ سوار کی تکبیر تحریمہ، رکوع وسجود کو جائز کرنے والی کے طور پر منعقد ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اترنے پر قادر تھا جب اس نے ان دونوں افعال کو کیا تو صحیح ہو گیا۔ اور جو نیچے ہوتا ہے اس کی تکبیر تحریمہ، رکوع وسجود کو واجب کرنے والی کے طور پر منعقد ہوئی، تو جو چیز اس پر لازم ہوئی بغیر عذر کے اس کے ترک پر قادر نہ ہوگا۔ ''بحر''۔

5856۔ (قولہ: أَتَمَّ عَلَى الدَّابَّةِ) کیونکہ اس کا نماز میں سوار ہونے کی حالت میں شروع ہونا صحیح ہے۔ پس یہ اس طرح ہو گیا جس طرح وہ نماز کو شروع کرے پھر سورج کا رنگ متغیر ہو جائے تو وہ اس نماز کو مکمل کرتا ہے اسی طرح یہ بھی ہے۔ ''تجنیس''۔

5857۔ (قولہ: وَعَلَيْهِ الْأَكْثَرُ) ''البحر'' وغیرہ میں کثیر کیساتھ اسے تعبیر کیا ہے۔ ''رحمتی'' نے یہ ذکر کیا کہ پہلا طریقہ شیخین کے قول پر مبنی ہے۔ کیونکہ شہر میں بھی اسی طرح نماز پڑھنا جائز ہے۔ اور دوسرا طریقہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ہے۔ آپ کے قول کا قرینہ ''التجنیس'' میں فصل القهقهة میں ہے: اگر اس نے شہر سے باہر نفل نماز سوار ہو

وَيَبْنِي قَائِمًا إِلَى الْقِبْلَةِ أَوْ قَاعِدًا، وَلَوْ رَكِبَ تَفْسُدُ؛ لِأَنَّهُ عَمَلٌ كَثِيرٌ بِخِلَافِ النُّزُولِ (وَلَوْ صَلَّى عَلَى دَابَّةٍ فِي) شِقِّ (مَحْمَلٍ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَى النُّزُولِ)

اور قبلہ کی جانب کھڑے ہو کر بنا کرے یا بیٹھ کر۔ اگر وہ سوار ہو تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ یہ عمل کثیر ہے۔ نیچے اترنے کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر ایک آدمی نے سواری پر محمل کے ایک حصہ میں نماز پڑھی جبکہ وہ خود ہی اترنے پر قادر تھا

کر شروع کی پھر وہ شہر میں داخل ہوا پھر قہقہہ لگایا تو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر کوئی وضو نہیں۔ امام ''ابویوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر وضو ہے۔ یہ ابتدائے نماز کو انتہائے نماز پر قیاس کرنے کی وجہ سے ہے۔

5858۔ (قولہ: وَيَبْنِي قَائِمًا الخ) یعنی جب وہ متن کے دونوں مسئلوں میں سواری سے نیچے اترا تو کھڑے ہو کر نماز پر بنا کرے گا۔

5859۔ (قولہ: وَلَوْ رَكِبَ الخ) متن کے سابقہ مسئلہ کو دوبارہ ذکر کیا تا کہ اس کی دوسری علت ذکر کریں۔ لیکن ''البحر'' میں ذکر کیا: ''غایۃ البیان'' میں اسے رد کیا ہے کہ اگر نمازی کو اٹھایا گیا اور اسے زین پر رکھ دیا گیا تو وہ بنا نہیں کرے گا جبکہ عمل پایا ہی نہیں گیا چہ جائیکہ عمل کثیر پایا جائے۔

''محشی'' نے ''شارح'' کی کلام کو اس صورت پر محمول کیا ہے جب وہ سوار ہو کر نماز شروع کرے پھر نیچے اترے۔ کیونکہ جب وہ اس کے بعد سوار ہو گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ سوار ہونا عمل کثیر ہے۔ کہا: اس تعبیر کی بنا پر اگر ایک شخص نے اسے اٹھایا اور اسے سواری پر رکھ دیا تو اس کی نماز فاسد نہ ہو گی۔ کیونکہ اس سے عمل نہیں پایا گیا۔

میں کہتا ہوں: لیکن ان کا قول لا تفسد نقل کا محتاج ہے پس اس کی طرف رجوع کیا جانا چاہئے۔ نیز شارح کے قول بخلاف النزول کا اس حمل پر کوئی محل نہیں۔ ''فتامل''۔

چوپائے پر فرائض اور واجبات کی ادائیگی کا حکم

5860۔ (قولہ: وَلَوْ صَلَّى عَلَى دَابَّةٍ الخ) اب اس بحث میں شروع ہوتے ہیں کہ ایک آدمی فرض اور واجب نماز سواری پر پڑھے۔ جس طرح اس پر اپنے اس قول ھذا کلہ فی الفرائض سے عنقریب متنبہ کریں گے۔

یہ جان لو کہ نوافل کے علاوہ جو فرائض اور واجبات ہیں اپنی تمام انواع کے ساتھ ضرورت کے علاوہ سواری پر صحیح نہیں۔ وہ ضرورت اپنی ذات، اپنی سواری یا کپڑوں پر چور کا خوف ہے اگر وہ سواری سے اترے، درندے اور مٹی وغیرہ کا خوف ہے جن کا ذکر آگے آئے گا۔ ایسے محمل میں نماز جو سواری پر ہو، سواری پر نماز ادا کرنے کی طرح ہے۔ وہ سواری پر اشاروں سے نماز پڑھے گا شرط یہ ہے اگر ممکن ہو تو سواری کو قبلہ کی طرف کھڑا کرے ورنہ جس قدر ممکن ہو۔ جب وہ سواری چل رہی ہو تو سواری پر نماز جائز نہیں جب وہ اس کو روکنے پر قادر ہو۔ بصورت دیگر جب اسے دشمن کا خوف ہو تو جس طرح قادر ہو نماز پڑھے۔ جس طرح ''الامداد'' وغیرہ میں ہے۔ اور اس پر نماز کا کوئی اعادہ نہیں جب وہ قادر ہو جس طرح مریض ہوتا ہے۔ ''خانیہ''۔ اشارہ کی قید سے

بِنَفْسِهِ (لَا تَجُوزُ الصَّلَاةُ عَلَيْهَا إِذَا كَانَتْ وَاقِفَةً إِلَّا أَنْ تَكُونَ عِيدَانُ الْمَحْمَلِ عَلَى الْأَرْضِ) بِأَنْ رَكَزَ تَحْتَهُ خَشَبَةً (وَأَمَّا الصَّلَاةُ عَلَى الْعَجَلَةِ إِنْ كَانَ طَرَفُ الْعَجَلَةِ عَلَى الدَّابَّةِ وَهِيَ تَسِيرُ أَوْ لَا) تَسِيرُ (فَهِيَ صَلَاةٌ عَلَى الدَّابَّةِ، فَتَجُوزُ فِي حَالَةِ الْعُذْرِ)

تو سواری پر نماز جائز نہ ہوگی، جب وہ سواری کھڑی ہو۔ مگر جب محمل کی لکڑیاں زمین پر لگی ہوں اسطرح کہ وہ محمل کے نیچے ایک لکڑی گاڑھ دے۔ جہاں تک اس نماز کا تعلق ہے جو گاڑی پر ہو اگر گاڑی کا ایک سرا جانور پر ہو جبکہ وہ چل رہی ہو یا نہ چل رہی ہو تو یہ سواری پر نماز ہوگی، جو اس عذر کی حالت میں جائز ہوگی،

یہ مستفاد ہوتا ہے کہ رکوع وسجود کا کوئی اعتبار نہیں۔ اسی وجہ سے ''شیخ اسماعیل'' نے ''المحیط'' سے نقل کیا ہے کھڑے یا بیٹھے ہوئے اونٹ پر نماز جائز نہیں اگر چہ وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے۔ مگر جب جنگل میں خوف کی کیفیت ہو تو اشارہ سے نماز پڑھے۔

5861۔(قولہ: بِنَفْسِهِ) اس قول کے ساتھ اس سے احتراز کیا ہے جب وہ مددگار کے بغیر قادر نہ ہو۔ کیونکہ غیر کی قدرت کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ جس طرح عنقریب (مقولہ 5871 میں) آئے گا۔ لیکن شرح الشیخ اسماعیل میں ''المجتبیٰ'' سے منقول ہے: اگر وہ قیام، اپنی سواری سے اترنے اور وضو کرنے پر قادر نہ ہو مگر وہ یہ افعال کسی کی مدد سے کر سکتا ہے جبکہ اس کا ایک خادم ہے جس کے منافع کا وہ مالک ہے تو ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے قول کے مطابق یہ اس پر لازم ہوگا۔ ''امام'' ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں نظر وفکر کی گنجائش ہے۔ اصح یہ ہے کہ یہ اس اجنبی میں لازم ہیں جو اس کی اطاعت کرتا ہے، جس طرح وہ پانی جس کو وضو کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں مکمل بحث آگے (مقولہ 5871 میں) آئے گی۔

5862۔(قولہ: إِذَا كَانَتْ وَاقِفَةً) یہی حکم بدرجہ اولیٰ ہوگا اگر وہ چل رہی ہو۔ اس کے ساتھ قید لگائی ہے کیونکہ ان کا قول ہے الا ان تکون عیدان المحمل الخ جس طرح ''شرنبلالی'' نے اس پر نص قائم کی ہے۔ ''ط''۔

5863۔(قولہ: عِيدَانُ الْمَحْمَلِ) یعنی اس کے پائے ہوں جس طرح چارپائی کے پائے ہوتے ہیں۔

5864۔(قولہ: بِأَنْ رَكَزَ تَحْتَهُ خَشَبَةً) زیادہ بہتر یہ تھا کہ کاف کے ساتھ تعبیر کرتے کیونکہ یہ تنظیر ہے تصویر نہیں۔ ''ط''۔

یہ اگر اس طرح ہو کہ محمل زمین پر قرار پذیر ہو جائے سواری پر قرار پذیر نہ ہو تو وہ زمین کے قائم مقام ہوگا۔ ''زیلعی''۔ اس محمل میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا صحیح ہوگا جس طرح ''نور الایضاح'' میں ہے۔

5865۔(قولہ: عَلَى الْعَجَلَةِ) عجلہ (چھکڑا، گڈ) وہ ہوتا ہے جس کو اجزاء ملا کر بنایا جاتا ہے، جیسے پالکی ہوتی ہے، جس پر سامان لادا جاتا ہے۔ ''مغرب''۔

5866۔(قولہ: أَوْ لَا تَسِيرُ) ''زیلعی'' اور ''الخانیہ'' میں اسی طرح ہے اسی کی مثل ''البحر'' میں ''الظہیریہ'' سے ہے۔

5867۔(قولہ: فَهِيَ صَلَاةٌ عَلَى الدَّابَّةِ) جب وہ گاڑی چل رہی ہو تو یہ ظاہر ہے۔ مگر جب وہ نہ چل رہی ہو اور وہ

الْمَذْكُورِ فِي التَّيَمُّمِ (لَا فِي غَيْرِهَا) وَمِنَ الْعُذْرِ الْمَطَرُ وَطِينٌ يَغِيبُ فِيهِ الْوَجْهُ وَذَهَابُ الرُّفَقَاءِ وَدَابَّةٌ لَا تُرْكَبُ إِلَّا بِعَنَاءٍ أَوْ بِمُعِينٍ وَلَوْ مَحْرَمًا، لِأَنَّ قُدْرَةَ الْغَيْرِ لَا تُعْتَبَرُ

جو عذر تیمم میں مذکور ہے۔ کسی اور عذر میں جائز نہ ہوگی۔ عذر میں سے بارش اور کیچڑ ہے جس میں چہرہ چھپ جاتا ہو، اور عذر میں سے ساتھیوں کا چلے جانا اور ایسی سواری کا ہونا جس پر مشقت یا مددگار سے سوار ہوا جا سکتا ہو اگرچہ ذی رحم محرم ہو۔ کیونکہ غیر کی قدرت کا اعتبار نہیں ہوتا۔

زمین پر ہو اور اس کی ایک طرف سواری پر ہو تو پھر یہ اشکال کا باعث ہے۔ کیونکہ یہ محمل کے حکم میں ہے جب اس کے نیچے کوئی لکڑی گاڑھ دی جائے۔ پس وہ زمین کی طرح ہو جائے گی۔ بعض اوقات اس کے ساتھ فرق بیان کیا جاتا ہے، جب اس کی ایک طرف زمین پر اور دوسری سواری پر ہو تو اس کا قرار صرف زمین پر نہ ہوا بلکہ زمین پر اور سواری پر ہوگا۔ محمل کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ محمل پر نماز پڑھنا صحیح ہوتا ہے جب اس کا قرار لکڑی کے واسطہ سے صرف زمین پر ہو سواری پر نہ ہو۔ تامل۔ اگر مکمل زمین پر ہو تو اس کا حکم عنقریب (مقولہ 5874 میں) آئے گا۔

وہ اعذار جن کے پائے جانے کی صورت میں سواری پر فرائض وغیرہ کی ادائیگی جائز ہے

5868۔ (قولہ: الْمَذْكُورِ فِي التَّيَمُّمِ) اس طرح کہ اسے اپنے مال، اپنی جان کے بارے میں خوف ہو یا عورت کو فاسق مرد سے خوف ہو۔ ''ط''۔

5869۔ (قولہ: لَا فِي غَيْرِهَا) عذر کی حالت نہ ہو تو پھر جائز نہیں۔ ''ح''۔

5870۔ (قولہ: وَطِينٌ يَغِيبُ فِيهِ الْوَجْهُ) یعنی مٹی اسے لت پت کر دے یا جو چیز اس پر پھیلائی جائے اس کو تلف کر دے۔ جہاں تک صرف تری کا تعلق ہے تو یہ اسے مباح نہیں کرتی۔ جس کی سواری نہ ہو وہ کیچڑ میں کھڑے اشارہ سے نماز پڑھے۔ جس طرح ''التجنیس''، ''المزید'' اور ''امداد'' میں ہے۔

غیر کی اعانت سے قادر کا حکم

5871۔ (قولہ: لِأَنَّ قُدْرَةَ الْغَيْرِ لَا تُعْتَبَرُ) یعنی ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک معتبر نہیں۔ اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک معتبر ہے۔ جس طرح ''البحر'' میں ہے۔ ''الخانیہ'' اور ''الکافی'' میں ہے: اگر سواری سرکش ہو، اگر وہ سواری سے نیچے اترے تو اس کے لئے سوار ہونا ممکن نہ ہو مگر مددگار سے ہی ممکن ہو یا وہ بوڑھا شیخ ہو، اگر وہ نیچے اترے تو اس کے لئے سوار ہونا ممکن نہ ہو اور وہ کسی ایسے فرد کو نہ پائے جو اس کی مدد کرے تو سواری پر نماز پڑھنا جائز ہوگا۔

پہلے مسئلہ کا ظاہر یہ ہے کہ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ہے۔ اور دوسرے مسئلہ کا ظاہر یہ ہے کہ وہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے قول پر ہے۔ مگر ''خانیہ'' وغیرہ کا قول ولا یجد من یعینہ دونوں مسئلوں کی طرف لوٹے۔ پس دونوں مسئلے ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے قول پر ہوں گے۔ ''تامل''

حَتَّى لَوْ كَانَ مَعَ أُمِّهِ مَثَلًا فِي شِقِّ مَحْمَلٍ، وَإِذَا نَزَلَ لَمْ تَقْدِرْ تَرْكَبُ وَحْدَهَا جَازَ لَهُ أَيْضًا كَمَا أَفَادَهُ فِي الْبَحْرِ فَلْيُحْفَظْ

یہاں تک کہ اگر وہ اپنی ماں کے ساتھ، مثلاً محمل میں تھا اور جب وہ اترتا تو وہ اکیلے سوار رہنے پر قادر نہ ہوتی تو اس کے لیے بھی اسی طرح جائز ہے۔ جس طرح کہ ''بحر'' میں مفاد ہے۔ اسے یاد رکھ۔

ہم نے ''المجتبیٰ'' سے قریب ہی قول نقل کیا ہے ان الاصح عندہ لزوم النزول لو وجد اجنبیا یطیعه (مقولہ 5861) اس وقت یہ سب کے نزدیک متفق علیہ ہوگا۔ جو ہم نے باب التیمم میں پہلے (مقولہ 2052 میں) بیان کیا ہے کہ جو آدمی پانی کے استعمال سے خود عاجز ہو، اگر وہ ایسا آدمی پائے جس پر اس کی طاعت لازم ہو جیسے اس کا غلام، اس کا بچہ اور اس کا مزدور تو اس پر بالاتفاق وضو لازم ہوگا۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر ان کے علاوہ کوئی ایسا فرد پائے جس سے وہ مدد طلب کرے تو وہ اس کی مدد کرے۔ جس طرح ظاہر مذہب میں اس کی بیوی ہے تو اس کا مقتضا بھی یہی ہے۔

جو قبلہ کی طرف منہ کرنے سے عاجز ہے یا ناپاک بستر سے دور ہونے سے عاجز ہے تو اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر یہ لازم نہیں۔ فرق یہ ہے کہ اسے کھڑا کیا جائے یا اسے بستر سے دور کیا جائے تو مرض کے زیادہ ہونے کا خوف ہوتا ہے وضو میں ایسا نہیں ہوتا، آخر تک جو ہم نے وہاں ذکر کیا ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ ساتھ ہی ہم عنقریب (مقولہ 6292 میں) باب صلاۃ المریض میں اس کا ذکر کریں گے۔ اس تعبیر کی بنا پر وہ آدمی جو مددگار پائے اور ایسا مریض نہ ہو کہ اترنے سے مرض بڑھے، اس کے سواری سے اترنے کے لازم ہونے، اور زمین پر نماز پڑھنے کے لازم ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ جہاں تک جو قول ''الخانیہ'' وغیرہا میں ہے: ''اگر ایک آدمی اپنی بیوی کو بیوی کے دیہات کی طرف سوار کر کے لے گیا اس عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ سواری پر نماز پڑھے جب وہ سوار ہونے اور اترنے پر قادر نہ ہو''۔ اسے اس پر محمول کیا جائے گا جب اس کا خاوند اسے نہ اتارے۔ اس کا قرینہ وہ ہے جو ''المنیہ'' میں ہے: عورت کے ساتھ جب محرم نہ ہو اس کی نماز سواری پر جائز ہوتی ہے جب وہ اترنے پر قادر نہ ہو۔

یہ اس سے بہتر ہے جو ''البحر'' میں ہے یعنی اس تفریع سے جو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ''الخانیہ'' میں ہے اور جو تفریع ''المنیہ'' میں ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے قول پر ہے۔ کیونکہ وہ ظاہر روایت کے خلاف ہے، اور کیونکہ اس کے خلاف ہے جس کو ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔ پس اس وضاحت کو غنیمت جانو۔

5872۔ (قولہ: حَتَّى لَوْ كَانَ الخ) یہ عذر پر تفریع ہے نہ کہ غیر کی قدرت کے ساتھ قدرت کے مسئلہ پر تفریع ہے۔ مگر تکلف سے یہ اس کی تفریع بن سکتی ہے۔ ''تامل''

پھر جان لو یہ مسئلہ صاحب ''البحر'' کے لئے سفر حج میں پیش آیا جب وہ اپنی ماں کے ساتھ حج پر گئے تھے اور یہ ذکر کیا: انہوں نے اس کا حکم نہیں دیکھا اور چاہیے کہ یہ جائز ہو''۔ میں نے کسی ایسے عالم کو نہیں دیکھا جس نے اس پر اعتراض کیا ہو۔ میں نے اس پر تعلیق لکھی ہے اس میں، میں نے لکھا ہے: بعض اوقات اس کے برعکس قول کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہاں آدمی

....

سواری سے اترنے پر قادر ہوتا ہے اور عورت کی جانب سے عجز عورت میں قائم ہوگا مرد میں قائم نہیں ہوگا۔ مگر جب یہ کہا جائے: عورت جب اکیلے سواری کرنے پر قادر نہ ہو تو اس سے محمل کا گرنا، سواری کا زخمی ہونا اور عورت کا مرجانا لازم آتا ہے۔ تو یہ ایسا عذر ہے جو مرد کی طرف راجع ہے جس طرح اسے اپنی ذات اور اپنے مال پر خوف ہو۔

تنبیہ

ایک چیز باقی رہ گئی ہے میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس کا ذکر کیا ہو، وہ یہ ہے کہ مسافر جب گزشتہ عذروں میں سے کسی عذر کی وجہ سے سواری سے اترنے سے عاجز ہو جبکہ وقت کے نکلنے سے پہلے عذر کے ختم ہو جانے کی امید ہے جس طرح ایک مسافر ہے جو حج کے قافلہ کے ساتھ سفر کر رہا ہے کیا اس کے لئے اجازت ہے کہ وہ سواری یا محمل میں اول وقت میں عشاء کی نماز پڑھ لے جب اسے اترنے سے ڈر ہو، یا نصف رات میں نماز کے لئے حاجیوں کے اترنے تک موخر کرے؟ میرے لئے جو امر ظاہر ہوا ہے وہ پہلا قول ہے۔ کیونکہ نمازی ارکان اور شروط کا اس وقت مکلف ہوتا ہے جب وہ نماز کا ارادہ رکھتا ہو اور نماز میں شروع ہو، اس کے لئے کوئی خاص وقت نہیں، اسی وجہ سے اس کے لئے جائز ہے کہ اول وقت میں تیمم کے ساتھ نماز پڑھ لے اگرچہ وقت نکلنے سے پہلے پانی کے پانے کی امید ہو۔ اور علما نے اس کی یہ علت بیان کی ہے کہ اس نے سبب کے انعقاد کے وقت موجود قدرت کے حساب سے نماز ادا کر دی ہے۔ اور سبب وہ ہی ہے جس کے ساتھ ادائیگی متصل ہے۔

ہمارا مسئلہ اسی طرح ہے لیکن میں نے ''القنیہ'' میں صاحب ''المحیط'' کی رمز دیکھی: کشتی میں سوار شخص جب بھیڑ کی وجہ سے سجدہ کی جگہ نہ پائے اگر وہ نماز کو موخر کرے تو بھیڑ کم ہوتی ہے پس وہ سجدہ کی جگہ پاتا ہے تو وہ نماز کو مؤخر کر دے اگرچہ وقت نکل ہی جائے۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا جو محبوس کے بارے میں قول ہے اس پر قیاس کی بنا پر ہے جب وہ پانی نہ پائے اور نہ ہی پاکیزہ مٹی پائے۔

لیکن تیمم میں یہ گزر چکا ہے کہ اصح یہ ہے کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا کہ وہ نماز کو مؤخر نہیں کرے گا بلکہ نمازیوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرے گا۔ میں نے ''الحلبہ'' کے باب التیمم میں ''المجتبیٰ'' سے مروی دیکھا: ایک مسافر ہے وہ اس پر قادر نہیں کہ وہ زمین پر نماز پڑھ سکے کیونکہ وہ ناپاک ہے اور زمین بارش سے تر ہو چکی ہے تو وہ اشارے کے ساتھ نماز پڑھ لے جب اسے وقت کے فوت ہو جانے کا خوف ہو۔

پھر کہا: اس کا ظاہر معنی یہ ہے جب اسے وقت کے فوت ہو جانے کا خوف نہ ہو تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ بلکہ ظاہر جواز ہے اگرچہ وقت کے فوت ہونے کا خوف نہ ہو جس طرح ان کے مطلق ذکر کرنے سے ظاہر ہے۔ ہاں بہتر یہ ہے کہ وہ اس طرح نماز نہ پڑھے مگر جب تاخیر کے سبب وقت کے فوت ہونے کا خوف ہو جس طرح تیمم کے ساتھ نماز پڑھنے کا معاملہ ہے۔ یہ بعینہ وہ کلام ہے جسے پہلے بحث کے انداز میں ذکر کیا ہے۔ ''فلیتامل''۔

وَ(اِنْ لَمْ يَكُنْ طَرَفُ الْعَجَلَةِ عَلَى الدَّابَّةِ جَازَ) لَوْ وَاقِفَةً: لِتَعْلِيلِهِمْ بِأَنَّهَا كَالسَّرِيرِ (هٰذَا) كُلُّهُ (فِي الْفَرْضِ) وَالْوَاجِبِ بِأَنْوَاعِهِ وَسُنَّةِ الْفَجْرِ بِشَرْطِ إِيقَافِهَا لِلْقِبْلَةِ إِنْ أَمْكَنَهُ، وَإِلَّا فَبِقَدْرِ الْإِمْكَانِ لِئَلَّا يَخْتَلِفَ بِسَيْرِهَا الْمَكَانُ

اور اگر گاڑی کی ایک جانب جانور پر نہ ہو تو نماز جائز ہوگی اگر وہ کھڑی ہو۔ کیونکہ علماء اس کی یہ علت بیان کرتے ہیں کہ یہ گاڑی چار پائی کی طرح ہے۔ یہ سب فرائض، واجبات کی تمام انواع اور فجر کی سنتوں میں ہے۔ شرط یہ ہے کہ اسے قبلہ رو کھڑا کرے اگر ممکن ہو، ورنہ جس قدر اس کے بس میں ہو، تاکہ اس کے چلنے سے جگہ مختلف نہ ہو۔

5873۔ (قولہ: إِنْ لَمْ يَكُنْ الخ) مناسب یہ تھا کہ اس کا ذکر عذروں کے بیان سے پہلے کرتے۔

5874۔ (قولہ: لَوْ وَاقِفَةً) اسی طرح ''شرح المنیہ'' میں یہ قید لگائی ہے۔ اور میں نے کسی اور کو یہ قید لگاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ یعنی جب گاڑی زمین پر ہو اور گاڑی میں سے کوئی بھی چیز سواری پر نہ ہو۔ مثلاً اس کی ایک رسی ہو، جانور اس کے ساتھ اس گاڑی کو کھینچتا ہو تو اس پر نماز پڑھنا صحیح ہوگا۔ کیونکہ اس وقت وہ گاڑی چار پائی کی طرح ہے جو زمین پر رکھی گئی ہو۔ اس تعلیل کا مقتضا یہ ہے اگر وہ اس حالت میں چل رہی ہو تو عذر کے بغیر اس پر نماز پڑھنا جائز نہ ہوگی۔ اس میں تامل ہے۔ کیونکہ گاڑی کو اس کے ساتھ کھینچنا جبکہ گاڑی زمین پر ہو اس کے زمین پر ہونے سے اسے خارج نہیں کرتی۔ ''تتارخانیہ'' کی ''المحیط'' سے جو عبارت مروی ہے وہ اسی کا فائدہ دیتی ہے۔ وہ یہ ہے: اگر ایک آدمی گاڑی پر نماز پڑھے، اگر اس کی ایک طرف جانور پر ہو جبکہ وہ گاڑی چل رہی ہو تو نماز جائز ہوگی۔ یہ چار پائی پر نماز پڑھنے کے قائم مقام ہے۔

فقولہ: وان لم یکن الخ یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے جو ہم نے کہا۔ کیونکہ یہ اصل مسئلہ کی طرف راجع ہے۔ جبکہ اس کی اس قول کے ساتھ قید لگائی ہے وہی تسیرا گر جواز نہ چلنے کے ساتھ مقید ہوتا تو اس کی قید لگاتے۔ ''فتامل''۔

5875۔ (قولہ: هٰذَا كُلُّهُ) یعنی نیچے اترنے کی قدرت نہ ہونے محمل کے نیچے لکڑی نہ رکھنے اور گاڑی کی ایک طرف سواری پر نہ ہونے کی جو شرط ہے یہاں سب مراد ہے۔ ''ح''۔

5876۔ (قولہ: وَالْوَاجِبِ بِأَنْوَاعِهِ) جو واجب لعینہ عیناً ہو جس طرح وتر، یا کفایۃً ہو جیسے نماز جنازہ، یا جو واجب لغیرہ ہو اور قول کے ساتھ واجب ہو جیسے نذر، یا فعل کے ساتھ واجب ہو جیسے ایسے نفل جن کو شروع کیا پھر انہیں فاسد کر دیا، اور سجدہ جس کی آیت سجدہ زمین پر تلاوت کی گئی۔ فافہم۔

5877۔ (قولہ: بِشَرْطِ الخ) ہم نے اس کی وضاحت (مقولہ 3792 میں) کر دی ہے۔

5878۔ (قولہ: لِئَلَّا الخ) یہ قول بشرط ایقافہا کی علت ہے۔ ''ح''۔

حاصل کلام یہ ہے: مکان کا ایک ہونا اور قبلہ رو ہونا، نفل نماز کے علاوہ میں حتی الامکان شرط ہے۔ یہ عذر کے بغیر ساقط نہیں ہوتے۔ اگر قبلہ رو کھڑا کرنا ممکن ہو تو اس طرح کرے۔ اس وجہ سے ''شرح المنیہ'' میں امام حلوانی نے نقل کیا ہے: اگر وہ

(وَأَمَّا فِي النَّفْلِ فَتَجُوزُ عَلَى الْمَحْمَلِ وَالْعَجَلَةِ مُطْلَقًا) فُرَادَى، لَا بِجَمَاعَةٍ إِلَّا عَلَى دَابَّةٍ وَاحِدَةٍ (وَلَوْ جَمَعَ بَيْنَ نِيَّةِ فَرْضٍ وَنَفْلٍ) وَلَوْ تَحِيَّةً (رُجِّحَ الْفَرْضُ) لِقُوَّتِهِ، وَأَبْطَلَهَا مُحَمَّدٌ وَالْأَئِمَّةُ الثَّلَاثَةُ (وَلَوْ نَذَرَ رَكْعَتَيْنِ بِغَيْرِ طُهْرٍ

جہاں تک نفل نماز کا تعلق ہے تو وہ محمل اور گاڑی پر مطلقاً جائز ہے، تنہا تنہا، نہ کہ جماعت کے ساتھ مگر جب وہ ایک سواری پر ہوں۔ اگر اس نے فرض اور نفل کی نیت کو جمع کیا اگرچہ نفل تحیہ کا ہو تو فرض کو راجح قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ فرض کو قوت حاصل ہے۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ اور تینوں ائمہ امام ''مالک''، امام ''شافعی'' اور امام ''احمد'' رحمۃ اللہ علیہم نے اسے باطل قرار دیا ہے۔ اگر ایک آدمی نے طہارت کے بغیر دو رکعتوں کی نذر مانی

قبلہ سے منحرف ہو گیا جبکہ وہ نماز میں تھا تو اس کی نماز جائز نہیں ہوگی۔ کہا: چاہئے کہ یہ قید لگائی جائے کہ قبلہ سے انحراف ایک رکن کی مقدار کا ہو۔

میں کہتا ہوں: یہ بحث باقی رہ گئی ہے کہ اگر روکنا ممکن ہو۔ قبلہ رو ہونا ممکن نہ ہو تو اس کے لازم ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ کیونکہ شارح نے اس کی علت ذکر کی ہے۔ اگر اس کے برعکس ہو تو کیا قبلہ رو ہونا لازم ہوتا ہے؟ میں نے اس بارے میں کوئی قول نہیں دیکھا۔ پھر میں نے ''الحلبہ'' میں دیکھا: یہ اسے لازم ہوگا۔ یہاں شارح کے قول کا ظاہر معنی ہے ورنہ جس قدر ممکن ہو۔ پھر میں نے ''الظہیریہ'' میں دیکھا جو اس کے خلاف پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ کہا: اگر وہ مٹی اور سخت کیچڑ میں ہو، نیچے اترنے سے ڈرتا ہے تو قبلہ رو ہو کر نماز پڑھے۔ کہا: میرے نزدیک جب سواری کھڑی ہو، مگر جب وہ چل رہی ہو تو وہ جس طرف چاہے منہ کر کے نماز پڑھے۔ یعنی جب اس کے لئے سواری کو کھڑا کرنا ممکن نہ ہو۔ کیونکہ اسے قافلہ کے فوت ہو جانے کا خوف ہو تو جس سمت چاہے منہ کر کے نماز پڑھے۔ ظاہر یہ ہے کہ پہلا قول اولیٰ ہے کیونکہ ضرورت، بقدر ضرورت مقدر کی جاتی ہے۔ ''تامل''۔

5879۔ (قولہ: مُطْلَقًا) خواہ وہ سواری کھڑی ہو یا چل رہی ہو، قبلہ رو ہو یا نہ ہو، وہ نیچے اترنے پر قادر ہو یا قادر نہ ہو، گاڑی کی طرف سواری پر ہو یا نہ ہو۔ ''ح''۔

5880۔ (قولہ: لَا بِجَمَاعَةٍ الخ) یہ ظاہر روایت میں ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے جواز کو مستحسن قرار دیا ہے کہ اگر ان کی سواریاں امام کی سواری کے قریب ہوں اس طرح کہ مقتدیوں اور امام کے درمیان کوئی فراخی نہیں مگر صف کے برابر ہو یہ زمین پر نماز پڑھنے پر قیاس کرتے ہیں۔ صحیح پہلا قول ہے۔ کیونکہ جماعت میں مکان کا اتحاد شرط ہے یہاں تک کہ اگر دونوں ایک سواری پر ایک محمل میں ہوں یا محمل کے دو حصوں میں ہوں تو جماعت جائز ہوگی۔ ''بدائع''۔

5881۔ (قولہ: وَلَوْ جَمَعَ الخ) یہ مسئلہ اپنی نظائر کے ساتھ باب صفۃ الصلاۃ سے تھوڑا پہلے گزرا ہے۔

5882۔ (قولہ: وَلَوْ تَحِيَّةً) اس میں کلام ہے جسے ہم نے پہلے (مقولہ 5724 میں) تحیۃ المسجد پر گفتگو کرتے ہوئے ذکر کی۔

لَزِمَاهُ بِهِ عِنْدَهُ) أَيْ أَبِي يُوسُفَ كَمَا لَوْ نَذَرَ بِغَيْرِ قِرَاءَةٍ، أَوْ عُرْيَانًا، أَوْ رَكْعَةً، وَكَذَا نِصْفُ رَكْعَةٍ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ، وَهُوَ الْمُخْتَارُ (وَأَهْدَرَهُ الثَّالِثُ) أَيْ مُحَمَّدٌ

تو طہارت کے ساتھ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر لازم ہو جائیں گی۔ جس طرح ایک آدمی قراءت کے بغیر نماز یا ننگے بدن ان کو پڑھنے کی نذر مانے یا ایک رکعت کی نذر مانے۔ اسی طرح امام ابو یوسف کے نزدیک نصف رکعت کی نذر مانے۔ یہی مختار مذہب ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس نذر کو رائیگاں قرار دیا ہے۔

5883۔ (قولہ: لَزِمَاهُ بِهِ) یعنی طہر کے ساتھ اسے دونوں رکعتیں لازم ہو جائیں گی۔ اسے ''البحر'' میں بحث کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔ اسے قیاس کیا ہے اگر وہ کہے بغیر وضوء۔

میں کہتا ہوں: بحث کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ متن میں جو کچھ ہے وہ ''المجمع'' کے متن میں مذکور ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے جب نذر ماننے والے نے اپنی ذات پر دو رکعتوں کو واجب کیا تو انہیں طہارت کے ساتھ واجب کیا۔ کیونکہ نماز طہارت کے ساتھ ہی واقع ہو سکتی ہے۔ اور اس کے بعد ان کا قول بغیر طہر اس سے رجوع ہے جس کو اس نے لازم کیا تھا تو یہ رجوع صحیح نہیں۔ ''ابن ملک''۔

5884۔ (قولہ: أَيْ أَبِي يُوسُفَ) اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ مصنف کو اس کی تصریح کرنی چاہئے۔ کیونکہ عندہ کی ضمیر کا کوئی مرجع نہیں۔ کیونکہ اس جیسی کلام میں متعارف یہ ہوتا ہے کہ امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ضمیر راجع ہو، مگر جب آپ کے علاوہ کوئی خاص مرجع ہو۔

5885۔ (قولہ: كَمَا لَوْ نَذَرَ بِغَيْرِ قِرَاءَةٍ الخ) کیونکہ کسی شے کو لازم کرنا اس کو لازم کرنا ہوتا ہے جس کے ساتھ وہ شے صحیح ہوتی ہے۔ تو یوں ہو گیا گویا اس نے نذر مانی ہے کہ اس نے قراءت، شرم گاہ کو ڈھانپ کر اور دو رکعتیں نماز پڑھنے کی نذر مانی ہے کیونکہ نماز غیر صحیح ہے جب وہ دوگانہ نہ ہو، قراءت اور کپڑے کے ساتھ نہ ہو۔ اسی طرح اگر اس نے تین رکعات کی نذر مانی تو اس پر چار رکعات لازم ہو جائیں گی جس طرح ''المجمع'' میں ہے۔ اور اس کی شرح میں اس کے ساتھ علت بیان کی جو ہم نے قول کیا ہے۔ اور کاف کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ تین مسائل ایسے ہیں جن میں امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف نہیں۔ ان میں اور پہلے مسئلہ میں آپ کے نزدیک فرق ''المجمع'' کی شروح میں ہے۔ اور ان کا قول و کذا نصف رکعۃ یعنی اس پر دو رکعات لازم ہوں گے کیونکہ اس چیز کا ذکر جو تقسیم کو قبول نہیں کرتی اس کے کل کا ذکر ہوتا ہے۔ گویا اس نے ایک رکعت کی نذر مانی یہ ایک اور رکعت کو لازم کرتا ہے جس طرح تیرے علم میں ہے۔

5886۔ (قولہ: وَأَهْدَرَهُ الثَّالِثُ) یعنی طہارت کے بغیر نماز پڑھنے کی نذر کو رائیگاں کر دیا ہے تو کہا: اسے کوئی چیز لازم نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ معصیت کی نذر ہے۔ ''الفتح'' میں جو قول ان المعتمد الاول ہے اس کا یہ مقتضا ہے۔

(أَوْ) نَذَرَ عِبَادَةً (فِي مَكَانٍ كَذَا فَأَدَّاهُ فِي أَقَلَّ مِنْ شَرَفِهِ جَازَ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ الْقُرْبَةُ خِلَافًا لِزُفَرَ وَالثَّلَاثَةِ (وَلَوْ نَذَرَتْ عِبَادَةً) كَصَوْمٍ وَصَلَاةٍ (فِي غَدٍ فَحَاضَتْ فِيهِ يَلْزَمُهَا قَضَاؤُهَا) لِأَنَّهُ يَمْنَعُ الْأَدَاءَ لَا الْوُجُوبَ (وَلَوْ نَذَرَتْهَا) يَوْمَ حَيْضِهَا لَا) لِأَنَّهُ نَذْرٌ بِمَعْصِيَةٍ (التَّرَاوِيحُ

یا اس نے فلاں جگہ عبادت کی نذر مانی تو اسے اس جگہ سے کم شرف والی جگہ ادا کیا تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ مقصود قربت ہے۔ امام زفر اور تینوں ائمہ امام مالک وغیرہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر ایک عورت نے کل عبادت کی نذر مانی جیسے روزہ اور نماز اور کل اسے حیض شروع ہو گیا تو اس پر قضا لازم ہوگی۔ کیونکہ حیض ادا کے مانع ہے وجوب کے مانع نہیں۔ اگر عورت نے اپنے حیض کے روز نذر مانی تو لازم نہ ہوگی کیونکہ یہ معصیت کی نذر ہے۔ تراویح

تنبیہ

اس نے نذر مانی کہ وہ ظہر کی آٹھ رکعات پڑھے گا، یا دسواں حصہ نصاب کا زکوۃ دے گا، یا حجۃ الاسلام دو دفعہ کرے گا اس پر زائد عمل لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ غیر مشروع کو لازم کرنا ہے۔ پس یہ معصیت کی نذر ہے۔ ''بحر''۔ فرق یہ ہے کہ قراءت کے بغیر اور ننگے نماز یہ عبادت ہوگی مقتدی کی، امی کی یا جس کے پاس کپڑے نہ ہوں۔ اسی طرح طہارت کے بغیر نماز ہے۔ کیونکہ امام ابو یوسف اس کی مشروعیت کے قائل ہیں ان لوگوں کے لئے جو پاکیزگی عطا کرنے والی دونوں چیزیں نہ پاتے ہوں۔ ''البحر'' میں اسے بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: گزشتہ تعلیل کہ کسی شے کو لازم کرنا اس چیز کو لازم کرنا ہے جس کے بغیر وہ صحیح نہیں ہوتی، یہ فرق کے ظاہر کرنے سے غنی کر دیتا ہے جبکہ یہ ایک رکعت یا اس کے نصف کی نذر کو شامل نہیں۔ ''تامل''۔

5887_(قولہ: أَوْ نَذَرَ الخ) جس طرح اگر اس نے مکہ مکرمہ کی مسجد میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو اسے بیت المقدس میں مثلاً ادا کیا یا کسی اور مسجد میں ادا کیا تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ نماز سے مقصود قربت ہوتی ہے، یہ ہر جگہ حاصل ہے۔ باب الوتر سے تھوڑا پہلے افضل جگہوں کا ذکر گزر چکا ہے۔

5888_(قولہ: لِأَنَّهُ) ضمیر سے مراد وہ حیض ہے جو سابقہ فعل سے مفہوم ہے۔

5889_(قولہ: لِأَنَّهُ نَذْرٌ بِمَعْصِيَةٍ) کیونکہ حیض کا دن روزہ کے منافی ہے جو عبادت ہے۔ الغد کے روزے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے ادائیگی کے قابل ہے لیکن آسمانی مانع نے اسے پھیر دیا اور ادائیگی سے مانع بن گیا پس قضا واجب ہوگی۔

نماز تراویح

5890_(قولہ: التَّرَاوِيحُ) یہ ترویحہ کی جمع ہے۔ چار رکعات کو ترویحہ کا نام دیا گیا کیونکہ اس کے بعد آرام کیا جاتا ہے۔ ''خزائن''۔ ان کو نوافل کے بعد ذکر کیا کیونکہ تراویح کے بہت سے اجزاء ہیں اور یہ نوافل سے کچھ خصوصیت رکھتی ہیں۔

سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ؛ لِمُوَاظَبَةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ إِجْمَاعًا
سنت مؤکدہ ہیں۔ کیونکہ خلفاء راشدین نے اس پر مواظبت اختیار کی ہے۔ یہ مردوں اور عورتوں کے لئے سنت ہیں اس پر اجماع ہے۔

کیونکہ تراویح کو جماعت کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے اور کئی اور احکام کے ساتھ خاص ہیں۔ اسی وجہ سے اس کے احکام بیان کرنے کے لئے امام حسام الدین نے ایک الگ تالیف کی اور علامہ قاسم نے ان کی پیروی کی۔

نماز تراویح کا شرعی حکم

5891۔(قولہ: سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ) ''الہدایہ'' وغیرہ میں اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہی مروی ہے۔ ''الاختیار'' میں ذکر کیا ہے کہ امام ابو یوسف نے امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے متعلق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کہا اس کے متعلق پوچھا تو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تراویح سنت مؤکدہ ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی جانب سے استخراج نہیں کیا اور نہ ہی آپ اس میں نیا عمل شروع کرنے والے تھے۔ اور آپ نے اس کا حکم نہیں دیا مگر ایسے اصول کی بنا پر جو آپ کے پیش نظر تھا اور اس میثاق کی وجہ سے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے تھا۔ امام قدوری کا قول انها مستحبة اس کے منافی نہیں جس طرح ''الہدایہ'' میں جو اس سے سمجھا گیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے کہا: مستحب ہے کہ لوگ جمع ہوں۔ تو یہ قول اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اجتماع مستحب ہے۔ اور اس میں ایسی کوئی دلالت نہیں کہ تراویح مستحب ہیں۔ ''العنایہ'' میں اسی طرح ہے۔ ''شرح منیۃ المصلی'' میں ہے: کئی علما نے تراویح کے سنت ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔ اس کی مکمل بحث ''البحر'' میں ہے۔

5892۔(قولہ: لِمُوَاظَبَةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ) یعنی خلفاء سے مراد اکثر خلفا راشدین ہیں۔ کیونکہ ان پر مواظبت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوئی اور اس پر عام صحابہ اور آج تک مابعد کے علما نے بغیر کسی انکار کے موافقت کی ہے۔ یہ کس طرح نہ ہوتا جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمان ثابت ہے۔ عليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهديين، عضوا عليها بالنواجذ كما رواه ابو داؤد(1) ''بحر''۔ تم پر میری سنت اور خلفاء راشدین جو ہدایت یافتہ ہیں کی سنت کو اپنانا لازم ہے۔ اسے مضبوطی سے پکڑلو۔

5893۔(قولہ: إِجْمَاعًا) یہ متن کے قول سنة للرجال والنساء کی طرف راجع ہے۔ اور اس قول کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ روافض کا قول کسی شمار میں نہیں کہ یہ صرف مردوں کے لئے سنت ہے۔ جس طرح ''الدرر'' اور ''الکافی'' میں ہے۔ یا ان کا قول کہ یہ اصلاً سنت نہیں۔ جس طرح ان سے مشہور ہے، جیسا ''حاشیۃ النوح'' میں ہے۔ ان کے قول کا شمار اس لئے نہیں کیونکہ وہ اہل بدعت ہیں، جو اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں، وہ نہ کتاب پر اعتماد کرتے ہیں اور نہ ہی سنت پر اعتماد کرتے ہیں اور صحیح احادیث کا انکار کردیتے ہیں۔

1۔ سنن ابن ماجہ، مقدمہ اتباع سنة الخلفاء، جلد 1، صفحہ 37، حدیث نمبر 41

(وَ وَقْتُهَا بَعْدَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ) إِلَى الْفَجْرِ (قَبْلَ الْوِتْرِ وَبَعْدَهُ) فِي الْأَصَحِّ،

اور تراویح کا وقت عشا کی نماز کے بعد سے فجر تک ہے، وتروں سے پہلے ہو یا اس کے بعد ہو۔ یہی اصح قول ہے۔

نماز تراویح کا وقت

5894۔ (قوله: بَعْدَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ) لفظ صلاۃ کو مقدر کیا اس امر کی طرف اشارہ کرنے کیلئے کہ یہاں عشاء سے مراد نماز ہے اس کا وقت نہیں۔ اور اس امر کی طرف اشارہ کرنے کے لئے جو "النہر" میں ہے من ان المراد ما بعد الخروج منها۔ حتی لو بنی التراویح علیها لا یصح، وهو الاصح، وکذا بناؤها علی سنتها کما فی "الخلاصة"، قال: فکانهم الحقوا السنة بالفرض "مراد نماز عشاء سے فارغ ہونے کے بعد ہے یہاں تک کہ اگر اس نے تراویح کی نماز کی بنا نماز عشاء پر کی تو صحیح نہ ہوگا، یہی اصح ہے۔ اسی طرح اس کی سنتوں پر بنا صحیح نہیں۔ جس طرح "الخلاصہ" میں ہے فرمایا: گویا ان علما نے سنتوں کو فرض کے ساتھ لاحق کیا ہے۔

تتمہ

نیت کی بحث میں اختلاف گزر چکا ہے کہ سنن کے لئے تعیین ضروری ہے یا مطلق نیت کافی ہے۔ اصح یہ ہے کہ صرف نیت کافی ہے جب کہ محتاط پہلا قول ہے۔ اس کے بارے میں کلام کی جاچکی ہے۔ پس وہاں رجوع کریں۔ نیز کیا تراویح کے ہر شفع کے لیے علیحدہ نیت کرنا شرط ہوگا؟ "خلاصہ" میں ہے: صحیح یہی ہے کہ ہاں۔ کیونکہ یہ علیحدہ نماز ہے۔ "الخانیہ" میں ہے: اصح یہ ہے کہ نہیں۔ کیونکہ سب ایک نماز کے قائم مقام ہے۔ اسی طرح "تتارخانیہ" میں ہے۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ اختلاف اصل نیت میں ہے۔ میرے لئے پہلی تصحیح ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ سلام کے ساتھ وہ نماز سے حقیقتاً خارج ہو گیا ہے۔ پس سنت میں داخل ہونے کے لئے نیت کا ہونا ضروری ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اختلاف سے نکلنے کے لئے اس میں زیادہ احتیاط ہے۔ ہاں "الحلبہ" میں دوسری تصحیح کو ترجیح دی اگر پہلے شفع میں شروع ہوتے وقت تمام تراویح کی نیت کی۔ جس طرح وہ اپنے گھر سے نکلا جبکہ جماعت کے ساتھ فرض نماز کا ارادہ کرتا تھا اور جب امام تک پہنچا تو نیت حاضر نہ تھی۔

5895۔ (قوله: إِلَى الْفَجْرِ) یہ اس کا آخری وقت ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ جس طرح "النہر" میں ہے۔

5896۔ (قوله: فِي الْأَصَحِّ) یعنی تینوں اقوال میں سے صحیح ترین قول میں پہلا قول یہ ہے: ان کا وقت تمام رات ہے عشا سے پہلے اور عشا کے بعد، وتر سے پہلے اور وتر کے بعد۔ کیونکہ تراویح قیام اللیل ہیں۔ "البحر" میں کہا: میں نے کسی عالم کو نہیں دیکھا جس نے اس کی تصحیح کی ہو۔ اس کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اس کا وقت سورج کے غروب ہونے سے شروع ہو جاتا ہے۔

دوسرا قول: تراویح کا وقت عشا اور وتر کے درمیان ہے۔ "الخلاصہ" میں اس کی تصحیح کی ہے اور "غایۃ البیان" میں اسے راجح قرار دیا ہے کیونکہ یہ ورثہ در ورثہ چلا آرہا ہے۔

تیسرا قول: مصنف، "کنز" کی پیروی میں جس پر چلے ہیں اور "الکافی" میں اسے جمہور کی طرف منسوب کیا ہے

فَلَوْ فَاتَهُ بَعْضُهَا، وَقَامَ الْإِمَامُ إِلَى الْوِتْرِ أَوْتَرَ مَعَهُ، ثُمَّ صَلَّى مَا فَاتَهُ (وَيُسْتَحَبُّ تَأْخِيرُهَا إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ) أَوْ نِصْفِهِ، وَلَا تُكْرَهُ بَعْدَهُ فِي الْأَصَحِّ (وَلَا تُقْضَى إِذَا فَاتَتْ أَصْلًا) وَلَا وَحْدَهُ فِي الْأَصَحِّ

اگران میں سے بعض فوت ہو جائیں اور امام وتر کے لئے کھڑا ہو جائے تو امام کے ساتھ وتر پڑھے پھر جو تراویح فوت ہو چکی ہیں ان کو پڑھ لے۔ اور انہیں رات کی تہائی یا نصف تک مؤخر کرنا مستحب ہے۔ اور اس کے بعد اصح قول کے مطابق مکروہ نہیں۔ اور جب تراویح فوت ہو جائیں تو اصلاً ان کی قضا نہ ہوگی اور نہ ہی اکیلے قضا کرے گا یہ اصح قول میں ہے۔

''الہدایہ''، ''الخانیہ''، ''المحیط'' میں اس کی تصحیح کی ہے۔ ''بحر''۔

5897۔ (قولہ: فَلَوْ فَاتَهُ بَعْضُهَا الخ) یہ اصح وقت پر تفریع ہے۔ لیکن یہ اس پر مبنی ہے کہ وتر میں افضل جماعت ہے گھر نہیں۔ اس میں اختلاف ہے جو عنقریب (مقولہ 5929 میں) آئے گا۔ شارح کا قول اوتر معه یہ افضیلت کے طریقہ پر ہے۔ اور اسی طرح گزشتہ تین قولوں میں سے اول قول کے مطابق ہے۔ جہاں تک تین اقوال میں سے دوسرے قول کا تعلق ہے تو جو تراویح فوت ہو چکی ہیں ان کو ادا کرے گا۔ اور ''الخلاصہ'' میں اس کی یہ علت بیان کی ہے وتر کے بعد ان کو بجا لانا ممکن نہیں۔

اور جو ہم نے بیان کیا ہے اس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ ''البحر'' میں جو ہے کہ اسے تیسرے قول کی تفریع بنایا ہے جس طرح یہ دوسرے قول کی تفریع ہے جبکہ صحیح کا لااول ہے جس طرح یہاں شارح اس پر چلے ہیں۔ اور اختلاف کا ثمرہ اس صورت میں بھی ظاہر ہوگا اگر وہ تراویح کو وتر کے بعد پڑھے یا بعض کو بھول جائے اور وتر پڑھنے کے بعد اسے یاد آئے تو باقی ماندہ کو پڑھے۔ یہ پہلے اور تیسرے قول پر صحیح ہوگا دوسرے قول پر صحیح نہ ہوگا۔

5898۔ (قولہ: وَلَا تُكْرَهُ بَعْدَهُ فِي الْأَصَحِّ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: نصف کے بعد مکروہ ہے۔ کیونکہ تراویح نماز عشا کے تابع ہے پس یہ عشا کی سنتوں کے تابع ہوں گی۔ اس کا جواب یہ ہے اگر چہ یہ عشا کے تابع ہیں لیکن یہ رات کی نماز ہیں اس میں افضل رات کا آخری حصہ ہے تو جو رات کی نماز ہے اسے موخر کرنا مکروہ نہیں۔ لیکن احسن یہ ہے کہ رات کے آخری حصہ تک انہیں موخر نہ کیا جائے۔ کیونکہ ان کے فوت ہونے کا خوف ہے، ''حلبی'' نے ''الامداد'' سے نقل کیا ہے۔ اور ''البحر'' میں جو قول ہے کہ صحیح یہ ہے ''کہ تاخیر میں کوئی حرج نہیں'' یہ اس کے مکروہ تنزیہی کے ثبوت پر دلالت نہیں کرتا، یہاں تک کہ شارح کے قول لایکرہ کا یہ جواب دیا جائے کہ جس کی نفی کی گئی ہے وہ کراہت تحریمی ہے۔ کیونکہ لا بأس کا حکم دلالت کرتا ہے کہ اس کی جانب مخالف اولیٰ ہے۔ اور ہر وہ جو خلاف اولیٰ ہو مکروہ تنزیہی نہیں ہوتا۔ کیونکہ کراہت کے لئے خاص دلیل کا ہونا ضروری ہے۔ جس طرح ہم نے کئی بار اسے بیان کیا ہے بلکہ علامہ قاسم کے رسالہ وغیرھا میں ہے: صحیح یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور یہ مستحب اور افضل ہے کیونکہ یہ قیام اللیل ہے۔ فافہم۔

5899۔ (قولہ: وَلَا وَحْدَهُ) یہ اصلاً کا بیان ہے۔ یعنی نہ جماعت کے ساتھ اور نہ ہی اکیلے۔ ''ط''۔

5900۔ (قولہ: فِي الْأَصَحِّ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب تک دوسری تراویح کا وقت داخل نہیں ہوتا وہ اس کی قضا

(فَإِنْ قَضَاهَا كَانَتْ نَفْلًا مُسْتَحَبًّا وَلَيْسَ بِتَرَاوِيحَ) كَسُنَّةِ مَغْرِبٍ وَعِشَاءٍ (وَالْجَمَاعَةُ فِيهَا سُنَّةٌ عَلَى الْكِفَايَةِ) فِي الْأَصَحِّ، فَلَوْ تَرَكَهَا أَهْلُ مَسْجِدٍ أَثِمُوا لَا لَوْ تَرَكَ بَعْضُهُمْ، وَكُلُّ مَا شُرِعَ بِجَمَاعَةٍ فَالْمَسْجِدُ فِيهِ أَفْضَلُ، قَالَهُ الْحَلَبِيُّ

اگر ایک آدمی ان کی قضا کرے تو وہ مستحب نفل ہوں گے اور تراویح نہ ہوں گی جس طرح مغرب اور عشاء کی سنتیں ہیں۔ اور تراویح میں جماعت سنت کفایہ ہے۔ اصح قول کے مطابق اگر مسجد والے اسے ترک کر دیں تو سب گناہگار ہوں گے اگر ان میں سے بعض ترک کر دیں تو گناہگار نہ ہوں گے۔ ہر وہ نماز جس میں جماعت مشروع ہے تو اس میں مسجد افضل ہے۔ یہ ''حلبی'' نے کہا ہے۔

کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا: جب تک مہینہ نہ گزر جائے۔'' قاسم''۔

5901۔ (قولہ: فَإِنْ قَضَاهَا) یعنی اگر اکیلے ان کی قضا کرے۔''البحر''۔

5902۔ (قولہ: كَسُنَّةِ مَغْرِبٍ وَعِشَاءٍ) یعنی تراویح کا حکم یہ ہے کہ ان کی قضا نہ ہوگی جب تراویح فوت ہو جائیں جس طرح باقی رات کی سنتیں ہیں۔ کیونکہ تراویح بھی ان میں سے ہیں۔ کیونکہ قضا، یہ فرض کا خاصہ اور فجر کی سنت کا خاصہ ہے جب ان کی شرط پائی جائے۔

نماز تراویح کو با جماعت ادا کرنا سنت کفایہ ہے

5903۔ (قولہ: وَالْجَمَاعَةُ فِيهَا سُنَّةٌ عَلَى الْكِفَايَةِ الخ) اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا کہ تراویح کی اصل سنت عین ہے۔ اگر کوئی ان کو ترک کرے تو یہ مکروہ ہوگا۔ جب انہیں جماعت کے ساتھ نہ پڑھے تو معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ سنت کفایہ ہے۔ اگر سب لوگ جماعت ترک کریں تو سب گناہگار ہوں گے۔ اگر لوگوں میں سے کوئی ایک اس سے پیچھے رہ جائے اور اپنے گھر میں تراویح پڑھے تو اس نے فضیلت کو ترک کیا۔ اگر کوئی گھر میں جماعت کے ساتھ تراویح پڑھے تو وہ مسجد میں جماعت کی فضیلت پانے والے نہیں ہوں گے۔ فرض نمازوں میں بھی اسی طرح ہے۔ جس طرح ''المنیہ'' میں ہے۔

کیا یہ مراد ہے کہ شہر کی ہر مسجد والوں کے لئے سنت کفایہ ہے، اس کی ایک مسجد والوں کے لئے سنت کفایہ ہے یا محلہ والوں کے لئے سنت کفایہ ہے؟

شارح کی کلام کا ظاہر معنی اول قول ہے۔ ''طحطاوی'' نے دوسرے کو ظاہر روایت قرار دیا ہے۔ اور میرے لئے تیسرا قول ظاہر ہے۔ کیونکہ ''المنیہ'' کا قول ہے: یہاں تک کہ اگر محلہ کے تمام لوگ جماعت کو ترک کر دیں تو انہوں نے سنت کو ترک کیا اور غلط کام کیا۔

ان کی کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ سنت کفایہ مسجد میں جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنا ہے یہاں تک کہ اگر لوگ اپنے گھروں میں جماعت قائم کریں اور مسجد میں جماعت نہ ہو تو سب گناہگار ہوں گے۔ اور جو ہم نے پہلے ''المنیہ'' سے قول نقل

(وَهِيَ عِشْرُونَ رَكْعَةً) حِكْمَتُهُ مُسَاوَاةُ الْمُكَمِّلِ لِلْمُكَمَّلِ (بِعَشْرِ تَسْلِيمَاتٍ) فَلَوْ فَعَلَهَا بِتَسْلِيمَةٍ: فَإِنْ قَعَدَ لِكُلِّ شَفْعٍ صَحَّتْ بِكَرَاهَةٍ، وَإِلَّا نَابَتْ عَنْ شَفْعٍ وَاحِدٍ، بِهِ يُفْتَى

اور یہ بیس رکعات ہیں۔ان کی حکمت مکمل کو مکمل کے برابر کرنا ہے دس سلاموں کے ساتھ۔اگر وہ بیس رکعات ایک سلام کے ساتھ پڑھے، اگر وہ ہر شفع کے لئے بیٹھے تو کراہت کے ساتھ یہ صحیح ہو جائیں گی۔ورنہ ایک دوگانہ کے قائم مقام ہوگی۔اسی پر فتویٰ ہے۔

کیا ہے وہ ان لوگوں کے متعلق ہے جو جماعت سے رہ گئے تھے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں جماعت سنت عین ہے۔جس نے تراویح اکیلے پڑھیں وہ گناہگار ہوا اگرچہ وہ مسجد میں پڑھی گئیں۔''ظہیر الدین'' یہی فتویٰ دیا کرتے تھے۔ایک قول یہ کیا گیا: گھر میں تراویح کی جماعت مستحب ہے مگر عظیم فقیہ کے لئے جس کی اقتدا کی جاتی ہو پس اس کے حاضر ہونے میں دوسرے لوگوں کو ترغیب ہوتی ہے۔صحیح جمہور کا قول ہے کہ جماعت سنت کفایہ ہے۔اس کی مکمل بحث''البحر'' میں ہے۔

نماز تراویح میں رکعات کی تعداد

5904۔(قولہ: وَهِيَ عِشْرُونَ رَكْعَةً) یہ جمہور کا قول ہے اس پر مشرق و مغرب میں لوگوں کا عمل ہے۔امام مالک سے یہ قول مروی ہے: ان کی تعداد چھتیس ہے:''الفتح'' میں ذکر کیا۔دلیل کا مقتضایہ ہے کہ ان میں سے مسنون آٹھ ہیں اور باقی مستحب ہیں۔ان کی مکمل بحث''البحر'' میں ہے۔میں نے اس کا جواب اس میں دیا ہے جو میں نے اس پر تعلیق لکھی ہے۔

5905۔(قولہ: الْمُكَمِّلِ) یہ میم کے کسرہ کے ساتھ ہے جو تراویح ہیں۔للمکتل یہ میم کے فتحہ کے ساتھ ہے اس سے مراد وتر کے ساتھ فرائض ہیں۔اور یہاں کوئی مانع نہیں کہ یہ وتر کو مکمل کریں اگرچہ انہیں وتروں سے پہلے پڑھا گیا ہو۔''النہر'' میں ہے: اس میں کوئی خفا نہیں کہ سنت بھی اگرچہ تکمیل کرتی ہیں مگر یہ مہینہ اس کے کمال کی زیادتی کی وجہ سے اس میں اس مکمل کا اضافہ کیا گیا ہے۔پس یہ تراویح فرائض کو مکمل کریں گی۔''ط''۔

5906۔(قولہ: صَحَّتْ بِكَرَاهَةٍ) یعنی سب کی جانب سے صحیح ہو جائیں گی۔اگر جان بوجھ کر ایسا کرے تو یہ مکروہ ہوں گی۔یہی صحیح ہے جس طرح''الحلبہ'' میں''النصاب'' اور''خزانۃ الفتاوی'' سے مروی ہے، جو''المنیہ'' میں مکروہ نہ ہونے کا قول ہے وہ اس کے خلاف ہے۔کیونکہ اس میں جو ضعف ہے وہ مخفی نہیں کیونکہ یہ متوارث کے خلاف ہے۔جبکہ علما نے یہ تصریح کی ہے کہ رات کے وقت مطلق نوافل میں آٹھ سے زائد رکعات اکٹھی پڑھنا مکروہ ہے تو یہاں بدرجہ اولیٰ مکروہ ہوگا۔''بحر''۔

5907۔(قولہ: بِهِ يُفْتَى) میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے یہاں اس لفظ کی تصریح کی ہو۔''النہر'' میں''زاہدی'' سے اس کی تصریح مروی ہے کہ اگر وہ ایک سلام اور ایک قعدہ کے ساتھ چار رکعات پڑھے، مگر جب وہ بیس رکعات اسی طرح اکٹھی پڑھے تو اس نے''البحر'' میں اس پر قیاس کیا۔ہاں''الخانیہ'' وغیرھا میں اس کی تصریح کی ہے کہ یہ صحیح ہے۔ساتھ ہی ہم

(يَجْلِسُ) نَدْبًا
اور وہ ہر

''البدائع''، ''الخلاصہ'' اور ''تتار خانیہ'' سے (مقولہ 5819 میں) پہلے نقل کر چکے ہیں: اگر اس نے نفلی نماز تین، چھ یا آٹھ رکعات ایک قعدہ کے ساتھ پڑھیں تو اصح یہ ہے کہ وہ نماز استحساناً اور قیاساً فاسد ہوگی۔ ہم اس کی وجہ پہلے بیان کر چکے ہیں۔ چار سے زائد رکعات کی ایک سلام اور ایک قعدہ کے ساتھ تصحیح میں اختلاف ہے: کیا ایک دوگانہ کی جانب سے وہ صحیح ہوگی یا وہ نماز فاسد ہو جائے گی: اس پر متنبہ ہو جایئے۔

فروع

لوگوں کو شک ہوا کہ کیا انہوں نے نو سلام یا دس سلام پڑھ لئے ہیں وہ اکیلے ایک سلام کو پڑھ لیں یعنی دو رکعات پڑھ لیں۔ یہ اصح قول ہے کیونکہ تراویح کو مکمل کرنے میں احتیاط اس میں ہے۔ اور نوافل کو جماعت کے ساتھ پڑھنے میں احتراز اس میں ہے۔ اسی طرح کا حکم ہے اگر لوگوں کو وتروں کے بعد ایک سلام یعنی دو رکعات یاد آئیں۔ یہ ابن فضل کے نزدیک ہے۔ صدر الشہید نے کہا: یہ کہنا جائز ہوگا کہ اسے جماعت کے ساتھ پڑھا جائے۔ یہی اظہر ہے۔ کیونکہ یہ مختار قول پر مبنی ہے۔ اور اس کے وقت میں اسے ادا کیا جا رہا ہے۔ اگر امام ایک رکعت کے اختتام پر پہلے دوگانہ میں بھول کر سلام پھیر دے پھر وہ باقی ماندہ نماز پڑھے ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ صرف پہلے شفع کی قضا کرے گا۔ کیونکہ مابعد میں اس کا شروع ہونا صحیح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سب کی قضا کرے گا۔ کیونکہ اس کے پہلے سلام نے اسے تکبیر تحریمہ سے خارج نہیں کیا۔ کیونکہ وہ سلام بھول کی بنا پر تھا۔ اسی طرح بعد کا ہر سلام ہوگا جو سہو ہوگا اور پہلے سہو پر مبنی ہوگا۔ پس اس نے تمام دوگانوں میں دو رکعتوں کے اختتام پر قعدہ کو ترک کیا پس تراویح فاسد ہوگئیں۔ مگر جب وہ جان بوجھ کر سلام پھیرے یا اس کے بعد ایسا فعل کرے جو نماز کے منافی ہو یا اسے علم ہو کہ وہ بھولا ہے۔ اس کی مکمل بحث ''شرح المنیہ'' میں ہے۔

میرے لئے پہلے قول کا راجح ہونا ظاہر ہوا ہے۔ کیونکہ اس کے سلام نے اگرچہ اسے نماز سے خارج نہیں کیا لیکن دوسرے دوگانہ کی طرف منتقل ہونے کے لئے اس کا تکبیر کہنا اس پہلے دوگانہ سے خارج کر دیتا ہے۔ پھر میں نے اسے ''الحلبہ'' میں دیکھا کہا: یہ زیادہ مناسب ہے۔

5908۔ (قولہ: يَجْلِسُ) یہاں مراد حقیقتاً بیٹھنا نہیں بلکہ انتظار کرنا ہے۔ کیونکہ اس جلسہ کے درمیان اسے اختیار ہے کہ وہ ذکر کرے یا خاموش رہے اور یہ کہ وہ اکیلے نماز پڑھے جس کا ذکر کریں گے۔ ''شرح المنیہ'' اور ''البحر'' میں اس کو بیان کیا ہے۔

5909۔ (قولہ: نَدْبًا) ''کنز'' کی کلام من الله سنة اس کا فائدہ دیتی ہے۔ ''زیلعی'' نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ یہ مستحب ہے سنت نہیں۔ ''الہدایہ'' میں اس کی تصریح کی ہے۔

(بَيْنَ كُلِّ أَرْبَعَةٍ بِقَدْرِهَا وَكَذَا بَيْنَ الْخَامِسَةِ وَالْوِتْرِ وَيُخَيَّرُونَ بَيْنَ تَسْبِيحٍ وَقِرَاءَةٍ وَسُكُوتٍ وَصَلَاةٍ فُرَادَى، نَعَمْ تُكْرَهُ صَلَاةُ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ

چار رکعتوں کے درمیان چار رکعات کی مقدار بیٹھے گا۔ اسی طرح پانچویں ترویحہ اور وتر کے درمیان بیٹھے گا۔ اور نمازیوں کو اختیار ہوگا کہ وہ تسبیح پڑھیں، قراءت قرآن کریں، خاموش رہیں اور تنہا نماز پڑھیں۔ ہاں دو رکعات کے بعد دو رکعات پڑھنا مکروہ ہے۔

5910۔ (قولہ: بَيْنَ كُلِّ أَرْبَعَةٍ) زیادہ واضح ''الکنز'' کا قول ہے بعد کلّ اربعة، یا ''المنیہ'' اور ''الدرر'' کا قول ہے بین کل ترویحتین۔ کیونکہ مصنف کا قول وہم دلاتا ہے کہ جلسہ ہر چار رکعات میں پہلے دوگانہ کے بعد ہے۔ اس کا جواب ہے کہ مراد ہے بین کلّ اربعة و اربعة ہے۔ پس ایک عدد کو حذف کر دیا جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ (البقرہ: 285) یعنی بین احد و احد اس میں کوئی فساد نہیں۔ فافہم۔

5911۔ (قولہ: وَكَذَا بَيْنَ الْخَامِسَةِ وَالْوِتْرِ) ''الہدایہ'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ اور ''النہر'' میں اس پر استدراک کیا اس قول کے ساتھ جو ''الخلاصہ'' میں ہے من ان اکثرهم علی عدم الاستحباب، و هو الصحیح۔

میں کہتا ہوں یہ سبقت نظر ہے۔ کیونکہ ''الخلاصہ'' کی عبارت اس طرح ہے والاستراحه علی خمس تسلیمات اختلف المشایخ فیه، و اکثرهم علی انه لا یستحب، و هو الصحیح کیونکہ خمس تسلیمات سے ان کی مراد پانچ دوگانے ہیں یعنی دسویں رکعت کے اختتام پر وہ اس طرح کرے۔ جس طرح ''شرح المنیہ'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ اس سے مراد پانچ تراویح نہیں جس میں سے ہر تراویحہ چار رکعات کا ہو۔ صاحب ''النہر'' پر سلام، ترویحہ کے ساتھ مشتبہ ہو گیا۔ فافہم۔

5912۔ (قولہ: بَيْنَ تَسْبِيحٍ) ''قہستانی'' نے کہا: تین بار کہا جائے گا سبحان ذی الملك و الملکوت، سبحان ذی العزّة و العظمة و القدرة و الکبریاء و الجبروت، سبحان الملك الحیّ الذی لا یموت، سبوح قدّوس ربّ الملائکة و الرّوح، لا اله الاّ الله، نستغفر الله، نسالك الجنّة و نعوذ بك من النار۔ جس طرح منهج العباد میں ہے۔

5913۔ (قولہ: وَصَلَاةٍ فُرَادَى) یعنی چار رکعات نماز۔ پس سولہ رکعات زائد ہو جائیں گی۔ علامہ قاسم نے کہا: اگر یہ رکعات اکیلے اکیلے زائد کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں جبکہ یہ امر مستحب ہے۔ اگر یہ رکعات جماعت کے ساتھ پڑھیں، جس طرح امام مالک کا مذہب ہے، تو یہ مکروہ ہوگا۔ ''النہر'' میں جہاں تک نماز کا تعلق ہے تو ایک قول کیا گیا: یہ مکروہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سنت ہے۔ اور ''سراج'' میں جو کلام ہے اس کا ظاہر یہ ہے۔ اور اہل مکہ طواف کرتے ہیں اور اہل مدینہ چار دفعہ درود پڑھتے ہیں۔

5914۔ (قولہ: نَعَمْ تُكْرَهُ الخ) نماز کے مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہر دو ترویحوں کے درمیان استراحت مشروع ہے۔ دو دوگانوں کے درمیان استراحت مشروع نہیں۔

(وَالْخَتْمُ) مَرَّةً سُنَّةٌ، وَمَرَّتَيْنِ فَضِيلَةٌ، وَثَلَاثًا أَفْضَلُ (وَلَا يُتْرَكُ) الْخَتْمُ (لِكَسَلِ الْقَوْمِ) لَكِنْ فِي الِاخْتِيَارِ (الْأَفْضَلُ فِي زَمَانِنَا قَدْرُ مَا لَا يُثْقِلُ عَلَيْهِمْ)، وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ وَغَيْرُهُ،

ایک دفعہ قرآن کو ختم کرنا سنت ہے، دو دفعہ فضیلت ہے، اور تین دفعہ افضل ہے۔ اور لوگوں کی سستی و کاہلی کی وجہ سے ختم قرآن کو ترک نہ کیا جائے گا۔ لیکن ''الاختیار'' میں ہے: ہمارے زمانہ میں افضل یہ ہے کہ اتنی قراءت کرے جو لوگوں پر بوجھ کا باعث نہ ہو۔ مصنف وغیرہ نے اسے ثابت رکھا ہے۔

نماز تراویح میں ختم قرآن سنت ہے

5915۔ (قولہ: وَالْخَتْمُ مَرَّةً سُنَّةٌ) نماز تراویح میں ختم قرآن سنت ہے۔ ''الخانیہ'' وغیرہا میں اس کی تصریح کی ہے۔ ''الہدایہ'' میں اسے اکثر مشائخ کی طرف منسوب کیا ہے۔ ''الکافی'' میں جمہور کی طرف منسوب کیا ہے اور ''البرہان'' میں ہے: امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہی مروی ہے اور آثار میں یہی منقول ہے۔ ''زیلعی'' نے کہا: بعض علما نے ستائیسویں رات کو ختم قرآن کو مستحب قرار دیا ہے یہ امید کرتے ہوئے کہ وہ لیلۃ القدر کو پالیں گے کیونکہ اولیات اس بارے میں غالب ہیں۔ امام حسن نے امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ آپ ہر رکعت میں دس آیات اور ان کی مثل پڑھا کرتے۔ یہی قول صحیح ہے۔ کیونکہ سنت ایک دفعہ ختم ہے یہ اس طرح ہو جاتا ہے ساتھ ہی تخفیف بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ مہینے میں تراویح کی رکعات کی تعداد چھ سو ہے اور قرآن کی آیات کی تعداد چھ ہزار آیات اور کچھ ہیں۔

اور جو ''الخلاصہ'' میں ہے کہ وہ ہر رکعت میں دس آیات پڑھے تا کہ ستائیسویں رات کو ختم ہو جائے۔ اور اسی کی مثل ''الفیض'' میں قول ہے۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ دس دس آیات کی صورت میں تقسیم کرنا یہ تیس راتوں میں ختم کا تقاضا کرتا ہے مگر جب ساتھ ہی وتر کو ملایا جائے۔ لیکن ''الخانیہ'' وغیرہ میں جو قول ہے وہ تراویح کی تخصیص کا فائدہ دیتا ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ''شرح الشیخ اسماعیل'' میں ہے۔ ''شرح المنیہ'' میں ہے: پھر جب مہینہ کے اختتام سے قبل ختم کر دے تو ایک قول یہ کیا گیا: باقی ماندہ راتوں میں تراویح کو ترک کر دے تو یہ مکروہ نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ ایک دفعہ ختم قرآن کے لئے مشروع کی گئی ہیں۔ یہ ابوعلی نسفی نے کہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ تراویح پڑھے اور ان میں جو چاہے قراءت کرے۔ اس کا ''ذخیرہ'' میں کہا ہے۔

5916۔ (قولہ: الْأَفْضَلُ فِي زَمَانِنَا) کیونکہ جماعت کا زیادہ ہونا یہ لمبی قراءت سے افضل ہے۔ ''حلبہ'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے۔ اس میں اس امر کا شعور دلایا جارہا ہے کہ یہ زمانہ کے مختلف ہونے پر مبنی ہے۔ زمانہ کے مختلف ہونے سے احکام لوگوں کی مصلحتوں کے حوالے سے بہت سے مسائل میں مختلف ہو جاتے ہیں۔ اس وجہ سے ''البحر'' میں کہا: حاصل یہ ہے کہ مذہب میں جس قول کی تصحیح کی گئی وہ یہ ہے کہ ختم قرآن سنت ہے۔ لیکن تصحیح سے ختم قرآن کا ترک نہ کرنا لازم نہیں آتا۔ جب ترک نہ کرنے سے قوم کو نفرت دلانا اور مساجد کو معطل کرنا لازم آتا ہو، خصوصاً ہمارے زمانہ میں، پس قوم پر جو امر زیادہ خفیف ہو اسے اختیار کیا جانا چاہئے۔

وَفِي الْمُجْتَبَى عَنْ الْإِمَامِ لَوْ قَرَأَ ثَلَاثًا قِصَارًا أَوْ آيَةً طَوِيلَةً فِي الْفَرْضِ فَقَدْ أَحْسَنَ وَلَمْ يُسِئْ، فَمَا ظَنُّكَ بِالتَّرَاوِيحِ؟ وَفِي فَضَائِلِ رَمَضَانَ لِلزَّاهِدِيِّ أَفْتَى أَبُو الْفَضْلِ الْكَرْمَانِيُّ وَالْوَبَرِيُّ أَنَّهُ إذَا قَرَأَ فِي التَّرَاوِيحِ الْفَاتِحَةَ وَآيَةً أَوْ آيَتَيْنِ لَا يُكْرَهُ، وَمَنْ لَمْ يَكُنْ عَالِمًا بِأَهْلِ زَمَانِهِ فَهُوَ جَاهِلٌ

''المجتبیٰ'' میں ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول مروی ہے: اگر امام نے تین چھوٹی آیات یا ایک طویل آیت فرضوں میں قراءت کی تو اس نے اچھا کیا اور اس نے کوئی غلط کام نہیں کیا تو تراویح کے بارے میں تیرا کیا گمان ہے؟ زاہدی کی ''فضائل رمضان'' میں ہے: ابوفضل کرمانی اور وبری نے فتویٰ دیا کہ جب ایک آدمی نے تراویح میں سورۃ فاتحہ اور ایک آیت یا دو آیات کی تلاوت کی تو یہ مکروہ نہیں ہوگا۔ اور جو آدمی اہل زمانہ سے واقف نہیں وہ عالم نہیں۔

5917۔(قولہ: وَفِي الْمُجْتَبَى الخ) ان کی عبارت جو ''البحر'' میں ہے وہ یہ ہے: متاخرین علما ہمارے زمانہ میں تین چھوٹی یا ایک طویل آیت پڑھنے کا فتویٰ دیتے تاکہ قوم اکتا نہ جائے اور مساجد کا تعطل لازم نہ آئے۔ کیونکہ امام حسن نے امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے: اگر ایک امام نے فرض نماز میں سورہ فاتحہ کے بعد تین آیات پڑھیں تو اس نے بہت اچھا عمل کیا اور اس نے کوئی غلطی نہیں کی۔ یہ فرض نماز میں ہے تو فرض نماز کے علاوہ میں تیرا کیا گمان ہوگا۔

5918۔(قولہ: وَآيَةً أَوْ آيَتَيْنِ) جو چھوٹی تین آیات کے برابر ہوں۔ اس کی دلیل ''المجتبیٰ'' کی روایت ہے والا فلو دون ذلك كره تحريما کیونکہ ''المنیہ'' اور اس کی ''شرح'' میں صفت صلاۃ کی بحث میں ہے: ''اگر اس نے سورۂ فاتحہ کے ساتھ ایک چھوٹی آیت یا دو چھوٹی آیتیں پڑھیں تو وہ مکروہ تحریمی کی حد سے خارج نہ ہوگا اور اگر تین چھوٹی آیات کی قراءت کی یا ایک آیت یا دو آیات کی قراءت کی جو تین چھوٹی آیات کے برابر ہیں تو وہ مذکورہ حد کراہت سے خارج ہو جائے گا لیکن استحباب کی حد میں داخل نہیں ہوگا۔ چاہئے کہ اس میں کراہت تنزیہی ہو۔ یعنی کیونکہ سنت مفصل سورت کی قراءت ہے۔

یہاں ان کے قول لَا يُكْرَهُ سے مراد ہے کہ نہ مکروہ تحریمی ہوگا اور نہ مکروہ تنزیہی ہوگا اگرچہ فرائض میں یہ مکروہ تنزیہی ہے۔ فافہم۔

اسے ذہن نشین کر لو۔ ''التجنیس'' میں ہے: بعض علما نے ہر رکعت میں سورہ اخلاص کی قراءت کو پسند کیا ہے اور بعض نے سورۃ الفیل کی قراءت کو پسند کیا ہے۔ یعنی اس سے شروع کرے پھر اس کو دوبارہ پڑھے۔ یہ احسن ہے۔ تاکہ اس کا دل رکعات کی تعداد میں مشغول نہ ہو۔ ''الحلبہ'' میں کہا: ہمارے علاقہ میں اس پر اکثر مساجد کے ائمہ کا عمل پختہ ہو چکا ہے مگر وہ پہلی رکعت میں سورۂ تکاثر اور دوسری میں سورۂ اخلاص پڑھتے ہیں۔ یہ سلسلہ یوں ہی رہے گا یہاں تک کہ وہ انیسویں رکعت میں سورۂ لہب اور بیسویں میں سورۂ اخلاص کی قراءت کرتے ہیں۔

''البحر'' میں اس کا اضافہ کیا: اس میں آخری ترویحہ کے پہلے شفع میں اس وجہ سے کراہت نہیں کہ ایک سورت کا فاصلہ ہے۔ کیونکہ یہ فرائض کے ساتھ خاص ہے۔ جس طرح ''الخلاصہ'' وغیرہا کا ظاہر معنی ہے۔

(وَيَأْتِي الْإِمَامُ وَالْقَوْمُ بِالثَّنَاءِ فِي كُلِّ شَفْعٍ وَيَزِيدُ) الْإِمَامُ (عَلَى التَّشَهُّدِ إِلَّا أَنْ يَمَلَّ الْقَوْمُ فَيَأْتِي بِالصَّلَوَاتِ) وَيَكْتَفِي بِاللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ؛ لِأَنَّهُ الْفَرْضُ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ (وَيَتْرُكُ الدَّعَوَاتِ) وَيَجْتَنِبُ الْمُنْكَرَاتِ هَذْرَمَةَ الْقِرَاءَةِ، وَتَرْكَ تَعَوُّذٍ، وَتَسْمِيَةٍ، وَطُمَأْنِينَةٍ، وَتَسْبِيحٍ، وَاسْتِرَاحَةٍ (وَتُكْرَهُ قَاعِدًا) لِزِيَادَةِ تَأَكُّدِهَا، حَتَّى قِيلَ لَا تَصِحُّ (مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَى الْقِيَامِ)

اور امام اور قوم ہر شفع میں ثنا پڑھے گی۔ اور امام تشہد سے زائد پڑھے گا۔ مگر جب قوم اکتا جائے تو وہ درود پڑھے گا اور اللھم صل علی محمد پر اکتفا کرے گا۔ کیونکہ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ فرض ہے۔ دعا کو چھوڑ دے گا اور منکرات سے اجتناب کرے گا۔ یعنی جلدی قراءت کرے، تعوذ، بسم اللہ، طمانیت، تسبیح اور استراحت کو ترک کرنے سے اجتناب کرے۔ اور تراویح کو بیٹھ کر پڑھنا مکروہ ہے۔ کیونکہ ان کے بارے میں زیادہ تاکید ہے یہاں تک کہ یہ کہا گیا کہ وہ صحیح نہ ہوں گی جبکہ وہ قیام پر قدرت رکھتا ہو۔

میں کہتا ہوں: لیکن زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ آخری ترویحہ کے پہلے دوگانہ میں سورۃ نصر اور سورۃ تبت کی قراءت کی جائے اور دوسرے شفع میں معوذتین کی قراءت کی جائے۔ ہمارے زمانہ کے بعض ائمہ ترویحہ کے پہلے شفع میں سورۃ العصر اور سورہ اخلاص کی قراءت کرتے ہیں اور دوسرے شفع میں سورۂ کوثر اور سورۂ اخلاص کی قراءت کرتے ہیں۔

5919۔ (قولہ: وَيَزِيدُ الْإِمَامُ الخ) یعنی دعائیں پڑھے۔ ''بحر''۔

5920۔ (قولہ: وَيَكْتَفِي بِاللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ) ''شرح المنیہ الصغیر'' میں یہ زائد ذکر کیا ہے و علی آل محمد۔ گویا شارح نے پہلے پر اختصار کیا ہے یہ تعلیل سے اخذ کیا ہے۔ کیونکہ آل پر درود امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرض نہیں بلکہ آخری تشہد میں ان کے نزدیک سنت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے نزدیک واجب ہے۔

5921۔ (قولہ: هَذْرَمَةَ) ھاء کے فتحہ اور ذال معجمہ کے سکون اور را کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ مراد کلام اور قراءت میں تیزی کرنا ہے۔ یہ لفظ المنکرات سے بدل ہونے پر منصوب ہے اور اسے ماقبل سے الگ کرنا بھی جائز ہے۔ ''ح''۔

5922۔ (قولہ: وَاسْتِرَاحَةٍ) اس سے مراد ہر چار رکعات کے بعد قعدہ ہے۔ جبکہ یہ (مقولہ 5909 میں) گزر چکا ہے کہ یہ مندوب ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ منکرات سے مراد وہ سب امور ہیں جن کا ذکر ہوا۔ مگر یہ مراد لیا جائے کہ منکرات سے مراد وہ ہے جو مشروع کے مخالف ہو۔

بیٹھ کر نماز تراویح پڑھنا مکروہ ہے

5923۔ (قولہ: وَتُكْرَهُ قَاعِدًا) یعنی یہ مکروہ تنزیہی ہے۔ کیونکہ ''الحلبہ'' وغیرھا میں ہے: علما کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ عذر کے بغیر مستحب نہیں۔ کیونکہ اسلام سے جو ورثہ در ورثہ چلا آرہا ہے یہ اس کے خلاف ہے۔

5924۔ (قولہ: حَتَّى قِيلَ الخ) امام حسن کی امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے فجر کی سنتوں میں جو روایت ہے اس پر

كَمَا يُكْرَهُ تَأْخِيرُ الْقِيَامِ إِلَى رُكُوعِ الْإِمَامِ لِلتَّشَبُّهِ بِالْمُنَافِقِينَ (وَلَوْ تَرَكُوا الْجَمَاعَةَ فِي الْفَرْضِ لَمْ يُصَلُّوا التَّرَاوِيحَ جَمَاعَةً) لِأَنَّهَا تَبَعٌ فَمُصَلِّيهِ وَحْدَهُ يُصَلِّيهَا مَعَهُ (وَلَوْ لَمْ يُصَلِّهَا) أَيْ التَّرَاوِيحَ (بِالْإِمَامِ)

جس طرح یہ مکروہ ہے کہ وہ قیام کو امام کے رکوع کے ساتھ موخر کرے۔ کیونکہ اس میں منافقین کے ساتھ مشابہت ہے۔ اگر تمام لوگ فرضوں کی جماعت کو ترک کریں تو وہ تراویح کی نماز جماعت کے ساتھ نہ پڑھیں کیونکہ تراویح تابع ہیں پس وہ شخص جو فرض کو تنہا پڑھے وہ امام کے ساتھ تراویح پڑھ سکتا ہے۔ اگر ایک آدمی نے تراویح امام کے ساتھ نہ پڑھیں

قیاس کرتے ہوئے یہ قول کیا ہے۔ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک سنت مؤکدہ ہیں۔ جبکہ صحیح فرق ہے کیونکہ فجر کی سنتیں اختلاف کے بغیر موکد ہیں۔ تراویح کا معاملہ مختلف ہے۔ جس طرح ''الخانیہ'' میں ہے۔ ہم ان کی عبارت سنۃ الفجر کی بحث میں (مقولہ 5701 میں) ذکر کر آئے ہیں۔

5925۔ (قولہ: كَمَا يُكْرَهُ الخ) اس کا ظاہر یہ ہے کہ مذکورہ علت کی وجہ سے یہ مکروہ تحریمی ہے۔ ''البحر'' میں ''الخانیہ'' سے مروی ہے: مقتدی کے لئے مکروہ ہے کہ وہ تراویح میں بیٹھے اور جب امام رکوع کا ارادہ کرے تو کھڑا ہو جائے۔ کیونکہ یہ نماز میں سستی کا اظہار اور منافقین کے ساتھ مشابہت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَإِذَا قَامُوٓا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى (النساء: 142) ''ط''۔ ''الحلبہ'' میں کہا: اس میں اس امر کا شعور دلایا جا رہا ہے جب یہ سستی کی وجہ سے نہ ہو بلکہ بڑھاپے وغیرہ کی وجہ سے ہو تو مکروہ نہیں۔ جبکہ یہ اسی طرح ہے۔

تنبیہ

''تتارخانیہ'' میں ہے: اسی طرح جب اس پر نیند غالب آ جائے تو اس کے لئے نماز پڑھنا مکروہ ہے بلکہ وہ نماز کو چھوڑ دے یہاں تک بیدار ہو جائے۔

امام کے ساتھ وتروں کی ادائیگی کا مسئلہ

5926۔ (قولہ: لِأَنَّهَا تَبَعٌ) کیونکہ تراویح کی جماعت فرض نماز کی جماعت کے تابع ہے۔ کیونکہ تراویح کی جماعت قائم نہیں کی جاتی مگر فرض کی جماعت کے ساتھ قائم کی جاتی ہے۔ اگر تراویح کی جماعت اکیلے قائم کی جائے تو یہ اس کے مخالف ہوگی۔ کیونکہ نص فرض کی جماعت میں وارد ہے۔ پس یہ جماعت مشروع نہ ہوگی مگر جب فرض نماز جماعت کے ساتھ پڑھی گئی۔ اور ایک آدمی نے تنہا فرض پڑھے اسے حق حاصل ہے کہ اس امام کے ساتھ تراویح کی نماز پڑھے۔ کیونکہ تراویح کی جماعت مشروع ہے تو اسے جماعت میں دوسرے لوگوں کیساتھ داخل ہونے کا حق حاصل ہے کیونکہ اسے منع نہیں کیا گیا۔ یہ ایسا امر ہے جو اس کی توجیہ میں میرے لئے ظاہر ہوا۔ اس کے ساتھ یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ مذکورہ تعلیل اکیلے نمازی کو شامل نہیں۔ پس اس پر اس قول فمصلّیہ وحدہ الخ کے ساتھ تفریع صحیح ہوگا۔ فافہم۔

5927۔ (قولہ: وَلَوْ لَمْ يُصَلِّهَا) اس فرع اور اس سے ماقبل فرع کو ''البحر'' میں ''القنیہ'' سے ذکر کیا ہے۔ ''الدرر''

أَوْ صَلَّاهَا مَعَ غَيْرِهِ لَهُ أَنْ (يُصَلِّيَ الْوِتْرَ مَعَهُ ، بَقِيَ لَوْ تَرَكَهَا الْكُلُّ هَلْ يُصَلُّوْنَ الْوِتْرَ بِجَمَاعَةٍ ، فَلْيُرَاجَعْ (وَلَا يُصَلَّى الْوِتْرُ وَ) لَا (التَّطَوُّعُ بِجَمَاعَةٍ خَارِجَ رَمَضَانَ) أَيْ يُكْرَهُ ذَلِكَ

یا کسی اور کے ساتھ پڑھیں، اسے حق حاصل ہے کہ وہ وتر اس امام کے ساتھ پڑھ لے۔ یہ مسئلہ باقی رہ گیا ہے کہ اگر سب لوگ تراویح کو ترک کر دیں کیا وہ وتر جماعت کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں۔ کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہئے۔ رمضان کے باہر وتر کو جماعت کے ساتھ نہیں پڑھا جائے گا اور نہ ہی نفل کو جماعت کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ لیکن اگر یہ

کے متن میں اسی طرح ہے۔ لیکن ''تتارخانیہ'' میں ''التتمہ'' سے یہ مروی ہے: علی بن احمد سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے فرض اور تراویح علیحدہ پڑھیں یا صرف تراویح کی نماز علیحدہ پڑھی کیا وہ امام کے ساتھ وتر کی نماز پڑھ سکتا ہے؟ فرمایا: نہیں

پھر میں نے ''قہستانی'' کو دیکھا آپ نے اس کی تصحیح کا ذکر کیا جو ''مصنف'' نے ذکر کیا پھر کہا: لیکن جب اس نے فرض امام کے ساتھ نہ پڑھے تو وتر میں امام کی اتباع نہ کرے۔

پس مصنف کا قول ولو لم یصلّہا اگر اس نے تراویح امام کے ساتھ نہ پڑھیں جبکہ اس نمازی نے فرض امام کے ساتھ پڑھے۔ لیکن چاہئے کہ ''قہستانی'' کا قول معہ اس کے اکیلے نماز تراویح پڑھنے سے احتراز ہو۔ مگر جب اس نے تراویح کی نماز جماعت کے ساتھ کسی اور آدمی کے ساتھ پڑھی پھر وتر کی نماز اس امام کے ساتھ پڑھی تو کوئی کراہت نہیں۔

5928_(قولہ: بَقِيَ الخ) جو امر ظاہر ہوتا ہے کہ وتر کی جماعت، تراویح کی جماعت کے تابع ہے۔ اگرچہ وتر اپنی ذات میں اصل ہے۔ کیونکہ وتر میں جماعت کی سنت ایک اثر سے پہچانی گئی ہے جب کہ یہ تراویح کے تابع ہو۔ کیونکہ علما نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ تراویح کے بعد جماعت کے ساتھ اس کی نماز پڑھنا افضل ہے۔ جس طرح آگے (اگلے مقولہ میں آئے گا۔

تداعی کے طریقہ پر نفل اور نماز رغائب میں اقتدا کا مکروہ ہونا

5929_(قولہ: أَيْ يُكْرَهُ ذَلِكَ) اس امر کی طرف اشارہ کیا جو علما نے کہا کہ قدوری کا قول لایجوز جو ''مختصر'' میں ہے اس سے مراد کراہت ہے عدم جواز نہیں۔ لیکن ''الخلاصہ'' میں ''قدوری'' سے مروی ہے انہ لا یکرہ۔ اور ''الحلبہ'' میں اس کی تائید کی ہے اس قول کے ساتھ جسے امام طحاوی نے حضرت مسور بن مخرمہ سے روایت نقل کی ہے کہا: ہم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رات کے وقت دفن کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے وتر کی نماز نہیں پڑھی، آپ کھڑے ہوئے اور ہم نے آپ کے پیچھے صف بنائی تو آپ نے تین رکعات ہمیں پڑھائیں اور ان کے آخر میں سلام پھیرا۔ ''شرح معانی الآثار''۔ باب الوتر۔

پھر فرمایا یہ کہنا ممکن ہے: ظاہر یہ ہے کہ جماعت اس میں مستحب نہیں۔ پھر اگر یہ کبھی کبھی ہو، جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا، تو یہ امر مباح ہوگا مکروہ نہیں ہوگا۔ اگر مواظبت کے طریقہ پر ہوگا تو بدعت اور مکروہ ہوگا۔ کیونکہ یہ درثہ در ورثہ جو عمل چلا آرہا ہے اس کے خلاف ہے امام قدوری نے ''مختصر'' میں جو قول ذکر کیا ہے اسے اس پر محمول کرنا چاہئے اور جس قول کو ''مختصر''

لَوْ عَلَى سَبِيلِ التَّدَاعِي، بِأَنْ يَقْتَدِيَ أَرْبَعَةٌ بِوَاحِدٍ كَمَا فِي الدُّرَرِ، وَلَا خِلَافَ فِي صِحَّةِ الِاقْتِدَاءِ: إِذْ لَا مَانِعَ، نَهْرٌ وَفِي الْأَشْبَاهِ عَنْ الْبَزَّازِيَّةِ يُكْرَهُ الِاقْتِدَاءُ فِي صَلَاةِ رَغَائِبَ

تداعی کے طریقہ پر ہو تو یہ مکروہ ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ چار آدمی ایک کی اقتدا کریں۔ جس طرح ''الدرر'' میں ہے۔ اقتدا کے صحیح ہونے میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ اس سے کوئی مانع نہیں۔ ''نہر''۔ ''الاشباہ'' میں ''بزازیہ'' سے مروی ہے: رغائب،

کے علاوہ میں ذکر کیا ہے اسے پہلے قول پر محمول کیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

میں کہتا ہوں اس کی تائید وہ قول بھی کرتا ہے جو ''البدائع'' میں ہے: نفل میں جماعت سنت نہیں مگر رمضان کی راتوں کے احیاء میں۔

کیونکہ سنت ہونے کی نفی، کراہت کو مستلزم نہیں۔ ہاں اگر مواظبت کے ساتھ ہو تو بدعت ہوگا اور مکروہ ہوگا۔ ''خیر رملی'' کے ''حاشیۃ البحر'' میں ہے: ''الضیاء'' اور ''النہایہ'' میں کراہت کی یہ علت بیان کی کہ وتر من وجہ نفل ہے یہاں تک کہ سب میں قراءت واجب ہے اور اسے اذان اور اقامت کے بغیر ادا کیا جاتا ہے۔ اور جماعت کے ساتھ نفل غیر مستحب ہے۔ کیونکہ صحابہ نے رمضان کے علاوہ ایسا نہیں کیا۔ یہ اس کے مکروہ تنزیہی ہونے میں صریح کی طرح ہے۔ ''تامل''

5930۔ (قولہ: عَلَى سَبِيلِ التَّدَاعِي) اس سے مراد ہے کہ بعض لوگ بعض کو بلائیں۔ جس طرح ''المغرب'' میں ہے۔ ''وانی'' نے اس کی تفسیر کثرت سے کی ہے۔ یہ اس کے معنی کا لازم ہے۔

5931۔ (قولہ: أَرْبَعَةٌ بِوَاحِدٍ) جہاں تک ایک آدمی کی ایک کی اقتدا یا دو کی ایک آدمی کی اقتدا کا تعلق ہے تو یہ مکروہ نہیں اور تین آدمی ایک کی اقتدا کریں تو اس میں اختلاف ہے، ''بحر'' میں ''کافی'' سے مروی ہے۔ کیا اس اقتدا کے ساتھ جماعت کی فضیلت حاصل ہو جاتی ہے؟ جو ہم نے پہلے (مقولہ 5929 میں) بیان کیا ہے کہ نفل میں جماعت سنت نہیں، اس کا ظاہر یہ فائدہ دیتا ہے کہ فضیلت حاصل نہیں ہوتی۔ ''تامل''۔

یہ امر باقی رہ گیا ہے اگر اس کی ایک یا دو آدمی اقتدا کریں پھر ایک جماعت آئے جو اس امام کی اقتدا کرے، ''رحمتی'' نے کہا: چاہئے کہ کراہت ان لوگوں پر ہو جو بعد میں آئے۔

میں کہتا ہوں: یہ سب اس وقت ہے جب سب نفل پڑھنے والے ہوں۔ مگر جب نفل پڑھنے والے فرض پڑھنے والے کی اقتدا کریں تو پھر کوئی کراہت نہیں۔ جس طرح ہم آنے والے باب میں (مقولہ 5957 میں) اس کا ذکر کریں گے۔

5932۔ (قولہ: فِي صَلَاةِ رَغَائِبَ) ''حموی'' کے ''حاشیۃ الاشباہ'' میں ہے اس سے مراد وہ نماز ہے جو رجب کے پہلے جمعہ کی رات کو پڑھی جاتی ہے۔ ابن الحاج نے ''المدخل'' میں کہا: یہ نماز 480 ہجری کے بعد شروع ہوئی۔ علما نے اس نماز کے انکار، اس کی مذمت اور پڑھنے والے کی بے وقوفی کو ظاہر کرنے میں کتب لکھیں۔ بہت سے شہروں میں اس کے پڑھنے والوں کی کثرت سے دھوکا میں نہیں پڑنا چاہئے ہم نے (پہلے مقولہ 5756 میں) اس کے متعلق کچھ گفتگو و احیاء لیلۃ

وَبَرَاءَةٍ وَقَدْرٍ، إِلَّا إِذَا قَالَ نَذَرْتُ كَذَا رَكْعَةً بِهَذَا الْإِمَامِ جَمَاعَةً قُلْتُ وَتَتِمَّةُ عِبَارَةِ الْبَزَّازِيَّةِ مِنْ الْإِمَامَةِ (وَلَا يَنْبَغِي أَنْ يَتَكَلَّفَ كُلَّ هَذَا التَّكَلُّفِ لِأَمْرٍ مَكْرُوهٍ) وَفِي التَّتَارْخَانِيَّةِ (لَوْ لَمْ يَنْوِ الْإِمَامَةَ لَا كَرَاهَةَ عَلَى الْإِمَامِ) فَلْيُحْفَظْ (وَفِيهِ) أَيْ رَمَضَانَ (يُصَلَّى الْوِتْرُ وَقِيَامُهُ بِهَا) وَهَلْ الْأَفْضَلُ فِي الْوِتْرِ الْجَمَاعَةُ أَمْ الْمَنْزِلُ؟

براءت اور قدر کی نماز میں اقتدا مکروہ ہے۔ مگر جب وہ یہ کہے میں نے اتنی رکعات اس امام کے ساتھ پڑھنے کی نذر مانی ہے۔ میں کہتا ہوں: ''بزازیہ'' کی کتاب الامامہ سے باقی عبارت یہ ہے: اسے مکروہ امر کے لئے اتنا تکلف نہیں کرنا چاہئے۔ ''تتارخانیہ'' میں ہے: اگر اس نے امامت کی نیت نہ کی تو امام پر کوئی کراہت نہیں۔ پس اسے یاد رکھا جانا چاہئے۔ اور رمضان شریف میں وتر اور اس کا قیام یعنی تراویح جماعت کے ساتھ پڑھی جائیں۔ کیا وتر میں جماعت افضل ہے یا منزل؟

العیدین کے قول میں کی ہے۔

5933_(قولہ: وَبَرَاءَةٍ) یہ نصف شعبان کی رات ہے۔

5934_(قولہ: وَقَدْرٍ) ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد رمضان کی ستائیسویں رات ہے۔ کیونکہ ہم نے پہلے (مقولہ 5915 میں) ''زیلعی'' سے نقل کیا ہے من ان الاخبار تظاہرت علیہا۔

5935_(قولہ: إِلَّا إِذَا قَالَ الخ) کیونکہ اس وقت جماعت کے بغیر اس سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ اور شارح کی کلام کا ظاہر یہ ہے کہ نذر مقتدیوں کی جانب سے ہے امام کی جانب سے نہیں ورنہ نذر ماننے والے کی نذر ماننے والے کی اقتدا ہوگی۔ جبکہ یہ جائز نہیں۔ پھر یہ مسئلہ کہ اس سے قوی کی ضعیف پر بنا لازم آتی ہے، یہ اس وقت مانع ہوتی ہے جب قوت ذاتی ہو۔ اگر قوت نذر کے ساتھ واقع ہو، جس طرح یہاں ہے، تو وہ مانع نہیں۔ اسی وجہ سے ''شرح المنیہ'' میں کہا: النذر کالنفل۔ ''طحطاوی'' نے ''ابو سعود'' سے نقل کیا ہے۔

5936_(قولہ: قُلْتُ الخ) ''بزازیہ'' کی مکمل عبارت نقل نہیں کی۔ اس کی نص یہ ہے: اسے ایسے امر کو لازم کرنے کا، جو پہلے زمانہ میں نہیں، محض مکروہ امر کو قائم کرنے کا اتنا تکلف نہیں کرنا چاہئے۔ وہ مکروہ امر تداعی کے طریقہ پر نفل کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا ہے۔ اگر کوئی اس جیسی نماز کو ترک کرتا ہے تاکہ لوگوں کو یہ تعلیم دے کہ یہ شعار نہیں تو اس کا ترک کرنا اچھا ہوگا۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ نذر کے ساتھ وہ اس سے خارج نہیں ہوا کہ وہ نفل کو جماعت کے ساتھ ادا کر رہا ہے۔

5937_(قولہ: وَفِي التَّتَارْخَانِيَّةِ الخ) اس کی عبارت جو ''المحیط'' سے منقول ہے: قاضی امام ابو علی نسفی نے اس آدمی کے متعلق ذکر کیا جس نے عشاء، تراویح اور وتر گھر میں پڑھے پھر اس نے دوسرے لوگوں کی تراویح میں امامت کرائی اور امامت کی نیت کی تو اس امام کے لئے یہ امر مکروہ ہے، مقتدیوں کے لئے مکروہ نہیں۔ اگر وہ امامت کی نیت نہ کرے اور نماز میں شروع ہو جائے، لوگ اس کی اقتدا کریں تو کسی کے لئے بھی مکروہ نہیں۔

تَصْحِيحَانِ، لَكِنْ نَقَلَ شَارِحُ الْوَهْبَانِيَّةِ مَا يَقْتَضِي أَنَّ الْمَذْهَبَ الثَّانِي، وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ وَغَيْرُهُ

دونوں کی تصحیح کی گئی ہے۔لیکن ''وہبانیہ'' کے شارح نے ایسا قول نقل کیا ہے جو یہ تقاضا کرتا ہے کہ مذہب دوسرا قول ہے۔اور مصنف وغیرہ نے اسے یہ ثابت رکھا ہے۔

امام ''طحطاوی'' نے کہا: کیا ایک حنفی جمعہ کی بعد والی سنتوں میں کسی شافعی امام کی اقتدا کرسکتا ہے، جو جمعہ کے بعد ظہر کی نماز پڑھتا ہے، حنفی کے اعتقاد کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر یہ مکروہ ہے۔کیونکہ قابل اعتماد قول کے مطابق حنفی کے نزدیک یہ نفل نماز ہے یا یہ مکروہ نہیں اس لئے کہ امام کے اعتقاد کو پیش نظر رکھا جائے اسے بیان کرو۔

میرے لئے پہلا امر ظاہر ہوا کیونکہ زیادہ راجح یہ ہے کہ مقتدی کے اعتقاد کا اعتبار کیا جائے اور اس کے اعتقاد میں یہ نماز مکروہ ہے۔

5938۔(قولہ: تَصْحِيحَانِ) کمال نے جماعت کو راجح قرار دیا ہے۔کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو وتر کی جماعت کرائی پھر نہ آنے کا عذر بیان کیا۔جس طرح تراویح میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا۔پس وتر، تراویح کی طرح ہے تو جس طرح تراویح میں جماعت سنت ہے اسی طرح وتر میں ہے(1)۔''شرح المنیہ'' میں ہے صحیح یہ ہے کہ اس میں جماعت افضل ہے مگر اس کی جماعت کی نیت، تراویح کی جماعت کی سنت کی طرح نہیں۔

''خیر رملی'' نے کہا: یہ وہ رائے ہے جس پر آج عوام الناس ہیں۔''محشی'' نے بھی اسے قوی قرار دیا ہے کہ جو قول گزر چکا ہے ''وہ نماز جو جماعت کے ساتھ مشروع کی گئی ہو تو مسجد اس میں افضل ہے'' اس کا مقتضا یہی ہے۔

1۔السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الصلاۃ، باب قیام شہر رمضان، جلد 2، صفحہ 492

ضروری یادداشت